شرح اردو

مختصر القدوری

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دار العلوم دیوبند

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (متفق علیہ)

اللہ جل شانہ جس بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازتے ہیں

الصُّبحُ النُّورِی

شرح اردو

مختصرُ القدوری

مُصَنَّفہ

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی فاضل دیوبند

جلد ——— اوّل

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ، کراچی ١

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : ستمبر ۲۰۰۲ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : صفحات در ۲ جلد

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

فہرست کتب جو بوقت شرح زیر مطالعہ رہیں

نمبر شمار	اسماء کتب	جلد	مصنف	وفات
۱	البحر الرائق شرح کنز الدقائق	۷	علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن محمد	۹۷۰ھ
۲	تکملۃ البحر الرائق	۱	شیخ محمد بن حسین علی الطوری الحنفی	
۳	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	۲	علامہ فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی الحنفی	۷۴۳ھ
۴	ہدایہ	۲	العلامۃ الفقیہ علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی	۵۹۳ھ
۵	فتح القدیر شرح ہدایہ معہ	۲	علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بابن الہمام	۸۶۱ھ
۶	عنایہ شرح ہدایہ		امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
۷	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	۲	مولانا شمس الدین احمد بن قودر	
۸	کفایہ شرح ہدایہ	۴	شیخ جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرلانی	
۹	نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ	۴	علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی	۷۶۲ھ
۱۰	الدر المختار شرح تنویر الابصار	۲	شیخ علاء الدین محمد بن علی بن محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۱	مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر	۲	علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ	۱۰۷۸ھ
۱۲	شرح نقایہ	۲	صدر الشریعۃ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی	۱۰۱۴ھ
۱۳	ردالمحتار حاشیہ الدر المختار (شامی)	۵	شیخ محمد امین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲ھ
۱۴	فتاوی بزازیہ (الجامع الوجیز)	۳	حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز	۸۲۷ھ
۱۵	فتاوی قاضی خاں	۳	علامہ فخر الدین حسن بن منصور بن محمود	۵۹۲ھ
۱۶	فتاویٰ عالمگیری	۶		
۱۷	حاشیہ اعزازیہ	۱	مولانا محمد اعزاز علی بن محمد مزاج علی	۱۳۷۴ھ
۱۸	حاشیہ صدیقیہ	۱	مولانا محمد احسن بن لطف علی الصدیقی	۱۳۱۲ھ
۱۹	حاشیہ قدوری (کلاں)	۱		
۲۰	غایۃ الاوطار ترجمہ الدر المختار	۴	مولانا خرم علی بلہوری، مولانا محمد احسن نانوتوی	
۲۱	عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ	۴	مولانا محمد امیر علی	
۲۲	معدن الحقائق شرح کنز الدقائق	۲	از نادم تحریر محمد حنیف غفرلہ گنگوہی	
۲۳	اشراق نوری ترجمہ قدوری	۱		

فہرست مضامین مقدمہ کتاب ''الصبح النوری شرح مختصر القدوری''

فہرست مضامین کتاب ''الصبح النوری شرح مختصر القدوری'' (جلد اول)

دیباچہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَعَ الْاِسْلَامَ فَسَھَّلَ شَرَائِعَہٗ لِمَنْ وَّرَدَہٗ ' وَاَعَزَّ اَرْکَانَہٗ عَلٰی مَنْ غَالَبَہٗ ' فَجَعَلَہٗ اَمْنًا لِمَنْ عَلِقَہٗ ' وَ سِلْمًا لِمَنْ دَخَلَہٗ ' لا یَبلغ مدحَتَہ القائلون ولایؤدّی حقَّہ المجتھدون' اَحمدُہٗ عَلٰی عواطفِ کرمِہٖ و سوابغ نِعَمِہٖ' و اومِنُ بہ اوّلاً بادیًا و استھدِیْہِ قَرِیبًا ھادیًا' والصَّلٰوۃُ والسَّلامُ عَلٰی من اختارہٗ مِن شجرۃِ الانبیَاءِ و مِشکَاۃِ الضّیَاءِ ' مَاخوذٌ علی النبیّیِن میثاقُہٗ' مَشْھُوْرَۃٌ سمَاتُہٗ الَّذِیْ خلّف فینا کتابَ ربِّنا مبیِّنًا حَلالَہٗ و حَرَامَہٗ' و فَرَائضہٗ و عزائمہ ' اللھمَّ داحِیَ المدحُوَّاتِ وداعم المَسمُوکاتِ' اجعَلْ شَرَائفَ صَلواتک ' ونوامیَ برکاتِکَ' علٰی افضلِ مخلوقاتِک ' کلّمَا و قبَ لَیْلٌ و غسقَ' ولاحَ نَجْمٌ وَّ خَفَقَ ' وَاحْشُرْنَا فِیْ زُمْرَتِہٖ غیرَ خزایا ولا نادمین' ولا ناکبین ولا ناکثین ولاضالّین ولا مُضلّین وَ لا مفتونین' برحمتِکَ یَا ارحم الرّاحِمین۔

امابعد: تفسیر وحدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مقام ہے وہ کسی اور علم کو حاصل نہیں' نیز کتب فقہیہ میں ہزار سالہ قدیم ترین متن متین ''مختصر القدوری'' کی جامعیت اور اس کا جو درجہ ہے وہ بھی اہل علم پر مخفی نہیں جس کی عربی شروحات تو بکثرت موجود ہیں لیکن اردو زبان میں اس پر کام نہیں ہوا' لے دے کر صرف ایک اشراق نوری ہے جو محض ترجمہ تک محدود ہے' حالانکہ مبتدی طلباء کو ترجمہ کی بہ نسبت حل مسائل کی کہیں زیادہ ضرورت ہے' اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے متن مذکور پر یہ حقیر محنت کی ہے جس میں نفس مطالب کے ساتھ ساتھ تشریح مسائل کی حتی الوسع کوشش کی ہے حق تعالی قبول فرمائے۔اور طلباء کے لیے باعث نفع بنائے (آمین)

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی (فاضل دیوبند)
۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

مقدّمہ

علم فقہ کی تعریف اور اس کے مبادی ومتعلقات

فقہ کے لغوی معنی الفقہ حقیقۃ الشقُّ والفتحُ والفقیہُ العالم الذی یشق الاحکامَ ونفتش عن حقائقہا ویفتح مااستغلق منہا۔ فقہ کے لغوی معنی کسی شئے کو کھولنا اور واضح کرنا ہے فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکامِ شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق وپیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔ (الفائق للزمخشری)

الفقہ لغۃ العلم بالشی ثم خص بالعلم الشریعۃ۔ فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جاننا ہے پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہوگیا۔ (درمختار) فقہ الشی (س) فقہا، فہمہ وفقُہ (ک) فقاہۃً۔ علم وکان فقیہاً۔ فقہ (س) فقہاً کسی چیز کا جاننا اور سمجھنا، فقہ (ک) فقاہۃً فقیہ ہونا، علم میں غالب ہونا (اقرب الموارد)

اصطلاحی تعریف اصطلاح اہلِ شرع میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے۔ ہوالعلم بالا حکام الشرعیۃ الفرعیۃ من ادلتہا التفصیلیۃ کہ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کی ادلّہ مفصلہ سے حاصل ہو، احکام فرعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے، احکام کی ادلّۃ مفصلہ چار ہیں، قرآن پاک، حدیث اجماع، قیاس، تعریف مذکور دو جزوں پر مشتمل ہے۔ ایک 'العلم بالا حکام الشرعیۃ الفرعیۃ' اس جزء کے پیشِ نظر احکامِ اعتقادیہ جیسے وحدانیتِ خداوندتعالیٰ، رسالتِ رُسل اور علم یومِ آخرت وغیرہ امور فقہ کے اصطلاحی مضمون سے خارج رہیں گے جزء دوم ''العلم بالادلۃ التفصیلیۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ قضایا فرعیہ عملیہ میں سے ہر قضیہ کی تفصیلی ادلّہ کا علم ہو۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ بیع سلم میں بوقت عقد راس المال کی تسلیم وتفویض ضروری ہے تو کتاب اللہ یا سنّتِ رسولؐ یا فتاویٰ صحابہ سے اس اَمر پر دلیل قائم ہوگی۔ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ سود کم ہو یا زائد سب حرام ہے۔ تو اس کی دلیل بھی اسی طرح پیش کی جائے گی اور جب یہ کہا جائے کہ رأس المال میں جو بھی زیادتی ہو وہ ربا کے درجہ میں ہے تو آیت ''وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون'' سے استدلال ہوگا اور جب یہ کہا جائے کہ لوگوں کا مال باطل طریق سے ہڑپ کرنا حرام ہے تو آیت ''لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل'' پیش کی جائے گی بہر کیف علم فقہ کی وضع اعمال ناس کے ہر ہر جزئیہ پر حلت وحرمت، کراہت ووجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا ہے۔

علم فقہ کا موضوع مکلف آدمی کا فعل وعمل ہے جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہوتی ہے، مثلاً اس کا صحیح ہونا، صحیح نہ ہونا، فرض ہونا، فرض نہ ہونا حلال یا حرام ہونا، حلال یا حرام نہ ہونا وغیرہ، مکلّف سے مراد عاقل بالغ شخص ہے پس مجنون اور نابالغ بچہ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں کیونکہ علم فقہ میں اُن کے احکام سے مکلف ہونے کی حیثیت سے بحث نہیں ہوتی (کذافی ردالمختار) رہا ضمان تلف اور نفقہ زوجات وغیرہ سو اس کی ادائیگی کا خطاب اس کے اولیاء سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ مجنون اور نابالغ سے، اور نابالغ کی عبادت صوم وصلوٰۃ وغیرہ کا صحیح ہونا اور اس پر ثواب کا مرتب ہونا سو یہ عقلی چیز ہے جواز قبیل ربط احکام بالاسباب ہے یہی وجہ ہے کہ بچے اقیموا الصّلوٰۃ اور فلیصمہ کے مخاطب نہیں بچوں کو جو صوم وصلوٰۃ کا حکم کیا جاتا ہے وہ صرف اس لیے تا کہ بچے اس کے خُوگر ہو جائیں اور بلُوغ کے بعد اس کو ترک نہ کریں۔

غرض وغایت سعادت دارین کی ظفریابی ہے کہ فقیہ دُنیا میں خود بھی جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم کی روشنی حاصل کرتا اور مخلوق خدا کو اس کی تعلیم دے کر مراتب عالیہ پاتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا یا یہ کہو کہ علم فقہ کا مقصد احکامِ شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا ہے۔

علم فقہ کا مقصد کتاب اللہ، سنتِ رسُول، اجماع اور قیاس ہے، کتاب اللہ سے مراد کلام الٰہی یعنی قرآن پاک ہے۔ اور سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریرات ہیں اور اقوال صحابہؓ تابع سنت ہیں۔ اجماع سے مراد اجماع صحابہؓ ہے اور تعامل ناس تابع اجماع ہے مثلاً کوئی شخص کفش دوز سے یہ کہے کہ میرے لیے دس روپے میں پندرہ روز کے اندر اندر اس قسم کا جوتا بنا دے تو یہ معاملہ سلم ہے۔ (جس میں تعیین مدت ضروری ہے) لیکن اگر مدت کو ذکر نہ کرے تو معاملہ استحساناً صحیح ہے کیونکہ لوگوں کا تعامل یونہی جاری ہے۔ قیاس سے مراد وہ قیاس ہے جو کتاب اللہ یا سنت یا اجماع سے مستنبط ہو، قیاس مستنبط من الکتاب کی مثال حرمت لواطت کو بحالت حیض حرمت وطی پر قیاس کرنا ہے جو قول باری تعالیٰ قل ھو اذیٰ فاعتزلوا النساء فی المحیض سے ثابت ہے اور علتِ حرمت اذیٰ (پلیدی) ہے۔ قیاس مستنبط من السنۃ کی مثال چنے کے ایک قفیز کو دو قفیزوں کے عوض بیچنے کی حرمت کو گیہوں کے ایک قفیز کو دو قفیزوں کے عوض بیچنے کی حرمت پر قیاس کرنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الحنطۃ بالحنطۃ مثلاً بمثل والفضل ربوا سے ثابت ہے اور علت حرمت جنس وقدر ہے، قیاس مستنبط من الاجماع کی مثال حرمت مصاہرت میں وطی حلال پر وطی حرام کو قیاس کرنا ہے جیسے حرمت وطی اُمِ مزنیہ کو حرمت وطی ام امتِ موطوءہ پر قیاس کیا گیا ہے۔

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم علم فقہ کا سیکھنا فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی اتنی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں احتیاج واقع ہوتی ہے فرض عین ہے اور زائد از ضرورت دوسروں کے نفع کے لیے حاصل کرنا فرض کفایہ ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی مہالک ومحرمات سے بچیں، اور علم فقہ کی جمیع انواع طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کو معلوم کرنا اور ان میں تبحر پیدا کرنا مندوب ومستحب ہے، البتہ مالدار پر مسائل حج وزکوٰۃ اور نکاح کرنے والے پر مسائل نکاح اور طلاق دینے والے پر مسائل طلاق اور سوداگر پر مسائل بیوع اور کاشت کار پر شرعی مسائل کاشت، غرضیکہ جو شخص جس چیز کا شغل رکھتا ہو، اس پر اس کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ اس میں ارتکاب حرام سے محفوظ رہ سکے۔

علم فقہ اور اُس کی عظمت قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اس میں بہت سے مفسرین نے حکمت سے مراد فقہ لیا ہے یعنی جس کو علم فقہ دیا گیا اُس کو خیر کثیر دی گئی۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من یرد اللّٰہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین (متفق علیہ) کہ حق تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے دین کی فقاہت اور صحیح سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی عن ابن عباس) کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے کیونکہ عابد کے زہد وورع سے خود اس کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور فقیہ حلال وحرام اور دیگر مسائل کی تعلیم دے کر ہزاروں کو فائدہ پہنچاتا ہے نیز عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے اس لیے شیطان پر بہت آسان ہے کہ وہ اس کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دے اور شکوک وشبہات کے جال میں پھنسا دے مگر فقیہ مسائل جاننے کی وجہ سے اکثر اوقات گمراہی سے بچ جاتا ہے۔ امام شافعی کی طرف منسوب ہے آپ فرماتے ہیں ''العلم علمان علم الفقہ للادیان و علم الطب للابدان و ماوراء ذلک بلغۃ مجلس'' کہ علم تو بس دو ہی ہیں۔ ایک علم فقہ جس کے بغیر دین کے احکام سے ناواقفیت رہ جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحتِ انسانی کی تعمیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو صرف حظِ نفس کا ذریعہ ہیں۔

امام شافعیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو علم ضروری ہیں کہ ان کی تحصیل ہر شخص کے لیے درجہ وجوب میں ہے ان کے علاوہ دیگر علوم

درجہ کفایت میں ہیں یہ مطلب نہیں کہ بقیہ علوم لاطائل اور بے سود ہیں قال الشاعر ۔

تفقہ فانّ[1] الفقہ افضل قائد
الی البرّ والتقویٰ واعدل قاصد
ھو العلم الھادی الی سنن الھدیٰ
ھو الحصن ینجی من جمیع الشدائد
فانّ فقیھاً واحداً متورعاً
اشدّ علی الشیطان من الف عابد

خیر القرون اور تفقہ فی الدّین تاجدارِ مدینہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دو قسم کے اصحاب تھے۔ ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ انس بن مالکؓ وغیرہ دوم وہ جو نصوص میں تدبر اور غور و فکر کر کے احکام جزئیہ نکالتے اور استنباط و تفقہ پر ہی پُوری طرح صرف ہمت کرتے تھے مثلاً حضرت علیؓ ابن عباسؓ وغیرہ یہ لوگ احادیث کو پُورے تثبت اور تحقیق اور مسلمہ قواعدِ شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔ جن میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا نام گرامی سرفہرست ہے۔

دورِ تابعین مدینہ طیبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور نبوت کی اخیر قرار گاہ تھا۔ اسی لیے علومِ نبوت کا اصل مخزن اور منبع و معدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے۔ چنانچہ عہدِ نبویؐ سے لے کر حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی دور تک ساری دُنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا۔ عہدِ صحابہؓ میں یہاں قرآن و سنن کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء سبعہ جیسے حضرات موجود تھے جو اپنے زمانہ میں علم فقہ و حدیث کے مرجع تھے۔ امام ابن مبارکؒ کا بیان ہے کہ جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے تھے اور جب تک وہ اُن کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا، قاضی اس کی بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا تھا۔

فقہائے سبعہ حسبِ ذیل حضرات ہیں۔ ۱۔ سعید بن المسیّب متوفی ۹۴ھ ۲۔ عروہ بن الزبیر بن العوام متوفی ۹۴ھ ۳۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ متوفی ۱۰۸ھ ۴۔ خارجہ بن زید بن ثابتؓ متوفی ۹۹ھ ۵۔ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ متوفی ۹۸ھ ۶۔ سلیمان بن یسارؒ متوفی ۱۰۹ھ ۷۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف یا سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام؛ محمد بن یوسف بن الخضر بن عبداللہ حلبی حنفی متوفی ۶۱۴ھ نے فقہاء سبعہ کو قطعہ ذیل میں جمع کیا ہے۔

الا ان من لایقتدی بائمۃ
فقسمتہ ضیزیٰ من الحق خارجہ
فخذ ہم عبیداللّٰہ عروۃ قاسم
سعید ابوبکر سلیمان خارجہ

مدون وواضع علم فقہ اسلامی علوم کی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی مگر چونکہ ایک خاص ترتیب و انداز کے ساتھ زمانہ نبوّت و دورِ خلافت میں یہ علوم مدون نہ ہوئے تھے اور نہ اُن کو فن کی حیثیت حاصل

---

[1] فقہ ضرور حاصل کر کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقویٰ کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور فقہ سے ہدایت کی راہیں فقیہ پر کھل جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں فقیہ تمام حوادث و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ بے شک ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ ۱۲

تھی اس لیے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔ جب دوسری صدی ہجری میں تدوین وترتیب شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے اندازِ فکر کے ساتھ ترتیب کی۔ وہ ان کے مدون وبانی کہلائے اسی مناسبت سے امام اعظم ابوحنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا کیونکہ صحابہ وتابعین نے علم شریعت میں ابواب فقہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی کیونکہ ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا لیکن امام صاحب نے صحابہ وتابعین کے بلادِ اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی چنانچہ آپ نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کے لیے منتخب کیا جو اپنے وقت کے بڑے مجتہد اور بعد کے اجلہ محدثین کے شیخ الشیوخ تھے۔

فقہ حنفی کا امتیاز علامہ زاہد کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعتِ شوریٰ کی ترتیب دادہ ہے۔ امام طحاوی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں یہ تھیں۔ ابو یوسف، زفر بن الہذیل، داؤد طائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد سمتی (یہ امام شافعی کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ خطیب نے امام ابو یوسف کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے عافیہ ازدی' قاسم بن معن' علی بن مسہر' حبان، مندل۔

طرز تدوین فقہ حنفی اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کیے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا اس کے بعد وہ کہیں لکھا جاتا تھا صیمری بیان فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ مسائل میں بحث وتمحیص کرتے اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے کہ ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحب فرماتے کہ اب اس کو لکھ لو جب تک مسئلہ تحقیق وتفتیش کے یہ مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع فرماتے امام صاحب نے جس طرز پر تدوینِ فقہ کا کام کیا یہ ایسا عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی۔ اسی طریقہ تدوین سے آپ نے بقول امام مالک ساٹھ ہزار اور بقول ابوبکر بن عتیق پانچ لاکھ مسائل استنباط فرمائے خطیب خوارزمی کہتے ہیں کہ آپ نے پانچ لاکھ مسائل کا استخراج کیا ازتیس ہزار مسائل عبادات میں اور باقی معاملات میں۔

فقہی مجلس شوریٰ کا پایۂ علمی امام صاحب کی مجلس شوریٰ نقلی وعقلی ہر دو لحاظ سے بہت مکمل مجلس تھی اس میں اگر حفاظ ومحدثین، عربیت وتفسیر کے جاننے والے شامل تھے تو زفر بن ہزیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے بھی موجود تھے ان ہی اہل علم وفہم علما کے تبادلۂ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا اس کے مصالح ومضار اس طرح سامنے آ جاتے تھے کہ زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی۔

فقہ حنفی کی عظمت واہمیت یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے واقعی بات یہ ہے کہ ابوحنیفہ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے محتاج ہیں دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے اس لیے کہ معانی ومطالب ان کے لیے آسان ہو گئے ہیں اور بخدا میں امام محمد کی کتابوں سے ہی فقہ میں ماہر ہوا ہوں نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے ابوحنیفہ نے آ کر انہیں بیدار کیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابوحنیفہ ہی کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی ایک عمدہ طریقہ ہے جو اس سنت سے زیادہ موافق ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں جمع ہوئی اور پھیلی۔

فقہ حنفی کا نفوذ وشیوع فقہ حنفی کی تدوین چونکہ کسی ایک شخص نے نہیں کی بلکہ کبار فقہاء کی ایک بڑی جماعت نے کی ہے نیز مذہب حنفی میں ہر زمانہ کی ضروریات اور جدید سے جدید ترقیات کے ساتھ چلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس لیے ہر زمانہ میں امت کا اکثر حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اکابر صوفیہ ابراہیم بن ادہم شقیق بلخی معروف کرخی، ابو یزید بسطامی، فضیل بن عیاض، داؤد طائی، ابو حامد تقاف، خلف بن ایوب، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح اور ابوبکر وراق وغیرہم بھی مذہب حنفی کے مطابق ہی عمل کرتے رہے ہیں۔ بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، سمرقند، اصفہان، شیراز، آذربائیجان، جرجان، زنجان، طوس، بسطام، استرآباد، مرغنیان، فرغانہ، دامغان، خوارزم، غزنہ، کرمان، ہند، سندھ، دکن، یمن، غرضیکہ کوئی جگہ اور کوئی گوشہ خالی نہیں جہاں مذہب حنفی نہ پہنچ گیا ہو۔

طبقات فقہاء ابن کمال پاشا نے فقہاء کو درایت کے اعتبار سے سات طبقوں میں تقسیم کیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ طبقہ مجتہد فی الشرع جس کو بعض نے مجتہد مطلق سے تعبیر کیا ہے اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے مقرر کردہ قواعد وقوانین پر ادلہ اربعہ کے ساتھ احکام مستنبط کرتے ہیں اور اصول وفروع میں کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ جیسے ائمہ اربعہ سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، مزنی، شعبی وغیرہ۔

۲۔ طبقہ مجتہد فی المذہب اس طبقہ کے فقہاء اپنے اپنے اماموں کے وضع کردہ قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اصول وقواعد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہ۔

۳۔ طبقہ مجتہد فی المسائل۔ اس طبقہ کے فقہاء کا منصب یہ ہے کہ جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص صریح نہ ہو ان کے احکام کو صاحبِ مذہب کے مقرر کردہ قواعد وضوابط کے مطابق مستنبط کرتے ہین جیسے امام طحاوی، ابن عمر خصاف، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی وغیرہ۔

۴۔ طبقہ اصحاب تخریج اس طبقہ کے فقہاء کو فروع واصول میں گو کمال نظر حاصل ہوتا ہے مگر اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے بلکہ ان کا کام صرف مجمل قول کی تفصیل اور محتمل امرین کی تعیین ہے جیسے ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی وغیرہ۔

۵۔ طبقہ اصحاب ترجیح اس طبقہ کے فقہاء کی کارگزاری یہ ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں ان میں سے کون افضل ہے اور کون مفضول اس کو بتاتے ہیں کقولہم ہذا اولیٰ، ہذا اصح روایۃ، ہذا اوفق بالناس جیسے امام قدوری، صاحبِ ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ طبقہ اصحابِ تمیز اس طبقہ کے فقہاء ظاہر مذہب، ظاہر الروایہ، روایات نادرہ میں امتیاز اور قوی وضعیف کو ممتاز کر لیتے ہیں اور بس جیسے صاحب کنز صاحب وقایہ صاحب مختار، صاحبِ مجمع وغیرہ۔

۷۔ طبقہ مقلد محض اس طبقہ کے لوگوں کو مذکورہ بالا امور میں سے کسی امر کی طاقت نہیں ہوتی بلکہ جو قول جہاں پاتے ہیں نقل کر دیتے ہیں ان کے اقوال پر اعتماد کر لینا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

طبقات مسائل وطبقات کُتب فقہ حنفی کے مسائل تین طبقات پر منقسم ہیں پہلا طبقہ ظاہر الروایہ کا ہے ان کو مسائل اصول بھی کہتے ہیں۔ یہ امام محمد کی ان چھ کتابوں کے مسائل ہیں جن میں انہوں نے امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور اپنے متفق علیہ ومختلف فیہ سب مسائل لکھ دیتے ہیں یعنی مبسوط (جس کا دوسرا نام اصل بھی ہے) زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر کبیر، ان کتابوں کو ظاہر الروایہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مصنف سے بروایت متواتر ومشہور ثابت ہوئی ہیں قلوب پر ان کتابوں کا اعتماد قائم ہے اور ان کے مسائل کو عام طور پر علماء حنفیہ نے تسلیم کیا ہے۔

دوسرا طبقہ نوادرات کا ہے یہ وہ مسائل ہیں جو ائمہ ثلاثہ حنفیہ سے مروی تو ہیں مگر امام محمد کی مذکورہ بالا چھ کتابوں میں نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا دیگر کتابوں میں ہیں جیسے رقیات یعنی وہ مسائل جو امام محمد نے رقہ مقام میں قاضی ہونے کے زمانہ میں جمع کئے تھے کیسانیات یعنی وہ مسائل جن کو

امام محمد سے سلیمان بن شعیب کیسانی نے روایت کیا ہے ہارونیات جو امام محمد نے ہارون الرشید کے عہد میں جمع کئے تھے جرجانیات یعنی وہ مسائل جن کے راوی علی بن صالح جرجانی ہیں اسی طرح نوادر ابن رستم وغیرہ نیز کتب امالی جو امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔

تیسرا طبقہ نوازل واقعات کا ہے یہ وہ مسائل ہیں جن کو متاحرین نے حسب ضرورت کسی ایسے واقعہ سے متعلق مستنبط کیا ہوتا ہے جس کے سلسلہ میں صاحب مذہب سے کوئی روایت نہیں ہوتی اس سلسلہ میں سب سے پہلے فقیہ ابواللیث سمرقندی نے کتاب النوازل تصنیف کی آپ کے بعد اور بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں جیسے ناطفی اور صدر شہید کی مجموع النوازل والواقعات اور فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ۔

طبقات مسائل مفتی بہا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے لکھا ہے کہ مفتی بہا مسائل کی چار قسمیں ہیں قسم اول وہ ہے جو ظاہر الروایات سے ثابت ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر حال میں قبول کئے جائیں گے قسم دوم وہ ہے جو بروایت شاذہ مروی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر اصول کے موافق ہوں تو قبول کئے جائیں گے ورنہ نہیں قسم سوم متاخرین کے وہ مستنبطات ہیں جن پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے ان کا حکم یہ ہے کہ ہر حال میں فتویٰ دیا جائے گا قسم چہارم متاخرین کی وہ تخریجات ہیں جن سے جمہور متفق نہیں پس ان کو اصول اور کلام سلف کے نظائر سے مطابق کیا جائے گا۔ اگر مطابق ہوں تو مقبول ہوں گے ورنہ متروک۔

متون اربعہ معتبرہ پھر اگر متون، شروع اور فتاویٰ کے مسائل میں تعارض ہو تو متون کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ان کے مصنفین نے یہ التزام کیا ہے کہ غیر معمول بہا یا ضعیف مسائل کو ذکر نہ کریں متون معتبرہ چار ہیں ۱۔ وقایہ ۲۔ کنزالدقائق ۳۔ مجمع البحرین ۴۔ مختار۔ بعض حضرات کے نزدیک مختار کے بجائے مختصر القدوری متونِ اربعہ میں داخل ہے اس کے بعد شروح معتبرہ کو فتاویٰ پر ترجیح ہوگی اس کے بعد فتاوی کا درجہ ہے۔ (مبادیات فقہ)

فقہی احکام اور اُس کی انواع واقسام شرعی احکام کے دو پہلو ہیں اول مثبت (یعنی اوامر) دوم منفی (یعنی منہیات وممنوعات) مثبت کی دو صورتیں ہیں، عزیمت اور رخصت فقہاء کے ہاں عزیمت اس کو کہتے ہیں جو اصالۃً مطلوب ہو اور عوارضات سے متعلق نہ ہو اور بوجہ عذر مکلف دشواری ختم کرنے اور سہولت حاصل ہونے کے لیے کسی امر میں تبدیلی کرنا رخصت کہلاتا ہے۔ پھر عزیمت کی چار قسمیں ہیں فرض، واجب، سنت، نفل۔

لفظ فرض لغۃً قطع، تقدیر، تفصیل، تحدید وغیرہ تقریباً تیں معنی میں مستعمل ہوتا ہے، جیسا کہ طحاوی نے نہایۃ النہایہ سے نقل کیا ہے۔ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں بیان کیا ہے کہ اصطلاح شرع میں فرض وہ ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جیسے قرآن پاک اور حدیث متواتر بشرطیکہ ان میں خصوص لاحق نہ ہو گیا ہو اور جیسے اجماع بشرطیکہ بطریق آحاد منقول نہ ہو اور جیسے قیاس منصوص علیہ اور النہر الفائق میں ہے کہ ادلہ سمعیہ چار قسم پر ہیں اوّل وہ جس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کی مراد پر دلالت بھی قطعی ہو جیسے نصوص متواترہ دوم وہ جس کا ثبوت قطعی ہو اور مراد پر دلالت ظنی ہو جیسے آیات مؤوّلہ یعنی جن میں تاویل کو دخل ہے سوم وہ جس کا ثبوت ظنی اور اس کی دلالت قطعی ہو جیسے وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم قطعی ہو چہارم وہ جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں پس فقہاء نے قسم اول سے فرض اور قسم ثانی وثالث سے واجب اور قسم رابع سے سنت و استحباب کو ثابت کیا ہے اور واجب سے وہ مراد لیا ہے جو فرض عملی کو بھی شامل ہے پھر فرض کی دو قسمیں ہیں اول فرضِ عین جس کی ادائیگی ہر مکلف پر لازم ہے دوم فرض کفایہ جو بعض کے ادا کرنے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو سب کے ذمہ باقی رہے فرض کا منکر کافر اور تارک فاسق ہوتا ہے۔

واجب وہ ہے جس کی دلیل میں شبہ ہو قطعیت نہ ہو جیسے نماز وتر، صدقہ فطر وغیرہ کہ ان کا ثبوت خبر واحد سے ہے واجب من حیث العمل فرض

ہوتا ہے یعنی فرض کی طرح اس پر بھی عمل کرنا لازم ہے اور من حیث الاعتقاد نفل ہوتا ہے پس اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔

سنت کے لغوی معنی مطلق طریقہ اور عادت کے ہیں اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں۔ا۔غایۃ البیان میں ہے کہ سنت وہ فعل ہے جس کے کرنے میں ثواب ہو اور نہ کرنے پر عتاب ہو مگر یہ تعریف بالحکم ہے۔۲۔شرح نقایہ میں ہے کہ سنت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور واجب یا مستحب نہ ہو شیخ شمنی نے بھی یہی تعریف کی ہے۔صاحب بحر کہتے ہیں کہ اس تعریف پر سنت مباح کو بھی شامل ہوئی حالانکہ سنت اور شئے ہے اور مباح اور۳۔صاحب عنایہ فرماتے ہیں کہ سنت دین اسلام کے جاری طریق کو کہتے ہیں مگر یہ تعریف فرض اور واجب کو بھی شامل ہے اسی لیے کشف میں من غیر افتراض ولا وجوب کی قید لگائی ہے۔۴۔فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں کہ سنت وہ ہے جس کا تارک فاسق اور منکر بدعتی ہو۔۵۔علامہ نے شرح ہدایہ میں سنت کی چند تعریفات ذکر کر کے ان کا نقصان ظاہر کرنے کے بعد کہا ہے کہ احسن التعریفات خواہرزادہ کی ہے کہ سنت وہ کام ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق مدامت کیا ہو اور اس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے پر ملامت ہو۔

سنت کی دو قسمیں ہیں سنت ہدی اور سنت زائدہ اول کا تعلق عبادات سے ہے اور دوم کا تعلق عادات سے ہے پھر سنت ہدی کی دو صورتیں ہیں سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ۔صاحب بحر کہتے ہیں کہ سنت دین اسلام کے اس جاری طریق کو کہتے ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب کئے بغیر عمل کیا ہو اگر آپ کا یہ عمل بطریق ہمیشگی ہو تو یہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر کبھی کبھی ترک کے ساتھ ہوا ہو تو غیر مؤکدہ ہے اور اس کو مستحب اور مندوب سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

نفل کے لغوی معنی مطلق زیادتی کے ہیں اصطلاح میں اس عمل کو کہتے ہیں جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو منفی پہلو یعنی منہیات و ممنوعات کی دو قسمیں ہیں حرام مکروہ حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع ہو جیسے شرب خمر وغیرہ اور مکروہ کی دو قسمیں ہیں مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی مکروہ تحریمی وہ ہے جو بدلیل ظنی ممنوع ہو جیسے سوسمار کا کھانا اور شطرنج کھیلنا وغیرہ۔امام محمد مکروہ تحریمی کو حرام کی ایک قسم مانتے ہیں حلال نہیں کہتے کیونکہ اس کی حلت پر دلیل قاطع نہیں ہے، چنانچہ وہ جب اپنی کتابوں میں کراہت کو لفظ بولتے ہیں تو اس سے حرام مراد لیتے ہیں لیکن مکروہ تحریمی کو حرام قطعی بھی نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں جو حرمت پر دلالت کرے شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی حلال غیر قطعی میں داخل ہے کیونکہ ان کے ہاں اس میں حلت و حرمت کے دلائل متعارض ہوتے ہیں لیکن جانب حرمت غالب ہوتی ہے پس شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی نہ حرام نہ از قسم حرام بلکہ قریب بحرام ہے جواہر الفتاویٰ میں ہے کہ صحیح و مختار قول شیخین کا ہے۔

مکروہ تنزیہی وہ ہے جس کا ترک عمل کرنے سے اولیٰ ہو۔اگر ان احکام کو ایک نظر میں دیکھنا چاہو تو نقشہ میں یوں ڈھال لو۔
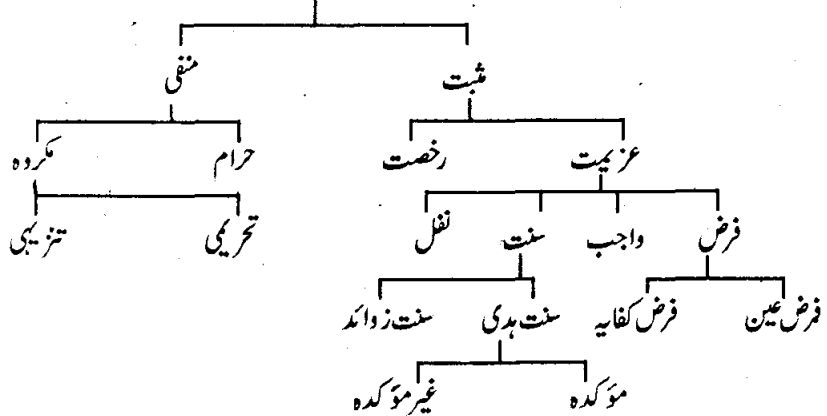
بعض امور مصطلحہ کی ضروری تشریح

متقدمین ومتاخرین متقدمین وہ حضرات ہیں جنہوں نے امام اعظم اور صاحبین کا زمانہ پایا اوران سے فیض حاصل کیا ہواور جنہوں نے ائمہ ثلاثہ سے فیض نہیں پایاان کومتاخرین کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ امام محمد تک کے علماء کومتقدمین اوران کے بعد سے حافظ الدین بخاری تک کے علماء کومتاخرین کہتے ہیں علامہ ذہبی نے میزان میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان حد فاصل تیسری صدی کا شروع قرار دیا ہے یعنی تیسری صدی سے پہلے تک کے علماء متقدمین کہلاتے ہیں اور تیسری کے آغاز سے متاخرین (مبادیات فقہ)

تعبیرات حضرات ائمہ جب ائمہ اربعہ کہا جائے تو اس سے مذاہب اربعہ مشہورہ کے بانی مراد ہوتے ہیں یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور جب ائمہ ثلاثہ احناف بولا جائے تو امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد مراد ہوتے ہیں اور جب لفظ شیخین بولا جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف مراد ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات امام محمد کے استاد اور شیخ ہیں اور جب لفظ صاحبین بولا جائے تو اس سے امام ابو یوسف اور امام محمد مراد ہوتے ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ سے علم کی تحصیل میں یہ دونوں ساتھی ہیں اور جب لفظ طرفین بولا جائے تو اس سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد مراد ہوتے ہیں (اس لیے کہ ان تینوں میں طرف اعلیٰ امام ابوحنیفہ اور طرف ادنیٰ امام محمد ہیں) اور جب امام ابوحنیفہ کا قول نقل کرنے کے بعد ائمہ ثلاثہ بولا جائے تو امام مالک، امام شافعی، امام احمد مراد ہوتے ہیں

سلف وخلف فقہاء کی اصطلاح میں امام اعظم سے امام محمد تک سلف اور امام محمد کے بعد سے شمس الائمہ حلوانی تک خلف کہلاتے ہیں (مبادیات فقہ)

ترجمہ صاحب مختصر القدوری

نام ونسب احمد نام، ابوالحسین کنیت، قدوری نسبت اور والد کا نام محمد ہے۔شجرہ نسب یہ ہے۔ابوالحسین احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری ۳۶۲ھ پیدائش ہے اور جائے پیدائش شہر بغداد ہے۔

قدوری نسبت کی تحقیق مؤرخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان میں ذکر کیا ہے کہ قدوری بضم قاف ودال وبسکون واؤ قدور کی طرف نسبت ہے جو قِدر (بمعنی ہانڈی) کی جمع ہے۔لیکن مجھے اس نسبت کا سبب معلوم نہیں صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری صنعت قُدور (دیگ سازی) کی طرف نسبت ہے یا اس کی خرید وفروخت کی طرف، یا قدورا س گاؤں کا نام ہے جس کے امام موصوف باشندے تھے۔(وفیہ نظر، کذا فی شرح درر البحار للوھادی)

تحصیل علم امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا جو امام ابوبکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں اور ابوبکر جصاص شیخ ابوالحسن عبیداللہ کرخی کے شاگرد رشید ہیں اور امام کرخی شیخ ابوسعید بردعی کے خوشہ چیں ہیں اور ابوسعید بردعی علامہ موسےٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور موسےٰ رازی امام محمد شیبانی کے علم پروردہ اور مایہ ناز فرزند ہیں گویا امام قدوری نے پانچ واسطوں سے امام محمد شیبانی سے علم فقہ حاصل کیا ہے۔حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبیداللہ بن محمد جوشنی سے روایت کرتے ہیں ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی صاحب تاریخ، قاضی القضاۃ ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد دامغانی، قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحییٰ بن ابی الفرج تنوخی متوفی ۴۴۳ھ صاحب اخبار النحویین وغیرہ کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

امام قُدوری کی توثیق خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔

كان فقيهًا صدوقًا انتهت اليه رياسة اصحب ابى حنيفة بالعراق و عز عندهم قدره وارتفع جاهه و كان حسن العبارة فى النظر مديما لتلاوة القران۔

آپ فقیہ اور صدوق تھے آپ کی وجہ سے عراق میں ریاست مذہب حنفیہ کمال پر پہنچی اور آپ کی بڑی قدر ومنزلت ہوئی آپ کی تقریر تحریر میں بڑی دل کشی تھی آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے۔

ابومحمد القاضی نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ کیا اور پرزور الفاظ میں تعریف کی ہے۔

اہلِ کمال کی قدردانی اختلاف عقائد واختلاف جزئیات کے باوجود مخالفین سے حسن سلوک اور اہل کمال کی قدردانی ہمارے اسلاف کا عام شیوہ رہا ہے۔امام قدوری اور شیخ ابوحامد اسفرائنی شافعی کے مابین ہمیشہ علمی حدیثی مناظرے رہے ہیں مگر امام قدوری ان کی نہایت تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

فقہی مقام ابن کمال پاشا نے امام قدوری اور صاحبِ ہدایہ کو پانچویں طبقہ میں شمار کیا ہے جن کی کارگزاری صرف اتنی ہی ہوتی ہے کہ صاحب مذہب سے جو مختلف روایتیں ہوں۔ان میں سے کون افضل ہے اور کون مفضول اسکو بتاتے ہیں کقولہم ہذا اولیٰ ہذا اصح روایۃ لیکن اکثر علماء نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حضرات قاضی خاں وغیرہ سے بڑھے ہوئے ہیں اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ ہوں تو برابر کے ضرور ہیں، پس امام قدوری کو

2

بھی تیسرے طبقہ میں شمار کرنا چاہیے۔

رحلت ووفات امام قدوری نے شہر بغداد میں بعمر ۶۶ سال اتوار کے روز ۵ رجب ۴۲۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی روز دراپی خلف میں مدفون ہوئے اس کے بعد آپ کی نعش کو شارع منصور کی طرف منتقل کرلیا گیا اب آپ ابوبکر خوارزمی حنفی کے پہلو میں آرام فرما ہیں مادہ تاریخ وفات لامع النور ہے۔

ہزاراں فیض برجان و تنش باد
بجاناں دیدۂ جاں روشنش باد

تصانیف ۱۔تجرید یہ سات جلدوں میں ہے۔اس میں اصحاب حنفیہ وشافعیہ کے مسائل خلاف پر محققانہ بحث ہے۔اس کا املا آپ نے ۴۰۵ھ میں شروع کرایا ہے۔۲۔مسائل الخلاف اس میں علل وادلہ سے تعریض کیے بغیر صرف امام صاحب اور آپ کے اصحاب کے مابین فروعی اختلاف کا ذکر ہے۔۳۔کتاب التقریب اس میں مسائل کو مع ادلہ ذکر کیا ہے۔۴۔شرح مختصر الکرخی ۔۵۔شرح ادب القاضی

۶۔مختصر القدوری یہ تقریباً ایک ہزار سالہ قدیم ترین متن متین ہے جس میں ۶۱ کتب اور ۶۲ باب ہیں اور بیسیوں کتابوں سے تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا انتخاب ہے اور عہد تصنیف سے آج تک پڑھایا جارہا ہے قدرت نے اس کتاب کی عظمت حنفی مسلمانوں میں اتنی بڑھادی ہے کہ طاش کبری زادہ نے لکھا ہے۔ان ہذا المختصر تبرک بہ العلماء حتی جربوا قرأتہ اوقات الشدائد وایام الطاعون کہ علماء نے اس کتاب سے برکت حاصل کی ہے۔مصائب اور طاعون میں اس کو آزمایا ہے صاحب مصباح انوار الادعیہ نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص اس کو حفظ کرلے وہ فقر وفاقہ سے مامون رہے گا نیز جو شخص اس کو کسی صالح استاد سے پڑھے اور وہ ختم کے وقت برکت کی دُعا کرے تو انشاء اللہ وہ اس کے مسائل کی شمار کے موافق دراہم کا مالک ہوگا۔کشف الظنون وغیرہ میں اور چیزیں بھی اس سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں کم از کم اتنا تو ہمیں بھی ماننا چاہیے کہ مصنف کے تقویٰ اور تقدس کا اثر پڑھنے والوں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

حفّاظِ قُدوری صاحب الجواہر المضیۂ نے اپنے بھائی محمد بن محمد بن نصر اللہ بن سالم بن ابی الوفاء القرشی متوفی ۷۲۲ھ کے متعلق لکھا ہے کہ مختصر القدوری کا حافظ تھا۔

کرامت عجیبہ علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں ذکر کیا ہے کہ امام قدوری اپنی مختصر کی تصنیف سے فارغ ہوکر اس کو سفر حج میں ساتھ لے گئے اور طواف سے فارغ ہوکر حق تعالیٰ سے دُعا کی بارالٰہا اگر مجھ سے اس میں کہیں غلطی یا بھول چوک ہوگئی ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما۔اس کے بعد آپ نے کتاب کو اول سے اخیر تک ایک ایک ورق کھول کر دیکھا تو پانچ یا چھ جگہ سے مضمون محو تھا۔فھذا من اجل کراماتہ

بنا کے آئینہ دیکھے ہے پہلے آئینہ گر
ہنر پرور اپنے بھی عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں
(ذوق)

مسامحات قُدوری ۱۔والتقاء الختانین من غیر انزال ص ۱/۶ اس کی بجائے صاحب کنز کی عبارت ''وتواری حشفۃ فی قبل اودبر'' احسن اور اعم ہے اس واسطے کہ مقام براز میں عضو تناسل کو داخل کرنا موجب غسل ہے حالانکہ یہاں التقاء ختانین نہیں ہے۔(جوہرہ ص ۱/۱۱)

۲۔لایجوز الابالتراب والرمل خاصۃ اکثر نسخوں میں عبارت یوں ہی ہے لیکن صاحب جوہرہ نے والرمل کو ذکر نہیں کیا اور یہی احسن ہے کیونکہ امام ابو یوسف اولاً اس کے قائل تھے کہ تیمم مٹی اور بھالو کے ساتھ جائز ہے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ صرف

مٹی کے ساتھ جائز ہے اور کسی چیز سے جائز نہیں (عنایہ مبسوط بدائع فتح)

۳۔وینقض التیمم کل شئی ینقض الوضوء قدوری ص ۱/ ۷۰ کنز اور وقایہ وغیرہ میں یہی مذکور ہے کہ ناقض تیمم ہر وہ چیز ہے جو ناقض وضو ہے لیکن تنویر اور شرح نقایہ وغیرہ میں ہے ناقضہ ناقض الاصل وضوءکان او غسلا اور یہی بہتر ہے اس واسطے کہ تیمم کبھی وضو کا ہوتا ہے کبھی غسل کا پس اگر تیمم وضو کا ہو تو ایک لوٹا پانی ملنے سے ٹوٹ جائے گا اور اگر تیمم غسل کا ہو تو اتنے نا کافی پانی ملنے سے تیمم نہیں ٹوٹے گا نیز ریح خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جائے گا لیکن غسل کا تیمم نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حدث مذکور ناقض وضو ہے نہ کہ ناقض غسل پس یہ کلیہ صحیح نہ ہوا کہ ناقض تیمم ہر وہ چیز ہے جو ناقض وضو ہے۔(غایۃ الاوطار ص ۱/ ۱۹۹)۔

۴۔اذالبس الخفین علی طھارۃ ص ۱/ ۴۷ بعض نسخوں میں طہارۃ کے بعد کاملۃ بھی ہے حالانکہ جواز مسح کے لیے موزہ پہننے کے وقت طہارۃ کاملۃ ہونا ضروری نہیں بلکہ حدث کے وقت طہارت کا کامل ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے پاؤں دھوکر موزے پہنے پھر وضو تمام کرلیا اس کے بعد بے وضو ہوا تو اس کا وضو حدث ہونے کے وقت کامل ہے اس لیے وہ مسح کرسکتا ہے اگر چہ موزہ پہننے کے وقت اس کا وضو ناقص تھا۔(جوہرہ ص ۱/ ۲۶ غایۃ الاوطار ص ۱/ ۱۲۶)۔

۵۔اقل الحیض ثلاثته ایام ولیا لیھا ص ۱/ ۸۰ حیض کی اقل مدت کے لیے تین رات تک خون کا ہونا شرط نہیں بلکہ اگر عورت تین دن اور دو رات خون دیکھے تب بھی حیض ہی ہوگا کیونکہ اعتبار ایام کا ہے نہ کہ لیالی کا پس صاحب کتاب کے قول ولیالیھا کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جب عورت دن کے بعض حصہ میں خون دیکھے کہ اس صورت میں تین دن تین رات کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تیسرا دن چوتھے دن کی اسی ساعت میں کامل ہوگا جس میں خون دیکھا تھا فیدخل ثلث لیال لامحالۃ۔(جوہرہ ۱/ ۲۹)

۶۔لم یجز فیه الاالماء بعض نسخوں میں الا الماء کے بعد او المائع بھی ہے جو صرف شیخین کے قول پر مستقیم ہو سکتا ہے کیونکہ امام محمد کے نزدیک اس صورت میں پانی متعین ہے۔(جوہرہ ص ۱/ ۴۰)

۷۔فرائض الصلوۃ ستۃ ص ۱/ ۱۱۸ از روئے قیاس ستۃ کی بجائے ست ہونا چاہیئے کیونکہ فرائض فریضۃ کی جمع ہے۔ الاان یقال انه قال علی تاویل الفروض.(جوہرہ ص ۱/ ۴۸)۔

۸۔ان شاء جھرو اسمع نفسه ظاہر کلام کا مفہوم یہ ہے کہ جہر کی حد یہ ہے کہ خود سن لے پس مخافت کی حد تصحیح حروف ہوگی مگر یہ شیخ ابوالحسن کرخی کا قول ہے شیخ ہندوانی فرماتے ہیں کہ جہر کی حد یہ ہے کہ دوسرا آدمی سن لے اور مخافت کی حد یہ ہے کہ خود سن لے دوسرا نہ سن سکے یہی صحیح ہے۔کیونکہ آواز کے بغیر محض زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہتے۔

۹۔وقفت الامامة وسطھن ص ۱۳۰ لفظ امام میں مذکر ومؤنث برابر ہیں لہذا علامت تانیث کی ضرورت نہیں۔

۱۰۔او عمل عملاً ینافی الصلوٰۃ تمت صلوته ص ۱۴۴ تمت کی بجائے صحت بہتر ہے کیونکہ بقول طحطاوی تمامیت نماز تو اس وقت ہوتی ہے جب ترک واجب یعنی ترک سلام کا نقصان نہ ہوتا حالانکہ یہاں یہ نقصان موجود ہے اسی لیے اس صورت میں نماز کا اعادہ کرنا ہوتا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں مصرح ہے۔

۱۱۔اذا اشتدالخوف قدوری کنز اور کافی میں جو نماز خوف کے لیے اشتداد خوف کی قید ہے یہ بعض فقہاء کے نزدیک ہے عام علماء کے نزدیک اشتداد شرط نہیں چنانچہ مبسوط تحفہ اور محیط وغیرہ میں نماز خوف جائز ہونے کے لیے صرف دشمن کا سامنے موجود ہونا شرط قرار دیا ہے۔(نہایہ قہستانی وغیرہ)۔

۱۲۔صلی علیٰ قبرہ الیٰ ثلاثة ایام تین روز کی مدت بعض فقہاء کے نزدیک ہے۔اصح قول یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ

جب تک مُردے کے پھولنے پھٹنے کا گمان غالب نہ ہواس وقت تک نماز پڑھی جائے اس واسطے کہ موسم اور مکان کے لحاظ سے تفسّخ متفاوت ہوتا ہے۔(جوہرہ ص ۱/۱۰۸ غایۃ الاوطار ص ۱/۴۰۹)

۱۳۔اجزأته النية مابينه وبين الزوال صاحب کتاب اور صاحب مجمع وغیرہ نے اسی طرح تعبیر کیا ہے لیکن اس سے بہتر صاحب تنویر کی تعبیر الی الضحوۃ الکبریٰ اور صاحب کنز کی تعبیر الی ماقبل نصف النہار ہے ہدایہ میں جامع الصغیر سے منقول ہے کہ نصف النہار سے پہلے نیت ہونی جائیے یہی اصح ہے کیونکہ اکثر روز میں نیت کا پایا جانا ضروری ہے اور نصف روز طلوع فجر سے ضحوہ کبریٰ تک ہے نہ کہ زوال تک پس زوال سے پہلے پہلے نیت ہونی چاہیے تاکہ اکثر روز میں نیت متحقق ہوسکے۔(جوہرہ ص ۱/۱۳۹ غایۃ الاوطار ص ۱/۴۹۲)۔

۱۴۔ولايجوز ذبح هدي التطوع والمتعة والقران الا في يوم النحر صحیح یہ ہے کہ ہدی تطوع کو یوم نحر سے پہلے ذبح کرسکتا ہے جیسا کہ مبسوط اور طحطاوی وغیرہ میں مصرح ہے ہدایہ میں ہے کہ یہی اصح ہے۔(جوہرہ ص ۱/۱۸۶)

۱۵۔والضرب الثاني شركة العقود وهي على اربعة اوجه (ص ۲/۲۲) صاحب کتاب نے شرکت عقود کی چار قسمیں کی ہیں جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شرکت تقبل و وجوہ میں شرکت مفاوضہ وعنان نہیں ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے بہتر تقسیم یہ ہے کہ شرکت یا تو بالمال ہوگی یا بالاعمال یا بالوجوہ ان میں سے ہرایک کی دو قسمیں ہیں مفاضہ وعنان پس کل چھ قسمیں ہوئیں۔ذیامی طحطاوی کرخی صاحب ذخیرہ وغیرہ نے یہی ذکر کیا ہے۔

۱۶۔واذا تغيرت العين المغصوبة (الى) ملكها الغاصب ص ۲/۷۶ شیخ نجم الدین نسفی فرماتے ہیں کہ ہمارے محققین اصحاب کے نزدیک غاصب شیئے مغصوب کا مالک نہیں ہوتا مگر ادائیگی ضمان کے وقت یا قاضی کے حکم تاوان کرنے کے وقت یا ضمان پر خصمین کی رضامندی کے وقت پس جب ان میں سے کوئی ایک بات پائی جائے تو غاصب کی ملک ثابت ہوگی ورنہ ثابت نہ ہوگی۔(جوہرہ ص ۱/۲۴)۔

۱۷۔ولايحل له انتفاع بها حتىٰ يؤدي بدلها: ص ۲/۷۶ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قاضی ضمان کا حکم کردے تب بھی غاصب کے لیے شئی مغصوب سے نفع اٹھانا حلال نہیں جب تک کہ وہ ضمان ادا نہ کردے۔حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ مبسوط میں منصوص ہے کہ قاضی نے ضمان کا حکم کردیا تو غاصب کے لیے انتفاع حلال ہے۔(ص ۲/۲۴ جوہرہ)۔

۱۸۔ومنحتک هذا الثوب وحملتک على هذه الدابة اذا لم يرد به الهبته صاحب کتاب کا قول اذا لم یرد بہ الہبۃ قول سابق منحتک ہذا الثوب اور حملتک علی ہذہ الدابۃ دونوں کی طرف راجع ہے پس اذا لم یرد بہما کہنا چاہیے اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ ہر ہر واحد مراد ہے کمافی قولہ تعالیٰ ''عوان بين ذٰلک'' ولم یقل بینہما

۱۹۔ ويستحب المتعة لكل مطلقة الاالمطلقة واحدة وهي التى طلقها قبل الدخول ولم يسم لها مهراً ص ۲/۱۱۶ علامہ بدرالدین عینی نے ذکر کیا ہے کہ مطلقات چار طرح کی ہیں مطلقہ غیر موطوءۃ جس کا مہر مقرر نہ ہو اس کے لیے متعہ واجب ہے۔ ۲۔مطلقہ موطوءۃ جس کا مہر معین ہو ۳۔مطلقہ موطوءۃ جس کا مہر معین نہ ہو ان دونوں کے لیے متعہ مستحب ہے۔۴۔مطلقہ غیر موطوءۃ جس کا مہر معین ہو صاحب کتاب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے بھی متعہ مستحب ہے کیوں کہ ویستحب المتعۃ لکل مطلقۃ میں یہ بھی داخل ہے لیکن مبسوط، محیط، حصر، تاویلات سب میں یہی ہے کہ اس کے لیے متعہ نہ مستحب ہے نہ واجب، یہی صاحب تیسیر صاحب کشاف اور صاحب مختلف کی روایت ہے۔

۲۰۔ويستحب له ان يراجعها استحباب کا قول بعض مشائخ کا ہے اور اصح یہ ہے کہ رجوع کرنا واجب ہے۔(جوہرۃ ص ۲/۹۰)

۲۱۔ويقع الطلاق اذاقال نويت به الطلاق (ص ۲/۱۴۰) اگر مکرہ کراہ کی حالت میں یا شراب خورنشہ کی حالت میں طلاق دے دے

اور افاقہ کے بعد اقرار کرے کہ میں نے طلاق ہی کی نیت کی ہے تو امام کرخی اور امام طحاوی کے نزدیک اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس وقت طلاق واقع ہوجائے گی پس ممکن ہے صاحب کتاب کے نزدیک انہی کا قول راجح ہو لیکن ہمارے عام وفقہاء احناف کے نزدیک مکرہ اور سکران کی طلاق بلانیت ہی واقع ہوجاتی ہے اس لحاظ سے صاحبِ کتاب کا قول ویقع الطلاق اذا قال نویت بہ الطلاق کاتبوں کی غلطی پر محمول ہوگا بعض نسخوں میں ویقع الطلاق بالکنایات اذا قال نویت بہ الطلاق ہے جو بجائے خود صحیح ہے کیونکہ نیت کی احتیاج کنایات ہی میں ہوتی ہے مگر یہاں اس کو ذکر کرنا تکرار سے خالی نہیں کیونکہ اس سے پہلے صاحبِ کتاب اس کو صراحۃً ذکر کرچکے۔ فانہ قال والضرب الثانی الکنایات ولا یقع بہا الطلاق الا بالنیۃ او بدلالۃ حال بعض نسخوں میں عبادرت یوں ہے۔ ویقع الطلاق بالکتاب اذا قال نویت بہ الطلاق جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص بیوی کی طلاق کو کسی تختی یا دیوار وغیرہ پر نمایاں طور پر لکھ دے تو اگر اس کی نیت طلاق ہو تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہ ہوگی۔ (جوہرہ ص ۲/ ۹۷)

۲۲۔فان جامع التی ظاهر منهافی خلال الشهرین لیلا عامدًا اونهارا ناسیا استانف ص ۴/ ۱۶۴ لیلاً کے ساتھ عامدا کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ رات میں جان بوجھ کر وطی کرنا کفارہ کے لیے مضر ہے اور سہواً وطی کرنا مضر نہیں جیسا کہ ابن ملک نے شرح مجمع میں اور قہستانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کیونکہ کتب معتمدہ بدائع مختار، اختیار، غایہ، منایہ، بحر، تحفہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ عمد ونسیان دونوں برابر ہیں۔

۲۳۔حتیٰ تلاعن او تصدقه (ص ۲/ ۱۶۴) قدوری کے بعض نسخوں مین اس کے بعد ''فتحد'' ہے یعنی اگر عورت نے شوہر کی تصدیق کر دی تو اس پر حد قائم کی جائے گی مگر یہ لفظ غلط ہے کیونکہ حد تو ایک مرتبہ اقرار کرلینے پر بھی قائم نہیں ہوتی تو تصدیق کی وجہ سے کب قائم ہوسکتی ہے۔ (مجمع الانہر)۔

۲۴۔ واذا جائت به لتمام سنتین من یوم الفرقه لم یثبت نسبه (ص ۲/ ۱۷۳) یہ کلام مبنی پر سہو ہے۔ کیونکہ دیگر کتب میں مرقوم ہے کہ اگر بچہ دو سال میں پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ اس کا رحم حمل کے ساتھ مشغول ہے اور حمل کی مدت دو سال ہے۔ (جوہرہ ص ۲/ ۱۴۴)

<u>شروح وحواشی مختصر القدوری</u>۱۔خلاصۃ الدلائل فی تنقیح المسائل از امام حسام الدین علی بن احمد مکی متوفی <u>۵۹۸</u>ھ

۲۔المجتبیٰ از نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع متوفی ۶۵۶ھ تین جلدوں میں ہے۔

۳۔السراج الوہاج الموضح لکل طالب محتاج تین جلدون میں ہے۔

۴۔الجوہرۃ النیرہ دو جلدوں میں یہ دونوں شیخ ابوبکر بن علی حدادی متوفی <u>۸۰۰</u>ھ کی تصانیف ہیں۔

۵۔شرح قدوری از محمد شاہ بن الحاج حسن رومی متوفی <u>۹۳۹</u>ھ

۶۔جامع المضمرات از یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری

۷۔تصحیح القدوری از علامہ زین الدین بن قاسم بن قطلو بغا متوفی <u>۹۷۹</u>ھ

۸۔شرح قدوری از امام احمد بن محمد معروف بابن نصر الاقطع متوفی <u>۴۷۴</u>ھ دو جلدوں میں ہے۔

۹۔البحر الزاخر از شیخ احمد بن محمد بن اقبال

۱۰۔النوری شرح القدوری از محمد بن ابراہیم رازی متوفی <u>۶۱۵</u>ھ

۱۱۔ملتمس الاخوان از ابوالمعالی عبدالرب بن منصور غزنوی متوفی <u>۵۰۰</u>ھ

۱۲۔الکفایہ از اسماعیل بن الحسین البیہقی

۱۳۔البیان از محمد بن رسول الموقانی

۱۴۔التقریر از محمود بن احمد قونوی متوفی ۷۷۰ھ چار جلدوں میں ہے۔

۱۵۔اللباب از جلال الدین ابوسعد مطہر بن الحسن بن سعد بن علی بن مندار یزدی دو جلدوں میں ہے۔

۱۶۔زاد الفقہاء از ابوالمعالی بہاؤ الدین

۱۷۔الینابیع فی معرفۃ الاصول والتفاریع از بدر الدین محمد بن عبداللہ شبلی طرابلس متوفی ۷۶۹ھ

۱۸۔شرح القدوری از شہاب الدین احمد سمرقندی

۱۹۔شرح القدوری از رکن الائمہ عبدالکریم بن محمد بن علی الصیاغی۔

۲۰۔شرح القدوری از ابواسحاق ابراہیم بن عبدالکریم ابن ابی الفارات متوفی ۶۲۸ھ ناتمام ہے۔

۲۱۔شرح القدوری از ابواسحاق ابراہیم بن عبدالرزاق بن ابی بکر بن رزق اللہ بن خلف الرسغی مشہور بابن المحدث متوفی ۶۹۵ھ یہ بھی ناتمام ہے۔

۲۲۔شرح القدوری از امام ابوالعباس محمد بن احمد المحبوبی

۲۳۔تنقیح الضروری حاشیہ قدوری از مولانا نظام الدین کیرانوی۔

۲۴۔حاشیہ قدوری از شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی متوفی ۱۳۷۴ھ

۲۵۔المعتصر الضروری حاشیہ مختصر القدوری۔

۲۶۔اشراق نوری ترجمہ اردو مختصر القدوری[1]۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی (فاضل دیوبند)

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

---

[1] مصنفین کے حالات کے لیے ہماری کتاب ''ظفر المحصلین باحوال المصنفین'' دیکھیے جس میں درسی وغیر درسی تقریباً ایک سو پچھتر مصنفین کتب کے تفصیلی حالات پر پوری تحقیق کے ساتھ درج ہیں ۱۲۔

حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ

بِسۡمِ			اللّٰهِ		الرَّحۡمٰنِ			الرَّحِيۡمِ	
شروع	کرتا	ہوں ساتھ	نام	اللہ	بخشش	کرنے	والے	مہربان	کے

قولہ بسم اللہ الخ صاحب مختصر نے آغاز کتاب تسمیہ وتحمید ہر دو کے ساتھ کیا ہے جس میں اقتداء قرآن کے ساتھ اتباع حدیث بھی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔ کل امر ذی بال لایبدأ ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم فھو اقطع کہ جس مہتم بالشان کام کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ کی گئی ہو وہ بے برکت ہوتا ہے ایک روایت میں بالحمدللہ اور ایک روایت میں بحمد اللہ اور ایک روایت میں بالحمد ہے نیز ایک روایت میں اقطع کی بجائے اجزم ہے یہ کل روایات شیخ عبد القادر رہاویؒ کی کتاب الاربعین میں موجود ہیں نیز یہ حدیث حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بھی مروی ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت زیادہ مشہور ہے جس کی تخریج ابو داؤد اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں امام احمد ابن حبان نے مسند میں امام نسائی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں اور شیخ مدنی ابن مسعود نے اور الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع میں خطیب بغدادی نے کی ہے روایت موصول ومرسل ہر دو طرح مروی ہے اور موصول کی اسناد بھی جید ہے چنانچہ ابن ماجہ ابن حبان ابن صلاح ابو عوانہ وغیرہ نے اس کی تصحیح اور شیخ تاج الدین سبکی نے الطبقات میں اس کی تحسین کی ہے۔ اس لیے علماء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے پھر روایت کے جمیع طرق کو سامنے رکھنے سے یہی نکلتا ہے کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ہر کام کی ابتداء اللہ کے ذکر سے ہونی چاہیے تسبیح وتقدیس کی صورت میں ہو یا تحمید وشکر تہلیل وتکبیر اور تسمیہ ودعا کی صورت میں ہو جیسا کہ ایک روایت میں لایبدأفیہ بذکر اللّٰہ کی تصریح موجود ہے۔ البتہ اس مقصد کے حصول کا ادنیٰ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ بسملہ اور حمدلہ کے ساتھ ہو خواہ دونوں کے ساتھ ہو یا کسی ایک کے ساتھ چنانچہ زرقانی نے شرح مؤطا میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ اکثر اوقات خطبات کی ابتداء تحمید کے ساتھ فرماتے تھے اور خطوط کی ابتداء تسمیہ کے ساتھ ملکہ سبا بلقیس کے نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کی ابتداء بھی صرف تسمیہ کے ساتھ ہے قال اللہ تعالیٰ انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللّٰہ میں باء حرف جار ہے جو متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اول برائے الصاق یہ اس کے معانی میں سب سے مشہور معنی ہیں بلکہ سیبویہ نے اس کے صرف یہی ایک معنی بیان کیے ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ معنی کسی حالت میں حرف سے جدا نہیں ہوتے کتاب اللب کی شرح میں ہے کہ الصاق دو معنی میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام ہے جو کبھی حقیقی ہوتا ہے جیسے امسحوا برؤسکم یعنی مسح کا الصاق اپنے سروں سے کرو اور کبھی مجازی جیسے واذا مروا بہم یعنی جب وہ اس جگہ سے قریب ہوتے ہیں دوم برائے تعدیہ جیسے ذھب اللہ بنورھم یعنی اذہبہ سوم برائے سببیت جس کو تعلیلیہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے فکلاً اخذ نا بذنبہ چہارم برائے مصاحبت جیسے اھبط بسلام پنجم برائے ظرفیت خواہ زمانی ہو جیسے نجینا ھم بسحر یا مکانی ہو جیسے نصر کم اللہ ببدر ششم برائے استعلاء جیسے من ان تامنہ بقنطار ہفتم برائے مجاوزت جیسے فاسئل بہ خبیرا یعنی عنہ ہشتم برائے تبعیض جیسے عیناً یشوب بھا عباد اللہ یعنی منھا نہم برائے غایت جیسے وقد احسن بی یعنی الیّ دہم برائے مقابلہ جو عوض میں دیے جانے والی چیزوں پر داخل ہوتی ہے جیسے ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون یازدہم برائے تاکید جس کو زائدہ بھی کہتے ہیں یہ فاعل کے ساتھ بعض مواقع میں واجب ہوتی ہے اور اکثر اوقات اس کا لانا جائز ہوتا ہے وجوب جیسے اسمع بھم وابصر جواز جیسے کفیٰ باللہ شھیدا دوازدہم برائے استعانت جو آلہ فعل پر داخل ہوتی ہے بسم اللہ میں باء اسی معنی کے لیے ہے۔

فائدہ بسم اللہ میں باء حرف جار ہے جس کا عامل محذوف ہے ''الفوئد البدیعیہ الا بن القیم الجوزیہ'' میں ہے کہ اس مقام میں حذف عامل کی متعدد حکمتیں ہیں اول یہ کہ یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جس میں حق تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی چیز کا مقدم ہونا مناسب ہی نہیں کیونکہ مقصود مقام یہ ہے کہ محض معبود حقیقی کا ذکر ہو اور فعل کا ذکر کرنا اس مقصد کے منافی ہے اس لیے فعل کو حذف کر دیا تا کہ مبدوٗ بہ ہر حیثیت سے اسم باری عزاسمہ رہے اور لفظ مشاکل معنی ہو جائے اس کی مثال تکبیر تحریمہ ہے کہ نمازی افتتاح صلوٰۃ کے وقت کہتا ہے اللہ اکبر جس کے معنی ہیں اکبر من کل شئے لیکن وہ اس مقدر کو اس لیے ذکر نہیں کرتا تا کہ زبانی الفاظ قلبی مقصود کے مطابق ہو جائیں کیونکہ نماز کا اصلی مقصد یہی ہے کہ دل میں خدا کے سوا کسی کی یاد نہ ہو۔ فکما تجرد ذکرہ فی قلب المصلی تجرد ذکرہ فی لسانہ۔

آئی جب اُن کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی (جگر مرحوم)

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب عامل کو حذف کر دیا گیا تو کسی فعل کی تخصیص نہ رہی بلکہ اس سے ہر قول اور ہر عمل کی ابتداء صحیح ہوئی پس بمقابلہ ذکر حذفِ فعل میں تعمیم ہے جو مقتضائے مقام کے مناسب ہے تیسری حکمت یہ ہے کہ متکلم تسمیہ فعل کو حذف کر کے اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں تلفظ فعل سے مستغنی ہوں اس کے نطق کی ضرورت نہیں کیونکہ مشاہدہ اور حال متکلم اسی پر دال ہے کہ مبدوٗ بہ عمل اور اس کے علاوہ ہر عمل کا آغاز باری عزاسمہ کے نام سے ہے اور شاہد نطق پر محمول کرنے کے مقابلہ میں شاہد حال پر محمول کرنا بلیغ پر ہے۔ کما قیل۔

ومن عجب قول العواذل من بہ
وہل غیر من اہویٰ یحب ویعشق

قولہ الرحمٰن الخ رحمت از روئے لغت رقت قلب کو کہتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے حق میں محال ہے اس لیے جب اس کی نسبت خداوند قدوس کی طرف ہو تو اس سے مراد تفضل واحسان ہوتا ہے۔ رحمٰن رحم سے فعلان کے وزن پر ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر شئے کو وسیع ہو جیسے غضبان ممتلی الغضب کو کہتے ہیں اور رحیم فعیل کے وزن پر ہے جیسے مرض سے مریض پھر رحیم کی بہ نسبت رحمٰن میں مبالغہ ہے کیونکہ رحیم میں صرف ایک زیادتی ہے اور رحمٰن میں دو زیادتیاں ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ زیادتی لفظ زیادتی معنی پر دال ہوتی ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں آیا ہے یا رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرۃ کیونکہ دنیا میں حق تعالیٰ کی رحمت مومن وکافر ہر دو کو عام ہے بخلاف آخرت کے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رحمت مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رحمٰن تسمیہ کے لحاظ سے خاص ہے کہ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو متصف نہیں کیا جا سکتا[1] اور معنیٰ عام ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اور رحیم اس کے برعکس ہے۔

اَلحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہان کا اور بھلا انجام ہے ڈرنے والوں کا

قولہ الحمدللہ الخ حمد کے معنی ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے اس میں الف لام جنس کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ماہیت وحقیقت حمد اللہ کے ساتھ خاص ہے اور عہد کے لیے بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ حمد جو اللہ نے اپنی ذات وصفات کی کی ہے فی الحدیث ''انت کما اثنیت علی نفسک'' قال الشاعر۔

اے غنی در ذاتِ خود از ماسوائے خویشتن
خود تو می گوئی بحمد خود ثنائے خویشتن

[1] واما قول الشاعر فی مسیلمۃ۔ وانت غیث الوری لازلت رحمانا فباب من تعنتہم فی کفرہم ۱۲۔

اور استغراق کے لیے بھی ہوسکتا ہے یعنی تمام محامد اللہ کے ساتھ مختص ہیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ صاحب کشاف نے پہلی صورت اختیار کی ہے کیونکہ مصادر پر داخل ہونے والے الف لام میں اصل جنسیت ہی ہے (مطول) صاحب مجمع نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے کونکہ اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ عہد استغراق پر مقدم ہے۔ جمہور نے تیسری صورت کو پسند کیا ہے بہر سہ تقدیر عبارت اختصاص حمد پر دال ہے سوال لفظ حمد صفت پر دال ہے اور لفظ اللہ ذات پر اور ذات طبعاً مقدم ہے لہٰذا ذکراً بھی مقدم ہونا چاہیے۔ جواب حمد کی تقدیم اہتمام مقام کی وجہ سے ہے کہ مقام مقام حمد ہے اور بلاغت مقتضائے مقام کی رعایت ہی کا نام ہے سوال تقدیم ظرف کی صورت مفید اختصاص ہے۔ جواب صاحب کشاف وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ الحمد للہ میں بھی اختصاص پر دلالت ہے لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے اصل میں الٰہ تھا بمعنی مالوہ جیسے کتاب بمعنی مکتوب (والتفصیل فی شرحنا نیل الامانی)

<u>فائدہ</u> شیخ داؤد قیصری فرماتے ہیں کہ حمد کی تین قسمیں ہیں قولی فعلی، حالی، حمد قولی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بلسان انبیاء اپنی ذات اقدس کی جو ثناء کی ہے اس کے ساتھ اپنی زبان سے اس کی تعریف کی جائے حمد فعلی یہ ہے کہ اعمال بدنیہ یعنی عبادات وخیرات کو ابتغاء لوجہ اللہ ادا کیا جائے کیونکہ انسان پر جس طرح حق تعالیٰ شانہ کی تعریف بذریعہ زبان لازم ہے اسی طرح ہر عضو اور ہر حال کے لحاظ سے بھی ضروری ہے۔ **کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحمد اللہ علیٰ کل حال** حمد حالی وہ ہے جو قلب وروح کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے کمالات علمیہ وعملیہ اور تخلق بالاخلاق الالٰہیہ کے ساتھ متصف ہونا وغیرہ۔

قولہ رب العالیمن الخ لفظ رب بقول امام راغب دراصل بمعنی تربیت ہے یعنی کسی چیز کی بتدریج بلوغ کمال تک پرورش کرنا پس حق تعالیٰ تمام کائنات کے رب ہیں کہ گونا گوں اغذیہ اور بقائے وجود کے تمام اسباب کے ذریعہ ان کی پرورش کرتے ہیں اور انسان کے حق میں ظواہر کی بذریعہ نعمت اور بواطن کی بذریعہ رحمت نفوس عابدین کی بذریعہ احکام شریعت قلوب مشتاقین کی بذریعہ آداب طریقت اسرار محبین کی بذریعہ انوار حقیقت تربیت فرماتے ہیں پس لفظ رب مصدر ہے جو برائے فاعل مستعار ہے۔ پھر یہ مطلق ہونے کی حالت میں خدا کے ساتھ خاص ہے "نحو **قولہ تعالیٰ بلدۃ طیبۃ وربّ غفور**" ہاں جب یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتو اسکا اطلاق دوسروں پر بھی ہوسکتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے **ربّ الدّار، ربّ الفرس وعلیٰ ذالک قولہ تعالیٰ اذکرنی عند ربک فانساہ الشیطٰن ذکر ربۃ ، ارجع الیٰ ربک** لفظ عالم علامت سے مشتق ہے جو فاعل کے وزن پر آلہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے خاتم اور طابع وغیرہ چونکہ پوری کائنات صانع عالم کے وجود پر دال ہے اس لیے اس کو عالم کہتے ہیں حضرت وہب سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں جن میں سے ایک عالم دُنیا ہے اور آبادی کا حصہ غیر آبادی کی بہ نسبت ایسا ہے جیسے جنگل میں خیمہ :

اجمعین	وَاَصحَابِہٖ	وَّاٰلِہٖ	مُحَمَّدٍ	رَسُوْلِہٖ	عَلٰی	وَالسَّلَامُ	وَالصَّلوٰۃُ

اور درود و سلام اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

قولہ و الصلوٰۃ الخ اس کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتو بمعنی رحمت اور جب ملائکہ کی طرف ہوتو بمعنی استغفار اور جب مؤمنین کی طرف ہوتو بمعنی دعا ہوتا ہے گویا رحمت استغفار دعا ہر سہ صلوٰۃ کے افراد ہیں پس یہ معنی مشترک فیہ (تعظیم) کے لیے ہے نہ یہ کہ باوضاع متعددہ معانی متغائرہ کے لیے موضوع ہے حاصل یہ کہ لفظ صلوٰۃ مشترک معنوی ہے جیسے حیوان نہ کہ مشترک لفظی جیسے لفظ عین پس آیت "ان اللّٰہ و ملائکتہ " اھ پر جو یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ اس میں مشترک لفظ کو باستعمال واحد اس کے دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے یہ اشکال ختم ہوگیا۔ صاحب کتاب نے درود کے موقع پر صلوٰۃ وسلام ہر دو کو ذکر کیا ہے اس واسطے آیت مذکورہ میں ہم کو ان دونوں کا امر ہے سوال بحالت نماز آخر تشہد میں تو

صلوٰۃ مقرون بالتسلیم نہیں ہے۔ جواب درود صلوٰتیہ سے قبل کلمات تشہد ''السلام علیک ایھاالنبی ''میں سلام کا ذکر آ چکا اس لیے صحابہ نے عرض کیا تھا قد علمنا السلام علیک فکیف نصلی علیک اھ

فائدہ صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ وسلام کا جو اعزاز اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ یہ اس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا کیونکہ اس اعزاز میں اللہ جل شانہ خود بھی شریک ہیں بخلاف حضرت آدم کے اعزاز کے کہ وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا۔

یصلّی علیه الله جلّ جلاله　　　بهذا بدا للعالمین کماله

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں　　　ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

قوله محمد الخ لفظ محمد آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شخصی ہے شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اسی طرح آپ کے بھی ایک ہزار نام ہیں جو سب توقیفی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور اور افضل نام محمد اور احمد ہے لفظ محمد کے متعلق صاحب مفردات لکھتے ہیں الذی جمعت فیه الخصال المحمودة اھ یعنی اس کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔ ع اے کہ تو مجموعہ خوبی بچہ ناست خوانم اور احمد بمعنی اعظم حمدًا من غیرہ ہے کیونکہ آپ نے حق تعالیٰ کی تعریف جن محامد کے ساتھ کی ہے وہ کسی نے نہیں کی کما فی شرح المشارق لابن ملک قال الجامی۔

محمدت چوں بلا نہایہ زحق　　　یافت شد نام او ازاں مشتق

حافظ یعمری نے شیخ ابوالقاسم سہیلی صاحب ''الروض الانف'' سے نقل کیا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا بجز تین اشخاص کے جن کے والدین نے اہل کتاب سے آپ کا نام سن کر ان کا نام محمد رکھ دیا گیا تھا مگر

زصد محمد کہ در جہاں آید　　یکے بمنزلت و فضل مصطفےٰ نرسد

سہیلی سے پہلے ابوعبداللہ بن خالویہ کا خیال بھی یہی ہے ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اور ابن فورک نے کتاب الفصول میں ان اشخاص کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔ ۱۔ محمد بن سفیان بن مجاشع جد الفرزدق ۲۔ محمد بن احیحہ بن الجلاح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے ماں شریک بھائی ۳۔ محمد بن حمران بن ربیعہ الجعفی قاضی عیاض نے تین شخص مزید ذکر کیے ہیں صاحب لسان انے ابن بری سے سات کا ذکر کیا ہے اور شیخ حلبی نے اپنی کتاب سیرۃ میں بعض حضرات سے سولہ اشخاص کا اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بیس کا تذکرہ کیا ہے۔ (التفصیل فی شرحنا نیل الامانی)

قَالَ[1] الشَّیْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ الزَّاهِدُ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ اَحْمَدَ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ الْبَغْدَادِیُّ المعروف بالقدوری

فرماتے ہیں شیخ وقت پیشوائے قوم، جلیل القدر، نیک شعار ابوالحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی جو مشہور ہیں قدوری سے

قوله قال الشیخ الخ لفظ شیخ لغتہ شاخ (ض) شیخًا، شیوخۃ، شیوخیۃ سے ہے بمعنی بوڑھا ہونا، شیخ اس کو کہتے ہیں جو عمر رسیدہ ہو یعنی پچاس یا اکیاون سال سے اسی سال یا آخر عمر تک (کما فی القاموس) قال اللہ تعالیٰ ''ان له ابًا شیخًا کبیرًا'' کشف الاسرار میں ہے یقال اذا ظهر البیاض بالانسان فقد شاب و دخل فی الهرم فقد شاخ قال الشاعر

فمن عاش شب ومن شب شاب　　　ومن شاب شاخ ومن شاخ مات

اصطلاح میں لفظ شیخ کا اطلاق استاد، عالم، سردار قوم، ماہر فن اور ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو لوگوں کے نزدیک علم، فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ

---

[1] یہ پوری عبارت مصنفؒ کے کسی شاگرد کی ہے۔

سے بڑا ہوا گرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہو۔پس یہ اطلاق ازقبیل مجاز ہے بایں اعتبار کہ جو عمر رسیدہ ہو وہ شفقت و رحمت کے لحاظ سے قابل تعظیم ہوتا ہے۔ پس جو شخص اہل فضل کے مرتبہ کو پہنچ جائے اس کو استحقاق تعظیم کے لحاظ سے شیخ کے ساتھ بطریق استعارہ تصریحیہ تشبیہ دی جاتی ہے اس کے بعد یہ اس کے لیے حقیقت عرفیہ ہو گیا صاحب مختار نے لفظ شیخ کی متعدد جموع ذکر کی ہیں۔مثلاً شیوخ ،اشیاخ ،شیخہ ،شیخان ،مشیخہ جج ،مشائخ اشیاخ علامہ جامعی نے جموع شیخ کو اس قطعہ میں نظم کیا ہے

مشائخ مشیو خاء مشیخۃ کذا　　شیوخ واشیاخ وشیخان فاعلما
ومع شیخۃ جمع لشیخ وصغرا بضم وکسر فی شیخ لتفہما

فائدہ جب لفظ شیخ حکماء فلاسفہ کے ہاں مطلق بولا جائے تو اس سے مراد بوعلی ابن سینا ہوتا ہے او اہل معانی کے ہاں عبد القاہر جرجانی اور جب شیخین بولا جائے تو اہل سیر کے ہاں اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ ہوتے ہیں اور محدثین کے ہاں امام بخاری ومسلم اور فقہاء احناف کے ہاں امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف علامہ سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ زمانہ اسلام میں سب سے پہلے جس پر شیخ کا اطلاق ہوا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

قولہ الامام الخ لفظ امام آلہ کے وزن پر من یوتم بہ (مقتدا) کو کہتے ہیں جیسے ازار مایؤ تزر بہ کو اور لباس مایلبس کو کہتے ہیں لغۃ ام (ن) اما امامۃ سے ہے بمعنی امام بننا اور ائتم بہ افعال واحوال میں دوسرے کی اقتداء کرنا قال اللہ تعالیٰ **انی جاعلک للناس اماما** کتاب کو بھی کہتے ہیں بایں معنی کہ اس میں جو مضمون ہوتا ہے اس کی اقتداء کی جاتی ہے قال تعالیٰ ''**یوم ندعوا کل اناس باما مھم ای بکتا بھم و قال تعالیٰ وکل شئ احصیناہ فی امام مبین**'' یعنی فی اللوح المحفوظ واضح راستہ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ مسافر اس پر چلتا ہے نیز اس ڈوری کو بھی کہتے ہیں جس سے معمار عمارت کی سیدھ قائم کرتے ہیں لفظ ہجان کی طرح لفظ امام میں بھی مذکر ومونث مفرد وجمع برابر ہیں۔

فائدہ جب لفظ امام مطلق بولا جائے تو مناطقہ کے ہاں اس سے مراد فخر الدین رازی ہوتے ہیں اور فقہاء احناف کے ہاں امام ابوحنیفہ
قولہ ابو الحسن الخ مختصر کے اکثر نسخوں میں یہی کنیت مکتوب ہے لیکن صحیح ابوالحسین ہے جیسا کہ تاریخ ابن خلکان ،مدینۃ العلوم اور انساب سمعانی وغیرہ میں مذکور ہے۔

کِتَابُ الطَّھَارَۃِ

یہ کتاب ہے پاکی کے بیان میں

توضیح اللغۃ کتاب الطہارۃ مرکب اضافی (ناقص) مبتداء محذوف کی خبر ہے ای ہذا کتاب الطہارۃ یا مبتدا محذوف الخبر ہے ای کتاب الطہارۃ ہذا یا منصوب ہے ای ہاک اوخذ او اقراء کتاب الطہارۃ ،کتاب لغۃ مصدر بمعنی جمع وضم ہے یقال کتبت الشئی ای جمعتہ اسی سے لفظ کتیبۃ مجتمع لشکر کے لیے بولتے ہیں کتابت بھی مصدر ہے کیونکہ اس میں بعض حروف کو بعض حروف کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے پس کتاب الطہارۃ بمعنی جمع مسائل الطہارۃ ہے یا کتاب بروزن فعال بمعنی مفعول ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس بہر دو تقدیر بمعنی مجموع ہے اور شرعاً بمعنی شمل واحاطہ ہے جن کو بعض حضرات نے مترادف مانا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ احاطہ عام ہے اور شمل خاص کیونکہ شمل کے معنی یہ ہیں کہ متفرق اشیاء کو جمع کیا جائے یقال ''**جمع اللہ شملہ**'' ای ما تفرق من امرہ اور احاطہ اس کو کہتے ہیں جو شئے کو جمع کرنے کے بعد محیط ہو شمل کی مثال کلمہ جمیع ہے جس کے متعلق نحاۃ نے کہا ہے کہ یہ موجب اجتماع ہوتا ہے جیسے کوئی امیر یوں کہے ''**جمیع من دخل ھذا الحصن فلہ عشر من الابل**'' اور قلعہ میں دس آدمی داخل ہوں تو دسوں کے لیے صرف دس اونٹ ہوں گے اور ہر ایک کو ایک ایک ملے گا اور احاطہ کی مثال لفظ کل ہے۔مثلاً امیر نے کہا ''**کل من دخل ھذا الحصن فلہ عشر من الابل**'' اور دس آدمی داخل ہوئے تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے معلوم ہوا کہ کلمہ جمیع شمول کے لیے ہوتا ہے نہ کہ احاطہ کے

لیے اور کلمہ کل اس کے برعکس ہے اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کو مستقل مان لیا گیا ہو خواہ وہ فی نفسہ مستقل ہو جیسے کتاب اللقطۃ یا مابعد کا تابع ہو جیسے کتاب الطہارۃ، طہارۃ لغۃً بمعنی نظافت و پاکیزگی طہر کا مصدر ہے جس کے برعکس دنس ہے شرعاً مخصوص اعضاء کو دھونا طہارۃ کہلاتا ہے اس کے برعکس لفظ حدث ہے اس کی تعبیر یوں بھی کی جاتی ہے کہ رفع حدث یا ازالہ نجس کا نام طہارت ہے اس معنی کے لحاظ سے دباغت اور تیمم کو بھی طہارت کہا جائے گا نیز مزید تعمیم کرتے ہوئے یوں بھی کہتے ہیں کہ طہارت ایک پاک چیز کو ایسے محل تک پہنچانے کا نام ہے جس کی تطہیر واجب یا مستحب ہے اور مطہر (پاک چیز) پانی ہے اگر وہ موجود ہو ورنہ مٹی بھی مطہر ہے اور طہارۃ حصول طہارت کے بعد باقی ماندہ پانی کو اور طہارۃ آلہ طہارت کو کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الطھارۃ الخ دین کا مدار پانچ چیزوں پر ہے اعتقادات، عبادات، معاملات، مزاجرات، آداب اول و آخر کی بحث فقہ میں داخل نہیں باقی تین کی پانچ پانچ قسمیں ہیں عبادت کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد۔ معاملات کی معاوضات مالیہ، مناکحات، مخاصمات، امانات شراکات۔ مزاجر کی مزجرۂ قتل نفس، اخذ مال، ہتک ستر، ہتک عزت، قطع طریق ماتن نے ان میں سے عبادات کو مقدم کیا ہے کیونکہ معنی عبودیت اسی سے متحقق ہوتے ہیں نہر میں ہے کہ کثرت احتیاج باعث اہتمام و موجب تقدیم ہے یعنی مکلّف کو معاملات وغیرہ کی بہ نسبت عبادات کی حاجت بہت زیادہ ہے پھر جملہ عبادتوں میں نماز کو مقدم کیا ہے کیوں کہ ایمان کے بعد نماز ہی کا ذکر ہے۔ قال تعالیٰ " الذین یؤ منون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ'' حدیث میں ہے الصلوٰۃ عمادالدین اور نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے اپنا دین قائم رکھا اور جس نے اسے منہدم کیا اس نے اپنے دین کو منہدم کر دیا پھر نماز پر اس کی شرط کو مقدم کیا ہے کیونکہ بلا شرط مشروط کا تحقق نہیں ہوتا پھر شروط نماز میں سے طہارت کو مقدم کیا ہے کیونکہ بفحوائے حدیث ''مفتاح الصلوٰۃ الطھور'' نماز کی کنجی طہارت ہے جس کے بغیر نماز کی حلت و اباحت حاصل نہیں ہو سکتی نیز طہارت نماز کی ایک ایسی شرط ہے جو اس کے تمام ارکان کے لیے لازم ہے بخلاف باقی شروط صلوٰۃ وقت نیت، استقبال قبلہ وغیرہ کہ ان کی یہ شان نہیں ہے۔ سوال طہارت کی بہت سی انواع ہیں مثلاً وضو، غسل، تیمم وغیرہ لہذا صاحب ہدایہ وغیرہ کی طرح کتاب الطہارات کہنا چاہیے جواب طہارت مصدر ہے جس میں اصل افراد ہی ہے کیونکہ وہ قلیل و کثیر سب کو شامل ہوتا ہے جن لوگوں نے جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے انہوں نے انواع و اقسام طہارت کا ذکر کیا ہے وہ بھی بجائے خود صحیح ہے۔

قَالَ	اللّٰهُ	تعالیٰ	یَاۤاَیُّهَا	الَّذِینَ	اٰمَنُوۡۤا	اِذَا	قُمۡتُمۡ	اِلَی	الصَّلوٰةِ	فَاغۡسِلُوۡا	وُجُوۡهَكُمۡ	وَاَیۡدِیَكُمۡ
حق	تعالیٰ کا	ارشاد ہے	اے	ایمان	والو	جب	تم اٹھو	نماز کو	تو	دھو لو	اپنے منہ	اور ہاتھ

اِلَی الۡمَرَافِقِ	وَامۡسَحُوۡا	بِرُءُوۡسِكُمۡ	وَاَرۡجُلَكُمۡ	اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ
کہنیوں تک	اور مسل لو	اپنے سر کو	اور پاؤں	ٹخنوں تک

توضیح اللغۃ اذاقمتم الی الصلوٰۃ ای اردتم القیام الی الصلوٰۃ و انتم محدثون، فاغسلوا غسل بفتح غین لغت میں کسی چیز پر بہا کر میل کچیل دور کرنے کو کہتے ہیں اور غُسل بضم غین تمام بدن کے دھونے کو کہتے ہیں اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے غسل کیا جائے اور غِسل بکسر غین خطمی وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے سر دھویا جاتا ہے شرعاً پانی بہانے کو غسل کہتے ہیں اگر چہ ایک ہی قطرہ ٹپکے اور شیخ برہان الدین کی کتاب ''الفیض'' میں ٹپکنے کا کمتر درجہ یہ ہے کہ بوندیں ٹپکیں وجوھکم وجوہ وجہ کی جمع ہے بمعنی چہرہ ایدیکم ایدی ید کی جمع ہے بمعنی ہاتھ الی المرافق مرافق مرفق کی جمع ہے بمعنی کہنی وامسحوا مسح کے معنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا برؤسکم رؤس راس کی جمع ہے بمعنی سر وارجلکم ارجل رجل کی جمع ہے بمعنی پاؤں الی الکعبین کعبین کعب کا تثنیہ ہے بمعنی اُبھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ اسی سے لفظِ کاعب ہے بمعنی نوخیز اور اُبھری ہوئی پستان والی لڑکی

تشریح الفقہ قولہ قال اللہ تعالیٰ الخ طہارت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ (وضو) کبریٰ (غسل) مصنف نے وضو کے بیان کو بیان غسل پر مقدم کیا ہے کیونکہ آیت وضو اور تعلیم جبرئیل میں وضو ہی مقدم ہے نیز بمقابلہ غسل وضو کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے پھر صاحب کتاب نے تیمناً اور تبرکاً بحث کی ابتدا قرآن کریم کی آیت سے کی ہے نیز دلیل چونکہ رتبۃً مقدم ہوتی ہے اس لیے اولاً آیت کریمہ کو ذکر کیا اس کے بعد فرضیت وضو کے دعوے کو اس پر مرتب کیا آیت مقدسہ ایسی آٹھ چیزوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک شئی یعنی دو دو ہے ا۔طہارتین (وضو غسل ۲۔مطہرین (پانی، مٹی) ۳۔حکمین (غسل، مسح) ۴۔موجبین (حدث، جنابت) ۵۔مبیحین (مرض، سفر) ۶۔دلیلین (وضو میں دلیل تفصیلی کہ غسل و مسح اعضاء کو بالتفصیل بتایا اور غسل میں دلیل اجمالی کہ اس میں بطریق اجمال صرف فاطہروا فرمایا ۷۔کنایتین (غائط جو قضاء حاجت بشری سے کنایہ ہے اور ملامست جو جماع سے کنایہ ہے ۸۔کرامتین۔(تطہیر ذنوب اتمام نعمت)۔

فائدہ جب وقوعِ شرط کا یقین یا امید قوی ہو تو لفظ اذا استعمال ہوتا ہے اسی لیے وضو کی بابت کلمہ اذا آیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز امور لازمہ ثابتہ میں سے ہے اور بنظر دیانتِ مسلم غالب الوجود ہے اور جب وقوع شرط کا یقین نہ ہو یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے میں تردد ہو تو کلمہ اِن استعمال کرتے ہیں جنابت کی بابت اسی لیے کلمۂ اِن آیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنابت امور عارضہ میں سے ہے اور قلیل الوجود ہے۔

تنبیہ آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ باتفاق مفسرین مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اور نماز کی فرضیت اس سے بہت پہلے مکہ میں ہو چکی تھی معلوم ہوا کہ آیت کے نزول تک آپ نے بلا وضو نماز پڑھی جواب یہ ہے کہ اس سے بلا وضو نماز پڑھنا لازم نہیں آتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وضو کا ثبوت وحی غیر متلو کے ذریعہ سے ہو یا اس سلسلہ میں شریعت سابقہ پر عمل ہو جس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے اعضاء وضو کو تین تین بار دھو کر ارشاد فرمایا ہذا وضوئی و وضوا الانبیاء من قبلی کہ یہ میرا وضو ہے اور ان پیغمبروں کا وضو ہے جو مجھ سے پہلے تھے۔

قولہ وارجلکم الخ اس میں حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص کی قرأت لام کے نصب کے ساتھ ہے اور دیگر قراء کی قرأت جر کے ساتھ پہلی قرأت کا مفاد یہ ہے کہ دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے کیونکہ قرأت نصب کے مطابق اس کا عطف وجوہ پر ہے۔اور اعضاء مغسولہ میں داخل ہے سنتِ شائعہ عمل صحابہ، اجماع اہل سنت والجماعت اکثر ائمہ کے اقوال اور الی الکعبین کے ساتھ تحدید اس کی مؤید ہے کیونکہ مسح کا محدود ہونا معہود نہیں بلکہ تحدید مغسولات ہی میں وارد ہے دوسری قرأت کا مفاد یہ ہے کہ پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے رافضیوں کا مذہب یہی ہے یہ لوگ ارجلکم کو رؤس پر معطوف کر کے کسرہ کی قرأت کو اپنی حجت کہتے ہیں جواب یہ ہے کہ کسرہ محض مجاورۃ اور قرب کے لحاظ سے ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن پاک و اشعار عرب میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں صاحب کشاف نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ پاؤں چونکہ پانی بہا کر دھوئے جاتے ہیں جس میں اسرافِ مذموم کا امکان ہے اس لیے ارجلکم کا عطف ممسوح پر کیا گیا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ پانی بہانے میں اسراف نہیں ہونا چاہیے امام شافعی فرماتے ہیں کہ نصب کی صورت اثبات غسل رجل کے لیے ہے اور جر کی صورت اثباتِ جواز مسح علی الخفین کے لیے ہے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آیت کی بابت امام شافعی کا قول احسن الاقوال ہے ابن الجوزی نے بھی اس کی تحسین کی ہے۔بہر کیف احادیث صحیحہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا ضروری ہے امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف کو واپس ہوئے راہ میں ایک چشمہ پر پہنچے تو لوگ جلدی جلدی عصر کے لیے وضو کر کے واپس ہو گئے اس حال میں ان کے ٹخنے چمک رہے تھے یعنی ان پر پانی نہیں پہنچا تھا یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ویل للاعقاب مِن النار اسبغوا الوضوء'' حضرت عائشہؓ کا قول مروی ہے کہ میرے نزدیک پاؤں کاٹ ڈالنا پسندیدہ تر ہے اس سے کہ میں پاؤں میں موزے نہ ہونے کی حالت میں قدمین پر مسح کروں امام محمد باقر بطریق زین العابدین بواسطہ

حسن بن علی حضرت علیؓ سے راوی ہیں کہ آپ نے وضو کیا اور دونوں پاؤں دھوئے پھر فرمایا کہ میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کس طرح کرتے تھے آپ کا طریقہ بھی یہی تھا جس طرح میں نے وضو کیا ہے اسی طرح حارث نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے آپ کہتے تھے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں پاؤں دھوڈالا کرو جیسا کہ تمہیں حکم ہے۔

لطیفہ مولانا نظام الدین کیرانوی نے ''التنقیح الضروری'' میں نقل کیا ہے کہ رافضیوں کا ایک مجتہد کلینی پڑھا رہا تھا اور اس کے ارد گرد بہت سے طلبہ بیٹھے ہوئے تھے یکا یک حضرت علیؓ کی یہی حدیث کلینی میں نکل آئی اس پر تمام طلبہ از راہِ تعجب ایک دوسرے کو تکنے لگے کیونکہ وہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق تھی پس سب نے یک زبان ہو کر مجتہد سے سوال کیا اس نے کہا کہ اس کی شرح لاؤ وہ شرح لائے تو اس میں یہ نکلا کہ ان دنوں حضرت علیؓ نے یہ تقیہ کر رکھا تھا۔ اس جواب سے خود مجتہد کو بھی تعجب ہوا اور اس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر میں سوچ کر بولا کہ میرے خیال میں تو اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اس حدیث کے راویوں میں جرح قدح کی جائے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ يَدْخُلَانِ

فرائض طہارت تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے اور کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں

فِيْ فَرْضِ الْغَسْلِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلٰثَةِ خِلَافًا لِزُفَرَ

فرض غسل میں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفر کے

فرائض وضوء کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ففرض الطهارة الخ فرائض وضو چار ہیں ا۔ چہرہ کا اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک مرتبہ دھونا اور چوتھائی سر کا مسح کرنا چہرہ کی حد ہدایہ اور کنز وغیرہ میں یوں مذکور ہے ''ھو من قصاص شعرہ الی اسفل ذقنہ والی شحمتی الاذن'' یعنی چہرہ کی حد لمبائی میں سر کے بالوں کی آخری حد سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ اور چوڑائی میں ایک کان کی لَو سے دوسرے کان کی لَو تک ہے اس تعریف پر اغم اصلع اور انزع کا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اغم وہ شخص ہے جس کے بال سر سے اتر کر پیشانی پر جمے ہوں اور اصلع وہ ہے جس کے مقدم سر پر بال نہ ہوں اور انزع وہ ہے جس کی پیشانی کی دونوں جانبین بال سے خالی ہوں۔ اب تعریف مذکور سے اصلع اور انزع کو سر کا دھونا اور اغم کی پیشانی کا دھونے سے ساقط ہونا لازم آتا ہے اس لیے وجہ کی تعریف میں صاحب درمختار وغیرہ کا قول ''من مبدأ سطح وجھہ الیٰ اسفل ذقنہ اہ'' بہتر ہے کیونکہ یہ تعریف اغم اور اصلع وغیرہ سب کو شامل ہے

قولہ غسل الاعضاء الخ اعضاء ثلاثہ سے مراد چہرہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں سوال اعضاء مغسولہ تو درحقیقت پانچ ہیں نہ کہ تین جواب صاحب کتاب نے ان کو تین اس لیے کہا ہے کہ یدین اور رجلین حکم میں بمنزلہ عضو واحد ہیں کیونکہ جب اشیاء متفرقہ خطاب واحد کے تحت میں داخل ہوں تو وہ شئے واحد کے درجہ میں ہوتی ہیں

قولہ والمرفقان الخ آیت '' وایدیکم الی المرافق'' میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہاتھ پاؤں کے دھونے میں کہنیاں اور ٹخنے داخل ہیں اور امام زفر کے نزدیک خارج وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا داخل نہیں ہوتی جیسے در بارۂ صوم حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ثم اتمو الصیام الی اللیل '' اس میں غایت یعنی رات مغیا یعنی روزہ میں بالاتفاق داخل نہیں اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں غایتوں میں فرق ہے لہذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ

ہاتھ پاؤں کا اطلاق پورے اعضاء پر ہوتا ہے اگر یہ حد نہ بتائی جاتی تو بظاہر تمام اعضاء ہی مراد ہوتے اس لیے یہاں الی اسقاط غایت کے لیے نہیں بلکہ اسقاط ماوراء غایت کے لیے ہے یعنی کہنیاں اور ٹخنے حکم غسل میں ہیں ان سے باہر کا حصہ خارج بخلاف روزہ کے کہ اس کا اطلاق ایک گھڑی کھانے پینے جماع سے رُکنے پر بھی ہوسکتا ہے اس لیے وہاں الی مدِ حکم کے لیے ہے نہ کہ اسقاط کے لیے یعنی روزہ کا حکم صبح سے کھینچ کر شام تک لانا ہے اور رات کو اس حکم سے خارج کرنا ہے۔

فائدہ غایت کی چار قسمیں ہیں غایت مکان، زمان، عدد، فعل اول جیسے من ہذا الحائط الی ہذا الحائط ثانی جیسے "ثم اتموا الصیام الی اللیل" ان دونوں میں غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی ثالث جیسے انت طالق من واحدۃ الی ثلاث اس میں امام اعظم اور امام زفر کے نزدیک غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی اور صاحبین کے نزدیک داخل ہوتی ہے رابع جیسے اکلت السمکتہ حتی رأسھا اگر اس میں رأسہا کو منصوب پڑھا جائے تو غایت مغیا میں داخل ہوگی اور حتیٰ واؤ کے معنی میں داخل ہوگا اور اگر مجرور پڑھا جائے تو داخل نہ ہوگی اور حتی الی کے معنی میں ہوگا۔

وَالمَفْرُوضُ فِي مَسْحِ الرَّأسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّأسِ لِمَارَوَى الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ

اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے روایت کیا ہے

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَتٰی سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَ خُفَّيهِ

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور پیشاب کر کے وضو کیا اور مقدار ناصیہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا

توضیح اللغۃ ناصیہ پیشانی' سر کے چار حصے ہیں ناصیہ' قذال' فودان' پس سر کے جس حصہ کے بالوں کی روئیدگی آگے کی جانب ہے اس حصہ کو ناصیہ کہتے ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ بضم میم وکسر غین مشہور صحابی ہیں رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے سال مشرف باسلام ہوئے اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی آپ سے ۱۳۶ حدیثیں مروی ہیں سباطہ۔ کوڑی فبال۔ (ن) بولاً پیشاب کرنا خفیہ۔ خف کا تثنیہ ہے بمعنی موزہ (یہ اصل میں خفین تھا تثنیہ کا نون ہاء ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔

تشریح الفقہ قولہ و المفروض الخ مسح رأس میں ناصیہ کی مقدار پر مسح کرنا ضروری ہے جس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے اور پیشاب سے فراغت کے بعد وضو کرتے ہوئے بقدر پیشانی سر پر اور دونوں موزوں پر مسح کیا (مسلم ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی، دارقطنی، بیہقی، طبرانی، احمد) یہ حدیث بالاختلاف صحیح وامام شافعی پر حجت ہے جو تین بالوں کے مسح کو کافی سمجھتے ہیں اور امام مالک پر جو تمام سر کے مسح کو فرض کہتے ہیں سوال حدیث مغیرہ اخبار آحاد میں سے ہے اور خبر واحد کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں لہذا اس سے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت ثابت کرنا صحیح نہیں جواب یہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ اس سلسلہ میں مجمل ہے اور حدیث مذکور اس کے لیے بیان ہے۔

تنبیہ مسح رأس کی مقدار کے سلسلہ میں احناف سے تین روایتیں ہیں پہلی روایت جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہ کے معتبر متون میں مذکور ہے یہ ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے دوم یہ کہ مقدار ناصیہ ہے صاحبِ کتاب کے نزدیک یہی مختار ہے اسی کو صاحب کتاب اور صاحب ہدایہ نے سر کا چوتھائی حصہ کہا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ناصیہ چوتھائی سر سے کچھ کم ہے سوم یہ کہ تین انگلیوں کی مقدار ہے بدائع میں ہے کہ یہ اصول کی روایت ہے اور ظہیریہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ یہ امام محمد سے روایت ہے اس لیے بعض متاخرین نے کہا ہے کہ یہ امام محمد سے ظاہر الروایہ ہے نہ کہ امام اعظم سے۔

فائدہ حدیث مذکور سے چھ باتیں مستفاد ہوتی ہیں ا۔ غیر کی مملوکہ جگہ جب کہ وہ خراب و ویران ہو تو اس میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہوسکتا

ہے۔۲۔ اس طرح کی جگہ میں پیشاب کرسکتا ہے پاخانہ نہیں کرسکتا کیونکہ پیشاب زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور اس کا اثر باقی نہیں رہتا ۳۔ پیشاب ناقض وضو ہے ۴۔ پیشاب کے بعد وضو کر لینا مستحب ہے ۵۔ مسح رأس میں ناصیہ کی مقدار پر مسح کرنا ضروری ہے۔ ۶۔ موزوں پر مسح کرنا ثابت و جائز ہے۔

قولہ لماروی المغیرۃ الخ سوال دلیل مطابق دعویٰ نہیں ہے کیونکہ دعویٰ مقدار ناصیہ ہے اور دلیل اس پر دال ہے کہ مسح بعینہ ناصیہ پر ہے۔ جواب مدعا ربع رأس ہے اور مسح علی الناصیہ ظاہر أربع رأس کے موافق ہی ہوتا ہے۔ لہذا دلیل مدعا کے موافق ہے۔

وسُنَنُ الطهارة غسلُ اليدَين ثلثاً قبلَ ادخالهما الاناءَ اِذا استيقظ المتوضئي[1] من نومه

اور وضوء کی سنتیں دونوں ہاتھ تین بار دھونا ہے برتن میں ڈالنے سے پہلے جب بیدار ہو وضو کر نیوالا نیند سے

سُنَنِ وُضوء کا بیان

توضیح اللغۃ سنن۔ جمع سنّت طریقہ ادخال۔ داخل کرنا الانا۔ برتن' استیقظ استیقاظا۔ بیدار ہونا' نوم۔ نیند'

تشریح الفقہ قولہ سنن الطهارة الخ سنت کی جمع ہے از روئے لغت مطلق طریقہ کو کہتے ہیں پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من سنّ سنةً حسنةً کا ن له ثوا بهاو ثواب من عمل بها الى يوم القيامة ومن سنّ سنةً سيئةً كان عليه وزرها ووزر من عمل بها الىٰ يوم القيامة" اور عرف شرع میں اس طریقہ کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق عبادت مواظبت کی ہو گاہے گاہے ترک کرنے کے ساتھ عبادت کی قید سے وہ طریقہ خارج ہو گیا جس پر مواظبت بطریق عادت ہو جیسے تیامن کہ یہ مفید استحباب ہوتا ہے مصنف نے وضو (اور غسل) کے فروض بیان کے بعد سنتوں کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وضو (اور غسل) میں کوئی شئے واجب نہیں اگر ہوتی تو اس کو سنتوں سے پہلے اور فرض کے بعد ذکر کرتے اس واسطے کہ واجب سنت سے قوی تر ہے تو صناعت تصنیف اس کی تقدیم کی مقتضی ہے پھر مصنف سنت کو بصیغہ جمع لایا ہے اس واسطے کہ سنت از رُوئے دلیل واز روئے حکم ہر دو لحاظ سے جُداگانہ ہے چنانچہ ارکانِ وضو کی دلیل صرف ایک ہی ہے یعنی آیت وضو اور سنتوں کی ادلہ احادیث جُداگانہ ہیں نیز ہر سنّت کا حکم یعنی ثمرہ وثواب بھی جُداگانہ ہے بایں معنی کہ اگر ایک سنت ادا کی اور دوسری ترک کردی تو جس سنت کو ادا کیا ہے اس کا ثواب ملے گا بخلاف ارکانِ وضو کے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دیا تو کچھ ثواب نہ ہوگا۔

قولہ غسل اليدين الخ وضو میں متعدد سنتیں ہیں۔ ابتدائے وضو میں دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھونا کیونکہ ہاتھ آلۂ طہارت ہے لہذا ابتدا اس کی پاکی سے ہونی چاہیے نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اذا استيقظ احدكم من منامه فليغسل يديه قبل ان يد خلهما الاناء فى وضوء فان احد كم لا يدرى اين باتت يده" (بخاری) یعنی جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو چاہیے کہ اپنے دونوں ہاتھ دھولے برتن میں ڈالنے سے پہلے وضو کے پانی میں کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا۔ مصنف نے اس کو استیقاظ من النوم کے ساتھ جو مقید کیا ہے (اور حدیث میں بھی یوں ہی ہے) یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ یہ غسل خواب سے بیدار ہونے والے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وضو کرنے والے کے لیے سنّت ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو میں غسل یدین کی تقدیم بلاتقیید نوم مروی ہے۔ پھر بعض حضرات کے نزدیک یہ غسل قبل از استنجا سنت ہے اور بعض کے نزدیک بعد از استنجا لیکن

[1] انما سماه متوضيًا لان الشئى اذا قرب من الشئى باسمه لما قال عليه الصلوٰة والسلام لقنوا موتاكم لا أله الا الله ۱۲

مجتبیٰ میں ہے کہ اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ دونوں حالتوں میں سنت ہے قاضی خاں نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک استیقاظ من النوم برابر ہے رات میں ہو یا دن میں البتہ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر دن میں سو کر اُٹھا تو مستحب ہے اور رات میں سو کر اُٹھ تو واجب ہے۔

فائدہ حدیث مذکور صحاح ستہ میں منقول ہے البتہ بخاری میں تین دفعہ دھونا مذکور نہیں مسلم ابوداؤد، نسائی، دارقطنی نے تین مرتبہ اور امام ترمذی و ابن ماجہ نے دو یا تین دفعہ اور طحاوی نے باسناد جید ایک دو دفعہ دھونا روایت نیز بزار کی روایت کیا ہے میں "فلا یغمسنّ" نون تاکید کے ساتھ بھی مروی ہے۔

وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ ابْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ وَالسِّوَاكُ وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ
اور بسم اللہ پڑھنا وضوء کے شروع میں اور مسواک کرنا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور دونوں کانوں کا مسح کرنا
وَتَخْلِيْلُ اللِّحْيَةِ وَالْاَصَابِعِ
اور ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا

توضیح اللغۃ تسمیہ۔ بسم اللہ پڑھنا' السواک - مسواک کرنا' مضمضۃ - کلی کرنا' استنشاق - ناک میں پانی دینا' اذنین - اذن کا تثنیہ ہے بمعنی کان' تخلیل - خلال کرنا' لحیۃ - ڈاڑھی' اصابع - اصبع کی جمع ہے بمعنی انگلی۔

تشریح الفقہ فتسمیته اللہ الخ ۲۔ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا وضوء لمن لم یسم اسم اللہ تعالیٰ" کہ بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا (منشاء حدیث نفی فضیلت ہے) مگر تسمیہ سے مراد خاص کر بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ہے بلکہ مطلق ذکر مراد ہے محیط میں ہے کہ اگر لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ البتہ دبوسیؒ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اور اکمل و خبازی نے بسم اللہ العظیم والحمد له علیٰ دین الاسلام کو افضل کہا ہے پھر صاحبِ ہدایہ نے آغاز وضو میں تسمیہ کو مستحب مانا ہے اور اسی کو اصح کہا ہے علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو مستحب کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ اس کی سنیت پر احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔ اگر ان کے معارض کوئی دوسری حدیث نہ ہوتی تو ان کا اقتضاء تو وجوب ہوتا جیسا کہ علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی بھی ہے لہذا اس کو سنت ہی کہنا صحیح ہے جیسا کہ صاحبِ کتاب نے کہا ہے۔

قولہ والسواک الخ ۳۔ مسواک کرنا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پابندی کے ساتھ کیا ہے نیز آپ کا ارشاد ہے "لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل وضوء" (نسائی، ابن خزیمہ، مالک عن ابی ہریرۃؓ) اگر مجھے امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو ہر وضوء کے لیے مسواک کا حکم دیتا پھر مسواک کے مسنون ہونے میں تین قول ہیں۔ ۱۔ مسواک سنتِ وضو ہے۔ اکثر احناف اسی کے قائل ہیں ۲۔ سنتِ نماز ہے شوافع اسی کے قائل ہیں۔ ۳۔ سنتِ دین ہے حضرت امام اعظم سے یہی منقول ہے۔

فائدہ احادیث میں مسواک کے بڑے فضائل وارد ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسواک کر کے ایک نماز کا ثواب بغیر مسواک ستر نمازوں کے ثواب کے برابر ہے (احمد، ابن خزیمہ، حاکم، دارقطنی، ابونعیم عن عائشہ) نیز آپ کا ارشاد ہے کہ مسواک منہ کو صاف کرنے والی اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے (نسائی، احمد، تعلیق بخاری) نہر الفائق میں ہے کہ مسواک کے ۳۶ فائدے ہیں ادنیٰ فائدہ گندہ دہنی کا دور ہونا ہے اور اعلیٰ فائدہ مرنے کے وقت تذکیر شہادت ہے۔

قولہ و المضمضۃ الخ ۴۔ کلی کرنا ۵۔ ناک میں پانی دینا جن کے دو طریقے ہیں۔ ۱۔ تین مرتبہ کلی ہر دفعہ نئے پانی کے ساتھ کے پھر اسی طرح ناک میں پانی دے (طبرانی عن کعب بن عمرو الیمانی) احناف کے یہاں یہی افضل ہے اور بروایت بویطی و ترمذی امام شافعی بھی اس کو افضل

3

کہتے ہیں ۲۔ ہر چلو پانی سے ایک ساتھ مضمضہ اور استنشاق کرے بروایت مزنی امام شافعی کے نزدیک یہی افضل ہے پس ہر دو طریق کی سنیت وعدم سنیت میں اختلاف نہیں بلکہ افضلیت وعدم افضلیت میں اختلاف ہے۔

فائدہ مضمضمہ اور استنشاق دونوں وسنتِ مؤکدہ ہیں (بلکہ امام مالک ان کی فرضیت کے قائل ہیں) لہذا ان کا ترک کرنا بر مذہب صحیح گناہ ہے اس لیے کہ سنتِ مؤکدہ بمنزلہ واجب کے ہے اور جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت کی ہے وہ بائیس صحابہ کرامؓ ہیں جنھوں نے ان دونوں کوذکر کیا ہے علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں ۲۳ صحابیوں سے نام بنام مع تصریح مخرجین حدیث کی تخریج کی ہے۔

قولہ و مسح الاذنین الخ ۶۔ دونوں کانوں کا مسح کرنا سر کے مسح سے باقی ماندہ پانی کے ساتھ یہ بھی سنت مؤکدہ ہے۔ امام اعظم اور امام مالک کا یہی مذہب ہے اور بقول امام ترمذی اکثر علماء کا قول یہی ہے امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک علیحدہ پانی سے تین بار کانوں کا مسح کرنا مسنون ہے ان کا متدل عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیا۔ (بیہقی) احناف کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''الاذنان من الراس'' کانوں کا تعلق سر سے ہے۔ اس سے مقصود بیان حکم ہے نہ کہ طریق پیدائش یہ حدیث متعدد طرق واسانید کے ساتھ آٹھ صحابہ سے بطریق صحت مروی ہے اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ابن خزیمہ ابن حبان، حاکم، ابن مندہ نے اور ربیع بنت معوذ کی حدیث ابوداؤد وطبرانی نے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث نسائی نے نقل کی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح الاذنین مع الرأس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جو دارقطنی میں ہے اس کو ابن القطان نے صحیح اور بزار نے جید کہا ہے۔

قولہ و تخلیل اللحیۃ الخ ۷۔ ڈاڑھی کا خلال کرنا اس کی بابت علماء کے چار قول ہیں۔ ۱۔ واجب ہے۔ یہ قول سعید بن جبیرؒ اور عبدالحکم مالکی کا ہے۔ ۲۔ سنت ہے یہ امام ابو یوسف اور امام شافعی کا مذہب ہے اور امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور اسی کو اصح کہا گیا ہے۔ کیونکہ سترہ صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال پر مواظبت فرمائی ہے نیز ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آپ وضو فرماتے تو ایک چلو بھر پانی سے ڈاڑھی کا خلال کرلیا کرتے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ ۳۔ جائز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا بدعت کی طرف منسوب نہیں ہے۔

تنبیہ ابوداؤد کی روایت سے گو بظاہر وجوب معلوم ہوتا ہے اور سعید بن جبیرؒ اور عبدالحکم مالکی اس کے قائل بھی ہیں جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا مگر چونکہ آیت وضو سے ظاہر لحیہ کا دھونا فرض ثابت ہوا ہے اور خلال کا ثبوت خبر واحد سے ہے جس سے وجوب ثابت کرنے میں زیادتی علی الکتاب لازم آتی ہے اس لیے سنت قرار دینا ہی انسب ہے۔

قولہ و الاصابعُ الخ ۸۔ انگلیوں کا خلال کرنا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اپنی انگلیوں کا خلال کیا کرو تا کہ ان میں جہنم کی آگ داخل نہ ہونے پائے (دارقطنی عن ابی ہریرہؓ) ہاتھ کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں پنجہ کے طریق سے ڈالے اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی کن انگلی داہنے پاؤں کی چھنگلی میں ڈالے اور ترتیب وار تمام انگلیوں میں خلال کرتا جائے تا آنکہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کردے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَتكْرارُ الْغسلِ اِلَى الثَّلٰثِ وَيُسْتَحبُّ لِلْمُتوَضِّئ اَنْ يَّنوِىَ الطَّهارَةَ وَيسْتوْعِبَ رَاْسَهٗ بِالْمَسْحِ

اور اعضاء کو تین تین بار دھونا اور مستحب ہے وضوء کرنیوالے کیلئے طہارت کی نیت کرنا اور پورے سر کا مسح کرنا

تشریح الفقہ قولہ و تکرار الغسل الخ ۹۔ ہر عضو کو تین دفعہ دھونا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھو کر فرمایا کہ یہ ایسا وضو ہے کہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرمائیں گے اور دو دو مرتبہ اعضاء کو دھو کر فرمایا کہ اس وضو پر اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطا فرمائیں

گے اور تین تین مرتبہ دھو کر فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا وضو ہے جو اس سے کم وبیش کرے گا وہ ظلم وتعدی کا مرتکب ہوگا (دار قطنی، بیہقی، ابن ماجہ، طبرانی عن ابن عمر، ابن ماجہ عن ابی بن کعب، دار قطنی عن زید بن ثابت وابی ہریرۃ والزیادۃ فی الاخیر عند ابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ عن عمرو بن شعیب۔

فائدہ اعضاء مغسولہ کا ایک ایک بار دھونا تو فرض ہے اور دوسری بار دھونا سنت ہے اور تیسری مرتبہ دھونا اکمل وضو ہے بعض حضرات دوسری مرتبہ کو سنت اور تیسری مرتبہ کو نفل اور بعض اس کا عکس کہتے ہیں شیخ ابو بکر اسکاف تینوں مرتبہ دھونے کو فرض کہتے ہیں۔

مُستحباتِ وُضو کا بیان

قولہ ان ینوی الخ یہاں سے مستحباتِ وضو کا بیان ہے صاحبِ کتاب نے چھ مستحبات ذکر کیے ہیں۔ا۔نیت کرنا، نیت کی بابت سات وجوہ سے گفتگو ہے۔جن کو کسی شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

حقیقۃ[1] حکم[2] محل[3] وزمن[4] کفیفیت[5] شرط[6] ومقصود[7] حسن

نیت[1] کا اطلاق لغۃً دل کے پختہ ارادہ پر آتا ہے اور شرعاً کسی کام میں اللہ کی اطاعت یا تقرب کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اب وضو میں کا ہے کی نیت کرے سو تبیین میں ہے کہ جو عبادت بغیر طہارت درست نہ ہو اس کی نیت کرنا یا حدث دور کرنے کی نیت کرنا مراد ہے فتح القدیر میں ہے کہ وضو میں رفع حدث کی نیت کرنی چاہئے پھر احناف، سفیان ثوری، اوزاعی اور حسن کے نزدیک وضو میں نیت کرنا ضروری ہے اور امام شافعی، مالک، احمد، ربیعہ، زہری، لیث، اسحاق، ابو ثور، ابو عبید اور داؤد ظاہری کے نزدیک فرض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''انما الاعمال بالنیات'' کہ تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وضو میں دو جہتیں ہیں ایک اس کا مستقل عبادت ہونا دوسرے اس کا ذریعہ اور وسیلہ نماز ہونا وضو بایں حیثیت کہ وہ عبادت ہے بلا نیت درست نہیں یعنی متوضی کو بلا نیت عبادت وضو کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔لیکن نماز کا ذریعہ ہونا اس پر موقوف نہیں۔ بلکہ طہارت بلا نیت بھی حاصل ہو جائے گی کیونکہ پانی بذاتِ خود پاک کرنے والی چیز ہے ارادہ ہو یا نہ ہو حکم نیت[2] یہ ہے کہ عبادات کے لیے نیت کرنا فرض ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وماامرو الالیعبد اوالله مخلصین له الدّین وَالاخلاص هو النّیۃُ'' اور غیر عبادت میں کہیں سنت ہوتی ہے کہیں مستحب محل نیت[3] قلب ہے اور زبان سے کہہ لینا سنت ہے وقت نیت[4] ابتدائے عبادت ہے یعنی ہر عبادت کے آغاز میں نیت ہونی چاہیے لیکن روزہ، زکوٰۃ، کفارات اور اضحیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیفیت نیت[5] ہر باب کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے شرطِ نیت[6] نیت کنندہ کا مسلمان ہونا صاحبِ تمیز ہونا اور عالم بالمنوی ہونا ہے مقصود نیت[7] عبادات کا عادات سے ممتاز ہونا ہے جیسے مسجد میں بیٹھنا کبھی اعتکاف کے لیے ہوتا ہے اور کبھی استراحت کے لیے اب اس کا عبادت ہونا نیت ہی کے ذریعہ سے ممتاز ہوگا۔

تنبیہ صاحبِ کتاب نے وضو میں نیت کرنے اور تمام سر کے مسح کرنے اور بالترتیب وضو کرنے کو مستحب کہا ہے اس پر صاحب فتح القدیر وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ روایت ودرایت سے اس کی کوئی سند نہیں ہے بلکہ مشائخ کی روایات اس کے سنت ہونے پر متفق ہیں لیکن اس کا جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحات کا فرق ہے متاخرین کے یہاں استحباب کا اطلاق سنت کے مقابل پر ہوتا ہے مگر متقدمین کے نزدیک لفظ استحباب بالمعنی الاعم ہے جو سنت اور واجب کو بھی شامل ہے۔

قولہ و یستو عب الخ پورے سر کا ایک بار مسح کرنا بھی بر قول صحیح سنتِ مؤکدہ ہے۔ (پس یہ استحباب بھی صاحب کتاب کے نزدیک بالمعنی الاعم ہے) امام شافعی فرماتے ہیں کہ جس طرح اعضاء وضو کو تین نئے پانیوں سے دھونا سنت ہے اسی طرح سر کا مسح بھی تین مرتبہ نئے پانیوں

سے سنت ہوگا گویا سر کے مسح کو دوسرے اعضاء کے دھونے پر قیاس کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ممسوح کا قیاس ممسوح پر ہونا چاہیے نہ کہ مغسول پر امام شافعی کی نقلی دلیل حضرت عثمان کی حدیث ہے کہ انہوں نے تین بار سر کا مسح کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے (مسلم وابوداؤد) ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے وضو میں تین تین مرتبہ اعضاء دھوئے اور سر کا مسح صرف ایک بار کیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے (معجم اوسط طبرانی) اسی طرح عبداللہ بن زید کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کا ایک بار مسح فرمایا۔ (صحیحین، سنن اربعہ)

فائدہ سر کی مسح کے کیفیت کے سلسلہ میں مشہور تو یہی ہے۔ کہ سر کے اگلے حصہ سے شروع کرے، عام علماء کا قول اور نسائی کی حدیث عائشہ اس کی مؤید ہے کہ مسح کے وقت وہ اپنے دونوں ہاتھ سر سے پیچھے لے گئیں پھر اُن کو کھینچتے ہوئے کانوں اور رخساروں تک لائیں اور طلحہ بن مصرف کی روایت میں سر کے اگلے حصہ سے گدی تک لے جا کر کانوں کے نیچے ہاتھ نکالنا مذکور ہے (ابوداؤد، طحاوی) نسائی کی روایت عبداللہ بن زید میں ہے کہ آپ نے سر کا مسح کرتے ہوئے پہلے اقبال کیا پھر ادبار کیا اور پھر گدی تک ان کو کھینچا پھر گدی سے پچھلے سر تک لوٹایا مگر ابوداؤد کی روایت میں پہلے پیچھے سے پھر آگے سے مسح کرنا منقول ہے اور ایک روایت میں ہے کہ سر کے اگلے اور پچھلے حصہ کا مسح کیا اور بزار کی روایت ابوبکرہ میں ہے کہ سر کے اگلے حصے کا ادبار و اقبال کیا یعنی پہلے ہاتھ اس حصے کے آگے سے پیچھے کو اور پھر پیچھے سے آگے کو لے آئے اور ابن السکین کی روایت میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے باطنِ لحیہ اور گدی کا مسح فرمایا بہر حال یہ سب صورتیں اختیاری ہیں لیکن ہمارے اصحاب کے نزدیک عبداللہ بن زید کی روایت مختار ہے۔ (نور الداریہ) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيُرَتِّبُ الْوُضُوءَ فَيَبْتَدِاءُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ وَبِالْمَيَا مِنِ وَالتَّوَالِي وَ مَسْحُ الرَّقَبَةِ

اور ترتیب کے ساتھ وضو کرنا پس شروع کرے اس سے جس کو پہلے ذکر کیا ہے اللہ نے اور دائیں عضو سے شروع کرنا اور پے در پے دھونا، گردن کا مسح کرنا

تشریح الفقہ قولہ و یرتب الخ اور مستحب ہے اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا جس کی تصریح قرآن پاک میں ہے کہ پہلے چہرہ کے دھونے کا حکم ہے پھر دونوں ہاتھوں کے دھونے کا، پھر مسح کا، اس کے بعد دونوں پاؤں کے دھونے کا پس اسی ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مستحب ہے زہری ربیعہ نخعی مکحول، عطا، مالک، اوزاعی، ثوری، لیث، احناف اور بقول علامہ بغوی اکثر علماء کا یہی قول ہے امام شافعی، احمد، اسحاق، ابوثور، قتادہ، ابوعبید کے یہاں ترتیب فرض ہے کیونکہ آیت وضو میں فا تعقیب مع الوصل کے لیے ہے تو نماز کے ارادے اور منہ کے دھونے میں تعقیب اور ترتیب لفظ فاء کے ذریعہ ثابت ہوئی اور بقیہ اعضاء کی ترتیب حرف واؤ سے مفہوم ہوئی ہم یہ کہتے ہیں کہ حرف واؤ باجماع اہل لغت مطلق جمع کے لیے ہے۔ پس فاء تعقیبیہ کا مطلب یہ ہوا کہ وضو کے جملہ اعضاء کی تطہیر کا تحقق نماز کے ارادے کے بعد ہونا چاہیے۔

قولہ وبالمیامن الخ وضو کے مستحبات میں سے ہے یہ کہ اعضاء کو دھوتے وقت داہنی طرف سے شروع کرے۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ طہارت میں اور جوتے پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں۔

قولہ و التوالی الخ توالی یعنی پے در پے وضو کرنا کہ ایک عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا بھی دھو ڈالے۔ صاحبِ کتاب نے باصطلاح مذکور اس کو بھی مستحب کہا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ بھی سنت ہے۔ شیخ حدادی نے موالاۃ میں اعتدال ہوا اعتدال بدن اور عدم عذر کی قید لگائی ہے۔ پس اگر ہوا یا بدن کی گرمی سے اثناء وضو میں خشکی طاری ہوگئی یا اثناء وضو میں پانی ختم ہو جانے کی وجہ سے پانی لینے گیا اور عضو خشک ہوگیا تو یہ پے در پے دھونے کی سنت کے ہونے سے مانع نہیں ہے۔ امام مالک کے نزدیک موالاۃ فرض ہے وہ حضرت عمرؓ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ

نے ایک شخص کو دیکھا جو وضو سے فارغ ہو چکا تھا اور اس کے پاؤں میں بقدر ناخن خشکی تھی آپ نے اس کو وضو لوٹانے کے لیے فرمایا (ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، احمد) ہماری دلیل وہ ہے جس کو امام مالک نے مؤطا میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ بازار میں وضو کر رہے تھے اور سر کا مسح کر چکے تھے کہ آپ کو جنازہ کے لیے مدعو کیا گیا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور یہاں آکر آپ نے موزوں پر مسح کیا۔ امام نووی نے شرح مہذب میں اس اثر کی تصحیح کی ہے۔

قوله و مسح الرقبة الخ اور وضو کے مستحبات میں سے ہے گردن کا مسح کرنا۔ محیط میں ہے کہ مسح رقبہ کے متعلق امام محمد نے تو اپنی کتاب میں کچھ ذکر نہیں کیا البتہ فقیہ ابو حنیفہ مسح رقبہ کو سنت کہتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک یہی مختار ہے فقیہ ابو بکر بن ابی سعید کے نزدیک سنت نہیں ہے۔ ایک جماعت نے اسی کو لیا ہے۔ عصام نے خلاصہ میں مسح رقبہ کو ادب کہا ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے اور حلق کا مسح بدعت ہے۔ وائل بن حجرؓ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے گردن کی ظاہری حصہ پر مسح فرمایا ہے۔

تنبیہ صاحبِ کتاب نے مستحباتِ وضو چھ ذکر کیے ہیں جن میں سے نیت استیعابِ رأس ترتیب اور توالی کی بابت ہم بتا چکے ہیں کہ یہ اُمور سنت ہیں (اور مصنف کے نزدیک اُن پر استحباب کا اطلاق بالمعنی الاعم ہے) تو اب صرف دو مستحب باقی رہے یعنی تیامن اور مسح رقبہ، عام متون میں انہی دو کا ذکر ملتا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مستحبات وضو صرف دو ہی ہیں صاحب تنویر الابصار نے ۱۵ ذکر کئے ہیں جن پر صاحبِ درمختار نے ۸ زائد بیان کئے ہیں اور طحطاوی محشی نے ان پر ۱۴ کا اضافہ کیا ہے تو کل ۳۷ مستحبات ہوئے من شاء فلیراجع الیہ۔

وَالْمَعَانِي النَّاقِضَةُ[۱] لِلْوُضُوْءِ كُلُّ مَاخَرَجَ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ

اور وضوء کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو نکلے پیشاب پاخانہ کی راہ سے

نواقضِ وضو کا بیان

توضیح اللغۃ المعانی۔ معانی ناقضہ سے مراد علل ہیں لیکن عام مشائخ اصطلاح فلاسفہ احتراز کی خاطر لفظ علل استعمال نہیں کرتے یا اس لیے کہ اس میں حدیث کا اتباع مقصود ہے۔ چنانچہ حدیث "لایحل دم امرءٍ مسلم الا باحد ثلث معان" لفظ معان کے ساتھ وارد ہے الناقضہ۔ نقض سے صیغہ صفت ہے بمعنی توڑ دینے والی چیزیں نقض کی اضافت جب اجسام کی طرف ہوتی ہے تو اجسام کے اجزاء تالیفیہ کو جدا کر دینا مقصود ہوتا ہے اور جب اس کی اضافت معانی کی طرف ہو جیسے نقض وضوء نقض عہد تو مراد یہ ہوتی ہے کہ جو فائدہ اس سے مقصود تھا وہ فوت ہو گیا جیسے وضو کا فائدہ نماز کا مباح ہونا ہے وہ جاتا رہے، سبیلین اس سے مراد مقام بول و براز ہے۔

تشریح الفقہ **قوله والمعانی الخ** فروض وسنن اور مستحباتِ وضو سے فراغت کے بعد نواقض وضو کا بیان ہے۔ نواقضِ وضو تین طرح کے ہوتے ہیں۔ بدن[۱] سے خارج[۲] یا بدن میں داخل ہونے والی چیزیں[۳]، انسانی احوال، اول کی دو صورتیں ہیں یا صرف پیشاب پاخانہ کے مقام سے خارج ہونے والی ہوں گی یا دوسرے کسی حصہ بدن منہ زخم وغیرہ سے یہ دو صورت ان کا خروج بطریق عادت ہو جیسے خون، پیپ، لہو، کیڑہ وغیرہ دوم کی بھی دو صورتیں ہیں سبیلین سے داخل ہوں گی جیسے حقنہ وغیرہ یا غیر سبیلین سے جیسے کھانا وغیرہ۔ سوم کی بھی دو قسمیں ہیں بطور عادت ہوں گے جیسے سونا یا بلا عادت جیسے قہقہہ لگانا عقل کا مغلوب ہونا، صاحبِ کتاب کی عادت ہے کہ وہ پہلے متفق علیہ مسائل کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد مختلف فیہ مسائل کو، اور خارج سبیلین کا ناقض وضو ہونا متفق علیہ ہے اس لیے اس کو مقدم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وضو کو ہر وہ چیز توڑ دیتی ہے جو سبیلین سے نکلے

[۱] لایقال ان الحدث شرط للوضوء فکیف یکون علته لنقضه لانا نقول انه علته لنقض ما کان و شرط لوجوب ماسیکون ۱۲۔

بقولہ تعالیٰ ''اوجاء احد منکم من الغائط'' یا آئے تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہوکر) یہاں خروج سے مراد صرف ظاہر ہونا ہے یعنی جب نجاست بول و براز کی راہ سے ظاہر ہوگئی تو خروج متحقق ہوگیا اور وضوٹوٹ گیا اگرچہ سیلان نہ ہوا اور کل ماخرج میں کلمہ کل عموم افراد کے لیے ہے جو معتاد وغیر معتاد ہر دو کو شامل ہے اور سبیلین سے مراد زندہ شخص کا بول و براز ہے جس سے مردہ نکل گیا کہ مردہ سے نجاست کا فروج اس کی وضو کے لیے ناقض نہیں ہے بلکہ موضع نجاست کو دھویا جائے گا (طحطاوی) معتاد میں پیشاب' پاخانہ' ریح' مذی' ودی' منی داخل ہیں اور یہ بالا جماع ناقض وضو ہیں اور غیر معتاد جیسے سنگریزے اور کیڑے۔ حنفیہ کے نزدیک ناقض وضو ہیں۔ سفیان، اوزاعی، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے لیکن امام مالک اور قتادہ ناقض نہیں مانتے' بلکہ امام مالک کے نزدیک تو ناقض ہونے کے لیے معتاد ہونا شرط ہے۔ مصنف کی عبارت ''کل ماخرج'' پر تین صورتیں باعث شبہ ہیں یعنی عورت یا مرد کی پیشاب گاہ سے ریح یا کیڑے کا نکلنا کہ اصح قول پر اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ متن کے عموم میں یہ صوتیں بھی داخل ہیں صاحب فتح القدیر نے ان تینوں صورتوں کو اس کلیہ سے مستثنیٰ مانا ہے گویا یہ قاعدہ ان تینوں صورتوں کے علاوہ کے لیے کلیہ ہے۔

وَالدَّمُ	وَالْقَیْحُ	وَالصَّدِیْدُ	اِذَاخَرَجَ	مِنَ	الْبَدَنِ	فَتَجَاوَزَاِلٰی	مَوْضِعٍ	یَلْحَقُهٗ	حُکْمُ	التَّطْهِیْرِ	وَ
اور خون	اور کچ لہو	اور پیپ	جب	سے	بدن	نکل کر بہ جائے	ایسی جگہ کی طرف	جس کو لاگو ہو	کا حکم	پاک کرنے	اور

الْقَیْءُ	اِذَا کَانَ	مِلْاَ الْفَمِ
قے	جب ہو	منہ بھر کر

توضیح اللغۃ الدم۔ خون' قیح۔ کچلہو' صدید۔ پیپ' فتجاوز۔ بڑھ جائے' ملأ۔ بھرنا' فم۔ منہ'

تشریح الفقہ والدم الخ ماخرج من غیر السبیلین کا بیان ہے کہ اگر سبیلین کے علاوہ بدن کے کسی حصہ سے نجاست مثلاً خون، کچلہو یا پیپ نکلے اور نکلکر ایسے حصے کی طرف تجاوز کر جائے جس کو (وضو یا غسل میں) پاک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہو تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''الوضوء من کل دم سائل'' (دارقطنی، ابن عدی) کہ ہر بہنے والے خون کے نکلنے سے وضو واجب ہے' یہاں خروج سے مراد نجاست کا صرف ظاہر ہونا نہیں ہے بلکہ سیلان بھی شرط ہے' چنانچہ خون اگر سر زخم پر چڑھا مگر بہا نہیں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا (ظہیریہ، محیط) البتہ سیلان کے لیے بالفعل بہنا ضروری نہیں بلکہ قوت واستعداد سیلان کافی ہے۔ اگر کسی ترکیب سے خون بہنے نہ دیا جائے تب بھی وضوٹوٹ جائے گا' چنانچہ امام محمد نے اپنی اصل میں اس کی تصریح کی ہے کہ اگر خون تھوڑا تھوڑا نکلتا رہے اور بار بار پونچھتا رہے کہ بہنے کی نوبت ہی نہ آئے تب بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

قولہ والقیئ الخ منہ بھر تے کرنا بھی ناقض وضو ہے۔ حدیث میں ہے ''من اصابہٗ قیئ اورعاف اوقلس اومذی فلینصرف اھ (ابن ماجہ عن عائشہ) کہ اگر کسی کو قے یا نکسیر یا بلا متلی قئی یا مذی کا عذر پیش کیا جائے تو اس کو وضو کرنے کے لیے ہٹ جانا چاہیئے اور دوبارہ وضو کر کے نماز کی بناء کرنی چاہیئے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ نماز کے بناء کا حکم خود نقض وضو کو بتا رہا ہے کیونکہ بناء نماز وضوٹوٹ جانے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ امام شافعی کے ہیں خارج من السبیلین ناقض نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک قئی ناقض ہے منہ بھر کے ہو یا اس سے کم ہو منہ بھر کے قئی ہونے کی حد یہ ہے کہ وہ بلا تکلف منہ میں نہ رُک سکے۔ صاحب ینابیع کہتے ہیں کہ قول صحیح یہی ہے کہ منہ بھر تے وہ ہے جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو' بعض کا قول ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کلام نہ کر سکے وہ منہ بھر ہے۔

تنبیہ قے پانچ قسم کی ہوتی ہے۔ پانی، کھانے، خون، پت اور بلغم کی قے سو اگر قے صفراء یا پت یا کھانے یا پانی کی ہو تو منہ بھر ہونے کی صورت

میں ناقض ہے ورنہ نہیں اور بلغم کی قے امام اعظم امام محمد کے نزدیک ناقض نہیں گو منہ بھر ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک منہ بھر ہونے کی صورت میں ناقض ہے۔ لیکن یہ اختلاف معدہ کی جانب سے اٹھنے والی قے کی بابت ہے' اگر دماغ کی جانب سے اُترے تو بالاتفاق ناقض نہیں ہے اور خون بستہ کی قے منہ بھر ہو تو ناقض ہے اور بہنے والے خون کی قے کے لیے امام محمد کے نزدیک منہ بھر ہونا شرط ہے۔ شیخین کے نزدیک شرط نہیں ہے وجیز میں امام محمد کے قول کی تصحیح ہے۔

فائدہ کسی نے بار بار تھوڑی تھوڑی قے اس طرح کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر کی مقدار ہو جائے تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ قے کا سبب یعنی جی کا متلانا متحد ہے یا مختلف اگر متحد ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں یہ تو امام محمد کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف اتحاد مجلس کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر ایک ہی مجلس میں ہو تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ مجلس و سبب ہر دو متحد ہوں یہ بالاتفاق ناقض ہے۔ ۲۔ ہر دو مختلف ہوں یہ بالاتفاق غیر ناقض ہے۔ ۳۔ صرف مجلس متحد ہو یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ناقض ہے۔ ۴۔ صرف سبب متحد ہو یہ امام محمد کے نزدیک ناقض ہے۔

وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا اَوْ مُتَّكِئًا اَوْمُسْتَنِدًا اِلٰى شَيْءٍ لَوْ اُزِيْلَ لَسَقَطَ عَنْهُ وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْاِغْمَاءِ وَ

اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ایسی چیز کے سہارے سے کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو یہ گر جائے اور مغلوب العقل ہونا مدہوشی کی وجہ سے اور

الْجُنُوْنُ وَالْقَهْقَهَةُ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ ذَاتِ رُكُوْعٍ وَّ سُجُوْدٍ

دیوانگی اور کھل کھلا کر ہنسنا رکوع سجدہ والی نماز میں

توضیح اللغۃ النوم۔ خواب' نیند' مضطجعا۔ کروٹ کے بل' متکئا۔ تکیہ لگا کر' مستندا۔ ٹیک لگا کر سونے کی حالت میں' اغماء۔ مدہوشی جنون۔ دیوانگی' قہقہہ۔ کھل کھلا کر ہنسنا۔

تشریح الفقہ قولہ والنوم الخ اب تک جن نواقض وضو کا ذکر آیا ہے وہ حقیقی نواقض تھے۔ یہاں سے ناقض حکمی کا بیان ہے سونے کی کل تیرہ حالتیں ہیں۔ ۱۔ کروٹ کے بل لیٹ کر' ۲۔ سرین پر سہارا دے کر' ۳۔ تکیہ لگا کر' ۴۔ چہار زانو ہو کر' ۵۔ بیٹھ کر' ۶۔ پاؤں پھیلا کر' ۷۔ مختی ہو کر۔ ۸۔ کتے کی ہیئت پر' ۹۔ پیدل' ۱۰۔ سوار ہو کر' ۱۱۔ قیام یا ۱۲۔ رکوع' یا ۱۳۔ سجود کی حالت میں سونا۔ پہلی تین حالتیں ناقض وضو ہیں۔ کیونکہ اس طرح سونے میں جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور عادۃً کسی چیز کے نکلنے کا احتمال رہتا ہے اور جو بات عادۃً ہو وہ یقینی سی ہوتی ہے اس بارے میں اصل دلیل یہ ہے کہ کروٹ کے بل سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ اس وقت جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں (ابوداؤد' ترمذی مختصرا)

قولہ والغلبۃ الخ مدہوشی کی وجہ سے مغلوب العقل ہو جانا بھی بہر حال ناقض وضو ہے بحالت قیام ہو یا بحالت قعود' رکوع کی ہیئت میں ہو یا سجدہ کی' نماز میں ہو یا غیر نماز میں کیونکہ اغماء تو جوڑ بند ڈھیلے ہونے میں چت لیٹ کر سونے سے بھی زیادہ ہے لہذا یہ بطریق اولیٰ ناقض ہوگا۔ اسی طرح جنون کا طاری ہو جانا بھی ناقض ہے کیونکہ اس کی وجہ سے امتیاز شعور اٹھ جاتا ہے اور اس حالت میں نہ پاکی و ناپاکی کی تمیز رہتی ہے اور نہ کسی چیز کی پرواہ رہتی ہے اس لیے اس کو بھی ہر حالت میں حدث سمجھا جائے گا۔

فائدہ اغماء اور جنون دونوں بیماریاں ہیں جن سے قویٰ میں فتور اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے' فرق یہ ہے کہ جنون میں عقل بالکلیہ مسلوب ہو جاتی ہے اور اغماء میں بالکلیہ مسلوب نہیں ہوتی بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے۔

قولہ والقہقہۃ الخ اور عاقل بالغ نمازی کا کھلکھلا کر ہنسنا بھی ناقض وضو ہے اگرچہ سلام پھیرنے کے وقت ہو' فی کل صلوۃ ذات رکوع الخ'' کے ذریعہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت خارج ہو گئے کہ ان میں قہقہہ ناقض نہیں ہے۔ قہقہہ میں مقتضاء قیاس تو یہی ہے کہ ناقض نہ ہو

کیونکہ قہقہہ سے کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے امام شافعی امام مالک امام احمد نقض وضو کے قائل نہیں مگر قہقہہ کے ناقض وضو ہونے میں چھ صحابہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ اس لیے احناف ترک قیاس پر مجبور ہیں۔ حافظ طبرانی نے بواسطہ ابو العالیہ حضرت ابو موسےٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے میں گر گیا جو مسجد میں تھا۔ پس بہت سے آدمی ہنس پڑے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرو۔

فائدہ ہنسنے کی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ قہقہہ۔ اتنی آواز سے ہنسنا کہ خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز سن لیں۔ ۲۔ ضحک جس کو خود سن سکے دوسرے لوگ نہ سن سکیں یہ ناقض وضو نہیں لیکن مبطل صلوٰۃ ہے۔ ۳۔ تبسم جس میں بالکل آواز نہ ہو بلکہ صرف دانت کھل جائیں یہ نہ ناقض وضو ہے اور نہ مبطل صلوٰۃ۔

غسل اور اس کے فروض وسنن کا بیان

وَفَرْضُ الْغُسْلِ الْمَضْمَضَةُ وَالْاِ سْتِنْشَاقُ وَ غَسْلُ سائِرِالْبَدَنِ وَ سُنَّةُ الْغُسْلِ اَنْ يَّبْدَأَالْمغتَسِلُ
اور فرائض غسل کلی کرنا، ناک میں پانی دینا اور پورے بدن کو دھونا ہے اور غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا اول

بِغَسْلِ يَدَيْهِ وَ فَرْجِه وَ يُزِيْلُ النَّجَاسَةَ اِنْ كَانَتْ عَلٰى بَدَنِه ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَ هٗ لِلصَّلٰوةِ اِلَّا
اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے اور نجاست دور کرے اگر ہو اس کے بدن پر پھر نماز جیسا وضو کرے مگر

رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَاْسِه وَ عَلٰى سَائِرِ بَدَنِه ثَلٰثًا ثُمَّ يَتَنَحّٰى عَنْ ذٰالِكَ الْمَكَانِ فَيغْسِلُ رِجْلَيْهِ
پاؤں دھونا ابھی ضروری نہیں پھر پانی بہائے اپنے سر اور پورے بدن پر بعد ازاں اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوئے۔

توضیح اللغۃ سائر۔ بقیہ فرج۔ شرمگاہ یزیل۔ دور کرے رجلیہ۔ رجل کا تثنیہ ہے یفیض۔ بہائے یتنحی۔ ہٹ جائے۔

تشریح الفقہ قولہ و فرض الغسل الخ غسل کی بہ نسبت وضو کی ضرورت چونکہ زائد ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں وضو کا ذکر بیان غسل پر مقدم ہے قال اللہ تعالیٰ ’’وان كنتم جنبا فاطهروا‘‘ صاحب کتاب نے بھی اس تقدیم کی رعایت کی ہے۔ غسل واجب یعنی غسل جنابت غسل حیض غسل نفاس میں تین چیزیں فرض ہیں۔ ا۔ منہ کا دھونا یعنی کلی کرنا۔ ناک میں پانی دینا۔ ۳۔ ایک مرتبہ تمام بدن کا دھونا۔

تنبیہ:۔ دراصل غسل میں فرض تو صرف ایک ہی چیز ہے یعنی بدن کے ہر اس محل کا ایک بار دھونا جس کے دھونیمیں کوئی مشقت نہ ہو۔ اس میں کلی کرنا۔ اور ناک میں پانی دینا بھی داخل ہے۔ لیکن چونکہ کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کی بابت امام شافعی کا اختلاف ہے کہ وہ ان کو سنت کہتے ہیں۔ اس لیے مصنف نے الگ الگ ہر ایک کی تصریح کر دی ہے۔

فائدہ ہمارے یہاں وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہے اور غسل میں فرض، وجہ فرق یہ ہے کہ وضو کی بابت آیت ’فاغسلوا وجوهكم‘‘ میں لفظ وجوہ ہے اور وجہ اس کو کہتے ہیں جس میں مواجہت واقع ہو اور ظاہر ہے کہ منہ اور ناک کے اندرونی حصہ میں مواجہت نہیں ہوتی۔ اس لیے وضو میں ان حصوں کا دھونا فرض نہیں ہو سکتا بخلاف غسل کے کہ اس کی بابت ’وان كنتم جنبا فاطهروا‘‘ بطریق مبالغہ ہے۔ لہذا جتنے حصے کا دھونا ممکن ہو اس کا دھونا ضروری ہوگا اور منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کا دھونا ممکن ہے لہذا غسل میں ان کا دھونا ضروری ہوگا۔

قولہ وضوءہ الخ یعنی باقاعدہ نماز جیسا وضو کرے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وضو کرتے وقت اپنے سر کا مسح بھی کرے جیسا کہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ مسح نہ کرے کیونکہ جب پورے بدن پر پانی بہائے گا تو مسح معدوم ہو جائے گا لہذا پہلے

مسح کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ مسح بھی کرے (قاضی خان، زاہدی، فتح، جوہرہ)

قولہ الاغسل رجلیہ الخ یہ استثناء اس وقت ہے جب پانی کے ڈھلاؤ کی جگہ نہ بیٹھا ہو جیسا کہ حضرت میمونہ کی روایت میں منصوص ہے، لیکن اگر پتھر، تختہ یا چوکی وغیرہ پر بیٹھا ہو تو پھر تاخیر کی ضرورت نہیں پاؤں اول ہی دھو لینے چاہئیں۔

وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ اَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ اُصُوْلَ الشَّعْرِ

اور عورت پر مینڈھیوں کا کھولنا ضروری نہیں غسل میں جبکہ پہنچ جائے پانی بالوں کی جڑوں تک

توضیح اللغۃ تنقض نقضا۔ کھولنا، پھاڑنا، صفائر۔ جمع ضفیرۃ بمعنی زلف، گیسو، مینڈھی، اصول جمع اصل۔ بمعنی جڑ۔

تشریح الفقہ قولہ ولیس علی المراۃ الخ گیسو بافتہ عورت پر گندھے ہوئے بالوں کو کھول کر جڑوں میں پانی پہنچانا صحیح قول کے مطابق ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں اس کے لیے حرج ہے برخلاف داڑھی کے بالوں کے کہ ان کے درمیان پانی پہنچانے میں کوئی مشقت نہیں ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں سر کے بال گوندھتی ہوں تو کیا غسل جنابت کے وقت ان کو کھول ڈالا کروں۔ آپ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال کر باقی پانی بدن پر بہا لینا کافی ہے بعض مشائخ کی رائے یہ ہے کہ بالوں کو تین مرتبہ تر کرنا اور ہر مرتبہ نچوڑنا واجب ہے چنانچہ صلوۃ البقالی میں ہے کہ مینڈھیاں اگر پاؤں تک بھی پہنچ جائیں تب بھی صحیح یہ ہے کہ ان کو دھونا واجب ہے، لیکن مبسوط میں ہے کہ مذکورہ حدیث مسلم کی روشنی میں اصح یہ ہے کہ وجوب نہیں رہتا۔ جوہرہ میں امام احمد کا قول ہے کہ اگر عورت حائضہ ہو تو بالوں کو کھول کر پانی پہنچانا ضروری نہ ہے اور اگر اجنبیہ ہے تو ضروری نہیں۔ صاحب کتاب نے عورت کی قید لگائی ہے معلوم ہوا کہ مرد پر مطلقاً اپنے سر اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

تنبیہ اگر عورت کو غسل جنابت کے لیے پانی خریدنے کی ضرورتؒ واقع ہو تو عورت کے مالدار ہونے کی صورت میں قیمت اس کے ذمہ ہوگی اور نادار ہونے کی صورت میں شوہر پر لازم ہوگی۔ فقیہ ابواللیث کے نزدیک دونوں صورتوں میں شوہر پر واجب ہے رہی وضو کے پانی کی قیمت سو وہ بالاجماع شوہر کے ذمہ ہے اور اگر عورت کو غسل حیض کے لیے پانی خریدنے کی ضرورت ہو تو اگر حیض دس روز سے کم میں بند ہوا تو قیمت شوہر پر ہوگی اور اگر پورے دس روز پر منقطع ہوا تو قیمت عورت پر واجب ہوگی۔ لانہ یقدر علی وطنھا بدون الاغتسال فکانت ھی المحتاجۃ الیہ۔

فائدہ غسل دس قسم کا ہوتا ہے۔ قسم اول غسل فرض۔ یہ چار حالتوں میں ہوتا ہے۔ ۱۔ جب عضو تناسل (کا حشفہ) قبل یا دبر میں پہنچ جائے تو فاعل اور مفعول ہر دو پر غسل فرض ہے انزال ہو یا نہ ہو۔ ۲۔ جب شہوت کے ساتھ انزال ہو جائے احتلام کی صورت میں ہو یا بوس و کنار کے ذریعہ سے ہو یا مشت زنی سے ہو (اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں)۔ ۳۔ غسل حیض۔ ۴۔ غسل نفاس۔ قسم دوم غسل مسنون یہ بھی چار ہیں۔ ۱۔ غسل جمعہ ۲۔ عیدین ۳۔ غسل احرام (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) ۴۔ غسل یوم عرفہ قسم سوم غسل واجب یعنی مردہ کو نہلانا قسم چہارم غسل مستحب۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً کافر کا اسلام قبول کرنے کے لیے غسل کرنا بچہ کا بالغ ہونے پر کرنا جنون سے افاقہ یاب ہونے پر مجنون کا غسل کرنا وغیرہ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْمَعَانِي الْمُوْجِبَةُ لِلْغُسْلِ اِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلَى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْءَ ةِ

اور موجب غسل امور منی کا نکلنا ہے کود کر شہوت کے ساتھ مرد سے یا عورت سے

وَالْتِقَاءُ الْخَتَانَيْنِ مِنْ غَيْرِ اِنْزَالٍ وَالْحَيْضُ وَالنِّفَاسُ

اور دونوں شرمگاہوں کا ملنا خواہ انزال نہ ہو اور حیض اور نفاس

موجبات غسل کا بیان

تشریح الفقہ قولہ والمعانی الخ انزال منی التقاء ختانین حیض اور نفاس درحقیقت اسباب غسل نہیں ۔ بلکہ بر مذہب صحیح اسباب جنابت ہیں۔ کیونکہ یہ اسباب تو مزیل طہارت ہیں پھر موجب طہارت کیسے ہوسکتے ہیں؟ لیکن انزاری نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ چیزیں غسل کو واجب کرتی ہیں ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کے ہونے سے غسل کا وجوب ہوتا ہے ۔ گویا یہ موجبات وجود غسل نہیں ۔ بلکہ موجبات وجوب غسل ہیں حاصل یہ کہ انزال وغیرہ اسباب موجب جنابت ہیں اور جنابت موجب غسل ہے ۔ پس یہ امور علۃ العلۃ یا سبب السبب ہیں ۔

قولہ انزال المنی الخ اسباب غسل میں سے ایک سبب اچھل کر اور شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا ہے مرد کی ہو یا عورت کی ۔ امام شافعی کے نزدیک مطلقاً منی کا نکلنا باعث غسل ہے شہوت کے ساتھ نکلے یا بلا شہوت ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''الماء بالماء'' غسل منی سے واجب ہوتا ہے (مسلم، احمد، بزار) ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''وان کنتم جنبا فاطھروا'' کا حکم جنبی کو شامل ہے اور لغت میں جنابت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو کہتے ہیں ۔ پس غسل کا وجوب بحالت جنابت ہوگا اور جنابت کا تحقق شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے سے ہوگا ۔ رہی حدیث سو یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے عموم پر نہیں ہے ۔ ورنہ مذی، ودی اور پیشاب بھی اس میں داخل ہو جائے گا جس کا کوئی قائل نہیں بلکہ خاص پانی مراد ہے اور وہ وہی ہے جو لغت اور آیت کی تائید سے سمجھ میں آ رہا ہے ۔ یعنی شہوت کے ساتھ نکلنے والی منی ۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق بقول امام ترمذی وطبرانی ''الماء من الماء'' کا حکم صرف حالت احتلام کے ساتھ مخصوص ہو یا یہ کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں ہو بعد کو منسوخ ہوگیا ہو ۔ چنانچہ تین احادیث میں صریح نسخ کا حکم وارد ہے ۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ ''للماء من الماء'' کی رخصت ابتداء اسلام میں تھی (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) ۲۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع بلا انزال سے خود غسل فرمایا ۔ اور خود دوسروں کو بھی غسل کا حکم فرمایا (ابن حبان) ۳۔ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ پہلے تو آپ نے ''الماء من الماء'' کے لحاظ سے جماع بلا انزال کے بارے میں عدم غسل کا حکم دیا ۔ اس کے بعد غسل کا حکم فرمایا، محاربی نے اس روایت کی تحسین کی ہے ۔

قولہ علی وجہ الدفق الخ علامہ ابن نجیم مصری نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ عورت کی منی کو شامل نہیں ۔ کیونکہ یہاں دفق کی قید ہے اور عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی ۔ بلکہ اس کی منی سینہ سے فرج کی طرف بلا دفق منتقل ہوتی ہے ۔ جیسا کہ صاحب تنویر الابصار نے اپنی شرح میں دالوالجی سے نقل کیا ہے ۔ علامہ ابن عابدین نے ''منحۃ الخالق'' میں جواب کی کوشش کی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ لفظ دفق گو عموماً متعدی استعمال ہوتا ہے بمعنی دفع بشدت مگر یہاں دفق بمعنی دفوق لازم ہے ای ذی دفق ۔ لیکن یہ بات کہ عورت کی منی اچھل کر نہیں نکلتی ۔ بعض حضرات اس سے متفق نہیں ۔ چنانچہ غایۃ البیان، جامع الرموز اور معالم التنزیل وغیرہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کی منی بھی اچھل کر نکلتی ہے یہ اور بات ہے کہ وسعت محل کی بناء پر احساس نہیں ہوتا ۔ قہستانی شارح نقایہ نے اخی چلپی کی پیروی کرتے ہوئے آیت ''خلق من ماء دافق'' سے استدلال کیا ہے کہ اس میں عورت کی منی طرف بھی دفق کی نسبت کی گئی ہے لیکن صاحب درمختار نے اس کو تغلیب پر محمول کیا ہے ۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے ''السعایہ'' میں اس مسئلہ کو بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ من شاء فلیراجع الیہ ۔

قولہ والشھوۃ الخ طرفین کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کا اعتبار نہیں بلکہ صرف اپنے مستقر سے

نکلنے کے وقت شہوت کا ہونا معتبر ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک عضو سے ظاہر ہوتے وقت بھی شہوت کا ہونا ضروری ہے‘ پس اگر انفصال کے وقت شہوت ہو اور عضو سے ظاہر ہوتے وقت شہوت باقی نہ رہے۔ بلکہ ہیجان نفس سکون تبدیل ہو جائے تو طرفین کے نزدیک غسل واجب ہو گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط زائد نہ پائی جانے کی وجہ سے غسل واجب نہ ہو گا۔ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ انفصال وظہور دونوں حالتوں میں شہوت کا وجود نہ ہو اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں۔ ۲۔ دونوں حالتوں میں شہوت موجود ہو۔ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہو گا۔ ۳۔ انفصال کے وقت شہوت ہو اور ظہور کے وقت نہ ہو یہ صورت نزاعی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں‘ طرفین کے نزدیک واجب ہے‘ عدم وجوب منی پر قیاس ہے اور وجوب منی برا حتیاط۔

تنبیہ فتاوے ظہیریہ میں ہے کہ تاج الشریعہ وغیرہ محققین نے جو طرفین کے مذہب کو متون میں ذکر کیا ہے وہی ظاہر‘ اصح اور احوط ہے۔ اس بارے میں درمختار کا قول (جوانہوں نے بحوالہ **قهستانی و فتاوے تاتارخانیه نوازل سے نقل کیا هے که "وبقول ابی یوسف ناخذ لانه الیسر علی المسلمین" قلت ولاسیما فی الشتاء والسفر**) لائق التفات نہیں اور نہ اس پر فتویٰ دینا جائز ہے الا یہ کہ حرج اور ضرورت ہو۔

قوله والتقاء الختانین الخ موجب غسل اسباب میں دوسرا سبب التقاء ختانین ہے یعنی مرد و عورت کی شرم گاہوں کا باہم مل جانا لیکن التقاء ختانین سے مراد اس کی حقیقی معنی نہیں‘ بلکہ ان دونوں حصوں کی محاذات مراد ہے۔ پس اگر مرد و عورت کی ختنہ نہ ہوئی ہوں تب بھی یہی حکم ہے‘ چنانچہ مغنی ابن قدامہ سے عینی نقل کرتے ہیں کہ مرد کا حشفہ فرج میں مطلقاً داخل ہونا موجب غسل ہے۔ خواہ مرد و عورت دونوں کی ختنہ ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔ پھر التقاء سے مراد التقاء مع تواری حشفہ ہے۔ کیونکہ بلا دخول حشفہ محض ایک کے ساتھ دوسرے کا اتصال بالاتفاق موجب غسل نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مرد عورت کی چار شاخوں (یعنی ہاتھ پاؤں) کے درمیان بیٹھے اور ایک ختان دوسرے ختان کو چھوئے (یعنی صحبت کرے) تو غسل واجب ہو جائے گا۔ (صحیحین) امام مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ خواہ اس کو انزال بھی نہ ہوا ہو۔ نیز حشفہ سے مراد آدمی کا حشفہ ہے‘ پس اگر عورت کے ساتھ کوئی جن جماع کرے اور وہ اس کے سامنے آدمی کی صورت میں نہ ہو اور عورت کو انزال بھی نہ ہو تو عورت پر غسل واجب نہیں‘ لیکن اگر جن آدمی کی صورت میں ظاہر ہو تو فقط ادخال حشفہ سے غسل واجب ہو جائے گا انزال ہو یا نہ ہو کیونکہ احکام کا مدار ظاہر پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الْغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَالْاِحْرَامِ وَ عَرَفَةَ وَ

اور مسنون فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جمعہ عیدین احرام اور عرفہ کے لئے اور

لَيْسَ فِي الْمَذْيِ وَالْوَدْيِ غُسْلٌ وَ فِيْهِمَا الْوُضُوْءُ

مذی و ودی میں غسل نہیں ان میں تو صرف وضوء ہے۔

غسل مسنون کا بیان

توضیح اللغتہ سن سنۃ۔ طریقہ مقرر کرنا‘ عرفہ۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔ مذی۔ ایک قسم کا سفید اور پتلا مادہ ہوتا ہے جو بلوغت کے وقت بلا دفق نکلتا ہے‘ ودی۔ منی کے مشابہ قدرے گاڑھا ایک مادہ ہے جو پیشاب کے بعد ایک آدھ قطرہ نکلتا ہے۔

تشریح الفقہ وسن الخ جمعہ کے روز غسل کرنا جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے‘ صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک واجب ہے

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص جمعہ میں آئے اس کو غسل کرنا چاہیے (صحیحین' ترمذی' ماجہ عن ابن عمرؓ) نیز حضرت ابو سعید خدریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ غسل جمعہ ہر بالغ پر واجب ہے (صحیحین عن ابی سعید' صحیحین طحاوی' بزار عن ابی ہریرةؓ) ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کے روز وضوء کر لینا بھی کافی ہے۔ لیکن غسل افضل ہے (ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن سمرة' ابن ماجہ' بزار' طبرانی عن انس' بیہقی' بزار عن الخدری' بزار' ابن عدی عن ابی ہریرة' ابن حمید' عبدالرزاق' ابن عدی عن جابر' طبرانی عن عبدالرحمٰن بن سمرة' بیہقی عن ابن عباس) حدیث بالا سات صحابہؓ سے مروی ہے' پس یا تو یہ کہا جائے کہ پہلی حدیث میں "فلیغتسل" امر سے مراد افضلیت ہے اور جن روایات میں وجوب کی تصریح ہے ان سے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی۔ یا یہ کہ وہ منسوخ ہے جیسا کہ ابن عباس سے ابوداؤد کی ایک طویل روایت میں ہے۔

فائدہ امام ابو یوسف کے نزدیک جمعہ کا غسل نماز جمعہ کے واسطے ہے' اور حسن بن زیاد کے نزدیک جمعہ کے دن کے واسطے ہے اس اختلاف کا ثمرہ اس شخص کے حق میں ظاہر ہوگا جو جمعہ کے دن غسل کرے اور اس کا وضو ٹوٹ جائے پھر وہ وضو کر کے جمعہ کی نماز پڑھے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک سنت ادا نہ ہوگی اور حسن بن زیاد کے نزدیک ادا ہو جائے گی۔ خانیہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو امام ابو یوسف اور حسن بن زیاد دونوں کے نزدیک یہ غسل معتبر نہیں ہے۔ صاحب بحر نے حسن بن زیاد کے نزدیک عدم اعتبار غسل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ غسل جمعہ کی مشروعیت اس لیے ہے تاکہ آدمی کے بدن کا میل کچیل دور ہو جس سے اہل اجتماع کو تکلیف ہوتی ہے اور نماز جمعہ کے بعد نہانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اور حسن بن زیادہ کے نزدیک گو غسل جمعہ دن کے لیے ہے نہ کہ نماز کے لیے تاہم یہ شرط ہے کہ غسل نماز سے پہلے ہو۔

تنبیہ اول صاحب کتاب نے غسلہائے اربعہ (غسل جمعہ' غسل عیدین' غسل احرام' غسل عرفہ) کی سنیت پر تصریح کی ہے۔ محیط' خلاصہ' وقایہ میں بھی سنیت منصوص ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک یہ چاروں غسل مستحب ہیں' اور ابن الہمام نے فتح القدیر میں استحباب ہی کے قول کو اظہر کہا ہے۔ امام محمد نے اپنی کتاب اصل یعنی مبسوط میں غسل جمعہ کو حسن قرار دیا ہے جس میں اس کی سنیت اور استحباب ہر دو کا احتمال ہے کیونکہ متقدمین کے یہاں لفظ حسن کا اطلاق عام معنی پر ہوتا ہے جو سنت' مستحب بلکہ واجب کو بھی شامل ہوتا ہے۔

تنبیہ ثانی صاحب ہدایہ کا امام مالک کی طرف وجوب غسل کو منسوب کرنا غالباً کسی غیر معتبر کتاب سے نقل ہے ورنہ خود ابن عبدالبر مالکی استدراک میں لکھتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسل جمعہ کو واجب کہا ہو بجز فرقہ ظاہریہ کے۔ اور ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے۔ عرض کیا گیا کہ حدیث میں تو واجب کہا گیا ہے' فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آ جائے وہ واجب ہی ہو۔ نیز اشہب نے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے غسل جمعہ کو حسن کہا ہے نہ کہ واجب۔

قولہ و العیدین الخ اور عیدین کے لیے بھی غسل مسنون ہے' حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کے لیے غسل فرماتے تھے (ابن ماجہ طبرانی) اور احرام باندھنے کے لیے بھی غسل مسنون ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھنے سے پہلے غسل فرماتے تھے (ترمذی' دار قطنی عن زید بن ثابت) اور وقوف بعرفہ کے واسطے بھی غسل مسنون ہے۔ حضرت فاکہہ بن سعدؓ صحابی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر' یوم نحر' اور یوم عرفہ میں غسل فرماتے تھے۔ (بزار)

فائدہ اگر اتفاقی طور پر عید' جمعہ اور جنابت تینوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو ایک بار نہانا سنت اور غسل فرض ہر دو کے لیے کافی ہوگا (کذا فی البحر عن معراج الدرایۃ) جیسے جنابت اور حیض دونوں کے لیے ایک غسل کافی ہے اجتماع حیض و جنابت کی صورت یہ ہے کہ انقطاع حیض کے بعد جماع یا احتلام ہو جائے۔

قولہ و لیس فی المذی الخ اور ودی کے نکلنے پر غسل فرض نہیں بلکہ ان میں صرف وضوء ہے۔ حضرت علیؓ کی مشہور روایت ہے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مرد کو مذی آتی ہے سو اس کی وجہ سے عضو تناسل اور خصیے دھونے چاہئیں اور نماز جیسا وضو کرنا چاہیے۔ (طحاوی' اسحاق بن راہویہ عن علی' ابوداؤد' احمد عن عبداللہ بن سعد الانصاری' طبرانی عن معقل بن یسار) سوال۔ مذی اور ودی کی وجہ سے وجوب وضوء تو مصنف کے قول سابق "کل ماخرج من السبیلین"؟ سے معلوم ہو گیا پھر یہاں اس کے بیان کرنے کی کیا ضرورت؟ جواب: قول سابق سے وجوب وضوء کا استفادہ ضمنی ہے اور یہاں قصدی ہے۔ سوال۔ ودی کی وجہ سے وضوء واجب کرنے میں کیا فائدہ؟ جب کہ پیشاب کی وجہ سے ضوء واجب ہو چکا (کیونکہ ودی کہتے ہی ہیں اس مادہ کو جو پیشاب کے بعد نکلے) جواب: پیشاب کی وجہ سے وضوء کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد ودی کی وجہ سے وضو واجب ہو بلکہ وضوء دونوں کی وجہ سے لازم ہے۔ اس کی نظیر رعاف بعد البول یا بول بعد الرعاف ہے اگر کسی نے قسم کھائی کہ نکسیر سے وضوء نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اس کو نکسیر آئی۔ پھر اس نے پیشاب کیا یا اس کا عکس ہوا تو وضوء دونوں سے ثابت ہوگا اور وہ شخص حانث ہو جائے گا۔ ۲۔ وجوب وضوء کا فائدہ اس شخص کے بارے میں ظاہر ہوگا۔ جس کو سلسل البول کی بیماری ہو کہ اس کا وضوء ودی سے ٹوٹے گا نہ کہ پیشاب سے۔ ۳۔ جس شخص نے پیشاب کے بعد ودی سے پہلے وضوء کر لیا پھر ودی نکلی تو ودی کی وجہ سے اس پر دوبارہ وضوء کرنا لازم ہوگا۔ ۴۔ ودی کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ جو پیشاب یا غسل جماعی کے بعد نکلے اس کی تعریف کی رو سے اعتراض ہی نہیں ہوتا۔

وَالطَّهَارَةُ مِنَ الْاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَوْدِيَةِ وَالْعُيُوْنِ وَالْاٰبَارِ وَمَاءِ الْبِحَارِ

اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بارش وادیوں چشموں کنووں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ

وَلَاتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ وَلَابِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ فَاَخْرَجَهُ عَنْ

اور جائز نہیں طہارت درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے اور اس پانی سے جس پر کوئی اور شئی غالب آ کر اس کو پانی کی طبیعت سے

طَبْعِ الْمَاءِ كَالْاَ شْرِبَةِ وَالْخَلِّ وَالْمَرِقِ وَمَاءِ الْبَاقِلَاءِ وَمَاءِ الْوَرْدِ وَمَاءِ الزَّرْدَجِ

نکال دے جیسے ہر قسم کے شربت سرکہ شورباء عرق باقلا عرق گلاب عرق زردک

پانی کے احکام

توضیح اللغۃ احداث جمع حدث۔ ناپاکی' سماء۔ آسمان مراد بارش' اودیہ۔ وادی کی جمع ہے لغۃً اس کشادگی کو کہتے ہیں جو پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان ہو' یہاں جنگل کا پانی مراد ہے جو بارش کے پانی سے بہہ کر جمع ہو جائے جیسے ندی' نالہ اور جھیل کا پانی' فارسی میں اس کو رود کہتے ہیں' عیون جمع عین بمعنی چشمہ' آبار۔ جمع بئر' کنواں' بحار۔ جمع بحر دریا' اعتصر۔ ماضی مجہول ہے نچوڑ لیا گیا ہو۔ شجر۔ درخت۔ ثمر۔ پھل۔ اشربہ۔ شربت' خل۔ سرکہ' مرق۔ شوربا' باقلاء باقلی' باقلی۔ لوبیا' ورد۔ گلاب' زردج۔ گاجر۔

تشریح الفقہ قولہ والطہارۃ الخ طہارت کے بیان سے فراغت کے بعد ان پانیوں کی تفصیل ہے جس سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے۔ فرماتے ہیں بارش' وادی' چشمہ' کنویں اور سمندر کے پانی کے ذریعہ سے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔ بارش کے پانی کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے "وانزلنا من السماءِ ماءً طهورًا" "ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الماء طهور لاینجسه شیء" (احمد' شافعی' دارقطنی' حاکم' بیہقی' سنن اربعہ) کہ پانی پاک چیز ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی' سمندر کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "هوالطهور ماء والحل میتة" (ابوداؤد' ترمذی' نسائی ابن ماجہ' دارمی' احمد عن ابی ہریرۃ' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم' دارقطنی عن جابر' حاکم' دارقطنی عن علی وابن عباس وابن عمر) کہ اس کا پانی پاک اور اس کا مردہ جانور (مچھلی) حلال ہے۔ سوال' صاحب کتاب نے وادی' چشمہ' کنویں اور

سمندر کے پانی کو بارش کے پانی کے علاوہ قرار دیا ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''الم تر ان اللہ انزل من السماء ماءً فسلکہ ینا بیع فی الارض (تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے اتارا پانی' پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے) اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب پانی حقیقت میں آسمان سے اترے ہیں' جواب: مذکورہ بالا پانیوں کی تقسیم حقیقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ظاہر نظر اور مشاہدہ کے اعتبار سے ہے۔

قولہ بماء اعتصر الخ جو پانی کسی درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔ جیسے گنے کا رس اور تربوز کا پانی' تو ایسے پانی سے بالاتفاق وضوء جائز نہیں کیونکہ یہ مطلق پانی کا فرد نہیں ہے۔ اعتصر مجہول سے معلوم ہوا کہ جو پانی خود بخود انگور وغیرہ سے ٹپک پڑے تو اس سے وضوء جائز ہے کیونکہ یہ ایک طرح کا قدرتی پانی ہے جو مصنوعی طریقہ کے بغیر نکل آیا ہے' صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے اور جوامع ابو یوسف میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ البتہ فتاویٰ قاضی خاں' محیط' کافی' بحر' نہر وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی وضوء جائز نہیں۔ شرح منیہ میں ہے کہ عدم جواز اشبہ ہے۔ قہستانی شارح نقایہ نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور شرنبلالیہ میں بھی برہان سے یہی منقول ہے۔

قولہ ولا بماءٍ غلب علیہ الخ اور ایسے پانی سے بھی وضوء جائز نہیں جس میں پانی کے علاوہ کوئی دوسری (پاک) چیز غالب مقدار میں مل گئی ہو جس نے پانی کو اس کی اصل خلقت اور طبیعت (رقت وسیلان) بے رنگی' نفوذ پذیر ہونے' پیاس بجھانے سے نکال دیا ہو۔ جیسے ہر قسم کے شربت' سرکہ' شوربا' عرق باقلاء' عرق گلاب' عرق زردک' کیونکہ ان پر عرفاً پانی کا اطلاق نہیں کیا جاتا' غلبہ غیر کی قید اس لیے لگائی کہ اگر پانی مغلوب نہ ہو' بلکہ غالب ہو تو اس سے طہارۃ جائز ہے۔

تنبیہ جب پانی میں کوئی دوسری چیز مل جائے اور وہ پانی پر غالب آجائے تو اس سے وضوء جائز نہیں' اب یہ غلبہ باعتبار اوصاف معتبر ہوگا یا باعتبار اجزاء؟ اس میں اختلاف ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ غلبہ کا اعتبار اجزاء کے لحاظ سے ہوگا' یہی صحیح ہے۔ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ امام محمد نے رنگ کا اعتبار کیا ہے اور امام ابو یوسف نے اجزاء کا اعتبار کیا ہے۔ صاحب کتاب کا کلام اس طرف مشیر ہے کہ اوصاف ہی کا اعتبار ہے لیکن اصح یہ ہے کہ اعتبار اجزاء کا ہے نہ کہ اوصاف کا۔ پس اگر پانی میں ملنے والی چیز سیال ہو اور نصف سے کم ہو تو اس سے وضوء جائز ہوگا اور اگر نصف یا اس سے زائد ہو تو جائز نہ ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک اوصاف کا اعتبار ہے کہ اگر ملنے والی چیز نے پانی کے تینوں وصف یا دو وصف متغیر کر دیئے تو اس سے وضوء جائز نہ ہوگا اور اگر ایک وصف کو متغیر کیا تو اس سے وضوء جائز ہوگا ان دونوں قولوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر ملنے والی چیز سیال ہو اور جنس ماء سے ہو جیسے کدو کا پانی تو غلبہ کا اعتبار اجزاء کے لحاظ سے ہوگا جیسا کہ امام ابو یوسف کی رائے ہے اور اگر وہ جنس ماء سے نہ ہو جیسے دودھ تو غلبہ کا اعتبار اوصاف کے لحاظ سے ہوگا جیسا کہ امام محمد صاحب فرماتے ہیں۔ صاحب کتاب نے امام محمد کا قول اختیار کیا ہے' حیث قال فغیر احد اوصافہ۔

فائدہ یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ ماء مطلق سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے اور جو ماء مطلق نہیں ہے اس سے جائز نہیں' لیکن پانی کا اطلاق کس صورت میں زائل ہو جاتا ہے اور کس صورت میں زائل نہیں ہوتا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارتیں مختلف ہیں۔ صاحب فتح القدیر نے شارح کنز سے پانی کا ایک ضابطہ نقل کیا ہے جس سے ماء مطلق ہونے اور ماء مطلق نہ ہونے کا معیار معلوم ہو جاتا ہے وہ ضابطہ یہ ہے کہ درا صل پانی کا اطلاق دو وجہ سے زائل ہو جاتا ہے ایک کمال امتزاج سے دوسرے غلبہ مخالطت سے' کمال امتزاج یعنی باہم گوندھ کر یک جان و یک قالب ہو جانا دو طریقے سے ہوتا ہے' ایک یہ کہ کسی ایک پاک چیز سے ملا کر پکا دیا جائے جس سے نظافت مقصود نہیں ہوتی جیسے باقلاء کو پانی میں جوش دے دیا جائے دوم یہ کہ نباتات اصل پانی کو اس طرح چوس لیں کہ بدون نچوڑے نہ نکلے۔ جیسے تربوز خربوزہ کا پانی کہ نچوڑے سے نکلتا ہے۔ ان دو طریقوں سے پانی اپنے اطلاق پر نہیں رہتا یعنی اس کو مطلق پانی نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ ان چیزوں کی طرف اضافت اور نسبت کر کے بولا جائے گا اور ایسے پانی سے وضوء جائز نہ ہوگا ازالہ اطلاق کا دوسرا سبب غلبہ اختلاط ہے۔ یعنی پانی میں مخلوط ہونے والی چیز کا پانی سے زیادہ مقدار میں ہونا سو اگر کوئی خشک چیز ستو وغیرہ پانی میں مل جائے جس سے اس کی رقت وسیلان کی صفت چلی جائے تو وہ پانی مطلق نہیں کہا جائے گا اور اگر کوئی سیال چیز ملائی گئی تو دیکھا

جائے گا کہ پانی کی ساری صفتیں بدستور موجود ہیں یا نہیں۔ اگر پانی کا رنگ' مزہ' بو سب علیٰ حالہ باقی ہیں جیسے ماء مستعمل کو غیر مستعمل پانی میں ملا دیا جائے کہ اس سے اوصاف میں کوئی فرق نہیں آتا تو بلحاظ اجزاء دیکھا جائے گا اور غالب کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور اگر پانی کی اکثر حالتیں بدل گئیں تو وہ مطلق ہونے سے نکل جائے گا اور اگر ملنے والی چیز بعض صفتوں میں مختلف ہوں تو ملنے والی چیز جس صفت میں مختلف ہوگی اسی کا اعتبار ہو گا۔

وَتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَئْیٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ اَحَدَاَوْصَافِهٖ كَمَاءِ الْمدِّوَالْمَاءِ الَّذِیْ

اور جائز ہے طہارت اس پانی سے جس میں پاک چیز مل کر اس کا ایک وصف بدل دے جیسے رو کا پانی اور وہ پانی جس میں

يَخْتَلِطُ بِهِ الاُ شْنَانُ وُالصَّابُوْنُ والزَّعْفَرَانُ وَ كُلُّ مَاءٍ دَائِمٍ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ

اشنان صابون یا زعفران ملا ہو اور ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی جس میں کچھ نجاست گر جائے

لَمْ يَجُزِ الْوُضُوْءُ بِهٖ قَلِيْلاً كَانَ اَوْ كَثِيْراً لِاَنَّ النَّبِیَّ صلی الله عليه وسلم اَمَرَ بِحِفْظِ الْمَاءِ مِنَ

اس سے وضوء جائز نہیں کم ہو یا زیادہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے پانی کو محفوظ رکھنے کا

النَّجَاسَة فَقَالَ لَايَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ عَلَيْهِ

نجاست سے چنانچہ ارشاد ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں نہ کوئی پیشاب کرے اور نہ غسل جنابت کرے نیز آپ نے ارشاد

السَّلَامُ اِذَا سْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِّنْ مَّنَامِهٖ فَلا يَغْمِسَنَّ يَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی يَغْسِلَهَا ثلاثًا فَاِنَّهٗ

فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سو کر اٹھے تو وہ برتن میں ہاتھ نہ ڈالے تین بار ہاتھ دھوئے بغیر کیونکہ

لَايَدْرِی اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ

اسے کیا معلوم کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری ہے۔

توضیح اللغۃ خالطہ۔ ملجائے' اوصاف۔ جمع وصف' مد۔ سیلاب' اشنان۔ ایک قسم کی گھاس ہے جس کو ہندی میں اونٹ کٹارا کہتے ہیں' دائم۔ ٹھہرا ہوا پانی' لا یبولن۔ ہرگز نہ پیشاب کرے' استیقظ استیقاظاً۔ بیدار ہونا' منام۔ خواب' نیند' فلا یغمسن۔ ہرگز نہ داخل کرے' الاناء۔ برتن' باتت (ض) رات گزرانا۔

تشریح الفقہ قولہ و تجوز الخ ایسے پانی سے وضوء کرنا جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز اتنی ملی ہو جس نے پانی کے اوصاف ثلثہ (رنگ' بو' مزہ) میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو' اور اگر دو وصف بدل دیئے ہوں تو صاحب کتاب کے اشارہ کے مطابق اس سے وضو جائز نہ ہوگا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے (کذافی المستصفی) اور اگر موسم خریف میں درختوں کے پتوں کے گرنے سے پانی کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں تو عام مشائخ کے نزدیک اصح قول میں وضوء جائز ہے: اس کے بالمقابل محمد بن ابراہیم میدانی کا قول ہے کہ اگر اس پانی کی رنگت ہتھیلی میں اٹھانے سے معلوم ہو تو اس سے وضو درست نہیں البتہ اس کا پینا درست ہے۔ نہایہ میں منقول ہے کہ مشائخ بلانکیر ایسے پانی سے برابر وضو کرتے رہے ہیں جس میں موسم خریف کی پتیاں حوض یا تالاب کے پانی تینوں وصفوں کو بدل دیتی ہیں۔ بلکہ اگر پانی کی رقت وسیلان باقی رہے تو اس صورت میں امام طحاوی نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ والماء الذی یختلط بہ الخ اشنان نامی گھاس' صابون اور زعفران ملے ہوئے پانی سے بھی وضو جائز ہے کیونکہ تھوڑی بہت زعفران یا صابون کا مل جانا کوئی خاص وزن نہیں رکھتا۔ نیز اس طرح کی معمولی آمیزشوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ زعفران

یا اس طرح کی چیزیں جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں ان کے ملے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں کہلاتا بلکہ مقید پانی سمجھا جاتا ہے چنانچہ زعفران کا پانی کہتے ہیں' جواب یہ ہے کہ زعفرانی پانی کو بھی علی الاطلاق پانی ہی سمجھا جاتا اور کہا جاتا ہے۔ رہی اضافت تو اس وجہ سے یہ پانی مقید نہیں ہو گیا بلکہ اس کی اضافت کنویں اور چشمے کے پانی کی طرح ہے کہ ان میں اضافت کے باوجود پانی مقید نہیں ہوتا۔

قوله و کل ماء دائم الخ اگر غیر رواں (ٹھہرے ہوئے) پانی میں نجاست گر جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں' خواہ پانی کم ہو یا زیادہ (لیکن وہ دہ در دہ نہ ہو ورنہ اس سے وضوء جائز ہے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاست سے پانی کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "لایبولن احد کم فی الماء الدائم اھ" (ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ) وجہ استدلال یہ ہے کہ غسل جنابت کرنے سے بلکہ پیشاب کرنے سے بھی پانی کے رنگ' مزہ اور بو میں کوئی خاص تبدیلی اور فرق نہیں آتا۔ پھر بھی آپ نے اس میں غسل جنابت کرنے سے منع فرمایا سو اگر پانی کسی حال میں بھی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا تو آپ کے منع کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ اور جب تک کوئی دوسری خلاف دلیل نہ ہو صیغہ نہی مفید تحریم ہوتا ہے' اور نہی تنزیہی پر اس لیے محمول نہیں کر سکتے کہ ٹھہرے ہوئے پانی کی قید لگا کر جاری پانی کو اس حکم سے الگ کر لیا گیا ہے۔ پس اگر حرمت مراد نہ ہوتی تو رواں اور غیر رواں پانی برابر ہو جاتے اور دائم کی قید لگانا بیکار ہو جاتا۔ حالانکہ کلام شارع میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اذا استیقظ احد کم من منامہ اھ" (صحاح ستہ ولفظ ثلثا مروی فی مسلم وابی داؤد والنسائی ودارقطنی ولفظ فلا یغمسن مروی فی روایت بزار) وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں جب محض احتمال نجاست پر پانی میں ہاتھ ڈالنے سے روک دیا گیا' تو حقیقۃً پانی میں نجاست پڑ جانے کے بعد تو بدرجہ اولیٰ پانی ناپاک ہو جانا چاہیے۔ سوال۔ دونوں حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بصورت نہی ہے۔ پھر صاحب کتاب نے "امر" کیسے کہا؟ جواب: اس لیے کہ عام مشائخ کے نزدیک کسی شیئے کو روکنا اس کی ضد کا حکم کرنا ہوتا ہے۔ پھر ماء راکد کی بابت مذکورہ بالا حکم احناف کے یہاں ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر نجاست کی وجہ سے پانی کے اوصاف میں سے کسی وصف میں تغیر نہیں ہوا تو اس سے وضوء جائز ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو مٹکوں کی مقدار ہو' تب تو جائز ہے اور اگر اس سے کم ہو تو جائز نہیں۔ امام مالک کا مستدل یہ حدیث ہے "الماء طھور لاینجسہ شیئ" (سنن اربعہ' حاکم' شافعی' احمد' دارقطنی' بیہقی) جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث بئر بضاعۃ کے بارے میں ہے' جس کا پانی باغات کی سیرابی کے لیے جاری رہتا تھا اور ظاہر ہے کہ جاری پانی میں نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ امام شافعی کا مستدل حدیث قلتین ہے "اذا بلغ الماء قلتین لایحمل خبثا" (سنن اربعہ' خزیمہ' حاکم' شافعی' احمد' دارقطنی' بیہقی) جواب یہ ہے کہ اول تو اس حدیث کے متن وسند میں ضعف واضطراب ہے اور اگر صحیح ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پانی کی یہ مقدار (قلتین) نجاست کا تحمل نہیں کر سکتی۔ (کذا فی الھدایہ والتفصیل فی المطولات) محمد حنیف غفرلہ' گنگوہی

وَاَمَّا الْمَاءُ الْجَارِیُ اِذَا وَقَعَتْ فِیْهِ نَجَاسَةٌ جَازَالْوُضُوْءِ مِنْهُ اِذَا لَمْ یُرَلَهَا اَثَرٌلِاَ نَّهَا

لیکن جاری پانی میں' جب نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب تک کہ اس کا اثر معلوم نہ ہو کیونکہ

لَاتَسْتَقِرُّمَعَ جَرْیَانِ الْمَاءِ وَالْغَدِیْرُالْعَظِیْمُ الَّذِیْ لَایَتَحَرَّکُ اَحَدُ طَرْفَیْهِ بِتَحْرِیْکِ

نجاست نہیں ٹھہر سکتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ اور وہ بڑا تالاب جس کی ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک

الطَّرْفِ الْاٰخرِاِذَا وَقَعَتْ فِیْ اَحَدِجَانِبَیْهِ نَجَاسَةٌ جَازَالْوُضُوْءُ مِنَ الْجَانِبِ الْاٰخرِ لِاَنَّ

نہ ہو جب اس میں کسی جانب سے نجاست گر جائے تو دوسری طرف وضوء کرنا جائز ہے۔ کیونکہ

الظَّاهِرَ اَنَّ النَّجَاسَةَ لَاتَصِلُ اِلَیْهِ وَ مَوْتُ مَالَیْسَ لَهٗ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِی الْمَاءِ لَایُفْسِدُ الْمَاءَ کَالْبَقِّ

ظاہر یہی ہے کہ نجاست اس طرف نہ پہنچی ہو گی پانی میں ایسے جانور کا مر جانا جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے پانی کو خراب نہیں کرتا جیسے مچھر

وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيْرِ وَالْعَقَارِبِ وَ مَوْتُ مَايَعِيْشُ فِي الْمَاءِ اِذَا مَاتَ فِي الْمَاءِ لاَ يُفْسِدُ الْمَاءَ
مکھی بھڑ بچھو اور پانی میں اس جانور کا مر جانا جو پانی ہی میں زندگی بسر کرتا ہے پانی کو خراب نہیں کرتا

كَالسَّمَكِ وَالضَّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ
جیسے مچھلی مینڈک کیکڑا۔

توضیح اللغۃ اثر ۔نشان' مردارنگ' بو'مزہ' لاتستقر استقرار' ٹھہرنا' جریان ۔ بہنا' غدیر ۔تالاب' نفس ۔خون' قال الشاعر

تسیل علی حد السیوف نفوسنا
ولیس علی غیر السیوف تسیل

سائلۃ ۔ بہنے والا' زادالمعاد میں ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس جملہ کا تکلم کیا ''مالا نفس له سائلة'' وہ حضرت امام نخعی ہیں انہیں سے فقہاء نے اس جملہ کو لیا ہے۔ بق ۔پسو' ذباب ۔مکھی' زنابیر ۔جمع زنبور بمعنی بھڑ' عقارب ۔جمع عقرب' بچھو' سمک ۔مچھلی' صفدع ۔مینڈک' سرطان ۔ کیکڑا' اس کا نام عقرب الماء بھی ہے اور اس کو سلطعون بھی کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ قوله واما الماء الجاری الخ اور رواں پانی میں جب گندگی پڑ جائے تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست کا کوئی اثر دکھلائی نہ دے کیونکہ پانی کے بہاؤ کے سامنے وہ نجاست ٹھہر نہیں سکتی۔ جاری پانی کسے کہتے ہیں؟ اس میں مختلف اقوال ہیں ۔ا۔ جاری پانی وہ ہے جس کو عرف میں رواں اور بہتا ہوا شمار کیا جائے ۔۲۔ جو خشک تنکے کو بہالے جائے ۔۳۔ اتنا پانی ہے کہ جب متوضی دوبارہ پانی کا چلو لے تو پہلے چلو کا پانی ہاتھ میں نہ آئے بلکہ وہ رواں ہو کر نیا پانی ہاتھ میں آئے۔ درمختار بدائع' تحفہ' تبیین اور بحر وغیرہ میں ہے کہ پہلا قول اظہر ہے اور ثانی اشہر پھر ابن ہمام وغیرہ نے جاری پانی کے لیے نہر' چشمہ اور جھیل وغیرہ کی مدد کی شرط لگائی ہے کہ ان کی مدد سے پانی جاری ہو اور اسی کو مختار کہا ہے لیکن صاحب سراج اور صاحب تجنیس نے عدم اشتراط مدد کی تصحیح کی ہے تو یہاں دونوں قولوں کی تصحیح موجود ہے۔

قوله والغدیر الخ بڑا تالاب یا حوض جس کی ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب حرکت کا اثر نہ پہنچتا ہو۔ جب اس میں کسی جانب نجاست پڑ جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے کیونکہ بظاہر ایک کنارہ کی نجاست کا اثر دوسری طرف نہیں پہنچے گا اس لیے کہ حرکت کا اثر بمقابلہ نجاست کے جلد پہنچتا ہے۔ پھر شیخین کے نزدیک غسل کی حرکت معتبر ہے اور امام محمد سے ایک روایت میں صرف ہاتھ کی اور دوسری روایت میں وضوء کی حرکت معتبر ہے۔ قول اول کی وجہ یہ ہے کہ ضرورت وضوء کی بہ نسبت غسل کے لیے زیادہ ہوتی ہے۔ بعض فقہاء نے لوگوں کی سہولت کے لیے اس کی مساحت دہ در دہ کی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور گہراؤ کے بارے میں حد معتبر یہ ہے کہ صرف چلو بھر لینے سے زمین نہ کھل جایا کرے یہی قول اصح ہے۔

فائدہ اگر تالاب مربع ہے۔ ۴۰ گز مساحت ہونی چاہیے اور مدور ہے تو پھر ۴۴'۴۸ گز معتبر سمجھی گئی ہے۔ لیکن مختار و مفتی بہ ۴۶ گز ہے ظہیریہ میں ۴۸ گز کا اعتبار ہے اور بعض نے ۳۶ گز کو صحیح کہا ہے۔ چنانچہ درمختار میں مدور ۳۶ گز اور خلاصہ و محیط سرخسی میں ۴۸ گز اور مثلث حوض میں ہر طرف سوا پندرہ گز سے کچھ زائد لیا ہے۔

قوله جاز الوضوء من الجانب الآخر الخ حسب تصریح صاحب ہدایہ اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہو جائے گی چنانچہ نجاست مرئی ہو یا غیر مرئی مشائخ عراق سے منقول اور صاحب مبسوط و بدائع اور شارح کنز کرخی وغیرہ کا قول یہی

ا۔ ہم نے اس موضوع پر ایک کتاب ''بغیۃ الظمان فی اول ما کان'' لکھی ہے۔ حق تعالیٰ اس کی طباعت آسان فرمائے۔ آمین ۱۲۔

ہے بلکہ صاحب بدائع نے اس کو ظاہر الروایۃ قرار دیا ہے لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ناپاک نہیں ہوگی جب تک پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو جائے علامہ ابن ہمام نے اسی کو صحیح کہا ہے اور الدر میں فتویٰ کے لیے اسی کو راجح بتایا ہے منتقی سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ مشائخ بلخ و بخارا کی رائے یہ ہے کہ نجاست اگر غیر مرئی ہے تو نجاست گرنے کے مقام سے وضو کیا جا سکتا ہے۔ اگر مرئی ہو تو وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ سراج الوہاج میں اسی کو اصح کہا گیا ہے۔ امیر حاج کی رائے یہ ہے کہ غالب رائے کا اعتبار کیا جائے گا پانی میں نجاست کا حلول ہوا ہے یا نہیں۔

قولہ و موت مالیس لہ الخ جس جانور میں بہنے والا خون نہ ہو اس کے پانی میں مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو وغیرہ۔ بقول علامہ عینی امام شافعی کا بھی ایک قول احناف کے موافق ہے اور یہی جمہور شوافع کے نزدیک معتبر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ محاملی اور دیانی نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ کسی چیز کی تحریم جب بطریق کراہت نہ ہو تو وہ ناپاک ہونے کی علامت ہے برخلاف شہد کی مکھیوں اور پھلوں کے کیڑوں کے کہ ان کے مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ ان کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ہماری دلیل حضرت سلمانؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے سلمان! کھانے پینے کی چیزوں میں اگر بلا خون والا جانور مر جائے تو اس چیز کا کھانا پینا اور اس سے وضوء کرنا جائز ہے۔ نیز پانی کا ناپاک ہونا جانوروں کے مرنے کے وقت بہنے والے خون سے ملنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور مذکورہ بالا جانوروں میں خون ہی نہیں ہوتا۔ امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حرام ہونے کے لیے کسی چیز کا ناپاک ہونا ضروری نہیں چنانچہ مٹی، سنکھیا، کوئلہ وغیرہ کھانا حرام ہے حالانکہ ان کی حرمت ان کے احترام کی بنیاد پر نہیں ہے جس سے ان کا ناپاک ہونا لازم آئے۔ سوال حدیث مذکور کے راوی بقیہ پر دار قطنی نے اور سعید ابن ابی سعید زبیدی پر ابن عدی نے مجہول ہونے کا طعن کیا ہے۔ جواب۔ علامہ عینی و ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ بقیہ ابن الولید ہیں جن سے ابن المبارک، ابن عیینہ، وکیع اور اوزاعی جیسے علماء نے روایت کی ہے اور سعید بن ابی سعید کے متعلق خطیب نے ذکر کیا ہے کہ ان کے والد کا نام عبدالجبار ہے اور یہ شیخ ثقہ ہیں پس مجہول الحال ہونے کا طعن جاتا رہا۔

قولہ و موت مایعیش الخ پانی میں بسیرا کرنے والے جانور جیسے مچھلی، مینڈک، کیکڑا ان کے مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ امام شافعی مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں کی موت کے باعث پانی کو ناپاک مانتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز اپنے اعلیٰ مقام میں ہو تو اس کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا جیسے انڈے کی زردی اگر خون میں تبدیل ہو جائے تو ناپاک نہیں کہلائے گی۔

وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَايَجُوْزُاسْتِعْمَالُهُ فِي طَهَارَةِ الْاَحْدَاثِ وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَا اُزِيْلَ

اور ماء مستعمل کا استعمال جائز نہیں طہارت احداث میں اور مستعمل پانی وہ ہے جس سے دور کی گئی ہو کوئی

بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ

ناپاکی یا استعمال کیا گیا ہو بدن میں قربت الٰہی کے طور پر

ماءِ مستعمل کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ والماء المستعمل** الخ ماء مستعمل کی بابت چار امور میں گفتگو ہے۔ ۱۔ سبب استعمال میں ۲۔ ثبوت استعمال کے وقت میں ۳۔ اس کی کیفیت میں ۴۔ اس کے حکم میں۔ امر اول کی توضیح یہ ہے کہ پانی کا استعمال بہ نیت قربت ہو یا برائے رفع حدث۔ بہر دو صورت بقول ابو عبداللہ جرجانی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائے گا گویا سبب استعمال احد الامرین ہے۔ امام ابوبکر رازی نے امام محمد کا اختلاف ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ ان کے یہاں اصل سبب استعمال صرف قربت ہے لیکن شمس الائمہ کا بیان ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں بلکہ ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔ امام زفر کے نزدیک سبب صرف ازالہ حدث ہے تقرب ہو یا نہ ہو۔ امر ثانی کی تشریح یہ ہے کہ فقہاء کا اس

پر اتفاق ہے کہ جب تک پانی عضو سے جدا نہ ہو اس وقت تک اس کو مستعمل نہیں کہا جا سکتا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل کہا جائے گا یا نہیں؟ سو مشائخ، بلخ و بخارا یہ کہتے ہیں کہ پانی عضو سے زائل ہونے کے بعد جب تک کسی جگہ پر نہ ٹھہر جائے اس وقت تک مستعمل نہیں کہا جائے گا۔ خواہ وہ جگہ زمین ہو یا برتن ہو یا متوضی کی ہتھیلی ہو۔ سفیان ثوری صاحبین، فخر الاسلام ابراہیم نخعی ابو حفص کبیر کا مذہب، ظہیر الدین مرغینانی کا فتویٰ اور صاحب کنز و صدر الشہید کا مختار یہی ہے اور اسی کو خلاصہ میں پسند کیا گیا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عضو سے الگ ہوتے ہی پانی مستعمل ہو جائے گا۔ ہدایہ، محیط، ظہیریہ میں ایسا ہی ہے کیونکہ عضو سے الگ ہونے سے پہلے تو مجبوری کی وجہ سے مستعمل نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن عضو سے الگ ہونے کے بعد مجبوری نہیں ہے۔ اسی کو صاحب محیط نے احناف کا مذہب بتایا ہے اور اسی پر محققین مشائخ ہیں۔ امر ثالث کی تحقیق یہ ہے کہ ماء مستعمل روایت امام ابو حنیفہ کے نزدیک بروایت حسن بن زیاد نجس، نجاست غلیظہ ہے اور بروایت ابو یوسف، نجاست خفیفہ اور بروایت امام محمد طاہر ہے۔ مشائخ نے امام محمد کی روایت کی تصحیح کی ہے۔ فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی مختار ہے اور امام محمد کی عام کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ محیط میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے یہی مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اسی پر فتویٰ ہے۔ امر رابع کی تفصیل یہ ہے کہ امام محمد کا مذہب اور امام اعظم سے ایک روایت یہ ہے کہ مستعمل پانی پاک تو ہے مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکتا۔ اس سے دوبارہ وضوء یا غسل نہیں کیا جا سکتا ہاں حقیقی نجاست اس سے پاک کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ یہی ایک قول امام شافعی اور امام احمد کا اور ایک روایت امام مالک سے ہے۔ دوسرا قول امام زفر کا ہے اور یہی ایک قول امام شافعی کا بھی ہے کہ اگر کوئی باوضوء وضوء کرے تو اس کا مستعمل پانی طاہر بھی ہے اور طہور بھی ہے اور اگر کوئی بے وضوء وضو کرے تو اس کا مستعمل پانی خود تو پاک ہوگا، مگر دوسری چیز کو پاک نہیں کر سکے گا۔ امام نووی نے امام شافعی کے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے اور اسی پر مسائل کی تصریح کی ہے تیسرا قول امام شافعی زہری، اوزاعی، مالک، ابو ثور کا ہے کہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی ہے کیونکہ طہور قطوع کی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے، بار بار پاک کرنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ بلا شبہ پانی دوسری چیزوں کو پاک کرنے والا ہے۔ لیکن اس لیے نہیں کہ طہور بمعنی مطہر ہے۔ بلکہ اس لیے کہ آیت میں طاہر کی جگہ طہور کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ غفور و شکور کی طرح اس میں مبالغہ کے معنی ہیں۔ سیبویہ، خلیل، مبرد، اصمعی، ابن السکیت طہور کو مصدر کہتے ہیں۔ جیسے حدیث "مفتاح الصلوة الطهور" طهور اناء احدكم، لاصلوة الابطهور" میں طہور اسی معنی میں ہے۔ ماء مستعمل کے حکم کو کسی نے اس شعر میں نظم کیا ۔

والماء المستعمل في الابدان　　فذلك كالخرء عندالنعمان

وهو كبول الشاة عندالثاني　　ويشبه الخل عندالربانی

وَكُلُّ اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَجازت الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءِ مِنْهُ اِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَ

ہر کچا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے اس پر نماز پڑھنا اور اس سے وضوء کرنا جائز ہے سوائے خنزیر

الْاٰدمِیّ وَ شعرُ الْمَيْتَةِ وعظمُها طَاهِرٌ

اور آدمی کی کھال کے اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے

چمڑے کی دباغت کا بیان

تشریح الفقہ　قولہ و کل اھاب الخ چمڑے کی دباغت سے تین مسئلے متعلق ہیں ۔ ا۔ اس کا پاک ہونا جس کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔ ۲۔ پوستین وغیرہ پہن کر نماز پڑھنے کا جائز ہونا جس کا تعلق کتاب الصلوۃ سے ہے۔ ۳۔ چمڑے کی ڈولچی یا مشکیزہ وغیرہ میں پانی لینا اور اس سے وضوء کا جائز ہونا اس کا تعلق احکام میاہ سے ہے۔ اس مناسبت سے چمڑے کے مسائل کو پانی کے مسائل کے ذیل میں ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ ہر قسم

کی کھال دباغت دے دینے سے پاک اور شرعاً قابل انتفاع ہو جاتی ہے اس سے نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے اور اس کی مشکیزہ ڈوچی وغیرہ بنا کر وضو بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کچا چمڑا دباغت دے دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔[1] لیکن آدمی اور خنزیر کی کھال قابل انتفاع نہیں۔ خنزیر کی تو اس لیے کہ وہ نجس العین ہے۔ نیز وہ پرت پرت (تہ برتہ) ہونے کی وجہ سے دباغت پذیر نہیں ہے اور آدمی کی کھال اول تو نہایت رقیق ہونے کی وجہ سے قابل دباغت نہیں اور اگر دباغت دے بھی لی جائے تو اس کی تعظیم و توقیر کے سبب اس کا استعمال جائز نہیں۔

قولہ دبغ الخ دباغت دو طرح کی ہوتی ہے۔ حقیقی جو پھٹکری یا ببول کے پتے وغیرہ مصالحوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور حکمی جو ان مصالحوں کے بغیر صرف دھوپ ہوا اور مٹی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ چونکہ صاحب کتاب کے پیش نظر دباغت کا عموم ہے۔ اس لیے دباغت حکمیہ کے بعد بھی اگر چمڑا پانی میں پڑ جائے تو وہ باتفاق روایات ناپاک نہ ہوگا۔ چنانچہ ہندیہ میں ہے کہ حقیقی دباغت کے بعد پانی لگنے سے تو یقیناً چمڑا ناپاک نہیں ہوتا لیکن دباغت حکمیہ کے بعد بھی اظہر یہ ہے کہ ناپاک نہیں ہونا چاہیے شامی کہتے ہیں کہ قہستانی نے مضمرات سے اسی کو اصح اور خجندی نے اظہر بتایا ہے۔

قولہ جازت الصلوۃ الخ بعض نسخوں میں ''فیہ'' کے بجائے علیہ ہے جس پر کوئی اشکال نہیں اور بعض نسخوں میں فیہ ہے اس سے یہ بتانا ہے کہ جب دباغت شدہ کھال پہن کر نماز جائز ہے تو اس کا مصلی بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا کیونکہ لباس کی طہارت تو آیت ''وثیابک فطہر'' سے منصوص طور پر ثابت ہے اور مصلی کی پاکی دلالۃ النص سے ہے۔

قولہ الاجلد الخنزیر الخ صاحب کتاب نے استثناء میں پہلے خنزیر کو ذکر کیا ہے۔ پھر آدمی کو اس واسطے کہ یہ ذلت و خواری کا مقام ہے یعنی اظہار نجاست کا اس لیے یہاں ذلیل و خوار چیز کو پہلے بیان کرنا عین مقتضاء باغت ہے۔

قولہ و شعر المیتتہ الخ آدمی اور مردار کے بال ہڈی کھر سم سینگ اون ناخن پر چونچ غرض ہر ایسی چیز پاک ہے جس میں زندگی نہ پائی جاتی ہو مگر خنزیر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ سب ناپاک ہیں۔ ہماری دلیل باری عز اسمہ کا اون بال وغیرہ کو انعامات وغیرہ کی فہرست میں شمار کرانا ہے جو ان کے پاک ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ناپاک چیز سے امتنان نہیں ہوا کرتا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موئے مبارک حضرت ابوطلحہؓ کو عنایت فرماتے تھے اور انہوں نے لوگوں میں تقسیم کیے تھے۔ حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کے لیے اونٹ کی ہڈی کا ایک بار اور عاج یعنی ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدے[2] تھے۔

وَاِذَاوقعتْ فِی الْبِئْرِ نَجَاسَۃٌ نُزِحَتْ وَ کَانَ نَزْحُ مَا فِیْھَا مِنَ الْمَاءِ طَھَارَۃً لَھَا فَاِنْ مَاتَتْ
جب کنویں میں نجاست گر جائے تو اس کا سارا پانی نکالا جائے اور یہ پانی کا نکالنا ہی کنویں کی طہارت ہے اب اگر مر گیا

فِیْھَا فَارَۃٌ اَوْعُصْفُوْرَۃٌ اَوْصَعْوَۃٌ اَوْسُوْدَانِیَۃٌ اَوْسَامٌّ اَبْرَصُ نُزِحَ مِنْھَا مَابَیْنَ عِشْرِیْنَ
اس میں چوہا یا چڑیا یا ممولا یا بھجگا یا چھپکلی تو نکالے جائیں گے بیس

دَلْوًااِلٰی ثَلٰثِیْنَ بِحَسَبِ کُبْرِالدَّلْوِ وَصُغْرِھَاوَاِنْ مَاتَتْ فِیْھَا حَمَامَۃٌ اَوْدُجَاجَۃٌ اَوْ
ڈول سے تیس تک ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے اور اگر مر گیا اس میں کبوتر یا مرغی یا

سِنَّوْرٌ نُزِحَ مِنْھَا مَابَیْنَ اَرْبَعِیْنَ دَلْوًا اِلٰی خَمْسِیْنَ وَاِنْ مَاتَ فِیْھَا کَلْبٌ اَوْشَاۃٌ
بلی تو نکالے جائیں گے چالیس ڈول سے پچاس تک اور اگر مر گیا اس میں کتا یا بکری

---

[1] سنن اربعہ ابن حبان احمد بزار ۱۲۔ [2] ابوداؤد طبرانی ابن عدی ۱۲۔

اَوْ اٰدَمِیٌّ نُزِحَ جَمِیْعُ مَا فِیْھَا مِنَ الْمَاءِ وَاِنِ انْتَفَخَ الْحَیَوَانُ فِیْھَا اَوْتَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِیْعُ
یا آدمی تو نکالا جائے گا سارا پانی اور اگر جانور کنوئیں میں مر کے پھول جائے یا پھٹ جائے تو نکالا جائے گا سارا

مَافِیْھَا صَغُرَا الْحَیَوَانُ اَوْ کَبُرَ
پانی جانور چھوٹا ہو یا بڑا

کنویں کے احکام

توضیح اللغۃ البیر۔ کنواں' نزحت نزحاً۔ کھینچنا' پانی نکالنا' فارۃ۔ چوہا' عصفورۃ۔ چڑیا' صعوۃ۔ ممولا' سوداتیۃ۔ بھجنگا' سام ابرص۔ بتشدید میم گرگٹ' یہ دو اسم علیحدہ علیحدہ ہیں' مرکب ہو کر اسم واحد ہو گیا اب اگر چاہیں پہلے تو اسم کو معرب رکھتے ہوئے ثانی کی طرف مضاف کریں اور چاہیں تو اول کو مبنی برفتح اور ثانی کو معرب باعراب غیر منصرف پڑھیں اور چاہیں تو دونوں کو مبنی برفتح پڑھیں جیسے خمسۃ عشر۔ دلو۔ ڈول' حمامۃ۔ کبوتر' دجاجۃ۔ مرغ' سنور۔ بلی۔ کلب۔ کتا' شاۃ۔ بکری' انتفخ۔ پھول گیا' تفسخ۔ پھٹ گیا۔

تشریح الفقہ قولہ نزحت الخ چونکہ کنویں کا تعلق بھی پانی ہی کے ساتھ ہے اس لیے کنویں کے احکام کو پانی ہی کے احکام میں ذکر کر رہے ہیں۔ نزحت کی اسناد بیر کی طرف بطریق ذکر محل وارادہ حال مجازی ہے جیسے جری النہر' سال المیزاب' قال اللہ تعالیٰ واسئل القریۃ'' اگر دہ در دہ سے کم کنویں میں نجاست گر جائے تو باجماع سلف پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا اور اس کا پانی نکالنا ہی کنویں کی پاکی سمجھا جائے گا۔

تنبیہ کنویں کے مسائل آثار ونقول اور اتباع سلف پر مبنی ہیں نہ کہ قیاس ورائے پر پس اگر کنوئیں میں اونٹ یا بکری کی ایک دو مینگنیں گر جائیں (تین میں اختلاف ہے) تو بمقتضائے قیاس کنواں ناپاک ہو جانا چاہیے لیکن استحساناً ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ عام طور پر جنگلی کنوؤں کی منیں نہیں ہوتیں جو وقوع نجاست سے رکاوٹ بنیں اور مویشی آس پاس گوبر اور مینگنیاں کیا ہی کرتے ہیں جن کو ہوائیں کنویں میں لا ڈالتی ہیں اس لیے تھوڑی سی نجاست کو نظر انداز کیا جائے گا اگر کنویں میں کبوتر یا چڑیا کی بیٹ گر جائے تو اس سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک ناپاک ہو جائے گا کیونکہ بیٹ بدبو اور فساد کی طرف منتقل ہوگئی لہٰذا اس کا حال مرغی کی بیٹ جیسا ہو گیا جو بالاتفاق ناپاک ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مساجد میں کبوتروں کے رکھنے اور پالنے کا جمہور مسلمین کا دستور چلا آ رہا ہے' کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کیا جب کہ حضرت عائشہؓ وسمرہؓ سے ابوداؤد کی روایت میں گھروں میں مسجد بنانے اور ان کو پاک رکھنے کا حکم موجود ہے' پس اجماع فعلی ان کی بیٹ کے ناپاک نہ ہونے کی دلیل ہے' رہا تھوڑی بہت بدبو کا ہونا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کیچڑ میں فی الجملہ بدبو ہوتی ہے حالانکہ امام شافعی کے نزدیک وہ ناپاک نہیں اسی طرح یہ بھی ناپاک نہیں ہونی چاہیے۔

قولہ فان ماتت فیھا فارۃ الخ اگر کنویں میں چوہا یا اس کے مانند جانور (چڑیا' بھجنگا' ممولا' گرگٹ وغیرہ) گر کر مر جائے تو بیس سے تیس تک ڈول نکالے جائیں گے۔ حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ اگر کنویں میں چوہا گر کر مر جائے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول پانی نکالنا چاہیے (طحاوی قالہ الشیخ علاؤ الدین) اور چڑیا وغیرہ جسامت میں چوہے کے برابر ہوتی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی ویسا ہی ہے پھر بیس ڈول نکالنا واجبی حکم ہے اور تیس ڈول نکالنا استحبابی ہے اور اگر کبوتر یا اس کے مانند مرغی' بلی وغیرہ گر کر مر جائے تو چالیس سے پچاس تک ڈول نکالے جائیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری کی حدیث میں یہی حکم ہے (طحاوی) اور اگر کتا یا بکری یا آدمی گر کر مر جائے یا کوئی جانور پانی میں گر کر پھول جائے پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا چاہ زمزم میں ایک حبشی کے مر جانے پر حضرت ابن عباسؓ وابن زبیرؓ نے یہی فتویٰ دیا تھا۔ (دارقطنی' بیہقی' ابن ابی شیبہ' طحاوی)

تنبیہ چوہے کی بابت جو حکم اوپر مذکور ہوا' یہ اس وقت ہے جب چوہا بلی سے خوفزدہ ہو کر یا مجروح ہو کر نہ گرا ہو ورنہ کنویں سے پورا پانی نکالنا ضروری ہوگا۔ اگر چہ وہ زندہ ہی نکل آئے۔ کیونکہ چوہا بلی کے خوف سے پانی میں پیشاب کرے گا اور پیشاب نجس ہے اسی طرح بلی کی بابت ہے کہ وہ کتے سے خوفزدہ ہو کر یا زخمی ہو کر نہ گری ہو ورنہ پورا پانی نکالا جائے گا۔ صاحب کتاب نے ان جانوروں کے مرنے کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ اگر جانور زندہ نکال لیا گیا تو کنواں ناپاک نہ ہوگا بجز کتے اور خنزیر کے' پھر کتے اور خنزیر کے علاوہ جانور کو دیکھا جائے گا اگر اس کا منہ پانی تک پہنچا ہوا اور اس کا جھوٹا ناپاک ہو تو پانی ناپاک ہوگا اور مکروہ ہو تو مکروہ ہوگا اور مشکوک فیہ ہو تو مشکوک ہوگا اور پورا پانی نکالا جائے گا اور اگر اس کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو تو پانی نکالنے کی ضرورت نہیں نہ کم نہ زائد پھر کنویں کی پاکی اس وقت سے ہو جائے گی جب آخری ڈول پانی سے جدا ہو جائے یا اس وقت ہوگی جب آخری ڈول کنویں سے باہر آ جائے؟ سو امام ابو یوسف کے نزدیک ثانی معتبر ہے اور امام محمد کے نزدیک اول کا اعتبار ہے۔ ثمرہ اختلاف اس وقت ظاہر ہوگا جب آخری ڈول کے پانی سے جدا ہونے کے بعد کنویں سے باہر آنے سے قبل کنویں سے پانی نکالا جائے کہ وہ امام ابو یوسف کے نزدیک ناپاک ہے اور امام محمد کے نزدیک پاک پھر ڈول نکالنے میں ہمارے نزدیک تتابع شرط نہیں ہے حسن بن زیاد کے نزدیک شرط ہے۔

قولہ و ان مات فیھا کلب الخ کتے کی بابت صاحب کتاب نے گو مرنے کی قید لگائی ہے لیکن کتے کے سلسلہ میں اور اس جانور کے حق میں جس کا جھوٹا نجس ہو مرنا شرط نہیں ہے بلکہ اگر یہ زندہ نکال لیا جائے تب بھی پورا پانی نکالا جائے گا۔

وَعَدَدُ الدِّلَاءِ يُعْتَبَرُ بِالدَّلْوِ الْوَسَطِ الْمُسْتَعْمَلِ لِلْاٰبَارِ فِي الْبُلْدَانِ فَاِنْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ

اور ڈولوں کی شمار معتبر ہے اس درمیانی ڈول سے جو کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے شہروں میں پس اگر نکال دی گئی بڑے ڈول سے

قَدْرَمَا يَسَعُ مِنَ الدِّلَاءِ الْوَسَطِ اُحْتُسِبَ بِهٖ وَاِنْ كَانَ الْبِئْرُ مَعِيْنًا لَايُنْزَحُ وَوَجَبَ نَزْحُ

اتنی مقدار جو سماتی ہو درمیانی ڈولوں میں تو درمیانی ڈول سے حساب لگایا جائے گا اگر کنواں جاری ہو اور سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو پانی کی واجب

مَا فِيْهَا اَخْرَجُوْا مِقْدَارَ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ وَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَّهٗ

مقدار نکال دی جائے گی۔ امام محمد سے روایت ہے انہوں

قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا مِائَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ

نے فرمایا کہ دوسو ڈول سے تین سو تک نکال دیئے جائیں گے۔

توضیح اللغۃ الدلاء۔ جمع دلو بمعنی ڈول وسط۔ درمیانی' آبار۔ جمع بیر' کنواں' بلدان۔ جمع بلد' شہر' معینا۔ جاری۔

تشریح الفقہ قولہ وعدد الدلاء الخ مقدار ماء واجب نکالنے میں درمیانی ڈول کا اعتبار ہوگا جو عام طور سے شہر میں کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے یعنی ہر کنویں کا وہ ڈول جس سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے اور اگر کسی کنویں کا کوئی ڈول مقرر نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار ہوگا جس میں ایک صاع پانی سما جائے اور جو ڈول صاع سے کم وبیش ہو تو اس کا حساب صاع والے ڈول سے کیا جائے گا۔ پس اگر بہت بڑا ڈول بیس یا چالیس ڈولوں کے برابر ہو تو ایک ہی ڈول کا نکالنا کافی ہوگا۔ (اگر بیس یا چالیس ڈول واجب ہوں) ... قدر واجب کا اخراج حاصل ہو گیا پھر ڈولوں کی مقدار میں ڈول کے اکثر حصہ کا (یعنی آدھے سے زیادہ ڈول کا) بھرا ہوا ہونا کافی ہے۔ لان للاکثر حکم الکل۔

قولہ وان کان البیر معینا الخ اگر کنواں چشمہ دار ہو جس کا پانی سارا نکالنا ممکن نہ ہو تو اس کا موجودہ پانی نکالنا ہی کافی ہوگا اور موجودہ پانی کی مقدار کی بابت چھ قول ہیں۔ ۱۔ کنویں والوں کا قول معتبر ہوگا۔ جب وہ پانی نکالنے کے بعد یہ کہیں کہ ہمارے کنویں میں اس سے زیادہ پانی نہیں تھا۔ ۲۔ ایسے دو آدمیوں کو کنویں میں اتارا جائے جن کو پانی کے متعلق بصیرت حاصل ہو اور جس مقدار کو نکالنے کے بعد وہ یہ کہیں کہ اس سے زیادہ پانی

کنویں میں نہیں تھا اس کا اعتبار کیا جائے یہ دونوں طریقے امام صاحب سے منقول ہیں ثانی قول کو صاحب ہدایہ نے اشبہ بالفقہ اور شارح مبسوط نے اصح کہا ہے اور درمختار کی نقل کے مطابق اسی پر فتویٰ ہے۔۳۔ کنویں کے برابر گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے پانی نکال کر گڑھے کو بھر دیا جائے۔۴۔ کنویں میں بانس ڈال کر پانی ناپ کر نشان لگا دیا جائے پھر کنویں سے دس ڈول نکال کر دوبارہ بانس ڈالنے کے بعد دیکھا جائے کہ پانی کس قدر گھٹا ہے اسی کے مطابق اندازہ کر کے دس دس ڈول نکال دیئے جائیں۔ یہ طریقے امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔۵۔ دوسو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔۶۔ ڈھائی سو سے تین سو تک ڈول نکالے جائیں یہ دونوں قول امام محمد صاحب کا تخمینہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ آسان ہونے کی وجہ سے فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا وُجِدَ فِي الْبِئْرِ فَارَةٌ مَيْتَةٌ اَوْغَيْرُهَا وَلَايَدْرُوْنَ مَتٰى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ

جب پایا جائے کنویں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ اور یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا ہے اور وہ پھولا پھٹا بھی نہیں

وَلَمْ تَنْفَسِخْ اَعَادُوْا صَلٰوةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِذَا كَانُوْا تَوَضَّئُوْا مِنْهَا وَ غَسَلُوْا كُلَّ شَيْءٍ اَصَابَهُ مَاؤُهَا وَاِنِ انْتَفَخَتْ

تو ایک دن رات کی نمازیں لوٹائیں وہ لوگ جنھوں نے اس سے وضوء کیا ہے اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کا پانی پہنچا ہو اور اگر جانور پھول

اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْاصَلٰوةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَ

پھٹ گیا ہو تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں امام صاحب کے قول میں

اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَيْسَ عَلَيْهِمْ اِعَادَةُ شَيْءٍ حَتّٰى يَتَحَقَّقُوْا مَتٰى وَقَعَتْ

امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ان پر کسی چیز کا اعادہ ضروری نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ کب گرا ہے

تشریح الفقہ قولہ واذا وجد الخ کنویں میں مرا ہوا چوہا یا کوئی اور جانور پایا گیا اور اس کے گرنے کا وقت معلوم نہیں اور وہ پھولا یا پھٹا نہیں تو ایک دن ایک رات سے قبل سے کنویں کو ناپاک کہیں گے اور اگر وہ پھول یا پھٹ گیا ہو تو تین دن تین رات قبل سے کنویں کو ناپاک مانا جائے گا اور اس درمیان میں جتنی نمازیں اس کے پانی سے وضو یا غسل کر کے پڑھی گئی ہیں ان سب کا اعادہ ضروری ہوگا یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ جب متیقن طور پر یہ معلوم نہ ہو جائے کہ جانور کب گرا ہے اس وقت تک کسی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ پچھلی تمام کارروائی پورے یقین واذعان کے ساتھ پانی کو پاک سمجھ کر کی گئی ہے پس یہ یقین گمان لاحق کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب کسی چیز کا حقیقی سبب مخفی ہو تو اس کو ظاہری سبب پر محمول کیا جائے گا اور یہاں جانور کی موت کا ظاہری سبب گو معلوم نہیں لیکن پانی میں گرنا موت کا ظاہری سبب موجود ہے لہذا اس کے مرنے کی نسبت اس طرف کی جائے گی۔ رہی یہ بات کہ ایک دن اور ایک رات اور تین دن اور تین رات کی مقدار کیوں رکھی گئی؟ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ پھولنا اور نہ پھٹنا قریبی زمانہ کی علامت ہے اس لیے ایک دن ایک رات کی مقدار مقرر ہوگی کیونکہ اس سے کم ساعتوں کا انضباط ممکن نہیں اور پھول جانا یا پھٹ جانا بعد وقدامت کی دلیل ہے لہذا اس کی ادنیٰ مدت تین روز مانی جائے گی جیسے اگر کسی مردہ کو بلا نماز پڑھے ہوئے دفن کر دیا جائے تو اس کی قبر پر تین روز تک نماز پڑھ سکتے ہیں تین روز کے بعد نہیں پڑھ سکتے۔ نہر الفائق میں غایۃ البیان سے منقول ہے کہ امام صاحب کا قول احوط ہے در صاحبین کا قول آسان تر۔ فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے لیکن علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اکثر کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ سے نیز امام صاحب کی دلیل مرجح ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا ہے۔ علامہ صباغی امور صلوۃ میں امام صاحب کے قول پر اس کے ماسوا میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

قولہ وغسلوا کل شئی الخ یہ اس وقت ہے جب وضوء یا غسل حدث اصغر یا حدث اکبر کے دور کرنے کے لیے کیا ہو یا کسی چیز کی

نجاست حقیقی دور کرنے کے لیے پانی استعمال کیا ہو اور وضوء یا غسل حدث کے بغیر کیا یا کپڑا نجاست کے بغیر دھویا تو بالا جماع اعادہ ضروری نہیں۔

قولہ وقال ابو یوسف الخ اولاً امام ابو یوسف بھی امام صاحب کے قول سے متفق تھے لیکن ایک آپ نے ایک پرندہ کو دیکھا کہ وہ اپنی چونچ میں ایک مرا ہوا چوہا دبائے ہوئے تھا۔ جب اس کا ایک کنویں پر گزر ہوا تو اس کی چونچ سے چوہا چھوٹ کر کنویں میں گر گیا۔ یہ دیکھ کر آپ نے امام محمد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

وَسُوْرُ الْاٰدَمِیِّ وَمَا یُوکَلُ لَحْمُهٗ طَاهِرٌ وَ سُوْرُ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِیْرِ وَ سِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجَسٌ

آدمی کا اوران جانوروں کا جھوٹا پاک ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور کتے خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے

وَ سُوْرُ الْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وَ سِبَاعِ الطُّیُوْرِ وَمَا یَسْكُنُ فِی الْبُیُوْتِ مِثْلَ

اور بلی اور کوچہ گرد مرغی اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جھوٹا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے

الْحَیَّةِ وَالْفَارَةِ مَكْرُوْهٌ

سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

احکام پس خوردہ جانوران

توضیح اللغۃ سباع۔ جمع سبع' درندہ' البہائم۔ جمع بہیمہ بمعنی چارپایہ' ہرۃ۔ بلی' دجاجۃ۔ مرغی' المخلاۃ۔ چھیڑی' طیور۔ جمع طیر پرندہ' بیوت۔ جمع بیت' بمعنی گھر' حیۃ۔ سانپ' الفارۃ۔ چوہا۔

تشریح الفقہ قولہ و سور الآدمی الخ نفس حیوانات کے پانی میں گرنے سے پانی کے فساد و عدم فساد کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اس چیز کے ذریعہ فساد و عدم فساد کا بیان ہے جو حیوانات سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی سور (پس خوردہ حیوانات اور ان کا جھوٹا) سور کی پانچ قسمیں ہیں۔ ا۔ طاہر بالاتفاق ۲۔ نجس بالاتفاق ۳۔ مختلف فیہ ۴۔ مکروہ ۵۔ مشکوک' سور الآدمی اھ سے قسم اول کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان اور حلال جانوروں کا جھوٹا بالاتفاق پاک ہے کیونکہ اس کے جھوٹے میں لعاب دہن شامل ہوتا ہے جو پاک گوشت سے بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ پیش کیا گیا ہے جس سے آپ نے کچھ نوش فرمایا اور باقی ایک اعرابی کو عنایت فرمایا' جو آپ کے دائیں جانب بیٹھا تھا اس نے کچھ پی کر حضرت ابوبکرؓ کو دیا آدمی میں جنبی' حائضہ' نفاس والی عورت اور کافر سب داخل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں جنبی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ ان المومن لاینجس (بخاری وغیرہ) کہ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بحالت جنابت اپنا جھوٹا پانی آپ کو پیش کرتی تو آپ اسی جگہ سے منہ لگا کر نوش فرما لیتے' جہاں سے میں نے پیا تھا (مسلم وغیرہ) نیز حضرت ثمامہ بن آثال کو اسلام لانے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا' معلوم ہوا کہ کافر بھی ظاہراً ناپاک نہیں ہوتا۔

تنبیہ عموم مذکور کے لیے یہ شرط بھی ہے کہ ان کے منہ میں ظاہری ناپاکی نہ لگ رہی ہوتی کہ اگر شراب پینے یا منہ سے خون نکلنے کے فوراً بعد منہ لگا کر پانی پیا تو جھوٹا ناپاک سمجھا جائے گا۔ ہاں اگر کچھ دیر بعد یا کئی مرتبہ تھوک نگلنے کے بعد پیا تو بقول صحیح ناپاک نہ ہوگا۔ لیکن اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں تو کچھ دیر بعد پینے سے بھی اس کا جھوٹا ناپاک ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسی حالت میں مونچھوں کی تلویث کا احتمال ہے۔

قولہ و سور الکلب الخ قسم دوم کا بیان ہے کہ کتے اور خنزیر کا جھوٹا ناپاک ہے (بعض نے کتے کی بابت امام مالک کا اختلاف ذکر کیا

ہے کہ ان کے یہاں کتے کا جھوٹا پاک ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اذا ولغ الکلب فی اناء احد کم فلیھرقہ و لیغسلہ ثلاث مرات'' کہ کتا جب تمہارے برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو گرا دینا چاہیے اور برتن کو تین مرتبہ دھونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ کتے کی زبان پانی سے لگتی ہے اور جب اس کے منہ ڈالنے سے برتن ناپاک ہو گیا تو پانی بدرجہ اولیٰ ناپاک ہونا چاہیے اور خنزیر کا جھوٹا بھی بالاتفاق ناپاک ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔

قولہ و سباع البھائم الخ قسم سوم کا بیان ہے کہ شیر' بھیڑیئے' چیتے' لومڑی' ہاتھی' بجو وغیرہ درندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ دیگر درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے تالاب کے متعلق دریافت کیا گیا جس پر درندے اور کتے آ کر پانی پیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لھاما اخذت فی بطونھا و مابقی فھولنا شراب و طھور'' (ابن ماجہ' دارقطنی وغیرہ) کہ جو کچھ ان کے پیٹ میں چلا گیا وہ ان کا ہے اور جو باقی رہا وہ ہمارے لیے پاک ہے۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ درندوں کا گوشت چونکہ ناپاک ہے اور لعاب گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے پاکی ناپاکی میں گوشت ہی کا اعتبار کیا جائے گا وہی حدیث سو اس میں کتے کا بھی ذکر موجود ہے جس کا استثناء امام شافعی کرتے ہیں پس روایت میں تائید کے ساتھ ساتھ ان کی تردید بھی موجود ہے۔ پھر صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ امام محمد نے درندوں کے جھوٹے کا ناپاک ہونا ذکر کیا ہے لیکن یہ ذکر نہیں کیا کہ نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ؟ امام صاحب سے منقول ہے کہ نجاست غلیظ ہے اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ نجاست خفیفہ ہے۔

قولہ و سور الھرۃ الخ قسم چہارم کا بیان ہے کہ بلی' آزاد مرغی' سباع طیور جیسے باز' شقرہ' عقاب' چیل' کوے اور گھریلو جانور' سانپ' چوہے وغیرہ کا جھوٹا مکروہ ہے۔ بلی کی بابت یہ قول طرفین کا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''الھرۃ سبع'' (احمد' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ' حاکم) کہ بلی ایک درندہ ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کا منشاء بلی کی تخفیف بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا حکم بیان کرنا مقصود ہے' اس حدیث کی رو سے گو بلی کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے مگر گھروں میں اس کی بکثرت آمد و رفت کی وجہ سے نجاست ساقط ہو گئی' صرف کراہت رہ گئی۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی کا برتن بلی کے سامنے کرتے اور اس کے پینے کے بعد اس سے وضوء فرما لیتے۔ (دارقطنی)

فائدہ بلی کے جھوٹے کی کراہت طرفین کے نزدیک تنزیہی ہے یا تحریمی؟ جامع صغیر میں امام صاحب سے کراہت تنزیہی منقول ہے اور یہی اصح اور آثار کے مطابق ہے' صاحب ہدایہ نے وجہ کراہت کے سلسلہ میں دو رائیں نقل کی ہیں۔ اول یہ کہ کراہت اس کے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے' یہ قول امام طحاوی کا ہے جو تحریم کے قریب ہونے کی طرف مشیر ہے۔ دوم یہ کہ وجہ کراہت بلی کا نجاست اور گندگی سے نہ بچنا ہے' یہ قول امام کرخی کا ہے جس سے کراہت تنزیہی کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ والدجاجۃ المخلاۃ الخ چھٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ گندگی میں آلودہ رہتی ہے۔ ہاں اگر وہ بندھی ہوئی ہو کہ اس کی چونچ اس کے پنجوں تک نہیں پہنچتی تو پھر مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح آلودگی کا خطرہ نہیں رہتا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَسُوْرُ الحِمارِ وَالبَغلِ مشکُوکٌ فانْ لَمْ یجدالانسانُ غیرہٗ توضأبہ وتَیمَّمَ وبایُّھما بدأجاز

اور گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے سو اگر کوئی نہ پائے اس کے علاوہ تو وضو اور تیمم کرے اور ان میں سے جس کو چاہے پہلے کرے

تشریح الفقہ **وسور الحمار** الخ قسم پنجم کا بیان ہے کہ پالتو گدھے اور اس خچر کا جھوٹا جو گدھی کے پیٹ سے پیدا ہو مشکوک ہے۔ ابو طاہر دباس اسی پر اعتراض کرتے ہیں کہ مشکوک کہنا صحیح نہیں کیونکہ احکام خداوندی میں کوئی بھی مشکوک نہیں' پس ان کا جھوٹا پاک ہے۔ اگر اس میں کپڑا ڈوب گیا

تو اس سے نماز جائز ہے البتہ اس میں احتیاط برتی گئی ہے اس لیے وضو اور تیمم ہر دو کا حکم اور بحالت قدرت اس کے استعمال سے منع کیا جاتا ہے مشائخ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشکوک کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا شرعی حکم معلوم نہیں کیونکہ حکم شرعی یعنی استعمال کا ضروری ہونا' نجاست کا منتفی ہونا اور اس کے ساتھ تیمم کو ضم کرنا تو بلاشک معلوم ہے بلکہ شک سے مراد تعارض ادلہ کی بناء پر توقف ہے کہ ان کے گوشت کی اباحت و حرمت میں احادیث مبارکہ متعارض ہیں۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا تھا اور گھوڑے کی گوشت کی اجازت[1] دی تھی اور حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے' گدھے' خچر کے گوشت سے ممانعت فرمائی[2]۔ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے زمانے میں آپ نے بعض کو پالتو گدھے کے گوشت کی اجازت دی تھی' بعض حضرات نے اختلاف صحابہؓ کو وجہ اشکال مانا ہے کیونکہ ابن عمرؓ کی روایت تو سور حمار کے ناپاک ہونے کی ہے اور ابن عباسؓ کی روایت پاک ہونے کی ہے۔ شیخ الاسلام خواہرزادہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں وجہیں قوی نہیں کیونکہ جب محرم اور مبیح کا اجتماع ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ نیز پانی کی طہارت و نجاست میں اختلاف کا ہونا باعث اشکال نہیں۔ جیسے کوئی شخص ایک برتن کے بارے میں اطلاع دے کہ یہ ناپاک ہے اور دوسرا کہے کہ پاک ہے تو ایسی صورت میں دونوں خبریں مستوی ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا' پس اشکال کی بہتر وجہ ضرورت ہے کہ ان جانوروں کو اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھا جاتا ہے اور کونڈوں میں پانی پلایا جاتا ہے اور ضرورت کا تحقق اسقاط نجاست میں مؤثر ہوتا ہے جیسے بلی اور چوہے کے مسئلے میں ہے۔ البتہ گدھے کے بارے میں جو ضرورت ہے وہ اس ضرورت سے کم ہے جو بلی اور چوہے میں ہے اب اگر ضرورت کا تحقق قطعاً نہ ہوتا جیسے کتے اور درندوں میں ہے تب تو بلا اشکال نجاست کا حکم لاگو ہوتا اور یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ نہیں ہے اور موجب طہارت و موجب نجاست ہر دو مستوی ہیں لہٰذا دونوں ساقط ہو کر اصل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور اصل یہاں دو چیزیں ہیں پانی میں طہارت اور لعاب میں نجاست اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولیٰ ہے یا نہیں اس لیے معاملہ مشکل ہو گیا۔ پھر مشکوک فیہ میں بھی دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ خود ایسے پانی کی طہارت میں شبہ ہے کیونکہ اگر یہ پانی پاک ہوتا تو دوسرے پانی میں ملنے کے بعد پانی کے مقابلہ میں مغلوب ہونے کی صورت میں مطہر بھی ہونا چاہیے تھا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے مطہر ہونے میں شبہ ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص گدھے کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کر لے اور بعد میں اس کو مطلق پانی دستیاب ہو تو اس پر سر کا دھونا واجب نہیں۔ اگر اس کے پاک ہونے میں شبہ ہوتا' تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا۔

قولہ و بایہما الخ متوضی اگر ان کے جھوٹے پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ پائے تو وضو اور تیمم دونوں کو جمع کر لے اور جس کو چاہے پہلے کرے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ پہلے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ پانی واجب الاستعمال ہے لہٰذا مطلق پانی کے مشابہ ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے مطہر چونکہ صرف ایک ہے اس لیے دونوں کا جمع کرنا مفید ہوگا۔ نہ کہ ترتیب۔

بابُ التَّیَمُّم

باب تیمم کے بیان میں

قولہ باب الخ تیمم چونکہ وضو کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے مصنف نے وضوء کے بیان سے فارغ ہو کر تیمم کا بیان شروع کیا ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوتا ہے۔ پھر اس میں کلام اللہ کی اتباع بھی ہے۔ کیونکہ کلام الٰہی میں پہلے وضوء کا بیان ہے پھر غسل کا' اس کے بعد تیمم کا لغت میں تیمم کے معنی مطلق قصد اور ارادے کے ہیں۔ قال تعالیٰ "ولاتیمموا الخبیث" شرعاً بہ نیت تقرب پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں

---

[1] شیخین ۱۲۔ [2] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ ۱۲۔

ہاتھوں کے مسح کرنے کو کہتے ہیں صحیح اور متفق علیہ تعریف یہی ہے' ارکان وشروط تیمم کا مفصل بیان تو آگے آ رہا ہے یہاں اجمالی طور پر معلوم کر لینا چاہیے۔ سو تیمم کے دو رکن ہیں۔ ا۔ دو مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا۔ ۲۔ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا پورے طور پر استیعاب۔ اور چھ شرطیں ہیں۔ ا۔ نیت ۲۔ مسح ۳۔ کم از کم تین انگلیوں سے تیمم کرنا ۴۔ مٹی یا اس کے مثل ہونا ۵۔ زمین وغیرہ کا مطہر ہونا ۶۔ پانی کا نہ ملنا یا نقصان دہ ہونا' ابن وہبان نے شرط اسلام کا بھی اضافہ کیا ہے۔ نیز حیض ونفاس کا منقطع ہونا اور چہرہ اور ہاتھوں پر چربی وغیرہ کا نہ ہونا بھی شرط ہے جو مانع تیمم ہوں' اور آٹھ سنتیں ہیں۔ ا۔ شروع میں بسم اللہ پڑھنا ۲۔ دونوں ہتھیلیوں کے اندرونی حصہ کو زمین پر مارنا ۳۔ اور ان کو زمین پر رکھ کر آگے کی طرف کھینچنا ۴۔ پھر ان کو زمین پر رکھے ہوئے لوٹانا ۵۔ پھر ان کا جھاڑنا' تا کہ زائد مٹی جھڑ جائے ورنہ مثلہ ہو جائے گا ۶۔ انگلیاں کشادہ کر کے زمین پر مارنا' تا کہ اگر غبار ہو تو اس کے درمیان میں آ جائے ۷۔ ترتیب قائم رکھنا یعنی اول چہرہ' پھر داہنے ہاتھ' پھر بائیں ہاتھ پر مسح کرنا ۸۔ مسح میں اس طرح تسلسل رکھنا کہ اگر پانی سے اعضاء دھوئے جاتے تو اتنی دیر میں پہلا عضو خشک نہ ہونے پاتا۔ یہ تمام چیزیں اس قطعہ میں منظوم ہیں۔

والا سلام شرط عذر و ضرب و نية
و مسح و تعميم صعيد مطهر
و سنة سمى وبطن وفرج
و نفض و رتب و آل اقبل و تدبر

فائدہ مشروعیت تیمم امت محمدیہ کے خواص میں سے ہے۔ ارشاد نبوی ہے ''جعلت لی الارض مسجداً و طھوراً'' یعنی روئے زمین کو خاص طور پر ہمارے لیے مسجد اور ذریعہ طہارت بنایا گیا ہے۔ اس کی مشروعیت غزوہ مریسیع میں ہوئی' حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے فرمایا اس میں نماز کا وقت ہو گیا' پانی موجود نہ تھا' بعض لوگوں نے اس پریشان کن حال کی شکایت صدیق اکبرؓ سے کی کہ آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کو زحمت انتظار گوارا کرنی پڑی۔ صدیق اکبرؓ نے بیٹی کو برا بھلا کہا کہ تیری وجہ سے ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے اس پر آیت تیمم نازل ہوئی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اَوْخَارِجَ الْمِصْرِ وَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْمِصْرِ نَحْوُالْمِيْلِ اَوْ اَكْثَرَ اَوْكَانَ

جو شخص پانی نہ پائے اور وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس کے شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد ہو یا پانی

يَجِدُالْمَاءَ اِلَّا اَنَّهُ مَرِيْضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اشْتَدَّ مَرَضُهُ اَوْخَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ

تو پاتا ہو لیکن وہ بیمار ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر پانی استعمال کیا تو مرض بڑھ جائے گا یا جنبی کو اندیشہ ہو کہ اگر پانی کا استعمال کیا

يَقْتُلُهُ الْبَرْدُاَوْ يُمْرِضُهُ فَاِنَّهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ

تو اس کو سردی مار ڈالے گی یا بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے

تشریح الفقہ قوله و من لم يجد الماء الخ جو شخص سفر میں ہونے کی وجہ سے یا شہر سے باہر ہونے کی وجہ سے پانی نہ پائے اور حال یہ کہ اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا اس سے زائد کا فاصلہ ہو' پانی تو پاتا ہے مگر مریض ہونے کی وجہ سے پانی استعمال کرنے کی صورت میں بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہے یا جنبی کو غسل کرنے کی صورت میں ٹھنڈک کی بناء پر مر جانے یا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمم کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيداً طيباً'' کہ اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' التراب طهور المسلم ولو الى عشر حجج مالم يجد الماء'' کہ مٹی مسلمان کے لیے پاکی کا ذریعہ ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔

قولہ و ھو مسافر الخ سوال حق تعالیٰ نے آیت ''وان کنتم مرضی اوعلی سفر اھ ''میں بیمار کو مسافر پر مقدم کیا ہے۔ پھر صاحب کتاب نے اس کا عکس کیوں کیا؟ مع ان کلام اللہ تعالیٰ احق ان یتبع ۔ جواب ۔ اس لیے کہ بیماری کی بہ نسبت مسافر کے ذکر کی ضرورت زیادہ ہے۔ کیونکہ سفر کا وقوع اعم واغلب ہے اور آیت میں بیمار کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا نزول بیان رخصت کے لیے ہے اور رخصت کا مشروع ہونا بندوں کے لیے خاص رحمت ہے اور رحمت کا زیادہ مستحق بیمار ہے۔

قولہ او خارج المصر الخ ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے تقدیر عبارت یوں ہے اوفی خارج المصرای فی مکان خارج المصر پھر شہر سے باہر ہونا عام ہے برائے تجارت ہو یا برائے کاشتکاری یا اس کے علاوہ۔ صاحب کتاب نے اس قول سے یہ بتایا ہے کہ شہر میں رہتے ہوئے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز نہیں بجز تین صورتوں کے جو اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی نماز جنازہ یا نماز عیدین کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو یا جنبی کو ٹھنڈک کی بناء پر بیمار ہو جانے کا خطرہ ہو۔ شیخ سلمی سے شہر میں رہتے ہوئے پانی نہ ملنے کی حالت میں بہرصورت تیمم کا جواز منقول ہے لیکن صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

قولہ نحو المیل الخ قرآن پاک میں پانی کی غیر موجودگی کو شرط نہیں فرمایا۔ بلکہ مشکل سے دستیاب ہونے کو شرط قرار دیا ہے جس کا معیار اکثر علماء کے نزدیک کم از کم ایک میل کی دوری قرار دی گئی ہے۔ بعض نے اتنی دوری کا اعتبار کیا ہے جہاں اذان کی آواز سن سکے۔ بعض نے کہا ہے کہ چلانے سے جہاں تک آواز پہنچے اتنی دوری کا اعتبار ہے اور بعض کے نزدیک بجانب سفر دو میل کی دوری ضروری ہے اور بعض نے ہر طرف دو میل کی دوری کہا ہے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر پانی اتنی دور ہو کہ اس کی تلاش میں قافلہ اور رفقاء سفر نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے جس سے جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس مسافت کو دور سمجھا جائے گا اور تیمم جائز ہوگا۔ صاحب ذخیرہ کہتے ہیں ''وہذا احسن جدا'' امام زفر کے نزدیک نماز جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تب بھی تیمم جائز ہے اگر چہ پانی میل سے کم دوری پر ہو لیکن صاحب ہدایہ نے ''دو ن خوف الفوت ''کہہ کر اس کو رد کر دیا ہے کیونکہ اس صورت میں تو کوتاہی خود اس کی جانب سے ہے۔ اس لیے معذور سمجھ کر تیمم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

فائدہ میل کے سلسلہ میں معتبر قول ابوالعباس احمد شہاب الدین بن ہاشم کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ایک میل ایک ہزار باع کا اور ایک باع چار گز کا اور ایک گز چوبیس انگل کا اور انگل چھ جو کا (اس طرح کہ ایک جو کی پیٹھ دوسرے جو کے پیٹ سے ملی ہو) اور جو خچر کے چھ بالوں کا ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایک میل تہائی فرسخ کا ہوتا ہے۔ جس کی مقدار چار ہزار گز ہے۔ بعض حضرات نے کل مسافتوں کو ان اشعار میں جمع کیا ہے

ان البرید من الفراسخ اربع
ولفرسخ فثلاث امیال ضعوا
والمیل الف ای من الباعات قل
والباع اربع اذرع تتبع
ثم الذراع من الاصابع اربع
من بعد ھا العشرون ثم الاصبع
ست شعیرات فظھر شعیرۃ
منھا الی بطن لاخرے توضع
ثم الشعیرۃ ست شعرات فقل

من شعر بغل لیس فیها مدفع

قوله الا انه مریض الخ مریض کی تین حالتیں ہیں۔اول یہ کہ اس کو پانی کا استعمال نقصان دہ ہو جیسے چیچک یا بخار کا مریض اس کے لیے بالا جماع تیمم جائز ہے۔دوم یہ کہ پانی تو مضر نہ ہو لیکن حرکت کرنا مضر ہو۔جیسے دستوں کا مریض یا عرق مدنی کا بیمار جس کو رشتہ کی بیماری کہتے ہیں۔اس صورت میں اگر اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو۔تب بھی بالا جماع تیمم جائز ہے اور اگر کوئی مددگار ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز ہے خواہ مددگار اس کے ماتحت لوگ ہوں۔جیسے نوکر،خادم،اولاد یا کوئی اور ہو۔صاحبین کے نزدیک اس صورت میں جائز نہیں۔(تاسیس) لیکن محیط میں ہے کہ اگر مددگار اس کا ماتحت ہو تو بالا جماع تیمم جائز نہیں ہے۔سوم یہ کہ مریض وضوء پر قادر نہ ہو نہ بذات خود اور نہ کسی دوسرے کی مدد سے اس صورت میں بعض کا قول بقیاس قول ابی حنیفہ یہ ہے کہ جب تک کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے اس وقت تک نماز نہ پڑھے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ بطریق تشبہ بالمصلین نماز پڑھے اور قدرت کے بعد اعادہ کرے۔امام محمد کا قول اس سلسلہ میں مضطرب ہے۔چنانچہ روایت زیادات میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور ابو سلیمان کی روایت میں امام ابو یوسف کے ساتھ۔

قوله اشتد مرضه الخ داؤد ظاہری وغیرہ معمولی شکایت میں بھی تیمم کی اجازت دیتے ہیں لیکن ہمارے یہاں مطلق بیماری مبیح تیمم نہیں بلکہ حرج کے درجہ پر ہونا ضروری ہے۔امام شافعی جواز تیمم کے لیے ہلاکت یا کسی عضو کے تلف ہونے کی شرط لگاتے ہیں لیکن ظاہر نص ''وان کنتم مرضی'' سے اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ اس میں یہ قید نہیں ہے۔سوال نص میں مرض کے امتداد و اشتداد کی قید بھی نہیں ہے۔پھر احناف یہ قید کہاں سے لگاتے ہیں؟ جواب۔آخر آیت میں ہے ''مایرید الله لیجعل علیکم من حرج'' اس سے معلوم ہوا کہ جواز تیمم کی غرض دفع حرج ہے اور امتداد یا اشتداد میں حرج ظاہر ہے اور بقول علامہ عینی امام شافعی کا قول قدیم اور صحیح و مشہور ہمارے موافق ہی ہے۔شرح الوجیز میں ہے کہ عام اصحاب کا اور امام ابو حنیفہ و مالک کا قول بھی یہی ہے اور حلیہ میں اسی کو اصح کہا ہے۔

وَالتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ يَمْسَحُ بِاِحْدٰهُمَا وَجْهَهٗ وَ بِالْاُخْرٰى يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ

اور تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک کو اپنے منہ پر ملے اور دوسری کو دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک

تشریح الفقه **قوله والتیمم ضربتان الخ** تیمم کرتے وقت زمین پر ہاتھ ایک مرتبہ مارے یا دو مرتبہ یا اس سے زائد؟ شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادة میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں بعض میں مطلق ضرب ہے اور بعض میں ضربة واحدة ہے چنانچہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت جو صحیحین میں کئی طریقوں سے مروی ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت جو صحیحین و سنن میں مروی ہے اس میں صرف ایک ہی کا ذکر ہے نیز بعض میں کفین مذکور ہے اور بعض میں یدین الی المرفقین اور بعض میں مطلق یدین اسی اختلاف کی وجہ سے ائمہ کے اقوال بھی مختلف ہیں چنانچہ امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ صرف ایک ضرب کافی ہے ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ چہرہ پر اور دوسری دفعہ پنجوں تک ہاتھوں پر ملنا چاہیے۔ابن عبد البر مالکی کی رائے یہ ہے کہ پنجوں تک فرض اور کہنیوں تک ہاتھ پھیرنا مختار ہے۔مغنی میں ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک ایک ضرب مسنون اور دو ضربیں کافی ہیں اور بقول قاضی دو ضربیں کمال میں داخل ہیں۔حضرت ابن سیرین دو ضربوں کے قائل تھے ایک چہرہ کے لیے ایک یدین کے لیے اور ایک ان دونوں کے لیے لیکن اکثر علماء اور احناف کے نزدیک مختار دو ضربیں ہیں۔کیونکہ حضرت جابر سے روایت ہے ''عن النبی صلی الله علیه وسلم قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعین الی المرفقین'' (حاکم، طبرانی، دار قطنی) حاکم نے اس کو صحیح الاسناد اور دار قطنی نے اس کے تمام رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ابن جوزی کہتے ہیں کہ اس کے راوی عثمان بن محمد الانماطی کے متعلق کلام کیا گیا ہے لیکن صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ یہ جرح مقبول نہیں کیونکہ اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے متعلق کس نے کلام کیا ہے جب کہ ابن ابی حاتم نے اس کو بلا جرح ذکر کیا ہے اور ابن عبد البر نے تقریب میں اس کو مقبول اور بلوغ المرام میں اس کی اسناد کو حسن کہا ہے

ابوداؤد اور ابوبکر بن ابی عاصم نے اس سے روایت کی ہے۔

تنبیہ فقہ کی اکثر کتابوں میں ضرب کا ذکر واقع ہے اور اصل یعنی مبسوط میں وضع مذکور ہے نہ کہ ضرب اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضرب تیمم کا رکن ہے یا نہیں۔ ابوسعید ابن شجاع کہتے ہیں کہ تیمم کا رکن ہے یہاں تک کہ اگر ضرب کے بعد اور تیمم سے پہلے کسی کو حدث پیش آ گیا یا اس نے ضرب کے بعد نیت کی تو اس سے تیمّم درست نہیں' اور یہ ایسا سمجھا جائے گا جیسے وضو میں بعض اعضاء کے دھونے کے بعد حدث پیش آ جائے کہ یہ دھونا کالعدم ہوتا ہے۔ امام اسیجابی کہتے ہیں کہ ضرب رکن نہیں ہے اور صورت مذکورہ میں تیمّم جائز ہے اور ایسا ہو جائے گا جیسے ہاتھ میں پانی لینے کے بعد استعمال کرنے سے پہلے حدث پیش آ جائے لیکن غایۃ البیان اور فتح القدیر کے بیان کے مطابق تحقیق یہ ہے کہ تیمّم میں بنظر دلیل ضرب کا اعتبار نہیں اس واسطے کہ قرآن پاک میں صرف مسح کا حکم ہے اور حدیث میں جو ضرب کا ذکر ہے وہ اکثری عادت کے طریقہ پر ہے۔

قولہ الی المرفقین الخ اس قید کے ذریعہ امام زہری کے قول سے احتراز ہے کہ وہ منکبین تک مسح کے قائل ہیں اور امام مالک کے قول سے بھی احتراز ہے کہ وہ نصف ذراعین تک مسح کو کافی سمجھتے ہیں۔ پھر بعض نسخوں میں استیعاب کے شرط ہونے کی تصریح ہے اور یہی صحیح ہے۔ امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ استیعاب شرط نہیں بلکہ اگر اکثر حصہ پر مسح ہو گیا تو کافی ہے۔ وفی الھدایۃ لابدمن الاستیعاب فی ظاھر الروایۃ لقیامہ مقام الوضوء) (الجوھرۃ)

وَالتَّیَمُّمُ	فِی	الْجَنَابَۃِ	وَالْحَدَثِ	سَوَاءٌ	وَّ	یَجُوْزُالتَّیَمُّمُ	عِنْدَاَبِیْ	حَنِیْفَۃَ	وَ	مُحَمَّدٍ	رحمَھُمَا	اللّٰہُ
اور تیمم	جنابت میں	اور حدث میں	یکساں ہے	اور جائز ہے تیمم	امام ابوحنیفہ	اور امام محمدؒ	کے نزدیک					

بِکُلِّ	ما	کَانَ	مِنْ	جِنْسِ	الْاَرْضِ	کَالتُّرَابِ	وَالرَّمْلِ	وَالْحَجَرِ	وَالْجِصِّ	وَالنَّوْرَۃِ	وَالْکُحْلِ	وَالزَّرْنِیْخِ
ہر اس	چیز	سے	جو	زمین کی	جنس سے ہو	جیسے مٹی	ریت	پتھر	گچ	چونہ	سرمہ	ہڑتال

وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا یَجُوْزُ اِلَّا بِالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ خَاصَّۃً وَّالنِّیَّۃُ فَرْضٌ فِی التَّیَمُّمِ وَ مُسْتَحَبَّۃٌ فِی الْوُضُوْءِ
امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص کر اور نیت فرض ہے تیمم میں اور مستحب ہے وضوء میں

تشریح الفقہ قولہ والتیمم فی الجنابۃ الخ اور تیمّم حدث وتیمّم جنابت فعل ونیت ہر دو اعتبار سے برابر ہے اور حیض ونفاس جنابت کے ساتھ ملحق ہیں۔ شیخ ابوبکر رازی کے نزدیک نیت کے ذریعہ ممتاز کرنا ضروری ہے کہ تیمّم حدث کی اور تیمّم جنابت میں رفع جنابت کی نیت کرے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت نہیں چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک قوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''انا قوم نسکن ھذہ الرمال ولم نجد الماء شھرا او شھرین و فینا الجنب والحائض والنفساء فقال علیکم بارضکم'' (احمد' بیہقی' ابن راہویہ' ابویعلیٰ' طبرانی عن ابی ہریرۃ) کہ یا رسول اللہ! ہم ریگستان کے رہنے والے ایک ایک دو دو مہینے پانی نہیں پاتے اور اس اثناء میں ہم میں حیض و نفاس اور جنابت والے بھی ہوتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں زمین سے ضرورت پوری کرنی چاہیے۔

قولہ ویجوز التیمم الخ طرفین کے نزدیک ہر ایسی چیز سے تیمم جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو یعنی وہ آگ میں نہ جلے اور پانی میں نہ گلے۔ جیسے مٹی ریت' پتھر' یونا وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ نہ جلے نہ پگھلے۔ پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں اور جو چیزیں جل کر راکھ ہو جائیں جیسے لکڑی اور گھاس وغیرہ یا پگھل کر نرم ہو جائیں جیسے لوہا' تانبہ' پیتل' سونا' چاندی وغیرہ تو یہ زمین کی جنس سے نہیں ہیں چونا اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس سے تیمّم کی اجا۔ ت ہے۔ امام ابو یوسف کے دو قول ہیں۔ اول تو انہوں نے مٹی اور ریت دونوں سے جواز مانا تھا لیکن بقول معلیٰ ان کا آخری قول صرف خالص مٹی کا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف اگانے والی مٹی سے جائز ہے کیونکہ آیت ''فتیمموا صعیدا طیبا'' کی تفسیر حضرت ابن

عباسؓ نے یہی کی ہے۔ جواب یہ ہے کہ صعید کے معنی روئے زمین کے ہیں یعنی بالائی حصہ اصمعی ،خلیل، ثعلب، ابن الاعرابی سے یہی منقول ہے۔ زجاج نحوی 'معانی القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ صعید کے معنی زمین کے بالائی حصہ کے ہیں مٹی ہو یا ریت یا پتھر۔ ائمہ لغت میں سے کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا' اور لفظ طیب میں صاف ستھرے' حلال' اگانے سب معانی کا احتمال ہے لیکن یہاں بقول ابواسحٰق اکثر کے نزدیک قرینہ مقالیہ کی وجہ سے اس کے معنی طاہر اور پاک کے ہیں' رہے اگانے کے معنی سو اول تو یہ اس مقام کے مناسب نہیں۔ دوم یہ کہ بقول اصح خود امام شافعی کے نزدیک اس کی شرط نہیں کیونکہ پاک مٹی سے تیمم جائز ہے گو اگانے والی نہ ہو اور ناپاک سے جائز نہیں گو اگانے والی ہو۔

قوله فرض فی التیمم الخ امام زفر کے نزدیک فرض نہیں کیونکہ تیمم وضو کا خلیفہ ہے۔ **فلا یخالفه فی وصفه**۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تیمم کے معنی ہی قصد و ارادہ کے ہیں لہذا بغیر قصد و نیت کے اس کا تحقق نہیں ہو سکتا اور شرعی معنی میں اس ذاتی جزء کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَ يَنْقُضُهُ اَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَا قَدَرَ عَلٰى اِسْتِعْمَالِهٖ وَلَا يَجُوْزُ

اور توڑتی ہے تیمم کو ہر وہ چیز جو توڑتی ہے وضوء کو اور نیز پانی کو دیکھ لینا جبکہ اس کے استعمال پر قادر ہو اور نہیں جائز

التَّيَمُّمُ اِلَّا بِصَعِيْدٍ طَاهِرٍ وَّيُسْتَحَبُّ لِمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَ هُوَ يَرْجُوْ اَنْ يَّجِدَهٗ فِيْ اٰخِرِ الْوَقْتِ

ہے تیمم مگر پاک مٹی سے اور مستحب ہے اس کے لئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو پانی ملنے کی آخر وقت میں

اَنْ يُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰى اٰخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَّجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّأَ وَ صَلّٰى وَ اِلَّا تَيَمَّمَ

یہ کہ مؤخر کرے نماز کو آخر وقت تک پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرے

نواقض تیمّم کا بیان

تشریح الفقہ **قوله و ینقض التیمم** الخ جو چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں وہ تیمم کو بھی توڑ دیتی ہیں کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے تو اس کا حکم بھی اسی جیسا ہوگا اور اتنے پانی (کے استعمال) پر قادر ہو جانا بھی تیمم کو توڑ دیتا ہے جو اس کی ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو اور وضوء کے لیے کافی ہو۔ کیونکہ پانی کی موجودگی جو مٹی کی پاکی کے لیے غایت قرار دی گئی ہے اس سے مراد حصول قدرت ہے۔

تنبیہ صاحب کتاب' صاحب کنز' صاحب وقایہ نے یہ کہا ہے کہ ناقض تیمم ناقض وضوء ہے حالانکہ تیمم کبھی وضو کا ہوتا ہے کبھی جنابت کا کبھی حیض و نفاس کا اسی لیے صاحب تنویر الابصار و شارح نقایہ نے کہا ہے ''**ناقضه ناقض الاصل**'' اور یہی بہتر ہے اس واسطے کہ جو ناقض غسل ہے وہ ناقض وضوء ضرور ہے لیکن ہر ناقض وضو ناقض غسل نہیں پس اگر وضوء کا تیمم ہو تو ایک لوٹا پانی ملنے سے ٹوٹ جائے گا۔ لیکن غسل کا تیمم اتنے پانی سے نہیں ٹوٹے گا اسی طرح ریح خارج ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے وضوء کا تیمم بھی ٹوٹ جائے گا اس سے چونکہ غسل نہیں ٹوٹتا تو غسل کا تیمم بھی اس سے نہ ٹوٹے گا ہاں احتلام یا جماع سے دونوں تیمم ٹوٹ جائیں گے۔

قوله روية الماء الخ پانی کا دیکھنا درحقیقت ناقض نہیں ہے کیونکہ یہ خروج نجاست نہیں ہے بلکہ ناقض درحقیقت حدث سابق ہے۔ لیکن ناقض کا عمل چونکہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے اس لیے مجازاً رویت ماء کی طرف ناقض ہونے کی نسبت کر دی گئی ہے۔ پھر لفظ رویت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا پانی دیکھتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا پانی کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ عام ہے نماز کے اندر قادر ہو یا نماز سے باہر بہر حال تیمم ٹوٹ جائے گا لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز کے درمیان قادر ہونا معتبر نہیں ہے۔ تیمم بحالہ باقی رہے گا بقول بغوی اکثر علماء کا یہی قول

ہے۔

قولہ ویستحب الخ جس کے پاس پانی نہ ہو لیکن ملنے کی امید ہو تو اس کو آخر وقت تک انتظار کرنا مستحب ہے اگر پانی مل جائے تو وضوء کر لے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے تاکہ نماز کی ادائیگی کمال طہارت کے ساتھ ہو جائے۔ صاحب کتاب استحباب ہی کے قائل ہیں۔ شیخین سے غیر اصول کی روایت یہ ہے کہ تاخیر واجب ہے کیونکہ غالب رائے کا حکم متیقن جیسا ہوتا ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے۔ اس لیے اس کا حکم زائل نہیں ہونا چاہیے تاوقتیکہ اسی کی برابر یقین حاصل نہ ہو۔

قولہ ان یؤخر الصلوۃ الخ یہ اطلاق نماز مغرب کو بھی شامل ہے پس اس کو غیبوبت شفق تک مؤخر کرے اکثر کی رائے یہی ہے پھر آخر وقت سے مراد آخر وقت جواز ہے یا آخر وقت استحباب؟ خجندی کہتے ہیں کہ آخر وقت جواز تک مؤخر کرے لیکن صحیح یہ ہے کہ آخر وقت استحباب تک مؤخر کرے۔

وَيُصَلِّيْ بِتَيَمُّمِهٖ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ لِلصَّحِيْحِ الْمُقِيْمِ فِي الْمِصْرِاذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ

اور پڑھے تیمم سے جو چاہے فرائض و نوافل میں سے۔ اور جائز ہے تیمم تندرست مقیم کے لئے جب آ جائے کوئی جنازہ

وَالْوَلِيُّ غَيْرُهٗ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَّفُوْتَهٗ صَلٰوةُ الْجَنَازَةِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَ يُصَلِّي وَ

اور ولی کوئی اور ہو پس اندیشہ ہو کہ اگر وضوء میں مشغول ہو گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور

كَذٰلِكَ مَنْ حَضَرَا الْعِيْدَ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَّفُوْتَهُ الْعِيْدُوَاِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَالْجُمُعَةَ

اسی طرح وہ شخص جو نماز عید کے لئے آیا اور اس کو اندیشہ ہوا کہ وضوء میں مشغول ہونے سے نماز عید جاتی رہے گی۔ اگر اندیشہ ہو جمعہ کے لئے آنے والے کو

اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ تَفُوْتَهُ الْجُمُعَةُ تَوَضَّأَ فَاِنْ اَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا وَاِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ اَرْبَعًا

کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے پس اگر جمعہ مل جائے تو پڑھ لے ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے

وَ كَذٰلِكَ اِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ اِنْ تَوَضَّأَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّهٗ يَتَوَضَّأُ وَ يُصَلِّيْ فَائِتَتَهٗ

اسی طرح اگر وقت تنگ ہو اور اندیشہ ہو کہ وضوء کرنے سے وقت نکل جائے گا تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کر کے اپنی قضا نماز پڑھ لے

تشریح الفقہ قولہ و یصلی بتممہ الخ ایک تیمم سے متعدد فرائض و نفل، وقتی و غیر وقتی ادا ہو سکتے ہیں۔ بتصریح نووی ابن عباس، ابن المسیب، نخعی، بصری، مزنی کا یہی قول ہے۔ امام شافعی ہر فرض کے لیے علیحدہ تیمم کے قائل ہیں البتہ سنتوں کو فرائض کے تابع مانتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تیمم طہارت ضرور یہ ہے اور دو فرضوں کے لیے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھنا سنت ہے'' (دارقطنی، طبرانی) ہمارے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ لہذا یہ وضوء جیسا عمل کرے گا۔ نیز حدیث گزر چکی کہ ''پاک مٹی مسلمان کے لیے وضوء کا کام دیتی ہے خواہ دس سال پانی نہ ملے'' (صحاح وسنن) اور روایت مذکورہ میں دو طرح سے کلام ہے۔ ایک یہ کہ اسناد میں حسن بن عمارہ ہے جس کو شعبہ، احمد، سفیان، نسائی، دارقطنی، ابن معین، ابن المدینی، ساجی، جرجانی وغیرہ نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں صرف سنت کا بیان ہے۔

قولہ للصحیح المقیم الخ اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے کیونکہ اس کی قضا نہیں ہوتی مگر یہ اس وقت ہے جب ولی جنازہ کوئی اور ہو کیونکہ ولی جنازہ کے لیے اعادہ نماز کا حق ہوتا ہے لہذا اس کے حق میں نماز فوت نہیں سمجھی جائے گی نیز وضو میں مشغول ہونے سے اگر نماز عید چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ تب بھی تیمم کی اجازت ہے کیونکہ نماز عید کی بھی قضا نہیں ہے۔ لیکن نماز جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے

کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا بدل موجود ہے یعنی نماز جمعہ کا بدل ظہر اور وقتی نماز کا بدل اس کی قضا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْمُسَافِرُ اِذَا نَسِیَ الْمَاءَ فِیْ رَحْلِہٖ فَتَیَمَّمَ وَ صَلّٰی ثُمَّ ذَکَرَ الْمَاءَ فِی الْوَقْتِ لَمْ یُعِدْ صَلٰوتَہٗ عِنْدَاَبِیْ
مسافر جب بھول گیا پانی اپنے اسباب میں رکھ کر اور تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو نماز نہ لوٹائے

حَنِیْفَۃَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ یُعِیْدُ وَلَیْسَ عَلَی الْمُتَیَمِّمِ اِذَا لَمْ یَغْلِبْ عَلٰی ظَنِّہٖ اَنَّ بقربہ
طرفین کے نزدیک امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لوٹائے تیمم کرنے والے پر ضروری نہیں جب کہ قریب میں پانی ہونے کا غالب گمان

مَاءً اَنْ یَّطْلُبَ الْمَاءَ وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی ظَنِّہٖ اَنَّ ھُنَاکَ مَاءً یَجُزْلَہٗ اَنْ یَّتَیَمَّمَ حَتّٰی یَطْلُبَہٗ وَ اِنْ
نہ ہو پانی تلاش کرنا اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہے تو تیمم کرنا جائز نہیں جب تک کہ تلاش نہ کرے اگر

کَانَ مَعَ رَفِیْقِہٖ مَاءٌ طَلَبَہٗ مِنْہُ قَبْلَ اَنْ یَّتَیَمَّمَ فَاِنْ مَنَعَہٗ مِنْہُ تَیَمَّمَ وَ صَلّٰی۔
اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو اس سے مانگ لے تیمم کرنے سے پہلے پس اگر وہ نہ دے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے

تشریح الفقہ قولہ والمسافر الخ اگر مسافر اپنے کجاوہ میں پانی بھول جائے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لینے کے بعد پانی یاد آئے تو طرفین کے نزدیک نماز دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جب تک یادداشت اور علم نہ ہو تو پانی پر قدرت شمار نہیں کی جاسکتی اور پانی کی موجودگی کا مطلب اس پر قدرت کا ہونا ہی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی نماز لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ جب پانی موجود ہے تو پھر تیمم کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

فائدہ صاحب کتاب نے یہاں چند قیدیں ذکر کی ہیں۔ ۱۔ مسافر۔ جامع صغیر میں اس کی قید نہیں ہے بلکہ ہر بھولنے والے کا یہی حکم ہے۔ شرح فخر الاسلام میں بھی ایسا ہی ہے ممکن ہے کہ اصل میں تو یہ حکم مسافر کے لیے ہو لیکن غیر مسافر کو اسی حکم میں لاحق کر دیا گیا ہو یا یہ قید بنظر غالب ہو کہ عموماً پانی مسافر ہی ساتھ رکھتا ہے۔ ۲۔ نسیان کیونکہ اگر مسافر نے یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو چکا ہے، تیمم کرلیا تو بالا جماع نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ ۳۔ فی رحلہ۔ کیونکہ اگر پانی کا مشکیزہ پیٹھ پر لدا ہو یا گردن میں لٹکا ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو یہ بالا جماع جائز نہیں ہے لانہ نسی ما لاینسی۔ ۴۔ ذکر الماء فی الوقت۔ کیونکہ اگر عین نماز میں یاد آ گیا تو نماز کو ختم کر کے اعادہ کرنا ضروری ہے۔

قولہ و لیس علی المتیمم الخ اگر نمازی کا غالب گمان یہ ہو کہ یہاں پانی ہوگا تو پانی تلاش کئے بغیر تیمم کرنا جائز نہیں اور اگر غالب گمان ہو تو طلب کرنا ضروری نہیں۔ اب کتنی دور تک تلاش کرے؟ سو ہدایہ، کنز وغیرہ میں ہے کہ ایک غلوہ کی مقدار تک پانی تلاش کرلے۔ غلوہ بقول ظہیر چار سو گز فاصلہ کی مقدار کو کہتے ہیں اور بقول حلبی تین سو گز کی مقدار ہے (ذخیرہ، مغرب) بعض نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جتنی دور تک تیر جائے وہ غلوہ کی مقدار ہے (تبیین) بدائع میں لکھا ہے کہ اتنی دور تک تلاش کرنا اصح ہے کہ اس کا اپنا نقصان بھی نہ ہو اور ساتھیوں کو زحمت انتظار نہ ہو۔

قولہ وان کان مع رفیقہ الخ اگر ساتھی کے پاس پانی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک پانی مانگنا واجب ہے اگر وہ نہ دے تو تیمم کرلے۔ عینی نے تجرید سے نقل کیا ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا طرفین کے نزدیک واجب نہیں ہے۔ حسن بن زیاد کا قول اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ باحیا اور غیرت مند شخص کو مانگنا بالخصوص معمولی چیز کا سوال کرنا ناگوار ہوتا ہے، یہ بھی یاد رہے کہ ساتھی سے مانگنا اس وقت واجب ہے جب دے دینے کا گمان غالب ہو ورنہ مانگنا واجب نہیں۔

بَابُ الْمَسحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

باب موزوں پر مسح کے بیان میں

قولہ باب المسح الخ صاحب کتاب تیمم کے بعد موزوں کے مسح کو ذکر فرما رہے ہیں اس واسطے کہ یہ دونوں طہارت مسح ہیں نیز تیمم خلف عن الکل ہے اور مسح خلف عن البعض یعنی تیمم وضوء کا بدل ہے اور موزوں پر مسح کرنا پاؤں دھونے کا بدل ہے لیکن مصنف نے تیمم کو مسح خفین پر مقدم کیا ہے کیونکہ تیمم کا ثبوت قرآن کریم سے ہے اور موزوں پر مسح کا ثبوت احادیث متواترہ و اخبار مشہورہ سے ہے۔

فائدہ مسح علی الخفین امت محمدیہ کے خصائص میں سے ہے جس کی مشروعیت سنت نبویہ سے ثابت ہے اور اس بارے میں روایات مشہور ہیں اور اس درجہ تک مشہور ہیں کہ بقول صاحب متخلص ان کے ذریعہ سے زیادۃ علی الکتاب جائز ہے۔ مبسوط میں امام اعظم کا قول موجود ہے کہ جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں کے مسح پر دلائل قائم نہیں ہوگئے اس وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا۔ امام احمد سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں مسح علی الخفین کی بابت ذرا بھی کھٹک نہیں ہے کیونکہ اس کی بابت چالیس اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے احادیث مروی ہیں۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین اکتالیس صحابہ سے مروی ہے۔ اشراق میں حسن بصری سے منقول ہے کہ ستر صحابہ نے مجھ سے روایت نقل کی ہے۔ بدائع میں حسن سے منقول ہے کہ میں نے ستر بدری صحابہؓ کو مسح خفین کا قائل پایا ہے۔ سراجی، عینی، فتح القدیر میں روایت کرنے والے صحابہؓ کی ایک کثیر جماعت کے نام مذکور ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ میں نے ۶۷ صحابہؓ کی روایات تخریج کرنے والے محدثین سمیت بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض حضرات نے مسح خفین روایت کرنے والے صحابہؓ کو جمع کیا تو اسی سے بھی متجاوز ہوگئے۔ راقم الحروف نے اپنی کتاب ''فلاح و بہبود شرح اردو قال ابوداؤد'' میں ساٹھ صحابہؓ کے اسماء مبارکہ نقل کئے ہیں۔

بہرکیف روافض و خوارج کے علاوہ پوری امت کا اجماع ہے کہ مسح خفین ثابت ہے جس میں کسی طرح شک وشبہ کی گنجائش نہیں اسی لیے محیط میں امام اعظم سے منقول ہے کہ منکر مسح کے لیے اندیشہ کفر ہے۔ درمختار میں ہے کہ منکر مسح مبتدع ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک کافر ہے لیکن اظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلا تاویل منکر ہو تو منکر ثبوت قطعی ہونے کی وجہ سے کافر ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے اہل سنت والجماعت کی تعریف پوچھی گئی۔ تو آپ نے فرمایا ''ان تفضل الشیخین و تحب الختنین و تری المسح علی الخفین''. کہ جو شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت کا معترف ہو اور ختنین یعنی حضرت عثمانؓ و علی المرتضیٰؓ کا شیدائی ہو اور مسح خفین کا قائل ہو وہ اہل سنت والجماعت میں سے ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِّلْوُضُوْءِ اِذَا لَبِسَ الْخُفَّيْنِ عَلَى طَهَارَةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ

موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث کے وقت جو باعث وضو ہو جب پہنے موزوں کو طہارت پر پھر حدث ہو جائے

تشریح الفقہ قولہ جائز الخ مسح خفین رخصت ہے اور پاؤں کا دھونا عزیمت اب ان میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض حضرات نے مسح کو اختیار کیا ہے کہ یہ افضل ہے بالخصوص جب کہ ترک مسح اس کے خارجی یا رافضی ہونے کا شبہ ہوتا ہو (کذا فی فتح الباری) لیکن صاحب ہدایہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں دھونا افضل ہے، شیخ الاسلام خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں اس کی تصریح کی ہے وجہ

نص الناطقی فی اخبارہ' صاحب کتاب نے ''جائز'' کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ بالسنۃ الخ بعض حضرات کے خیال میں مسح خفین کا جواز آیت ''وارجلکم'' کی قرأت جر سے ثابت ہے۔ لیکن صاحب فتح القدیر اور علامہ عینی کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ آیت میں ارجلکم کے ساتھ ''الی الکعبین'' بھی مذکور ہے حالانکہ مسح خفین بالاتفاق کعبین تک نہیں ہوتا بلکہ صرف پشت قدم (بجانب ساق) پر ہوتا ہے صاحب کتاب نے بالسنۃ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ مسح خفین کے جواز کا ثبوت سنت سے ہے نہ کہ قرآن سے پھر صاحب کتاب نے ''بالسنۃ'' کہا ہے بالحدیث نہیں کہا کیونکہ سنت قول وفعل ہر دو کو شامل ہے اور مسح خفین کا ثبوت قول اور فعل دونوں ہی سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ عبادلہ ثلاثہ ابوہریرہؓ 'خدیجہؓ' اور حضرت عائشہؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور حضرت عمرؓ 'علیؓ' 'صفوانؓ' اور حضرت عائشہؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**یمسح المقیم یوما و لیلۃ**'' سوال حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مجھے اپنے پاؤں کا پارہ پارہ ہونا زیادہ پسند ہے بہ نسبت موزوں پر مسح کرنے کے اس سے تو عدم جواز ہی ثابت ہوتا ہے۔ جواب۔ اس کا راوی محمد بن مہاجر ہے جس کے متعلق محمد بن حبان کہتے ہیں کہ یہ شخص حدیثیں گھڑا کرتا تھا' ابن الجوزی کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی اسی نے گھڑی ہے۔

قولہ موجب للوضوء الخ اس قید کے ذریعہ جنابت سے احتراز ہے کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے لیے مسح جائز نہیں ہے۔ مصنف کے قول'' **ولا یجوز المسح علی الخفین لمن وجب علیہ الغسل**'' میں آرہا ہے۔

قولہ علی طھارۃ الخ بعض نسخوں میں صرف علی طھارۃ ہے اور بعض میں کاملۃ بھی ہے لیکن جواز مسح کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی شرط نہیں یعنی یہ شرط نہیں کہ موزے پہننے کے وقت طہارت مکمل ہو بلکہ حدث پیش آنے کے بعد مکمل طہارت کا ہونا ضروری ہے۔ احناف کا یہی مذہب ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے صرف پاؤں دھو کر موزے پہن لیے' اس کے بعد طہارت پوری کر لی' پھر حدث پیش آیا تب بھی مسح کرنا جائز ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِنْ کَانَ مُقِیمًا مسح یومًا وَّلَیْلَۃً وَّاِنْ کان مُسافرًا مسح ثلٰثۃَ ایَّامٍ وَّلَیالیھا وابتداؤُھا عقیبَ

پس اگر مقیم ہو تو مسح کرے ایک دن رات تک اور مسافر ہو تو مسح کرے تین دن رات تک اور مسح کی ابتدا حدث کے بعد

الْحدثِ وَالْمَسْحُ علی الْخُفَّیْنِ علی ظاھِرِ ھما خُطُوْطًا بالاَ صابع یَبْتدِأُمِنَ الاَصابِعِ اِلی السَّاق

سے ہوتی ہے اور موزوں کا مسح ان کے ظاہر پر ہونا چاہئے خطوط کی شکل میں انگلیوں سے شروع کرے انگلیوں سے پنڈلی تک

و فَرْضُ ذٰلِکَ مِقْدَارُ ثلٰث اَصابعَ مِنْ اَصابعِ الْیَدِ

اورمقدار مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر فرض ہے

موزوں پر مسح کی مدت کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ فان کان مقیما الخ** بعض حضرات نے تفرد اختیار کرتے ہوئے مسح کے بارے میں وقت کی تحدید نہیں کی چنانچہ مالکیہ کے یہاں یہی مشہور ہے کہ موزوں پر مسح کرنا بلاتحدید وقت جائز ہے۔ امام شافعی کا ایک قول جس کو نووی قول قدیم اور ضعیف کہتے ہیں یہ ہے کہ مسح کے لیے توقیت نہیں ہے لیکن عام علماء صحابہ کرامؓ 'تابعین اور اکابرین کے نزدیک وقت محدود ہے اور بقول خطابی عام فقہاء کا قول یہی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ 'علیؓ' 'جابرؓ' 'خزیمہؓ' 'صفوانؓ' 'عوف بن مالکؓ' 'ابوبکرہؓ' اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

''يمسح المقيم يوماً وليلةً والمسافر ثلثة ايام وليا ليها'' مقیم ایک دن رات تک اور مسافر تین دن رات تک مسح کرسکتا ہے۔سوال۔ ابوداؤد دارقطنی اور بیہقی نے ابن ابی عمارہ سے سات دن اور اس سے زیادہ کی روایت مرفوعاً نقل کی ہے۔جواب۔خود امام ابوداؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور دارقطنی نے اس کی اسناد کو غیر ثابت مانا ہے' امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں مجہول ہے۔سوال حضرت عمرؓ ' سعد بن ابی وقاصؓ اور عقبہ بن عامرؓ سے آثار مروی ہیں کہ مسح کے لیے وقت کی تحدید نہیں۔جواب۔اول تو یہ آثار احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں لائق پذیرائی نہیں' دوسرے ان کی اسانید علت سے خالی نہیں' تیسرے انہیں صحابہؓ سے تحدید بھی مروی ہے تو ممکن ہے انہوں نے عدم تحدید کے قول سے رجوع کرلیا ہو۔

قوله و ابتداؤها الخ مسح کی ابتداء حدث کے بعد شروع ہوتی ہے کیونکہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے مانع ہوتا ہے اس لیے مدت مسح کا اعتبار منع کے وقت سے ہونا چاہیے۔امام شافعی' ثوری' احمد اور داؤد کے دو قولوں میں سے اصح قول بلکہ جمہور علماء کا قول یہی ہے۔اوزاعی اور ابوثور کہتے ہیں کہ حدث کے بعد جب مسح کرنے لگے اس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی' امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

قوله على ظاهر هما الخ مسح خفین کا مسئلہ چونکہ غیر قیاسی ہے اس لیے اس میں تمام شرعی قیود کو ملحوظ رکھا جائے گا پس موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرنا ضروری ہوگا اس طرح کہ انگلیوں سے خطوط کھینچ کر پاؤں کی انگلیوں سے شروع کرکے پنڈلی کی جانب لے جائے۔کیونکہ حدیث مغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے بالائی حصہ پر ایک دفعہ مسح کیا۔گویا اب بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات دیکھ رہا ہوں۔ (ابن ابی شیبہ)

وَلَايَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلٰى خُفٍّ فِيْهِ خَرْقٌ كَثِيْرٌ يَّتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ وَ اِنْ كَانَ
اور جائز نہیں مسح ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کے بقدر نظر آتا ہو اگر اس سے

اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ جَازَ وَلاَ يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِمَنْ وَّجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ وَ يَنْقُضُ الْمَسْحَ
کم ہو تو جائز ہے اور جائز نہیں موزوں پر مسح کرنا اس کے لئے جس پر غسل واجب ہے اور توڑ دیتی ہے مسح کو

مَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا نَزْعُ الْخُفِّ وَ مَضِىُّ الْمُدَّةِ فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيْهِ
وہ چیز جو توڑ دیتی ہے وضوء کو اور نیز توڑ دیتا ہے اس کو موزے کا نکلنا اور مدت کا گزرنا پس جب مدت گزر جائے تو موزے نکال کر

وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَصَلّٰى وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوْءِ
پاؤں دھو کے نماز پڑھ لے باقی وضوء دوبارہ کرنا ضروری نہیں

توضیح اللغۃ خرق۔پھٹن' یتبین۔ظاہر ہونا' کھل جانا' اصابع۔جمع اصبع' انگلی' رجل۔پاؤں' نزع۔نکالنا' مضی۔گزرنا۔

تشریح الفقہ قوله ولايجوز المسح الخ ایسے موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں جس میں اتنی پھٹن ہو کہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیاں دکھلائی دیتی ہوں اور اس سے کم ہو تو مسح جائز ہے۔امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ پھٹن کم ہو کیونکہ اس حالت میں جب ظاہر ہونے والے حصہ کو دھونا پڑے گا تو باقی حصہ کو بھی دھونا چاہیے ہم یہ کہتے ہیں کہ موزے عموماً معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے اس لیے ان کے نکالنے میں حرج لازم آئے گا اور حرج شرعاً مدفوع ہے۔

قوله لمن وجب عليه الخ جس پر غسل واجب ہو اس کے لیے بھی مسح جائز نہیں کیونکہ حضرت صفوان بن غسال کی حدیث ہے ''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يا مرنا اذا كنا سفرا ان لاننزع خفا فنا ثلثة ايام وليا ليهن الا عن جنابة ولكن من غاية و

بول و نوم ''(ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' ابن خزیمہ' شافعی' بیہقی' دار قطنی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بحالت سفر حکم دیا کرتے تھے کہ تین دن تین رات تک ہم موزے نہ نکالیں ۔ الا یہ کہ جنابت پیش آ جائے البتہ پیشاب پاخانہ یا نیند آنے پر نکالنے کی ضرورت نہیں نیز جنابت چونکہ عادتاً بار بار نہیں ہوتی اس لیے موزے نکالنے میں کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

قولہ و مضی المدۃ الخ مدت مسح ختم ہونے کے بعد بھی مسح ٹوٹ جائے گا پس ایسی صورت میں موزے نکال کر پاؤں دھو کر نماز پڑھ لینی چاہیے۔ بقیہ وضو دہرانے کی ضرورت نہیں (امام شافعی کے نزدیک اعادہ ضروری ہے) لیکن یہ اس وقت ہے جب پانی موجود ہو لیکن اگر پانی دستیاب نہ ہو تو پھر پاؤں دھونے کی بھی ضرورت نہیں یہاں تک کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے مدت مسح پوری ہو گئی۔ مثلاً کسی نے وضوء کر کے موزے پہنے اور ظہر کے وقت اس کو حدث ہو گیا پس اس نے وضوء کر کے مسح کر لیا دوسرے روز اسی وقت کہ اس کو حدث ہوا تھا' نماز میں داخل ہوا اور اس کو یاد آیا کہ یہ وقت مسح کے پورے ہونے کا ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو اصح یہ ہے کہ نماز پوری کرے (محیط' قاضی خاں' زاہدی' جوہرۃ) اگرچہ بعض مشائخ نے اس کی نماز کو فاسد کہا ہے اور یہی اشبہ بالفقہ ہے (فتح' تبیین) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَ هُوَ مُقِيْمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ مَسَحَ تَمَامَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيْهَا وَمَنِ

اور اگر کسی مقیم نے مسح شروع کیا پھر ایک دن رات تمام ہونے سے پہلے مسافر ہو گیا تو تین دن رات تک مسح کی مدت پوری کرے اور

ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَ هُوَ مُسَافِرٌ ثُمَّ اَقَامَ فَاِنْ كَانَ مَسَحَ يَوْمًا وَّلَيْلَةً اَوْاَكْثَرَ لَزِمَهٗ نَزْعُ خُفَّيْهِ وَ اِنْ

اگر مسافر نے مسح شروع کیا تھا پھر مقیم ہو گیا تو اگر وہ ایک دن رات یا اس سے زیادہ تک مسح کر چکا ہے تب تو موزے نکال دے

كَانَ اَقَلَّ مِنْهُ تَمَّمَ مَسْحَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ

اور اگر اس سے کم کیا ہو تو ایک دن رات کی مدت پوری کرے

تشریح الفقہ **قولہ و ھو مقیم** الخ جس شخص نے مسح کی ابتداء مقیم ہونے کی حالت میں کی اور ایک دن اور ایک رات ختم ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا۔ تو اس کو تین دن تین رات تک مسح کرنے کی اجازت ہے (یعنی مسافر والی مسح کی مدت کو اس طرح پورا کرے کہ مجموعہ تین دن ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ از سر نو تین دن تک مسح کرتا رہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس کی اجازت نہیں' ہماری دلیل اول تو حدیث مسح کا اطلاق ہے دوسرے یہ کہ جو احکام وقت سے متعلق ہوتے ہیں ان میں آخر وقت کا اعتبار ہوتا ہے' جیسے نماز کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اخیر وقت میں سفر شروع کر دے تو اس کی فرض نماز چار رکعات کی بجائے دو رکعت ہوتی ہے اور اگر اخیر وقت میں مقیم ہو جائے تو دو رکعات کے بجائے چار رکعتیں ضروری ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر کوئی نابالغ اخیر وقت میں بالغ ہو جائے یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو ان پر نماز واجب ہو جاتی ہے' مسئلہ مسح چونکہ وقت سے متعلق ہے اس لیے اس میں بھی آخری وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

فائدہ صاحب کتاب نے وھو مقیم کہہ کر مسح کو بحالت اقامت ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے اس واسطے کہ اگر اس نے مقیم ہونے کی حالت میں موزے پہنے اور حدث ہونے سے پہلے ہی سفر شروع کر دیا تو اس صورت میں بالاتفاق (امام شافعی کے نزدیک بھی) مدت اقامت میں مدت سفر کا تداخل ہو جائے گا۔ نیز '' **قبل تمام یوم ولیلۃ** '' کے ساتھ بھی مقید کیا ہے اس واسطے کہ اگر مدت اقامت پوری کرنے کے بعد سفر شروع کیا' تو اس صورت میں بالاتفاق مدت اقامت میں مدت سفر کا تداخل نہ ہوگا کیونکہ اس وقت قدم میں حدث سرایت کر چکا ہے اور موزے میں اتنی قوت نہیں کہ رفع حدث کر سکے ۔ وہ تو ساتر حدث ہوتا ہے نہ کہ رافع حدث ۔ اس لیے لامحالہ رفع حدث کے لیے پاؤں نکال کر دھونے پڑیں گے کیونکہ پانی رافع حدث ہے اور اگر حدث ہونے کے بعد مقیم مسافر ہو یا مسافر مقیم ہوا تو ان دونوں صورتوں میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔

قولہ و ھو مسافر الخ اور اگر کوئی مسافر مقیم بن گیا تو دیکھا جائے گا کہ وہ مدت اقامت پوری کر چکا ہے یا نہیں؟ اگر مدت اقامت پوری کر چکا ہو تو موزے نکال لے کیونکہ رخصت سفر بغیر سفر کے باقی نہیں رہ سکتی۔ اور اگر مدت اقامت پوری نہ کی ہو تو اس کو پوری کر لے کیونکہ مدت اقامت باقی ہے اور یہ مقیم ہو چکا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَا

اور جس نے موزے پر جرموق پہن لی تو وہ اسی پر مسح کرے اور جائز نہیں مسح کرنا جرابوں پر الا یہ کہ وہ پوری

مُجَلَّدَيْنِ اَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ اِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشِفَّانِ

مجلد ہوں یا صرف تلے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو صاحبینؒ کہتے ہیں کہ جائز ہے اگر وہ گاڑھی ہوں اتنی کہ نہ چھنتی ہوں۔

توضیح اللغۃ لبس۔ پہنا' جرموق۔ جو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں' عوام اس کو کالوش کہتے ہیں' جوربین۔ جورب کا تثنیہ ہے بمعنی جراب' مجلدین۔ پورے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو' منعلین۔ جوتے کے برابر چمڑا چڑھا ہوا ہو' ثخینین۔ گاڑھے ہوں' لایشفان۔ شفوف لغۃ بمعنی کپڑے کا رقیق ہونا' یہاں پانی کا نفوذ مراد ہے۔

تشریح الفقہ قولہ ومن لبس الجرموق الخ جرموق ان موزوں کو کہتے ہیں جو اصل موزوں کی حفاظت کے لیے ان کے اوپر پہنے جاتے ہیں۔ تاکہ کیچڑ یا نجاست سے آلودہ نہ ہو سکیں (منح الغفار) اور اس کی ساق بہ نسبت موزے کی ساق کے چھوٹی ہوتی ہے (جوہرہ) اور جرموق فارسی کا معرب ہے۔ عربی میں اس کو موق کہتے ہیں (صدر' نہر الفائق' طحطاوی) جو شخص موزوں پر جرموق پہن لے اس کو جرموق پر مسح کی اجازت ہے۔ بقول ابو حامد تمام علماء اسی کے قائل ہیں اور بقول مزنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے جو امام شافعی کا اختلاف نقل کیا ہے وہ ان کا قول جدید ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ جرموق موزہ کا بدل ہے اور خود موزہ پاؤں کا بدل تھا اگر جرموق پر مسح جائز ہو تو بدل کے بدل کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے حالانکہ اعتبار صرف بدل کا ہوتا ہے نہ کہ بدل البدل کا' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موقین پر مسح کیا ہے[1]۔ نووی کی رائے میں موقین سے مراد خفین ہے نہ کہ جرموقین لیکن سروجی نے شرح ہدایہ میں جوہری' مطرزی اور علبری کے حوالہ سے یہ کہہ اس کو رد کر دیا ہے کہ جرموق اور موق دونوں موزوں پر پہنے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں خفین کے علاوہ ہیں اور ابو نصر بغدادی وغیرہ کی رائے میں موق وہی حرموق ہے جو موزہ پر پہنا جاتا ہے اور یہ فارسی لفظ ''موکہ'' سے معرب ہے بمعنی پاتابہ۔ جوہری' قاضی عیاض' ابن الاثیر اور ہروی نے بھی اس کو معرب ہی مانا ہے۔

قولہ علی الجوربین الخ جورب فارسی کا معرب ہے شامی لوگ سخت جاڑے کے موسم میں بٹے ہوئے سوت کا قدم سے لے کر ٹخنے تک پہنتے ہیں جس کو جراب کہنا چاہیے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ جب تک پورے چمڑے میں ڈھکے ہوئے نہ ہوں یا جوتے کے برابر ان پر چمڑا چڑھا ہوا نہ ہو اس وقت تک مسح جائز نہیں۔ پہلی صورت مجلد کی ہے اور دوسری منعل کی۔ صاحبین کے نزدیک چمڑا چڑھنے کی شرط نہیں بلکہ اتنا گاڑھا ہونا ضروری ہے کہ ان میں پانی نہ چھن سکے۔ جمہور صحابہ' تابعین کا قول' ثوری' ابن مبارک' اسحاق' احمد' داؤد کا مذہب یہی ہے (حلیہ میں ہے کہ امام شافعی کا قول امام صاحب کے موافق ہے اور امام احمد کا قول صاحبین کے موافق ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوربین پر مسح کرنے کی روایت موجود ہے[2]۔ مبسوط میں ہے کہ امام صاحب نے وفات سے سات روز قبل (اور بقول کرخی تین روز قبل) جوربین پر مسح کیا اور فرمایا کہ میں جس چیز سے منع کرتا تھا' خود اس کو کر لیا اس سے امام صاحب کے رجوع پر استدلال کیا گیا۔

---

[1] ابوداؤد' ابن خزیمہ' طبرانی عن بلال' بیہقی عن انس' طبرانی عن ابی ذر ۱۲۔

[2] ابوداؤد' ترمذی عن المغیرہ' ابن ماجہ' طبرانی عن ابی موسیٰ عن بلال ۱۲۔

وَلاَ يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعَمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرقعِ وَالْقُفَّا زَيْنِ وَيَجُوْزُ عَلَى الْجبائر وَانْ شَدَّهَا

اور جائز نہیں مسح پگڑی پر اور ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانوں پر اور جائز ہے زخم کی پھچیوں پر اگرچہ باندھی

عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَانْ سقطت مِنْ غَيْرِ بُرْءٍ لَمْ يَبْطُلِ الْمَسْحُ وَاِنْ سقطت عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ

ہوں بے وضوء پس اگر گر جائے پھچی زخم اچھا ہوئے بغیر تو مسح باطل نہ ہو گا اور اگر گر جائے اچھا ہونے پر تو باطل ہو جائے گا

توضیح اللغۃ عمامہ۔پگڑی' قلنسوہ۔ٹوپی' قفازین۔دستانے' جبائر۔جمع جبیرۃ' ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی' شد۔باندھنا' برء اچھا ہوجانا۔

تشریح الفقہ قولہ علی العمامۃ الخ بقول ترمذی حضرت ابوبکرؓ 'عمرؓ 'انسؓ اور بقول ابن ارسلان حضرت ابوامامہؓ 'سعدؓ بن مالک' ابوالدرداؓ 'عمر بن عبدالعزیز' حسن' قتادہ' مکحول' اوزاعی' اسحاق' ابوثور' وکیع اور داؤد بن علی نے مسح عمامہ کو جائز مانا ہے کیونکہ اس کی بابت حضرت عمر بن امیہ ضمری' مغیرہ' انس' بلال' ابوامامہ اور حضرت ابوموسے اشعری سے روایات موجود ہیں۔امام احمد بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں مگر چند شرائط کے ساتھ' امام شافعی فرماتے ہیں کہ عمامہ کا مسح مستقلاً درست نہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے بالوں کے کچھ حصہ پر مسح کیا جائے پھر اس مسح کی تکمیل عمامہ پر کرلی جائے بشرطیکہ عمامہ کھولنے میں تکلیف ہوتی ہو۔امام ترمذی نے امام مالک کا بھی یہی قول بتایا ہے۔احناف سے اصل مذہب میں کوئی قول منقول نہیں۔امام محمد سے صرف اتنا منقول ہے کہ عمامہ پر مسح پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہاء بلکہ بقول خطابی جمہور کا قول یہی ہے کیونکہ آیت ''وامسحوا برؤسکم'' میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمامہ پر مسح کرے اس کو یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے اور جن روایات میں اس کے متعلق آیا ہے وہاں سر کے بعض حصہ پر مسح کر کے عمامہ پر ہاتھ پھیر لینا مراد ہے چنانچہ حدیث مغیرہ میں اس کی تفسیر ناصیہ اور عمامہ پر مسح کرنے کی وارد ہے اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے عمامہ کے نیچے دست مبارک داخل کیا اور مقدم راس پر مسح کیا۔

قولہ ویجوز علی الجبائر الخ زخم کی پھچیوں پر مسح جائز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسا ہی کیا ہے[1] اور حضرت علیؓ کو بھی اسی کا حکم فرمایا[2] ہے نیز اس میں موزوں کو نکالنے سے زیادہ حرج ہوتا ہے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ مشروع ہونا چاہیئے' پھر زخم کی کل پٹی پر مسح کرنا ضروری نہیں بلکہ اکثر پٹی پر مسح کافی ہے صاحب ''کافی[3]'' نے یہی ذکر کیا ہے۔صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ حسن کی روایت ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

فائدہ مسح جبیرہ چار باتوں میں مسح خفین سے جدا ہے۔۱۔اگر پٹی اچھی ہونے کی وجہ سے کھل گئی تو صرف اس جگہ کا دھولینا کافی ہے بخلاف خفین کے کہ اگر ان میں سے ایک نکل جائے تو وہ دونوں پاؤں دھونا ضروری ہے۔۲۔اگر زخم اچھا ہوئے بغیر پٹی کھل گئی تو دوبارہ باندھ لے مسح کا اعادہ ضروری نہیں۔۳۔اس کے لیے وقت کی کوئی تحدید نہیں۔۴۔زخم کی پٹی طہارت کے ساتھ باندھنا ضروری نہیں بلکہ اگر بغیر وضوء باندھا ہو تب بھی مسح کرسکتا ہے۔

۱۔دارقطنی عن ابن عمر' طبرانی عن ابی امامہ ۱۲۔۲۔ابن ماجہ' بیہقی' دارقطنی عن حسین بن علی ۱۲۔۳۔صاحب کنز ۱۲۔

بابُ الْحَيْضِ

باب حیض کے بیان میں

اَقَلُّ	الْحَيْضِ	ثَلٰثَةُ	اَيَّامٍ	وَّلَيَا	لِيْهَا	وَمَا	نَقَصَ	مِنْ	ذٰلِکَ	فَلَيْسَ	بِحَيْضٍ	وَّ	هُوَ
حیض کی	کمتر	مدت	تین دن	رات	ہیں	اور جو	خون	اس سے	بھی کم	ہو	وہ حیض	نہیں ہے	بلکہ

اسْتِحَاضَةٌ	وَاَكْثَرُهُ	عشرةُ	ايَّامٍ	وَمَازَادَ	عَلٰى	ذٰلِکَ	فَهُوَا	اسْتِحَاضَةٌ
بیماری کا خون ہے	اور اکثر	مدت دس	روز ہیں	اور جو	اس سے	زیادہ ہو	وہ استحاضہ	(بیماری کا خون) ہے

تشریح الفقہ قولہ باب الخ جن احداث کا وقوع بکثرت ہوتا ہے یعنی حدث اصغر وحدث اکبر ان سے اور جو ان سے متعلق احکام ہیں ان کے بیان سے فراغت کے بعد مصنف ان احداث کو بیان فرما رہے ہیں جن کا وقوع کم ہوتا ہے یعنی حیض' نفاس' استحاضہ' نیز ابواب متقدمہ میں انقطاع حیض ونفاس والی طہارت کا حکم بھی آیا ہے لیکن وہاں ان کی حقیقت اور ان کے امتداد کو بیان نہیں کیا گیا اس لیے یہاں ان چیزوں کو بیان کر رہے ہیں اور یوں بھی کہ اس سے قبل ان احکام کا ذکر آیا ہے جو مرد وعورت دونوں کو شامل ہے اور یہاں ان احکامات کو ذکر کرنا ہے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ رہا ذکر رعاف وغیرہ سو وہ طرؤ اللباب ہے پھر حیض چونکہ اصل ہے اور اس کا وقوع بھی بکثرت ہوتا ہے بخلاف نفاس اور استحاضہ کے کہ ان کا وقوع ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ نفاس بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوتا ہے اور استحاضہ بیمار عورت کو ہوتا ہے نہ کہ ہر عورت کو اس لیے عنوان میں صرف حیض کو ذکر کیا ہے۔

فائدہ حاکم اور ابن المنذر رحضرت ابن عباسؓ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حیض کی ابتداء حضرت حوا کو اس وقت سے ہوئی جب کہ ان کو جنت سے اتارا گیا تھا۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ حیض کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر مسلط فرمایا ہے' بعض سلف کا خیال یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں رونما ہوا (بخاری تعلیقاً) شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ سب سے پہلے حیض کے احکام بنی اسرائیل پر آئے۔ چنانچہ اسناد صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے مرد وعورت سب یک جا نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی میں عورت مرد ایک دوسرے سے تعلقات قائم کر لیتے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حیض کی وجہ سے پابندی لگا دی اور ان کو مسجد میں آنے سے روک دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی اسی کی موید ہے۔ (نور الدرایہ ص ۹۳-۳)

تنبیہ حیض کا باب نہایت غامض اور دقیق ترین باب ہے اور اس کے مسائل مہمات دین میں سے ہیں اس واسطے کہ عورت کے حق میں بہت سے امور دینیہ کی صحت وعدم صحت کا مدار مسائل حیض کی معرفت پر ہے۔ مثلاً طہارت' نماز' روزہ' قرأت قرآن' اعتکاف' حج' بلوغ' وطی' طلاق' عدت' استبراء رحم وغیرہ' اسی وجہ سے محققین علماء' وفقہاء نے مسائل حیض میں غایت اہتمام سے کام لیا ہے اور امام محمد نے تو مسائل حیض پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس لیے نہایت اہتمام کے ساتھ مسائل حیض کی معلومات فراہم کی جائیں اور ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ واللہ الموفق

قولہ اقل الحیض الخ حیض سے متعلق دس باتیں قابل تحقیق ہیں۔ ۱۔ لغوی' ۲۔ شرعی معنی' ۳۔ سبب' ۴۔ رکن' ۵۔ شرط' ۶۔ مقدار' ۷۔ رنگت' ۸۔ عمر' ۹۔ زمانہ ثبوت' ۱۰۔ حکم' سو لغت میں حیض کے معنی سیلان (بہنے) کے آتے ہیں۔ یقال حاض السیل و الوادی۔ وادی بہہ پڑی۔ حاضت المراۃ حیضا محیضا' محاضا فہی حائض۔ عورت کا خون جاری ہو گیا۔ لغت کے اعتبار سے حیض بنات آدم ہی کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ مادین جانوروں کے حیض کو بھی شامل ہے۔ یقال حاضت الارنب۔ خرگوشنی کو حیض آنے لگا چنانچہ علم الحیوانات میں ہے کہ خرگوش' بجو' چمگادڑ' اونٹنی' کتیا' گھوڑی اور چھپکلی کو حیض آتا ہے۔ حیض کی تعبیر اہل عرب کے یہاں دیگر اسماء سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابن نجیم نے دس نام گنائے ہیں طمث'

محک، کبار اعصا۔ دراس، عراک، فراک، طمس، طم، نفاس، حیض کے شرعی معنی صاحب کنز وغیرہ نے یہ لکھے ہیں ''ھو دم ینفضه رحم امراۃ سلیمة عن داءٍ و صغیر'' اس میں ھو ضمیر حیض کی طرف راجع ہے اور حیض کو مؤنث سماعی ہے لیکن عموماً مذکر ہی استعمال ہوتا ہے، دم جنس کے درجہ میں ہے جس میں ہر قسم کا خون داخل ہے، رحم امراۃ بمنزلہ فصل کے ہے جس سے نکسیر، زخم رگ، مقعد وغیرہ سے بہنے والے خون خارج ہو گئے۔ سلیمة عن داء سے نفاس خارج ہو گیا کیونکہ نافسہ مریضہ کے حکم میں ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کے تبرعات کا اعتبار ثلث مال سے ہوتا ہے۔ نیز رحم میں پھنسی یا زخم ہو جانے کی وجہ سے جو خون خارج ہو اس سے بھی احتراز ہو گیا، صغر کی قید سے وہ خون نکل گیا جو نو سال سے کم عمر میں آئے کہ وہ حیض نہیں ہے استحاضہ ہے: تعریف کا حاصل یہ نکلا کہ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ایسی عورت کے رحم سے بہے، جو مرض اور کم سنی سے سلامت ہو بعض حضرات کے نزدیک حیض اس کیفیت کا نام ہے جو اس قسم کے خون آنے پر پیش آتی ہے۔ تو اب حیض کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ ایک شرعی مانع ہے جو بغیر ولادت رحم سے خون آنے پر پیش آتا ہے جس کی وجہ سے عورت بعض امور شرعی سے روک دی جاتی ہے۔ حضرت حوا کا شجر ممنوعہ کھا کر اطاعت الٰہی کی خلاف ورزی کرنا اس کا باعث اور سبب ہے، رحم سے خون کا برآمد ہونا رکن کہلائے گا اور شرط یہ ہے کہ اس خون سے پہلے نصاب طہر یعنی پندرہ دن مکمل گزر چکے ہوں اور یہ خون تین دن سے کم نہ ہو۔ رہی مقدار سو اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، وقت نو سال کے بعد سے ہے اور ثبوت حکم خون کے برآمد ہونے سے شروع ہوگا، رنگ اور احکام کا بیان آگے آ رہا ہے۔

قوله اقل الحیض الخ احناف کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن تین رات ہے اور بقول صدر الشہید اسی پر فتویٰ ہے۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک ایک دن رات ہے۔ امام مالک کے یہاں کم کی کوئی حد نہیں۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس روز ہے اور امام شافعی کے نزدیک پندرہ دن ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غیر شادی شدہ اور شادی شدہ دونوں کے حیض کی کم از کم مدت تین دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ[1] دس روز۔ عطاء وغیرہ نے بعض عورتوں کے قصے بیان کئے ہیں جنہوں نے مدت العمر تین دن سے کم یا دس روز سے زیادہ حیض کا دیکھنا بیان کیا ہے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ایسی مجہول عورتوں کی بنیاد پر شرعی تقدیر کا مدار مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو یوسف ایک روایت کے لحاظ سے ڈھائی دن سے زیادہ خون کو بھی (اکثر کو کل کے قائم مقام مانتے ہوئے) حیض شمار کرتے ہیں جس کے جواب میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شرعی عدد کی تنقیص کے بعد کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے ورنہ قیاس کی رو سے ڈیڑھ دن سے زائد پر بھی للاکثر حکم الکل کا قاعدہ جاری ہونا چاہیے۔

وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ فِيْ اَيَّامِ الْحَيْضِ فَهُوَ حَيْضٌ حَتّٰى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا

اور جو دیکھے عورت سرخ اور زرد اور مٹیالا خون حیض کے دنوں میں تو وہ سب حیض ہے یہاں تک کہ دیکھے خالص سفید رنگ

حیض کی رنگتوں کا بیان

توضیح اللغۃ حمرۃ۔ سرخی، صفرۃ۔ زردی، کدرۃ۔ گدلاپن۔

تشریح الفقہ **قوله وماتراه المرأة** الخ حیض کا خون چھ رنگوں کا ہوتا ہے۔ سیاہ، سرخ، زرد، سبز، گدلا، مٹیالا۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ حائضہ عورت ایام حیض میں سرخ، زرد رنگ بھی اصح قول پر حیض ہے البتہ ہلکا زرد، گدلا اور مٹیالا بھی طرفین کے نزدیک حیض ہے خواہ کدرت اول ایام میں

[1] طبرانی، دار قطنی عن ابی امامہ، دار قطنی عن واثلہ ابن عدی عن معاذ وانس، ابن الجوزی عن الخدری ۱۲۔

ہو یا آخر ایام میں یعنی کدرت خون پر مقدم ہو یا مؤخر بہر دو صورت حیض ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مٹیالا پن حیض نہیں ہے جب تک کہ وہ خون کے بعد نہ ہو کیونکہ اگر میلے پن کا تعلق رحم سے مانا جائے تو گدلا پن صاف خون کے بعد آنا چاہئے تھا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ خالص سفید رنگ کے علاوہ سب رنگوں کو حیض شمار کرتی تھیں اور اس قسم کی چیزوں کا تعلق صرف سماع سے ہو سکتا ہے' نیز رحم الٹا اور اوندھا ہوتا ہے جس سے اولاً گدلی چیز آنی چاہیے۔ جس طرح ٹھلیا کی تلی میں اگر سوراخ کر دیا جائے تو بعینہ یہی حال ہوتا ہے البتہ سبز رنگ کے خون میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت حیض کے قابل ہے' تب تو اس کو حیض ہی شمار کیا جائے گا اور فساد غذا پر محمول کیا جائے گا اور اگر عورت زیادہ عمر رسیدہ ہے اور ہمیشہ سبز رنگ ہی آتا ہے تو وہ حیض شمار نہ ہوگا۔ بلکہ رحم کی خرابی پر محمول کیا جائے گا مذکورہ بالا خونوں کے حیض ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جس کو علقمہ ابن ابی علقمہ نے اپنی والدہ سے روایت کیا ہے کہ عورتیں ڈبوں میں کرسف رکھ کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج کر نماز کے بارے میں دریافت کیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہی فتویٰ دیا ہوگا کیونکہ اصولی قاعدہ کے لحاظ سے غیر قیاسی چیزوں میں صحابی کا قول بمنزلہ مرفوع روایت کے ہوتا ہے۔

قولہ حتی تری البیاض الخ جوہرنیرہ اور درمختار وغیرہ میں بعض فقہاء کا قول ہے کہ بیاض خالص سفید دھاگے کی مانند ایک چیز ہے جو اختتام حیض کے بعد گدی پر ظاہر ہوتی ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ بیاض خالص سے مراد انقطاع حیض ہے' کذا فی نہر الفائق۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلٰوةَ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ

اور حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ رکھنا اور حائضہ قضا کرے روزہ کی نہ قضا کرے نماز کی

وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَلَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ

اور نہ داخل ہو مسجد میں اور نہ طواف کرے بیت اللہ شریف کا

حیض کے احکام

تشریح الفقہ **قولہ والحیض یسقط الخ** یہاں سے صاحب کتاب حیض کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔ حیض کے گیارہ احکام ہیں جن میں سے سات تو حیض و نفاس دونوں میں مشترک ہیں اور چار حیض کے ساتھ مخصوص ہیں۔ صاحب کتاب نے یہاں مشترک احکام بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ حیض مانع صلوۃ ہے خواہ رکوع و سجود والی نماز ہو یا نماز جنازہ ہو' بلکہ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر سے بھی مانع ہے۔ لان المنع من الشئی منع لبعضہ۔ صاحب کتاب نے لفظ یسقط بول کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حائضہ پر نماز واجب تو ہوتی ہے لیکن عذر حرج کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں اصولیین کا اختلاف ہے کہ بچہ' مجنون اور حائضہ کے حق میں احکام ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔ ابوزید دبوسی نے اول کو اختیار کیا ہے کیونکہ ہر آدمی میں وجوب حقوق کی اہلیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زمین میں بالاجماع عشر اور خراج واجب ہوتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس پر زکوۃ بھی واجب ہے۔ صاحب کتاب کا قول اسی پر مبنی ہے۔ شیخ بزدوی فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ تک ہماری رائے بھی یہی رہی لیکن بعد میں ہم اس کو ترک کر کے عدم وجوب کے قائل ہو گئے۔

قولہ و یحرم علیہا الصوم الخ ۲۔ حیض مانع صوم ہے لیکن روزوں کی قضا لازم ہے' نماز کی قضا لازم نہیں کیونکہ حضرت معاذہ عدویہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ حائضہ عورت روزوں کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: کیا تو حروریہ ہے؟ (یعنی خارجیہ ہے) انہوں نے کہا نہیں' بلکہ میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم کو صرف روزوں کی قضا کا حکم ہوتا تھا نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوتا تھا نیز روزے تو سال بھر میں ایک ہی مہینہ (رمضان) کے ہوتے ہیں بالفرض اگر

حائضہ نے پورے دس روزے نہیں رکھے تب بھی گیارہ مہینے میں باآسانی فی مہینہ ایک روزہ رکھ کر ایک مہینہ بچتا ہے برخلاف ہر مہینہ کی نماز کے پچاس نمازوں کے حساب سے سال بھر کی قضا نمازیں چھ سو ہوتی ہیں گویا ہر ماہ دس روز متواتر دہری نمازیں پڑھے تب صرف پانچ دن ایسے ہوتے ہیں جن میں اکہری نمازیں پڑھنی پڑھیں گی اس کے بعد پھر دوسرے حیض کی نمازیں قضا ہونا شروع ہو جائیں گی اس طرح مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو تقریباً دوگنی نمازیں پڑھنی پڑیں گی اور یہ ''مایرید الله لیجعل علیکم من حرج'' کے خلاف ہے۔

قوله ولاتدخل المسجد الخ ۔۳۔ حائضہ کے لیے مسجد میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ ابوداؤد نے سنن میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں ''لااحل المسجد لحائض ولا جنب'' کہ میں حائضہ اور جنبی کے لیے مسجد حلال نہیں کرتا، یعنی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا نیز حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ کے لیے مسجد حلال نہیں (ابن ماجہ طبری) امام شافعی عبور و مرور کے طور پر مسجد میں حائضہ کا داخلہ جائز مانتے ہیں، یہ حدیث ان پر حجت ہے۔

قولہ ولاتطوف الخ ۔۴۔ حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف بھی نہیں کرسکتی کیونکہ طواف کعبہ مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد میں داخلہ کا ممنوع ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ سوال لاتدخل المسجد کے بعد لاتطوف بالبیت کی ضرورت نہیں کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے۔ جواب حائضہ کے لیے دیگر حجاج کی طرح وقوف وغیرہ کی اجازت ہے تو ممکن ہے اس سے کوئی یہ سمجھ لے کہ اس کے لیے طواف کی بھی اجازت ہے۔

وَلَا يَاتِيْهَا زَوْجُهَا وَلَا يَجُوْزُ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ قِرَاءَ ةُ الْقُرْاٰنِ وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُحْدِثِ

اور اس کے پاس نہ آئے اس کا شوہر اور جائز نہیں حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن پڑھنا اور جائز نہیں بے وضو کے لئے

مَسُّ الْمُصْحَفِ اِلَّا اَنْ يَّاْخُذَهٗ بِغِلَافِهٖ

قرآن کو چھونا الا یہ کہ چھوئے اس کو غلاف کے ساتھ

تشریح الفقہ ولایاتیھا الخ ۔۵۔ شیخین، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حائضہ عورت کی ناف سے زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا بھی جائز نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ''لاتقربوھن حتی یطھرن'' امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم مرد پر حرام نہیں ہے کیونکہ اس سلسلہ میں صحابہؓ کے سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تھا کہ وطی کے علاوہ اس سے سب باتیں حلال ہیں (مسلم) شیخین وغیرہ کی دلیل حضرت عبداللہ بن سعد کی روایت ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حالت حیض میں بیوی سے کیا چیز حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے ازار سے اوپر کا حصہ حلال ہے۔ (ابوداؤد)

فائدہ حرمت، استمتاع ماتحت الازار عدم حیلولت کی صورت میں ہے اگر جماع کے علاوہ استمتاع ماتحت الازار حیلولت کے ساتھ ہو یعنی درمیان میں کپڑا حائل ہو تو جائز ہے اگرچہ خون سے آلودگی ہو، حائضہ عورت کا کھانا پکانا اور اس کے آٹے اور چھوئے ہوئے پانی کو استعمال کرنا مکروہ نہیں۔ نیز اس کے بچھونے سے علیحدہ رہنا بھی مناسب نہیں کہ یہ یہودیوں کا شعار ہے۔ کذا فی الطحطاوی)

تنبیہ اگر عورت حائضہ ہو تو اس کے لیے مرد سے حیض کو چھپانا جائز نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ اپنے حیض سے مرد کو مطلع کردے تاکہ وہ لاعلمی کی وجہ سے صحبت نہ کر بیٹھے اور عورت اگر پاک ہو تو خود کو حائضہ بتا کر مرد کو صحبت سے روکنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لعن الله الغائصة والمغوصة'' کہ غائصہ اور مغوصہ پر اللہ لعنت کرے۔ غائصہ وہ عورت ہے جو اپنے مرد کو حیض سے مطلع نہ کرے اور مغوصہ وہ عورت ہے جو پاک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو حائضہ بتا کر مرد کو صحبت سے روکے۔

قولہ ولایجوز لحائض الخ۔٦۔حائضہ عورت اور جنبی شخص کے لیے قرآن پاک پڑھنا بھی ممنوع ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے۔(ترمذی ابن ماجہ بیہقی) امام مالک حائضہ کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں یہ حدیث ان پر حجت ہے البتہ بطور شکر الحمد للہ کہنا یا کام شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا جائز ہے۔

ولایجوز للمحدث الخ محدث کے لیے قرآن شریف کو چھونا بھی ناجائز ہے ہاں غلاف کے ساتھ جائز ہے۔ارشاد خداوندی ہے ''لایمسہ الا المطھرون'' اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک شخص (نسائی ابوداؤد ابن حاکم دار قطنی طبرانی بیہقی احمد) صاحب کتاب نے لفظ للمحدث بولا ہے حائض نفساء جنب کو ذکر نہیں کیا اس واسطے کہ حکم قرأت حکم مس سے اخف ہے پس جب ان کے لیے قرأت جائز نہیں تو چھونا بطریق اولیٰ جائز نہ ہوگا۔محدث کے لیے چھونا جائز نہیں قرأت جائز ہے اور مذکورین کے لیے دونوں ناجائز ہیں اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ حدث کا حلول صرف ہاتھ میں ہوتا ہے اور جنابت کا حلول ہاتھ اور منہ دونوں میں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ غسل جنابت میں ہاتھ اور منہ دونوں کا دھونا واجب ہے اور حدث کی صورت میں صرف ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے نہ کہ منہ کا حیض کے باقی چار احکام خاص یہ ہیں۔١۔حیض کے ذریعہ عدت پوری ہوتی ہے۔٢۔استبراء رحم ہوتا ہے۔٣۔بلوغ معلوم ہوتا ہے۔٤۔سنی اور بدعی طلاق میں اسی کے ذریعہ فرق ہوتا ہے۔

فَاِذَا انقَطَعَ دَمُ الْحَیضِ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَیَّامٍ لَمْ یَجُزْ وَطْیُھَا حَتّٰی تَغْتَسِلَ اَوْیَمْضِیَ عَلَیْھَا

پس جب موقوف ہو جائے حیض کا خون دس دن سے کم میں تو اس سے صحبت جائز نہیں یہاں تک کہ نہا لے یا گذر جائے اس پر

وَقْتُ صَلٰوةٍ کَامِلَةٍ وَاِنِ انقَطَعَ دَمُھَا لِعَشَرَةِ اَیَّامٍ جَازَوَ طْیُھَا قَبْلَ الْغُسْلِ

ایک نماز کا وقت اور اگر موقوف ہوا خون دس روز میں تو اس سے صحبت جائز ہے غسل سے پہلے بھی

تشریح الفقہ قولہ فاذا انقطع الخ اگر حیض دس روز سے کم میں رک جائے تو وطی جائز نہیں ہے تاوقتیکہ عورت غسل نہ کرلے کیونکہ خون کا کبھی ادرار ہوتا ہے اور کبھی انقطاع اس لیے غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب کو ترجیح دی جاسکے اور اگر عورت غسل نہیں کرسکی لیکن اس پر نماز کا ادنیٰ وقت اس طرح گزر گیا کہ وہ اس میں غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی ایسی حالت میں اس سے ہمبستری جائز ہے کیونکہ اس کے ذمہ نماز فرض ہو چکی ہے اس لیے اس کو حکماً پاک مانا جائے گا۔صاحب کتاب نے ''لم یجز و طیھا'' میں خاص طور سے وطی کو ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضی وقت کے ذریعہ سے حائضہ کی طہارت کا حکم صرف وطی کے حق میں ہے نہ کہ قرأت قرآن کے حق میں کذافی الطحطاوی عن الحموی عن البرجندی اور صلوۃ کے ساتھ ''کاملہ'' کی قید کے ذریعہ اس صورت سے احتراز ہے جب دم حیض کا انقطاع صلوۃ ناقصہ کے وقت میں ہو جیسے صلوۃ ضحیٰ اور صلوۃ عید کہ اس صورت میں وطی جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کرلے یا ظہر کی نماز کا وقت گزر جائے۔پھر حکم مذکور اس وقت ہے جب خون اس کی عادت کے موافق بند ہوا ہو اور اگر حیض عادت سے کم۔مگر تین دن سے زیادہ میں بند ہوا ہو تو جب تک ایام عادت پورے نہ گزر جائیں اس وقت تک عورت کے پاس نہیں جاسکتا اگرچہ وہ غسل بھی کرلے کیونکہ عادت کے اندر پھر حیض کے آنے کا احتمال غالب ہے لہذا پرہیز کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

قولہ وقت صلوۃ الخ وقت سے مراد آخری جزء ہے جو بقدر غسل و تحریمہ ہو اول حصہ مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ نماز اس کے ذمہ واجب ہونی چاہیے اور نماز کا وجوب وقت نکلنے پر ہوتا ہے نہ کہ شروع ہونے پر۔

قولہ وان انقطع الخ اور اگر حیض پورے دس دن گزرنے پر بند ہوا ہو تو غسل سے پہلے عورت کے پاس جانا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے۔کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں بڑھ سکتا ہاں بغیر نہائے ایسا کرنا مستحب نہیں۔(ولاتقربوھن حتیٰ یطھرن) میں قرأت تشدید پر عورت

کے پاس جانے کی جو ممانعت ہے اس کی بنیاد پر امام زفرؒ امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر نہائے وطی نہیں کر سکتا۔ **ولکنہ انقطاع النفاس علی الاربعین حکمہ علیٰ ھذا۔**

قولہ لعشرۃ ایام الخ ای بعد عشرۃ ایام پس لام بمعنی بعد ہے جیسے آیت "**اقم الصلوۃ لدلوک الشمس**" میں ہے ای بعد دلوکہا' اسی طرح حدیث شریف میں ہے "**صوموا الرؤیتہ ای بعد رویۃ ھلال رمضان**"

تنبیہ حیض کی حالت میں وطی کو حلال سمجھ کر جماع کرنا بتصریح صاحب مبسوط و صاحب اختیار و صاحب فتح القدیر موجب کفر ہے اور اگر حرام سمجھتے ہوئے ایسا کیا تو توبہ اور استغفار لازم ہے اور ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دینا مستحب ہے جس کا مصرف مصرف زکوۃ ہے اور یہ بقول صاحب ضیاء صرف مرد پر ہے نہ کہ عورت پر۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالطُّهْرُ اِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِیْ مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْجَارِیْ وَاَقَلُّ الطُّهْرَةِ خَمْسَةَ

اور پاکی جب دو خونوں کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے اور پاکی کی کمتر مدت پندرہ

عَشَرَ يَوْماً وَلَا غَايَةَ لِاَ كْثَرِه

دن ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں

طہر متخلّل کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ والطہر** الخ جو پاکی دو خونوں کے درمیان واقع ہو اس کو مسلسل شمار کیا جائے گا اور مدت حیض میں حیض اور مدت نفاس میں نفاس قرار دیا جائے گا' طہر کی کم از کم مدت پندرہ روز ہے۔ جو بقول صاحب کامل و تہذیب بالا جماع ہے۔ ابو ثور کہتے ہیں کہ میرے خیال میں اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عینی نے بیان کیا ہے کہ ثوری و شافعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام نووی نے احمدؒ اسحاقؒ مالکؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے۔ سو ہو سکتا ہے قائلین اجماع کی مراد یہ ہو کہ صحابہ اور تابعین کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں' اور طہر کی اکثر مدت کی کوئی تحدید نہیں' ساری عمر بھی رہ سکتا ہے الا یہ کہ خون مستمر ہو جائے اور عورت کی کوئی عادت مقرر ہو کہ اس صورت میں اس کی عادت کے مطابق تحدید کر لی جائے گی۔

طہر متخلل کے سلسلہ میں ائمہ احناف کے صور اختلاف پر حاوی نقشہ

صورت مسئلہ	حکم مسئلہ واصحاب مذاہب			
	امام ابو یوسفؒ ۱	امام محمدؒ ۲	امام زفرؒ ۳	حسن بن زیادؒ ۴
عورت نے ایک دن خون آٹھ دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	کل کا کل حیض ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے
دو دن خون سات دن اور ایک دن خون دیکھا	ایضاً	ایضاً	کل کا کل حیض ہے	ایضاً

۱۔ اصلہ انہ یبداء الحیض بالطہر ویختمہ بہ بشرط ان یکون قبلہ و بعدہ دم ۱۲۔ ۲۔ اصلہ انہ لایبدأ الحیض بالطہر ولایختمہ بہ سواء کان قبلہ او بعدہ دم اولم یکن ۱۲۔ ۳۔ اصلہ انہما اذا رآت الدم فی اکثر مدۃ الحیض مثل اقلہ فالطہر المتخلل لایوجب الفصل واذالم تر ذلک فانہ لا یکون شئی من ذلک حیضاً ۱۲۔ ۴۔ اصلہ ان الطہر المتخلل اذا نقص عن ثلثۃ ایام لایوجب الفصل وان کان ثلاثاً فصاعداً یوجب الفصل فی جمیع الاحوال سواء کان مثل الدمین والدمان اکثر منہ ۱۲۔

تین دن خون چھ دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	ایضاً	پہلے تین دن حیض باقی استحاضہ	ایضاً	پہلے تین دن حیض باقی استحاضہ
ایک دن خون چھ دن طہر اور تین دن خون دیکھا	ایضاً	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ	ایضاً	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ
چار دن خون پانچ دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	ایضاً	کل کا کل حیض ہے	کل کا کل حیض ہے	پہلے چار دن حیض ہے
ایک دن خون پانچ دن طہر اور چار دن خون دیکھا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	آخری چار دن حیض ہے
ایک دن خون دو دن طہر اور ایک دن خون دیکھا	ایضاً	ایضاً	ایضاً	کل کا کل حیض ہے
تین دن خون چھ دن طہر پھر تین دن خون دیکھا	اول سے دس روز تک حیض ہے۔	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	اول سے دس روز تک حیض ہے	پہلے تین دن حیض باقی استحاضہ

فائدہ طہر متخلل کے سلسلہ میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں:۔

۱۔امام ابو یوسف کی روایت کہ اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو' خواہ ایک دن ہو یا زیادہ ہو نیز دس دن کے اندر ہو یا باہر تو طہر متخلل حیض ہوگا اگر عورت مبتدءَہ ہے تو پورے دس دن اور معتادہ ہے تو ایام عادت کو حیض شمار کیا جائے گا۔

مبتدأہ ——— معتادہ

مثال یہ ہے:۔ خ ط ط ط ط ط ط ط ط ط خ | ط ط ط ط ط خ ——— خ ط ط ط ط ط ط ط ط ط ط خ

۲۔امام محمد کی روایت کہ دس دن یا کم کے حیض میں دونوں طرف خون محیط ہو تو دس دن حیض کے ہوں گے۔عورت مبتدءَہ ہو یا معتادہ جیسے پہلی اور دسویں تاریخ میں خون آئے اور نویں تک طہر یا ساتویں تک طہر' پھر آٹھویں کو خون' تو پہلی صورت میں دس دن اور دوسری صورت میں آٹھ روز حیض ہوں گے۔

مثال یہ ہے:۔ خ ط ط ط ط ط ط ط ط خ ——— خ ط ط ط ط ط ط خ

۳۔ابن المبارک کی روایت کہ کیفیت مذکورہ کے ساتھ ساتھ دونوں طرف کا خون مجموعی طور پر ادنیٰ نصاب حیض تک پہنچ جانا چاہیے یعنی تین دن ہونے چاہئیں پس اگر پہلی اور دسویں تاریخ کو خون اور درمیان میں طہر ہو تو کچھ بھی حیض نہ ہوگا اور اگر پہلی دوسری کو شروع میں اور دسویں کو آخر میں خون آجائے تو کل حیض ہوگا' مثال یہ ہے۔ خ خ ط ط ط ط ط ط ط خ اس میں دونوں طرف کے خون مل کر تین دن ہو جاتے ہیں۔

۴۔حسن بن زیاد کی روایت کہ جو طہر تین روز یا زیادہ کا ہوگا وہ فاصل رہے گا اور کم ہو تو حیض شمار ہوگا۔امام محمد کا مذہب جس میں تیسرے قول کی شرطوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ درمیانی طہر بھی اتنی مقدار میں ہو جتنا دونوں طرف کے خون کا مجموعہ ہے یا اس سے کم ہو۔علامہ تاج الشریعۃ نے شرح ہدایہ میں ایک جامع مثال لکھی ہے جس میں پانچوں اقوال آجائیں' مثلاً مبتدءَہ کو پہلی تاریخ میں خون پھر چودہ طہر پھر سولہویں کو خون پھر ایک روز خون آٹھ روز طہر پھر ایک روز خون سات روز طہر پھر دو روز خون تین روز طہر پھر ایک روز خون تین روز طہر پھر ایک روز خون دو روز طہر اور ایک روز خون آئے تو یہ کل ۴۵ روز ہوئے جس کی صورت یہ ہے:۔

خططططططططط	ططططط	خطططططططططخ	طططططط	طخخطططخططط	خ ذ ط خ

حیض بروایت ابو یوسف ، حیض بروایت محمد ، بروایت ابن المبارک ، بر مذہب امام محمد ، حیض بروایت حسن

اس میں امام ابو یوسف کے قول پر پہلا عشرہ اور چوتھی دہائی یعنی سات روز والے طہر میں سے ایک روز خون تین دن طہر ایک دن خون پھر تین دن طہر کی مدت حیض شمار ہوگی گویا چوتھی دہائی شروع بھی طہر سے ہوئی اور ختم بھی طہر پر ہوئی ہے۔ امام محمد کی روایت پر اول کے چودہ دن طہر کے بعد جو دس دن ہیں جن میں دونوں طرف خون ہے حیض ہوں گے اور ابن المبارک کی روایت پر سات روز طہر جس کے اول میں ایک روز اور بعد میں دو روز خون ملا کر مجموعہ دس روز حیض ہیں اور امام محمد کے مذہب پر دو دن آخر خون سے لے کر چھٹے خون تک بقول اصح چھ روز ہوں گے اور حسن بن زیاد کی روایت پر آخر کے چار روز صرف حیض اور باقی استحاضہ ہوں گے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ هُوَ مَا تَرَاهُ الْمَرْاَةُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْاَكْثَرَ مِنْ عَشْرَةِ اَيَّامٍ فَحُكْمُهٗ

استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو دیکھے عورت تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ اس کا حکم

حُكْمُ الرُّعَافِ لَايَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلَا الصَّوْمَ وَلَا الْوَطْیَ وَاِذَا زَادَ الدَّمُ عَلَى الْعَشْرَةِ وَلِلْمَرْاَةِ عَادَةٌ

نکسیر کا سا ہے کہ نماز روزے اور صحبت سے نہیں روکتا جب بڑھ جائے خون دس دن سے اور عورت کی عادت

مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَاسْتِحَاضَةٌ وَاِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ

ہو مقرر تو لوٹا دیا جائے گا معینہ عادت کی طرف اور جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہو گا اور اگر عورت استحاضہ ہی کی حالت میں

مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَا عَشْرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّالْبَاقِي اسْتِحَاضَةٌ

بالغ ہوئی تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ کے اور باقی استحاضہ ہے

دم استحاضہ کا بیان

توضیح اللغۃ دم استحاضہ۔ بیماری کا خون، رعاف۔ نکسیر، وطی۔ صحبت۔

تشریح الفقہ **قولہ ودم الاستحاضۃ** الخ نکسیر کی طرح استحاضہ کا خون نماز، روزہ اور ہمبستری سے مانع نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت جحش سے ارشاد فرمایا تھا کہ وضو کر کے نماز پڑھتی رہ اگرچہ خون بوریہ پر ٹپکتا رہے[1] جب نمازی کا حکم معلوم ہو گیا تو روزہ اور صحبت کا بھی دلالۃً اجماع سے ثابت ہو گیا۔

قولہ واذازادالدم الخ اگر حیض میں دس دن سے زیادہ خون آجائے۔ درآنحالیکہ اس کی مقررہ عادت اس سے کم تھی تو معینہ عادت کے مطابق ہی حیض سمجھا جائے گا اور زائد خون استحاضہ ہوگا کیونکہ ارشاد نبوی ہے کہ "مستحاضہ زمانہ حیض تک نماز چھوڑ رکھے[2]" نیز مقررہ عادت سے زائد مدت ایسی ہی ہے جیسے دس دن سے زائد اس لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔

قولہ ان ابتدأت الخ اگر عورت ابتدائی طور پر بالغ ہونے کے ساتھ استحاضہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کا حیض ہر مہینہ دس دن ہو گا اور باقی استحاضہ کیونکہ دس روز یقینی طور پر حیض ہے۔

---

[1] ابن ماجہ ۱۲۔ [2] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن جدعدی، طبرانی، ابن حبان عن عائشہ، دارقطنی عن ام سلمہ ۱۲۔

فائدہ عورت کی تین حالتیں ہیں۔ مبتدءٔ۔ جس کو ابھی حیض آنا شروع ہوا ہو۔ معتادہ۔ جس کی حیض کے بارے میں کوئی عادت ہو اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کی ایک ہی لگی بندھی مقررہ عادت ہو۔ دوسرے وہ جس کی عادت مختلف ہو کبھی پانچ کبھی سات دن حیض آتا ہو اگر مبتدءٔ کا حیض دس روز سے بڑھ گیا تو بالاتفاق دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا اور جس کی مقررہ عادت ہو اگر اس کا خون دس دن سے زائد ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق عادت کی طرف لوٹایا جائے گا مثلاً پانچ روز کی عادت تھی اور اس دفعہ بارہ روز خون آ گیا تو پانچ روز حیض کے اور سات روز استحاضہ کے شمار ہوں گے اور اگر دس روز پر ہی ختم ہو گیا تو بالاتفاق دس روز حیض ہوگا۔ عورت مبتداٗہ ہو معتادہ متفقہ ہو یا مختلفہ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اب کی بار عادت بدل گئی اس واسطے کی حدیث المستحاضۃ تدع اھ میں صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے نہ کہ پورے دس روز تک۔ اور جب مفروضہ عورت کا خون دس دن سے بڑھ گیا تو وہ مستحاضہ ہو گئی جس کو صرف ایام حیض تک ترک نماز کا حکم ہے چونکہ اس کی عادت معروف ہے لہذا اس وقت تک نماز چھوڑے گی اور یہی مدعا ہے۔

وَالْمُسْتَحَاضَۃُ وَ مَنْ بِہٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجُرْحُ الَّذِیْ لَایَرْقَأُ یَتَوَضَّئُوْنَ
او مستحاضہ اور جس کو ہر وقت پیشاب لگتا ہو یا دائمی نکسیر ہو۔ یا برابر بہنے والا زخم ہو تو یہ لوگ وضو کریں

لِوَقْتِ کُلِّ صَلٰوۃٍ وَّیُصَلُّوْنَ بِذٰلِکَ الْوُضُوْءِ فِی الْوَقْتِ مَاشَاءُ وْ امِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ
ہر نماز کے وقت اور پڑھیں اس وضوء سے وقت کے اندر جو چاہیں فرض اور نفل نماز

فَاِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُ ھُمْ وَکَانَ عَلَیْھِمْ اِسْتِیْنَافُ الْوُضُوْءِ لِصَلٰوۃٍ اُخْرٰی
جب وقت نکل جائے تو ان کا وضوء باطل ہو جائے گا اور ازسر نو وضوء کرنا ہوگا دوسری نماز کے لئے

مستحاضہ اور معذورین کے احکام

توضیح اللغۃ سلس البول۔ ایک بیماری ہے جس میں پیشاب روکنے کی طاقت نہیں رہتی' الرعاف الدائم۔ دائمی نکسیر' جرح۔ زخم' لا یرقاء۔ بند نہ ہوتا ہو یعنی برابر خون وغیرہ جاری رہتا ہو' استیناف۔ ازسرنو کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ والمستحاضۃ۔ جس عورت کو استحاضہ کی شکایت ہو یا کسی کو ہر وقت پیشاب جاری رہنے کا عارضہ ہو یا دائمی نکسیر ہو یا نہ رکنے والا زخم ہو تو ان سب کو ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرنا چاہیے پھر اس وضو سے جتنے چاہے فرائض ونوافل پڑھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے لیے مستقل وضوء کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "مستحاضہ کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا چاہیے[1] نیز مستحاضہ کے لیے طہارت کا اعتبار ضرورت فرض کی وجہ سے ہے لہذا فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد طہارت باقی نہیں رہنی چاہیے ہماری دلیل آپ کا ارشاد ہے کہ "مستحاضہ کو ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کر لینا چاہیے[2] اور پہلی روایت کی مراد بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس میں لام وقتیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ "اتیتک لصلوۃ الظھر اور مراد ظہر کا وقت ہوتا ہے نیز آسانی کے لیے وقت کو ادا کے قائم مقام کر دیا گیا لہذا حکم بھی اسی پر ہونا چاہیے پھر جب وقت نکل جائے گا تو معذورین کا وضوء ٹوٹ جائے گا اور دوسری نماز کے لیے نیا وضوء کرنا ہوگا یہ طرفین کے نزدیک ہے' امام زفر کے نزدیک صرف دخول وقت سے وضوء ختم ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہر دو سے' اس اختلاف کا نتیجہ اس معذور کے حق میں ظاہر ہوگا جس نے طلوع فجر کے بعد وضوء کیا' پھر آفتاب طلوع ہو گیا کہ اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا' کیونکہ وقت نکل چکا ہے اور امام زفر کے نزدیک وضوء نہیں

[1] ابن ماجہ' ابوداؤد' ابن حبان' ابن ابی شیبہ ۱۲۔ [2] ابن قدامہ فی المغنی' سرخسی فی المبسوط ۱۲۔

ٹوٹے گا' کیونکہ زوال کا وقت داخل نہیں ہوا اسی طرح اگر وہ طلوع شمس کے بعد وضوء کرے تو اس سے طرفین کے نزدیک ظہر کی نماز پڑھ سکتا ہے' زوال شمس سے اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ یہ دخول وقت ہے نہ کہ خروج وقت' اور امام ابو یوسف وزفر کے نزدیک اس کا وضوء زوال شمس سے ٹوٹ جائے گا۔ امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ منافی طہارت چیزوں کے ہوتے ہوئے طہارت کا اعتبار ادائیگی فرض کی ضرورت سے ہے اور چونکہ وقت میں کوئی ساعت اس سے خالی نہیں ہے اس لیے اس کے باوجود بھی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا اعتبار کر لیا گیا اور وقت آنے سے پہلے کوئی ضرورت نہیں اس لیے طہارت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ضرورت وقت کے اندر ہی اندر محدود ہے۔ لہذا وقت کے خارج ہونے اور داخل ہونے ہر دو سے وضوٹوٹ جائے گا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا ہے۔ لہذا وقت سے پہلے طہارت ہونی چاہیے۔ جیسا کہ اداء حقیقی پر طہارت کا مقدم ہونا ضروری ہے تا کہ معذور وقت آتے ہی فوراً ادا کر سکے۔

وَالنِّفَاسُ هُوَالدَّمُ الخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ وَالدَّمُ الَّذِیْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ
اور نفاس وہ خون ہے جو نکلے پیدائش کے بعد اور جو خون حاملہ عورت دیکھے یا کوئی عورت
فِیْ حَالِ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اسْتِحَاضَةٌ وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لَاحَدَّلَهٗ وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا
ولادت کے وقت بچہ پیدا ہونے سے پہلے دیکھے تو وہ استحاضہ ہے اور کم تر نفاس کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس
وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَاسْتِحَاضَةٌ وَاِذَا تَجَاوَزَا الدَّمُ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَ قَدْكَانَتْ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ
روز ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے جب بڑھ جائے خون چالیس روز سے اور اس عورت کے بچہ
وَلَدَتْ قَبْلَ ذٰلِكَ وَلَهَا عَادَةٌ فِی النِّفَاسِ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَ اِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ
ہو چکا ہے اس سے پہلے بھی جس میں اس کی عادت بھی مقرر تو لوٹا دیا جائے گا معینہ عادت کی طرف اور اگر اس کی مقررہ عادت
فنفاسُها اربعون يومًا
نہ ہو تو اس کا نفاس چالیس روز ہیں

نفاس کا بیان

تشریح الفقہ قولہ والنفاس الخ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ کی پیدائش کے بعد آئے۔ کیونکہ یہ لفظ "تنفس الرحم فی ..." سے ماخوذ ہے یعنی رحم نے خون اگل دیا یا خروج النفس بمعنی بچہ یا خون کے نکلنے سے ماخوذ ہے اگر حاملہ عورت زمانہ حمل میں یا ولادت کے وقت بچہ برآمد ہونے سے قبل خون دیکھے تو وہ استحاضہ ہے اگر چہ ممتد ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک حیض ہے جس کو ان کے مذہب میں اصح قول قرار دیا گیا ہے وہ اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں بایں معنی کہ دونوں رحم ہی سے آتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ عادتاً بند ہو جاتا ہے اور نفاس بچہ کی پیدائش کی وجہ سے رحم کا منہ کھلنے کے بعد آتا ہے۔

فائدہ اگر عورت بچہ کی پیدائش کے بعد خون نہ دیکھے تو اس پر غسل واجب نہیں' ہاں وضوء واجب ہے۔ صاحبین سے یہی مروی ہے اور مفید وحاوی میں اسی کو صحیح کہا ہے لیکن امام صاحب اور امام زفر کے نزدیک احتیاطاً غسل واجب ہے۔ محیط میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اسی قول کو لیا ہے اور صدر الشہید اسی پر فتوی دیتے تھے مضمرات میں ابو علی دقاق کے نزدیک اسی کو مختار کہا ہے۔ بقول صاحب جوہرہ فتاویٰ میں یہی صحیح ہیں اور بقول عینی امام شافعی وامام مالک کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

قولہ و اقل النفاس الخ نفاس کی کم از کم مقدار کی کوئی حد نہیں۔ سراجیہ میں ہے کہ اگر نفاس ایک ساعت ہو تب بھی معتبر ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ بچہ کا پہلے برآمد ہونا خون کے رحم سے آنے کی دلیل ہے لہٰذا امتداد کو دلیل بنانے کی ضرورت نہیں برخلاف حیض کے کہ اس میں خون کے حیض ہونے کی کوئی مقدم دلیل نہیں ہوتی اس لیے تین روز کے امتداد کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ رحم سے آنے کی کچھ حجت ہو سکے کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی علامت نہیں ہے اور نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ایک چلہ یعنی چالیس روز ہے جس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ کی روایت سے یہی مذکور[1] ہے اور اس باب میں حضرت انسؓ ابن عمرؓ عائشہؓ جابرؓ ابوالدرداء اور حضرت ابو ہریرہ سے بھی ایسی ہی روایتیں ہیں۔ ابن المنذر نے ابن عباسؓ ابن عمرؓ انسؓ عثمان بن ابی العاصؓ عائذ بن عمرو اور ام سلمہ سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابوعبید کہتے ہیں کہ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں۔ اسحاق کہتے ہیں کہ اس سنت پر اجماع ہے۔ امام شافعی نے نفاس کی اکثر مدت ساٹھ روز مقرر کی ہے لیکن بقول اسحاق نہ ان کے پاس کوئی صحیح حدیث ہے نہ کسی صحابی کا قول ہے بلکہ صرف بعض تابعین کا قول ہے جو نص کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ وَّلَدتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بطْنٍ وَّاحِدٍ فنِفاسُها ما خرَجَ منَ الدَّم عَقِيْبَ الْوَلد الْاَوَّلِ
جس عورت نے دو بچے جنے بطن واحد سے تو اس کا نفاس وہ خون ہو گا جو نکلے پہلے بچہ کی پیدائش کے بعد

عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمهُمَا اللّٰهُ تَعالٰی وَقال مُحَمَّدٌ وَزُفَرُرحمهُمَا اللّٰهُ تَعالٰی مِنَ الْوَلدِ الثَّانِیْ
امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ اور زفرؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے بچہ کی پیدائش کے بعد سے ہو گا

تشریح الفقہ قولہ ومن ولدت الخ اگر ایک ہی پیٹ سے دو بچے پیدا ہوں تو شیخین کے نزدیک نفاس پہلے بچہ کی ولادت سے شروع ہو جائے گا۔ اگر چہ دونوں کے درمیان چالیس روز کی مدت ہو لیکن امام محمد وزفر کے نزدیک نفاس آخری بچہ کی پیدائش سے شروع ہوگا۔ کیونکہ پہلے بچہ کی ولادت کے بعد تو ابھی وہ حاملہ ہے پس ایسی حالت میں جس طرح اس کو حیض نہیں کہہ سکتے اسی طرح نافسہ بھی نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ عدت بالاجماع آخری بچہ سے شروع کی جاتی ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ رحم کی بندش کی وجہ سے حاملہ کو خون آ ہی نہیں سکتا اور بچہ کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ کھل چکا ہے اور خون آنے لگا ہے اس لیے وہ نفاس ہی ہوگا۔ رہا عدت کا مسئلہ سو اس کا تعلق وضع حمل سے ہے اور اسی کی طرف مضاف ہے لہٰذا مجموعہ حمل کو شامل ہوگا۔ آیت ''واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن'' سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدت وضع حمل کے بعد پوری ہوگی اور ظاہر ہے کہ حمل صرف پہلا بچہ نہیں ہے بلکہ ایک یا دو یا تین جتنے بچے ہیں سب حمل ہیں لہٰذا سب کے وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

فائدہ اگر تین بچے اس طرح پیدا ہوئے کہ اول اور دوسرے بچے کے درمیان چھ مہینے سے کم مدت ہے اسی طرح دوسرے اور تیسرے بچہ کی درمیانی مدت بھی چھ ماہ سے کم ہے لیکن پہلے اور تیسرے بچے کے درمیان کا وقفہ چھ ماہ سے زائد ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ تینوں بچے بھی توأم ہی ہیں اور شیخین کے قول پر پہلے بچہ کی ولادت سے نفاس شروع ہوگا۔ امام مالک کا قول اور امام احمد سے اصح روایت اور امام شافعی کی اصح وجہ بناء پر تصحیح امام الحرمین و امام غزالی یہی ہے اور ایک روایت امام شافعی واحمد کی اور داؤد کا قول امام محمد کی تائید میں ہے کہ اخیر بچہ سے ہوگا۔

تنبیہ:۔ جڑواں بچوں کے لیے یہ شرط ہے کہ دونوں کے درمیان پوری مدت حمل یعنی چھ مہینے حائل نہ ہوں ورنہ ایک پیٹ کے بچے نہیں سمجھے جائیں گے۔

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دار قطنی، بیہقی ۱۲۔

بَابُ الاَنْجَاسِ

• باب نجاستوں کے بیان میں

تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّیْ وَ ثَوْبِهٖ وَالْمَكَانِ الَّذِیْ يُصَلِّیْ
نجاست سے پاک کرنا واجب ہے نمازی کو اپنا بدن اور کپڑا اور وہ جگہ جہاں نماز پڑھتا ہے

عَلَيْهِ وَيَجُوْزُ تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ وَ بِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ اِزَالَتُهَا بِهٖ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ
اور جائز ہے محل نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی بہنے والی پاک چیز سے جس کے ذریعہ اس کا ازالہ ممکن ہو جیسے سرکہ اور عرق گلاب

توضیح اللغۃ الانجاس۔ جمع نجس، ناپاکی، تطہیر۔ پاک کرنا، مائع۔ بہنے والی، خل۔ سرکہ، ماء الورد۔ عرق گلاب۔

تشریح الفقہ قولہ باب الانجاس الخ نجاست حکمیہ۔ حیض، نفاس، جنابت اوران کے ازالہ کے طرق وضوء، غسل، تیمم، مسح کے بیان سے فراغت کے بعد نجاست حقیقی اور اس سے تطہیر کے طریقوں کا بیان ہے اور نجاست حکمیہ کے بیان کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ اقوی ہے کیونکہ اس کی قلیل مقدار بھی مانع جواز صلوۃ ہے۔ انجاس نجس کی جمع ہے جو اصل کے لحاظ سے مصدر ہے لیکن اسم کی صورت میں بھی مستعمل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ''انما المشرکون نجس'' تاج الشریعۃ کہتے ہیں کہ انجاس جمع نجس بفتح نون وکسر جیم بمعنی ناپاک چیز اور نجس بفتحتین خود ناپاکی اور گندگی ہے، یہاں اول معنی مراد ہیں جیسے ناپاک بدن، ناپاک کپڑا، ناپاک مکان، صاحب کنز نے ''کافی'' میں بیان کیا ہے کہ لفظ خبث کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے اور حدث کا اطلاق حکمی پر اور نجس کا اطلاق دونوں پر۔

قولہ تطہیر النجاسۃ الخ یہ بات سب جانتے ہیں کہ عین نجاست کو پاک نہیں کیا جا سکتا اس لیے یہاں مضاف محذوف مانا جائے گا ای تطہیر محل النجاسۃ۔ جیسے آیت میں ہے ''واسئل القریۃ'' ای اہل القریۃ نمازی کے کپڑے کا پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ ارشاد باری ہے'' وثیابک فطھر ''اپنا لباس پاک رکھ اور ارشاد نبوی ہے'' حتیہ ثم اقرصیہ ثم اغسلیہ بالماء ولا یضرک اثرہ ''اس کو کھرچ دے، پھر پانی سے دھو ڈال تو ناپاکی کا نشان مضر نہیں رہے گا اور جب کپڑے کا پاک کرنا ضروری ہوا تو طہارت بدنی و مکان کا وجوب بھی معلوم ہو گیا۔ کیونکہ حالت نماز میں یہ استعمال سب ہی کو شامل ہے۔

قولہ ویجوز الخ محل نجاست پانی سے اور ہر ایسی پاک بہنے والی چیز سے پاک ہو سکتا ہے جس سے نجاست کا ازالہ ممکن ہو وہ جیسے سرکہ، عرق گلاب وغیرہ یہ شیخین کی رائے ہے۔ امام محمد، زفر، شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے پاک ہو سکتا ہے کیونکہ جس سے پاک کیا جا رہا ہے وہ ناپاک چیز سے ملتے ہی ناپاک ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ ناپاک چیز پاک نہیں کر سکتی مگر پانی کے سلسلہ میں اس قیاس کو مجبوراً ترک کرنا پڑتا ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیزیں ناپاکی کو زائل کر دیا کرتی ہیں اور پاکی کا مدار نجاست کے زوال پر ہی ہے رہا پاک کرنے والی چیز کا ناپاک ہو جانا سو وہ مجاورت کی وجہ سے تھا لیکن جب اجزائے نجاست ہی ختم ہو گئے تو پاک کرنے والی چیز پاک ہی رہی، اس کی واضح دلیل حضرت عائشہ کی دلیل ہے کہ ''ہمارے پاس ایک کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا اگر اس میں حیض کی نوبت آتی اور خون لگ جاتا۔ تو تھوک لگا کر ناخن سے کھرچ دیا جاتا (بخاری) ظاہر ہے کہ اگر تھوک سے پاک نہ مانا جائے تو اس سے اور زیادتی ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ بدن تو صرف پانی ہی سے پاک ہو گا۔ البتہ کپڑا ہر بہنے والی چیز سے پاک ہو سکتا ہے۔

وَاِذَا اَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهٗ بِالْاَرْضِ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ
جب لگ جائے موزے کو جسم دار نجاست اور خشک ہو جائے اور اس کو زمین سے رگڑ دے تو اس میں نماز جائز ہے۔

وَالْمَنِیُّ نجسٌ یَجِبُ غَسْلُ رَطْبِه فَاِذَا جَفَّ عَلَی الثَّوْبِ اَجْزَاهُ فِیْهِ الْفَرْکُ وَالنَّجَاسَةُ اِذَا

اور منی ناپاک ہے تر کو دھونا واجب ہے اور جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اسے مل دینا کافی ہے اور نجاست جب لگ

اَصَابَتِ الْمِرْاٰةُ اَوِالسَّیْفُ اکْتُفِیَ بِمَسْحِهِمَا وَ اِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ

لگ جائے آئینہ یا تلوار کو تو ان کو پونچھ دینا کافی ہے اور اگر نجاست زمین کو لگ کر دھوپ سے خشک ہو جائے

وَذَهَبَ اَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلٰی مَکَانِهَا وَلَا یَجُوْزُ التَّیَمُّمِ مِنْهَا.

اور اس کا نشان جاتا رہے تو اس جگہ نماز جائز ہے لیکن اس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ خف۔موزہ' جفت جفافاً۔خشک ہو جانا' دلک۔رگڑنا' رطب۔تر' فرک۔کھرچنا' مرآۃ آئینہ' سیف۔تلوار' مسح۔پونچھ دینا' اثر۔ نشان۔

تشریح الفقہ قولہ واذا اصابت الخف الخ اگر موزہ پر دلدار نجاست لگ گئی جیسے گوبر' خون وغیرہ اور خشک ہو جانے پر اس کو زمین سے رگڑ دیا تو موزہ استحساناً پاک ہو جائے گا اور اگر دلدار نہ ہو تو دھونا پڑے گا۔امام محمد کے نزدیک بہر دو صورت دھونا ہی پڑے گا کیونکہ جو نجاست موزہ میں پیوست ہو گئی اس کو نہ خشک ہونا دور کر سکتا ہے نہ رگڑنا شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ''اگر موزوں میں کچھ گندگی لگ رہی ہو تو زمین پر رگڑ دینا چاہئے کیونکہ زمین ان کو پاک کر دے[1] گی۔

قولہ والمنی الخ ہمارے نزدیک منی ناپاک ہے اگر وہ گیلی ہو تو دھونا ضروری ہوگا اور خشک ہو تو کھرچ دینا کافی ہوگا کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اگر منی گیلی ہوتی تو دھوڈالتی اور خشک ہوتی تو کھرچ دیتی[2]۔شوافع منی کو پاک کہتے ہیں۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منی کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ منی تھوک اور ناک کی ریزش کی طرح ہے۔

اس کے لیے یہی کافی ہے کہ کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھ ڈالے مگر یہ بقول بیہقی ابن عباس پر موقوف ہے اور اگر رفع تسلیم کر لیا جائے تو حضرت عمر' عائشہ' ابو ہریرہ' جابر بن سمرہ وغیرہ سے بکثرت روایات ہیں جن میں منی کا دھونا اور دھونے کا حکم دینا مذکور ہے حتیٰ کہ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ اگر جگہ معلوم نہ ہو تو کل کپڑا دھونا چاہیے۔شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ منی انسان کا مبدا تخلیق ہے' اسے ناپاک کیسے کہا جا سکتا ہے جواب یہ ہے کہ انسان کی پیدائش خون سے ہوتی ہے اور خون منی سے بنتا ہے' حالانکہ خون ناپاک ہے۔

قولہ او السیف الخ اگر آئینہ اور تلوار وغیرہ میں نجاست لگ جائے تو پونچھنے سے پاک ہو جاتے ہیں کیونکہ نجاست ان کے اندر تو گھس نہیں سکتی اور جو کچھ اوپر لگی ہے وہ پونچھنے سے صاف ہو جائے گی اور اگر زمین پر نجاست پڑ جائے اور زمین دھوپ میں اس طرح سوکھ جائے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو نماز کے لیے پاک ہو جاتی ہے نہ کہ تیمم کے لیے اس میں امام شافعی کا ایک قول اور امام نووی کی رائے ہمارے موافق ہے۔امام شافعی اور امام زفر کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مزیل نجاست کوئی چیز نہیں پائی گئی اسی لیے اس پر تیمم جائز نہیں۔جواب یہ ہے کہ مزیل نجاست دھوپ کی حرارت ہے اور تیمم میں مٹی کی پاکی بطور شرط نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ کَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ الدِّرْهَمِ

جس کو لگ جائے نجاست غلیظہ جیسے خون پیشاب پاخانہ شراب ایک درہم کی مقدار

[1] ۔۔۔ۃ والخدری وعائشہ ابن حبان عنہا' حاکم عن ابی ہریرہ ۱۲۔[2] صحیح ابو عوانہ ۱۲۔

وَمَا دُوْنَهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ وَاِنْ زَادَ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ
یا اس سے کم تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ اور اگر زائد ہو تو جائز نہیں اور اگر لگ جائے نجاست خفیفہ

كَبَوْلِ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ
جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک کہ نہ پہنچے چوتھائی کپڑے کو

غلیظہ وخفیفہ نجاست کا بیان

تشریح الفقہ قوله و من اصابته الخ اگر نجاست غلیظہ مثلاً خون' پیشاب' پاخانہ' شراب لگ جائے تو ایک درہم یعنی ہتھیلی بھر چوڑائی کی مقدار معاف ہے اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی اور اگر اس سے زائد ہو تو معاف نہیں۔امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک تھوڑی اور زیادہ سب یکساں ہیں کیونکہ جس نص میں دھونے کا حکم ہے اس میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ معمولی نجاست سے بچنا عادتاً ممکن نہیں ہے۔اس لیے اتنی نجاست کو معاف کرنا پڑے گا اور اگر نجاست خفیفہ ہے جیسے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم کی مقدار معاف ہے۔

قوله من النجاسة المغلظة الخ امام صاحب کے نزدیک نجاست غلیظہ کا ثبوت ایسی نص سے ہوتا ہے جس کے معارض دوسری نص مثبت طہارت نہ ہو اور اگر دو نص باہم متعارض ہوں۔تو پھر نجاست خفیفہ کہلائے گی۔صاحبین کے نزدیک جس نجاست پر اجماع ہو چکا ہو وہ غلیظہ ہے اور جس میں اختلاف ہو وہ خفیفہ ہے۔ثمرہ اختلاف گوبر کی بابت میں ظاہر ہوگا کہ یہ امام صاحب کے نزدیک عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت لیلۃ الجن کی وجہ سے نجاست غلیظہ ہے کہ کوئی دوسری اس کے معارض نہیں ہے صاحبین کے نزدیک گوبر کی نجاست خفیفہ ہے کیونکہ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک گوبر پاک ہے تو نجاست اتفاقی نہ رہی اختلافی ہوگئی۔

تنبیہ صاحب کتاب نے نجاست غلیظہ اور نجاست خفیفہ کی تعریف ذکر نہیں کی صرف مثال پر اکتفا کیا ہے اس واسطے کے اول تو اس کی بابت امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔دوم یہ کہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلکین پر اعتراض واقع ہوتا ہے کیونکہ امام صاحب کے مسلک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ گدھے کا جھوٹا نجس بنجاست خفیفہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کی بابت نصین متعارض ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''کل من سمین مالک'' اور آپ کا ارشاد ''اکفئوا القدور'' حالانکہ امام صاحب کے نزدیک بھی گدھے کا جھوٹا پاک ہے' اور صاحبین کے مسلک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کے نزدیک منی کی نجاست خفیفہ ہونی چاہیے کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔چنانچہ امام شافعی منی کو پاک کہتے ہیں حالانکہ صاحبین کے نزدیک بھی منی کی نجاست غلیظ ہے نہ کہ خفیفہ۔

قوله كالدم الخ نجاست غلیظہ میں خون سے مراد انسان یا کسی جانور کا بہنے والا خون ہے اس سے بارہ خون مستثنیٰ ہیں غیر سیال خون۱ شہید۲ لاغر گوشت۳' رگوں۴ کلیجہ۵' تلی۶' دل۷' مچھلی۸ پسو۹' مچھر۱۰' کھٹمل۱۱' جوں۱۲' کا خون اور پیشاب سے مراد انسان اور غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ہے جن میں سے چمگادڑ اور چوہا مستثنیٰ ہے کیونکہ چمگادڑ کا پیشاب پاک ہے اور چوہے سے احتراز نہایت مشکل ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

قوله مقدار الدرهم الخ نجاست غلیظہ ایک درہم کے بقدر معاف ہے اسی سلسلہ میں بعض حضرات نے تو علی الاطلاق درہم کے وزن یعنی ایک مثقال (بیس قیراط) کا اعتبار کیا ہے اور بعض حضرات نے مساحت کا اعتبار کیا ہے۔فقیہ ہندوانی نے دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ پیشاب جیسی پتلی نجاستوں میں مساحت یعنی ایک درہم کا پھیلاؤ' ہتھیلی کی گہرائی بھر معتبر ہوگا اور پاخانہ جیسی گاڑھی نجاستوں میں درہم کے وزن کا اعتبار ہوگا۔بدائع میں ہے کہ مشائخ ماوراء النہر کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔جامع کردری میں بھی اسی کو مختار کہا ہے' محیط زاہدی اور زیلعی نے

اسی کو صحیح کہا ہے۔ تبیین اور کافی وغیرہ فتاویٰ میں بھی اسی کو لیا ہے اور تنویر میں اسی پر جزم کا اظہار کیا ہے۔

قولہ جازت الصلوۃ الخ نماز کا جواز میں اسی معنی میں ہے کہ اس کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی اور نماز بالکل باطل نہیں ہوئی البتہ مکروہ تحریمی ہوگی یعنی اتنی نجاست کا دھونا واجب ہے حتی اگر نماز شروع کر چکا ہو تو اس کے دھونے کے واسطے نماز کا توڑنا جائز ہے۔ کذافی الطحطاوی

قولہ نجاسۃ مخففۃ الخ امام صاحب کے نزدیک نصوص نجاست وطہارت متعارض ہونے کی وجہ سے نجاست میں تخفیف آ جاتی ہے۔ جیسے حدیث عرنیین تو اونٹ کے پیشاب کے پاک ہونے پر دلالت کرتی ہے اور حدیث ''استنزھوا من البول'' اس کی نجاست پر دلالت کرتی ہے، پس اگر نجاست خفیفہ مثلاً ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب لگ جائے تو چوتھائی کپڑے سے کم مقدار معفو عنہ ہے اس کے ہوتے ہوئے نماز ہو جائے گی پھر ماکول اللحم جانوروں سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ ان کا گوشت حرام نہ ہو تو شیخین کے نزدیک گھوڑے کے پیشاب کی نجاست خفیفہ ہوگی۔ کیونکہ امام صاحب نے جو اس کے گوشت کو مکروہ کہا ہے، یہ سامان جہاد میں سے ہے اس لیے نہیں کہ اس کا گوشت ناپاک ہے۔

قولہ مالم تبلغ الخ بعض احکام میں چوتھائی حصہ کو بمنزلہ کل کے سمجھا گیا ہے جیسے چوتھائی سر کا مسح بمنزلہ کل سر کے قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح نجاست خفیفہ میں چوتھائی حصہ کو کل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ پورے بدن یا پورے کپڑے کا چوتھائی حصہ معتبر ہے یا صرف اس جگہ کا چوتھائی معتبر ہے جس میں نجاست لگی ہوئی ہے؟ سو اس میں اختلاف ہے۔ ابن ہمام نے اول کو احسن اور حلبی نے شرح منیہ میں مختار اور نہر الفائق میں راجح کہا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک ثانی معتبر ہے جیسے کرتہ کا دامن، کلی آستین وغیرہ محیط او تحفہ میں اسی کو اصح اور بدائع، مجتبیٰ سراج وہاج میں صحیح اور حقائق میں مفتی بہ کہا ہے۔ حلبی محشی درمختار کہتے ہیں کہ مفتی بہ ہونا ارجح اور مختار پر مقدم ہے۔

فائدہ اگر کسی چیز میں نجاست غلیظہ اور خفیفہ دونوں جمع ہو جائیں تو احتیاطاً خفیفہ کو بھی غلیظہ کے تابع کر دیں گے حتی کہ غلیظہ اگر ایک درم سے کم ہو۔ لیکن نجاست خفیفہ ملا کر پورا ایک درم یا ایک درم سے زائد ہو جاتی ہو تو دونوں کو ملا کر ایک سمجھا جائے گا۔ (ظہیریہ، تنویر) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَتَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ الَّتِىْ يَجِبُ غَسْلُهَا عَلٰى وَجْهَيْنِ فَمَا كَانَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا

اور جس نجاست کو دھونا ضروری ہے اس سے پاکی حاصل کرنا دو طرح پر ہے پس جو نجاست بعینہ نظر آتی ہو اس کی پاکی اس کے عین

زَوَالُ عَيْنِهَا اِلَّا اَنْ يَّبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَايَشُقُّ اِزَالَتُهَا وَمَا لَيْسَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا

کا زائل ہو جانا ہے الا یہ کہ ایسا داغ رہ جائے جس کا ازالہ مشکل ہو اور جو نجاست بعینہ نظر نہ آتی ہو تو اس کی پاکی

اَنْ يُّغْسَلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ[1] اَنَّهٗ قَدْ طَهُرَ

اتنا دھونا ہے کہ دھونے والے کو گمان غالب ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا

نجاست مرئی وغیر مرئی کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ علیٰ وجھین** الخ نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نظر آنے والی، دوم نظر نہ آنے والی۔ اول میں محل نجاست کا پاک ہونا یہ ہے کہ بعینہ اس ناپاکی کو اس نجاست کا اتنا اثر اور نشان باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا دشوار ہو کیونکہ حرج شرعاً مدفوع ہے۔ دوم میں محل نجاست کا پاک ہونا یہ ہے کہ اس کو اتنا دھویا جائے کہ دھونے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ پاک ہو گیا ہے اور وہ تین مرتبہ ہے کیونکہ تین بار سے غالب گمان ہو جاتا ہے۔ پس سبب ظاہر کو طہارت کے قائم مقام کر دیا گیا لیکن ہر مرتبہ نچوڑنا ضروری ہے اور جس چیز کا نچوڑنا ممکن نہ ہو جیسے بوریہ، بچھونا، لحاف

[1] بشرطیکہ وہ مکلف یعنی عاقل بالغ، مسلم ہو۔ اگر وہ صغیر یا مجنون ہو تو اس کے استعمال کرنے والے کا ظن غالب معتبر ہے ۱۲۔

وغیرہ تو وہ تین بار دھو کر خشک کرنے سے پاک ہو جائے گی۔

قولہ عین مرئیۃ الخ غایۃ البیان میں ہے کہ نمودار نجاست سے مراد وہ نجاست ہے جو خشک ہو جانے کے بعد نظر آئے جیسے خون' پاخانہ وغیرہ اور جو خشک ہو جانے کے بعد نظر نہ آئے' وہ نمودار نہیں۔

قولہ زوال عینھا الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے عین نجاست زائل ہو جائے تو تکرار غسل ضروری نہیں اور اگر تین مرتبہ دھونے سے بھی عین نجاست زائل نہ ہو تو مزید دھونا ضروری ہوگا یہاں تک کہ عین نجاست زائل ہو جائے کیونکہ نجاست مرئی میں اصل مقصود نجاست کا زوال ہے پس اس میں تین پانچ کا کوئی انحصار نہیں ہے (سراجیہ' محیط) امام ابوحفص' فقیہ ابوجعفر اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے عین نجاست کا زوال ہو تو دو مرتبہ اور دھونا چاہیے کیونکہ اس وقت اس کا درجہ نجاست غیر مرئیہ کا ہو جاتا ہے۔ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ زوال عین کے بعد بھی تین مرتبہ دھونا چاہیے۔ شیخ صریفی کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ جب تین بار دھونے سے عین نجاست اور اس کی بو دور ہو جائے تو محل نجاست پاک ہو جائے گا اور اگر صرف بو باقی رہ جائے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن تین مرتبہ سے زائد دھونے کی ضرورت نہیں۔

قولہ مایشق الخ مشقت کا مطلب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ صابن وغیرہ استعمال کرنا پڑے (کافی) یا گرم پانی استعمال کرنا پڑے (سراج) چنانچہ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ خولہ بنت یسار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خون حیض کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے پانی سے دھونے کو فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دھونے سے اس کا نشان نہیں جاتا؟ فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی' احمد) اور حدیث عائشہ جس میں پانی کے علاوہ دوسری چیزوں کا استعمال بھی ہے سو وہ استحباب ہے۔

وَالِاسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ يُجْزِئُ فِيهِ الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَ مَاقَامَ مَقَامَهُمَا يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهُ وَلَيْسَ
اور استنجاء سنت ہے جس کے لئے پتھر ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں کافی ہیں مخرج کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف

فِيهِ عَدَدٌ مَّسْنُوْنٌ وَ غَسْلُهٗ بِالْمَاءِ اَفْضَلُ وَاِنْ تَجَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ فِيهِ اِلَّا الْمَاءُ
کر دے اس میں کوئی خاص عدد مسنون نہیں اور پانی سے دھونا افضل ہے اور اگر بڑھ گئی نجاست اپنے مخرج سے تو جائز نہیں ہے اس میں مگر پانی

اَوِ الْمَائِعُ وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهٖ
یا بہنے والی چیز اور نہ کرے استنجاء ہڈی' لید کھانے اور داہنے ہاتھ سے

استنجے کا بیان

توضیح اللغۃ الاستنجا۔ پیشاب' پاخانہ کے مقام سے جو گندگی نکلے اس کو مخرج سے صاف کر دینا' پانی کے ذریعہ سے ہو یا مٹی وغیرہ کے ذریعہ سے ہو۔ پس ریح' پتھری اور نیند سے استنجا مسنون نہ ہوگا' کیونکہ یہ نجاست نہیں ہیں اور فصد کے خون سے بھی' کیونکہ یہ خارج من السبیلین نہیں ہے۔ حجر۔ پتھر' مدر۔ ڈھیلا' ینقیہ۔ صاف کر دے' مائع۔ سیال' عظم۔ ہڈی' روث۔ لید' طعام۔ کھانا' یمین۔ داہنا۔

تشریح الفقہ **قولہ والاستنجاء سنۃ الخ** صاحب کتاب نے استنجے کے احکام کو سنن وضوء کے ذیل میں بیان نہیں کیا بلکہ امام محمد کی اتباع کرتے ہوئے اس باب میں لا رہے ہیں اس واسطے کہ استنجے میں نجاست حقیقیہ کا ازالہ ہوتا ہے اور سنن وضوء کی مشروعیت نجاست حکمیہ کے ازالہ کے لیے ہے۔ صاحب کتاب کہتے ہیں کہ استنجا سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے "اصل" میں ہے کہ استنجا

سنت مؤکدہ ہے۔یعنی اگر کسی نے اس کو چھوڑ دیا تو نماز ہو جائے گی۔امام شافعی کے نزدیک استنجا واجب ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ استنجاء علی الاطلاق نہ واجب ہے نہ سنت بلکہ کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب کبھی سنت کبھی بدعت چنانچہ نجاست اگر قدر درہم سے زیادہ لگ رہی ہو تو استنجا فرض ہے اور قدر درہم ہو تو واجب ہے اور اس سے کم ہو تو سنت ہے اور صرف پیشاب کے بعد پانی سے استنجا مستحب ہے اور صرف ریح وغیرہ کے بعد استنجا کرنا بدعت ہے۔

قولہ یجزی فیہ الحجر الخ استنجے میں پتھر اور ڈھیلے کا استعمال کافی ہے یا اس چیز کا جو اس کے قائم مقام ہو یعنی پاک ہو اور نجاست دور کرنے والی ہو اور قیمتی شئے نہ ہو جیسے خاک لکڑی کپڑا روئی پرانی کھال وغیرہ۔صاحب جوہرہ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب خارج ہونے والی نجاست معتاد ہو لیکن اگر پیپ یا خون ہو تو اس میں پانی کے علاوہ کا استعمال کافی نہ ہوگا ہاں اگر مذی ہو تو اس میں پتھر بھی کافی ہوگا یہ بھی کہا گیا ہے کہ پاخانہ سے استنجے میں پتھر کا کافی ہونا اس وقت ہے جب پاخانہ خشک نہ ہوا ہو اور استنجا کرنے والا اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہوا ہو ورنہ صرف پانی ہی استعمال کرنا ہوگا کیونکہ ڈھیلے سے استنجا کیے بغیر کھڑا ہونے کی صورت میں پاخانہ اپنے مخرج سے متجاوز ہو کر دوسری جگہ لگ جائے گا اور خشک ہو جانے کی صورت میں ڈھیلا اس کو زائل نہ کر سکے گا۔

قولہ یمسحہ حتی ینقیہ الخ صاحب جوہرہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ استنجے کا طریقہ یہ ہے کہ استنجا کرتے وقت بائیں ٹانگ پر زور دے کر بیٹھے قبلہ اور ہوا کے رخ پر نہ بیٹھے اور چاند سورج کے مقابل سے شرمگاہ کو چھپا کر بیٹھے پھر تین ڈھیلوں سے اس طرح استنجا کرے کہ اول ڈھیلا آگے سے پیچھے کی جانب اور دوسرا پیچھے سے آگے اور تیسرا آگے سے پیچھے کی طرف لائے۔ابو جعفر کہتے ہیں کہ یہ کیفیت گرمیوں کے موسم میں ہے۔جاڑوں میں اول پیچھے سے آگے پھر آگے سے پیچھے پھر پیچھے سے آگے کی طرف لائے امام سرخسی فرماتے ہیں کہ ڈھیلے کی کوئی مخصوص کیفیت متعین نہیں بلکہ تنقیہ مقام مقصود ہے رہی عورت سو وہ ہمیشہ اس طرح استنجا کرے جس طرح مرد کے لیے گرمیوں کے موسم میں بیان کیا گیا ہے۔

قولہ و لیس فیہ عدد الخ چونکہ استنجے کا مقصد مقام کو صاف کرنا ہے اس لیے اس میں ڈھیلوں کی کوئی خاص تعداد مسنون نہیں ہے۔امام شافعی کے نزدیک طاق عدد تین پانچ سات مسنون ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین پتھروں سے استنجا کرنا چاہیے۔(ابو داؤد نسائی ابن ماجہ بیہقی ابن حبان احمد دار قطنی طبرانی) ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد ہے ''کہ استنجے میں طاق عدد ملحوظ رکھنا چاہیے جس نے لحاظ رکھا اس نے اچھا کیا اور جس نے اس کا لحاظ نہ رکھا تو کوئی حرج نہیں۔(ابو داؤد ابن ماجہ احمد بیہقی ابن حبان) امام شافعی نے جس روایت کو پیش کیا ہے اس کے ظاہری معنی متروک ہیں کیونکہ اگر تین رخے پتھر سے استنجا کیا جائے تو بالاتفاق جائز ہے۔

قولہ و غسلہ بالماء الخ ڈھیلوں کے استعمال کے بعد پانی سے استنجے کا حکم مختلف فیہ ہے بعض نے اس کو مستحب بتایا ہے اور صاحب کتاب نے افضل اور صاحب ہدایہ نے ادب کیونکہ آیت ''**فیہ رجال یحبون ان یتطہروا**'' اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ڈھیلوں کے بعد پانی بھی استعمال کرتے تھے اور بعض مشائخ نے علی الاطلاق سنت کہا ہے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ استنجا دو قسم کا ہوتا ہے ایک صرف ڈھیلے سے اور ایک پانی سے۔پس ڈھیلوں سے استنجاء کرنا سنت ہے اور ڈھیلوں کے بعد پانی کا استعمال ادب و فضیلت ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے کیونکہ صحابہ سے مروی ہے کہ وہ کبھی پانی سے استنجا کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے۔بعض لوگوں نے اس زمانہ میں پانی سے استنجا کرنے کو سنت بتایا ہے۔حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ پہلے لوگ بکری طرح مینگنیاں کرتے تھے اور اب لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہیں۔اس لیے ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجا کرنا چاہیے۔(بیہقی)

قولہ و ان تجاوزت الخ اگر نجاست اپنے مقام سے متجاوز ہو جائے تو پانی کا استعمال ضروری ہے جس میں شیخین کے نزدیک مقام استنجا کے علاوہ مقدار مانع کا اعتبار ہے کیونکہ خود مقام استنجاء میں تو یہ مقدار ساقط الاعتبار ہے۔امام محمد کے نزدیک مقام استنجے سمیت اس مقدار کا اعتبار

ہے۔

ولایستنجی الخ ہڈی اور لید سے استنجا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حدیث سلمان میں اس کی ممانعت موجود ہے جس کو بخاری کے علاوہ جماعت محدثین نے روایت کیا ہے۔ حدیث ابن مسعود میں ہے کہ لید اور ہڈی سے استنجا نہ کرو کیونکہ اس میں تمہارے بھائی جنات کی غذا ہے۔ (مسلم) تاہم اگر کسی نے کرلیا تو تنقیہ کی وجہ سے جائز ہے۔

كتاب الصّلوٰة

یہ کتاب احکام نماز میں ہے

قولہ کتاب الصلوۃ الخ شرط اور وسیلہ نماز (طہارت) کے بیان سے فراغت کے بعد مشروط و مقصود (نماز) کے احکام و مسائل شروع کر رہے ہیں۔ نماز ایک دائمی قدیمی عبادت ہے جس سے کسی رسول کی شریعت خالی نہیں رہی بالخصوص اسلامی معاشرہ کی جان ہے اسی لیے قرآن پاک میں دعوت ایمان کے بعد اقامت صلوۃ کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے" بين الايمان والكفر ترک الصلوة'' (مسلم) کہ ملت اسلامیہ اور ملت مشرکہ کے درمیان فرق و امتیاز صرف نماز ہے' معلوم ہوا کہ نماز چھوڑنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے اسی لیے امام شافعی فرماتے ہیں کہ عمداً نماز چھوڑنے سے انسان مرتد اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک غیر منکر تارک نماز کافر تو نہیں ہوتا مگر فاسق ضرور ہوتا ہے۔

لفظ صلوٰۃ ''صلی' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھی لکڑی کو آگ دکھا کر سیدھا کرنا' قال اللہ تعالیٰ 'سیصلی ناراً'' اسلام میں اہم ترین عبادت کو بھی صلوۃ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ نفس کی اس کجی کو جو اس کی فطرت میں داخل ہے یہ عبادت دور کر دیتی ہے۔ انسان اپنی اس کج نفسی کے ساتھ دربار باری عز اسمہٗ میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کی ہیبت و عظمت کی حرارت اور اس کی بزرگی و کبریائی اور اس کا جلال اس کی کجی کو دور کر دیتا ہے نیز صلوۃ کے معنی رحمت اور دعاء کے بھی ہیں۔ قال جل جلالہ 'اولئک علیهم صلوٰت من ربهم ''ای رحمة' وقال عم نواله '' وصل علیهم ان صلوتک سکن لهم" ای ادع لهم ان دعائک لهم ممانية لهم'' پس یہ عبادت ایک پہلو سے حرارت ہے تو دوسرے پہلو سے رحمت ہے کہ اس کی وہ حرارت جو دنیا میں نفس پر شاق گزرتی ہے۔ آخرت میں وہ رحمت کی شکل اختیار کر لیتی ہے اسی طرح اس کے معنی ثناء قرأت اور تحریک الصلوین کے بھی ہیں۔ قال الله تعالیٰ "ان الله و ملائكته يصلون على النبی" قیل هی الثناء' وقال تبارک و تعالیٰ "ولاتجهر بصلوتک" ای بقراء تک' ویقال صلی الرجل ای حرک الیتیه نماز کے قیام وقعود میں چونکہ ثناء و قرأت ہوتی ہے اس لیے اس کو صلوۃ کہتے ہیں چنانچہ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ شرعی نماز کو صلوٰۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دعاء پر مشتمل ہوتی ہے اور جمہور اہل لغت نے اسی کو صحیح کہا ہے۔ اصل نماز کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع سب سے ہے' قرآن جیسے آیت "ان الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً'' حدیث جیسے بنی الاسلام علی خمس اھ پھر پانچوں نمازوں کا اجمالی حکم آیت "حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى'' میں ہے اور تعیین آیت 'فسبحان الله حين تمسون وحين تصبحون'' میں ہے اور اس بارے میں حدیث مشہور اور عمل متواتر بھی حجت ہے اور ان نمازوں کی رکعات کا شمار توقیفی ہے جس میں قیاس واجتہاد' ظن و تخمین کو قطعاً دخل نہیں ہے البتہ رکعات کا قطعی اور ان پر عمل متواتر ہے۔

فائدہ ایمان چونکہ بلاواسطہ عبادت ہے اور نماز بواسطہ استقبال قبلہ عبادت ہے۔ لہذا نماز ایمان میں داخل نہیں بلکہ باعتبار فعل و باعتبار حکم اس کی ایک شاخ ہے اس واسطے کہ ایمان جمیع ارشادات قطعیہ نبویہ کی تصدیق سے عبارت ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔ غایۃ الاوطار۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِي وَ هُوَالْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِي الْاُفُقِ وَاٰخِرُوَقْتِهَا
نماز فجر کا اول وقت وہ ہے جب فجر ثانی طلوع ہو اور وہ ایک سپیدی ہے جو پھیلتی ہے آسمان کے کناروں میں اور آخری وقت

مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ
وہ ہے جب تک آفتاب طلوع نہ ہو

نماز فجر کے وقت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ اول وقت الفجر الخ اوقات نماز چونکہ اسباب نماز ہیں اور ہر شئے کا سبب یعنی امر مفضی الی الحکم بلا تاثیر مسبب پر طبعاً مقدم ہوتا ہے لہذا اس کو وضعاً بھی مقدم ہونا چاہیے اس لیے صاحب کتاب پہلے اوقات نماز کو بیان کررہے ہیں پھر نماز فجر چونکہ ایک ایسی نماز ہے جس کے اول وآخر وقت میں امت کا کوئی اختلاف نہیں برخلاف ظہر، عصر وغیرہ کے کہ ان کی بابت اختلاف ہے اس لیے نماز فجر کے وقت کو پہلے بیان فرمارہے ہیں اور بعض لوگوں نے جو اول فجر میں یہ اختلاف کیا ہے کہ اول وقت صبح ہے یا اس کا انتشار اور آخر وقت قدرے آفتاب کی کرن کے طلوع تک ہے یا تیر انداز کو تیر گرنے کے مقام کے نظر آنے تک ہے سو یہ اختلاف ضعیف ہونے کی وجہ سے لائق اعتناء نہیں ہے۔ تقدیم فجر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز کو اول حضرت آدم علیہ السلام نے ادا کیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پنجگانہ نماز میں شب معراج میں فرض ہوئیں تو اس رات کے بعد پہلے فجر کی نماز ٹھہری۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ نوم جوا خوالموت ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلے نماز فجر ہی ہے البتہ امام محمد نے جامع صغیر میں ظہر کی نماز کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ امامت جبرئیل کی بابت مشہور تر روایت یہی ہے کہ اس کی ابتداء ظہر سے ہوئی تھی۔ کذا فی الطحطاوی۔

قولہ اذا طلع الفجر الثانی الخ فجر کا اول وقت فجر ثانی (صبح صادق) طلوع ہونے کے بعد سے ہوتا ہے جو افق آسمان کی چوڑائی میں پھیلی ہوئی ہے اور فجر کا آخری وقت تک رہتا ہے کیونکہ حضرت جبرئیل نے پہلے روز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی پڑھائی اور دوسرے روز اس وقت جب کہ خوب اچھی طرح چاندنا ہوگیا۔ حتیٰ کہ آفتاب نکلنے کے قریب ہوگیا اور فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان جو وقت ہے وہ آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے وقت ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم، نسائی، احمد، ابن راہویہ عن جابر، بیہقی، طبرانی عن ابن مسعود، بزار عن ابی ہریرہ، عبدالرزاق عن عمرو بن حزم)

قولہ وھو البیاض المعترض الخ فجر کی دو قسمیں ہیں۔ فجر اول اور فجر ثانی۔ فجر اول یعنی صبح کاذب جو بفحوائے حدیث دم گرگ کی طرح بلند ہوتی ہے لیکن کچھ ہی دیر بعد سفیدی مٹ کر سیاہی آجاتی ہے اسی لیے اس کو صبح کاذب کہتے ہیں اس وقت تک عشاء کی نماز کا وقت رہتا اور صائم کو سحر کھانا درست ہوتا ہے اس وقت میں صبح کی نماز جائز نہیں۔ حدیث میں ہے "لایغرنکم اذان بلال ولا الفجر المستطیل و انما الفجر المستطیر فی الافق (مسلم، ترمذی، نسائی) کہ بلال کی اذان اور فجر مستطیل تمہیں مغالطہ میں نہ ڈالے فجر وہ ہے جو آسمان کے کناروں میں پھیلی ہوتی ہے۔ فجر ثانی افق میں معترض ومنتشر یعنی دائیں بائیں پھیلی اور چوڑی ہوتی ہے جس کی روشنی ومبدم زیادہ ہوتی جاتی ہے اسی لیے اس کو صبح صادق کہتے ہیں۔ نماز فجر کا اول وقت یہی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُوَقْتِهَا عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا صَارَ
اور ظہر کا اول وقت وہ ہے جب آفتاب ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ہے جب ہر چیز

ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَيْهِ سِوٰى فَيْءِ الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ

کا سایہ دو چند ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب ہر چیز کا سایہ

مِثْلَهٗ وَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ

ایک مثل ہو جائے اور عصر کا اول وقت وہ ہے جب نکل جائے ظہر کا وقت دونوں قولوں کے مطابق اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک آفتاب غروب نہ ہو

نماز ظہر و عصر کے وقت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و اول وقت الظهر الخ ظہر کا اول وقت بالاتفاق زوال کے بعد سے ہوتا ہے جب سورج آسمان کے وسط سے ذرا مغرب کی طرف ڈھل آتا ہے اور ظہر کا آخری وقت امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے یہ امام صاحب سے امام محمد کی روایت ہے جس کے متعلق بدائع میں کہا ہے کہ یہی قول صحیح اور ظاہر الروایہ ہے۔ محیط میں بھی اسی کو صحیح اور محبوبی نے اسی کو مختار کہا ہے۔ اسی پر نسفی نے اعتماد کیا ہے اسی کو صدر الشریعہ نے ترجیح دی ہے۔ غیاثیہ میں ہے ہو المختار اور شرح مجمع میں ہے کہ اصحاب متون اور شارحین نے اسی کو پسند کیا ہے' دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم" (صحیحین' سنن) کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو' کیونکہ گرمی کی تیزی جہنم کے جوش سے ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مثل تک بالخصوص گرم ممالک میں سخت حرارت رہتی ہے اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں تو ایک مثل سایہ تک ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایک مثل خانہ کعبہ کے لحاظ سے ہے جو عین خط استواء پر واقع ہے' جہاں دو پہر کو بالکل سایہ ہی نہیں ہوتا ایک مثل ہو جائے تو جن ملکوں میں سایہ اصلی ہی ایک مثل تک ہو تو اس پر جب ایک مثل کا اضافہ ہوگا تو یقیناً دو مثل ہو جائیں گے۔ صاحبین' امام زفر' امام مالک' امام شافعی' امام احمد کے نزدیک اور امام صاحب سے حسن کی روایت کے مطابق ظہر کا آخری وقت ایک مثل تک رہتا ہے۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔ غرر الافکار میں ہے کہ یہی قول لیا گیا ہے' یعنی اسی پر عمل ہے۔ برہان میں ہے کہ یہی قول ظاہر تو ہے۔ فیض میں ہے کہ آج لوگوں کا عمل اسی پر ہے اور اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے دلیل حدیث جبرئیل ہے جو باب مواقیت میں نص صریح ہے جس میں عصر کی نماز مثل اول کے بعد شروع کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا' تب ہی تو عصر کی ابتداء ہوئی السراج الوہاج میں ہے کہ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل تک مؤخر نہ کرے اور عصر کی نماز دو مثل سایہ ہونے سے پہلے نہ پڑھے' تا کہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر بالاتفاق ادا ہوں۔ کذا فی الطحطاوی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

ضروری نقوش

سایہ اصلی کی بحث سمجھنے کے لیے پہلے حسب ذیل اصطلاحات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

۱۔ قدم۔ ہر شے کے قد کے ساتویں حصے کو کہتے ہیں جو ساٹھ دقیقہ کا ہوتا ہے ۲۔ دقیقہ۔ ساٹھ آن کا ہوتا ہے۔ ۳۔ آن جس میں گیارہ بار "اللہ" کہا جا سکے۔ ۴۔ ساعت یا گھڑی' ساٹھ پل کی ہوتی ہے۔ ۵۔ پل۔ ساٹھ ریزے کی ہوتی ہے۔ ۶۔ ریزہ وقت کی وہ مقدار جس میں دو حرفی لفظ مثلاً "اَن" کہا جا سکے۔

مندرجہ ذیل نقشہ میں سات مہینے کا نقشہ اس طرح دیا ہے کہ ساون کا سایہ اصلی ڈیڑھ قدم بتایا ہے۔ پھر اس سے پہلے تین مہینوں اور بعد کے

تین مہینوں میں ایک ایک قدم کا اضافہ ہونا بتایا ہے۔ (بیساکھ ۸\۱۲\۱ جیٹھ ۲\۱۲\۱ ساون ۱\۱۲\۱ بھادوں ۲\۱۲\۱ کنوار ۴\۱۲\۱ کاتک ۴\۱۲\۱

ان سات مہینوں کے علاوہ باقی ماندہ مہینوں میں دو دو قدم دونوں طرف زیادہ بڑھائے جائیں۔
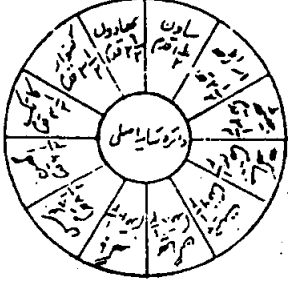
چیت ۶\۱۲\۱ پھاگن ۸\۱۲\۱ ماگھ ۱۰\۱۲\۱ پوس ۸\۱۲\۱ اگھن ۶\۱۲\۱

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے کتاب مالا بدمنہ میں فئ زوال کی تفصیل سے متعلق جو فارسی کا ایک شعر لکھا ہے اس کا مطلب یہی ہے۔ شعر یہ ہے۔

یک نیم ساون است پس و پیش او یکاں
افزائی تا چہار پس آنگہ دو گاں دگاں

سایہ اصلی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالکل ہموار زمین پر ایک دائرہ بنالو اور دائرے کے بالکل بیچ میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے بڑی نوکیلی سرکی ایک لکڑی گاڑ دو جب سورج طلوع کرے گا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلا ہوا ہوگا' جوں جوں سورج چڑھے گا سایہ کم ہوتا ہوا دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائے گا۔ دائرہ کے محیط پر جب یہ سایہ پہنچے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ نشان لگالو پھر ان دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کھینچ کر ملا دو' اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصے کے نصف پر جو کہ ان دونوں نشانوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کر کے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر سے گزرے محیط تک پہنچا دو یہ خط ''نصف النہار'' کہلائے گا اور جو سایہ اس خط پر پڑے گا' وہ سایہ اصلی کہلائے گا۔
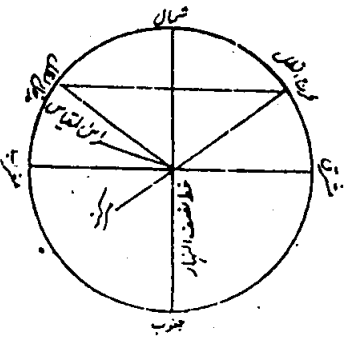
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرُبَتِ الشَّمْسُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَ هُوَالْبَيَاضُ الَّذِیْ
اور مغرب کا اول وقت وہ ہے جب آفتاب غروب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک شفق غائب نہ ہو اور وہ ایک سپیدی ہے جو

يُرٰى فِي الْاُفُقِ بَعْدَالْحُمْرَةِ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمد رَحِمَهُمَا اللّٰه تعالىٰ هُوَالْحُمْرَةُ
کناروں میں نظر آتی ہے سرخی کے بعد امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ شفق وہ سرخی ہی ہے

نماز مغرب کے وقت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و اول وقت المغرب الخ مغرب کا اول وقت آفتاب ڈوبنے کے بعد سے ہے اور آخری وقت غروب شفق تک ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بقدر وضو' اذان' اقامت' پانچ رکعات ہے بلکہ ایک روایت میں صرف بقدر تین رکعات ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے دونوں دن ایک ہی وقت میں امامت فرمائی تھی۔ ہماری دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے کہ ''مغرب کا شروع وقت غروب آفتاب کے بعد ہے اور آخری وقت غروب شفق تک ہے۔ (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ) اور حدیث امامت جبرئیل کا جواب بقول

جدول اقدار سایہ اصلی

تحویل آفتاب در بروج	حمل	۲ ثور	۳ جوزا	۴ سرطان	۵ اسد	۶ سنبلہ	۷ میزان	۸ عقرب	۹ قوس	۱۰ جدی	۱۱ دلو	۱۲ حوت	عرض بلد	طول بلد
تطابق تحویل تاریخ ہائے عیسوی	مارچ ۲۱	اپریل ۲۱	مئی ۲۲	جون ۲۲	جولائی ۲۴	اگست ۲۴	ستمبر ۲۴	اکتوبر ۲۴	نومبر ۲۳	دسمبر ۲۲	جنوری ۲۰	فروری ۱۹		
اقدام	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	قدم	درجہ	درجہ
دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ	دقیقہ
احمد نگر (بمبئی)	۲ ۲۵	۰ ۵۵	۰ ۲۰	۰ ۲۲	۰ ۲۰	۰ ۵۵	۲ ۲۵	۴ ۴	۵ ۴۷	۶ ۴۶	۵ ۴۷	۴ ۴	۱۹ ۵	۷۲ ۴۸
اورنگ آباد	۲ ۴۷	۱ ۷	۰ ۰	۰ ۲۱	۰ ۰	۱ ۷	۲ ۳۷	۴ ۲۲	۶ ۲	۶ ۴۵	۶ ۲	۴ ۲۲	۲۱ ۱۲	۷۲ ۵۲
سورت	۲ ۴۵	۱ ۱۳	۰ ۸	۰ ۱۴	۰ ۸	۱ ۱۳	۲۰ ۴۵	۴ ۲۳	۶ ۱۴	۷ ۰	۶ ۱۴	۴ ۲۳	۲۱ ۱۲	۷۲ ۵۲
کلکتہ	۲ ۵۰	۱ ۱۸	۰ ۱۳	۰ ۱۱	۰ ۱۳	۱ ۱۸	۲ ۵۰	۴ ۲۹	۶ ۲۱	۷ ۸	۶ ۱۲	۴ ۲۹	۲۲ ۳۴	۸۸ ۲۴
احمد آباد (گجرات)	۲ ۱	۱ ۲۷	۰ ۲۲	۰ ۱	۰ ۲۲	۱ ۲۷	۳ ۱	۴ ۵۱	۶ ۲۹	۶ ۲۷	۶ ۳۹	۴ ۵۱	۲۴ ۲	۷۲ ۳۸
مرشد آباد	۳ ۱۵	۱ ۴۱	۰ ۳۴	۰ ۱۲	۰ ۳۴	۰ ۱۴	۳ ۱۵	۵ ۱۱	۷ ۴	۷ ۵۶	۷ ۴	۵ ۱۱	۲۴ ۱۱	۸۸ ۱۹
الہ آباد	۳ ۲۵	۱ ۴۹	۰ ۲۲	۰ ۱۹	۰ ۴۲	۱ ۴۹	۳ ۲۵	۵ ۲۳	۷ ۱۹	۸ ۱۲	۷ ۱۹	۵ ۲۳	۲۵ ۲۸	۸۱ ۵۴
بنارس	۷ ۲۷	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۰ ۵۱	۳ ۲۷	۵ ۲۶	۷ ۲۲	۸ ۱۶	۷ ۲۲	۵ ۲۶	۲۵ ۳۰	۸۲
پٹنہ	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۲۵ ۲۷	۸۵ ۱۳
جونپور	۳ ۲۸	۱ ۵۱	۰ ۴۴	۰ ۲۱	۰ ۴۴	۰ ۵۱	۳ ۲۸	۵ ۴۱	۷ ۲۴	۸ ۱۷	۷ ۲۴	۵ ۲۷	۲۵ ۴۶	۸۲ ۴۴
لکھنؤ ، فیض آباد	۲ ۳۰	۱ ۵۲	۰ ۴۶	۰ ۲۲	۰ ۴۶	۱ ۵۳	۳ ۳۰	۵ ۲۹	۷ ۲۷	۸ ۳۰	۷ ۲۷	۵ ۲۹	۲۶ ۵۵	۸۰ ۵۹
آگرہ	۳ ۲۲	۱ ۵۵	۰ ۴۸	۰ ۲۴	۰ ۳۹	۲ ۵۵	۳ ۳۶	۵ ۳۱	۷ ۲۹	۸ ۲۴	۷ ۲۹	۵ ۳۱	۲۷ ۱۰	۷۸ ۵
بدایوں	۳ ۲۸	۲ ۰	۰ ۵۴	۰ ۲۹	۰ ۵۳	۲ ۰	۳ ۳۸	۵ ۴۰	۷ ۴۶	۸ ۴۰	۷ ۴۶	۵ ۴۰	۲۸ ۲	۷۹ ۱۰
سنبھل	۲ ۴۸	۲ ۸	۰ ۵۹	۰ ۳۷	۰ ۵۹	۲ ۸	۲ ۴۸	۵ ۵۲	۷ ۵۹	۸ ۵۴	۷ ۵۹	۵ ۲۵	۲۸ ۳۵	۷۸ ۳۷
دہلی	۳ ۴۹	۲ ۱۰	۱ ۱	۰ ۴۸	۱ ۱	۲ ۱۰	۳ ۴۹	۵ ۵۴	۸ ۲	۸ ۵۸	۸ ۲	۵ ۵۴	۲۸ ۳۸	۷۷ ۱۲
پانی پت	۲ ۵۲	۲ ۱۱	۱ ۴	۰ ۴۰	۱ ۴	۲ ۱۱	۳ ۵۲	۵ ۵۸	۸ ۶	۹ ۲	۸ ۶	۵ ۵۸	۲۹ ۲۳	۷۷ ۱
ہردوار	۴ ۵	۲ ۲۳	۱ ۱۴	۰ ۵۰	۱ ۱۴	۲ ۲۳	۴ ۵	۶ ۱۵	۸ ۳۱	۹ ۳۰	۸ ۲۱	۶ ۱۵	۲۹ ۵۸	۷۸ ۳۷
سہارن پور	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳۰ ۰	۷۷ ۳۰
سرہند	۴ ۸	۲ ۲۵	۱ ۱۵	۰ ۵۱	۱ ۱۵	۲ ۲۵	۴ ۸	۶ ۱۸	۷ ۳۵	۹ ۴۱	۷ ۲۵	۶ ۱۸	۳۰ ۳۸	۷۶ ۲۹
لاہور	۴ ۲۲	۲ ۲۶	۱ ۲۶	۱ ۱	۱ ۲۶	۲ ۲۶	۴ ۲۲	۶ ۳۶	۹ ۰	۱۰ ۱۰	۹ ۰	۶ ۳۶	۳۱ ۳۷	۷۴ ۲۶
کابل	۴ ۴۵	۳ ۰	۱ ۴۷	۱ ۲۰	۱ ۴۷	۳ ۰	۴ ۴۹	۷ ۱۵	۹ ۵۵	۱۱ ۱۴	۹ ۵۵	۷ ۱۰	۳۴ ۳۰	۷۶ ۱۸

امام نووی یہ ہے کہ اول وقت سے تاخیر کرنا چونکہ مکروہ ہے چونکہ جبریئل نے تاخیر نہیں کی جیسے نماز عصر میں کہ اگرچہ غروب تک گنجائش تھی۔ لیکن اسی لیے اس میں بھی تاخیر نہیں کی یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام شافعی کا متدل فعلی ہے اور ہمارا قولی والقول مقدم علی الفعل سوال مذکورہ بالا قولی متدل کی بابت امام بخاری اور دارقطنی نے یہ کلام کیا ہے کہ اس کو محمد بن فضیل نے بواسطہ اعمش 'ابوصلاح سے مسنداً روایت کیا ہے۔ حالانکہ اعمش کے دوسرے شاگرد بواسطہ اعمش مجاہد سے اس کو مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ جواب ابن الجوزی اور ابن القطان کہتے ہیں کہ اول تو محمد بن فضیل علماء ثقہ میں سے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے اعمش نے اس حدیث کو مجاہد سے مرسلاً سنا ہو اور ابوصلاح سے مسنداً پس اس طرح یہ حدیث دوطریق سے مروی ہوئی جس میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہیے۔

قولہ و ھوالبیاض الخ امام صاحب کے نزدیک باعتبار ظاہر الروایۃ شفق سے مراد شفق ابیض ہے یعنی وہ سفیدی جو سرخی کے بعد نمایاں ہوتی ہے۔ پس سفیدی کے بعد جب تک سیاہی نہ آ جائے اس وقت تک مغرب کا وقت باقی رہے گا اور عشاء کی نماز جائز نہ ہوگی۔ صحابہ میں سے حضرت ابوبکر'انس' معاذ' عائشہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت ابوہریرہؓ ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے نیز عمر بن عبدالعزیز' اوزاعی' زفر' مزنی' ابن المنذر' خطابی' محمد بن یحییٰ اور داؤد کا یہی قول ہے۔ لغویین کی ایک جماعت نے جس میں مبرد' فراء اور مازنی بھی ہیں' اسی کو اختیار کیا ہے۔ شیخ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ شفق کا لفظ بیاض کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ شفق رقت سے عبارت سے کہا جاتا ہے کہ ثوبٌ شفیقٌ بمعنی جامۂ رقیق اسی سے شفقۃ بمعنی رقت القلب ہے۔

اصل دلائل یہ ہیں۔ ۱۔ حدیث ابوداؤد کہ "حضرت جبریئل نے نزول کیا اور فرمایا کہ عشاء کی نماز کا وقت وہ ہے جب شفق سیاہ ہو جائے اس حدیث کو ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ ۲۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب تیسری تاریخ کا چاند ساقط ہو جاتا تھا۔ (ابوداؤد' نسائی' احمد) ۳۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا متی اصلی العشاء؟ میں عشاء کی نماز کب پڑھوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: متی اسود الافق کہ جب افق سیاہ ہو جائے ظاہر ہے کہ افق کا سیاہ ہونا سفیدی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ۴۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سورہ اعراف پڑھی ظاہر ہے کہ اتنی بڑی سورت اگر قرأت مسنونہ پر پڑھی جائے تو نماز سفیدی تک ہی ختم ہوسکتی ہے۔ ۵۔ امام مسلم کی روایت ہے کہ "**وقت صلوٰۃ المغرب مالم یسقط نور الشفق**" اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نور کا اطلاق بیاض پر ہی ہوتا ہے نہ کہ سرخی پر۔

صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد شفق احمر ہے یعنی وہ سرخی جو غروب آفتاب کے بعد مغرب کی طرف ہوتی ہے۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ ابن عمر' علی' ابن مسعود' شداد بن اوس اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور یہ حضرت ابن عباس و ابوہریرہ سے بھی مروی ہے۔ امام شافعی' مالک' احمد' اسی کے قائل ہیں۔ لغویین میں خلیل' اصمعی اور جوہری کے نزدیک یہی مختار ہے۔ ازہری کہتے ہیں کہ عرب کے نزدیک شفق سرخی ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت یہی ہے چنانچہ اسد بن عمرو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ شفق سرخی ہے اور شروح مجمع وغیرہ میں ہے کہ امام اعظم نے اس کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ دلیل حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "**الشفق الحمرۃ**" (دارقطنی) لیکن سنن میں اس کو ابن عمر پر موقوف کیا ہے اور بیہقی نے المعرفہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت عمر' علی' ابن عباس' عبادہ بن الصامت' شداد بن اوس اور ابوہریرہ سے مروی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہے۔ امام نووی کی رائے بھی یہی ہے۔ وقایہ اور درر وغیرہ میں صاحبین کے قول پر جزم کیا ہے اور تنویر میں تو شفق بمعنی سرخی کو قرار دیا ہے لیکن شیخ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ صحیح اور مفتی بہ قول امام صاحب ہی کا ہے۔ محقق ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں امام صاحب ہی کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ شفق کو حمرہ کہنا نہ امام صاحب کی روایۃ سے ثابت ہے نہ درایت سے' اول تو اس لیے کہ یہ امام صاحب سے ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے اور ثانی اس لیے کہ محمد بن فضیل کی روایت کے ذیل

میں گزر چکا ہے کہ مغرب کا آخری وقت افق غائب ہونے تک ہے اور ظاہر ہے کہ افق کا غائب ہونا سفیدی چلے جانے کے بعد ہی ہوگا۔ شیخ کے شاگرد قاسم بن قطلو بغانے بھی تصحیح القدوری میں امام صاحب ہی کے قول کو ترجیح دی اور اسی کو اصح کہا ہے۔ نوح آفندی کہتے ہیں کہ امام صاحب کے قول کو اختیار کرنا ہی احوط ہے۔

فائدہ اسی موقعہ پر صاحب جوہرہ نے مذہب صاحبین کے لیے ایک عجیب نکتہ ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ غوارب تین ہیں۔ آفتاب، شفق احمر، شفق ابیض اسی طرح طوالع بھی تین ہیں۔ فجر کاذب، فجر صادق، آفتاب پس جس طرح دخول وخروج وقت کا تعلق طوالع میں سے اوسط الطّوالع یعنی فجر صادق سے ہے اسی طرح غوارب میں سے بھی اوسط الغوارب یعنی شفق احمر کے ساتھ ہونا چاہیے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِيْ وَاَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَاٰخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ

اور عشاء کا اول وقت وہ ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک فجر ثانی طلوع نہ ہو اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور آخری وقت وہ ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو

نماز عشاء کے وقت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واول وقت العشاء الخ عشاء کا اول وقت شفق ختم ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے (علی اختلاف القولین) اور بلا کراہت نصف شب تک اور بطور جواز طلوع فجر تک باقی رہتا ہے یعنی جب سحر میں ابتدائی روشنی پھیلتی ہے اس وقت تک ادا کی جا سکتی ہے صاحب ہدایہ نے امام شافعی کے نزدیک عشاء کا آخری وقت دو تہائی رات نقل کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عینی کہتے ہیں کہ حلیہ میں امام شافعی کا مذہب یہ مذکور ہے کہ ان کے قول قدیم اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق عشاء کا بہترین وقت آدھی رات تک ہے اور امام مالک کے قول اور امام احمد کی دوسری روایت اور امام شافعی کے قول جدید کے مطابق ایک تہائی رات ہے اور جواز کا قول طلوع فجر تک ہے نیز سروجی شرح ہدایہ میں کہتے ہیں کہ فجر تک عشاء کے آخری وقت ہونے پر اجماع ہے۔

قولہ و اول وقت الوتر الخ نماز وتر کا اول وقت صاحبین کے نزدیک عشاء کے بعد سے ہے اور آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''وتروں کو عشاء اور صبح کے درمیان پڑھنا چاہیے'' اس کی واضح دلیل ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم) امام صاحب کے نزدیک عشاء اور وتر دونوں کا ایک ہی وقت ہے یعنی غروب شفق سے صبح تک۔ لیکن ترتیب واجب ہونے کی وجہ سے عشاء پر وتر کا مقدم کرنا صحیح نہیں، مگر بھول کر کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وتر بھی فرض ہے البتہ اس کا ثبوت چونکہ عشاء کی طرح قطعی نہیں ہے اس لیے یہ فرض عملی ہے اور عشاء فرض قطعی۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پڑھ لی گئی تو امام صاحب کے نزدیک وتر کا اعادہ نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک اعادہ ضروری ہوگا۔ چونکہ بھولنے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اسی لیے مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ اگر دانستہ وتر عشاء سے پہلے پڑھے تو بالاتفاق اعادہ واجب ہے۔ امام صاحب کے نزدیک تو اس لیے کہ ترتیب واجب کو چھوڑنے سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک وتر اگرچہ سنت ہے لیکن عشاء کے تابع ہے۔ اس لیے کسی حالت میں بھی مقدم نہیں ہو سکتے البتہ چونکہ اس نے وتر کو شروع کر دیا۔ اس لیے قضا لازم ہوگئی۔

فائدہ یہاں تک کہ نماز پنجگانہ کے اصل اوقات کا بیان ختم ہوا، قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کے اوقات کو مجملاً ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے ''اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفاً من الیل '' اس طرفی نہار سے مراد فجر وعصر ہے اور زلفا من اللیل سے مراد مغرب وعشاء' دوسری جگہ ارشاد ہے ''اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس '' اس میں نماز ظہر مراد ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے۔ ''فسبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون' ولہ الحمد فی السمٰوات والارض و عشیاً و حین تظہرون '' اس میں تمسون کے تحت مغرب وعشاء' تصبحون کے تحت فجر' عشیا کے تحت عصر اور تظہرون کے تحت ظہر کی نماز داخل ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيُسْتَحَبُّ الْاِسْفَارُ بِالْفَجْرِ وَالْاِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِي الصَّيْفِ وَ تَقْدِيْمُهَا فِي الشِّتَاءِ وَتَاخِيْرُ الْعَصْرِ
اور مستحب ہے نماز فجر کو روشنی میں پڑھنا اور نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا گرمی میں اور اس کو اول وقت میں پڑھنا جاڑوں میں اور عصر کو مؤخر کرنا

مالم تتغیّرِ الشَّمْسُ و تَعْجِيْلُ الْمَغْرِبِ و تَاخِيْرُ الْعِشَاءِ اِلٰى مَا قَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ و يُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ
دھوپ میں زردی نہ آنے تک اور مغرب کو جلدی پڑھنا اور عشاء کو مؤخر کرنا تہائی رات سے قبل تک اور مستحب ہے وتر میں

لِمَنْ يالفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ اَنْ يُؤَخِّرَ الْوِتْرَ اِلٰى اٰخِرِ اللَّيْلِ وَاِنْ لَّمْ يَثِقْ بِالْاِنْتِبَاهِ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ
اس کے لئے جس کو شوق ہو نماز تہجد کا یہ کہ مؤخر کرے وتر کو آخری رات تک اور اگر بیدار ہونے پر اعتماد نہ ہو تو وتر پڑھ لے سونے سے پہلے ہی

نماز کے اوقات مستحبہ کا بیان

توضیح اللغۃ الاسفار۔ روشن کرنا' الابراد۔ ٹھنڈا کرنا' الصیف۔ موسم گرما' الشتاء۔ موسم سرما' یالف ای یحب' لم یثق (ض) وثوقا۔ اعتماد ہونا' انتباہ بیدار رہونا' اوتر۔ وتر پڑھنا۔

تشریح الفقہ قولہ و یستحب الاسفار الخ اب تک جن اوقات کا ذکر آیا ہے وہ اوقات جواز تھے یہاں سے اوقات مستحبہ کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ نماز فجر کے لیے اسفار کرنا مستحب ہے جس کا معیار یہ ہے کہ طوال مفصل کے ساتھ صبح کی نماز ادا کرتے ہوئے اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز کا اعادہ ہو سکے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر[1] '' کہ صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھا کرو کیونکہ اس طرح اجر وثواب بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک غلس میں پڑھنا مستحب ہے بلکہ ہر نماز اول وقت پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود کی حدیث ہے کہ ''اول وقت نماز پڑھنا افضل[2] ہے'' جواب یہ ہے کہ حدیث میں اول وقت کا اطلاق آخری وقت کے مقابلہ میں ہے جو کراہت کے درجہ میں پہنچ جائے یعنی وقت مستحب سے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

قولہ والابراد بالظہر الخ موسم گرما میں ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھنا مستحب ہے کہ دھوپ کی شدت اور حرارت میں خنکی پیدا ہو جائے۔ جس کی حد یہ ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل سے پہلے ختم ہو جانی چاہیے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ابردوا بالظہر فان شدۃ الحر من فیح جہنم[3] '' کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر موسم میں ظہر کی تعجیل مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضاء کی گرمی کی شکایت کی' لیکن آپ نے قبول نہیں[4] فرمائی۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے چنانچہ حدیث مغیرہ میں ہے کہ تعجیل وابراد میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1]۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان عن رافع بن خدیج' بزار عن بلال وانس' طبرانی عن قتادہ وابن مسعود' ابن حبان عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [2] ترمذی' ابن حبان' خزیمہ' حاکم عن ابن مسعود' ابوداؤد' ترمذی عن ام فروہ ۱۲۔ [3] بخاری عن الخدری' مسلم عن ابی ہریرۃ لفظہ ''بالصلوٰۃ'' ۲۔ [4] مسلم' نسائی ۱۲۔

آخری فعل ابراد رہا ہے۔(احمد وغیرہ)

تنبیہ صاحب جوہرہ نے ابراد ظہر کے لیے تین شرطیں ذکر کی ہیں۔ا۔گرم ملک ہو۔۲ گرمی کا شباب ہو۔۳ نماز با جماعت پڑھنی ہو کیونکہ حدیث مذکور میں شدت حرارت کی قید لگی ہوئی ہے۔تسکین مجمع اور مختار وغیرہ میں ہے کہ یہ شرطیں محل نظر ہیں کیونکہ حدیث انس ''کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذ کان فی الشتاء بکر بالظهر و اذا کان فی الصیف ابردها'' میں کوئی قید نہیں اطلاق ہے۔

قوله و تاخیر العصر الخ عصر کے لیے ہر موسم میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ آفتاب کی رنگت میں فرق نہ آئے تاکہ عصر سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل کا موقع مل سکے کیونکہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔حضرت ابن مسعود' ابو ہریرہ' ابو قلابہ' ابراہیم نخعی' ثوری' ابن شبرمہ کا قول اور احمد سے ایک روایت یہی ہے کیونکہ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر میں تاخیر کا حکم دیا کرتے تھے(بخاری' دارقطنی) حاکم نے مستدرک میں زیاد بن عبداللہ نخعی سے حضرت علی کا اثر نقل کیا ہے زیاد کہتے ہیں کہ ہم حضرت علی کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مؤذن نے آکر کہا ''الصلوٰۃ یا امیر المومنین'' آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد اس نے پھر یہی کہا تو آپ نے جوش میں فرمایا کہ یہ کتا ہمیں سنت سکھلاتا ہے اس کے بعد آپ نے اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی جب ہم اپنی جگہ واپس آئے تو غروب آفتاب میں شک ہو رہا تھا لیث' اوزاعی' اسحاق اور امام شافعی کے نزدیک تعجیل افضل ہے۔امام احمد کا ظاہری قول بھی یہی ہے کیونکہ حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ ''ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عصر پڑھتے' پھر اونٹ ذبح کیے جاتے اور ان کے دس حصے تقسیم کر کے پکائے جاتے اور غروب آفتاب سے پہلے ہم ان کا گوشت کھالیا کرتے تھے۔اس کا جواب بقول ابن ہمام یہ ہے کہ جو لوگ کھانا پکانے میں مشاق ہوتے ہیں وہ اتنے وقفہ میں یہ سب کام بلا تکلف کر لیتے ہیں نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے یہ حدیث کسی خاص واقعہ سے متعلق ہے ورنہ ظاہر ہے کہ روزانہ عصر کے بعد اونٹ ذبح نہیں کیے جاتے تھے جیسا کہ روایت ہے کہ بنو سلمہ کا ایک شخص آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں اونٹ ذبح کرنا ہے اور ہماری آرزو ہے کہ آپ بھی تشریف لائیں چنانچہ آپ عصر پڑھ کر تشریف لے گئے۔پس ممکن ہے تشریف لے جانے کی وجہ سے آپ نے نماز سے جلد فراغت حاصل کر لی ہو۔

قوله و تعجیل المغرب الخ مغرب میں ہر موسم کے لحاظ سے تعجیل مستحب ہے یعنی وقت ہونے کے بعد اذان و اقامت کے درمیان زیادہ فصل نہ کرے کیونکہ تاخیر کی صورت میں یہود و روافض کے ساتھ تشبہ ہے نیز حضرت ابو ایوبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں ''**لاتزال امتی بخیر او علی الفطرة مالم یؤخرا المغرب الی ان تشبک النجوم۔**''

قوله و تاخیر العشاء الخ عشاء کی تاخیر تہائی رات تک مستحب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا' تو تہائی رات تک عشاء میں تاخیر کرتا۔(ترمذی' ابن ماجہ عن ابی ہریرہ' نسائی عن زید بن خالد)

قوله و یستحب فی الوتر الخ وتر کی تاخیر آخر شب تک مستحب ہے مگر اس شخص کے لیے جس کو آخر شب میں بیدار ہونے پر اعتماد ہو۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس کو اندیشہ ہو کہ رات کو اٹھ نہیں سکوں گا' اس کو اول شب ہی میں وتر پڑھ لینے چاہئیں اور جس کو آخر شب میں اٹھنے کی توقع ہو تو رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں۔''(مسلم عن جابر)

بَابُ الْاَذَانِ

باب اذان کے بیان

اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَا سِوَاهَا وَلَا تَرْجِيْعَ فِيْهِ

اذان سنت ہے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے لئے نہ کہ اس کے علاوہ کے لئے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔

تشریح الفقہ قولہ باب الاذان الخ اسباب وعلامات نماز یعنی اوقات کے بعد اعلام واعلان نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں جس کو شریعت کی زبان میں اذان کہتے ہیں اور بیان اوقات کو ذکر اذان پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ اوقات اسباب ہیں اور سبب اعلام پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ اعلام کا مطلب معلم بہ کے وجود کی خبر دینا ہے تو خبر دینے کے لیے پہلے مخبر بہ کا وجود ضروری ہے نیز اوقات کا اثر خواص یعنی علماء کے حق میں ہے اور اذان حق عوام میں اعلام ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ امام کردری فرماتے ہیں "حقیق للمسلم ان ینتبه بالوقت فاذا لم ینبهه الوقت فلینبهه الاذان" کہ مسلمان کے لیے حق تو یہ ہے کہ وہ وقت کے آنے پر متنبہ ہو جائے اور اگر اس سے متنبہ نہ ہوا تو اذان اسے متنبہ کرے گی۔ اذان بروزن زمان مصدر ہے اور بعض کے نزدیک اسم مصدر ہے کیونکہ اس کی ماضی اذان اور مصدر تاذین ہے۔ لغۃً مطلق اعلان کو کہتے ہیں یعنی آگاہ وخبردار کرنا۔ قال اللہ تعالیٰ "و اذان من الله ورسوله" شریعت میں چند مخصوص الفاظ کے ساتھ خاص ساعتوں میں اوقات نماز شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے اذان کا ثبوت کتاب اللہ وسنت رسول ہر دو سے ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "واذا نادیتم الی الصلوٰة" وقال تعالیٰ "اذانودی للصلوٰة" رہی سنت رسول سو وہ عبداللہ بن زید کی حدیث ہے جس کی تفصیل تم کو کتب حدیث میں معلوم ہو جائے گی۔

قولہ الاذان سنته الخ نماز پنجگانہ اور جمعہ کے لیے اذان سنت مؤکدہ ہے بعض حضرات نے واجب کہا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "فاذنا و اقیما" بصورت امر ہے لیکن نہر میں ہے کہ یہ دونوں قول متقارب ہیں کیونکہ سنت مؤکدہ واجب کے حکم میں ہوتی ہے بایں معنی کہ اس کے ترک سے آدمی گنہگار ہوتا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر اہل شہر ترک اذان پر اتفاق کر لیں تو ان سے قتال حلال ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ لوگ مارنے اور قید کرنے کے لائق ہیں۔

قولہ ولاترجیع فیه الخ ہمارے یہاں اذان میں ترجیع نہیں ہے۔ امام شافعی اس کے قائل ہیں ترجیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شہادتین کو آہستہ کہہ کر دوبارہ بلند آواز سے کہا جائے۔ دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابومحذورہ کو ترجیع کا حکم دیا تھا۔ (صحاح ستہ غیر البخاری) جواب یہ ہے کہ بقول امام طحاوی وابن جوزی آپ اذان کی تعلیم دے رہے تھے اور تعلیم میں ایک بات کو بار بار دہرانے کی نوبت اکثر آتی ہے ابو محذورہ یہ سمجھے کہ آپ نے ہمیشہ کے لیے یہ حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں معجم طبرانی میں ابومحذورہ کی روایت میں ترجیع نہیں ہے پس دونوں روایتیں متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہوئیں اور حضرت عبداللہ بن زید وابن عمر وغیرہ کی روایتیں قابل حجت رہیں جن میں ترجیع مذکور نہیں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَزِيْدُ فِيْ اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ

اور زیادہ کرے اذان فجر میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم دوبار اور تکبیر مثل اذان کے ہے

اِلَّا اَنَّهٗ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ وَيَتَرَسَّلُ فِى الْاَذَانِ وَ

بجز آنکہ اس میں زیادہ کرے حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دوبار اور ٹھہر ٹھہر کر کہے اذان اور

يَحْدُرُ فِى الْاِقَامَةِ وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ فَاِذَا بَلَغَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجْهَهٗ يَمِيْنًا وَ

برابر کہتا چلا جائے تکبیر اور دونوں کو قبلہ رخ ہو کر کہے۔ پس جب پہنچے صلوۃ و فلاح پر تو پھیر دے اپنا منہ دائیں اور

شِمَالًا وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيْمُ فَاِنْ فَاتَتْهُ الصَّلَوَاتُ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ وَ كَانَ مُخَيَّرًا فِى

بائیں اور اذان دے فائتہ کے لئے اور تکبیر کہے پس اگر فوت ہو جائیں کئی نمازیں تو اذان و تکبیر کہے پہلی نماز کے لئے اور باقی نمازوں میں اسے

الثَّانِيَةِ اِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَ اَقَامَ وَاِنْ شَاءَ اقْتَصَرَ عَلَى الْاِقَامَةِ وَيَنْبَغِىْ اَنْ يُؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ عَلٰى طُهْرٍ

اختیار ہے چاہے اذان و تکبیر دونوں کہے چاہے صرف تکبیر پر اکتفاء کرے اور اذان و تکبیر وضوء سے پڑھنی چاہئیں

فَاِنْ اَذَّنَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ جَازَ . وَ یُکْرَہُ اَنْ یُّقِیْمَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ اَوْ یُؤَذِّنَ وَھُوَجُنُبٌ وَلَا یُؤَذِّنُ

پس اگر اذان کہی بلا وضوء تو جائز ہے اور مکروہ ہے تکبیر کہنا بلا وضوء اور اذان کہنا ناپاکی کی حالت میں اور نہ اذان

لِصَلوٰۃٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِھَا اِلَّا فِی الْفَجْرِ عِنْدَاَبِیْ یُوْسُفَ

کہی جائے کسی نماز کے لئے وقت سے پہلے سوائے فجر کی نماز کے امام ابو یوسف کے نزدیک

توضیح اللغۃ الفلاح۔کامیابی'نوم۔نیند'یترسل۔ٹھہرٹھہر کر کہے'یحدر۔ذرا جلدی کہے'حول تحویلا۔پھرانا'جب۔ناپاک۔

تشریح الفقہ قولہ و یزید الخ فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دومرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت بلال کی اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر ہوئے معلوم ہوا کہ آپ سو رہے ہیں تو انہوں نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم' ان کلمات کو سن کر آپ نے ارشاد فرمایا''ما احسن ھذا اجعلہ فی اذانک للفجر :''

قولہ والاقامۃ مثل الاذان الخ اذان کی طرح اقامت کے کلمات بھی مثنٰی مثنٰی (دو دو مرتبہ) ہیں بجز تکبیر کے کہ یہ شروع میں چار مرتبہ ہے۔مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں کلمات اذان و اقامت دو دو مرتبہ ہی مروی ہیں۔امام شافعی حدیث بلال سے جو بخاری نے روایت کی ہے اقامت کے کلمات مفردہ پر استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ آپ نے کلمات اذان جفت اور کلمات اقامت طاق کہے بجز قدقامت الصلوٰۃ کے بلکہ صحیحین کی ایک روایت کے مطابق اس کا بھی استثناء نہیں ہے اسی لیے امام مالک اس کلمہ سمیت پوری اقامت کو مفرد لیتے ہیں' جواب یہ ہے کہ ہم نے جس حدیث کو اختیار کیا ہے اس میں عدد کی تصریح ہے اور کلمات اذان کی حکایت بھی ہے پس اس میں کسی طرح بھی غیر کا احتمال نہیں ہے نیز ابوداؤد کی روایت میں ابو محذورہ سے تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اقامت دو دو مرتبہ سکھلائی بلکہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت بلال دو دو مرتبہ اقامت کہتے تکبیر سے شروع کرتے اور تکبیر پر ختم کرتے تھے

قولہ ویترسل فی الاذان الخ اذان کی ترسیل اس طرح ہوتی ہے کہ ایک سانس میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر ٹھہر جائے پھر دوسرے سانس میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہے بعد ازاں ایک ایک سانس میں دو دو کلمات کہتا چلا جائے' بجز لا الہ الا اللہ کے کہ وہ آخری کلمہ ایک سانس میں کہا جائے گا۔

قولہ ویؤذن للفائتۃ الخ اور قضا نماز کے لیے بھی اذان و اقامت کہنی چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ لیلۃ التعریس کی صبح کو فجر کی نماز کی قضا اذان و اقامت کے ساتھ ادا فرمائی تھی' یہ واقعہ آپ کو حدیبیہ یا خیبر یا تبوک کی واپسی پر پیش آیا تھا۔ابن عبدالبر نے واقعہ خیبر ہونے کی تصحیح ہے بہر کیف اس واقعہ کو حضرت ابو ہریرہ' عمران بن حصین' ابن مسعود' ابو قتادہ اور بلال وغیرہ متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے اور ہر ایک کی حدیث میں اذان و اقامت دونوں مذکور ہیں امام شافعی اور امام مالک صرف اقامت پر اکتفاء کرنے کو فرماتے ہیں' ان کی دلیل صحیح مسلم میں حدیث ابو ہریرہ ہے جس میں صرف اقامت کا ذکر ہے۔جواب یہ ہے کہ راوی نے اذان کے ذکر کو چھوڑ دیا ہوگا ورنہ روایات صحیحہ میں اذان کا ذکر موجود ہے پس زیادتی والی روایات پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔

قولہ اذان للاولی الخ اور اگر چند نمازیں قضا ہوں تو پہلی نماز کے لیے اذان و اقامت دونوں کہنی چاہیے اور بقیہ نمازوں میں اختیار ہے چاہے دونوں کہے تا کہ قضا بطرز ادا ہو جائے اور یا صرف اقامت پر اکتفا کرلے کیونکہ اذان تو غائبین کی حاضری کے لیے کہی جاتی ہے اور یہاں سب حاضر ہیں۔امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضا ہوئیں تو آپ نے بلال کو حکم دیا انہوں نے اذان و اقامت کہی۔آپ نے اول ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کے بعد عصر کی نماز پڑھی الخ امام محمد سے

یہ بھی مروی ہے کہ پہلی نماز کے بعد والی نمازوں کے لیے اقامت ضرور کہنی چاہیے اور بقول مشائخ امام اعظم اور ابو یوسف کا قول بھی یہی ہے چنانچہ ابوبکر رازی سے اس روایت کی تصریح ہے۔

قولہ ولایؤذن لصلوٰۃ الخ طرفین کے نزدیک وقت سے پہلے اذان کہنا جائز نہیں (مکروہ تحریمی ہے) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے ارشاد فرمایا' یا بلال: **لاتؤذن حتیٰ یتبین لک الفجر** ۔نیز ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ بلال نے فجر سے پہلے اذان دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' تین دفعہ پکارو کہ الا ان العبد قد نام کہ میں سو گیا تھا البتہ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی اذان آخر شب میں بھی جائز ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ اذان برائے تہجد تھی نہ کہ برائے نماز فجر۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلوٰۃِ الَّتِی تَتَقَدَّمُھَا

باب شروط نماز کے بیان میں جو نماز پر مقدم ہوتی ہیں

قولہ باب الخ جو چیز مشروع سے متعلق ہوتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اس کی ماہیت میں داخل ہوگی یا خارج' اگر داخل ہو تو اس کو رکن کہتے ہیں جیسے رکوع وغیرہ اور اگر خارج ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں یا تو وہ اس میں مؤثر ہوگی جیسے عقد نکاح برائے حلت یا غیر مؤثر' اس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ یا تو وہ اس تک فی الجملہ موصل ہوگی جیسے وقت اس کو سبب سے تعبیر کرتے ہیں یا غیر موصل' اس کی پھر دو قسمیں ہیں یا تو اس پر شئے موقوف ہوگی' اسی کو شرط کہتے ہیں جیسے وضوء وغیرہ یا موقوف نہ ہوگی اسی کو علامت کہتے ہیں جیسے اذان (منحۃ الخالق) شرط (بسکون راء) اصل میں مصدر ہے' شرط (ن'ض) شرطاً' کسی چیز کو لازم کرنا اس کی جمع شروط ہے اور شرط (بالتحریک) بمعنی علامت ہے اس کی جمع اشراط ہے (قاموس) قال اللہ تعالیٰ ''فقد جاء اشراطھا'' رہا لفظ شرائط سو وہ شریطہ کی جمع ہے بمعنی پھٹے ہوئے کان والا اونٹ ۔ضیاء الحلوم) اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ جن لوگوں نے اس مقام پر متعلقات مشروع کو شرائط سے تعبیر کیا ہے وہ لغت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ شرائط شریطۃ کی جمع ہے جو یہاں مراد نہیں اور صرفی قواعد کے بھی خلاف ہے کیونکہ فعل کی جمع فعائل کے وزن پر غیر محفوظ ہے بخلاف فرائض کے کہ اس کا مفرد فریضۃ ہے جیسے صحائف جمع صحیفۃ۔
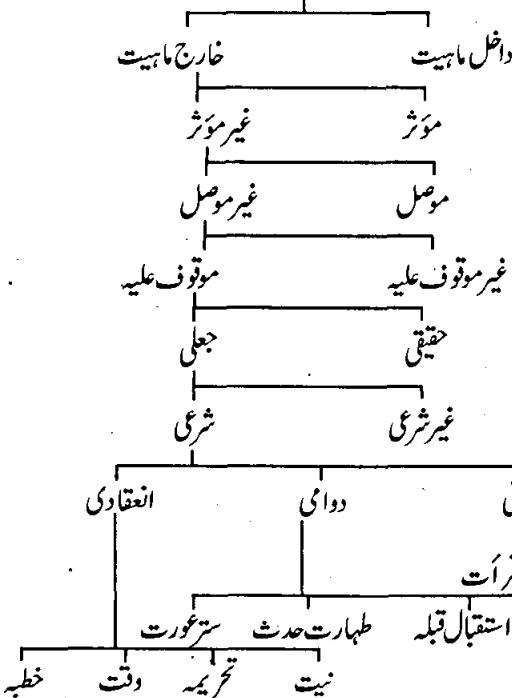
دوم یہ کہ صاحب نہر نے جو یہ کہا ہے' وہی ای الشروط جمع شرط محرکا بمعنی العلامہ لغۃ یہ ان کی بھول ہے کیونکہ شرط بمعنی علامت کی

متعلق بالمشروع
- داخل ماہیت
- خارج ماہیت
  - مؤثر
  - غیر مؤثر
    - موصل
    - غیر موصل
      - غیر موقوف علیہ
      - موقوف علیہ
        - حقیقی
        - جعلی
          - غیر شرعی
          - شرعی
            - بقائی — جیسے قرأت
            - دوامی — طہارت نجاست، استقبال قبلہ، طہارت حدث، ستر عورت
            - انعقادی — نیت، تحریمہ، وقت، خطبہ

جمع اشراط ہے نہ کہ شروط، شرط کی پھر دو قسمیں ہیں۔ حقیقی، جعلی، حقیقی وہ ہے جس پر شئے کا وجود فی الواقع موقوف ہو۔ جعلی کی پھر دو قسمیں ہیں۔ شرعی جس پر شئے کا وجود شرعاً موقوف ہو جیسے نکاح کے لیے گواہوں کا ہونا اور نماز کے لیے طہارت کا ہونا، اور غیر شرعی جس میں شخص مکلّف باجازت شرع اپنے تصرفات پر کسی چیز کا وجود معلق کر دے۔ کقوله ان دخلت الدار کان کذا۔ یہاں بقول شمنی شروط شرعیہ مراد ہیں پھر شروط صلوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ شرط انعقاد، شرط دوام، شرط بقاء۔ اول قسم میں چار چیزیں ہیں۔ نیت، تحریمہ، وقت، خطبہ۔ قسم دوم میں بھی چار چیزیں ہیں۔ حدث سے پاک ہونا، نجاست سے پاک ہونا، ستر عورت، استقبال قبلہ، قسم سوم میں صرف ایک چیز ہے یعنی قرأت۔ پھر یہ تینوں شرطیں ایک دوسرے میں متداخل ہیں کیونکہ ان میں عموم وخصوص مطلق ہے شرط دوام خاص ہے اور شرط انعقاد وشرط بقاء عام مثلاً طہارت جو شرط دوام ہے اگر ابتداء نماز میں اس کے وجود کا لحاظ کریں تو شرط انعقاد ہے اور اگر حالت بقاء میں ایسی کے وجود کو مشروط سمجھیں تو شرط بقاء ہے کل شرطوں کو اس نقشہ سے معلوم کریں۔

يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّىْ اَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ من الْاَ حْدَاثِ وَالْاَنْجَاسِ عَلٰى مَا قَدَّ مْنَاهُ وَيَسْتُرُ عَوْرَتَهٗ

واجب ہے نمازی پر یہ کہ اول ناپاکیوں اور پلیدیوں سے پاکی حاصل کرے اس طریقہ سے جس کو ہم پہلے بیان کرچکے

وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ مَاتَحْتَ السُّرَّةِ اِلَى الرُّكْبَةِ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ وَبَدَنُ الْمَرْاَةِ

اور چھپائے اپنے ستر کو اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا داخل ستر ہے نہ کہ ناف اور آزاد عورت کا

الْحُرَّةِ كُلُّهٗ عَوْرَةٌ اِلاَّ وَجْهَهَا وَ كَفَّيْهَا

پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے

شروط نماز کی تفصیل

توضیح اللغۃ احداث جمع حدث۔ انجاس۔ جمع نجس، نجاست، عورۃ۔ ستر، سُرّۃ۔ ناف، رکبۃ۔ گھٹنا، حرۃ۔ آزاد۔

تشریح الفقہ **قوله یجب** الخ صحت کے لیے نمازی کا بدن حدث اصغر واکبر سے پاک ہونا اور اس کے کپڑے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ کپڑے کا اعتبار اسی قدر ہے جو نمازی کے بدن سے متعلق ہو چنانچہ جو کپڑا نمازی کی جنبش سے ہلتا ہو وہ اس کے بدن پر ہی شمار ہوگا۔

قوله و یستر عورته الخ نمازی کو اپنا ستر چھپانا ضروری ہے جو احناف، شوافع، حنابلہ اور عام فقہاء کے نزدیک شرط ہے کیونکہ ارشاد باری ہے "خذوا زینتکم عند کل مسجد" نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بالغہ عورت کی نماز بلا اوڑھنی نہیں[1] ہوتی" ایک روایت میں ہے کہ "اللہ قبول نہیں[1] کرتا۔ عورۃ، عور سے ہے بمعنی نقصان وعیب شرمگاہ کو عورت اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا کھولنا عار، عیب، قبیح اور بے حیائی ہے۔

قوله والعورة الخ شریعت میں مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گھٹنا داخل ہے اور ناف خارج از ستر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مرد کے لیے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصہ عورت[3] ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ "ناف کے نیچے سے گھٹنے تک عورت ہے[4]" معلوم ہوا کہ ناف ستر میں داخل نہیں رہا گھٹنا سو ہم کلمہ الی کو مع کے معنی پر محمول کرتے ہیں تاکہ کلمہ حتی پر عمل ہو جاوے جو دوسری روایت میں ہے اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے کہ گھٹنا داخل عورت[5] ہے۔ امام شافعی واحمد ناف کو داخل عورت اور گھٹنے کو خارج عورت

۱۔ حاکم، ابوداؤد ۱۲۔ ۲۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن عائشہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، احمد، اسحق ۱۲۔ ۳۔ حاکم عن عبداللہ بن جعفر ۱۲۔ دار قطنی، احمد ۱۲۔ ۴۔ دار قطنی عن علی ۱۲۔ ۵۔ وردی بمعناہ عبدالرزاق وابن ابی شیبہ ومحمد بن الحسن ۱۲۔

مانتے ہیں۔ امام مالک اور امام احمد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت صرف فرج اور مقعد ہے اور ایک روایت کے اعتبار سے امام احمد نماز میں کندھے کو ڈھکنا بھی شرط کہتے ہیں۔

قولہ و بدن المراۃ الخ آزاد عورت کا کل بدن عورت ہے سوائے اس کے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے کیونکہ ارشاد باری ہے ''**ولا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا**'' (اور نہ دکھلائیں اپنی زینت مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے) اس کی تفسیر میں حضرت عائشہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ کہ عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں ''**الا ماظھر منھا**'' استثناء میں داخل ہیں۔ وجہ اس کی یہ کہ بہت سی ضروریات دینی و دنیاوی ان کے کھلا رکھنے سے مجبور کرتی ہیں۔ فقہاء نے قدمین کو ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے کیونکہ اس ضرورت کا تحقق چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت قدمین میں کہیں زیادہ ہے لہذا یہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔

وَمَا كَانَ عَوْرَةٌ مِّنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِّنَ الْاَ مَةِ وَبَطْنُهَا وَ ظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَّمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنْ
اور جو حصہ ستر ہے مرد کا وہ ستر ہے باندی کا بھی اور اس کا پیٹ اور پشت بھی ستر ہے اس کے علاوہ

بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ وَّمَنْ لَّمْ يَجِدْ مَا يُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ
باقی بدن ستر نہیں ہے اور جو شخص نہ پائے وہ چیز جس سے دور کرے نجاست تو وہ نماز پڑھ لے نجاست کے ساتھ اور پھر نماز کو لوٹائے بھی نہیں

تشریح الفقہ **قولہ و ماکان عورۃ** الخ مرد کے بدن کا جتنا حصہ عورت ہے اتنا حصہ باندی کا بھی عورت ہے مزید براں اس کا پیٹ اور پیٹھ بھی عورت ہے (اور پہلو پیٹ کے تابع ہے) اس کے علاوہ باندی کے کل اعضاء ستر میں داخل نہیں اس حکم میں مدبرہ مکاتبہ اور ام ولد سب داخل ہیں اور امام صاحب کے نزدیک مستسعاۃ بھی مکاتبہ کے مانند ہے۔ بیہقی نے صفیہ بنت ابی عبید سے روایت کی ہے کہ ایک عورت خمار و جلباب (اوڑھنی و چادر) اوڑھے ہوئے نکلی تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔ یہ کون ہے؟ فرمایا: فلاں کی باندی ہے' اور حضرت عمرؓ ہی کی اولاد میں سے کسی کا نام بتایا آپ نے حضرت صفیہ کے پاس کہلا بھیجا کیا وجہ ہے کہ تم اس عورت کو خمار و جلباب پہنا کر آزاد عورتوں سے مشابہ بنایا ہے؟ میں تو اس کو آزاد عورت خیال کر کے سزا دینے کا قصد کر چکا تھا' خبردار! تم اپنی باندیوں کو آزاد عورتوں سے مشابہ مت[1] بناؤ پھر باندی کے پیٹ اور اس کی پیٹھ کو ستر اس لیے قرار دیا گیا کہ یہ اعضاء فرج کے درجہ میں ہیں بدلیل آنکہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ذوات المحارم کی پیٹھ یا پیٹ کے ساتھ تشبیہ دے دے تو وہ مظاہر ہو جاتا ہے۔

قولہ و من لم یجد الخ اگر کسی کے پاس نجس کپڑا ہو اور وہ پاک کرنے والی کوئی چیز نہ پائے' تو اس کی دو صورتیں ہیں' یا تو اس کا چوتھائی یا اس سے زائد کپڑا پاک ہوگا یا ناپاک اگر پہلی صورت ہو تو اس کو اسی نجس کپڑے میں نماز پڑھنی چاہیے اگر وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے تو بالاتفاق نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ چوتھائی کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو گویا کل کپڑا پاک ہے اور پاک کپڑے کو چھوڑ کر ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر دوسری صورت ہو تو شیخین کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے ننگا ہو کر نماز پڑھے اور چاہے اسی نجس کپڑے میں پڑھے اور یہی افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ستر کا کھلنا اور نجاست کا ہونا دونوں جواز صلوٰۃ سے مانع ہیں اور حق مقدار میں بھی برابر ہیں لہذا نماز کے حکم میں بھی دونوں برابر ہوں گے۔ امام محمد کے نزدیک اس کو اختیار نہیں بلکہ ان کے نزدیک اس صورت میں بھی نجس کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے یہی امام مالک کا قول ہے اور یہی امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ننگا ہی نماز پڑھے ان کا ظاہری مذہب یہی ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ نجس کپڑے میں نماز پڑھنے سے صرف ایک فرض یعنی طہارت کا ترک لازم آتا ہے اور ننگے نماز پڑھنے میں کئی فرضوں کا ترک لازم آتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

[1] وروی بمعناہ عبدالرزاق وابن ابی شیبہ ومحمد بن الحسن ۱۲۔

وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ ثَوْبًا صَلّٰى عُرْيًا نَّاقَاعِدًا يُوْمِئُ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ فَاِنْ صَلّٰى قَائِمًا اَجْزَاهُ وَ
اور جو نہ پائے کپڑا تو نماز پڑھے ننگا بیٹھ کر اشارے سے کرے رکوع اور سجدہ اور اگر کھڑے ہو کر پڑھی تب بھی ہو جائے گی

الْاَوَّلُ اَفْضَلُ وَيَنْوِيْ لِلصَّلٰوةِ الَّتِيْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَّايَفْصِلُ بَيْنَهَاوَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ
پہلی صورت افضل ہے اور نیت کرے اس نماز کی جس کو پڑھنا چاہتا ہے اس طرح کہ نہ فصل ہو اس کے اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل سے

تشریح الفقہ قوله ومن لم يجد الخ اگر کسی کے پاس کپڑا ہی نہ ہوتو وہ بیٹھ کرنماز پڑھے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے بیٹھنے کی بابت بعض نے تو یہ کہا ہے کہ اسی طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتا ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا کر بیٹھے اور عورت غلیظہ پر ہاتھ رکھ لے۔لیکن پہلی صورت راجح ہے کیونکہ اس میں ایک تو استتار زائد ہے۔دوسرے قبلہ کی طرف پاؤں کرنے سے احتیاط ہے پھر بیٹھ کرنماز پڑھنا عام ہے دن میں ہو یا رات میں گھر میں ہو یا جنگل میں بیٹھ کرنماز پڑھنے کی دلیل یہ ہے حضرت ابن عمر وانس بن مالک سے روایت ہے کہ چند صحابہ کرام دریائی سفر کے لیے کشتی میں بیٹھے کشتی ٹوٹ گئی اور وہ حضرات سمندر سے ننگے نکلے اور انہوں نے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھی۔عینی میں ہے کہ اس کے خلاف کوئی اثر مروی نہیں ہے حضرت ابن عمر ابن عباس عطا عکرمہ قتادہ اوزاعی احمد سب سے یہی منقول ہے لیکن اگر کسی نے اس حالت میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی تو جائز تو ہے مگر پہلی صورت افضل ہے اس واسطے کہ ارکان یعنی قیام اور رکوع وسجود صرف حق نماز ہے اور ستر عورت حق نماز اور حق ناس ہر دو ہے۔

قوله وينوى للصلوٰة الخ صحت نماز کے لیے نیت کا ہونا بھی شرط ہے کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے جیسا کہ ابن المنذر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔درمختار میں بھی یہی ہے۔سراج ہندی نے شرح مغنی میں قول باری ''وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين'' سے استدلال کیا ہے مگر بعض حضرات اس سے متفق نہیں۔کیونکہ ظاہراً عبادت سے مراد توحید ہے کیونکہ اس کے بعد صلوٰۃ کا اس پر عطف کیا گیا ہے۔صاحب ہدایہ وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''انما الاعمال بالنيات اھ'' سے استدلال کیا ہے۔علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں کہ یہ بھی بعید ہے اس واسطے کہ اصولیین نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی الثبوت وظنی الدلالۃ اور مفید سنیت واستحباب ہے نہ کہ مفید فرضیت شیخ اسماعیل فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ حدیث مشہور ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے البتہ اس میں یہ کلام ہوسکتا ہے کہ اس میں ثواب مراد ہے صحت سے کوئی تفرق نہیں۔کذافی الطحطاوی۔نیت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنے دل سے اس کو جانے کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اب اگر یہ نماز نفل سنت اور تراویح ہے تو مطلق نیت کافی ہے اور اگر فرض نماز ہے تو اس کی تعیین بھی ضروری ہے کہ آیا عصر کی نماز ہے یا ظہر کی پھر نیت اس طرح ہونی چاہیے کہ تکبیر تحریمہ اور نیت کے درمیان فصل نہ ہو یعنی دل کے ارادہ کو تحریمہ سے ملا دے۔ظاہر الروایہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کا اعتبار نہیں۔كذافى الطائى والعينى۔البتہ امام کرخی نے تکبیر کے بعد نیت کو جائز کہا ہے بلکہ بعض مشائخ نے ثناء تک اور بعض نے رکوع تک اور بعض نے رکوع سے اٹھنے تک نیت کر لینے کی اجازت دی ہے۔مگر پہلا قول اصح ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ خَائِفًا فَيُصَلِّيْ اِلٰى اَيِّ جِهَةٍ قَدَرَ فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَ
اور قبلہ کی طرف منہ کرے الا یہ کہ اس کو ڈر ہو پس نماز پڑھ لے جس طرف ہو سکے پس اگر مشتبہ ہو جائے اس پر قبلہ اور

لَيْسَ بِحَضْرَتِهٖ مَنْ يَّسْئَلُهٗ عَنْهَا اِجْتَهَدَ وَ صَلّٰى فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهٗ اَخْطَاَ بَعْدَ مَا صَلّٰى فَلَا اِعَادَةَ
نہ ہو وہاں کوئی جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں غور کر کے نماز پڑھ لے پھر اگر غلط معلوم ہو نماز کے بعد تو اس پر اعادہ

عَلَيْهِ وَ اِنْ عَلِمَ ذٰلِکَ . وَ هُوَ فِي الصَّلٰوةِ اسْتَدَارَاِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنىٰ عَلَيْهَا
نہیں ہے اور اگر معلوم ہو جائے یہ بات نماز ہی میں تو پھر جائے قبلہ کی طرف اور باقی نماز اسی پر پوری کرے۔

تشریح الفقہ قولہ ویستقبل القبلة الخ قبلہ کا استقبال بھی شرط ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "فولوا وجوهكم شطره" پھیر واس کی طرف اپنے چہروں کو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جلد باز نمازی سے ارشاد فرمایا کہ "جب تو نماز کے لیے اٹھے تو اچھی طرح وضو کر، پھر قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہہ۔" (مسلم) اس پر یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ عبادت تو خدا کے لیے ہے اور خدا کے لیے کوئی جہت نہیں پھر کعبہ کی طرف رخ کرنے کا ضروری ہونا چہ معنی دارد؟ اس واسطے کہ عبادت تو بے شک خدا ہی کے لیے ہے لیکن بقول کسے ع ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے ہر قوم، ہر شخص کا ایک طبعی رجحان اور قلبی میلان ہوتا ہے جو اس کو کسی نہ کسی طرف متوجہ ہونے کا داعی بنتا ہے۔ شریعت نے ملت ابراہیمیہ کے متبع کو غیر متبع سے ممتاز کرنے کے لیے اسی جہت کو متعین کر دیا یا یوں کہا جائے کہ اس میں بندے کی آزمائش مقصود ہے کیونکہ عاقل، بالغ شخص جو خدا کے حق میں جہت کو محال جانتا ہے اس کی اصل فطرت اس کی مقتضی ہے کہ وہ نماز میں کسی خاص طرف منہ نہ کرے۔ اللہ نے ایسی بات کا حکم دیا جو اس کی اصل فطرت کے مقتضی کے خلاف ہے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حکم مانتا ہے یا نہیں؟ بہر کیف استقبال قبلہ ضروری ہے حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حقیقۃً جیسے اہل مکہ کے لیے عین کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے خواہ اس کے اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار وغیرہ حائل ہو یا نہ ہو حتیٰ کہ اگر کوئی مکی اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کے لیے اس طرح پڑھنا ضروری ہے کہ اگر دیوار دور کر دی جائے تو کعبہ سامنے ہو جائے حکماً جیسے کعبہ سے دور باشند گان کے لیے صرف جہت کعبہ شرط ہے۔ جمہور علماء ثوری، ابن مبارک، احمد، اسحاق، داؤد، مزنی، شافعی، احناف سب کا یہی قول ہے اور یہی امام ترمذی نے حضرت عمر، علی، ابن عباس سے روایت کیا ہے۔
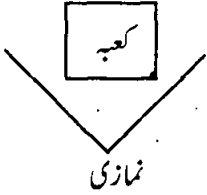
فائدہ معراج میں جہت کی تعریف یہ لکھی ہے کہ جہت کعبہ وہ طرف ہے کہ جب آدمی اس کی طرف منہ کرے تو کعبہ یا فضاء کعبہ کا تحقیقاً یا تقریباً مقابلہ ہو جائے۔ تحقیقی مقابلہ یہ ہے کہ اگر چہرہ کی سیدھ سے ایک خط افق عمود پر کھینچا جائے تو وہ کعبہ یا اس کی فضا پر گزرے اور تقریبی مقابلہ یہ ہے کہ خط مذکور کسی قدر منحرف ہو کر گزرے مگر اس طرح کہ چہرہ کی سطح کعبہ یا اس کی فضا کے مقابل باقی رہے اب جہت معلوم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ نمازی کی آنکھوں کے بیچ کے نقطہ سے دو ایسے خط کھینچے جائیں کہ وہ ایک دوسرے مل کر زاویہ قائمہ سے کم ہوں پس اگر کعبہ ان دونوں خطوں کے درمیان میں واقع ہو تو مقابلہ زائل نہ ہوگا ورنہ زائل ہوگا اس کی صورت یہ ہے:-

قولہ الا ان یکون خائفا الخ خائف کے حق میں استقبال شرط نہیں جس طرح قادر ہو نماز پڑھ لے، خوف عام ہے، جان، مال، دشمن، درندہ، راہزن کسی کا ہو جیسے یہ ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی اور کوئی تختہ پر گیا جس کو قبلہ رخ ہونے میں غرق ہونے کا خوف ہے تو جدھر قادر ہو نماز پڑھ لے۔

قولہ فان اشتبهت الخ اگر کسی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے کہ کس طرف ہے اور کوئی بتانے والا موجود نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ علامات وغیرہ کے ذریعہ خوب غور کرے کہ قبلہ کس طرف ہو سکتا ہے اور جس طرف اس کا دل گواہی دے اسی طرف نماز پڑھ لے پھر اگر نماز کے بعد معلوم ہو کہ سمت چوک گیا تو اس پر اعادہ بھی نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر تحری سے نماز پڑھنے میں یہ ثابت ہو کہ پشت قبلہ کی طرف تھی تو اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ خطا کا یقین ہو گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی وسعت میں صرف تحری تھی اور بحکم شرع اس کے حق میں جہت تحری ہی قبلہ ہے لہذا اس کی نماز شرع کے مطابق ہوئی اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر تحری کرنے والے کو سمت کا غلط ہونا نماز کے اندر معلوم ہو جائے تو نماز ہی میں قبلہ کی

طرف پھر جائے کیونکہ بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف قبلہ بدلنے کا حکم سن کر اہل قباء رکوع کی حالت میں کعبہ کی طرف گھوم گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا تھا۔ (صحیحین)

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

باب نماز کی صفت کے بیان میں

قولہ باب الخ مقدمات نماز سے فراغت کے بعد مقصود کا آغاز ہے۔ وصف اور صفۃ دونوں مصدر ہیں۔ جیسے وعظ . عِظَةٌ وَعَد. عِدَة وَزْن. زِنة (معراج) پس ہاء واؤ کے عوض میں ہے' متکلمین کی اصطلاح میں وصف وہ ہے جو قائم بالوصف ہو۔ وہو قولہ ''زید عالم'' اور صفت وہ ہے جو قائم بالموصوف ہو (صحاح عنایہ' نہایہ) یہاں صفت سے مراد نماز کے ذاتی اوصاف (اجزاء عقلیہ) ہیں جو اجزاء خارجیہ قیام' رکوع' سجود وغیرہ سب پر صادق ہیں۔ صاحب سراج نے بیان کیا ہے کہ ثبوت شئے کے لیے چھ چیزیں ضروری ہیں۔ عین (ماہیت) رکن (جزء ماہیت) حکم (اثر ثابت) محل' شرط' سبب ان کے بغیر کسی شئے کا ثبوت نہیں ہوسکتا پس عین تو یہاں نماز ہے اور رکن قیام قرات رکوع سجود ہے اور محل عاقل بالغ مکلف آدمی ہے اور شروط وہ ہیں جن کا ذکر سابق ہو چکا اور حکم جواز وفساد اور ثواب ہے اور سبب اوقات ہیں۔

فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ اَلتَّحْرِيْمَةُ وَالْقِيَامُ وَالْقِرَاءَ ةُ وَالرُّكُوْعُ وَالسُّجُوْدُ وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ

فرائض نماز چھ ہیں تکبیر تحریمہ قیام قرات رکوع سجود اور قعدہ اخیرہ

مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ

بقدر تشہد اور جو امور اس سے زائد ہیں وہ سنت ہیں

فرائض نماز کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فرائض الصلوٰۃ الخ نماز میں کل چھ چیزیں فرض ہیں۔ ۱۔ تحریمہ' مثل اللہ اکبر' تحریم کے معنی کسی چیز کو حرام کرنا ہے چونکہ تحریمہ کے بعد نمازی پر کلام وغیرہ مباح چیزیں حرام ہو جاتی ہیں' اس لیے اس کا نام تحریمہ ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ ''وربک فکبر'' یہاں باجماع مفسرین تکبیر سے مراد افتتاح ہے۔ وقال علیہ السلام ''مفتاح الصلوۃ الطھور و تحریمھا التکبیر'' نماز کی کنجی طہارت ہے اور تحریم تکبیر[1] ہے۔ صاحب کتاب نے اس کو ارکان میں شامل کیا ہے حالانکہ یہ شیخین کے نزدیک شرط ہے۔ حاوی نے اس کو اصح روایت اور بدائع میں محققین مشائخ کا اور غایۃ البیان میں عام مشائخ کا قول بتایا ہے' اس واسطے کہ یہ ارکان کے ساتھ متصل ہے اس لیے اس کو ارکان ہی کا حکم مل گیا البتہ امام محمد' طحاوی اور عصام بن یوسف کے نزدیک رکن ہے ۲۔ قیام۔ قال اللہ تعالی ''قومو اللہ قانتین'' کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے بحالت خشوع یا بحالت خاموشی باجماع مفسرین اس سے مراد قیام فی الصلوٰۃ ہے۔ وقال علیہ السلام ''صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً'' یہ بالاتفاق رکن ہے جب کہ قیام وسجدہ پر قادر ہو۔ ۳۔ قرأت۔ قال اللہ تعالیٰ ''فاقرء وا ماتیسر من القرآن'' پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے' پس فرض اس قدر ہے جتنا کہ آسان ہو جس کی مقدار بقول اصح ایک چھوٹی آیت ہے۔ مگر ''مدھامتان'' جیسا ایک کلمہ نہ ہو۔ ورنہ بقول اصح جائز نہیں

۱۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' حاکم وغیرہ۔

ہے پھر علامہ غزنوی صاحب حاوی گواس کی رکنیت کے قائل نہیں۔مگر جمہور کے نزدیک رکن ہے (یہ اور بات ہے کہ رکن زائد ہے یعنی ہمارے نزدیک مقتدی سے اور مدرک فی الرکوع سے ساقط ہے)۔۴۔رکوع۔۵۔سجدہ۔قال اللہ تعالیٰ "ارکعوا واسجدوا" ان کی رکنیت وفرضیت پر بھی اتفاق ہے۔۶۔قعدہ اخیرہ بقدر تشہد۔اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود سے ارشاد فرمایا! کہ "جب اسے کہہ لو تو تمہاری نماز پوری ہو جائے گی[1] اس سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا اس کے کرنے پر متعلق ہے خواہ کچھ پڑھے یا نہ پڑھے' پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور پڑھنا واجب ہے۔امام مالک' زہری' ابوبکر کے نزدیک سنت ہے مگر پہلا قول اصح ہے پھر نفس قعدہ بعض کے نزدیک رکن اصلی ہے اور بعض کے نزدیک شرط اور بعض کے نزدیک رکن زائد۔ بدائع میں اسی کی تصحیح ہے اور سراجیہ میں ہے کہ اس کا منکر کافر نہیں۔علامہ شامی فرماتے ہیں کہ منکر سے مراد منکر فرضیت ہے نہ کہ منکر اصل مشروعیت۔ورنہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا ثبوت بالا جماع حق ہے۔

قولہ فھو سنۃ الخ صاحب کتاب نے امور ستہ کے ماعدا کو سنت کہا ہے حالانکہ ماعدا میں واجبات بھی ہیں جیسے تکبیرات عیدین فاتحہ کے ساتھ ملانا وغیرہ اس واسطے کہ یہ از قبیل اطلاق اسم سبب بر مسبب ہے یعنی بایں معنی کہ ان کے وجوب کا ثبوت بالسنۃ ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

واذا دَخَلَ الرَّجُلُ فِیْ صَلٰوتِهٖ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ حَتّٰى يُحَاذِىَ بِابْهَا مَيْهِ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ فَاِنْ قَالَ بَدَلاً مِّنَ التَّكْبِيْرِ اَللّٰهُ اَجَلُّ اَوْاَعْظَمُ اَوِالرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ اَجْزَاَهٗ عِنْدَ اَبِيْحَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَوِاللّٰهُ الْاَكْبَرُ اَوِاللّٰهُ الْكَبِيْرُ

جب شروع کرے آدمی نماز تو تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے کہ مقابل ہو جائیں دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے اگر اللہ اکبر کی بجائے اللہ اجل اللہ اعظم الرحمٰن اکبر کہا تو کافی ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے سوائے اللہ اکبر اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کے

توضیح اللغۃ یحاذی محاذاۃ۔مقابل کرنا' ابہامیہ۔تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا بمعنی انگوٹھا۔شحمۃ۔کان کی لو۔

تشریح الفقہ قولہ حتی یحاذی الخ احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حد کانوں کی لو تک ہے۔امام شافعی کے یہاں کاندھوں تک امام مالک کے یہاں سر تک۔طاؤس کے یہاں سر سے اوپر تک (کذا فی الجوہرہ) امام شافعی کی دلیل حضرت ابوحمید ساعدی کی حدیث ہے کہ "انہوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت میں فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز محفوظ ہے میں نے آپ کو دیکھا کہ جب (ابتدائی) تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ کاندھوں کے برابر اٹھاتے اور (بخاری) احناف کی دلیل حضرت مالک بن حویرث کی دلیل ہے جو صحیحین میں ہے اور وائل بن حجر کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے اور سب حدیثوں میں تطبیق کے پیش نظر یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ ہتھیلی کاندھوں کے بالمقابل انگوٹھے کانوں کی لو کے سامنے اور انگلیوں کے سرے کانوں کے آخری حصے تک پہنچ جائیں۔

قولہ فان کان بدلاً الخ اگر کوئی اللہ اکبر کی بجائے دیگر اسمائے الٰہی مثلاً اللہ اجل' اللہ اعظم' الرحمٰن اکبر میں سے کسی نام کے ساتھ شروع کرے تو طرفین کے نزدیک جائز ہے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہو تو جائز نہیں' سوائے اللہ اکبر' اللہ الاکبر' اللہ الکبیر کے۔

---

[1] ابوداؤد واحمد ۱۲۔

امام شافعی صرف پہلے دو کے ساتھ جائز مانتے ہیں۔ امام مالک کے یہاں افتتاح صلوٰۃ صرف اللہ اکبر کے ساتھ خاص ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس باب میں صحیح قول طرفین کا ہے جیسا کہ نہر الفائق میں ہے۔

تنبیہ اگر کوئی صرف اللہ یا صرف اکبر کہے تو وہ نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا۔ بقول شامی امام محمد کا قول اور امام صاحب سے ظاہر الروایہ یہی ہے پس اگر مقتدی نے لفظ اللہ امام کے ساتھ کہا اور لفظ اکبر امام کے فارغ ہونے سے پیشتر کہہ لیا یا اس نے امام کو رکوع میں پایا اور لفظ اللہ کھڑے ہوئے کہا اور لفظ اکبر رکوع میں تو ان دونوں صورتوں میں اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ امام لفظ اللہ اکبر کے ناتمام ہونے کی وجہ سے ابھی شارع صلوٰۃ نہیں ہوا تھا کہ مقتدی نے اس کی اقتداء کرلی تو اقتداء خارج ہوئی۔ دوسری صورت میں اس لیے کہ پورا جملہ قیام کی حالت میں ہونا شرط ہے اور یہ شرط اس صورت میں مفقود ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَ يَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ

اور پکڑ لے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ اور رکھ لے ان کو ناف کے نیچے پھر کہے اے اللہ ہم تیری پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور تیری

وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ وَ يَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَ يَقْرَأُ

تعریف کرتے ہیں تیرا نام بہت برکت والا اور تیری بزرگی برتر ہے تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور پناہ چاہے اللہ کی شیطان ملعون سے اور پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَ سُوْرَةً مَّعَهَا اَوْثَلٰثَ اٰيَاتٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور ان دونوں کو آہستہ پڑھے پھر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا تین آیتیں پڑھے

مِّنْ اَيِّ سُوْرَةٍ شَاءَ وَاِذَاقَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن وَيَقُوْلُهَا الْمُؤْتَمُّ وَ يُخْفِيْهَا

جس سورۃ سے چاہے اور جب کہے امام ولا الضالین تو کہے آمین اور اس کو مقتدی بھی کہے اور آہستہ کہے۔

تشریح الفقہ قولہ و یضعھما الخ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابواسحاق مروزی اور احناف کے نزدیک سنت ہے کیونکہ حضرت علی کی روایت میں ایسا ہے [1] امام نووی نے اس حدیث کے ضعیف ہونے پر ائمہ کا اتفاق نقل کیا ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں بطریق ابراہیم ابن ادہم بلخی جو مشہور مشائخ میں سے ہیں زیر ناف باندھنا مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور اس کی اسناد میں کوئی کلام نہیں ہے سوائے اس کے کہ علقمہ نے ابن مسعود سے سنا ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں امام ترمذی کی شہادت کافی ہے کہ سماع ثابت ہے پس روایت صحیح ہے۔ امام شافعی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں اور ان کی دلیل حضرت وائل بن حجر کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کر کے سینہ [2] پر رکھا۔ جواب یہ ہے کہ اس میں بطریق تیقن صرف ایک مرتبہ کا تذکرہ کیا ہے جس سے سنیت ثابت نہیں ہوتی بخلاف اثر بالا کے کہ اس میں سنت ہونے کی تصریح ہے علاوہ ازیں حضرت وائل کی حدیث کے جن الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے وہ یہ ہیں "ثم وضع یدہ الیمنی علی ظھر کفه الیسری [3]" امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ دے۔ ابن المنذر نے ہاتھ باندھنا بھی نقل کیا ہے گویا ان کے یہاں چھوڑنا مختار اور باندھنا جائز ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک دونوں برابر ہیں اثر مذکور ان سب پر حجت ہے علاوہ ازیں ہاتھ باندھنے کی دیگر صحیح احادیث بھی ثابت ہیں [4]

---

[1] ابوداؤد بروایت ابن داسہ، احمد، دارقطنی، بیہقی ۱۲۔ [2] ابن خزیمہ ۱۲۔ [3] ابوداؤد، نسائی ۱۲۔

[4] بخاری عن سہل بن سعد، دارقطنی عن ابن عباس، ترمذی، ابن ماجہ عن قبیصہ بن ہلب ۱۲۔

قولہ ثم یقول سبحانک الخ پھر ثنا پڑھے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وسبح بحمد ربک حین تقوم**" اور اگر کسی مقتدی نے امام کی اقتداء اس وقت کی۔ جب کہ امام قرأت شروع کر چکا تھا' تو اب ثناء نہ پڑھے۔ بلکہ خاموشی کے ساتھ اس کی قرأت کو سنے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا**" بعض حضرات نے سکتات امام کے دوران ایک ایک کلمہ کر کے پورا کر لینے کی اجازت دی ہے۔ کذا فی الجوہرۃ۔

قولہ و یستعیذ باللہ الخ پھر اعوذ باللہ الخ پڑھے' امام ہو یا منفرد' امام مالک فرماتے ہیں کہ امام نہ ثنا پڑھے نہ اعوذ باللہ الخ کیونکہ حضرت انس کی روایت ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکرؓ وعمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تو یہ سب حضرات نماز کا آغاز **الحمد للہ رب العالمین** سے کرتے تھے' ہماری دلیل حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ثناء پڑھتے' پھر **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** پڑھتے' پھر امام ابو یوسف کے نزدیک استعاذہ تابع ثناء ہے اور طرفین کے نزدیک تابع قرأت اور یہی مختار ہے' اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک مقتدی اعوذ باللہ الخ نہیں پڑھے گا کیونکہ وہ قرأت نہیں کرتا اور امام ابو یوسف کے نزدیک پڑھے گا۔ کیونکہ ثناء وہ بھی پڑھتا ہے۔

قولہ ویسر بھما الخ امام اعظم' احمد' ثوری' ابن المبارک' اسحاق کے نزدیک اعوذ باللہ الخ اور الحمد کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ہیں جن کو امام آہستہ کہتا ہے ان میں سے تعوذ' تسمیہ اور آمین[1] ہے۔ جب امام کے لیے یہ حکم ہے تو مقتدی کے لیے بطریق اولیٰ ہوگا۔ امام مالک کے نزدیک بسم اللہ فرض نمازوں میں الحمد یا سورت کیساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ کو بھی آواز سے پڑھے کیونکہ روایت میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے[2]" حضرت بریدہ' جابر بن عبد اللہ' ام سلمہ' عائشہ سے بھی بسم اللہ کے جہر کی روایتیں ہیں لیکن کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کلام ہے' جس کی یہاں گنجائش نہیں[3]۔ اسی لیے احناف ترک جہر کے قائل ہیں دلیل حضرت انس کی روایت ہے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر' عمر' عثمان سب ہی کے پیچھے نماز پڑھی مگر کسی کو بھی بسم اللہ کی قرأت کرتے ہوئے نہیں سنا[4]۔"

قولہ ویقولھا المؤتم الخ نفس آمین کہنا سب کے نزدیک مسنون ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے البتہ امام مالک کے نزدیک آمین صرف مقتدی کہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہٰذا اس سے اختلاف مت کرو جب وہ تکبیر کہے تم بھی کہو' جب وہ قرأت کرے تم خاموش رہو' جب وہ ولا الضالین کہے تم آمین کہو[5]۔ امام مالک اس سے تقسیم سمجھتے ہیں کہ امام کے حصے میں اتمام قرأت ہے اور مقتدی کے حصے میں آمین۔ جواب یہ ہے کہ اسی کے اخیر میں ہے "**فان الامام یقولھا**" معلوم ہوا کہ تقسیم مراد نہیں لہٰذا ختم فاتحہ کے بعد سب آمین کہیں گے امام ہو یا مقتدی یا منفرد پھر ہمارے نزدیک مطلقاً آمین آہستہ کہنا سنت ہے یہی امام شافعی کا قول جدید اور امام مالک کی ایک روایت ہے۔ قول قدیم جو شوافع کا مذہب ہے یہ ہے کہ امام و مقتدی سب آمین بالجہر کہیں یہی امام احمد کا قول ہے دلیل حضرت وائل کی حدیث ہے جس کو سفیان نے بواسطہ سلمہ بن کہیل روایت کیا ہے کہ "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولا الضالین کہتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ یہی حدیث شعبہ نے بھی روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**وخفض بھا صوتہ**" پس یا تو ان میں تطبیق دی جائے گی کہ نہ تو آپ زور سے چلائے اور نہ آواز بالکل پست کی بلکہ قدرے آواز سے کہی' یا اذا تعارضا تساقطا کی رو سے کوئی دوسری قوی حدیث تلاش کی جائے گی قائلین بالجہر کے پاس کوئی قوی روایت نہیں اور ہمارے پاس ابن مسعود کا سابقہ اثر موجود ہے۔

---

[1] عبد الرزاق ۱۲۔ [2] دار قطنی عن ابی ہریرہ وابن عباس وابن عمر بمعناہ حاکم عن علی وعمار ۱۲۔ [3] تفصیل کے لیے ہماری کتاب "فلاح و بہبود شرح قال ابو داؤد" دیکھو ۱۲۔
[4] نسائی' احمد' ابن حبان' دار قطنی' طبرانی' ابن خزیمہ بالفاظ مختلفہ ۱۲۔ [5] ابو داؤد بلفظ "رفع بصوتہ" ترمذی بلفظ "مد بھا صوتہ" ۱۲۔

ثُمَّ یُکَبِّرُ وَ یَرْکَعُ وَ یَعْتَمِدُ بِیَدَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ وَ یُفَرِّجُ اَصَابِعَهٗ وَ یَبْسُطُ ظَهْرَهٗ وَلَا یَرْفَعُ رَاْسَهٗ
پھر تکبیر کہتا ہوا رکوع کرے اور ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور انگلیوں کو کشادہ اور پیٹھ کو برابر رکھے اور سر کو نہ اٹھائے

وَلَا یُنَکِّسُهٗ وَ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلٰثًا وَ ذٰلِکَ اَدْنَاهُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ
نہ جھکائے اور کہے رکوع میں سبحان ربی العظیم تین بار اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے پھر سر اٹھائے اور

یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَیَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ فَاِذَا اسْتَوٰی قَائِمًا کَبَّرَ وَسَجَدَ
کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور کہے مقتدی ربنالک الحمد پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے

وَاعْتَمَدَ بِیَدَیْهِ عَلَی الْاَرْضِ وَوَضَعَ وَجْهَهٗ بَیْنَ کَفَّیْهِ وَسَجَدَ عَلٰی اَنْفِهٖ وَجَبْهَتِهٖ فَاِنِ اقْتَصَرَ
اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اور چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور سجدہ کرے ناک اور پیشانی دونوں سے اگر ان میں سے

عَلٰی اَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَا لَایَجُوْزُ الْاِقْتِصَارُ عَلَی الْاَنْفِ اِلَّا
کسی ایک پر اکتفاء کیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صاحبین کہتے ہیں کہ ناک پر اکتفاء جائز نہیں بغیر

مِنْ عُذْرٍ فَاِنْ سَجَدَ عَلٰی کَوْرِ عِمَامَتِهٖ اَوْعَلٰی فَاضِلِ ثَوْبِهٖ جَازَ وَیُبْدِیْ ضَبْعَیْهِ وَ یُجَافِیْ بَطْنَهٗ
عذر کے اگر سجدہ کیا پگڑی کے پیچ پر یا زائد کپڑے پر تو جائز ہے اور بغلوں کو کشادہ اور پیٹ کو رانوں

عَنْ فَخِذَیْهِ وَیُوَجِّهُ اَصَابِعَ رِجْلَیْهِ نَحْوَالْقِبْلَةِ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی
سے علیحدہ رکھے اور قبلہ رخ کرے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو اور کہے سجدہ میں سبحان ربی الاعلی

ثَلٰثًا وَذٰلِکَ اَدْنَاهُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ یُکَبِّرُ وَاِذَا اطْمَاَنَّ جَالِسًا کَبَّرَ وَ سَجَدَ فَاِذَا اطْمَاَنَّ سَاجِدًا
تین بار اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے پھر تکبیر کہتا ہوا سر اٹھائے اور اطمینان سے بیٹھ کر تکبیر کہتا ہوا دوسرا سجدہ کرے اور جب اطمینان سے سجدہ

کَبَّرَ وَاسْتَوٰی قَائِمًا عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیْهِ وَلَا یَقْعُدُ وَلَا یَعْتَمِدُ بِیَدَیْهِ عَلَی الْاَرْضِ
کر چکے تو تکبیر کہتا ہوا دونوں پاؤں پر سینہ کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے نہ بیٹھے اور نہ ہاتھوں سے زمین پر سہارا لے۔

توضیح اللغۃ یفرج تفریجا۔کشادہ کرنا‘اصابع۔جمع اصبع‘انگلی‘یبسط (ن) بسطا۔پھیلانا‘ظہر۔پیٹھ‘ینکسہ تنکیسا۔اوندھا کرنا مراد جھکانا‘موتم۔ مقتدی‘انف۔ناک‘جبہۃ۔پیشانی‘کور۔پیچ‘عمامہ۔پگڑی‘فاضل۔زائد‘یبدی ابداءً۔ظاہر کرنا‘ضبعیہ۔بازو‘تثنیہ کانون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔یجافی۔علیحدہ رکھے‘بطن۔پیٹ‘فخذ۔ران۔

تشریح الفقہ قولہ وذلک ادناہ الخ یعنی رکوع میں تین بار تسبیح کہنا کمال جمع یا کمال سنت کا ادنی درجہ ہے پس تسبیح کو ترک کرنا یا تین سے کم کرنا مکروہ تنزیہی ہے‘ہاں منفرد کے حق میں تین سے زائد افضل ہے طاق عدد کے ساتھ‘امام احمد کے نزدیک ایک بار تسبیح کہنا واجب ہے اور چلپی کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہے۔

قولہ و یقول المؤتم الخ ابوحنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی و منفرد ربنالک الحمد۔صاحبین فرماتے ہیں کہ امام بھی آہستہ سے ربنالک الحمد کہہ لے۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو جمع کرتے تھے[1]۔امام صاحب کی دلیل ارشاد نبوی ہے کہ "جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو[2]" اس سے تقسیم ہوتی ہے کہ امام صرف

[1] بخاری عن ابی ہریرہ و ابن عمر‘مسلم عنہ و ابن ابی اوفی و علی ۱۲۔ [2] اصحاب الصحاح غیر ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ‘مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ احمد عن الاشعری عالم عن الخدری ۱۲۔

تسمیع کہے اور مقتدی صرف تحمید امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام بھی اور مقتدی بھی تسمیع وتحمید دونوں کہیں اقطع نے امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی نقل کی ہے۔ مگر غریب ہے۔

تنبیہ منفرد کے حق میں تین قول ہیں ا۔ تسمیع ۔ یہ معلّی کی روایت ہے جو بواسطہ ابو یوسف امام صاحب سے مروی ہے۔ صاحب سراج نے شیخ الاسلام سے اسی کی تصحیح نقل کی ہے۔ ۲۔ تسمیع وتحمید دونوں ۔ یہ حسن کی روایت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اصح قرار دیا ہے اور صدر الشہید نے کہا ہے " وعلیہ الاعتماد" صاحب مجمع نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ دونوں کو جمع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کا محمل حالت انفراد کے سوا اور کوئی نہیں لہذا منفرد رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع اور رکوع سے سیدھے کھڑا ہو کر تحمید کہے۔

فائدہ کلمات تحمید میں سب سے افضل اللهم ربنا لک الحمد ہے۔ پھر اللهم ربنالک الحمد پھر ربنا ولک الحمد پھر بقول شامی ربنالک الحمد اور ولک میں واؤ بعض کے نزدیک زائد ہے اور بعض کے نزدیک برائے عطف۔

قوله و سجد علی انفه الخ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں سے ہونا چاہیے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت وائل ابوحمید ساعدی اور حضرت ابن عباس کی روایت میں مصرح ہے لیکن اگر کوئی ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء کرے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے۔ (بکراہیۃ تحریمی) بشرطیکہ ناک کے صرف نرم حصہ پر نہ ہو ورنہ بالاتفاق جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک بلاعذر صرف ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے کہ صاحبین کے قول کی طرف امام صاحب کا رجوع ثابت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک دونوں پر سجدہ کرنا فرض ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لایقبل الله صلوٰة من لم یمس جبهته علی الارض " ہمارے نزدیک یہ نفی کمال پر موقوف ہے۔ جیسے آپ کا یہ ارشاد "لاصلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد۔"

قوله ثم رفع راسه الخ نماز کا سجدہ امام محمد کے نزدیک سر اٹھانے پر پورا ہوتا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک صرف سر رکھنے سے پورا ہو جاتا ہے پس اگر کوئی شخص سجدہ میں بے وضو ہو جائے تو امام محمد کے نزدیک وضوء کے بعد اس سجدہ کا اعادہ کرنا ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اعادہ نہ ہوگا (طحطاوی)

قوله واذا اطمان الخ طرفین کے نزدیک نماز کے کل ارکان میں طمانینت واجب ہے۔ امام کرخی بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے اور جرجانی سے سنیت منقول ہے۔ کذا فی الجوہرہ)

وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَا فَعَلَ فِي الْاُوْلٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَسْتَفْتِحُ وَلَا يَتَعَوَّذُ وَلَا

اور کرے دوسری رکعت میں وہی جو کیا ہے پہلی رکعت میں بجز آنکہ ثناء اور اعوذ باللہ نہ پڑھے اور

يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى

ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر اولیٰ میں

تشریح الفقہ قوله ولا یرفع یدیه الخ احناف کے یہاں نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی کسی اور موقعہ پر رفع یدین نہیں ہے۔ صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابوہریرہؓ ابن عمرؓ براءؓ کعبؓ جابر بن سمرہؓ اور ابوسعید خدریؓ سے یہی اصح ہے کہ یہ حضرات رفع یدین نہیں کرتے تھے نیز اصحاب علیؓ اصحاب ابن مسعودؓ ابراہیم نخعی خیثمہ ، قیس ابن ابی لیلی مجاہد اسود شعبی ابواسحٰق علقمہ وکیع شعبی جمہور اہل کوفہ اکثر اہل مدینہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک سے ابن القاسم کی روایت بھی ترک رفع یدین کی ہے جس کو امام نووی نے اشہر الروایات کہا ہے اور مدونہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ امام شافعی احمد ابن راہویہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کے قائل ہیں۔ صحابہ میں حضرت جابر بن

عبداللہ انس بن مالک ابن عباس اور ابن زبیر سے تابعین میں ابن سیرین قتادہ قاسم بن محمد اور مکحول سے رفع یدین منقول ہے ان حضرات کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں رفع یدین کا ثبوت ہے مثلاً یہ کہ حضرت ابوحمید ساعدی نے دس صحابہ کے مجمع میں رفع یدین کر کے دکھایا اور صحابہ نے آپ کی تصدیق کی[1]۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے ''انه اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه و اذا رکع و اذا رفع راسه و اذا رکع فعل مثل ذلک و یقول رائیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فعل مثل ذلک''[2] وغیرہ ذلک۔ احناف کے دلائل وہ ہیں جن میں ترک رفع یدین ہے مثلاً حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا! مجھے کیا ہوا کہ میں تم کو اس طرح ہاتھ ہلاتے دیکھ رہا ہوں جیسے بدکنے والا گھوڑا اپنی دم ہلاتا ہے' نماز میں سکون اختیار کرو''[3]۔ نیز حدیث میں ہے کہ سات مواقع میں رفع یدین کا ثبوت روایت ابن عباس سے ہے جس کو امام بخاری نے رسالہ ''رفع الیدین'' میں تعلیقاً' طبرانی نے معجم میں بزار نے مسند میں' ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور حاکم و بیہقی نے سنن میں تغییر الفاظ ذکر کیا ہے اور یہ مواقع ذیل کے اس قطعہ میں منظوم ہیں ۔

ارفع یدیک لدی التکبیر مفتتحاً
وقانتاً وبه العید ان قدوصفا
و فی الوقوفین ثم الجمرتین معاً
و فی استلام کذافی مروۃ و صفا

رہی احادیث رفع یدین سو ان کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین ابتداء میں تھا' بعد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ حضرت ابن زبیر وغیرہ سے مصرح ہے[4]۔

محمد حنیف غفرلہ' گنگوہی

فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَجَلَسَ عَلَيْهَا
پس جب سر اٹھائے دوسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے

وَنَصَبَ الْيُمْنٰى نَصْبًا وَّوَجَّهَ اَصَابِعَهٗ نَحْوَالْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَيَبْسُطُ
اور داہنا پاؤں کھڑا رکھے اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے اور رکھے اپنے ہاتھوں کو زانوں پر اور کشادہ رکھے

اَصَابِعَهٗ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَالتَّشَهُّدُ اَنْ يَّقُوْلَ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ
انگلیوں کو پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں سلام

اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ وَالسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُاَنْ لَّآ اِلٰهَ
تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر گواہی دیتا ہوں میں کہ اللہ کے

اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا فِي الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰى
سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس سے زیادہ نہ پڑھے پہلے قعدہ میں

تشریح الفقہ قوله افترش الخ داہنا پاؤں کھڑا کرنا اور بایاں پاؤں بچھانا احناف کے نزدیک مسنون ہے۔ ابوحمید کی روایت میں قعدہ اولیٰ میں بچھانا اور قعدہ ثانیہ میں تورک آیا ہے جو امام شافعی کا مسلک ہے۔ امام مالک کے یہاں دونوں قعدوں میں تورک مسنون ہے۔ امام احمد کے

[1] بخاری فی الجزء' ابوداؤد' ترمذی' طحاوی' بیہقی ۱۲۔ [2] ابن ماجہ حاکم' بیہقی فی الخلافیات ۱۲۔ [3] مسلم' نسائی' طحاوی' احمد ۱۲۔ [4] اس مسئلہ کی مفصل بحث کے لیے ہماری کتاب ''فلاح و بہبود شرح قال ابوداؤد'' دیکھیے ۱۲۔

نزدیک دو رکعت والی نماز میں اور چار رکعت والی نماز کے پہلے قعدہ میں افتراش اور دوسرے میں تورک مسنون ہے۔احناف افتراش کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ یہ متعدد احادیث میں وارد ہے اور اس کو تشہد میں سنت کہا گیا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے قعدہ کی کیفیت میں کوئی فرق منقول نہیں جن احادیث میں آپ سے تورک منقول ہے وہ آپ کے ضعف اور کبرسنی کا زمانہ تھا۔

قوله و التشهد الخ احادیث میں تشہد مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔عینی نے نو تشہدوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں امام شافعی کے یہاں تشہد ابن عباس اولیٰ ہے۔(مسلم، ابوداؤد) امام صاحب کے یہاں تشہد ابن مسعود اولیٰ ہے (صحاح ستہ) وجوہ ترجیح یہ ہیں ۱۔اس کو ترمذی، خطابی، ابن المنذر، ابن عبدالبر نے اس باب میں اصح قرار دیا ہے۔۲۔اس میں صیغہ امر ہے جو کم از کم استحباب کے لیے ہوتا ہے۔۳۔اس میں الف لام استغراقی ہے اور واؤ کی زیاتی ہے جو نئے کلام کے لیے آتا ہے۔۴۔احادیث تشہد ابن مسعود میں کوئی اضطراب نہیں ہے۔۵۔اس میں لفظ السلام معرف باللام ہے جو مفید استغراق ہے۔۶۔اس تشہد کی تعلیم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بر سر منبر قرآن کی طرح تعلیم دی ہے۔۷۔تشہد ابن مسعود پر اکثر اہل علم کا عمل ہے بخلاف تشہد ابن عباس کے کہ اس پر صرف امام شافعی اور آپ کے متبعین کا عمل ہے۔۸۔اس تشہد میں تعلیم کی تاکید بھی موجود ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً فَإِذَا جَلَسَ فِيْ اٰخِرِ الصَّلٰوةِ جَلَسَ

اور پڑھے آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ اور بیٹھے اخیر نماز میں تو بیٹھے

كَمَا جَلَسَ فِي الْأُوْلٰى وَ تَشَهَّدَ وَ صَلّٰى عَلَى النَّبِّى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ

جیسے بیٹھا تھا پہلے قعدہ میں اور تشہد پڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور دعا مانگے جو چاہے ان الفاظ سے جو

الفاظَ القران والادعية الماثورَة ولا يَدعو بما يَشبَه كلامَ الناس ثم يُسَلِّم عن يمينه و

الفاظ قرآن اور منقول دعاؤں کے مشابہ ہوں ایسی دعاء نہ مانگے جو مشابہ ہو لوگوں کے کلام کے پھر سلام پھیرے دائیں طرف اور

يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَيُسَلِّم عَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ ذٰلِكَ

کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح سلام پھیرے بائیں طرف

تشریح الفقہ **ویقرأ فی الرکعتین الخ** آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے جیسا کہ حضرت ابوقتادہ سے بخاری کی روایت میں ہے پھر امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ قرأت فاتحہ واجب ہے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب نہیں بلکہ اگر تین بار تسبیح کہہ لی یا اتنی دیر خاموش رہا۔ تب بھی جائز ہے۔**کذافی الطائی والعینی۔**

قوله و تشهد و صلی الخ قعدہ اخیرہ فرض ہے اور اس میں تشہد پڑھنا واجب ہے اور صلوٰۃ علی النبی سنت ہے۔امام شافعی کے نزدیک قرأت تشہد اور صلوۃ علی النبی دونوں فرض ہیں یہاں تک کہ ان کے ترک سے نماز ہی نہ ہوگی۔کذافی الجوہرہ۔

قوله ممایشبه الفاظ القرآن الخ جیسے ربنالاتؤ اخذ نا ا ھ، ربنا آتنا فی الدنیا حسنة ا ھ، ربنا اغفرلی ولوالدی ا ھ یا اس کے ہم معنی دعائیں جیسے عافنی واعف عنی واصلح امری واصرف عنی کل شر یا ادعیہ ماثورہ جیسے اللهم لک الحمد کله و لک الملک کله وبیدک الخیر کله والیک یرجع الامر کله اسئلک من الخیر کله و اعوذبک من الشر کله یا ذاالجلال والاکرام، یا اللهم انی ظلمت ظلماً کثیراً ا ھ،

فائدہ یہاں تک مردوں کی نماز کا طریقہ بیان ہو چکا۔خزائن الاسرار میں لکھا ہے کہ نماز کی بابت عورت پچیس باتوں میں مرد کے خلاف ہے۔ا۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ شانوں تک اٹھانے میں ۲۔آستینوں سے ہاتھ باہر نہ نکالنے میں ۔۳۔دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر رکھنے میں ۔۴۔ہاتھ پستانوں کے نیچے باندھنے میں ۵۔رکوع میں کم جھکنے میں ۔۶۔رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہ لینے میں ۔۷۔رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں کو نہ پھیلانے میں ۔۸۔رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے میں ۔۹۔گھٹنوں کو رکوع میں جھکنے میں ۔۱۰۔رکوع کے اندر سمٹے رہنے میں ۔۱۱۔سجدہ کے اندر بغلیں کشادہ نہ رکھنے میں ۔۱۲۔سجدہ میں دونوں ہاتھوں کے بچھانے میں ۔۱۳۔التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی رکھنے میں ۔۱۴۔التحیات میں دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر سرین پر بیٹھنے میں ۔۱۵۔نماز میں کسی امر کے پیش آ جانے پر تالی بجانے میں ۔۱۶۔مردوں کی امامت نہ کرنے میں ۱۷۔عورتوں کی جماعت مکروہ ہونے پر ۱۸۔عورتوں کی جماعت ہو تو امام عورت کے بیچ صف کے اندر کھڑی ہونے میں ۱۹۔نماز عید واجب نہ ہونے میں ۔۲۰۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کے پیچھے کھڑے ہونے میں ۔۲۱۔عورت پر جمعہ کے فرض نہ ہونے میں ۲۲۔جماعت کے لیے اس کی حاضری کے مکروہ ہونے میں ۲۳۔تکبیرات تشریق واجب نہ ہونے میں ۲۴۔نماز فجر تاریکی کے اندر پڑھنے کے مستحب ہونے میں ۲۵۔جہراً قرأت نہ کرنے میں' طحطاوی نے دو باتیں اور زیادہ کی ہیں کہ اذان نہ دینے اور مسجد میں اعتکاف نہ کرنے میں ۔

وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاءَ ةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِنْ كَانَ اِمَامًا وَ

اور قرأت آواز سے پڑھے فجر میں اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اگر ہو یہ امام اور

يُخْفِي الْقِرَاءَ ةَ فِيْ مَا بَعْدَ الْأُوْلَيَيْنِ وَاِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ جَهَرَ وَاَسْمَعَ

آہستہ پڑھے پہلی دو رکعتوں کے بعد دو رکعتوں میں اور تنہا نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے چاہے آواز سے پڑھے اور اپنے جی کو

نَفْسَهٗ وَ اِنْ شَاءَ خَافَتَ وَيُخْفِي الْاِمَامُ الْقِرَاءَ ةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

سنائے اور چاہے آہستہ پڑھے اور امام ظہر و عصر میں قرأت آہستہ پڑھے

جہری وسری نمازوں کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ویجھر بالقراء ۃ الخ نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اسی طرح جمعہ وعیدین کی نمازوں میں قرأت بالجہر کرے۔طحطاوی' درمختار اور فتح المعین وغیرہ میں ہے کہ ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب نمازوں میں قرأت جہراً کرتے تھے اور مشرکین آپ کو ایذاء دیتے۔یعنی اللہ جل شانہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتے تھے تو حق تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی ''ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھاوا بتغ بین ذالک سبیلا'' یعنی نہ کل نمازوں میں جہر کرو' نہ کل نمازوں میں آہستہ پڑھو' بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار کرلو' کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو پس آپ ظہر وعصر میں آہستہ پڑھتے کیونکہ کفار ان دونوں وقتوں میں پورے طور پر در پئے آزار رہتے تھے اور مغرب میں چونکہ کفار خورد ونوش میں مشغول رہتے اور عشاء وفجر میں سوتے ہوتے تھے اس لیے ان تینوں وقتوں میں آپ جہراً پڑھتے تھے اور جمعہ وعیدین چونکہ آپ نے مدینہ منورہ میں قائم کیا' جہاں کفار کا کوئی زور نہ تھا' اس لیے آپ ان میں بھی جہراً پڑھتے تھے پھر یہ عذر گو زائل ہو چکا' تاہم حکم باقی اور حتمی ہے' یہاں تک کہ اگر جہری نمازوں میں امام نے سراً یا سری نمازوں میں جہراً قرأت کی تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

قولہ وان کان منفردا الخ تنہا نماز پڑھنے والا مختار ہے قرأت جہراً کرے یا سراً لیکن جہراً افضل ہے تاکہ نماز بصورت جماعت ہو جائے مگر یہ اختیار اس صورت میں ہے کہ جب منفرد جہری نماز پڑھ رہا ہو بخلاف سری نماز کے اس میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ وہ سری نماز میں ظاہر مذہب

پر بطور وجوب آہستہ پڑھے گا اگر جہراً پڑھے گا تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔ کذافی الجوھرۃ و الدر المختار۔

قولہ و اسمع نفسہ الخ اس سے بظاہر جہر کی حد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنی قرأت سن سکے تو مخافت کی حد تصحیح حروف ہوگی۔ شیخ ابوالحسن کرخی کا قول یہی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مخافت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود سن سکے کیونکہ بلا آواز صرف زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہا جاتا اور جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود بھی اور قریب کے ایک دو آدمی بھی سن سکیں جو مسائل نطق سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یہی درجہ معتبر ہوگا جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا' سجدہ تلاوت کا واجب ہونا' آزاد کرنا' طلاق دینا اور انشاء اللہ کہنا وغیرہ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْوِتْرُ ثَلٰثُ رَكَعَاتٍ لَّايَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ فِيْ جَمِيْعِ

اور وتر تین رکعات ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے اور قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے

السَّنَةِ وَيَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَّعَهَا فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقْنُتَ

سال اور پڑھے وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت جب دعاء قنوت پڑھنے

كَبَّرَ وَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَنَتَ

کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

نماز وتر کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و الوتر الخ وتر کے متعلق امام صاحب سے تین روایتیں ہیں۔۱۔ فرض ہے۔ احناف میں سے زفر' مالکیہ میں سے سحنون' اصبغ اور ابن العربی کا یہی قول ہے۔ اسی کو ابن بطال نے حضرت ابن مسعودؓ حذیفہ اور ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے اور یہی سخاوی کے نزدیک مختار ہے۔۲۔ سنت مؤکدہ ہے۔ صاحبین اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔۳۔ واجب ہے' یہ آپ کا آخری قول ہے جس میں محیط میں صحیح' خانیہ میں اصح' مبسوط میں ظاہر مذہب قرار دیا ہے۔ یوسف ابن خالد سمتی نے اسی کو لیا ہے بعض مشائخ نے ان تینوں قولوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ وتر عملاً فرض ہے' اعتقاداً واجب ثبوتاً سنت جن حضرات نے وتر کو سنت مانا ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں سنیت کی علامتیں پائی جاتی ہیں مثلاً اس کے لیے اذان و اقامت کا نہ ہونا' منکر وتر کی تکفیر نہ ہونا' وتر کے واجب ہونے کی دلیل مرفوع روایت ہے کہ وتر حق واجب ہے سو جس نے وتر ادا نہیں کیا وہ مجھ سے نہیں ہے یہی جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا[1]۔ حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور کہا ہے کہ ابوالمسیب راوی ثقہ ہیں' ابن معین وغیرہ نے بھی توثیق کی ہے۔ دوسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''صبح ہونے سے پہلے وتر پڑھ لو[2]'' اس میں خطاب بصیغہ امر ہے جس کا مقتضی وجوب ہے اسی لیے اس کی قضاء کا وجوب بالاجماع ثابت ہے۔ تیسری دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''وتر ہر مسلمان پر واجب ہے[3]'' چوتھی دلیل بھی مرفوع روایت ہے کہ ''ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز کے ساتھ تمہاری امداد کی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے سو اس نماز کو تمہارے لیے عشاء و طلوع فجر کے درمیان کر دیا ہے[4]''۔ رہا یہ سوال کہ اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوتی سو جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت حدیث متواتر یا حدیث مشہور سے نہیں ہے اور دلالت قطعی بھی نہیں ہے اس لیے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جا سکتی اور اس کے لیے

۱۔ ابوداؤد' حاکم عن بریدہ ۱۲۔ ۲۔ مسلم' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ عن الخذری ۱۲۔ ۳۔ بزار عن ابن مسعود ۱۲۔ ۴۔ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' حاکم' احمد' دار قطنی' طبرانی' ابن عدی عن خارجہ ابن حذیفہ' ابن راہویہ' طبرانی عن عمرو بن العاص' عقبہ' طبرانی عن ابن عباس' حاکم' طبرانی' احمد عن ابی بصرہ' دار قطنی عن عمرو بن شعیب' دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔

اذان کا نہ ہونا اس لیے ہے کہ اس کی ادائیگی عشاء کے وقت میں ہوتی ہے لہذا عشاء کی اذان و اقامت پر اکتفاء کی جاتی ہے علاوہ ازیں واجب کے لیے اذان کا ہونا ضروری بھی نہیں ہے جیسے نماز عیدین۔

قولہ ثلث رکعات الخ وتر کی رکعات بقول مختار تین ہیں کیونکہ احادیث و آثار اسی تعداد کو بتاتے ہیں اور یہی رکعات مغرب کے موافق ہے بخلاف ایک و پانچ کے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور جہاں تک روایت ظنی کو قطعی سے موافقت ہو وہی اولیٰ واقویٰ ہے۔ روایت میں ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے[1]۔ حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ مع سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون' تیسری میں قل ھو اللہ احد' قل اعوذ برب الفلق' قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے[2]۔ اسی کے مثل امام طحاوی نے حضرت ابن عباس وسعید بن عبدالرحمٰن سے اور امام ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کی ہے۔ حسن بصری نے تین رکعات پر صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے۔[3] ابوداؤد نے عبداللہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعات کے ساتھ وتر کرتے تھے؟ فرمایا: چار اور تین' چھ اور تین' آٹھ اور تین' دس اور تین کے ساتھ اور سات سے کم اور تیرہ سے زیادہ کے ساتھ وتر نہیں کرتے تھے۔'' اس حدیث میں وتر کے تین رکعات کی صراحت ہے۔ عینی نے لکھا ہے کہ اکثر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن بطال نے مدینہ کے فقہاء سبعہ کا بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے اور اس میں کلام نہیں ہے کہ وتر کی تین ہی رکعات ہیں چنانچہ یہی ایک قول امام شافعی کا ہے لیکن روضہ میں ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ایتار کی سنت طاق عدد یعنی ایک سے گیارہ تک کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اس کے بعد پھر ایک رکعت پڑھے' اس طرح تین رکعات پوری کرے' یہی ایک قول امام مالک کا بھی ہے۔ جواہر مالکیہ میں ہے کہ وتر ایک رکعت ہے اور وہ سنت ہے۔ حاوی میں ہے کہ وتر سنت ہے اور بقول ابوبکر واجب ہے جس کی کم از کم تین اور زائد سے زائد گیارہ رکعات ہیں ان تمام کے جواب میں ہمارے لیے حدیث عائشہ حجت ہے۔

قولہ و یقنت فی الثالثہ الخ اور وتر کی تیسری رکعات میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھے۔ شرح ارشاد میں ہے کہ امام شافعی سے اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ ان کے اصحاب میں اختلاف ہے بعض قبل الرکوع کہتے ہیں اور بعض بعد الرکوع' لیکن ان کے مذہب میں بعد الرکوع ہی صحیح ہے۔ امام احمد سے بھی دونوں کا جواز منقول ہے۔ امام شافعی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کے آخر میں قنوت پڑھا[4]۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال چند احادیث صحیحہ سے ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت سے وتر کرتے تھے۔ اول میں سورہ اعلیٰ' دوم میں کافرون' سوم میں اخلاص پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے[5]۔ ۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا[6] ۳۔ صحیح بخاری میں عاصم احول سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس سے قنوت وتر کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا! ہاں' میں نے عرض کیا: قبل الرکوع یا بعد الرکوع؟ فرمایا: قبل الرکوع' میں نے عرض کیا: فلاں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ بعد الرکوع ہے۔ فرمایا اس نے جھوٹ خبر دی ہے کیونکہ رکوع کے بعد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت پڑھا تھا رہا امام شافعی کا یہ استدلال جو لفظ ''آخر'' سے بعد الرکوع مراد لیتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چیز نصف سے زائد پر آخر کہلاتی ہے لہذا تیسری رکعت کے رکوع سے قبل پر بھی آخر کا اطلاق صحیح ہے۔

قولہ فی جمیع السنۃ الخ جمہور کے نزدیک وتر میں قنوت کا پڑھنا دائمی ہے اور شوافع کے نزدیک صرف رمضان کے نصف آخر میں

۱۔ نسائی عن عائشہ ۲۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' حاکم' ابن حبان ۱۲ ۳۔ ابن ابی شیبہ ۱۲ ۴۔ ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' بیہقی عن علی ۱۲
۵۔ نسائی' ابن ماجہ ۱۲ ۶۔ ابن ابی شیبہ' دارقطنی' خطیب بغدادی عن ابن مسعود' ابونعیم عن ابن عباس طبراق عن ابن عمر ۱۲۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو قنوت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا اس کو اپنے وتر میں قائم کر اس میں رمضان کے نصف آخر کی قید نہیں ہے۔ شوافع کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تھا تو ابی بن کعب نے بیس روز تک نماز پڑھائی اور صرف نصف آخر میں قنوت پڑھا[1]۔ نیز مرفوع روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصف آخر رمضان میں قنوت پڑھتے[2] تھے۔ جواب یہ ہے کہ علامہ نووی نے ''خلاصہ'' میں کہا ہے کہ یہ دونوں طریق ضعیف ہیں۔

فائدہ وتر میں قنوت پڑھنا جمہور کے نزدیک بقول صحیح واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو بھول گیا' تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ شوافع کے یہاں مستحب ہے پھر قنوت جہراً پڑھے یا آہستہ؟ نہایہ میں مختار یہ ہے کہ آہستہ پڑھے۔ کیونکہ قنوت دعاء ہے اور ادعیہ میں سنت یہی ہے کہ آہستہ ہوں۔ پھر منفرد کے حق میں تو کوئی اشکال نہیں وہ آہستہ ہی پڑھے گا لیکن اگر امام ہو تو آہستہ پڑھے یا زور سے؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ محمد بن فضل اور ابوحفص کبیر کا میلان اس طرف ہے کہ امام بھی آہستہ ہی پڑھے۔ مبسوط میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''خیر الذکر الخفی'' البتہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام جہراً پڑھے۔

قولہ و یقرأ فی کل رکعۃ الخ وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت گزر چکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں اعلیٰ' دوسری میں کافرون' تیسری میں سورہ اخلاص پڑھی پھر صاحبین کے قول پر تو یہ بات بالکل واضح ہے کیونکہ ان کے نزدیک وتر سنت ہے اور سنن کی ہر رکعت میں قرأت واجب ہے اسی طرح امام صاحب کے قول پر بھی کیونکہ آپ کے نزدیک گو وتر واجب ہے تاہم سنت ہونے کا بھی احتمال ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ہر رکعت میں قرأت ہو۔

قولہ و رفع یدیہ الخ وتر میں قنوت پڑھتے وقت پہلے تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے پھر ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دے یا باندھ لے؟ امام کرخی اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہاتھ چھوڑ دے اور ابوبکر اسکاف کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ لے۔ طرفین کا قول بھی یہی ہے۔ پھر قنوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی پڑھے یا نہیں؟ ابواللیث کہتے ہیں کہ درود پڑھے کیونکہ قنوت دعا ہے اور دعا کے ساتھ درود ہونا ہی چاہیے لیکن ابوالقاسم الصفار فرماتے ہیں کہ درود کا مقام تو قعدۂ اخیر ہے۔

فائدہ قنوت مطلق دعا ہے اور مطلق دعا ہی واجب ہے رہا خاص طور سے اللھم انا نستعینک الخ سو یہ سنت ہے اگر اس کے بجائے کوئی اور قنوت پڑھ لیا تب بھی جائز ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے شرح حصن حصین میں کہا ہے کہ قنوت وتر میں مستحب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود سے مروی دعا یعنی **اللھم انا نستعینک** اھ اور وہ دعا جس کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن بن علی کو فرمایا تھا یعنی **اللھم اھدنی فیمن ھدیت و عافنی فیمن عافیت و تولنی فیمن تولیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شرما قضیت فانک تقضی و لا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا و تعالیت نستغفرک و نتوب الیک**[3] ان دونوں کو جمع کر لے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَا يَقْنُتُ فِيْ صَلٰوةٍ غَيْرِهَا

اور قنوت نہ پڑھے وتر کے سوا کسی اور نماز میں

تشریح الفقہ **قولہ ولا یقنت** الخ نماز وتر کے علاوہ اور کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ احناف کے یہاں کسی اور نماز میں قنوت نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک فجر میں قنوت ہے جو خلفاء راشدین' عمار بن یاسر' ابی بن کعب' ابوموسیٰ اشعری' ابن عباس' ابوہریرہ' براء بن عازب' انس بن

[1] ابوداؤد [2] ابن عدی عن انسؓ ۱۲۔ [3] رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان' والحاکم فی المستدرک وابن ابی شیبہ عن الحسن بن علی ۱۲۔

مالک، سہل بن سعد، معاویہ اور حضرت عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے ثابت ہے چنانچہ عبدالرزاق نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا[1]۔ اسحٰق بن راہویہ نے اسی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت انس سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک بعض قبیلۂ عرب پر بددعاء کی پھر چھوڑ دیا تو حضرت انس نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر میں برابر قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ دنیا کو چھوڑا۔ صاحب تنقیح کہتے ہیں کہ یہ حدیث شوافع کے دلائل میں سے عمدہ ترین دلیل ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی بن ابی طالب، ابن عباس (بروایت صحیحہ) عبداللہ بن مسعود، ابن عمر، ابن زبیر، ابن مبارک، ابن راہویہ، امام احمد اور بقول امام ترمذی اکثر اہل علم کے نزدیک فجر میں بلا سبب قنوت نہیں ہے کیونکہ جن روایات سے نماز فجر میں قنوت معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت قنوت نازلہ تھا جو منسوخ ہوگیا چنانچہ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں ایک ماہ قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا، نہ اس سے پہلے پڑھا تھا نہ اس کے بعد پڑھا[2]، رہا حضرت انس کا انکار سو اول تو اس کی اسناد میں ابوجعفر رازی راوی ہے جس کے متعلق امام احمد یحیٰ، ابن المدینی، ابوزرعہ اور ابن حبان کو کلام ہے لیکن تنقیح میں ہے کہ دوسروں نے اس کی توثیق بھی کی ہے بالجملہ حدیث بدرجہ حسن قرار پانے کے بعد حضرت انس سے صحیحین وغیرہ میں ایک ماہ قنوت فجر مروی ہے اور ابوداؤد ونسائی میں تصریح ہے کہ ایک ماہ کے بعد ترک کردیا۔ دوم یہ کہ قیس بن ربیع نے عاصم بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت انس سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا، جھوٹے ہیں، کیونکہ آپ نے تو صرف ایک ماہ تک چند قبیلہ عرب مشرکین پر بددعا کی تھی۔ نیز ابن ماجہ نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں قنوت میں ممانعت کردی تھی[3]۔ حضرت غالب کہتے ہیں کہ میں دو ماہ تک انس بن مالک کے پاس رہا مگر آپ نے فجر کی نماز میں کبھی قنوت نہیں پڑھا[4]۔ یہ روایت صریح ہے کہ خود حضرت انس نہیں پڑھتے تھے، بیہقی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ابن عمر نے صبح کی نماز پڑھی، کسی نے کہا آپ قنوت نہیں پڑھتے۔ فرمایا: کسی صحابی سے یاد نہیں رکھتا۔ ذہبی فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور بیہقی نے جو یہ کہا ہے کہ ابن عمر کو یاد نہیں رہا، یہ بالکل محال سی بات ہے کہ روزانہ صبح کو نماز پڑھی جائے اور پھر بھول جائیں۔

وَلَیْسَ فِیْ شَیْ ءٍ مِّنَ الصَّلٰوۃِ قِرَاءَ ۃُ سُوْرَۃٍ بِعَیْنِھَا لاَ یَجُوْزُ غَیْرُھَا وَیُکْرَہُ اَنْ یَّتَّخِذَ قِرَاءَ ۃَ سُوْرَۃٍ

اور نہیں ہے کسی نماز میں کسی معین سورت کا پڑھنا کہ نہ جائز ہو اس کے سوا اور مکروہ ہے یہ کہ معین کر لے کسی خاص سورت

بِعَیْنِھَا لِلصَّلٰوۃِ لَایَقْرَأُ فِیْھَا غَیْرَھَا وَاَدْنٰی مَا یُجْزِیْ مِنَ الْقِرَاءَ ۃِ فِی الصَّلٰوۃِ مَایَتَنَاوَلُہٗ

کی قرأت نماز کے لئے کہ نہ پڑھے اس نماز میں اس کے سوا اور کم سے کم قرأت جو کافی ہے نماز میں وہ ہے جس کو قرآن

اِسْمُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی

کہہ سکیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام ابویوسفؒ و امام محمد فرماتے ہیں کہ

لَایَجُوْزُاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِ اٰیَاتٍ قِصَارٍ اَوْاٰیَۃٍ طَوِیْلَۃٍ

جائز نہیں تین چھوٹی آیتوں یا ایک بڑی آیت سے کم

تشریح الفقہ قولہ و لیس فی شئ الخ سورہ فاتحہ تو ہر نماز میں بطریق وجوب متعین ہے لیکن اس کے علاوہ قرآن کی کوئی سورت نماز کے

[1] عبدالرزاق، احمد، دارقطنی، حاکم، طحاوی، ابن راہویہ، بیہقی ۱۲۔ [2] بزار، طبرانی، ابن ابی شیبہ، طحاوی ۱۲۔ [3] ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی، حازمی فی الاعتبار ۱۲۔
[4] معجم طبرانی ۱۲۔

لیے بطریق وجوب متعین نہیں کہ اس کے بغیر نماز درست نہ ہو۔ بلکہ جو سورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے۔

قولہ ویکرہ ان یتخذ الخ نماز کے لیے کسی خاص سورت کو معین کرنا جیسے جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر کو معین کر لینا مکروہ ہے۔ طحاوی اور اسبیجابی نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ اگر وہ معین سورۃ کے پڑھنے کو ضروری جانے اور دوسری سورۃ کو جائز نہ سمجھے تو اس طرح کی تعیین مکروہ ہے لیکن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے پیش نظر معین سورۃ کو پڑھے اور گاہے بگاہے دوسری سورتوں کو بھی پڑھے یا معین سورۃ کے علاوہ اس کو یاد نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ ہدایہ میں کراہت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس سے معین سورۃ کے افضل ہونے کا وہم لازم آتا ہے۔

قولہ وادنی ما یجزی الخ نماز میں قرأت کی کم از کم مقدار جو فرض ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت ہے چھوٹی ہو یا بڑی اور صاحبین کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت ہے کیونکہ اس سے کم کی صورت میں وہ قرأت کرنے والا نہیں کہلائے گا۔ امام صاحب کی دلیل ارشاد باری ہے 'فاقرؤا ما تیسر من القرآن' یعنی اس قدر پڑھو جو آسان ہو قرآن سے۔ محیط میں ہے کہ نماز کے اندر قرأت کی پانچ قسمیں ہیں۔ ۱۔ فرض جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک آیت تامہ ہے اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے 'ثم نظر' تب تو جائز ہے اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے 'مدھامتان' یا صرف ایک حرف ہو جیسے 'ص ن ق' تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اصح عدم جواز ہے۔ ۲۔ واجب۔ اور وہ قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ ہے۔ ۳۔ مسنون۔ اور وہ فجر وظہر میں طوال مفصل یعنی حجرات سے بروج تک، عصر وعشاء میں اوساط مفصل یعنی بروج سے لم یکن تک، مغرب میں قصار مفصل یعنی زلزال سے آخر قرآن تک کی قرأت ہے۔ ۴۔ مستحب، اور وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس تک سورہ فاتحہ کے علاوہ کی قرأت ہے۔ ۵۔ مکروہ۔ اور وہ یہ ہے کہ صرف فاتحہ یا فاتحہ کے ساتھ آدھ آیت یا سورۃ بلا فاتحہ یا پہلی رکعت میں ایک سورت اور دوسری میں اس سے اوپر کی سورت پڑھے۔ کذا فی الجوہرۃ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَایَقْرَاءُ	الْمُؤْتَمُّ	خَلْفَ	الْاِمَامِ	وَمَنْ	اَرَادَالدُّخُوْلَ	فِیْ	صَلوٰةِ	غَیْرِہٖ	یَحْتَاجُ	اِلٰی	نِیَّتَیْنِ
اور نہ پڑھے	مقتدی	امام کے	پیچھے	اور جو	شخص	کسی کے	پیچھے نماز	پڑھنا چاہے	تو اسے	دو نیتیں	کرنی ضروری

نِیَّةِ الصَّلٰوةِ وَ نِیَّةِ الْمُتَابَعَةِ
ہیں ایک نماز کی نیت اور ایک اقتداء کی نیت

قرأت خلف الامام

تشریح الفقہ قولہ ولا یقرأ الموتم الخ مقتدی امام کے پیچھے نہ فاتحہ پڑھے نہ سورت، خواہ نماز جہری ہو یا سری۔ اکابر صحابہ اور ابن المسیب، عروۃ بن الزبیر، سعید بن جبیر، زہری، شعبی، نخعی، اسود، ثوری، ابن ابی لیلی، اوزاعی، مالک، احمد، ابن عیینہ، ابن المبارک کا یہی قول ہے مگر اوزاعی، مالک، ابن المبارک جہری نماز میں منع فرماتے ہیں۔ امام شافعی کے قول قدیم میں صرف سری نماز اور قول جدید میں سری و جہری ہر دو میں مقتدی فاتحہ پڑھے اور رافعی نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ سری میں بھی واجب نہیں ہے یہی قول لیث، ابوثور، ثوری کا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام و مقتدی جس طرح دوسرے ارکان قیام، قعود، رکوع، سجود میں برابر کے شریک ہیں اسی طرح رکن قرأت میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔ نقلی دلیل حضرت عبادہ بن ثابت کی مرفوع حدیث 'لاصلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب'[1] ہے اس کی نماز ہی نہیں جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس میں امام، منفرد، مقتدی

[1] صحیحین ۱۲۔

وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں علی الاطلاق قرأت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے۔ احناف کی دلیل آیت کریمہ ہے'' واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا '' جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تلاوت قرآن کے وقت سننے اور خاموش رہنے کا حکم اس کے احترام کی خاطر دیا ہے اور یہ حکم نماز میں جب کہ امام جہر کرے زیادہ مؤکد ہے چنانچہ امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام تو اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تم خاموش رہو۔'' موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے' عبداللہ بن مغفل اور مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر' ضحاک' نخعی' قتادہ' شعبی' سدی سبھوں نے یہی کہا ہے کہ مراد آیت میں نماز ہے بلکہ بیہقی نے امام احمد سے علماء کا اس پر اجماع نقل کیا ہے نیز حدیث میں ہے'' من کان له امام فقراءة الامام له قراءة [1] '' جس نمازی کا امام ہو تو اس امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بطرق متعددہ حضرت جابر بن عبداللہ' ابن عمر' ابوسعید خدری وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ خود حضرت جابر سے بھی متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اس کو صحیح اسناد کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ اس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ امام احمد نے ثلاثی روایات ثقہ راویوں سے روایت کی ہیں۔ پس دارقطنی کا یہ کہنا کہ جابر کی مرفوع روایت ضعیف ہے غلط ہے نیز احمد بن منیع نے جو امام ترمذی وغیرہ کے شیخ ہیں' اپنی مسند میں سفیان و شریک سے بخاری و مسلم کی شرط پر موقوفاً روایت کیا ہے لہذا دارقطنی و بیہقی کا یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ سفیان و شریک نے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ

باب جماعت کے بیان میں

وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ

اور جماعت سنت مؤکدہ ہے

تشریح الفقہ قوله باب الجماعة الخ اس باب کو'' باب صفت الصلوٰۃ '' سے مؤخر لا رہے ہیں اس واسطے کہ باب سابق میں منفرد کی نماز کے مسائل مذکور ہیں اور اس باب میں مسائل جماعت اور منفرد کی نماز بہ نسبت جماعت کی نماز کے ایسی ہے جیسے جزء کل کے لحاظ سے اور جزء کل پر مقدم ہوتا ہے اس لیے باب صفۃ الصلوٰۃ کو مقدم کیا ہے بعض نسخوں میں باب الجماعت عنوان نہیں ہے پس ان کے لحاظ سے اس نکتہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

قوله والجماعة سنة الخ جماعت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ فرض عین ہے یعنی ہر شخص پر فرض ہے یہ اہل ظواہر اور امام احمد کا قول ہے مگر صحت نماز کے لیے شرط نہیں ہے۔ ۲۔ فرض کفایہ ہے اگر بعض نے جماعت کر لی تو باقی لوگوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا' یہ قول امام شافعی اور ان کے جمہور اصحاب طحطاوی نے نہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ تمام اقوال میں یہی قول درست اور قوی تر ہے' اسی لیے اجناس میں کہا ہے کہ جو شخص جماعت کو حقارت کے باعث چھوڑ دے اس کی گواہی مقبول نہیں پھر قائلین وجوب نے آیت'' وارکعوا مع الراکعین '' سے استدلال کیا ہے (اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) یعنی شریک جماعت ہو جاؤ لیکن قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیت کے یہ معنی کئے ہیں

[1] ابن ماجہ' دارقطنی' بیہقی' ابن عدی' طبرانی' احمد عن جابر' دارقطنی' مالک عن ابن عمر' طبرانی' ابن عدی عن الخدری' دارقطنی عن ابی ہریرۃ' ابن عباس' ابن حبان عن انسؓ ۱۲۔

کہ خشوع وخضوع کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ اس صورت میں نفس جماعت ہی کا ثبوت نہ ہوگا چہ جائیکہ اس کا ثبوت ثابت ہو۔۴۔ سنت مؤکدہ ہے' یہ بعض حضرات کا قول ہے جس کو صاحب کتاب نے اختیار کیا ہے۔ شیخ زاہدی کہتے ہیں کہ فقہاء نے تاکید سے وجوب مراد لیا ہے یعنی جو لوگ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں ان کے قول میں اور جو لوگ واجب کہتے ہیں ان کے قول میں کوئی فرق نہیں کیونکہ تاکید سے مراد واجب ہونا ہے (مگر صحت جمعہ وعیدین کے لیے جماعت شرط ہے) سنیت کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''الجماعۃ من سنن الھدیٰ لا یتخلفھا الامنافق۔''

فائدہ گھر یا بازار میں تنہا نماز پڑھنے سے مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا پچیس گنا افضل ہے اور حدیث ابن عمر میں ستائیس گنا مذکور ہے اور جس نے نماز عشاء جماعت سے پڑھی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے نماز فجر جماعت سے پڑھی تو گویا تمام رات نماز پڑھی (مسلم' ابوداؤد' ترمذی) مسجد میں جماعت کے لیے دور سے اندھیری رات میں آکر (انتظار کرنے والے کے لیے زیادہ ثواب ہے۔ (صحیحین) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس روز تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرے تو حق تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے اور نفاق سے برأت لکھ دیتے ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَوْلَی النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ اَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَقْرَأُهُمْ فَاِنْ تَسَاوَوْا

اور سب سے بہتر امامت کے لئے وہ ہے جو سب سے زیادہ عالم سنت ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا قاری ہو اگر اس میں بھی سب

فَاَوْرَعُهُم فَاِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ

برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو پھر جو سب سے عمر رسیدہ ہو

تشریح الفقہ قولہ واولی الناس الخ لوگوں میں جو سب سے زیادہ عالم بالسنّت ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے اور سنت سے مراد احکام شرعیہ یعنی فقط احکام نماز ہے' بشرطیکہ اس قدر اچھی طرح پڑھ سکتا ہو جس سے نماز جائز ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بہتر قرأۃ کرنے والا اولیٰ ہے جب کہ بقدر ضرورت نماز کا علم رکھتا ہو اس لیے کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور نماز میں علم کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب نماز میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آئے۔ عینی نے یہ قول دوسرے ائمہ کا بھی بتایا ہے اس کے بعد اعلم بالسنۃ کا حق ہے پھر اس کا جو ہجرت میں مقدم ہو' پھر اس کا جو اسلام میں مقدم ہو۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کی وجہ سے ہے اور علم کی ضرورت تمام ارکان میں پیش آتی ہے لہٰذا تمام ارکان کی ضرورت مقدم ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' 'اقرءکم ابی'' اور ان کے ہوتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا' 'مروا ابابکر فلیصل بالناس۔ اھ''

قولہ فاقرأھم الخ اگر تمام اہل جماعت علم سنت میں برابر ہوں تو جو بہتر قاری ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کا بہتر قاری ہو اور اگر اس میں سب برابر ہوں تو ان میں سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے (اصحاب ستہ غیر البخاری) سوال۔ حدیث میں اقراء کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے اور طرفین کے نزدیک اس کا عکس ہے' اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ صحابہ کرام میں جو قاری قرآن ہوتا تھا وہ عالم بالسنۃ بھی ہوتا تھا' اس لیے وہ سب کے سب علم میں برابر ہوتے تھے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ'' کوئی سورۃ نازل نہ ہوتی تھی مگر یہ کہ ہم اس کے امرونہی زجروتوبیخ اور حرام وحلال سے واقف ہوتے تھے'' البتہ ادائیگی قرأت میں فرق تھا' اس لیے حدیث میں قاری قرآن کو مقدم کرنے کا ذکر ہے اور آج کل اکثر و بیشتر قاری خوبی قرأت میں کامل ہوتے ہیں لیکن علم سنت کی طرف عموماً توجہ نہیں ہوتی۔ لہٰذا آج کل عالم

ہی کو مقدم کرنا چاہیے البتہ علم میں اگر سب برابر ہوں تو ان میں سے جو بہتر قاری ہو وہ مقدم ہوگا۔

قولہ فاورعھم الخ اگر امور مذکورہ میں سب برابر ہوں تو جو ان میں عمر رسیدہ ہو وہ اولیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن حویرث اور ان کے ایک ساتھی کے لیے فرمایا تھا ''اذا حضرت الصلوٰۃ فاذنا ثم اقیما ولیئومکما اکبر کما'' نیز حدیث میں ہے کہ ''ہم میں سے نہیں جو اپنے بڑوں کی توقیر نہ کرے'' اور جب اس کو امام بنایا تو یہ اس کی توقیر ہوئی۔ نیز معمر کو مقدم کرنے سے جماعت میں کثرت ہوگی جو اللہ کو محبوب ہے۔ اس کے بعد بہتر اخلاق والا اولیٰ ہے۔ حدیث میں ہے جو تم میں خوبی اخلاق میں بڑھ کر ہیں وہ بہتر ہیں'' پھر بہتر حسب والا' پھر حسین وجمیل' پھر اشرف النسب مقدم ہے۔

وَيُكْرَهُ	تَقْدِيْمُ	الْعَبْدِ	وَالْاَعْرَابِيِّ	وَالْفَاسِقِ	وَالْاَعْمٰى	وَوَلَدِ الزِّنَا	فَاِنْ	تقدَّمُوْا جاز
اور مکروہ ہے	آگے بڑھانا	غلام	گنوار	فاسق	نابینا	اور حرامی کو	اگر یہ آگے بڑھ جائیں	تو جائز ہے

وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ لَايُطَوِّلَ بِهِمُ الصَّلٰوةَ

اور امام کو چاہیے کہ وہ نماز کو لمبی نہ کرے

وہ لوگ جن کی امامت مکروہ ہے

تشریح الفقہ **قولہ ویکرہ** الخ غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اگر چہ اس کو آزاد کر دیا گیا ہو کیونکہ غلامی کی حالت میں مالک کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے اس کو تحصیل علم کی فرصت نہیں ملتی۔ دیہاتی و گنوار پر بھی عموماً غلبہ جہل ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ''الاعراب اشد کفراً و نفاقاً و اجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ' گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر۔ اس لیے ان کی امامت بھی مکروہ ہے۔

لطیفہ حکایات میں ہے کہ کسی گنوار نے مغرب کی نماز میں ایک امام کی اقتداء کی۔ امام نے اس آیت کی قرأت کی ''الاعراب اشد کفرا الخ'' گنوار یہ سنتے ہی نیت توڑ کر ایک ڈنڈا لایا اور پھر نماز میں شامل ہو گیا اب امام نے یہ آیت پڑھی۔ ومن الاعراب من یؤمن باللہ و الیوم الآخر'' تو گنوار نماز ہی میں کہنے لگا کہ تجھے ڈنڈے ہی نے سیدھا کیا ہے۔ فہذا یدل علیٰ غالب جہلہم۔

قولہ و الفاسق الخ فاسق کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے دین کے معاملہ میں کچھ بھی اہتمام نہ کر سکے گا اور اس لیے بھی کہ امامت بلسان شرع ایک طرح کی تکریم ہے اور فاسق کی تکریم مکروہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس کی امامت جائز ہی نہیں' نابینا کی امامت بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ نابینا ہونے کی وجہ سے پورے طور پر پاکی ناپاکی سے احتیاط نہیں کر سکتا اور چونکہ نجاست کا صرف احتمال ہے اس لیے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کسی ذریعہ سے نجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام کر لیتا ہو تو بلا کراہت جائز ہے نیز اگر نابینا قوم کے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہو تو وہ اولیٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن مکتوم اور عتبان بن مالک کو جو نابینا تھے جہاد میں جاتے وقت مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تھا اور یہ امامت وغیرہ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔

ولدالزنا (حرامی) کی امامت اس لیے مکروہ ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام نہیں ہوتا کیونکہ نہ تو اس کا باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی ایسا عزیز جو اس کا انتظام کرے بلکہ لوگ عادتاً شفقت کی بجائے اس سے نفرت کرتے ہیں اگر چہ خود اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا' یہی امام شافعی کا قول اور امام مالک سے ایک روایت ہے' دوسری روایت کے لحاظ سے مکروہ نہیں ہے' یہی امام احمد اور ابن المنذر کا قول ہے۔

تنبیہ مذکورہ بالا لوگوں کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب ان پر جہل کا غلبہ ہو اور قوم بھی ناپسند کرتی ہو اور ان کے علاوہ کوئی ان سے اولی موجود بھی نہ ہو ورنہ بلا کراہت جائز ہے البتہ فاسق کو امام ہرگز نہ بنانا چاہیے اور اگر بنا ہی دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ (دار قطنی) ابن عمر وانس نے حجاج کے پیچھے اور ابن مسعود نے ولید بن عقبہ کے پیچھے نماز پڑھی جس نے ایک روز نماز نشہ کی حالت میں پڑھائی۔

قولہ وینبغی للامام الخ امام کو نماز میں طول نہیں دینا چاہیے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص امامت کرے اس کو چاہیے کہ جماعت میں جو کمزور، بوڑھے، بیمار، حاجت مند لوگ ہیں ان جیسی نماز پڑھائے یعنی ان کی رعایت رکھے۔ (صحیحین عن ابی ہریرہ)

وَيُكْرَهُ	لِلنِّسَاءِ	اَنْ	يُصَلِّيْنَ	وَحْدَهُنَّ	بِجَمَاعَةٍ	فَاِنْ	فَعَلْنَ	وَقَفَتِ	الْاِمَامَةُ	وَسْطَهُنَّ

اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے یہ کہ محض عورتیں جماعت کریں لیکن اگر وہ ایسا کریں تو کھڑی ہو نماز پڑھانے والی عورت ان کے بیچ میں

كَالْعُرَاةِ	وَمَنْ	صَلّٰى	مَعَ	وَاحِدٍ	اَقَامَهُ	عَنْ	يَمِيْنِهٖ	وَاِنْ	كَانَا	اثْنَيْنِ	تَقَدَّمَهُمَا	وَلَايَجُوْزُ	لِلرِّجَالِ

جیسے ننگوں کا حکم ہے جو ایک آدمی کو نماز پڑھائے تو اس کو اپنی داہنی طرف کھڑا کرے اور اگر دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے اور مردوں کو یہ جائز نہیں

اَنْ يَّقْتَدُوْا بِامْرَاَةٍ اَوْصَبِيٍّ

کہ وہ اقتدار کریں عورت کی یا بچہ کی

عورت کی جماعت کا حکم

تشریح الفقہ قولہ ویکرہ للنساء الخ محض عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے نفل ہو یا فرض کیونکہ جماعت کرنے میں ان کا امام آگے نہیں کھڑا ہو سکتا بلکہ درمیان میں کھڑا ہوگا جو مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی فعل آگے کھڑا ہونا تھا۔ ننگوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور اگر عورتیں یا ننگے جماعت کریں بھی تو امام کو درمیان میں کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ آگے کھڑا ہونے کی صورت میں کشف عورت زیادہ ہوگا اور جہاں تک ممکن ہو اس کا کم کرنا واجب ہے۔

تنبیہ نماز جنازہ اس سے مستثنی ہے کہ نماز جنازہ میں عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں (جب کہ جنازہ پر صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں) اس واسطے کہ نماز جنازہ ایک ہی بار فرض ہے دوبارہ پڑھنا مشروع نہیں پس اگر تمام عورتیں تنہا تنہا نماز پڑھیں گی تو ایک عورت کے فارغ ہونے سے فرض ادا ہو جائے گا اور باقی عورتیں اس سے محروم رہ جائیں گی بخلاف جماعت کے کہ جماعت سے پڑھنے میں فرض کی فضیلت سب کو حاصل ہو جائے گی۔

قولہ ومن صلی الخ اگر مقتدی صرف ایک شخص ہو تو وہ امام کے برابر دائیں طرف کھڑا ہو اگرچہ بچہ ہی ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے ساتھ نماز پڑھی تو ان کو اپنی داہنی طرف کھڑا کیا۔ امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اتنا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہوں لیکن پہلا قول قوی وظاہر تر ہے اور اگر مقتدی دو ہوں تو امام ان کے آگے کھڑا ہو اگر امام دو کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد کے بیچ میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تحریمی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس اور ایک بچہ کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور حضرت ام سلیم کو ان کے پیچھے کھڑا کیا۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ امام دو کے درمیان کھڑا ہو کیونکہ حضرت ابن مسعود نے علقمہ اسود کو گھر میں نماز پڑھائی اور ان کے درمیان کھڑے ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ یہ بقول ابراہیم نخعی ضیق مکان کی وجہ سے تھا۔

قولہ ولایجوز للرجال الخ مرد کو عورت کی اقتداء کرنا صحیح نہیں کیونکہ امام کے لیے مرد ہونا شرط ہے لقولہ علیہ السلام 'اخروھن من حیث اخرھن اللہ' بالغ کو نابالغ کی اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نابالغ کی نماز نفل ہوتی ہے اور اقتداء مفترض خلف المتنفل جائز نہیں۔ امام

شافعی بچہ کی امامت کو جائز کہتے ہیں (جواب عنقریب آ رہا ہے) اور مشائخ بلخ نے نوافل مطلقہ اور تراویح میں نابالغ کے پیچھے بالغ کی اقتداء کو جائز مانا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل، واجب ہو یا سنت کسی میں بھی اقتداء صحیح نہیں۔

وَيَصفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ فَاِنْ قَامَتْ امْرَاَةٌ اِلٰى جَنْبِ رَجُلٍ
اور صف بنائی جائے مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثاؤں کی پھر عورتوں کی پس اگر کھڑی ہو جائے عورت مرد کے برابر

وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِيْ صَلٰوةٍ وَّاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ
اور وہ دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی

ترتیب صفوف ومسئلہ محاذاۃ

تشریح الفقہ ويصف الرجال الخ امام کے پیچھے سب سے پہلے مردوں کی صف ہونی چاہیے، پھر بچوں کی، پھر خنثاؤں کی، پھر عورتوں کی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سے اصحاب علم وعقل مجھ سے قریب رہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے جلتے ہوں۔ (مسلم عن ابن مسعود) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صف بندی کرتے تو مردوں کو لڑکوں کے آگے صف میں اور لڑکوں کو پیچھے اور عورتوں کو لڑکوں کے پیچھے کرتے تھے۔ (حارث عن ابی مالک)

قولہ فان قامت الخ اگر کوئی عورت نماز میں آ کر مرد کے برابر نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز کے تحریمہ میں مشترک ہوں تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی یہ مسئلہ مبنی بر استحسان ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز بھی فاسد نہ ہو جیسے عورت کی نماز بالاتفاق فاسد نہیں ہوتی اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ دلیل استحسان ارشاد نبوی ہے "اخروھن من حیث اخرھن اللہ" اس حدیث سے فرضیت کا ثبوت ہوسکتا ہے کیونکہ یہ حدیث مشہور ہے جو قطعی الدلالۃ ہوتی ہے پھر خاص کر مرد کی نماز اس لیے فاسد ہوتی ہے کہ اس امر کا مخاطب وہی ہے یعنی مردوں کو حکم ہے کہ تم عورتوں کو مؤخر کرو اور اس نے اس کے خلاف کیا لہذا اسی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی پھر عورت کی محاذاۃ کا مفسد صلوٰۃ ہونا ان شرطوں پر موقوف ہے۔ ۱۔ محاذاۃ مرد اور عورت میں ہو۔ اگر لڑکے اور عورت میں ہو یا مرد اور لڑکی میں ہو، یا مرد اور خنثی مشکل میں ہو تو یہ مفید نہیں۔ ۲۔ محاذیہ عورت مشتہاۃ ہو جس کی تعیین بعض لوگوں نے نو برس کے ساتھ کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سن بلوغ کو پہنچی ہوئی ہو یا قابل جماع ہو۔ ۳۔ عاقلہ ہو محاذاۃ مجنونہ مفسد نہیں۔ ۴۔ دونوں کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جس کا موٹا پا ایک انگلی ہو۔ ۵۔ دونوں پنڈلیاں اور ٹخنے محاذی ہوں ۶۔ اصل نماز رکوع وسجود والی ہو۔ پس نماز جنازہ میں محاذاۃ ایک رکن کامل میں ہو۔ ۸۔ امام نے عورت کے امام ہونے کی نیت کی ہو، بلا نیت محاذاۃ مفسد نہیں۔ ۹۔ ارکان میں دونوں مشترک ہوں، اگر مرد وعورت نے تیسری رکعت میں امام کی اقتداء کی پھر ان کو حدث ہوا اور وضو کر کے آ کر پڑھنے لگے اور عورت اس کی محاذی ہوگئی پس اگر امام کی تیسری وچوتھی رکعت میں عورت محاذی ہو، جو ان دونوں کی تیسری وچوتھی ہے تو مرد کی نماز فاسد ہوگی اور اگر دونوں رکعتیں پڑھ کر اپنی تیسری وچوتھی میں جا کر عورت محاذی بنی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ ۱۰ (مکان متحد ہو۔ محاذاۃ کے مفسد ہونے کی یہ دس شرطیں ہیں۔ پس مسئلہ محاذاۃ کا حاصل یہ نکلا کہ ایسی عورت کا محاذی ہونا جو مشتہات ہو اور اس کی امامت کی نیت مرد کے ساتھ نماز مطلقہ کے ایک رکن میں ہو، درانحالیکہ دونوں تحریمہ واداء میں مع اتحاد مکان کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر مشترک ہوں تو یہ مرد کی نماز کے لیے مفسد ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ الْجَمَاعَةِ وَلَابَاسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

اور مکروہ ہے عورتوں کو جماعت میں شریک ہونا' اور کوئی حرج نہیں اس میں کہ آئے بڑھیا فجر و مغرب اور عشاء میں

عِنْدَابِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُويُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوزُ خُرُوجُ الْعَجُوزِ فِي

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے بڑھیا کا آنا

سَائِرِ الصَّلَوَاتِ وَلَايُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهِ سَلَسُ الْبَوْلِ وَلَا الطَّاهِرَةُ خَلْفَ [1] الْمُسْتَحَاضَةِ

سب نمازوں میں نہ پڑھے پاک آدمی سلسل البول والے کے پیچھے اور نہ پاک عورت متحاضہ کے پیچھے

وَلَاالْقَارِئُ خَلْفَ الْاُمِّي وَلَا الْمُكْتَسِيُ خَلْفَ الْعُرْيَانِ

اورنہ پڑھاہوا ان پڑھ کے پیچھے اور نہ پہننےوالا ننگے کے پیچھے

توضیح اللغۃ عجوز۔بوڑھی عورت'سلسل البول۔پیشاب لگنے کی بیماری'اُمی۔ان پڑھ'مکتسی۔لباس پہننے والا'عریاں۔ننگے۔

تشریح الفقہ قولہ ویکرہ للنساء الخ ایسی جوان عورتوں کا جن سے جماع کی رغبت ہو'جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے کیونکہ ان کی حاضری میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا'عورتوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کی شکایت کی۔تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب جیسی حالت دیکھتے تو جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئیں ہیں اسی طرح تم کو بھی منع کیا جاتا۔

قولہ ولاباس الخ امام صاحب کے نزدیک فجر'مغرب'عشاء'جمعہ اور عیدین کے لیے بوڑھی عورتوں کے حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔صاحبین کے نزدیک ان کے لیے ہر نماز میں حاضری کی اجازت ہے۔کیونکہ بوڑھی عورتوں کے حق میں قلت رغبت کی بناء پر فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے مفتی بہ مذہب علی الاطلاق عدم جواز ہے۔

قولہ ولایصلی الطاھر الخ معذور کے پیچھے غیر معذور کی نماز صحیح نہیں کیونکہ مقتدی کی بہ نسبت امام کا اعلیٰ حال ہونا یا کم از کم برابر ہونا شرط ہے اور یہاں اس کا عکس ہے۔امام شافعی کے نزدیک اصح قول میں معذور کے پیچھے تندرست کی نماز جائز ہے۔احناف میں سے امام زفر کا قول بھی یہی ہے۔

قولہ ولاالقاری الخ احناف کے نزدیک قاری امی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا دیگر ائمہ کا مذہب بھی یہی ہے اسی طرح ستر واجب ڈھانکنے والا ننگے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔کیونکہ امی اور ننگے کی حالت کی بہ نسبت قاری اور لباس پہننے والے کی حالت قوی ہے اور جس کی حالت قوی ہو وہی امام بن سکتا ہے۔

وَيَجُوزُ اَنْ يَّؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِيْنَ وَالْمَاسِحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ الْغَاسِلِيْنَ وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ

اور جائز ہے یہ کہ امامت کرے تیمم کرنے والا وضوء کرنے والوں کی اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والوں کی اور پڑھ سکتا ہے کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے

الْقَاعِدِ وَلَايُصَلِّي الَّذِيْ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُوْمِئُ وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ وَلَا

کے پیچھے اور نہ پڑھے رکوع سجدہ کرنے والا اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے اور نہ پڑھے فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے

[1] الاستحاضۃ عذر کسلس البول الانہ خص المستحاضۃ لانہ یرد اشکال بان الاستحاضۃ مانعۃ ام لافان عندمالک دم الاستحاضۃ لیس بمانع لانہ لیس بخارج معتاد و لھذا خص المستحاضۃ بعد قولہ"ولایصلی الطاھر خلف من بہ سلس البول'' دفعاً لازالۃ الاشکال ۱۲ .فاتح

مَنْ يُصَلِّىْ فَرْضًا خَلْفَ مَنْ يُصَلِّى فَرْضًا اٰخَرَ وَ يُصَلِّى الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ وَ مَنِ اقْتَدٰى
اور نہ پڑھے ایک فرض پڑھنے والا اس کے پیچھے جو دوسری فرض نماز پڑھ رہا ہو اور پڑھ سکتا ہے نفل والا فرض والے کے پیچھے جس نے اقتداء کی

بِاِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ اَعَادَ الصَّلٰوةَ
کسی امام کی پھر معلوم ہوا کہ وہ ناپاک تھا تو وہ اپنی نماز لوٹائے

تشریح الفقہ قولہ و یجوز ان یؤم الخ تیمم کرنے والا وضوء کرنے والوں کی امامت کرسکتا ہے' یہ شیخین کا قول اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک تیمم طہارت ضروریہ ہے اور شیخین کے نزدیک تیمم طہارت مطلقہ ہے۔ حضرت عمرو بن العاص کی حدیث شیخین کے مذہب کی مؤید ہے جس کو بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مرتبہ لشکر کا سردار بنا کر بھیجا جب لوگ واپس آئے تو آپ نے عمرو کا حال دریافت کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نیک سیرت ہیں لیکن ایک روز انہوں نے ہم کو جنابت میں نماز پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو سے دریافت فرمایا' تو عرض کیا: یارسول اللہ! میں سردی کی رات میں محتلم ہو گیا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤں گا اس لیے میں نے اللہ کے قول "لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کو پڑھا اور تیمم کر کے نماز پڑھا دی' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم کے ساتھ فرمایا: یا لک من فقیہ عمرو بن العاص اور آپ نے لوگوں کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔

قولہ والماسح الخ اور موزوں پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کر سکتا ہے کیونکہ موزہ قدم تک حدث کو پہنچنے نہیں دیتا۔ اس لیے حدث سے پاؤں کی طہارت زائل نہ ہو گی اور موزوں پر کچھ حدث کا اثر ہوا اس کو مسح نے زائل کر دیا لہذا موزہ والے کی طہارت پاؤں دھونے والے کی طرح باقی ہے نیز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ امام محمد کے نزدیک اس کی اجازت نہیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے قوی ہے۔ نیز صحیح حدیث میں ہے کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو" لیکن جمہور نے اس قیاس کو اس نص صریح کی وجہ سے ترک کر دیا جو صحیحین میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی۔ یعنی سب سے آخری ظہر کی نماز (تو ار یا ہفتہ) کے روز بیٹھ کر پڑھائی اور قوم نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کی رہی حدیث مذکور سو امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ یہ منسوخ ہے۔

قولہ ولا یصلی الذی یرکع الخ رکوع اور سجدہ کرنے والا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے ارفع ہے' ہاں اشارہ کرنے والا اپنے جیسے اشارہ کرنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں دونوں کی حالت برابر ہے اور صحت اقتداء کے لیے حالت کی برابری بھی کافی ہے۔

قولہ ولا یصلی المفترض الخ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کرسکتا۔ سعید بن المسیب' ابراہیم نخعی' زہری' حسن' یحیی بن سعید' مجاہد سب کا یہی قول ہے' یہی امام مالک سے روایت ہے اور یہی امام احمد کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے' اس واسطے کہ اقتداء ایک وجودی چیز ہے نہ کہ عدمی پس فرض میں اقتداء یہ ہے کہ مقتدی اپنے فرض کو امام کے فرض اقتداء کے طور پر مبنی کرے اور صورت مذکورہ میں امام کے حق میں صفت فرضیت معدوم ہے۔ کیونکہ وہ فرض پڑھ رہا ہے لہذا اقتداء صحیح نہ ہو گی نیز ایک فرض پڑھنے والا دیگر فرض پڑھنے والے کی اقتداء نہیں کر سکتا کیونکہ شروط اقتداء میں سے یہ بھی ہے کہ امام و مقتدی کی نماز متحد ہو اور یہاں اتحاد مفقود ہے لہذا اقتداء بے سود ہے' ہاں نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے کیونکہ امام کی حالت مقتدی کی حالت سے قوی ہے۔

قولہ و من اقتدی الخ نماز پڑھ لینے کے بعد امام کا حالت حدث میں نماز پڑھانا معلوم ہوا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اقتداء سے پہلے معلوم ہو جائے تو بالاجماع اقتداء جائز نہ ہو گی۔ پہلی صورت میں امام شافعی کے نزدیک مقتدی کی نماز صحیح ہے کیونکہ ان کے یہاں ہر ایک کی

نماز علیحدہ ہے۔ نیز حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے بحالت جنابت نماز پڑھائی' پھر خود نماز کا اعادہ کیا قوم کو اعادہ کے لیے نہیں کہا' ہماری دیلیل ارشاد نبوی ہے کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی عن ابی ہریرہ) اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام قوم کی نمازوں کا صرف صحت وفساد کے اعتبار سے ذمہ دار ہے اور جب آدمی محدث ہو تو اس کی نماز بالا جماع باطل ہے لہذا امام جن کی نمازوں کا ضامن تھا ان کی نمازیں بھی فاسد ہوں گی' رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم امر سے عدم اعادہ لازم نہیں آتا کیونکہ ممکن ہے قوم نے حضرت عمرؓ کو اعادہ کرتے ہوئے دیکھ کر اپنی نمازیں لوٹالی ہوں۔

وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّيْ اَنْ يَعْبَثَ بِثَوْبِهٖ اَوْبِجَسَدِهٖ وَلَا يُقَلِّبُ الْحَصٰى اِلَّا اَنْ لَّا يُمْكِنَهُ السُّجُوْدُ عَلَيْهِ

اور مکروہ ہے نمازی کو کھیلنا اپنے کپڑے یا بدن سے اور نہ ہٹائے وہ کنکریوں کو اِلایہ کہ ان پر سجدہ نہ ہو سکے

فَيُسَوِّيْهِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَلَا يُفَرْقِعُ اَصَابِعَهٗ وَلَا يُشَبِّكُ

تو صرف ایک دفعہ انہیں ہموار کرے اور انگلیاں نہ چٹخائے نہ ایک کو دوسری میں داخل کرے

وہ افعال جو نمازی کے لیے مکروہ ہیں

توضیح اللغۃ یعبث (س) عبثاً۔ کھیل کود کرنا' جسد۔ بدن' حصی۔ کنکریاں' یفرقع فرقعۃ۔ انگلیاں چٹخانا' یشبک' تشبیکاً۔ ایک دوسرے میں داخل کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ ویکرہ للمصلی الخ نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیل کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''حق تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزیں ناپسند فرمائی ہیں۔ نماز میں کھیل کود کرنا' روزہ میں گندی گفتگو کرنا' قبرستان میں ہنسنا۔'' نیز آپ نے ایک نمازی کو اپنی داڑھی سے کھیلتے دیکھ کر فرمایا ''لوخشع قلبہ لخشعت جوارحہ۔''

قولہ ولا یقلب الحصی الخ نمازی کے لیے کنکریوں کا ہٹانا بھی مکروہ ہے الا یہ کہ اچھی طرح سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ایک مرتبہ ہٹانے کی اجازت ہے۔ صحاح ستہ میں حضرت معیقیب سے مروی ہے ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کنکریوں کو مت ہٹا' جب کہ تو نماز پڑھتا ہو اور اگر بغیر ہٹائے کام ہی نہ چلے تو صرف ایک بار ہٹالے۔

وَلَا يَتَخَصَّرُ وَلَا يَسْدُلُ ثَوْبَهٗ وَلَا يَكُفُّهٗ وَلَا يَعْقِصُ شَعْرَهٗ وَلَا يَلْتَفِتُ يَمِيْنًا وَّ شِمَالًا وَّلَا

نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے اور نہ اپنا کپڑا لٹکائے نہ اسے سمیٹے نہ بالوں کو گوندھے نہ دائیں بائیں دیکھے

يُقْعِيْ كَاِقْعَاءِ الْكَلْبِ وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهٖ وَلَا بِيَدِهٖ وَلَا يَتَرَبَّعُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَّ

نہ کتے کی طرح بیٹھے نہ سلام کا جواب دے نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ پالتی مار کر بیٹھے مگر عذر کی وجہ سے اور

لَا يَاْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ

نہ کھائے نہ پیے

توضیح اللغۃ یتخصر تخصراً۔ پہلو پر ہاتھ رکھنا' یسدل (ض ن) سدلاً۔ لٹکانا' یعقص (ض) عقصاً۔ بالوں کو گوندھنا' شعر۔ بال' یقعی اقعاء۔ کتے کی طرح بیٹھنا' کلب۔ کتا' یتربع۔ چہار زانو ہو کر بیٹھنا۔

تشریح الفقہ قولہ ولایتخصر الخ تخصر یعنی ہاتھ کو کوکھ پر رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ حضرت ابن عباس، عائشہ، ابراہیم نخعی، مجاہد، ابومجلز، اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے اختصار فی الصلوۃ سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد) جس کی حکمت یہ ہے کہ ابلیس کا ہبوط اسی حالت میں ہوا تھا یا یہ فعل یہود ہے یا فعل متکبرین ہے نیز یہ شکل اہل مصائب کی ہے کہ جب وہ ماتم کے لیے اٹھتے ہیں تو کوکھ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔

قولہ ولایسدل الخ سدل ثوب بھی مکروہ تحریمی ہے جس کی صورت امام کرخی نے یہ بتائی ہے کہ چادر وغیرہ کوئی کپڑا سر یا کندھے پر رکھ کر اس کے کنارے نیچے کی طرف چھوڑ دے حدیث میں اس کی بھی ممانعت ہے۔ عقص شعر یعنی بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکا لینا یا ڈوری سے باندھ لینا یا مینڈھیاں گوندھ کر سر کے اردگرد لپیٹ لینا مکروہ ہے کیونکہ طبرانی کی روایت میں اس سے ممانعت وارد ہے، پھر مضمون احادیث کے بموجب کراہت تحریمی ہونی چاہیے لیکن حلیہ میں منقول ہے کہ اس فعل کے مکروہ تنزیہی ہونے پر اجماع ہے، نماز میں چہرہ موڑ کر دائیں بائیں دیکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو کیونکہ یہ موجب ہلاکت ہے۔ کذا فی الشامی

قولہ ولایقعی الخ نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضرت ابوذر کی روایت میں ہے ''نھانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم عن ثلاث، ان انقر کنقر الدیک و ان اقعی کا قعاء الکلب و ان افترش کا فتراش الضب'' امام طحاوی نے اقعاء کی تفسیر یوں کی ہے کہ دونوں سرین پر بیٹھے اور رانوں کو کھڑا کر کے دونوں گھٹنے چھاتی سے لگالے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ لے۔ امام کرخی نے اس کی صورت یہ بتائی ہے کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھ لے۔ بقول زیلعی یہ صورت ثانیہ مکروہ تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔ کذا فی الطحطاوی۔

فَاِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ انْصَرَفَ وَتَوَضَّأَ وَ بَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ اِنْ لَّمْ يَكُنْ اِمَامًا فَاِنْ كَانَ اِمَامًا
پھر اگر حدث پیش آ جائے تو لوٹ جائے اور وضوء کر کے اپنی نماز پر بنا کر لے اگر یہ امام نہ ہو اور اگر امام ہو

اِسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنٰى عَلٰى صَلَاتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ وَالْاِ سْتِيْنَافُ اَفْضَلُ
تو خلیفہ بنائے اور وضوء کر کے اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو اور ازسر نو پڑھنا افضل ہے

نماز میں بے وضوء ہو جانے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فان سبقہ الخ اگر نماز میں حدث لاحق ہو جائے ازسر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جس جگہ وضو ٹوٹ جائے وضو کے بعد وہیں سے شروع کر سکتا ہے۔ جس کو شریعت کی زبان میں بناء کہتے ہیں اور اگر وہ امام ہو تو کسی کو اپنا خلیفہ بنادے امام شافعی کے یہاں بمقتضاء قیاس بناء جائز نہیں کیونکہ حدث منافی نماز ہے، نیز وضو کے لیے جانا اور قبلہ سے منحرف ہونا دونوں مفسد صلوٰۃ ہیں پس یہ حدث عمد کے مشابہ ہو گیا نقلی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو اسے چاہیے کہ لوٹ جائے اور وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے[1]۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً ثابت ہے کہ جب تم میں سے کسی کو نکسیر آئے تو اسے چاہیے کہ لوٹ جائے، خون کو دھوئے، وضو کرے، پھر ازسر نو نماز پڑھے[2]۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قے ہوئی یا نکسیر چھوٹی یا مذی نکل آئی تو وہ لوٹ جائے اور وضو کر کے اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ کلام نہ کیا ہو[3]۔ رہا امام شافعی کا استدلال، سو اول تو پہلی حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ جب نماز کی طرف لوٹے تو

[1] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان عن علی بن طلق ۱۲۔ [2] طبرانی، دارقطنی، ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ [3] ابن ماجہ، دارقطنی، عن عائشہ ۱۲۔

بناء کرے یا نہ کرے۔ دوم یہ کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ علی بن طلق کی حدیث صحت کو نہیں پہنچی کیونکہ اس میں مسلم بن مسلم ابو عبد الملک مجہول ہے، رہی دوسری حدیث سو اس کی اسناد میں سلیمان بن ارقم راوی کو بخاری احمد، ابو داؤد، نسائی وغیرہ نے متروک کہا ہے۔

تنبیہ صحت بناء کے لیے تیرہ شرطیں ہیں۔ ۱۔ حدث سماوی ہو۔ اگر اختیاری ہو تو بناء درست نہ ہوگی۔ ۲۔ نمازی کے بدن سے ہو۔ اگر خارج سے نہیں۔ ۳۔ حدث موجب غسل نہ ہو۔ ۴۔ نادر الوقوع نہ ہو، اگر کھلکھلا کر ہنسا یا بے ہوش ہو گیا تو بناء روا نہیں۔ ۵۔ بحالت حدث رکن کامل کی ادائیگی نہ ہو۔ ۶۔ آمد و رفت کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کیا ہو۔ اگر وضو کرنے کے لیے گیا اور واپسی میں کوئی مانع نجاست لگ جائے تو بناء نہیں کر سکتا۔ ۷۔ کسی مخالف نماز فعل کا وقوع نہ ہو۔ ۸۔ کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو، جس کے نہ کرنے کی نمازی کو گنجائش ہو۔ اگر پانی پاس ہو اور وہ اس کو چھوڑ کر دور چلا جائے تو بناء درست نہ ہوگی۔ ۹۔ بلا عذر تاخیر نہ ہو۔ اگر ازدحام نہ ہونے کے باوجود ادائیگی رکن کی مقدار توقف کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ ۱۰۔ حدث سابق کا ظہور نہ ہو۔ اگر موزے پر مسح کی مدت گزر گئی تو بناء جائز نہ ہوگی۔ ۱۱۔ صاحب ترتیب کو کوئی فائتہ نماز یاد نہ آئے۔ کیونکہ صاحب ترتیب کے لیے فائتہ نماز کا یاد آ جانا مفسد صلوٰۃ ہے۔ ۱۲۔ مقتدی کا اپنی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ نماز کو پورا نہ کرنا۔ البتہ منفرد کو اختیار ہے، چاہے پہلی جگہ آئے چاہے وضو کی جگہ تمام کرے۔ ۱۳۔ امام کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو لائق امامت نہ ہو۔ اگر عورت یا نابالغ کو خلیفہ بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْجُنَّ اَوْاُغْمِیَ عَلَیْهِ اَوْقَهْقَهَ اِسْتَانَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ وَاِنْ تَكَلَّمَ فِیْ
اگر سو گیا تھا پس احتلام ہو گیا یا دیوانہ یا بیہوش ہو گیا یا کھلکھلا کر ہنسا تو از سر نو وضوء بھی کرے اور نماز بھی اور اگر بات کر لی

صَلٰوتِهٖ سَاهِیًا اَوْعَامِدًا بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ وَاِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَاقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ
نماز میں بھول کر یا دانستہ تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اگر حدث پیش آیا بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد

تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ وَاِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِیْ هٰذِهِ الْحَالَةِ اَوْتَكَلَّمَ اَوْعَمِلَ عَمَلاً يُّنَا فِی الصَّلٰوةَ تَمَّتْ
تو وضوء کر کے سلام پھیر دے اور اگر کسی نے جان کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا منافی نماز کام کیا تو اس

صَلٰوتُهٗ وَاِنْ رَّاٰی الْمُتَیَمِّمُ الْمَاءَ فِیْ صَلٰوتِهٖ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ وان راٰه بعد مَا قعد قدرَ
کی نماز پوری ہو گئی اور دیکھ لیا تیمم کرنے والے نے پانی اپنی نماز میں تو اس کی نماز باطل ہو گئی اور اگر دیکھا پانی بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد

التَّشَهُّدِ اَوْكَانَ مَاسِحًا فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ اَوْخَلَعَ خُفَّیْهِ بِعَمَلٍ اَوْكَانَ اُمِّیًا فَتَعَلَّمَ
یا مسح کرنے والے کی مدت مسح ختم ہو گئی یا تھوڑے عمل سے موزے نکال دیئے یا ان پڑھ تھا اس نے کوئی

سُوْرَةً اوعریاناً فوجد ثوبًا اوموميًا فقدرعلى الركوع والسجود اوتذكر انّ عليه
سورۃ سیکھ لی یا ننگے نے کپڑا پا لیا یا اشارہ کرنے والا رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا یا یاد آ گیا کہ اس کے ذمہ

صَلٰوةً قَبْلَ هٰذِهٖ اَوْاَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِیْ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّیًا اَوْطَلَعَتِ الشَّمْسُ فِیْ صَلٰوةِ
اس سے پہلی نماز ہے یا خواندہ امام کا وضوء ٹوٹ گیا اور اس نے ان پڑھ کو خلیفہ کر دیا یا آفتاب نکل آیا فجر کی

الْفَجْرِ اَوْدَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِی الْجُمُعَةِ اَوْكَانَ مَاسِحًا عَلَی الْجَبِیْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ
نماز میں یا عصر کا وقت داخل ہو گیا نماز جمعہ میں یا پٹی پر مسح کرنے والا تھا زخم اچھا ہو کر پٹی گر گئی

اَوْكَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرَأَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ
یا کوئی مستحاضہ تھی اچھی ہو گئی تو ان کی نماز باطل ہو گئی امام ابوحنیفہ کے قول میں صاحبین

وَمُحَمَّدٌ تَمَّتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ

فرماتے ہیں کہ ان کی نماز پوری ہوگئی ان تمام مسائل میں

مفسدات نماز کا بیان

توضیح اللغۃ نام نیاما۔سونا' جن جنونا۔ دیوانہ ہونا' اغمی علیہ۔غشی طاری ہوگئی' قہقہ۔کھلکھلا کر ہنسنا' استانف استینافا۔ازسرنو کرنا' ساہیا۔بھول کر' عامدا۔جان کر' خلع (ف) خلعا۔اتارنا' عریان۔ننگا' مومی۔اشارہ کرنے والا' جبیرہ۔ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی' برء۔(س) چنگا ہونا۔

تشریح الفقہ وان نام الخ اگر نماز میں سوگیا احتلام ہوگیا جنون طاری ہوگیا یا غشی چھاگئی یا کھلکھلا کر ہنس پڑا' تو ان سب صورتوں میں ازسرنو وضو بھی کرے اور نماز بھی پڑے کیونکہ یہ احداث نادرالوقوع ہیں لہذا ان عوارض کے معنی میں نہ ہوئے جن میں نص وارد ہے۔

قولہ و ان تکلم فی صلوتہ الخ نماز میں کلام کرنا مفسد صلوٰۃ ہے خواہ کلام کم ہو یا زائد۔عمداً ہو یا خطاءً' سہواً ہو یا نسیاناً مجبوراً ہو یا اختیاراً' مصلحۃً ہو یا بلا مصلحت امام شافعی کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔جس کو امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا ہے کہ اگر کلام عمداً اور بلا مصلحت ہو تو بالا جماع نماز فاسد ہے اور اگر نماز کی مصلحت کے لیے ہو۔مثلاً پانچویں رکعت کے لیے اٹھتے وقت امام سے کہا کہ چار ہوچکیں تو یہ بھی مفسد ہے یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے اور اگر زبردستی مجبور کئے جانے پر بولا تو امام شافعی کے نزدیک اصح یہ ہے کہ مفسد ہے اور بھول چوک سے بولنا ان کے نزدیک مفسد نہیں الا یہ کہ طویل ہو دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ'' کہ اللہ نے میری امت سے خطاء ونسیان اور اس چیز کو اٹھالیا۔جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔(ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن ابن عباس) احناف کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''ہماری نماز ایسی ہے کہ اس میں کلام وغیرہ کرنا زیبا نہیں یہ تو محض تسبیح وتہلیل' قرأت وقرآن ہے۔امام مسلم نے یہ حدیث نسخ کلام کے باب میں معاویہ بن حکم سلمی سے طول کے ساتھ روایت کی ہے۔حضرت زید بن ارقم وابن مسعود کی روایات میں تصریح ہے کہ ''پہلے لوگ نماز میں بات چیت کرلیا کرتے تھے' بعد میں اس کی ممانعت ہوگئی۔

رہا امام شافعی کا استدلال' سو اول تو اس کی صحت میں محدثین کو کلام ہے۔ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکرات جعفر بن جبیر میں سے ہے۔ابن ماجہ' طبرانی' اور ابونعیم نے کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ابو حاتم فرماتے ہیں کہ گویا یہ موضوع ہے۔عقیلی کہتے ہیں کہ یہ بالکل موضوع ہے' بتقدیر صحت وثبوت ہماری دلیل اصح و اعلیٰ اور صریح مانع ہے جس کا مقابلہ امام شافعی والی حدیث نہیں کرسکتی اور اگر مساوات ہی تسلیم کرلیں' تب بھی امام شافعی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان اللہ وضع اھ میں وضع سے مراد گناہ دور کرنا ہے یعنی بھول چوک اور اسکراہ پر گناہ اٹھا دیا نہ کہ امت سے بھول چوک اور اکراہ کو دور کردیا کہ نہ کوئی بھولے گا' نہ کسی پر زبردستی ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں بھولنا ثابت ہے معلوم ہوا کہ لفظ سے اس کی حقیقۃ۔مراد نہیں' بلکہ حکم مراد ہے اور وہ بھی اخروی' ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو خطاءً قتل کردیا تو نص قرآنی سے اس پر دیت وکفارہ واجب ہے اور اگر بھولے سے نماز کا کوئی رکن چھوڑ دیا تو بالاجماع نماز فاسد ہے نشانہ پر تیر لگا رہا تھا' چوک کر کسی کے لگ گیا تو گناہ' دیت وکفارہ واجب ہے۔

امام مالک کے نزدیک کلام مصلحت مفسد نہیں اور نسیان وجہل ملحق بعمد ہیں۔امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ کلام مصلحت مفسد نہیں۔دوسری روایت یہ ہے کہ مفسد ہے خلال نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وان سبقہ الحدث الخ اگر بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث لاحق ہو تو وضوء کرکے آکر سلام پھیر دے کیونکہ اس کے فرائض گو پورے ہوگئے مگر ایک واجب یعنی سلام پھیرنا باقی ہے اور بلا طہارت نماز کی تحلیل نہیں ہوتی البتہ امام شافعی کے نزدیک اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو

جائے گی۔ کیونکہ ان کے نزدیک لفظ السلام فرض ہے اور اگر تشہد کے بعد قصداً حدث' کلام یا منافی نماز کوئی اور کام کیا ہو تو نماز پوری ہوگئی کیونکہ عمداً فعل سے نماز کی تحلیل ہوگئی' ظاہر حدیث ابن مسعودؓ "اذاقلت هذا اھ" کا اقتضاء یہی ہے۔ امام شافعی کو اس صورت میں بھی اختلاف ہے۔

تنبیہ بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد دانستہ منافی نماز کام کرنے سے گو نماز ہو جائے گی لیکن نماز کا اعادہ کرنا ہوگا کیونکہ سلام جو واجب ہے اس کے ترک کی وجہ سے نماز میں نقصان آ گیا ہے۔

قوله وان رأى المتيمم الخ اگر تیمم کر کے نماز شروع کرنے والے نے عین نماز میں پانی دیکھ لیا یعنی اس پر قادر ہو گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی' اب نماز چھوڑ کر وضوء کرے اور پھر نماز پڑھے' کیونکہ بقدر وضوء پانی پر قادر ہو جانا ناقض تیمم ہے' اس لیے اس کی طہارت ختم ہوگئی۔

مسائل اثنا عشریہ اور ان کا حکم

قوله وان رآه بعد ماقعد الخ یہاں سے آخر تک مسائل دوازدہ گانہ کا بیان ہے جن میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث پیش آنے سے امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہو جاتی ہے اور صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہوتی۔

۱۔ تیمم کرنے والا بقدر وضوء پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا۔ ۲۔ موزے پر مسح کی مدت پوری ہوگئی۔ ۳۔ موزے بعمل قلیل نکال لیے۔ ۴۔ امی نے بقدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قرآن سیکھ لیا۔ ۵۔ ننگے نے ساتر ستر کوئی چیز پالی۔ ۶۔ اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع وسجدہ پر قادر ہو گیا۔ ۷۔ صاحب ترتیب کو نماز یاد آ گئی۔ ۸۔ امام نے کسی امی کو خلیفہ بنالیا۔ ۹۔ فجر کی نماز میں آفتاب طلوع ہو گیا۔ ۱۰۔ جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت داخل ہو گیا۔ ۱۱۔ زخم اچھا ہونے پر پٹی گر گئی۔ ۱۲۔ معذور (استحاضہ وغیرہ) کا عذر جاتا رہا۔

ان تمام مسائل میں امام صاحب کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی' کیونکہ یہ افعال اثناء نماز میں واقع ہوئے ہیں جو مفسد ہیں اس لیے کہ ابھی ایک واجب یعنی سلام باقی ہے جو آخر نماز ہے یہی وجہ ہے کہ اگر مسافر دو رکعت کے قعدہ اخیر کے بعد اقامت کی نیت کر لے تو اس کا فرض متغیر ہو جاتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک قعدہ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا گویا سلام کے بعد پیش آنا ہے اس لیے مفسد نہیں۔

تنبیہ ابو سعید بروعی نے امام صاحب سے روایت کیا ہے کہ خروج بصنعہ یعنی نماز تمام ہونے کے بعد نمازی کا کسی اپنے اختیاری فعل سے باہر ہونا بھی فرض ہے۔ چنانچہ ابو سعید نے مسائل دوازدہ گانہ مذکورہ کی اصل اسی خروج بصنعہ کو قرار دیا ہے لیکن فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ فرض نہیں ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ محققین اسی قول پر ہیں۔ امام کرخی کی روایت یہی ہے۔ شرنبلالیہ میں ہے کہ مسائل دوازدہ گانہ میں صحت نماز کی بابت ظاہر تر قول صاحبین کا ہے۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

بابُ قضاءِ الفوائت

باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کے بیان میں

وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلوٰةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ اِلَّا اَنْ يَّخَافَ فَوْتَ

جس کی نماز فوت ہو جائے تو اسے پڑھ لے جب یاد آئے اور اسے وقتیہ نماز پر مقدم کرے الا یہ کہ اندیشہ ہو وقتیہ

صَلوٰةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلوٰةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتِ ثُمَّ يَقْضِيهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِى

نماز کے فوت ہو جانے کا تو وقتیہ کو فوت شدہ پر مقدم کرے پھر فوت شدہ کو پڑھے جس کی فوت ہو جائیں چند نمازیں تو انہیں اسی

اَلْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْاَصْلِ اِلاَّ اَنْ تَزِيْدَالْفَوَائِتُ عَلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا
ترتیب سے پڑھے جس ترتیب سے وہ فرض ہوئی ہیں الا یہ کہ فوت شدہ پانچ نمازوں سے زائد ہوں کہ ان میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

تشریح الفقہ قولہ باب الخ مامور بہ کی تین قسمیں ہیں۔اداء' اعادہ' قضاء' صاحب کتاب ادا نماز کے احکام سے فراغت کے بعد قضاء کو بیان کر رہا ہے کیونکہ قضاء فرع اداء ہے۔ پھر صاحب کتاب نے قضاء المتر وکات کے بجائے قضاء الفوائت کہا ہے اس واسطے کہ مومن کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ دانستہ نماز کو چھوڑ دے' البتہ غفلت ونوم اور نسیان وغیرہ کی وجہ سے اس سے فوت ہو جاتی ہے نیز یہاں ''الفوائت'' جمع لائے ہیں اور باب الحج میں ''الفوات'' مفرد اس واسطے کہ حج عمر بھی میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے۔

قولہ ومن فاتتہٗ صلوٰۃ الخ چند فائتہ نمازوں کے درمیان اور وقتیہ اور چند فائتہ (یعنی پانچ سے کم) کے درمیان ترتیب قائم رکھنا فرض عملی ہے لہذا اگر ظہر وعصر ومغرب قضا ہو گئیں اور عشاء کے وقت ادا کرنا چاہے تو اول ظہر' پھر عصر' پھر مغرب پڑھے تاکہ قضاؤں میں ترتیب باقی رہے پھر وقتی فرض یعنی عشاء پڑھے۔ ابراہیم نخعی مالک' احمد' اسحاق' لیث ' ربیعہ سب کا یہی مذہب ہے۔امام شافعی کے نزدیک ترتیب مستحب ہے۔طاؤس' ابوثور وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر فرض بذات خود اصل ہے لہذا وہ دوسرے کے لیے شرط نہ ہوگا مگر بدلیل جیسے ایمان عام عبادات کے لیے اور صوم اعتکاف کے لیے شرط ہے۔جواب یہ ہے کہ ہم صحت وقتیہ کے لیے فائتہ کو شرط نہیں کہتے بلکہ ہمارے نزدیک فائتہ مقدم واجب ہے اور وقتیہ مؤخر دلیل ارشاد نبوی ہے کہ ''جو شخص سو گیا یا نماز بھول گیا' پھر ایسے وقت میں یاد آئی کہ وہ امام کے پیچھے ہے تو جس میں وہ موجود ہے اس کو پڑھ لے' اس کے بعد اس کو پڑھے جو یاد آئی پھر جو امام کے پیچھے پڑھی تھی اس کا اعادہ کرے' مالک' بیہقی' دار قطنی نے ثقہ راویوں کے ساتھ ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں غزوہ خندق کی مشغولیت کے موقعہ پر قضاء ہو گئیں تو آپ نے ان کو بالترتیب ہی ادا فرمایا۔لیکن چند صورتوں میں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

۱۔تنگی وقت ۲۔وقتیہ پڑھتے وقت فائتہ کو بھول جانا ۳۔۔۔۔۔۔نمازوں کا حد کثرت یعنی چھ نمازوں کی تعداد کو پہنچ جانا۔وجہ سقوط یہ ہے کہ وقتیہ کو عمداً وقت سے فوت نہ کرنا فرض قطعی ہے اور فائتہ کو مقدم کرنا فرض عملی ہے۔پس جب وقت تنگ ہو یا فوات کثیرہ ہوں یہاں تک کہ وقتیہ کو فوت کرنا لازم آتا ہو' تو قطعی کو مقدم کیا جائے گا اگر فوات چھ سے کم ہوں اور وقت میں سب کی گنجائش نہ ہو مقدم کر کے وقتیہ پڑھ لے۔

بابُ الاوقات التی تکرہ فیها الصّلوٰةُ

باب ان اوقات کے بیان میں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے

لَاتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِهَا اِلاَّ عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلاَ عِنْدَ قِيَا مِهَا
نہیں جائز ہے نماز طلوع آفتاب کے وقت اور نہ غروب کے وقت مگر اسی دن کی عصر اور نہ دوپہر کے وقت

فِي الظَّهِيْرَةِ وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ وَلَا يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ
اور نہ پڑھے نماز جنازہ اور نہ کرے سجدہ تلاوت

تشریح الفقہ قولہ باب الخ قیاس کی رو سے تو اس باب کو باب المواقیت میں لانا چاہیے تھا جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے کیا ہے مگر صاحب کتاب نے یہاں اس لیے ذکر کیا ہے کہ کراہت بھی عوارض میں سے ہے پس یہ فوات کے مشابہ ہے' پھر باب کو کراہت کے ساتھ ملقب کیا ہے اور اس کا آغاز عدم جواز کے ساتھ اس لیے کہ یہاں انہوں نے اغلب کا اعتبار کیا ہے اور عدم جواز کے مقابلہ میں مکروہ اغلب ہے کیونکہ کراہت عدم

جواز سے عام ہے۔

قولہ لاتجوز الصلوٰۃ الخ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اوراس کے استواء کے وقت فرائض ونوافل، سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ان اوقات ثلثہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت متعدد صحابہ کی روایات سے ثابت ہے[1] البتہ آج کی عصر غروب کے قریب پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ وجوب نماز کا سبب وہی جز ہے جو وقت مشروع سے متصل ہے پس غروب کے وقت جیسی نماز عصر واجب ہوتی ہے ویسی ہی ادا کرلی جائے گی۔ امام شافعی مکہ معظمہ کے ساتھ فرائض کی تخصیص کرتے ہیں اور امام ابو یوسف جمعہ کے روز زوال کے وقت نوافل کو مباح کہتے ہیں لیکن ممانعت والی حدیث ان حضرات پر حجت ہے۔

وَيُكْرَهُ اَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى
اور مکروہ ہے نفل پڑھنا نماز فجر کے بعد آفتاب کے طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد

تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَا بَاْسَ بِاَنْ يُّصَلِّي فِيْ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ وَيُكْرَهُ اَنْ يَتَنَفَّلَ بَعْدَ
آفتاب کے غروب ہونے تک اور کوئی حرج نہیں اس میں کہ پڑھے ان وقتوں میں فوت شدہ نمازیں اور مکروہ ہے نفل نماز پڑھنا

طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِبِ
صبح صادق کے بعد سنت فجر سے زیادہ اور نفل نہ پڑھے مغرب سے پہلے

تشریح الفقہ قولہ ویکرہ ان یتنفل بعد صلوٰۃ الفجر الخ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[2]۔ آپ کا ارشاد ہے "لاصلوٰۃ بعد صلوٰۃ الفجر حتی تطلع الشمس و لاصلوٰۃ بعد صلوٰۃ العصر حتی تغرب الشمس" (صحیحین) کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے۔ امام شافعی تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعت کو جائز کہتے ہیں لیکن حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

تنبیہ کراہت نفل مذکور قصد وارادہ کے ساتھ مقید ہے یعنی ان اوقات میں قصداً نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر کوئی شخص عصر کی نماز میں چوتھی رکعت کے بعد بھول کر پانچویں کے لیے کھڑا ہوگیا (یا یہ صورت فجر کی نماز میں پیش آگئی) تو اس صورت میں مکروہ نہیں ہے بلکہ ایک رکعت مزید ملا کر پورا کرلینا چاہیے۔

قولہ ولا باس الخ اوقات مذکورہ میں قضاء نماز (سجدہ تلاوت، نماز جنازہ) پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کراہت تو حق فرض کی وجہ سے ہے تاکہ پورا وقت فرائض ہی میں مشغول سمجھا جاسکے فی نفسہ وقت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

قولہ ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر الخ طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے سنت فجر کے علاوہ نوافل مکروہ ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "طلوع فجر کے بعد بجز دو رکعت (سنت فجر) کے اور کوئی نماز نہیں ہے[3]۔ نیز ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ فجر طلوع ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت نماز خفیف پڑھتے تھے[4]۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ فی نفسہ اس وقت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ کراہت حق رکعت سنت فجر کی وجہ سے ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے طلوع فجر کے بعد نفل کی نیت کی تو وہ سنت فجر ہی ہو گی گو وہ متعین نہ کرے کیونکہ یہ وقت سنت فجر ہی کے لیے معین ہے۔

---

[1] صحاح ستہ غیر البخاری عن عقبہ، صحیحین، موطا، نسائی عن ابن عمر، موطا، نسائی عن الصنابحی، ابوداؤد، نسائی عن عمرو بن عتبۃ ۱۲۔ [2] بخاری عن معاویہ۔ ابن راہویہ، بیہقی عن علی، مسلم عن عمرو بن عتبہ ۱۲۔ [3] ترمذی، ابوداؤد ۱۲۔ [4] مسلم ۱۲۔

قولہ ولایتنفل قبل المغرب الخ غروب آفتاب کے بعد فرض سے پہلے بھی نوافل مکروہ ہیں کیونکہ اس سے مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آئے گی جو مکروہ تنزیہی ہے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ النّوافل

باب نفل نمازوں کے بیان میں

اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُّصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِوَرَكْعَتَيْنِ

سنت نمازیں یہ ہیں کہ پڑھے دو رکعتیں صبح صادق کے بعد اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں

بَعْدَهَا وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِوَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْمَغْرِبِ وَاَرْبَعًا قَبْلَ

اس کے بعد اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور چاہے دو رکعتیں پڑھے اور دو رکعتیں مغرب کے بعد اور چار عشاء

الْعِشَاءِ وَاَرْبَعًا بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ

سے پہلے اور چار اس کے بعد اور چاہے دو رکعتیں پڑھے

تشریح الفقہ قولہ باب الخ اداء وقضاء فرائض اور اس کے متعلقات کراہت وغیرہ کے بیان سے فراغت کے بعد نوافل کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ نوافل مکملات فرائض ہیں۔شیخ ابوزید فرماتے ہیں کہ نفل کی مشروعیت اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے ہے جو فرائض میں جگہ پا جائے اس واسطے کہ انسان کتنے ہی اونچے درجہ کو پہنچ جائے پھر بھی کوتاہی سے مبرا نہیں ہوسکتا ورنہ سزاوار خداوندیش ''کس نتواند کہ بجا آورد''نوافل نافلۃ کی جمع ہے لغۃً زیادتی کو کہتے ہیں جیسے نافلہ بمعنی فرعی اولاد کہ وہ حقیقی اولاد پر زائد ہوتی ہے۔قال اللہ تعالٰی ''ووھبنالہ' اسحق و یعقوب نافلۃ''اور نفل بمعنی غنیمت کہ یہ بھی اصل مال پر زائد ہوتی ہے۔شرع میں نفل اس عبادت کو کہتے ہیں کہ جو فرائض وواجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے پر ثواب ہو اور ترک کرنے پر عذاب نہ ہو۔سوال۔صاحب کتاب نے باب کو نوافل کے ساتھ ملقب کیا ہے حالانکہ اس میں سنتوں کا بھی ذکر ہے اس کی کیا وجہ؟ جواب۔اس کی وجہ یہ ہے کہ نوافل عام ہے کیونکہ ہر سنت نفل ہے لیکن اس کا عکس نہیں۔فی النھایہ لقبہ بالنوافل وفیہ ذکر السنن لکون النوافل اعم۔

قولہ السنۃ فی الصلوٰۃ الخ صاحب کتاب تمام سنن پر سنت فجر کو مقدم کر رہے ہیں'اس واسطے کہ یہ تمام سنتوں سے زیادہ مؤکد ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نفل نماز کا اتنا اہتمام نہ فرماتے تھے جتنا کہ فجر کی دو سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے۔انہی کی بابت آپ کا ارشاد ہے کہ''یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں''نیز آپ کا ارشاد ہے کہ''سنت فجر کو ضرور پڑھو'اگرچہ تم کو گھوڑے پیس دیں''خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کبھی نہیں چھوڑا'نہ سفر میں نہ حضر میں اسی لیے بعض فقہاء نے اس کو واجب اور بعض نے واجب کے قریب کہا ہے پس یہ سنتیں بلا عذر بیٹھ کر یا سواری کی حالت میں پڑھنا بقول اصح جائز نہیں۔

فائدہ اگر کسی کی فجر کی دو سنتیں فوت ہو جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب سے پہلے قضاء نہ کرے۔کیونکہ یہ دوگانہ محض نفل رہ جائے گا اور محض نفل فجر کے بعد مکروہ ہے اور طلوع آفتاب کے بعد بھی قضا نہ کرے کیونکہ شیخین کے نزدیک بلا تبعیت فرض نوافل کی قضاء نہیں ہے۔امام محمد کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ زوال کے وقت تک قضاء کر لے۔شیخ حلوائی اور فضلی نے بیان کیا ہے کہ شیخین کے نزدیک بھی پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں'مزنی کے نزدیک یہی مختار ہے۔امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگانہ سنت کو لیلۃ التعریس کے شروع دن میں

آفتاب بلند ہونے کے بعد قضاء کیا تھا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضاء نہ کی جائے کیونکہ قضاء مخصوص ہواجب ہے' رہا قضاء دوگانہ جو حدیث میں مذکور ہے۔ سو وہ فرض کے تابع ہو کر وارد ہے' دوگانہ فجر کے علاوہ باقی سنتیں وقت کے بعد تنہا قضاء نہیں کی جائیں گی اور فرض کے تابع ہو کر ان کے قضاء کرنے میں اختلاف ہے۔

قوله واربعًا قبل الظهر الخ ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں اور اگر چاہے تو بعد میں بھی چار پڑھ لے۔ کیونکہ ترمذی میں مرفوع حدیث ہے "**من حافظ علی اربع قبل الظهر واربع بعد هاحرمه الله علی النار**" کہ جو شخص ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد چار رکعتوں کی محافظت کرے تو حق تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ پھر اگر ظہر سے پہلی چار رکعتیں قضاء ہو جائیں تو نوادر میں ہے کہ شیخین کے نزدیک ظہر کی فرض نماز کے بعد پہلی دو رکعتیں پڑھے پھر پہلی والی چار رکعتیں پڑھے اور امام محمد کے نزدیک پہلے چار پڑھے۔ پھر بعد والی دو پڑھے حقائق میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

قوله واربعًا قبل العصر الخ نماز عصر سے پہلے چار رکعت مستحب ہیں کیونکہ حضرت علی سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے قبل چار رکعات پڑھتے تھے نیز آپ کا ارشاد مروی ہے "**من صلی اربعًا قبل العصر لم تمسه النّار**" کہ جو شخص عصر سے پہلے چار رکعات پڑھے اس کو آگ نہ چھوئے گی۔ امام محمد نے اختلاف آثار کی وجہ سے چار اور دو میں اختیار دیا ہے اور مغرب کے بعد دو رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں جن میں تطویل قرأت مستحب ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں الم تنزیل' دوسری میں سورۃ ملک پڑھتے تھے۔

فائدہ نماز فجر سے پہلے دو' ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو' مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو۔ یہ کل بارہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**من ثابر (ای واظب) علی اثنی عشر رکعةً فی الیوم واللیلة بنی الله له بیتًا فی الجنة. رکعتین قبل الفجر اھ**" پھر ان میں سب سے زیادہ مؤکد فجر کی سنتیں ہیں' جن کے متعلق روایات گزر چکیں ان کے بعد بقول صحیح ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص ظہر کی چار سنتیں چھوڑے گا اس کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی[1]" پھر فرائض سے پہلے سنتوں کی مشروعیت شیطان کی طمع کو ختم کرنے کے لیے ہے جب آدمی یہ سنتیں پڑھے گا تو شیطان کہے گا کہ جو چیز اس پر فرض نہیں تھی اس کو اس نے نہیں چھوڑا' تو فرض کہاں ترک کر سکتا ہے اور فرائض سے بعد کی سنتیں اس لیے مشروع ہیں کہ اگر فرائض میں نسیان وغیرہ کی وجہ سے کوئی نقص آ جائے تو وہ ان کے ذریعہ سے پورا ہو جائے۔

وَنَوَافِلُ النَّهَارِ اِنْ شَاءَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ بِتَسْلِیْمَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّاِنْ شَاءَ اَرْبَعًا وَّیُکْرَهُ الزِّیَادَةُ عَلٰی
دن کی نفلیں چاہے دو رکعتیں پڑھے ایک سلام کے ساتھ اور چاہے چار چار رکعات پڑھے اس سے زیادہ

ذٰلِکَ فَاَمَّا نَوَافِلُ اللَّیْلِ فَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ اِنْ صَلّٰی ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ بِتَسْلِیْمَةٍ وَّاحِدَةٍ جَازَ
مکروہ ہے رہی رات کی نفلیں سو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر آٹھ رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھے۔ تو یہ بھی

وَیُکْرَهُ الزِّیَادَةُ عَلٰی ذٰلِکَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَایَزِیْدُ بِاللَّیْلِ عَلٰی
جائز ہے اس سے زیادہ مکروہ ہے امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ

رَکْعَتَیْنِ بِتَسْلِیْمَةٍ وَّاحِدَةٍ
دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھے

[1] بقول طحطاوی عدم شفاعت سے مراد شفاعت زیادتی درجات ہے نہ کہ شفاعت عظمیٰ ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ و نوافل النھار الخ ہدایہ میں ہے کہ نوافل شب میں صاحبین کے نزدیک افضل یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "صلوٰۃ الیل مثنیٰ مثنیٰ" اور دن کے نوافل میں افضل یہ ہے کہ چار چار رکعات پڑھے' سنت ظہر پر قیاس کرتے ہوئے' نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاشت کی چار رکعات پر مواظبت فرمائی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نوافل شب اور نوافل نہار دونوں میں دو دو رکعات پڑھنا افضل ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں میں چار چار رکعات پڑھنا افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد چار رکعات ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے جس کو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے اور چاشت کی نماز بھی چار رکعتین ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے نیز چار رکعات کے تحریمہ میں اس کے ادوم ہونے کی بناء پر زیادہ مشقت ہے' اس لیے فضیلت بھی اسی میں زائد ہوگی۔ صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ بقول بعض فتویٰ صاحبین کے ہی قول پر ہے یہ فتویٰ معراج میں عیون کی طرف منسوب ہے لیکن نہر الفائق میں علامہ قاسم کے قول سے امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے کذا فی الشامی۔

فائدہ نوافل نہار کی بہ نسبت نوافل شب میں زیادہ فضیلت ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے' تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفا وطمعًا و مما رزقنٰھم ینفقون فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون' جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے' پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھری ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلا اس کا جو کرتے تھے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من اطال قیام اللیل خفف اللہ عنہ یوم القیامۃ" کہ جو شخص رات کے قیام کو دراز کرے گا۔ حق تعالیٰ اس کے لیے قیامت کی پریشانیوں میں تخفیف فرمائیں گے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْقِرَاءَۃُ فِی الْفَرَائِضِ وَاجِبَۃٌ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ وَھُوَ مُخَیَّرٌ فِی الْاُخْرَیَیْنِ اِنْ شَاءَ
اور قرأت فرض ہے فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور اس کو اختیار ہے آخری دو میں چاہے

قَرَاءَ الْفَاتِحَۃَ وَاِنْ شَاءَ سَکَتَ[1] وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ وَالْقِرَاءَۃُ وَاجِبَۃٌ فِیْ جَمِیْعِ رَکْعَاتِ النَّفْلِ وَ فِیْ جَمِیْعِ الْوِتْرِ
سورہ فاتحہ پڑھے چاہے خاموش رہے چاہے تسبیح پڑھے اور قرأت واجب ہے نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں

تشریح الفقہ قولہ والقراءۃ فی الفرائض الخ فرض نماز کی دو رکعت میں قرأت فرض ہے اور اس کی اول کی دو رکعتوں میں ہونا واجب ہے' امام شافعی کے نزدیک ہر رکعت میں واجب ہے دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' لاصلوٰۃ الا بقراءۃ'' [2]۔ کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوتی' وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر رکعت نماز ہے لہذا ہر رکعت میں قرأت واجب ہوئی۔ امام مالک کا قول اور ان کی دلیل بھی یہی ہے' فرق صرف یہ ہے۔ کہ وہ تین رکعات میں قراءت کو کافی سمجھتے ہیں کیونکہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اس لحاظ سے مغرب میں دو ہی رکعات میں قرأت کافی ہو جائے گی۔ ہماری دلیل ارشاد باری ہے' فاقرؤ واماتیسر من القرآن'' ہے۔ پڑھ جو آسان ہو قرآن سے اس میں' اقرءوا'' امر ہے جس سے فرضیت ثابت ہوا کہ صرف ایک رکعت میں قرأت فرض ہے جیسا کہ حسن بصری اور امام زفر کا بھی مذہب یہی ہے پھر احناف نے دوسری رکعت میں قرأت کو کہاں سے واجب کیا؟ جواب۔ ہم نے دوسری رکعت میں قرأت کو دلالۃ النص سے واجب کیا ہے کیونکہ دونوں رکعتیں ہر طرح سے ہم شکل یعنی اصل ارکان میں یکساں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت بھی شرعاً مراد ہے' رہا امام شافعی کا استدلال سو اول تو وہ از قسم آحاد ہے جس سے فرضیت قطعی کا ثبوت نہیں ہوسکتا صرف وجوب ہوسکتا ہے لیکن وہ بھی ہر رکعت میں نہیں۔ دوم یہ کہ یہ حدیث ہماری ہی مؤید

[1] ہذا عند ابی یوسف فان السکوت عندہ لیس باساءۃ وعند بعضھم کراہۃ والکراہۃ افحش من الاساءۃ فالقراءۃ سنۃ والتسبیح مباح والسکوت اساءۃ ۱۲۔ جوہرہ۔ [2] مسلم عن ابی ہریرہ ۱۲۔

ہے کیونکہ اس میں صلوٰۃ کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور جب صلوٰۃ کو مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے کامل نماز مراد ہوتی ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں۔

قولہ وھو مخیر فی الاخریین الخ فرض کی آخری دو رکعات میں نمازی مختار ہے۔ چاہے سورہ فاتحہ پڑھے چاہے تسبیح پڑھے اور چاہے خاموش رہے۔ وجہ یہ کہ اخیر کی رکعتیں چند باتوں میں اولین سے جدا ہے۔ ا۔ سفر میں دونوں ساقط ہو جاتی ہیں ۲۔ اولین میں جہر اور اخیرین میں اخفاء ہوتا ہے۔ ۳۔ مقدار قرأت میں بھی تفاوت ہے جب ان تمام باتوں میں فرق ہے تو اولین کے ساتھ اخیرین کا الحاق نہیں ہو سکتا حاصل آنکہ پہلی رکعت صراحۃ النص اور دوسری رکعت دلالۃ النص کی وجہ سے صیغہ امر کے تحت میں داخل ہوئیں اور اخیر میں افتراق کی وجہ سے خارج۔

وَمَنْ دَخَلَ فِیْ صَلوٰۃِ النَّفْلِ ثُمَّ اَفْسَدَھَا قَضَاھَا فَاِنْ صَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ وَ قَعَدَ فِی الْاُوْلَیَیْنِ
جس نے نفل نماز شروع کر کے فاسد کر دیا تو ان کی قضا کرے پس اگر چار رکعتوں کی نیت کی اور پہلی دو رکعتوں کے بعد بیٹھ کر

ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَیَیْنِ قَضٰی رَکْعَتَیْنِ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ یَقْضِیْ اَرْبَعًا وَّ یُصَلِّی النَّافِلَۃَ قَاعِدًا مَعَ
آخری دو رکعتیں فاسد کر دیں تو دو رکعتوں کی قضاء کرے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چار پڑھے اور نفل پڑھ سکتا ہے بیٹھ کر

الْقُدْرَۃِ عَلَی الْقِیَامِ وَاِنِ افْتَتَحَھَا قَائِمًا ثُمَّ قَعَدَ جَازَ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَا لَایَجُوْزُ
قیام پر قدرت کے باوجود اگر کھڑے ہو کر پڑھنی شروع کیں پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک صاحبینؒ کے نزدیک جائز

اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَّمَنْ کَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ یَتَنَفَّلُ عَلٰی دَابَّتِہٖ اِلٰی اَیِّ جِھَۃٍ تَوَجَّھَتْ یُوْمِیْ اِیْمَاءً
نہیں مگر عذر کی وجہ سے، جو شخص شہر سے باہر ہو تو اپنی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے جس طرف بھی وہ جاتی ہو اشارہ کرتے ہوئے

تشریح الفقہ **قولہ و من دخل** الخ ایک شخص نے بالقصد نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کر دیا تو قضا واجب ہوگی خواہ اس کے فعل سے فاسد ہوئی ہو یا غیر فعل سے مثلاً تیمم کنندہ کو پانی نظر آ گیا یا عورت کو حیض آنا شروع ہو گیا تو قضا واجب ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک قضا نہیں ہے کیونکہ وہ نفل نماز میں متبرع ہے اور متبرع پر لزوم نہیں ہوتا۔ قال اللہ تعالی ''ماعلی المحسنین من سبیل'' ہم یہ کہتے ہیں کہ جو حصہ وہ ادا کر چکا ہے اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے۔ لقولہ تعالی ''و لاتبطلوا اعمالکم'' پھر ہم نے بالقصد کی قید اس لیے لگائی کہ اگر کوئی شخص بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے پھر اس کو فاسد کر دے تو قضا واجب نہیں ہے۔ کذافی الجوہرہ۔

قولہ فان صلی اربع رکعات الخ ایک شخص نے چار رکعت نفل شروع کی اور قعدہ اولیٰ کے بعد اخریین کو فاسد کر دیا تو طرفین کے نزدیک دو رکعتوں کی قضاء واجب ہوگی کیونکہ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ نفل نماز کا ہر شفعہ مستقل نماز ہے اور بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد پہلا شفعہ تام ہو چکا۔ اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا بمنزلہ مستقل تحریمہ کے ہے لہذا شفعہ ثانیہ ہی لازم رہا اور چونکہ اس کو فاسد کر دیا ہے اس لیے اس کی قضا واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاطاً چار کی قضا واجب ہوگی۔ لانہ بمنزلۃ صلوۃ واحدۃ۔

قولہ و یصلی النافلۃ الخ قیام پر قدرت کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اس واسطے کہ جب اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اصل نماز (نفل) نہ پڑھے تو ترک وصف کی گنجائش بطریق اولی ہوگی اور اگر قیام کی حالت میں نفل شروع کی پھر بیٹھ گیا تو امام صاحب کے نزدیک استحساناً یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ جب ابتداء بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو بقاء بطریق اولی پڑھ سکے گا۔ صاحبین کے نزدیک بلاعذر جائز نہیں مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔

قولہ و من کان خارج المصر الخ مقیم آدمی شہر سے باہر یعنی ایسی جگہ جہاں مسافر کو قصر کرنا پڑے نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے جس طرف بھی اس کی سواری جا رہی ہو کیونکہ ہمارے نزدیک سواری پر نماز پڑھنے میں استقبال قبلہ شرط نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی طرف رخ کئے ہوئے سواری پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔امام شافعی کے نزدیک بوقت نیت قبلہ رخ ہونا ضروری ہے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ سُجُودِ السَّهو

باب سجود سہو کے بیان میں

سُجُودُ السَّهوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقصَانِ بَعدَ السَّلَامِ يَسجُدُ سَجدَتَين ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّم

سجود سہو واجب ہیں کمی بیشی کی صورت میں سلام کے بعد دو سجدے کرے اور تشہد پڑھ کے سلام پھیر دے

تشریح الفقہ قولہ باب الخ فرائض ونوافل ادا وقضا نمازوں کے بیان سے فراغت کے بعد اس چیز کا بیان ہے جس سے نماز کے نقصان کو پورا کیا جاسکے اور وہ سجدہ سہو ہے "سجود السہو" میں اضافت از قبیل اضافت مسبب الی السبب ہے۔ کما یقال سجدۃ التلاوۃ' خیار العیب' خیار الشرط' کفارۃ القتل' کفارۃ الظہار الی غیر ذلک۔

قولہ سجود السہو واجب الخ اگر نماز میں سہو ہو جائے خواہ نماز فرض ہو یا نفل' تو دو سجدے کرنے ہوں گے جن کے متعلق گو بعض حضرات نے سنت ہونے کا قول کیا ہے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہیں کیونکہ احادیث میں ان کا حکم بصیغہ امر ہے جس کا مقتضی وجوب ہے' چنانچہ حضرت ثوبان نے مرفوعاً روایت کیا ہے۔من سھافی الصلوۃ فلیسجد سجد تین۔

قولہ بعد السلام الخ ہمارے نزدیک سجود سہو کا سلام محل کے بعد ہے خواہ سہو زیادتی کی صورت میں ہو یا نقصان کی صورت میں ہو۔امام شافعی کے نزدیک بہر دو صورت سلام سے پہلے ہے (گو سلام کے بعد بھی جائز ہے) امام مالک کے نزدیک بصورت نقصان سلام سے قبل ہے اور بصورت زیادتی سلام کے بعد ہے' واقعات میں ہے کہ امام ابو یوسف خلیفہ ہارون کے یہاں تشریف فرما تھے کہ امام مالک بھی تشریف لائے' اثناء گفتگو میں سجدہ سہو کا مسئلہ آ گیا' تو امام ابو یوسف نے ان سے عوائے دریافت کی' تو انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق جواب دیا تو امام ابو یوسف نے سوال کیا کہ اگر کسی کو زیادہ اور نقصان دونوں طرح سہو ہو جائے تو کیا کرے؟ اس پر امام مالک حیران رہ گئے۔امام شافعی کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ "آپ نے ظہر کی نماز کے قعدہ اخیر میں تکبیر کہی اور سلام سے پہلے دو سجدے کیے[1]" ہماری دلیل آپ کا ارشاد ہے کہ "ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں[2]"' نیز صحاح ستہ میں حضرت ذوالیدین سے مروی ہے کہ "آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے پس آپ کے فعل کی روایات متعارض ہوئیں اور قولی حدیث سے تمسک باقی رہا اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

فائدہ اکثر فقہاء کے نزدیک سجدہ سہو ایک سلام کے بعد ہے۔شمس الائمہ اور صدر الاسلام کہتے ہیں کہ دونوں سلاموں کے بعد کرے۔ہدایہ میں اسی کی تصحیح ہے اور فخر الاسلام نے ایک سلام کو اختیار کیا ہے مگر سامنے کی طرف لیکن یہ خلاف مشہور ہے۔والاصوب ہوالاول وہو قول الکرخی وبہ قال النخعی۔

قولہ ثم یتشہد الخ قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور دونوں سجدوں کے بعد بقول مختار دوبارہ تشہد اور درود وغیرہ پڑھ کر آخری سلام پھیرے۔امام طحاوی فرماتے ہیں کہ سجود سہو کے سلام سے پہلے اور بعد دونوں قعدوں میں دعاء و درود پڑھے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَلزَمُ سُجُودُ السَّهوِ اِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهِ فِعلاً مِن [3] جِنسِهَا لَيسَ مِنهَا اَوتَرَکَ فِعلاً مَسنُونًا اَو

اور لازم ہوتا ہے سجدہ سہو جب زائد کر دے نماز میں ایسا فعل جو جنس نماز سے ہو اور اس نماز میں داخل نہ ہو یا چھوڑ دے کوئی فعل مسنون یا

[1] صحاح عن عبداللہ بن مالک بن مالک ۱۲۔[2] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' طحاوی' طبرانی' عبدالرزاق عن ثوبان ۱۲۔ [3] احترز بذلک عما اذا اطال القیام اوالقعود فانہ زاد فیھا فعلا من جنسہا وھو لا یجب علیہ السہو لانہ منہا بدلیل ان جمیع ذلک فرض ۱۲۔ جوہرہ۔

تَرَکَ قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ اَوِالْقُنُوْتَ اَوِالتَّشَهُّدَ اَوْتَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ اَوْجَهَرَالْاِمَامُ فِيْمَا

چھوڑ دے قراءۃ فاتحہ یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین یا امام سری نماز میں

يُخَافَتُ اَوْخَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ وَ سَهْوُالْاِمَامِ يُوْجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ فَاِنْ لَمْ يَسْجُدِ الْاِمَامُ

جہراً یا جہری نماز میں سراً قرأت کرے اور امام کا سہو واجب کر دیتا ہے مقتدی پر سجدہ کو پس اگر امام سجدہ نہ کرے

لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ فَاِنْ سَهَى الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْاِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُوْدُ وَ مَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ

تو مقتدی بھی نہ کرے اوراگر مقتدی کو سہو ہوا تو نہ امام پر سجدہ لازم نہ مقتدی پر جو شخص قعدہ اولیٰ

الْاُوْلٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَ هُوَاِلٰى حَالِ الْقُعُوْدِ اَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَ تَشَهَّدَ وَاِنْ كَانَ اِلٰى حَالِ الْقِيَامِ

بھول گیا پھر اس حال میں یاد آیا کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر کھڑے ہونے کے

اَقْرَبُ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ

زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے

تشریح الفقہ **قولہ ویلزم** الخ اگر نماز میں جنس صلوٰۃ سے کوئی فعل زائد کر دیا یا کوئی واجب ترک کر دیا۔ مثلاً قرأت فاتحہ، قنوت، تکبیر قنوت، تکبیرات عیدین کو چھوڑ دیا یا امام نے سری نماز میں جہراً یا جہری میں سراً قرأت کی تو ان سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہے اور مقتدی پر صرف اس کے امام کے سہو سے سجدہ واجب ہوگا اگر امام کے پیچھے مقتدی کو سہو ہو گیا، تو نہ مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہوگا نہ امام پر سوال سجدہ سہو جبر نقصان کے لیے ہوتا ہے پھر فعل زائد کی صورت میں کیسے واجب ہو سکتا ہے۔ جب کہ زیادتی نقصان کی ضد ہے؟ جواب۔ جب زیادتی بے محل ہو تو وہ نقصان ہی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص چھ انگلیوں والا غلام خرید لے تو اس کو واپس کر سکتا ہے۔ کمالو کان لہ اربع اصابع کان لہ ردہ۔

قولہ و من سھی الخ اگر کوئی شخص بھول کر کھڑا ہونے لگا اور ایسی حالت میں یاد آیا کہ ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ کر قعدہ کر کے تشہد پڑھ لے کیونکہ ہر چیز اپنے قریب کے حکم میں ہوتی ہے پس یہاں بھی کھڑے ہونے کی حالت بیٹھنے کے حکم میں ہے اور اصح یہ ہے کہ نچا دھڑ آدھا سیدھا اور پیٹھ خم ہو تو بیٹھک کے قریب ہے پھر اس صورت میں اصح قول پر سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ شرع نے اس کو کھڑا ہونے والا شمار نہیں کیا البتہ اگر وہ زیادہ قیام کے قریب ہو تو قعدہ کی طرف نہ لوٹے کیونکہ اب وہ کھڑا ہونے کے درجہ میں ہے اس صورت میں بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے یاد آئے تو لوٹ آئے ورنہ نہیں اور حدیث میں جو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ کھڑے ہو جائیں۔ اس پر محمول ہے کہ اس وقت آپ سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔

وَاِنْ سَهٰى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَقَامَ اِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ اِلَى الْقَعْدَةِ مَالَمْ يَسْجُدْ وَاَلْغَى

اگر قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو لوٹ آئے قعدہ کی طرف جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں کو

الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ وَاِنْ قَيَّدَالْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهٗ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهٗ نَفْلاً

چھوڑ دے اور سجدہ سہو کر لے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر چکا تو اس کا فرض باطل ہو گیا اور نماز نفل ہو گئی

وَكَانَ عَلَيْهِ اَنْ يُّضُمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً وَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثم قام و لم يُسَلِّمْ يظنها قيد

اب اس پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے اور اگر بیٹھ چکا تھا چوتھی رکعت میں پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا قعدۂ اولیٰ

قعدة الاولٰى عاد الى القعود ما لم يسجدْ للخامسةِ و سَلَّمَ و سجدَ للسَّهوِ وان قَيَّدَ

سمجھتے ہوئے تو لوٹ جائے قعدہ کی طرف جب تک پانچویں کا سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیر کر سجدہ سہو کر لے اور اگر پانچویں کا

الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرىٰ وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ وَمَنْ شَكَّ فِي

سجدہ کر چکا تو چھٹی رکعت اور ملا لے اور اس کی نماز پوری ہو گئی اور دو رکعتیں نفل ہو گئیں جس کو شک ہو جائے

صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثًا صَلّٰى اَمْ اَرْبَعًا وَ ذٰلِكَ اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ اِسْتَانَفَ الصَّلٰوةَ فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ

نماز میں اور یاد نہ رہے کہ تین پڑھیں یا چار اور یہ بھول اس کو پہلی دفعہ ہوئی ہے تو ازسرنو نماز پڑھے اور اگر اسے اکثر

لَهٗ كَثِيرًا بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ

بھول ہوتی ہے تو اپنے غالب گمان پر بنا کرے اگر گمان غالب ہو ورنہ یقین پر بنا کرے

تشریح الفقہ قولہ و ان سھی الخ اگر کوئی قعدہ اخیرہ بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوگیا تو پانچویں کے سجدہ سے پہلے پہلے لوٹ آئے اور قعدہ کے ساتھ سہو کا سجدہ کر کے نماز پوری کر لے' لوٹنا تو اسی لیے ہے کہ یہ برائے اصلاح نماز ہے اور سجدہ سہو اس لیے ہے کہ واجب قطعی (فرض قعدہ اخیرہ) میں تاخیر کی ہے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ہمارے نزدیک فرضیت باطل ہوگئی۔ امام محمد' شافعی' مالک اس کے خلاف ہیں' دلیل بطلان یہ ہے کہ اس نے اتمام فرض سے قبل نفل فعلی شروع کر کے سجدہ سے مستحکم کر دیا اور تکمیل فرض سے قبل فرض سے نکل جانا اس کے بطلان کے لیے لازم ہے۔ پس فرضیت کے ختم ہو جانے اور اصل نماز کے پائے جانے کی وجہ سے شیخین کے نزدیک وہ نماز نفل ہوگئی لہذا اس زائد رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے تاکہ نفل جفت ہو جائے اور نہ ملائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے اس کو قصداً شروع نہیں کیا۔ نیز اس پر سجدہ سہو بھی نہیں۔

قولہ و ان قعد فی الرابعة الخ اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا تو پانچویں کے سجدہ سے پہلے یاد آنے پر لوٹ آئے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا تو ایک رکعت اور ملائے اگرچہ فجر و عصر و مغرب ہی ہو' اس صورت میں اس کی فرض نماز بھی پوری ہو جائے گی اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی فرض اس لیے پورا ہوگیا کہ کوئی رکن یا فرض نہیں چھوٹا' صرف لفظ سلام باقی تھا جو واجب ہے جس کی تکمیل سجدہ سہو سے ہوگئی اور ایک رکعت اور ملانے کا حکم اس لیے ہے کہ تنہا ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے۔ (ابن عبدالبر)

بَابُ صلوٰۃ المریض

باب بیمار کی نماز کے بیان میں

اِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِدًا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَ

جب دشوار ہو جائے بیمار پر کھڑا ہونا تو نماز پڑھے بیٹھ کر رکوع سجدہ کرتے ہوئے پس اگر رکوع سجدہ

السُّجُوْدَ اَوْمٰى اِيْمَاءً وَجَعَلَ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلَا يَرْفَعُ اِلٰى وَجْهِهٖ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ

بھی نہ کر سکے تو اشارہ کرے اور سجدہ کے لئے اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے اور نہ اٹھائے اپنے چہرہ کی طرف کوئی چیز جس پر سجدہ

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اسْتَلْقٰى عَلٰى قَفَاهُ وَ جَعَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْقِبْلَةِ وَ اَوْمٰى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ

کرے اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہو تو چت لیٹ جائے اور کر لے اپنے پاؤں قبلہ کی طرف اور اشارہ سے کرے رکوع سجدہ

وَاِنِ اضْطَجَعَ عَلٰى جَنْبِهٖ وَوَجْهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَ اَوْمٰى جَازَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْاِيْمَاءَ بِرَاْسِهٖ اَخَّرَ

اور اگر کروٹ پر لیٹ جائے اور منہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ سے پڑھے تب بھی جائز ہے اور اگر سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو نماز

الصَّلٰوۃَ		وَلَایُؤمِیٔ		بِعَیۡنَیۡہِ		وَلَابِحَاجِبَیۡہِ		وَلَابِقَلۡبِہٖ
مؤخر کر دے	اور	اشارہ نہ کرے		آنکھوں	اور	بھوؤں	اور	دل سے

توضیح اللغۃ صلوٰۃ المریض میں اضافت ازقبیل اضافت فعل الی الفاعل ہے جیسے قیام زید میں ہے یا ازقبیل اضافت فعل الی المحل ہے اور مریض بر وزن فعیل بمعنی فاعل ہے از باب سمع 'تعذر' دشوار ہوجائے۔ اومی 'ایماء۔ اشارہ کرنا' اخفض۔ زیادہ پست' استلقی استلقاء۔ چت لیٹنا' قفاء۔ پیٹھ' اضطجع اضطجاعًا۔ پہلو پر لیٹنا' جنب۔ پہلو' عینیہ۔ آنکھیں' حاجبیہ۔ ابرو بھوں' دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔ نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہوگیا۔

تشریح الفقہ قولہ باب الخ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک صحت وتندرستی کی' اور ایک بیماری کی۔ صاحب کتاب پہلی حالت کے احکام سے فارغ ہو چکا اس لیے اب دوسری حالت کو ذکر کررہا ہے پھر سہو اور بیماری دونوں عارض سماوی ہیں لیکن سہو کا وقوع عام تر ہے' اس لیے سہو کو مقدم کیا ہے۔

قولہ صلّی قاعدًا الخ بروایت مذہب بیٹھنے کی کوئی خاص ہیئت متعین نہیں بلکہ جس طرح بیٹھ سکے بیٹھ جائے' اس واسطے کہ جب مرض نے مریض سے ارکان کو ساقط کردیا تو ہیئتوں کو بطریق اولی ساقط کردے گا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ اس طرح بیٹھے جیسے قعدہ میں تشہد کے لیے بیٹھتا ہے۔ تجنیس اور خلاصہ میں اسی پر فتویٰ مذکورہ ہے کیونکہ مریض کے لیے اس طرح بیٹھنا آسان ہے لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ علت تام نہیں کیونکہ آسانی تو اس میں ہے کہ کسی خاص ہیئت کی قید نہ ہو۔

قولہ ولایرفع الی وجھہ الخ اگر مریض اشارہ سے نماز پڑھتا ہو تو اس کی پیشانی کی طرف کوئی اونچی چیز نہ اٹھائی جائے جس پر وہ سجدہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لائے دیکھا کہ وہ تکیہ پر نماز پڑھ رہا ہے آپ نے تکیہ لے کر پھینک دیا اس نے ایک لکڑی پکڑ لی کہ اس پر نماز پڑھے آپ نے اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ اگر تجھ کو طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھ' ورنہ اشارہ کر اور اپنے سجدہ کو رکوع سے پست کر۔ (بزار' بیہقی عن جابر' طبرانی عن ابی عمر) علامہ شامی فرماتے ہیں کہ سجدہ کے لیے کوئی چیز اٹھانا' یا لیے رہنا مکروہ تحریمی ہے لیکن وہ چیز اگر زمین پر رکھی ہو تو مکروہ نہیں کیونکہ حضرت ام سلمہؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیماری کی وجہ سے ایک تکیہ پر سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

قولہ اٰخر الصلوٰۃ الخ اگر سر سے اشارہ کرکے بھی پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو نماز کو مؤخر کردے آنکھ یا بھوؤں یا دل سے اشارہ کی ضرورت نہیں' یہی اصح ہے۔ امام صاحب سے غیر ظاہر الروایہ میں صرف بھوؤں سے اشارہ کا جواز مذکورہ ہے۔ امام محمد سے آنکھوں سے اشارہ کے جواز میں شک اور قلب سے اشارہ میں عدم جواز مروی ہے اور بھوؤں کا ذکر مروی نہیں ہے۔ امام ابو یوسف سے روایات مختلف ہیں۔ امام مالک' شافعی' احمد سے مروی ہے کہ آنکھوں سے' پھر بھوؤں سے پھر دل سے اشارہ جائز ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک بھی ان چیزوں سے اشارہ جائز ہے لیکن جب سر سے اشارہ پر قدرت ہوجائے تو اعادہ ضروری ہے مگر ظاہر الروایہ میں ہمارے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزرچکا کہ جب رکوع وسجود کی قدرت نہ ہو تو سر سے اشارہ کر۔ سوال۔ اس میں سر کے علاوہ دوسری چیزوں سے ممانعت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ دوسری چیزوں سے اشارہ کا ثبوت ہونا چاہیے اور وہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ مصنف کے قول ''اخر الصلوٰۃ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز بالکل معاف نہ ہوگی بلکہ فوری ادائیگی سے عجز کی بناء پر مہلت ہے اگر تندرست ہوکر وقت پائے تو چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا لازم ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِنْ قَدَرَ عَلَی الْقِیَامِ وَلَمْ یَقْدِرْعَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ یَلْزِمْهُ الْقِیَامُ وَجَازَ اَنْ یُّصَلّی قَاعِدًا
اگر قادر ہو قیام پر اور نہ قادر ہو رکوع سجدہ پر تو اس پر کھڑا ہونا لازم نہیں اور جائز ہے یہ کہ بیٹھ کر

یُوْمِیْ اِیْمَاءً فَاِذَاصَلّی الصَّحِیْحُ بَعْضَ صَلٰوتِہٖ قَائِمًا ثُمَّ حَدَثَ بِہٖ مَرَضٌ اَتَمَّهَا قَاعِدًا یَرْکَعُ
اشارہ سے نماز پڑھے اگر تندرست نے کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر کوئی بیماری لاحق ہو گئی تو بیٹھ کر رکوع سجدہ

وَیَسْجُدُ وَیُوْمِیْ اِیْمَاءً اِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ اَوْمُسْتَلْقِیًا اِنْ لَمْ یَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ وَمَنْ
سے پوری کر لے اور اشارہ سے پڑھ لے اگر رکوع سجدہ نہ کر سکتا ہو یا چت لیٹ کر اگر بیٹھ بھی نہ سکتا ہو ایک شخص

صَلّٰی قَاعِدًا یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ قَائِمًا فَاِنْ صَلّٰی بَعْضَ صَلٰوتِہٖ بِاِیْمَاءٍ
بیٹھ کر رکوع سجدہ کرتے ہوا نماز پڑھ رہا تھا بیماری کی وجہ سے پھر تندرست ہو گیا تو کھڑا ہو کر پوری کرے اگر کچھ نماز اشارہ سے پڑھی

ثُمَّ قَدَرَ عَلَی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اسْتَانَفَ الصَّلٰوۃَ وَمَنْ اُغْمِیَ عَلَیْہِ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فَمَا دُوْنَهَا
پھر رکوع سجدہ پر قادر ہو گیا تو از سر نو پڑھے جس پر پانچ یا پانچ نمازوں سے کم تک بیہوشی

قَضَاهَا اِذَا صَحَّ وَاِنْ فَاتَتْهُ بِالْاِغْمَاءِ اَکْثَرَمِنْ ذٰلِکَ لَمْ یَقْضِ
رہی تو وہ ان کی قضا کرے تندرست ہونے کے بعد اور اگر بیہوشی کی وجہ سے اس سے زیادہ فوت ہو گئیں تو ان کو قضا نہ کرے

تشریح الفقہ **قولہ فان قدر الخ** اگر مریض قیام کر سکتا ہو لیکن رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو یا فقط سجود پر قدرت نہ ہو تو اس پر قیام لازم نہیں چاہے کھڑے ہو کر پڑھے چاہے بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے لیکن بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ قیام اس لیے لازم ہے کہ اس کے ذریعہ رکوع وسجود ادا کیا جا سکے اور جب وہ اس قیام پر قادر نہیں جس کے بعد سجدہ ہو سکے تو اب وہ رکوع وسجود کا ذریعہ نہ بن سکا اس لیے نمازی کو قیام کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہو گا اب اگر وہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ محیط میں ہے (البتہ واقعات میں ہے کہ کھڑے ہو کر سجدہ کے لیے اشارہ کرنا کافی نہ ہو گا) لیکن بیٹھ کر پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے بخلاف کھڑے ہو کر اشارہ کے ساتھ سجدہ کرنے کے کہ وہ زمین سے بہت دور ہے۔

قولہ فاذا صلی الصحیح الخ ایک تندرست آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا تھا اثناء نماز میں کوئی بیماری پیش آ گئی تو باقی نماز جس طرح ممکن ہو پوری کرے یعنی بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ کے ساتھ یا لیٹ کر قول معتمد یہی ہے اس لیے کہ باقی نماز ادنی ہے تو اعلیٰ پر ادنیٰ کی بناء جائز ہو گی کذا فی البحر لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ نماز از سر نو پڑھے۔ کذا فی المجتبیٰ۔

قولہ بنی علی صلوتہ الخ ایک مریض بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اثناء نماز میں تندرست ہو گیا تو شیخین کے نزدیک باقی نماز کو اسی پر بناء کر لے یعنی کھڑے ہو کر پوری کر لے اور اگر وہ اشارہ سے پڑھ رہا تھا پھر تندرست ہو گیا تو بناء نہ کرے بلکہ از سر نو پڑھے (الا یہ کہ رکوع اور سجدہ کے لیے اشارہ کرنے سے پیشتر ہی تندرست ہو گیا ہو) امام محمد کے نزدیک پہلی صورت میں بھی از سر نو پڑھے گا اور امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں بناء کر سکتا ہے اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ نماز کے آخری حصہ کا پہلے حصہ پر مبنی ہونا بالکل ایسا ہے جیسے مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہوتی ہے پس جن صورتوں میں اقتداء صحیح ہے ان میں بنا بھی صحیح ہو گی اور شیخین کے نزدیک قاعد کے پیچھے قائم کی اقتداء صحیح ہے لہذا ان کے نزدیک پہلی صورت میں بناء بھی صحیح ہو گی اور امام محمد کے نزدیک اقتداء مذکور جائز نہیں لہذا بناء بھی جائز نہ ہو گی رہے امام زفر سو ان کے نزدیک تو اشارہ کرنے والے کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء بھی صحیح ہے اس لیے ان کے یہاں دونوں صورتوں میں بناء بھی صحیح ہو گی۔ لیکن از

روئے حدیث شیخین کا قول قوی تر ہے۔

قولہ و من اغمی الخ جس شخص کو پانچ یا پانچ نمازوں سے کم تک بے ہوشی طاری ہو تو وہ ان نمازوں کی قضاء کرلے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ تک بے ہوشی طاری ہو تو اس پر قضا نہیں یہ حکم مبنی بر احسان ہے مقتضی قیاس تو یہ ہے کہ بیہوش ہو جانے والے پر قضا نہ ہو جبکہ بیہوشی نے ایک نماز کا پورا وقت گھیر لیا کیونکہ عجز متحقق ہو گیا اس لیے بیہوشی جنون کے مشابہ ہو گئی۔ چنانچہ امام شافعی اسی کے قائل ہیں' استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب بیہوشی کی مدت دراز ہو جائے گی تو قضا نمازیں بہت ہو جائیں گی اور وہ ان کی قضاء کرنے کی وجہ سے حرج میں پڑ جائے گا اور جب مدت کم ہو گی تو قضا نمازیں کم ہوں گی جن کی قضا میں کوئی حرج لازم نہیں آتا اور کثرت کی مقدار یہ ہے کہ قضا نمازیں ایک دن اور ایک رات سے بڑھ جائیں کیونکہ وہ مکرر کی حد میں داخل ہو جائیں گی۔ روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چار نمازوں تک بیہوشی رہی تو آپ نے ان کی قضا کی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک دن ایک رات تک بیہوشی رہے تو آپ نے ان کی قضا کی اور حضرت' ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک دن ایک رات سے زائد بیہوشی رہے تو آپ نے ان کی قضا نہیں کی۔

تنبیہ مسئلہ مذکور کی چار صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ مرض شب و روز سے زیادہ رہا اور اس کو ہوش بھی نہ رہا اس صورت میں بالاتفاق حالت مرض کی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ دوم یہ کہ مرض بے ہوشی کے ساتھ شب و روز سے کم رہا یا یہ کہ شب و روز رہا لیکن عقل قائم رہی اس صورت میں بالاجماع نمازوں کو قضاء کرے۔ سوم یہ کہ مرض شب و روز سے زیادہ رہا اور عقل قائم رہی۔

چہارم یہ کہ مرض شب و روز سے کم رہا اور عقل قائم نہ رہی۔

ان دونوں صورتوں میں اختلاف ہے' ظاہر الروایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا لازم ہے۔ ہدایہ میں اسی کی تصحیح ہے لیکن صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب تجنیس میں اور قاضی خاں وغیرہ محققین نے عدم قضا کو ترجیح دی ہے۔ کذافی الطحطاوی ' غایۃ الاوطار۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ سجودِ التلاوۃ

باب سجود تلاوت کے بیان میں

فِی الْقُرْاٰنِ اَرْبَعَۃَ عَشَرَ سَجْدَۃً فِیْ اٰخِرِالْاَعْرَافِ وَ فِی الرَّعْدِ وَ فِی النَّحْلِ وَفِی بَنِیْ

قرآن میں چودہ سجدے ہیں سورہ اعراف کے آخر میں سورہ رعد میں سورہ نحل میں سورہ بنی

اِسْرَائِیْلَ وَ مَرْیَمَ وَالْاُوْلٰی فِی الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ وَالٓمٓ تَنْزِیْل وَ صٓ وَ

اسرائیل میں سورہ مریم میں سورۃ حج میں پہلا سجدہ سورہ فرقان میں سورہ نمل میں سورہ الم تنزیل میں سورہ ص میں

حٰمٓ السَّجْدَۃِ وَالنَّجْمِ وَالْاِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ وَالسُّجُوْدُ وَاجِبٌ فِیْ ھٰذِہِ الْمَوَاضِعِ

سورہ حم السجدہ میں سورہ نجم میں سورہ انشقاق میں سورہ علق میں سجدہ واجب ہے ان جگہوں میں

التَّالِی وَالسَّامِع سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْاٰنِ اَوْلَمْ یَقْصِدْا

پڑھنے والے اور سننے والے پر خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو

تشریح الفقہ قولہ اربعۃ عشر الخ قرآن پاک میں سجود تلاوت کی تعداد کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ا۔ امام احمد لیث 'ابن المبارک'

ا۔ روی عن عثمان وعلی و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم انہم اوجبوا علی التالی والسامع من غیر قصدٍ و کفی بہم قدوۃ ۱۲ عینی۔

اسحٰق، ابن وہب، ابن حبیب مالکی، ابن المنذر، ابن شریح اور مدنیین کے نزدیک پندرہ ہیں دلیل حدیث عمرو بن العاص ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأہ خمس عشرۃ سجدۃ فی القرآن [1]''، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی اسناد میں عبداللہ بن منین کلابی اور حارث بن سعید عتقی دونوں مجہول ہیں ۔۲۔ چودہ ہیں ۔ یہ امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد کا ایک قول ہے۔۳۔ احناف کے نزدیک بھی چودہ ہی ہیں فرق یہ ہے کہ ہمارے یہاں سورہ حج میں صرف ایک سجدہ ہے، سفیان ثوری اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کے یہاں دو ہیں نیز ہمارے یہاں سورہ ص میں بھی سجدہ ہے، ان کے نزدیک نہیں ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابن عباس کا قول ہے ''لیس صٓ من عزائم السجود [2]'' ہماری دلیل حضرت ابوسعید خدری کی حدیث ہے۔ انہ قال ''قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھو علی منبر صٓ فلما بلغ السجدۃ نزل فسجد و سجد الناس معہ [3]'' یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورہ ص پڑھی، جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو منبر سے اترے اور سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی سجدہ کیا، نیز سنن نسائی میں خود حضرت ابن عباس سے روایت ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجد فی ص وقال سجدھا نبی اللہ داؤد توبۃً و نسجدھا شکراً'' حافظ ابن حجر درایہ میں فرماتے ہیں کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں ۔۴۔ چودہ ہی ہیں ۔ لیکن باسقاط سجدہ والنجم ۔ یہ ابوثور کا قول ہے۔۵۔ گیارہ ہیں ۔ موالک اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، ان کے نزدیک سجدات مفصل یعنی سجدہ نجم، سجدہ انشقاق اور سجدہ علق نہیں ہے۔ دلیل حدیث ابوالدرداء ہے جس کی تخریج امام ترمذی اور ابن ماجہ نے کی ہے لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس کی سند بالکل واہی ہے۔ امام ترمذی تخریج کے بعد فرماتے ہیں حدیث غریب لانعرفہ الامن حدیث سعید بن ابی ہلال عن عمرو الدمشقی اور عمرو دمشقی نے اس کو یوں روایت کیا ہے ''قال سمعت مخبرا یخبرنی'' پس ایک تو خود عمرو دمشقی مجہول ہے۔ دوسرے وہ جس سے راوی ہے وہ بھی مجہول ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں عثمان بن فائد کی بابت ابن حبان کہتے ہیں ''لایحتج بہ'' ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ بالکل واہی ہے۔

قولہ فی آخر الاعراف الخ ان سجدوں کی تفصیل یہ ہے کہ سورہ اعراف میں ''ولہ یسجدون '' پر رعد میں ''وللہ یسجد من فی السموات'' ختم آیت پر، نحل میں ''ویفعلون مایؤمرون'' پر، بنی اسرائیل میں ''یخرون للاذقان'' ختم آیت پر، مریم میں ''سجدًا وبکیا'' پر، حج کا پہلا سجدہ ''الم تران اللہ یسجد لہ'' ختم آیت پر، فرقان میں ''واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن ا ھ'' پر، نمل میں ''رب العرش العظیم'' پر، سورہ سجدہ میں ''وھم لایستکبرون'' پر، ص میں ''لزلفٰی و حسن مآب'' پر، حم سجدہ میں ''لایسأمون'' پر، نجم میں ''فاسجدوا للہ واعبدوا'' پر، انشقاق میں ''واذا قرئ علیھم'' ختم آیت پر، علق میں ''واسجد واقترب'' پر سجدہ ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک سورہ حم سجدہ میں ''ان کنتم ایاہ تعبدون'' پر اور سورہ ص میں ''فخر وراکعًا واناب'' پر ہے۔

فائدہ صاحب جوہرہ نیرہ نے لکھا ہے کہ ان چودہ سجدوں میں سے سات سجدے فرض ہیں یعنی ۱ سے ۶ تک ۔۔۔۔ اور ۱۰ اور تین سجدے واجب ہیں یعنی ۷، ۹، ۱۱ اور چار سجدے سنت ہیں ۔ یعنی ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴ اور صاحب کتاب کے قول ''والسجود واجب فی ہذہ المواضع'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ ان تمام مواضع میں سجدہ عملاً واجب ہے نہ کہ اعتقاداً۔

قولہ والسجود واجب الخ احناف کے نزدیک مواضع مذکورہ میں سجدہ کرنا عملاً واجب ہے کیونکہ آیات سجدہ کل کی کل وجوب پر دال ہیں ۔ اس واسطے کہ آیات سجدہ تین طرح کی ہیں ۔ اول وہ جن میں صریح امر ہے جو مقتضی وجوب ہے۔ دوم وہ جن میں انبیاء علیہم السلام کا فعل مذکور ہے اور اقتداء انبیاء ضروری ہیں ۔ سوم وہ جن میں سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت ہے اور مستحق مذمت ترک واجب ہی سے ہوتا ہے، نیز صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوع حدیث ہے ''اذا قرء ابن آدم السجدۃ فسجد اعتزل الشیطٰن یبکی ویقول یاویلہ امر ابن آدم

[1] ابوداؤد ۱۲۔ [2] ایضاً [3] ابوداؤد، حاکم، دارمی، دارقطنی، بیہقی ۱۲۔

بالسجود فسجد فله الجنة وامرتُ بالسجود وابیت فلی النار'' کہ جب آدمی آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور یہ کہتا ہوا جدا ہوتا ہے افسوس بنی آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کر کے جنت کمائی اور مجھے سجدہ کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر کے دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ کرنا سنت ہے کیونکہ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ انه قال ''قرأت علی النبی صلی الله علیه وسلم فلم یسجد'' (صحیحین) جواب یہ ہے کہ فی الفور سجدہ نہ کرنے سے نفس سجدہ کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے آپ نے اس وقت کسی وجہ سے سجدہ نہ کیا ہو چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے آپ کا معمول یہ بتایا ہے ''کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ علینا القرآن فاذا امر بسجدة کبرو سجدو سجدنا معه۔ (ابوداؤد) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِذَا تَلاَ الْاِمَامُ اٰیَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَهَا و سَجَدَ الْمَامُوْمُ مَعَهٗ فَاِنْ تَلا الْمَامُوْمُ لَمْ یَلْزَمِ

جب امام آیت سجدہ تلاوت کرے تو سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ لازم

الْاِمَامَ وَلَا الْمَامُوْمَ السُّجُوْدُوَاِنْ سَمِعُوْاوَهُمْ فِی الصَّلٰوةِ اٰیَةَ السَّجْدَةِ مِنْ رَّجُلٍ لَّیْسَ مَعَهُمْ

نہیں نہ امام پر نہ مقتدی پر اگر لوگوں نے نماز میں آیت سجدہ سنی ایسے شخص سے جوان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے

فِی الصَّلٰوةِ لَمْ یَسْجُدُوْهَا فِی الصَّلٰوةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَاِنْ سَجَدُوْهَا فِی الصَّلٰوةِ

تو وہ نماز میں سجدہ نہ کریں نماز کے بعد کریں اگر نماز ہی میں کر لیا

لَمْ تُجْزِءْ هُمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهم وَمَنْ تَلااٰیَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ یَسْجُدْهَا

تو کافی نہ ہو گا لیکن ان کی نماز فاسد نہ ہوگی کسی نے سجدہ کی آیت پڑھی نماز سے باہر اور ابھی سجدہ نہیں کیا تھا

حَتّٰی دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا وَسَجَدَ اَجْزَاَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلَاوَتَیْنِ وَاِنْ تَلَاهَافِی

کہ نماز شروع کر کے پھر اسی آیت کو پڑھا اور سجدہ کیا تو کافی ہے یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے اور اگر نماز سے باہر

غَیْرِ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَها ثُمَّ دَخَلَ فِی الصَّلٰوةِ فَتَلَاهَا سَجَدَهَا ثَانِیًا وَلَمْ تُجْزِئْهُ السَّجْدَةُ

آیت پڑھ کے سجدہ کر لیا پھر نماز شروع کر کے وہی آیت پڑھی تو پھر سجدہ کرے اب پہلا سجدہ کافی نہ ہو گا

الْاُوْلٰی وَمَنْ کَرَّرَتِلَاوَةَ سَجْدَةٍ وَّاحِدَةٍ فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ اَجْزَ اَتْهُ سَجْدَةٌ وَّاحِدَةٌ

جس نے بار بار پڑھی سجدہ کی آیت ایک ہی مجلس میں تو کافی ہو گا اس کو صرف ایک سجدہ

وَمَنْ اَرَادَالسُّجُوْدَ کَبَّرَوَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ کَبَّرَ وَرَفَعَ رَاْسَهٗ وَلَا تَشَهُّدَ عَلَیْهِ

جو سجدہ تلاوت کرنا چاہے وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے اس پر نہ تشہد ہے

وَلَاسَلَامَ

نہ سلام

تشریح الفقہ قوله فان تلاالماموم الخ اگر نماز میں کسی مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو شیخین کے نزدیک نہ امام پر سجدہ تلاوت لازم ہو گا نہ مقتدی پر، نہ نماز میں نہ نماز سے فارغ ہو کر، امام محمد فرماتے ہیں کہ ان پر نماز سے فراغت کے بعد سجدہ لازم ہے کیونکہ سجدہ کا سبب یعنی تلاوت کا تحقق ہو چکا ہے اور نماز میں اس لیے لازم نہیں تاکہ قلب موضوع نہ ہو جائے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی شرعاً محجور عن القراءة والمحجور لاحکم لتصرفه۔

قوله وان سمعوا الخ نمازی نے کسی غیر نمازی سے سجدہ کی آیت سنی تو نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کرے، خواہ سننے والا نمازی امام ہو یا

مقتدی' نماز ہی میں سجدہ اس لیے نہ کرے کہ اس آیت کا سننا اس کے لیے افعال نماز میں سے نہیں ہے مگر چونکہ اس کا سبب یعنی سننا متحقق ہو چکا' اس لیے سجدہ کرنا ضروری ہے۔ اگر نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو ادا نہ ہوگا کیونکہ یہ اداء ناقص ہے اور جو چیز ناقص ادا ہوتی ہے اس کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ لہذا نماز کے بعد اعادہ ضروری ہوگا اور سجدہ چونکہ افعال صلوٰۃ میں سے ہے اس لیے شیخین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ نوادر میں ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ امام محمد کا یہی قول ہے لیکن اصح قول شیخین کا ہے۔

قولہ و من تلاآیۃ سجدۃ الخ خارج نماز آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کیا' یہاں تک کہ کوئی فرض یا نفل نماز شروع کی اور اسی آیت سجدہ کو دوبارہ نماز میں پڑھ کر سجدہ کیا تو پہلا سجدہ بھی ادا ہو گیا اگرچہ پہلے سجدہ کی نیت بھی نہ کی ہو کیونکہ نماز والا سجدہ بوجہ افضلیت پہلے سجدہ سے قوی ہے لہذا وہ پہلے سجدہ کو اپنے تابع کر لے گا اور اگر نماز میں پڑھنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو نماز میں دوبارہ سجدہ کرے کیونکہ مجلس بدل گئی اور نماز والا سجدہ قوی ہے اور پہلا ضعیف لہذا یہ سجدہ پہلے سجدہ کے تابع نہ ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ صَلٰوةِ الْمُسَافِرِ

باب مسافر کی نماز کے بیان میں

اَلسَّفَرُ الَّذِیْ یَتَغَیَّرُ بِهِ الْاَحْکَامُ هُوَاَنْ یَّقْصُدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعًا
جس سفر سے احکام بدل جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کا ارادہ کرے

بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمَقْصَدِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ بِسَیْرِ الْاِبِلِ وَمَشْیِ الْاَقْدَامِ وَلَامُعْتَبَرَ فِیْ ذٰلِکَ
کہ اس کے اور اس جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کی رفتار سے اور اس میں دریائی

بِالسَّیْرِ فِی الْمَاءِ
رفتار کا اعتبار نہیں ہے

تشریح الفقہ **قولہ باب الخ** تلاوت اور سفر دونوں عارضی ہیں لیکن تلاوت میں اصل اس کا عبادت ہونا ہے' یہ اور بات ہے کہ وہ ریا و نمود یا جنابت کی وجہ سے عبادت نہ رہے اور سفر میں اصل اباحت ہے گو وہ حج وغیرہ کی وجہ سے عبادت بھی ہو جاتا ہے اور جو چیز باعتبار اصل عبادت ہو اس کا امر مباح پر مقدم ہونا ظاہر ہے۔

قولہ السفر الذی الخ لغت میں سفر کے معنی ظہور کے ہیں یقال سفر (ن) سفوراً و اسفر الصبح۔ صبح روشن ہو گئی' السفر الغیم۔ بادل چھٹ گیا' چونکہ سفر میں آدمی کے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں یا اس سے زمین کا حال ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں پھر جس سفر سے شرعی احکام بدلتے ہیں' وہ یہ ہے کہ ایسی مسافت کا قصد کرے جو عادۃً تین دن تین رات میں طے ہو' اونٹ کی رفتار ہو یا پیدل کی اور دن بھی ہر ملک میں سال کے سب سے چھوٹے معتبر ہیں جیسے ہمارے یہاں ایام سرما نیز ہر روز صبح سے زوال تک ہر مرحلہ پر آرام کر کے تین دن رات میں مسافت کا طے ہونا معتبر ہے بعض مشائخ نے سفر شرعی کا اندازہ تین فرسخ یعنی ۳۶۰۰۰ قدم سے کیا ہے کیونکہ فرسخ تین میل کا اور میل ۱۲۰۰۰ قدم کا ہوتا ہے۔ بعض نے مقدار سفر اکیس' بعض نے اٹھارہ' بعض نے پندرہ اور بعض نے دس فرسخ قرار دی ہے۔ درایہ شرح ہدایہ میں اٹھارہ پر اور مجتبیٰ میں اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ پر ہے۔ صاحب ہدایہ نے ان تمام اقوال کو ضعیف کہہ کر یہ بتایا ہے کہ قصر کا مدار اس مسافت پر ہے جو اوسط چال سے تین روز میں طے ہو۔ امام شافعی کے یہاں اس کا اندازہ دو دن یعنی سولہ فرسخ اور ایک قول میں ایک دن رات سے' امام مالک کے یہاں چار برید یعنی اڑتالیس میل سے اور امام ابو یوسف کے یہاں دو دن کامل اور اکثر ثالث سے ہے۔

وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ رُبَاعِیَّۃٍ رَکْعَتَانِ وَلَاتَجُوْزُلَہٗ الزِّیَادَۃُ عَلَیْھَا فَاِنْ

اور مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعتیں ہیں اس سے زیادہ اس کے لئے جائز نہیں اگر

صَلّٰی اَرْبَعًا وَّقَدْ قَعَدَ فِی الثَّانِیَۃِ مِقْدَارُ التَّشَھُّدِ اَجْزَأَتْہُ الرَّکْعَتَانِ عَنْ فَرْضِہٖ وَکَانَتِ

اس نے چار پڑھیں اور قعدہ ثانیہ میں بقدر تشہد بیٹھ گیا تو دو رکعتیں کافی ہوں گی اس کے فرض کی طرف سے اور

الْاُخْرَیَانِ لَہٗ نَافِلَۃً وَاِنْ لَّمْ یَقْعُدْ فِی الثَّانِیَۃِ مِقْدَارَالتَّشَھُّدِ بَطَلَتْ صَلٰوتُہٗ وَمَنْ خَرَجَ

آخری دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور اگر قعدہ ثانیہ میں بقدر تشہد نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی جو شخص سفر کے ارادہ

مُسَافِرًا صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ اِذَا فَارَقَ بُیُوْتَ الْمِصْرِ وَلَایَزَالُ عَلٰی حُکْمِ الْمُسَافِرِحَتّٰی یَنْوِیَ الْاِقَامَۃَ

سے نکلا تو وہ شہر کی آبادی سے نکلتے ہی دو رکعت پڑھے اب یہ مسافر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ کسی شہر میں

فِیْ بَلْدَۃٍ خَمْسَۃَ عَشَرَ یَوْمًا فَصَا عِدًا فَیَلْزَمُہُ الْاِتْمَامُ فَاِنْ نَّوَی الْاِقَامَۃَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ

پندرہ روز یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے پس لازم ہو گی اس کو پوری پڑھنا اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کی

لَمْ یَتِمَّ وَمَنْ دَخَلَ بَلَدًا وَّلَمْ یَنوِاَنْ یُّقِیْمَ فِیْہِ خَمْسَۃَ عَشَرَیَوْمًا وَّاِنَّمَا یَقُوْلُ

تو پوری نہ پڑھے کوئی کسی شہر میں گیا اور وہاں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہا

غَدًا اَخْرُجُ اَوْبَعْدَ غَدٍاَخْرُجُ حَتّٰی بَقِیَ عَلٰی ذٰلِکَ سِنِیْنَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَاِذَا دَخَلَ

کہ کل جاؤں گا یا پرسوں جاؤں گا یہاں تک کہ اسی طرح کئی سال گذر گئے تو وہ دو ہی رکعتیں پڑھتا رہے گا جب کوئی

الْعَسْکَرُ فِیْ اَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوَوُاالْاِقَامَۃَ خَمْسَۃَ عَشَرَیَوْمًا لَمْ یُتِمُّواالصَّلٰوۃَ وَاِذَادَخَلَ

لشکر دارالحرب میں پہنچ کر پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کر لے تب بھی لشکر والے پوری نماز نہ پڑھیں۔ جب مسافر

الْمُسَافِرُ فِیْ صَلٰوۃِ الْمُقِیْمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ اَتَمَّ الصَّلٰوۃَ وَاِنْ دَخَلَ مَعَہٗ فِیْ فَائِتَۃٍ لَمْ

کسی مقیم کا مقتدی ہو جائے وقت باقی رہنے کے باوجود تو وہ پوری نماز پڑھے اور اگر اس کے ساتھ قضا نماز میں شریک ہوا

تَجْزِ صَلٰوتُہٗ خَلْفَہٗ وَاِذَا صَلَّی الْمُسَافِرُ بِالْمُقِیْمِیْنَ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِیْمُوْنَ

تو اس کے پیچھے اس کی نماز نہ ہو گی جب نماز پڑھائے مسافر مقیم لوگوں کو تو دو پڑھ کر سلام پھیر دے اور مقیم لوگ اپنی

صَلَاتَھُمْ وَ یُسْتَحَبُّ لَہٗ اِذَا سَلَّمَ اَنْ یَّقُوْلَ لَھُمْ اَتِمُّوا صَلَا تَکم فَاِنَّا قَوْمٌ سَفرٌ

نماز پوری کر لیں اور اس کے لیے مستحب ہے کہ سلام کے بعد یہ کہہ دے کہ تم اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم مسافر ہیں

توضیح اللغۃ مصر۔شہر'اتمام ۔پورا کرنا'سنین ۔جمع سنۃ'سال'عسکر ۔لشکر'سفر۔جمع مسافر جیسے رکب راکب کی جمع ہے۔

تشریح الفقہ قولہ و فرض المسافر الخ ہمارے نزدیک مسافر پر حتمی طور سے ہر رباعی نماز میں دو رکعت فرض ہے'صحابہ میں حضرت علیؓ' ابن عمرؓ' ابن مسعودؓ' جابرؓ' ابن عباسؓ اور بقول نووی وخطابی وبغوی اکثر علماء سلف اور فقہاء امصار کا یہی قول ہے۔دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ نماز سفر دو رکعت'نماز بقر عید دو رکعت'نماز عید دو رکعت'نماز جمعہ دو رکعت یہ پوری نمازیں ہیں قصر نہیں'بزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [1]۔نیز فرماتی ہیں کہ نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں'پس سفر کی نماز اپنے حال پر رہی اور حضر کی نماز میں اضافہ ہو گیا [2]۔حضرت ابو ہریرہؓ کی

[1] نسائی'ابن ماجہ'ابن حبان ۱۲۔[2] صحیحین'ابوداؤد ۱۲۔

مرفوع حدیث ہے کہ "سفر میں نماز پوری پڑھنے والا ایسا ہے جیسے حضر میں قصر کرنے والا[1] "..........امام شافعی، امام احمد اور ایک قول میں امام مالک کے نزدیک قصر رخصت ہے اور چار رکعت پڑھنا افضل ہے کیونکہ حدیث عمرؓ کے الفاظ ہیں "صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقة[2] " جواب یہ ہے کہ اس میں امر بالقبول برائے وجوب ہے جس کے بعد بندے کو شرعاً رد کرنے کا اختیار ہی نہیں رہتا اور اتمام کا جائز ہونا اس نعمت کو رد ہی کرنا ہے۔

قوله فان صلى اربعًا الخ اگر مسافر نے بجائے دو کے پوری چار رکعتیں پڑھیں اور قعدہ اولیٰ کر لیا تو اس کے فرض پورے ہو جائیں گے اور دو رکعتیں جو زائد ہوئیں، یہ نفل ہو جائیں گی، لیکن دانستہ ایسا کرنا بہت برا ہے، کیونکہ اس میں چار خرابیاں لازم آتی ہیں ۱۔ تاخیر سلام ۲۔ ترک قصر واجب ۳۔ ترک تکبیر تحریمہ نفل ۴۔ ضم النفل مع الفرض اور اگر اس نے قعدہ اولیٰ نہ کیا تو اس کے فرض باطل ہو جائیں گے کیونکہ اس نے فرض قعدہ کو چھوڑ دیا۔

قوله ومن خرج مسافرًا الخ قصر کی ابتداء اس وقت سے ہوتی ہے جب مسافر اپنے مسکن سے نکل کر شہروں کی آبادی سے متجاوز ہو جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعات اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعات پڑھنا ثابت[3] ہے نیز حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اگر ہم اس خص[4] سے گزر جائیں تو ضرور قصر کریں گے[5] پھر مسافر برابر قصر کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مدت سفر پوری کرنے سے پہلے واپسی وطن کا ارادہ کرے یا مدت سفر پوری کر کے وطن آ جائے یا دوسرے مقام میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے، بشرطیکہ یہ مقام دارالحرب نہ ہو اور وہ خود کسی کا تابع نہ ہو اور نیت میں کوئی تردد نہ ہو کیونکہ حضرت ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ "جب تو کسی شہر میں مسافر ہو کر آئے اور پندرہ روز تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھ اور اگر اتنی اقامت کا ارادہ نہ ہو تو قصر کر" امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر بارہ روز ٹھہرنے کی نیت کر لے تو پوری نماز پڑھے۔ ابن راہویہ کے یہاں انیس روز سے کم کی اقامت میں قصر ہے اور اس سے زائد میں اتمام امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چار روز کی اقامت پر اتمام ہے۔

قوله واذا دخل المسافر الخ اگر مسافر نے وقت کے اندر کسی مقیم کی اقتداء کی تو اقتداء صحیح ہے اور اب وہ چار رکعتیں پوری پڑھے۔ کیونکہ اتباع امام کی وجہ سے مسافر کا فرض متغیر ہو جاتا ہے لیکن صحت اقتداء کے لیے ابتداء میں وقت ادا کا ہونا ضروری ہے اگر خروج وقت کے بعد اقتداء کی تو صحیح نہ ہو گی کیونکہ وقت کے بعد مسافر کا فرض متغیر نہیں ہوتا اور اگر اس کا عکس ہو یعنی کوئی مقیم مسافر کی اقتداء کرے تو یہ بہر دو صورت صحیح ہے وقت میں ہو یا غیر وقت میں، پس مسافر دو پڑھ کر سلام پھیر دے اور مقیم اپنی نماز پوری کر لے۔

وَاِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَهٗ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَاِنْ لَّمْ يَنْوِالْاِقَامَةَ فِيْهِ وَمَنْ كَانَ لَهٗ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ

جب مسافر اپنے شہر میں آ جائے تو نماز پوری پڑھے گو وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو جس شخص کا ایک وطن تھا اس نے وہاں

عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهٗ ثُمَّ سَافَرَفَدَخَلَ وَطَنَهُ الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ وَاِذَانَوَى الْمُسَافِرُ

سے منتقل ہو کر دوسری جگہ کو وطن بنا لیا پھر سفر کر کے پہلے وطن میں آیا تو یہ پوری نماز نہ پڑھے جب مسافر

اَنْ يُّقِيْمَ بِمَكَّةَ وَمِنًى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِلْمُسَافِرِيَجُوْزُ

مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کر لے تو وہ پوری نماز نہ پڑھے اور دو نمازوں کو جمع کرنا مسافر کے لئے جائز ہے

فِعْلًا وَّلَا يَجُوْزُ وَقْتًا وَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِيْ سَفِيْنَةٍ قَاعِدًا عَلٰى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ عِنْدَهُمَا

---

[1] دار قطنی ۱۲۔ [2] اصحاب صحاح غیر البخاری، احمد، ابن حبان (وفی لفظ لابن حبان "فاقبلوا رخصۃ" ۱۲۔ [3] بخاری ومسلم عن انس ۱۲۔ [4] نرکل کا جھونپڑا ۱۲۔ [5] ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق ۱۲۔

فعلاً نہ کہ وقتاً اور جائز ہے نماز کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صاحبینؒ

لَاتَجُوْزُ اِلَّا بِعُذْرٍ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ

کے نزدیک جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے جس کی نماز فوت ہو جائے سفر میں تو قضا پڑھے حضر میں دو ہی رکعتیں اور جس کی نماز

صَلٰوةٌ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ اَرْبَعًا وَالْعَاصِيْ وَالْمُطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ

فوت ہو جائے حضر میں تو قضا پڑھے سفر میں چار رکعتیں اور گناہگار و فرمانبردار رخصت سفر میں برابر ہیں

توضیح اللغۃ استوطن۔وطن بنالینا' سفینہ۔کشتی' حضر۔اقامت' عاصی۔گناہگار۔

تشریح الفقہ قولہ واذادخل المسافر مصرہ الخ یہاں سے وطن کے احکام کا بیان ہے۔وطن دو ہیں۔وطن اصلی' وطن اقامت' وطن اصلی وہ ہے جہاں آدمی پیدا ہوا ہو اور وہ بھی وطن اصلی ہے جہاں اس نے شادی کی اور زندگی گزارنے کا قصد کیا۔وطن اقامت وہ ہے جہاں سفر میں پندرہ روز یا اس سے زیادہ کی نیت سے ٹھہر گیا ہو۔وطن اصلی اپنے مثل سے ختم ہو جاتا ہے نہ کہ سفر سے یعنی جس معنی کے لحاظ سے ایک وطن اصلی تھا اگر اس کو چھوڑ کر اسی معنی میں دوسرا وطن بنالیا تو پہلا وطن اصلی ختم ہو گیا مثلاً ایک شخص کا وطن اصلی سہارن پور تھا' وہ اس کو چھوڑ کر دہلی منتقل ہو گیا اور اس کو اپنا وطن بنالیا پھر اس نے اس جدید وطن سے وطن اول کی طرف سفر کیا' تو وہاں جا کر قصر کرے گا کیونکہ اب وہ اس کا وطن نہیں رہا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے آپ کو مسافروں میں شمار کر لیا اور نماز کے بعد فرمایا! اے اہل مکہ: تم اپنی نماز پوری کر لو' ہم تو مسافر ہیں اور وطن اقامت اپنے مثل وطن اقامت' سفر' وطن اصلی سب سے ختم ہو جاتا ہے۔پس اگر کسی نے سفر میں کسی مقام پر پندرہ روز وطن اقامت بنالیا تھا پھر اس نے چھوڑ کر دوسری جگہ پندرہ روز اقامت کی یا وہاں سے سفر کیا یا وہ اپنے وطن اصلی میں چلا آیا تو وہ وطن اقامت ختم ہو گیا اگر وہاں جائے تو قصر کرے۔

قولہ والجمع بین الصلوتین الخ عذر کے باوجود بھی دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا ممنوع ہے عذر سفر کا ہو یا مرض ومطر کا البتہ حج کے موقع پر عرفات اور مزدلفہ کی دو نمازیں اس سے مستثنیٰ ہیں پس مسافر دو نمازوں کا فعلاً تو جمع کر سکتا ہے یعنی ایک نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھ سکتا ہے جس کو جمع صوری کہتے ہیں حقیقۃً جمع نہیں کر سکتا کہ دونوں نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھ لے۔امام شافعی' امام مالک اس کو جائز کہتے ہیں کیونکہ بعض احادیث سے اس کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے وہ صرف جمع صوری ہے' رہی جمع حقیقی' سو حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز بجز اس وقت کے اور کسی وقت میں نہیں پڑھی مگر دو نمازیں یعنی ظہر وعصر عرفات میں اور مغرب وعشاء مزدلفہ میں۔

قولہ وتجوز الصلوٰۃ فی سفینۃ الخ چلتی ہوئی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اگرچہ کوئی عذر یعنی بیماری وغیرہ بھی نہ ہو' البتہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت ہے تو بلا وجہ قیام کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ کشتی میں اکثر و بیشتر چکر آتا ہے اور جو اکثر و بیشتر واقع ہو وہ متحقق کے مثل ہوتی ہے۔جیسے سفر میں قصر کی رخصت اس وجہ سے ہے کہ اس میں اکثر و بیشتر مشقت لاحق ہوتی ہے لیکن اگر کسی کو مشقت لاحق نہ ہو تب بھی قصر کا حکم ہے اسی طرح کشتی میں چکر آنا غالب ہے اس لیے وہ ہر شخص کے حق میں موجود و متحقق اعتبار کیا جائے گا لہذا بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہوا۔لیکن کھڑے ہو کر پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ دراصل اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ بلا عذر ترک قیام جائز ہے یا نہیں پس بہتر یہی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

فائدہ حکم مذکور عام ہے خواہ کشتی سے باہر نکل سکتا ہو یا نہ البتہ اگر نکل سکتا ہو تو باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس صورت میں نماز پورے اطمینان کے ساتھ ادا کر سکے گا لیکن اگر نکل سکنے کے باوجود کشتی ہی میں نماز پڑھ لی' تب بھی جائز ہے چنانچہ ابن حزم نے محلی میں ابن سیرین سے ذکر کیا ہے کہ ہم کو ایک صحابی نے کشتی میں نماز پڑھائی اس حالت میں کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے حالانکہ اگر چاہتے تو کشتی سے باہر نکل سکتے تھے۔ نور الدرایہ

قولہ والعاصی والمطیع الخ رخصت سفر میں مطیع وفرمانبردار کی کوئی تخصیص نہیں' بلکہ مطیع و نافرمان دونوں یکساں ہیں پس جس طرح حلال تجارت' طلب علم' حج بیت اللہ کے لیے سفر کرنے والا دو رکعت پڑھتا ہے' اسی طرح جو شخص شراب لینے' چوری کرنے یا کسی پر ظلم کرنے کے لیے شرعی مسافت طے کرے وہ بھی دو ہی رکعت پڑھے گا۔ امام شافعی کے یہاں نافرمان کے لیے سفر کی رخصت نہیں ہے کیونکہ رخصت رحمت وانعام ہے اور نافرمان مستحق عذاب ہے۔ یہی قول امام مالک وامام احمد کا ہے۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے کہ آیت ''فمن کان منکم مریضاً اوعلی سفرِ اھ'' اور حدیث ''فرض المسافر رکعتان'' میں مطیع کی تخصیص نہیں لہذا ہر مسافر کا یہی حکم ہوگا عاصی ہو یا مطیع' نیز عاصی کے لیے اپنے سفر میں بالاجماع عمدہ عمدہ کھانے کا کھانا مباح ہے حالانکہ وہ اس سے معصیت کی قوت حاصل کر رہا ہے۔ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

بابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

باب نماز جمعہ کے بیان میں

قولہ باب الخ سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت تنصیف ہے کہ مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے۔ البتہ یہاں تنصیف ایک خاص نماز میں ہے یعنی ظہر میں اور مسافر کی ہر رباعی نماز میں تنصیف ہے پس باب سابق عام ہوا اور باب لاحق خاص اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہی ہے' جمعہ کی نماز حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ہی نہیں' بلکہ جمیع مسلمین کے نزدیک فرض ہے جس کی فرضیت کتاب اللہ' سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا منکر کافر ہے بلکہ ہمارے ائمہ نے تو تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے کیونکہ ہم کو جمعہ کے لیے فرض ظہر چھوڑنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے ''یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة اھ'' ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر خداوندی کی طرف چلو اور خرید وفروخت چھوڑ دو اگر ذکر سے مراد نماز ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر خطبہ مراد ہے تو اس کا اہتمام مقصود ہے کہ ایسے وقت چلو کہ خطبہ بھی سن سکو اور جب خطبہ سننا ضروری ہوا تو نماز بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ حدیث میں ہے کہ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت میں حق واجب ہے سوائے چار کے' یعنی غلام' عورت' نابالغ اور[1] بیمار کے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیحین کے مطابق ہے تمیم داری کی حدیث میں بھی حق واجب ہے اور مسافر کا بھی استثناء ہے اور ترک جمعہ پر شدید مذمت وارد ہے حتیٰ کہ بلا عذر ترک کرنے والے کو منافق کہا گیا ہے بعض جہلاء مذہب حنفیہ کی طرف جمعہ کی عدم فرضیت منسوب کرتے ہیں' بس کا منشاء صاحب کتاب کی یہ عبارت ہے ''فان صلی الظھر فی منزلہ یوم الجمعة ولا عذر لہ کرہ'' حالانکہ اس سے صاحب کتاب کی مراد حرمت ہے۔

قولہ و صلوٰة الجمعة الخ زمانہ جاہلیت میں لوگ جمعہ کو عروبہ کہتے تھے سب سے پہلے کعب بن لوی نے جمعہ کے ساتھ موسوم کیا لفظ جمعہ میں بقول واحدی وفراء میم کا ضمہ فتحہ اور سکون تینوں سے جائز ہیں مگر میم کے ضمہ کے ساتھ فصیح لغت ہے' یہ اجتماع سے ہے' جیسے فرقة افتراق سے ہے حق تعالیٰ نے اس میں خصال خیر بکثرت جمع فرمائے ہیں' اس لیے اس کو جمعہ کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ باری تعالیٰ نے اس روز خلقت آدم کی تکمیل فرمائی اس لیے جمعہ کہتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت میں بچھڑنے کے بعد زمین پر اسی روز پہلی بار حواء سے آدم کی ملاقات ہوئی۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ جمعہ کا نام جمعہ اس لیے پڑا کہ اس کے اندر عظیم الشان باتیں واقع ہوئیں یا ہوں گی' اس کے پچاس سے زائد فضائل احادیث سے ثابت

[1] ابوداؤد ۱۲۔

ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت ''وشاہد ومشہود'' کی تفسیر یہ ہے کہ شاہد روز جمعہ ہے اور مشہود روز عرفہ[1]۔نیز آپ کا ارشاد ہے کہ سب سے بہترین دن جس میں آفتاب طلوع ہوا روز جمعہ ہے اسی روز آدم پیدا کیے گئے اسی روز جنت میں داخل ہوئے اسی روز جنت سے زمین پر اتارے گئے اسی روز قیامت قائم ہوگی اسی روز آدم کی دعا قبول ہوئی اسی روز دنیا سے انتقال ہوا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جو جمعہ کے روز صبح سے طلوع آفتاب تک قیامت کے ڈر سے خائف نہ رہتا ہو علاوہ جن وانس کے[2]۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

لَاتَصِحُّ	الْجُمُعَةُ	اِلَّا	فِیْ	مِصْرٍ	جَامِعٍ	اَوْفِی	مُصَلَّی	الْمِصْرِ	وَلَاتَجُوْزُ	فِی	الْقُرٰی
نہیں صحیح ہے	جمعہ	مگر		شہر	جامع میں	یا	عید گاہ میں		اور جائز نہیں ہے		گاؤں میں

شروط جمعہ کا بیان

تشریح الفقہ قولہ لاتصح الخ جمعہ کے لئے بارہ شرطیں ہیں چھ وجوب کی اور چھ صحت کی شروط وجوب یہ ہیں۔آزاد مرد مقیم تندرست پاؤں اور آنکھوں کا تندرست ہونا۔شروط صحت یہ ہیں۔بادشاہ (یا اس کے نائب) وقت جماعت خطبہ شہر اور اذن عام کا ہونا یہ بارہ شرطیں فارسی کے اس قطعہ میں ہیں۔

شرط وجوب عقل و اقامت بلوغ داں
بے عذری است مردی و آزادی بعد ازاں
سلطان وقت وخطبہ و جماعت ہم اذن وشہر
یادش پئے ادا کن و مگذار رائے گاں

صحت جمعہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ مصر جامع اور شہر ہو پس جنگل اور گاؤں میں جمعہ ادا نہ ہوگا۔حضرت علی عطاء حسن بصری نخعی مجاہد ابن سیرین سفیان ثوری سب کا یہی قول ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ نہیں ہے جمعہ'' تشریق نماز عیدین مگر شہر جامع میں[3] ابن حزم اس کی اسناد کو صحیح مان کر کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ سے بھی یہی مروی ہے۔امام شافعی دیہات میں بھی جمعہ واجب کہتے ہیں کیونکہ روایت ابن عباس میں ہے کہ ''مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد پہلا جمعہ صوبہ بحرین کے قریہ ''جواثا'' میں ہوا جواب لفظ قریہ جیسے گاؤں کے معنی میں آتا ہے ویسے ہی شہر کے معنی میں بھی آتا ہے۔چنانچہ ''لولا انزلنا هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم'' میں مکہ اور طائف کو اور آیت ''تلک القریٰ نقص علیک'' اور ''تلک القریٰ اهلکنا هم'' میں قوم ہود قوم صالح قوم لوط قوم فرعون کی آبادیوں کو قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ سب اہل شہر تھے۔صحاح میں ہے کہ جواثا مصر صوبہ بحرین میں ایک حصن تھا معلوم ہوا کہ جواثا جامع تھا۔

فائدہ مصر جامع ہر ایسا مقام ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرتا ہو یعنی احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو۔یہ امام ابو یوسف سے مروی مختار کرخی اور ظاہر مذہب ہے یا ہر وہ مقام ہے کہ اگر وہاں کے تمام لوگ جن پر جمعہ واجب ہے اس کی سب سے بڑی مسجد میں مجتمع ہوں تو اس میں نہ سما سکیں یہ امام ابو یوسف سے مروی اور مختار محمد بن شجاع ثلجی ہے۔دلوالجیہ میں اسی کو صحیح کہا ہے یا ہر وہ مقام ہے جس میں گلیاں بازار اور حاکم ہو جو ظالم ومظلوم کا انصاف کرے عالم ہو جو واقعات میں فتویٰ دے۔

قولہ اوفی مصلی المصر الخ مصر جامع کی عید گاہ ہو اس سے مراد فناء شہر ہے فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مصالح شہر گھڑ دوڑ تیر اندازی

[1] بیہقی عن ابی ہریرہ ۱۲۔[2] مالک ابوداؤد عن ابی ہریرہ ۱۲۔[3] ابن ابی شیبہ عبد الرزاق عن علی ۱۲۔

عیدین مردوں کی تدفین اور چراگاہ کے لیے بنائی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ مصر جامع کے باہر مصلی یعنی فناء مصر تک میں جمعہ جائز ہے۔
فائدہ ایک شہر کی متعدد مساجد میں جمعہ جائز ہے یہی صحیح اور اسی پر فتویٰ ہے' امام صاحب سے عدم جواز بھی مروی ہے۔ طحاوی' تمرتاشی اور صاحب مختار وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی کا مذہب' امام احمد کی ایک روایت اور امام مالک سے یہی مشہور ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَاتَجُوْزُ اِقَامَتُهَا اِلَّا لِلسُّلْطَانِ اَوْلِمَنْ اَمَرَهُ السُّلْطَانُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِيْ وَقْتِ
اور جائز نہیں جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جسے بادشاہ حکم دے منجملہ شرائط جمعہ کے ایک شرط وقت ہے کہ جمعہ ظہر کے

الظُّهْرِ وَلَا تَصِحُّ بَعْدَهُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَخْطُبُ الْاِمَامُ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ
وقت میں صحیح ہے نہ کہ اس کے بعد اور ایک شرط خطبہ ہے نماز سے پہلے امام دو خطبے پڑھے جن میں فصل

بَيْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ وَّ يَخْطُبُ قَائِمًا عَلَى الطَّهَارَةِ فَاِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى جَازَ عِنْدَ
کرے ایک بیٹھک سے اور خطبہ دے باوضو کھڑا ہو کر پس اگر اکتفاء کیا صرف ذکر الٰہی پر تو جائز ہے

اَبِيْ حنيفة رحمه الله وَقَالَا لَابُدَّ مِنْ ذِكْرٍ طَوِيْلٍ يُسَمّٰى خُطْبَةً فَاِنْ خَطَبَ قَاعِدًا اَوْ
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صاحبینؒ کے نزدیک ایسا ذکر طویل ہونا ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جا سکے اگر خطبہ دیا بیٹھ کر یا

عَلٰى غَيْرِطَهَارَةٍ جَازَوَيُكْرَهُ وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَة ثَلٰثَةٌ
بے وضو تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور ایک شرط جماعت ہے جس کی کمتر تعداد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین آدمی ہیں

سِوَى الْاِمَامِ وَقَالَا اثْنَانِ سِوَى الْاِمَامِ وَيَجْهَرُ الْاِمَامُ بِقِرَاءَ تِهٖ فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ
امام کے علاوہ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو ہیں امام کے علاوہ اور زور سے پڑھے امام قرأت دونوں رکعتوں میں اور دونوں

فِيْهِمَا قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا
رکعتوں میں کوئی سورۃ معین نہیں ہے۔

تشریح الفقہ قولہ ولا تجوز الخ صحت جمعہ کے لیے دوسری شرط سلطان یا اس کا نائب ہونا ہے کیونکہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جماعت میں ہر شخص اپنی رائے کا مجاز ہوتا ہے اس لیے بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک کہے گا میں قائم کروں گا۔ دوسرا کہے گا میں قائم کروں گا ایک کہے گا امام فلاں بزرگ ہوگا۔ دوسرا کہے گا فلاں ہوگا۔ ایک کہے گا کہ جمعہ ہماری مسجد میں ہوگا' دوسرا کہے گا ہماری مسجد میں ہوگا ایک فریق وقت معین کرے گا۔ دوسرا اس کے خلاف کی رائے دے گا۔ اس لیے شاہ وقت یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس قسم کے اختلاف سے امن ہو سکے۔

قولہ ومن شرائطہا الوقت الخ شرط سوم وقت ظہر کا ہونا ہے کہ جمعہ کی ادائیگی ظہر کے وقت میں ہوگی اس کے بعد نہ ہوگی پس اگر جمعہ پڑھنے کی حالت میں ظہر کا وقت نکل گیا اور وہ ابھی سلام نہیں پھیر سکا تو جمعہ ادا نہ ہوگا بلکہ از سر نو ظہر کی نماز پڑھنی ہوگی کیونکہ سلام پھیرنے تک ظہر کا وقت باقی رہنا شرط ہے البتہ صاحبین کے نزدیک بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد وقت نکلنے سے نماز جمعہ پوری ہو جائے گی۔ وقت ظہر کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھاتے تھے' جب آفتاب ڈھل جاتا تھا[2]۔ نیز حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ ''ہم لوگ جمعہ پڑھتے تھے جب آفتاب ڈھل جاتا تھا[3]۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ شیخ ابن عربی فرماتے

[1] صاحب کتاب نے چھٹی شرط اذن عام کو ذکر نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ ظاہر الروایہ نہیں بلکہ نوادرات میں سے ہے ۱۲۔ [2] بخاری عن انس ۱۲۔ [3] مسلم ۱۲۔

ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قبل از زوال جمعہ جائز نہیں۔ امام احمد سے اس کا جواز منقول ہے کیونکہ حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ ''ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے درانحالیکہ دیواروں کا ایسا سایہ نہ ہوتا تھا کہ اس سے سایہ لے سکیں[1]'' جواب یہ ہے کہ کسی صحیح مرفوع حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از زوال نماز جمعہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ صحیحین میں حضرت انس وسلمہ سے تصریح موجود ہے کہ آپ زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔ نیز جب آپ نے حضرت مصعب بن زبیر کو مدینہ بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا ''اذا زالت الشمس فصل بالناس الجمعة'' پھر خود حضرت سلمہ کی حدیث میں وقت زوال مصرح ہے اس لیے ان کی دوسری حدیث کو اول وقت پر محمول کیا جائے گا یعنی مدینہ کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کا سایہ اس قدر نہیں ہوتا تھا کہ اس میں چل سکیں۔

قوله و من شرائطها الخطبة الخ چوتھی شرط خطبہ یہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کوئی جمعہ خطبہ کے بغیر نہیں پڑھا[2]۔ خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں اور باقی سنن وآداب' پہلا فرض یہ ہے کہ خطبہ نماز سے پہلے اور زوال کے بعد ہو اگر خطبہ کے بغیر جمعہ پڑھا یا خطبہ زوال سے بیشتر یا نماز کے بعد پڑھا تو جائز نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ خطبہ میں اللہ کا ذکر ہو جس کی ادائیگی امام صاحب کے نزدیک الحمدللہ یا لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ سے بھی ہو سکتی ہے' بشرطیکہ خطبہ ہی کے قصد سے ہو مگر کراہت کے ساتھ صاحبین کے نزدیک ذکر طویل کا ہونا ضروری ہے جو کم از کم التحیات کے برابر ہو' امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں مطلق ذکر ہے جو کم وبیش سب کو شامل ہے اور وجہ کراہت مخالفت سنت ہے پھر یہ کراہت بعض کے نزدیک تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی' ظاہر قہستانی سے کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے' خطبہ میں تقریباً پندرہ سنتیں ہیں۔ طہارت کا ہونا' بحالت قیام ہونا' دوخطبوں کے درمیان ایک بیٹھک کا ہونا' اتنی آواز سے پڑھنا کہ قوم سن لے' الحمدللہ سے شروع کرنا' شہادتین کو ادا کرنا' درود پڑھنا' وعظ ونصیحت کرنا' قرآن کی کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا وغیرہ۔ امام شافعی کے نزدیک اتنی قرأت فرض ہے۔

قوله و من شرائطها الجماعة الخ پانچویں شرط جماعت کا ہونا ہے جس کا کمتر عدد امام صاحب کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہیں۔ امام زفر' لیث' اوزاعی' مزنی کا بھی یہی قول ہے۔ صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو آدمی کافی ہیں۔ حسن بصری کی بھی یہی رائے ہے۔ امام احمد' ابوثور' سفیان ثوری سے دونوں قول مروی ہیں۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ تثنیہ میں معنی اجتماع موجود ہیں پس امام کے ساتھ دو کے ہونے سے جماعت پائی گئی۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جماعت اور امام کا ہونا علیحدہ علیحدہ شرط ہے اس لیے امام کے علاوہ کم از کم تین کا ہونا ضروری ہوگا۔ کیونکہ **اذا نودی للصلوٰة** کا مقتضی یہ ہے کہ ایک ذاکر ایک امام اور تین ساعی ہوں کیونکہ تثنیہ میں گومن وجہ اجتماع کے معنی ہیں لیکن وہ مطلقاً جمع نہیں۔ شارحین نے امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کم از کم چالیس کا ہونا شرط ہے کیونکہ ''اسعد بن زرارہؓ نے مدینہ میں پہلا جمعہ چالیس آدمیوں کے ساتھ پڑھا[3]'' نیز حدیث میں ہے کہ ''سنت جاری ہوئی کہ ہر چالیس وزائد میں جمعہ ہے[4]'' اور ''جمعہ نہیں مگر چالیس آدمیوں کے ساتھ[5]'' جواب اول تو اسعد بن زرارہ کا جمعہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے قبل تھا۔ دوم یہ کہ اس میں چالیس سے کم کے ساتھ عدم جواز پر دلالت نہیں' دوسری روایت کو نووی نے ضعیف کہا ہے اور تیسری موضوع ہے۔

وَلَاتَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى مُسَافِرٍ وَّلَا امْرَاَةٍ وَلَا مَرِيْضٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَبْدٍ وَلَا اَعْمٰى فَاِنْ

اور واجب نہیں جمعہ مسافر پر نہ عورت پر نہ بیمار پر نہ بچے پر نہ غلام پر نہ نابینا پر لیکن اگر

حَضَرُوْا وَصَلُّوْا مَعَ النَّاسِ اَجْزَاُهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ وَيَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ

یہ لوگ آ جائیں اور لوگوں کے ساتھ پڑھ لیں تو اس وقت فرض ان کے ذمہ سے ادا ہو جائیں گے جائز ہے غلام مسافر اور مریض کے لیے

---

[1] صحیحین ۱۲۔ [2] بیہقی ۱۲۔ [3] ابن ماجہ عن کعب ۱۲۔

[4] بیہقی عن جابر ۱۲۔ [5] عن ابی امامہ ۱۲۔

اَنْ يَؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِيْ مَنْزِلِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْاِمَامِ وَلَا عُذْرَلَهٗ
جمعہ کی امامت جس نے ظہر کی نماز پڑھ لی اپنے گھر جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں

كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ بَدَالَهٗ اَنْ يَحْضُرَالْجُمُعَةِ فَتَوَجَّهَ اِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ
تو یہ مکروہ ہے اور اس کی نماز ہو جائے گی پھر اس کے جی میں آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو چنانچہ وہ اس کی طرف چلا تو ظہر کی نماز باطل

الظُّهْرِ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رحمه اللّٰه بِالسَّعْيِ اِلَيْهَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحمدٌ لَاتَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ
ہو جائے گی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس طرف چلنے ہی سے امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ باطل نہ ہو گی ۔ یہاں تک کہ امام

مَعَ الْاِمَامِ وَيُكْرَهُ اَنْ يُّصَلِّيَ الْمَعْذُوْرُ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَكَذٰلِكَ اَهْلُ السِّجْنِ
کے ساتھ شریک ہو جائے اورمکروہ ہے یہ کہ نماز ظہر پڑھیں معذور لوگ جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن اسی طرح قیدیوں کے لیے

وَمَنْ اَدْرَكَ الْاِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهٗ مَااَدْرَكَ وَ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ
مکروہ ہے جو شخص پائے امام کو جمعہ کے دن تو پڑھ لے اس کے ساتھ جو پائے اور بنا کر لے اس پر جمعہ کو اور اگر پائے امام کو

فِي التَّشَهُّدِ اَوْفِي السَّهْوِ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ عِنْدَاَبِيْ حنيفةَ وَاَبِيْ يُوْسفَ وَقَالَ محمدٌ اِنْ اَدْرَكَ
تشہد یا سجود سہو میں تو بنا کرے اس پر جمعہ کو امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر

مَعَهٗ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنٰى عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَاِنْ اَدْرَكَ مَعَهٗ اَقَلَّهَا بَنٰى عَلَيْهَا الظُّهْرَ
امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پائے تو بنا کرے اس پر جمعہ کو اور اگر اس سے کم پائے تو بنا کرے اس پر ظہر کی نماز کو

تشریح الفقہ قولہ ولاتجب الجمعۃ الخ اس سے شروط وجوب بیان کرنا مقصود ہے'وجوب جمعہ کے لیے بھی چھ شرطیں ہیں ۔۱۔ مقیم ہونا۔ مسافر پر جمعہ واجب نہیں کیونکہ اس کو حاضری جمعہ سے حرج لاحق ہوگا۔۲۔ مرد ہونا۔ عورت پر واجب نہیں' کیونکہ اس پر دیانۃً اپنے شوہر کی خدمت واجب ہے اور اگر شوہر نہ ہو تب بھی عورت کو جماعت میں آنا ممنوع ہے۔۳۔ تندرست ہونا۔ بیمار پر واجب نہیں۔۴۔ آزاد ہونا' غلام پر واجب نہیں کیونکہ اس کے ذمہ آقا کی خدمت ضروری ہے ہاں اگر آقا اجازت دے دے تو واجب ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں اس کو اختیار ہوگا۔۵۔ دونوں آنکھوں کا صحیح ہونا' اندھے پر واجب نہیں' اگر چہ اس کو کوئی ساتھ لے جانے والا مل جائے' البتہ صاحبین کے نزدیک راہبر ملنے کی صورت میں نابینا پر بھی واجب ہے۔۶۔ عاقل بالغ ہونا' بچہ پر واجب نہیں' پھر واجب نہ ہونے کے باوجود اگر یہ لوگ جمعہ ادا کریں تو جائز ہے یعنی جمعہ پڑھ لینے سے وقتی فرض ان کے ذمہ سے ادا ہو جائے گا

قولہ ویجوز للعبد الخ غلام' مسافر اور بیمار جمعہ میں امامت کر سکتا ہے۔ امام زفر کے نزدیک نہیں کر سکتا کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں لہذا عورتوں اور بچوں کی طرح ان کی بھی امامت جائز نہ ہوگی' ہم یہ کہتے ہیں کہ اصل جمعہ تو فرض عین ہے مگر اندھے اور مسافر وغیرہ کے لیے حرج اور مشقت کی وجہ سے رخصت اور حاضر نہ ہونے کی اجازت ہے پس جب یہ لوگ حاضر ہو گئے تو ان کی نماز فرض ہی واقع ہوگی' رہا عورتوں اور بچوں پر قیاس کرنا' سو یہ صحیح نہیں کیونکہ بچہ میں امامت کی اہلیت نہیں اور عورت مردوں کی امامت کے لائق نہیں۔

قولہ و من صلی الظہر فی منزلہ الخ اگر کسی شخص نے جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ظہر کی نماز پڑھ لی جب کہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں تو یہ اس کے حق میں مکروہ یعنی حرام ہے' ہاں نماز جائز ہو جائے گی' امام اعظم اور صاحبین کا یہ قول ظاہر الروایہ کے موافق ہے اور یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے۔ امام زفر کے نزدیک نماز بھی جائز نہ ہوگی۔ امام مالک' امام احمد اور غیر ظاہر الروایہ میں امام محمد کا اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے' ان

کی دلیل یہ ہے کہ اصل فرض جمعہ ہے اور ظہر بمنزلہ اس کے بدل کے ہے اور جب تک اصل پر قدرت ہو بدل کی طرف رجوع جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل فرض تو تمام لوگوں کے حق میں ظہر ہے لیکن قدرت والے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس ظہر کو اپنے ذمہ سے جمعہ ادا کر کے ساقط کرے پس ظہر ساقط کرنے کے لیے جمعہ ادا کرنا ہر فرد پر حسب قدرت فرض ہے۔

اب اگر اس کے دل میں یہ آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اسی ارادہ سے وہ جمعہ کی طرف متوجہ ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک باہر نکلتے ہی اس کی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی اگرچہ جمعہ پانے کی امید نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے اور تحریمہ باندھ لے کیونکہ سعی ظہر سے کم درجہ ہونے کی بناء پر ظہر کو اس کے پورا ہونے کے بعد نہیں توڑ سکے گی اور جمعہ ظہر سے بڑھ کر ہے پس جب اس نے جمعہ پالیا تو وہ ظہر کو توڑ دے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب تک امام جمعہ سے فارغ نہ ہو اس وقت تک اس پر فرض متوجہ ہے کہ اس کے ساتھ ادا کرے یعنی چل کر جائے پس جب وہ اس فرض کے لیے چلا تو اس نے ظہر کی نماز پڑھی تھی وہ کالعدم ہوگئی کیونکہ اس وقت میں دو فرض جمع نہیں ہیں۔

قولہ ویکرہ ان یصلی المعذور الخ معذور، محبوس، مسافر کا جمعہ کے دن نماز ظہر جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اس کے لیے دو قیدیں ہیں۔ اول یہ کہ شہر میں ہو کیونکہ گاؤں والوں کے لیے ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ نہیں۔ دوم یہ کہ نماز ظہر ادا ہو قضا نہ ہو کیونکہ ان کے لیے قضاء ظہر جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے شہر میں وجہ کراہت یہ ہے کہ معذورین کو پڑھتے دیکھ کر ممکن ہے کوئی غیر معذور شریک ہو جائے پس جمعہ کی جماعت میں کمی آ جائے گی نیز جمعہ کے دن اقامت جمعہ کا حکم ہے اور دوسری جماعت کی اقامت میں ایک قسم کا معارضہ یعنی مقابلہ اور حکم عدولی ہے۔ کذا فی الطحطاوی

قولہ ومن ادرک الامام الخ اگر کوئی شخص جمعہ کے لیے تاخیر سے آیا تو وہ جماعت میں شامل ہو جائے اگرچہ امام کو تشہد میں پائے اور شیخین کے نزدیک دوگانہ جمعہ پورا کرلے لیکن امام محمد کے نزدیک اگر وہ ایک رکعت سے کمتر پائے تو ظہر کی نماز پوری کرے۔ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے پھر ظہیریہ میں ہے کہ اگر مسافر جمعہ کے تشہد میں شامل ہو تو وہ چار رکعتیں پڑھے لیکن نہر میں ہے کہ اس سلسلہ میں مسافر و غیر مسافر کا کوئی فرق نہیں شیخین کے نزدیک سب جمعہ ہی پورا کریں گے۔

وَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَکَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ وَقَالَا
جب نکل چکے امام جمعہ کے دن تو چھوڑ دیں لوگ نماز کو اور بات چیت کو یہاں تک کہ فارغ ہو جائے امام خطبہ سے صاحبین

لَابَاْسَ بِاَنْ يَتَكَلَّمَ مَالَمْ يَبْدَاْ بِالْخُطْبَةِ وَاِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْاَذَانَ الْاَوَّلَ
کے نزدیک کوئی حرج نہیں بات چیت میں جب تک کہ خطبہ شروع نہ کرے جب اذان دیں موذن جمعہ کے دن پہلی اذان

تَرَکَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ فَاِذَا صَعِدَ الْاِمَامُ الْمِنْبَرَ جَلَسَ وَاَذَّنَ
تو چھوڑ دیں لوگ خرید و فروخت کو اور چل پڑیں جمعہ کے لئے پس جب چڑھے امام منبر پر تو بیٹھ جائے اور مؤذن

الْمُؤَذِّنُوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ يَخْطُبُ الْاِمَامُ وَاِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
منبر کے سامنے اذان پڑھے پھر امام خطبہ دے اور جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو لوگ نماز قائم کریں

تشریح الفقہ **قولہ واذا خرج الامام** الخ جب امام خطبہ کے لیے اپنے حجرہ سے نکل پڑے (اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا منبر پر چڑھنے کے لیے کھڑا ہونا معتبر ہے کذا فی شرح المجمع) تو اس وقت سے امام کے خطبہ سے فراغت تک نہ کوئی نماز ہے اور نہ کلام کیونکہ متعدد احادیث میں اس کی ممانعت

وارد ہے۔ صاحبین کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور خطبہ کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے کلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خاموش رہنا تو خطبہ سننے کی وجہ سے ہے اور ان دو حالتوں میں استماع خطبہ نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک خطبہ ہوتے وقت بھی تحیۃ المسجد اور سلام کا جواب دینا جائز ہے کیونکہ حدیث جابر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا آپ نے اس سے دریافت فرمایا: نماز پڑھی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ نہیں: آپ نے فرمایا۔ اٹھ کر دو رکعت نماز پڑھ۔ ہماری دلیل صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اذاقلت لصاحبک انصت فقد لغوت'' یہ حدیث بطریق دلالت النص اس پر دال ہے کہ اس وقت نماز بھی ممنوع ہے اس واسطے کہ امر بالمعروف جو تحیۃ المسجد سے اعلیٰ ہے جب وہ ممنوع ہے تو تحیۃ المسجد بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔ سوال۔ بوقت معارضہ دلالت النص پر عبارت النص مقدم ہوتی ہے اور حدیث مذکور میں تحیۃ المسجد کی صریح اجازت ہے۔ جواب۔ یہاں معارضہ ہی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ آپ نے اتنے وقت تک خطبہ بند کر دیا ہو۔ چنانچہ سنن دارقطنی میں ان الفاظ کی تصریح موجود ہے ''قم فارکع رکعتین وامسک عن الخطبة حتی فرغ من صلوته'' اور یہ گو مرسل ہے مگر ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے بہرکیف وقت مذکور میں نہ کلام کی گنجائش ہے نہ نماز کی' شوافع میں سے امام نووی اور امام مالک' لیث' ثوری بلکہ جمہور صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں۔ حضرت عمر' عثمان' علی' ابن عباس' ابن عمر' عروہ سب سے یہی مروی ہے کہ یہ حضرات اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے۔

قوله واذا اذن الخ جمعہ کے روز اذان کے وقت نماز کے لیے تیاری کرنا ضروری اور خرید و فروخت میں مشغول ہونا حرام ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یاایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعواالی ذکر الله وذروا البیع'' اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت لیکن اذان سے مراد اذان اول ہے یا اذان ثانی؟ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو اذان منبر کے سامنے دی جاتی ہے وہ اذان مراد ہے' یہی امام شافعی' احمد اور اکثر فقہاء کا قول ہے اسی کو فتاویٰ عثمانیہ میں مختار اور فتاویٰ مرغینانی و جوامع الفقہ میں صحیح کہا ہے کیونکہ آیت میں بوقت ندا سعی کا حکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی' صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ وہ اذان مراد ہے جو حضرت عثمان کے زمانہ میں اول ہوگئی جیسا کہ اب متوارث ہے بشرطیکہ وہ زوال کے بعد ہو اسی کو سرخسی نے اختیار کیا ہے اور یہی مبسوط میں ہے اسی کو صاحب کتاب لے رہے ہیں' وجہ یہ ہے کہ آیت میں ندائے مراد اعلام یعنی آگاہ کیا جانا ہے کہ جب تم کو جمعہ کے دن نماز کے لیے آگاہ کیا جائے تو خرید و فروخت کو چھوڑ کر اس کی طرف چلو' پس زوال کے بعد جمعہ کے لیے جو پہلا اعلام ہے اسی پر حکم مرتب ہونا چاہیے۔ یہی قول اوفق و احوط ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ صَلٰوةِ الْعِيْدَيْنِ

باب عیدین کی نماز کے بیان میں

قوله باب الخ باب جمعہ کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازیں عظیم جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں' نیز نماز عید اسی پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے اور سوائے خطبہ[1] کے اور شرطیں بھی دونوں کی یکساں ہیں' لیکن صاحب کتاب نے جمعہ کو مقدم کیا ہے' اس لئے کہ اس کا ثبوت کتاب اللہ سے ہے اور سال میں بیشتر پڑھا جاتا ہے' عید عود سے ہے جس کے معنی ہیں لوٹنا' بار بار آنا' چونکہ یہ مفہوم اس دن کے اندر موجود ہے' اس لئے وہ دن جو ہر سال ماہ شوال کی پہلی تاریخ اور ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو آتا ہے یوم عید کہلاتا ہے' اس دن میں اللہ تعالیٰ کے انعام بندوں پر عائد اور مکرر ہوتے ہیں' یہ دن ہر سال مسرت و خوشی کا پیغام لاتا ہے' اس روز ہر شخص کی حسب حیثیت عزت و حرمت کا احساس ہر سال

[1] جمعہ میں خطبہ شرط اور مقدم ہے اور عیدین میں خطبہ مؤخر اور سنت ہے ۱۲

تازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان میں جو انسان کو کھانے پینے سے روک دیا تھا عید کے باعث اس کا انعام یعنی افطار بندوں پر رجوع کرتا ہے' اس اسلامی تقریب میں اتنے مختلف پہلوؤں سے عود کا مفہوم پایا جاتا ہے اس لئے اس کو عید کہتے ہیں' پھر یوں بھی اہل عرب ہر مسرت بخش اجتماع کو عید سے یاد کرتے ہیں قال الشاعر ؎

عیدٌ و عیدٌ و عیدٌ صرن مجتمعه
وجهُ الحبیب و یوم العید والجمعه

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال جب روزے پہلی بار فرض ہوئے تو رمضان ختم ہونے کے بعد یکم شوال کو آپ نے سب سے پہلے نماز عید ادا کی' حضرت انس سے روایت ہے کہ اہل مدینہ کے دو دن کھیل کود کے تھے جب آپ تشریف لائے تو فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں سے بہتر دو دن بدل دیئے ایک عید الفطر دوسرے عید الاضحیٰ'' (ابوداؤد' نسائی)

يَستَحبُ يَوْمَ الفِطرِ اَنْ يَطعِمَ الاِنسَانُ شَيْئًا قَبْلَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْمُصَلّٰى وَيَغْتَسِلَ وَ يَتَطَيَّبَ وَ
مستحب ہے عید الفطر کے دن یہ کہ کھائے آدمی کوئی چیز عیدگاہ جانے سے پہلے اور غسل کرے اور خوشبو لگائے اور

يَلْبَسَ اَحسَنَ ثِيَابِهٖ وَيَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى وَلَايُكَبِّرُ فِى طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَابِىْ حنيفة رحمه
اچھے کپڑے پہنے پھر جائے عیدگاہ کی طرف اور تکبیر نہ کہے عیدگاہ کے راستہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

الله تعالىٰ وَيُكبِّر عِنْدَهما وَلَا يَتَنَفَّلُ فِى الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيدِ فَاِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ
اور تکبیر کہے صاحبینؒ کے نزدیک اور نفل نہ پڑھے عید گاہ میں نماز عید سے پہلے جب نماز پڑھنا جائز ہو جائے آفتاب کے

الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُها اِلَى الزَّوَالِ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا وَيُصَلِّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ
بلند ہونے پر تو شروع ہو جاتا ہے اس کا وقت زوال تک جب زوال ہو جائے تو اس کا وقت نکل جاتا ہے اور نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو

يُكَبِّرُ فِى الْاُوْلىٰ تَكْبِيْرَ الْاِحْرَامِ وَ ثَلٰثًا بَعْدَهَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَّعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ
رکعتیں پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیریں کہے پھر پڑھے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت پھر تکبیر کہہ کر

تَكْبِيْرَةً [1] يَرْكَعُ بِهاثُمَّ يَبْتَدِأُ فِى الرَّكْعَة الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَ ةِ فَاِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَ ةِ كَبَّرثَلٰثَ
رکوع کرے پھر دوسری رکعت میں قرات شروع کرے قرأت سے فارغ ہو کر تین تکبیریں کہے

تَكْبِيْرَاتٍ وكَبَّرتَكْبِيْرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا وَيَرفَعُ يَدَيْه فِى تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ
اور چوتھی تکبیر کہتا ہوا رکوع میں چلا جائے اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیرات عیدین میں

تشریح الفقہ قوله يستحب الخ قنیہ میں ہے کہ مستحبات فطر بارہ امور ہیں' چار تو متن میں مذکور ہیں۔۱۔عیدگاہ جانے سے پہلے کچھ کھا لینا۔۲۔غسل کرنا۔۳۔خوشبو لگانا۔۴۔عمدہ لباس پہننا' اور باقی یہ ہیں۔۵۔مسواک کرنا۔۶۔صدقۂ فطر ادا کرنا (یعنی نماز کے لیے جانے سے بیشتر) ۷۔عمامہ باندھنا۔۸۔صبح سویرے اٹھنا ۹۔عیدگاہ میں سویرے جانا۔۱۰۔محلّہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھنا۔۱۱۔عیدگاہ پیدل چل کر جانا۔۱۲۔ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے آنا۔ پھر ان امور کو مستحب کہنا اس اعتبار سے ہے کہ سنت پر مستحب کا اور مستحب پر سنت کا اطلاق درست ہے۔ کذافی الشامی

[1] اعلم ان تکبیرتی الرکوع فی صلوٰۃ العیدین من الواجبات حتی یجب السهو بترکها ساهیا ۱۲ الجوہرہ

قوله ویکبر الخ نمازِ عید الفطر کے لیے جاتے وقت راستہ میں تکبیر کہے یا نہ کہے؟ اس میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف دو طرح سے منقول ہے۔ اول یہ کہ امام صاحب کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے مگر آہستہ۔ صاحب خلاصہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن نجیم مصری نے بھی انہی کی پیروی کی ہے' دوسرے یہ کہ اختلاف نفس تکبیر میں نہیں ہے۔ ان التکبیر خیر موضوع بلکہ تکبیر کی صفت میں اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک تکبیر آہستہ کہے اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے بدائع سراج' ملتقی' نہایہ' نہر' تاتارخانیہ' مواہب اور درر وغیرہ میں یہی ہے اور یہی صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر تکبیر باآواز بلند کہتے ہیں تھے اور یہ حضرت علی سے بھی مروی ہے۔ نیز عید الاضحیٰ میں تکبیر بالاتفاق جہراً ہوتی ہے تو عید الفطر میں بھی جہراً ہونی چاہیے۔ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں اصل اخفاء ہے باستثناء اس کے جس کو شارع نے جہراً کیا ہے پس جہاں شارع سے جہراً وارد ہو وہیں جہر ہوگا اور وہ عید الاضحیٰ ہے نہ کہ عید الفطر۔

قوله ولایتنفل فی المصلی الخ نمازِ عید سے قبل نفل نہ پڑھے' نہ گھر میں نہ عیدگاہ میں اور نمازِ عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دوگانہ (عید) ادا کی اور اس سے پہلے نماز نہیں پڑھی [1] ''ابن ہمام لکھتے ہیں کہ یہ نفی عیدگاہ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ ابوسعید خدری کی روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید سے بیشتر کوئی نفل نہیں پڑھتے تھے ہاں نمازِ عید پڑھ کر تشریف لاتے تب دو رکعت نفل پڑھتے'' [2]

درمختار میں ہے کہ نمازِ عید سے قبل نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ گھر میں پڑھے یا عیدگاہ میں' ہاں نمازِ عید کے بعد گھر میں اجازت ہے عیدگاہ میں نہیں۔

تکبیراتِ عیدین کا بیان

قوله وثلثا بعدها الخ تکبیرات عیدین کے بارے میں تقریباً بارہ اقوال ہیں (جن میں سے دس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''فلاح و بہبود شرح قال ابوداؤد'' میں کی ہے) کیونکہ اس سلسلہ میں روایتیں کافی مختلف ہیں۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں۔ کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں یہی تعداد مذکور ہے [3]۔ امام شافعی بھی امام مالک کے ساتھ ہیں اتنی ترمیم کے ساتھ کہ پہلی رکعت کی سات تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد پانچ تکبیروں میں تکبیر رکوع شامل نہیں۔ پس ان کے نزدیک تکبیرات زوائد بارہ ہیں۔ حضرت ابن عباس کا یہی فتویٰ ہے۔ امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک ہر رکعت میں تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایت میں تکبیرات زوائد یہی آئی ہیں [4]۔ نیز حضرت سعید بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے؟ ابوموسیٰ نے فرمایا: جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں بھی کہا کرتے تھے اس پر حضرت حذیفہ نے ان کی تصدیق کی [5]۔ یعنی پہلی رکعت میں قرات سے پہلے چار تکبیریں تکبیر تحریمہ سمیت اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت چار تکبیریں کہتے تھے۔ عینی نے لکھا ہے کہ یہی قول ابوموسیٰ اشعری' حذیفہ' عقبہ' ابن زبیر' ابومسعود بدری' ابوسعید خدری' براء بن عازب' ابوہریرہ' عمر بن الخطاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے' ان کے علاوہ حسن بصری' ثوری اور ایک قول امام احمد کا بھی یہی ہے۔ حنفیہ کی تحقیق میں دوسرے تمام اقوال و آثار کی سند ضعیف اور مجروح ہے اور صحت سند کے لحاظ سے ابن مسعود کا اثر زیادہ قوی ہے۔

فائدہ جمہور کے نزدیک تکبیرات عیدین کے درمیانی کوئی اور ذکر مسنون نہیں۔ امام شافعی و احمد کے نزدیک یہ کلمات مستحب ہیں۔ الباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابًا و خیر املا' سبحان اللہ والحمدللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔

---

[1]۔ صحیحین ۱۲ [2]۔ ابن ماجہ ۱۲ [3]۔ ترمذی' ابن ماجہ' دارمی ۱۲ [4]۔ عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ' طحاوی' طبرانی ۱۲ [5]۔ ابوداؤد' طحاوی' احمد' بیہقی ۱۲

ثم يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاَحْكَامَهَا وَمَنْ فَاتَتْهُ
پھر خطبہ دے نماز کے بعد دو خطبے جن میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام کی تعلیم کرے اور جس سے فوت ہو جائے

صَلٰوةُ الْعِيْدِ مَعَ الْاِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا فَاِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُ وْاعِنْدَالْاِمَامِ بِرُؤْيَةِ
نماز عید امام کے ساتھ تو اس کو قضا نہ کرے اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور گواہی دیں امام کے رو برو چاند

الْهِلَالِ بَعْدَالزَّوَالِ صَلَّى الْعِيْدَ مِنَ الْغَدِفَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْيَوْمِ
دیکھنے کی زوال کے بعد تو دوسرے روز نماز پڑھائے اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو لوگوں کو نماز پڑھنے سے روک دے

الثَّانِىْ لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهٗ وَيُسْتَحَبُّ فِىْ يَوْمِ الْاَضْحٰى اَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَتَطَيَّبَ وَيُؤَخِّرَ الْاَكْلَ
دوسرے دن تو اس کے بعد نہ پڑھیں اور مستحب ہے عیدالاضحٰی کے دن غسل کرنا اور خوشبو لگانا اور کھانے کو مؤخر کرنا

حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ وَيَتَوَجَّهُ اِلَى الْمُصَلّٰى وَهُوَ يُكَبِّرُ وَيُصَلِّى الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ
یہاں تک کہ فارغ ہو جائے نماز سے اور جائے عیدگاہ کو تکبیر کہتا ہوا اور نماز پڑھے عیدالاضحٰی کی دو رکعتیں عیدالفطر

الْفِطْرِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الْاُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ
کی طرح اور خطبہ پڑھے نماز کے بعد دو خطبے جن میں تعلیم دے لوگوں کو قربانی کی اور تکبیرات تشریق کی

فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْاَضْحٰى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِوَ بَعْدَالْغَدِوَ
اگر پیش آ جائے ایسا عذر جو روک دے لوگوں کو نماز سے عیدالاضحٰی کے دن تو نماز پڑھے دوسرے دن یا تیسرے دن

لَايُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ وَ تَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهٗ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَ
اس کے بعد نہ پڑھے۔ اور تکبیر تشریق کا آغاز نماز فجر کے بعد سے ہے عرفہ کے روز اور

اٰخِرُهٗ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَّوْمِ النَّحْرِ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفُ وَ مُحَمَّدٌ
اس کا آخر نماز عصر کے بعد ہے قربانی کے روز امام ابوحنیفہ کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں

اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ اٰخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَالتَّكْبِيْرُ عَقِيْبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوْضَاتِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
کہ نماز عصر کے بعد ہے ایام تشریق کے آخری دن سے اور یہ تکبیر فرض نمازوں کے بعد ہے اس طرح

اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ

توضیح اللغۃ غم۔ پوشیدہ ہونا' الہلال۔ چاند' الغد۔ آئندہ کل' یتطیب۔ خوشبو لگائے' المصلی۔ عیدگاہ' الاضحیۃ۔ قربانی' حدث۔ پیش آ جائے' عقیب۔ بعد' پیچھے' یوم عرفہ۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ' یوم النحر۔ دسویں تاریخ۔

تشریح الفقہ قولہ ثم یخطب الخ نماز سے فراغت کے بعد امام دو خطبے پڑھے اور لوگوں کو صدقہ فطر احکام خمسہ کی تعلیم دے یعنی یہ بتائے کہ صدقہ فطر کس پر واجب ہے' کس کے لیے واجب ہے' کب واجب ہے' کتنا واجب ہے اور کس چیز سے واجب ہے جن کی تشریح ''باب صدقۃ الفطر'' کے ذیل میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور اگر نماز سے پہلے ہی خطبہ پڑھ لیا' تب بھی درست ہے لیکن ایسا کرنا برا ہے کیونکہ اس میں ترک سنت ہے۔ پھر جو چیز خطبہ جمعہ میں مسنون اور مکروہ ہے وہی خطبہ عیدین میں مسنون و مکروہ ہے اور بقول طحطاوی صرف دو باتوں کا فرق ہے' ایک یہ کہ خطبہ عیدین سے قبل تکبیر کہنا مسنون ہے خطبہ جمعہ میں یہ بات نہیں ہے۔ دوم یہ کہ خطبہ جمعہ سے پہلے بیٹھنا مسنون ہے' خطبہ عیدین میں یہ بات

نہیں ہے۔

قولہ ومن فاتتہ الخ اگر کسی شخص سے نماز عیدین فوت ہو جائے تو طرفین کے نزدیک اس کی قضا نہیں ہے اسی پر فتویٰ ہے اگر چہ اس کا فوت ہونا خود اس کے فاسد کرنے سے ہو جیسا کہ بحر الرائق کے باب التیمم میں مذکور ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد کرنے کی صورت میں قضا لازم ہے لیکن پہلا قول اصح ہے۔

قولہ فان غم الهلال الخ نماز عید کا وقت یکم شوال کے زوال آفتاب کے پہلے تک ہے اب اگر یکم شوال کو کسی عذر کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکے۔ مثلاً یہ کہ چاند ہونے کی اطلاع زوال کے وقت ملی یا بارش وغیرہ کا عذر تھا تو عید الفطر کی نماز اگلے روز زوال تک پڑھ سکتے ہیں اور نماز بقر عید تیسرے دن یعنی بارہویں کے زوال تک پڑھ سکتے ہیں۔ پس یہ تاخیر عید الاضحیٰ کی نماز میں بلا عذر مکروہ ہے اور بوجہ عذر بلا کراہت جائز ہے۔ بخلاف عید الفطر کی نماز کے کہ اس کی تاخیر بلا عذر جائز ہی نہیں۔ پھر اگلے روز کی نماز ادا ہوگی یا قضاء؟ سو قہستانی نے دونوں قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ دوسرے دن کی نماز قضاء ہوگی، دوم یہ کہ ادا ہوگی۔

قولہ و تکبیر التشریق الخ تکبیرات تشریق بقول سنت اور بقول اصح واجب ہے، جس کی ابتداء تو بالاتفاق عرفہ کے دن یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی نماز فجر کے بعد ہے اور انتہا امام صاحب کے نزدیک یوم نحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی نماز عصر کے بعد تک ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے اور حسن بصری سے بھی منقول ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ذی الحجہ کی تیرہویں کی عصر تک ہے۔ حضرت عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عمارؓ، زید بن ثابتؓ، ابو سعیدؓ، عثمان غنیؓ، ابو بکر صدیقؓ، رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کا یہی قول ہے اور یہی سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، احمدؒ، ابو ثورؒ کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول ہے تو امام صاحب کے نزدیک وہ نمازیں آٹھ ہیں جن کے بعد تکبیرات ہیں اور صاحبین کے نزدیک تیئیس نمازیں ہیں۔ پس امام صاحب نے اس سلسلہ میں اقل کو اختیار کیا ہے کیونکہ جہراً تکبیر کہنا ایک قسم کی بدعت (اور نئی سی بات ہے) لہذا کم سے کم پر عمل کیا جائے گا اور صاحبین نے اکثر کو لیا کیونکہ اس میں کم والا قول بھی داخل ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے۔ صاحبین ہی کے قول پر اعتماد ہے، اسی پر عمل ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ عقیب الصلوات الخ صاحبین کے نزدیک تکبیرات تشریق تابع فرض ہیں علی الاطلاق پس جو شخص بھی فرض نماز پڑھے، اس پر تکبیر واجب ہے، یہاں تک کہ مسافر، دیہاتی اور عورتوں پر بھی واجب ہے۔ امام صاحب کے نزدیک ان پر واجب نہیں، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

بَابُ صلوٰةِ الْكُسُوفِ

باب سورج گرہن کی نماز کے بیان میں

اِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ

جب سورج گہن ہو تو نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں نفل کی طرح

النَّافِلَةِ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيْهِمَا وَ يُخْفِىْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ

اور ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے اور ان میں قرأت طویل کرے اور آہستہ پڑھے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام

اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يَجْهَرُ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدَهَا حَتّٰى تَنْجَلِىَ الشَّمْسُ وَيُصَلِّىْ بِالنَّاسِ اِمَامُ الَّذِىْ

ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جہراً پڑھے پھر نماز کے بعد دعاء کرے یہاں تک کہ سورج کھل جائے اور یہ نماز وہی امام پڑھائے جو

يُصَلِّيْ بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَاِنْ لَّمْ يَحْضُرِالْاِمَامُ صَلَّاهَا النَّاسُ فُرَادٰى وَلَيْسَ فِيْ خُسُوْفِ الْقَمَرِ
لوگوں کو جمعہ پڑھاتا ہے اگر امام نہ ہو تو لوگ اکیلے پڑھیں اور چاند گہن میں جماعت نہیں ہے

جماعۃٌ وَاِنَّمَا يُصَلِّيْ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهٖ وَلَيْسَ فِي الْكُسُوْفِ خُطْبَةٌ
بلکہ ہر ایک اپنی اپنی پڑھ لے اور نہیں ہے سورج گہن میں خطبہ۔

توضیح اللغۃ انکسفت (ض) الشمس۔ آفتاب گہن لگنا' تجلی۔ روشن ہو جائے' فرادی۔ تنہا' خسوف۔ چاند گرہن۔

تشریح الفقہ قولہ باب الخ نماز عید کے ساتھ اس باب کی مناسبت یا تو باعتبار اتحاد ہے یا باعتبار تضاد' اتحاد سے مراد یہ ہے کہ نماز عید اور نماز کسوف دونوں میں جماعت بلا اذان و بلا تکبیر ہوتی ہے' تضاد سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دو حال ہیں۔ ایک امن و سرور کا' دوسرا اندوہ و خوف کا عید امن و سرور کا موقع ہے اور گرہن خوف و اندوہ کا' یا یہ کہ عیدین میں جماعت شرط ہے اور جہر سے پڑھنا واجب ہے بخلاف کسوف کے۔

لغت کے اعتبار سے کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ یقال کسفت الشمس تکسف کسوفاً' کسفها الله کسفاقال جریر یرثی عمر بن عبدالعزیز

الشمس طالعة ليست بكاسفة تبکی علیک نجوم اللیل والقمرا

لیکن کبھی کبھی دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ عینی نے کہا ہے کہ فقہاء کی عبارات میں کسوف مخصوص بہ آفتاب ہے اور خسوف مخصوص بہ ماہتاب اور یہی افصح ہے۔

قولہ اذا انکسفت الشمس الخ جب سورج گرہن ہونے لگے تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح ایک ایک رکوع کے ساتھ دو دو رکعات پڑھائے پس احناف کے نزدیک جمعہ و عیدین کی طرح نماز کسوف و خسوف کی بھی دو رکعات ہیں اور دیگر نمازوں کے مثل اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ہر رکعت میں دو دو رکوع ہیں۔ دلیل حضرت عائشہ وغیرہ کی احادیث ہیں' جن میں یہ ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں میں چار رکوع کیے[1]" ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ کی احادیث ہیں جن میں ایک رکوع اور ایک سجدہ کی صراحت ہے[2]۔ دراصل اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد و مختلف روایات وارد ہیں بعض میں صرف ایک رکوع ہے' بعض میں دو' بعض میں تین' بعض میں چار' بعض میں پانچ' حتی کہ دس رکوع تک کے ساتھ روایات ہیں' یہاں ہر ایک کی تفصیل کا موقع نہیں' اجمالاً ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ایک اور دو رکوع والی احادیث کے متعلق تو ہم عرض کر چکے ہیں' تین رکوع والی حدیث صحیح مسلم میں حضرت عائشہ' جابر اور ابن عباس سے مروی ہے' چار رکوع والی حدیث ابن عباس و علی سے ہے مگر حضرت علی کے الفاظ مذکور نہیں' پانچ رکوع والی روایت حضرت ابی بن کعب سے ابوداؤد میں ہے نیز ابوداؤد نے ہر رکعت میں دس رکوع اور دو سجدے بھی روایت کیے ہیں اور ابن عبدالبر و ابن حزم نے حضرت عائشہ سے بھی دس رکوع کی روایت ذکر کی ہے۔ ابن حزم نے محلی میں ان سب احادیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ احادیث نہایت صحیح ہیں اور صحابہ و تابعین سے عمل ثابت ہے' تعجب ہے کہ شوافع صرف دو رکوع کو لیتے ہیں اور زیادہ کو جائز نہیں کہتے' بات اصل یہ ہے کہ ایک سے زائد والی احادیث میں آپ کے فعل کی حکایت ہے جس میں مشاہدہ غلطی' واقعہ کی مخصوص نوعیت' ذات گرامی کا امتیاز' متعدد احتمال ہو سکتے ہیں پس آپ کی قولی احادیث جن میں آپ

[1] ائمہ ستہ عن عائشہ' صحیحین عن ابن عباس و ابن عمرو بن العاص' بخاری عن اسماء' مسلم عن جابر ۱۲۔ [2] ابوداؤد' نسائی' ترمذی (فی الشمائل) حاکم عن ابن عمر' ابوداؤد' نسائی عن سمرہ' نسائی' احمد' حاکم عن النعمان' بخاری' نسائی' ابن حبان عن ابی بکرہ' ابوداؤد' نسائی' بیہقی عن قبیصہ ۱۲۔

نے ایک ایک رکوع کے ساتھ دونوں رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے فقہی قاعدہ کے اعتبار سے راجح ہوں گی کیونکہ قولی حدیث میں امت کے لیے ایک واضح حکم ہوتا ہے' اس لیے جہاں فعلی اور قولی حدیثوں میں کوئی تضاد ہو وہاں قولی حدیث ہی امت کے قابل اتباع قرار دی جائے گی۔

قوله و یخفی عندابی حنیفة الخ امام صاحب کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرأت سراً ہے' یہی امام مالک وامام شافعی کا قول ہے۔ صاحبین کے نزدیک اور امام احمد کے نزدیک جہراً ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ خسوف میں قرأت زور سے پڑھی[1]۔ امام صاحب کی دلیل حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کسوف پڑھی تو آپ سے قرأت کا ایک حرف نہیں سنا[2]" اخفاء قرأت کی روایتیں چونکہ مردوں کی ہیں' اس لیے ان کو ترجیح ہوگی کیونکہ قرب کی وجہ سے ان پر حال زیادہ واضح ہوتا ہے۔

قوله و لیس فی الکسوف خطبة الخ احناف اور امام مالک کے نزدیک نماز کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کسوف میں جو آپ کے فرزند ابراہیم کی وفات کے دن ہوا' خطبہ پڑھا تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ خطبہ کسوف کی خصوصیت سے نہ تھا۔ بلکہ جو لوگ یہ وہم کر رہے تھے کہ یہ گرہن آپ کے لخت جگر کی موت کے باعث ہوا ہے' ان کا وہم دور کرنا تھا۔

بَابُ صَلٰوةِ الْاِسْتِسْقَاءِ

باب طلب باراں کی نماز کے بیان میں

قَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوةٌ مَسْنُوْنَةٌ بِالْجَمَاعَةِ

امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ طلب باراں کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے

فَاِنْ صَلَّى النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَاِنَّمَا الْاِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ

اگر لوگ تنہا پڑھیں تو جائز ہے استسقاء تو صرف دعاء و استغفار ہے امام ابویوسفؒ و

مُحَمَّدٌ[3] رحمهما الله يُصَلِّى الْاِمَامُ رَكْعَتَيْنِ يَجْهَرُ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھائے امام دو رکعتیں جن میں قرأت جہراً پڑھے پھر خطبہ دے اور قبلہ رخ ہو کر

بِالدُّعَاءِ وَيُقَلِّبُ الْاِمَامُ رِدَاءَهٗ وَلَا يُقَلِّبُ الْقَوْمُ اَرْدِيَتَهُم وَلَا يَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْاِسْتِسْقَاءِ

دعاء کرے اور پلٹ دے امام اپنی چادر اور نہ پلٹیں لوگ اپنی چادریں اور نہ شامل ہوں ذمی لوگ نماز استسقاء میں

تشریح الفقہ **قوله باب الخ** باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں نمازوں میں عام اجتماع ہوتا ہے نیز یہ دونوں حالت حزن میں ادا ہوتی ہیں اور اس کو صلوٰۃ کسوف سے اس لیے مؤخر کیا ہے کہ اس کی سنیت وعدم سنیت میں اختلاف ہے کمافی الدر' استسقاء کے لغوی معنی پانی طلب کرنے کے ہیں کہا جاتا ہے سقاک اللہ وسقاہ۔ خدا تجھے سیراب کرے۔ و فی القرآن "وسقاهم ربهم شرابًا طهورًا" وقال الله تعالىٰ "واسقينكم ماء فراتا" اصطلاح شرع میں خشک سالی کے موقع پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعاء مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے' جس کی ابتداء ۶ھ میں ہوئی ہے پھر استسقاء ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں دریا' جھیل' چشمہ وغیرہ نہ ہو' جس سے

---

[1] صحیحین عن عائشہ' بخاری' ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان عن اسماء ۱۲۔ [2] احمد' ابویعلی' ابونعیم' طبرانی' بیہقی عن ابن عباس' اصحاب سنن' حاکم' طحاوی' ابن حبان عن سمرہ ۱۲۔ [3] فی الکافی قال محمد لاصلوٰة فی الاستسقاء انمافیه الدعاء بلغناعنه علیه السلام انه خرج و دعا ولم یبلغنا عنه فی ذلک الاحدیث شاذ' و هذایؤید مذهب ابی حنیفه ۱۲۔

سیرابی حاصل کی جا سکے یا یہ چیزیں تو ہوں مگر لوگوں کی ضروریات کے لیے ناکافی ہوں۔ استسقاء کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع سب سے ہے۔ قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا گیا "فقلت استغفروا ربکم" میں نے کہا: اپنے رب سے مغفرت چاہو کہ وہ بہت بخشنے والا ہے وہ تم پر کثرت سے برسنے والا مینہ بھیجے گا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برائے استسقاء نکلنا ثابت ہے اور آپ کے بعد خلفاء نے اور امت نے بلانکیر ایسا کیا ہے۔

قولہ قال ابو حنیفة الخ صلوٰۃ استسقاء مسنون ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف نے امام صاحب سے اس کی بابت سوال کیا؟ آپ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ تو نماز نہیں ہے۔ یہ تو صرف دعاء استغفار ہے البتہ اگر لوگ تنہا تنہا پڑھیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس حکایت سے صلوٰۃ استسقاء کے سنت یا مستحب ہونے کی نفی ہوتی ہے البتہ منفرد کے حق میں اباحت نکلتی ہے لیکن صاحب تحفہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ظاہر الروایہ میں صلوٰۃ استسقاء نہیں ہے اس سے علی الاطلاق اس کی مشروعیت کی نفی ہوتی ہے۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام یا اس کا نائب جمعہ کی طرح جماعت کے ساتھ صلوٰۃ استسقاء کی دو رکعتیں پڑھائے۔ امام ابو یوسف ایک روایت میں امام محمد کے ساتھ ہیں۔ کما فی الجندی اور ایک روایت میں امام صاحب کے ساتھ ہیں کما فی المبسوط۔ امام مالک کے نزدیک بھی مسنون ہے بلکہ امام شافعی و امام احمد کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے کیونکہ بقول علامہ عینی سترہ صحابہ سے نماز پڑھنے کی روایات ثابت ہیں[1]۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ سنت سے مراد وہ فعل ہوتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطریق مواظبت کیا ہو اور کبھی کبھی تعلیم جواز کے لیے ترک کیا ہو نماز استسقاء میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ متعدد روایات میں صرف دعاء پر اکتفا ہے چنانچہ غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضرت عمرؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی التجا پر دعاء کے لیے دست مبارک اٹھائے تو ناگاہ ایک ابر کا ٹکڑا نمودار ہوا اور اس نے جھوم کر پانی برسا دیا۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! مویشی اور اونٹوں کا گلہ ہلاک ہو گیا اور راہیں بند ہو گئیں تو آپ نے دست مبارک اٹھا کر یہ دعا فرمائی "اللھم اغثنا الخ"[2]

قولہ ثم یخطب الخ خطبہ تابع جماعت ہوتا ہے اور صلوٰۃ استسقاء میں امام صاحب کے نزدیک جماعت ہی نہیں۔ لہٰذا خطبہ کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک صرف ایک خطبہ اور امام محمد کے نزدیک دو خطبے جن کا اکثر حصہ دعاء و استغفار پر مشتمل ہوگا۔

قولہ و یقلب الامام الخ استسقاء میں امام صاحب کے نزدیک قلب رداء نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک دعاء ہے تو جس طرح دیگر ادعیہ میں قلب رداء نہیں، اسی طرح اس میں بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن امام محمد اور بقول صاحب محیط امام ابو یوسف اور امام مالک، شافعی، احمد فرماتے ہیں کہ قلب رداء کرے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قلب رداء ثابت ہے۔[3] علامہ شامی فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، قلب رداء کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پشت کی طرف لے جا کر داہنے ہاتھ سے بائیں پلو کا نچلا گوشہ اور بائیں ہاتھ سے داہنے پلو کا نچلا گوشہ پکڑ کر دونوں ہاتھوں کو اس طرح گھمائے کہ دایاں پلو بائیں کاندھے پر اور بایاں پلو داہنے کاندھے پر آ جائے، اس طرح چادر کی ہیئت منقلب ہو جائے گی جس میں خشک سالی کو خوش حالی سے بدلنے کا شگون ہے۔

قولہ ولایحضر اھل الذمة الخ استسقاء کے لیے ذمی اور کافر لوگ شامل نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نکلنا دعاء کے لیے ہے۔ وما دعاء الکافرین الا فی ضلال، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی علیحدگی کے لیے فرمایا ہے۔ فقال انا بریء من کل مسلم مع مشرک، لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ آ جائیں تو منع نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] ائمہ ستہ عن ابن زید بن عاصم، سنن اربعہ حاکم، ابن حبان، دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس، طبرانی عن انس، ابن ماجہ، بیہقی، طحاوی عن ابی ہریرہ، ابوداؤد، ابن حبان، حاکم عن عائشہ ۱۲۔ [2] صحیحین ۱۲۔ [3] ائمہ ستہ، احمد عن ابن زید بن عاصم، حاکم دارقطنی عن جابر، طبرانی عن انس ۱۲۔

بَابُ قِیَامِ شَھْرِ رَمَضَانَ

باب رمضان میں تراویح پڑھنے کے بیان میں

یَسْتَحِبُّ اَنْ یَجْتَمِعَ النَّاسُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بَعْدَالْعِشَاءِ
مستحب ہے یہ کہ لوگ جمع ہوں ماہ رمضان میں عشاء کے بعد

فَیُصَلِّیْ بِھِمْ اِمَامُھُمْ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ فِیْ کُلِّ تَرْوِیْحَۃٍ تَسْلِیْمَتَانِ وَیَجْلِسُ بَیْنَ کُلِّ تَرْوِیْحَتَیْنِ
پس پڑھائے ان کو امام پانچ ترویحے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں اور بیٹھے ہر دو ترویحوں کے درمیان

مِقْدَارَ تَرْوِیْحَۃٍ ثُمَّ یُوْتِرُبِھِمْ وَلَا یُصَلِّی الْوِتْرُ بِجَمَاعَۃٍ فِیْ غَیْرِ شَھْرِ رَمَضَانَ
ایک ترویحہ کی مقدار پھر ان کو وتر پڑھائے اور نہ پڑھی جائے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ماہ رمضان کے علاوہ میں

تشریح الفقہ قولہ باب الخ قیام شہر رمضان'' سے مراد نماز تراویح ہے۔ صاحب کتاب نے نماز تراویح کو باب النوافل میں بیان نہیں کیا بلکہ اس کے لیے مستقل باب لائے ہیں اس واسطے کہ تراویح کی جو خصوصیات ہیں۔ مثلاً جماعت کے ساتھ ہونا' تعداد اور رکعات کا معین ہونا' ایک بار ختم قرآن کا مسنون ہونا وغیرہ وہ مطلق نوافل میں نہیں ہیں اور استقاء کے بعد اس لیے لائے ہیں کہ نماز استقاء نوافل نہار میں سے ہے اور تراویح نوافل لیل میں سے ہے پھر اس پر قیام کا اطلاق کیا ہے اس واسطے کہ حدیث میں ہے ''ان اللہ فرض علیکم صیام رمضان و سنت لکم قیامہ'' کذا فی الجوہر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے[1]۔ برہان میں لکھا ہے کہ روافض کے سوا کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں۔

قولہ یستحب الخ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح دس سلام اور پانچ ترویحوں کے ساتھ بعد العشاء قبل از وتر جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ یہی اکثر مشائخ کا قول ہے۔ امام احمد اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جماعت مستحب اور افضل ہے' یہی عام علماء کے نزدیک مشہور ہے اور اسی کو مبسوط میں اصح کہا ہے' یستحب ان یجتمع الناس اھ'' کا بھی یہی مطلب ہے' اسی لیے صاحب کتاب نے یستحب التراویح نہیں کہا۔

قولہ خمس ترویحات الخ عدد رکعات تراویح کی بابت ۴۱'۴۰'۳۸'۳۶'۳۴'۲۸ اور ۲۰ رکعتوں کے اقوال روایات سے ثابت ہیں لیکن جمہور علماء ابوحنیفہ شافعی احمد' ثوری' ابن مبارک وغیرہ حضرات بیس رکعات ہی کے قائل ہیں۔ امام مالک کا بھی ایک قول یہی ہے۔ سائب بن یزید' یزید بن رومان' عبدالعزیز بن رفیع' یحیٰی بن سعید وغیرہم کی روایات میں یہی عدد مقبول ہے[2]۔ حضرت علی کے اثر میں بھی یہی عدد ہے۔

قولہ ولا یصلی الوتر الخ نوازل میں ہے کہ غیر رمضان میں بھی وتر جماعت کیساتھ جائز ہے۔ ینابیع میں ہے کہ اگر وتر کی نماز غیر رمضان میں امام کے ساتھ پڑھی تو کافی ہو جائے گی' لیکن یہ مستحب نہیں ہے۔ پس صاحب کتاب کے قول ''لا یصلی الوتر بجماعۃ'' میں اصل جواز کی نفی نہیں بلکہ کراہت مراد ہے۔

---

[1]۔ صحیحین' ابوداؤد' احمد عن عائشہ ۱۲۔ [2]۔ بیہقی عن سائب' مالک عن یزید' ابن ابی شیبہ عن عبدالعزیز و یحییٰ ۱۲۔

بَابُ صلوةِ الخَوف

باب خوف کی نماز کے بیان میں

قولہ باب الخ باب سابق کے ساتھ اس باب کی مناسبت بحیثیت تضاد ہے کیونکہ قیام رمضان حالت سرور ہے اور خوف حالت حزن ہے' نماز ایک ایسا بنیادی فریضہ ہے کہ جب تک انسان کے ہوش وحواس قائم ہیں' کسی حالت میں بھی اس کا ترک جائز نہیں لیکن انسانی زندگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ نماز ادا کرنا دشواری نہیں' بلکہ بعض اوقات محال ہو جاتا ہے۔ زمانہ امن وامان میں اطمینان کے ساتھ ادا کر لینا بہت آسان ہے' لیکن زمانہ جنگ اور خوف وخطر کی حالت میں سکون کے ساتھ نماز پڑھنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے مگر اس طرح کے ہنگامی حالات میں بھی نماز یک قلم موقوف نہیں کی گئی' بلکہ اس کی ادائیگی کے طریق میں ایسی سہولت پیدا کر دی گئی ہے کہ جہاں اس فریضہ کا ترک نہ ہونے پائے وہیں دشمن کو بھی غلبہ پانے کا موقع نہ ملے' صلوٰۃ خوف کا حکم قرآن کے پانچویں پارے میں بہت صراحت کے ساتھ آیا ہے' اس کی تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ البتہ کچھ علماء نے قرائن سے یہ سمجھا ہے کہ یہ صرف حالت سفر کے لیے ہے' حالت اقامت میں تخفیف کا حکم نہیں ہے۔ امام مالک کی رائے یہی ہے۔ بعض کے نزدیک حکم تخفیف صرف عہد رسالت تک تھا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امام نہیں بن سکتا تھا' آپ کے بعد یکے بعد دیگرے دو امام نماز پڑھا سکتے ہیں لہذا اب اس کی ضرورت نہیں۔ امام مزنی' حسن بن زیاد اور امام ابو یوسف کا خیال یہی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم عام ہے نہ آپ کی حیات تک محدود ہے نہ سفر کے ساتھ مخصوص۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع بطن نخلہ' عسفان اور ذی قرد۔ چار جگہوں میں صلوٰۃ خوف پڑھی [1] بعض حضرات نے دس جگہوں کے متعلق لکھا ہے اور علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ امداد الفتاح میں حاوی سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف چوبیس مرتبہ پڑھی ہے' آپ کے بعد متعدد صحابہ نے مختلف مواقع پر ادا کی ہے چنانچہ حضرت سعید بن العاص کے ساتھ طبرستان کی فتح میں حضرت حذیفہ نے سردار کی اجازت سے ایک ایک رکعت کر کے صلوٰۃ خوف [2] پڑھائی۔ عبد الرحمٰن بن سمرہ نے کابل پر جہاد کرنے میں نماز خوف پڑھائی' اور حضرت علی نے لیلۃ الہریر اور صفین میں مغرب کی نماز خوف پڑھائی [3] ابو موسیٰ اشعری نے اصبہان میں اور سعد بن ابی وقاص نے حضرت حذیفہ' ابن عمرو بن العاص اور حسن بن علی کے ساتھ طبرستان میں نماز خوف پڑھی۔ سوال اگر نماز خوف جائز ہوتی' تو غزوہ خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں کیوں قضا ہوتیں؟ جواب غزوہ خندق مقدم ہے اور نماز خوف مؤخر' پس صلوٰۃ خوف کا حکم آنے کے بعد تاخیر صلوٰۃ منسوخ قرار پائی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مبسوط' ملتقی الابحر' مفید' شرح مختصر الکرخی وغیرہ میں منصوص ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا ہے پس ہمارے اصحاب کے نزدیک بالاتفاق نماز خوف جائز ہے۔

اِذَا اشْتَدَّالْخَوفُ جَعَلَ الْاِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً

جب خوف زیادہ ہو جائے تو کر دے امام لوگوں کو دو گروہ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور ایک اپنے

خَلْفَهٗ فَيُصَلِّى بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَين فَاِذَارَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ

پیچھے پس اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائے دو سجدوں کے ساتھ جب امام سر اٹھائے دوسرے سجدہ سے

مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَ تْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ فَيُصَلِّى بِهِمُ الْاِمَامُ رَكْعَةً

تو چلا جائے یہ گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور آئے دوسرا گروہ پس اس کو امام ایک رکعت پڑھائے

[1] حدیث ذات الرقاع اخرجہ البخاری ومسلم عن سہل وحدیث بطن نخلہ اخرجہ النسائی والطحاوی والطیالسی واحمد عن جابر وحدیث عسفان اخرجہ ابو داؤد والنسائی والطحاوی والبیہقی و احمد عن ابن الصامت وحدیث ذی قرد اخرجہ النسائی والطحاوی والاحکم عن ابن عباس ۱۲ [2] ابو داؤد' نسائی ۱۲ [3] بیہقی ۱۲

وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهد وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْا اِلٰى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَ تِ الطَّائِفَةُ

دو سجدوں کے ساتھ اور تشہد پڑھ کے سلام پھیر دے اور یہ لوگ سلام نہ پھیریں بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں پھر پہلا گروہ

الْاُوْلٰى فَصَلُّوْاوُحْدَانًارَكْعَةً وَسَجْدَتَيْن بِغَيْرِ قِرَاء ةٍ وَ تَشَهَّدُ وْاوَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا اِلٰى

آئے اور تنہا تنہا ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ بلا قراء ۃ پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے

وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَ تِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى وَصَلُّوْا رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ بِقِرَاءَ ةٍ وَتَشَهَّدُوْا

مقابلہ میں چلا جائے اس کے بعد دوسرا گروہ آئے اور وہ ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ مع قراء ۃ پڑھے اور تشہد کے

وَسَلَّمُوا فَاِنْ كَانَ مُقِيْمًا صَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰى رَكْعَتَيْنِ وَ بِالثَّانِيَةِ رَكْعَتَيْنِ وَيُصَلِّى بِالطَّائِفَةِ

بعد سلام پھیر دے اگر امام مقیم ہو تو پڑھائے پہلے گروہ کو بھی دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں اور پڑھائے

الْاُوْلٰى رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَبِالثَّانِيَةِ رَكْعَةً وَلَايُقَاتِلُوْنَ فِىْ حَالِ الصَّلٰوةِ فَاِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ

پہلے گروہ کو دو رکعتیں مغرب کی اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت اور نہ لڑیں نماز کی حالت میں اگر ایسا کیا

بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ وَاِنِ اشْتَدَّالْخَوْفُ صَلَّوْارُكْبَانًا وُحْدَانًا يُوْمُوْنَ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِلٰى اَىِّ

تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر خوف بہت ہی زیادہ ہو تو اپنی اپنی سواری پر تنہا تنہا رکوع سجدہ کے اشارہ سے پڑھیں

جِهَةٍ شَاؤُوْا اِذَالَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى التَّوَجُّهِ اِلَى الْقِبْلَةِ

جس طرف چاہیں اگر قادر نہ ہوں قبلہ رخ ہونے پر

توضیح اللغۃ طائفۃ۔ جماعت' العدو۔ دشمن' وحدانا۔ اکیلے اکیلے' رکبانا۔ سوا ہو کر۔

تشریح الفقہ قولہ اذا اشتد الخ نماز خوف صاحب کتاب کی ہے جو بعض کے نزدیک شرط ہے' اسی کو صاحب کنز و کافی نے لیا ہے' مگر علماء کے نزدیک اشتداد شرط نہیں ہے چنانچہ مبسوط' تحفہ اور محیط میں نماز خوف جائز ہونے کے لیے صرف دشمن کا سامنے ہونا شرط قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام نے کہا ہے کہ حقیقۃ خوف مراد نہیں بلکہ دشمن کا موجود ہونا اس کے قائم مقام ہے جیسے رخصت قصر' نفس سفر سے وابستہ ہے نہ کہ حقیقت مشقت سے چونکہ سفر سبب مشقت ہے' اس لیے وہ مشقت کے قائم مقام ہے پس ایسے ہی دشمن کا موجود ہونا خوف کا قائم مقام ہے۔

قولہ جعل الامام الخ جب دشمن (وغیرہ) کی وجہ سے خوف بڑھ جائے تو امام مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر کے ایک کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کر دے اور دوسرے کو ایک رکعت نماز پڑھائے۔ اور خود سلام پھیر دے (یہ لوگ سلام نہ پھیریں) بلکہ امام کے سلام کے بعد یہ لوگ پھر دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں اور پہلا گروہ جو شروع کی ایک رکعت پڑھ کر گیا تھا وہ آئے اور اپنی باقی نماز بلاقرأت پوری کرے کیونکہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں ہے' نماز پوری کر کے یہ لوگ دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں' اور دوسرا گروہ آ کر اپنی بقیہ نماز قرأت کے ساتھ پوری کرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور مسبوق پر قرأت لازم ہے۔

فائدہ کتب حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر حسب سہولت متعدد طریقوں سے نماز خوف ادا کی ہے' امام ابوداؤد نے سنن میں اور حاکم نے آٹھ صورتیں اور ابن حبان نے صحیح میں نو صورتیں اور قاضی عیاض نے اکمال میں تیرہ صورتیں ذکر کیا ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کی سولہ صورتیں تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس کی تصریح صاحب کتاب اور ابونصر بغدادی نے بھی کی ہے۔ حافظ عراقی شرح ترمذی

میں فرماتے ہیں کہ میں نے صلوٰۃ خوف سے متعلق احادیث واردہ کے طرق کو جمع کیا تو اس کی صورتیں سترہ تک پہنچ گئیں' ان میں سے ہر صورت جائز ہے۔صرف راجح ومرجوع کی بات ہے۔صاحب کتاب نے جو طریقہ ذکر کیا ہے۔اس کی اصل حضرت ابن مسعود کی روایت ہے جس کو ابوداؤد اور بیہقی نے روایت کیا ہے لیکن اول تو اس میں خصیف راوی قوی نہیں۔دوم یہ کہ ابوعبیدہ نے ابن مسعود سے نہیں سنا۔مبسوط وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہے' صورت مذکورہ کو امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابن عباس کا قول بتایا ہے۔ظاہر ہے کہ اس قسم کی چیزوں میں رائے کو دخل نہیں ہوتا لہذا ابن عباس کا یہ قول بمنزلہ مرفوع حدیث کے ہے۔

قولہ فان کان مقیمًا الخ اگر امام مقیم ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائے اور دوسرے گروہ کو بھی دو رکعتیں پڑھائے کیونکہ جب امام مقیم ہو تو تبعیت کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی چار رکعت ہو جاتی ہے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلے گروہ کو دو رکعتیں اور دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھائے۔کیونکہ پہلا گروہ نصف صلوٰۃ کا مستحق ہے اور ایک رکعت کی تنصیف ناممکن ہے اس لیے پہلا گروہ بحکم سبقت زیادہ مستحق ہے۔امام ثوری اس کے عکس کے قائل ہیں' اس واسطے کہ فرض قرأت پہلی دو رکعتوں میں ہے تو اس میں دونوں گروہ کا حصہ ہونا چاہیے لیکن یہ یاد رہے کہ دوران نماز میں عمل کثیر کے ساتھ مقاتلہ کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

قولہ وان اشتدالخوف الخ اگر خوف حد سے بڑھ جائے اور بصورت مذکورہ نماز خوف ادا نہ کر سکیں تو پیادہ پا ہو کر تنہا تنہا نماز پڑھ لیں اور اگر سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں اور اگر اس کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر نماز قضاء کریں۔

بابُ الجَنائِز

باب جنازہ کے بیان میں

اِذَا حُتُضِرَ الرَّجُلُ	وُجِّهَ	اِلَی	الْقِبْلَۃِ	عَلٰی	شِقِّہٖ	الْاَ	یْمَنِ	وَلُقِّنَ	الشَّھَادَتَیْنِ
جب آدمی مرنے لگے	تو	قبلہ رخ کر دیا جائے			داہنی کروٹ پر			اور	شہادتین کی تلقین کی جائے

__تشریح الفقہ__ **قولہ باب الخ** خوف وقتال کبھی مفضی الی الموت ہو جاتے ہیں' اس لیے نماز جنازہ کو نماز خوف کے بعد لا رہے ہیں' نیز اب تک جن نمازوں کا تذکرہ ہوا ہے ان کا تعلق انسان کی حیات سے ہے ان کے بعد اس نماز کا ذکر بھی ضروری تھا جو اس دنیا سے سدھارنے کے بعد زمین کی آغوش میں قیامت تک جا چھپنے سے پہلے لازمی ہے پھر موت چونکہ آخر العوارض ہے اس لیے صلوٰۃ جنازہ کو ابواب کے آخر میں لا رہے ہیں اور باب الصلوٰۃ فی الکعبہ کو سب سے اخیر میں اس لیے لائے تاکہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام متبرک ہو جائے۔جنائز جنازہ کی جمع ہے جس میں جیم کا فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں لیکن بکسر جیم فصیح تر ہے' جنازہ اس حالت کا نام ہے جب میت تخت یا پلنگ پر رکھی ہوئی ہے' بعض کے نزدیک جنازہ میت کو اور جنازہ اس تخت یا پلنگ اور تابوت کو کہتے ہیں جس پر میت کو رکھ کر لے جاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا عکس ہے۔

قولہ اذا احتضر الخ جب موت آتی ہے تو بالعموم اس کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ بس اب چند لمحوں میں زندگی کا رشتہ منقطع ہونے والا ہے' عام طور پر بستر مرگ پر مرنے والوں کا حال دم مرگ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے کہ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں' ناک کا بانسہ لچک جاتا ہے اور کنپٹیاں اندر کو دھنس جاتی ہیں جب آدمی پر حالت طاری ہونا شروع ہو جائے تو اس کا منہ داہنی کروٹ پر قبلہ کی طرف پھرا دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرور کے متعلق دریافت فرمایا لوگوں نے عرض کیا' وہ وفات پا گئے اور مرتے وقت ثلث مال کی اور اس بات کی وصیت کر گئے کہ مرتے وقت میرا منہ قبلہ کی طرف کر دینا' اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: اصاب الفطرۃ۔پھر شہادتین کی تلقین کی جائے' شامی نے نہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ تلقین بالاتفاق مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اپنے مرنے والوں کو

کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو[1]" پھر بعد کے نزدیک صرف لا الہ الا اللہ کی تلقین کافی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا[2] اور بعض کے نزدیک محمد رسول اللہ کی تلقین بھی ہونی چاہیے کیونکہ بدون اقرار رسالت صرف توحید مقبول نہیں۔ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ تعلیل کافر کے حق میں ہے' مسلمان کے لیے اقرار توحید کافی ہے پھر میت کے آس پاس بیٹھنے والے یہ کلمہ پڑھیں میت سے اس کا تقاضا کرنا درست نہیں کیونکہ اندیشہ ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں اس تقاضے کو گراں سمجھ کر پڑھنے سے انکار کردے۔

وَاِذَامَاتَ شَدُّوْالَحیَتَیْہِ وَغَمَّضُوْا عَیْنَیْہِ فَاِذَا اَرَادُوْا غُسْلَہٗ وَضَعُوْہُ عَلٰی سَرِیْرٍ وَجَعَلُوْاعَلٰی
اور جب مر جائے تو باندھ دیں اس کے جبڑے اور بند کر دیں اس کی آنکھیں اور جب اسے غسل دینا چاہیں تو رکھیں اس کو تختے پر اور ڈال دیں

عَوْرَتِہٖ خِرْقَۃً وَنَزَعُوْاثِیَابَہٗ وَوَضَّئُوْہُ وَلَایُمَضْمِضُ وَلَایُسْتَنْشَقُ ثُمَّ یُفِیْضُوْنَ الْمَاءَ عَلَیْہِ
اس کے ستر پر کوئی کپڑا اور اتار دیں اس کے کپڑے اور وضو کرائیں لیکن کلی نہ کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں پھر اس پر پانی بہائیں

وَیُجَمَّرُسَرِیْرُہٗ وِتْرًا وَیُغْلٰی الْمَاءُ بِالسِّدْرِ اَوْبِالْحُرْضِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ وَیُغْسَلُ
اور دھونی دیں تختے کو طاق مرتبہ اور گرم کیا جائے پانی بیری کے پتے ڈال کر یا اشنان ڈال کر اگر یہ نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے اور دھویا جائے

رَاْسُہٗ وَلِحْیَتُہٗ بِالْخِطْمِیِ ثُمَّ یُضْجَعُ عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسَرِ فَیُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰی یرٰی اَنَّ
اس کا سر اور ڈاڑھی گل خیرو سے پھر لٹایا جائے اس کی بائیں کروٹ پر پس غسل دیا جائے پانی اور بیری کے پتوں سے یہاں تک کہ معلوم

الْمَاءَ قَدْوَصَلَ اِلٰی مَایَلِی التَّحْتَ مِنْہُ ثُمَّ یُضجع عَلٰی شقّہ الایمن فَیُغْسَل باالمَاءِ حتی یُرٰی
ہو جائے کہ پانی پہنچ گیا ہے میت کے نیچے تک پھر لٹایا جائے اس کی داہنی کروٹ پر اور دھویا جائے پانی سے یہاں تک کہ معلوم

اَنَّ الماءَ قد وصَل الی مایلی التحتَ منہ ثم یُجْلِسُہٗ وَیُسْنِدہٗ وَیُمسحُ بَطْنَہٗ مَسْحًا رَقِیْقًا فَاِنْ
ہو جائے کہ پانی پہنچ گیا ہے اس کے نیچے تک پھر بٹھائیں اس کو کسی سہارے سے اور سوتیں اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ پس اگر

خَرَجَ مِنْہُ شَیْءٌ غسلہٗ وَلَایُعِیْدُ غَسْلَہٗ ثُمَّ یُنَشِّفُہٗ فِیْ ثَوْبٍ وَیُدْرَجُ فِیْ اَکْفَانِہٖ وَیُجْعَلُ الْحَنُوْطُ
کچھ نکلے اس سے تو اس کو دھو ڈالیں اور دوبارہ غسل نہ دیں پھر خشک کر دیں کپڑے سے اور داخل کردیا جائے کفن میں اور مل دیں حنوط

عَلٰی رَاْسِہٖ وَلِحْیَتِہٖ وَالْکَافُوْرُ عَلٰی مَسَاجِدِہٖ
اس کے سر اور ڈاڑھی پر اور کافور سجدہ کے اعضاء پر

غسل میت کا بیان

توضیح اللغۃ شدوا۔ باندھ دیں' لحیتیہ۔ بمعنی جبڑا کا اور عینیہ عین بمعنی آنکھ کا تثنیہ ہے' نون اضافت کی وجہ سے گرگیا' غمضوا۔ بند کر دیں' سریر۔ تخت' عورۃ۔ ستر' خرقۃ۔ کپڑے کی پٹی' نزعوا۔ نکال دیں' ثیاب۔ جمع ثوب کپڑا' وضّؤا۔ وضوء کرائیں' یفیضون۔ بہادیں' تجمر۔ دھونی دیا جائے' وترا۔ طاق' یغلی۔ جوش دیا جائے' سدر۔ بیری' حرض۔ اشنان' القراح۔ خالص پانی' لحیۃ۔ ڈاڑھی' خطمی۔ ایک قسم کی گھاس ہے' گل خیرو' یضجع۔ کروٹ پر لٹایا جائے' الیسر۔ بائیں' یمن۔ دائیں' بطن۔ شکم' پیٹ' رقیقا۔ آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ' نیشفہ۔ خشک کردے' یدرج اور اجا۔ داخل کرنا'

[1] صحاح غیر البخاری عن الخدری' مسلم عن ابی ہریرۃ' طبرانی' عقیلی عن جابر' نسائی' طبرانی عن عائشۃ' ابونعیم عن واثلۃ' ابن شاہین عن ابن عمر' ابن ماجۃ' بزار عن ابن جعفر' اصحاب سنن مسلم' طبرانی عن ابن مسعود ۱۲۔ [2] ابوداؤد' حاکم عن معاذ ۱۲۔

اکفان۔جمع کفن،الحنوط۔ایک قسم کی خوشبو ہے،مساجد۔وہ اعضاء جن پر سجدہ کیا جاتا ہے جیسے پیشانی اور گھٹنے وغیرہ۔

تشریح الفقہ قولہ واذامات الخ جب لب دم ہونے والا دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کے جبڑے باندھ دیئے جائیں اور آنکھیں بند کر دی جائیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ کے پاس تشریف لائے جب کہ ان کا انتقال ہو چکا تھا اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں، تو آپ نے آنکھ کو بند کیا اور فرمایا جب روح قبض کی جاتی ہے تو بینائی اس کے ساتھ جاتی رہتی ہے[1] پس بے ضرورت آنکھیں کھلی رکھنے سے کیا فائدہ، بلکہ بسا اوقات آنکھیں اس طرح دیر تک کھلی رہ جائیں تو میت کا چہرہ ڈراؤنا اور وحشت ناک بن جاتا ہے اور آنکھیں بند کرنے والا یہ دعا پڑھے "بسم **الله و علیٰ ملّة رسول الله صلی الله علیه وسلم اللهم یسر علیه امره و سهل علیه مابعده، واسعده بلقائک واجعل ماخرج الیه خیرًا مما خرج عنه۔"**

قولہ فاذا اراد واغسله الخ پھر میت کو ایسے تخت پر رکھا جائے جس پر طاق مرتبہ کسی برتن میں آگ رکھ کر خوشبو جلائی گئی ہو اور اس کی شرمگاہ کو ڈھانک دیا جائے کیونکہ ستر عورت بہر حال واجب ہے۔حضرت علی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**لاتنظر الیٰ فخذ حَیٍّ ولامیت**" اور اس کے کپڑے اتار دیئے جائیں، اس لیے کہ غسل بعد الموت ایسا ہی ہے جیسے غسل بحالت حیات۔تو جیسے آدمی اپنی زندگی میں کپڑے اتار کر نہاتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی کپڑے اتار دیئے جائیں تا کہ اچھی طرح تنظیف ہو جائے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ کپڑوں ہی میں غسل دیا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قمیص میں غسل دیا گیا تھا، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔

قولہ وضّؤہ الخ پھر اس کو بلامضمضہ واستنشاق وضوء کرایا جائے پھر اس کے بدن پر ایسا پانی بہایا جائے جس میں بیری کے پتے جوش دیئے گئے ہوں یا اشنان گھاس ڈالی گئی ہو۔حضرت ام عطیہ کی حدیث جو صحیحین میں موجود ہے اس میں اس کا حکم ہے کیونکہ بیری کے پتے دافع عفونت ہوتے ہیں اور لاش جلدی خراب نہیں ہوتی، جسم کا میل خوب صاف ہو جاتا ہے نیز اس سے اور کافور سے قبر کے اندر موذی جانور بھاگتے ہیں اور اگر یہ چیز میسر نہ ہوں تو خالص پانی کافی ہے پھر مردہ کو اس کی بائیں کروٹ پر لٹایا جائے تا کہ پانی اول اس کی دائیں جانب پر پڑے پھر اس کو نہلایا جائے۔یہاں تک کہ پانی بدن کے اس حصہ تک پہنچ جائے جو تخت سے ملا ہوا ہے، اسی طرح دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالا جائے پھر نہلانے والا مردہ کو سہارے سے بٹھلا کر اس کے پیٹ کو سونتے اور جو نجاست وغیرہ خارج ہو اس کو دھوڈالے، دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔امام شافعی کے نزدیک وضوء کا اور ابن سیرین کے نزدیک غسل کا اعادہ ضروری ہے، نہلانے کے بعد کسی کپڑے سے اس کے بدن کو خشک کر دیا جائے اور اس کے سر اور داڑھی پر حنوط خوشبو لگائی جائے اور اس کے بعد سجدہ کی جگہوں (پیشانی، ناک ہتھیلیوں، گھٹنوں، پاؤں) پر کافور ملا جائے۔جیسا کہ ابن مسعود وغیرہ کے اثر سے ثابت ہے[2]۔

تنبیہ غسل میت حدث کی وجہ سے ہے یا نجاست کی وجہ سے؟ بعض مشائخ اول کے قائل ہیں، کیونکہ موت کی وجہ سے جو نجاست حلول کرتی ہے وہ غسل کی وجہ سے زائل نہیں ہو سکتی بخلاف حدث کے کہ وہ بحالت حیات غسل کے ذریعہ سے زائل ہوتی ہے تو موت کی حالت میں بھی اس سے زائل ہوگی۔ابوعبداللہ جرجانی وغیرہ مشائخ عراق ثانی کے قائل ہیں کیونکہ اگر کوئی مسلمان کنویں میں گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ غسل میت اس کے نجس ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

وَالسُّنَّةُ اَنْ یُّكَفَّنَ الرَّجُلُ فِیْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَقَمِیْصٍ وَلِفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰی ثَوْبَیْنِ

اور سنت یہ ہے کہ کفنایا جائے مرد کو تین کپڑوں میں یعنی ازار کفنی اور لفافہ میں اور اگر اکتفاء کر لیں دو کپڑوں پر

---

[1] مسلم عن ام سلمہ ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابن مسعود، عبدالرزاق عن الحسن بن علی ۱۲۔

جَازَ وَ اِذَارَ ادُوْ ۔ لَفَّ اللِّفَافَةَ عَلَيْهِ ابْتَدَءُوا بِالْجَانِبِ الْاَيْسَرِ فَاَلْقَوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْاَ يْمَنِ فَاِنْ

تو یہ بھی جائز ہے جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو شروع کریں بائیں جانب سے پس ڈال دیں اس پر پھر داہنی طرف سے

خَافُوْااَنْ يَّنْتَشِرَالْكَفنُ عَنْهُ عَقَدُوْهُ وَتُكَفَّنُ الْمَرْاَةُ فِیْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَ خِمَارٍ

اور اگر اندیشہ ہو کفن کھلنے کا تو اسے باندھ دیں اور کفنائی جائے عورت پانچ کپڑوں میں یعنی ازار کفنی اوڑھنی

وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَا هَاوَلِفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰی ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ جَازَ وَيَكُوْنُ الْخِمَارُ

سینہ بند اور لفافہ میں اور اگر اکتفاء کریں۔ تین کپڑوں پر تو یہ بھی جائز ہے اور ہو گی اوڑھنی

فَوْقَ الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰی صَدْرِهَا

کفنی کے اوپر لفافے کے نیچے اور رکھ دیئے جائیں اس کے بال اس کے سینہ پر

مردوزن کے کفن کا بیان

توضیح اللغۃ ازار۔ چادر' قمیص۔ کفنی' لفافہ۔ پوٹ کی چادر' لف۔ لپیٹنا' خمار۔ اوڑھنی' خرقۃ۔ پٹی' تربط۔ باندھا جائے' ثدیا ھا۔ ثدی کا تثنیہ ہے' نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تشریح الفقہ قولہ والسنۃ الخ احناف کے نزدیک مرد کا مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار یعنی چادر سر سے پاؤں تک' قمیص گردن سے پاؤں تک' لفافہ یعنی پوٹ کی چادر' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن مبارک یہی [1] تھا اور حضرت عائشہ کی حدیث میں جو قمیص کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سلا ہوا قمیص نہیں تھا کیونکہ دوسری روایات میں قمیص کی صراحت [2] ہے۔ عورت کے لیے اوڑھنی اور سینہ بند دو کپڑے زائد ہیں۔ اور کفن کفایہ مرد کے لیے ازار و لفافہ اور عورت کے لیے ازار' لفافہ اوڑھنی ہے اور کفن ضرورت دونوں کے لیے جو میسر ہو چنانچہ حضرت مصعبؓ کو ایک چادر میں کفنایا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر ڈھانکنے کا حکم فرمایا اور پاؤں گھاس سے چھپا دیئے گئے۔ [3]

فائدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب تم اپنے کسی بھائی کو کفن دو تو اچھا کفن دو [4]" اور اچھا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کفن میت کے قد و قامت کے مطابق ہو' عمدہ اور سفید ہو' ناموری کے لیے بڑھیا کفن دینا شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں' اس لیے ارشاد ہے کہ "کفن میں غلو نہ کرو' کیونکہ وہ تو جلد ختم ہو جائے گا [5]۔"

قولہ واذا ارادوا الخ مرد کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پوٹ کی .... چادر بچھائی جائے اور مردہ کو قمیص پہنا کر دوسری چادر پر رکھ کر پہلے بایاں پھر داہنا پلہ لپیٹ دیا جائے' پھر اسی طرح پوٹ کی چادر' اور عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کفنی پہنا کر بالوں کے دو حصے کر کے سینہ پر کفنی کے اوپر رکھ دیئے جائیں اور بالوں کے اوپر اور چادر کے نیچے اوڑھنی کی جائے پھر اسی طریقہ سے لپیٹ دیا جائے جو اوپر مذکور ہوا اور سینہ بند بحر کے مطابق پوٹ کی چادر پر جوہرہ کے مطابق ازار پر ہونا چاہیے۔

۱۔ ائمہ ستہ' ابن راہویہ عن عائشہ ۱۲۔ ۲۔ ابن عدی عن جابر سمرہ' ابوداؤد عن ابن عباس' محمد بن حسن عن ابراہیم عبدالرزاق' ابن سعد عن الحسن ۱۲۔ ۳۔ ائمہ ستہ غیر ابن ماجہ عن خباب ۱۲۔

۴۔ مسلم عن جابر ۱۲۔ ۵۔ ابوداؤد عن علی ۱۲۔

وَلَایُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَیِّتِ وَلَالِحْیَتُہٗ وَلَایُقَصُّ ظُفْرُہٗ وَلَا یُقَصُّ شَعْرُہٗ وَتُجَمَّرُالْاَکْفَانُ
اور کنگھا نہ کیا جائے میت کے بالوں اور داڑھی میں نہ اس کے ناخن تراشے جائیں نہ بال کاٹے جائیں اور خوشبو میں بسا لیا جائے

قَبْلَ اَنْ یُدْرَجَ فِیْھَا وِتْرًا فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْہُ صَلَّوْا عَلَیْہِ وَاَوْلَی النَّاسِ بِالْاِمَامِ عَلَیْہِ السُّلْطَانُ
کفن اس میں داخل کرنے سے پہلے طاق مرتبہ جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں اور سب سے زیادہ حقدار اس کی امامت کا بادشاہ ہے

اِنْ حَضَرَ فَاِنْ لَّمْ یَحْضُرْفَیُسْتَحَبُّ تَقْدِیْمُ اِمَامِ الْحَیِّ ثُمَّ الْوَلِیُّ فَاِنْ صَلّٰی عَلَیْہِ غَیْرُ الْوَلِیِّ وَالسُّلْطَانِ
اگر وہ ہو ورنہ مستحب ہے محلّہ کے امام کو آگے بڑھانا پھر میت کے ولی کو اگر نماز پڑھائی ولی اور بادشاہ کے

اَعَادَالْوَلِیُّ وَاِنْ صَلّٰی عَلَیْہِ الْوَلِیُّ لَمْ یَجُزْ اَنْ یُّصَلِّیَ اَحَدٌ بَعْدَہٗ فَاِنْ دُفِنَ وَلَمْ یُصَلَّ عَلَیْہِ
علاوہ نے تو لوٹا سکتا ہے ولی اور اگر ولی اس پر نماز پڑھ چکا تو جائز نہیں یہ کہ کوئی اور نماز پڑھے اگر دفن کر دیا گیا نماز پڑھے بغیر

صُلِّیَ عَلٰی قَبْرِہٖ اِلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَلاَ یُصَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ وَ یَقُوْمُ الْمُصَلِّیْ بِحِذَاءِ صَدْرِالْمَیِّتِ
تو پڑھ لی جائے اس کی قبر پر تین روز تک اس کے بعد نہ پڑھی جائے اور کھڑا ہو نماز پڑھانے والا میت کے سینہ کے مقابلہ میں

توضیح اللغۃ لایسرح۔ کنگھانہ کیا جائے‘ لایقص۔ نہ کاٹے جائیں‘ ظفر۔ ناخن‘ شعر۔ بال‘ تجمر۔ دھونی دیا جائے‘ اکفان۔ جمع کفن‘ الحی۔ محلّہ‘ حذاء۔ مقابل‘ صدر۔ سینہ۔

تشریح الفقہ قولہ ولا یسرح الخ مردہ کے بالوں اور سر میں کنگھانہ کیا جائے‘ نہ اس کے ناخن تراشے جائیں‘ نہ بال کاٹے جائیں کیونکہ یہ سب چیزیں زینت کے لیے ہوتی ہیں اور مردہ ان سب سے مستغنی ہو چکا ہے۔ حدیث عائشہؓ ”علام تنصون[1] میتکم“ میں اسی پر نکیر ہے۔ نہر میں ہے کہ مرنے کے بعد تزئین جائز نہیں اور اگر ناخن یا بال کاٹے گئے تو اس کے کفن میں رکھ دیئے جائیں۔ کذا فی القہستانی۔

قولہ و اولی الناس الخ امامت جنازہ کا زیادہ حقدار بادشاہ ہے اگر وہ موجود ہو کیونکہ حضرت حسنؓ کی نماز جنازہ کے لیے حضرت حسینؓ نے حضرت سعید بن العاصؓ کو جو والی مدینہ تھے بڑھا کہ یہ فرمایا تھا ”لو لا السنۃ ماقدمتک“ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ولی مقدم ہے۔ امام صاحب سے حسن کی روایت بھی یہی ہے‘ اس کے بعد امام محلّہ حقدار ہے (درایہ میں ہے کہ امام جامع بہتر ہے) پھر بترتیب عصبات اولیاء میت حقدار ہیں مگر باپ بیٹے پر مقدم ہے الا یہ کہ بیٹا عالم ہو اگر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھ لی تو ولی نماز لوٹا سکتا ہے نہ کہ اس کا عکس۔

قولہ فان دفن الخ اگر مردہ بلا نماز دفن کر دیا جائے تو تین روز تک اس کی قبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی تھی پھر تین دن کی تحدید امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ اس وقت تک پڑھ سکتے ہیں جب تک وہ نہ پھٹا ہو‘ یہ صحیح ہے۔

وَالصَّلٰوۃُ اَنْ یُّکَبِّرَ تَکْبِیْرَۃً یَحْمَدُ اللّٰہَ تَعَالٰی عَقِیْبَھَا ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً یُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْہِ
نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثنا کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

السَّلَامُ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً ثَالِثَۃً یَدْعُوْ فِیْھَا لِنَفْسِہٖ وَلِلْمَیِّتِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً
بھیجے پھر تیسری تکبیر کہہ کر اپنے لئے اور میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے پھر چوتھی تکبیر

[1] عبدالرزاق‘ محمد بن حسن‘ بیہقی تعلیقا‘ قاسم بن سلام ۱۲۔

رَابِعَةً وَيُسَلِّمُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى
کہہ کر سلام پھیر دے اور ہاتھ نہ اٹھائے مگر پہلی تکبیر میں۔

نماز جنازہ کا طریقہ

تشریح الفقہ قولہ والصلوٰۃ الخ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار تکبیریں کہتے[1] تھے۔ پانچ اور سات تکبیریں بھی ثابت ہیں لیکن پانچ بنو ہاشم کے لیے اور سات بدریین کے لیے خاص تھیں جیسا کہ ابونعیم کی تاریخ اصبہان میں حضرت ابن عباسؓ سے بالتصریح مروی ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی موت کا قصہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے موجود ہے اور ابوہریرہؓ متاخر اسلام ہیں اور نجاشی کی موت حضرت ابوہریرہ کے اسلام کے بعد ہے۔ نیز حضرت عمرؓ 'ابن عباسؓ 'ابن ابی اوفیؓ 'جابرؓ کی روایات میں تاخیر کی صراحت موجود ہے۔

قولہ یحمداللہ الخ نماز جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار اللہ اکبر کہے اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اس کے بعد احناف کے نزدیک ہاتھ نہ اٹھائے' ظاہر الروایہ یہی ہے کہ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے[2]۔ علماء بلخ اور ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کرتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث ابن عمرؓ مضطرب ہے کیونکہ ابن عمر و علی سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ حضرات صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے ولئن صحت فلایعارض فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء' دوسری کے بعد درود شریف' تیسری کے بعد "اللھم اغفر لحینا الخ" دعا پڑھے اور چوتھی کے بعد سلام پھیر دے۔ امام شافعی کے یہاں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ متعین ہے ہمارے نزدیک بہ نیت دعاء جائز اور بہ نیت قرأت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرأت فاتحہ ثابت نہیں ہے۔

فائدہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے بالاجماع پس اس کا منکر کافر ہے' اس کے دو رکن ہیں۔ ایک تکبیرات اربع اور ایک قیام' اور شروط یہ ہیں۔ ۱۔ مردہ کا مسلمان ہونا۔ ۲۔ اس کا پاک ہونا۔ ۳۔ مردہ کا امام کے سامنے ہونا۔ ۴۔ زمین پر رکھا ہوا ہونا اور تین سنتیں ہیں۔ ۱۔ تحمید۔ ۲۔ ثناء۔ ۳۔ دعاء۔

وَلَايُصَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ فَاِذَا حَمَلُوْهُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ اَخَذُوْابِقَوائِمِهِ الْاَرْبَع وَيَمْشُوْن
اور جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے جماعت والی مسجد میں پھر جب اسے اٹھائیں تخت پر تو پکڑ لیں اس کے چاروں پائے اور اس کو لے چلیں

بِهٖ مُسْرِعِيْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ فَاِذَا بَلَغُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ كُرِهَ لِلنَّاسِ اَنْ يَّجْلِسُوْا قَبْلَ اَنْ يُوْضَعَ مِنْ
جلدی دوڑے بغیر اور جب پہونچیں اس کی قبر تک. تو مکروہ ہے. لوگوں کے لئے یہ کہ بیٹھ جائیں قبل اس کے کہ رکھا جائے

اَعْنَاقِ الرِّجَالِ وَيُحْفَرُالْقَبْرُ وَيُلْحَدُ وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّايَلِى الْقِبْلَةَ فَاِذَا وُضِعَ فِيْ لَحْدِهٖ قَالَ
مونڈھوں سے اتار کر اور قبر کھود کر لحد بنائی جائے اور اتارا جائے میت کو قبلہ کی طرف سے اور جب رکھا جائے لحد میں تو کہے

الَّذِيْ يَضَعُهٗ بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَيُوَجِّهُهٗ اِلَى الْقِبْلَةِ وَيَحُلُّ الْعُقْدَةَ وَيُسَوّٰى
رکھنے والا بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور اس کو قبلہ رخ کر دیں اور کھول دیئے جائیں کفن کے بند اور برابر

اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ وَيُكْرَهُ الْاٰجُرُّ وَالْخَشَبُ وَلَابَاْسَ بِالْقَصَبِ ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ عَلَيْهِ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ
کر دی جائیں کچی اینٹیں اس کی لحد پر اور مکروہ ہیں پکی اینٹیں اور تختے۔ اور کوئی حرج نہیں بانس وغیرہ میں پھر اس پر مٹی ڈال دی جائے اور قبر کوہان نما

---

[1] حاکم' دارقطنی' بیہقی' طبرانی' ابن عبان عن ابن عباس' دارقطنی' حازمی عن عمر' حارث بن ابی اسامہ عن ابن عمر ۱۲۔ [2] دارقطنی عن ابن عباس وابی ہریرہ ۱۲۔

وَلَایُسَطَّحُ وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّیَ وَغُسِّلَ وَصُلِّیَ عَلَیْهِ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَهِلَّ اُدْرِجَ
بنائی جائے نہ کہ چوکوشی' جس بچہ نے آواز کی پیدائش کے بعد اس کا نام رکھا جائے اور غسل دے کر نماز پڑھی جائے اور اگر آواز نہیں کی تو کپڑے

فِیْ خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ یُصَلَّ عَلَیْهِ
میں لپیٹ کر بلانماز دفن کردیا جائے

توضیح اللغۃ سریر۔تخت' قوائم۔جمع قائمۃ' پایہ' جب۔دوڑنا' اعناق۔جمع عنق' گردن' یحفر حفراً۔کھودنا' یلحد۔بغلی قبر بنائی جائے' عقدۃ۔گرہ۔ یسوی۔برابر کردیا جائے' لبن۔کچی اینٹ' آجر۔پکی اینٹ' خشب۔لکڑی قصب۔جس میں پورے اور گرہیں ہوں جیسے بانس' نرکل وغیرہ۔ یہال۔مٹی ڈال دی جائے' یسنم۔کوہان جیسی بنائی جائے' استھل الصبی۔پیدائش کے وقت چلانا' آواز کرنا' ادرج۔داخل کردیا جائے' خرقۃ۔پٹی۔

تشریح الفقہ قولہ ولا یصلی الخ میت کو حدود مسجد میں رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک تنزیہی خواہ مسجد میں صرف میت ہو یا اس کیساتھ کچھ لوگ اندر ہوں کچھ باہر کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس نے مسجد میں مردے پر نماز پڑھی' اس کے لیے کچھ ثواب نہیں[1]۔سوال یہ روایت بقول ابن عدی توامہ کے غلام صالح کے منکرات میں سے ہے' جو بقول ابن حبان باطل اور بقول امام احمد وابن المنذر وخطابی' بیہقی ضعیف ہے۔امام مالک نے صاف طور سے صالح کو ضعیف کہا ہے۔جواب یہ جرح صرف اس وجہ سے ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا ابن جریج' زیاد بن سعد وغیرہ جو اختلال سے قبل سننے والے ہیں' ان کی روایات بلاشبہ مقبول ہیں اسی لیے ابن قیم نے ''الہدی'' میں کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے کیونکہ ابن ابی ذئب کی روایت سے ہے اور صالح سے ابن ابی ذئب کا سماع قدیم ہے۔اسی وجہ سے ابن معین' احمد اور ابن عدی نے صالح کی توثیق کی ہے۔سوال مسجد میں سہیل بن بیضاء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے[2]۔جواب بقول امام طحاوی یہ منسوخ ہے' ابتداء میں آپ نے مسجد میں نماز پڑھی ہے اس کے بعد ترک فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی تو صحابہ کی ایک جماعت حضرت عائشہ پر نکیر نہ کرتی۔حالانکہ اس روایت میں نکیر موجود ہے سوال حدیث مذکور ''من صلی علی میت فی المسجد'' کے ظرف ''فی المسجد'' میں تین احتمال ہیں۔ا۔ نمازی کا ظرف ہو اس صورت میں اگر نمازی مسجد سے باہر ہو تو کراہت نہیں ہونی چاہیے ۲۔ہر دو کا ظرف ہو اس تقدیر پر کراہت نمازی اور میت دونوں کے اندر ہونے میں منحصر ہوگی اگر ایک اندر اور ایک باہر ہو تو کراہت نہیں ہونا چاہیے۔جواب جن افعال میں فعل کا اثر مفعول پر ظاہر ہو جیسے ضرب' قتل وغیرہ ان میں ظرف مفعول سے متعلق ہوتا ہے خواہ اس میں فاعل ہو یا نہ ہو' اور جن افعال میں فعل کا اثر مفعول پر ظاہر نہ ہو جیسے علم' ذکر' وغیرہ ان میں ظرف کا تعلق فاعل سے ہوتا ہے خواہ اس میں مفعول ہو یا نہ ہو پس ''میں نے زید کو مسجد میں یاد کیا' میں مسجد متکلم کے لیے ظرف ہے خواہ زید اس کے اندر ہو یا نہ ہو اور ''میں نے زید کو مسجد میں مارا'' میں مسجد زید کا ظرف ہے خواہ متکلم مسجد میں ہو یا نہ ہو جیسے کوئی شخص حرم کے اندر شکار کے تیر مارے تو وہ قاتل صید حرم کہلائے گا گو خود حرم سے باہر ہو اور نماز جنازہ قسم دوم سے ہے' معلوم ہوا کہ مسجد نمازی کا ظرف ہے خواہ اس میں میت ہو یا نہ ہو' نجاشی کی خبر مرگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد سے نکل کر عیدگاہ میں نماز پڑھنا اس کا مؤید ہے اس واسطے کہ اگر مسجد میں نماز جائز ہوتی تو باہر نکلنے کے کوئی معنی ہی نہیں تھے کیونکہ جنازہ مسجد میں نہ تھا اور جب نماز جنازہ ذکر ودعاء ہونے کے باوجود مسجد میں جائز نہ ہوئی تو مردہ کو مسجد میں داخل کرنا بطریق اولی ناجائز ہوگا۔

قولہ ویلحد الخ لحد بغلی قبر کو کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہی مسنون ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''لحد کھودنے میں

---

[1] ابوداؤد وابن عدی عن ابی ہریرہ' ابن ماجہ عنہ بلفظ ''فلیس لہ شئ'' ابن ابی شیبہ عنہ بلفظ ''فلا صلوۃ لہ'' ۱۲۔

[2] مسلم' اصحاب سنن طحاوی عن عائشہ ۱۲۔

ماہر تھے اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح شق کھودنے میں ماہر تھے ان دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیجے گئے' عباس بن عبدالمطلب نے دعا کی' 'اللھم اختر لنبیک احب الامرین الیک'' حسن اتفاق سے حضرت ابوطلحہ مل گئے اور حضرت ابوعبیدہ نہیں ملے پس آپ کی قبر لحد بنائی گئی۔امام شافعی کے نزدیک شق سنت ہے کیونکہ یہ اہل مدینہ کا معمول ہے۔جواب یہ ہے کہ یہ معمول زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے ہے کہ اس میں لحد نہیں ٹھہرتی۔

قولہ ویسوی اللبن الخ لحد پر کچی اینٹیں کھڑی کردی جائیں۔کیونکہ آنحصرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد پر کچی اینٹیں ہی لگائی گئی تھیں جس کی تعداد بیہقی نے ۹ بتائی ہے نیز حضرت ابوبکر وعمر کی لحد پر بھی کچی' اینٹیں ہی کھڑی کی گئی تھیں اور حضرت سعید بن العاص نے بھی اپنی قبر کے لیے اسی کی وصیت کی تھی۔

قولہ ومن استھل الخ اگر پیدائش کے بعد بچہ سے کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جیسے اس کا رونا چلانا وغیرہ تو اس پر نماز پڑھی جائے گی' نام بھی رکھا جائے گا' غسل بھی دیا جائے گا۔ورنہ (امام ابویوسف کے نزدیک نام رکھا جائے گا اور غسل بھی دیا جائے گا لیکن) اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی بلکہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کردیا جائے گا۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الشَّهِيْدِ

باب	شہید	کے	بیان	میں

اَلشَّهِيْدُ	مَنْ	قَتَلَهُ	الْمُشْرِكُوْنَ	اَوْوُجِدَ	فِي	الْمَعْرِكَةِ	وَبِهِ	اَثَرُالْجِرَاحَةِ	اَوْ
شہید وہ ہے	جسے	قتل کر دیا ہو	مشرکوں نے	یا پایا گیا ہو	میدان	جنگ میں	اور اس پر	زخم کا نشان	ہو یا

قَتَلَهُ	الْمُسْلِمُوْنَ	ظُلْمًا	وَلَمْ	يَجِبْ	بِقَتْلِهِ	دِيَةٌ
قتل کیا ہو اس کو	مسلمانوں نے	ظلماً	اور نہ	واجب ہوئی ہو	اس کے مارنے سے	دیت

تشریح الفقہ **قولہ باب** الخ صاحب کتاب نے شہید کے لیے مستقل باب قائم کیا ہے حالانکہ وہ بھی اموات' میں داخل اور ان کا ایک فرد ہے' اس واسطے کہ شہید کے لیے جو فضیلت' اجر وثواب اور زیادتی درجات ہے وہ دوسرے مردوں کے لیے نہیں ہے پس اموات میں سے شہید کو علیحدہ ذکر کرنا ایسا ہے جیسے ملائکہ میں سے حضرت جبرئیل کو جلالت شان کے پیش نظر علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔شہید شہود یا شہادت سے ہے اور فعیل بمعنی مفعول ہے۔**ای مشھود لہ بالجنۃ قال تعالٰی** ''**ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ**'معراج میں ہے کہ جب دو شہیدوں کو ایک قبر میں جمع کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا'' **انا شھید علی ھؤلاء یوم القیامۃ ببذلھم نفوسھم لابتغاء مرضات اللہ**'' یا بایں معنی کہ فرشتے اس کی تعظیم کو آتے ہیں۔یا بمعنی فاعل ہے بایں معنی کہ خون اور زخم اس کے شاہد ہیں یا بایں معنی کہ اس کی روح دارالسلام میں پہنچ جاتی ہے۔**وروح غیرہ لاتشھد ھا الایوم القیامۃ**۔

قولہ الشھید الخ شہید کی دو قسمیں ہیں' حقیقی' حکمی' حقیقی شہید تو راہ خدا میں جان دینے والے کو کہتے ہیں' جو اسلام کی سربلندی کی خاطر بالا رادہ میدان جہاد میں اپنی جان نثار کرتا ہے۔حکمی شہید کی دو قسمیں ہیں۔شہید باعتبار حکم اخروی' باعتبار حکم دنیاوی۔اول کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی وہ کثیر مقدار انہیں عطا ہوتی ہے جو حقیقی شہیدوں کے ثواب کی طرح عظیم وکثیر ہوتی ہے۔علماء نے ایسی احادیث کو جمع کیا جن میں اخروی شہداء ذکر ہے جن کی تعداد ۳۷ کے قریب ہے اور ان کی تفصیل' طوالع الانوار' حاشیہ درمختار میں موجود ہے' یہاں جس شہید کے احکام مذکور ہیں وہ وہ ہے جس کو کسی حربی کافر نے قتل کردیا ہو یا میدان جنگ میں زخمی مردہ پایا گیا ہو یا کسی مسلمان نے ناحق قتل کردیا ہو اور نفس قتل کے سبب سے دیت

واجب نہ ہو۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغْسَلُ وَاِذَا اُسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِلَ عِنْدَ اَبِی حَنِيْفَةَ وَكَذٰلِكَ
پس اس کو کفن دیا جائے اور نماز پڑھی جائے اور غسل نہ دیا جائے جب کوئی ناپاک شہید ہو جائے تو غسل دیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی طرح

الصَّبِیُّ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ لَا يُغَسَّلَانِ وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيْدِ دَمُهٗ وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ
بچہ کا حکم ہے صاحبینؒ کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ دھویا جائے شہید کا خون اور نہ اتارے جائیں اس کے

ثِيَابُهٗ وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ وَالسِّلَاحُ وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِلَ وَالْاِرْتِثَاثُ
کپڑے ہاں پوستین روئی دار کپڑے موزے ہتھیار اتار لئے جائیں اور مرتث کو غسل دیا جائے اور ارتثاث یہ ہے

اَنْ يَّاْكُلَ اَوْيَشْرَبَ اَوْيُدَاوٰی اَوْيَبْقٰی حَيًّا حَتّٰی يَمْضِیَ عَلَيْهِ وَقْتُ صَلٰوةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ اَوْ
کہ وہ کچھ کھالے یا پی لے یا علاج کرالے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے ہوش کی حالت میں یا

يُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرِكَةِ حَيًّا وَمَنْ قُتِلَ فِیْ حَدٍّ اَوْقِصَاصٍ غُسِلَ وَصُلِّیَ عَلَيْهِ وَمَنْ قُتِلَ مِنَ
میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے جو قتل کیا گیا ہو حد میں یا قصاص میں تو غسل دیا جائے اور نماز بھی پڑھی جائے اور جو

الْبُغَاةِ اَوْقُطَّاعِ الطَّرِيْقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ
باغی یا ڈاکو مارا جائے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

توضیح اللغات الجنب۔ناپاک' صبی۔بچہ' ینزع۔نزعاً۔اتارنا' ثیاب۔جمع ثوب' کپڑا' الفرو۔پوستین' الحشو۔روئی بھرا ہوا کپڑا' خف۔موزہ' سلاح۔ہتھیار' ارتث ارتثاثاً۔لغتہ پرانا ہونا' شرعاً مجروح کا منافع زندگی حاصل کرنا' المعرکۃ۔میدان جنگ' البغاۃ۔جمع باغی' نافرمان' قطاع الطریق۔ڈاکو۔

تشریح الفقہ قولہ فیکفن الخ جو شخص صفت مذکورہ پر شہید ہوا اس کو کفن دیا جائے گا اور غسل دیئے بغیر نماز پڑھی جائے گی اور اس کے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے متعلق فرمایا تھا کہ ''ان کو ان کے خون اور زخموں کے ساتھ کپڑوں میں لپیٹ[1] دو'' امام شافعی فرماتے ہیں کہ شہید پر نماز بھی نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ شہداء احد کی بابت حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ غسل دیا اور نہ ان پر نماز پڑھی'' نیز تلوار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔لہٰذا شہید پر نماز کی کوئی ضرورت نہیں اور اس لیے بھی نماز جنازہ مردوں کے لیے ہے اور شہداء بشہادت قرآن عظیم ''بل احیاء عند ربھم'' زندہ ہیں اور جن روایات میں شہداء پر نماز پڑھنے کے لیے آیا وہاں صلوٰۃ کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دعاء۔ ہماری دلیل حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد پر جنازہ جیسی نماز پڑھی[2]۔'' حضرت ابن عباس و ابن زبیر سے بھی یہی مروی ہے پس اس حدیث کے ہوتے ہوئے ابن حبان کا قول ''المراد بالصلوۃ الدعاء'' کب مسموع ہو سکتا ہے اور حضرت جابر کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ جب شہداء پر نماز پڑھی گئی اس وقت موصوف حاضر نہ تھے بلکہ واپس مدینہ آ گئے تھے کیونکہ ان کے والد اور ماموں حضرت عمرو بھی شہید ہو چکے تھے جس کی وجہ سے دیگر امور میں مصروف تھے۔ پھر گناہوں سے پاک ہو جانا اس کا مقتضی نہیں ہے کہ شہید پر نماز نہ پڑھی جائے۔ کیونکہ گناہوں سے پاک صاف آدمی بھی دعاء سے بے نیاز نہیں ہوتا جیسے نبی وصبی' رہا شہداء کا زندہ ہونا سو وہ اخروی احکام کے لحاظ سے ہے' دنیاوی احکام کے اعتبار سے شہید میت ہی کے حکم میں

[1] احمد' شافعی' بیہقی عن عبداللہ بن بن ثعلبہ ۱۲۔ [2] صحیحین ۱۲۔

ہوتا ہے چنانچہ اس کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور اس کی بیوی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے۔

قولہ واذا استشہد الجنب الخ امام صاحب کے نزدیک صحت شہادت کے لیے شہید کا عاقل ہونا' بالغ ہونا اور جنابت سے پاک ہونا بھی شرط ہے' یہاں تک کہ اگر کوئی بچہ یا مجنون یا جنبی شہید ہو جائے تو ان کو غسل دیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک قتل کا بطریق شہادت پایا جانا غسل کے قائم مقام ہے۔ جیسے کھال کی پاکی کے لیے دباغت اور زکوٰۃ کے قائم مقام ہے اس لیے صاحبین کے نزدیک ان کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت حنظلہ بن ابی عامر ثقفی شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی حنظلہؓ کو فرشتے نہلا رہے ہیں صحابہ نے ان کی اہلیہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ناپاکی کی حالت میں نکلے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے ان کو نہلایا۔

قولہ ولاینزع عنہ الخ شہید سے اس کے بدن کے کپڑے نہ اتارے جائیں کیونکہ حدیث ''زملوہم بکلومہم'' گزر چکی کہ ان کو ان کے زخموں اور خون آلود کپڑوں میں لپیٹ دو البتہ جو چیزیں از قبیل کفن نہیں ہیں جیسے پوستین' روئی دار کپڑے' موزے' ہتھیار وغیرہ ان کو اتار دیا جائے گا کیونکہ یہ چیزیں تو دشمن کے ضرر سے تحفظ کے لیے تھیں اور اب وہ ان سے مستغنی ہو چکا ہے نیز سنن میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی بابت ارشاد فرمایا کہ ان کے بدن سے لوہا اور پوستین اتار لو اور ان کو مع ان کے خون اور کپڑوں کے دفن کر دو (اصحاب سنن) کذا فی الطحطاوی)

قولہ ومن ارتث غسل الخ ارتثات شرعی یہ ہے کہ مقتول منافع زندگی میں سے کوئی نفع اٹھالے مثلاً یہ کہ کوئی چیز کھا پی لے یا علاج معالجہ کرا لے یا اس پر ایک نماز کا وقت اس حالت میں گزر جائے کہ وہ ہوش میں ہو اور نماز ادا کرنے پر قادر ہو یا ہوش کی حالت میں میدان جنگ سے منتقل کیا گیا ہو' ان سب صورتوں میں اس کو غسل دیا جائے گا کیونکہ حضرت عمرؓ نازک حالت میں گھر لائے گئے اور دو روز زندہ رہ کر وفات پائی تو آپ کو غسل دیا گیا۔ حالانکہ آپ شہید تھے' اسی لیے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو بھی غسل دیا گیا تھا۔

قولہ ومن قتل فی حد الخ جو شخص حد یا قصاص کے عوض میں قتل کیا جائے' اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی کیونکہ وہ ظلماً مقتول نہیں ہوا۔ بلکہ ایفاء حق میں مارا گیا اور اگر باغی یا ڈاکو مارے گئے تو ان پر نماز نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ حضرت علی نے اہل نہروان (خوارج) پر نماز نہیں پڑھی گئی' لوگوں نے پوچھا! کیا وہ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا ''اخواننا بغوا علینا' فاشار الی العلۃ وہی البغی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ الصّلوۃ فی الکعبۃ

باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں

الصَّلٰوۃُ فِی الْکَعْبَۃِ جَائِزَۃٌ فَرْضُھَا وَ نَفْلُھَا وَاِنْ صَلّٰی الْاِمَامُ
نماز کعبہ میں جائز ہے۔ فرض بھی اور نفل بھی پس اگر نماز پڑھائے امام کعبہ

فِیْھَا بِجَمَاعَۃٍ فَجَعَلَ بَعْضُھُمْ ظَھْرَہٗ اِلٰی ظَھْرِ الْاِمَامِ جَازَ وَمَنْ جَعَلَ مِنْھُمْ وَجْھَہٗ اِلٰی
میں جماعت کے ساتھ اور کر لے مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف تو جائز ہے اور جو کرے ان میں سے اپنا منہ امام

وَجْہِ الْاِمَامِ جَازَ وَیُکْرَہُ وَمَنْ جَعَلَ مِنْھُمْ ظَھْرَہٗ اِلٰی وَجْہِ الْاِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُہٗ وَاِذَا
کے منہ کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے اور جو کرے ان میں سے اپنی پیٹھ امام کے منہ کی طرف تو اس کی نماز نہ ہو گی اور

صَلّٰی الْاِمَامُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْکَعْبَۃِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوۃِ الْاِمَامِ فَمَنْ

نماز پڑھائے امام مسجد حرام میں تو لوگ حلقہ باندھ لیں کعبہ کے اردگرد اور پڑھیں امام کی نماز کے ساتھ پس

كَانَ مِنْهُمْ اَقْرَبُ اِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الْاِمَامِ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِیْ جَانِبِ الْاِمَامِ

جو ہو گا ان میں سے کعبہ کے قریب امام کی نسبت تو ہو جائے گی اس کی نماز جب کہ نہ ہو یہ امام کی جانب میں

وَمَنْ صَلّٰى عَلٰى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلٰوتُهٗ

جو شخص نماز پڑھے کعبہ کی چھت پر تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے۔

تشریح الفقہ قوله باب الخ بمقتضائے ترتیب اس باب کو باب الجنائز پر مقدم ہونا تھا کیونکہ اس کا تعلق حالت حیات سے ہے اور جنائز متعلق بالممات ہے مگر اس خیال سے کہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو مؤخر کیا ہے اور باب الشہید سے متصل اس لیے کہ مصلی خانہ کعبہ من وجہ مستقبل ہوتا ہے اور من وجہ مستدبر اور شہید عند اللہ زندہ ہوتا ہے اور عند الناس مردہ۔

قوله جائزۃ فرضہا الخ خانہ کعبہ میں فرض ونفل ہر نماز صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ، بلالؓ، عثمانؓ بن طلحہؓ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے دروازہ بند کر دیا گیا اور آپ دیر تک اسی میں رہے جب حضرت بلالؓ باہر آئے تو میں نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ کہا کہ نماز پڑھی اس حالت میں کہ دوستون آپ کی بائیں جانب تھے ایک داہنی طرف اور تین آپ کی پشت کی جانب[1] امام شافعی کے نزدیک نہ فرائض صحیح ہیں نہ نوافل۔ امام مالک کے نزدیک فرض نماز درست نہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور ستون کے پاس کھڑے ہو کر دعا فرمائی نماز نہیں پڑھی[2]۔ جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم میں ابن عباسؓ کی یہ روایت حضرت اسامہ سے ہے اور ان سے امام احمد نے مسند میں ابن حبان نے صحیح میں اس کے خلاف یہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔ نیز حضرت بلال کی روایت مثبت ہے۔ لہٰذا وہ مقدم ہے۔ قاله السهيلي في الروض الانف۔

قوله فجعل بعضهم الخ جو شخص خانہ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت اپنی پیٹھ امام کی طرف کرے تو اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ وہ خود قبلہ کی طرف متوجہ ہے اور اس کو اپنے امام کے بارے میں غلطی کا اعتقاد نہیں۔ لیکن اگر وہ اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کرے تو نماز نہ ہو گی کیونکہ وہ امام سے آگے بڑھ گیا اگر خانہ کعبہ کے اردگرد مقتدی حلقہ بنا کر نماز پڑھیں تو یہ بھی صحیح ہے اب جو شخص امام کی بہ نسبت خانہ کعبہ سے قریب تر ہو گا اس کی نماز صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ امام کی جانب میں نہ ہو کیونکہ وہ حکماً امام سے پیچھے ہے اور اگر وہ اسی طرف ہے جس طرف امام ہے تو اس کی نماز نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے بڑھ گیا ہے۔

قوله ومن صلى على ظهر الكعبة الخ خانہ کعبہ کے اوپر بھی نماز پڑھنا صحیح ہے کیونکہ ہمارے نزدیک خانہ کعبہ کی عمارت قبلہ نہیں بلکہ اس بقعہ سے آسمان تک فضائی قبلہ ہے البتہ یہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک تو تعظیم کے خلاف ہے دوسرے یہ کہ اس کی ممانعت بھی ہے۔[3]

كتابُ الزكوٰة

زکوۃ کا بیان

قوله كتاب الخ ترتیب کے لحاظ سے نماز کے بعد روزہ کو بیان کرنا چاہیے تھا کیونکہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں مگر قرآن پاک میں[4] جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا مذکور ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں میں غایت ارتباط ہے اس لیے صاحب کتاب احکام نماز سے فراغت کے بعد احکام زکوۃ بیان فرما

[1] صحیحین ۱۲ [2] صحیحین عن ابن عباس ۱۲ [3] ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی، طحاوی عن ابن عمر، ابن ماجہ عن عمر ۱۲۔

[4] صاحب نہر و بحر وغیرہ نے مناقب بزازیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ۸۲ جگہ کے متعلق لکھا ہے مگر یہ غلط ہے ۱۲ طحاوی۔

رہے ہیں۔زکوۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے جس کی فرضیت رمضان کے فرض ہونے سے بیشتر ۲ھ میں ہوئی [1] اس کا ثبوت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ہے۔قال تعالیٰ "اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ" وقال علیه السلام "ادوا زکوٰۃ اموالکم" [2] اسی پر اجماع منعقد ہے۔پس اس کا منکر کافر اور تارک فاسق ہے اسی لیے حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زکوٰۃ سے باز رہنے والوں کو مرتد کہا اور ان سے جہاد کے لیے آمادہ ہوئے۔

فائدہ لغت میں زکوٰۃ کے معنی بڑھنے کے ہیں۔یقال زکا الزرع' کھیتی بڑھ گئی' چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال بڑھتا ہے اس لیے سال تمام ہونے پر مال سے حصہ معینہ دینے کو زکوٰۃ کہتے ہیں' یا زکاء بمعنی پاکی سے مشتق ہے۔قال تعالیٰ "خیراً منه زکوٰۃ" چونکہ زکوٰۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے۔قال تعالیٰ "خذمن اموالهم صدقة تطهرهم وتزکیهم" اس لیے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں اور اسی لیے کہ ذبح کرنے سے نجس خون نکل جاتا ہے۔مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں اس کے معنی برکت کے بھی ہیں یقال زکت البقعة ای بورک فیها اس عمل کی تاثیر سے چونکہ مال میں برکت ہوتی ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ابن العربی نے کہا ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ واجبہ' مندوبہ' نفقہ' حق اور عفو سب پر ہوتا ہے۔اصطلاح میں زکوٰۃ مسلمان فقیر کو مال کے اس حصہ کا مالک بنا دینا ہے جس کو شریعت نے معین کیا ہے' بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی اور اس کا آزاد کردہ نہ ہو اور مالک بنانے والے کی منفعت ہر اعتبار سے منقطع ہو جائے اور یہ مالک بنانا بہ نیت تعمیل حکم خداوندی ہو ان قیود کے فوائد کتاب میں آنے والے مسائل سے معلوم ہو جائیں گے۔

اَلزَّکٰوۃُ وَاجِبَةٌ عَلَی الْحُرِّ الْمُسْلِمِ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ اِذَا مَلَکَ نِصَابًا کَامِلًا مِلْکًا تَامًّا وَحَالَ عَلَیْهِ الْحَوْلُ
زکوٰۃ واجب ہے آزاد' مسلمان' بالغ' عاقل پر جب وہ مالک ہو کامل نصاب کا پورے طور پر اور گزر جائے اس پر سال

وَلَیْسَ عَلٰی صَبِیٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا مُکَاتَبٍ زَکٰوۃٌ وَمَنْ کَانَ عَلَیْهِ دَیْنٌ مُحِیْطٌ بِمَالِهٖ فَلَا زَکٰوۃَ عَلَیْهِ
اور نہیں ہے بچہ پر' دیوانے پر اور مکاتب پر زکوٰۃ اور جس کے ذمہ ہو قرض اس کے مال کے برابر تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں

وان کان ماله اکثر من الدین زکی الفاضل اذا بلغ نصابا و لیس فی دور السکنٰی و ثیاب
ہے اور جس کا مال قرض سے زائد ہو تو زائد کی زکوٰۃ دے جب وہ پہنچ جائے نصاب کو اور رہائشی گھروں میں پہننے کے

البدن و اثاث المنزل ودواب الرکوب و عبید الخدمة و سلاح الاستعمال زکوٰۃ لا یجوز
کپڑوں میں گھریلو سامان میں سواری کے جانوروں میں خدمت کے غلاموں میں اور استعمال ہتھیاروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور جائز نہیں

اَدَاءُ الزَّکٰوۃِ اِلَّا بِنِیَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْاَدَاءِ اَوْمُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِیْعِ
زکوٰۃ ادا کرنا مگر ایسی نیت کے ساتھ جو مقارن ادا ہو یا مقدار واجب علیحدہ کرنے کے مقارن ہو جس نے خیرات کر دیا اپنا

مَالِهٖ وَلَا یَنْوِی الزَّکٰوۃَ سَقَطَ فَرْضُهَا عَنْهُ
سارا مال اور نہ نیت کی زکوٰۃ کی تو فرض زکوٰۃ اس سے ساقط ہو گیا

توضیح اللغۃ حال۔علیہ الحول۔اس پر سال گزر گیا' دین۔قرض' زکی۔زکوٰۃ دے' الفاضل۔زائد' دور۔جمع دار' گھر' سکنی۔رہائش۔اثاث۔گھریلو سامان' دواب۔جمع دابہ' چوپایہ' سلاح۔ہتھیار' عزل۔علیحدہ کرنا۔

تشریح الفقہ قوله الزکوۃ واجبة الخ یہاں وجوب سے مراد فرضیت ہے کیونکہ زکوٰۃ قطعی فریضہ محکمہ ہے جس کا منکر باتفاق علماء کافر ہے۔

[1] اشار الیہ النووی فی باب السیر من الروضۃ ۱۲ [2] ترمذی' ابن حبان' حاکم عن ابی امامہ' طبرانی عن ابی الدرداء ۱۲۔

زکوٰۃ فرض ہونے کی آٹھ شرطیں ہیں۔ پانچ مالک میں اور تین مملوک میں۔ اول یہ ہیں۔ ۱۔ عاقل ہونا۔ ۲۔ بالغ ہونا مسلمان ہونا' پس کافر پر زکوٰۃ نہیں اصلی ہو یا مرتد کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے جو کافر میں متحقق نہیں ہوسکتی۔ نیز وہ فرعیات کا مخاطب ہی نہیں۔ ۴۔ آزاد ہونا۔ ۵۔ مالک نصاب کے ذمہ دین محیط کا نہ ہونا۔ حضرت عثمانؓ 'ابن عباسؓ 'ابن عمرؓ کا یہی قول ہے وکفی بہم قدوۃ۔ شروط مملوک یہ ہیں۔ ۱۔ نصاب کا کامل ہونا ۲۔ حولی ہونا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لازکوۃ فی المال حتی یحول علیه الحول[1]" کہ مال میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔ ۳۔ مال کا سائمہ ہونا یا اس کا برائے تجارت ہونا۔

قوله و لیس علی صبی الخ بچہ اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسا کہ ان پر نماز فرض نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ و عن الصبی حتی یحتلم و عن المجنون حتی یعقل[2]" حضرت علیؓ وابن عباسؓ اسی کے قائل ہیں۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ان پر بھی فرض ہے حضرت عائشہؓ وابن عمرؓ کا یہی قول ہے کیونکہ زکوٰۃ مالی تاوان ہے پس جس طرح دیگر نفقات وغرامات کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی ضروری ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کی ادائیگی بالاختیار نہیں ہوسکتی اور ان کو فقدان عقل کی وجہ سے اختیار نہیں ہے۔

بَابُ زکوٰۃ الابِلِ

باب اونٹ کی زکوٰۃ کے بیان میں

لَیْسَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ ذَوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ فَاِذَابَلَغَتْ خَمْسًا
نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ جب وہ پانچ ہو جائیں درانحالیکہ

سَائِمَۃً وَحَالَ عَلَیْھَا الْحَوْلُ فَفِیْھَا شَاۃٌ اِلٰی تِسْعٍ فَاِذَا کَانَتْ عَشْراً فَفِیْھَا شَاتَانِ اِلٰی اَرْبَعَ عَشْرَۃَ
جنگل میں چرتے ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بکری ہے نو تک جب دس ہو جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں چودہ تک

فَاِذَا کَانَتْ خَمْسَ عَشْرَۃَ فَفِیْھَا ثَلٰثُ شِیَاہٍ اِلٰی تِسْعَ عَشْرَۃَ فَاِذَا کَانَتْ عِشْرِیْنَ فَفِیْھَا اَرْبَعُ شِیَاہٍ
جب پندرہ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس تک جب بیس ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں

اِلٰی اَرْبَعٍ وَ عِشْرِیْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتُ مَخَاضٍ اِلٰی خَمْسٍ وَثَلٰثِیْنَ فَاِذَا
چوبیس تک جب پچیس ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس تک جب

بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلٰثِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اِلٰی خَمْسٍ وَاَرْبَعِیْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَاَرْبَعِیْنَ فَفِیْھَا
چھتیس ہو جائیں تو ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک جب چھیالیس ہو جائیں تو ان میں

حِقَّۃٌ اِلٰی سِتِّیْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰی وَ سِتِّیْنَ فَفِیْھَا جَذَعَۃٌ اِلٰی خَمْسٍ وَ سَبْعِیْنَ فَاِذَا بَلَغَتْ
ایک حقہ ہے ساٹھ تک جب اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک جب

سِتًّا وَسَبْعِیْنَ فَفِیْھَا بِنْتَا لَبُوْنٍ اِلٰی تِسْعِیْنَ وَاِذَا کَانَتْ اِحْدٰی وَتِسْعِیْنَ فَفِیْھَا حِقَّتَانِ اِلٰی مِائَۃٍ
چھتر ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے تک جب اکیانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو

[1] ابن ماجہ عن عائشہ۔ دارقطنی' بیہقی عن ابن عمر' احمد ص علی ۱۲۔

[2] ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ' ابن جارود' دارقطنی' طحاوی' حاکم عن عائشہ ۱۲۔

وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ تُسْتَانَفُ الْفَرِيْضَةَ فَيَكُوْنُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ وَ فِي الْعَشْرِ شَاتَانِ
بیس تک پھر ازسر نو ہو گا فریضہ پس پانچ میں ایک بکری دو حقے ہوں گے اور دس میں دو بکریاں

وَفِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِيْنَ اَرْبَعُ شِيَاهٍ وَ فِي خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ
اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض

اِلٰى مِائَةٍ وَّ خَمْسِيْنَ فَيَكُوْنُ فِيْهَا ثَلٰثُ حِقَاقٍ ثُمَّ تُسْتَانَفُ الْفَرِيْضَةُ فَفِي الْخَمْسِ شَاةٌ
ایک سو پچاس تک پس اس میں تین حقے ہوں گے اس کے بعد پھر از سر نو ہو گا فریضہ پس پانچ میں ایک بکری ہو گی۔

وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ وَ فِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَ فِي عِشْرِيْنَ اَرْبَعُ شِيَاهٍ وَ فِي خَمْسٍ
اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور

وَعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَ فِي سِتٍّ وَ ثَلٰثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَةً وَسِتًّا وَتِسْعِيْنَ
پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں بنت لبون پس جب ہو جائیں ایک سو چھیانوے

فَفِيْهَا اَرْبَعُ حِقَاقٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ ثُمَّ تُسْتَانَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَدًا كَمَا تُسْتَانَفُ فِي الْخَمْسِيْنَ
تو ان میں چار حقے ہوں گے دو سو تک پھر از سر نو ہوتا رہے گا فریضہ ہمیشہ جیسا کہ ہوا تھا ان پچاس میں

الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِيْنَ وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ
جو ایک سو پچاس کے بعد ہیں اور بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔

توضیح اللغۃ زود۔اونٹ (تین سے نو تک) سائمہ۔باہر چرنے والے،شیاہ۔جمع شاۃ بکری، بنت مخاض۔اونٹنی کی بچی جو دوسرے سال میں لگ جائے، بنت لبون۔جو تیسرے سال میں لگ جائے، حقہ۔جو چوتھے سال میں لگ جائے، جذعہ۔جو پانچویں سال میں لگ جائے، تستانف۔از سر نو کرنا، حقائق۔جمع حقہ، بخت۔جمع بختی، وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو، عراب۔جمع عربی خالص عربی النسل اونٹ۔

تشریح الفقہ قولہ خمسًا سائمۃ الخ جو جانور سال کے اکثر حصہ میں مباح چرائی پر اکتفاء کر لے اسے سائمہ کہتے ہیں۔ایسے اونٹوں کا نصاب پانچ ہے پس ۲۴ تک ہر پانچ میں ایک بکری ہے اور ۲۵ میں بنت مخاض ۳۶ میں بنت لبون ۴۶ میں حقہ ۶۱ میں جذعہ ۷۶ میں دو بنت لبون ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقے، پھر از سر نو حساب ہو گا پس ہر پانچ میں ایک بکری ہو گی ۱۴۵ تک اور ۱۴۵ میں دو حقے ایک بنت مخاض اور ۱۵۰ میں تین حقے اس کے بعد پھر استیناف ہو گا اور ہر پانچ میں ایک بکری ہو کر ۱۷۵ء میں تین حقے ایک بنت مخاض ہو گی ۱۸۶ء میں تین حقے اور بنت لبون ۱۹۶ء میں چار حقے ۲۰۰ تک پھر ۱۵۰ کے بعد ۵۰ والا حساب ہو گا پس ۲۰۵ میں دو حقے ایک بکری ۲۱۰ میں چار حقے دو بکری ۲۱۵ میں چار حقے تین بکری ۲۲۰ میں چار حقے چار بکری ۲۲۵ میں چار حقے ایک بنت مخاض ۲۳۶ میں چار حقے ایک بنت لبون ۲۴۶ میں پانچ حقے ۲۵۰ تک اور ۲۵۵ میں پانچ حقے ایک بکری ۲۶۰ میں پانچ حقے دو بکری ۲۶۵ میں پانچ حقے تین بکری ۲۷۰ میں پانچ حقے ایک بنت مخاض ۲۸۶ میں پانچ حقے ایک بنت لبون ۲۹۶ میں چھ حقے ۳۰۰ تک یہ تفصیل تو احناف کے یہاں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کے مکتوبات میں موجود ہے[1]۔امام مالک کے نزدیک ۱۲۰ کے بعد ہر چالیس میں بنت لبون ہے اور ہر پچاس میں ایک حقہ اور زائد میں کچھ نہیں ۱۳۰ تک۔پس ۱۳۰ میں ایک حقہ دو بنت لبون ۱۴۰ میں دو حقے ایک بنت لبون ۱۵۰ میں تین حقے ۱۶۰ میں چار بنت لبون ۱۷۰ میں ایک حقہ ۳ بنت لبون ۱۸۰ میں دو حقے دو بنت لبون ۱۹۰ میں تین حقے ایک بنت

[1] مکتوب حضرت ابوبکر صدیقؓ "بخاری" "مکتوب عمرؓ" "ابوداؤد، ترمذی" (ابن ماجہ مکتوب عمرو بن حزمؓ نسائی فی الدیات) ابوداؤد (فی المراسیل) ۱۲۔

لبون ہے ۲۰۰ تک' امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب ۱۲۰ پر ایک زائد ہو جائے تو اس میں تین بنت لبون ہیں ۱۳۰ تک باقی تفصیل وہی ہے جو امام مالک کے یہاں ہے' پس ان کے یہاں ہر فریضہ چالیس اور پچاس پر دائر ہے۔ امام اوزاعی' سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْبَقَرِ

باب گائے بیل کی زکوۃ کے بیان میں

لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِصَدَقَةٌ فَاِذَا كَانَتْ ثَلٰثِيْنَ سَائِمَةً
نہیں ہے تیس گائے سے کم میں زکوۃ پس جب ہو جائیں وہ تیس درانحالیکہ

وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا تَبِيْعٌ اَوْتَبِيْعَةٌ وَ فِىْ اَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ اَوْمُسِنَّةٌ فَاِذَازَادَتْ عَلٰے
جنگل میں چرتی ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور چالیس میں ایک مسن یا مسنہ جب بڑھ جائیں۔

الْاَرْبَعِيْنَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذٰلِكَ اِلٰى سِتِّيْنَ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ ففِى الْوَاحِدَةِ
چالیس سے جو واجب ہو گا زائد میں اس کے حساب سے ساٹھ تک امام صاحب کے نزدیک پس ایک میں

رُبُعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِىْ الْاِثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَ فِى الثَّلٰثِ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ عُشْرِ مُسِنَّةٍ
مسنہ کا چالیسواں اور دو میں بیسواں اور تین میں چالیس حصوں کے تین حصے واجب

وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ لَاشَيْئَ فِىْ الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ سِتِّيْنَ فَيَكُوْنُ فِيْهَا تَبِيْعَانِ اَوْ
ہوں گے امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کچھ نہیں زائد میں یہاں تک کہ ساٹھ ہو جائیں پس ساٹھ میں

تَبِيْعَتَانِ وَ فِي سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ وَفِى ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ وَفِى تِسْعِيْنَ ثَلٰثَةُ اَتْبِعَةٍ وَفِى مِائَةٍ
دو تبیعے ہوں گے اور ستر میں ایک مسنہ ایک تبیع اور اسی میں دو مسنے اور نوے میں تین تبیعے اور ایک سو میں

تَبِيْعَتَانِ وَ مُسِنَّةٌ وَ عَلٰى هٰذَا يَتَغَيَّرُالْفَرْضُ فِىْ كُلِّ عَشْرٍ مِنْ تَبِيْعٍ اِلٰى مُسِنَّةٍ وَالْجَوَامِيْسُ
دو تبیع ایک مسنہ اسی طرح ہر دس میں بدلتا رہے گا فرض تبیع سے مسنہ کی طرف اور بھینس

وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ
اور گائے برابر ہیں

توضیح اللغۃ البقر۔ گائے' بیل۔ تبیع' تبیعۃ یکسالہ بچھڑا' بچھڑی' مسن۔ دوسالہ' ارباع۔ جمع ربع' چوتھائی' الجوامیس۔ جمع جاموس' بھینس۔

تشریح الفقہ قولہ لیس فی اقل الخ گائے' بھینس کی زکوۃ کا نصاب تیس ہے جس میں یک سالہ بچھڑا یا بچھڑی ہے اور چالیس میں دو سالہ اور چالیس سے ساٹھ تک جو زائد ہو تو اس میں اسی حساب سے زکوۃ ہو گی یعنی ایک میں مسن کا چالیسواں حصہ دو میں بیسواں وہکذا یہ امام صاحب سے ابو یوسف کی روایت ہے اور ظاہر الروایہ ہے' ابراہیم نخعی' مکحول' حماد اسی کے قائل ہیں حسن کی روایت یہ ہے کہ زیادہ میں کچھ نہیں ۵۰ تک پس ۵۰ میں ایک مسنہ اور اس کا چوتھائی حصہ' صاحبین' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زائد میں کچھ نہیں ۶۰ تک امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے پس ۶۰ میں دو تبیعے' ۷۰ میں ایک مسنہ و تبیع' ۸۰ میں دو مسنے ہیں۔ اس کے بعد ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی طرف اور مسنہ سے تبیع کی طرف فریضہ بدلتا رہے گا۔ محمد

حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ صَدَقةِ الغَنِم

باب بکریوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

لَیْسَ فِي اَقَلَّ عَنْ اَرْبَعِیْنَ شَاةً صَدَقَةٌ فَاِذَا کَانَت اَرْبَعِیْنَ

نہیں ہے چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ جب ہو جائیں چالیس

شَاةً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَیْهَا الْحَوْلُ فَفِیْهَا شَاةٌ اِلٰی مِائَةٍ وَ عِشْرِیْنَ فَاِذَازَادَتْ وَاحِدَةٌ

درانحالیکہ جنگل میں چرتی ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں ایک بکری ہے ایک سو بیس تک جب ایک زائد ہو جائے

فَفِیْهَا شَاتَانِ اِلٰی مِائَتَیْنِ فَاِذَازَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِیْهَا ثَلٰثُ شِیَاهٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اَرْبَعَ

تو ان میں دو بکریاں ہیں دو سو تک جب ایک زائد ہو جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں جب چار سو

مِائَةٍ فَفِیْهَا اَرْبَعُ شِیَاهٍ ثُمَّ فِیْ کُلِّ مَائَةٍ شَاةٌ وَالضَّانُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ

ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے اور بھیڑ بکریاں برابر ہیں

اونٹوں کی زکوٰۃ کا نقشہ

نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب	نصاب	مقدار واجب
۵	ایک بکری	۲۰	چار بکریاں	۴۶	ایک حقہ	۹۱	دو حقے
۱۰	دو بکریاں	۲۵	بنت خاض	۶۱	ایک جذعہ	۱۰۰	ایضاً
۱۵	تین بکریاں	۳۶	بنت لبون	۷۶	دو بنت لبون	۱۲۰	ایضاً
۱۲۵	ایک بکری دو حقے	۱۳۵	تین بکریاں دو حقے	۱۴۵	بنت مخاض دو حقے		
۱۳۰	دو بکریاں دو حقے	۱۴۰	چار بکریاں دو حقے	۱۵۰	تین حقے		
۱۵۵	ایک بکری تین حقے	۱۶۵	تین بکریاں تین حقے	۱۷۵	تین حقے ایک بنت مخاض	۱۹۶	چار حقے
۱۶۰	دو بکریاں تین حقے	۱۷۰	چار بکریاں تین حقے	۱۸۶	تین حقے ایک بنت لبون	۲۰۰	چار حقے

گائے بیل کی زکوٰۃ کا نقشہ

۳۰	یک سالہ بچھڑا یا بچھڑی	۶۰	یکسالہ دو بچھڑے	۸۰	دو بچھڑے دو سالہ	۱۰۰	ایک دو سالہ یک سالہ
۴۰	دو سالہ بچھڑا یا بچھڑی	۷۰	ایک یکسالہ ایک دو سالہ	۹۰	تین بچھڑے یک سالہ		

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا نقشہ

۴۰	ایک بکری	۲۰۱	تین بکریاں	۵۰۰	پانچ بکریاں		
۱۲۱	دو بکریاں	۴۰۰	چار بکریاں	۶۰۰	چھ بکریاں (وھکذا)		

بابُ زَکوٰۃِ الْخَیلِ

باب گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

اِذَاکَانَتِ الْخَیْلُ سَائِمَۃً ذُکُوْرًا وَاِنَاثًا وَحَالَ عَلَیْھَا الْحَوْلُ فَصَاحِبُھَا
جب گھوڑے گھوڑیاں سب ہوں اور جنگل میں چرتے ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان کے

بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَعْطٰی مِنْ کُلِّ فَرَسٍ دِیْنَارًا وَاِنْ شَاءَ قَوَّمَھَا فَاَعْطٰی عَنْ کُلِّ مِائَتَی دِرْھَمٍ
مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے دے اور چاہے ان کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم کی طرف

خَمْسَۃَ دَرَاھِمَ وَلَیْسَ فِیْ ذُکُوْرِھَا مُنْفَرِدَۃً زَکوٰۃٌ عِنْدَ اَبِی حَنِیفَۃَ ؒ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ ؒ وَ
سے پانچ درہم دے دے اور صرف گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، امام ابو یوسفؒ اور

مُحمدٌ ؒ لَا زَکوٰۃَ فِی الْخَیْلِ وَلَا شَیْءَ فِی الْبِغَالِ وَالْحَمِیرِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ لِلتِّجَارَۃِ وَلَیْسَ فِی
امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں اور نہ خچر اور گدھوں میں الا یہ کہ وہ برائے تجارت ہوں اور نہیں ہے

الْفُصْلَانِ وَالْحُمْلَانِ وَالْعَجَاجِیْلِ زَکوٰۃٌ عِنْدَاَبِی حَنِیفۃ وَ مُحَمَّدٍؒ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَعَھَا
اونٹ بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ کے نزدیک الا یہ کہ ہوں ان کے

کِبَارٌ وقَالَ اَبُوْیُوسُفَ ؒ تَجِبُ فِیْھَا وَاحِدَۃٌ مِنْھَا وَمَنْ وَجَبَ عَلَیْہِ مُسِنٌّ فَلَمْ یُوْجَدْ
ساتھ بڑے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ انہیں میں سے ایک واجب ہے جس پر مسنہ ہو اور وہ نہ پایا گیا ہو

اَخَذَالْمُصَدِّقُ اَعْلٰی منھا وَرَدَّالْفَضْلَ اَوْاَخَذَ دُوْنَھَا وَاَخَذَ الفَضْلَ وَیَجُوْزُ دَفْعُ الْقِیَمِ
تو لے زکوٰۃ لینے والا اس سے اعلیٰ او لوٹائے زائد دام یا لے اس سے کم درجہ کا اور باقی دام اور جائز ہے قیمتوں کا دینا

فِی الزَّکوٰۃِ وَلَیْسَ فِی الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامل وَالْعَلُوْفَۃِ زَکوٰۃٌ وَلَا یَاْخُذُ الْمُصدِّقُ خِیَارَ الْمَالِ
زکوٰۃ میں نہیں ہے کام کاج والوں گھر پر کھانے والوں میں زکوٰۃ اور نہ لے مصدق عمدہ مال

وَلَارِذَالَتَہٗ وَیَاْخُذُالْوَسَطَ
اور بالکل ردی بلکہ اوسط درجہ کا لے

توضیح اللغۃ الخیل، گھوڑوں کا گروہ، ذکور۔ نر، اناث۔ مادین، فرس۔ گھوڑا، دینار۔ اشرفی، قومھا۔ قیمت لگائے، بغال۔ جمع بغل، خچر، حمیر۔ جمع حمار، پالتو گدھا، فصلان۔ جمع فصیل، اونٹنی کا بچہ جو ایک سال سے کم کا ہو، حملان۔ جمع حمل، بکری کا بچہ، عجاجیل بمعنی عجل بچھڑا، فضل۔ زیادتی، قیم۔ جمع قیمۃ، عوامل۔ جمع عاملۃ، کام کاج میں آنے والی اونٹنی، دون۔ گھٹیا، علوفہ۔ گھر پر چارہ کھانے والے جانور، مصدق۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا، خیار۔ بہتر

'رزالہ۔کمتر'وسط۔درمیانی۔

تشریح الفقہ قولہ باب زکوٰۃ الخیل الخ صاحبین کے نزدیک سائمہ گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں' کیونکہ حدیث میں ہے کہ''مسلمان پر اس کے غلام میں اور گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''(ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ)' خانیہ' طحطاوی' اسرار' زیلعی' ینابیع' جواہر' کافی وغیرہ میں اسی قول پر فتویٰ ہے' یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔امام ابوحنیفہ کے یہاں تفصیل ہے کہ گھوڑے سائمہ ہوں گے یا علوفہ' ان میں سے ہر ایک برائے تجارت ہوں گے یا نہیں اگر تجارت کے لیے ہوں تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے سائمہ ہوں یا علوفہ' اور اگر تجارت کے لیے نہ ہوں تو بار برداری' سواری اور جہاد کے لیے ہوں گے اس صورت میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں اور اگر کسی اور فائدہ کے لیے ہوں اور علوفہ ہوں تب بھی زکوٰۃ نہیں اور اگر سائمہ ہوں اور نر و مادین دونوں ہوں اور عربی النسل ہوں تو مالک کو اختیار ہے چاہے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار دے دے اور چاہے تو سب کی قیمت لگا کر ہر دو سو سے پانچ درہم دے دے۔امام صاحب کے مذہب کی رو سے مقتضائے قیاس تو یہی تھا کہ زکوٰۃ واجب نہ ہو' کیونکہ ان کے نزدیک گھوڑا غیر ماکول اللحم ہے لیکن آپ نے حدیث''ہر سائمہ گھوڑے میں ایک دینار ہے یا دس دراہم[1]'' کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا اور اختیاری اس لیے دیا کہ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کی طرف لکھا تھا'' **خیرار بابہا ان ادوامن کل فرس دینار اوالا فقومہاو خذمن کل مائتی درھم خمسة دراھم**'' ردالمحتار میں ہے کہ بعض فقہاء نے امام صاحب کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی صحیح ہے۔امام سرخسی فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول اولیٰ ہے۔ابن ہمام نے فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحبین کی دلیل کا جواب بہ تبعیت صاحب ہدایہ یہ دیا ہے کہ حدیث''**لیس علی المسلم فی عبدہ الخ**''میں فرس سے مراد غازیوں کے گھوڑے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ نہیں۔حضرت زید بن ثابتؓ سے یہی تاویل منقول ہے۔(اسرار)

قولہ ذکورًا و اناثاً الخ اختلاط کی قید اس لیے لگائی کہ تنہا گھوڑوں کی بابت دو روایتیں ہیں صحیح عدم وجوب ہے کیونکہ تنہا گھوڑوں سے تناسل نہیں ہوسکتا بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ گو ان میں بھی تنہا نروں سے تناسل نہیں ہوتا مگر ان سے فائدہ اکل ہوسکتا ہے اور تنہا گھوڑوں کی بابت بھی دو روایتیں ہیں صحیح وجوب ہے کیونکہ تنہا گھوڑوں سے تناسل ہوسکتا ہے۔بایں معنی کہ کسی دوسرے کا گھوڑا مستعار لے لیا جائے۔

قولہ ولاشئی فی البغال الخ خچر اور گدھوں میں بالاتفاق زکوٰۃ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ''ان کے بارے میں مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی[2]۔مگر یہ اس وقت ہے جب یہ برائے تجارت نہ ہوں ورنہ جوب زکوٰۃ میں کوئی کلام نہیں۔کیونکہ اس صورت میں دیگر اموال تجارت کی طرح زکوٰۃ کا تعلق مالیت سے ہے۔

قولہ ولیس فی الفصلان الخ بکری' اونٹ گائے کے چھوٹے بچے میں زکوٰۃ نہیں' یہ امام صاحب کا آخری قول ہے جس کو امام محمد نے اختیار کیا ہے اور ثوری وشعبی کا یہی قول ہے تحفہ میں اس کی تصحیح ہے۔پہلا قول یہ ہے کہ جو بڑوں میں واجب ہے وہی چھوٹوں میں واجب ہے اس کو امام زفر نے اختیار کیا ہے اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔تیسرا قول یہ ہے کہ انہیں میں سے ایک دے دینا چاہیے۔اسی کو امام ابو یوسف نے اختیار کیا ہے اور امام شافعی واوزاعی اسی کے قائل ہیں۔محمد بن شجاع کہتے ہیں اگر امام صاحب کوئی چوتھا قول کرتے تو میں اس کو لیتا پھر مسئلہ مذکورہ کی صورت یہ ہے کہ شروع سال میں بڑے بھی ہوں اور چھوٹے بھی ہوں اور درمیان سال میں بڑے مر جائیں اور چھوٹوں پر سال گزر جائے تو تمام سال ہونے پر چھوٹوں میں زکوٰۃ نہیں۔

قولہ ولیس فی العوامل الخ لیکن امام مالک وجوب کے قائل ہیں کیونکہ حدیث''فی خمس ذود الخ''اور''**فی کل ثلاثین من البقر الخ**''اپنے ظاہر کے لحاظ سے مقتضی وجوب ہیں ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ''اپنے کام کاج میں آنے والے بیلوں میں زکوٰۃ نہیں[3]''ہے نیز وجوب کا سبب مال کا نامی یا برائے تجارت ہونا ہے اور یہاں یہ چیز نہیں ہے۔

---

[1] دار قطنی' بیہقی عن جابر ۱۲۔ [2] صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ [3] ابوداؤد' دار قطنی' بیہقی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق عن علی ۱۲۔

وَمَنْ كَانَ لَهٗ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِيْ اَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهٖ ضَمَّهٗ اِلٰى مَالِهٖ وَزَكَّاهُ بِهٖ وَ

ایک شخص کے پاس ایک نصاب تھا اس نے درمیان سال میں اسی قسم کا اور مال کما لیا تو اسے اپنے مال میں ملا کر سارے

السَّائِمَةُ هِيَ الَّتِيْ تَكْتَفِيْ بِالرَّعْيِ فِيْ اَكْثَرِ الْحَوْلِ فَاِنْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ اَوْاَكْثَرَ فَلَازَكٰوةَ

کی زکوٰۃ دے اور سائمہ وہ جانور ہیں جو اکثر سال باہر چرنے پر اکتفاء کریں اگر چھ ماہ یا اس سے زائد گھر پر کھلایا تو ان میں زکوٰۃ

فِيْهَا وَالزَّكٰوةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ فِي النِّصَابِ دُوْنَ الْعَفْوِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ

نہیں، اور زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ و ابی یوسفؒ کے نزدیک نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں، امام محمدؒ و امام زفرؒ

تَجِبُ فِيْهِمَا وَاِذَا هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوْبِ الزَّكٰوةِ سَقَطَتْ وَاِنْ قَدَّمَ الزَّكٰوةَ عَلٰى

فرماتے ہیں کہ دونوں میں واجب ہے جب ہلاک ہو جائے مال وجوب زکوٰۃ کے بعد تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اگر سال سے پہلے ہی دے دی

الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ

زکوٰۃ درانحالیکہ وہ مالک نصاب ہے تو یہ بھی جائز ہے

توضیح اللغۃ اثناء۔ درمیان، رعی۔ چرنا، علفھا۔ جانور کو چارہ دینا، عفو۔ دو نصابوں کے درمیان کا عدد۔

تشریح الفقہ قولہ و من کان لہ نصاب الخ اگر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہو جائے (از روئے ہبہ ہو یا بطریق وراثت) تو اس کو اس جنس کے نصاب کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دینی چاہیے درمیان سال میں سائمہ جانوروں کے بچوں کا بڑھنا اور مال تجارت میں نفع کا ہونا سب اسی حکم میں داخل ہے۔

قولہ دون العفو الخ شیخین کے نزدیک عدد عفو میں زکوٰۃ نہیں۔ امام امالک، احمد، شافعی کا قول (جدید) یہی ہے۔ امام محمد و زفر کے نزدیک اس میں بھی زکوٰۃ ہے کیونکہ وجوب زکوٰۃ نعمت مال کے شکریہ میں ہے اور کل مال نعمت ہے۔ شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے کہ "پانچ سائمہ اونٹوں میں ایک بکری ہے اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ دس ہو جائیں" پس اگر نو اونٹوں میں سے چار ہلاک ہو جائیں تو ایک بکری واجب ہو گی اور امام محمد و زفر کے نزدیک اس کے حساب سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

قولہ واذا ھلک المال الخ جو مال وجوب زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہو جائے تو اس کے حساب سے زکوٰۃ بھی ساقط ہو جائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر ادائیگی پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ہلاک ہو تو مالک ضامن ہو گا یہ اختلاف دراصل اس پر مبنی ہے کہ ہمارے یہاں زکوٰۃ کا تعلق عین شئے کے ساتھ ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس کا تعلق ذمہ سے ہے ظواہر نصوص ہمارے مؤید ہیں لیکن اگر سال تمام ہونے پر خود ہلاک کر دیا تو ساقط نہ ہو گی کیونکہ اب تعدی اس کی طرف سے ہوئی۔

قولہ وان قدم الزکوٰۃ الخ ایک شخص کے پاس ایک مال کا نصاب تھا اس نے ایک سال یا چند سالوں کی پیشگی یا چند نصابوں کی زکوٰۃ نکال دی تو ادا ہو جائے گی (خلافا لمالک فی التعجیل والشافعی فی السنین) کیونکہ سبب وجوب زکوٰۃ صرف نصاب ہے اور وہ موجود ہے، رہا حولان حول سو یہ تو شریعت کی طرف سے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے ایک قسم کی مہلت ہے جیسے تعمیل دین نیز سببیت میں اصلی پہلا نصاب ہے باقی سب اس کے تابع ہے۔

بابُ زکوٰة الفضّةِ

باب چاندی کی زکوٰۃ کے بیان میں

لَيْسَ فِي مَادُوْنَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ فَاِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ
نہیں ہے دو سو درہموں سے کم میں زکوٰۃ جب ہو جائیں دو سو

دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَلَاشَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ اَرْبَعِيْنَ
درہم اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس ہو جائیں

دِرْهَمًا فَيَكُوْنُ فِيْهَا دِرْهَمٌ ثُمَّ فِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ عِنْدَابِيْ حَنِيفة وَقَالَ
پس ہو گا ان میں ایک درہم پھر ہر چالیس میں ایک درہم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحمدٌ مَازَاد -عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكَاتُهُ بِحِسَابِه وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الْوَرِقِ
امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو زائد ہو دو سو پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے، اگر ہو چیز میں غالب

الْفِضَّةُ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْغِشُّ فَهُوَ فِيْ حُكْمِ الْعُرُوْضِ وَيُعتَبَر
چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے درجہ میں ہے اور ایسی چیزوں

اَنْ تَبْلُغَ قِيْمَتُهَا نِصَابًا
میں معتبر ہے یہ کہ پہنچ جائے ان کی قیمت نصاب کو

قوله فاذا كانت مائتي درهم الخ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے جس میں پانچ درہم واجب ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے پاس لکھا تھا ''**ان تاخذمن مائتي درهم خمبسة دراهم**'' اس کے بعد چالیس درہم سے کم میں کچھ نہیں، جب چالیس ہو جائیں تو ان میں ایک درہم ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس لکھا تھا ''**فمازاد على المائتين ففي كل اربعين درهما درهم**'' (ابن ابی شیبہ) یہ تو امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دوسو درہم پر جو کچھ زائد ہو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہوگی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''**مازاد على المائتين فبحسابه**[1]'' امام ابوحنیفہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''**لاتاخذ من الكسور شياء**[2]'' نیز آپ نے ارشاد فرمایا ''**ليس فيما دون الاربعين صدقة**[3]'' رہی حدیث حضرت علیؓ سو اس کے متعلق امام سرخسی نے لکھا ہے کہ اس کو کسی ثقہ راوی نے مرفوعاً روایت نہیں کیا ہے۔

وان كان الغالب الخ اگر چاندی (اور سونا) کسی چیز کے ساتھ مخلوط ہو اور ان میں سے کوئی ایک غالب ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا پس اگر چاندی غالب ہو تو چاندی کا حکم ہوگا، ورنہ سامان کے درجہ میں ہوگا، اس مسئلہ کی بارہ صورتیں ہو سکتی ہیں اگر تفصیل مطلوب ہو تو ہماری شرح ''**معدن الحقائق شرح كنز الدقائق**'' کی طرف مراجعت کرو۔

---

[1] ابوداؤد عن علی ۱۲ [2] دار قطنی عن معاذ ۱۲ [3] عبدالحق فی احکام عن عمرو بن حزم ۱۲۔

بَابُ زكوٰةِ الذَّهَبِ

باب سونے کی زکوٰۃ کے بیان میں

لَيْس فِيْ مَادُوْنَ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً[1] مِنَ الذَّهَبِ صَدَقَةٌ فَاِذَا
نہیں ہے بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ جب

كَانَتْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ
ہو جائے وہ بیس مثقال' اور گذر جائے اس پر سال تو اس میں نصف مثقال ہے پھر ہر چار مثقال میں

قِيْرَاطَانِ وَ لَيْسَ فِيْ مَادُوْنَ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ صَدَقَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا مَازَادَ عَلَے
دو قیراط ہیں اور نہیں ہے چار مثقال سے کم میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو زائد

الْعِشْرِيْنَ فَزَكَاتُهٗ بِحِسَابِهَا وَ فِيْ تِبْرِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَالْاٰنِيَةِ مِنْهُمَا زَكٰوةٌ
ہو بیس پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے'سونے چاندی کی ڈلی' ان کے زیورات اور ان کے برتنوں میں بھی زکوٰۃ ہے

توضیح اللغۃ ذہب۔سونا' مثقال۔اشیاء تولنے کا ایک خاص وزن' اس کی جمع مثاقیل ہے' قیراطان۔قیراط کا تثنیہ ہے' یہ بھی ایک خاص وزن ہے' تبر۔سونے کا بغیر ڈھلا ہوا ڈھیلا' حلی' زیور' آنیہ۔برتن۔

تشریح الفقہ قولہ باب زکوٰۃ الذہب الخ سونے کا نصاب بیس دینار ہے اور دینار ایک مثقال کے ہموزن ہوتا ہے یعنی بیس قراط کا اور ایک قراط پانچ جو کا' پس ایک دینار سو جو کا ہوا جس کا وزن ارباب تحقیق کے نزدیک ساڑھے چار ماشہ ہوتا ہے تو سونے کا نصاب ۷ ۱/۲ تولہ ہوا جس کا چالیسواں حصہ دو ماشہ دورتی ہوتا ہے۔پس جو شخص بیس دینار یعنی ۷ ۱/۲ تولہ کا مالک ہو اس پر نصف مثقال یعنی دو ماشے دورتی بھر زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ حضرت معاذؓ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''ومن کل عشرین مثقالا من ذھب نصف مثقال.''

قولہ و حلیھما الخ سونے چاندی کی ڈلیوں اور ان کے زیورات اور برتنوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے۔امام شافعی کے نزدیک مباح الاستعمال زیورات وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ سونے کے کنگن پہنے ہوئے گھوم رہی ہیں' آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں آپ نے فرمایا' کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں جہنم کی آگ کے کنگن پہنائے؟ انہوں نے کہا آپ نے فرمایا: اگر یہ بات پسند نہیں ہے تو ان کی زکوٰۃ دو' نیز سونا چاندی بحسب خلقیت ثمنیت کے لیے موضوع ہیں لہذا ان میں بہر صورت زکوٰۃ واجب ہوگی۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بابُ زكوةِ الْعُرُوضِ

باب اسباب کی زکوٰۃ کے بیان میں

اَلزَّكٰوةُ وَاجِبَةٌ فِيْ عُرُوْضِ التِّجَارَةِ كَائِنَةً مَاكَانَتْ اِذَا
زکوٰۃ واجب ہے اسباب تجارت میں خواہ کسی قسم کا ہو جب

1۔ مثقال درہم قیراط دانق وغیرہ اوزان شرعیہ کی تحقیق تولہ اور ماشہ کے حساب سے ہماری کتاب معدن الحقائق شرح کنز الدقائق میں دیکھو۔۱۲

بَلَغَتْ قِيْمَتُهَا نِصَابًا مِنَ الْوَرَقِ اَوِالذَّهَبِ يُقَوِّمُهَا بِمَا هُوَاَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ مِنْهُمَا
پہنچ جائے اس کی قیمت نصاب کو چاندی یا سونے سے قیمت لگائے اس کی ایسی چیز سے جو نافع تر ہو فقراء و مساکین کے لئے

وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ يُقَوِّمُ بِمَا اشْتَرَاهُ بِهٖ فَاِنِ اشْتَرَا بِغَيْرِ الثَّمَنِ يُقَوِّمُ بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ فِىْ
امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قیمت لگائے اسی سے جس سے خریدا ہے اگر خریدا ہو روپیہ پیسے کے علاوہ سے تو قیمت لگائے اس سے جو

الْمِصْرِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ بِغَالِبِ النَّقْدِ فِى الْمِصْرِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلاً فِىْ
رائج ہو شہر میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نقد غالب ہی سے لگائے ہر حال میں جب نصاب پورا ہو سال کی دونوں

طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهٗ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ لَايُسْقِطُ الزَّكٰوةَ وَيُضَمُّ قِيْمَةُ الْعُرُوْضِ اِلَى
طرفوں میں تو اس کا کم ہو جانا سال کے درمیان ساقط نہیں کرتا زکوٰۃ کو اور ملالی جائے سامان کی قیمت

الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذٰلِكَ يُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيْمَةِ حَتّٰى يَتِمَّ النِّصَابُ عِنْدَ
سونے چاندی کی طرف اسی طرح ملا لیا جائے سونا چاندی کے ساتھ از روئے قیمت یہاں تک کہ نصاب پورا ہو جائے

اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَايُضَمُّ الذَّهَبُ اِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيْمَةِ وَيُضَمُّ بِالْاَجْزَاءِ
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ نہ ملایا جائے سونا چاندی کے ساتھ قیمۃً بلکہ ملایا جائے اجزاء

تشریح الفقہ قولہ الزکوٰۃ واجبۃ الخ اسباب تجارت جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے اس میں زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تجارتی سامان کی زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے[1]۔

قولہ بما ھوا نفع الخ اسباب تجارت کی قیمت سونے چاندی کے لحاظ سے لگائی جائے گی۔ اب اگر اس کی قیمت ان میں سے ہر ایک کے لحاظ سے نصاب کو پہنچ جائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس ثمن کے لحاظ سے قیمت کا اعتبار ہوگا جس کے عوض میں سامان خریدا ہے اگر اس نے نقدین کے عوض میں خریدا ہو اور اگر غیر نقدین کے عوض میں خریدا ہو تو نقد غالب کا اعتبار ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک ہر حالت میں نقد غالب کا اعتبار ہے اور اگر صرف کسی ایک کے لحاظ سے نصاب کو پہنچے تو بالاتفاق اسی کا اعتبار ہوگا جس کے لحاظ سے وہ نصاب کو پہنچ رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر حالت میں اس صورت کو اختیار کیا جائے گا جو فقراء کے حق میں نافع تر ہو گا مثلاً اگر مال تجارت کی قیمت چاندی سے لگائی جائے تو ساڑھے باون تولہ کا ہوتا ہے اور سونے سے کی جائے تو تین یا چار تولہ کا ہوتا ہے تو قیمت چاندی سے لگائی جائے گی اور اگر دراہم کے لحاظ سے لیں تو قیمت دوسو چالیس درہم ہوں اور دینار کے لحاظ سے لیں تو تیئیس دینار ہوں تو قیمت دراہم کے لحاظ سے لگائی جائیگی کیونکہ اس میں چھ درہم لازم ہوں گے بخلاف دنانیر کے کہ ان میں نصف دینار واجب ہوتا ہے جو پانچ درہم کے مساوی ہے۔

قولہ فنقصانہ الخ اگر سال کے اول و آخر میں نصاب کامل ہو اور درمیان میں کم ہو جائے تو یہ وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ پوری زکوٰۃ واجب ہوگی البتہ اگر تمام مال جاتا رہے اور کچھ دن کے بعد پھر مل جائے تو جس وقت سے مال ملا ہے اسی وقت سے سال کا حساب ہوگا۔

قولہ و کذلک یضم الخ اگر کسی کے ہاتھ تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی ہو تو ان کی قیمت لگائی جائے گی اگر قیمت چاندی یا سونے کے نصاب کو پہنچ جائے تو امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اجزاء ملایا جائے گا پس ایک سو درہم اور پانچ مثقال سونے میں جس کی قیمت ایک سو درہم ہو امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی صاحبین کے نزدیک نہ ہوگی وہ یہ کہتے ہیں کہ سونے

[1] ابوداؤد، بیہقی، دارقطنی، طبرانی ۱۲۔

چاندی میں مقدار کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کے ساتھ ملانا مجانست کی وجہ سے ہے جس کا تحقق قیمت ہی کے اعتبار سے ہو سکتا ہے۔

بَابُ زَكوٰةِ الزُّرُوعِ وَالثِّمَارِ

باب کھیتیوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

قَالَ اَبُوحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَلِيْلِ مَا اَخْرَجَتْهُ

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار میں

الْاَرْضُ وَكَثِيْرِهِ الْعُشْرُوَاجِبٌ سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحًا اَوْسَقَتْهُ السَّمَاءُ اِلاَّ الْحَطَبُ

کم ہو یا زائد عشر واجب ہے خواہ زمین جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو یا بارش سے سوائے لکڑی

وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيْشُ

بانس اور گھاس

توضیح اللغۃ زکوٰۃ۔ یہاں اس سے مراد عشر ہے، زروع۔ جمع زرع، کھیتی، ثمار۔ جمع ثمر، پھل، سیح۔ بہتا پانی، سماء۔ آسمان، مراد بارش، قال الله تعالٰی ''وارسلنا السماء عليهم مدرارا'' وقال الشاعر ؎

اذا وقع السماء بارض قوم

رعيناها و ان كانوا اعضابا

تشریح الفقہ قوله فى قليل ما الخ جو زمین بارش سے جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے، خواہ وہ بقدر نصاب اور سال بھر تک دیرپا ہو یا نہ ہو کیونکہ ارشاد باری 'ومما اخرجنا لكم من الارض' میں کلمہ ما اپنے عموم کی وجہ سے قلیل و کثیر سب کو شامل ہے نیز حدیث ''فيما سقت السماء والعيون اوكان عشريا العشر[1] اھ'' میں بھی کلمہ ما عام ہے کم و بیش کی کوئی تفصیل نہیں۔

وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رحمهما اللّٰهُ لاَ يَجِبُ الْعُشْرُ اِلاَّ فِيْمَالَهٗ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ اِذَابَلَغَتْ

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عشر واجب نہیں مگر انہی میں جن کا پھل باقی رہتا ہے جب وہ پہنچ

خَمْسَةَ اَوْسُقٍ وَالْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعًا بِصَاعِ النَّبِيِّ عليه السّلام وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ

جائے پانچ وسق کو اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع سے اور نہیں ہے سبزیوں میں

عِنْدَهُمَا عُشْرٌ وَمَا سُقِيَ بِغَرْبٍ اَوْدَالِيَةٍ اَوْسَانِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ

صاحبین کے نزدیک عشر اور جو سینچے جائیں چرسہ، رہٹ یا سانڈنی سے تو اس میں سے نصف عشر ہے دونوں قولوں پر

وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ فِيْمَا لاَ يُوسَقُ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْقُطْنِ يَجِبُ فِيْهِ الْعُشْرُ اِذَابَلَغَتْ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو چیزیں وسق سے نہیں بکتیں جیسے زعفران اور روئی تو واجب ہے ان میں عشر جب پہنچ جائے

[1] بخاری، ابوداؤد، طحاوی، عن ابن عمر، مسلم عن جابر، ابن ماجہ عن معاذ (بالفاظ مختلفہ) ۱۲۔

قِيْمَتُهٗ قِيْمَةَ خَمْسَةِ اَوسقٍ مِنْ اَدْنٰى مَايَدخُلُ تَحْتَ الوَسْقِ وَقَالَ مُحمدٌ يَجِبُ الْعُشْرُ
ان کی قیمت ایسی ادنی درجہ کی پانچ وسق کی قیمت کو جو وسق سے ناپی جاتی ہوں' امام محمد فرماتے ہیں کہ واجب ہے عشر

اِذَابَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ اَمْثَالٍ مِنْ اَعْلٰى مَا يُقَدَّرُبِهٖ نَوْعُهٗ فَاعْتُبِرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةَ
جب پہنچ جائے پیداوار پانچ عدداعلی اس مقدار کو جس سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ اس جیسی چیزوں کا پس روئی میں پانچ گونوں کا

اَحْمَالٍ وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةَ اَمْنَاءٍ وَ فِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ اِذَا اُخِذَمِنْ اَرْضِ الْعُشْرِ قَلَّ اَوْ
اعتبار ہے اور زعفران میں پانچ سیر کا اور شہد میں عشر ہے جب حاصل کیا جائے عشری زمین سے کم ہو یا

كَثُرَوَقَالَ اَبُويُوسُفَ فِيهِ حَتّٰى تَبْلُغَ عَشَرَةَ اَزْقَاقٍ وَقَالَ مُحَمدٌ خَمْسَةَ اَفْرَاقٍ وَالْفرقُ
زائد' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس وقت ہے جب وہ دس مشکیزہ ہو' امام محمد فرماتے ہیں کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق

سِتَّةٌ وَثَلٰثُوْنَ رِطْلاً بِالْعِرَاقِي وَلَيْسَ فِيْ الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخِرَاجِ عُشْرٌ
چھتیس رطل عراقی کا ہوتا ہے' اور نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں عشر

توضیح اللغۃ ثمرۃ۔ پھل' اوسق۔ جمع وسق' ساٹھ صاع کا ایک پیمانہ ہے' خضراوات۔ سبزیاں غرب۔ بڑا ڈول' چڑسہ' دالیۃ۔ رہٹ۔ سانیۃ۔ اونٹنی جس سے کنویں سے پانی لایا جائے' قطن۔ روئی' امثال۔ جمع مثل' نظیر' احمال۔ جمع حمل' بوجھ' امناء۔ جمع من' عسل شہد' ازقاق۔ جمع زق' مشک' افراق۔ جمع فرق' چھتیس رطل کا ایک پیمانہ۔

تشریح الفقہ واذا بلغت خمسة اوسق الخ صاحبین کے نزدیک عشران چیزوں میں واجب ہے جو سال بھر تک دھوپ وغیرہ میں رکھے بغیر دیر پا ہو جیسے گیہوں جوار' جو' کنگنی' چینا' باجرا' چاول' مسور' ماش' لوبیا' چنا' کھجور' کشمش' زعفران' عصفر' فلفل' رائی' دھنیا وغیرہ جب یہ چیزیں پانچ وسق کی مقدار ہوں تو ان میں عشر واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''لیس فیمادون خمسة اوسق صدقة[1] '' کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے اور اشتراک بقاء کی دلیل یہ حدیث ہے ''لیس فیھا (ای فی الخضراوات) شئی[2] '' سبزیوں میں کچھ واجب نہیں۔ امام صاحب کی جانب سے پہلی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں زکوۃ تجارت مراد ہے نہ کہ عشر۔ کیونکہ عرب لوگ وسق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی۔ پس پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئے اور ظاہر ہے کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں۔ رہی دوسری حدیث سو وہ نہایت ضعیف ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔

قوله علی القولین الخ ای علی اختلاف القولین' جو زمین چڑسہ' رہٹ یا سانڈنی کے ذریعہ سیراب کی جائے اس میں علی اختلاف القولین نصف عشر واجب ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اس میں بھی پیداوار کا بقدر نصاب ہونا اور سال بھر تک دیر پا ہونا شرط نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ دونوں چیزیں شرط ہیں۔

قوله و فی العسل العشر الخ ہمارے نزدیک غیر خراجی زمین کے شہد میں عشر واجب ہے۔ امام شافعی و امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے پس ابریشم کے مشابہ ہوگا کہ اس میں بھی عشر نہیں ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''فی العسل العشر[3] '' نیز مروی ہے کہ قوم بنی شبابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دس مشک شہد سے ایک مشک عشر ادا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وادی کی حفاظت و حمایت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان پر حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی گورنر مقرر ہوئے تو بنی شبابہ نے شہد کا عشر دینے سے

[1] صحیحین' ابوداؤد' ابن ماجہ' طحاوی عن الخدری ۱۲۔ [2] ترمذی' حاکم' طبرانی' دارقطنی (باسانید ضعیفہ) ۱۲۔ [3] ابوداؤد' ابن ماجہ' احمد' ابویعلی ۱۲۔

انکار کردیا انہوں نے حضرت عمرؓ کو اطلاع کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو تحریر فرمایا کہ نحل ایک مکھی ہے جو بحکم خداوندی جہاں سے چاہتی ہے شہد حاصل کرتی ہے سو اگر وہ لوگ عشر ادا کر دیں تو تم ان کی حمایت کرو ورنہ ان کو ان کے اوپر چھوڑ دو جب ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی تب انہوں نے شہد دینا شروع کر دیا۔ (کذافی النہایہ) حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شہد کی مکھی پھلوں سے عصارہ کرتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "ثم کلی من کل الثمرات" اور پھل عشری زمین میں ہوں تو ان میں عشر واجب ہوتا ہے تو جو چیز پھلوں سے متولد ہو اس میں بھی عشر واجب ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ شہد کو ابریشم پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ابریشم کا کیڑا پتے کھاتا ہے اور پتوں میں کچھ واجب نہیں پھر امام صاحب کے نزدیک شہد میں کم و بیش کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک پانچ وسق کی قیمت کا اور ایک روایت کے لحاظ سے دس مشکیزہ کا اور امام محمد کے نزدیک پانچ افراق کا اعتبار ہے اور ایک فرق ۳۶ رطل کا ہوتا ہے۔ کمافی المغرب۔

قولہ ولیس فی الخارج الخ ہمارے یہاں خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے کیونکہ وجوب عشر کے لیے جہاں اور شرطیں ہیں وہیں محلیت بھی ہے یعنی یہ کہ زمین غیر خراجی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لاتجمع عشرو خراج" کہ عشر و خراج دونوں جمع نہیں ہوتے' یہ امام شافعی پر حجت ہے جو اس میں عشر کے قائل ہیں۔

بَابُ مَنْ يَجُوزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ اِلَيْهِ وَمَنْ لَّايَجُوزُ

باب ان لوگوں کے بیان میں جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جن کو دینا جائز نہیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الْاٰيَةَ فَهٰذِهٖ ثَمَانِيَةُ اَصْنَافٍ فَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا پس یہ آٹھ قسم کے آدمی ہیں جن میں سے

الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَاَغْنٰى عَنْهُمْ وَالْفَقِيْرُ مَنْ لَهٗ اَدْنٰى شَيْئٍ

مولفۃ القلوب ساقط ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت دے دی ہے اور ان سے بے پرواہ کر دیا فقیر وہ ہے جس کے پاس

وَالْمِسْكِيْنُ مَنْ لَاشَيْءَ لَهٗ وَالْعَامِلُ يَدْفَعُ اِلَيْهِ الْاِمَامُ اِنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِهٖ وَفِي

کچھ مال ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو عامل کو دے حاکم اگر اس نے کام کیا ہو اس کے کام کے بقدر

الرِّقَابِ اَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُوْنَ فِيْ فَكِّ رِقَابِهِمْ وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهٗ دَيْنٌ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فی الرقاب سے مراد یہ ہے کہ مدد کی جائے مکاتبوں کی ان کے چھڑانے میں غارم وہ ہے جس کے ذمہ قرض ہو اور فی سبیل اللہ سے

مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ وَابْنُ السَّبِيْلِ مَنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فِيْ وَطَنِهٖ وَ هُوَ فِي مَكَانٍ اٰخَرَ لَاشَيْءَ لَهٗ

مراد وہ جو غازیوں سے منقطع ہو ابن السبیل وہ ہے جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ دوسری جگہ ہو جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو

فِيْهِ فَهٰذِهٖ جِهَاتُ الزَّكٰوةِ

پس یہ مصارف زکوٰۃ ہیں

تشریح الفقہ قولہ باب الخ انواع و احکام زکوٰۃ کے بعد مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے جس کے سلسلہ میں اصل یہ آیت ہے "انما الصدقات" اس میں آٹھ مصارف مذکور ہیں۔ فقراء' مساکین' عاملین جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ پر مامور ہیں' مولفۃ القلوب جن کے اسلام لانے کی امید یا وہ اسلام میں کمزور ہوں' فک رقاب یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزاد کرانا' غارمین جن پر کوئی حادثہ آپڑے اور مقروض ہو جائیں' سبیل اللہ یعنی جہاد میں جانے والوں کی اعانت کرنا' ابن السبیل یعنی وہ مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو' گو مکان پر

دولت رکھتا ہو۔

قولہ فقد سقط الخ اکثر علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مولفۃ القلوب کی مد نہیں رہی کیونکہ زکوۃ اسلام کی عزت اور غلبہ کے لیے دی جاتی تھی اور جب رفتہ رفتہ اسلام زور پکڑ گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی یا اس وجہ سے کہ ان لوگوں کو دینا آپ کے ارشاد "**توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم**" کے ذریعہ سے منسوخ ہو گیا۔

والفقیر من له الخ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس مال ہو مگر بقدر نصاب نہ ہو اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ امام ابو حنیفہ، مالک، ابو اسحٰق، مروزی، اخفش، فراء، ثعلب کا یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**او مسکینا ذا متربه**" یا مسکین کو جو (فقر و فاقہ اور تنگ دستی سے) خاک میں رل رہا ہو۔ امام شافعی، طحاوی، اصمعی کا قول اس کے برعکس ہے کیونکہ آیت "**اما السفینة فکانت لمساکین**" میں مالک کشتی ہونے کے باوجود مساکین کہا ہے جواب یہ ہے کہ ان کو مساکین کہنا ترحما ہے یا یہ کہ کشتی ان کے پاس بطور عاریت تھی یا وہ مزدوری پر کام کرتے تھے۔

وَلِلْمَالِکِ اَنْ یَّدْفَعَ اِلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَلَهٗ اَنْ یَّقْتَصِرَ عَلٰی صِنْفٍ وَّاحِدٍ وَّلَایَجُوْزُ اَنْ
مالک چاہے ان میں سے ہر ایک کو دے چاہے ایک قسم کے لوگوں کو دے اور جائز نہیں یہ

یُدْفَعَ الزَّکٰوةُ اِلٰی ذِمِّیٍّ وَلَا یُبْنٰی بِهَا مَسْجِدٌ وَلَایُکَفَّنُ بِهَامَیِّتٌ وَلَایُشْتَرٰی بِهَا رَقَبَةٌ
کہ دی جائے زکوۃ ذمی کو اور یہ کہ بنائی جائے اس سے مسجد اور یہ کہ کفن دیا جائے اس سے میت کو اور نہ خریدا جائے اس سے

یُعْتَقُ وَلَاتُدْفَعُ اِلٰی غَنِیٍّ وَلَا یَدْفَعُ الْمُزَکِّیْ زَکٰوتَهٗ اِلٰی اَبِیْهِ وَجَدِّهٖ وَاِنْ عَلَا وَلَا اِلٰی
غلام آزاد کرنے کے لئے اور نہ دی جائے مالدار کو اور نہ دے زکوۃ دہندہ زکوۃ اپنے دادا پردادا کو نہ

وَلَدِهٖ وَوَلَدِوَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَ وَلَا اِلٰی اُمِّهٖ وَجَدَّاتِهٖ وَاِنْ عَلَتْ وَلَا اِلٰی امْرَاَتِهٖ وَلَا تَدْفَعُ
اپنے بیٹے پوتے پرپوتے کو نہ اپنی ماں اور نانی کو اور نہ اپنی بیوی کو اور نہ دے

الْمَرْاَةُ اِلٰی زَوْجِهَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رحمه الله وَقَالَا تَدْفَعُ اِلَیْهِ وَلَایَدْفَعُ اِلٰی مُکَاتَبِهٖ
بیوی اپنے شوہر کو امام صاحب کے نزدیک صاحبین کے نزدیک دے سکتی ہے اور نہ دے اپنے مکاتب

وَلَا مَمْلُوْکِهٖ وَلَا مَمْلُوْکِ غَنِیٍّ وَوَلَدِ غَنِیٍّ اِذَا کَانَ صَغِیْرًا وَلَا یَدْفَعُ اِلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ وَهُمْ
اور غلام کو اور نہ دے مالدار کے غلام اور اس کے چھوٹے بچے کو اور نہ دے بنو ہاشم کو اور وہ وہ

اٰلُ عَلِیٍّ وَاٰلُ عَبَّاسٍ وَاٰلُ جَعْفَرٍ وَاٰلُ عَقِیْلٍ وَاٰلُ حَارِثٍ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَ مَوَالِیْهِمْ وَ
لوگ ہیں جو حضرت علیؓ عباسؓ جعفرؓ عقیلؓ حارثؓ بن عبدالمطلب کی اولاد میں ہیں اور نہ ان کے

قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٌ رحمهما الله اِذَا دَفَعَ الزَّکٰوةَ اِلٰی رَجُلٍ یَظُنُّهٗ فَقِیْرًا ثُمَّ بَانَ
غلاموں کو طرفین فرماتے ہیں کہ جب دے دی زکوۃ کسی کو فقیر سمجھ کر پھر ظاہر ہوئی۔

اَنَّهٗ غَنِیٌّ اَوْهَاشِمِیٌّ اَوْکَافِرٌ اَوْدَفَعَ فِیْ ظُلْمَةٍ اِلٰی فَقِیْرٍ ثُمَّ بَانَ اَنَّهٗ اَبُوْهُ اَوِابْنُهٗ فَلَا اِعَادَةَ
یہ بات کہ وہ مالدار یا ہاشمی یا کافر تھا، یا اندھیرے میں کسی فقیر کو دے دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا تھا تو دوبارہ دینا

عَلَیْهِ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ علیه اَلْاِعَادَةُ وَلَوْدَفَعَ اِلٰی شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ
لازم نہیں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دوبارہ دے اگر کسی کو زکوۃ دی پھر معلوم ہوا کہ وہ

عَبْدُهٗ اَوْمُکَاتَبُهٗ لَمْ یَجُزْ فِیْ قَوْلِهِمْ جَمِیْعًا وَّلَایَجُوْزُ دَفْعُ الزَّکٰوۃِ اِلٰی مَنْ یَّمْلِکُ نِصَابًا
اس کا غلام یا مکاتب تھا تو جائز نہ ہو گی سب کے قول میں اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا ایسے شخص کو جو نصاب کا مالک ہو

مِنْ اَیِّ مَالٍ کَانَ وَیَجُوْزُ دَفْعُهَا اِلٰی مَنْ یَّمْلِکُ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ وَاِنْ کَانَ صَحِیْحًا مُکْتَسِبًا
خواہ کسی مال سے ہو' اور جائز ہے زکوٰۃ دینا اس کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگرچہ وہ تندرست کمانے والا ہو

وَیُکْرَهُ نَقْلُ الزَّکٰوۃِ مِنْ بَلَدٍ اِلٰی بَلَدٍ اٰخَرَ وَاِنَّمَا یُفَرَّقُ صَدَقَةُ کُلِّ قَوْمٍ فِیْهِمْ اِلَّا اَنْ یُّحْتَاجَ
اور مکروہ ہے زکوٰۃ لے جانا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف' بلکہ تقسیم کر دی جائے ہر قوم کی زکوٰۃ ان ہی میں الا یہ کہ ضرورت ہو

اَنْ یَّنْقُلَهَا الْاِنْسَانُ اِلٰی قَرَابَتِهٖ اَوْاِلٰی قَوْمٍ هُمْ اَحْوَجُ اِلَیْهِ مِنْ اَهْلِ بَلَدِهٖ
کسی کو زکوٰۃ لے جانے کی اپنے قرابتداروں یا ایسے لوگوں کے لئے جو اس کے شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہوں

توضیح اللغۃ صنف۔قسم' رقبۃ۔گردن' مراد غلام۔غنی۔مالدار' مزکی۔زکوٰۃ دہندہ' جد۔دادا' موالی۔جمع مولیٰ' غلام' ظلمۃ۔تاریکی' بان۔ظاہر ہوا' مکتب۔کمانے والا' قرابت۔رشتہ داری' احوج۔زیادہ ضرورت مند۔

تشریح الفقہ قولہ وللمالک الخ صاحب مال کو اختیار ہے چاہے زکوٰۃ کا مال مذکورہ بالا اصناف میں سب کو دے' چاہے کسی ایک صنف کو نیز صنف واحد کے ایک ہی شخص کو دے یا چند افراد کو دے۔حضرت عمرؓ' علیؓ' ابن عباسؓ' معاذؓ' حذیفہؓ وغیرہم کا یہی قول ہے جس کے خلاف کسی صحابی سے منقول نہیں پس یہ اجماع کے درجہ میں ہے۔امام شافعی کے نزدیک ہر صنف کے کم از کم تین افراد کو دینا ضروری ہے گویا ان کے یہاں ہر زکوٰۃ دہندہ کم از کم اکیس آدمیوں کو زکوٰۃ دے گا وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں اضافت لام تملیک واو تشریک اور ذکر اصناف بلفظ جمع ہے جس کا اقل درجہ تین فرد ہیں۔ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "ان تبدو الصدقات فنعماهی" کے بعد "وان تخفوها وتوتوها الفقراء" ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف فقراء بھی مصارف زکوٰۃ ہیں۔نیز ہر وصف کے افراد لاتحصیٰ ہیں اور لاتحصیٰ افراد کی طرف اضافہ تملیک کے لیے نہیں ہوتی۔بلکہ بیان جہت کے لیے ہوتی ہے "فتناول الجنس و هو الواحد" اگر کوئی شخص قسم کھائے لایشرب ماء دجلة' پھر ایک گھونٹ پی لے تو حانث ہو جائے گا کیونکہ دجلہ کا سارا پانی پینا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔

قولہ ولا یشتری بها رقبة الخ زکوٰۃ کی رقم سے غلام خریدنا' تاکہ آزاد کیا جائے جائز نہیں ہے کیونکہ اعتاق تملیک نہیں بلکہ اسقاط ملک ہے اور ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک رکن ہے پس اعتاق سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔امام مالک وغیرہ کے نزدیک جائز ہے۔کیونکہ ان کے یہاں "وفی الرقاب" کی یہی تاویل ہے۔

قولہ ولایدفع الی بنی هاشم الخ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "نحن اهل بیت لاتحل لنا الصدقة" (بخاری) نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "یا بنی هاشم ان الله حرم علیکم غسالة اموال الناس واوساخهم و عوضکم منها خمس الخمس" کہ اے بنو ہاشم! اللہ نے تم پر لوگوں کے مال کا میل کچیل حرام کر دیا ہے اور اس کا عوض خمس الخمس دیا ہے نیز بنو ہاشم کے آزاد کیے ہوؤں کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں' کیونکہ آپ کا ارشاد ہے "مولی القوم من انفسهم"

قولہ الی رجل لظنه الخ ایک شخص نے اٹکل کر کے زکوٰۃ ایسے شخص کو دے دی جس کے متعلق گمان تھا کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف ہے لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مالدار یا ہاشمی یا کافر یا اس کا باپ یا لڑکا تھا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی کیونکہ جو بات اس کے بس میں تھی یعنی اٹکل وہ کر گزرا رہی یہ بات کہ وہ اندھیرے میں یہ پوچھے کہ تو کون ہے' کس کا ہے؟ تو وہ اس کا مکلف نہیں فتویٰ اسی پر ہے' ہاں اگر اٹکل کیے بغیر دے دی تو صحیح نہیں' امام ابو یوسف

کے نزدیک دونوں صورتوں میں اعادہ ضروری ہے کیونکہ غلطی کا یقین ہو چکا۔ طرفین کی دلیل حضرت معن بن یزید کی روایت ہے کہ ان کے والد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی واقعہ میں فرمایا تھا ''یا یزید لک مانویت و یا معن لک مااخذت'' (بخاری) اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ وہ اس کا غلام تھا یا اس کا عبد مکاتبت تھا تو باتفاق ائمہ ثلاثہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام کی صورت میں مال زکوٰۃ اسی کی ملکیت میں رہا اور مکاتبت کی صورت میں چونکہ مکاتب کی کمائی میں مالک کا حق ہوتا ہے اس لیے تملیک تام نہ ہوگی۔

بابُ صَدقةِ الفِطرِ

باب صدقۂ فطر کے بیان میں

صَدقةُ الفِطرِ واجبةٌ علی الحُرِّ المسلمِ اذا کانَ مَالِکًا لمقدارِ
صدقہ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جبکہ وہ مقدار نصاب کا

النصَاب فاضلاً عَنْ مسکنہٖ وثیابہٖ واَثاثہٖ و فرسہٖ وسَلاحہٖ وعَبیدہٖ للخدمۃِ یُخرجُ
مالک ہو اور یہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان، کپڑوں، اسباب، گھوڑے، ہتھیار اور خدمتی غلاموں سے نکالے

ذالک عن نفسہٖ وعن اولادہٖ الصغارِ وعبیدہٖ للخدمۃِ ولایؤدّی عن زوجتہٖ و
فطرہ اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد اور خدمتی غلاموں کی طرف سے اور نہ ادا کرے اپنی بیوی اور

لا عن اولادہ الکبارِ وان کانوا فی عیالہٖ ولایُخرجُ عن مکاتبہٖ ولاعن ممالیکہٖ للتجارۃ
بڑی اولاد کی طرف سے گو وہ اسی کی ذمہ داری میں ہوں اور نہ اپنے مکاتب اور سوداگری کے غلاموں کی طرف سے

والعبدُبین شریکین لافطرۃَ علی واحدٍ منھما و یُؤدّی المسلمُ الفطرۃَ عن عبدہٖ الکافرِ
جو غلام دو شریکوں کا ہو ان میں سے کسی پر اس کا فطرہ واجب نہیں اور ادا کرے مسلمان فطرہ اپنے کافر غلام

والفطرۃُ نصفُ صاعٍ من برٍّ اوصَاعٌ من تمرٍاوزبیبٍ اوشعیرٍ والصّاعُ عندابی حنیفۃَ
کی طرف سے، فطرہ نصف صاع ہے گیہوں کا ایک صاع ہے کھجور یا کشمش یا جو کا اور صاع طرفین کے

ومحمّدٍ ثمانیۃُ اَرطالٍ بالعراقی وقَال ابویوسفَ خمسۃُ ارطال وثُلثُ رطلٍ ووجوبُ
نزدیک آٹھ رطل کا معتبر ہے عراقی رطل سے امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا معتبر ہے فطرہ کا

الفطرۃِ یتعلّق بطلوعِ الفجرِ الثانی مِن یومِ الفطرِ فمَن مَاتَ قبلَ ذلکَ لم تجبْ
وجوب عید کے روز فجر ثانی کے طلوع سے متعلق ہے پس جو شخص اس سے پہلے مر جائے اس کا فطرہ

فطرتُہٗ ومن اسلم اووُلِدَ بعد طلوع الفجرِ لم تجب فطرتہٗ
واجب نہیں جو شخص مسلمان ہوا یا پیدا ہوا طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرہ واجب نہیں

والمستحبّ ان یُخرِجَ الناسُ الفطرۃَ یومَ الفطرِ قبلَ الخروج الی المصلّٰی فان
مستحب یہ ہے کہ نکال دیں لوگ فطرہ عیدگاہ جانے سے پہلے اگر

قدّمُوھا قبل یومِ الفطرِ جازوانْ اَخرُوھا عن یوم الفطرِ لَمْ تسقُطْ وکان علیھم اخراجُھَا
عید کے روز سے پہلے ہی دے دیا تب بھی جائز ہے اور اگر مؤخر کر دیا اس کو عید کے روز سے تو ساقط نہ ہو گا بلکہ ادا کرنا لازم ہو گا۔

توضیح اللغۃ حر۔ آزاد مسکن۔ مکان ثیاب۔ جمع ثوب کپڑا اثاث۔ گھریلو سامان فرس۔ گھوڑا سلاح۔ ہتھیار عبید۔ جمع عبد نوکر چاکر ممالیک ۔جمع مملوک غلام بر۔ گیہوں تمر۔ کھجور زبیب۔ کشمش شعیر۔ جو ارطال۔ جمع رطل بارہ اوقیہ کا ایک وزن مصلّی۔ عیدگاہ۔

تشریح الفقہ قولہ باب الخ صدقۃ الفطر کی اضافت از قبیل اضافت شئے الی شرطہ ہے جیسے حجۃ الاسلام یا از قبیل اضافت شئے الی السبب ہے جیسے حج البیت اور صلوٰۃ الظہر میں ہے۔ صدقہ فطر کو باب زکوٰۃ میں اور باب صوم ہر دو کے ساتھ مناسبت ہے زکوٰۃ کے ساتھ بایں معنی کہ یہ دونوں وظیفہ مالیہ ہیں اور صوم کے ساتھ بایں معنی کہ وجوب صدقہ فطر کی شرط فطر ہے کیونکہ صدقہ فطر صوم کے بعد ہوتا ہے اس لیے صاحب کتاب نے دونوں کے درمیان ذکر کر دیا۔ صدقہ کے معنی عطیہ کے ہیں جس سے عنداللہ ثواب مقصود ہو چونکہ اس کی ادائیگی صاحب صدقہ کی رغبت کا اظہار کرتی ہے اس لیے اس کو صدقہ کہتے ہیں جیسے صداق بمعنی مہر کہ اس کی ادائیگی شوہر کی رغبت کا اظہار کرتی ہے۔ کلمہ فطر اسلامی لفظ ہے جس پر فقہاء کی اصطلاح قائم ہے عام لوگ جو صدقہ فطر کے لیے لفظ فطرہ بولتے ہیں یہ لغوی نہیں بلکہ بنایا ہوا ہے۔ سوال صاحب قاموس نے لکھا ہے "الفطرۃ بالکسر صدقۃ الفطر" معلوم ہوا کہ یہ لفظ بنایا ہوا نہیں ہے؟ جواب صاحب قاموس نے بہت سی جگہ حقائق شرعیہ کو حقائق لغویہ کے ساتھ مخلوط کیا ہے۔ یہ قول بھی اغلاط قاموس میں شمار ہے۔ علامہ نووی نے "تحریر" میں کہا ہے کہ یہ لفظ مولد ہے اور غالباً فطرۃ بمعنی خلقت سے ماخوذ ہے گویا یہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔ سوال اہل لغت نے بیان کیا ہے کہ فطر صوم کی ضد ہے "فطرۃ الصائم" اکل و شرب کا فطر والصوم الامساک عن الاکل والشرب والکلام" (قاموس) معلوم ہوا کہ لفظ فطر اسلامی نہیں ہے۔ جواب اسلامی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قبل از اسلام کسی نے اس کا تلفظ نہیں کیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک حقیقت شرعیہ ہے جس کو فطر صائم کے لئے اسم قرار دے دیا گیا۔ جیسے لفظ صلوٰۃ کہ عبادت مخصوصہ کے لیے اس کا ظہور اسلام میں ہوا ہے گو اسلام سے قبل اپنے معانی میں مستعمل تھا۔

قولہ واجبۃ علی الحر الخ صدقہ فطر ہر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو اور وہ نصاب اس کی اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات خانگی مسکن لباس ہتھیار وغیرہ سے فاضل ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ادا کرو اور ایک صاع گیہوں دو آدمی یا ایک صاع کھجور یا جو ہر شخص کی طرف سے آزاد ہو یا غلام چھوٹا ہو یا بڑا[1]" یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے جس سے وجوب ہی ثابت ہو سکتا ہے نہ کہ فرضیت۔ کیونکہ یہ دلیل قطعی نہیں ہے۔ امام شافعی مالک احمد کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے "فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر علی الذکر والانثی اھ[2]۔) جواب یہ ہے کہ یہاں فرض کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی قَدَّرَ ہے یعنی مقرر کیا کیونکہ اس پر جماع ہے کہ منکر صدقہ فطر کا فرنہیں ہے اگر یہ فرض ہوتا تو یقیناً اس کا منکر کافر ہوتا حریت کی شرط اس لیے ہے تاکہ تملیک متحقق ہو سکے اور اسلام کی شرط اس لیے ہے تاکہ صدقہ قربت واقع ہو سکے اور مالدار ہونا اس لیے شرط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "لاصدقۃ الاعن ظھر غنی[3]" امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ایک یوم کی خوراک سے زائد کا مالک ہو اس پر بھی صدقہ ضروری ہے مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ نصف صاع الخ صدقہ فطر نصف صاع واجب ہے گیہوں یا اس کے آٹے یا ستو سے اور ایک صاع واجب ہے کھجور یا کشمش یا جو سے خلفاء راشدین ابن مسعودؓ ابن عباسؓ ابن زبیرؓ جابرؓ ابو ہریرہؓ معاویہؓ اسماء بنت ابی بکرؓ ابن المسیب ابن ابی رباح ابن جبیر مجاہد عمر بن عبدالعزیز طاؤس نخعی شعبی علقمہ اسود عروہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف عبدالملک بن محمد ابو قلابہ اوزاعی ثوری ابن المبارک مصعب بن سعد قاسم سالم حکم حماد سب کا یہی قول ہے اور امام مالک سے مروی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ان تمام اشیاء سے ایک صاع ضروری ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ "ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقہ فطر میں ایک صاع دیتے تھے[4]۔ ہماری دلیل روایت ابن ثعلبہ مذکور ہے

---

[1]۔ ابو داؤد حاکم دار قطنی طحاوی عبدالرزاق طبرانی احمد عن عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر (ویقال ابن ابی صعیر العذری) عن ابیہ ۱۲۔

[2]۔ ائمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲۔ [3]۔ احمد عن ابی ہریرۃ بخاری تعلیقاً مسلم عن حکیم بن حزام بغیر ہذا اللفظ ۱۲۔ [4]۔ ائمہ ستہ مختصراً و مطولاً ۱۲۔

اور امام شافعی کا مستدل مقدار تطوع پر محمول ہے کیونکہ اس میں ''کنا نخرج'' ہے یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کا حکم کیا ہے۔

قولہ او زبیب الخ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گیہوں کی طرح کشمش کا بھی نصف صاع ہے۔ صاحبین کے نزدیک کشمش کھجور کے حکم میں ہے یعنی اس کا بھی پورا ایک صاع ہے۔ امام صاحب سے اسد بن عمر کی روایت بھی یہی ہے۔ ابوالیسر نے اس کی تصحیح کی ہے اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں دلیل کی رو سے اسی کو ترجیح دی ہے، حقائق اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ مقصود یعنی تفکہ میں کشمش اور کھجور دونوں متقارب ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی لحاظ سے کشمش اور گیہوں دونوں متقارب ہیں کیونکہ یہ دونوں کل اجزاء کے ساتھ کھائے جاتے ہیں بخلاف کھجور اور جو کے کہ کھجور کی گٹھلی اور جو کا چھلکا نہیں کھایا جاتا۔

قولہ ثمانیۃ ارطال الخ صاع کی مقدار طرفین کے نزدیک آٹھ رطل عراقی اور امام ابویوسف وائمہ ثلاثہ کے نزدیک پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ طرفین اور امام ابویوسف کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ امام ابویوسف کے درمیان حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ امام ابویوسف نے صاع کا اندازہ مدنی رطل سے کیا ہے۔ جو تیس استار[1] کا ہوتا ہے اور عراقی بیس ستار کا پس جب آٹھ رطل عراقی کا ۱\۳\۵ رطل مدنی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں بعض نے اس کی بھی تصویب کی ہے کیونکہ امام محمد نے امام ابویوسف کا اختلاف ذکر نہیں کیا مگر صاحب ینابیع کہتے ہیں کہ یہ اختلاف حقیقی ہے اور سب کے نزدیک رطل عراقی ہی معتبر ہے چنانچہ مبسوط میں ہے ''فقد نص ابو یوسف فی کتاب العشر والخراج خمسۃ ارطال و ثلث رطل بالعراقی'' امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! ہمارا صاع سب صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مُد سب مدوں سے بڑا ہے؟ اس پر آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ یہ دعا فرمائی۔

اللھم بارک لنا فی صاعنا و بارک لنا فی قلیلنا و کثیرنا[2] اھ۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد یعنی دو رطل سے وضو اور ایک صاع یعنی آٹھ رطل سے غسل فرماتے تھے[3] صاع عمرؓ کی مقدار بھی یہی تھی[4]۔

كِتَابُ الصَّوْمِ

روزہ کے بیان میں

اَلصَّوْمُ ضَرْبَانِ وَاجِبٌ وَنَفْلٌ فَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ مِنْهُ مَايَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهٖ

روزہ کی دو قسمیں ہیں، واجب، نفل، پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو خاص زمانے سے تعلق رکھے

كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ فَيَجُوْزُ صَوْمُهٗ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَاِنْ لَّمْ يَنْوِ حَتّٰى اَصْبَحَ

جیسے ماہ رمضان اور نذر معین کے روزے پس یہ رات سے نیت کر لینے سے ہوتے ہیں، اگر نیت نہیں کی صبح تک

اَجْزَاَتْهُ النِّيَّةُ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الزَّوَالِ وَالضَّرْبُ الثَّانِىْ مَايَثْبُتُ فِى الذِّمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ

تو کافی ہے اس کو نیت کر لینا زوال سے پہلے پہلے، دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضائے رمضان،

وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَالْكَفَّارَاتِ فَلَايَجُوْزُ صَوْمُهٗ اِلَّا بِنِيَّةٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَكَذٰلِكَ صَوْمُ الظِّهَارِ

نذر مطلق اور کفارے کے روزے، اور یہ روزے جائز نہیں مگر رات ہی میں نیت کرنے سے اسی طرح صوم ظہار ہے

وَالنَّفْلُ كُلُّهٗ يَجُوْزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ

اور نفلی سب روزے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے ہو جاتے ہیں

[1] ایک استار چھ درہم اور دو دانق کا ہوتا ہے اور دانق درہم کے چھٹے حصے کا ایک سکہ ہے ۱۲۔ [2] ابن حبان، بیہقی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [3] دار قطنی، ابوداؤد عن انس، ابن عدی عن جابر ۱۲۔ [4] ابن ابی شیبہ عن حسن بن صالح، طحاوی عن موسیٰ بن طلحہ ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الخ امام محمد نے جامع صغیر وکبیر میں روزے کو نماز کے بعد ذکر کیا ہے۔ بایں معنی کہ دونوں عبادت بدنیہ ہیں۔ لیکن اکثر مصنفین نے نماز کے بعد زکوٰۃ کو اور زکوٰۃ کے بعد روزے کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ آیت "والخاشعین والخاشعات" اور حدیث ارکان میں یہی ترتیب ہے۔

قولہ کصوم رمضان الخ روزہ منذور واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولیو فوانذورھم" اور رمضان کے روزے فرض ہیں۔ کقولہ تعالیٰ "کتب علیکم الصیام اھ" اور صاحب کتاب صوم رمضان کو از قسم واجب شمار کر رہے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں واجب سے مراد ضروری ہے جو فرض و واجب ہر دو کو شامل ہے۔ فلا اعتراض

قولہ فیجوز صومہ بنیۃ الخ ماہ رمضان کے روزے اور نذر معین ونفلی روزے رات سے لے کر نصف النہار سے قبل تک نیت کر لینے سے صحیح ہو جاتے ہیں۔ امام شافعی واحمد کے یہاں رات سے نیت کرنا ضروری ہے اور امام مالک کے یہاں یہ ہر روزہ میں ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اس شخص کا روزہ نہیں ہے جس نے رات سے روزہ کی نیت نہیں کی[1]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو اطلاع کر دو کہ جس نے کھالیا ہو وہ باقی دن رکا رہے اور جس نے نہ کھایا ہو وہ روزہ[2] رکھے" رہی حدیث مذکور سو وہ نفی کمال پر محمول ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَنْبَغِيْ لِلنَّاسِ اَنْ يَّلْتَمِسُوا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنْ رَّاَوْهُ
لوگوں کو چاہئے کہ غور سے دیکھیں چاند شعبان کی انتیسویں تاریخ میں اگر چاند دیکھ لیں

صَامُوْا وَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ اَكْمَلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامُوْا وَمَنْ رَّاٰى هِلَالَ
تو روزہ رکھیں اور اگر گھٹا ہو جائے تو پورے کر لیں شعبان کے تیس دن پھر روزہ رکھیں جس نے رمضان کا

رَمَضَانَ وَحْدَهٗ صَامَ وَاِنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْاِمَامُ شَهَادَتَهٗ وَاِذَا كَانَ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْاِمَامُ
چاند دیکھا اکیلے تو وہ روزہ رکھے اگرچہ نہ قبول کی ہو حاکم نے اس کی شہادت جب ہو آسمان میں کوئی علت تو قبول کر لے حاکم

شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِيْ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلًا كَانَ اَوِامْرَاَةً حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْدًا فَاِنْ
ایک عادل آدمی کی گواہی چاند دیکھنے کے بارے میں مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام اگر

لَّمْ يَكُنْ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حَتّٰى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيْرٌ يَّقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ
نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہ قبول کی جائے گواہی یہاں تک کہ دیکھے چاند ایک جماعت جن کے بیان سے یقین آ جائے

وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِيْنِ طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ
روزہ کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے

رُویتِ ہلال کے احکام

قولہ فان راوہ صاموا الخ رمضان کا ثبوت چاند دیکھنے یا ماہ شعبان کی تیس تاریخ پوری ہو جانے سے ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر گھٹا ہو جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو[3]" نیز ہر ثابت شدہ چیز میں اصل

[1] ائمہ اربعہ عن حفصہ [2] صحیحین عن سلمہ ۱۲ [3] صحیحین عن ابی ہریرہ ابوداؤد ترمذی ابن خزیمہ ابن حبان طیالسی عن عباس ۱۲۔

اس کی بقاء ہے جب تک کہ دلیل عدم قائم نہ ہو اور چونکہ پہلے سے مہینہ ثابت تھا اور اب اس کے ختم ہونے میں شک ہے تو شک چاند دیکھنے یا تیس دن پورے ہونے سے ختم ہوگا۔

قولہ من رای الخ تنہا ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھ کر گواہی دی اور اس کی گواہی مقبول نہ ہوئی تو خود اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو" اس نے چونکہ چاند دیکھا ہے اس لیے اس کو روزہ رکھنا چاہیے۔

قولہ قبل الامام الخ اگر آسمان پر ابر، غبار یا بخار وغیرہ ہو تو رمضان کے چاند میں ایک عاقل، بالغ عادل مسلمان کی گواہی کافی ہے آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان کے چاند میں ایک دیہاتی کی شہادت قبول کرنا حدیث سے ثابت ہے[1]۔ اور عادل ہونا اس لیے شرط ہے کہ بسلسلہ دیانت فاسق کا قول مقبول نہیں۔ امام طحاوی نے جو یہ کہا ہے کہ "عدلاً کان او غیر عدل" سو حاکم شہید نے "کافی" میں کہا ہے کہ غیر عادل سے مراد مستور الحال ہے، بزازیہ، معراج، تجنیس میں اس کی تصحیح موجود ہے، حلوانی نے اسی کو لیا ہے، ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ یہ حسن کی روایت ہے۔ امام شافعی ایک قول کے اعتبار سے دو گواہوں کی شرط لگاتے ہیں۔

وَالصَّوْمُ هُوَ الْاِمْسَاكُ عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَارًا مَعَ النِّيَّةِ فَاِنْ اَكَلَ الصَّائِمُ اَوْ
اور روزہ رکے رہنے کا نام ہے دن میں کھانے پینے اور صحبت کرنے سے نیت کے ساتھ اگر کھا لے روزہ دار یا

شَرِبَ اَوْجَامَعَ نَاسِيًا لَمْ يُفْطِرْ فَاِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ اَوْنَظَرَ اِلَى امْرَأَتِهٖ فَاَنْزَلَ اَوِادَّهَنَ اَوِ
پی لے یا صحبت کر لے بھول کر تو روزہ نہیں جاتا، اگر سوتے ہوئے احتلام ہو گیا یا اپنی بیوی دیکھنے سے انزال ہو گیا۔ یا تیل

احْتَجَمَ اَوِاكْتَحَلَ اَوْقَبَّلَ لَمْ يُفْطِرْ فَاِنْ اَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ اَوْلَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَاكَفَّارَةَ عَلَيْهِ
پچھنا، سرمہ لگایا یا بوسہ لیا تو روزہ نہیں گیا، اگر انزال ہو گیا بوسہ یا چھونے سے تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔

وَلَا بَاْسَ بِالْقُبْلَةِ اِذَا اَمِنَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَيُكْرَهُ اِنْ لَمْ يَاْمَنْ وَاِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ
بوسہ میں کوئی حرج نہیں جب اطمینان ہو اپنے اوپر اور مکروہ ہے اگر اطمینان نہ ہو اگر کسی کو قے آ گئی تو روزہ نہیں گیا۔

روزہ کی لغوی وشرعی تعریف

توضیح اللغۃ امساک۔ رکنا، ادھن۔ تیل لگایا، احتجم۔ پچھنا لگوایا، اکتحل۔ سرمہ لگایا، قبل۔ بوسہ لیا۔ لمس چھونا، ذرعہ القیٔ۔ قے آ گئی۔

تشریح الفقہ **قولہ والصوم ھو الامساک الخ** صوم کے لغوی معنی مطلقاً کسی چیز سے رکنا اور باز رہنا ہے طعام ہو یا کلام، قرآن پاک میں ہے "نذرت للرحمٰن صومًا فلن اکلم الیوم انسیا"[2] اور شرعاً طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے ایسے شخص کا رکنا ہے جو نیت کا اہل ہو۔ یہ تعریف نص کتاب اللہ سے ماخوذ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل"[3]

جن چیزوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان کا بیان

قولہ فان اکل الصائم الخ یہاں سے لے کر "وان ذرعہ القیٔ" تک جو دس چیزیں ذکر کی گئی ہیں ان سب میں روزہ افطار نہ کرے کیونکہ

[1] ائمہ اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی، طبرانی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] میں نے مانا ہے رحمٰن کا روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے ۱۲۔ [3] کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر نہ آئے تم کو دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے پھر پورا کرو روزہ کو رات تک ۱۲۔

ان سے روزہ نہیں جاتا البتہ بھول کر کھانے پینے سے اور جماع کرنے سے امام مالک کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا اور قیاس بھی یہی ہے کیونکہ یہ تینوں روزہ کی ضد ہیں پس یہ ایسا ہو جائے گا جیسے بھول کر نماز میں گفتگو کرنا ہمارے نزدیک بھی مفسد صلوٰۃ ہے۔ وجہ استحسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص سے ارشاد ہے جس نے بھول کر کھا پی لیا تھا ''اپنے روزہ کو پورا کر کیونکہ تجھے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے[1] اور جماع کھانے پینے کی طرح ہے کیونکہ رکنیت میں تینوں برابر ہیں بخلاف نماز کے کہ اس کی ہیئت یاد دہانی کرانے والی ہے۔ احتلام واحتجام اور قے سے روزہ نہ جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تین چیزیں روزہ کو نہیں توڑتیں قے' حجامت اور احتلام[2]۔ تیل اور سرمہ لگانے اور بلا انزال بوسہ لینے سے روزہ اس لیے نہیں ٹوٹتا کہ یہ چیزیں منافی صوم نہیں۔

وَاِنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا مِلأً فَمِهٖ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ اَوِالْحَدِيْدَ اَوِالنَّوَاةَ
اور اگر قے کی جان بوجھ کر منہ بھر کے تو اس پر قضا لازم ہے جو نگل گیا کنکری یا لوہا یا گٹھلی تو اس

اَفْطَرَ وَ قَضٰى
کا روزہ جاتا رہا اب اس کی قضا کرے

موجبات قضاء کا بیان

تشریح الفقہ قولہ وان استقاء الخ اگر کسی نے جان بوجھ کر قے کی اور منہ بھر قے کی یا کوئی کنکری' لوہا' گٹھلی وغیرہ نگل گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔ لیکن صرف قضاء نہیں' قضاء اس پر ہے جو جان بوجھ کر قے کرے[3]۔ نیز ان صورتوں میں صورتِ فِطر ہے نہ کہ معنیٰ فطر لہذا صرف قضاء واجب ہو گی۔
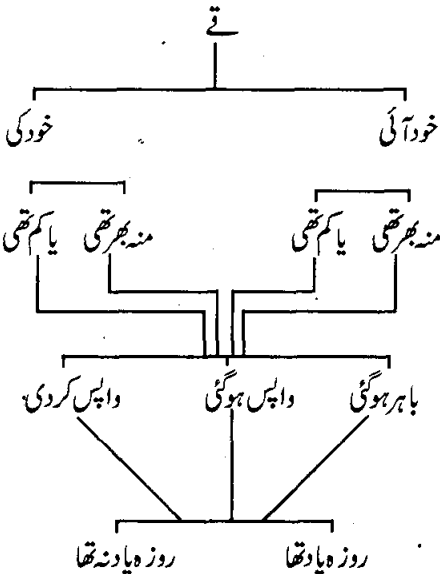
تنبیہ امام ابو یوسف کے یہاں قے کے لوٹنے اور لوٹانے کے مفسد ہونے میں اصل یہ ہے کہ اس کا خروج ہو یعنی منہ بھر ہو اور امام محمد کے نزدیک اصل یہ ہے کہ اس میں روزہ دار کے فعل کو دخل ہو یعنی وہ خود لوٹائے۔ خواہ منہ بھر ہو یا اس سے کم ہو پس اگر منہ بھر سے کم قے آئی اور لوٹ گئی تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک تو اس لیے کہ وہ خارج نہیں کیونکہ منہ بھر سے کم ہے اور امام محمد کے نزدیک اس لیے کہ اس میں روزہ دار کا فعل نہیں پایا گیا اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹا جائے تو بالاتفاق روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ امام ابو یوسف کی اصل منہ بھر ہونا اور امام محمد کی اصل لوٹانا دونوں پائی گئیں اور اگر منہ بھر سے کم ہو اور لوٹا جائے تو امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ لوٹانا پایا گیا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک فاسد نہ ہوگا۔ کیونکہ منہ بھر سے کم قے خارج نہیں ہوئی اور اگر منہ بھر ہو اور لوٹ جائے امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا

[1] صحاح ستہ' ابن حبان' دار قطنی' بزار' بیہقی' عن ابی ہریرہ بالفاظ مختلفہ ۱۲۔ [2] ترمذی' بیہقی' ابن حبان' ابی شیبہ' دار قطنی' ابن عدی عن الخدری' بزار' ابن عدی عن ابن عباس' طبرانی عن ثوبان ۱۲۔ [3] ائمہ اربعہ' حاکم' ابو یعلی' ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرہ مرفوعاً' مالک' عبد الرزاق عن ابن عمر موقوفاً ۱۲۔

اور یہی صحیح ہے کیونکہ نہ تو صورت فطر پائی گئی، یعنی خود نگلنا اور نہ معنی فطر کیوں کہ قے سے غذائیت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ (سراج)

فائدہ مسئلہ قے کی چوبیس صورتیں ہیں۔ کیونکہ قے یا تو خود آئے گی یا روزہ دار جان بوجھ کر کرے گا پھر منہ بھر ہوگی یا کم، بر ہر چہار تقدیر باہر ہو جائے گی یا لوٹ جائے گی یا روزہ دار لوٹائے گا پھر ہر صورت میں روزہ یاد ہوگا۔ یا نہ ہوگا، ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا بجز اس صورت کے کہ قے منہ بھر ہو اور جان بوجھ کر لوٹائے اور روزہ یاد ہوان چوبیس صورتوں کی تفصیل نقشہ ہذا سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِیْ اَحَدِ السَّبِیْلَیْنِ اَوْاَکَلَ اَوْشَرِبَ. مَایَتَغَذّٰی بِهٖ اَوْیَتَدَاوٰی بِهٖ فَعَلَیْهِ

جس نے صحبت کی جان بوجھ کر قبل یا دبر میں یا کھا پی لی ایسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا دوا کی جاتی ہو تو اس پر

اَلْقَضَاءُ وَالْکَفَّارَۃُ وَالْکَفَّارَۃُ مِثْلُ کَفَّارَۃِ الظِّهَارِ

قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور کفارہ صوم کفارہ ظہار کے مثل ہے

موجبات قضاء وکفارہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن جامع الخ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر جماع کرے (انزال ہو یا نہ ہو) تو جمہور کے نزدیک اس پر فوت شدہ مصلحت (نفس) کے تدارک کی خاطر قضاء بھی لازم ہے اور کمال جنایت (یعنی ایلاج الفرج فی الفرج) کی وجہ سے کفارہ بھی لازم ہے۔ امام شعبی، نخعی، سعید بن جبیر، زہری، ابن سیرین کفارہ کے قائل نہیں لیکن حدیث اعرابی جو ائمہ ستہ نے روایت کی ہے وہ ان پر حجت ہے۔

قولہ او اکل الخ اگر کسی نے عمداً کوئی ایسی چیز کھالی یا پی لی جو عادۃً بطور غذا یا بطور دوا استعمال کی جاتی ہے بالفاظ دیگر اس کا استعمال بدن کے لیے نفع بخش ہے (نفع تقویت بدن ہو یا لذت یا اصلاح ضرر) تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں ضروری ہیں۔ کیونکہ عہد نبوی میں ایک شخص نے عمداً روزہ افطار کرلیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت فرمایا تھا کہ یا تو غلام آزاد کرے یا دو ماہ پے درپے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے[1]۔ امام اوزاعی قضاء کے اور امام شافعی واحمد کفارہ کے قائل نہیں کیونکہ جماع کرنے پر کفارہ کا مشروع ہونا خلاف قیاس ہے کیونکہ توبہ کے ذریعہ گناہ معاف ہوجاتا ہے لہذا غیر جماع کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ کا تعلق جنایت افطار سے ہے جو عمداً کھانے پینے کی صورت میں علیٰ وجہ الکمال متحقق ہے رہا توبہ کے ذریعہ گناہ کا معاف ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس جنایت کا کفارہ اعتاق قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ توبہ سے یہ گناہ معاف نہ ہوگا جیسے چوری اور زنا کا گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔

قولہ مثل کفارۃ الظہار الخ عمداً روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم آتا ہے وہ کفارہ ظہار کے مثل ہے۔ حدیث میں ہے کہ "ایک دیہاتی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہوگیا" آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: ماہ رمضان میں دن میں اپنی بیوی سے عمداً صحبت کرلی، آپ نے فرمایا: ایک غلام آزاد کر، اس نے کہا: میں تو صرف اپنی گردن کا مالک ہوں (یعنی مجھ میں اس کی ہمت نہیں) آپ نے فرمایا: دو مہینے لگاتار روزے رکھ، اس نے کہا میں تو ایک وقت کا بھی کھانا نہیں پاتا (ساٹھ کو کہاں سے کھلاؤں) آپ نے پندرہ صاع کھجوروں کی ایک زنبیل منگوائی اور فرمایا: یہ مسکینوں پر تقسیم کردے، اس نے کہا: بخدا مدینہ کے اس کونہ سے اس کونے تک مجھ سے اور میرے اہل وعیال سے زیادہ کوئی محتاج نہیں یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا: اچھا تو ہی کھالے[2]۔

وَمَنْ جَامَعَ فِیْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ فَاَنْزَلَ فَعَلَیْهِ الْقَضَاءُ وَلَاکَفَّارَۃَ عَلَیْهِ وَلَیْسَ

جس نے صحبت کی غیر فرج میں اور انزال ہو گیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں ہے اور نہیں ہے

[1] صحیحین دار قطنی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [2] ائمہ ستہ وفی روایۃ لابی داؤد وقال الزہری انما کان ہذا رخصۃ لہ خاصۃ ولو ان رجلا فعل ذلک الیوم لم یکن لہ بد من التکفیر

فِیْ اِفْسَادِ الصَّوْمِ فِیْ غَیْرِ رَمَضَانَ کَفَّارَۃٌ وَمَنِ احْتَقَنَ اَوِاسْتَعَطَ اَوْاَقْطَرَ فِیْ اُذُنِہٖ

رمضان کے سوا روزہ توڑنے میں کفارہ جس نے حقنہ لیا یا ناک میں یا کان میں دوا ڈالی

اَوْدَاوٰی جَائِفَۃً اَوْاٰمَّۃً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ اِلٰی جَوْفِہٖ اَوْدِمَاغِہٖ اَفْطَرَوَاِنْ

یا تردوا لگائی پیٹ یا سر کے زخم میں جو پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ جاتا رہا اگر

اَقْطَرَ فِیْ اِحْلِیْلِہٖ لَمْ یُفْطِرْعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ یُفْطِرُ وَمَنْ ذَاقَ

دوا ٹپکائی اپنے ذکر کے سوراخ میں تو روزہ نہیں گیا طرفین کے نزدیک امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ جاتا رہا جس نے چکھی

شَیْئًا بِفَمِہٖ لَمْ یُفْطِرْ وَیُکْرَہُ لَہٗ ذٰلِکَ وَیُکْرَہُ لِلْمَرْاَۃِ اَنْ تَمْضَغَ لِصَبِیِّھَا الطَّعَامَ اِذَا کَانَ لَھَا

کوئی چیز اپنے منہ سے تو روزہ نہیں گیا لیکن یہ مکروہ ہے اور مکروہ ہے عورت کے لئے کھانا چبانا بچے کے لئے جبکہ ہو اس سے

مِنْہُ بُدٌّ وَمَضْغُ الْعِلْکِ لَایُفْطِرُ الصَّائِمَ وَیُکْرَہُ

کوئی چارہ کار' مصطگی چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن یہ مکروہ ہے

وہ صورتیں جن میں صرف قضاء ہے۔

توضیح اللغۃ افساد۔ فاسد کرنا' احتقن۔ پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھائی' استعط۔ ناک میں دوا چڑھائی' اذن۔ کان' جائفہ۔ ضرب جو پیٹ تک پہنچ جائے' آمتہ۔ زخم جو دماغ تک پہنچ جائے' جوف۔ پیٹ' احلیل۔ پیشاب نکلنے کا سوراخ' ذاق ذوقا۔ چکھنا' تمضغ مضغا۔ چبانا' بد۔ چارۂ کار' علک۔ مصطگی یا کندر۔

تشریح الفقہ : قولہ ومن جامع الخ قبل ودبر کے علاوہ دیگر مقام پیٹ' ران وغیرہ میں انزال کرنے سے کفارہ لازم نہیں۔ کیونکہ اس طرح انزال کرنے سے صورۃً جماع نہیں ہے لیکن اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ معنی جماع موجود ہے لہذا اس کی قضاء واجب ہوگی نیز اداء رمضان کے علاوہ کسی اور روزہ کے ختم کر دینے سے بھی کفارہ لازم نہیں اگرچہ وہ قضاء رمضان ہی ہو کیونکہ رمضان کا روزہ توڑنا عظیم ترین گناہ ہے کہ اس میں رمضان کی بے حرمتی ہے پس رمضان کے علاوہ دوسرے روزوں کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جا سکتا' نہ قیاساً نہ دلالتہ

قولہ و من احتقن۔ اگر کسی نے حقنہ کرایا یا ناک میں دوائی چڑھائی یا کان میں قطرہ ٹپکایا' یا پیٹ کے یا دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان سب صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' انما الافطار مما دخل و لیس مما خرج[1] لیکن صرف قضاء واجب ہوگی نہ کہ کفارہ فتویٰ اسی پر ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قولہ وان اقطر فی احلیلہ الخ اگر کسی نے اپنے عضو کے سوراخ میں پانی وغیرہ کا قطرہ ٹپکایا تو طرفین کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا' امام ابو یوسف کے نزدیک ٹوٹ جائیگا یہ اختلاف دراصل اس بات پر مبنی ہے کہ آیا مثانہ اور جوف میں منفذ ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ طرفین فرماتے ہیں کہ نہیں ہے۔ و بہ قال الاطباء

وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا فِیْ رَمَضَانَ فَخَافَ اِنْ صَامَ اِزْدَادَ مَرَضُہٗ اَفْطَرَ وَقَضٰی وَاِنْ کَانَ مُسَافِرًا

جو بیمار ہو رمضان میں اور ڈر ہو کہ روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا تو روزہ نہ رکھے قضاء کر لے اگر کوئی مسافر ہے جس کو

[1] ابو یعلی' طبرانی عن عائشہ مرفوعاً' عبدالرزاق عن ابن مسعود' ابن ابی شیبہ عن ابن عباس موقوفاً ۱۲۔

لَايَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ اَفْضَلُ وَاِنْ اَفْطَرَ وَقَضٰى جَازَوَاِنْ مَاتَ الْمَرِيْضُ اَوِالْمُسَافِرُ وَهُمَا

روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہیں تو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اگر نہ رکھے اور قضاء کرے تب بھی جائز ہے اگر مر گیا بیمار یا مسافر اپنی اسی

عَلٰى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزِمْهُمَا الْقَضَاءُ وَاِنْ صَحَّ الْمَرِيْضُ اَوْاَقَامَ الْمُسَافِرُثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ

حالت میں تو ان پر قضاء لازم نہیں اگر تندرست ہو گیا بیمار یا مقیم ہو گیا مسافر پھر مر گئے تو لازم ہو گی ان کو قضا

بِقَدْرِ الصِّحَةِ وَالْاِقَامَةِ وَقَضَاءُ رَمَضَانَ اِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَاِنْ شَاءَ تَابَعَهُ وَاِنْ اَخَّرَهُ

بقدر صحت و اقامت قضاء رمضان کے روزے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے پے درپے اور اگر اتنی تاخیر کر دی

حَتّٰى دَخَلَ رَمَضَانَ اٰخَرُصَامَ رَمَضَانَ الثَّانِيْ وَقَضَى الْاَوَّلَ بَعْدَهُ وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِ وَ

کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد پہلے رمضان کے قضاء رکھے اور اس پر فدیہ نہیں ہے

الْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ اِذَا خَافَتَا عَلٰى وَلَدَيْهِمَا اَفْطَرَتَا وَقَضَتَا وَلَا فِدْيَةَ عَلَيْهِمَا وَالشَّيْخُ الْفَانِيْ

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنے بچوں کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھیں قضاء کر لیں اور ان پر فدیہ نہیں ہے۔ بہت بوڑھا آدمی

الَّذِيْ لَا يَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ يُفْطِرُ وَ يُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا كَمَا يُطْعَمُ فِي الْكَفَّارَاتِ

جوروزہ نہ رکھ سکے تو نہ رکھے۔ بلکہ کھانا کھلاتا رہے ہر روز ایک مسکین کو جیسے کفاروں میں کھلایا جاتا ہے۔

مبیح افطار عوارض کا بیان **قولہ ومن کان مریضا** الخ یہاں سے مبیح افطار عوارض کا بیان ہے باب صوم میں جن عوارض کا تذکرہ آتا ہے وہ آٹھ ہیں۔مرض، سفر، اکراہ، حمل، رضاع، بھوک، پیاس، کبرسنی، بعض نے نواں عذر غازی کا دشمن سے قتال کرنا اور زائد کیا ہے کیونکہ اگر غازی کو اس کا اندیشہ ہو کہ روزہ رکھنے سے لڑ نہ سکے گا تو اس کے لیے افطار جائز ہے۔علامہ شامی نے ان جملہ اعذار کو اس بیت میں قلم بند کیا ہے۔

عمل دارضاع واکراہ وسفر

مرض جہاد جوعہ عطش کبر

جس شخص کو روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے۔قال اللہ تعالیٰ ''**فمن کان منکم مریضا** اھ'' اس آیت میں ہر مریض کے لیے افطار کی اجازت ہے اور ظاہر ہے کہ افطار کا مشروع ہونا دفع حرج کے لیے ہے اور تحقق حرج کا مدار زیادتی مرض پر ہے جس کی معرفت مریض کے اجتہاد سے ہو گی مگر اجتہاد صرف وہم کا نام نہیں بلکہ غلبہ ظن مراد ہے خواہ علامات کے ذریعہ سے ہو یا تجربہ سے یا مسلمان حاذق طبیب کے خبر دینے سے امام شافعی کے نزدیک صرف زیادتی مرض کا خوف کافی نہیں۔ بلکہ جب جان یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تب افطار کر سکتا ہے جواز تیمم میں بھی ان کے یہاں اسی کا اعتبار ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ مرض کی زیادتی اور اس کا امتداد بھی بسا اوقات ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔

قولہ وان کان مسافرا الخ اگر مسافر کو بحالت سفر روزہ رکھنا دشوار ہو تو احناف کے نزدیک اس کے لیے افطار کی اجازت ہے لقولہ تعالیٰ ''**اوعلیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر**'' اور اگر باعث مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا بہتر ہے۔ لقولہ تعالیٰ ''**وان تصوموا خیر لکم**'' حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں تھے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ازدحام کئے ہوئے ہیں اور پانی چھڑک رہے ہیں آپ نے دریافت فرمایا: یہ مجمع کیسا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ شخص روزہ کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے آپ نے فرمایا: ''**لیس من**

البر الصیام فی السفر''[1]۔

قولہ و ان مات المریض الخ اگر مریض بیماری کی حالت میں اور مسافر سفر کی حالت میں مر جائے تو ان پر قضاء نہیں کیونکہ وجوب قضا کے لیے اتنا وقت ملنا ضروری ہے جس میں قضا ہو سکے. لقولہ تعالٰی ''فعدۃ من ایام اخر'' اور انہوں نے اتنا وقت نہیں پایا لہذا قضا واجب نہیں' ہاں اگر تندرست ہونے کے بعد مریں تو جتنے دن صحت کی حالت میں گزرے ہوں' اتنے دن کی قضاء واجب ہوگی۔

قولہ وان شاء فرقہ الخ رمضان کے قضاء روزے اگر چاہے تو متفرق ایام میں رکھے اور چاہے پے در پے رکھے۔ کیونکہ آیت ''فعدۃ من ایام اخر'' میں اطلاق ہے پھر اگر دوسرا رمضان آ گیا اور وہ پہلے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکا تو اداء کو قضاء پر مقدم کرے کیونکہ قضاء کا وجوب علی الفور نہیں' بلکہ بر سبیل تراخی ہے پھر اس صورت میں ہمارے یہاں اس پر فدیہ بھی واجب نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس نے بلا عذر تاخیر کی تو فدیہ لازم ہے یعنی ہر روزہ کے لیے نصف صاع گیہوں دے۔ کذا فی البدائع۔

فائدہ جن روزوں میں تتابع ضروری ہے وہ چار قسم کے ہیں۔ کفارہ صوم' کفارہ قتل' کفارہ ظہار' کفارہ یمین۔ ان کے علاوہ چار روزوں یعنی قضاء رمضان۔ صوم متعہ کفارہ حلق' کفارہ جزاء صید میں تتابع ضروری نہیں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کفارہ میں غلام آزاد کرنا مشروع ہے اس میں تتابع ضروری ہے اور جس میں یہ مشروع نہیں اس میں تتابع بھی ضروری نہیں۔ کذا فی النہایہ۔

قولہ والحامل الخ اگر حاملہ یا مرضعہ عورت کو اپنی جان کا یا بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہو تو وہ افطار کر سکتی ہے بعد میں قضاء کر لے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ان اللہ وضع عن المسافر الصوم و شطر الصلوٰۃ و عن الحامل والمراضیع الصوم'' اور جب یہ عذر عند الشرع مقبول ہوا تو افطار کرنے پر کفارہ یا فدیہ واجب نہ ہوگا۔

قولہ والشیخ الفانی الخ جو شخص اتنا بوڑھا ہو کہ کبر سنی کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ افطار کر لے اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ امام مالک اور (قول قدیم کے اعتبار سے) امام شافعی کے نزدیک فدیہ بھی واجب نہیں۔ وجوب فدیہ کی دلیل یہ آیت ہے ''وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین'' کیونکہ یطیقونہ میں ہمزہ افعال سلب ماخذ عن الفاعل کے لیے ہے جیسے اشکیت یا کلمہ لا مقدر ہے جو اہل عرب کے کلام میں کثیر الوقوع ہے۔ خود قرآن میں بھی کئی جگہ ہے۔ قال اللہ تعالٰی ''یبین اللہ لکم ان تضلوا'' وجعل فیہا رواسی ان تمید بکم' ای ان لا تضلوا و ان لا تمید بکم۔

وَمَنْ مَّاتَ وَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَاَوْصٰى بِهٖ اَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ لِكُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنًا نِصْفَ
جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کی قضاء تھی جس کی بابت وہ وصیت کر گیا تو کھلائے اس کی طرف سے اس کا ولی ہر روز ایک مسکین کو نصف

صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْصَاعًا مِّنْ تَمْرٍاَوْ شَعِيْرٍ وَمَنْ دَخَلَ فِيْ صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ اَفْسَدَهٗ قَضَاهُ.
صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو' جس نے نفلی روزہ شروع کر کے توڑ دیا تو اس کی قضاء کرے

روزہ کے متفرق مسائل

قولہ ومن مات الخ قولہ اطعم عنہ الخ بیمار اور مسافر نے بیماری اور سفر کے بعد جتنے دن پائے ہوں ان میں سے ہر دن کے بدلہ میں ان کا ولی فدیہ ادا کرے کیونکہ یہ لوگ آخر عمر میں ادائیگی سے عاجز ہونے کی بناء پر دلالۃً شیخ فانی کے ساتھ لاحق ہیں۔ فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو وغیرہ۔ لیکن اس فدیہ کی ادائیگی ولی پر اس وقت ہے جب مرنے والے نے اس کی وصیت

[1] صحیحین عن جابر' عبد الرزاق' احمد' طبرانی عن کعب بن عاصم بالمیم بدل لام التعریف ۱۲۔

کی ہو۔امام شافعی کے یہاں وارث پر فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے۔امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات فدیہ کو دیون عباد میں سے مانتے ہیں پس جس طرح قرض کی ادائیگی ورثا پر ضروری ہے مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے اسی طرح فدیہ کی ادائیگی ضروری ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فدیہ عبادت ہے اور عبادت میں اختیار کا ہونا ضروری ہے اس لیے وصیت کا ہونا ضروری ہے پھر یہ وصیت ابتداء تبرع کے درجہ میں ہوتی ہے اس لیے اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا۔وعند مالک واحمد من جمیع المال۔

قولہ ومن دخل الخ نفلی روزہ رکھنے والے کے لیے بھی افطار جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے افطار کرے یا بلا عذر یہ روایت امام ابو یوسف کی ہے۔ظاہر الروایہ کے اعتبار سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں اسی پر فتویٰ ہے (کذا فی الکافی) محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور صاحب کنز نے کنز الدقائق میں پہلی روایت کو اختیار کیا ہے اور صاحب محیط نے اس کی تصحیح کی ہے کیونکہ یہ روایت از روئے دلیل راجح تر ہے لیکن دونوں روایتوں کے لحاظ سے افطار کے بعد قضاء لازم ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفلی روزہ رکھنے والے کے لیے ''افطر واقض یومًا مکانہ'' فرمانا ثابت ہے۔ابوبکرؓ عمرؓ علیؓ ابن عباسؓ اسی کے قائل ہیں۔امام شافعی وامام احمد اس کے خلاف ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس نے جتنا روزہ رکھا ہے اس میں وہ متبرع ہے پس جو حصہ باقی ہے وہ اس پر لازم نہیں۔لقولہ تعالیٰ ''ما علی المحسنین من سبیل'' ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جو کچھ ادا کر چکا وہ ایک عبادت اور عمل صحیح ہے لہٰذا اس کو باطل ہونے سے بچانا ضروری ہے۔لقولہ تعالیٰ ''و لاتبطلوا اعمالکم۔''

تنبیہ روایت مذکور کے بارے میں انزاری کا یہ کہنا کہ یہ حدیث نہیں اقوال صحابہ میں سے ہے قطعًا غلط ہے کیونکہ طیالسی نے اس کو مسند میں ابوسعید خدریؓ سے اور دار قطنی نے سنن میں حضرت جابرؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔دار قطنی کے الفاظ ہیں ''کل وصم یومًا مکانہ'' اس کے علاوہ کتب ائمہ ثلاثہ سنن ترمذی مصنف عبدالرزاق وابن ابی شیبہ موطا مالک صحیح ابن حبان مسند بزار معجم طبرانی میں اس کے مؤیدات موجود ہیں۔

قولہ قضاہ الخ صاحب کتاب نے نفلی روزہ کی قضا کو مطلق ذکر کیا ہے جو افطار قصدی ہر دو کو شامل ہے۔افطار قصدی تو ظاہر ہے افطار غیر قصدی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک عورت نفلی روزہ رکھے ہوئے تھی کہ حیض آنا شروع ہوگیا تو اصح روایت کے لحاظ سے اس کو اس روزہ کی قضاء کرنی چاہیے۔

فائدہ یہ بات تو اوپر معلوم ہوگئی کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے بلا عذر افطار کرنا جائز نہیں اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ ضیافت عذر ہے یا نہیں؟ سو بعض مشائخ عذر مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عذر ہے کیونکہ حدیث گزر چکی ''افطر واقض یومًا مکانہ'' قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اسی کی تصحیح کی ہے اور اسی کو کافی میں اظہر الاقوال مانا ہے۔فتاویٰ ظہیریہ میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ اگر صاحب دعوت کو ترک افطار سے تکلیف نہ ہو بلکہ وہ مدعو کے صرف ہو جانے سے ہی خوش ہو جائے تو افطار نہ کرے ورنہ افطار کرے۔قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ''من افطر لحق اخیہ کتب لہ صیام الف یوم و متی قضٰی یوما مکانہ کتب لہ ثواب صیام الفی یوم'' پھر صاحب ذخیرہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب زوال سے بیشتر ہو زوال کے بعد افطار جائز نہیں الا یہ کہ ترک افطار میں والد یا والدہ کی نافرمانی لازم آئے۔

وَاِذَا بَلَغَ الصَّبِیُّ اَوْاَسْلَمَ الْکَافِرُ فِیْ رَمَضَانَ اَمْسَکَا بَقِیَّۃَ یَوْمِھِمَا وَصَامَا بَعْدَہٗ وَلَمْ یَقْضِیَا

جب بالغ ہو گیا بچہ یا مسلمان ہو گیا کافر رمضان میں تو وہ رکے رہیں باقی دن اور روزہ رکھیں اس دن کے بعد سے اور گذشتہ

مَامَضٰی وَمَنْ اُغْمِیَ عَلَیْہِ فِیْ رَمَضَانَ لَمْ یَقْضِ الْیَوْمَ [1] الَّذِیْ حَدَثَ فِیْہِ الْاِغْمَاءُ وَقَضٰی [2] مَا

ایام کی قضاء نہ کریں جو بیہوش ہو گیا رمضان میں تو نہ قضاء کرے اس دن کے روزے کی جس میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے اس کے بعد کے

[1] لوجود الصوم عنہ شرعًا وھو الامساک المعروف بالنیۃ اذ المسلم لایخلو عن عزیمۃ الصوم فی لیالی رمضان ۱۲۔فاتح [2] لانعدام النیۃ فیہ ۱۲۔جوہرہ۔

بعْدَهُ وَاِذا اَفَاقَ الْمَجْنُوْنُ فِیْ بَعْضِ رَمَضَانَ قَضٰی مَا [1] مَضٰی مِنْهُ وَصَامَ مَابَقِیَ وَاِذَا
روزے قضاء رکھے جب افاقہ ہو جائے دیوانہ کو رمضان کے بعض حصہ میں تو ماضی کی قضا کرے اور باقی ایام کے روزے رکھے جب

حَاضَتِ الْمَرْأَۃُ اَوْنُفِسَتْ اَفْطَرَتْ وَقَضَتْ اِذَا طَهُرَتْ وَاِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ اَوْطَهُرَتِ
عورت کو حیض یا نفاس آ جائے تو افطارکرے اور قضا کرے جب پاک ہو جائے جب واپس آ جائے مسافر یا پاک ہو جائے

الْحَائِضُ فِیْ بَعْضِ النَّهَارِ اَمْسَكَا عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بَقِیَّةَ یَوْمِهِمَا وَمَنْ تَسَحَّرَ وَهُوَ
حائضہ دن کے بعض حصہ میں تو رکے رہیں کھانے پینے سے باقی دن جس نے سحری کھائی یہ

یَظُنُّ اَنَّ الْفَجْرَ لَمْ یَطْلُعْ اَوْاَفْطَرَ وَهُوَ یَرٰی اَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرُبَتْ ثُمَّ تَبَیَّنَ اَنَّ الْفَجْرَكَانَ
سمجھتے ہوئے کہ فجر طلوع نہیں ہوئی یا روزہ افطار کیا یہ خیال کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو گیا پھر معلوم ہوا کہ فجر

قَدْ طَلَعَ اَوْاَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَغْرُبْ قَضٰی ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَاكَفَّارَۃَ عَلَیْهِ وَمَنْ رَاٰی هِلَالَ
طلوع ہو چکی تھی یا یہ کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضاء کرے اور اس پر کفارہ نہیں ہے جس نے دیکھا عید کا

الْفِطْرِ وَحْدَهٗ لَمْ یُفْطِرْ وَاِذَا كَانَتْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ یَقْبَلِ الْاِمَامُ فِیْ هِلَالِ الْفِطْرِ اِلَّا شَهَادَۃَ رَجُلَیْنِ
چاند اکیلے تو وہ افطار نہ کرے جب آسمان میں کوئی علت ہو تو نہ قبول کرے حاکم عید کے چاند میں مگر دو مردوں کی

اَوْرَجُلٍ وَّامْرَاَتَیْنِ وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ یَقْبَلْ اِلَّا شَهَادَۃَ جَمَاعَةٍ یَّقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ
یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت' اور اگر نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہ قبول کرے مگر ایک جماعت کی گواہی جن کے بیان کرنے پر یقین آ جائے۔

تشریح الفقہ: **قولہ واذا بلغ الصبی الخ** اگر کوئی بچہ رمضان میں بالغ ہوگیا یا کوئی کافر اسلام لے آیا تو وہ احترام رمضان کے پیش نظر باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہیں اور اس دن کی اور اس سے پیشتر ایام کی قضا نہ کریں کیونکہ ان ایام میں ان پر روزہ لازم نہیں تھا۔ اس واسطے کہ اس وقت' یہ فرعیات کے مخاطب نہیں تھے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اگر بچپن اور کفر زوال سے پہلے زائل ہو جائے تو قضاء لازم ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ان کو نیت کا وقت مل گیا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ روزہ میں تجزی نہیں نہ وجوبا نہ اداءً۔ اور وجوب اہلیت اول وقت میں معدوم ہے لہذا قضاء واجب نہیں البتہ اس صورت میں بچہ کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ نفل روزہ کی نیت کر لے۔ کیونکہ وہ نیت کی اہلیت رکھتا ہے بخلاف کافر کے کہ اس میں نیت کی اہلیت نہیں پھر ان لوگوں پر امساک مذکور واجب ہے یا مستحب؟ ابن شجاع کہتے ہیں کہ مستحب ہے لیکن امام صفاء کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ واجب ہے۔

قولہ واذا قدم المسافر الخ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس شخص کو رمضان میں شروع دن میں کوئی ایسا عذر ہو جو مانع وجوب صوم ہو یا اس کی وجہ سے افطار مباح ہو اور پھر وہ عذر زائل ہو جائے اور وہ شخص ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر وہ اس حالت پر شروع دن میں ہوتا تو اس پر روزہ واجب ہو جاتا' تو ایسے شخص کے لیے باقی دن مفطرات صوم سے رکے رہنا ضروری ہے مثلاً کوئی بچہ بالغ یا کافر مسلمان ہوگیا یا حائضہ حیض سے پاک ہوگئی یا مسافر سفر سے واپس آ گیا' اسی طرح جس شخص پر سبب وجوب اور اہلیت کے پائے جانے کی بناء پر روزہ واجب ہو' پھر اس کا پورا کرنا متعذر ہو گیا مثلاً کسی نے جان بوجھ کر افطار کر لیا یا شک کے دن بحالت افطار صبح کی اس کے بعد رمضان ثابت ہوگیا یا صبح صادق ہونے کے خیال سے سحری کھائی' بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی۔

---

[1] لان السبب قد وجد ہو الشہر والاہلیۃ فلزمہ القضاء ۱۲۔ جوہرہ

قولہ ومن رای هلال الفطر الخ جس شخص نے عید کا چاند تنہا دیکھا ہو اس کو روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ احتیاط اسی میں ہے نیز اس دن دوسرے لوگوں نے افطار نہیں کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "روزہ اس دن ہے جس دن لوگ روزہ رکھیں اور افطار اس دن ہے جس دن دوسرے لوگ افطار کریں[1]"

واذا كانت السماء علة الخ اگر مطلع صاف نہ ہو تو عید کے چاند میں دو آزاد مرد یا ایک آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی شرط ہے یہی ظاہر الروایہ ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے حق العباد متعلق ہے پس جو چیزیں دیگر حقوق کے اثبات میں ضروری ہیں وہی اس میں بھی ضروری ہوں گی یعنی عدالت، حریت، عدد، لفظ شہادت صاحب تحفہ نے روایت نوادر کو صحیح کہا ہے کہ اس میں بھی ایک عادل شخص کی گواہی قبول کی جائے گی۔

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

باب اعتکاف کے بیان میں

اَلْاِعْتِكَافُ	مُسْتَحَبٌّ	وَهُوَ	اَللَّبْثُ	فِي	الْمَسْجِدِ	مَعَ	الصَّوْمِ	وَنِيَّةِ
اعتکاف	مستحب	ہے	اور	وہ	ٹھہرنا	ہے مسجد میں	روزہ کے ساتھ	بہ نیت

اَلْاِعْتِكَافِ	وَ يَحْرُمُ	عَلَى الْمُعْتَكِفِ	الْوَطْئُ	وَاللَّمْسُ	وَالْقُبْلَةُ	وَاِنْ اَنْزَلَ	بِقُبْلَةٍ اَوْلَمْسٍ	فَسَدَ
اعتکاف	اور حرام ہے	اعتکاف کرنے والے پر	صحبت کرنا	چھونا	اور بوسہ لینا	اگر انزال ہو گیا	بوسہ یا چھونے سے	تو اس کا

اِعْتِكَافُهُ	وَ عَلَيْهِ	الْقَضَاءُ	وَلَايَخْرُجُ	الْمُعْتَكِفُ	مِنَ الْمَسْجِدِ	اِلَّا	لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ	اَوْلِلْجُمُعَةِ
اعتکاف فاسد ہو گیا	اور	قضا لازم ہے	اور نہ نکلے	معتکف	مسجد سے	مگر	حاجت انسانی	یا جمعہ کے لئے

<u>تشریح الفقہ</u> قولہ باب الخ اعتکاف کو صوم کے بعد لانے کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے۔ اعتکاف عکف سے افتعال ہے جو بقول صاحب نہایہ متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی، متعدی کا مصدر عکف ہے اور لازم کا عکوف، متعدی بمعنی حبس ہے قال تعالیٰ "**والهدى معكوفا**" اسی سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور لازم بمعنی کسی چیز کی طرف بطریق دوام متوجہ ہونا۔ **قال تعالیٰ "يعكفون على اصنام لهم"** اصطلاحی تعریف کتاب میں آرہی ہے، اعتکاف شرائع قدیمہ میں سے ہے۔ **لقوله تعالیٰ "ان طهرا بيتي للطائفين والعاكفين"**

قولہ الاعتكاف مستحب الخ لفظ مستحب سے صفت اعتکاف اور "**اللبث**" سے رکن اور **في المسجد، مع الصوم، نية الاعتكاف**" سے شروط اعتکاف کی طرف اشارہ ہے صفت اعتکاف میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کا قول ہے کہ اعتکاف جائز ہے۔ ابن العربی شرح ترمذی میں کہتے ہیں کہ یہ ہمارے اصحاب کی نادانی ہے۔ مبسوط میں ہے کہ اعتکاف قربت مقصودہ ہے۔ صاحب کتاب نے اس کو مستحب کہا ہے صاحب ہدایہ نے سنت مؤکدہ ہونے کی تصحیح کی ہے۔ محیط، بدائع، اور تحفہ میں اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بقول علامہ عینی حق یہ ہے کہ اعتکاف علی الاطلاق نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ اس میں تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ واجب جو بطریق نذر لازم کر لیا جائے۔ ۲۔ سنت مؤکدہ جو رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے۔ ۳۔ مستحب جو ان کے علاوہ ہو۔ نمبر ۲ کے مسنون ہونے کی دلیل مواظبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "آپ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے آپ کے بعد ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا[2]" سوال بلا ترک بطریق مواظبت کی وجہ سے تو واجب ہونا چاہیے۔ جواب اول تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض رمضانوں میں

[1] ابوداؤد، ترمذی عن ابی ہریرہ۔ [2] طبرانی عن النخعی، بیہقی عن عائشہؓ ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن علی ۱۲۔

ترک اعتکاف ثابت ہے۔ صاحب لمعات نے اسی کو حق مانا ہے۔ دوم یہ کہ بعض صحابہؓ کا اعتکاف نہ کرنا اور اس پر کسی کا انکار نہ کرنا سنیت کی دلیل ہے پھر سنت عین ہے یا کفایہ نیز ہر اہل محلّہ پر ہے یا ہر اہل شہر پر' رمضان ہی میں ہے یا غیر رمضان میں بھی' رمضان میں علی الاطلاق ہے یا عشرہ اخیرہ میں؟ سو صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے اور اہل شہر پر ہے اور رمضان کے اخیر عشرہ میں ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ بیس رمضان کو عصر کے بعد مغرب سے پہلے بہ نیت اعتکاف مسجد میں داخل ہو اور لابدی ضروریات کے علاوہ عید کا چاند ثابت ہونے تک مسجد سے باہر نہ نکلے۔

قوله فی المسجد الخ صحت اعتکاف کی پہلی شرط یہ ہے کہ مسجد میں ہو کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے حضرت حذیفہؓ نے فرمایا تھا "**اما انا فقد علمت انه لا اعتکاف الافی مسجد جماعته**" صاحب کتاب نے مسجد کو مطلق ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کو صاحبین کا قول بتایا ہے۔ اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے غایۃ البیان میں اس کی تصحیح بھی ہے کیونکہ قول باری "**وانتم عاکفون فی المسجد**" مطلق ہے۔ لیکن فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اعتکاف ہر ایسی مسجد میں صحیح ہے جس میں اذان و اقامت ہوتی ہے۔ خلاصہ اور خانیہ میں اس کی تصحیح ہے اور صاحب ہدایہ نے جو یہ کہا ہے کہ "اعتکاف صحیح نہیں مگر مسجد جماعت میں اس کا بھی یہی مطلب ہے کیونکہ جس مسجد میں اذان و اقامت ہو وہی مسجد جماعت ہے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اعتکاف واجب مسجد جماعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ نفلی اعتکاف ہر مسجد میں ہو سکتا ہے یہ تفصیل صحت کے لحاظ سے ہے' رہی افضلیت سو سب سے افضل مسجد حرام میں ہے پھر مسجد نبوی میں' پھر بیت المقدس میں' پھر جامع مسجد میں۔

قوله مع الصوم الخ دوسری شرط یہ ہے کہ روزہ ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "**لااعتکاف الابصوم**[1]" "حضرت علیؓ' ابن عباسؓ' ابوبکرؓ' عمرؓ' عائشہؓ' شعبی' نخعی' مجاہد' قاسم بن محمد' نافع' ابن المسیب' اوزاعی' زہری سب کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک' ثوری' حسن ابن حی اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام احمد اور امام شافعی کا قول (جدید) یہ ہے کہ روزہ شرط نہیں' ابن مسعودؓ طاؤس' عمر بن عبدالعزیز' داؤد' ابو ثور بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ "معتکف پر روزہ ضروری نہیں الا یہ کہ وہ از خود رکھ لے[2]" نیز روزہ خود مستقل عبادت ہے وہ دوسرے کے لیے شرط کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ روایت مذکورہ مرفوع نہیں موقوف ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت مرفوع ہے۔ رہا قیاس سو نص کے مقابلہ میں قیاس مقبول نہیں ہوتا۔

__فائدہ__ احناف کے یہاں جو اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے یہ صرف اعتکاف واجب کے لیے ہے یا نفلی کے لیے بھی؟ سو اول کے بارے میں تو باتفاق روایات روزہ شرط ہے اور حسن کی روایت پر نفلی کے لیے بھی شرط ہے۔ لیکن روایت اصل کے اعتبار سے نفلی اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں۔ مبسوط' شرح طحاوی' ذخیرہ' قاضی خاں' ظہیریہ' کافی' بدائع' نہایہ' غایۃ البیان' تبیین سب میں اس کی تصریح موجود ہے۔

قوله ویحرم الخ معتکف کے لیے وطی اور دواعی وطی یعنی چھونا' بوسہ لینا وغیرہ حرام ہے عمداً ہو یا سہواً' دن میں ہو یا رات میں بلکہ اگر بوسہ چھونے سے انزال ہو گیا تو اس کا اعتکاف ہی فاسد ہو جائے گا۔ "لقولہ تعالیٰ" "**ولا تباشروهن و انتم عاکفون.**"

قوله ولا یخرج الخ معتکف کے لیے بلا ضرورت مسجد سے نکلنا جائز نہیں۔ اگر ایک ساعت کے لیے بھی باہر نکلا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ البتہ حاجت شرعی جیسے جمعہ کی ادائیگی یا حاجت طبعی جیسے بول و براز اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ صحاح ستہ میں حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف سے ضرورت طبعیہ کے علاوہ کسی اور ضرورت سے نہیں نکلتے تھے" اور چونکہ جمعہ کی ادائیگی اہم حوائج دینیہ میں سے ہے' جس کے لیے نکلے بغیر چارہ نہیں اس لیے یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک جمعہ کے لیے نکلنا بھی مفسد اعتکاف ہے۔

---

[1] ابوداؤد' دار قطنی' بیہقی عن عائشہ ۱۲ [2] دار قطنی ۱۲۔

وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّبِيْعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِخَيْرٍ وَ

کوئی حرج نہیں خرید و فروخت میں مسجد کے اندر سامان خرید لائے بغیر اور بات نہ کرے مگر اچھی اور

يُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ فَاِنْ جَامَعَ الْمُعْتَكِفُ لَيْلاً اَوْنَهَارًا نَاسِيًا اَوْعَامِدًا بَطَلَ اعْتِكَافُهٗ وَلَوْ

مکروہ ہے چپ رہنا اگر صحبت کی معتکف نے رات میں یا دن میں بھول کر یا جان کر تو باطل ہو گیا اس کا اعتکاف اگر

خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُذْرٍ فَسَدَ اعْتِكَافُهٗ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا يَفْسُدُ حَتّٰى

نکلا مسجد سے ایک ساعت بلاعذر تو فاسد ہو گیا اس کا اعتکاف امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ فاسد

يَكُوْنَ اَكْثَرَ مِنْ نِّصْفِ يَوْمٍ وَّمَنْ اَوْجَبَ عَلٰى نَفْسِهٖ اِعْتِكَافَ اَيَّامٍ لَزِمَهٗ اِعْتِكَافُهَا بِلَيَا لِيْهَا

نہ ہو گا یہاں تک کہ باہر رہے نصف دن سے زیادہ جس نے لازم کیا اپنے اوپر دنوں کا اعتکاف تو لازم ہو گا اس پر ان دنوں کا اعتکاف راتوں

وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَاِنْ لَّمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ فِيْهَا

کے ساتھ اور ہوں گے اعتکاف کے دن پے درپے گو اس نے پے درپے کرنے کی شرط نہ کی ہو۔

توضیح اللغۃ بیع۔ فروخت کرے، یبتاع۔ خریدے، سلعۃ۔ سامان، صمت۔ خاموشی، لیالی۔ جمع لیل، متابعۃ۔ پے درپے۔

تشریح الفقہ: قولہ و لاباس الخ اگر معتکف کو خرید و فروخت کی ضرورت واقع ہو تو مسجد میں خرید و فروخت کر سکتا ہے لیکن مسجد میں خرید و فروخت کا سامان حاضر کرنا مکروہ ہے کیونکہ مسجد خالص خدا کی عبادت کے لیے ہے اور مال و متاع حاضر کرنے میں مسجد کو حقوق العباد کے ساتھ مشغول کرنا لازم آتا ہے۔

قولہ ولا یتکلم الخ مسجد میں بری بات بولنا تو سب ہی کے لیے ناجائز ہے۔ مگر معتکف کے لیے خاص طور سے ممنوع ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "فلیقل خیرا اولیسکت" (مسلم) نیز آپ کا ارشاد ہے "رحم اللہ امرأ تکلم فغنم اوسکت فسلم" کہ خدا رحم کرے اس شخص پر جو بولے تو غنیمت حاصل کرے اور چپ رہے تو سلامتی پائے۔

قولہ ویکرہ الصمت الخ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا بھی مکروہ ہے یعنی سکوت کو عبادت سمجھ کر خاموش رہنا مکروہ ہے کیونکہ صوم صمت ہماری شریعت میں قربت نہیں یہ تو شیوہ مجوس ہے۔ معتکف کو چاہیے کہ سنن و نوافل، اوراد و وظائف، تلاوت قرآن، قرأت حدیث، درس و تدریس، سیر نبی، قصص انبیا حکایات صالحین وغیرہ میں اوقات گزارے "واما الصمت عن معاصی اللسان فمن اعظم العبادات"۔

قولہ ومن اوجب الخ ایک شخص نے صرف ایام کو ذکر کیا اور کہا "للہ علی ان اعتکف ثلاثۃ ایام" تو اس پر راتوں کا بھی اعتکاف لازم ہو گیا کیونکہ ایام کو بطریق جمع ذکر کرنے سے اس کے مقابلہ کی راتیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ کہا جاتا ہے "ما رأیتک منذ ایام" میں نے تجھے بہت دنوں سے نہیں دیکھا، اس میں رات اور دن دونوں میں دیکھنے کی نفی مقصود ہوتی ہے پھر اعتکاف ایام پے درپے لازم ہو گا گو اس نے تتابع کی شرط نہ لگائی ہو کیونکہ اعتکاف کا مدار ہی تتابع پر ہے "لان الاوقات کلھا قابلۃ لہ بخلاف الصوم فان مبناہ علی التفرق"۔

كِتَابُ الْحَجِّ

حج کا بیان

قولہ کتاب الحج الخ صاحب کتاب نے "کتاب الحج" کو کتاب الصوم سے مؤخر کیا ہے، جس میں ترتیب حدیث صحیحین "بنی

الاسلام علی خمس اھ'' کی رعایت ملحوظ ہے۔ روایت کے بعض طرق میں صوم مؤخر ہے امام بخاری نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے حج کو صوم پر مقدم کیا ہے۔ صاحب جوہرہ نیرہ وغیرہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ عبادات تین طرح کی ہیں۔ بدنی محض جیسے صلوٰۃ وصوم مالی محض جیسے زکوٰۃ اور ان دونوں سے مرکب جیسے حج۔ پس صاحب کتاب بدنی و مالی عبادتوں کے احکام سے فارغ ہو کر عبادت مرکبہ کو لا رہے ہیں کیونکہ مرکب مفرد سے مؤخر ہی ہوتا ہے مگر اس توجیہ پر علامہ دہلی کا اعتراض پڑتا ہے کہ حج محض عبادت بدنیہ ہے اور مال وجوب کے لیے شرط ہے نہ کہ جزءِ مفہومِ حج پس حج کو مرکب کہنا صحیح نہیں پھر اس کتاب میں گو عمرہ کے احکام بھی مذکور ہیں مگر حج چونکہ فریضہ محکمہ ہے اس لیے عنوان میں صرف حج کو ذکر کیا ہے اور اس لیے بھی کہ حج کی دو قسمیں ہیں۔ حج اکبر یعنی حج اسلام اور حج اصغر یعنی عمرہ۔

قولہ الحج الخ لفظ حج میں حاء کا فتحہ اور کسرہ دونوں لغتیں ہیں۔ قال اللّٰہ تعالٰی ''الحج اشھر معلومات' وللّٰہ علی الناس حج البیت '' طبری نے نقل کیا ہے کہ کسر لغت اہل نجد ہے اور فتحہ لغت غیر اہل نجد' مستخلص' زیلعی' النہر الفائق' جوہرہ نیرہ وغیرہ میں ہے کہ حج کے لغوی معنی مطلق قصد و ارادہ کے ہیں۔ قاموس وغیرہ میں کتب لغت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے ''الحج القصد' حج الینا فلان ای قدم وحجہ یحجہ قصدہ وحججت فلاناً و اعتمر تہ ای قصد تہ ورجل محجوج ای مقصود '' لیکن صاحب بحر' صاحب فتح القدیر' صاحب درمختار وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حج کے معنی کسی عظیم الشان شئے کی طرف متوجہ ہونا ہے اور مخبل سعدی کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

واشھد من عوف حوؤلا کثیرۃ

یحجون بیت الزبرقان المزعفرا

ای یقصدونہ معظمین ایاہ' ابن السکیت اور خلیل نحوی نے بھی حج کے معنی اصل یہی بتائے ہیں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ جب اہل لغت نے حج کے معنی مطلق قصد کے کیے ہیں تو پھر صاحب فتح وغیرہ کا عظیم الشان شئے کے ساتھ مقید کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس کے لیے کوئی نقل ہونی چاہیے' رہا شعر سے استشہاد' سو اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے تو صرف یہ نکلتا ہے کہ شاعر نے لفظ حج کو اس کے بعض مدلولات میں استعمال کیا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لفظ حج مطلق قصد میں استعمال نہیں ہوتا۔

اصطلاح شرع میں حج کے معنی مخصوص افعال کے ساتھ خاص زمانہ میں ایک خاص جگہ کی زیارت کرنا ہے۔ افعال مخصوصہ سے مراد طواف اور وقوف بعرفات ہے اور مکان مخصوص سے مراد بیت اللّٰہ شریف ہے اور جبل عرفات ہے پس حج افعال مخصوصہ (طواف فرض و وقوف) کا نام ہے جیسے صلوٰۃ افعال مخصوصہ (قیام' قرأت' رکوع' سجود) کا نام ہے۔ پھر حافظ ابن حجر نے گو اس کو اختیار کیا ہے کہ حج امم سابقہ پر بھی واجب تھا لیکن صاحب فتح المعین اور ملا علی قاری وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر تر یہی ہے کہ حج امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

اَلْحجُّ وَاجِبٌ عَلَی الْاَحْرَارِ الْمُسْلِمِیْنَ الْبَالِغِیْنَ الْعُقَلَاءِ الْاَصِحَّاءِ اِذَا قَدَرُوْا عَلَی الزَّادِوَ

حج واجب ہے آزاد مسلمان بالغ عاقل اور تندرست پر جب کہ یہ لوگ قادر ہوں توشہ اور

الرَّاحِلَۃِ فَاضِلاً عَنِ الْمَسْکَنِ وَمَا لَا بُدَّ مِنْہُ وَعَنْ نَفَقَۃِ عِیَالِہٖ اِلٰی حِیْنِ عَوْدِہٖ وَکَانَ

سواری پر جو زائد ہوں رہائشی گھر' ضروریات اور بال بچوں کے خرچ سے واپس آنے تک اور ہو

الطَّرِیْقُ اٰمِنًا وَّ یُعْتَبرُ فِیْ حَقِّ الْمَرْاَۃِ اَنْ یَّکُوْنَ لَھَا مَحْرَمٌ یَحُجُّ بِھَا اَوْزَوْجٌ وَّلَا یَجُوْزُلَھَا

راستہ پر امن' اور معتبر ہے عورت کے حق میں یہ کہ ہو اس کا کوئی محرم جس کے ساتھ وہ حج کرے یا شوہر ہو جائز نہیں ہے۔

اَنْ يَّحُجَّ بِغَيْرِهِمَا اِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا

اس کے لئے حج کرنا ان کے بغیر جبکہ ہو اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت

شروط حج کا بیان

توضیح اللغۃ احرار۔ جمع حر، آزاد، عقلاء۔ جمع عاقل، اصحاء۔ جمع صحیح، تندرست، زاد۔ توشہ، راحلۃ ۔ سواری، مسکن، مکان۔ نفقہ۔ صرفہ، عیال۔ جمع عَیِّل، گھر کے لوگ، عود۔ واپسی۔

تشریح الفقہ : قولہ الحج واجب الخ شروط وجوب حج متحقق ہو جانے کے بعد عمر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے (صاحب کتاب نے اس کو واجب سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ واجب عام ہے۔ لان كل فرض واجب و ليس عكسه) قال الله تعالىٰ ''ولله على الناس حج البيت من استطاع الخ'' حدیث میں ہے ''خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا ايها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا[1]'' عمر میں ایک مرتبہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت اقرع بن حابس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حج ہر سال فرض ہے یا صرف ایک مرتبہ[2] نیز فرضیت حج کا سبب بیت اللہ ہے جس میں تعدد نہیں اور اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ سبب میں تکرار نہ ہونے سے مسبب میں تکرار نہیں ہوتا۔

فائدہ جب کسی پر حج فرض ہو جائے تو علی الفور ادائیگی ضروری ہے یا علی التراخی؟ امام ابو یوسف، مالک، احمد، کرخی بعض اصحاب شافعی اور اہل بیت میں سے زید بن علی، ہادی، مؤید اور ناصر کے نزدیک فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے۔ محیط میں ہے کہ امام صاحب سے بھی اصح روایت یہی ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من اراد الحج فليتعجل[3]'' نیز شریعت نے حج کے لیے ایک خاص وقت معین کیا ہے لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ فوراً ادا کیا جائے۔ امام محمد، احمد، شافعی اوزاعی اور اہل بیت میں سے قاسم بن ابراہیم اور ابو طالب کے نزدیک علی سبیل التراخی واجب ہے۔ کیونکہ حج کی فرضیت ۶ھ میں ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج کیا ہے اگر وجوب فی الفور ہوتا تو آپ تاخیر نہ فرماتے۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ جمہور کی رائے یہی ہے کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی ہے اور آیت فرضیت ''ولله على الناس الخ'' ہے اور آپ کا تاخیر فرمانا عذر کے سبب سے تھا اور وہ یہ کہ آپ کو بطریق وحی اپنی بقاء حیات کا علم تھا۔ اسی لیے آپ فوات حج سے مامون تھے یا یہ کہ آیت ایام حج گزر جانے کے بعد نازل ہوئی تھی یا آپ کو خوف تھا کہ اگر مدینہ خالی ہوگا تو مشرکین اس پر ہجوم کریں گے، عذر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تقدیم بالاجماع افضل ہے تو اگر آپ کو عذر نہ ہوتا تو آپ سے تاخیر متصور نہیں تھی۔ کذا فی حاشیۃ الحلبی عن الزیلعی۔

قوله على الاحرار الخ یہاں سے شروط حج کی طرف اشارہ ہے۔ شروط حج یہ ہیں۔ ۱۔ آزاد ہونا، غلام پر حج نہیں مدبر ہو یا مکاتب۔ ماذون فی التجارۃ ہو یا ام ولد۔ ۲۔ بالغ ہونا۔ بچہ پر حج نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس غلام نے حج ادا کیا پھر وہ آزاد کر دیا گیا اور جس بچہ نے حج کیا پھر وہ بالغ ہو گیا تو ان پر (آزاد اور بالغ ہونے کے بعد) دوبارہ حج کرنا ضروری ہے[4]۔ ۳۔ مسلمان ہونا۔ کافر پر حج نہیں کیونکہ وہ فرعیات کا مکلف نہیں ہے۔ ۴۔ عاقل ہونا کیونکہ صحت و تکلیف کے لیے عقل شرط ہے پس مجنون پر حج نہیں۔ ۵۔ تندرست ہونا۔ بیمار، اپاہج، کوڑھی، مفلوج، اندھے پر حج نہیں۔ ۶۔ توشہ اور سواری پر قادر ہونا، جو مسکن، لابدی ضروریات اور گھر والوں کے نان نفقہ سے فاضل ہو۔ کیونکہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استطاعت سبیل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''الزاد و الراحلة[5]''۔ ۷۔ راستہ کا پر امن ہونا۔ یعنی

۱۔ مسلم عن ابی ہریرہ ۱۲۔ ۲۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، عن ابن عباس ۱۲۔ ۳۔ بیہقی، احمد، ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔ ۴۔ حاکم، بیہقی، طبرانی عن ابن عباس ۱۲۔ ۵۔ حاکم عن انس، ترمذی، ابن ماجہ، دار قطنی عن ابن عباس، دار قطنی، بیہقی عن عائشہ، دار قطنی عن جابر و ابن مسعود و عمرو بن العاص ۱۲۔

راستہ میں سلامتی غالب ہو کیونکہ اس کے بغیر استطاعت حج متحقق نہیں ہوسکتی۔

قولہ فکان للطریق الخ راستہ کا مامون ہونا وجوب حج کے لیے شرط ہے یا ادائیگی حج کے لیے؟ امام شافعی اور کرخی کے نزدیک وجوب حج کے لیے شرط ہے۔ امام صاحب سے ابن شجاع کی روایت بھی یہی ہے۔ امام احمد کے نزدیک اداء حج کے لیے شرط ہے قاضی ابو حازم بھی اسی کے قائل ہیں۔ نہایہ اور شرح لباب میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور فتح القدیر میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استطاعت کی تفسیر صرف زاد وراحلہ کے ساتھ فرمائی ہے' راستہ کا پر امن ہونا ذکر نہیں فرمایا۔

قولہ و یعتبر الخ ۸۔ عورت کے حق میں شوہر یا محرم کا ہونا جب کہ اس کے اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زائد کی مسافت ہو۔ محرم ہر وہ عاقل بالغ مرد ہے جس کا نکاح اس عورت کے ساتھ تا ابد حرام ہو بطریق قرابت ہو یا بطریق رضاعت یا بطریق صہریت امام شافعی کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ اگر رفقاء سفر میں ثقہ عورتیں ہوں تو ان کے ساتھ حج ادا ہو جائے گا کیونکہ آیت ''وللّٰہ علی الناس اھ'' اور حدیث ''قد فرض علیکم الحج اھ'' میں تعمیم ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''کوئی عورت محرم کے بغیر حج نہ کرے[1]''

فائدہ امن طریق والا اختلاف اس میں بھی ہے۔ صاحب بدائع اور سروجی نے اول کی اور قاضی خاں نے ثانی کی تصحیح کی ہے پس جو شخص راستہ کے پر امن ہونے سے قبل مر جائے اس پر وصیت کرنا' اگر محرم اپنا نان نفقہ اور سواری کا خرچ طلب کرے اور اس کے بغیر عورت کے ساتھ حج کے لیے نہ جائے تو عورت پر نفقہ کی ادائیگی' اگر عورت کا کوئی محرم نہ ہو تو ادائیگی حج کی خاطر اس پر شادی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جو لوگ اول کے قائل ہیں ان کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز لازم نہیں اور جو ثانی کے قائل ہیں ان کے یہاں سب لازم ہیں۔

وَالْمَوَاقِيْتُ الَّتِىْ لَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَجاوَزُهَا الْاِنْسَانُ اِلَّا مُحْرِمًا لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُوالْحُلَيْفَة
وہ مواقیت جن سے گذرنا جائز نہیں انسان کو احرام باندھے بغیر اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے۔

وَلِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةُ وَلِاَ هْلِ النَّجْدِ قَرْنٌ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ
اور اہل عراق کے لئے ذات عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے قرن ہے اور اہل یمن کے لئے

يَلَمْلَمُ فَاِنْ قَدَّمَ الاحْرَامَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَوَاقِيْتِ جَازَ وَمَنْ كَانَ بَعْدَالْمَوَاقِيْتِ فَمِيْقَاتُهُ
یلملم ہے اگر احرام باندھ لے ان مواقیت سے ورے ہی تو یہ بھی جائز ہے جو رہتا ہو ان مواقیت سے پرے تو اس کی

الْحِلُّ وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَمِيْقَاتُهُ فِى الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِى الْعُمْرَةِ الْحِلُّ
میقات حل ہے اور جو مکہ میں ہو تو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل۔

مواقیت احرام کا بیان

توضیح اللغۃ مواقیت۔ جمع میقات معین وقت' ان امکنہ کے لیے مستعار ہے' جہاں سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں' ذوالحلیفہ مکہ سے نو یا دس مراحل دور ایک جگہ ہے اس کے اور مدینے کے درمیان ایک جگہ ہے بقول نووی چھ میل اور بقول قاضی عیاض سات میل کا فاصلہ ہے ذات عرق مکہ سے دو مرحلہ کی مسافت پر مشرق و مغرب کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جحفہ مکہ سے بطریق تبوک مغرب و شمال کے درمیان ایک بستی ہے جس کا نام مہیعہ تھا' یہاں ایک سیلاب آیا تھا جس نے بستی والوں کا استیصال کر دیا تھا اس لیے اس کو جحفہ کہنے لگے اس کے اور مکہ کے درمیان تین مراحل کا فاصلہ ہے۔ قرن مکہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یلملم مکہ سے دو مرحلہ پر تہامہ پہاڑوں کے دن میں سے ایک پہاڑ ہے حل مکہ معظمہ

[1] بزار دار قطنی عن ابن عباس دار قطنی' طبرانی عن ابی امامہ ۱۲۔

کے اردگرد حرم محترم کے علاوہ جگہ۔

قولہ والمواقیت الخ موجبات وشروط حج کے بیان سے فراغت کے بعد ان امکنہ خاصہ کا بیان ہے' جہاں سے افعال حج کا آغاز ہوتا ہے جن کو مواقیت کہتے ہیں صاحب کتاب نے جن مواقیت کو ذکر کیا ہے ان میں سے ذات عرق کے علاوہ باقی سب صحیحین کی حدیث میں حضرت ابن عباس سے مروی ہیں اور ذات عرق کا ثبوت مسلم ابوداؤد' نسائی' دارقطنی' بیہقی' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ اور ابویعلی کی حدیث سے ہے کسی شاعر نے مواقیت واہل مواقیت کو اس شعر میں جمع کیا ہے۔

عرق العراق یلملم الیمنی
وبذی الحلیفة یحرم المدنی
للشام جحفة ان مررت بها
ولاهل نجد قرن فاستبن

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے ذات عرق کو کیسے معین فرمادیا حالانکہ عراق تو ابھی فتح بھی نہیں ہوا تھا؟ جواب یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے اہل شام کے لیے جحفہ معین فرمایا تھا حالانکہ شام بعد کو فتح ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ آپ کو بطریق وحی معلوم تھا کہ یہ دونوں عنقریب دارالاسلام ہو جائیں گے۔

قولہ فان قدم الخ حجاج اور اس شخص کے لیے جو مکہ میں داخل ہونا چاہے ان مواقیت سے بلا احرام بڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''کوئی شخص بھی ان مواقیت سے بلا احرام نہ بڑھے[1]'' سوال فتح مکہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ محرم نہیں[2] تھے؟ جواب' آپ کا بلا احرام داخل ہونا اسی ساعت کے ساتھ مخصوص تھا چنانچہ آپ نے اسی دن فرمایا تھا کہ ''**مكة حرام لم تحل لاحد بعدى وانما احلت لى ساعة من نهار ثم عادت حرامًا**'' بہرکیف مواقیت سے بلا احرام بڑھنا کسی کے لیے جائز نہیں البتہ تقدیم احرام بالاتفاق جائز ہے کیونکہ ارشاد باری ہے' واتموا الحج اھ' اس کی تفسیر میں حضرت علیؓ وابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ اتمام حج یہ کہ اپنے گھروں سے احرام باندھا جائے۔[3]

وَاِذَا اَرَادَ الْاِحْرَامَ اغْتَسَلَ اَوْتَوَضَّا وَالْغُسْلُ اَفْضَلُ وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيْدَيْنِ اَوْغَسِيْلَيْنِ
جب احرام باندھنا چاہے تو غسل کرے یا وضوء اور غسل افضل ہے اور پہنے دو کپڑے نئے یا دھلے ہوئے یعنی
اِزَارًا وَّرِدَاءً وَّمَسَّ طِيْبًا اِنْ كَانَ لَهٗ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ
تہبند اور چادر اور خوشبو لگائے اگر ہو اس کے پاس اور پڑھے دو رکعت اور کہے الٰہی! میں چاہتا ہوں حج کرنا سو اس کو آسان
لِىْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّىْ ثُمَّ يُلَبِّىْ عَقِيْبَ صَلٰوتِهٖ فَاِنْ كَانَ مُفْرِدًا بِالْحَجِّ نَوٰى بِتَلْبِيَةِ الْحَجَّ
کر دے میرے لئے اور قبول کر لے پھر تلبیہ کہے نماز کے بعد پس اگر مفرد بالحج ہو تو نیت کرے تلبیہ میں حج کی۔

کیفیت احرام کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ واذا اراد الاحرام الخ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ غسل کرلے یا وضوء کرلے لیکن غسل کرنا افضل ہے کیونکہ احرام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل کرنا حدیث سے ثابت ہے[4]۔ یہ غسل چونکہ برائے نظافت ہے نہ کہ برائے طہارت' لہذا حائضہ

[1] ابن ابی شیبہ' طبرانی' شافعی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] صحیحین' مالک' طحاوی عن ابن انس ۱۲۔ [3] حاکم' بیہقی' ابن ابی شیبہ' ابن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم ۱۲۔ [4] ترمذی' طبرانی' دارقطنی عن زید طبرانی عن عائشہ' حاکم عن ابن عباس ۱۲۔

نافسہ اور بچے کے لیے بھی مسنون ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسماء کے متعلق عرض کیا: یارسول اللہ! اس کوتو ماہواری شروع ہوگئی' آپ نے فرمایا! اس سے کہو غسل کر کے حج کا احرام باندھ لے[1]۔

فائدہ حج کے موقعہ پر دس مواقع میں غسل مسنون ہے۔ ا۔احرام'۲۔دخول مکہ'۳۔وقوف عرفہ'۴۔وقوف مزدلفہ'۵۔طواف زیارت ۶۔ایام تشریق میں' ۷۔رمی جمرات ثلثہ'۸۔طواف صدر'۹۔دخول ۱۰۔حرم مدینہ قال فی البحر العمیق ولاغسل لرمی جمرة العقبة یوم النحراھ۔ کذا فی الحاشیة المدنی۔

قولہ ولیس ثوبین الخ پھر دو کپڑے پہنے' ایک تہبند' ایک چادر' یہی سنت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے یہی پہنے ہیں[2]۔ صاحب کتاب نے جدیدین کو غسیلین پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ کپڑے نئے ہوں تو بہتر ہے ورنہ دھلے ہوئے کافی ہیں۔ احرام سے قبل بدن میں خوشبو لگانا بھی مسنون ہے گو اس کا اثر بعد تک باقی رہے کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ''میں احرام سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں خوشبو لگاتی تھی۔'' اسی روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ہے کہ '' گویا میں خوشبو کی چمک آپ کے گیسوئے مبارک میں دیکھ رہی ہوں'' امام محمد سے ایک ضعیف روایت ہے کہ اگر احرام کے بعد تک عین خوشبو باقی رہے جیسے مشک اور غالیہ وغیرہ تو ایسی خوشبو استعمال کرنا مکروہ ہے۔ امام زفر' امام مالک اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محرم شخص کو خوشبو لگائے ہوئے دیکھ کر تین بار فرمایا ''اما الطیب الذی بک فاغسلہ'' نیز اس صورت میں احرام کے بعد خوشبو سے منتفع ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ کیونکہ یہ فتح مکہ کے سال کی ہے اور حدیث عائشہؓ حجۃ الوداع کی ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ نے بطریق عموم فرمایا ہے پس صحیح حدیث کے بعد اس لزوم کا کوئی اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں احرام کے بعد عین خوشبو کا استعمال ناجائز ہے۔ نہ کہ باقی ماندہ اثر کا کیونکہ وہ تو تابع کے حکم میں ہے اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت احرام ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھی ہیں[3]۔

وَالتَّلْبِیَةُ اَنْ یَّقُوْلَ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ

تلبیہ یہ ہے کہ کہے میں حاضر ہوں' حاضر ہوں طاعت کے لئے کوئی شریک نہیں آپ کا میں حاضر ہوں بیشک حمد و نعمت آپ ہی کی ہے

وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَلَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّخِلَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ھٰذِهِ الْکَلِمَاتِ فَاِنْ زَادَ فِیْھَا جَازَ.

اور ملک کوئی شریک نہیں آپ کا اور زیبا نہیں کم کرنا ان کلمات سے' ہاں اگر کچھ زیادہ کرے تو جائز ہے۔

تلبیہ کا بیان

تشریح الفقہ قولہ والتلبیة الخ صاحب کتاب نے جو تلبیہ ذکر کیا ہے یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ ہے جو صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے ہمارے نزدیک یہ تلبیہ یا جو اس کے قائم مقام ہو (یعنی سوق ہدی) وہ واجب ہے اور اگر تلبیہ کی جگہ تسبیح و تہلیل یا اس کے مثل کوئی اور ذکر اللہ ہو اور اس سے احرام کی نیت کر لے تب بھی محرم ہو جائے گا۔

قولہ لبیک الخ لفظ لبیک ان مصادر میں سے ہے جن کا فعل محذوف ہوتا ہے یہ لَبَّ (ن) لَبًّا' بالمکان سے ہے بمعنی اقامت کرنا پس لبیک کے معنی یہ ہیں کہ حاضر ہوں میں موجود ہوں' میں تمہاری طاعت پر قائم ہوں' تثنیہ برائے تاکید ہے اور نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ اصل یہ ہے۔ ''اُلِبُّ لَکَ اِلْبَابًا بَعْدَ اِلْبَابٍ'' اور ''ان الحمد'' میں لفظ ان فصیح لغت کے اعتبار سے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ فراء نحوی اسی

---

[1] مسلم عن عائشہ ۱۲۔ [2] بخاری عن ابن عباس ۱۲۔ [3] مسلم عن ابن عمر' ابوداؤد' حاکم' دارقطنی عن ابن عباس۔

کا قائل ہے۔امام کسائی کے نزدیک ہمزہ کا فتحہ مستحسن ہے و معناه لان الحمد اوبان الحمد' ابن سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک ان میں سے کون سی صورت پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کسرہ برائے ابتداء ہے اور فتحہ برائے بناء اور بناء سے ابتداء اولی ہے۔ای لیکون ابتداء ذکرہ تعلیلًا للکلام الاول۔

قوله فان زاد فيها الخ فی ظرفیہ بمعنی علیٰ ہے کمافی قوله تعالی" ولا صلبنکم فی جذوع النخل" کیونکہ زیادتی کلمات مذکورہ کے بعد ہی کی جائے نہ کہ درمیان میں ۔(سراج) تلبیہ کے جو الفاظ صاحب کتاب نے ذکر کئے ہیں صحاح ستہ میں یہی الفاظ منقول ہیں۔لہٰذا ان میں کمی کرنا مناسب نہیں' بلکہ ابن ملک نے تو شرح مجمع میں اس کو بالاتفاق مکروہ لکھا ہے ہاں زیادتی کر سکتا ہے مثلاً "لبیک و سعدیک والخیر بیدیک والرغباء الیک والعمل له الخلق غفار الذنوب لبیک ذاالنعمة والفضل الحسن لبیک عدد التراب لبیک ان العیش عیش الآخرة۔" صاحب کنز نے "کافی" میں تصریح کی ہے کہ زیادتی پسندیدہ ہے اور حلبی نے "مناسک" میں اسی کو مستحب کہا ہے لیکن شرح وجیز میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ پر زیادتی مستحب نہیں۔بلکہ اسی کو بار بار پڑھتا رہے۔امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں' ربیع بن سلیمان نے امام شافعی سے عدم جواز نقل کیا ہے۔گویا امام شافعی نے تلبیہ کو اذان اور تشہد پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح ان کے کلمات میں تغیر جائز نہیں اسی طرح تلبیہ میں بھی جائز نہیں ہونا چاہیے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ اجلاء صحابہؓ سے زیادتی ثابت ہے[1]۔مزنی نے امام شافعی سے زیادتی کا جواز ہی نقل کیا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِذَالَبّٰی فَقَدْاَحْرَمَ فَلْیَتَّقِ مَانَهَی اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوْقِ وَالْجِدَالِ وَلَايَقْتُلُ
جب تلبیہ کہہ لیا تو محرم ہو گیا اب چاہیے کہ بچے اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے یعنی جماع کرنے جھوٹ بولنے اور جھگڑے سے اور نہ شکار

صَیْدًا وَّلَایُشِیْرُاِلَیْهِ وَلَایَدُلّ عَلَیْهِ وَلَا یَلْبَسُ قَمِیْصًا وَّلَا سَرَاوِیْلَ وَلَا عَمَامَةً وَّلَا
کرے نہ اس کی طرف اشارہ کرے نہ شکار بتائے نہ قمیص پہنے نہ پائجامہ نہ پگڑی باندھے نہ

قَلَنْسُوَةً وَّلَا قَبَاءً وَّلَاخُفَّیْنِ اِلَّا اَنْ لَّا یَجِدَ نَعْلَیْنِ فَیَقْطَعُهُمَا مِنْ اَسْفَلِ الْکَعْبَیْنِ
ٹوپی اوڑھے' نہ قبا پہنے نہ موزے الا یہ کہ نہ پائے جوتے پس کاٹ دے ان کو ٹخنوں کے نیچے سے

وَلَا یُغَطِّیْ رَأْسَهٗ وَلَا وَجْهَهٗ وَلَا یَمَسُّ طِیْبًا وَّلَا یَحْلِقُ رَأْسَهٗ وَلَا شَعْرَبَدَنِهٖ وَ
اور نہ چھپائے اپنا سر اور چہرہ' اور نہ لگائے خوشبو' اور نہ مونڈے اپنا سر اور بدن کے بال' اور

لَایَقُصُّ مِنْ لِّحْیَتِهٖ وَلَا مِنْ ظُفُرِهٖ وَلَا یَلْبَسُ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا بِوَرْسٍ وَّلَا بِزَعْفَرَانٍ
نہ تراشے اپنی ڈاڑھی اور ناخن اور نہ پہنے ورس و زعفران

وَّلَابِعُصْفُرٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ غَسِیْلًا لَا یَنْفُضُ الصَّبْغُ
اور کسم کا رنگا ہوا کپڑا الا یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو۔

ان امور کا بیان جو محرم کے لیے ممنوع ہیں

توضیح اللغۃ: رفث۔گندی گفتگو' فسوق۔بدکاری' گناہ' جدال۔جھگڑا' صید۔شکار' یدل۔دلالۃ راہنمائی کرنا' سراویل۔جمع سروال' پاجامہ' عمامہ۔

[1] ائمہ ستہ عن ابن عمر' ابن راہویہ' ابویعلی عن ابن مسعود' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن ابی ہریرہ ۱۲۔

پگڑی' قلنسوۃ۔ٹوپی' قباء۔ایک لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے' خفین۔موزے' نعلین۔جوتے' کعبین۔ٹخنے' تغطیۃ۔چھپانا' حلق (ض) حلقًا۔مونڈنا' شعر۔بال' یقص (ن) قصا۔قینچی سے بال کاٹنا' لحیۃ۔ڈاڑھی' ظفر۔ناخن' مصبوغا۔رنگا ہوا' عصفر۔زرد رنگ' ورس۔تل کے مانند ایک قسم کی گھاس ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔غسیل۔دھلا ہوا' الا ینفض۔نہ جھڑتا ہو' صبغ۔رنگ۔

تشریح الفقہ: قولہ واذا لبی الخ جب تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ سے فارغ ہوگیا تو اب وہ محرم ہوگیا' اس کو چاہیے کہ فحش گوئی' فسق و فجور اور جنگ و جدال سے اجتناب کرے لقولہ تعالیٰ "فلارفث ولافسوق ولاجدال فی الحج" شکار بھی نہ کرے لقولہ تعالیٰ "لاتقتلوا الصید وانتم حرم" بلکہ اس کی طرف اشارہ اور اس پر راہنمائی بھی نہ کرے۔کیونکہ حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ "انہوں نے گورخر کا شکار کیا' حضرت ابوقتادہ غیر محرم تھے اور ان کے ساتھی محرم۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محرمین سے دریافت فرمایا تم نے اس کی طرف اشارہ یا راہنمائی یا کسی قسم کی اعانت کی تھی؟ انہوں نے کہا' نہیں آپ نے فرمایا: تب کھا سکتے ہو۔(ائمہ ستہ)

قولہ ولا یلبس قمیصاً الخ سلے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے جیسے قمیص' پاجامہ وغیرہ' نیز پگڑی' ٹوپی' قبا' موزے بھی نہ پہنے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے[1] البتہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن سکتا ہے۔بشرطیکہ ان کی ساقین کو کاٹ کر کفش نما بنا لے کیونکہ حدیث میں موزوں کا استثناء اسی شرط کے ساتھ ہے۔امام احمد و عطاء فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ "جو شخص جوتے نہ پائے وہ موزے اور جو تہبند نہ پائے وہ پاجامہ پہن لے" جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سنداً قوی تر اور مفسر ہے لہذا وہ راجح ہوگی۔سوال۔دار قطنی نے حدیث ابن عمر کو منسوخ کہا ہے۔لانہ بعرفات وحدیث ابن عمر کان بالمدینہ جواب حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ایوب سختیانی' ثوری' ابن عیینہ' حماد' ابن جریج' ہشیم' شعبہ سب نے روایت کی ہے لیکن شعبہ کے علاوہ کسی نے عرفات کا تذکرہ نہیں کیا۔پس ان ثقہ راویوں کے مقابلہ میں تفرد شعبہ مقبول نہیں۔پھر امام شافعی موزوں میں ہمارے ساتھ ہیں اور پاجامہ میں امام احمد کے ساتھ اور امام مالک ہر دو میں ہمارے ساتھ ہیں۔

قولہ ولایغطی راسہ الخ اپنا سر اور چہرہ بھی نہ ڈھانپے' امام شافعی' مالک' احمد کے نزدیک مرد کے لیے چہرہ ڈھانپنا جائز ہے۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "احرام الرجل فی راسہ و احرام المراۃ فی وجھھا[2] " ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی محرم کے انتقال پر ارشاد فرمایا تھا' "اس کے چہرہ اور سر کو مت ڈھانپو' کیونکہ یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا[3] " سوال حدیث میں جو' فانہ یبعث یوم القیامۃ ملبیا' تعلیل ہے۔احناف اس کے مفہوم پر تو عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ محرم کے لیے چہرہ ڈھانپنا جائز نہیں اور حدیث کے منطوق پر عمل نہیں کرتے منطوق حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مردہ محرم کے سر اور چہرہ کو کفن سے نہ ڈھانپا جائے اور احناف کا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ ان کے یہاں دیگر مردوں کی طرح مردہ محرم کا بھی سر اور چہرہ کفن سے ڈھانپا جاتا ہے اس کی کیا وجہ؟ جواب۔اس لیے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث سے معارض ہے اور وہ یہ کہ "جب آدمی مر جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ باقی سب منقطع ہو جاتے ہیں" اور احرام بھی ایک عمل ہے لہذا مرنے کے بعد یہ بھی منقطع ہو جائے گا۔یہی وجہ ہے کہ مامور بالحج کے لیے میت کے احرام پر بالاتفاق بناء جائز نہیں نیز حدیث میں ہے کہ "اپنے مردوں کو ڈھانپو' یہود کے ساتھ مشابہت مت اختیار کرو[4] " حدیث کے بعض طرق میں تصریح ہے کہ میں دونوں مذکور ہیں۔فالمر جوح الی مسلم لا الی الحاکم فانہ کثیر الاوہام۔

قولہ ولایمس طیباً الخ احرام کے بعد بدن اور کپڑے وغیرہ میں خوشبو وغیرہ استعمال کرنا بھی جائز نہیں۔کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حاجی تو پراگندہ بال و پراگندہ حال ہوتا ہے[5] سر اور بدن کے بال بھی نہ مونڈے۔لقولہ تعالیٰ "ولاتحلقوا رؤسکم" البتہ آنکھ

---

[1] بیہقی' دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔[2] مسلم' نسائی' ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔[3] دار قطنی عن ابن عباس ۱۲۔[4] ترمذی' ابن ماجہ عن ابن عمر ۱۲۔[5] ائمہ ستہ' طحاوی عن ابن عمر ۱۲۔

میں جو اوپر بال آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قولہ ولایلبس ثوبا الخ ورس، زعفران اور عصفر سے رنگے ہوئے کپڑے بھی نہ پہنے کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت ہے[1]، ہاں اگر ایسا کپڑا دھلا ہوا ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے[2]۔

وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ وَيَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ وَيَشُدَّ فِيْ وَسْطِهٖ
کوئی حرج نہیں اس میں کہ غسل کرے حمام میں داخل ہو بیت اللہ اور ہودہ کا سایہ لے ہمیانی کمر سے

الْهِمْيَانَ وَلَايَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَلَا لِحْيَتَهٗ بِالْخِطْمِيِّ وَيُكْثِرُ مِنَ التَّلْبِيَةِ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ وَ
باندھے اور نہ دھوئے اپنا سر اور ڈاڑھی گل خیرو سے اور بکثرت کہے تلبیہ نماز کے بعد اور

كُلَّمَا عَلَا شَرَفًا اَوْهَبَطَ وَادِيًا اَوْلَقِيَ رُكْبَانًا وَبِالْاَسْحَارِ فَاِذَا دَخَلَ بِمَكَّةَ ابْتَدَاَ بِالْمَسْجِدِ
جب چڑھے کہیں بلندی پر یا اترے نشیب میں یا ملے سواروں سے اور صبح کے وقت، جب داخل ہو مکہ میں تو جائے اول مسجد

الْحَرَامِ فَاِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَوَهَلَّلَ ثُمَّ ابْتَدَاَ بِالْحَجَرِالْاَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهٗ وَكَبَّرَ وَ
حرام میں پس جب دیکھے بیت اللہ کو تو تکبیر و تہلیل کہے پھر حجر اسود کی طرف منہ کر کے تکبیر و

هَلَّلَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ وَاسْتَلَمَهٗ وَ قَبَّلَهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّؤْذِيَ مُسْلِمًا
تہلیل کہے اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اور استلام کرے اور چومے اگر ہو سکے کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر

محرم کے لیے جن امور کی اجازت ہے

توضیح اللغۃ حمام۔گرم آبہ یستظل۔استظلالاً سایہ حاصل کرنا محمل۔کجاوہ الہمیان۔ہمیانی، روپیہ کی تھیلی، خطمی۔ایک مشہور گھاس ہے جسے گل خیرو کہتے ہیں، علا (ن) علواً۔بلند ہونا، شرف۔بلند مکان، ہبط ہبوطاً۔پستی میں اترنا، رکباناً۔سوار، اسحار۔جمع سحر، صبح کا وقت، عاین معاینۃً۔دیکھنا، ہلل۔لا الہ الا اللہ کہنا، استلمہ استلاماً۔چومنا، قبلہ تقبیلاً۔بوسہ دینا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولاباس الخ محرم کے لیے غسل کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام غسل فرمایا ہے (مسلم) حضرت عمرؓ سے بھی اغتسال ثابت ہے[3]۔مگر یہ یاد رہے کہ بقول امام طحاوی غسل تو جائز ہے لیکن میل کا چھڑانا مکروہ ہے بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر گرم آبہ میں داخل ہوا اور میل چھڑانے کی غرض سے بدن کو ملا تو فدیہ دینا ہوگا۔مکان اور ہودج وغیرہ کا سایہ بھی حاصل کر سکتا ہے کیونکہ حضرت اسامہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑے سے سایہ کیا تھا[4]۔امام مالک فرماتے ہیں کہ خیمہ وغیرہ سے سایہ حاصل نہ کرے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو جو لکڑی پر کپڑا تان کر سایہ لے رہا تھا دیکھ کر فرمایا "اضح لمن احرمت لہ"، مگر حدیث اسامہ ان پر حجت ہے۔علاوہ ازیں حضرت عمرؓ درخت پر کپڑا ڈال کر سایہ کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے لیے خیمہ گاڑا جاتا تھا، اپنی کمر پر ہمیانی بھی باندھ سکتا ہے۔خواہ اس میں اپنا مال نقد ہو یا کسی دوسرے کا۔(کذافی المنح) کیونکہ یہ استعمال مخیط کے درجہ میں نہیں ہے۔

قولہ و یکثر التلبیۃ الخ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ان حالات میں اسی طرح تلبیہ پڑھتے تھے۔جب بیت اللہ شریف کو دیکھے تو تکبیر و تہلیل کہے کیونکہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر تین بار کہتے اور یہ دعا پڑھتے۔

---

[1] ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار، ابویعلی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] ائمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲۔ [3] مالک، شافعی، ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ۱۲۔ [4] مسلم عن ام الحصین ۱۲۔

لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد و هو علی کل شئی قدیر۔

ثُمَّ اخذ عنْ یَمِیْنِہٖ مَایَلِی الْبَاب وقد اضْطبع رِدَائہُ قَبْلَ ذٰلِکَ فیطُوْفُ بِالْبَیْت

پھر اپنی داہنی طرف سے جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے اپنی چادر کا اضطباع کر کے بیت اللہ کا طواف کرے

سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ وَّیَجْعَلُ طَوَافَہٗ مِنْ وَّرَاءِ الْحَطِیْمِ ویَرْمُلُ فِی الْاَ شْوَاطِ الثَّلٰثِ الْاَوَلِ وَیَمْشِیْ

سات چکر اور طواف کرے حطیم سمیت اور اکڑتا ہوا چلے پہلے تین چکروں میں اور چلے

فِیْ مَابَقِیَ عَلٰی ھَیْئَتِہٖ وَیَسْتَلِمُ الْحَجَرَ کُلَّما مَرَّبِہٖ اِن اسْتَطَاعَ وَیَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْاِسْتِلَام

باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر اور استلام کرے حجر اسود کا جب بھی اس کے پاس سے گزرے اگر ہو سکے اور ختم کرے طواف کو استلام پر

ثُمَّ یَاتِی الْمقَامَ فَیُصَلِّیْ عِنْدَہٗ رَکْعَتَیْنِ اَوْحَیْثُ مَاتَیَسَّرَمِنَ الْمسْجد وَھٰذِہٖ الطَّوَافُ

پھر آئے مقام ابراہیم میں اور پڑھے اس کے پاس دو رکعت یا جہاں پڑھ سکے مسجد میں اور یہ طواف قدوم ہے

طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَھُوَ سُنَّۃٌ لَیْسَ بِوَاجِبٍ وَّلَیْس عَلٰی اَھْلِ مَکَّۃَ طَوَافُ الْقُدُوْمِ

جو سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

طواف قدوم کا بیان

توضیح اللغۃ اضطبع اضطباعا۔ چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لینا' رداء۔ چادر' اشواط۔ جمع شوط' چکر' حطیم۔ وہ جگہ جو رکن و زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے' اس میں چھ ہاتھ جگہ بیت اللہ کی شامل ہے اور بقول صاحب غایۃ البیان حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کی قبر یہیں ہے۔ یرمل رملا۔ کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔

تشریح الفقہ : قولہ ثم اخذ الخ استلام حجر کے بعد اپنی چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال کر اپنی داہنی طرف سے جدھر بیت اللہ کا دروازہ ہے حطیم سمیت بیت اللہ کا سات چکر طواف کرے اس صورت میں کعبہ طواف کرنے والے کی بائیں جانب واقع ہوگا' دائیں طرف سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ طواف کرنے والا بجائے مقتدی کے اور کعبہ بجائے امام کے ہے اور ایک مقتدی امام کے داہنی طرف ہی کھڑا ہوتا ہے۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی شانوں کو حرکت دیتا ہوا اکڑ کر چلے جیسے غازی صفوں کے درمیان اکڑ کر چلتا ہے اور باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر چلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف باتفاق روایت اسی طرح منقول ہے[1]۔

فائدہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمل سنت نہیں۔ کیونکہ اس کا سبب مشرکین کے طعن کو دور کرنے کے لیے قوت کا اظہار تھا اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم ہو چکی۔ جواب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں طواف کیا اور پہلے تین چکروں میں رمل فرمایا[2] حالانکہ اس وقت مکہ میں ایک بھی مشرک باقی نہ تھا۔ علاوہ ازیں حکم کے لیے بقاء سبب ضروری نہیں (و التفصیل فی شرحنا معدن الحقائق)

قولہ و یستلم الحجر الخ طواف کرتے وقت جب بھی حجر اسود کے قریب کو گزرے تو اس کو بوسہ دینا سنت ہے کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[3]۔ لیکن اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحیحین' ابوداؤد وعن ابن عمر' احمد عن ابی الطفیل ۱۲ [2] مسلم' نسائی عن جابر ۱۲ [3] ائمہ ستہ' حاکم عن' عمر بخاری عن ابن عمر ۱۲۔

حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمرؓ! تم بہت قوی آدمی ہو' سو استلام کے وقت لوگوں کے ساتھ مزاحمت نہ کرنا' ایسا نہ ہو کہ ضعیفوں کو تکلیف پہنچے' اگر بھیڑ نہ ہو تو استلام کر لینا' ورنہ اس کی طرف رخ کر کے تکبیر و تہلیل پر اکتفا کرنا[1]۔ صاحب کتاب نے لفظ ''کلما'' سے یہ بتایا ہے کہ ہر دو چکروں کے درمیان استلام سنت ہے جس کی تصریح غایۃ البیان میں موجود ہے البتہ محیط اور فتاویٰ والواجیہ میں ہے کہ استلام طواف کے اول و آخر میں سنت ہے اور درمیان میں ادب۔

__فائدہ__ صاحب کتاب نے حجر اسود کے علاوہ کسی اور چیز کے استلام کو ذکر نہیں کیا' اس واسطے کہ رکن عراقی اور رکن شامی کا استلام سنت نہیں بلکہ رکن یمانی کے متعلق بھی صرف امام محمد سے ایک روایت سنت ہے' ورنہ ظاہر الروایہ کے اعتبار سے رکن یمانی کا استلام بھی مستحب ہے (بدایہ' کافی) علامہ کرمانی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ رکن یمانی کو بوسہ دینے کے متعلق بدائع میں ہے کہ یہ بالاتفاق سنت نہیں ہے۔ سراجیہ میں اسی کو اصح الاقاویل کہا ہے البتہ صاحب بحر نے کچھ مؤیدات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے اس کی تقبیل بھی سنت ہے۔

قولہ ویختم الطواف الخ طواف کا اختتام استلام حجر اور دو رکعت نماز کے ساتھ ہونا چاہیے۔ طواف کے بعد استلام حجر سنت ہے اور دو رکعت نماز واجب' طواف فرض ہو یا واجب' سنت ہو یا نفل' وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر پہنچے تو آپ نے آیت ''**واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی**'' تلاوت فرما کر اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ یہ دو رکعت نماز **واتخذوا** امر کی تعمیل ہے[2]۔ نیز حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی دو رکعت نماز بھول گئے تو آپ نے مقام ذی طویٰ میں ان کی قضاء کی' ان دو رکعتوں کی ادائیگی کیلیے کوئی وقت اور کوئی جگہ مخصوص نہیں البتہ ان کے لیے مستحب مقام ابراہیم ہے پھر کعبہ پھر حجر اسود پھر جو حصہ حجر اسود کے قریب ہے پھر جو بیت اللہ کے قریب ہے پھر مسجد حرام پھر حرم شریف۔

قولہ ثم یاتی المقام الخ مقام سے مراد مقام ابراہیم ہے' یہ ایک پتھر ہے جب حضرت ابراہیم حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زیارت کے لیے تشریف لاتے تو سواری پر سوار ہوتے اور اترتے وقت اس پتھر پر قیام فرماتے[3] تھے۔ قاضی بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم کے نشانات قدم ہیں وقیل الحرم کلہ مقام ابراہیم

قولہ و ھو سنۃ الخ جس طواف کا اوپر ذکر ہوا یعنی طواف قدوم یہ واجب نہیں سنت ہے اور سنت بھی آفاقی کے لیے ہے نہ کہ اہل مکہ کے لیے امام مالک کے نزدیک واجب ہے بقولہ علیہ السلام ''**من اتی البیت فلیحیہ بالطواف**'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ''**ولیطوفوا** . . . '' میں مطلق طواف کا حکم ہے اور مطلق امر کا مصداق طواف زیارت بالاجماع متعین ہو چکا۔ پس طواف قدوم واجب نہیں ہو سکتا' رہی حدیث مذکور سو اول تو یہ غریب ہے[4]۔ بتقدیر ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو تحیۃ کے ساتھ موسوم کرنا خود استحباب کی دلیل ہے کیونکہ تحیۃ معنی اکرام بطریق تبرع کے ہیں پس یہ وجوب پر دال نہ ہوگا' گو بصیغہ امر ہو۔ سوال۔ آیت ''**واذا حییتم بتحیۃ فحیوا** اھ'' میں تحیہ بصیغہ امر ہے جو بقول شما وجوب پر دلالت نہیں کرتا پس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہونا چاہیے۔ جواب ''حیوا'' امر احسن کے ساتھ مقید ہے اور ظاہر کہ نفس جواب واجب ہے سلام کرنے والے کے سلام سے بہتر جواب دینا واجب نہیں۔

ثُمَّ يَخرُجُ اِلَى الصَّفَا فَيَصعَدُ عَلَيهِ وَيَستَقبِلُ البَيتَ وَيُكَبِّرُ وَيُهَلِّلُ وَ يُصَلِّى عَلَى النَّبِى صَلَّى

پھر جائے صفا کی طرف اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر

اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَيَدعُوا اللّٰهَ تَعَالٰى لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ يَنحَطُّ نَحوَ المَروَةِ وَيَمشِى عَلٰى هَيئَتِهٖ فَاِذَا

درود بھیجے اور اپنی ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے پھر مروہ کی طرف اتر جائے اور اپنی چال سے چلے اور جب

[1] احمد' شافعی' ابن راہویہ' ابو یعلیٰ عن عمر ۱۲۔ [2] ترمذی وغیرہ عن جابر الطویل ۱۲۔ [3] صاحب الکنز فی المستصفی ۱۲۔ [4] قال الحافظ فی الدرایہ ''لم اجدہ'' ۱۲۔

بَلَغَ اِلٰی بَطْنِ الْوَادِیْ سَعٰی بَیْنَ الْمِیْلَیْنِ الْاَخْضَرَیْنِ سَعْیًا حَتّٰی یَاْتِیَ الْمَرْوَۃَ فَیَصْعَدَ عَلَیْھَا
پہنچے بطن وادی میں تو دوڑے میلین اخضرین کے درمیان خوب یہاں تک کہ آئے مروہ تک پس اس پر چڑھے

وَیَفْعَلَ کَمَا فَعَلَ عَلَی الصَّفَا وَھٰذَا شَوْطٌ فَیَطُوْفَ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ یَّبْتَدِیَٔ بِالصَّفَا وَیَخْتِمَ
اور کرے جس طرح کیا تھا صفا پر اور یہ ایک پھیرا ہے پس طواف کرے سات چکر شروع کرے صفا سے اور ختم کرے

بِالْمَرْوَۃِ ثُمَّ یُقِیْمَ بِمَکَّۃَ مُحْرِمًا فَیَطُوْفَ بِالْبَیْتِ کُلَّمَا بَدَالَہٗ
مروہ پر پھر مقیم رہے گھر میں احرام باندھے ہوئے اور طواف کرتا رہے بیت اللہ کا جتنا جی چاہے

صفاومروہ کے درمیان سعی کا بیان

توضیح اللغۃ صفا۔ بمعنی چکنا پتھر'صفااور مروہ مسجد حرام کے پاس دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا حضرت آدم صفی اللہ کی نشست گاہ ہے اس لیے اس کو صفا کہتے ہیں اور مروہ حضرت حوا کی نشست گاہ ہے اس لیے اس کو باسم امرأۃ مروہ کہتے ہیں اسی لیے یہ لفظ مؤنث ہے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صفا ایک مرد کا اور مروہ ایک عورت کا نام تھا' انہوں نے بیت اللہ میں حرام کاری کی تھی۔ حق تعالیٰ نے ان کو پتھر بناڈالا اور دونوں پہاڑوں پر برائے عبرت رکھ دیئے گئے۔ واللہ اعلم وطحطاوی) بصعد (س) صعوداً۔ چڑھنا' ینحط۔ اترے' المیلین الاخضرین۔ دو سبز مینار ہیں جو مسجد حرام کی پشت کی دیوار میں تراشے ہوئے ہیں' اشواط۔ جمع شوط' چکر

تشریح الفقہ: قولہ ثم یخرج الی الصفا الخ طواف قدوم سے فارغ ہوکر صفا پر آئے اور اس پر اتنا چڑھے کہ کعبہ نظر آجائے اور بیت اللہ سامنے ہو اور بلند آواز سے تکبیر کہے۔ کلمہ توحید اور درود شریف پڑھے اور اپنے مقاصد کے لیے دعاء کرے یہ سب امور حدیث سے ثابت ہیں[1]۔

قولہ ثم ینحط الخ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور میلین اخضرین کے درمیان سعی کرے اور یہاں بھی وہی افعال بجالائے جو صفا پر کئے تھے۔ اسی طرح سات بار کرے' یعنی صفا سے شروع کرے اور مروہ تک آنا ایک شوط ہے اور مروہ سے صفا تک جانا دوسرا شوط ہے اسی طرح ساتواں شوط مروہ پر ختم ہوگا۔

قولہ وہذا شوط الخ امام طحاوی سے منقول ہے کہ صفا سے مروہ تک پھر مروہ سے صفا تک آنا' جانا پورا ایک شوط ہے جیسے طواف میں حجر جابر کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "کلما کان آخر طوافہ علی المروۃ اھ" اگر صفا سے صفا تک ایک شوط ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کی انتہا صفا پر ہوتی نہ مروہ پر۔

قولہ یبتدی بالصفا الخ سعی کی ابتداء صفا سے ہونی چاہیے اگر مروہ سے ابتداء کرے گا تو صفا تک شوط میں شمار نہ ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا ہی سے ابتداء کی ہے اور فرمایا ہے کہ "اس سے ابتداء کرو جس سے حق تعالیٰ نے ابتداء کی ہے[2]"' یعنی آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" میں صفا مقدم ہے لہذا سعی کی ابتداء اسی سے ہوگی۔

فائدہ ہمارے نزدیک سعی رکن نہیں واجب ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک رکن ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ان اللہ کتب علیکم السعی فاسعوا[3]" جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ظنی ہے جس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔

---

[1] مسلم' ابوداؤد عن جابر ۱۲۔ [2] دارقطنی نسائی' بیہقی (بصیغۃ الامر) مسلم (بصیغۃ الخبر) ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' مالک عن جابر (ولفظہم "نبدا") ۱۲۔
[3] طبرانی عن ابن عباس وصفیہ بنت شیبہ' شافعی' احمد' ابن راہویہ' حاکم عن حبیبہ بنت ابی تجزاۃ ۱۲۔

قولہ ثم یقیم بمکۃ الخ طواف وسعی کے بعد احرام باندھے ہوئے مکہ میں ٹھہرا رہے اور زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''بیت اللہ کا طواف نماز ہے بجز آنکہ حق تعالیٰ نے طواف میں کلام کرنا حلال کر دیا ہے جو شخص کلام کرے اس کو چاہیے کہ سوائے خیر کے نہ بولے[1] نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''جو بیت اللہ کا پچاس بار طواف کرے گا وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس دن بے گناہ تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا[2]۔

وَاِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْاِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهَا الْخُرُوْجَ
جب ہو یوم ترویہ سے ایک روز قبل تو خطبہ پڑھے امام جس میں سکھلائے لوگوں کو

اِلَى مِنًى وَالصَّلٰوةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوْفَ وَالْاِفَاضَةَ
منیٰ میں جانا عرفات میں نماز پڑھنا اور وقوف وطواف افاضہ کرنا

توضیح اللغۃ: یوم الترویہ۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ' نویں کو یوم عرفہ دسویں کو یوم نحر' گیارہویں کو یوم القر' بارہویں کو یوم النفر الاول' تیرہویں کو یوالنفر الثانی کہتے ہیں۔ منیٰ حدود حرم میں ایک گاؤں ہے مکہ سے ایک فرسخ پر' یہ لفظ عموماً مذکر اور منصرف پڑھا جاتا ہے۔ (مغرب) عرفات' اس کے اور مکہ کے درمیان تین فرسخ کا فاصلہ ہے۔

تشریح الفقہ قولہ خطب الامام الخ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ میں دو پہر ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے جس میں حج کے احکام کی تعلیم دے یعنی لوگوں کو احرام باندھنا' منیٰ اور عرفات جانا' وہاں نماز پڑھنا' عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے واپس ہونا سکھلائے۔

فائدہ حج میں تین خطبے ہیں۔ ایک ساتویں تاریخ کو مکہ میں' دوم نویں کو عرفات میں' سوم گیارہویں کو منیٰ میں۔ یہ تینوں خطبے ایک ایک روز کے فصل سے دو پہر دن ڈھلے ظہر کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں' سوائے خطبہ عرفات کے کہ یہ زوال کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے ہوتا ہے۔ امام زفر کے یہاں یہ خطبے لگاتار ہیں۔ یعنی ۸۔۹۔۱۰۔ کو ان تینوں خطبوں کی ابتداء خطبہ عیدین کی طرح تکبیر' پھر تلبیہ' پھر تحمید کے ساتھ واجب ہے اور دیگر تین خطبوں یعنی خطبہ جمعہ' خطبہ استسقاء اور خطبہ نکاح میں تحمید سے ابتداء کرنا لازم ہے۔ (منح' طحطاوی' متقنی)

فَاِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ اِلَى مِنًى وَاَقَامَ بِهَا حَتّٰى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ يَوْمَ
جب پڑھ چکے نماز فجر آٹھویں تاریخ کی مکہ میں تو جائے منیٰ اور ٹھہرا رہے وہیں یہاں تک کہ پڑھے نماز فجر عرفہ

عَرَفَةَ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيْمُ بِهَا فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ صَلَّى الْاِمَامُ
کے روز پھر جائے عرفات اور وہیں ٹھہرا رہے جب آفتاب ڈھل جائے عرفہ کے روز تو پڑھائے امام

بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَيَبْدَاُ بِالْخُطْبَةِ اَوَّلاً فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يُعَلِّمُ النَّاسَ
لوگوں کو ظہر و عصر کی نماز لیکن نماز سے پہلے اول امام دو خطبے پڑھے جن میں سکھلائے لوگوں

فِيْهِمَا الصَّلٰوةَ وَالْوُقُوْفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرَ وَالْحَلْقَ وَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ
کو نماز پڑھنا عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کرنا' پتھریاں مارنا' قربانی کرنا' سر منڈانا' اور طواف زیارت کرنا

---

[1] ابن حبان' حاکم عن ابن عباس ۱۲ [2] ترمذی عن ابن عباس ۱۲۔

وَيُصَلِّيْ بِهِمُ الظُّهرَ وَالْعَصرَ فِيْ وَقْتِ الظُّهرِ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَتَيْنِ وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِيْ رَحْلِهِ وَحْدَهُ
اور پڑھائے لوگوں کو ظہر و عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ایک اذان دو تکبیروں کے ساتھ' جس نے پڑھ لی ظہر کی نماز اپنے ٹھکانہ پر

صَلَّى كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا فِيْ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يَجْمَعُ
تنہا تو پڑھے ان میں سے ہر ایک کو اس کے وقت میں امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے ہیں کہ جمع کر لے

بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ ثُمَّ يَتَوَجَّهُ اِلَى الْمَوْقِفِ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ
ان دونوں کو اکیلا پڑھنے والا بھی' پھر جائے موقف کی طرف جبل رحمت کے قریب اور سارا عرفات موقف ہے سوائے بطن

عُرَنَةَ وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ يَّقِفَ بِعَرَفَةَ عَلٰى رَاحِلَتِهِ وَيَدْعُوْ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْمَنَاسِكَ وَ
عرنہ کے اور امام کو چاہیے کہ عرفہ میں اپنی سواری پر سوار رہے اور دعا کرے اور سکھائے لوگوں کو حج کے احکام اور

يُسْتَحَبُّ اَنْ يَّغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَيَجْتَهِدَ فِي الدُّعَاءِ
مستحب ہے یہ کہ غسل کرے وقوف عرفہ سے پہلے اور خوب دعا کرے

وقوفِ عرفہ کا بیان

توضیح اللغۃ: رمی۔ پھینکنا' جمار۔ جمع جمرۃ' چھوٹی پتھری' نحر۔ ذبح کرنا' رحل۔ کجاوہ' موقف۔ ٹھہرنے کی جگہ' جبل۔ اس سے مراد جبل رحمت ہے جس کو جبل عاد بھی کہتے ہیں' بطن عرنۃ۔ حرم میں مسجد عرفہ کے مغرب کی طرف ایک جنگل ہے' راحلہ۔ سواری' مناسک۔ جمع منسک افعال وارکان حج۔

تشریح الفقہ: قولہ خرج الی منی الخ آٹھویں تاریخ کو جب فجر کی نماز مکہ میں پڑھ چکے تو منی میں آئے اور نویں کی فجر تک یہیں ٹھہرے۔ پھر نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد منی سے عرفات آئے' یہاں ظہر کی نماز سے پہلے خطبہ جمعہ کی طرح امام دو خطبے پڑھے جن میں وقوف عرفہ' وقوف مزدلفہ' ان دونوں سے واپسی رمی جمرہ عقبہ' ذبح' حلق اور طواف زیارت وغیرہ احکام سکھائے خطبہ کے بعد لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھائے۔ ظہر کے لیے اذان اور اقامت دونوں کہے اور ظہر پڑھ کر عصر کے لیے اقامۃ کہے کیونکہ عصر کی نماز خلاف عادت اس کے وقت سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس لیے اطلاع کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے اقامت کافی ہے یہ جمع بین الصلاتین جمع تقدیم کہلاتی ہے جو احادیث مشہور سے ثابت ہے۔ (مسلم عن جابر مطولاً)

قولہ باذان و اقامتین الخ عرفات میں جو ظہر و عصر کی نماز ہوتی ہے اس کے لیے اذان اقامت کہے یا نہ کہے؟ ایک اقامت کہے یا دو؟ اس میں چھ مذہب ہیں۔ ۱۔ مذہب احناف جو اوپر مذکور ہوا۔ ۲۔ ایک اذان اور ایک اقامت' ظاہر یہ عطا احمد اور امام شافعی کا (ایک) قول یہی ہے۔ امام زفر۔ طحاوی' ابوثور نے اسی کو اختیار کیا ہے ۳۔ دو اذان دو اقامت' یہ حضرت ابن مسعودؓ علی' محمد بن باقر سے مروی ہے۔ ۴۔ صرف دو اقامتیں' یہ حضرت عمرؓ علی' سالم بن عبداللہ سے روایت ہے اور یہی ایک قول امام شافعی کا اور امام احمد و سفیان ثوری کا ہے۔ ۵۔ صرف ایک اقامت' یہ قول ابوبکر بن داؤد کا ہے۔ ۶۔ نہ اذان نہ اقامت' یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

قولہ صلی کل واحدۃ الخ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کا جواز تین شرطوں پر موقوف ہے۔ اول بادشاہ یا اس کے نائب قاضی وغیرہ کا ہونا' اگر یہ نہ ہوں تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں۔ دوم ظہر و عصر دونوں میں حج کا احرام ہونا اگر ظہر کی نماز عمرہ کے احرام سے اور عصر کی نماز حج کے حرام سے پڑھے یا بلا احرام نماز پڑھے تو جمع بین الصلاتین جائز نہیں۔ سوم جماعت کا ہونا اگر کسی نے ظہر کی نماز تنہا پڑھ لی تو اس کے لیے عصر کی نماز امام کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں۔ وہ عصر کی نماز اس کے وقت میں پڑھے گا فتوی اسی پر ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف

احرام حج کا ہونا کافی ہے۔

قولہ ثم یتوجہ الی الموقف الخ نماز کے بعد موقف کی طرف جائے اور جبل رحمت کے قریب بڑے بڑے سیاہ پتھروں کے پاس قبلہ رخ ہو کے ٹھہر جائے یہی سنت ہے۔ عوام جو پہاڑ پر چڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں یہ بالکل بے اصل ہے' کل عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر بطن عرنۃ میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے[1]۔

فائدہ وقوف عرفہ ارکان حج میں سے عظیم ترین رکن ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ "حج وقوف عرفہ ہے[2]" اس کی صحت کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ عرفات کی زمین میں ہو۔ ۲۔ اس کے وقت میں ہو وہاں کھڑا ہونا اور نیت کرنا نہ وقوف عرفہ کے لیے شرط ہے اور نہ واجب' یہاں تک کہ اگر کسی نے بیٹھے یا راہ چلتے یا بھاگتے یا سوتے ہوئے وقوف کیا تو وقوف صحیح ہے۔

قولہ ویجتھد فی الدعاء الخ عرفہ کے دن کریم مطلق کا دریائے رحمت خوب جوش میں ہوتا ہے اس لیے بصدق ذوق وشوق اور نہایت گریہ زاری کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کیونکہ یہ دولت قسمت کے سکندروں کو نصیب ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "افضل دعا یوم عرفہ کی دعاء ہے اھ" **اللھم ھب لنا زیارۃ المسجد الحرام وروضۃ سید الانام علی صاحبھما افضل الصلوٰۃ والسلام۔**

فائدہ مکہ معظمہ کے پندرہ مقامات میں ہر دعا مقبول ہوتی ہے جن کو صاحب نہر نے اس قطعہ میں نظم کیا ہے۔

دعاء البرایا یستجاب بکعبۃ[۱]
وملتزم[۲] والموقفین[۳] [۴] کذاالحجر[۵]
طواف[۶] و سعی[۷] مروتین[۹] فزمزم[۱۰]
مقام[۱۱] و میزاب[۱۲] جمارک[۱۳] تعتبر[۱۴]

دلائل الاسرار میں مناسب حسن نقاش سے وہ ساعات بھی مذکور ہیں جن میں دعاء مقبول ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں' بیت اللہ میں عصر کے بعد (دونوں ستونوں کے سامنے) ملتزم میں آدھی رات' موقف عرفات میں بوقت غروب' موقوف مزدلفہ میں بوقت طلوع' طواف میں ہروقت' سعی میں اور صفا مروہ پر بوقت عصر' زمزم کے پاس بوقت غروب' مقام ابراہیم میں اور میزاب رحمت کے نیچے سحر کے وقت' جمار کے پاس بوقت طلوع' ان امکنہ میں اجابت دعاء حسن بصری کے مکتوب سے ثابت ہے جو آپ نے اہل مکہ کو لکھا تھا۔

فَاِذَا غُرِبَتِ الشَّمْسُ اَفَاضَ الْاِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلٰى هَيْئَتِهِمْ حَتّٰى يَاْ تُوا الْمُزْدَلِفَةَ فَيَنْزِلُوْنَ
جب آفتاب غروب ہو جائے تو چلے امام اور اس کے ساتھ سب لوگ میانہ چال یہاں تک کہ آ ئیں مزدلفہ اور وہیں اتر

بِهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يَّنْزِلُوْا بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْمِيْقَدَةُ يُقَالُ لَهٗ قُزَحُ وَيُصَلِّى
جائیں اور مستحب یہ ہے کہ اتریں اس پہاڑ کے قریب جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہتے ہیں اور پڑھائے

الْاِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِىْ وَقْتِ الْعِشَاءِ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِى
امام لوگوں کو مغرب و عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ جس نے پڑھ لی مغرب

الطَّرِيْقِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى الْاِمَامُ بِالنَّاسِ
کی نماز راہ میں تو جائز نہ ہو گی۔ طرفین کے نزدیک' جب صبح صادق ہو جائے تو پڑھائے امام لوگوں کو

۱۔ ابن ماجہ عن جابر' احمد' ابن حبان' ترمذی' طبرانی عن جبیر بن مطعم' حاکم' طبرانی عن ابن عباس' ابن عدی عن ابن عمرو وابی ہریرہ ۱۲۔ ۲۔ مالک' ترمذی' احمد ۱۲۔

الْفَجْرَ بِغَلَسٍ ثُمَّ وَقَفَ الْإِمَامُ وَوَقَفَ النَّاسُ مَعَهٗ فَدَ عَا وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْ قِفٌ
فجر کی نماز اندھیرے میں پھر کھڑا ہو امام اور کھڑے ہوں لوگ اس کے ساتھ پس امام دعاء کرے اور مزدلفہ سارا موقف ہے

اِلَّابَطْنَ مُحَسَّر ثُمَّ اَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهٗ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ حَتّٰی يَاْ تُوَامِنیً فَيَبْتَدِأُ
سوائے بطن محسر کے پھر واپس ہو امام اور لوگ اس کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے یہاں تک کہ آئیں منی اور شروع

بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيْهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الْخَذْفِ وَيُكَبِّرُ
کرے جمرہ عقبہ سے پس مارے اس پر بطن وادی سے سات کنکریاں ٹھیکری جیسی اور تکبیر کہتا رہے

مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّلَا يَقِفُ عِنْدَهَا وَ يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ اَوَّلِ حَصَاةٍ ثُمَّ يَذْبَحُ اِنْ اَحَبَّ
ہر کنکری کے ساتھ اور نہ کھڑا ہو جمرہ کے پاس اور موقوف کر دے تلبیہ پہلی کنکری ساتھ پھر قربانی کرے اگر چاہے

ثُمَّ يُحَلِّقُ اَوْيُقَصِّرُ وَالْحَلْقُ اَفْضَلُ وَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَيْئٍ اِلَّا النِّسَاءَ
پھر بال منڈوائے یا کتروائے اور منڈوانا افضل ہے اب حلال ہو گئی اس کے لئے ہر چیز سوائے عورت کے

وقوف مزدلفہ اور رمی کا بیان

توضیح اللغۃ: میقدہ۔ ایک جگہ ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کرتے تھے (بنایہ) قزح۔ مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جو بروایت ابوداؤد' موقف انبیاء ہے جس پر بقول بعض حضرت آدم کی بھٹی تھی' یہ علمیت وعدل کی وجہ سے غیر متصرف ہے' کیونکہ قارح بمعنی مرتفع سے معدول ہے۔ غلس۔ تاریکی' آخر شب' محسر۔ منی ومزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے یہاں اصحاب فیل عاجز ہو کر غارت ہو گئے تھے اس لیے اس کو محسر کہتے ہیں (طحطاوی) جمرہ۔ چھوٹی پتھری' حصیات جمع حصاۃ۔ کنکری' خذف۔ ٹھیکرے وغیرہ کے پھینکنے کو کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ قولہ واذا غربت الشمس الخ جب عرفات میں آفتاب غروب ہو جائے تو وہاں سے مزدلفہ آئے اور جبل قزح کے قریب اترے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ نے یہیں نزول فرمایا ہے[1]۔ نیز آیت "فاذکروا اللہ عندالمشعر الحرام" میں مشعر حرام سے بھی یہی مراد ہے اگر غروب سے پہلے چل دیا اور حدود عرفات سے متجاوز ہو گیا تو خون واجب ہو گا کیونکہ عرفات سے چلنا باتفاق رواۃ بعد الغروب ہے[2]۔

قولہ و یصلی الامام الخ پھر وہیں مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ پڑھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نمازیں اسی طرح پڑھی ہیں[3]۔ نیز یہاں دوسری نماز یعنی عشاء اپنے اصلی وقت پر ہے اور لوگ سب مجتمع ہیں اس لیے دوبارہ اقامت کی ضرورت نہیں بخلاف عرفات کے کہ وہاں عصر کی نماز اپنے وقت پر نہیں ہوتی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ عرفات کی طرح یہاں بھی دو اقامتوں کے قائل ہیں۔ امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ حضرت جابر کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے اس میں دو اقامتیں مذکور ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ سے ایک اقامت بھی مروی ہے پس آپ کی دونوں روایتیں متعارض ہوئیں اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اقامت والی روایت غیر متعارض ہے۔

قولہ ومن صلی المغرب الخ اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو طرفین' زفر' حسن بصری کے نزدیک جائز نہ ہوگی' بلکہ اس کو مزدلفہ پہنچ کر دوبارہ پڑھنی ہوگی فتوی اسی پر ہے' امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس نے مغرب اس کے

---

[1] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن علی' حاکم عن جابر' ابویعلی عن ابی رافع ۱۲۔ [2] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن علی' ابوداؤد عن امامہ' حاکم' طبرانی عن ابن عمر ۱۲۔
[3] ابن ابی شیبہ عن جابر' وابی ایوب' صحیحین عن اسامہ' ابوداؤد عن ابن عمر ۱۲۔

وقت میں پڑھی ہے' البتہ خلاف سنت ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ "جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے روانہ ہوئے تو راہ میں اتر کر پیشاب کیا اور نا تمام وضوء فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نماز (پڑھ لیجئے) آپ نے فرمایا: نماز تیرے آگے ہے پس آپ مزدلفہ پہنچے اور وہاں پورا وضوء کر کے مغرب وعشاء کی نماز پڑھی[1]۔ معلوم ہوا کہ یہ نماز زمان ومکان اور وقت مخصوص یعنی یوم نحر کی رات کو مزدلفہ میں عشاء کے وقت کے ساتھ خاص ہے۔

فائدہ علامہ شہاری نے "منسک" میں ذکر کیا ہے کہ راستہ میں نماز مغرب پڑھنے کا جو حکم اوپر مذکور ہوا' یہ اس وقت ہے جب مزدلفہ میں اسی کی راہ سے جائے اور اگر کسی اور راستہ سے جائے تو درمیان راہ میں مغرب کی نماز پڑھنا بلاتوقف صحیح ہے (منحۃ الخالق)

قولہ فیر میھا الخ جب منیٰ آئے تو جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں انگلیوں کے سرے سے یا ابہام کے سرے کو سبابہ کے سرے پر رکھ کر مارے سات کی قید کا مقصد یہ ہے کہ اس سے کم جائز نہیں' پھر کنکری مارنے والے اور جمرہ کے درمیان پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ یہ امام ابوحنیفہ سے حسن کی روایت ہے۔ (ہدایہ) بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اتنا فاصلہ واجب ہے' کنکری مارنے والا پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ موقوف کردے خواہ مفرد بالحج ہو یا متمتع ہو یا قارن۔ کیونکہ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ جمرہ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور پہلی کنکری کے ساتھ تلبیہ کو ختم کردیا' ہاں ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا رہے۔ کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے[2]۔

تنبیہ بعض کتب میں جو یہ مرقوم ہے کہ کنکریاں مزدلفہ یا اس پہاڑ سے لائے جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے سو یہ متعین نہیں بلکہ جہاں سے چاہے اٹھالے البتہ جو کنکریاں جمرات کے پاس پڑی رہتی ہیں وہ نہ اٹھائے۔ کیونکہ وہ مقبول نہیں مردود ہیں۔ ابن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا' اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے جمرات پر کنکریاں پھینکتے ہیں اور کنکریوں کا انبار نہیں لگتا؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: تجھے معلوم نہیں جس کا حج قبول ہوجاتا ہے اس کی اٹھوالی جاتی ہیں اور جس کا حج مقبول نہیں ہوتا اس کی کنکریاں وہیں پڑی رہ جاتی ہیں[3]۔ اسی قسم کی ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔

ثُمَّ یَاتِیْ مَکَّۃَ مِنْ یَّوْمِہٖ ذٰلِکَ اَوْمِنَ الْغَدِ اَوْمِنْ بَعْدِ الْغَدِ فَیَطُوْفُ بِالْبَیْتِ طَوَافَ الزِّیَارَۃِ
پھر آئے مکہ میں اسی روز یا دوسرے روز یا تیسرے روز پس طواف کرے بیت اللہ کا طواف زیارت

سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ فَاِنْ کَانَ سَعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ عَقِیْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لَمْ یَرْمُلْ فِیْ ھٰذِہ
سات چکر اب اگر وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کر چکا طواف قدوم میں تو رمل نہ کرے اس

الطَّوَافِ وَلاَ سَعْیَ عَلَیْہِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ قَدَّمَ السَّعْیَ رَمَلَ فِیْ ھٰذَا الطَّوَافِ وَیَسْعٰی بَعْدَہٗ عَلٰی
طواف میں اور اس پر سعی نہیں ہے اور اگر اس سے پہلے سعی نہ کی ہو تو رمل کرے اس طواف میں اور سعی کرے اس کے بعد

مَاقَدَّ مْنَاہُ وَقَدْحَلَّ لَہُ النِّسَاءُ وَھٰذَا الطَّوَافُ ھُوَالْمَفْرُوْضُ فِی الْحَجِّ وَیُکْرَہُ تَاخِیْرُہٗ
جیسا کہ ہم بیان کرچکے اب اس کے لئے عورت بھی حلال ہو گئی اور یہی طواف فرض ہے حج میں اور مکروہ ہے مؤخر کرنا

عَنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ فَاِنْ اَخَّرَہٗ عَنْھَا لَزِمَہٗ دَمٌ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَا لَا شَیْءَ عَلَیْہِ
اس کو ان ایّام سے اگر مؤخر کر دیا اس کو تو لازم ہو گا اس پر خون امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں

---

[1] صحیحین ۱۲ [2] صحیحین عن ابن مسعود' بخاری عن ابن عمر ۱۲ [3] ابونعیم' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ' حاکم' دارقطنی ۱۲۔

طواف زیارت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ثم یاتی مکۃ الخ پھر دسویں یا گیارہویں یا بارہویں کو مکہ آئے اور طواف زیارت کرے اب اگر وہ اس سے قبل سعی کر چکا ہو تو اس طواف میں رمل اور سعی نہ کرے کیونکہ ان کا تکرار مشروع نہیں اور اگر رمل و سعی نہ کی ہو تو دونوں کرے پھر طواف کرنے والے کو ستر پوش ہونا اور حدث و نجس سے پاک ہونا چاہیے اگر پاک نہ ہو تو امام شافعی کے نزدیک اس کا طواف لایعتد بہ ہوگا۔ متاخرین احناف کا اس میں اختلاف ہے کہ طہارت واجب ہے یا سنت؟ سو ابن شجاع سنیت کے اور ابوبکر رازی وجوب کے قائل ہیں۔

قولہ ہو المفروض الخ حج میں فرض طواف یہی طواف زیارت ہے جس کو طواف افاضہ طواف یوم نحر اور طواف رکن کہتے ہیں۔ کیونکہ آیت ''ولیطوفوا بالبیت العتیق'' میں مامور بہ یہی طواف ہے۔ اس میں پہلے چار چکر رکن کے درجہ میں ہیں اور باقی بدرجہ واجب۔

قولہ ویکرہ تاخیرہ الخ وقت طواف ایام نحر یعنی دسویں گیارہویں اور بارہویں تاریخ ہے ان ایام سے طواف کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ایسا کرے گا تو امام صاحب کے نزدیک ترک واجب کی بناء پر خون دینا واجب ہوگا اسی پر فتویٰ ہے وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت ''فکلوا منھا و اطعموا البائس الفقیر'' میں ذبح اور اکل ذبیحہ پر طواف کو معطوف کرتے ہوئے فرمایا ہے ''ولیطوفوا بالبیت العتیق'' اور عطف جب واؤ کے ذریعہ سے ہو تو وہ معطوف و معطوف علیہ کے درمیان مشارکت فی الحکم کو چاہتا ہے اور ذبح ایام نحر کے ساتھ موقت ہے تو طواف بھی ایام نحر کے ساتھ موقت ہوگا۔ البتہ حکم کراہت تاخیر طواف سے عورت مستثنیٰ ہے کہ اگر وہ حائضہ یا نافسہ ہو تو مؤخر کرے گی۔ (ینابیع)

ثُمَّ یَعُوْدُ اِلٰی مِنیً فَیُقِیْمُ بِھَا فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْیَوْمِ الثَّانِیْ مِنْ اَیَّامِ النَّحْرِ رَمَی الْجِمَارَ الثَّلٰثَ
پھر لوٹ جائے منیٰ کو اور رہے وہیں جب ڈھل جائے آفتاب عید کے دوسرے روز تو رمی کرے تینوں جمروں

یَبْتَدِئُ بِالَّتِیْ تَلِی الْمَسْجِدَ فَیَرْمِیْھَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاۃٍ ثُمَّ یَقِفُ عِنْدَھَا
کی شروع کرے اس جمرہ سے جو مسجد خیف کے پاس ہے پس اس پر سات کنکریاں مارے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے پھر ٹھہرے اس جمرہ کے پاس

فَیَدْعُوْ ثُمَّ یَرْمِی الَّتِیْ تَلِیْھَا مِثْلَ ذٰلِکَ وَیَقِفُ عِنْدَھَا ثُمَّ یَرْمِیْ جَمْرَۃَ الْعَقَبَۃِ کَذٰلِکَ وَ
اور دعاء کرے پھر رمی کرے اس کی جو اس کے پاس ہے اسی طرح اور اس کے پاس بھی ٹھہرے پھر رمی کرے جمرہ عقبہ کی اسی طرح اور

لَایَقِفُ عِنْدَھَا فَاِذَا کَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَی الْجِمَارَ الثَّلٰثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ کَذٰلِکَ وَاِذَا
نہ ٹھہرے اس کے پاس جب اگلا دن ہو تو رمی کرے جمار ثلثہ کی آفتاب ڈھلنے کے بعد اسی طرح جو

اَرَادَاَنْ یَتَعَجَّلَ النَّفَرَ نَفَرَ اِلٰی مَکَّۃَ وَاِنْ اَرَادَاَنْ یُّقِیْمَ رَمَی الْجِمَارَ الثَّلٰثَ فِی الْیَوْمِ الرَّابِعِ
شخص جلدی جانا چاہے تو مکہ چلا جائے اور اگر رہنا چاہے تو رمی کرے جمار ثلثہ کی چوتھے روز

بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ کَذٰلِکَ فَاِنْ قَدَّمَ الرَّمْیَ فِیْ ھٰذَا الْیَوْمِ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ
آفتاب ڈھلنے کے بعد اسی طرح پس اگر کسی نے کنکریاں مار دیں اس دن آفتاب ڈھلنے سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد

جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَا لَایَجُوْزُ وَیُکْرَہُ اَنْ یُّقَدِّمَ الْاِنْسَانُ ثِقْلَہٗ اِلٰی
تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں اور مکروہ ہے یہ کہ پہلے ہی روانہ کرے اپنا اسباب

مَکَّۃَ وَیُقِیْمَ بِھَا حَتّٰی یَرْمِیَ
مکہ کو اور خود وہیں رہے کنکریاں مارنے تک

رمی جمار ثلاثہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ثم یعود الی منی الخ طواف زیارت کے بعد منی آئے اور گیارہویں تاریخ کو زوال شمس کے بعد تینوں جمار کی رمی کرے۔ رمی کی ابتداء جمرۃ اولی سے کرے جو مسجد خیف کے پاس ہے پھر جمرہ وسطی کی جو جمرہ اولی کے قریب ہے۔ ان دونوں کے درمیان ۲۵ ہاتھ کا فصل ہے پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرے اس میں اور پہلے دو میں ۴۸ ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ جمار ثلاثہ کی مذکورہ بالا ترتیب مسنون ہے واجب نہیں۔

قولہ یقف عندھا الخ وقوف وعدم وقوف کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہے اس میں وقوف کرے اور دعاء و استغفار کرے اور جس رمی کے بعد رمی نہیں ہے اس میں وقوف نہ کرے حضرت عائشہ کی حدیث جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس میں یہی وارد ہے۔

قولہ فان قدم الرمی الخ اگر یوم نحر کے چوتھے روز یعنی تیرہویں تاریخ میں رمی زوال شمس سے پہلے کرے تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ اعتبار ابسائر الایام۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِذَا نَفَرَالٰی مَکَّۃَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ لَّایَرْمُلُ فِیْھَا وَھٰذَا

جب مکہ آئے تو محصب میں اترے پھر بیت اللہ کا طواف کرے سات چکر اور ان میں رمل نہ کرے اور یہ

طَوَافُ الصَّدْرِ وَھُوَ وَاجِبٌ اِلَّا عَلٰی اَھْلِ مَکَّۃَ ثُمَّ یَعُوْدُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَدْخُلِ الْمُحْرِمُ

طواف صدر ہے جو واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر اپنے گھر کو آ جائے اگر نہ داخل ہوا محرم

مَکَّۃَ وَ تَوَجَّہَ اِلٰی عَرَفَاتٍ وَّوَقَفَ بِھَا عَلٰی مَاقَدَّ مْنَاہُ سَقَطَ عَنْہُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَلَاشَیْءَ عَلَیْہِ

مکہ میں بلکہ چلا گیا عرفات اور وہاں وقوف کر لیا اس کے بمطابق جس کو ہم ذکر کر آئے تو ساقط ہو گیا اس سے طواف قدوم اور کوئی چیز لازم نہیں ہے

لِتَرْکِہٖ وَمَنْ اَدْرَکَ الْوُقُوْفَ بِعَرَفَۃَ مَابَیْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ

اس کے ترک کرنے سے جس نے وقوف عرفہ پا لیا عرفہ کے دن آفتاب ڈھلنے سے یوم نحر کے

مِنْ یَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْاَدْرَکَ الْحَجَّ وَمَنِ اجْتَازَبِعَرَفَۃَ وَ ھُوَنَائِمٌ اَوْ مُغْمًی عَلَیْہِ اَوْلَمْ یَعْلَمْ

طلوع فجر تک تو اس نے حج پا لیا جو شخص گذر جائے عرفات سے سوتا ہوا یا بیہوشی میں یا نہ جانتا ہو

اَنَّھَا عَرَفَاتٌ اَجْزَاَہٗ ذٰلِکَ عَنِ الْوُقُوْفِ وَالْمَرْاَۃُ فِیْ جَمِیْعِ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ غَیْرَ اَنَّھَا لَاتَکْشِفُ

کہ یہ عرفات ہے تو کافی ہو گا اس کو یہ وقوف عرفات سے عورت تمام احکام میں مرد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنا سر

رَاْسَھَا وَ تَکْشِفُ وَجْھَھَا وَلَا تَرْفَعُ صَوْتَھَا بِالتَّلْبِیَۃِ وَلَا تَرْمُلُ فِی الطَّوَافِ وَلَا تَسْعٰی بَیْنَ

نہ کھولے اور چہرہ کھولے رکھے اور بلند آواز سے نہ کہے تلبیہ اور رمل نہ کرے طواف میں اور سعی نہ کرے

الْمِیْلَیْنِ الْاَخْضَرَیْنِ وَلَا تُحَلِّقُ وَلٰکِنْ تُقَصِّرُ

میلین اخضرین کے درمیان اور سر نہ منڈوائے بلکہ بال کتروائے

طواف صدر کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ نزل بالمحصب الخ منی سے مکہ واپس ہوتے وقت اول محصب میں اترنا اور وہاں ٹھہرنا سنت ہے گو ایک ہی ساعت

کے لیے ہو۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء وہیں پڑھے اور محصب میں ایک نیند لے کر مکہ معظمہ آئے، حدیث میں اسی طرح ہے[1]۔ امام شافعی کے نزدیک سنت نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محصب میں اترنا اتفاقاً تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ (یعنی محصب) میں اتریں گے[2]''

قولہ و ھذا طواف الصدر الخ مکہ معظمہ سے رخصتی کے وقت بلا رمل و سعی سات چکر طواف کرے جس کو طواف صدر و طواف وداع کہتے ہیں یہ احناف اور امام احمد کے نزدیک آفاقیوں پر واجب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''لاینفر احد حتی یکون اخر عھدہ بالبیت الطواف[3]'' کہ کوئی کوچ نہ کرے بدون طواف کے۔

افعال حج سے متعلق متفرق مسائل

قولہ فان لم یدخل الخ کسی نے میقات سے احرام باندھا اور مکہ جانے کے بجائے سیدھا عرفات چلا گیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ ابتداء حج میں طواف قدوم کی مشروعیت اس طور پر ہے کہ باقی افعال حج اس پر مرتب ہوں پس اس کے خلاف طواف کرنا سنت نہیں ہو سکتا۔ سقط عنہ کا مطلب یہی ہے کہ اب اس کے حق میں طواف قدوم سنت نہیں۔

قولہ و من ادرک الخ جو شخص نویں کے زوال سے دسویں کی فجر تک عرفات میں تھوڑے وقت کے لیے ٹھہر گیا تو اس کا حج پورا ہو گیا گو اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ عرفات ہے یا سونے یا بیہوشی کی حالت میں ہرا ہو کیونکہ حج بتصریح حدیث وقوف عرفات ہے جس کے لیے شرط صرف وہاں موجود ہونا ہے نیت وقوف اور علم عرفات وغیرہ شرط نہیں ہے۔

بابُ القِران

باب حج قران کے بیان میں

اَلقِرَانُ اَفْضَلُ عِنْدَنَامِنَ التَّمَتُّعِ وَالْاِفْرَادِ

قران افضل ہے ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے

<u>تشریح الفقہ</u>: **قولہ باب** الخ حج افراد بمنزلہ مفرد کے ہے کیونکہ اس میں صرف حج کا احرام ہوتا ہے اور قران بمنزلہ مرکب کے ہے۔ کیونکہ اس میں حج اور عمرہ دونوں کا احرام ہوتا ہے اس لیے حج افراد کے احکام سے فراغت کے بعد حج قران کو بیان کر رہے ہیں۔ قران، قرن (ن) کا مصدر ہے جیسے لباس بمعنی ملانا جمع کرنا یقال قرنت البعیر ین میں نے دو اونٹوں کو ایک رسی میں باندھ دیا، حج قران میں چونکہ عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھتے ہیں اس لیے اس کو قران کہتے ہیں۔

قولہ الفران افضل الخ حج کی تین قسمیں ہیں۔ افراد، قران، تمتع اور ان میں سے ہر ایک نص قرآنی سے ثابت ہے چنانچہ آیت ''**وللہ علی الناس** اھ'' حج افراد کی اور ''**واتموا الحج والعمرۃ للہ** اھ'' حج قران کی اور ''**فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج** '' حج تمتع کی واضح دلیل ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے افضل قران ہے، پھر تمتع پھر افراد کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اے آل محمد! تم حج اور عمرہ کا احرام ایک ہی ساتھ باندھو[4]'' نیز اس میں ایک ہی احرام کے ساتھ دو عبادتیں ادا ہوتی ہیں اور احرام بھی بہت دنوں تک رہتا ہے جس میں مشقت زیادہ ہے۔ امام شافعی کے نزدیک افراد اور امام مالک و احمد کے نزدیک تمتع افضل ہے۔ اس اختلاف کا منشاء

[1]۔ بخاری عن انس ۱۲۔ [2]۔ صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [3]۔ مسلم عن ابن عباس، ترمذی، نسائی، حاکم شافعی عن عمر، ترمذی، احمد، طبرانی عن الحارث ۱۲۔ [4]۔ احمد، طحاوی عن ام سلمہ ۱۲۔

دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں روایات کا اختلاف ہے چنانچہ متعدد روایات میں ہے کہ آپ نے فقط حج کا احرام باندھا تھا[1]، بعض روایات میں ہے کہ آپ کا حج تمتع تھا[2]۔ لیکن صحیحین وغیرہ کی بیس سے زائد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قارن تھے[3]۔ ان مختلف احادیث میں جمع کی صورت یہ ہے کہ آپ نے اول حج کا احرام باندھا تھا۔ بعدہ عمرہ کو حج میں داخل کرلیا تھا کیونکہ اہل عرب موسم حج میں عمرہ کرنے کو گناہ عظیم تصور کرتے تھے۔ صاحب سفر السعادۃ، شارح نقایہ، صاحب فتح القدیر نے اس کی تحقیق اور امام طحاوی نے تقریباً ایک ہزار اوراق میں اس مسئلہ کو پورے بسط کے ساتھ لکھا ہے۔

وَصِفَةُ الْقِرَانِ اَنْ يُّهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحجِّ مَعًا مِّنَ الْمِيْقَاتِ وَيَقُوْلُ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ اللّٰهُمَّ
قران کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھے حج اور عمرہ کا اکٹھا میقات سے اور کہے نماز کے بعد الٰہی

اِنِّىْ اُرِيْدُالْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْ هُمَالِىْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّىْ فَاِذَا دَخَلَ مَكَّةَ اَبْتَدَأَ بِالطَّوَافِ
میں حج اور عمرہ کرنا چاہتا ہوں سو ان کو میرے لئے آسان کر اور قبول فرما لے جب مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے

فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَّرْمُلُ فِى الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ مِنْهَا وَيَمْشِىْ فِىْ مَابَقِىَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ وَ
پس طواف کرے بیت اللہ کا سات چکر رمل کرے پہلے تین چکروں میں اور چلے باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر اور

سَعٰى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهٰذِهٖ اَفْعَالُ الْعُمْرَةِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَعْدَ السَّعْىِ طَوَافَ
سعی کرے اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان اور یہ عمرہ کے افعال ہیں پھر طواف کرے سعی کے بعد طواف

الْقُدُوْمِ وَيَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِلْحَجِّ كَمَابَيَّنَّاهُ فِىْ حَقِّ الْمُفْرِدِ فَاِذَ ارَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ
قدوم اور سعی کرے صفاو مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ ہم بیان کر چکے مفرد کے حق میں جب رمی کر چکے جمرہ کی یوم

النَّحرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْبَقَرَةً اَوْ بَدَنَةً اَوْسُبْعَ بَدَنَةٍ اَوْسُبْعَ بَقَرَةٍ فَهٰذَ ادَمُ الْقِرَانِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ
نحر میں تو ذبح کرے بکری یا گائے یا اونٹ یا گائے میں ساتواں حصہ لے۔ پس یہ دم قران ہے اگر نہ ہو اس

لَهٗ مَايَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ اٰخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ فَاِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتّٰى دَخَلَ يَوْمُ
کے پاس کوئی جانور جو ذبح کرے تو تین روزے رکھے ایام حج میں آخری روزہ عرفہ کے دن ہو۔ اگر روزے بھی فوت ہو گئے یہاں تک کہ قربانی

النَّحرِلَمْ يَجْزُهٗ اِلَّا الدَّمُ ثُمَّ يَصُوْمُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ
کا دن آ گیا تو کافی نہ ہو گا سوائے خون کے پھر سات روزے رکھے جب واپس ہو اپنے گھر۔ اگر رکھ لئے یہ روزے مکہ میں

فَرَاغِهٖ مِنَ الْحَجِّ جَازَفَاِنْ لَّمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ اِلٰى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَرَافِضًا
حج سے فارغ ہو کر تب بھی جائز ہے اگر نہ داخل ہوا قارن مکہ میں بلکہ چلا گیا عرفات تو وہ تارک عمرہ

لِعُمْرَتِهٖ بِالْوُقُوْفِ وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ وَ عَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَ عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا
ہو گیا وقوف کی وجہ سے اور ساقط ہو گیا اس سے دم قران اور اس پر ایک خون لازم ہے ترک عمرہ کی وجہ سے اور عمرہ کی قضاء بھی لازم ہے

---

[1] صحیحین عن عائشہ، مسلم عن جابر، صحیحین، ترمذی، دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔ [2] صحیحین عن ابن عمر و الاشعری و عائشہ و مسلم عن ابی وقاص و جابر و ابی سعید، ترمذی عن ابن عباس، نسائی، احمد عن انس، احمد عن ابن عمر ۱۲۔ [3] صحیحین عن انس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان عن ابن عباس، ابوداؤد، نسائی، دار قطنی عن صبی بن معبد، احمد عن سراقہ ابوداؤد، نسائی، عن ابن عمر ۱۲۔

حج قران کا تفصیلی بیان

توضیح اللغۃ: یھلّ ۔احرام باندھے' اُول ۔اولیٰ کی جمع ہے' بدنۃ ۔اس کا اطلاق لغۃً بھی اور شرعاً بھی اونٹ اور گائے دونوں پر ہوتا ہے' قال الجوہری ''البدنۃ ناقۃ او بقرۃ' سُبع ۔ساتواں حصہ' رافضا ۔رفض سے ہے' چھوڑ دینا۔

تشریح الفقہ قولہ وصفۃ القران الخ قران کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا ایک ساتھ میقات سے احرام باندھے اور کہے'' اللّٰھم انی ارید اھ'' پھر عمرہ کے لیے طواف کرے اور پہلے تین چکروں میں رمل کرے اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھے یہ کل افعال عمرہ کے ہیں ان سے فارغ ہو کر حج کے افعال ادا کرے۔

قولہ ابتداء بالطواف الخ قارن کے لیے افعال عمرہ کو پہلے کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کوئی پہلے حج کی نیت سے طواف کرے گا تو وہ عمرہ ہی کا ہوگا اور نیت لغو ہوگی' اس واسطے کہ آیت ''فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج ''میں کلمہ الیٰ ہے جو انتہا غایت کے لیے ہوتا ہے پس عمرہ کو مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ انتہاج پر ہو سکے سوال آیت تو تمتع کے بارے میں ہے اور گفتگو قارن کے سلسلہ میں ہے۔ جواب ٹھیک ہے لیکن قران تمتع ہی کے معنی میں ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ ایک سفر میں دو عبادتوں کو ادا کرنے کا انتفاع ہوتا ہے۔

قولہ ثم یطوف الخ پہلے عمرہ کے لیے پھر حج کے لیے ایک ایک طواف اور ایک ایک سعی ہمارے نزدیک ہے۔ امام شافعی و مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک دونوں کے لیے ایک طواف اور ایک سعی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا[1] بعض روایات میں آپ کا صریح قول منقول ہے کہ ''قران میں حج اور عمرہ دونوں کے لیے ایک ہی طواف کافی ہے[2]'' ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت صبی بن معبد نے دو طواف اور دو سعی کیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''ھدیت لسنۃ نبیک اھ' اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے[3] نیز قران کے معنی یہ ہیں کہ ایک عبادت (عمرہ) کو دوسری عبادت (حج) کے ساتھ منضم کیا جائے لہٰذا ہر ایک کے افعال کو پورے طریقہ پر ادا کیا جائے گا ورنہ تداخل ہو جائے گا جو عبادت مقصود میں نہیں ہوتا اور حدیث مذکور کے معنی یہ ہیں کہ عمرہ کا وقت حج کے وقت میں داخل ہو گیا جس میں اہل جاہلیت کے عقیدہ باطلہ کی تردید ہے گویا حدیث میں مضاف محذوف ہے۔

قولہ ذبح شاۃ الخ یوم نحر میں جمرۂ عقبیٰ کی رمی کے بعد قران کے شکریہ میں بکری یا گائے یا اونٹ کی قربانی کرے اور اگر کسی وجہ سے قربانی نہ کر سکے تو ایام حج میں تین روزے رکھے' اس طرح کہ تیسرا روزہ عرفہ کے دن ہو اور سات روزے ایام تشریق کے بعد رکھے جن کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں اور اگر یوم نحر تک روزے نہ رکھ سکا تو دم متعین ہو جائے گا قارن پر قربانی اور (بصورت عدم قدرت) دس روزوں کے وجوب کا ثبوت اس آیت سے ہے'' فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی اھ''

بَابُ التَّمتُّعِ

باب حج تمتع کے بیان میں

اَلتَّمتُّعُ	اَفضَلُ	مِنَ	الْاِفْرَادِ	عِندَنا	وَالْمُتَمتِّعُ	عَلٰی	وَجْھَیْنِ	مُتَمتِّعٌ	یَسُوْقُ
تمتع	افضل	ہے	افراد	سے۔ ہمارے	نزدیک اور	متمتع کی	دو قسمیں	ہیں ایک وہ	جو ہدی

[1] مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن ابن عباس' احمد' طیالسی عن شیبۃ' نسائی' ابن ماجۃ' دار قطنی عن سراقۃ ۱۲۔ [2] مسلم عن عائشۃ' ترمذی' ابن ماجۃ' احمد عن ابن عمر ۱۲۔ [3] نسائی فی السنن الکبریٰ عن علی' دار قطنی عن ابن عمر و علی و ابن مسعود و عمران بن حصین ۱۲۔

الْهَدْی وَمُتَمَتِّعٌ لا یَسُوْقُ الْهَدْی

لے جائے دوسرے وہ جو ہدی نہ لے جائے

تشریح الفقہ: قولہ التمتع افضل الخ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے احناف کے یہاں تمتع افراد سے افضل ہے لیکن امام صاحب سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے' یہی امام شافعی کا قول ہے کیونکہ تمتع میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آتا ہے اور پہلے عمرہ کے افعال ادا کرتا ہے اس کے بعد حج کرتا ہے۔ پس اس کا سفر عمرہ کے لیے واقع ہوا۔ کیونکہ افعال عمرہ کے بعد تو وہ حکمًا مقیم سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اس سے طواف تحیہ ساقط ہو جاتا ہے بخلاف مفرد کے کہ اس کا سفر حج کے لیے واقع ہوتا ہے۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ تمتع میں جمع بین العبادتین ہوتا ہے پس تمتع قران کے مشابہ ہے' رہا سفر سو وہ درحقیقت حج ہی کے لیے ہوتا ہے۔ کیونکہ عمرہ تو حج کے تابع ہے۔

وَصِفَةُ التَّمَتُّعِ اَنْ یَبْدَأَ مِنَ الْمِیْقَاتِ فَیُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَیَدْخُلُ مَكَّةَ فَیَطُوْفُ لَهَا وَیَسْعٰی

تمتع کا طریق یہ ہے کہ شروع کرے میقات سے پس احرام باندھے عمرہ کا اور داخل ہو مکہ میں پس طواف کرے اس کے لئے اور

وَیُحَلِّقُ اَوْیُقَصِّرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهٖ وَیَقْطَعُ التَّلْبِیَةَ اِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ وَیُقِیْمُ بِمَكَّةَ

سعی کرے اور منڈائے یا کترائے اور عمرہ سے حلال ہو جائے اور موقوف کر دے تلبیہ جب شروع کرے طواف اور ٹھہرا رہے مکہ میں

حَلَالًا فَاِذَا كَانَ یَوْمُ التَّرْوِیَةِ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ فَعَلَ مَایَفْعَلُهُ الْحَاجُّ

حلال ہو کر جب آئے یوم ترویہ تو احرام باندھے حج کا مسجد حرام سے اور کرے وہ جو کرتا ہے صرف حج کرنے

الْمُفْرِدُ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ مَایَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ

والا اور اس پر لازم ہے دم تمتع اگر نہ پائے ذبح کے لیے کوئی جانور تو تین روزے رکھے ایام حج میں اور سات اس وقت جب لوٹے

اِلٰی اَهْلِهٖ وَاِنْ اَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ اَنْ یَّسُوْقَ الْهَدْیَ اَحْرَمَ وَسَاقَ هَدْیَهٗ فَاِنْ كَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَهَا

اپنے گھر اگر چاہے متمتع ہدی لے جانا تو احرام باندھ کر لے جائے اپنی ہدی اب اگر ہو وہ اونٹ تو ڈال دے

بِمَزَادَةٍ اَوْنَعْلٍ وَاَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَاَبِیْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَهُوَاَنْ یَّشُقَّ سَنَامَهَا مِنَ

اس کے گلے میں پرانا چمڑایا جوتا اور اشعار کرے اونٹ کو صاحبین کے نزدیک اور وہ یہ ہے کہ زخم لگا دے اس کی

الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ وَلَا یُشْعِرُ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَاِذَا دَخَلَ مَكَّةَ طَافَ وَسَعٰی وَلَمْ یُحَلِّلْ

کوہان میں دائیں جانب سے اور اشعار نہ کرے امام صاحب کے نزدیک جب مکہ میں داخل ہو تو طواف و سعی کرے اور حلال نہ

حَتّٰی یُحْرِمَ بِالْحَجِّ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ قَبْلَهٗ جَازَ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ فَاِذَا

ہو یہاں تک کہ احرام باندھے حج کا ترویہ کے دن اگر اس سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تب بھی جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے جب

حَلَقَ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الْاِحْرَامَیْنِ

یہ قربانی کے دن سر منڈائے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

حج تمتع کا تفصیلی بیان

توضیح اللغۃ: یوم الترویہ۔ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ 'مزادۃ۔ توشہ دان' نعل۔ جوتا' اشعر اشعارًا۔ کوئی علامت لگانا جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ

یہ جانور ہدی کا ہے' سنام ۔ کوہان ۔

تشریح الفقہ قولہ و صفۃ التمتع الخ تمتع لغت کے اعتبار سے متاع یا متعہ سے ماخوذ ہے بمعنی نفع حاصل کرنا یا نفع پہنچانا' اصطلاح شرع میں تمتع اس کو کہتے ہیں کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے لیے طواف وسعی کرے پھر حلق یا قصر کرا کے احرام سے حلال ہو جائے اس کے بعد ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حرم شریف سے حج کا احرام باندھے اور اس کے افعال ادا کرے ۔ صاحب کتاب نے جو ''من المیقات'' کی قید لگائی ہے یہ احترازی نہیں ہے' اس واسطے کہ اگر وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھ لے تب بھی جائز ہے اور وہ متمتع ہو جائے گا ۔

قولہ ویقطع التلبیۃ الخ متمتع کو چاہیے کہ وہ عمرہ کے اول طواف میں لبیک کہنا ختم کر دے ۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جونہی بیت اللہ پر نظر پڑے تلبیہ ختم کر دے کیونکہ عمرہ زیارت بیت اللہ کا نام ہے جس کا تحقق صرف دیکھنے سے ہو جاتا ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء میں استلام حجر کے وقت تلبیہ ختم کیا تھا[1] ۔

قولہ وان اراد التمتع الخ متمتع کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک وہ جو اپنے ساتھ ہدی نہیں لے جاتا' صاحب کتاب نے اب تک اسی کے احکام ذکر کئے ہیں ۔ دوم وہ جو اپنے ساتھ ہدی لے جاتا ہے' تمتع کی یہ صورت افضل ہے ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں ذوالحلیفہ سے ہدی اپنے ساتھ لے گئے تھے[2] ۔ سوال' جب یہ صورت افضل ہے تو پھر اس کو پہلے بیان کرنا چاہیے تھا حالانکہ صاحب کتاب نے ایسا نہیں کیا؟ جواب ۔ سوق ہدی ایک وصف زائد ہے اور تقدیم صفات کے مقابلہ میں تقدیم ذات اولیٰ ہے ۔ بہر کیف اگر متمتع اپنے ساتھ ہدی لے جانا چاہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے احرام باندھے پھر ہدی ہانک لے جائے اب اگر ہدی کا جانور بکری ہے تو اس کی تقلید مسنون نہیں ۔ اور اگر بدنہ (اونٹ یا گائے) ہے تو اس کی تقلید مسنون ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اس کے گلے میں پٹا یا جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا یا کھجور کی چھال ڈال دے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ جانور سواری کا نہیں ہے بلکہ حرم کو جا رہا ہے یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے[3] ۔'' پھر عمرہ ادا کرے اور عمرہ سے فراغت کے بعد احرام سے حلال نہ ہو ۔ بلکہ آٹھویں کو حج کا احرام باندھے اور جب یوم نحر میں حلق کرا چکے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے ۔

قولہ واشعر البدنۃ الخ اشعار اس کو کہتے ہیں کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں یا بائیں جانب سے پھاڑ کر خون آلود کر دے تاکہ لوگوں کو اس کا ہدی ہونا معلوم ہو جائے اور گھاٹ وغیرہ پر کوئی اس سے تعرض نہ کرے ۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اشعار سنت ہے کیونکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[4] ۔ صاحب کتاب کا خیال یہ ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس لیے موصوف نے صاحبین کے قول کو مقدم ذکر کیا ہے ۔

قولہ ولا یشعر الخ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اشعار مکروہ ہے کیونکہ اس میں مثلہ کرنا لازم آتا ہے' جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے[5] ۔ علامہ اتقانی فرماتے ہیں کہ اشعار پر مثلہ کا اطلاق مشکل ہے ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ سے اس وقت منع فرمایا تھا جب آپ مدینہ تشریف لائے اور حجۃ الوداع میں آپ نے اشعار کیا ہے اگر یہ از قبیل مثلہ ہوتا تو آپ اشعار نہ کرتے کیونکہ آپ نے تو اس سے خود منع فرمایا ہے ۔ امام طحاوی اور شیخ ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں کہا بلکہ اس کو مکروہ اس لیے کہا ہے کہ اس کو ہر شخص خوب نہیں کر پاتا ۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گوشت اور ہڈی کو صدمہ پہنچ جاتا ہے ہاں اگر کوئی اچھی طرح اشعار جانتا ہو اور گوشت اور ہڈی کو صدمہ پہنچائے بغیر اشعار کر سکتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسا اشعار مستحب ہے ۔ (طحاوی) شیخ کرمانی کہتے ہیں کہ یہی اصح

[1] ۔ ترمذی' ابوداؤد عن ابن عباس' واقدی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲ ۔ [2] ۔ صحیحین عن ابن عمر ۱۲ ۔ [3] ۔ ائمہ ستہ عن عائشہ ۱۲ ۔ [4] ۔ بخاری عن مسور و مروان و عائشہ' ائمہ ستہ غیر البخاری عن ابن عباس ۱۲ ۔ [5] ۔ صحیحین عن انس' بخاری عن ابن عمرو عبداللہ بن زید الانصاری' ابوداؤد عن سمرہ' احمد' حاکم عن ابن عمر' ابن ابی شیبہ عن زید بن خالد و عمران بن حصین والمغیرہ و اسماء' طبرانی عن علی و حکم بن عمیر و عائذ بن قرط و ابی ایوب الانصاری ۱۲ ۔

ہے۔امام طحاوی، شیخ قوام الدین، صاحب غایۃ البیان اور ابن الہمام وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(ردالمحتار وعینی)

وَلَيْسَ لِاَهْلِ مَكَّةَ تَمَتُّعٌ وَّلَاقِرَانٌ وَّاِنَّمَا لَهُمْ الْاِفْرَادُ خَاصَّةً وَاِذَا عَادَالْمُتَمَتِّعُ اِلَى بَلَدِهٖ بَعْدَ

نہیں ہے اہل مکہ کے لئے تمتع اور نہ قران بلکہ ان کے لئے تو صرف حج افراد ہے، اگر لوٹ آیا متمتع اپنے شہر کو

فَرَاغِهٖ مِنَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ بَطَلَ تَمَتُّعُهٗ وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَافَ

عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور نہیں لے گیا تھا وہ ہدی تو باطل ہو گیا اس کا تمتع جس نے احرام باندھا عمرہ کا اشہر حج سے پہلے اور طواف کیا

لَهَا اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ اَشْهُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَهَا وَاَحْرَمَ بِالْحَجِّ كَانَ مُتَمَتِّعًا

اس کے لئے چار پھیروں سے کم پھر حج کے مہینے شروع ہو گئے اور اس نے طواف کے چکروں کو پورا کر کے حج کا احرام باندھ لیا تو یہ متمتع ہو جائے گا

فَاِنْ طَافَ لِعُمْرَتِهٖ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَصَاعِدًا ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهٖ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ

اور اگر شہر حج سے پہلے طواف عمرہ کے چار یا اس سے زائد پھیرے کر چکا پھر اسی سال حج کیا تو متمتع ہو جائے گا

مُتَمَتِّعًا وَاَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَّذُوالْقَعْدَةِ وَ عَشْرٌ مِّنْ ذِي الْحِجَّةِ فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ بِالْحَجِّ

نہ ہو گا اشہر حج یہ ہیں شوال ذی قعد اور ذی الحجہ کے دس روز اگر کسی نے ان سے پہلے حج کا احرام باندھ

عَلَيْهَا جَازَ اِحْرَامُهٗ وَانْعَقَدَ حَجُّهٗ وَاِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَةُ عِنْدَالْاِحْرَامِ اغْتَسَلَتْ وَاَحْرَمَتْ

لیا تو اس کا احرام جائز ہے حج درست ہو جائے گا اگر حیض آ جائے عورت کو احرام کے وقت تو وہ غسل کر کے احرام باندھے

وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرَ وَاِذَا حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوْفِ

اور کرے جیسے کرتے ہیں حاجی لوگ بجز آنکہ طواف نہ کرے بیت اللہ یہاں تک کہ پاک ہو جائے اگر حیض آیا وقوف عرفہ

بِعَرَفَةَ وَ بَعْدَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ انْصَرَفَتْ مِنْ مَّكَّةَ وَلَاشَيْءَ عَلَيْهَا لِتَرْكِ طَوَافِ الصَّدْرِ

اور طواف زیارت کے بعد تو وہ لوٹ جائے مکہ سے (اپنے گھر کو) اور کچھ نہیں اس پر ترک طواف صدر کی وجہ سے

حج تمتع کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ ولیس لاھل مکۃ الخ باشندگان مکہ اور اس کے قرب و جوار (مواقیت) میں رہنے والوں کے لیے نہ تمتع ہے نہ قران۔ حدیث میں یوں ہی وارد ہے نیز حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ سے مروی ہے "لیس لاھل مکۃ متعۃ" لیکن اگر کوئی مکی قرآن یا تمتع کر لے تو جائز ہے کیونکہ صاحب تنویر الابصار نے اپنی شرح میں لکھا ہے کہ کتب فقہ میں جو یہ مذکور ہے کہ مکی قران اور تمتع نہ کرے، اس سے مراد علت کی نفی ہے نہ کہ صحت کی مگر چونکہ مکی کے لیے ایسا کرنا برا ہے لہٰذا اس قصور کی وجہ سے اس پر دم واجب ہے یہ تو احناف کے نزدیک ہے۔ امام شافعی کے یہاں اہل مکہ کے لیے بلا اساعت قران اور تمتع کی اجازت ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت "فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج اھ" میں کلمہ من مکی و غیر مکی سب کو شامل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت غیر مکی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ "ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" میں اشارہ متمتع کی طرف ہے جو "فمن تمتع بالعمرۃ" سے مفہوم ہے۔ ہدی اور صوم کی طرف اشارہ نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یوں کہا جاتا۔ "ذلک علی من لم یکن" کیونکہ وجوب کے لیے علیٰ استعمال ہوتا ہے نہ کہ لام۔

قولہ واذا عاد المتمتع الخ ایک متمتع اپنے ساتھ ہدی نہیں لے گیا اور عمرہ کر کے اپنے شہر کو واپس ہو گیا تو اس کا تمتع باطل ہو گیا کیونکہ اس

نے دوعبادتوں کے درمیان اپنے اہل وعیال کے ساتھ صحیح المام کرلیا اور المام صحیح سے تمتع باطل ہو جاتا ہے۔ تابعین کی ایک جماعت ابن المسیب، عطا، مجاہد، طاؤس، نخعی وغیرہ سے یہی مروی ہے اور اگر وہ ہدی ساتھ لے گیا ہو اور پھر عمرہ کے بعد اپنے گھر کو چلا آئے تو شیخین کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا۔ ہاں امام محمد کے نزدیک اس اس صورت میں بھی تمتع باطل ہے۔ کیونکہ اس نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ ہدی لے جانا چونکہ تحلل سے مانع ہے۔ اس لیے جب تک وہ تمتع کی نیت پر ہے اس کے لیے واپس ہونا واجب ہے پس المام صحیح نہ ہوا کیونکہ المام صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال میں آکر اقامت پذیر ہو جائے اور اس پر واپس ہونا واجب نہ ہو اور یہاں یہ چیز نہیں پائی گئی۔

قولہ ومن احرم بالعمرۃ الخ ہدایہ، وقایہ، درر اور مجمع وغیرہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع میں عمرہ کے احکام کا اشہر حج میں ہونا شرط ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر اور اختیار شرح مختار میں اس کی تصریح موجود ہے۔ البتہ عمرہ کے اکثر طواف کا اشہر حج میں ہونا ضروری ہے پس اگر کسی نے اشہر حج سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر چار چکروں سے کم طواف کیا، پھر اشہر حج داخل ہونے کے بعد باقی طواف پورا کرلیا اور حج کا احرام باندھ لیا تو وہ متمتع ہو جائے گا کیونکہ اکثر طواف اشہر حج میں ہوا ہے اور اگر چار چکر یا اس سے زائد طواف اشہر حج سے پہلے کیا تو متمتع نہ ہوگا کیونکہ اشہر حج میں اقل طواف پایا گیا اور مناسک میں اقل کے لیے معدوم کا حکم ہوتا ہے پس گویا اشہر حج میں طواف ہی نہیں ہوا۔

قولہ واشہر الحج الخ اشہر حج شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یوم نحر یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ اس میں داخل نہیں کیونکہ یوم نحر کے طلوع فجر سے حج فوت ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ وقت باقی رہتے ہوئے عبادت فوت نہیں ہوتی۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ عبادلہ اربعہ ؓ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابن الزبیرؓ سے یہی مروی ہے کہ اشہر حج، شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں نیز رکن حج یعنی طواف زیارت کا وقت ہی یوم نحر کے طلوع فجر سے ہوتا ہے۔ **وفوات الوقوف بطلوع الفجر من یوم النحر لکونہ موقتابہ بالنص۔**

قولہ واذا حاضت الخ اگر عورت کو احرام کے وقت ماہواری شروع ہو جائے تو وہ غسل کر کے احرام باندھ لے اور طواف بیت اللہ کے علاوہ باقی افعال ادا کرے۔ جب حضرت عائشہؓ کو مقام سرف میں ماہواری شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہی حکم فرمایا تھا[1] دیگر احادیث میں بھی یہی حکم مذکور ہے[2]۔ اور اگر طواف زیارت بعد حیض شروع ہوا تو طواف صدر کو چھوڑ دے کیونکہ حائضہ کے لیے اس کی اجازت حدیث سے ثابت ہے[3]۔ محمد حنیف غفر لہٗ گنگوہی۔

بابُ الجنایات

باب جنایات کے بیان میں

اِذا	تطیّب	المُحرمُ	فعلیہ	الکفّارۃُ	فاِنْ	تطیّب	عُضوًا	کاملاً	فمازاد
جب	خوشبو لگائے	محرم	تو اس پر	کفارہ ہے	اب اگر	خوشبو لگائی	پورے	عضو	یا اس سے

فعلیہ	دمٌ	وّانْ	تطیّب	اقلّ	منْ	عُضوٍ	فعلیہ	صدقۃٌ	وّانْ	لبس	ثوبًا	مخیطًا	اوْغطّی	رأسَہٗ
زیادہ کو	تو اس پر خون ہے	اور اگر	خوشبو لگائی	عضو سے کم کو			تو اس پر	صدقہ ہے	اور اگر	پہنا	سلا ہوا کپڑا		یا ڈھانکے رکھا	اپنا سر

یومًا	کاملاً	فعلیہ	دمٌ	وّانْ	کان	اقلّ	منْ	ذٰلک	فعلیہ	صدقۃٌ	وّانْ	حلق	رُبع	رأسِہٖ
پورے دن		تو اس پر	دم ہے	اور	اگر	اس سے کم ہو			تو اس پر	صدقہ ہے	اگر	منڈوائے		گدی پر پچھنے

[1] صحیحین عن عائشہ ۱۲۔ [2] ابوداؤد ترمذی عن ابن عباس احمد ابن ابی شیبہ عن عائشہ ۱۲۔ [3] صحیحین عن ابن عباس ترمذی نسائی حاکم عن ابن عمر ۱۲۔

مِنَ الرَّقَبَةِ فعلَيْه دمٌ عند ابیْ حنيْفة رحمهُ اللّٰهُ وقالَ ابُوْيُوْسُف وَ مُحمدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
لگوانے کی جگہ کے بال تو اس پر دم ہے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں

صَدقةٌ وانْ قصّ اظافيْر يدَيْهِ ورجليْه فعليْهِ دَمٌ وانْ قصّ يدًا اَوْرِجْلاً فعليْه
کہ صدقہ ہے اور اگر تراشے اپنے دونوں ہاتھ پاؤں کے ناخن تو اس پر دم ہے اور اگر تراشے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے تب

دَمٌ وانْ قصّ اقلَّ مِن خمْسة اظافير فعليْه صَدقةٌ وَانْ قصّ اقلَّ منْ خمْسَةِ اظافيْر
بھی دم ہے اگر تراشے پانچ ناخنوں سے کم تو اس پر صدقہ ہے اور اگر تراشے پانچ ناخنوں سے کم

مُتفرقةٍ مِّنْ يَدَيْه ورجْليْه فعليْه صدقةٌ عنْد ابیْ حنيْفةَ وابیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
متفرق طور پر دونوں ہاتھ پاؤں سے تو اس پر صدقہ ہے شیخین کے نزدیک

وَقال مُحمدٌ رحمهُ اللّٰهُ عليْه دمٌ وَّانْ تطيَّب اَوْحلقَ اَوْلبسَ منْ عُذْرٍ فَهُوَ[1] مُخيَّرٌ اِنْ شاءَ
امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر دم ہے اگر خوشبو لگائی یا بال منڈائے یا سلا ہوا کپڑا پہنا عذر کی وجہ سے تو اسے اختیار ہے چاہے

ذَبحَ شاةً وانْ شاء تَصدّقَ علىٰ ستّة مساكيْن بثلٰثة اَصْوُعٍ مِّنَ الطَّعَامِ وَانْ شاءَ صَامَ
بکری ذبح کرے چاہے صدقہ کرے چھ مسکینوں پر تین صاع گیہوں چاہے تین

ثَلٰثةَ ايَّامٍ وانْ قبّلَ اَوْلَمسَ بِشهوةٍ فعلَيْهِ دمٌ اَنْزلَ اَوْلَمْ يُنْزِلْ[2]
روزے رکھے اگر بوسہ لیا یا چھو لیا شہوت سے تو اس پر دم ہے انزال ہو یا نہ ہو

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ یا بکری واجب ہے۔

توضیح اللغۃ: جنایات ۔ جمع جنایۃ' ہر امر بد' فعل حرام' یہاں' وہ فعل مراد ہے جس کی حرمت احرام باندھنے یا حرم میں داخل ہونے کے سبب سے ہو۔ تطیب ۔ خوشبو لگائی' دوم ۔ خون' مخیط ۔ سلا ہوا' غطی ۔ تغطیۃ' ڈھانپنا' حلق ۔ مونڈلیا' محاجم ۔ جمع مُحجم' بکسر میم وسکون حاء وفتح جیم بمعنی پچھنے لگانے کا اوزار' سینگی بعض لوگوں نے مَحجم بفتح میم وجیم کی جمع کہا ہے بمعنی پچھنے لگانے کی جگہ لكن ذكر الموضع يا باه. رقبۃ ۔ گردن' اظافیر ۔ جمع الجمع ظفر بمعنی ناخن' قص ۔ کاٹ دیا' اصوع ۔ جمع صاع' قبل ۔ تقبیلا ۔ بوسہ لینا' لمس لمسا ۔ چھونا۔

تشریح الفقہ قوله باب الجنايات الخ احکام محرمین کے بیان سے فراغت کے بعد جنایات' احصار اور فوات وغیرہ عوارض کا بیان ہے جو محرمین کو پیش آجاتے ہیں ۔ جنایات جنایۃ کی جمع ہے' ہر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو شرعاً محرم ہو' خواہ مال میں ہو یا جان میں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد وہ فعل ہوتا ہے جو نفوس یا اطراف میں ہو کیونکہ جنایت مال میں ہو اس کے لیے لفظ غصب مخصوص ہے پھر باب حج میں جنایت کی وجہ سے کبھی ایک خون واجب ہوتا ہے کبھی دو' کبھی روزہ واجب ہوتا ہے کبھی صدقہ اس لیے یہاں ہر ایک تفصیل کر رہے ہیں۔

قوله فان تطيب عضوا الخ اگر محرم نے پورے عضو کو یا اس سے زائد کو خوشبو لگائی تو ایک بکری واجب ہے کیونکہ کمال ارتفاق کی بناء پر جنایت کامل ہوگئی اور اگر کسی نے اپنے چند اعضاء کو متعدد مجالس میں خوشبو لگائی تو شیخین کے نزدیک ہر عضو کی طرف سے خون واجب ہوگا ۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ پہلے عضو کی طرف سے کفارہ دے چکا ہو تو دوسرے عضو کی طرف سے مستقل دم واجب ہوگا ورنہ ایک ہی کفارہ کافی ہوگا۔

---

[1] لقولہ تعالیٰ "فمن كان منكم مريضا او به اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة او نسك" ۱۲۔ [2] وفی قاضی خان اشترط الانزال لوجوب الدم باللمس قال وهو الصحيح ۱۲۔

قولہ ثوبًا مخیطًا الخ مخیط کا اطلاق تین کپڑوں پر ہوتا ہے یعنی قمیص، پاجامہ اور قباء پر پس اگر محرم نے سلا ہوا کپڑا دن بھر اسی طرح پہنا، جس طرح پہننے کی عادت ہے یا معمولی لباس یا ٹوپی یا پگڑی سے دن بھر اپنا سر چھپائے رہا تو دونوں صورتوں میں ایک بکری واجب ہے اور دن بھر سے کم کی صورت میں صرف صدقہ ہے لیکن اگر سلا ہوا کپڑا خلاف عادت پہنا۔ مثلاً قمیص یا قباء کو بطور تہ بند باندھا یا گٹھڑی وغیرہ اٹھانے کی صورت میں سر چھپائے رہا، تو اس صورت میں نہ خون واجب ہے نہ صدقہ، کیونکہ یہ ارتفاق کے معنی میں نہیں ہے۔

قولہ وان حلق ربع راسہ الخ اگر محرم نے چوتھائی سر کے بال مونڈے تو اس پر خون واجب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر پورے سر کے بال مونڈے تو خون واجب ہے ورنہ نہیں گویا ''ولاتحلقوا رؤسکم'' کے ظاہر پر عمل ہے کیونکہ راس پورے سر کو کہتے ہیں۔ امام شافعی کے یہاں بہر صورت خون ہے کم ہو یا زائد وہ بالوں کو حرم کی گھاس پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں قلیل وکثیر برابر ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ سر کے بعض حصے کو مونڈنے میں کامل انتفاع ہے کیونکہ یہ امر معتاد ہے چنانچہ بعض ترکی لوگ وسط راس کو اور بعض علوی لوگ پیشانی کے بالوں کو مونڈتے ہیں پس حلق ربع راس میں کامل جنایت ہے لہذا خون واجب ہوگا۔

قولہ وان قص اظافیر یدیہ الخ اگر دونوں ہاتھ پاؤں کے ناخن کاٹے ایک ہی مجلس میں تو ایک خون واجب ہے اور اگر مجلس متعدد ہو، تو خون بھی متعدد واجب ہوں گے اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تب بھی پورا ایک خون واجب ہوگا کیونکہ چوتھائی کل کے برابر ہوتا ہے اور کل دو ہاتھ پاؤں میں خون واجب ہے تو چوتھائی میں بھی واجب ہوگا۔

وَمَنْ جَامَعَ فِيْ اَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَسَدَحَجُّهٗ وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَيَمْضِىْ فِى الْحَجِّ
جس نے صحبت کی قبل یا دبر میں وقوف عرفہ سے پہلے تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے اور یہ ادا کرے حج

كَمَا يَمْضِىْ مَنْ لَّمْ يَفْسُدْ حَجُّهٗ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُّفَارِقَ امْرَاَتَهٗ اِذَا حَجَّ بِهَافِي
کے افعال جیسے کرتا ہے وہ جس کا حج فاسد نہ ہوا ہو اور اس پر قضا لازم ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جدا ہو جائے بیوی سے جب اس کے ساتھ حج قضا

الْقَضاء عندنا وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ لَمْ يَفْسُدْ وَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ
کرے ہمارے نزدیک جس نے صحبت کی وقوف عرفہ کے بعد تو حج فاسد نہ ہو گا اور ایک بدنہ لازم ہو گا جس نے صحبت کی سرمنڈوانے

فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَمَنْ جَامَعَ فِى الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمَضٰى فِيْهَا وَقَضَاهَا
کے بعد تو اس پر بکری ہے جس نے صحبت کی عمرہ میں چار چکر طواف سے پہلے تو اس کو فاسد کر دیا اب اس کے افعال کر گذرے اور

وَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ وَطِئَ بَعْدَ مَاطَافَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَاتَفْسُدُ عُمْرَتُهٗ وَلَايَلْزَمُهٗ
اس کی قضا کرے اور اس پر بکری ہے اگر صحبت کی چار چکر طواف کے بعد تو اس پر بکری ہے اور نہ فاسد ہو گا اس کا عمرہ اور نہ لازم ہو گی

قَضَاؤُهَا وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِى الْحُكْمِ
اس کی قضا جس نے صحبت کی بھول کر تو وہ حکم میں اس کے مثل ہے جو صحبت کرے جان کر

مفسد وغیر مفسد حج کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ فسد حجہ الخ وقوف عرفہ سے پیشتر قبل یا دبر میں جماع کرنے سے فساد حج تو مجمع علیہ ہے اس کے ساتھ ساتھ ہمارے نزدیک بکری اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بدنہ بھی واجب ہے۔ یہ حضرات وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل اسی قسم

کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم دونوں اپنے حج کی قضا کرنا اور ہدی لانا[1]" اس میں ہدی کا حکم ہے جو بکری کو بھی شامل ہے اور یہ روایت گو مرسل ہے مگر اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے نیز حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "جماع سے حج باطل ہو جاتا ہے کسی نے کہا: جب حج باطل ہو گیا تو بیٹھ رہنا چاہیے فرمایا: نہیں، بلکہ وہ بھی لوگوں کی طرح افعال حج بجالائے اور آئندہ سال اس کی قضا کرے اور ہدی لائے[2] صحابہ کرام کے فتوے بھی اسی طرح منقول ہیں[3]۔

قولہ ولیس علیہ الخ دوسرے سال قضاء حج میں زوجین کا ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا ضروری نہیں کیونکہ ترک جماع کے لیے قضاء حج کی مشقت ہی کافی ہے۔ امام زفرؒ، مالکؒ، شافعیؒ کے نزدیک ضروری ہے تاکہ وہ اس موقعہ کو یاد کرکے پھر جماع میں مبتلا نہ ہوں۔ جواب یہ ہے کہ جب ان کا نکاح باقی ہے تو افتراق بیسود ہے۔

قولہ ومن جامع بعد الوقوف الخ اگر محرم نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج فاسد نہ ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص عرفات میں ٹھہر گیا اس کا حج پورا ہو گیا۔ البتہ بدنہ واجب ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُوْمِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ طَافَ

جس نے طواف کیا طواف قدوم بے وضوء ہو کر تو اس پر صدقہ ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری ہے اگر طواف کیا

طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَالْاَفْضَلُ اَنْ يُّعِيْدَ

طواف زیارۃ بے وضوء ہو کر تو اس پر بکری ہے اور اگر جنبی تھا تو اس پر بدنہ ہے اور افضل یہ ہے کہ دوبارہ کر لے

الطَّوَافَ مَادَامَ بِمَكَّةَ وَلَاذَبْحَ عَلَيْهِ وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ

طواف جب تک ہو مکہ میں اور اس پر قربانی نہیں ہے جس نے طواف کیا طواف صدر بے وضوء ہو کر تو اس پر صدقہ ہے

وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ فَمَا دُوْنَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ

اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری ہے اگر چھوڑ دے طواف زیارۃ کے تین چکر یا اس سے کم تو اس پر بکری ہے

وَاِنْ تَرَكَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِمًا اَبَدًا حَتّٰى يَطُوْفَهَا وَمَنْ تَرَكَ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ مِّنْ طَوَافِ

اور اگر چھوڑے چار چکر تو وہ محرم ہی رہے گا ہمیشہ یہاں تک کہ وہ طواف کرلے جس نے چھوڑے، تین چکر طواف صدر

الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ اَوْاَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ مِّنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ و

کے تو اس پر صدقہ ہے اگر چھوڑ دیا پورا طواف صدر یا اس کے چار چکر تو اس پر بکری ہے

مَنْ تَرَكَ السَّعْىَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَحَجُّهٗ تَامٌّ وَمَنْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ

جس نے چھوڑ دی صفا مروہ کی سعی تو اس پر بکری ہے اور اس کا حج پورا ہو گیا جو شخص چلا آئے عرفات سے

قَبْلَ الْاِمَامِ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوْفَ بِمُزْدَلِفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ وَمَنْ تَرَكَ رَمْىَ الْجِمَارِ

امام سے پہلے تو اس پر دم ہے جس نے چھوڑ دیا وقوف مزدلفہ تو اس پر دم ہے جس نے چھوڑ دی رمی جمار

فِى الْاَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ تَرَكَ رَمْىَ اِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلٰثِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ وَاِنْ تَرَكَ

سب دنوں کی تو اس پر دم ہے اگر چھوڑ دی تینوں جمروں میں سے ایک کی رمی تو اس پر صدقہ ہے اگر چھوڑ دی

[1] ابوداؤد، بیہقی عن یزید بن نعیم التابعی الاسلمی ۱۲۔ [2] دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔ [3] مالک عن عمر و علی و ابی ہریرہ ۱۲۔

رمٰی جمرۃ العقبۃ فی یوم النّحر فعلیہ دمٌ ومن اخر الحلق حتّی مضت ایّام النّحر فعلیہ
جمرہ عقبہ کی رمی قربانی کے دن تو اس پر دم ہے جس نے مؤخر کیا سر منڈانا یہاں تک کہ گذر گئے قربانی کے دن تو اس پر

دمٌ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ وکذلک ان اخّر طواف الزّیارۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ
دم ہے امام صاحب کے نزدیک اسی طرح اگر مؤخر کر دیا طواف زیارت کو امام صاحب کے نزدیک

باقی موجب صدقہ وشاۃ جنایات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن طاف طواف القدوم الخ اگر کسی محرم نے طواف قدوم کو بے وضوء کیا تو اس پر صدقہ کرنا ہے اس واسطے کہ ہمارے یہاں طواف کے لیے طہارت شرط نہیں ہے امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔ وہ حدیث ''الطواف صلوۃ اھ'' سے طہارت کا ہونا شرط اخذ کرتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''ولیطوفوا بالبیت العتیق'' میں طہارت کی قید نہیں ہے لہذا آیت سے اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ ورنہ نسخ لازم آئے گا اور اگر طواف قدوم جنابت کی حالت میں کیا تو بکری واجب ہوگی کیونکہ طواف میں نقص آ گیا پھر طواف قدوم چونکہ طواف رکن سے کم درجہ کا ہے۔ اس لیے صرف بکری کافی ہوگی۔

قولہ فعلیہ صدقہ الخ باب نسک میں ہر جگہ لفظ صدقہ سے مراد نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کھجور مراد ہوتا ہے البتہ ٹڈی اور جوں کے مارنے یا چند بالوں کے اکھاڑنے میں جو صدقہ دینا ہے وہ اس سے مستثنی ہے کہ اس کی مقدار متعین نہیں جتنا چاہے دے دے۔

قولہ وان طاف طواف الزیارۃ الخ اگر کسی نے طواف زیارت کو بے وضوء کیا تو اس پر بکری واجب ہے کیونکہ اس نے ایک رکن میں نقص پیدا کر دیا پس یہ جنایت طواف قدوم کے مقابلہ میں افحش ہوگئی اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو بدنہ واجب ہوگا کیونکہ جنابت بلحاظ حدث اغلظ ہے۔ نیز جنابت کی صورت میں وہ دو وجہ سے قصوروار ہے۔ ایک ناپاکی کی حالت میں طواف کرنا دوسرے مسجد میں داخل ہونا اور بے وضوء ہونے کی صورت میں صرف ایک وجہ سے قصوروار ہے یعنی بلاوضوء طواف کرنا فلتفاحش النقصان اوجبنا البدنۃ۔

قولہ ومن ترک السعی الخ اگر کسی نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کو بلا عذر ترک کر دیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اس کا حج تام ہے کیونکہ سعی ہمارے نزدیک واجبات میں سے ہے لہذا اس کے ترک سے دم واجب ہوگا بخلاف امام شافعی کے کہ ان کے نزدیک طواف زیارت کی طرح سعی بھی فرض ہے۔

قولہ ومن افاض الخ اگر محرم امام سے پہلے اور غروب آفتاب سے پیشتر عرفات سے چلا آیا تو اس پر دم واجب ہے آنا اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہاں اگر غروب آفتاب کے بعد آیا تو کچھ واجب نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک غروب سے پہلے آنے میں بھی کوئی چیز واجب نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رکن تو صرف وقوف ہے نہ کہ استدامت اور نفس وقوف وہ کر چکا پس ترک استدامت سے کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث ''فادفعوا بعد غروب الشمس'' میں امر ہے جو وجوب کیلیے ہے اور ترک واجب سے وجوب دم لازمی ہے۔

قولہ من اخر الحلق الخ یوم نحر میں چار افعال بالترتیب واجب ہیں۔ پہلے جمرہ عقبہ کی رمی پھر ذبح کرنا (قارن اور متمتع کے حق میں) پھر سر منڈانا پھر طواف زیارت کرنا پس ان مناسک کی تقدیم و تاخیر سے امام ابوحنیفہ مالک احمد اور ایک وجہ کے لحاظ سے امام شافعی کے نزدیک دم واجب ہے صاحبین کے نزدیک کچھ واجب نہیں کیونکہ صحیحین میں ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف افعال کی تقدیم و تاخیر کی بابت سوال ہوا تو آپ نے ہر ایک کے جواب میں یہی فرمایا ''افعل ولا حرج'' امام صاحب کی دلیل حضرت ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جو ایک نسک کو دوسرے نسک پر مقدم کرے اس پر خون واجب ہے (ابن ابی شیبہ طحاوی) اور نفی حرج سے مراد نفی اثم نہ کہ نفی فساد حج

ہے (نہ کہ نفی جزاء وفدیہ)

وَاِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَیْدًا اَوْدَلَّ عَلَیْهِ مَنْ قَتَلَهٗ فَعَلَیْهِ الْجَزَاءُ سَوَاءٌ فِی ذٰلِکَ الْعَامِدُوَالنَّاسِیْ

جب محرم نے شکار کیا یا شکار کرنے والے کو بتایا تو اس پر جزاء واجب ہے برابر ہے اس میں جان کر اور بھول

وَالْمُبْتَدِی وَالْعَائِدُ وَالْجَزَاءُ عِنْدَاَبِیْ حنیفَةَ وابی یُوْسُف رَحمهما اللّٰهُ اَنْ یُقَوَّمَ الصَّیْدُ فی

اور پہلی بار اور دوسری بات بتلانے والا اور جزاء شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قیمت لگائی جائے شکار کی اس جگہ

المکان الذی قتله فیه او فی اقرب المواضع منه ان کان فی بریّة یقوّمهٗ ذوا عدل ثم

جہاں شکار کیا ہے یا اس سے قریب کی جگہ اگر جنگل میں ہو قیمت ٹھہرائیں دو منصف آدمی پھر

هُوَمُخَیَّرٌ فِی الْقِیْمَة اِنْ شَاءَ ابْتَاعَ بِهَا هَدْیًا فَذَبَحَهٗ اِنْ بَلَغَتْ قِیْمَتُهٗ هَدْیًا وَاِنْ شَاءَ اشْتَرٰی

اسے اختیار ہے قیمت میں چاہے اس سے ہدی خرید کر ذبح کرے اگر پہنچ جائے اس کی قیمت ہدی کو اور چاہے اس سے غلہ

بِهَا طَعَامًا فَتَصَدَّقَ بِهٖ عَلٰی کُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ

خرید کر صدقہ کر دے ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع

شَعِیْرٍ وَّاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْ کُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ یَوْمًا وَعَنْ کُلِّ صَاعٍ مِّنْ شَعِیْرٍ یَوْمًا فَاِنْ

جو اور چاہے روزہ رکھ لے ہر نصف صاع گیہوں کی طرف سے ایک دن اور ہر ایک صاع جو کی طرف سے ایک دن اگر

فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ اَقَلُّ مِّنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ

بچ جائے غلہ نصف صاع سے کم تو اسے اختیار ہے چاہے وہی صدقہ کر دے اور چاہے اس کے عوض بھی

یَوْمًا کَامِلًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَجِبُ فِی الصَّیْدِ النَّظِیْرُ فِیْمَالَهٗ نَظِیْرٌ فَفِی الظَّبْیِ شَاةٌ وَ فی

ایک روزہ رکھ لے امام محمد فرماتے ہیں کہ شکار کا مثل واجب ہے اس کی جس کی نظیر ممکن ہو پس ہرن اور

الضَّبُعِ شَاةٌ وَ فِی الْاَرْنَبِ عَنَاقٌ وَ فِی النَّعَامَةِ بَدنَةٌ وَ فِی الْیَرْبُوْعِ جَفْرَةٌ وَمَنْ جَرَحَ صَیْدًا

بجو میں بکری ہے اور خرگوش میں عناق ہے اور شتر مرغ میں بدنہ ہے اور جنگلی چوہے میں جفرہ ہے جس نے زخمی کر دیا شکار

اَوْنَتَفَ شَعْرَهٗ اَوْقَطَعَ عُضْوًا مِّنْهُ ضَمِنَ مَانَقَصَ مِنْ قِیْمَتِهٖ وَاِنْ نَتَفَ رِیْشَ طَائِرٍ اَوْقَطَعَ

یا اکھاڑ دیئے اس کے بال یا کاٹ دیا اس کا عضو تو ضامن ہو گا اس کی قیمت کے نقصان کا اگر نوچ دیئے پرندے کے پر یا کاٹ

قَوَائِمَ صَیْدٍ فَخَرَجَ بِهٖ مِنْ حَیِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَعَلَیْهِ قِیْمَتُهٗ کَامِلَةً وَمَنْ کَسَرَ بَیْضَ صَیْدٍ فَعَلَیْهِ

دیئے شکار کے پاؤں پس نکل گیا وہ اپنے تحفظ سے تو اس پر پوری قیمت ہے اگر پھوڑ دیئے شکار کے انڈے تو اس پر

قِیْمَتُهٗ فَاِنْ خَرَجَ مِنَ الْبَیْضَة فَرْخٌ مَیِّتٌ فَعَلَیْهِ قِیْمَتُهٗ حَیًّا

اس کی قیمت ہے پس اگر نکلا انڈے سے مردہ بچہ تو اس پر زندہ کی قیمت ہے

جزاء صید کا بیان

توضیح اللغۃ: صید۔ شکار، یقوم۔ قیمت لگائی جائے، بریۃ۔ جنگل، بر۔ گیہوں، تمر۔ کھجور، شعیر۔ جو، ظبی۔ ہرن، ضبع۔ بجو، ارنب۔ خرگوش

عناق۔بکری کا ششماہہ بچہ'نعامہ۔شترمرغ' یربوع۔جنگلی چوہا'جفرۃ۔بکری کا چار ماہہ بچہ'نتف نتفا۔پرنوچنا'ریش۔پر طائر۔پرندہ'قوائم۔جمع قائمۃ'پاؤں'بیض۔جمع بیضۃ'انڈا'فرخ۔پرندہ کا بچہ۔

تشریح الفقہ قولہ واذا قتل المحرم الخ اگر محرم نے شکار کیا یا شکار کرنے والے کو بتا دیا کہ فلاں جگہ شکار ہے تو محرم پر جزاء واجب ہے خواہ جان بوجھ کر ایسا کرے یا بھول کر'ابتداءً کرے یا ثانیا شکار حل کا ہو یا حرم کا۔پہلی صورت میں تو اس لیے کہ آیت''ومن قتله منكم متعمدًا فجزاء اھ''میں وجوب جزاء منصوص ہے۔دوسری صورت میں اس لیے کہ حضرت ابوقتادہ کی حدیث''هل اشرتم هل دللتم''میں شکار بتا دینے کو بھی محظورات میں شمار کیا گیا ہے۔امام شافعی کے یہاں شکار بتانے پر کچھ واجب نہیں کیونکہ جزاء کا تعلق قتل سے ہے اور دلالت کو قتل نہیں کہہ سکتے مگر حدیث مذکور امام شافعی پر حجت ہے۔

تنبیہ دلالت کنندہ محرم پر وجوب جزا کے لیے پانچ شرطیں ہیں ۱۔مدلول اس شکار کو دلالت کنندہ کے محرم ہونے کی حالت میں پکڑے اگر اس کے پکڑنے سے پہلے ہی دلالت کنندہ احرام سے حلال ہو گیا تو اس پر جزاء واجب نہیں ہے۔۲۔مدلول دلالت سے پہلے شکار کی جگہ سے ناواقف ہو۔اگر وہ پہلے ہی سے جانتا ہو کہ فلاں جگہ شکار ہے تو دلالت کنندہ پر جزاء واجب نہیں۔۳۔مدلول دلالت میں دال کی تکذیب نہ کرے'اگر اس نے دال کی تکذیب کر دی'پھر اور کسی محرم کے بتانے سے شکار کیا تو جزاء اس محرم ثانی پر ہوگی۔۴۔دلالت کے بعد مدلول فوراً ہی شکار کر لے۔۵۔دلالت کے بعد شکار اسی جگہ موجود ہے'اگر اس جگہ سے دوسری جگہ چلا گیا اور اس نے دوسری جگہ سے شکار کیا تو دال پر جزاء واجب نہیں۔

قولہ والجزاء عندابی حنیفۃ الخ شیخین کے نزدیک جزاء صید میں مماثلت معنوی ضروری ہے یعنی اس کی قیمت کا اعتبار ہے جو دو عادل مسلمان مقرر کریں اور قیمت مقرر کرنے میں اس جگہ کا لحاظ ہے جہاں شکار کیا گیا ہے'اگر وہاں آبادی نہ ہو جنگل ہو تو اس کے قرب و جوار کا اعتبار ہے اب چاہے تو اس قیمت سے ہدی خرید کر مکہ میں ذبح کر دے اور چاہے کھانا خرید کر ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو تقسیم کر دے یا ہر مسکین کے کھانے کے عوض میں ایک ایک دن کا روزہ رکھ لے اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے اس کو خیرات کر دے اور چاہے اس کے بدلے میں ایک روزہ رکھ لے۔

قولہ قال محمد الخ امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک مماثلت ظاہری یعنی جزاء میں شکار کا ہم شکل ہونا ضروری ہے چنانچہ ان کے یہاں ہرن میں بکری'خرگوش میں بکری کا بچہ'شترمرغ میں اونٹ اھ واجب ہے کیونکہ ان کے یہاں آیت''فجزاء مثل ماقتل من النعم''کی تقدیر''فعليه جزاء من النعم مثل المقتول''ہے شیخین یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں مثل مطلق ہے اور مماثلت مطلقہ وہ ہے جو صورۃً اور معنیً ہر دو اعتبار سے مماثل ہو اور مماثلت مطلقہ بالاتفاق مراد نہیں۔لہذا مماثلت معنویہ متعین ہوگئی کیونکہ شرع میں یہی معہود ہے'چنانچہ حقوق العباد میں مماثلت معنوی کا اعتبار ہے نیز دوسری آیت''فاعتدوا عليه بمثل مااعتدىٰ عليكم''میں ضمان کی بابت مثل سے مراد بالاجماع قیمت ہے فلذا ہذا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَيْسَ	فِي	قَتْلِ	الْغُرَابِ	وَالحِدَاةِ	وَالذِّئْبِ	وَالْحَيَّةِ	وَالْعَقْرَبِ	وَالْفَارَةِ	وَالْكَلْبِ	الْعَقُورِ
نہیں	ہے	کوے'	چیل'	بھیڑیئے'	سانپ'	بچھو'	چوہے	اور	کاٹ کھانے	کتے کے مارنے

جَزَاءٌ	وَلَيْسَ	فِي	قَتْلِ	الْبَعُوضِ	وَالبَرَاغِيثِ	وَالْقُرَادِ	شَيْءٌ	وَمَنْ	قَتَلَ	قَمْلَةً	تَصَدَّقَ	بِمَا	شَاءَ
میں جزاء	اور نہیں ہے			کچھ مچھر'	پسو اور	چیچڑی کے مارنے میں'		جس نے	مار دی	جوں	تو صدقہ کرلے	جتنا	چاہے

وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصدَّقَ بِمَا شَاءَ وَتَمْرَةٌ [1] خَيرٌ مِنْ جَرَادَةٍ وَمَنْ قَتَلَ مَالا يُوكَلُ لَحْمُهُ
اور جس نے مار دی ٹڈی تو صدقہ کرے جتنا چاہے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے اگر مار ڈالے یر ماکول اللحم

مِنَ السِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَلَايَتَجَاوَزُ بِقِيْمَتِهَا شَاةٌ وَاِنْ صَالَ السَّبُعُ عَلٰى مُحْرِمٍ
درندے وغیرہ کو تو اس پر جزاء ہے جو قیمت میں ایک بکری سے نہ بڑھے گی اگر حملہ کیا درندہ نے محرم پر

فَقَتَلَهُ فَلَاشَيْءَ عَلَيْهِ وَاِنِ اضْطَرَّ الْمُحْرِمُ اِلٰى اَكْلِ لَحْمِ صَيْدٍ فَقَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ
پس محرم نے اس کو مار دیا تو اس پر کچھ نہیں، اگر مجبور ہو جائے محرم شکار کھانے پر اور شکار کرے تو اس پر جزاء ہے

جن جانوروں کے مارنے میں محرم پر کچھ نہیں

توضیح اللغۃ: غراب۔ کوا' حداۃ۔ چیل' ذئب۔ بھیڑیا' حیۃ۔ سانپ' عقرب۔ بچھو' فارۃ۔ چوہا' کلب عقور۔ کاٹ کھانے والا کتا' بعوض۔ جمع بعوضۃ' مچھر' براغیث۔ جمع برغوث' پسو' قراد۔ جمع قرادۃ' چیچڑی' قملۃ۔ جوں' جرادۃ۔ ٹڈی' سباع۔ جمع سبع' درندہ' صال (ن) صولاً۔ حملہ کرنا' اضطر' اضطرار۔ بیقرار ہونا۔

تشریح الفقہ قوله فی قتل الغراب الخ اگر محرم کوے یا چیل وغیرہ کو مار ڈالے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ "پانچ جانور ایسے ہیں کہ ان کو قتل کرنے سے محرم پر کوئی گناہ نہیں۔ بچھو' چوہا' کاٹ کھانے والا کتا' کوا' چیل [2]" روایت میں سانپ' حملہ آور جانور اور بھیڑیے کی بھی تصریح [3] ہے اور مچھر' پسو وغیرہ میں اس لیے کچھ نہیں کہ نہ یہ شکار ہیں نہ انسان کے بدن سے پیدا ہیں۔

فائدہ کوے کے مارنے میں کچھ نہیں خواہ نجاست خور ہو یا نجاست اور دانہ دونوں کھاتا ہو۔ بحر میں عقعق کوے کا بھی یہی حکم ہے کہ یہ بھی موذی ہے ہمیشہ جانور کی مبرز کو چونچ سے کھودتا ہے لیکن نہر اور معراج میں اس کے خلاف ہے اور ظہیریہ میں اس کی بابت دو روایتیں ہیں۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ صید میں داخل ہے لہذا جزاء واجب ہے۔

قوله والکلب الخ ابن ہمام نے کہا ہے کہ کلب میں ہر درندہ داخل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کے حق میں بد دعا کی تھی۔ اللهم سلط علیه کلبًا من کلابک الخ اور اس کو شیر نے پھاڑ کھایا تھا۔ پس بطریق دلالت النص اس سے درندہ کے مارنے کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔

قوله وان الضطر الخ اگر محرم بحالت مخمصہ بھوک کی شدت سے شکار کھانے پر مجبور ہو اور وہ شکار کر لے تو جزاء واجب ہے کیونکہ وجوب کفارہ نص قرآنی "فمن کان منکم مریضًا او به اذی من راسه ففدیة" سے ثابت ہے لہذا حالت اضطرار سے جزاء صید ساقط نہ ہوگی جیسے قصاص ساقط نہیں ہوتا۔

وَلَابَاْسَ بِاَنْ يَّذْبَحَ الْمُحْرِمُ الشَّاةَ وَالْبَقَرَةَ وَالْبَعِيْرَ وَالدَّجَاجَ وَالْبَطَّ الْكُسْكَرِيَّ وَاِنْ قَتَلَ
کوئی حرج نہیں اس میں کہ ذبح کرے محرم بکری یا گائے یا اونٹ یا بط سکری اگر مار دیا

حَمَامًا مُسَرْوَلاً اَوْظَبْيًا مُسْتَاْنِسًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَاِنْ ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيْحَتُهُ مَيْتَةٌ
پاموز کبوتر یا مانوس ہرن تو اس پر جزاء ہے اگر ذبح کیا محرم نے شکار تو اس کا ذبیحہ مردار ہے

[1] یہ ہو من قول عمرؓ ۱۲۔ [2] صحیحین عن ابن عمر ۱۲۔ [3] اما الحیۃ فصرح بہا مسلم واما الصائل فصرح بہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واما الذئب فصرح بہ ابوداؤد والدارقطنی ۱۲۔

لایحلُّ اَکلُھا وَلا بَاْسَ بِاَنْ یَاْ کُلَ الْمُحْرِمُ لَحْمَ صَیْدٍاِصْطادہٗ حلالٌ و ذبحہٗ اذا لَمْ یَدُلَّہٗ
اس کا کھانا درست نہیں کوئی حرج نہیں اس میں کہ کھائے محرم اس شکار کا گوشت جس کو کسی حلال آدمی نے شکار کیا ہو اور اسی نے ذبح کیا ہو جبکہ

الْمُحْرِمُ عَلَیْہِ وَلا اَمَرَہٗ بِصَیْدِہٖ وَ فِی صَیْدِ الْحَرَمِ اِذَا ذَبَحَہٗ الْحلالُ الْجزاءُ وَاِنْ قَطَعَ
نہ بتایا ہو محرم نے وہ شکار اور نہ شکار کرنے کا حکم کیا ہو حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے جزاء ہے اگر کاٹی

حَشِیْشَ الْحَرَمِ اَوْشَجَرَہٗ الَّذِیْ لَیْسَ بِمَمْلُوْکٍ وَّلا ھُوَمِمَّا یُنْبِتُہُ النَّاسُ فعلیْہِ قِیْمَتُہٗ وکُلُّ شَیْءٍ
حرم کی گھاس یا اس کا وہ درخت جو نہ کسی کا مملوک ہے اور نہ ان درختوں میں سے ہے جس کو لوگ بوتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت ہے

فَعَلَہٗ الْقارِنُ مِمَّا ذَکَرْ نَا اَنَّ فِیْہِ عَلَی الْمُفْرِدِدَمًا فَعَلَیْہِ دَمانِ دَمٌ لِحَجَّتِہٖ ودَمٌ ۔لِعُمْرَتِہٖ اِلاَّ
ہر وہ کام جو کرے قارن ان کاموں میں سے جن میں ذکر کیا ہے ہم نے کہ ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم ہیں ایک دم حج اور ایک دم عمرہ الا

اَنْ یَتَجَاوَزَ الْمِیْقاتَ مِنْ غَیْرِ اِحْرامٍ ثُمَّ یُحْرِمُ بِالْعُمْرَۃِ وَالْحَجِّ فیلْزَمُہٗ دَمٌ وَّاحِدٌ وَاِذا
یہ کہ بڑھ جائے میقات سے بلا احرام پھر احرام باندھے عمرہ اور حج کا کہ اس پر ایک ہی دم ہے جب

اشْتَرَکَ مُحْرِمَانِ فِی قَتْلِ صَیْدِ الْحَرَمِ فَعَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا الْجزاءُ کامِلاً وَاِذا اشْتَرَکَ
شریک ہوں دو محرم حرم کے شکار کرنے میں تو ان میں سے ہر ایک پر پوری جزاء ہے اور جب شریک ہوں

حَلالانِ فِیْ قَتْلِ صَیْدِ الْحَرَمِ فَعَلَیْھِما جزاءٌ وَّاحِدٌ وَاِذا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَیْدًا اَوابْتَاعَہٗ
دو حلال آدمی حرم کے شکار کرنے میں تو ان دونوں پر ایک ہی جزا ہے اگر بیچے محرم شکار یا خریدے

فَالْبَیْعُ بَاطِلٌ
تو یہ خرید وفروخت باطل ہے

تتمۂ احکام صید

توضیح اللغۃ : بقرہ۔ گائے' بعیر ۔ اونٹ' دجاج۔ مرغی' الکسکری۔ کسکری کی طرف منسوب ہے جو نواحی بغداد میں ایک جگہ ہے' حمام ۔ کبوتر' مسرول۔ جس کی ٹانگوں پر پر ہوں' ظبی ۔ ہرن' مستانس۔ مانوس' حشیش۔ گھاس۔

تشریح الفقہ قولہ وان قتل حماما الخ اگر محرم نے پاموز کبوتر یا مانوس ہرن ذبح کیا تو جزاء واجب ہے۔ امام مالک کے یہاں پاموز کبوتر صید نہیں کیونکہ وہ مانوس ہے وحشی نہیں۔ پس وہ بط کے حکم میں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وجوب جزاء میں اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہونے کا اعتبار ہے اور کبوتر اصل خلقت کے اعتبار سے وحشی ہے گو وہ اپنے بھاری پن کی وجہ سے زیادہ اڑ نہیں سکتا' رہا اس کا مانوس ہونا' سو وہ امر عارض ہے جس کا اعتبار نہیں۔

قولہ فذبیحتہ میتۃ الخ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار نہ اس کے لیے حلال ہے نہ غیر کے لیے امام شافعی کے نزدیک غیر کے لیے حلال ہے نیز احرام سے حلال ہو جانے کے بعد خود اس کے لیے بھی حلال ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب زکوٰۃ حقیقۃً موجود ہے تو لامحالہ وہ اپنا عمل کرے گی البتہ محرم نے چونکہ منہی عنہ فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اس بناء پر اس کے لیے عقوبۃً حرام ہے پس غیر کے حق میں اصل حالت باقی رہے گی' ہم یہ کہتے ہیں کہ محرم کے احرام نے شکار کو حلیت سے اور ذابح کو حلال کرنے کی اہلیت سے نکال دیا۔ پس اس کا فعل زکوٰۃ نہیں ہو سکتا۔ انعدام حلیت صید تو اس لیے

ہے کہ آیت "حرم علیکم صید البر" میں عین صید کو حرام فرمایا ہے اور انعدام اہلیت ذابح اس لیے ہے کہ آیت "لاتقتلوا الصید و انتم حرم" میں قتل سے تعبیر کیا گیا ہے نہ کہ ذبح سے

قوله اصطاده حلال الخ محرم کے لیے اس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے جس کو غیر محرم نے شکار کیا ہو اگر چہ محرم ہی کے واسطے کیا ہو بشرطیکہ محرم نے شکار نہ بتایا ہو نہ حکم کیا ہو نہ اعانت کی ہو۔ امام مالک وامام شافعی کے نزدیک محرم کے لیے وہ شکار جائز نہیں۔ جو غیر محرم نے محرم کے واسطے کیا ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ "تمہارے لیے شکار حلال ہے جب تک تم شکار نہ کرو یا تمہارے واسطے نہ کیا جائے[1]" ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی حدیث "هل اشرتم هل دللتم" ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ نے صرف اپنے واسطے شکار نہیں کیا بلکہ محرم اصحاب کے لیے بھی کیا تھا پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مباح فرمایا رہی حدیث مذکور سو اول تو وہ ضعیف ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی روایت میں مطلب بن حنطب ہے جس کے متعلق امام شافعی اور ترمذی نے صاف لکھا ہے کہ حضرت جابر سے اس کا سماع ہم کو معلوم نہیں۔ امام نسائی نے عمرو بن ابی عمرو کے متعلق کہا ہے کہ گو امام مالک نے اس سے روایت کی ہے مگر یہ قوی نہیں۔ طبرانی کی روایت میں یوسف بن خالد ہے جس کو بخاری، نسائی، شافعی اور ابن معین نے مغلظ الفاظ میں ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی کی روایت میں عثمان بن خالد ہے جس کے متعلق ابن عدی کا فیصلہ ہے کہ اس کی کل احادیث غیر محفوظ ہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو مطلب یہ ہے کہ جب محرم کے حکم سے شکار ہوا ہو تو حلال نہیں۔

قوله وانْ قطع الخ اگر کوئی شخص حرم کی گھاس یا اس کا درخت کاٹ دے تو اس پر قیمت واجب ہے۔ (الا یہ کہ وہ خشک ہو) بشرطیکہ وہ غیر مملوک ہو اور اس قسم کا نہ ہو جس کو لوگ عادۃً بوتے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قیامت تک نہ کاٹا جائے اس کا درخت اور نہ ستایا جائے یہاں کا شکار اور نہ کاٹی جائے یہاں کی گیلی گھاس[2]۔"

قوله وكل شئى فعله الخ ممنوعات احرام میں سے جن امور میں مفرد پر ایک خون واجب ہوتا ہے تو ان میں قارن پر دو خون واجب ہوں گے ایک حج کا دوسرا عمرہ کا کیونکہ ہمارے یہاں قارن دو احراموں کا محرم ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن ایک احرام کا محرم ہوتا ہے اس لیے ان کے یہاں قارن پر بھی ایک ہی خون واجب ہے[3]۔ ہاں اگر قارن احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھ جائے تو اس پر ایک ہی خون واجب ہے۔ کیونکہ جب اس نے احرام نہیں باندھا تو ابھی وہ قارن ہی نہیں ہوا۔

قوله فعليهما جزاء و احد الخ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں امر محرم احرام ہے جو متعدد ہے اور دوسرے مسئلہ میں امر محرم حرم ہے جو شئے واحد ہے۔ امام شافعی کے یہاں دونوں مسئلوں میں جزاء واحد ہے کیونکہ وہ اس ما وجب کو بدل محض مانتے ہیں اور ہمارے یہاں وہ کفارہ ہے نہ کہ بدل محض

بابُ الاحصَار

باب حج اور عمرہ سے رک جانے کے بیان میں

اِذَا اُحْصِرَ	الْمُحْرِمُ	بِعَدُوٍّ	اَوْ اَصَابَهٗ	مَرَضٌ	يَّمْنَعُهٗ	مِنَ	الْمُضِيِّ	جَازَلَهُ التَّحَلُّلُ

جب رک جائے محرم دشمن یا ایسی بیماری کی وجہ سے جو مانع ہو اس کے جانے سے تو جائز ہے اسے حلال ہو جانا

وَقِيْلَ لَهُ ابْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وَوَاعِدْ مَنْ يَّحْمِلُهَا يَوْمًا بِعَيْنِهٖ يَذْبَحُهَا فِيْهِ ثُمَّ تَحَلَّلَ

اور کہا جائے گا اس سے کہ بھیج دے ایک بکری جو ذبح کی جائے حرم میں اور وعدہ کرلے لے جانے والے سے خاص دن کا جس میں وہ ذبح کرے گا پھر ہو جائے گا

[1] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن حبان، عن جابر، طبرانی، ابن عدی عن ابی موسیٰ الاشعری، ابن عدی عن ابن عمر ۱۲۔

[2] ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ، صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔ [3] تفصیل باب القران میں گزر چکی ہے ۱۲۔

فَاِنْ كَانَ قَارِنًا بَعَثَ دَمَيْنِ وَلَايَجُوْزُ ذَبْحُ دَمِ الْاِحْصَارِ اِلَّا فِى الْحَرَمِ وَيَجُوْزُ ذَبْحُهٗ قَبْلَ

اب اگر یہ قارن ہو تو دو بکریاں بھیجے اور جائز نہیں دم احصار کو ذبح کرنا مگر حرم میں اور جائز ہے اس کو ذبح کرنا یوم نحر

يوم النحر عندأ بى حنيفة رحمه الله و قال لا يجوز الذبح للمحصر بالحج الا فى يوم النحو

سے پہلے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ذبح کرنا محصر بالحج کے لیے مگر یوم نحر میں

وَيَجُوْزُ لِلْمُحْصِرِ بِالْعُمْرَةِ اَنْ يَّذْبَحَ مَتٰى شَاءَ وَالْمُحْصِرُاِذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَّعُمْرَةٌ وَّعَلَى

اور جائز ہے محصر بالعمرہ کے لئے یہ کہ ذبح کرے جب چاہے اور محصر جب حلال ہو جائے تو اس پر حج اور عمرہ ہے اور

الْمُحْصِرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ وَاِذَا بَعَثَ الْمُحْصِرُ هَدْيًا وَوَاعَدَهُمْ

محصر بالعمرہ پر صرف عمرہ کی قضاء ہے اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے ہیں جب بھیج دی محصر نے ہدی اور وعدہ لے لیا اس

اَنْ يَّذْبَحُوْهُ فِىْ يَوْمٍ بِعَيْنِهٖ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ فَاِنْ قَدَرَعَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْىِ وَالْحَجِّ لَمْ يَجُزْ

کا کہ فلاں دن ذبح کریں گے پھر احصار جاتا رہا پس اگر وہ ہدی اور حج دونوں پانے پر قادر ہو تو جائز

لَهُ التَّحَلُّلُ وَلَزِمَهُ الْمُضِىُّ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْىِ دُوْنَ الْحَجِّ تَحَلَّلَ وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ

نہیں اس کے لئے حلال ہو جانا بلکہ جانا ہی لازم ہے اور اگر صرف ہدی پا سکتا ہو نہ کہ حج تو حلال ہو جائے اور اگر صرف حج پا سکتا ہو

الْحَجِّ دُوْنَ الْهَدْىِ جَازَلَهُ التَّحَلُّلُ اِسْتِحْسَانًا وَمَنْ اُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْوُقُوْفِ

نہ کہ ہدی تو جائز ہے حلال ہو جانا استحسانا جو شخص محصر ہو مکہ میں اس حال میں کہ وہ روک دیا گیا وقوف

وَالطَّوَافِ كَانَ مُحْصَرًا وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ اَحَدِ هِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصِرٍ

اور طواف سے تو وہ محصر ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کے کرنے پر قادر ہو تو وہ محصر نہیں ہے

توضیح اللغۃ: احصار۔ روک دینا' عدو۔ دشمن' تحلل۔ حلال ہونا' واعد۔ مواعدۃ سے امر حاضر ہے ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔

تشریح الفقہ: قوله باب الخ جنایات کے ذیل میں اب تک جن امور کا ذکر آیا ہے وہ اکثر وبیشتر واقع ہونے والے امور تھے اب ان امور کا بیان ہے جن کا وقوع نادر ہے یعنی احصار وفوات' یا یہ کہا جائے کہ ابواب سابقہ میں ان جنایتوں کا بیان تھا جو خود محرم اپنے اوپر کرے اور یہاں ان کا بیان ہے جو محرم پر کوئی دوسرا کرے پھر عذر احصار چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے سال پیش آیا ہے اس لیے اس کو مقدم کر رہے ہیں۔ احصار لغت میں مطلق روک دینے کو کہتے ہیں۔ علامہ طحطاوی نے امر غیر حسی کے ساتھ مقید مانا ہے کیونکہ امر حسی کے سبب سے روکنے کو حصر کہتے ہیں نہ کہ احصار' اصطلاح شرع میں احصار یہ ہے کہ دشمن یا مرض یا درندہ وغیرہ ادائیگی رکن سے روک دے خواہ رکن حج ہو یا عمرہ۔ امام شافعیؒ کے یہاں احصار صرف دشمن کے سبب سے ہوتا ہے کیونکہ آیت 'احصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور آپ دشمن ہی کی وجہ سے محصر تھے۔ سیاق آیت ''فاذا امنتم اھ'' بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ امن دشمن سے ہوتا ہے نہ کہ مرض سے ہم یہ کہتے ہیں کہ احصار مرض کے سبب سے ہوتا ہے اور حصر دشمن کے سبب سے ابوجعفر نحاس نے اس پر جمیع اہل لغت کا اجماع نقل کیا ہے اور آیت ''فان احصر تم اھ'' میں حصار ہے نہ کہ حصر۔ علاوہ ازیں اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصیت سبب کا' اور لفظ امان مرض میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''الزكام امان من الجذام.''

قوله اذا احصر المحرم الخ جو محرم کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے رک جائے اور حج نہ کر سکے تو اس کے لیے احرام سے حلال ہو جانا جائز

ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ مفرد بالحج ہے تو ایک بکری اور قارن تو بکریاں حرم بھیج دے جو اس کی طرف سے ذبح کی جائیں جب وہ ذبح ہو جائیں تو یہ حلال ہو جائے گا۔

قوله ولایجوز ذبح دم الاحصار الخ دم احصار کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ آیت ''**ولاتحلقوا رؤوسکم حتی یبلغ الهدیٰ محله**'' میں ہدی اپنے محل کے ساتھ مقید ہے اور محل ھدی حرم ہی ہے ہاں اس میں وقت کی تعیین نہیں۔ کیونکہ آیت میں ہدی محل کے ساتھ مقید ہے زمانہ کے ساتھ مقید نہیں آ صاحبین کے نزدیک محصر بالحج کے دم احصار کے لیے یوم نحر متعین ہے وہ اس کو ہدی متعہ اور ہدی قران پر قیاس کرتے ہیں۔

قوله والمحصر اذا تحلل الخ اگر محصر حج کے احرام سے حلال ہوا تو اس پر حج اور عمرہ لازم ہے حج فرض ہو یا نفل حج تو شروع کرنے کی وجہ سے اور عمرہ حلال ہونے کی وجہ سے کیونکہ یہ شخص فائت الحج کے معنی میں ہے اور فائت الحج عمرہ کے افعال کے ذریعہ حلال ہوتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں حج فرض کی صورت میں صرف حج لازم ہے اور حج نفلی کی صورت میں کچھ نہیں اور اگر عمرہ کے احرام سے حلال ہوا تو صرف عمرہ لازم ہے۔ امام مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ عمرہ میں احصار ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ عمرہ کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب عمرہ کے لیے نکلتے تھے اور کفار قریش نے آپ کو روک دیا تھا۔ تو آپ نے آئندہ سال عمرہ کی قضا کی تھی[1]۔ اور اگر قران کے احرام سے حلال ہوا تو اس پر حج وعمرہ کے ساتھ ساتھ ایک اور عمرہ قران کی وجہ سے لازم ہے۔

قوله ثم زال الاحصار الخ اگر ہدی روانہ کرنے کے بعد محصر کا احصار زائل ہو جائے تو اب چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ حج اور ہدی ہر دو پانے پر قادر ہو۔ ۲۔ دونوں پر قادر نہ ہو۔ ۳۔ فقط ہدی پر قادر ہو۔ ۴۔ فقط حج پر قادر ہو میں حج کے لیے جانا ضروری ہے۔ ہدی بھیج کر احرام سے حلال ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل کی ادائیگی پر قادر ہو گیا۔ لہذا بدل کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۲۔ ۳۔ میں جانا بے سود ہے۔ اور ۴۔ میں حلال ہو جانا استحسانا جائز ہے پھر امام صاحب کے نزدیک یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز ہے لہذا ادراک حج بلا ادراک ہدی ممکن ہے اور صاحبین کے نزدیک یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز نہیں اس لیے ان کے نزدیک ارزاں حج کو ادراک ہدی لازم ہے۔

بابُ الفَواتِ

باب حج نہ ملنے کے بیان میں

وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَفَاتَهُ الْوُقُوْفُ بِعرفَة حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَّوْمِ النَّحْرِ

جس نے احرام باندھا حج کا اور فوت ہو گیا اس سے وقوف عرفہ یہاں تک کہ طلوع ہو گئی یوم نحر کی فجر

فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ وَعَلَيْهِ اَنْ يَّطُوْفَ وَيَسْعٰى وَ تَحَلَّلَ وَيَقْضِى الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ وَّلَا دَمَ عَلَيْهِ

تو فوت ہو گیا اس کا حج اور اس پر لازم ہے کہ طواف و سعی کرے اور حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے اور اس پر دم نہیں

وَالْعُمْرَةُ لَاتَفُوْتُ وَ هِىَ جَائِزَةٌ فِى جَمِيْعِ السَّنَةِ اِلَّا خَمْسَةَ اَيَّامٍ يُّكْرَهُ فِعْلُهَا فِيْهَا يَوْمَ عَرَفَةَ وَ

اور عمرہ فوت نہیں ہوتا عمرہ جائز ہے پورے سال سوائے پانچ ایام کے کہ ان میں عمرہ کرنا مکروہ ہے یعنی یوم عرفہ اور

يَوْمَ النَّحْرِ وَ اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ وَهِىَ الْاِحْرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْىُ

یوم نحر اور ایام تشریق میں اور عمرہ سنت ہے جو احرام اور طواف و سعی کا نام ہے

[1] صحیحین طحاوی عن ابن عمر بخاری عن ابن عباس ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ صاحب کتاب نے باب الفوت کو باب الاحصار سے مؤخر کیا ہے' اس واسطے کہ فوات میں احرام اور اداء دو چیزیں ہیں اور احصار میں صرف احرام اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہی ہے۔ کذا فی البنایہ۔

قولہ ومن احرم الخ جس شخص سے وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ فرض ہو یا نذر و نفل' صحیح ہو یا فاسد' اب اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام سے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے خون دینا واجب نہیں کیونکہ حدیث میں اسی کا حکم ہے[1]۔ پس امام شافعی و امام مالک جو وجوب دم کے قائل ہیں۔ نیز امام مالک سے جو یہ مروی ہے کہ آئندہ سال کے وقوف عرفہ تک محرم ہی رہے' دلیل کی رو سے ضعیف ہے۔

قولہ والعمرۃ لاتفوت الخ عمرہ فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا وقت معین نہیں۔ پورے سال میں جب چاہے کر سکتا ہے لیکن افضل وقت رمضان ہے اور یوم عرفہ' یوم نحر اور ایام تشریق میں مکروہ ہے حدیث[2] سے یہی مفہوم ہوتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ایام میں ابتداء احرام کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اگر احرام سابق سے ادا کرے تو مکروہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص قارن تھا اس کا حج فوت ہو گیا اور اس نے ان ایام میں عمرہ کر لیا تو یہ مکروہ نہیں۔

قولہ والعمرۃ سنۃ الخ عمرہ بعض کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک فرض کفایہ ہمارے اور امام مالک کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ امام شافعی کے قول قدیم میں تطوع ہے اور قول جدید میں فرض ہے۔ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "فریضہ حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے[3]۔" اس معنی میں اور بہت سی روایات ہیں۔ مگر سب ضعیف ہیں۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ "حج فریضہ ہے اور عمرہ نفل[4] ہے۔" اس کا غیر موقت ہونا اور بہ نیت حج ادا ہو جانا بھی نفل ہونے کی دلیل ہے۔

بَابُ الْهَدْیِ

باب ہدی کے بیان میں

اَلْهَدْیُ اَدْنَاهُ شَاةٌ وَّهُوَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ مِّنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ يُجْزِئُ

ہدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے اور وہ تین جانوروں سے ہوتی ہے اونٹ' گائے' بکری' کافی ہے

فِیْ ذٰلِکَ کُلِّهٖ الثَّنِیُّ فَصَاعِدًا اِلَّا مِنَ الضَّاْنِ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ فِيْهِ وَلَا يَجُوْزُ فِی الْهَدْیِ

ان سب میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا مگر دنبہ کو اس کا جذع بھی کافی ہے اور جائز نہیں ہدی میں

مَقْطُوْعُ الْاُذُنِ وَلَا اَكْثَرِهَا وَلَا مَقْطُوْعُ الذَّنَبِ وَلَا مَقْطُوْعُ الْيَدِ وَلَا الرِّجْلِ وَلَا ذَاهِبَةُ

پورے یا اکثر کان کٹا ہوا اور نہ دم کٹا ہوا نہ ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا نہ آنکھ

الْعَيْنِ وَلَا الْعَجْفَاءُ وَلَا الْعَرْجَاءُ الَّتِیْ لَا تَمْشِیْ اِلَی الْمَنْسَکِ وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِیْ كُلِّ شَیْءٍ اِلَّا فِیْ

پھوٹا ہوا نہ انتہائی دبلا نہ اتنا لنگڑا جو نہ جا سکے مذبح تک' اور بکری جائز ہے ہر جنایت میں سوائے

مَوْضِعَيْنِ مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا وَ مَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَاِنَّهٗ

دو جگہوں کے ایک یہ کہ طواف زیارت کرے بحالت جنابت اور ایک یہ کہ صحبت کرے وقوف عرفہ کے بعد کہ ان میں

[1] دار قطنی' ابن عدی عن ابن عمر' دار قطنی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] بیہقی عن عائشہ ۱۲۔ [3] حاکم' دار قطنی' بیہقی عن زید بن ثابت' ترمذی' ابن حبان' حاکم' دار قطنی عن ابن رزین' بیہقی' ابن عدی عن جابر' ابن ماجہ' احمد عن عائشہ' دار قطنی عن عمرو بن حزم (بالفاظ مختلفہ) ۱۲۔ [4] ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود' ابن ماجہ عن طلحہ' ترمذی' دار قطنی' بیہقی' طبرانی' ابن عدی عن جابر ۱۲۔

لَايَجُوزُ فِيهِمَا اِلَّا بَدَنَةٌ

جائز نہیں مگر بدنہ۔

توضیح اللغۃ: ہدی۔قربانی کا جانور،شئی۔اونٹ جو چھٹے سال میں اور گائے جو تیسرے سال میں اور بکری جو دوسرے سال میں لگ جائے،ضان دنبہ،جذع۔چھ ماہہ،اذن۔کان،ذنب۔دم،عجفا۔دربل،عرجا۔لنگڑا،منسک۔مذبح،جنبا۔ناپاکی کی حالت میں۔

تشریح الفقہ قولہ باب الخ تمتع،قران،احصار،جزاء صید،جنایات وغیرہ کے ذیل میں متعدد مرتبہ ہدی کا ذکر آیا ہے۔اس کو بیان کرنا بھی ضروری تھا۔پھر امور مذکورہ اسباب ہیں اور ہدی مسبب اور مسبب سبب کے بعد ہی ہوتا ہے اس لیے یہاں ہدی کو بیان کر رہے ہیں۔لفظ ہدی میں دال کا کسرہ مع تشدید یاء اور دال کا سکون مع تخفیف یاء دونوں لغتیں فصیح ہیں،اس جانور کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے حرم محترم میں بھیجا جائے۔اس کی ادنیٰ قسم ایک سالہ بکری یا بھیڑ یا دنبہ ہے اور اوسط قسم دو سال کی گائے یا بیل ہے اور اعلیٰ قسم پانچ برس کا اونٹ ہے البتہ دنبہ اگر خوب فربہ ہو تو وہ چھ مہینے کا بھی جائز ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے''لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان[1]''

قولہ والشاۃ جائزۃ الخ باب حج میں جہاں کہیں خون واجب ہو تو بکری کافی ہے سوائے بحالت جنابت طواف زیارت کرنے اور وقوف عرفہ کے بعد حلق سے پہلے وطی کرنے میں کہ ان میں اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ جنابت عظیم ہے لہذا جابر بھی عظیم ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْبَدَنَةُ وَالْبَقَرَةُ يُجْزِئُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَنْ سَبْعَةِ اَنْفُسٍ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الشُّرَكَاءِ

اور اونٹ گائے میں سے ہر ایک کافی ہو سکتی ہے سات آدمیوں کی طرف سے جبکہ ہو ان ساتوں شریکوں کی

يُرِيدُ الْقُرْبَةَ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُهُمْ بِنَصِيبِهِ اللَّحْمَ لَمْ يَجُزْ لِلْبَاقِينَ عَنِ الْقُرْبَةِ وَيَجُوزُ الْاَكْلُ

نیت قربانی کی اگر ان میں سے کوئی اپنے حصہ سے گوشت کا ارادہ کرے تو اوروں کی بھی قربانی نہ ہو گی اور کھانا جائز ہے

مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَلَا يَجُوزُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ هَدْيِ

نفلی، تمتع اور قران کی ہدی میں سے اور جائز نہیں باقی ہدیوں سے اور جائز نہیں ذبح کرنا

التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ اِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ وَيَجُوزُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا فِي اَيِّ وَقْتٍ شَاءَ وَ

نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کو مگر حرم میں اور جائز ہے یہ کہ صدقہ کرے ان کا گوشت مساکین حرم وغیرہ پر اور

لَايَجُوزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا اِلَّا فِي الْحَرَمِ وَيَجُوزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهَا عَلَى مَسَاكِينِ الْحَرَمِ وَغَيْرِهِمْ وَ

جائز نہیں ہدیوں کو ذبح کرنا مگر حرم میں اور جائز ہے یہ کہ صدقہ کرے ان کا گوشت مساکین حرم وغیرہ پر اور

لَايَجِبُ التَّعْرِيفُ بِالْهَدَايَا وَالْاَفْضَلُ بِالْبُدْنِ النَّحْرُ وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ وَالْاَوْلَى اَنْ

ضروری نہیں ہدایا کی تعریف، اور افضل اونٹوں میں نحر ہے اور گائے اور بکری میں ذبح، اور بہتر یہ ہے

يَتَوَلَّى الْاِنْسَانُ ذَبْحَهَا بِنَفْسِهِ اِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذٰلِكَ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا يُعْطِي اُجْرَةَ

کہ آدمی خود ذبح کرے اپنی قربانیوں کو جبکہ وہ اچھی طرح کر سکتا ہو اور خیرات کر دے ان کی جھولیں اور نکیلیں اور نہ دے قصاب

الْجَزَّارِ مِنْهَا وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطُرَّ اِلَى رُكُوبِهَا رَكِبَهَا وَاِنِ اسْتَغْنٰى عَنْ ذٰلِكَ لَمْ يَرْكَبْهَا وَاِنْ

کی مزدوری اس سے جو شخص بدنہ لے جائے پھر ضرورت ہو اس کو سواری کی تو سوار ہو جائے اس پر اور اگر مستغنی ہو اس سے تو اس پر سوار نہ ہو اگر

[1] مسلم ابوداؤد ونسائی ۱۲۔

كَانَ لَهَالَبَنٌ لَمْ يَحْلِبْهَا وَلٰكِنْ يَنْضِحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتّٰى يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ وَمَنْ سَاقَ هَدْيًا
اس کے دودھ ہو تو نہ دوہے بلکہ چھڑک دے اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی تاکہ خشک ہو جائے دودھ۔ کسی نے ہدی روانہ کی

فَعَطَبَ فَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ وَاِنْ كَانَ عَنْ وَّاجِبٍ فَعَلَيْهِ اَنْ يُّقِيْمَ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ
اور وہ ہلاک ہو گئی پس اگر یہ نفلی تھی تو دوسری واجب نہیں اور اگر واجب تھی تو اس کی جگہ دوسری واجب ہے

وَاِنْ اَصَابَهٗ عَيْبٌ كَثِيْرٌ اَقَامَ غَيْرَهٗ مَقَامَهٗ وَصَنَعَ بِالْمَعِيْبِ مَاشَاءَ وَاِذَا عَطَبَتِ الْبُدْنَةُ فِي الطَّرِيْقِ
اگر اس میں غیر معمولی عیب آ گیا تو دوسری اس کے قائم مقام کرے اور عیب دار کا جو چاہے کرے جب ہلاک ہو جائے بدنہ راہ میں

فَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا وَلَمْ يَاْكُلْ مِنْهَا هُوَوَلَاغَيْرُهٗ
اور ہو وہ نفلی تو اسے نحر کر دے اور اس کے کھروں کو اس کے خون میں رنگ دے اور اس کے شانہ پر مار دے اور اس کا گوشت نہ خود کھائے نہ کوئی مالدار

مِنَ الْاَغْنِيَاءِ وَاِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً اَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَاشَاءَ وَيُقَلَّدُ هَدْىَ التَّطَوُّعِ
اور اگر وہ واجبی ہو تو اس کے قائم مقام دوسرا بدنہ کرے اور پہلے بدنہ کا جو چاہے کرے اور قلادہ ڈالا جائے نفلی

وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَلَا يُقَلَّدُ دَمَ الْاِحْصَارِ وَلَادَمَ الْجِنَايَاتِ
تمتع اور قران کی ہدی کے اور نہ ڈالا جائے دم احصار اور دم جنایات کے

ہدی کے باقی مسائل

توضیح اللغۃ: انفس۔ جمع نفس، نصیب، حصہ، ہدایا۔ جمع ہدیہ مؤنث ہدی، تعریف، ہدی کے جانور کو عرفات کی طرف لے جانا۔ بدن۔ جمع بدنہ، جلال۔ جمع جل، جھول، خطام، نکیل، جزار۔ قصاب، لبن۔ دودھ، لم تحلبھا حلبًا۔ دودھ دوہنا، ینضح نضحًا۔ چھڑکنا، ضرع۔ تھن، بارد۔ ٹھنڈا، عطب عطبًا۔ ہلاک ہونا، معیب۔ عیب دار، صبغ صبغًا۔ رنگنا، صفحۃ۔ جانب۔ پہلو، اغنیا۔ جمع غنی، مالدار۔

تشریح الفقہ: **قوله ولا يجوز الاكل** الخ ہدی نفل و متعہ اور ہدی قران کا گوشت کھانا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[1]۔ ان کے علاوہ کسی اور ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ اگر کھائے گا تو کھانے کے بعد قیمت لازم ہو گی کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے[2]۔ نیز نفل ہدی کو اگر حرم بھیجنے سے قبل ذبح کیا تو اس کا گوشت کھانا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے ہدی نہیں ہے (کذا فی المنح)

قولہ ولا یجوز ذبح ہدی التطوع الخ ہدی متعہ و ہدی قران اور بروایت صاحب کتاب ہدی تطوع کے ذبح کے لیے یوم نحر متعین ہے۔ اس سے قبل ذبح کرنا جائز نہیں۔ یوم سے مراد مطلق وقت ہے پس جمیع اوقات نحر ۱۰۔۱۱۔۱۲۔ کو ذبح کر سکتا ہے، ان کے علاوہ دم جنایت، دم نذر، دم احصار (امام صاحب کے نزدیک) ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں جس وقت چاہے ذبح کر سکتا ہے لیکن جگہ کے لحاظ سے ہر ہدی حرم کے ساتھ مخصوص ہے۔ **لقوله تعالى "هديًا بالغ الكعبه ا هـ" ثم محلها الى البيت العتيق"** اور ہدی کا گوشت فقراء حرم پر صدقہ کرنا ضروری نہیں۔ جس غریب کو چاہے دے سکتا ہے لیکن افضل یہی ہے کہ حرم کے فقراء پر صدقہ کرے البتہ امام شافعی کے نزدیک غیر فقراء حرم پر صدقہ کرنا جائز نہیں۔

تنبیہ مبسوط اور طحطاوی وغیرہ میں ہے کہ ہدی تطوع کو یوم نحر سے قبل ذبح کرنا جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے یہ اور بات ہے کہ یوم نحر میں ذبح کرنا افضل ہے پس صاحب کتاب نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ ہدی تطوع کو یوم نحر میں ذبح کرنا ضروری ہے یہ روایت مرجوح ہے۔

---

[1] مسلم عن جابر، احمد، ابن راہویہ عن ابن عباس ۱۲۔ [2] مسلم، ابن ماجہ عن ابی قبیصۃ، مسلم، ابن حبان، ابوداؤد عن ابن عباس، احمد، طبرانی عن عمرو بن خارجۃ الثمالی ۱۲۔

قوله ولایجوز ذبح الهدایا الخ خون چار قسم کے ہیں۔ اول وہ جو زمان و مکان (یوم نحر و حرم) ہر دو کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم متعہ دم قران دم احصار صاحبین کے نزدیک) ۲۔ دوم وہ جو صرف جگہ کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم احصار (امام صاحب کے نزدیک) دم تطوع (بروایت اصل) ۳۔ سوم وہ جو صرف وقت کے ساتھ خاص ہیں جیسے دم اضحیہ ۴۔ چہارم وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسے دم نذر (طرفین کے نزدیک)۔

قوله ولایجب التعریف الخ اور ہدی کو عرفات لے جانا واجب نہیں کیونکہ مقصود بذریعہ ذبح قربت ہے نہ کہ تعریف امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حل سے لیا گیا ہو تو تعریف واجب ہے۔

قوله ولایتصدق الخ ہدی کے جانور کی جھول اور نکیل خیرات کر دے اور اس کے گوشت سے قصاب کو مزدوری نہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یہی حکم فرمایا تھا[1] اور ہدی پر بلاضرورت سوار نہ ہو۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہدی پر سوار ہو دستور کے مطابق جب تک کہ تجھ کو ضرورت ہو[2]" معلوم ہوا کہ بلاضرورت سوار ہونا جائز نہیں۔ نیز ہدی کا دودھ بھی نہ دوہے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا مار دے تا کہ دودھ ٹپکنا بند ہو جائے۔

كِتَابُ البُيُوع

کتاب خرید و فروخت کے بیان میں

اَلْبَیْعُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَالْقُبُوْلِ اِذَا کَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِیْ وَاِذَا اَوْجَبَ

بیع منعقد ہو جاتی ہے ایجاب و قبول سے جبکہ ہوں یہ دونوں ماضی کے لفظ سے اور جب ایجاب

اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ الْبَیْعَ فَالْاٰخَرُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ قَبِلَ فِی الْمَجْلِسِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ فَاَیُّهُمَا

کر دیا متعاقدین میں سے ایک نے بیع کا تو دوسرے کو اختیار ہے چاہے قبول کر لے اسی مجلس میں اور چاہے لوٹا دے پس جو بھی

قَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقُبُوْلِ بَطَلَ الْاِیْجَابُ فَاِذَا حَصَلَ الْاِیْجَابُ وَالْقُبُوْلُ لَزِمَ

اٹھ کھڑا ہو مجلس سے قبل از قبول تو باطل ہو جائے گا ایجاب جب حاصل ہو جائے ایجاب اور قبول تو لازم ہو جائے

الْبَیْعُ وَلَاخِیَارَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا اِلَّامِنْ عَیْبٍ اَوْ عَدَمِ رُؤْیَةٍ

گی بیع اور اختیار نہ ہو گا ان میں سے کسی کو مگر عیب یا نہ دیکھنے کی وجہ سے

تشریح الفقہ : **قوله کتاب البیوع** الخ صاحب کتاب عبادات سے فراغت کے بعد معاملات کو شروع کر رہے ہیں اور احکام نکاح کو مؤخر کیونکہ معاملات بالخصوص خرید و فروخت کی سب کو ضرورت ہے بچہ ہو یا بڑا مرد ہو یا عورت صاحب ہدایہ وغیرہ نے نکاح کو مقدم کیا بایں معنی کہ نکاح بھی عبادت ہے بلکہ نفلی عبادتوں سے بھی افضل ہے ولکل وجهة۔

بیوع بیع کی جمع ہے جو مصدر ہے اور مصدر کو تثنیہ و جمع نہیں لایا جاتا۔ مگر چونکہ اس کی متعدد انواع ہیں۔ اس لیے صاحب کتاب نے جمع کا صیغہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ بیع کی چار قسمیں ہیں۔ نافذ موقوف فاسد باطل اور مبیع کے اعتبار سے بھی چار قسمیں ہیں کیونکہ مبیع عین ہو گی یا دین جس کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ بیع العین بالعین اس کو مقایضہ کہتے ہیں۔ ۲۔ بیع الدین بالدین اس کو صرف کہتے ہیں۔ ۳۔ بیع الدین بالعین اس کو سلم کہتے ہیں۔ ۴۔ بیع العین بالدین۔ اس کو بیع مطلق کہتے ہیں۔ عام طور سے یہی قسم رائج ہے او وعند الاطلاق یہی متبادر ہوتی ہے۔ نیز ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی چار

[1] ائمہ ستہ غیر الترمذی ۱۲ [2] مسلم عن جابر ۱۲۔

قسمیں ہیں کیونکہ بیع یا تو ثمن اول سے زائد پر ہوگی اسی کو مرابحہ کہتے ہیں یا ثمن اول کے برابر ہوگی' اسی کو تولیہ کہتے ہیں یا ثمن اول سے کمتر پر ہوگی اسی کو وضعیہ کہتے ہیں یا بلا تفاوت ثمن اول پر ہوگی' جس پر بائع و مشتری کا اتفاق ہو گیا ہو' اسی کو مساومہ کہتے ہیں۔

قولہ البیع الخ لفظ بیع از قبیل اضداد ہے یعنی خرید و فروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ یقال بعت زید الدار' کبھی مفعول اول پر بغرض تاکید کلمہ من یا لام داخل کر دیتے ہیں فیقال بعت من زید الدار' بعتہ لک' نیز کلمہ علی کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے' یقال باع علیہ القاضی یعنی قاضی نے اس کا مال اس کی رضاء کے بغیر فروخت کر دیا' لغت میں بیع کے معنی مبادلہ و مقابلہ شئی بالشئی ہیں' خواہ وہ شئے مال ہو یا نہ ہو۔ قال تعالیٰ "وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ" چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے اس لیے آپ پر مال کا اطلاق نہیں ہو سکتا و قال الشاعر ؎

مابعتکم مھجتی الا بوصلکم

ولا اسلمھا الایدًا بید

معلوم ہوا کہ لغوی بیع میں مال ہونا شرط نہیں' شریعت میں بیع آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو کہتے ہیں۔

قولہ ینعقد الخ متعاقدین کی جانب سے ایجاب و قبول متحقق ہو جانے کے بعد بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو' اس کو ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول' پھر جو لفظ بعت اور اشتریت کے معنی پر دال ہو وہ ایجاب و قبول ہے خواہ وہ دونوں ماضی ہوں جیسے بائع نے کہا بعت' اعطیت' بذلت' رضیت' جعلت لک ہذا بکذا' ہو لک' ہو عبدک وغیرہ اور مشتری نے کہا اشتریت' اخترت' قبلت' اجزت' اخذت' قد فعلت وغیرہ یا دونوں حال ہوں جیسے ابیعک اور اشتریہ یا ایک ماضی ہو اور ایک حال ہو۔ بہر حال انعقاد بیع کسی خاص لفظ پر منحصر نہیں بلکہ جب تملیک و تملک کے معنی حاصل ہوں گے تو بیع کا حکم ثابت ہو جائے گا بخلاف طلاق و عتاق کے کہ ان میں معنی کا اعتبار نہیں بلکہ وہ الفاظ معتبر ہوتے ہیں جو ان کے واسطے صراحتہً یا کنایۃً موضوع ہیں۔

قولہ اذا کانا بلفظ الماضی الخ صاحب کتاب کی طرح صاحب ہدایہ و صاحب کنز نے بھی ماضی ہونے کی قید لگائی ہے۔ مگر یہ قید صرف امر کو اور اس مضارع کو خارج کرنے کے لیے جو سین اور سوف کے ساتھ مقرون ہو کہ اس سے بیع صحیح نہیں ہوتی۔ شرنبلالیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے بلکہ صیغہ امر اگر حال پر دال ہو۔ مثلاً بائع کہے خذ بکذا اور مشتری کہے اخذتہ تو اس سے بھی بیع صحیح ہو جاتی ہے مگر بطریق اقتضاء۔

قولہ فایھما قام الخ احد المتعاقدین کے ایجاب کے بعد اگر ان میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہو تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ تملیکات میں اختلاف مجلس سے اختیار ختم ہو جاتا ہے اور مجلس کا اختلاف ہر اس عمل سے ثابت ہوتا ہے جو اعراض پر دال ہو جیسے اٹھ کھڑا ہونا۔ کھانا پینا' کلام کرنا' نماز پڑھنے لگنا وغیرہ۔ البتہ ایک آدھ لقمہ کھانا یا اس برتن سے ایک آدھ گھونٹ پینا جو بوقت ایجاب اس کے ہاتھ میں تھا یا فرض نماز کو پورا کرنا جو شروع کیے ہوئے تھا' مجلس کو نہیں بدلتا۔

قولہ فاذا حصل الخ ایجاب و قبول متحقق ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے اور متعاقدین میں سے کسی کو خیار عیب و خیار رؤیت کے علاوہ کسی طرح نقض بیع کا اختیار نہیں رہتا۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی و احمد کے یہاں ہر ایک کو بقاء مجلس تک اختیار رہتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے "المتبائعان بالخیار مالم یتفرقا[1]" کہ بائع و مشتری مختار ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔ جواب یہ ہے کہ اس میں تفریق ابدان یا تفریق مجلس مراد نہیں۔ بلکہ تفرق اقوال مراد ہے یعنی ایجاب کے بعد دوسرے کا یہ کہنا کہ میں نہیں خریدتا یا قبول کرنے سے پہلے موجب کا یہ

---

[1] ائمہ ستہ عن ابن عمر (بالفاظ مختلفہ) الجماعۃ الا ابن ماجہ عن حکیم بن حزام' ابو داؤد' ترمذی' نسائی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص' ابن ماجہ' نسائی عن سمرہ' ابو داؤد' ابن ماجہ عن ابی برزہ ۱۲۔

کہنا کہ میں فروخت نہیں کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث میں متعاقدین کو متبائعان کہا گیا ہے اور اس کا حقیقی اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک نے ایجاب کیا ہو اور دوسرے نے ابھی قبول نہ کیا ہو، ایجاب وقبول سے پہلے ان کو متبائعان کہنا اسی طرح عقد تمام ہو جانے کے بعد متبائعان کہنا مجاز ہے۔ پس حقیقت پر محمول کرنا بہتر ہے تاکہ نصوص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

وَالْاَ عْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَيْهَا لَايُحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِ هَا فِىْ جَوَازِ الْبَيْعِ وَالْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ

جن عوضوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہو تو ضرورت نہیں ان کی مقدار معلوم کرانے کی بیع کے درست ہونے میں اور اثمان مطلقہ کے ساتھ

لَا تَصِحُّ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ

درست نہیں الا یہ کہ معلوم ہو اس کی مقدار اور صفت

شروط بیع کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ والا عواض الخ اگر مبیع وثمن غیر مشار ہوں تو مبیع کی مقدار اور وصف کا اسی طرح ثمن کے وصف کا معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہو گی کیونکہ بیع میں تسلیم وتسلم ضروری ہے اور مقدار وصف کا غیر معلوم ہونا باعث نزاع ہے لیکن اگر بیع اور ثمن کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو ان کا معلوم ہونا ضروری نہیں کیونکہ اس صورت میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے، پس اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے گیہوں کے اس ڈھیر کو ان درہموں کے عوض فروخت کر دیا جو تیرے ہاتھ میں ہیں اور مشتری قبول کر لے تو بیع درست ہے۔

فائدہ انعقاد وصحت، نفاذ ولزوم کے لحاظ سے بیع کے لیے بہت سی شرطیں ہیں ہم یہاں بغرض افادہ اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں تاکہ آگے چل کر فہم مسائل میں دشواری نہ ہو، سو جاننا چاہیے کہ شروط انعقاد چار طرح کی ہیں۔ اول وہ جن کا عاقدین میں ہونا ضروری ہے۔ دوم وہ جن کا نفس عقد میں ہونا ضروری ہے۔ سوم وہ جن کا مکان عقد میں ہونا ضروری ہے۔ چہارم وہ جن کا معقود علیہ میں ہونا ضروری ہے، پس عاقد کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ عاقل ہونا، پس دیوانے اور غیر عاقل بچہ کی بیع منعقد نہ ہو گی۔ ۲۔ متعدد ہونا، تو جانبین کے وکیل کی بیع منعقد نہ ہو گی[1] نفس عقد کے لیے یہ شرط ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو یعنی بائع نے مبیع کا ایجاب جس چیز کے عوض میں کیا ہے مشتری اس کو اسی کے عوض میں قبول کرے اگر اس کے خلاف کیا تو تفرق صفقہ کی وجہ سے بیع منعقد نہ ہو گی۔ مکان عقد کے لیے شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو، اگر مجلس مختلف ہو تو بیع منعقد نہ ہو گی۔ معقود علیہ کے لیے چھ شرطیں ہیں ۱۔ موجود ہونا ۲۔ مال ہونا ۳۔ قیمتی ہونا ۴۔ فی نفسہ مملوک ہونا ۵۔ بائع کی ملک ہونا[2] ۶۔ مقدور التسلیم ہونا، نفاذ کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ ملک یا ولایت کا ہونا ۲۔ مبیع میں بائع کے علاوہ دوسرے کا حق نہ ہونا، شروط صحت دو طرح کی ہیں۔ عامہ اور خاصہ۔ شروط عامہ یہ ہیں۔ ۱۔ موقت نہ ہونا ۲۔ مبیع کا معلوم ہونا ۳۔ ثمن کا معلوم ہونا ۴۔ مفسد عقد شرطوں سے خالی ہونا ۵۔ بیع سے کسی فائدہ کا حاصل ہونا ۶۔ مشتریٰ منقول اور دین کی بیع میں قبضہ کا ہونا ۷۔ مبادلہ قولیہ میں بدلہ قولیہ میں بدل کا مسمی ہونا ۸۔ اموال ربویہ میں بدلین کے درمیان مماثلت کا ہونا ۹۔ شبہ ربوا سے خالی ہونا ۱۰۔ بیع سلم میں شروط سلم کا پایا جانا ۱۱۔ بیع صرف میں قبل الافتراق قبضہ کا ہونا ۱۲۔ بیع مرابحہ، تولیہ، اشتراک وضعیہ میں ثمن اول کا معلوم ہونا، انعقاد ونفاذ کے بعد شرط لزوم یہ ہے کہ خیار شرط، خیار عیب وغیرہ ہر قسم کے خیار سے خالی ہو۔

قولہ والا ثمان المطلقہ الخ اثمان مطلقہ کے ساتھ بیع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً بائع کہے کہ میں نے یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کی، جو بھی اس کی قیمت ہو تو جب تک بائع اس کی قیمت متعین نہ کر دے بیع درست نہ ہو گی۔

[1] الا فی الاب ووصیہ والقاضی ۱۲۔ [2] فیما یبیعہ لنفسہ ۱۲۔

وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍ وَمُؤَجَّلٍ اِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْمًا وَمَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِي الْبَيْعِ
جائز ہے بیع نقد اور ادھار ثمن کے ساتھ جبکہ مدت معین ہو جس نے مطلق چھوڑ دیا ثمن کو بیع میں

كَانَ عَلٰى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَحَدَهَا
تو محمول ہو گا شہر میں رائج ہونے والے سکہ پر اگر سکے مختلف رائج ہوں تو بیع فاسد ہو گی الایہ کہ بیان کر دے کسی ایک کو

وَيَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايَلَةً وَمُجَازَفَةً وَبِانَاءٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ
جائز ہے بیع ہر قسم کے غلہ کی پیمانہ سے اور اٹکل سے اور ایسے معین برتن

اَوْبِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ
اور معین پتھر سے جن کی مقدار معلوم نہ ہو

توضیح اللغۃ: حال۔حول سے مشتق ہے بمعنی نقد' اجل۔مدت' نقود۔جمع نقد' سکہ' حبوب۔جمع حب' دانہ' مکایلۃ۔کیل کر کے' مجازفتہ۔اندازہ سے' اناء۔برتن' حجر۔پتھر۔

تشریح الفقہ: قولہ بثمن حال الخ بیع ثمن حال اور ثمن موجل دونوں کے ساتھ صحیح ہے۔اول تو اس لیے کہ مقتضی عقد یہی ہے کہ ثمن فی الفور ہو۔دوم اس لیے کہ آیتہ ''احل اللہ البیع'' میں حلت بیع مطلق ہے۔نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مدت کے لیے ابوالشحم یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھی[1] لیکن موجل ہونے کی صورت میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ بعد میں نزاع کی نوبت نہ آئے۔

قولہ ومن اطلق الخ اگر ثمن کی مقدار مذکور ہو اور اس کا وصف بیان نہ کیا ہو تو جس شہر میں بیع ہوئی ہے، ہاں جو نقد زیادہ رائج ہو اس کا اعتبار ہوگا اور اگر وہاں مختلف نقود رائج ہوں اور مالیت میں مختلف ہوں جیسے بندی' سلیمی' قایتابی' مغربی' غوری وغیرہ اور کسی ایک کو بیان نہ کیا گیا ہو تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ یہ جہالت باعث منازعت ہے۔

فائدہ نقود کی چار صورتیں ہیں۔رواج اور مالیت ہر دو میں برابر ہوں' ہر دو میں مختلف ہوں' صرف رواج میں برابر ہوں' صرف مالیت میں برابر ہوں' ان میں سے نمبر۳ میں بیع فاسد اور باقی میں درست ہے پس دو نمبر۲' چار نمبر۴ میں رائج تر کا اعتبار ہوگا اور نمبر۱ میں مشتری کو اختیار ہوگا جو نقد چاہے دے دے۔

قولہ ولا یجوز بیع الطعام الخ یہاں طعام سے مراد صرف گیہوں نہیں۔بلکہ ہر قسم کا غلہ مراد ہے اگر غلہ کو اس کی مخالف جنس کے عوض میں فروخت کیا جائے مثلاً گیہوں کو جو کے عوض میں تو پیمانہ سے ناپ کر اندازہ لگا کر' کسی ایسے برتن میں بھر کر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کسی ایسے پتھر سے تول کر جس کا وزن معلوم نہ ہو ہر طرح سے صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جب دونوں جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو[2]''۔مگر صحت کے لیے چند شرطیں ہیں۔(۱) مبیع ممیز و مشار ہو (اندازہ کی صورت میں) (۲) برتن گھٹتا بڑھتا نہ ہو جیسے لکڑی یا لوہے کا برتن اگر زنبیل یا خرجی وغیرہ کے مانند برتن ہو تو بیع جائز نہ ہوگی۔البتہ پانی کی مشکوں میں رواج کی وجہ سے جائز ہے' پتھر میں ٹوٹنے پھوٹنے کا احتمال نہ ہو' بیع سلم کا راس المال نہ ہو کیونکہ اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

۱۔صحیحین عن عائشہ' بیہقی عن جابر ۱۲۔۲۔الجماعۃ الا البخاری عن عبادہ' طبرانی عن بلال' دار قطنی عن انس وعبادہ ۱۲۔

وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلَّ قَفِيْزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِيْ قَفِيْزٍ وَّاحِدٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحمهُ
جس نے بیچا غلہ کا ڈھیر ہر قفیز ایک درھم میں تو جائز ہو گی بیع صرف ایک قفیز امام صاحبؒ کے نزدیک

اللّٰه وَبَطَلَ فِي الْبَاقِيْ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيْ جُمْلَةَ قُفْزَ انِهَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ
جس نے بیچا بکریوں کا ریوڑ ہر بکری ایک درہم میں تو بیع فاسدہ ہے تمام بکریوں میں اسی طرح جس نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے

وَمَنْ بَاعَ قَطِيْعَ غَنَمٍ كُلَّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فِيْ جَمِيْعِهَا وَكَذٰلِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْبًا مُذَارَعَةً
جس نے بیچا ہرگز ایک درہم میں اور پورے گز بیان نہیں کئے۔ جس نے خریدا غلہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سو قفیز ہے

كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ وَمَنِ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلٰى اَنَّهَا مِائَةُ قَفِيْزٍ
حساب سے ہرگز ایک درہم میں اور پورے گز بیان نہیں کئے جس نے خریدا غلہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سو قفیز ہے

بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْمَوْجُوْدَ بِحِصَّتِهٖ
سو درہم میں پس پایا اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے موجودہ غلہ کو اس کے حصے کی

مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَاِنْ وَجَدَهَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ وَمَنِ اشْتَرٰى
قیمت دے کر لے چاہے بیع کو فسخ کر دے اور اگر اس کو سو قفیز سے زیادہ پایا تو زیادہ مقدار بائع کی ہے جس نے کپڑا

ثَوْبًا عَلٰى اَنَّهٗ عَشَرَةُ اَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ اَوْاَرْضًا عَلٰى اَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا
خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں یا زمین اس شرط پر کہ سو گز ہے سو درہم میں پھر پایا اس کو

اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا
اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پورے ثمن سے لے چاہے چھوڑ دے اور اگر بیان کردہ

اَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِيْ سَمَّاهُ فَهِيَ لِلْمُشْتَرِيْ وَلَا خِيَارَ لِلْبَائِعِ وَاِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلٰى اَنَّهَا مِائَةُ
گزوں سے زیادہ پایا تو زائد مقدار مشتری کی ہے اور بائع کو کوئی اختیار نہیں اگر کہا کہ میں نے یہ تیرے ہاتھ بیچا سو گز ہے۔

ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا
سو درہم میں ہرگز ایک درہم میں پھر اس کو کم پایا تو اسے اختیار ہے چاہے اس کے حصہ

بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ
کی قیمت دے کر لے چاہے چھوڑ دے اور اگر اس سے زائد پایا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے

اَخَذَ الْجَمِيْعَ كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَلَوْقَالَ بِعْتُ مِنْكَ هٰذِهِ الرِّزْمَةَ
سب کوئی گز ایک درہم کے حساب سے لے چاہے بیع کو فسخ کر دے اگر کہا بیچدی میں نے تیرے ہاتھ یہ گٹھڑی

عَلٰى اَنَّهَا عَشَرَةُ اَثْوَابٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ثَوْبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَّجَدَهَا نَاقِصَةً جَازَ الْبَيْعُ
اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں سو درہم میں ہر تھان دس درہم میں پس اگر پائے اس کو کم تو جائز ہو گی بیع

بِحِصَّتِهٖ وَاِنْ وَّجَدَهَا زَائِدَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ
اس کے حصہ کے مطابق اور اگر پائے اس کو زائد تو بیع فاسد ہو گی۔

توضیح اللغۃ: صبرۃ۔ غلہ کا ڈھیر' قفیز۔ ایک پیمانہ ہے' قفزان۔ جمع قفیز' قطیع۔ گلہ' ریوڑ' غنم۔ بکری' مذارعتہ۔ پیمائش' ذرعان۔ جمع ذراع بمعنی گز' اذرع۔ جمع ذراع' رزمتہ۔ گٹھڑی۔

تشریح الفقہ: ومن باع صبرۃ الخ کسی نے غلہ کا ایک ڈھیر فروخت کیا اور کہا کہ ہر قفیز ایک درہم کے عوض میں ہے اور کل ڈھیر کی مقدار بیان نہیں کی تو امام صاحب کے نزدیک صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی اور باقی میں موقوف رہے گی۔ کیونکہ مبیع اور ثمن کی اتنی ہی مقدار معلوم ہے اور باقی مجہول ہے ہاں اگر وہ کل ڈھیر کی مقدار بیان کردے تو کل کی بیع جائز ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں جائز ہے کیونکہ باقی مقدار میں جو جہالت ہے اس کو دور کرنا ان کے بس میں ہے۔ ظاہر ہدایہ سے صاحبین کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

قولہ ومن باع قطیع الخ کسی نے بکریوں کا ایک ریوڑ یا کپڑے کا ایک تھان بیچا اور کہا کہ ہر بکری یا ہر گز کے ایک درہم کے عوض میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک ایک بکری اور ایک گز میں بھی بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں مبیع کے افراد میں اختلاف ہے تو سب پر قیمت برابر منقسم نہیں ہو سکتی' پس نزاع واقع ہوگا۔ بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں گیہوں کے افراد یعنی اس کے دانوں میں کوئی تفاوت نہیں اس لیے وہاں ایک قفیز میں بیع جائز ہے' ہاں اگر بوقت عقد کل ریوڑ اور کل تھان کی مقدار بیان کر دی جائے تو بالاتفاق کل کی بیع صحیح ہو جائے گی لزوال المانع و ھو الجھالۃ۔

قولہ اخذ الموجود بحصتہ الخ بائع نے بوقت عقد کل ڈھیر کی مقدار بیان کر دی کہ یہ سو قفیز ہے اور ایک سو درہم کے عوض میں ہے پھر وہ اس سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے موجودہ حصہ کو اسی حساب سے لے لے اور چاہے بیع کو فسخ کر دے اور اگر بیان کردہ مقدار سے زائدہ ہو تو وہ بائع کا ہے کیونکہ عقد ایک خاص مقدار یعنی سو قفیز پر واقع ہوا ہے تو زائد مقدار عقد میں داخل نہ ہوئی لہذا وہ بائع کی ہوگی اور اگر مبیع کپڑا یا زمین ہو تو کم کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوگا چاہے پوری قیمت میں لے اور چاہے چھوڑ دے اور زائد کی صورت میں زائد مقدار مشتری کی ہوگی وجہ فرق یہ ہے کہ اشیاء مذروعہ کے لیے ذراع وصف ہوتا ہے[1] اور وصف کے مقابل میں قیمت نہیں ہوتی بخلاف مقدار کے یعنی کیل اور وزن کے کہ وہ وصف نہیں ہیں فافترقا۔

قولہ وان قال بعتکھا الخ اور اگر بائع نے مقدار مذروع کے ساتھ یہ بھی ذکر کر دیا کہ ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے پھر کپڑا اس سے کم نکلا تو مشتری مختار ہے چاہے کم کو اس کے حصے کے مطابق لے اور چاہے چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو چاہے فی گز ایک درہم کے لحاظ سے کل کپڑا لے اور چاہے بیع فسخ کر دے کیونکہ ذراع گو وصف ہے۔ مگر یہاں ذراع کی قیمت معین کر دینے کی وجہ سے اصل ہو گیا۔

قولہ ھذہ الرزمۃ الخ نے کہا کہ میں نے کپڑے کی یہ گانٹھ تیرے ہاتھ فروخت کی جس میں دس تھان ہیں اور ہر تھان کی قیمت دس درہم ہیں پھر اس میں تھان کم نکلے تو موجود تھانوں کے بقدر بیع صحیح ہوگی اور مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا اور اگر دس سے زائد نکلیں تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ مبیع مجہول ہے۔

وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاؤُهَا فِي الْبَيْعِ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهٖ وَمَنْ بَاعَ اَرْضًا دَخَلَ مَا فِيْهَا مِنَ النَّخْلِ وَ
جس نے بیچا مکان تو داخل ہو گی اس کی عمارت بیع میں گو اس کا نام نہ لے جس نے بیچی زمین تو داخل ہوں گے بیع میں کھجور وغیرہ کے

الشَّجَرِ فِي الْبَيْعِ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهٖ وَلَايَدْخُلُ الزَّرْعُ فِيْ بَيْعِ الْاَرْضِ اِلَّا بِالتَّسْمِيَةِ وَمَنْ بَاعَ نَخْلاً
وہ درخت جو اس میں ہیں گو ان کا نام نہ لے اور داخل نہ ہو گی کھیتی زمین کی بیع میں مگر تصریح کرنے سے جس نے بیچا کھجور

[1] والفرق بین الاصل والوصف ان مایتعیب بالتبعیض والتشقیص فالزیادۃ والنقصان فیہ وصف و مالا یتعیب بھما فھما فیہ اصل وقیل الوصف مالوجودہ تاثیر فی تقوم غیرہ ولعدم تاثیر فی نقصان غیرہ والاصل مالا یکون بھذہ المثابۃ ۱۲)

اَوْشَجَرًا فِيهِ ثَمَرَةٌ فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ اِلاَّ اَنْ يَّشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيْعَ
وغیرہ کا درخت جس میں پھل ہے تو پھل بائع کا ہے الا یہ کہ شرط کر لے اس کا خریدار اب کہا جائے گا بائع سے کہ ان کو کاٹ لے اور بیع

وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً لَمْ يَبْدُ صَلاحُهَا اَوْبَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِىْ قَطْعُهَا فِى الْحَالِ فَاِنْ
حوالے کر۔ جس نے بیچے پھل جو کار آمد نہیں ہوئے تھے یا ہو گئے تھے تو جائز ہے بیع اور ضروری ہے مشتری کے لئے ان کو توڑ لینا اسی وقت اگر

شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ الْبَيْعُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمَرَةً وَّيَسْتَثْنِىَ مِنْهَا اِرْطَالاً مَّعْلُوْمَةً [1] وَ
شرط کر لی درختوں پر رہنے دینے کی تو بیع فاسد ہو جائے گی جائز نہیں کہ پھل بیچے اور مستثنی کر لے ان میں سے معین ارطال

يَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِىْ سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلٰى فِىْ قِشْرِهَا وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ فِى الْبَيْعِ مَفَاتِيْحُ
جائز ہے گیہوں کی بیع اس کے خوشوں میں اور لوبیے کی اس کی پھلیوں میں جس نے بیچا مکان تو داخل ہوں گی بیع میں اس کے تالوں

اَغْلاقِهَا وَاُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ [2] وَاُجْرَةُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِىْ وَمَنْ بَاعَ
کی کنجیاں ناپنے اور روپیہ پرکھنے والے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور قیمت جانچنے والے کی مزدوری مشتری پر ہے جس نے بیچا

سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِىْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلاً فَاِذَادَفَعَ قِيْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ وَمَنْ بَاعَ
سامان بعوض ثمن تو کہا جائے گا مشتری سے کہ پہلے تو ثمن دے جب وہ دے دے تو بائع سے کہا جائے گا کہ مبیع حوالے کر جس نے سامان

سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ اَوْثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيْلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعًا
سامان کے عوض یا ثمن ثمن کے عوض بیچا تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ حوالے کرو۔

جو چیزیں تحت البیع داخل ہوتی ہیں اور جو داخل نہیں ہوتیں

توضیح اللغۃ: بناء۔ نیو عمارت' زرع۔ کھیتی' نخل۔ کھجور کا درخت' ثمرۃ۔ پھل' مبتاع۔ خریدار' لم یبدو بدؤا۔ نمودار ہونا' ارطال۔ جمع رطل' چالیس تولہ کا ایک وزن' حنطۃ۔ گیہوں' سنبل۔ خوشہ' باقلی۔ لوبیا' قشر۔ چھلکا' مفاتیح۔ جمع مفتاح' چابی' اغلاق۔ جمع غلق بمعنی کلیدانہ' بندرد۔ بیلن کیلون۔ کھٹکا۔ سلعۃ۔ سامان۔

تشریح الفقہ: ومن باع دارًا الخ یہ مسائل تین قاعدوں پر مبنی ہیں۔ ا۔ جس چیز کو اسم مبیع عرفاً شامل ہو وہ بلا ذکر بھی مبیع میں داخل ہوتی ہے۔ ۲۔ جو چیز مبیع کے ساتھ بالاتفاق قرار متصل ہو وہ بھی داخل ہوتی ہے۔ ۳۔ جو چیز ان دونوں قسموں میں سے نہ ہو بلکہ حقوق و مرافق مبیع میں سے ہو تو وہ حقوق مبیع ذکر کرنے سے داخل ہوتی ہے بلا ذکر حقوق داخل نہیں ہوتی۔ اب اگر کسی نے مکان یا زمین فروخت کی اور دار و ارض کے علاوہ کسی اور شئے کو صراحۃً ذکر نہیں کیا تو عرفاً لفظ دار جن اشیاء کو شامل ہے وہ سب مبیع میں داخل ہوں گی مثلاً اس کی عمارت' کلیدانہ' زینہ' مطبخ اور بیت الخلاء وغیرہ' اسی طرح زمین کی بیع میں درخت داخل ہوں گے کیونکہ درخت زمین کے ساتھ متصل باتصال قرار ہوتے ہیں البتہ خشک درخت داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ کاٹ دینے کی زد میں آ چکے۔

قولہ ولا یدخل الزرع الخ زمین کی بیع میں کھیتی داخل ہوگی کیونکہ یہ متصل باتصال قرار نہیں ہوتی بلکہ کاٹنے ہی کے لیے بوئی جاتی ہے۔

[1] لان الباقی بعد الاستثناء المعلوم مجهول ۱۲۔ [2] هو رواية ابن رستم عن محمد وروى ابن سماعة عنه انه على المشترى و فى الفتاوىٰ الصغرىٰ و به يفتى و به كان يفتى الصدر الشهيد واختاره فى الواقعات ۱۲۔

سوال باندی، بکری، گائے وغیرہ کی بیع میں ان کا حمل داخل ہوتا ہے۔ حالانکہ ماں کے ساتھ حمل کا اتصال اتصال قرار نہیں بلکہ وہ تو لامحالہ جدا ہو کر رہے گا جواب چونکہ خدا کے سوا کوئی اس حمل کے جدا کرنے پر قادر نہیں، ادھر ماں اور اس کے حمل میں مجانست بھی موجود ہے اس لیے اس کو جزء ام کے درجہ میں اتار لیا گیا۔

قوله ومن باع نخلا الخ اگر بائع نے پھل دار درخت فروخت کیا تو درخت کی بیع میں پھل شرط کیے بغیر داخل نہ ہوگا کیونکہ درخت کے ساتھ پھل کا اتصال گو خلقی ہے مگر ہمیشگی کے لیے نہیں ہے بلکہ کٹنے ہی کے لیے ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کھجور کے پھل میں تابیر شرط ہے[1] اگر تابیر ہوئی تو پھل بائع کا ہوگا ورنہ مشتری کا ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے کھجور کا درخت بیچا جس کی تابیر ہو چکی تو پھل بائع کا ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگالے[2]" جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم صفت سے استدلال ہے جو اہل مذہب کے نزدیک مسلم نہیں۔ ہماری دلیل وہ مرفوع حدیث ہے جو امام محمد نے اصل میں روایت کی ہے کہ "جو ایسی زمین خریدے جس میں کھجور کے درخت ہوں تو پھل بائع کا ہے الا یہ کہ مشتری شرط لگالے۔" اس میں تابیر وعدم تابیر کی کوئی قید نہیں لہٰذا اپنے اطلاق پر رہے گی اور علامہ زیلعی نے گو اس کی بابت "غریب بهذ اللفظ" کہا ہے مگر اس سے امام محمد کا استدلال کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

قوله ویقال للبائع الخ بائع نے پھل دار درخت بیچا تو پھل چونکہ اسی کی ملک ہیں اس لیے اس سے کہا جائے گا پھل توڑ کر خالی درخت مشتری کے حوالے کرو کیونکہ مشتری کی ملک کے ساتھ بائع کی ملک مشغول ہے تو اس کو خالی کرنا بائع کی ذمہ داری ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اتنی مدت تک پھل درخت پر رہنے دیئے جائیں گے جتنی مدت میں وہ قابل انتفاع ہو سکیں۔

قوله ومن باع ثمرة الخ درخت میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ وہ کارآمد ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں کیونکہ وہ قیمتی مال ہے جس سے فی الحال یا فی المآل نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کارآمد ہونے سے پہلے بیع صحیح نہیں۔

<u>فائدہ</u>: بیع ثمار کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ پھلوں کی بیع ان کے کارآمد ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ لائق انتفاع پھلوں کو اتار لیا جائے گا یہ بالاتفاق صحیح ہے ۲۔ نمودار ہونے کے بعد کارآمد ہونے سے پیشتر بیع ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دے گا یہ بالاتفاق صحیح نہیں ۳۔ کارآمد ہو جانے کے بعد بیع ہوئی یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ ۴۔ پھلوں کی بڑھوتری تمام ہو جانے کے بعد بیع ہوئی اور درخت پر رہنے دینے کی شرط لگائی گئی۔ اس میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے جو اگلے قول میں آرہا ہے۔

قوله فان شرط ترکها الخ صورت میں شیخین کے نزدیک بیع فاسد ہے کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعامل ناس کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے اور مضمرات میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

بَابُ خِيَارِ الشَّرط

باب خیار شرط کے بیان میں

خِيَارُ	الشَّرْطِ	جَائِزٌ	فِي	الْبَيْعِ [3]	لِلْبَائِعِ	وَالْمُشْتَرِي	وَلَهُمَا	الْخِيَارُ	ثَلٰثَةَ	اَيَّامٍ	فَمَا
خیار	شرط	جائز ہے	بیع	میں	بائع اور	مشتری دونوں کے لئے	اور ان کو	اختیار ہے	تین	دن	یا اس

[1] کھجور کا غلاف شگوفہ چیر کر اس میں نر کھجور کا شگوفہ ڈالنا ۱۲ [2] ائمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲ [3] احتراز من الطلاق والعتاق ۱۲

دُوْنَهَا وَلَایَجُوْزُ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا

سے کم کا اور جائز نہیں زائد امام صاحبؒ کے نزدیک صاحبینؒ فرماتے ہیں

اللّٰهُ یَجُوْزُ اِذَا سَمّٰی مُدَّةً مَّعْلُوْمَةً وَخِیَارُ الْبَائِعِ یَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِیْعِ مِنْ مِلْکِهٖ فَاِنْ قَبَضَهُ

کہ جائز ہے جبکہ مدت معلومہ مقرر کر لیں بائع کا خیار روکتا ہے بیع کے نکلنے کو اس کی ملک سے سو اگر قبضہ کر لیا تھا

الْمُشْتَرِیْ فَهَلَکَ بِیَدِهٖ فِیْ مُدَّةِ الْخِیَارِ ضَمِنَهٗ بِالْقِیْمَةِ وَخِیَارُ الْمُشْتَرِیْ لَایَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِیْعِ

مشتری نے بیع پر جو ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ سے مدت خیار میں تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا' مشتری کا خیار نہیں روکتا ہے بیع کے نکلنے کو

مِنْ مِّلْکِ الْبَائِعِ اِلَّا اَنَّ الْمُشْتَرِیْ لَا یَمْلِکُهٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ

بائع کی ملک سے پر مشتری بھی اس کا مالک نہیں ہوتا امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے

مُحَمَّدٌ یَّمْلِکُهٗ فَاِنْ هَلَکَ بِیَدِهٖ هَلَکَ بِالثَّمَنِ وَکَذٰلِکَ اِنْ دَخَلَهٗ عَیْبٌ

ہیں کہ مالک ہو جاتا ہے سو اگر بیع ہلاک ہو گئی تو ہلاک ہو گئی بعوض ثمن اسی طرح اگر اس میں کوئی عیب آ گیا

تشریح الفقہ قولہ باب الخ خیار بمعنی اختیار ہے اور اضافت از قبیل اضافت حکم الی السبب ہے یعنی وہ اختیار جو بائع اور مشتری کو شرط کر لینے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اگر شرط نہ ہو تو یہ حق حاصل نہیں ہوتا بخلاف خیار عیب وخیار رؤیت کے کہ یہ بلاشرط حاصل ہوتے ہیں۔ صاحب درر نے کہا ہے کہ گاہے بیع لازم ہوتی ہے اور گاہے غیر لازم۔ لازم وہ ہے جس میں شروط بیع موجود ہونے کے بعد اختیار نہ ہو اور غیر لازم وہ ہے جس میں اختیار ہو اور چونکہ بیع لازم اقوی ہے اس لیے صاحب کتاب نے پہلے بیع لازم کو بیان کیا' اس کے بعد غیر لازم کو بیان کر رہے ہیں اور خیار شرط کو دیگر خیارات پر اس لیے مقدم کر رہے ہیں کہ یہ ابتداء حکم سے مانع ہوتا ہے اس کے بعد خیار رؤیت کو لا رہے ہیں کیونکہ وہ مانع تمام حکم ہوتا ہے پھر خیار عیب کو لا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ مانع لزوم حکم ہوتا ہے۔

قولہ خیار الشرط الخ خیار شرط گو خلاف قیاس ہے۔ نیز حدیث میں بیع مع شرط کی ممانعت بھی ہے مگر یہ چونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس لیے جواز کا قول لابدی ہے روایت میں ہے کہ حبان بن منقذ انصاری جو عموماً خرید و فروخت میں دھوکا کھا لیتے تھے۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین دن کا اختیار دیا اور فرمایا کہ یہ کہہ دیا کر "لا خلابته" یعنی مجھ کو فریب نہ دینا پس یہ ایسا ہی کرتے اور خرید کر گھر لاتے' گھر والے کہتے یہ تو گراں قیمت ہے تو یہ جواب دیتے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اختیار دیا ہے"[1] محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ وَلایجوز اکثر من ذلک الخ خیار شرط کی چند صورتیں ہیں ۱۔ احد المتعاقدین یہ کہے کہ مجھے اختیار ہے یا چند روز تک یا ہمیشہ کے لیے اختیار رہے یہ بالاتفاق فاسد ہے۔ ۲۔ مجھے تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے یہ بالاتفاق جائز ہے ۳۔ تین دن سے زائد کی شرط لگائے مثلاً ماہ دو ماہ یہ مختلف فیہ ہے۔ امام صاحب' زفر اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین اور امام احمد کے نزدیک جائز ہے (بشرطیکہ مدت معین ہو) امام مالک کے یہاں اتنی مدت تک صحیح ہے جس میں بیع کو اختیار کرنا ممکن ہو اور یہ مدت اختلاف اشیاء کے لحاظ سے مختلف ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط کی مشروعیت غور و فکر کرنے کے پیش نظر ہے جس میں کبھی تین دن سے زائد کی بھی ضرورت واقع ہوتی ہے پس یہ ایسے ہو گیا جیسے تاجیل ثمن کہ مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کے باوجود تاجیل ثمن جائز ہے مدت کم ہو یا زائد۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط مقتضائے عقد

[1] حاکم' شافعی' بیہقی عن ابن عمر' ابن ماجہ' دار قطنی' بخاری (فی تاریخہ الوسط) ابن ابی شیبہ عن محمد بن یحیٰی (مرسلاً) طبرانی عن ابن عمر (فی معناہ) سنن اربعہ عن انس (بغیر ذکر الخیار) ۱۲۔

(لزوم بیع) کے خلاف ہے اس لیے اس کا جواز مورد نص تک ہی محدود رہے گا اور وہ نص سے صرف تین دن کی اجازت ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ "ایک شخص نے اونٹ خریدا اور چار دن کا اختیار شرط کر لیا تو آپ نے بیع کو باطل کر دیا اور فرمایا کہ اختیار تین ہی دن ہے"[1]۔

قولہ و خیار البائع الخ اگر بیع میں خیار بائع کے لیے ہو تو بیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی، کیونکہ بیع اس وقت تام ہوتی ہے، جب جانبین کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ پس خیار کے ہوتے ہوئے بیع تام نہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ مشتری کو بیع میں تصرف کا حق نہیں۔ اب اگر مشتری نے باجازت بائع بیع پر قبضہ کیا اور مدت خیار میں وہ ہلاک ہوگئی تو مشتری پر بیع کا بدل لازم ہوگا یعنی بیع قیمتی ہو تو قیمت اور مثلی ہو تو مثل کیونکہ بوجہ خیار بیع موقوف ہونے کے بعد بیع ہلاک ہو جانے سے محل ہی ختم ہو گیا لہذا بیع فسخ ہو جائے گی پس مشتری کے پاس بیع مقبوض علی سوم الشراء ہوئی جس میں بدل واجب ہوتا ہے۔

قولہ و خیار المشتری الخ اور اگر خیار مشتری کے لیے ہو تو بیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی۔ اب اگر وہ مشتری کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوگئی ہو تو بعوض ثمن ہلاک ہوگی کیونکہ بیع کا ہلاک ہونا مقدمہ عیب سے خالی نہیں اور عیب کے ہوتے ہوئے واپسی ممکن نہیں۔ پس بیع لزوم عقد کی صورت میں ہلاک ہوئی اور عقد لازم ہونے کے بعد بیع کا ہلاک ہونا موجب ثمن ہوتا ہے نہ کہ موجب قیمت پھر امام صاحب کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالک ہو جائے گا اس واسطے کہ خیار مشتری کی وجہ سے بیع بائع کی ملک سے نکل گئی۔ اب اگر مشتری بھی اس کا مالک نہ ہو تو زوال ملک لا الی مالک لازم آئے گا جس کی کوئی نظیر نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری کو مالک مانا جائے تو اس کی ملک میں بدلین یعنی بیع و ثمن کا اجتماع لازم آتا ہے کیونکہ ابھی ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلا اور شخص واحد کی ملک میں اجتماع بدلین کی کوئی نظیر نہیں بخلاف زوال مذکور کے کہ اس کی نظیر موجود ہے مثلاً متولی کعبہ نے خدمت کعبہ کے لیے کوئی غلام خریدا تو وہ مالک کی ملک سے نکل جاتا ہے اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوتا اسی طرح اگر ترکہ کا مال مستغرق بالدین ہو تو میت کی ملک سے نکل جاتا ہے اور ورثہ و قرضخواہوں کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔

قولہ ھلک بالثمن الخ جس مقدار پر متعاقدین راضی ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم اس کو ثمن کہتے ہیں اور جو بقدر مالیت بمنزلہ معیار بلحاظ نرخ بازار ہو تو اس کو قیمت کہتے ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ شُرِطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهُ اَنْ يُفْسَخَ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ وَلَهُ اَنْ يُجِيْزَهُ فَاِنْ اَجَازَهُ بِغَيْرِ حَضْرَةِ
جس کے لئے خیار شرط ہو اسے اختیار ہے خیار کی مدت میں بیع فسخ کرنے اور نافذ کرنے کا پس اگر بیع کو نافذ کیا بائع کی غیر موجودگی

صَاحِبِهٖ جَازَ وَاِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْاٰخَرُ حَاضِرًا وَاِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بَطَلَ
میں تو جائز ہے اور اگر فسخ کیا تو جائز نہیں الا یہ کہ ہو بائع موجود جن کے لئے خیار تھا وہ جب مر جائے تو خیار باطل ہو جائے گا۔

خِيَارُهٗ وَلَمْ يَنْتَقِلْ اِلٰى وَرَثَتِهٖ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنَّهٗ خَبَّازٌ اَوْ كَاتِبٌ فَوَجَدَهٗ بِخِلَافِ ذٰلِكَ
اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہ ہو گا جس نے خریدا غلام اس شرط پر کہ وہ نان پز یا کاتب ہے پھر اس کے خلاف پایا

فَالْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهٗ.
تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پورے ثمن کے عوض لے چاہے چھوڑ دے

تشریح الفقہ: **ومن شرط لہ الخیار الخ** متعاقدین میں سے جس کے لیے خیار تھا اگر اس نے بیع کو نافذ کر دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی گو دوسرا ساتھی اس سے ناواقف ہو لیکن اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں بیع کو فسخ کیا تو طرفین کے نزدیک بیع فسخ نہ ہوگی جب تک دوسرے عاقد کو مدت خیار

[1] عبد الرزاق عن انس، دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔

میں اس کا علم نہ ہو جائے فتویٰ اسی پر ہے۔ امام ابو یوسف، زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ ہو جائے کیونکہ جب خیار دوسرے عاقد کی جانب سے فسخ بیع پر مسلط ہے تو جس طرح بیع کو نافذ کرنا دوسرے عاقد کے علم پر موقوف نہیں اسی طرح فسخ کرنا بھی اس کے علم پر موقوف نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ فسخ بیع حق غیر میں ایک ایسا تصرف ہے جو اس کے لیے مضر ہے لہذا اس کے علم پر موقوف ہوگا بخلاف نفاذ بیع کے کہ اس میں دوسرے کا کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

قولہ واذامات الخ اگر صاحب خیار کا انتقال ہو جائے تو خیار شرط ختم ہو جاتا ہے، ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا، یعنی وارثوں کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی، امام مالک و امام شافعی کے یہاں خیار شرط میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط حق لازم ہے لہذا اس میں وراثت جاری ہوگی جیسے خیار عیب اور خیار تعیین میں جاری ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وراثت ان امور میں جاری ہوتی ہے جن میں انتقال متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ مورث کا ارادہ ان کی موت سے منقطع ہوگیا، رہا قیاس مذکور، سو وہ اس لیے صحیح نہیں کہ مورث اس بیع کا مستحق ہے جو عیب سے سالم ہو تو اس کا وارث بھی صحیح سالم کا مستحق ہوگا کیونکہ وہ اس کا خلیفہ ہے۔ پس وارث کے لیے ثبوت خیار بطور خلافت ہے نہ کہ بہ طریق وراثت، اسی طرح ثبوت تعیین اس لیے ہے کہ اس کی ملک دوسرے کی ملک سے مخلوط ہے۔

قولہ ومن باع الخ کسی نے غلام اس شرط پر خرید اکہ وہ نان پز یا کاتب ہے پھر اس میں یہ ہنر نہ پایا گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت میں لے چاہے چھوڑ دے لینے کی صورت میں پوری قیمت اس لیے لازم ہے کہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی اور چونکہ نان پزی و کتابت مرغوب فیہ اوصاف ہیں اس لیے ان کے نہ ہونے کی صورت میں رد بیع کا اختیار ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ

باب خیار رویت کے بیان میں

وَمَنِ اشْتَرىٰ مَالَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ وَّلَهُ الْخِيَارُ اِذَارَاٰهُ اِنْ شَاءَ
جس نے خریدی بن دیکھی چیز تو بیع جائز ہے اور اسے اختیار ہے جس وقت دیکھے چاہے

اَخَذَهُ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَمَنْ بَاعَ مَالَمْ يَرَهُ فَلا خِيَارَ لَهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلٰى وَجْهِ الصُّبْرَةِ اَوْ
لے لے چاہے واپس کر دے جس نے بیچی بن دیکھی چیز تو اسے اختیار نہیں اگر دیکھ لیا ڈھیر کے ظاہر کو یا

اِلىٰ ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا اَوْاِلٰى وَجْهِ الْجَارِيَةِ اَوْاِلٰى وَجْهِ الدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا فَلا خِيَارَلَهُ.
لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو یا باندی کے چہرہ کو یا سواری کی اگاڑی پچھاڑی کو تو اسے اختیار نہ ہوگا۔

توضیح اللغۃ: صبرۃ۔ ڈھیر، مطویا۔ لپٹا ہوا، جاریہ۔ باندی، دابۃ۔ سواری کا جانور، کفل۔ سُرین۔

تشریح الفقہ قولہ باب الخ خیار غیب لزوم حکم سے مانع ہوتا ہے اور خیار رویت تمامیت حکم سے مانع ہوتا ہے اور لزوم حکم تمامیت حکم کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے صاحب کتاب نے خیار رویت کو خیار عیب پر مقدم کیا ہے۔ خیار الرویۃ میں اضافت مسبب الی السبب ہے یعنی وہ اختیار جو مشتری کو بیع دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، خیار رویت چار مقامات میں ثابت ہوتا ہے۔ ا۔ اعیان و ذوات کی خریداری میں ۲۔ اجارہ میں ۳۔ قیمت میں ۴۔ اس صلح میں جو مال کے دعویٰ سے کسی معین شئے پر ہو۔ پس دیون و نقود اور ان عقود میں خیار رویت نہ ہوگا جو فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوتے جیسے مہر، بدل خلع، بدل صلح عن القصاص، فتح القدیر میں ہے کہ جب دیون میں خیار رویت نہیں ہے تو مسلم فیہ میں خیار رویت نہ ہوگا۔ وقد نظم العلامۃ الحموی ما یثبت فیہ خیار الرویۃ فقال۔

فی اربع خیار رویة یریٰ
اجارة وقسمة و کذاالشریٰ
کذلک صلح فی ادعاء المال
فاحفظ سریعًا نظمتها فی الحال

قوله ومن اشتریٰ الخ احناف' موالک' حنابلہ سب کے نزدیک بے دیکھی چیز خریدنا جائز ہے اور دیکھنے کے بعد مشتری مختار ہے لے یا نہ لے' گو وہ دیکھنے سے قبل راضی ہو چکا ہو' امام شافعی کے قول جدید میں بے دیکھی چیز خریدنے سے عقد ہی باطل ہے' کیونکہ بیع مجہول ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جو شخص ایسی چیز خرید لے جس کو اس نے دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے لے چاہے ترک کرے[1]''

قوله و من باع الخ بائع کو بن دیکھی چیز فروخت کرنے پر اختیار نہیں مثلاً کسی کو کوئی چیز وراثت میں ملی اور اس نے بے دیکھے فروخت کر دی تو اس کو دیکھنے کے بعد فسخ بیع کا اختیار نہیں' ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ امام صاحب اولاً بائع کے لیے ثبوت خیار رویت کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کر لیا' وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں خیار رویت شراء کے ساتھ خاص ہے پس بلا شراء ثابت نہ ہوگا' نیز حضرت طلحہ نے حضرت عثمانؓ سے بصرہ میں زمین خریدی' لوگوں نے آپ سے کہا: آپ گھاٹے میں پڑ گئے' آپ نے فرمایا: مجھے اختیار ہے کیونکہ میں نے بے دیکھی چیز فروخت کی ہے' ادھر حضرت طلحہ سے کہا گیا کہ آپ نے بہت گراں خریدی' آپ نے بھی یہ فرمایا تو حضرت جبیر بن مطعم نے فیصلہ فرمایا کہ خیار طلحہ کے لیے ہے نہ کہ عثمان کے لیے[2]

قوله وان نظر الخ رویت کے سلسلہ میں کل مبیع دیکھنا ضروری نہیں بلکہ اتنا حصہ دیکھ لینا کافی ہے جس سے بیع کا حال معلوم ہو جائے جیسے کیلی اور وزنی چیزوں کے ڈھیر کی ظاہری سطح کو لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہر کو' باندی یا غلام کے چہرہ کو' سواری (گھوڑے' گدھے اور خچر) کے چہرے اور اس کے پچھلے حصہ کو دیکھ لینا کہ اس سے خیار رویت ختم ہو جاتا ہے کیونکہ بعض کا دیکھنا گویا کل کا دیکھنا ہے' ہاں اگر ڈھیر کے اندر ناقص اناج نکلے تو اس کو پھیر سکتا ہے لیکن خیار رویت کی وجہ سے نہیں بلکہ خیار عیب کی وجہ سے اور جن چیزوں کے افراد میں تفاوت ہو ان میں خیار ثابت نہ ہوگا جب تک کہ سب کو نہ دیکھ لے۔

وَاِنْ رَاٰی صِحْنَ الدَّارِ فَلَا خِیَارَ لَهٗ وَاِنْ لَّمْ یُشَاهِدْ بُیُوْتَهَا وَبَیْعُ الْاَعْمٰی وَشِرَاؤُهٗ جَائِزٌ وَلَهُ
اگر گھر کا صحن دیکھ لیا تو اسے اختیار نہیں ہے اگرچہ اس کے کمرے نہ دیکھے ہوں' نابینا کی خرید و فروخت جائز ہے اور اسے

الْخِیَارُ اِذَا اشْتَرٰی وَیَسْقُطُ خِیَارُه بِاَنْ یَجُسَّ الْمَبِیْعَ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالْجَسِّ اَوْیَشُمَّهٗ اِذَا
اختیار ہوگا جب وہ خریدے اور اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا بیع کو ٹٹولنے سے جبکہ وہ معلوم ہو جائے ٹٹولنے سے یا اس کو سونگھ

کَانَ یُعْرَفُ بِالشَّمِّ اَوْیَذُوْقَه اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالذَّوْقِ وَلَایَسْقُطُ خِیَارُه فِیْ الْعِقَارِ حَتّٰی
لے جبکہ سونگھنے سے معلوم ہو جاتی ہو یا چکھ لے جبکہ چکھنے سے معلوم ہو جاتی ہو اور ساقط نہ ہوگا اس کا اختیار زمین میں یہاں تک

یُوْصَفَ لَهٗ وَمَنْ بَاعَ مِلْکَ غَیْرِهٖ بِغَیْرِ اَمْرِهٖ فَالْمَالِکُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَ الْبَیْعَ وَاِنْ
کہ اس کی حالت بیان کر دی جائے جس نے بیچی دوسرے کی چیز بلا اجازت تو مالک کو اختیار ہے چاہے بیع کو نافذ کرے

[1] دار قطنی عن ابی ہریرہ' ابن ابی شیبہ' بیہقی' دار قطنی عن مکحول (مرسلا) ۱۲ [2] طحاوی' بیہقی عن علقمة بن ابی وقاص ۱۲

شَاءَ فَسَخَ وَلَهُ الْاِجَازَةُ اِذَا كَانَ الْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ بَاقِيًا وَالْمُتَعَاقِدَ ان بِحَالِهِمَا وَمَنْ رَاى

چاہے فسخ کر دے اور نافذ اسی وقت کرے گا جب معقود علیہ اور متعاقدین علی حالہ باقی ہوں جس نے دیکھا

اَحَدَالثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَ اهُمَا ثُمَّ رَاى الْاٰخَرَجَازَلَهُ اَنْ يَّرُدَّهُمَا [1] وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ خِيَارُ

دو کپڑوں میں سے ایک کو اور خرید لئے دونوں پھر دیکھا دوسرا کپڑا تو وہ دونوں کو لوٹا سکتا ہے اگر مر گیا وہ جس کو دیکھنے کا

الرُّؤْيَةِ بَطَلَ خِيَارُهُ وَمَنْ رَاى شَيْئًا ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ فَاِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي

اختیار تھا تو اس کا خیار باطل ہو گیا جس نے دیکھی کوئی چیز پھر خریدا اس کو ایک مدت کے بعد پس اگر وہ اسی حالت پر ہو جس

رَاٰهُ فَلَا خِيَارَ لَه وَاِنْ وَّجَدَهُ مُتَغَيِّرًا فَلَهُ الْخِيَارُ

پر دیکھی تھی تب تو اس کو اختیار نہ ہوگا اور اگر اس کو متغیر پایا تو اختیار ہوگا۔

توضیح اللغۃ: بیوت۔جمع بیت'یجس۔(ن)جسًا'معلوم کرنے کے لیے ہاتھ سے چھونا'یشمہ (ن)شماً'سونگھنا'یذوقہ (ن)ذوقاً'چکھنا'عقار۔ زمین۔

تشریح الفقہ: قولہ وان رآی الخ امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک ظاہر دار یا اس کے صحن کا دیکھ لینا کافی ہے۔امام زفر فرماتے ہیں کہ گھر کی کوٹھڑیوں اور اس کے دالان وغیرہ کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔امام زفر کا قول مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہ اختلاف دراصل اختلاف عادات پر مبنی ہے کہ کوفہ اور بغداد کے مکانات میں چھوٹے بڑے اور نئے پرانے ہونے کے علاوہ اور کوئی تفاوت نہ ہوتا تھا'اس لیے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر کو دیکھ لینا کافی سمجھا اور آج کل مکانات میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے چنانچہ گرمی سردی کے کمرے'بالائی اور زیریں مکانات'ان کے باورچی خانے اور غسل خانے وغیرہ متفاوت ہوتے ہیں اس لیے ان سب کو دیکھنا ضروری ہے۔

قولہ وبیع الاعمٰی الخ نابینا آدمی کی خرید وفروخت صحیح ہے گو وہ مادرزاد نابینا ہو کیونکہ بیناؤں کی طرح وہ بھی مکلف اور خرید وفروخت کا محتاج ہے۔امام شافعی کے یہاں مادرزاد نابینا کی بیع وشراء اصلاً جائز نہیں ہے اب اگر اس نے بیع کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر خریدا ہو اور ٹٹولنے یا سونگنے یا چکھنے سے بیع کا حال معلوم ہو جاتا ہو تو اس کا خیار رویت ساقط ہو جائے گا اور جو چیزیں ٹٹولنے'سونگھنے اور چکھنے سے معلوم نہیں ہوتیں ایسی چیزوں میں اوصاف بیع ذکر کر دینے سے خیار رویت ساقط ہو جائے گا اور اگر وصف بیان کر دینے کے بعد نابینا بینا ہو گیا تو اس کو خیار رویت حاصل نہ ہوگا کیونکہ عقد اس سے قبل تمام ہو چکا اور اگر کسی بینا آدمی نے کوئی چیز بن دیکھے خریدی پھر وہ نابینا ہو گیا تو اس کا اختیار بیان وصف کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

فائدہ نابینا آدمی جملہ مسائل میں بیناؤں کی طرح ہے سوائے بارہ مسائل کے اور وہ یہ ہیں۔نابینا پر ا۔جہاد'۲۔جمعہ'۳۔جماعت'اور ۴۔حج نہیں گرچہ اس کو کوئی راہبر مل جائے'اس میں ۵۔شہادت'۶۔قضا'اور ۷۔امامت عظمیٰ یعنی بادشاہت کی صلاحیت نہیں'اس کی آنکھ میں ۸۔دیت نہیں بلکہ حکومت عدل ہے'اس کی ۹۔اذان اور ۱۰۔امامت مکروہ ہے۔الا یہ کہ وہ سب سے زیادہ عالم ہو'۱۱۔نابینا غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں'۱۲۔ نابینا کا ذبیحہ مکروہ ہے۔

قولہ فی العقار الخ زمین کی خریداری میں نابینا کا اختیار اس وقت ساقط ہوگا۔جب زمین کا وصف بیان کر دیا جائے کیونکہ زمین کا علم چھونے'چکھنے یا سونگھنے سے نہیں ہو سکتا ادھر بیان وصف بینا آدمی کے حق میں رویت کے قائم مقام ہے (چنانچہ بیع سلم میں بیان وصف کے بعد اس کو اختیار نہیں ہوتا) تو نابینا کے حق میں بھی رویت کے قائم مقام ہوگا۔حسن بن زیاد یہ کہتے ہیں کہ اس کی طرف سے ایک وکیل بالقبض کر لیا جائے گا جو

[1] ن رؤیۃ احدہما لاتکون رؤیۃ الآخر ثم لا یردہ وحدہ بل یردہما کی لا یکون تفریقاً للصفقۃ قبل التمام ۱۲۔ہدایہ

زمین کو دیکھ لے گا۔ وھو اشبہ بقول ابی حنیفۃ لان نظر الوکیل کنظرہ عندہ۔

قولہ ولہ الاجازۃ الخ کسی نے دوسرے کی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دی تو مالک کو اختیار ہے چاہے بیع کو نافذ کرے، چاہے فسخ کر دے اور مالک کے نافذ کرنے سے پہلے مشتری کو بیع میں تصرف کا حق حاصل نہیں خواہ وہ قبضہ کر چکا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر مالک نے اس کی قیمت پر قبضہ کر لیا تو یہ اجازت بیع کی دلیل ہے لیکن مالک کو نافذ کرنے کا اختیار اس وقت ہے جب چار چیزیں علی حالہ باقی ہوں۔ یعنی بائع، مشتری، مالک، بیع اس صورت میں اجازت لاحقہ بمنزلہ وکالت سابقہ ہوگی اور بائع وکیل کے درجہ میں ہوگا۔

بَابِ خَیَارِ العَیْبِ

باب خیار عیب کے بیان میں

اِذَااطَّلَعَ الْمُشْتَرِیُ عَلٰی عَیْبٍ فِی الْمَبِیْعِ فَھُوَبِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَہٗ
جب مطلع ہو مشتری کسی عیب پر بیع میں تو اسے اختیار ہے چاہے پورے ثمن کے

بِجَمِیْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّہٗ وَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یُّمْسِکَہٗ وَیَاخُذَ النُّقْصَانَ وَکُلُّ مَااَوْجَبَ نُقْصَانَ
عوض لے چاہے واپس کر دے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ مبیع رکھے اور نقصان لے جو چیز کمی لائے قیمت میں

الثَّمَنِ فِیْ عَادَۃِ التُّجَّارِ فَھُوَعَیْبٌ وَالْاِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِی الْفِرَاشِ وَالسَّرِقَۃُ عَیْبٌ فِی الصَّغِیْرِ
سوداگروں کے نزدیک تو وہ عیب ہے بھاگنا بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے بچہ میں

مَالَمْ یَبْلُغْ فَاِذَا بَلَغَ فَلَیْسَ ذٰلِکَ بِعَیْبٍ حَتّٰی یُعَاوِدَہٗ بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَالْبَخْرِ وَالدَّفْرُعَیْبٌ
جب تک بالغ نہ ہو جب وہ بالغ ہو گیا تو عیب نہیں یہاں تک کہ وہ دوبارہ کرے بالغ ہونے کے بعد گندہ دہن اور گندہ بغل ہونا عیب

فِیْ الْجَارِیَۃِ وَلَیْسَ بِعَیْبٍ فِیْ الْغُلَامِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مِنْ داءٍ وَالزِّنَا وَ وَلَدُ الزِّنَا عَیْبٌ
اور عیب نہیں ہے کہ غلام میں الا یہ کی بیماری کی وجہ سے ہو زنا کار اور حرامی ہونا عیب ہے

فِی الْجَارِیَۃِ دُوْنَ الْغُلَامِ وَاِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِیُ عَیْبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ کَانَ عِنْدَ
باندی میں نہ کہ غلام میں جب پیدا ہو جائے مشتری کے پاس کوئی عیب پھر وہ مطلع ہوا اس عیب پر جو بائع

الْبَائِعِ فَلَہٗ اَنْ یَرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ وَلَایَرُدُّ الْمَبِیْعَ اِلَّا اَنْ یَّرْضَی الْبَائِعُ اَنْ یَّاخُذَبِعَیْبِہٖ
کے یہاں تھا تو وہ لے سکتا ہے عیب کی کمی کو واپس نہیں کر سکتا مبیع کو الا یہ کہ راضی ہو بائع معیوب کے لینے پر

وَاِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِی الثَّوْبَ وَخَاطَہٗ اَوْصَبَغَہٗ اَوْلَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمَنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ
اگر مشتری نے کپڑا کتر کر سی لیا یا رنگ لیا یا ستو میں گھی ملا لیا پھر عیب پر مطلع ہو

رَجَعَ بِنُقْصَانِہٖ وَلَیْسَ لِلْبَائِعِ اَنْ یَّاْخُذَہٗ بِعَیْنِہٖ
تو نقصان عیب لے سکتا ہے بائع بعینہ اس چیز کو نہیں لے سکتا۔

توضیح اللغۃ: یمسکہ۔ امساک روکنا، تجار۔ جمع تاجر، اباق۔ بھگوڑا پن، بول۔ پیشاب، سرقہ۔ چوری، بخر۔ گندہ دہنی، دفر۔ گندہ بغل ہونا، داء۔ بیمار، خاطہ، خیاطۃ۔ سینا، صبغ صبغا۔ رنگنا، لت۔ ملا لیا، سویق۔ ستو، سمن۔ گھی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ عرب میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ خالی ہو (فتح) یعنی جو اصل خلقت میں داخل نہ ہو۔ شرعاً عیب

ہے جس کی وجہ سے سوداگروں کے یہاں اس چیز کی قیمت گھٹ جائے جیسے بھگوڑا پن' بستر پر پیشاب کرنا' چوری کرنا' دیوانہ پن' گندہ ذہنی' باندی کا گندہ بغل یا زنا کار ہونا' حیض کا نہ آنا' استحاضہ' پرانی کھانسی وغیرہ۔

قولہ اذا اطلع المشتری الخ جو شخص بیع میں عیب پائے اس کو اختیار ہے کل ثمن دے کر لے لے یا واپس کر دے کیونکہ مطلق عقد کا مقتضی یہی ہے کہ بیع عیب سے پاک ہو مگر یہ خیار چند شرطوں کے ساتھ مقید ہے۔ا۔عیب بائع کے پاس رہتے ہوئے پیدا ہوا ہو' مشتری کے پاس پیدا نہ ہوا ہو۔۲۔مشتری کو خریدتے وقت۔۳۔اور قبضہ کے وقت عیب معلوم نہ ہو۔۴۔مشتری بلا مشقت ازالہ عیب پر قادر نہ ہو۔۵۔اس عیب سے یا جملہ عیوب سے برأت کی شرط نہ ہو۔۶۔فسخ ہونے سے پیشتر وہ عیب زوال پذیر نہ ہو۔

قولہ واذا حدث الخ کسی نے معیوب چیز خریدی' پھر اس کے پاس کوئی اور عیب پیدا ہو گیا تو اسے اختیار ہے چاہے بقدر نقصان عیب قدیم ثمن واپس لے لے' چاہے معیوب بیع کو واپس کر دے بشرطیکہ بائع لینے پر راضی ہو' بائع کی رضا اس لیے ضروری ہے کہ جب بیع اس کی ملک سے نکلی تھی اس وقت عیب حادث سے پاک تھی' پھر رجوع بالنقصان کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بلا عیب بیع کی قیمت لگائی جائے پھر قدیم عیب کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دونوں قیمتوں میں جو تفاوت ہو اس کے مطابق ثمن واپس لے لے مثلاً سو روپے کی چیز دس میں خریدی اور عیب نے دسواں حصہ کم کر دیا تو ثمن کا دسواں حصہ یعنی ایک روپیہ واپس لے لے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

قولہ وان قطع الخ اگر خریدا ہوا کپڑا ابیونت کر سی ڈالا یا رنگ دیا یا ستو میں گھی ملا لیا پھر عیب قدیم پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے بیع واپس نہیں کر سکتا اگر چہ بائع اور مشتری دونوں مبیع پر راضی ہوں اس واسطے کہ یہاں مشتری کی طرف سے اصل مبیع میں زیادتی ہو گئی۔اب اگر اس زیادتی کے ساتھ واپسی ہو تو شبہ ربوا لازم آتا ہے اور بلا زیادتی ممکن نہیں کیونکہ اس زیادتی کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ **فامتنع الرد اصلا۔**

فائدہ بیع کے اندر زیادتی کی دو قسمیں ہیں۔متصلہ' منفصلہ' متصلہ کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو اصل سے پیدا ہو جیسے گھی اور جمال وغیرہ یہ زیادتی رد بیع سے مانع نہیں ہوتی کیونکہ یہ زیادتی تابع محض ہے۔دوم وہ جو اصل سے پیدا نہ ہو جیسے کپڑے کو رنگ دینا یا اس کو سی لینا یا ستو میں گھی ملا لینا وغیرہ یہ زیادتی بالاتفاق رد بیع سے مانع ہوتی ہے۔منفصلہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو اصل سے پیدا ہو جیسے ولد اور ثمر وغیرہ یہ زیادتی رد مبیع سے مانع ہوتی ہے۔دوم وہ جو اصل سے پیدا نہ ہو جیسے کسب (کمائی) یہ زیادتی رد مبیع سے مانع نہیں ہوتی۔اس واسطے کہ کسب کسی حالت میں بھی مال نہیں ہے کیونکہ یہ منافع سے حاصل ہوتی ہے۔ **المنافع غیر الاعیان۔**

قولہ اوصبغہ الخ یہاں رنگ سے مراد سرخ رنگ ہے اور اگر اس نے کپڑے کو کالا رنگ دیا' تب بھی صاحبین کے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ ان کے نزدیک سرخ رنگ کی طرح کالا رنگ بھی زیادتی کے حکم میں ہے۔البتہ امام صاحب کے نزدیک قطع ثوب کی طرح کالا رنگ باعث عیب ہے۔ **کذا فی النہایہ** محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَاَعْتَقَهٗ اَوْمَاتَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ فَاِنْ قَتَلَ

جس نے غلام خرید کر آزاد کر دیا یا وہ اس کے پاس مر گیا پھر مطلع ہوا کسی عیب پر تو عیب کا نقصان لے سکتا ہے پس اگر قتل

الْمُشْتَرِى الْعَبْدَ اَوْكَانَ طَعَامًا فَاَكَلَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبِهٖ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَىْءٍ فِىْ قَوْلِ اَبِىْ

کر دیا مشتری نے غلام یا بیع کھانا تھا اس کو کھا گیا پھر مطلع ہوا عیب پر تو کچھ واپس نہیں لے سکتا امام صاحب

حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا فَبَاعَهُ الْمُشْتَرِىْ ثُمَّ رُدَّ

کے قول میں صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ عیب کا نقصان لے سکتا ہے کسی نے غلام بیچا خریدار نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا اس کو واپس کر دیا

عَلَيْهِ بِعَيْبٍ فَإِنْ قَبِلَهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَهُ اَنْ يَّرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الْاَوَّلِ وَاِنْ قَبِلَهُ بِغَيْرِ
گیا عیب کی وجہ سے پس اگر خریدار نے قاضی کے حکم سے قبول کیا ہو تو وہ پہلے بائع کو واپس کر دے گا اور اگر قضاء قاضی کے بغیر
قَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الْاَوَّلِ وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا اَوْشَرَطَ الْبَائِعُ
قبول کیا تو وہ اس کو پہلے بائع پر نہیں لوٹا سکتا کسی نے غلام خریدا اور بائع نے شرط کر لی
الْبَرَاءَ ةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّرُدَّهُ بِعَيْبٍ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الْعُيُوْبِ وَلَمْ يَعُدَّهَا
ہر عیب سے بری ہونے کی تو مشتری نہیں لوٹا سکتا اس کو عیب کی وجہ سے گو تمام عیبوں کو نام لے لے کر شمار نہ کرایا ہو۔

خیارعیب کے باقی مسائل

تشریح الفقہ: **قوله فاعتقه الخ** اگر مشتری نے غلام کو (بلاعوض مال) آزاد کر دیا یا غلام مر گیا' پھر اس کے عیب پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے گا۔ موت کی صورت میں تو اس لیے کہ آدمی میں ملک کا ثبوت اس کی مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اور موت کی وجہ سے مالیت منتہی ہو چکی تو ملک بھی منتہی ہوگی پس واپسی ممتنع ہوگئی اب اگر رجوع بالنقصان بھی جائز نہ ہو تو مشتری کا نقصان لازم آئے گا' رہی صورت اعتاق سو قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ رجوع جائز نہ ہو۔ کیونکہ یہاں سبب امتناع رد مبیع خود اسی کا فعل ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی اس کو قتل کر دیتا کہ اس صورت میں رجوع نہیں کر سکتا مگر چونکہ عتق سے بھی ملک منتہی ہو جاتی ہے اس لیے استحساناً رجوع بالنقصان جائز ہے۔

قوله فان قتل الخ اور اگر مشتری نے خرید کردہ غلام کو قتل کر دیا (یا بہ عوض مال آزاد کر دیا) یا مبیع از قسم طعام تھی اس کو کھا گیا تو امام صاحب کے نزدیک رجوع نہیں کر سکتا۔ صاحبین کے نزدیک طعام کی صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔ نہایہ' خلاصہ' اختیار' قہستانی وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قول ومن باع الخ زید نے خالد کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی' خالد نے عمرو کے ہاتھ فروخت کر دی' عمرو نے عیب کی وجہ سے وہ چیز خالد کو واپس کر دی تو اگر عمرو نے قاضی کے حکم سے واپس کی ہے' تب تو خالد اپنے بائع یعنی زید کو وہ چیز واپس کر دے گا کیونکہ بحکم قضاء مبیع کا واپس ہونا ان سب کے حق میں فسخ بیع کا حکم رکھتا ہے تو گویا بیع سرے سے ہوتی ہی نہیں اور اگر عمرو نے بلا حکم قضاء صرف خالد کی رضامندی سے واپس کی ہے تو خالد زید کو وہ چیز واپس نہیں کر سکتا کیونکہ یہ واپسی گو عمرو اور خالد کے حق میں فسخ بیع ہے لیکن ان کے غیر کے حق میں بیع جدید ہے اور زید ان کے لحاظ سے غیر ہی ہے۔

بابُ البیع الفاسدِ

باب بیع فاسد کے بیان میں

قوله باب الخ بیع صحیح کی دونوں قسموں یعنی لازم وغیر لازم کے بیان سے فراغت کے بعد بیع فاسد کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ عقد فاسد دین کے خلاف ہے (فتح) علامہ دلوالجی نے تصریح کی ہے کہ بیع فاسد معصیت ہے جس کو ختم کرنا واجب ہے۔ فاسد سے بطریق مجاز عرفی عقد ممنوع مراد ہے جو باطل اور مکروہ کو بھی شامل ہے اور بیع فاسد چونکہ تعدد اسباب کی وجہ سے کثیر الوقوع ہے اس لیے صاحب کتاب نے اس باب کو ''البیع الفاسد''

کے ساتھ ملقب کر دیا۔

قولہ البیع الفاسد الخ بیع کی دو قسمیں ہیں۔ منہی عنہ' جائز' منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں۔ فاسد' باطل' مکروہ تحریمی' فاسد لغۃً (ن ض ۔ک) فساداً سے مشتق ہے ضد صلاح کو کہتے ہیں۔ یعنی وصف کا متغیر ہو جانا' بگڑ جانا' خراب ہو جانا' اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار اصل مشروع ہو اور باعتبار وصف غیر مشروع۔ باعتبار اصل مشروع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مال متقوم ہو۔ یہاں فاسد سے مراد وہ ہے جو باعتبار وصف مشروع نہ ہو' عام ازیں کہ وہ باعتبار اصل مشروع ہو یا نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بجر دعقد مفید حکم یعنی مفید ملک نہیں ہوتی بلکہ قبضہ کے سبب سے مفید ملک ہوتی ہے پھر بیع فاسد میں اسباب فساد مختلف ہوتے ہیں مثلاً مبیع یا ثمن میں ایسی ا۔ جہالت کا ہونا جو مفضی الی المنازعۃ ہو۔۲۔ تسلیم سے عاجز ہونا۔۳۔ دھوکے کا ہونا۔۴۔ خلاف مقتضاء عقد شرط کا ہونا' ۵۔ مالیت کا نہ ہونا۔ ۶۔ تقوم کا نہ ہونا وغیرہ۔ بیع باطل وہ ہے جو نہ باعتبار اصل مشروع ہو اور نہ باعتبار وصف۔ بیع کی یہ قسم کسی طرح مفید ملک نہیں ہوتی' خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو۔ مکروہ وہ ہے جو ہر دو لحاظ سے مشروع ہو' مگر کسی دوسری شئے کی مجاورت کے سبب سے ممنوع عنہ ہو جیسے بیع بوقت اذان جمعہ' بیع جائز کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ا۔ لازم' لازم غیر لازم موقوف' لازم وہ ہے جو ہر اعتبار سے مشروع ہو اور کسی دوسرے کا حق اس سے متعلق نہ ہو اور نہ اس میں کوئی خیار ہو۔ غیر لازم وہ ہے جس سے دوسرے کا حق تو متعلق نہ ہو۔ لیکن اس میں کوئی خیار ہو۔ موقوف وہ ہے جس سے غیر کا حق متعلق ہو۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جیسے ا۔ عبد مجور' ۲۔ صبی مجور' ۳۔ صبی غیر رشید[1]' ۴۔ مرہون' ۵۔ مستاجر' ۶۔ مرتد کی بیع' ۷۔ بیع بالرقم[2]' ۸۔ وہ بیع جس میں خیار مجلس ہو' ۹۔ قبضہ کے بعد بائع کا بیع کو مشتری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا' ۱۰۔ مالک کا مغصوب شئے کو فروخت کرنا' ۱۱۔ اس ثمن کے عوض میں فروخت کرنا جس کے عوض میں فلاں نے فروخت کیا ہے (جبکہ مشتری اس کو نہ جانتا ہو) ۱۲۔ اس زمین کی بیع جو کسی دوسرے کے پاس بٹائی پر ہو' وہ بیع جس میں تین دن سے زائد کا خیار ہو' ۱۴۔ وکیل بالشراء کا نصف غلام خریدنا (جب کہ وہ پورا غلام خریدنے کا وکیل ہو)' ۱۵۔ مخلوط مال سے ایک شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنا' ۱۶۔ آقا کا اپنے ماذون ومقروض غلام کو فروخت کرنا' ۱۷۔ اس چیز کو فروخت کرنا جس کی تسلیم میں ضرر ہو' ۱۸۔ مریض آدمی کا اپنے اپنے مال سے کسی معین شئے کو بعض ورثہ کے ہاتھ فروخت کرنا' ۱۹۔ وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو مستغرق بالدین ہو' ۲۰۔ معتوہ یعنی کم عقل ومدہوش کی بیع۔

اِذَاكَانَ	اَحَدُ	الْعِوَضَيْنِ	اَوْ	كِلَا	هُمَا	مُحَرَّمًا	فَالْبَيْعُ	فَاسِدٌ	كَالْبَيْعِ	بِالْمَيْتَةِ	اَوْبِالدَّمِ	اَوْبِالْخَمْرِ
جب ہو	عوضین میں	سے	ایک	یا دونوں	حرام	چیزیں	تو بیع	فاسد ہے	جیسے	مردار'	خون	شراب

اَوْبِالْخِنْزِيْرِ	وَكَذٰلِكَ	اِذَاكَانَ	الْمَبِيْعُ	غَيْرَ	مَمْلُوْكٍ	كَالْحُرِّ	وَبَيْعُ	اُمِّ	الْوَلَدِ	وَالْمُدَبَّرِ	وَالْمُكَاتَبِ
اور خنزیر کی بیع'	اسی طرح	جب	بیع	غیر	مملوک ہو	جیسے آزاد آدمی	اور	ام	ولد	اور مدبر	اور مکاتب کی

فَاسِدٌ	وَلَا	يَجُوْزُ	بَيْعُ	السَّمَكِ	فِي	الْمَاءِ	قَبْلَ	اَنْ	يَصْطَادَهُ	وَلَابَيْعُ	الطَّائِرِ	فِي	الْهَوَاءِ
بیع فاسد ہے	اور	جائز نہیں	مچھلی کی بیع		پانی میں	شکار کرنے سے پہلے				اور نہ	پرندہ کی بیع		فضاء میں

بیع فاسد وبیع باطل کے احکام

توضیح اللغۃ: میتۃ۔ مردار' خمر۔ شراب' سمک۔ مچھلی' یصطادہ۔ شکار کرے' ہوا۔ فضاء۔

تشریح الفقہ: قولہ اذا کان الخ ان مسائل کو سمجھنے کے لیے پہلے چند اصول ذہن نشین کر لو۔ ا۔ اگر رکن بیع یعنی ایجاب وقبول میں خلل ہو جیسے عاقد میں اہلیت عقد کا مفقود ہونا یا محل بیع یعنی مبیع میں خلل ہو جیسے کسی حرام شئے کو مبیع بنانا یا مبیع کا معدوم ہونا یا مبیع کا مال نہ ہونا تو ان صورتوں میں بیع

[1] جو تصرف سے بخوبی واقف نہ ہو ۱۲۔ [2] وہ بیع جس میں شئے پر اس کے ثمن کے علامت لکھی ہو ۱۲۔

باطل ہوگی۔۲۔ اگر مبیع میں حلال چیز کے ساتھ حرام چیز شامل کردی گئی تو دونوں میں بیع باطل ہوگی۔۳۔ اگر ثمن میں کوئی خلل ہو۔ مثلاً یہ کہ ثمن کوئی حرام چیز ہو یا مبیع میں کوئی خلل ہو مثلاً وہ مقدور التسلیم نہ ہو یا عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضاء عقد ہو نہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں بائع یا مشتری یا اس مبیع کا فائدہ ہو جس میں استحقاق منفعت کی اہلیت ہے اور اس شرط کا نہ رواج ہو نہ شریعت میں اس کا جواز ہو تو ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔۴۔ جو چیز تنہا معقود علیہ نہ ہو سکتی ہو اگر اس کا استثناء کرلیا جائے۔ تو بیع فاسد ہوگی' جب یہ اصول ذہن نشین ہو گئے تو اب سمجھو کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہ ہونے کی وجہ سے محل بیع نہیں ہیں۔ نیز شراب اور خنزیر کی بیع بھی باطل ہے کیونکہ ان میں مالیت اور تقوم مفقود ہے اور آزاد کی بیع ابتداء و بقاء ہر دو اعتبار سے باطل ہے کیونکہ وہ کسی طرح سے محل بیع نہیں اور ''ام ولد'' مدبر مطلق اور مکاتب کی بیع بقاء باطل ہے کیونکہ ام ولد کے لیے استحقاق عتق حدیث سے ثابت ہے کہ ''اس کو اس کے بچہ نے آزاد کردیا[1]'' اور مدبر میں سبب حریت فی الحال متحقق ہے اور مکاتب اپنے ذاتی تصرفات کا مستحق ہو جاتا ہے اگر بیع کے ذریعہ مشتری کے لیے ان میں ملک ثابت ہو تو یہ تمام حقوق باطل ہو جائیں گے۔

قوله ولایجوز الخ شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی بیع جائز نہیں کیونکہ وہ اس کا مالک ہی نہیں' نیز امام احمد نے مرفوعاً روایت کیا ہے ''لاتشتروا السمک فی الماء فانه غرور'' صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں کہا ہے کہ جو مچھلی شکار نہیں ہوئی اگر اس کو دراہم یا دنانیر کے عوض فروخت کیا جائے تو بیع باطل ہونی چاہیے اور اسباب کے عوض فروخت کیا جائے تو فاسد ہونی چاہیے کیونکہ وہ شکار ہونے سے پہلے غیر متقوم مال ہے اس واسطے کہ تقوم احراز سے ہوتا ہے اور یہاں احراز حاصل نہیں۔ فضاء میں رہتے ہوئے پرندہ کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ غیر مملوک ہے اور اگر ہاتھ سے چھوڑ دینے کے بعد فروخت کیا جائے تو بیع فاسد ہے کیونکہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے۔

وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ الْحَمَلِ فِی الْبُطْنِ وَلَا النِّتَاجِ وَلَا الصُّوْفِ عَلٰی ظَهْرِ الْغَنَمِ وَلَا بَیْعُ اللَّبَنِ

جائز نہیں حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی اور نہ اون کی بیع بکری کی پشت پر نہ دودھ کی بیع

فِی الضَّرْعِ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ ذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ وَلَا بَیْعُ جِذْعٍ مِنْ سَقْفٍ وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ

تھن میں اور جائز نہیں ایک گز کی بیع تھان سے نہ کڑی کی بیع چھت سے نہ جال پھینکنے کی بیع

وَلَا بَیْعُ الْمُزَابَنَةِ وَهُوَ بَیْعُ التَّمْرِ عَلَی النَّخْلِ بِخَرْصِهٖ تَمْرًا

اور نہ بیع مزابنہ اور وہ بیچنا ہے کھجور کو درخت پر لگے ہوئے ٹوٹی ہوئی کھجور سے اندازہ کر کے

توضیح اللغۃ: بطن۔ پیٹ' نتاج۔ حمل کا بچہ' صوف۔ اون' ظہر۔ پشت' لبن۔ دودھ' ضرع۔ تھن' ذراع۔ گز' جذع۔ شہتیر' سقف۔ چھت' قانص۔ جال پھینکنے والا' مزابنہ۔ درخت پر پھل بیچنا' تمر۔ کھجور' نخل۔ کھجور کا درخت' خرص۔ اندازہ۔

تشریح الفقہ: قوله ولایجوز بیع الحمل الخ حمل کی بیع باطل ہے (بحر' برہان' حموی) اور حمل کے بچہ کی بیع بھی باطل ہے کیونکہ حدیث میں ان دونوں کی ممانعت مصرح[2] ہے۔ بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع ناجائز ہے (امام ابو یوسف اور امام مالک نے اس کو جائز کہا ہے) تھن کے اندر دودھ کی بیع بھی ناجائز ہے (برجندی نے اس کے بطلان پر یقین ظاہر کیا ہے) کیونکہ روایت میں ان دونوں کی ممانعت وارد ہے[3]۔ نیز معلوم نہیں کہ تھن دودھ ہے یا ہوا۔

[1] ابن ماجہ ابن عباس ۱۲۔ [2] حدیث حمل' ابن ماجہ' ترمذی' احمد عن ابی سعید' حدیث نتاج' صحیحین' عبد الرزاق عن ابن عمر (بالفاظ) طبرانی' بزار عن ابن عباس' بزار' ابن راہویہ عن ابی ہریرہ' ترمذی' ابن ماجہ عن ابی سعید ۱۲۔ [3] طبرانی' دار قطنی' بیہقی عن ابن عباس (مرفوعاً مسنداً) ابو داؤد' ابن ابی شیبہ' دار قطنی (مرسلاً) ابو داؤد' شافعی' بیہقی عن ابن عباس' (موقوفاً) ۱۲

قولہ ولایجوز بیع ذراع الخ تھان کے ایک گز کی اور چھت میں پیوست شہتیر کی بیع فاسد ہے کیونکہ بدون لزوم ضرر بائع تسلیم متعذر ہے پھر اگر بائع نے تھان سے ایک گز پھاڑ دیا یا چھت سے شہتیر نکال دیا تو بیع درست ہو جائے گی کیونکہ مفسد زائل ہو گیا ایک بار جال لگانے میں جو شکار آئے اس کی بیع بھی باطل ہے۔ (بحر' نہر' فتح' ایضاح)

قولہ ولا بیع المزابنۃ الخ بیع مزابنہ یعنی درخت خرما پر پکی کھجوروں کو خشک کٹی ہوئی کھجوروں کے عوض اندازہ کے ساتھ کیل کے لحاظ سے فروخت کرنا بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت مصرح ہے[1]۔ امام شافعی پانچ وسق سے کم میں اس صورت کو جائز کہتے ہیں' کیونکہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور عرایا کی اجازت دی ہے[2]۔ عرایا عریۃ کی جمع ہے۔ جس کی تفسیر امام شافعی کے یہاں وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی' بشرطیکہ پانچ وسق سے کم میں ہو ہم یہ کہتے ہیں کہ عریہ دراصل عطیہ کو کہتے ہیں۔ یقال اعری فلانا النخلۃ' اس نے فلاں کو ایک سال کے لیے پھل ہبہ کر دیا' اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے باغ سے ایک آدھ درخت کے پھل کسی مسکین کو ہبہ کر دیتے پھر جب پھل کے موسم میں باغ کا مالک اپنے اہل و عیال کے ساتھ باغ میں آتا تو اس اجنبی مسکین کی وجہ سے تنگی محسوس کرتا پس اس ضرورت کے پیش نظر مالک کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ مسکین کو ان پھلوں کے بجائے دوسرے کٹے ہوئے پھل دے دے تو ظاہر کے لحاظ سے گو یہ بیع کی صورت ہے لیکن درحقیقت بیع نہیں ہبہ ہے۔

وَلَایَجُوْزُ الْبَیْعُ بِالْقَاءِ الْحَجَرِ وَالْمُلَا مَسَۃِ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ ثَوْبٍ مِّنْ ثَوْبَیْنِ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا
اور جائز نہیں بیع پتھر پھینکنے کے ساتھ اور نہ بیع ملامسہ اور جائز نہیں دو تھانوں میں سے ایک کی بیع ' جس نے بیچا غلام

عَلٰی اَنْ یُّعْتِقَہُ الْمُشْتَرِیْ اَوْ یُدَبِّرَہُ اَوْیُکَاتِبَہُ اَوْبَاعَ اَمَۃً عَلٰی اَنْ یَسْتَوْلِدَ ھَا فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ وَ
اس شرط پر کہ آزاد کرے گا اس کو مشتری یا مدبر یا مکاتب بنائے گا یا بیچی باندی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے

کَذٰلِکَ لَوْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰی اَنْ یَّسْتَخْدِمَہُ الْبَائِعُ شَھْرًا اَوْدَارًا عَلٰی اَنْ یَسْکُنَھَا الْبَائِعُ مُدَّۃً
اسی طرح اگر بیچا غلام اس شرط پر کہ خدمت لے گا اس سے بائع ایک ماہ تک یا مکان اس شرط پر کہ رہے گا اس میں بائع اتنی مدت

مَّعْلُوْمَۃً اَوْ عَلٰی اَنْ یُّقْرِضَہُ الْمُشْتَرِیْ دِرْھَمًا اَوْعَلٰی اَنْ یُّھْدِیَ لَہٗ وَمَنْ بَاعَ عَیْنًا عَلٰی
تک یا اس شرط پر کہ قرض دے گا اس کو مشتری کچھ درہم یا کچھ ہدیہ دے گا اس کو' جس نے بیچی کوئی چیز اس شرط پر کہ

اَنْ لَّایُسَلِّمَھَا اِلَّا اِلٰی رَاْسِ الشَّھْرِ فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ وَمَنْ بَاعَ جَارِیَۃً اَوْدَابَّۃً اِلَّاحَمْلَھَا فَسَدَالْبَیْعُ
حوالے نہ کرے گا اس کو ایک ماہ تک تو بیع فاسد ہے جس نے بیچی باندی یا چوپایہ اور استثناء کر لیا اس کے حمل کو تو

وَمَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا عَلٰی اَنْ یُّقْطِعَہُ الْبَائِعُ وَیُخِیْطَہُ قَمِیْصًا اَوْقَبَاءً اَوْنَعْلًا عَلٰی اَنْ یَحْذُوَھَا
بیع فاسد ہے جس نے خریدا کپڑا اس شرط پر کہ بیونت کر دے گا اس کو بائع یا قمیص یا قباء سی کر دے گا یا جوتا خریدا اس شرط پر کہ برابر

اَوْیُشْرِکَھَا فَالْبَیْعُ فَاسِدٌ وَالْبَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَالْمَھْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصٰرٰی وَفِطْرِ الْیَھُوْدِ
کر کے یا تسمہ لگا کر دے گا تو بیع فاسد ہے اور فروخت کرنا نوروز' مہرجان' صوم نصاریٰ عید یہود تک

اِذَا لَمْ یَعْرِفِ الْمُتَبَائِعَانِ ذٰلِکَ فَاسِدٌ وَلَا یَجُوْزُ الْبَیْعُ اِلَی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَالْقِطَافِ وَ
جبکہ متعاقدین اس کو نہ جانتے ہوں فاسد ہے اور جائز نہیں بیع کھیتی کٹنے یا اس کے گاہے جانے یا انگور اترنے اور

[1] صحیحین عن جابر وابی سعید' بخاری عن ابن عباس وانس' مسلم عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [2] صحیحین عن ابی ہریرہ وزید' مسلم عن سہل ۱۲۔

قُدُوْمِ الْحَاجِّ فَاِنْ تَرَاضَيَا بِاِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ يَّاْخُذَ النَّاسُ فِي الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَ

حاجیوں کے آنے تک پس اگر راضی ہو گئے متعاقدین اس مدت کے ساقط کرنے پر قبل اس کے کہ لوگ کھیتی کاٹیں یا گاہیں

قَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَيْعُ وَاِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِيْ الْمَبِيْعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وَ

یا حاجیوں کی آمد سے قبل تو جائز ہو جائے گی بیع جب قبضہ کر لیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کے حکم سے

فِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِيْعَ وَلَزِمَتْهُ قِيْمَتُهُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ

درانحالیکہ عقد کے دونوں عوضوں میں سے ہر ایک مال ہے تو وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا اور لازم ہو گی اس کو اس کی قیمت اور متعاقدین میں

الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهٗ فَاِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِيْ نَفَذَ بَيْعُهٗ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَّ عَبْدٍ اَوْشَاةٍ

سے ہر ایک کو حق ہو گا فسخ بیع کا پس اگر بیچ دے اس کو مشتری تو نافذ ہو گی اس کی بیع جس نے جمع کیا آزاد اور غلام کو یا مذبوحہ

ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيْهِمَا وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَّمُدَبَّرٍ اَوْبَيْنَ عَبْدِهٖ وَ عَبْدِ غَيْرِهٖ

اور مردار بکری کو تو باطل ہو گی بیع دونوں میں جس نے جمع کیا عبد محض اور مدبر کو یا اپنے اور غیر کے غلام کو

صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ

تو صحیح ہو گی غلام کی بیع اس کے حصہ کی قیمت سے

توضیح اللغۃ: ملامست۔ ایک دوسرے کو چھونا' نعل۔ جوتا' یحذو ہا (ن) حذواً۔ کاٹ کر برابر کرنا' پشر کہا۔ جوتا میں تسمہ لگانا' نیروز۔ شمسی سال کا پہلا دن' مہرجان۔ پارسیوں کی عید کا دن' حصاد۔ (ن'ض) کھیتی کاٹنا' دیاس۔ (ن) کھیت گاہنا' قطاف۔ میوہ توڑنے کا موسم' ذکیہ۔ مذبوحہ۔

تشریح الفقہ: قولہ بالقاء الحجر الخ بیع القاء حجر یہ ہے کہ چند کپڑوں پر سنگریزے پھینکے اور جس کپڑے پر سنگریزہ پڑے' اس میں بیع لازم ہو جائے۔ ملامسہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کہے کہ جب تو نے میرا یا میں نے تیرا کپڑا چھوا تو بیع واجب ہو گئی۔ (مغرب) یا میں یہ سامان تیرے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں' سو جب میں تجھ کو چھوؤں یا ہاتھ لگاؤں تو بیع واجب ہے۔ (طحطاوی) یا ایک دوسرے کا کپڑا چھوئے اور چھونے والے کو بلا خیار رویت بیع لازم ہو جائے (فتح) بیع کی یہ صورتیں زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمادیا[1] 'دو کپڑوں میں سے ایک غیر معین کپڑے کی بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ بیع مجہول ہے' من باع عبداً سے "الا الی راس الشھر" تک جو مسائل مذکور ہیں ان میں فساد بیع کا سبب مقتضاء عقد کے خلاف شرط کا ہونا ہے جس کی ممانعت حدیث میں موجود ہے[2]۔

قولہ اونعلاً الخ کسی نے جوتا اس شرط پر خریدا کہ بائع ان کو کاٹ کر برابر کر دے یا ان میں تسمہ لگا دے تو یہ شرط گو مقتضاء عقد کے خلاف ہے اس لیے بیع فاسد ہونی چاہیے جیسا کہ امام زفر فرماتے ہیں اور صاحب کتاب نے بھی اسی کو لیا ہے مگر کنز وغیرہ میں مصرح ہے کہ استحساناً بیع صحیح ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

قولہ والبیع الی النیروز الخ یہاں سے فاسد تک جو مسائل ہیں ان میں فساد بیع کا سبب اجل کا مجہول ہونا ہے اور الی الحصاد سے قدوم الحاج تک میں وجہ فساد یہ ہے کہ ان امور میں تقدم و تاخر ہوتا رہتا ہے۔

قولہ واذا قبض الخ جب بیع فاسد میں مشتری بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کر لے اور عقد کے دونوں عوض یعنی ثمن اور مبیع مال ہوں تو احناف کے یہاں مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے' اب اگر مبیع مثلیات میں سے ہو تو مثل اور ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت دینی پڑے گی[3]۔ ائمہ

[1] صحیحین عن ابی سعید و ابی ہریرہ' بخاری عن انس ۱۲۔ [2] طبرانی (فی الاوسط) حاکم (فی علوم الحدیث) عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

[3] جب مبیع ہلاک ہو جائے یا کسی وجہ سے' واپسی متعذر ہو جائے ورنہ رد عین واجب ہے ۱۲۔

ثلاثہ کے یہاں مالک نہیں ہوتا کیونکہ ملک ایک نعمت ہے اور بیع فاسد محظور ہے اور محظور کے ذریعہ نعمت کا حصول نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ متعاقدین عاقل بالغ ہیں اور مبیع محل عقد ہے پس بیع منعقد مانی جائے گی اور اس کا محظور ہونا مجاورت امر خارج کی وجہ سے ہے نہ کہ اصل عقد کی وجہ سے۔

قولہ ومن جمع الخ کسی نے عقد میں آزاد و غلام یا مذبوحہ و مردہ بکری کو جمع کر دیا پس اگر ہر ایک کا ثمن جدا جدا بیان ہو تو صاحبین کے نزدیک غلام اور مذبوحہ بکری میں بیع درست ہے' امام صاحب کے نزدیک ہر دو میں بہر صورت بیع باطل ہے اور اگر غلام و مدبر یا اپنے اور غیر کے غلام کو جمع کیا تو بلاشبہ خالص غلام میں اور اپنے غلام میں ان کے ثمن کے مطابق بیع جائز ہے کیونکہ فساد بقدر مفسد ہوتا ہے اور مفسد کا تحقق آزاد و مردار وغیرہ میں ہے کہ یہ مال نہ ہونے کی بناء پر محل بیع نہیں ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آزاد و مردار تحت العقد نہیں آسکتے کیونکہ ان میں مالیت مفقود ہے اور صفقہ واحد ہے تو بائع نے غلام کی بیع میں قبولیتِ بیع حر کی شرط لگا دی جو مقتضاء عقد کے سراسر خلاف ہے بخلاف مدبر و عبد غیر کے کہ یہ فی الجملہ مال ہونے کی وجہ سے تحت العقد داخل ہیں۔

وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنِ النَّجَشِ وَ عَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَعَنْ تَلَقِّي
منع فرمایا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ارادہ خرید بھاؤ بڑھانے دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانے سوداگروں سے

الْجَلَبِ وَعَنْ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ وَالْبَيْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ وَلَا يَفْسُدُ
مل جانے دیہاتی کا مال شہری کے فروخت کرنے اور جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے یہ سب مکروہ ہے اس سے بیع

بِهِ الْبَيْعُ وَمَنْ مَّلَكَ مَمْلُوْكَيْنِ صَغِيْرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْرَحِمٍ مُّحْرَمٍ مِّنَ الْاٰخَرِلَمْ يُفَرِّقْ
فاسد نہیں ہوتی جو مالک ہو دو چھوٹے غلاموں کا ایک ان میں سے ذورحم محرم ہو دوسرے کا تو ان میں جدائی

بَيْنَهُمَا وَكَذٰلِكَ اِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيْرًا وَالْاٰخَرُ صَغِيْرًا فَاِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ ذٰلِكَ وَجَازَ
نہ کرے اسی طرح جب ہو ان میں ایک سے بڑا اور دوسرا چھوٹا اگر ان میں جدائی کی تو یہ مکروہ ہے لیکن یہ بیع

الْبَيْعُ وَاِنْ كَانَا كَبِيْرَيْنِ فَلَا بَاْسَ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا
جائز ہو گی اور اگر ہوں دونوں بڑے تو کوئی حرج نہیں ان کی جدائی میں

بیوعاتِ مکروہہ کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ و نہی الخ بخش یعنی بلا ارادہ خریداری صرف دوسروں کو ابھارنے کے لیے مبیع کی قیمت بڑھانا (جب کہ اس کی پوری قیمت لگ چکی ہو) مکروہ ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے[1]۔ دوسرے بھاؤ پر بھاؤ لگانا (جب کہ عاقدین مقدار ثمن پر متفق ہو چکے ہوں) مکروہ ہے کیونکہ اس کی بھی ممانعت ہے[2]۔ تلقی جلب یعنی اہل شہر کا آگے بڑھ کر اناج والے قافلے سے مل کر سستا غلہ خریدنا مکروہ ہے۔ جب کہ اہل قافلہ کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت ہے[3]۔ قحط سالی میں باہر کا آدمی اناج فروخت کرنے کے لیے لایا۔ شہری نے اس سے کہا: جلدی نہ کر میں گراں بیچ دوں گا' تو یہ بھی مکروہ ہے' کیونکہ اس میں اہل شہر کا نقصان ہے اور حدیث میں ممانعت[4] ہے۔ جمعہ کے دن اذان اول کے وقت خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ "اذا نودِیَ للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰہ و ذروا البیع۔"

قولہ ومن ملک الخ نابالغ غلام اور اس کے نسبی قرابتدار کے درمیان تفریق نہ کی جائے جیسے باپ بیٹے اور دو بھائیوں کے درمیان کیونکہ

[1] صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [2] ایضاً عنہ وابن عمر ۱۲۔ [3] ایضاً عنہ ۱۲۔ [4] ایضاً عنہ وعن انس وابن عباس' بخاری عن ابن عمر' مسلم عن جابر ۱۲۔

حدیث میں اس کی سخت ممانعت[1] ہے' ہاں اگر وہ بالغ ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماریہ وسیرین کے درمیان تفریق ثابت ہے جو آپس میں بہنیں تھیں[2]۔

فائدہ کراہت تفریق مذکور سے گیارہ صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اعتاق' توابع اعتاق' اس کے ہاتھ فروخت کرنا جس نے غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہو۔ جب کہ غلام کا مالک کافر ہو' جب مالک متعدد ہوں' جب نابالغ کے کئی قرابت دار ہوں' جب نابالغ کا قرابتدار غیر کا مستحق نکلے' غلام کو غلام کی جنایت میں دینا' غلام کو مدیون غلام کے دین میں فروخت کرنا' اتلاف مال غیر میں غلام کو فروخت کرنا' عیب کے سبب سے واپس کرنا' نابالغ قریب البلوغ ہو اور اس کی ماں اس کی بیع سے راضی ہو (زادہ صاحب البحر)

بَابُ الْاِقَالَةِ

باب اقالہ کے بیان میں

اَلْاِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ فَاِنْ

اقالہ جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری کے لیے پہلی قیمت کے ساتھ اگر

شَرَطَ اَكْثَرَ مِنْهُ اَوْاَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَيُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ وَ هِيَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ

یا کم کی شرط کر لی تو شرط باطل ہو گی اور مبیع واپس کی جائے گی پہلی قیمت پر اقالہ فسخ ہوتا ہے متعاقدین کے حق میں

بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِي حَقِ غَيْرِ هِمَا فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ هَلَاكُ الثَّمَنِ لَايَمْنَعُ صِحَّةَ

اور بیع جدید ہوتا ہے ان کے غیر کے حق میں امام صاحب کے قول میں ثمن کا ہلاک ہو جانا نہیں روکتا اقالہ

الْاِقَالَةِ وَهَلَاكُ الْمَبِيْعِ يَمْنَعُ صِحَّتَهَا وَاِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيْعِ جَازَتِ الْاِقَالَةُ فِيْ بَاقِيْهِ

کے صحیح ہونے کو ہاں بیع کا ہلاک ہونا اس کی صحت کو روکتا ہے اگر بیع کا کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو جائز ہو گا اقالہ باقی میں

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ بیع فاسد کے ساتھ اقالہ کی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کی طرف واپس ہوتی ہے' اقالہ جوف یائی ہے۔ یقال "قلته البیع و اقلته" میں نے بیع کو توڑ دیا (قاموس) واقال اللہ عثرته اذا رفعه من سقوطه یعنی گرنے سے اٹھانا' درگزر کرنا (مصباح) بعض نے قول سے مشتق مان کر اجوف واوی کہا ہے اور ہمزہ کو سلب کے لیے لیا ہے مگر یہ کئی وجہ سے صحیح نہیں۔ ۱۔ اہل عرب قلب البیع بولتے ہیں نہ کہ قلت ۲۔ اس کا ثلاثی مصدر یائی آتا ہے نہ کہ واوی فی مجموع اللغۃ' قال البیع قیلاً فسخہ" ۳۔ صاحب قاموس وصحاح وغیرہ نے اس کو ق ی ل کے مادے میں ذکر کیا ہے نہ کہ ق و ل میں' شرح میں اقالہ بیع کو اس کے ثبوت کے بعد زائل اور فسخ کرنے کو کہتے ہیں۔

قولہ فان شرط الخ اگر اقالہ میں ثمن اول سے زائد یا اس سے کم کی شرط لگائی گئی مثلاً ثمن اول پانچ سو روپیہ تھا۔ اقالہ میں ایک ہزار یا چار سو کی شرط لگائی گئی اور مبیع علیٰ حالہ باقی ہے اس میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوا' یا اقالہ میں جنس آخر کی شرط لگائی گئی مثلاً چیز دراہم کے عوض میں خریدی تھی' اقالہ میں دنانیر کی شرط کر لی تو ان صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہو گا اور شرط لغو ہو گی۔ صاحبین کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں شرط کے مطابق ہو گا۔ بشرطیکہ اقالہ بعد القبض ہوا ہو اور اقالہ بیع جدید کے حکم میں ہو گا اور دوسری صورت میں طرفین کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہو گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط کے مطابق ہو گا۔

---

[1] ترمذی' حاکم' احمد' بیہقی' دارمی عن ابی ایوب' دارقطنی عن سلیم العذری' حاکم عن عمران' دارقطنی عن الجاموسی ۱۲ [2] بزار عن بریدہ' بیہقی عن عبدالرحمن وحاطب بن ابی بلتعہ ۱۲۔

قولہ وہی فسخ الخ اقالہ اگر بعد القبض اور صریح لفظ اقالہ کے ساتھ ہو تو متعاقدین کے علاوہ تیسرے کے حق میں بالا جماع بیع جدید کے حکم میں ہے لیکن خود متعاقدین کے حق میں بیع ہے یا فسخ؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے یہاں اقالہ موجبات عقد یعنی ان امور میں جو نفس عقد کے ذریعہ ثابت ہو جاتے ہیں فسخ کے حکم میں ہوتا ہے اور اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکے (مثلاً مبیع بکری تھی قبضہ کے بعد اس کے بچہ پیدا ہو گیا یا غیر مقایضہ میں مبیع ہلاک ہو گئی کہ ان صورتوں میں فسخ بیع متعذر ہے) تو اقالہ باطل ہو جائے گا اور اگر اقالہ قبل القبض ہو تو متعاقدین وغیر متعاقدین سب کے حق میں فسخ کے حکم میں ہوگا (بشرطیکہ مبیع زمین نہ ہو) امام ابو یوسف و مالکؒ اور امام شافعی کے قول قدیم میں اقالہ متعاقدین کے حق میں بیع ہوتا ہے اور اگر بیع ہونا متعذر رہو بایں طور کہ اقالہ اشیاء منقولہ میں قبل القبض ہو یا بیع مقایضہ میں احد العوضین کی ہلاکت کے بعد ہو تو اقالہ فسخ کے حکم میں ہوگا اور اگر یہ بھی متعذر رہو جائے بایں طور کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے اقالہ ثمن اول سے زائد یا کم کے عوض میں ہو یا جنس آخر کے عوض میں ہو یا غیر مقایضہ میں اسباب ہلاک ہو جانے کے بعد ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔ امام محمدؒ زفر اور امام شافعی کے قول جدید میں اقالہ فسخ بیع ہوتا ہے اگر ثمن اول یا اس سے کم عوض میں ہو اور اگر فسخ ہونا متعذر رہو جائے تو بیع ہوتا ہے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو اقالہ باطل ہو جاتا ہے۔ ہذا والادلۃ فی المطولات۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الْمُرَابَحَةِ وَالتَّوْلِيَةِ

باب تولیہ اور مرابحہ کے بیان میں

اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ

مرابحہ نقل کرنا ہے اس کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر

مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ وَّالتَّوْلِيَةُ نَقْلُ مَامَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةِ

کچھ نفع زیادہ کر کے اور تولیہ نقل کرنا ہے اس کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر نفع زیادہ کئے۔

رِبْحٍ وَّلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَالتَّوْلِيَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّالَهُ مِثْلٌ

بغیر اور صحیح نہیں مرابحہ و تولیہ یہاں تک کہ ہو ان کا عوض مثلی چیزوں میں سے

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جن بیوع کا تعلق اصل یعنی مبیع کے ساتھ ہوتا ہے ان سے فراغت کے بعد ان بیوع کا ذکر ہے جن کا تعلق ثمن سے ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اب تک ان بیوع کا بیان تھا' جن میں جانب مبیع ملحوظ ہوتی ہے اور اب ان بیوع کا بیان ہے جن میں جانب ثمن ملحوظ ہوتی ہے اور وہ چار ہیں۔ تولیہ مرابحہ مساومہ' جس میں ثمن اول کی طرف التفاف نہیں ہوتی بلکہ جس مقدار پر بھی متعاقدین کا اتفاق ہو جائے' یہ قسم زیادہ رائج ہے۔ وضعیہ یعنی ثمن اول سے کم کے ساتھ اس کا رواج بہت کم ہے۔

قولہ المرابحۃ الخ مرابحہ وہ بیع ہے جو ثمن اول سے زائد کے ساتھ ہو۔ تولیہ لغۃً ولی غیرہ کا مصدر ہے بمعنی کارساز بنانا۔ شرعاً وہ بیع ہے جو صرف ثمن اول کے ساتھ ہو ان دونوں کی صحت کے لیے ثمن کا مثلی یعنی دراہم و دنانیر' کیلی یا وزنی یا عددی متقارب ہونا شرط ہے کیونکہ مثلی نہ ہونے کی صورت میں تولیہ و مرابحہ قیمت پر ہوگا اور قیمت مجہول ہے۔ فلا یصح بہ۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُضِيْفَ اِلٰى رَاْسِ الْمَالِ اُجْرَةَ الْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالطَّرَازِ وَالْفَتْلِ. وَاُجْرَةَ حَمْلِ

جائز ہے یہ کہ ملا لے راس المال کے ساتھ دھوبی' رنگریز' نقاش' کناری لگانے والے کی اور غلہ اٹھوانے

الطَّعَامِ وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَىَّ بِكَذَا وَلَا يَقُوْلُ اشْتَرَيْتُهُ بِكَذَافَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِىْ عَلٰى خِيَانَةٍ فِىْ

کی اجرت اور کہے کہ یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے اگر مطلع ہو مشتری خیانت پر

الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَابِی حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ

مرابحہ میں تو اس کو اختیار ہے امام صاحبؒ کے نزدیک چاہے اس کو پورے ثمن کے ساتھ لے چاہے

رَدَّهُ وَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰى خِيَانَةٍ فِی التَّوْلِيَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

واپس کر دے اور اگر مطلع ہو خیانت پر تولیہ میں تو کم کر دے ثمن بقدر خیانت امام ابویوسف فرماتے ہیں۔

يُحَطُّ فِيهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايُحَطُّ فِيهِمَا لٰكِنْ يُخَيَّرُ فِيهِمَا وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا مِمَّا يَنْقُلُ

کہ دونوں میں کم کر دے امام محمد فرماتے ہیں دونوں میں کم نہ کرے لیکن اسے اختیار دونوں میں ہے جس نے منقول چیز خریدی

وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْلَهُ بَيْعُهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْعِقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ اَبِی حَنِيفَةَ

تو اس کو بیچنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ سے پہلے شیخین کے

وَاَبِی يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَجُوْزُ

نزدیک امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے

توضیح اللغۃ: قصار۔ دھوبی، صباغ۔ رنگریز، طراز۔ کشیدہ دوز، فتل۔ بٹنا مراد کناری لگانا، یحط۔ گرادے، عقار۔ زمین۔

تشریح الفقہ: قولہ ویجوز ان یضیف الخ مبیع کے اصل داموں کے ساتھ دھوبی اور رنگریز وغیرہ کا صرفہ شامل کرسکتا ہے لیکن اب وہ یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے بلکہ یوں کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے۔

قولہ فان اطلع الخ اگر مرابحہ میں بائع کی خیانت ظاہر ہو۔ مثلاً اس نے نو روپیہ میں خرید کردہ چیز کو بتایا کہ دس میں خریدی ہے تو امام صاحب کے نزدیک مشتری چاہے کل ثمن کے عوض لے چاہے واپس کردے اور تولیہ کی صورت میں بقدر خیانت ثمن کم کردے۔ امام ابویوسف کے نزدیک دونوں میں بقدر خیانت کم کردے۔ امام محمد کے نزدیک دونوں میں مختار ہے۔ چاہے کل ثمن کے عوض لے چاہے واپس کردے کیونکہ عقد میں تسمیہ کا اعتبار ہے۔ مرابحہ و تولیہ کا ذکر تو برائے ترغیب ہے۔ پس ذکر مرابحہ و تولیہ وصف مرغوب ہوا، جس کے فوت ہونے میں اختیار ہوتا ہے۔ امام ابویوسف یہ فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کا مقصد اس عقد کا مرابحہ و تولیہ ہونا ہے نہ کہ محض تسمیہ لہذا عقد ثانی اول پر مبنی ہوگا اور خیانت کی جو مقدار ظاہر ہوئی ہے وہ عقد اول میں ثابت نہ تھی اس لیے اس کو عقد ثانی میں ثابت نہیں کیا جاسکتا تو لامحالہ اس مقدار کو کم کیا جائے گا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر تولیہ میں بقدر خیانت ثمن کم نہ ہو تو تولیہ نہ رہے گا کیونکہ تولیہ ثمن اول سے زائد نہیں ہوتا بخلاف مرابحہ کے کہا کہ اگر اس میں ثمن کم نہ ہو تو مرابحہ مرابحہ ہی رہتا ہے۔

قولہ لم یجزلہ بیعہ الخ قبضہ سے پیشتر اشیاء منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے[1]۔ اور امام محمد، زفر، مالک کے نزدیک غیر منقولہ یعنی زمین کی بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ حدیث نہی مطلق ہے۔ شیخین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ حدیث میں نہی کی علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں انفساخ بیع کا احتمال ہے اور زمین کی ہلاکت نادرالوجود ہے۔

وَمَنِ اشْتَرٰى مَكِيلًا مُكَايَلَةً اَوْمَوْزُوْنًا مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ اَوِاتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً اَوْ

جس نے خریدی کیلی چیز پیمانہ کے لحاظ سے یا وزنی چیز وزن کے لحاظ سے پس ناپ لیا یا تول لیا اس کو پھر بیچ دیا اس کو پیمانہ یا

1۔ ابوداؤد، ابن حبان، حاکم عن ابن عمر، نسائی (فی الکبریٰ) احمد، ابن حبان، طبرانی، دارقطنی، بیہقی عن حکیم بن حزام، ائمہ ستہ عن ابن عباس ۱۲۔

مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِيْ مِنْهُ اَنْ يَبِيْعَهٗ وَلَا اَنْ يَاْكُلَهٗ حَتّٰى يُعِيْدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ وَالتَّصَرُّفُ
وزن کے لحاظ سے تو جائز نہ ہو گا مشتری کے لئے یہ کہ اس کو بیچے یا کھائے یہاں تک کہ دوبارہ ناپ تول لے تصرف کرنا

فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ وَيَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِيْ اَنْ يَّزِيْدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ وَيَجُوْزُ لِلْبَائِعِ اَنْ
ثمن میں قبضہ سے پہلے جائز ہے' جائز ہے مشتری کے لئے یہ کہ زیادہ دے دے بائع کو ثمن اور جائز ہے بائع کے لئے یہ

يَّزِيْدَ فِي الْمَبِيْعِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيْعِ ذٰلِكَ وَمَنْ بَاعَ
کہ زیادہ دے دے مبیع اور جائز ہے یہ کہ کم کر دے ثمن اور متعلق ہو گا استحقاق ان سب کے ساتھ جس نے بیچی

بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ اَجَّلَهٗ اَجَلًا مَعْلُوْمًا صَارَ مُؤَجَّلًا وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ اِذَا اَجَّلَهٗ صَاحِبُهٗ صَارَ
کوئی چیز نقد پھر اس کو مہلت دے دی میعاد معین کر کے تو یہ میعادی ہو جائے گی ہر فوری دین جب مالک میعادی کر دے تو وہ

مُؤَجَّلًا اِلَّا الْقَرْضَ فَاِنَّ تَاْجِيْلَهٗ لَا يَصِحُّ
میعادی ہو جاتا ہے مگر قرض کہ اس کی تاجیل صحیح نہیں

تشریح الفقہ : قولہ ومن اشتریٰ الخ اگر مکیلی چیز کو کیل کے طور پر خریدا تو جب تک اس کو کیل سے دوبارہ نہ ناپ لے' اس وقت تک اس کو فروخت کرنا اور کھانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے۔ جب تک کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں۔ ایک بائع کا دوسرا مشتری کا[1] اس حدیث میں گو قدرے ضعف ہے لیکن کثرت طرق اور اجماع ائمہ اربعہ کی وجہ سے قابل حجتہ اور واجب العمل ہے یہی حکم وزنی اور عددی چیزوں کا ہے کہ تولنے اور شمار کرنے سے پہلے بیع جائز نہیں۔

قولہ والتصرف الخ قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے بطریق ہبہ ہو یا بطریق بیع۔ ثمن معین ہو جاتا ہو جیسے مکیل یا معین نہ ہوتا ہو جیسے نقود نیز ثمن میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ مبیع ہلاک نہ ہوئی) ہو مشتری کی جانب سے ہو یا وارث کی جانب سے یا بحکم مشتری کسی اجنبی کی جانب سے' اسی طرح بائع کی جانب سے مبیع میں اضافہ کرنا بھی جائز ہے (بشرطیکہ اضافہ مسلم فیہ میں نہ ہو) نیز ثمن اور مبیع میں کمی کر دینا بھی جائز ہے (بشرطیکہ مبیع دین ہو عین نہ ہو) امام زفر اور امام شافعی کے یہاں مبیع اور ثمن میں کمی بیشی گو صلہ اور ہبہ کے لحاظ سے صحیح ہے لیکن ان کے یہاں کمی بیشی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ متعاقدین مبیع اور ثمن میں کمی بیشی کر کے عقد بیع کو ایک وصف مشروع سے دوسرے وصف مشروع کی طرف تبدیل کر رہے ہیں اور جب وہ بطریق اقالہ نفس عقد ہی کو اٹھا سکتے ہیں تو کمی بیشی کے حقدار بطریق اولیٰ ہوں گے پھر کمی بیشی کے بعد جس مقدار پر عقد قرار پائے گا' بائع اور مشتری میں سے ایک کو اس کا استحقاق ہو گا مثلاً بائع نے مبیع میں اضافہ کیا تو اضافہ کے ساتھ دینا لازم ہو گا اور اگر عیب وغیرہ کی وجہ سے مبیع واپس کی گئی تو مشتری ثمن مع زیادتی واپس کرے گی۔

قولہ وکل دین الخ ہر قسم کے دین کی تاجیل صحیح ہے۔ خواہ دین بذریعہ عقد ہو یا بسبب استہلاک' البتہ قرض کی تاجیل صحیح نہیں پس اگر مہینہ بھر کے وعدہ پر قرض دیا ہو تو فی الحال مطالبہ کر سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں قرض کی طرح غیر قرض کی بھی تاجیل صحیح نہیں۔ جواب یہ ہے کہ صاحب دین کو جب معاف کر دینا جائز ہے تو تاخیر مطالبہ بطریق اولیٰ جائز ہو گی۔ امام مالک کے یہاں دیگر دیون کی طرح قرض کی بھی تاجیل صحیح ہے۔ جواب یہ ہے کہ قرض ابتداء کے اعتبار سے اعارہ اور صلہ ہے' یہی وجہ ہے کہ لفظ اعارہ سے صحیح ہو جاتا ہے اور جب اعارہ ٹھہرا تو تاجیل لازم نہ ہوئی۔ کیونکہ معیر عاریت کو مدت سے پہلے لے سکتا ہے اور انتہا کے اعتبار سے قرض معاوضہ ہے۔ کیونکہ اس میں رد مثل واجب ہے اس اعتبار سے

[1] ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ' ابن راہویہ' بزار' دار قطنی' بیہقی عن جابر' بزار عن ابی ہریرہ' ابن عدی عن انس و ابن عباس' عبد الرزاق (فی معناہ) عن عثمان و حکیم بن حزام ۱۲۔

تاجیل صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ دراہم کی بیع دراہم سے ادھار ہو اور یہ بالکل ربوا ہے جو مقتضی فساد ہے۔ والحال ان الشرع مذب الیه واجمع الامة علٰی جوازہ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الرِّبٰوا

باب سود کے بیان میں

اَلرِّبٰوا مُحَرَّمٌ فِیْ کُلِّ مَکِیْلٍ اَوْمَوْزُوْنٍ اِذَابِیْعَ بِجِنْسِهٖ مُتَفَاضِلاً
سود حرام ہے ہر کیلی اور وزنی چیز میں جب بیچی جائے اس کی جنس کے عوض میں زیادتی کرکے

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ شارع کی جانب سے جن بیوع کی مباشرت کا امر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ "وابتغوا من فضل اللہ" ان کی انواع کے بیان سے فراغت کے بعد ان بیوع کا بیان ہے جن کی مباشرت شارع کی جانب سے منہی عنہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ "یاایها الذین آمنوا لاتاکلوا الربوا" کیونکہ نہی امر کے بعد ہوتی ہے اور مرابحت کے ساتھ ربوا کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں زیادتی ہوتی ہے مگر مرابحہ والی زیادتی حلال ہے اور ربوا والی حرام اور اشیاء میں اصل حلت ہے۔ اس لیے صاحب کتاب نے مرابحہ کو مقدم کیا اور بوا کو مؤخر۔ ربوا کی حرمت کتاب وسنت اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ "احل اللہ البیع و حرم الربوا" صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "سود کا ایک درہم جس کو انسان جان بوجھ کر کھائے وہ چھتیس زنا سے زیادہ سخت ہے[1]" نیز اس بات پر اجماع ہے کہ سود کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

قولہ الربوا الخ لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ یقال ربی الشئی یربو "شئی بڑھ گئی اور زیادہ ہوگئی۔ ومنہ قولہ تعالیٰ "اهتزت و ربت" شریعت میں ربوا مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو معاوضہ مالی میں بلاعوض ہو یعنی متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر بمعیار شرعی زائد ہونا ربوا کہلاتا ہے، معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے پس جو کے دوقفیز گیہوں کے ایک قفیز کے عوض کی قید سے پیمانہ بھر گیہوں اور پیمانہ بھر جو کو اس کے دوچند گیہوں اور جو کے عوض فروخت کرنا خارج ہوگیا کیونکہ گیہوں کو جو کے اور جو کو گیہوں کے مقابلہ میں کیا جاسکتا ہے پس زیادہ بلاعوض نہیں بالعوض ہے۔

فالعِلَّةُ فِیْهِ الْکَیْلُ مَعَ الْجِنْسِ اَوِالْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ فَاِذَا بِیْعَ الْمَکِیْلُ بِجِنْسِهٖ اَوِالْمَوْزُوْنُ
تو علت اس میں کیل ہے جنس کے ساتھ یا وزن ہے جنس کے ساتھ پس جب بیچی جائے کیلی چیز اس کی جنس کے عوض یا وزنی

بِجِنْسِهٖ مَثَلًا بِمِثْلٍ جَازَ الْبَیْعُ وَاِنْ تَفَاضَلَالَمْ یَجُزْ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْجَیِّدِ بِالرَّدِیِّ مِمَّافِیْهِ الرِّبٰوا
اس کی جنس کے عوض برابر سرابر تو جائز ہے بیع اور زیادتی کے ساتھ جائز نہیں اور جائز نہیں عمدہ کو ردی کے عوض بیچنا ربوی چیزوں میں سے

اِلَا مثْلًا بِمِثْلٍ وَاِذَا عَدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ وَالْمَعْنَی الْمَضْمُوْمُ اِلَیْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ وَاِذَا
مگر برابر سرابر جب نہ رہیں دونوں وصف یعنی جنس اور جو چیز اس کے ساتھ لی گئی ہے تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں اور جب

وُجِدَاحَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَأُ وَاِذَا وُجِدَا حَدُهُمَا وَعُدِمَ الْاٰخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ
دونوں ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور جب ایک ہو دوسرا نہ ہو تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام

[1] احمد عن عبداللہ بن حنظلہ ۱۲۔

علت ربوا کی تحقیق

تشریح الفقہ : قولہ فالعلۃ الخ نفس ربوا کی حرمت تو آیت ''و حرم الربوا'' لاتاکلوا الربوا'' سے ثابت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ لیکن آیت ربوا میں انتہائی اجمال ہے۔اسی وجہ سے جب حضرت عمر فاروقؓ کو تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے ''اللھم بین لنا بیانا شافیاً'' سے مستجاب درخواست پیش کی تو زبان نبوت پر یہ کلمات شافیہ جاری ہوئے ''الحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یداً بید والفضل ربوا[1] یعنی گیہوں کو گیہوں' جو کو جو' کھجور کو کھجور' نمک کو نمک' سونے کو سونے' چاندی کو چاندی کے عوض برابر سرابر دست بدست فروخت کرو اور ان میں زیادتی ربوا ہے۔یہ روایت کثرت رواۃ کی وجہ سے حدیث متواتر کے قریب ہے اور سولہ صحابہ کرامؓ ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی' عبادہ بن الصامت' ابوسعید خدری۔ ساریہ بن ابی سفیان' بلال' ابوہریرہ' معمر بن عبداللہ' ہشام بن عامر' براء بن عازب' زید بن ارقم' خالد بن ابی عبید' ابوبکر' ابن عمر' ابوالدرداء' رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔اس میں چھ چیزوں کو برابر سرابر دست بدست فروخت کرنے کا حکم ہے۔اب اہل ظاہر تو ربوا کا دائرہ صرف انہی چھ چیزوں تک محدود رکھتے ہیں' لیکن علماء مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی ربوا ہوسکتا ہے جن کا حکم انہی پر قیاس کر کے نکالا جائے گا اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ماخذ علت یہی حدیث ہے لیکن معیار حرمت اور علت ممانعت میں رائیں مختلف ہیں۔

جب کسی چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرتے ہیں تو ان دونوں میں ایک وصف مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصول فقہ میں علت کہتے ہیں۔اب اشیاء مذکورہ میں وصف مشترک یعنی علت حرمت کیا ہے؟ امام شافعی کے قول قدیم میں کیل یا وزن کے ساتھ طعم یعنی کھانے میں آنا اور قول جدید میں پہلی چار چیزوں سے طعم اور سونے چاندی سے ثمنیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا علت قرار دیا ہے چونکہ چونہ اور نورہ میں یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں' اس لیے شوافع کے نزدیک اس میں کمی بیشی جائز ہوگی' اسی طرح جو چیزیں مبادلہ میں سونے چاندی کے علاوہ دی جاتی ہیں جیسے لوہا' تانبا' پیتل' کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری ربوا کہلائے گی۔

امام مالک نے پہلی چار چیزوں سے اقتیات یعنی غذائیت اور اخیر کی دو چیزوں سے ادخار یعنی ذخیرہ اندوزی علت مانی ہے تو ان کے نزدیک خراب مچھلی اور خراب گوشت کی بیع قوت اور ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حلال ہوگی' اسی طرح سونے کے علاوہ اور چیزیں جو کھانے میں نہیں آتیں اور نہ ذخیرہ ہوسکتی ہیں جیسے سبز ترکاریاں' لوہا' تانبا وغیرہ' ان میں ربوا نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہ نے ان اشیاء کے مقابلہ سے اتحاد جنس اور مماثلت سے قدر معہود یعنی کیلی یا وزنی ہونا حرمت ربوا کی علت نکالی ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور میں اشیاء ستہ کو بطور مثال ذکر کر کے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے' اس واسطے کہ سونا چاندی موزون ہیں اور گیہوں' جو' چھوارہ اور نمک کیلی ہیں' تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ ہر کیلی اور وزنی چیز میں مماثلت ضروری ہے اور چیزوں میں پوری مماثلت دو اعتبار سے ہوتی ہے۔ایک باعتبار صورت اور ایک باعتبار معنی' تو کیل اور وزن سے مماثلت صوری حاصل ہوئی اور متحد الجنس ہونے سے مماثلت معنوی' اس لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تحریم ربوا کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل یا وزن کا ہونا ہے تو امام صاحب کے نزدیک پھلوں میں اور ان چیزوں میں جو وزن اور پیمانہ سے فروخت نہیں ہوتیں ربوا نہ ہوگا۔ **وبہ قال احمد فی روایتہ۔**

قولہ بیع الجید الخ اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا کا کوئی امتیاز نہیں بلکہ دونوں برابر ہیں پس جید کو ردی کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث ربوا میں اس کی کوئی تفصیل نہیں۔ بلکہ وہ مطلق ہے

---

[1] الجماعۃ الا البخاری عن عبادہ' مسلم عن ابی سعید وابی ہریرہ' بزار عن بلال (بتقدیم وتاخیر وتغییر الفاظ) ۱۲۔

قولہ واذا اعدم الوصفان الخ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ علت حرمت ربوا قدر وجنس ہے تو جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہاں زیادتی اور ادھار دونوں حرام میں پس ایک قفیز گیہوں کو ایک قفیز گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا اور زیادتی کے ساتھ یا ادھار فروخت کرنا حرام ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک پائی جائے مثلاً صرف قدر پائی جائے جیسے گیہوں کو جو کے عوض فروخت کرنا کہ گیہوں اور جو دونوں کیلی ہیں یا صرف جنس پائی جائے جیسے غلام کو غلام کے عوض یا ہروی کپڑے کو ہروی کپڑے کے عوض فروخت کرنا کہ غلام اور کپڑا نہ کیلی ہیں نہ وزنی تو ان دونوں صورتوں میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھار فروخت کرنا حرام ہوگا اور اگر دونوں نہ پائی جائیں تو دونوں باتیں جائز ہوں گی۔ سوال ابوداؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض مدت کے ساتھ خریدنے کا حکم فرمایا نیز موطا میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک اونٹ بیس اونٹوں کے عوض میں ادھار فروخت کیا معلوم ہوا کہ اتحاد جنس سے ادھار کی حرمت ثابت نہیں ہوئی۔ امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔ جواب اصحاب سنن ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان کو حیوان کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علت ربوا کا ایک جز یعنی اتحاد جنس تحریم نساء کی پوری علت ہے رہی پہلی دو حدیثیں سو وہ دونوں مبیح ہیں اور حدیث سمرہ محرّم ہے اور مبیح پر محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَكُلُّ شَىءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلى اللّٰه عليه وسلم عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَدًا

ہر وہ چیز کہ تصریح فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں زیادتی کے حرام ہونے کی کیل کے لحاظ سے تو وہ کیلی رہے گی ہمیشہ

وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيْهِ الْكَيْلَ مِثْلَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِوَالْمِلْحِ وَكُلُّ شَىءٍ نَصَّ رَسُوْلُ

اگرچہ چھوڑ دیں لوگ اس میں کیل کو جیسے گیہوں، جو، کھجور، نمک اور ہر وہ چیز کہ تصریح فرمائی رسول

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وَسلم عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْنًا فَهُوَمَوْزُوْنٌ اَبَدًا وَاِنْ تَرَكَ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں زیادتی کے حرام ہونے کی وزن کے لحاظ سے تو وہ وزنی رہے گی ہمیشہ اگرچہ چھوڑ

النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ مِثْلَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى عَادَاتِ

دیں لوگ اس میں وزن کو جیسے سونا چاندی اور جس کی بابت کوئی تصریح نہیں فرمائی وہ محمول ہوگی لوگوں کی

الناس و عقد الصرف ما وقع على جنس الاثمان يعتبر فيه قبض عوضيه فى المجلس

عادات پر عقد صرف جو واقع ہو اثمان کی جنس پر معتبر ہے اس میں اس کے دونوں عوضوں پر قبضہ ہونے کا مجلس

وَمَا سِوَاهُ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّعْيِيْنُ وَلَايُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّقَابُضُ

میں اور اس کے علاوہ ربوی چیزوں میں معتبر ہے تعیین اور نہیں معتبر ہے جانبین سے قبضہ کرنا۔

کیلی اور وزنی ہونے کا بیان

توضیح اللغۃ: نص (ن) نصًا الشئی۔ نمایاں کرنا، اثمان۔ جمع ثمن، عوضیہ۔ عوض کا تثنیہ ہے، نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تشریح الفقہ: قولہ و کل شئی نص الخ جن اشیاء کو شارع علیہ السلام نے کیلی قرار دیا ہے جیسے گیہوں، جو، کھجور، نمک وہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی گو لوگوں نے ان میں کیل کو ترک کر دیا ہو، اور جن اشیاء کو شارع نے وزنی رکھا ہے جیسے سونا، چاندی، وہ ہمیشہ وزنی ہی رہیں گی گو لوگوں نے ان میں وزن کو ترک کر دیا ہو۔ اس واسطے کہ نص بمقابلہ عرف اقوی ہے اور اقوی کو ادنیٰ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ تو جب ان اشیاء کو انہیں کی جنس کے

عوض میں فروخت کیا جائے تو مساوات ضروری ہوگی، کمی بیشی جائز نہ ہوگی، اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کے ساتھ ہوگا اور وزنی میں وزن کے لحاظ سے ہوگا سو اگر کسی نے گیہوں کو گیہوں کے عوض وزن کے لحاظ سے مساوات کے ساتھ فروخت کیا تو بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ گیہوں شرعاً کیلی ہے نہ کہ وزنی و قس علی هذا۔

قوله فهو محمول الخ جن چیزوں میں شارع کی جانب سے کوئی تصریح نہیں وہ لوگوں کے معمول کے محمول پر ہوگی کیونکہ جن چیزوں میں عادت جاری ہو ان میں عادت الناس ان کے جواز پر دال ہوتی ہے 'لقوله علیه السلام''' مارآه المئومنون حسنا فهو عندالله حسن. کذافی النهایه۔

قوله وماسواه الخ غیر صرف میں مال ربوا کا متعین ہونا معتبر ہے تقابض فی المجلس شرط نہیں پس اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض میں معین کر کے فروخت کیا اور بائع و مشتری قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے۔ امام شافعی، مالک، احمد بیع بالطعام کی صورت میں اس کے خلاف ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ الْحِنْطَةِ بِالدَّقِیْقِ وَلَا بِالسَّوِیْقِ وَکَذٰلِکَ الدَّقِیْقِ بِالسَّوِیْقِ وَیَجُوْزُ بَیْعُ اللَّحْمِ
جائز نہیں گیہوں کی بیع آٹے اور ستو کے عوض اسی طرح آٹے کی بیع ستو کے عوض اور جائز ہے گوشت کی

بِالْحَیْوَانِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَایَجُوْزُ حَتّٰی
بیع حیوان کے عوض شیخین کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں یہاں تک

یَکُوْنَ اللَّحْمُ اَکْثَرَ مِمَّا فِی الْحَیْوَانِ فَیَکُوْنَ اللَّحْمُ بِمِثْلِهٖ وَالزِّیَادَةُ بِالسَّقْطِ وَیَجُوْزُ بَیْعُ
کہ ہو گوشت زیادہ اس سے جو حیوان میں ہے پس ہو جائے گا گوشت گوشت کے مقابلہ میں اور زائد گوشت ہڈی کھال وغیرہ کے مقابلہ

الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ عِنْدَ اَبِیْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَکَذٰلِکَ الْعِنَبِ بِالزَّبِیْبِ
میں اور جائز ہے پختہ خرما کی بیع چھوارہ کے عوض میں برابر سرابر امام صاحب کے نزدیک اسی طرح انگور کی بیع کشمش کے عوض میں

احکام ربوا کی تفصیل

توضیح اللغۃ: حنطۃ۔ گیہوں، دقیق۔ آٹا، سویق۔ ستو، سقط۔ ناکارہ و ردی چیز، رطب۔ پختہ خرما، تمر۔ چھوارہ، عنب۔ انگور، زبیب۔ کشمش۔

تشریح الفقہ: **قوله ولایجوز بیع الحنطة** الخ امام صاحب کے نزدیک گیہوں کو اس کے آٹے یا ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں نہ بطریق تساوی نہ بطریق تفاضل، تفاضل تو اس لیے جائز نہیں کہ دونوں جنس واحد ہیں کیونکہ آٹا اور ستو گیہوں کے اجزاء ہیں اور تساوی اس لیے جائز نہیں کہ دونوں کا معیار کیل ہے اور کیل سے تسویہ نہیں ہوسکتا کیونکہ گیہوں کے دانوں کا تخلخل پسنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

قوله وکذلک الدقیق الخ اسی طرح امام صاحب کے نزدیک آٹے کو ستو کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں نہ بطریق تساوی نہ بطریق تفاضل، صاحبین کے نزدیک جائز ہے کیف ما یکون کیونکہ یہ دونوں دو مختلف جنسیں ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جنسیں مختلف نہیں۔ بلکہ جنس واحد ہے۔ اس واسطے کہ دونوں گیہوں کے اجزاء ہیں صرف اتنی بات ہے کہ ایک بھنے ہوئے گیہوں کا جز ہے اور ایک بے بھنے ہوئے گیہوں کا تاہم مقصود اصلی یعنی تغذی دونوں کو شامل ہے۔

قوله ویجوز بیع اللحم الخ کٹے ہوئے گوشت کو جانور کے عوض میں فروخت کرنا شیخین کے نزدیک جائز ہے اگرچہ گوشت جانور کی جنس سے ہو۔ مثلاً گائے کا گوشت گائے کے عوض میں فروخت کیا جائے تو جائز ہے۔ امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر گوشت جانور کی جنس سے ہو تو

گوشت کا قدرے زائد ہونا ضروری ہے تا کہ گوشت گوشت کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد گوشت جانور کے جگر، تلی وغیرہ کے مقابلہ میں ہو جائے اگر ایسا نہ ہو تو ربوا لازم آئے گا۔ چنانچہ امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت کو حیوان کے عوض میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں وزنی چیز کی بیع غیر وزنی چیز کے ساتھ ہے کیونکہ جانور عادۃً تولا نہیں جاتا اور وزنی چیز کی بیع غیر وزنی چیز کے ساتھ جائز ہے برابر سرابر ہو یا کم وبیش (بشرطیکہ متعین ہو اور ادھار نہ ہو)۔

قولہ ویجوز بیع الرطب الخ پختہ تر و تازہ کھجور کو پختہ و تر و تازہ کھجور کے عوض متماثلاً فروخت کرنا تو بالاتفاق صحیح ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک پختہ کھجور کو چھوارے کے عوض فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے یہاں فی الحال مساوات کا ہونا کافی نہیں۔ بلکہ باعتبار انجام بھی مساوات ضروری ہے۔ دلیل یہ ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پختہ کھجور کی بیع کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا وہ خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں، یا رسول اللہ! کم ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا، تو پھر بیع جائز نہیں[1]" امام صاحب کے یہاں بوقت عقد مساوات ہونی چاہیے، انجام کے لحاظ سے مساوات کا نہ ہونا اس کے منافی نہیں (بشرطیکہ اس کا موجب امر خلقی ہو) امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رطب دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ تمر ہے یا تمر نہیں ہے اگر تمر ہے تو آغاز حدیث "التمر بالتمر" کی رو سے بیع جائز ہوئی اور اگر تمر نہیں ہے تو آخر حدیث "اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم" کی رو سے بیع صحیح ہوئی، رہا استدلال مذکور سو اس کا مدار زید بن عیاش پر ہے جس کے متعلق ناقدین حدیث کو کلام ہے۔ دوم یہ کہ اسمیں بیع بطریق نسیہ سے منع کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ سوال اسی کی بابت تھا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، دار قطنی اور طحاوی کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، ولفظہم "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع الرطب بالتمر نسيئة" سوال۔ دار قطنی میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جواب اس مضمون کا راوی ایک یحییٰ بن انیسہ ہے اور ایک موسیٰ بن عبیدہ ربذی، اور یہ دونوں بقول ابن جوزی متروک ہیں۔

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ اَكْثَرَ
اور جائز نہیں زیتون کی بیع روغن زیتون کے عوض نہ تل کی روغن تل کے عوض یہاں تک کہ ہو روغن زیتون و روغن تل زیادہ

مِمَّا فِي الزَّيْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ فَيَكُوْنَ الدُّهْنُ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِالشَّجِيْرَةِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللُّحْمَانِ
اس سے جو زیتون اور تل میں ہے پس ہو گا تیل تیل کے مقابلہ میں اور زائد تیل کھلی کے بدلہ میں اور جائز ہے مختلف گوشتوں

الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلًا وَكَذٰلِكَ اَلْبَانُ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ
کی بیع بعض کی بعض کے عوض کمی بیشی سے اسی طرح اونٹ، گائے اور بکری کے دودھوں کی بیع بعض کی بعض کے

مُتَفَاضِلًا وَخَلُّ الدَّقْلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ مُتَفَاضِلًا وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيْقِ
عوض کمی بیشی سے اور کھجور کے سرکہ کی انگور کے سرکہ کے عوض کمی بیشی سے اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں اور آٹے کے عوض

مُتَفَاضِلًا وَلَا رِبٰوا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ
کمی بیشی کر کے اور نہیں ہے سود آقا اور اس کے غلام کے درمیان اور نہ مسلم و حربی کے درمیان دار الحرب میں

توضیح اللغۃ زیتون۔ مشہور پھل، زیت۔ زیتون کا تیل، سمسم۔ تل، شیرج۔ تل کا تیل، دھن۔ تیل، شجیرۃ۔ کھلی، لحمان۔ جمع لحم، گوشت، البان۔ جمع لبن، دودھ، خل۔ سرکہ، دقل۔ ردی کھجور، عنب۔ انگور، خبز۔ روٹی، دقیق۔ آٹا۔

[1] مالک، ائمہ اربعہ، احمد، ابن حبان، حاکم عن سعید بن ابی وقاص ۱۲۔

تشریح الفقہ :قولہ ولایجوز بیع الزیتون الخ زیتون کے عوض اور تل کی بیع روغن تل کے عوض جائز نہیں' یہاں تک کہ روغن زیتون اور روغن تل اس روغن سے زائد ہو جو زیتون اور تل سے نکلنے والا ہے تاکہ تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد تیل ان کی کھلی کے مقابلہ میں ہو جائے۔

قولہ ولاربوا الخ آقا اور اس کے غلام کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ تو اس کے آقا ہی کا ہے جس طرح چاہے لے مگر یہ اس وقت ہے جب غلام ماذون لہ ہو اور اس پر دین مستغرق نہ ہو ورنہ ان کے درمیان بالاتفاق ربوا ہوگا۔ البتہ بحر میں معراج سے منقول ہے کہ تحقیق یہی ہے کہ دین مستغرق ہو یا غیر مستغرق' کسی طرح ربوا نہیں۔

قولہ ولابین المسلم الخ جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے امان حاصل ہو اس کے درمیان اور کافر حربی کے درمیان دارالحرب میں رہتے ہوئے طرفین کے نزدیک ربوا نہیں ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں۔ کیونکہ نصوص حرمت ربوا مطلق ہیں دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں' بہرصورت ربوا حرام ہے' طرفین کی دلیل یہ روایت ہے ''لاربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب'' یہ روایت گو مرسل ہے مگر اس کے راوی حضرت مکحول ثقہ ہیں اور ثقہ راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے نیز دارالحرب میں حربی کا مال مباح ہے پس وہ رضا مندی کے ساتھ جیسے چاہے لے سکتا ہے۔

فائدہ حرمت ربوا سے پانچ صورتیں مستثنیٰ ہیں کہ ان میں ربوا حرام نہیں۔ ۱۔ آقا اور اس کے غلام کے درمیان ۲۔ شرکت معاوضہ کے دو شریکوں کے درمیان ۳۔ شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان ۴۔ دارالحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان ۵۔ مسلم اور اس شخص کے درمیان جو دارالحرب میں مسلمان ہوا ہو۔

بابُ السَّلَم

باب بیع سلم کے بیان میں

قولہ باب الخ جن بیوع میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ ضروری نہیں ان کے بعد ان بیوع کا بیان ہے جن میں یہ ضروری ہے یعنی صرف و سلم اور سلم کو صرف پر اس لیے مقدم کر رہے ہیں کہ سلم میں احد العوضین پر قبضہ ضروری ہے اور صرف میں عوضین پر' لغت میں سلم اور سلف دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جب ثمن پہلے دیا جائے تو اہل عرب بولتے ہیں سلف فی کذا و اسلم و اسلف (مغرب) شرع میں سلم بیع الآجل بالعاجل کو کہتے ہیں۔ آجل سے مراد مسلم فیہ ہے اور عاجل سے مراد راس المال۔ صاحب مال کو رب السلم و مسلم' عاقد آخر کو مسلم الیہ' مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو راس المال کہتے ہیں۔

فائدہ ازروئے قیاس سلم جائز نہیں۔ کیونکہ وقت عقد مسلم فیہ (مبیع) موجود نہیں ہوتی مگر یہ کتاب و سنت اور اجماع سب سے ثابت ہے' اس لیے قیاس کو ترک کرنا پڑا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''بخدا حق تعالیٰ نے سلف یعنی سلم کو حلال فرمایا ہے اور اس کے بارے میں اطول آیات ''یاایھاالذی آمنوا اذاتداینتم'' نازل فرمائی ہے[1]۔ دیگر احادیث صحیحہ سے بھی رخصت سلم ثابت ہے۔

اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِی الْمَکِیْلَاتِ وَالْمَوْزُوْنَاتِ وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِیْ لَاتَتَفَاوَتُ کَالْجَوْزِ وَالْبِیْضِ
سلم جائز ہے کیلی وزنی اور ایسی عددی چیزوں میں جو متفاوت نہیں ہوتی جیسے اخروٹ اور انڈے

وَالْمَذْرُوْعَاتِ وَلَایَجُوْزُ السَّلَمُ فِی الْحَیَوَانِ وَلَا فِیْ اَطْرَافِهٖ وَلَا فِی الْجُلُوْدِعَدَدَ اوَلَا
اور گز گنی والی چیزوں میں اور جائز نہیں سلم حیوان اور اس کے اطراف میں اور نہ کھالوں میں گنتی کے لحاظ سے نہ

[1] حاکم' شافعی' بیہقی (فی المعرفۃ) عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ' طبرانی عن ابن عباس ۱۲۔

فِي الْحَطَبِ حُزَمًا وَلَا فِي الرُّطَبِ جُرَزًا وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْلَمُ فِيْهِ مَوْجُوْدًا
لکڑیوں میں گٹھوں کے لحاظ سے نہ سبزیوں میں گڈیوں کے لحاظ سے اور جائز نہیں سلم یہاں تک کہ ہو مسلم فیہ موجود

مِّنْ حِيْنِ الْعَقْدِ اِلٰى حِيْنِ الْمَحِلِّ وَلَايَصِحُّ السَّلَمُ اِلَّامُؤَجَّلًا وَلَايَجُوْزُ اِلَّا بِاَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ
عقد کے وقت سے مدت کے وقت تک اور جائز نہیں سلم مگر مہلت دے کر اور جائز نہیں مگر مدت معلومہ کے ساتھ

وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ بِمِكْيَالِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ وَلَا بِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ وَلَا فِي طَعَامِ قَرْيَةٍ
اور جائز نہیں سلم خاص آدمی کے پیمانے پر اور خاص آدمی کے گز سے اور نہ کسی خاص گاؤں کے غلہ میں

بِعَيْنِهَا وَلَا فِي تَمْرَةِ نَخْلَةٍ بِعَيْنِهَا
اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں۔

وہ چیزیں جن میں سلم جائز ہے اور جن میں جائز نہیں

توضیح اللغۃ: جوز۔اخروٹ' بیض۔جمع بیضۃ' انڈا' اطراف۔جمع طرف' مراد سری' کلہ وغیرہ' جلود۔جمع جلد' کھال' حطب۔لکڑی' حزم۔جمع حزمۃ' گٹھا' رطب۔جمع رطبۃ' سبزیات' جرز۔جمع جرزۃ گڈی' اجل۔مدت' موجل۔موقت' قریۃ۔بستی۔

تشریح الفقہ: **قولہ فی الحیوان** الخ ہمارے یہاں جاندار میں بیع سلم صحیح نہیں' خواہ کوئی جاندار ہو۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو ایک لشکر روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔سواریاں ختم ہوگئیں تو آپ نے فرمایا کہ صدقہ کی اونٹنیاں لے لو "وکان یا خذالبعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ"[1] ہماری دلیل یہ ہے کہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار میں بیع سلم سے منع فرمایا ہے"[2]' رہی حدیث مذکور سواول تو وہ ضعیف مضطرب الاسناد ہے۔دوسرے یہ کہ مسلم بن جبیر اور عمرو بن حریش راوی مجہول ہیں اور ابوسفیان کے متعلق بھی کلام ہے۔تیسرے یہ کہ اس سے معلوم ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض میں بطور نسیہ جائز ہے حالانکہ صحیح احادیث سے اس کی ممانعت ہے[3]۔

قولہ ولا فی اطرافہ الخ اطراف حیوان (سری' کلہ پاؤں وغیرہ) اور اس کی کھال میں بھی سلم جائز نہیں کیونکہ یہ سب' عددی اشیاء ہیں جن میں غیر معمولی تفاوت ہے امام مالک کے یہاں سری اور کھال میں عدد کے لحاظ سے سلم جائز ہے۔

قولہ موجودًا الخ جو چیز عقد سلم کے وقت سے استحقاق کے وقت تک بازاروں میں دستیاب نہ ہوتی ہو اس میں بھی سلم جائز نہیں۔امام شافعی و احمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ چیز بوقت عقد موجود نہ ہو اور حلول مدت کے وقت موجود ہو سکتی ہو تو سلم جائز ہے' ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" پھلوں میں سلم نہ کرو یہاں تک کہ وہ لائق انتفاع ہو جائیں[4]"۔

وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ عِنْدَاَبِيْحَنِيْفَةَ اِلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْكَرُ فِي الْعَقْدِ جِنْسٌ مَّعْلُوْمٌ وَنَوْعٌ
اور صحیح نہیں سلم امام صاحب کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کر دی جائیں عقد میں' جنس کا معلوم ہونا' نوع کا

مَّعْلُوْمٌ وَّصِفَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ وَّمِقْدَارٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاَجَلٌ مَّعْلُوْمٌ وَّمَعْرِفَةُ مِقْدَارِ رَاْسِ الْمَالِ
معلوم ہونا' صفت کا معلوم ہونا مقدار کا معلوم ہونا راس المال کی مقدار کا معلوم ہونا

[1] ابوداؤد' احمد' حاکم عن ابن عمر ۱۲۔ [2] حاکم' دارقطنی عن ابن عباس ۱۲۔ [3] ابن حبان' عبدالرزاق' دارقطنی' بزار' بیہقی (فی المعرفۃ) طبرانی عن ابن عباس ائمہ اربعہ عن سمرۃ' ترمذی عن جابر بن عبداللہ' طبرانی عن جابر بن سمرۃ' طبرانی' احمد عن ابن عمر ۱۲۔ [4] ابوداؤد' ابن ماجہ عن ابن عمر' طبرانی عن ابی ہریرہ (فی معناہ) ۱۲۔

اِذَاكَانَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلٰى مِقْدَارِهٖ كَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ وَ تَسْمِيَةُ الْمَكَانِ

جب متعلق ہو عقد اس کی مقدار سے جیسے کیلی وزنی اور عددی چیزیں اور اس جگہ کا معلوم ہونا

الَّذِیْ يُوْفِيْهِ فِيْهِ اِذَا كَانَ لَهٗ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ وَّقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايُحْتَاجُ

جہاں اسے ادا کرے گا جب ہو اس میں بار برداری اور مشقت صاحبین فرماتے ہیں کہ ضرورت نہیں

اِلٰى تَسْمِيَةِ رَاْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مُعَيَّنًا وَّلَا اِلٰى مَكَانِ التَّسْلِيْمِ وَيُسَلِّمُهٗ فِیْ مَوْضِعِ الْعَقْدِ

راس المال کے نام لینے کی جبکہ وہ معین ہو اور نہ ادا کرنے کی جگہ کا نام لینا بلکہ حوالے کر دے گا عقد کی جگہ میں

وَلَايَصِحُّ السَّلَمُ حَتّٰى يَقْبِضَ رَاْسَ الْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّفَارِقَهٗ

اور صحیح نہیں سلم یہاں تک کہ قبضہ کرلے راس المال پر جدا ہونے سے پہلے

شروط بیع سلم کا بیان

تشریح الفقہ : قوله الابسبع الخ یہاں سے صحت سلم کی شرطوں کا بیان ہے اور وہ یہ ہیں۔ ا۔ مسلم فیہ کی جنس معلوم کرے کہ گیہوں ہے یا کھجور ۲۔ نوع معلوم ہو کہ آدمیوں کے سینچے ہوئے ہوں گے یا بارش کے ۳۔ صفت معلوم ہو کہ عمدہ قسم کے ہوں گے یا گھٹیا ۴۔ مقدار معلوم ہو کہ دس من ہوں گے یا بیس من کیونکہ ان چیزوں کے اختلاف سے مسلم فیہ مختلف ہوتی ہے اس لیے بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ جھگڑا نہ ہو ۵۔ مدت معلوم ہو کہ پندرہ روز بعد لے گا یا بیس روز بعد۔ امام شافعی کے یہاں بلامدت بھی صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ ''ورخص فی السلم'' مطلق ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث میں ''الی اجل معلوم'' کی تصریح موجود ہے۔ پھر ہمارے یہاں اقل مدت میں چند اقوال ہیں۔ ا۔ قول ابوبکر رازی کہ نصف یوم سے اکثر اقل مدت ہے ۲۔ قول احمد بن ابی عمران بغدادی استاذ طحاوی کہ تین دن ہیں۔ ۳۔ اقل مدت وہ ہے جس میں مسلم فیہ کی تحصیل ممکن ہو یہ امام کرخی نے نقل کیا ہے۔ ۴۔ دس دن ہیں۔ ۵۔ ایک ماہ ہے یہ امام محمد سے مروی ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ ۶۔ راس المال کی مقدار معلوم ہو اگر عقد راس المال کی مقدار سے متعلق ہو جیسے کیلی وزنی اور عددی چیزوں میں' صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر راس المال کی طرف اشارہ ہو جائے تو مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہے کہ مسلم الیہ مسلم فیہ کی تحصیل پر قادر نہیں تو راس المال واپس کرنے کی احتیاج ہوگی اور راس المال مجہول ہونے کی صورت میں واپسی متعذر ہے ۷۔ جن اشیاء میں بار برداری کی کلفت ہو ان میں مکان ایفاء کا بیان ہونا' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جہاں عقد ہوا ہے ایفاء کیلیے وہ جگہ متعین ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ تسلیم مسلم فیہ فی الحال واجب نہیں پس تسلیم کے لیے مکان عقد متعین نہ ہو۔

قوله تذكر فی العقد الخ یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ مذکورہ بالا سات شرطوں کا بوقت عقد مذکور ہونا ضروری ہے بخلاف باقی دو شرطوں کے یعنی مسلم فیہ کا مقدور التسلیم ہونا جس کی طرف ''ولایجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا اھ'' اشارہ کیا تھا اور راس المال کا معجل ہونا کہ ان کا ذکر بوقت عقد ضروری نہیں۔

وَلَايَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِیْ رَاْسِ الْمَالِ وَلَا فِی الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَلَا يَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَ

اور جائز نہیں تصرف کرنا راس المال میں اور نہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے اور جائز نہیں شرکت اور

لَاالتَّوْلِيَةُ فِی الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهٖ وَيَصِحُّ السَّلَمُ فِی الثِّيَابِ اِذَا سُمِّیَ طُوْلًا وَّعَرْضًا وَّ

تولیہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے اور صحیح ہے سلم کپڑوں میں جبکہ بیان کر دی جائے لمبائی' چوڑائی اور

رَقْعَةً وَّلَایَجُوْزُ السَّلَمُ فِی الْجَوَاهِرِ وَلَا فِی الخرزِ وَلَابَاْسَ بِالسَّلَمِ فِی اللَّبِنِ وَالْاٰجُرِّ
موتائی اور جائز نہیں سلم جواہرات اور موتیوں میں اورکوئی حرج نہیں کچی پکی اینٹوں

اِذَا اسْمَّی مِلْبَنًا مَّعْلُوْمًا وَکُلُّ مَاامْکَنَ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَ مَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ جَازَالسَّلَمُ فِیْهِ وَمَا
میں سلم کرنے سے جب ان کا سانچا مقرر کر دیا جائے' جن چیزوں کی ضبط صفت اور معرفت مقدار ممکن ہو ان میں سلم جائز ہے اور جن

لَایُمْکِنُ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَ مَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ لَایَجُوْزُ السَّلَمُ فِیْهِ وَیَجُوْزُ بَیْعُ الْکَلْبِ وَالْفَهْدِ
کی ضبط صفت و معرفت مقدار ممکن نہیں ان میں سلم جائز نہیں' جائز ہے کتے' چیتے

وَالسِّبَاعِ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِیْرِ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ دُوْدِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ الْقَزِّوَلَاالنَّحْلِ
اور درندوں کی بیع اور جائز نہیں شراب اور خنزیر کی بیع اور جائز نہیں ریشم کے کیڑے کی بیع مگر یہ کہ ہوں ریشم کے ساتھ نہ شہد

اِلَّا مَعَ الْکُوْرَاتِ وَاَهْلُ الذِّمَّةِ فِی الْبِیَاعَاتِ کَالْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا فِی الْخَمْرِ وَالْخِنْزِیْرِ خَاصَّةً
کی مکھی کی مگر یہ کہ ہوں چھتوں کے ساتھ ذمی لوگ خرید و فروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگرشراب اور خنزیر کے بارے میں خاص کر

فَاِنَّ عَقْدَ هُمْ عَلَی الْخَمْرِ کَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَی الْعَصِیْرِ وَ عَقْدَهُمْ عَلَی الْخِنْزِیْرِ کَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَی الشَّاةِ
کہ ان کا معاملہ شراب پر مسلمان کے معاملہ جیسا ہے شربت پر اور ان کا معاملہ خنزیر پر مسلم کے معاملہ کا سا ہے بکری پر

عقد سلم کے باقی احکام

توضیح اللغۃ رقعتہ۔ ٹکڑا' مراد موتائی' جواہر۔ جمع جوہر' خرز۔ جمع خرزۃ' پوتھ' لبن۔ کچی اینٹ' آجر۔ پکی اینٹ' ملبن۔ اینٹ ڈھالنے کا سانچہ' کلب۔ کتا' فہد۔ چیتا' سباع۔ جمع سبع' درندہ' دود۔ کیڑا' قز۔ ابریشم' نحل۔ شہد کی مکھی' کورات۔ شہد کی مکھیوں کا چھتہ جس میں شہد اور مکھیاں ہوں' عصیر۔ شیرہ انگور۔

تشریح الفقہ : قولہ ولا یجوز التصرف الخ قبضہ سے پہلے راس المال میں تصرف کرنا جائز نہیں' کیونکہ اس میں قبضہ کا فوت ہونا لازم آتا ہے۔ جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے نیز قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں بھی تصرف جائز نہیں کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے اور مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔

قولہ و کل ماامکن الخ کن اشیاء میں سلم جائز ہے اور کن اشیاء میں جائز نہیں؟ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن چیزوں کی صفت ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً ان کا عمدہ یا ناقص ہونا اور ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے کیلی' وزنی عددی متقارب المقدار اخروٹ' انڈے' پیسے' معین سانچے کی کچھ یا پکی اینٹیں وغیرہ ہر ایسی چیز میں بیع سلم صحیح ہے اور جن میں یہ بات ممکن نہ ہو ان میں صحیح نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص کسی چیز میں عقد سلم کرے' اسے چاہیے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں مدت معلومہ تک عقد سلم کرے[1]"

ولایجوزبیع الکلب الخ ہمارے یہاں کتے کی بیع صحیح ہے معلم ہو یا غیر معلم' عقور[2] ہو یا غیر عقور البتہ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ کلب عقور جو تعلیم کو قبول نہیں کرتا' اس کی بیع جائز نہیں۔ قال فی المبسوط ھذا ھوا الصحیح من المذھب۔ امام شافعی و احمد کے یہاں کتے کی بیع مطلقاً جائز نہیں بعض موالک بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام مالک سے مشہور یہ ہے کہ جائز ہے۔ عدم جواز کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ

۱۔ ائمہ ستہ' احمد عن ابن عباس ۱۲۔ ۲۔ پھاڑ کھانے والا کتا ۱۲۔

وسلم کا ارشاد ہے کہ ''زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت اور پچھنے لگانے والے کی کمائی حرام ہے[1]'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی بیع سے منع فرمایا ہے اور شکاری کتے کا استثناء کیا ہے۔ نیز امام صاحب نے مسند میں بسند جید حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی بیع سے منع فرمایا ہے اور شکاری کتے کا استثناء کیا ہے۔ نیز امام صاحب نے مسند میں بسند جید حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی ہے۔ سوال حدیث مذکور سے استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص' اس واسطے کہ حدیث سے صرف شکاری کتے کی بیع ثابت ہوئی۔ جواب شکاری کتے کے علاوہ دیگر کتے دلالتہً اسی کے ساتھ ملحق ہیں۔'' والجامع کو نہ منتفعابہ حراسةً واصطیاداً'' رہی حدیث نہی سو وہ ابتدائی دور پر محمول ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں کتوں کے معاملہ میں جو سختی تھی وہ بعد میں اٹھادی گئی تھی نیز درندوں کی بیع بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی قابل انتفاع حیوان ہیں. **فیکون مالا متقومًا وهومحل البیع۔**

قوله بیع دود الخ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ریشم کے کپڑے کی بیع اور اس کے انڈے کی بیع جس کو اہل عرب بذرالفلیق کہتے ہیں علی الاطلاق جائز ہے کیونکہ یہ بھی قابل انتفاع ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس پر ریشم ظاہر ہو چکی ہو تو ریشم کے تابع ہو کر بیع جائز ہے۔ امام صاحب کے یہاں اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے لیکن فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قوله ولا النحل الخ شیخین کے نزدیک شہد کی مکھی کی بیع جائز نہیں کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے جیسے بھڑ' سانپ' بچھو وغیرہ۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ وہ محرز ہو بایں طور کہ شہد اور چھتے کے ساتھ بیع ہو کیونکہ شہد کی مکھی حقیقتہً اور شرعاً ہر اعتبار سے قابل انتفاع ہے گو وہ ماکول نہیں جیسے گدھے اور خچر کی بیع جائز ہے ذخیرہ' عینی' خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قوله و اهل الذمة الخ ذمی لوگ جملہ معاملات صرف' سلم' ربوا وغیرہ میں مسلمانوں کی طرح ہیں کیونکہ وہ بھی معاملات کے مکلف اور مباشرتِ اسباب کے محتاج ہیں پس جو معاملات مسلمانوں کے لیے جائز یا ناجائز ہیں وہ ان کے لیے بھی جائز یا ناجائز ہیں البتہ خنزیر اور شراب اس سے مستثنیٰ ہے کہ ان کی خرید وفروخت ان کے لیے جائز ہے ہمارے لیے ناجائز کیونکہ وہ ان کی مالیت کے معتقد ہیں۔ **ونحن امرنا بان نترکهم وما یعتقدون۔**

بَابُ الصَّرفِ

باب عقد صرف کے بیان میں

اَلصَّرفُ هُوَ الْبَیْعُ اِذَاکَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْ عِوَضَیْهِ مِنْ جِنْسِ الْاَثْمَانِ
صرف وہ بیع ہے کہ ہو اس کے عوضین میں سے ہر ایک اثمان کی جنس سے

فَاِنْ بَاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْذَهَبًا بِذَهَبٍ لَمْ یَجُزْ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَّاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّیَاغَةِ
پس اگر فروخت کر دے چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے عوض تو جائز نہ ہو گا مگر برابر سرابر گو وہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں

وَلَابُدَّمِنْ قَبْضِ الْعِوَضَیْنِ قَبْلَ الْاِفْتِرَاقِ وَاِذَا بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ جَازَ التَّفَاضُلُ وَ
اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدائی سے پہلے جب بیچے سونا چاندی کے عوض تو جائز ہے زیادتی اور

وَجَبَ التَّقَابُضُ وَاِنِ افْتَرَقَا فِي الصَّرفِ قَبْلَ قَبْضِ الْعِوَضَیْنِ اَوْاَحَدِهِمَا بَطَلَ الْعَقْدُ
ضروری ہے جانبین سے قبضہ کا ہونا' اگر جدا ہو گئے عقد صرف میں دونوں یا ایک عوض پر قبضہ سے پہلے تو عقد باطل

[1] ابن حبان' دارقطنی عن ابی ہریرہ' ابویعلی الموصلی' ابن حاتم عن السائب بن یزید' طبرانی' ابن عدی عن عمر (فی معناہ) صحیحین عن ابن مسعود الانصاری (فی معناہ) ۱۲۔

وَلَایَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِیْ ثَمَنِ الصَّرفِ قَبْلَ قَبْضِہٖ وَیَجُوْزُ بَیْعُ الذَّھَبِ بِالْفِضَّۃِ[1] مُجَازَفَۃً

ہو جائے گا' جائز نہیں تصرف ثمن صرف میں قبضہ سے پہلے اور جائز ہے سونے کی بیع چاندی کے عوض اندازہ سے۔

توضیح اللغۃ : اثمان ۔جمع ثمن فضۃ ۔چاندی' ذہب ۔سونا' جودۃ ۔عمدگی' صیاغۃ ۔گھڑت' افتراق ۔جدائی' مجازفۃ ۔اندازہ' اٹکل۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں بیع العین بالعین بیع العین بالدین' بیع الدین بالعین بیع الدین بالدین صاحب کتاب' پہلی تین قسموں کو بیان کر چکے اب چوتھی قسم کو بیان کررہے ہیں اور اس کو سب سے بعد میں اس لیے لائے ہیں کہ یہ اضعف الباعات ہے' یہاں تک کہ اس میں مجلس عقد کے اندر ہی عوضین پر قبضہ ضروری ہے۔

صرف لغت میں نقل ور دیعنی پھیرنے اور واپس کرنے کو کہتے ہیں۔قال تعالیٰ'' ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم''اس عقد میں چونکہ بدلین کو ہاتھ در ہاتھ منتقل کرنا ضروری ہے اس لیے اس کو صرف کہتے ہیں نیز لغت میں یہ لفظ بقول خلیل فضل وزیادتی کے معنی میں بھی آیا ہے۔چنانچہ صرف الحدیث کلام کی زیادتی اور تزئین وتحسین کہتے ہیں ویقال لہ علی صرف اس کو مجھ پر فضیلت ہے۔حدیث میں ہے''من انتھیٰ الیٰ غیر ابیہ لایقبل للہ منہ صرفا ولا عدالا'' جو شخص خود اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے گا۔حق تعالیٰ اس کا صرف اور عدل قبول نہ کرے گا اس میں صرف سے مراد نفل ہے کیونکہ وہ فرض سے زائد ہے اور عدل سے مراد فرض ہے تو بیع صرف میں چونکہ شرط تقابض بدلین ایک زائد چیز ہے کہ غیر صرف میں یہ شرط نہیں ہے۔اس لیے اس کو صرف کہتے ہیں یا اس لیے کہ بیع صرف میں مقصود زیادتی ہی ہوتی ہے کیونکہ بعینہ نقود سے انتفاع نہیں ہوتا۔اصطلاح شرع میں اثمان یعنی چاندی اور سونے میں سے بعض کو بعض کے عوض فروخت کرنے کو بیع صرف کہتے ہیں' اثمان ثمن کی جمع ہے۔ثمن سے مراد وہ ہے جس میں خلقۃ ثمنیت ہو جیسے چاندی اور سونا وقال الفراء الثمن عندالعرب ماکان دیناً فی الذمہ۔

فائدہ مال کی چند قسمیں ہیں۔١۔جو ہر حالت میں ثمن ہو خواہ اپنی جنس کے مقابلہ میں ہو یا غیر جنس کے مقابلہ میں ہو جیسے سونا چاندی۔٢۔جو ہر حال میں مبیع ہو جیسے غیر ذوات الامثال کپڑے' چوپائے' غلام' وغیرہ ٣۔جو من وجہ ثمن ہو اور من وجہ مبیع ہو جیسے مکیل وموزون کہ اگر یہ چیزیں عقد میں معین ہوں تو مبیع ہوتی ہیں اور معین نہ ہوں اور کلمہ باء کے ساتھ ہوں اور ان کے مقابلہ میں کوئی مبیع ہو تو ثمن ہوتی ہیں۔٤۔جو باعتبار اصل سامان ہو اور اصطلاح ناس کے ذریعہ سے ثمن ہو جیسے اسباب فان کان رائجا کان ثمنا وان کان کاسداً کان سِلْعَۃً۔

قولہ من جنس الاثمان الخ اگر عقد صرف میں بدلین متجانس ہوں' مثلاً سونے کی بیع سونے کے عوض میں ہو اور چاندی کی بیع چاندی کے عوض تو مساوات بھی ضروری ہے اور قبل از افتراق مجلس قبضہ کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ''سونے کو سونے کے عوض میں برابر سرابر ہاتھ در ہاتھ بیچو[2]''

قولہ وان اختلفا الخ اگر عمدگی اور صنعت زرگری میں دونوں مختلف ہوں' تب بھی کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''جیدھا وردیھا سواء''پس یہ جو عام معمول ہے کہ عمدہ چاندی بناری وغیرہ روپے دے کر خریدتے ہیں یا چھلا آرسی سادہ صنعت کاری کی وجہ سے بڑھا کر لیتے ہیں' یہ عین ربوا اور مطلقاً حرام ہے اگر خریدنا ہی ہو تو جنس بدل کر یعنی چاندی کو اشرفیوں یا پیسوں سے خریدنا چاہیے۔

واذا باع الذھب الخ اگر جنس مختلف ہو مثلاً سونے کی بیع چاندی کے عوض ہو یا برعکس ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔بشرطیکہ افتراق مجلس سے پیشتر بدلین پر قبضہ ہو جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''فاذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید[3]''

قولہ بطل العقد الخ اگر عقد صرف میں متعاقدین عوضین یا احد العوضین پر قبضہ کرنے سے پہلے مجلس سے جدا ہو گئے تو عقد صرف باطل ہو

[1] المساواۃ غیر مشروطۃ فیہ لعدم المجانسۃ ١٢ [2] ائمہ ستہ الا البخاری ١٢ [3] مسلم احمد وغیرہما ١٢۔

جائے گا۔صاحب کتاب کے قول "بطل العقد" سے یہ معلوم ہوا کہ عقد صرف میں تقابض بقاء عقد کے لیے شرط ہے نہ کہ انعقاد وصحت عقد کے بعد کیونکہ بطلان انعقاد وصحت عقد کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔فعلی هذا لو تقابض بعد الافتراق ینقلب جائزاً قوله ولا یجوز التصرف الخ عقد صرف میں قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ وجوب قبض بجہت حق اللہ ہے تو اگر کسی نے دینار کو دراہم کے عوض فروخت کیا اور ابھی ان پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سے کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہوگی وجہ یہ ہے کہ بیع میں مبیع کا ہونا ضروری ہے اور باب صرف میں بدلین میں سے کسی ایک کو عدم اولویت کی وجہ سے مبیع متعین نہیں کر سکتے۔تو لامحالہ ہر ایک کو من وجہ ثمن اور من وجہ مبیع قرار دیں گے اور مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں لہذا دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے کپڑے کی خرید جائز نہ ہوگی۔

وَمَنْ بَاعَ سَيْفًا مُحَلًّى بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَحِلْيَتُهُ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهِ خَمْسِيْنَ دِرْهَمًا
جس نے بیچی زیور دار تلوار سو درہم میں جس کا زیور پچاس درہم کا ہے پس دے اس کی قیمت سے پچاس درہم

جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ الْمَقْبُوْضُ مِنْ حِصَّةِ الْفِضَّةِ وَاِنْ لَّمْ يُبَيِّنْ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ اِنْ قَالَ خُذْ
تو جائز ہو گی بیع اور ہوں گے مقبوضہ درہم چاندی کے حصہ سے گو اس نے یہ بیان نہ کیا ہو یا یہ کہا ہو کہ لے لے

هٰذِهِ الْخَمْسِيْنَ مِنْ ثَمَنِهِمَا فَاِنْ لَّمْ يَتَقَابَضَا حَتّٰى افْتَرَقَا بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ وَاِنْ كَانَ
یہ پچاس دونوں کی قیمت سے پس اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ جدا ہو گئے تو باطل ہو گا عقد زیور میں اور اگر

يَتَخَلَّصُ بِغَيْرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَبَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ وَمَنْ بَاعَ اِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا
زیور علیحدہ ہو سکتا ہو بلا نقصان تو جائز ہو گی بیع تلوار میں اور باطل ہو گی زیور میں جس نے بیچا چاندی کا برتن پھر جدا ہو گئے

وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهِ بَطَلَ الْعَقْدُ فِيْمَا لَمْ يَقْبِضْ وَصَحَّ فِيْمَا قَبَضَ وَكَانَ الْاِنَاءُ مُشْتَرَكًا
اور کچھ قیمت لے لی تو باطل ہو گا عقد غیر مقبوض میں اور صحیح ہو گا مقبوض میں اور مشترک رہے گا برتن دونوں

بَيْنَهُمَا وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْاِنَاءِ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْبَاقِيْ بِحِصَّتِهِ مِنَ
دونوں میں اگر مستحق نکل آیا برتن کے جزوی حصہ کا تو مشتری کو اختیار ہو گا چاہے لے باقی کو اس کے حصے کی

الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَمَنْ بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا اَخَذَ مَا بَقِيَ بِحِصَّتِهِ وَ
قیمت میں چاہے واپس کر دے اگر چاندی کی ایک ڈلی بیچی پھر نکل آیا کوئی مستحق اس کے بعض حصہ کا تو لے باقی کو اس کے حصے

لَاخِيَارَ[1] لَهُ وَمَنْ بَاعَ دِرْهَمَيْنِ وَ دِيْنَارًا بِدِيْنَارَيْنِ وَدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ
سے بلاخیار جس نے بیچے دو درہم اور ایک دینار دو دینار اور ایک درہم کے عوض میں تو جائز ہے بیع اور کر لیا جائے گا

مِنَ الْجِنْسَيْنِ بَدَلًا مِّنْ جِنْسِ الْاٰخَرِ وَمَنْ بَاعَ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَ دِيْنَارٍ
جنسین میں سے ہر ایک کو بدل دوسری جنس کا جس نے بیچے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار

جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَتِ الْعَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَالدِّيْنَارُ بِدِرْهَمٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ
کے عوض میں تو جائز ہے بیع اور ہوں گے دس درہم دس کے مقابلہ میں اور دینار درہم کے مقابلہ میں جائز ہے بیع دو کھرے

وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَّدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ
اور ایک کھوٹے درہم کی ایک کھرے اور دو کھوٹے درہموں کے عوض میں

[1] لان الشركة في النقرة لاتعدعيبًا لان التشقيص لايضرها بخلاف لاناء١٢

احکام صرف کی تفصیل

توضیح اللغۃ: سیف۔تلوار۔محلی۔زیور سے آراستہ'حلیۃ۔زیور'تخلص۔جدا ہوسکے'ضرر۔نقصان'اناء۔برتن'نقرۃ۔کچی چاندی'غلہ۔کھوٹا۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن باع سیفاً الخ ایک شخص نے ایک تلوار جو پچاس درہم کے زیور سے آراستہ تھی اس کو ایک سو درہم کے عوض فروخت کیا اور مشتری نے ثمن کے پچاس درہم نقد دے دیئے تو بیع جائز ہے اور جو درہم نقد وصول کیے ہیں وہ زیور کا بدل شمار ہوگا خواہ مشتری نے اس کو بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو بلکہ اگر وہ اس کی تصریح کردے کہ یہ پچاس درہم دونوں کی طرف سے دے رہا ہوں' تب بھی زیور ہی کا بدل ہوگا کیونکہ زیور میں عقد صرف ہے اور عقد صرف میں مجلسکے اندر قبضہ کرنا ضروری ہے تو حتی الامکان عقد کو درست کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی صورت یہی ہے کہ نقد کو زیور کا بدل قرار دیا جائے پھر اگر متعاقدین قبل از تقابض جدا ہو گئے تو تلوار کی بیع صحیح رہے گی۔بشرطیکہ اس کا زیور بلا نقصان چھڑایا جا سکے اور زیور کی بیع باطل ہوگی۔کیونکہ زیور کا حصہ قبل از افتراق واجب القبض ہے اور قبضہ پایا نہیں گیا تو زیور کی بیع باطل ہوگی اور اگر زیور بلا ضرر چھڑانا ممکن نہ ہو تو تلوار اور زیور دونوں کی بیع باطل ہوگی کیونکہ اب تسلیم متعذر رہے۔

قولہ ومن باع اناء فضۃ الخ ایک شخص نے چاندی یا سونے کا ایک برتن فروخت کیا' کچھ حصہ نقد وصول کیا کچھ باقی رہ گیا اور دونوں جدا ہو گئے تو ثمن کی جو مقدار نقد وصول کی ہے اتنی ہی مقدار کے لحاظ سے بیع صحیح ہوگی اور اب وہ دونوں برتن میں شریک ہوں گے۔وجہ یہ ہے کہ یہ پورا عقد صرف ہے تو جتنے حصے میں شرط پائی گئی اتنے ہی میں صحیح ہوگی اور چونکہ یہ فساد اصلی نہیں ہے اس لیے پورے میں شائع نہ ہوگا پھر اگر اس برتن میں کسی کا حق نکل آئے تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے باقی ماندہ کو اس کے حصے کے عوض میں لے اور چاہے واپس کر دے کیونکہ برتن میں شرکت عیب ہے۔

قولہ ومن باع درھمین الخ دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے عوض صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر مختلف الجنس اموال ربویہ میں ایک جنس کو اسی کی جنس کا بدل ٹھہرانے میں عقد فاسد ہوتا ہو تو خلاف جنس کو بدل ٹھہرالیا جائے گا تا کہ عقد فاسد ہونے سے بچ جائے۔پس یہاں درہم بمقابلہ دینار اور دینار بمقابلہ درہم قرار پائے گا اور بیع صحیح ہو جائے گی کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں تساوی بدلین ضروری نہیں۔امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ عقد اصلاً جائز ہی نہیں کیونکہ خلاف جنس کی صورت میں عاقد کے تصرف کی تغییر لازم آتی ہے کیونکہ اس کے کل کو کل کے مقابلہ میں ڈالا ہے۔جس کا مقتضی یہ ہے کہ انقسام بطریق شیوع ہو نہ کہ بطریق تعیین اور عاقد کے تصرف کو متغیر کرنا جائز نہیں ورنہ اس کے تصرف کے خلاف ایک دوسرا تصرف ہو جائے گا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ مقتضی عقد مطلق مقابلہ ہے۔جس میں مقابلہ جنس بالجنس مقابلہ جنس بخلاف الجنس' مقابلہ کل بالکل' مقابلہ فرد بالفرد سب کا احتمال ہے اور مقابلہ فرد بالفرد میں اس کے عقد کی تصحیح ہے تو اس پر محمول کیا جائے گا تا کہ عقد فاسد ہونے سے بچ جائے' رہا یہ سمجھنا کہ یہ تصرف مؤخر ہو گیا' سو یہ غلط فہمی ہے کیونکہ اس صورت میں اصل عقد کی تغییر نہیں صرف تغییر وصف ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قولہ ومن باع احد عشر الخ اس مسئلہ کا حکم بھی اسی قاعدہ پر مبنی ہے جو ہم اوپر ذکر کر کے آئے ہیں۔صاحب کتاب نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ صرف جنس الی خلاف الجنس کے سلسلہ میں بدلین میں سے ہر ایک میں جنسین کا پایا جانا جیسے پہلے مسئلہ میں ہے اور بدلین میں سے کسی ایک میں پایا جانا جیسے اس مسئلہ میں ہے یہ دونوں برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں پس یہاں دس درہموں کے مقابلہ میں اور ایک دینار کو ایک درہم کے مقابلہ میں کیا جائے گا۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّرَاهِمِ الْفِضَّةُ. فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْفِضَّةِ وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّنَانِيْرِ

اگر غالب ہو دراہم پر چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر ہو غالب دنانیر پر

الذَّهَبُ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الذَّهَبِ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِمَا مِنْ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ مَايُعْتَبَرُ فِي الْجِيَادِ وَاِنْ

سونا تو وہ سونے کے حکم میں ہیں پس معتبر ہو گا ان میں کمی بیشی کی حرمت سے وہ جو معتبر ہے کھروں میں اور اگر

كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِمَا الْغِشُّ فَلَيْسَا فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَهُمَا فِيْ حُكْمِ الْعُرُوْضِ فَاِذَا

ہو غالب ان پر کھوٹ تو وہ دراہم و دنانیر کے حکم میں نہیں بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہیں کہ جب

بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلًا جَازَ الْبَيْعُ وَاِنِ اشْتَرٰى بِهَا سِلْعَةً ثُمَّ كَسَدَتْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمُعَامَلَةَ

ان کو انہی کی جنس کے عوض میں زیادتی سے بیچا جائے تو بیع جائز ہو گی اگر ان سے سامان خریدا پھر ان کا رواج نہ رہا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا

بِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا يَوْمَ الْبَيْعِ

چھوڑ دیا قبضہ سے پہلے تو باطل ہو گی بیع امام صاحب کے نزدیک امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس پر قیمت ہو گی بیع کے دن

وَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا اٰخِرَمَا يَتَعَامَلُ النَّاسُ وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَاِنْ لَّمْ يُعَيِّنْ

کی امام محمد فرماتے ہیں کہ اس پر قیمت ہو گی لوگوں کے معاملہ کے آخری دن کی جائز ہے بیع رائج پیسوں سے گو معین نہ کرے

وَاِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً لَمْ يَجُزِ الْبَيْعُ بِهَا حَتّٰى يُعَيِّنَهَا وَاِذَا بَاعَ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ ثُمَّ كَسَدَتْ

اور اگر کھوٹے ہوں تو جائز نہیں یہاں تک کہ ان کو معین کر دے جب بیچی رائج پیسوں سے کوئی چیز پھر وہ

قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ جَازَ الْبَيْعُ

بند ہو گئے قبضہ سے پہلے تو باطل ہو گی بیع امام صاحب کے نزدیک' خریدی کوئی چیز نصف درہم کے پیسوں سے تو جائز ہے بیع

وَ عَلَيْهِ مَايُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ مِّنْ فُلُوْسٍ وَّمَنْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا فَقَالَ اَعْطِنِيْ بِنِصْفِهٖ

اور اس پر لازم ہو گا وہ جو بیچا جاتا ہے نصف درہم کے پیسوں سے کسی نے دیا صراف کو ایک درہم اور کہا دے دے اس کے نصف میں

فُلُوْسًا وَّبِنِصْفِهٖ نِصْفًا اِلَّا حَبَّةً فَسَدَ الْبَيْعُ فِي الْجَمِيْعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا جَازَ الْبَيْعُ

پیسے اور نصف میں اٹھنی رتی بھر کم تو فاسد ہو گی بیع سب میں امام صاحب کے نزدیک صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز

فِي الْفُلُوْسِ وَبَطَلَ فِيْمَا بَقِيَ وَلَوْقَالَ اَعْطِنِيْ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْسًا وَّنِصْفًا اِلَّا حَبَّةً جَازَ الْبَيْعُ وَ

ہے بیع پیسوں میں اور باطل ہے باقی میں اگر کہا کہ دیدے نصف درہم پیسے اور رتی بھر کم اٹھنی تو جائز ہو گی بیع

لَوْقَالَ اَعْطِنِيْ دِرْهَمًا صَغِيْرًا وَزْنُهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ. اِلَّا حَبَّةً وَالْبَاقِيْ فُلُوْسًا جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ

اگر کہا کہ دے دے چھوٹا درہم جس کا وزن نصف درہم سے رتی بھر کم ہو اور باقی پیسے دے دے تو جائز ہو گی بیع اور ہوگا

النِّصْفُ اِلَّاحَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْهَمِ الصَّغِيْرِ وَالْبَاقِيْ بِاِزَاءِ الْفُلُوْسِ

رتی بھر کم نصف چھوٹے درہم کے مقابلہ میں اور باقی پیسوں کے مقابلہ میں

بیع صرف کے باقی احکام

توضیح اللغة : دنانیر۔ جمع دینار، اشرفی۔ جیاد۔ جمع جید، عمدہ، کھرا، غش۔ کھوٹ، عروض۔ سامان، سلعتہ۔ سامان اسباب، کسدت (ن) کساداً خواہش مندوں کی کمی کی وجہ سے رائج نہ ہونا، فلوس۔ جمع فلس، پیسہ، نافقہ۔ رائج، کاسدۃ۔ غیر رائج، صیرفی۔ صراف، سنہار، حبتہ۔ دو جو کے برابر ایک وزن، ازاء۔ مقابلہ۔

تشریح الفقہ : قولہ وان کان الغالب الخ اگر دراہم و دنانیر پر چاندی ہونا غالب ہو تو وہ چاندی سونے کے حکم میں ہیں پس ان کو خالص چاندی سونے کے عوض یا بعض کو بعض کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر ان میں کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوتے ہیں پس غالب الغش کو اس کے ہم جنس کے عوض کمی بیشی سے بیچ سکتا ہے۔

قولہ وان اشترٰی بھا الخ کسی نے کھوٹے درہموں کے عوض کوئی سامان خریدا اور خریدتے وقت وہ رائج تھے مگر بائع کو دینے سے پہلے ان کا رواج جاتا رہا تو امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور مشتری پر مبیع واپس کرنا لازم ہوگا اگر وہ موجود ہو، ورنہ اس کی قیمت واجب ہو گی، صاحبین کے نزدیک بیع صحیح رہے گی اور ان کی قیمت واجب رہے گی اور وجوب قیمت میں امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کا اعتبار ہو گا (وبہ یفتی کذافی الذخیرۃ) امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن ان کا رواج ختم ہوا ہے۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ یہاں رواج ختم ہونے کی وجہ سے تسلیم ثمن متعذر رہے اور تعذر تسلیم موجب فساد نہیں ہے لہذا بیع صحیح رہے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رواج ختم ہو جانے سے ان کی ثمنیت ختم ہوگئی۔ کیونکہ ان کی ثمنیت اصطلاح ناس کی وجہ سے تھی۔ پس بیع بلا ثمن رہی اور بیع بلا ثمن باطل ہے۔

قولہ وان لم یتعین الخ رائج پیسوں کے عوض میں خرید و فروخت جائز ہے گو ان کو متعین نہ کیا ہو کیونکہ ان کی ثمنیت باصطلاح ناس ہے۔ تو جب تک اصطلاح قائم رہے گی اس وقت تک ان کی ثمنیت باطل نہ ہوگی لہذا متعین کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں اگر رواج نہ ہے تو متعین کرنا ضروری ہوگا ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی ''اذا اباع الفلوس النافقہ'' میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کی تشریح بالکل وہی ہے جو کھوٹے درہموں والے مسئلہ کی اوپر مذکور ہوئی۔

قولہ ومن اشترٰی الخ کسی نے نصف درہم کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی اور یہ نہیں بتایا کہ وہ پیسے کتنے ہیں تو خرید صحیح ہے اب خریدار پر اتنے پیسے واجب ہوں گے جتنے نصف درہم میں بیچے جاتے ہیں۔ امام زفر کے نزدیک خرید صحیح نہیں۔ کیونکہ فلوس عددی ہیں تو بلا بیان عدد ثمن مجہول ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثمن مجہول نہیں کیونکہ نصف درہم ذکر کرنے کے بعد پھر نصف کو موصوف بفلوس کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے قول مذکور سے اتنے ہی کا ارادہ کیا ہے جتنے نصف درہم سے فروخت ہوتے ہیں۔ اس لیے عدد فلوس ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

قولہ ومن اعطٰی الخ کسی نے صراف کو ایک درہم دے کر لفظ نصف کو مکرر ذکر کرتے ہوئے یوں کہا۔ اعطنی بنصفہ فلوسا وبنصفہ نصفا الاحبۃ۔ تو امام صاحب کے نزدیک کل عقد فاسد ہے۔ صاحبین کے نزدیک عقد فلوس جائز اور باقی فاسد ہے اور اگر اس نے یہ کہا کہ اس ایک درہم کے عوض نصف درہم فلوس اور حبہ بھر کم نصف درہم دے دے تو عقد صحیح ہے۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ثمن کی تفسیر و تفصیل سے عقد واحد میں تکرار نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک عقد میں تکرار آ جاتا ہے۔

کِتَابُ الرَّهْنِ

کتاب رہن کے بیان میں

اَلرَّهْنُ	يَنْعَقِدُ	بِالْاِ	يْجَابِ	وَالْقُبُوْلِ	وَيَتِمُّ	بِالْقَبْضِ	فَاِذَا	قَبَضَ	الْمُرْتَهِنُ
رہن	منعقد ہو جاتا ہے		ایجاب و	قبول سے	اور تام ہو جاتا ہے	قبضہ سے	پس جب	قبضہ کر لیا	مرتہن نے

الرَّهْنَ	مُحَوَّزًا	مُفَرَّغًا	مُمَيَّزًا	تَمَّ	الْعَقْدُ	فِيْهِ	وَ	مَالَمْ	يَقْبِضْهُ	فَالرَّاهِنُ	بِالْخِيَارِ	اِنْ	شَاءَ
رہن پر	محوز	مفرغ	ممیز ہونے کی حالت میں	تو	عقد تام ہو گیا		اور	جب تک	قبضہ نہ کرے	تو راہن کو	اختیار ہے		چاہے

سَلَّمَهُ اِلَيْهِ اِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ

اس کے حوالہ کرے چاہے رہن سے پھر جائے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الرھن الخ عام مصنفین کتاب الرہن کو کتاب الصید کے بعد لاتے ہیں بایں مناسبت کہ جس طرح شکار کرنا تحصیل مال کا سبب ہے اسی طرح رہن بھی اس کا سبب ہے۔ صاحب کتاب اس کو کتاب البیوع کے بعد لارہے ہیں اس واسطے کہ عقد بیع کے بعد اس کی ضرورت شدید ہے۔ نیز جس طرح عقد بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے اسی طرح رہن بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے پھر بسا اوقات خود عقد بیع میں ثمن میسر نہ ہونے کی بناء پر رہن کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالشحم یہودی سے تین صاع جو خریدے اور اس کے عوض میں اپنی ایک زرہ رہن رکھی[1]''۔ رہن کی مشروعیت نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرھان مقبوضۃ[2]''

قولہ الرھن الخ رہن لغۃً حبس شے ہے یعنی کسی چیز کے روک لینے کو کہتے ہیں مال ہو یا غیر مال' شرع میں رہن ایسی مالی چیز کو کسی حق کے عوض میں روک لینے کو کہتے ہیں جس سے پورا حق یا بعض حق وصول کر لینا ممکن ہو' جیسے مرہون سے دین کا وصول کر لینا خواہ دین حقیقی ہو یا حکمی' تعریف میں امکان اخذ کی قید سے وہ چیز نکل گئی جو دیر پا نہ ہو' جیسے برف وغیرہ' حق سے مراد دین ہے کیونکہ مرہون شے سے عین کا حاصل کرنا ممکن نہیں' مگر اس وقت جب کہ عین دین حکمی ہو جائے پھر دین حقیقی وہ ہے جو ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ذمہ پر واجب ہو جیسے اس غلام کا ثمن جو آزاد نکل آئے یا وہ سرکہ جو خمر ثابت ہو۔ دین حکمی جیسے وہ اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہوتا ہے جس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔

قولہ ینعقد بالایجاب الخ رہن بر مذہب صحیح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ کے بعد تمام یعنی لازم ہو جاتا ہے مثلاً راہن نے کہا ''رھنتک ھذا المال بدین مالک علی'' اور مرتہن نے کہا ''قبلت'' تو عقد رہن منعقد ہو گیا اور جب راہن نے مرہون شے مرتہن کے حوالے کر دی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا اس حالت میں کہ شے مرہون مجتمع تھی نہ کہ متفرق اور راہن کے حق کے ساتھ مشغول بھی نہیں تھی۔ نیز ممیز مقسوم تھی نہ کہ مشاع تو اب عقد رہن لازم ہو گیا۔

قولہ ویتم بالقبض الخ عقد رہن میں قبض مرہون جواز رہن کے لیے شرط ہے یا لزوم کے لیے؟ شیخ الاسلام خواہرزادہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ رکن رہن صرف ایجاب ہے اور قبض مرہون لزوم رہن کے لیے شرط ہے نہ کہ جواز کے لیے۔ گویا رہن تو قبضہ کے بغیر بھی ہو جاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا' لازم قبضہ کے بعد ہوتا ہے کیونکہ عقد رہن ہبہ اور صدقہ کی طرح ایک عقد تبرع ہے اور عقد تبرع صرف متبرع کے ذریعہ سے صحیح ہو جاتا ہے' اس

[1] صحیحین عن عائشہ' بخاری عن انس' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔ [2] اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گرو قبضہ رکھنی چاہیے ۱۲۔

لیے انعقاد رہن قبض مرہون پر موقوف نہ ہوگا لیکن مختصر طحاوی اور کافی حاکم شہید وغیرہ کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز رہن کے لیے قبض مرہون شرط ہے۔ چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں کہ ''لایجوز الرهن الامقبوضا'' امام کرخی کی مختصر میں ہے ''قال ابو حنيفة و زفر و ابويوسف والحسن بن زياد لايجوز الرهن الامقبوضاً'' صاحب مجتبیٰ نے بھی اسی کی تصحیح کی ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ رہن نفس عقد ہی سے لازم ہو جاتا ہے کیونکہ رہن جانبین سے مال کے ساتھ خاص ہوتا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے عقد بیع کہ نفس ایجاب وقبول سے لازم ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وان كنتم على سفر و لم تجدوا كاتبًا فرهان مقبوضه'' وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ ''رہان'' بقول صاحب ہدایہ واسبیجابی شارح کافی مصدر ہے جو مقرون بحرف الفاء ہے اور محل جزاء میں مصدر مقرون بحرف الفاء سے مرد امر ہوتا ہے۔ جیسے آیت ''فضرب الرقاب' فتحرير رقبة مؤمنة'' میں ضرب وتحریر مصدر سے مراد امر ہے ای فاضر بوھا' فلیحرر ہاپس آیت مذکورہ میں بھی رہان مصدر سے مراد امر ہوگا۔ ای فارھنو اوار تھنوا۔ مگر یہاں موجب امر یعنی وجوب ولزوم نفس رہن کے حق میں معمول بہ نہیں کیونکہ مدیون پر رہن رکھنا بالا جماع واجب نہیں تو لامحالہ موجب امر کو رہن کی شرط کی جانب منصرف کیا جائے گا اور شرط رہن قبض مرہون ہے۔ سوال لغت کی کتب متداولہ مغرب۔ دیوان۔ الادب' صحاح' قاموس وغیرہ میں تصریح ہے کہ رہون اور رہن کی طرح رہان بھی رہن کی جمع ہے نہ کہ مصدر۔ جیسے نعال نعل کی اور جبال جبل کی جمع ہے۔ آیت میں ''مقبوضه'' صفت کا تاء کے ساتھ آنا بھی یہی بتاتا ہے۔ جواب۔ رہان باب مفاعلت کا مصدر ہے جیسے قتال وضراب اور مقبوضہ موصوف محذوف کی صفت ہے جس کو بتاویل سلعہ یا بتاویل عین مؤنث لایا گیا ہے جیسے لفظ صوت کو بتاویل صیحۃ مؤنث لے آتے ہیں ای فرہان مرہونۃ مقبوضۃ' یہ بھی ممکن ہے کہ رہان مصدر بمعنی مفعول ہو اور مرہون کو بتاویل مذکور مؤنث لایا گیا ہو' تیسرا جواب جو سب سے بہتر ہے یہ ہے کہ یہاں مصدر مقرون بالفاء محذوف ہے اور رہان اس کے قائم مقام ہے' ای فرہن رہان مقبوضہ جیسے آیت ''فعدة من ايام اخر'' کی تقدیر ''فصوم عدة من ايام اخر'' ہے

قوله محوزاً الخ یہ تینوں قیدیں احترازی ہیں' محوز کا مطلب یہ ہے کہ شئی مرہون مجتمع ہو' متفرق نہ ہو تو درخت کے بغیر پھل کو اور زمین کے بغیر کھیتی کو رہن رکھنا صحیح نہ ہوگا مفرغ سے مراد یہ ہے کہ شئی مرہون راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو تو ماقبل کا عکس اسی طرح متاع راہن کے بغیر گھر کو رہن رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ممیز کے یہ معنی ہیں کہ مرہون مقسوم ہو مشاع نہ ہو اگرچہ شیوع حکمی ہو بایں طور کہ شئی مرہون باعتبار پیدائش غیر مرہون کے ساتھ ہو جیسے زمین مرہون کا اتصال درخت کے ساتھ۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں رہن مشاع جائز ہے۔

قوله المرتهن الرهن الخ گروی رکھنے والے کو راہن کہتے ہیں اور جس کے پاس گروی رکھی جائے اس کو مرتہن اور جو چیز گروی رکھی جائے اس کو مرہون مثلاً زید نے خالد سے سو درہم لیے اور اس کے عوض میں اپنا باغ گروی رکھ دیا تو زید راہن ہے اور خالد مرتہن اور باغ مرہون۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِذَا سَلَّمَهٗ اِلَيْهِ فَقَبَضَهٗ دَخَلَ فِيْ ضَمَانِهٖ وَلَايَصِحُّ الرَّهْنُ اِلَّا بِدَيْنٍ مَّضْمُوْنٍ وَّهُوَ مَضْمُوْنٌ

جب اس کے حوالے کر چکا اور اس نے قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہو گئی اور صحیح نہیں رہن مگر دین مضمون کے ساتھ اور وہ مضمون ہو گی

بِالْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ فَاِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِالْمُرْتَهِنِ وَقِيْمَتُهٗ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ

اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض میں پس جب ہلاک ہو جائے شئی مرہون راہن کے پاس اور اس کی قیمت اور دین برابر ہو

صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهٖ حُكْمًا وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهُ الرَّهْنِ اَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ فَالْفَضْلُ اَمَانَةٌ وَّ

تو مرتہن وصول کر چکا اپنا دین حکما اور اگر ہو مرہون کی قیمت زائد دین سے تو زائد مقدار امانت ہے اور

اِنْ كَانَتْ قِيْمَةُ الرَّهْنِ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ

اگر ہو مرہون کی قیمت اس سے کم تو ساقط ہو جائے گا دین اس کے بقدر اور وصول کر لے گا مرتہن باقی دین

ضمان مرہون کا بیان

تشریح الفقہ : قوله و هومضمون الخ ہمارے یہاں شئے مرہون مضمون ہوتی ہے کہ اگر وہ مرتہن کے پاس اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان یعنی دین اور قیمت مرہون میں سے جو کمتر ہو اس کا ضمان آئے گا۔ پس اگر قیمت دین کے برابر ہو تو معاملہ برابر سرابر ہو گیا اور اگر قیمت دین سے زیادہ ہو تو زائد مقدار امانت ہو گی یعنی اس کے ہلاک ہونے سے ضمان نہ ہو گا اور اگر قیمت دین سے کم ہو تو بقدر قیمت دین ساقط ہو جائے گا اور باقی دین مرتہن وصول کر لے گا۔ امام شافعی کے یہاں شئی مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے پس اس کے ہلاک ہونے سے دین ساقط نہ ہو گا کیونکہ ان کے نزدیک حدیث لا يغلق الرهن ممن رهنه' له غنمه و عليه غرمه[1] کا مطلب یہ ہے کہ مرہون شئی مضمون بالدین نہیں ہوتی۔

قاضی شریح کے نزدیک سارا دین ساقط ہو جائے گا خواہ مرہون کی قیمت کم ہو یا زائد ہو۔ ہماری دلیل حدیث پاک ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "جب مرہون شئے ہلاک ہو جانے کے بعد اس کی قیمت مشتبہ ہو جائے اور راہن و مرتہن میں سے ہر ایک یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی قیمت کتنی تھی تو مرتہن اس قدر دین کا تاوان دے جتنے میں وہ شیء رہن تھی[2]"۔ نیز حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے کسی کے پاس گھوڑا رہن رکھا اور وہ مرتہن کے ہاں ہلاک ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتہن سے ارشاد فرمایا "ذهب حقك[3]"۔ پھر رہن کے مضمون ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے گو کیفیت ضمان میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مضمون بالقیمہ ہونا' حضرت ابن عمرؓ و ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ سے مضمون بالاقل ہونا اور حضرت ابن عباسؓ سے مضمون بالدین ہونا مروی ہے[4]۔

وَلَايَجُوْزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ وَلَا رَهْنُ ثَمْرَةٍ عَلٰى رُؤُسِ النَّخْلِ دُوْنَ النَّخْلِ وَلَازَرْعٍ فِي الْاَرْضِ

جائز نہیں مشترک چیز کو رہن رکھنا نہ پھلوں کو درخت پر لگے ہوئے درخت کے بغیر اور نہ زمین پر کھڑی ہوئی

دُوْنَ الْاَرْضِ وَلَايَجُوْزُ رَهْنُ النَّخْلِ وَالْاَرْضِ دُوْنَهُمَا وَلَايَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْاَمَانَاتِ

کھیتی کو زمین کے بغیر اور جائز نہیں درخت اور زمین کو رہن رکھنا پھل اور کھیتی کے بغیر اور صحیح نہیں رہن رکھنا امانتوں کو

كَالْوَدَائِعِ وَالْعَوَارِيْ وَالْمُضَارَبَاتِ وَمَالِ الشَّرْكَةِ

جیسے ودیعتیں' مانگی ہوئی چیزیں' مضاربت' اور مال شرکت

جن چیزوں کا رہن رکھنا اور جن کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ : مشاع۔ غیر مقسوم' ثمرۃ۔ پھل' نخل۔ کھجور کا درخت' زرع۔ کھیتی' ودائع۔ جمع ودیعت' عواری۔ جمع عاریۃ۔

[1] ابن حبان' حاکم' دارقطنی عن ابی ہریرۃ (مرفوعاً) ابوداؤد' عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ' شافعی عن ابن المسیب (مرسلاً) ۱۲۔ [2] دارقطنی عن انس (مرفوعاً) ابوداؤد عن عطاء (مرسلاً) ۱۲۔ [3] ابوداؤد' ابن ابی شیبہ عن عطاء (مرسلاً) ۱۲۔ [4] واما معنى قوله عليه السلام "لايغلق الرهن اه" على ماقالوا لاحتباس الكلى والتمكن بان يصير مملوكاً كذاذكره الكرخي عن السلف كطاؤس ابراهيم وغيرهما وقال الطحاوى فى شرح الآثار زهبوافى تفسير قول ابن المسيب يعنى اباحنيفة وابايوسف و محمداالى ان ذلك البيع اذا بيع الرهن بثمن فيه نقص عن الدين غرم الراهن ذلك النقص وان بيع بفضل عن الدين اخذالراهن ذلك الفضل ۱۲. عنايه۔

تشریح الفقہ : قولہ رھن المشاع الخ ہمارے یہاں مشاع یعنی غیر مقسوم کا رہن صحیح نہیں خواہ شیوع عقد رہن سے متصل ہو یا بعد میں طاری ہوا ہو نیز اپنے شریک کے پاس رہن رکھے یا کسی اجنبی کے پاس' شئی مشاع قسمت پذیر ہو یا نہ ہو۔ امام شافعی کے یہاں رہن مشاع ان چیزوں میں جائز ہے جن کی بیع صحیح ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ جانبین کی ادلہ حکم رہن پر مبنی ہیں۔ امام شافعی کے یہاں حکم رہن یہ ہے کہ شئے مرہون بیع کے لیے معین ہوتی ہے یعنی اگر راہن' دین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لے گا اور ظاہر ہے کہ شئی مشاع بھی ایک عین اور ذات ہے جس کی فروختگی ممکن ہے تو شئی مشاع قابل حکم رہن ہوئی لہذا عقد صحیح ہوگا۔ ہمارے یہاں رہن کا حکم یہ ہے کہ اس سے مرتہن کو ید استیفاء حق حاصل ہو جاتا ہے اور شئے مشاع میں ید استیفاء کا ثبوت متصور نہیں' اس لیے کہ ید کا ثبوت معین شئے میں ہوتا ہے اور شئے مشاع غیر معین ہے۔ پس ید استیفاء کا ثبوت غیر مرہون میں ہوگا جس میں حکم رہن فوت ہو جاتا ہے اس لیے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

فائدہ رہن مشاع کو بعض نے باطل کہا ہے اور بعض نے فاسد لیکن صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں فاسد ہے' قبضہ کر لینے سے مرتہن پر اس کا ضمان لازم ہوگا وجہ یہ ہے کہ انعقاد رہن کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مال ہو اور اس کے مقابلہ میں بھی مضمون مال ہو اگر یہ شرط پائی جائے تو رہن صحیح منعقد ہوگا اور اگر یہ شرط مفقود ہو تو رہن فاسد منعقد ہوگا اور جہاں رہن مال ہی نہ ہو مثلاً آزاد ہو یا خمر ہو یا اس کے مقابلہ میں مال مضمون نہ ہو تو رہن بالکل منعقد نہ ہوگا' اسی کا نام رہن باطل ہے۔

قولہ و لا یصح الرھن الخ امانت' عاری' مال مضاربت' ودیعت' مال شرکت کے بدلہ میں رہن رکھنا جائز نہیں' اس واسطے کہ رہن کا موجب مرتہن کے لیے ید استیفاء کا حاصل ہونا ہے پس رہن کا قبضہ لازم الضمان ہوگا تو ضمان ثابت کا ہونا ضروری ہے تاکہ قبضہ مضمون واقع ہو اور اس سے دین کا استیفاء ہو سکے اور امانت کے قبضہ میں ضمان نہیں ہوتا لہذا اس کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح نہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَ ثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ فَاِنْ هَلَکَ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ
صحیح ہے رہن رکھنا سلم کے راس المال' ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلہ میں پس اگر ہلاک ہو جائے مجلس عقد میں

تَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصَارَالْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِحَقِّهٖ حُكْمًا وَاِذَا اتَّفَقَا عَلٰى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلٰى
تو تام ہو جائے گا عقد صرف وسلم اور ہو گا مرتہن وصول کرنے والا اپنا حق حکماً جب متفق ہو جائیں کسی سچے آدمی کے پاس رہن

يَدَىْ عَدْلٍ جَازَ وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَلَا لِلرَّاهِنِ اَخْذُهٗ مِنْ يَدِهٖ فَاِنْ هَلَکَ فِيْ يَدِهٖ هَلَکَ
رکھنے پر تو یہ جائز ہے اور مرتہن یا راہن کو حق نہ ہو گا اس سے لینے کا' پس اگر ہلاک ہو جائے اس کے پاس تو ہلاک

مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ وَيَجُوْزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ فَاِنْ رُهِنَتْ
ہو گی مرتہن کے ضمان سے جائز ہے دراہم ودنانیر' کیلی اور وزنی چیزوں کو رہن رکھنا پس اگر رہن

بِجِنْسِهَا وَهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجُوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ
رکھی گئی کوئی چیز اپنی جنس کے عوض اور ہلاک ہو گئی تو ہلاک ہو جائے گا اتنا ہی دین گو گھٹیا بڑھیا ہونے میں مختلف ہوں۔

تشریح الفقہ : قولہ ویصح الرھن الخ ہمارے یہاں بیع سلم کے راس المال' ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ رہن کا حکم استیفاء حق ہے اور ان چیزوں کے بدلہ میں رہن رکھنا استیفاء نہیں استبدال ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ استبدال نہیں' استیفاء ہی ہے۔ کیونکہ مالیت کی وجہ سے مجانست موجود ہے اور رہن میں استیفاء حق مالیت ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

واماعین الرھن فھو امانة عندہ۔

واذااتفقا۔الخ راہن ومرتہن نے شئی مرہون کسی معتبر شخص کے پاس رکھ دی تو رہن صحیح ہے اب ان میں کوئی اس سے مرہون کو نہیں لے سکتا کیونکہ مرہون کے ساتھ دونوں کا حق متعلق ہے حق راہن حفظ وامانت میں اور حق مرتہن استیفاء دین میں تو ایک دوسرے کے ابطال حق کا مالک نہ ہوگا۔امام زفر اور ابن ابی لیلی کے یہاں رہن ہی صحیح نہیں کیونکہ شخص معتمد کا قبضہ گویا مالک ہی کا قبضہ ہے' یہی وجہ ہے کہ وہ بعد الہلاک بوقت استحقاق مالک پر رجوع کرتا ہے تو قبضہ معدوم ہوالہذا رہن صحیح نہ ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں' کہ حفاظت کے حق میں تو معتمد کا قبضہ مالک ہی کا قبضہ ہوتا ہے لیکن مالیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔فنزل منزلة الشخصین۔

قولہ ویجوز الخ چاندی سونے اور کیلی ووزنی چیزوں کو رہن رکھنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء محل استیفاء دین ہیں اب اگر ان کو انہی کی جنس کے عوض میں رہن رکھا گیا اور شئے مرہون ہلاک ہوگئی تو وہ بمقابلہ مثل دین ہلاک ہوگی جس میں مرہون کے جید اور عمدہ ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اموال ربویہ میں بوقت مقابلہ جنس وصف جودة ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک وزن اور کیل کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مرہون کی قیمت معتبر ہوتی ہے پس اگر دس درہم کے عوض میں دس درہم کے بقدر چاندی رہن رکھی اور وہ مرتہن کے پاس سے ہلاک ہوگئی تو اگر چاندی کی قیمت بھی دس درہم ہو تو دین بالاتفاق ساقط ہو جائے گا اور اگر دس سے کم ہو تو امام صاحب کے نزدیک دین ساقط ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مرتہن پر خلاف جنس سے اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا۔

وَمَنْ كَانَ لَهٗ دَيْنٌ عَلٰى غَيْرِهٖ فَاَخَذَ مِنْهُ مِثْلَ دَيْنِهٖ فَاَنْفَقَهٗ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ كَانَ زُيُوْفًا فَلَاشَيْئَ لَهٗ
کسی کا دین تھا دوسرے پر اس نے اپنے دین کے برابر لے کر خرچ کر لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ روپیہ کھوٹا تھا تو کچھ نہیں اس کے

عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَرُدُّمِثْلَ الزُّيُوْفِ وَيَرْجِعُ مِثْلَ
لئے امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے ہیں کہ ویسا ہی روپیہ لوٹا دے اور کھرے واپس لے لے

الْجِيَادِ وَمَنْ رَّهَنَ عَبْدَيْنِ بِاَلْفٍ فَقَضٰى حِصَّةَ اَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ اَنْ يَّقْبِضَهٗ حَتّٰى يُؤَدِّیَ
کسی نے دو غلام رہن رکھے ایک ہزار میں پھر ایک کا حصہ ادا کر دیا تو وہ اس غلام پر قبضہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ ادا

بَاقِیَ الدَّيْنِ فَاِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ اَوِالْعَدْلَ اَوْغَيْرَهُمَا فِیْ بَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ
کر دے باقی دین اگر وکیل کر دے راہن مرتہن کو یا کسی عادل کو یا ان کے علاوہ کو شئی مرہون بیچنے کے لئے دین کی مدت گزرنے

فَالْوَكَالَةُ جَائِزَةٌ فَاِنْ شُرِطَتِ الْوَكَالَةُ فِیْ عَقْدِالرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ عَزْلُهٗ عَنْهَا فَاِنْ عَزَلَهٗ
پر تو وکالت جائز ہے اور اگر وکالت شرط کر لی گئی تھی عقد رہن میں تو راہن وکیل کو معزول نہیں کر سکتا وکالت سے اگر معزول

لَمْ يَنْعَزِلْ وَاِنْ مَّاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ اَيْضًا وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يُّطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهٖ وَ
کیا تو معزول نہ ہو گا' اور اگر راہن مر گیا تب بھی معزول نہ ہو گا مرتہن مطالبہ کر سکتا ہے راہن سے اپنے دین کا اور

يَحْبِسَهٗ وَاِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِیْ يَدِهٖ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُّمَكِّنَهٗ مِنْ بَيْعِهٖ حَتّٰى يَقْبِضَ الدَّيْنَ
قید کرا سکتا ہے اس کو' اگر رہن اس کے قبضہ میں ہو تو نہ بیچنے دے اس کو یہاں تک کہ وصول کرے دین

بِثَمَنِهٖ فَاِذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيْلَ لَهٗ سَلِّمِ الرَّهْنَ اِلَيْهِ
اس کی قیمت سے جب وہ دین ادا کر دے تو اس سے کہا جائے گا کہ شئی مرہون اس کے حوالے کر۔

تشریح الفقہ : قولہ ومن کان لہ دین الخ ایک شخص کا کسی کے ذمہ کچھ دین تھا اس نے وہ دین وصول کر کے خرچ کر ڈالا بعد میں معلوم ہوا کہ جو سکہ دین میں وصول کیا تھا وہ کھوٹا تھا تو امام صاحب کے نزدیک اس کے لیے اور کچھ نہیں ہے کیونکہ وہ کھوٹے سکے سے کھرے سکے کا فائدہ اٹھا چکا۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اسی جیسا کھوٹا سکہ واپس کر کے کھرا لے سکتا ہے اور اگر قبضہ کے وقت معلوم ہو جانے کے بعد اس نے نہیں لوٹایا تو بالاجماع واپسی نہ ہوگی۔

قولہ ومن رھن عبدین الخ کسی نے دو غلام ایک ہزار کے عوض میں رہن رکھے۔ پھر ایک کے حصہ کا دین ادا کر دیا تو جب تک باقی دین ادا نہ کر دے اس وقت تک غلام کو نہیں لے سکتا کیونکہ وہ دونوں غلام کل دین کے عوض میں محبوس ہیں اور اگر ہر ایک کا حصہ پانچ پانچ سو متعین کر دے تب بھی مبسوط کے لحاظ سے یہی حکم ہے۔

قولہ فاذا وکل الخ راہن چونکہ شئے مرہون کا مالک ہے۔ اس لیے وہ جس کو چاہے وکیل بنا سکتا ہے اور اگر عقد رہن میں وکالت کی شرط ہو تو راہن وکیل کو معزول نہیں کر سکتا کیونکہ شرط کی بناء پر وکالت اوصاف عقد میں سے ہو گئی۔

وَاِذَابَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْبَيْعُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُرْتَهِنُ جَازَوَ اِنْ

جب بیچ دی راہن نے شئی مرہون مرتہن کی اجازت کے بغیر تو بیع موقوف ہو گی اگر مرتہن نافذ کر دے تو نافذ ہو جائے گی یا

قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَوَاِنْ اَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَالرَّهْنِ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ نَفَذَعِتْقُهُ

راہن اس کا دین چکا دے تب بھی نافذ ہو جائے گی' اگر آزاد کر دیا راہن نے رہن کا غلام مرتہن کی اجازت کے بغیر تو نافذ ہو گی آزادی

فَاِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوْسِرًا وَالدَّيْنُ حَالًّا طُوْلِبَ بِاَدَاءِ الدَّيْنِ وَاِنْ كَانَ مُؤَجَّلًااُخِذَمِنْهُ

اب اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو مطالبہ کیا جائے گا ادائیگی دین کا اور اگر دین مؤجل ہو تو لے لی جائے گی

قِيْمَةُ الْعَبْدِ فَجُعِلَتْ رَهْنًا مَّكَانَهُ حَتّٰى يَحِلَّ الدَّيْنُ وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًااِسْتَسْعَى الْعَبْدُ

اس سے غلام کی قیمت اور کر دی جائے گی رہن اس غلام کی جگہ یہاں تک کہ آ جائے دین کی مدت' اور اگر وہ تنگدست ہو تو کمائے گا غلام

فِيْ قِيْمَتِهٖ فَقَضٰى بِهِ الدَّيْنَ ثُمَّ يَرْجِعُ الْعَبْدُعَلَى الْمَوْلٰى وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ

اپنی قیمت اور چکائے گا اس سے دین پر رجوع کرے گا. غلام آقا پر اسی طرح اگر ہلاک کر دے راہن شئی مرہون کو

وَاِنِ اسْتَهْلَكَهُ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَالْخَصْمُ فِيْ تَضْمِيْنِهٖ فَيَاْخُذُ الْقِيْمَةَ فَيَكُوْنُ الْقِيْمَةُ

اگر ہلاک کر دے اس کو کوئی اجنبی تو مرتہن ہی مدمقابل ہوگا اس کا ضمان لینے میں پس وہ قیمت لے گا جو

رَهْنًا فِيْ يَدِهٖ

رہن رہے گی اس کے پاس

شئی مرہون میں تصرف کرنے کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ واذا باع الخ اگر راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شئے فروخت کر دے تو بیع موقوف رہے گی اگر اس نے اجازت دے دی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کر دیا تو نافذ ہو جائے گی ورنہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ رہن چھوٹنے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس امر کا مرافعہ کرے تا کہ وہ بیع فسخ کر دے۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ راہن نے خاص اپنی ملک میں تصرف کیا ہے تو یہ عبد مرہون کو آزاد کرنے کی طرح ہو گیا کہ آزادی نافذ ہوتی ہے لیکن ظاہر الروایہ پہلی روایت ہے اور وجہ یہ ہے کہ راہن نے گو اپنی ملک میں تصرف

کیا ہے تاہم اس کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے' اس لیے اس کی اجازت کے بغیر بیع نافذ نہ ہوگی۔

قولہ وان اعتق الخ اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون کو آزاد کر دیا تو آزادی نافذ ہو جائے گی۔ امام شافعی سے اس کی بابت تین قول منقول ہیں۔ اول مطلقا عدم نفاذ۔ دوم مطلقا انفاذ۔ سوم نفاذ۔ اگر راہن مالدار ہو اور عدم نفاذ اگر وہ تنگدست ہو۔ امام مالک اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں ہمارے یہاں علی الاطلاق نفاذ ہے کیونکہ عقد رہن ملک رقبہ کو زائل نہیں کرتا اس لیے وہ نفاذ عتق سے مانع نہ ہوگا۔ اب اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو اس سے ادائیگی دین کا مطالبہ ہوگا اور اگر دین مؤجل ہو تو اس سے عبد مرہون کی قیمت لے کر غلام کی جگہ رہن رکھ دی جائے گی اور اگر وہ تنگدست ہو تو غلام اقل قیمت واقل دین میں سعی کرے گا اور اس کی کمائی سے دین چکا دیا جائے گا کیونکہ دین اس کے رقبہ سے متعلق ہو چکا تھا' جس کی آزادی کی بناء پر رہن سے استیفاء ضمان متعذر رہو گا اس لیے غلام پر سعادت لازم ہوگی پھر چونکہ وہ قضاء دین میں مضطر ہے متبرع نہیں ہے' اس لیے وہ ادا کردہ مقدار آقا سے لے لے گا۔

وَجنايَةُ الرَّاهِنِ علي الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ وَجنايَةُ الْمُرْتَهِنِ علَيهِ تُسْقِطُ من الدَّيْنِ بقدرِها وَجنايَةُ
راہن کی جنایت رہن پر موجب ضمان ہے اور مرتہن کی جنایت رہن پر ساقط کر دیتی ہے دین کو بقدر جنایت اور رہن

الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وَ عَلى الْمُرْتَهِنِ وَ عَلى مَالِهِما هدْرٌ وَاُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِى يُحْفَظُ فِيهِ الرَّهْنُ
کی جنایت راہن پر اور مرتہن پر اور ان کے مال پر ساقط الاعتبار ہے اس مکان کا کرایہ جس میں رہن کی حفاظت کی جائے

عَلى الْمُرْتَهِنِ وَاُجرةُ الرَّاعِیْ عَلي الرَّاهِنِ وَ نفقةُ الرَّهْنِ علی الرَّاهِنِ
مرتہن کے ذمہ ہے اور چرواہے کی تنخواہ اور رہن کا نان نفقہ راہن کے ذمہ ہے

شئی مرہون میں نقصان ڈالنے اور دوسروں پر مرہون کی جنایت کرنے کا بیان

تشریح الفقہ : **وجنایۃ الراھن الخ** مرہون پر راہن اور مرتہن کی جنایت مضمون ہے یعنی اگر راہن مرہون غلام کو قتل کر ڈالے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ مرتہن کا حق محترم لازم ہے اور اس کی ملک مالیت سے متعلق ہے۔ لہذا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی ٹھہرایا جائے گا اسی طرح اگر مرتہن مرہون پر کوئی جنایت کرے تو اس پر بھی تاوان لازم ہوگا کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے اب اس نے جس قدر جنایت کی ہے اسی قدر دین ساقط ہو جائے گا اور اگر مرہون غلام راہن پر یا مرتہن پر یا ان کے مال پر کوئی جنایت کرے تو اس کی جنایت ساقط الاعتبار ہے ہے۔ کوئی چیز واجب نہیں ہوتی' اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ جنایت موجب قصاص نہ ہو اگر موجب قصاص ہو تو قصاص لیا جائے گا[1]۔

قولہ واجرۃ البیت الخ شئے مرہون کی حفاظت کے گھر کا کرایہ مرتہن کے ذمہ ہے کیونکہ رہن اس کے ضمان میں ہے اور مرہون کے چرواہے کی اجرت اور کھانے پینے کا خرچہ راہن کے ذمہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لہ غنمہ (ای منافعہ) و علیہ غرمہ (ای نفقتہ و کسوتہ) اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس صرفہ کی احتیاج شئی مرہون کی مصلحت اور اس کی بقاء سے متعلق ہو وہ راہن کے ذمہ ہے جیسے نان نفقہ' لباس' چرواہے کی اجرت' نہر کی کھدائی' باغ کی سینچائی اور خراج وغیرہ۔ اور جو صرفہ مرہون کی حفاظت یا راہن تک مرہون کی واپسی سے متعلق ہو وہ مرتہن کے ذمہ ہے جیسے حفاظت کے گھر کا کرایہ' محافظ کی تنخواہ اور ردوادارو کا صرفہ وغیرہ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَنماؤُهٗ للرَّاهِنِ فَيَكُوْنُ النَّماءُ رَهْنًا مع الْاَصْلِ فانْ هَلَكَ النَّماءُ هلَكَ بغيْرِ شيْءٍ وَانْ هَلَكَ
رہن کی بڑھوتری راہن کی ہے جو اصل کے ساتھ رہن رہے گی اگر بڑھوتری ہلاک ہو جائے تو ہلاک ہو گی بلاشئی اگر ہلاک ہو گئی

[1] خلافا لهما فی المرتهن فان عند هما جناية الرهن علی المرتهن معتبرة و هو مذهب الائمة الثلاثة ۱۲ . مجمع الانهر

اَلاصلُ و بقی النّماءُ افتکّهُ الرّاهنُ بحصّتِه ویُقسمُ الدّینُ علی قیمَۃِ الرّھنِ یومَ القبضِ

اصل اور باقی رہی بڑھوتری تو چھڑائے اس کو راہن اس کا حصہ دے کر اور پھیلایا جائے گا دین رہن کی اس قیمت پر جو قبضہ کے دن

وَعلی قیمَۃِ النّماءِ یوْمَ الفِکاکِ فمَا اَصابَ الاَصلَ سَقطَ من الدّیْنِ بقدْرِہٖ وَمَا اَصابَ

تھی اور بڑھوتری کی اس قیمت پر جو چھڑانے کے دن ہے پس جو اصل کے مقابلہ میں آئے وہ مقدار ساقط ہو جائے گی دین کی اور جو بڑھوتری کے

النّماءَ افتکّہُ الرّاھنُ بہٖ وَیجوْزُ الزّیادۃُ فِی الرّھنِ وَلایجُوْزُ الزّیادۃُ فِی الدّیْن

مقابلہ میں پڑے وہ ادا کر کے راہن اس کو چھڑائے گا' جائز ہے اضافہ کرنا رہن میں اور جائز نہیں اضافہ کرنا دین میں

عِندابِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحمّدٍ رَحِمھُمَا اللّٰہُ وَلایصِیْرُ الرّھْنُ رَھْنًا بھما وَقالَ اَبُوْیُوْسُفَ جائزٌ

طرفین کے نزدیک اور نہ ہو گا رہن ان دونوں کے عوض میں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جائز ہے

شئی مرہون کی بڑھوتری کے احکام

تشریح الفقه : قوله وان هلک الاصل الخ اصل شئے جو مرہون تھی ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری (پھل' دودھ'اون وغیرہ) باقی رہ گئی تو اس کو بقدر حصہ دین چھڑایا جائے گا کیونکہ اب وہ تابع نہیں رہی بلکہ مقصود ہوگئی اور تابع جب مقصود ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں قیمت آ جاتی ہے۔ چھڑانے کی شکل یہ ہوگی کہ اصل میں قبضہ کے دن کی قیمت کا اور بڑھوتی میں چھڑانے کے دن کی قیمت کا لحاظ ہوگا مثلاً زید نے ایک بکری نو روپے میں رہن رکھی جس کی قیمت قبضہ کے دن دس روپے تھی' اس کے ایک بچہ ہوا' جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ روپے ہے تو دونوں کی قیمت پندرہ روپے ہوئی اب بکری مرگئی بچہ رہ گیا تو دین کی دونوں کی قیمت پر اثلاثاً تقسیم کیا جائے گا پس دین کے دو ثلث یعنی چھ روپے جو ماں کے دو حصے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے اور دین کا ایک ثلث یعنی تین روپے راہن مرتہن کو دے کر بچہ چھڑا لے گا۔

قوله ویجوز الزیادة الخ راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا' اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھ دیا تو یہ اضافہ درست ہے اب دونوں کپڑے دس میں رہن رہیں گے اور اگر کپڑا دس روپے میں رہن تھا' راہن نے مرتہن سے پانچ روپیہ لے کر وہی کپڑا پندرہ روپے میں رہن رکھ دیا تو طرفین کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی درست ہے کیونکہ باب رہن میں دین ایسا ہوتا ہے۔ جیسے باب بیع میں ثمن اور رہن مثمن کی طرح ہوتا ہے تو جس طرح باب بیع میں ثمن اور مبیع ہر دو میں اضافہ کرنا صحیح ہے اسی طرح یہاں بھی صحیح ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک اضافہ جائز ہی نہیں نہ رہن میں نہ دین میں۔ کیونکہ اضافہ سے شیوع لازم آتا ہے جو مفسد رہن ہے طرفین کے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ زیادتی اصل عقد کے ساتھ اسی وقت لاحق ہو سکتی ہے جب وہ معقود بہ (ثمن) میں ہو یا معقود علیہ (مبیع) میں اور دین نہ معقود بہ ہے نہ معقود علیہ لہذا دین میں اضافہ کرنا درست نہ ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا رَھَنَ عَیْنًا وَّاحِدَۃً عِنْدَ رَجُلَیْنِ بِدَیْنٍ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا جازَوَجَمِیْعُھا رَھْنٌ عِنْدَ کُلِّ

اگر رہن رکھی ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس ان میں سے ہر ایک کے دین کے عوض میں تو یہ جائز ہے اور وہ پوری چیز رہن رہے گی ان میں

وَاحِدٍ مِنْھُمَا وَالْمَضْمُوْنُ عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا حِصَّۃُ دَیْنِہٖ مِنْھَا فَاِنْ قَضٰی اَحَدَھُمَا دَیْنَہٗ

سے ہر ایک کے پاس اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر دین کے حصہ کے مطابق ہو گا پس اگر چکا دے ان میں سے ایک کا دین

کَانَ کُلُّھَا رَھْنًا فِیْ یَدِالْاٰخَرِ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ دَیْنَہٗ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰی اَنْ یَّرْھَنَہٗ الْمُشْتَرِیْ

تو کل شئی رہن ہو گی دوسرے کے پاس یہاں تک کہ وصول کر لے وہ اپنا دین' جس نے بیچا غلام اس شرط پر کہ رہن رکھے گا مشتری

بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهٖ فَامْتَنَعَ الْمُشْتَرِیْ مِنْ تَسْلِيْمِ الرَّهْنِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَكَانَ الْبَائِعُ
قیمت کے عوض میں کوئی خاص چیز پس باز رہا مشتری رہن رکھنے سے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا بلکہ بائع کو اختیار ہوگا

بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ رَضِیَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ اِلَّا اَنْ يَّدْفَعَ الْمُشْتَرِیْ
چاہے ترک رہن سے راضی ہو چاہے بیع فسخ کر دے مگر یہ کہ دے دے مشتری

الثَّمَنَ حَالًا اَوْيَدْ فَعُ قِيْمَةَ الرَّهْنِ فَيَكُوْنُ رَهْنًا
قیمت فی الفور یا دے دے رہن کی قیمت پس یہ قیمت رہن ہو جائے گی۔

رہن کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ : قولہ واذا رھن الخ ایک شخص کے ذمہ دو آدمیوں کا دین تھا۔ اس نے ان کے دین کے عوض میں کوئی چیز دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز بتمامہ دونوں کے پاس مرہون ہوگی۔ کیونکہ رہن بصفقۃ واحدہ جمیع عین کی طرف مضاف ہے اور اس میں کوئی شیوع نہیں اور موجب رہن حبس بالدین ہے جس میں تجزی نہیں' اس لیے وہ چیز دونوں کے پاس محبوس ہوگی اب اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ہر مرتہن پر اس کے دین کے حصہ کے بقدر ضمان ہوگا کیونکہ استیفاء متجزی ہے تو بوقت ہلاکت ہر مرتہن اپنے حصہ کا مستوفی ہو گیا لہذا شئے مرہون ہر ایک کے دین کے بقدر مضمون ہوگی اور اگر راہن نے ایک مرتہن کا دین ادا کر دیا تو کل مرہون شئے دوسرے کے پاس رہن ہوگی' یہاں تک کہ اس کا دین ادا کر دے۔

قولہ ومن باع عبدہ الخ ایک شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کے ثمن کے عوض میں کوئی معین چیز رہن رکھے گا تو قیاس کی رو سے یہ بیع جائز نہیں کیونکہ یہ صفقہ در صفقہ ہے جو ممنوع ہے' ہاں استحسانًا جائز ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے مناسب ہے۔ کیونکہ عقد کفالہ کی طرح عقد رہن بھی برائے استیثاق ہوتا ہے اب اگر مشتری وہ چیز رہن نہ رکھے تو امام زفر کے نزدیک اس کو ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ جب عقد بیع میں رہن کی شرط لگا لی جائے تو وہ منجملہ حقوق بیع کے ایک حق ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا' اس واسطے کہ رہن راہن کی طرف سے عقد تبرع ہوتا ہے اور تبرعات میں جبر نہیں ہوتا' ہاں عدم وفاء کی صورت میں بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ شرط مذکور کے ساتھ راضی ہوا تھا تو شرط نہ پائی جانے کی صورت میں اس کی رضا تمام نہ ہوئی لہذا اس کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا الا یہ کہ مشتری ثمن نقد دے دے یا مرہون مشروط کی قیمت رہن رکھ دے کہ اس صورت میں فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مقصد یعنی استیفاء کا حق حاصل ہو چکا۔

وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَّحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهِ الَّذِیْ فِیْ عَيَالِهٖ وَاِنْ
مرتہن رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی' اولاد اور اس ملازم سے کرائے جو اس کی عیالداری میں ہے اگر

حَفِظَهٗ بِغَيْرِ مَنْ هُوَ فِیْ عَيَالِهٖ اَوْاَوْدَعَهٗ ضَمِنَ وَاِذَا تَعَدَّی الْمُرْتَهِنُ فِی الرَّهْنِ ضَمِنَهٗ
حفاظت کرائی اس سے جو اس کی عیالداری میں نہیں ہے یا کسی کے پاس ودیعت رکھ دی تو ضامن ہوگا جب تعدی کرے مرتہن رہن پر تو ضمان دے گا

ضَمَانَ الْغَصْبِ بِجَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ وَاِذَا اَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَهٗ خَرَجَ مِنْ
غصب کا سا ضمان یعنی پوری قیمت' جب عاریت پر دے دی مرتہن نے شئی مرہون راہن کو اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ

ضَمانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ هَلَکَ فِیْ یَدِالرَّاهِنِ هلک بغَیرِ شَئٍ وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ یَسْتَرْجِعَهٗ
مرتہن کے ضمان سے نکل گئی پس اگر وہ ہلاک ہو جائے راہن کے پاس تو ہلاک ہو گی بلا شئی اور مرتہن اس کو واپس لے سکتا ہے۔

اِلٰی یَدِهٖ فَاِذَا اَخَذَهٗ عَادَالضَّمَانُ عَلَیْهِ وَاِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِیُّهُ الرَّهْنَ وَقَضٰی
جب اس نے واپس لے لی تو ضمان اس پر لوٹ آئے گا جب مر جائے راہن تو بیچ دے اس کا وصی رہن کو اور چکا دے

الدَّیْنَ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَهٗ وَصِیٌّ نَصَبَ الْقَاضِیْ لَهٗ وَصِیًّا وَاَمَرَهٗ بِبَیْعِهٖ
دین اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی کوئی وصی مقرر کر دے اور اس کو بیچنے کا حکم دے دے

تشریح الفقہ: **قوله وللمرتهن** الخ مرتہن شئے مرہون کی یا تو بذات خود حفاظت کرے یا اپنی بیوی اولاد اور اپنے اس خادم سے حفاظت کرائے جو اس سے متعلق ہے۔ اگر اس نے اس کے علاوہ کسی اور سے حفاظت کرائی اور وہ چیز ضائع ہو گئی یا مرتہن نے شئی مرہون کسی کو بطور ودیعت دے دی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ حفاظت و امانت میں لوگوں کا رویہ مختلف ہوتا ہے اور مالک کی طرف سے اس کو اس کی اجازت نہیں تو مذکورہ بالا اشخاص کے علاوہ کسی دوسرے کے حوالے کرنا ایک طرح کی تعدی ہے لہذا مرتہن ضامن ہوگا۔

قوله واذا تعدی الخ یہاں یہ اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ یہ مسئلہ قول سابق "**وجناية المرتهن على الرهن تسقط من الدين بقدرها**" میں گزر چکا کیونکہ قول سابق میں جنایت اطراف مراد ہے اور یہاں جنایت علی النفس مقصود ہے فلا تکرار۔

قوله واذا اعار الخ اگر مرتہن نے شئی مرہون راہن کو بطور عاریت دے دی تو وہ مرتہن کے ضمان سے خارج ہو گئی کیونکہ ید رہن موجب ضمان ہے اور ید عاریت غیر موجب ضمان، اگر اعارہ کے بعد مرتہن پر ضمان واجب کیا جائے تو ید عاریت اور ید رہن دونوں میں جمع کرنا لازم آتا ہے حالانکہ ان میں منافات ہے پس اگر وہ شئی راہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مفت ہلاک ہو گی۔ یعنی مرتہن کا کچھ دین ساقط نہ ہوگا کیونکہ موجب ضمان قبضہ مرتفع ہو گیا اور اگر مرتہن پھر مرہون شئی واپس لے کر اپنے قبضہ میں کر لے تو مرتہن پر پھر ضمان عائد ہو جائے گا کیونکہ عقد رہن باقی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الحَجَر

کتاب قولی تصرفات سے روکنے کے بیان میں

اَلْاَسْبَابُ الْمُوْجِبَةُ لِلْحَجْرِ ثَلٰثَةٌ اَلصِّغَرُ وَالرِّقُّ وَالْجُنُوْنُ
حجر واجب کرنے والے اسباب تین ہیں صغر سنی، غلام ہونا، دیوانہ ہونا

وَلَایَجُوْزُ تَصَرُّفُ الصَّغِیْرِ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِیِّهٖ وَلَایَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْعَبْدِ اِلَّا بِاِذْنِ سَیِّدِهٖ
جائز نہیں بچہ کا تصرف مگر اس کے ولی کی اجازت سے اور جائز نہیں غلام کا تصرف مگر اس کے آقا کی اجازت سے

وَلَایَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِهٖ بِحَالٍ
اور جائز نہیں مغلوب العقل دیوانے کا تصرف کسی حالت میں

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الحجر** الخ حجر لغۃً مطلق روکنے کو کہتے ہیں اسی سے حجر عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ اصطلاحاً کسی کو تصرف قولی سے روک دینے کو کہتے ہیں نہ کہ تصرف فعلی سے۔ تصرفات قولی جو زبان سے متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے بیع

وشراء اور ہبہ وغیرہ' تصرفات فعلی جو افعال جوارح ہوتے ہیں جیسے قتل واتلاف مال وغیرہ تو حجر میں صرف تصرف قولی نافذ نہیں ہوتا۔ اگر بچہ کسی کا مال تلف کر دے تو ضمان واجب ہوگا۔

قوله الاسباب الخ اسباب حجر تین ہیں۔ صغر سنی' رقیت یعنی باندی یا غلام ہونا' جنون ودیوانگی' بچہ ناقص العقل ہوتا ہے اور مجنون عدیم العقل یہ اپنے نفع ونقصان کو نہیں پہچانتے اس لیے شریعت میں ان کے قولی تصرفات غیر معتبر ہیں اور مملوک گو عاقل ہوتا ہے لیکن اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے آقا کا ہوتا ہے۔ تو آقا کے حق کی رعایت کے پیش نظر اس کا تصرف بھی غیر معتبر ہے۔ سوال مفتی ماجن جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو اور طبیب جاہل جو لوگوں کو مضر اور مہلک دوا دیتا ہو وہ بھی تو مجور التصرف ہے جواب۔ یہاں حصر اسباب حجر کے شرعی معنی کے اعتبار سے مقصود ہے اور مفتی وطبیب مذکور پر شرعی معنی صادق نہیں لہذا حصر مذکور سے ان کا خارج ہونا مضر نہیں۔

قوله بحال الخ مجنون مغلوب یعنی وہ دیوانہ جو کسی وقت بھی ہوش میں نہ آتا ہو اس کا تصرف کسی حالت میں بھی صحیح نہیں' یہاں تک کہ اگر اس کا ولی تصرف کو جائز رکھے تب بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ جنون کی وجہ سے تصرفات کا اہل نہیں ہے اور اگر وہ کبھی دیوانہ ہوتا ہو اور کبھی ہوشیار تو اس کا حکم طفل ممیز کا سا ہے۔

تنبیہ نہایہ اور غایۃ البیان میں ہے کہ جو شخص گاہے ہوشیار اور گاہے دیوانہ ہو وہ طفل ممیز کی مانند ہے اور زیلعی میں ہے کہ وہ عاقل کی مانند ہے۔ شلبی محشی زیلعی نے دونوں قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس کی ہوشیاری کا وقت معین ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں کوئی عقد کرے تو اس میں عاقل کی مانند نفاذ عقد کا حکم ہے اور اگر اس کی ہوشیاری کا کوئی وقت نہ ہو تو اس میں طفل صغیر کی مانند توقف کا حکم ہے پس زیلعی کا کلام شق اول پر محمول ہے اور نہایہ وغایہ کا شق ثانی پر (کذا فی الطحطاوی)

وَمَنْ بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا اَوِاشْتَرَاهُ وَهُوَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ

جس نے بیچی ان لوگوں میں سے کوئی چیز یا خریدی درانحالیکہ وہ سمجھتا ہو بیع کو اور اس کا قصد کرتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے چاہے

اَجَازَهُ اِذَا كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهُ فَهٰذِهِ الْمَعَانِى الثَّلٰثَةُ تَوْجِبُ الْحَجَرَ فِى

اسے نافذ کرے جبکہ اس میں کوئی مصلحت ہو اور چاہے فسخ کرے پس یہ تین حالتیں واجب کرتی ہیں حجر کو

الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ وَاَمَّا الصَّبِىُّ وَالْمَجْنُوْنُ لَاتَصِحُّ عُقُوْدُ هُمَا وَلَا اِقْرَارُهُمَا [1] وَلَا يَقَعُ

اقوال میں نہ کہ افعال میں بہرحال بچہ اور دیوانہ صحیح نہیں ہے کوئی عقد اور نہ ان کا اقرار اور نہیں واقع

طَلَا قُهُمَا [2] وَلَاعِتَاقُهُمَا فَاِنْ اَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا ضَمَانُهٗ وَاَمَّاالْعَبْدُ فَاَقْوَالُهٗ نَافِذَةٌ فِىْ

ہوتی ہے ان کی طلاق اور نہ ان کا آزاد کرنا لیکن اگر کوئی چیز تلف کر دیں تو ضمان لازم ہو گا رہا غلام سو اس کے اقوال نافذ ہیں۔

حَقِّ نَفْسِهٖ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِىْ حَقِّ مَوْلَاهُ فَاِنْ اَقَرَّبِمَالٍ لَزِمَهٗ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَلَمْ يَلْزَمْهُ فِى الْحَالِ

اس کے حق میں نافذ نہیں ہیں اسکے آقا کے حق میں پس اگر وہ مال کا اقرار کر لے تو لازم ہو گا اس کو آزادی کے بعد نہ کہ فی الحال

وَاِنْ اَقَرَّبِحَدٍّاَوْقِصَاصٍ لَزِمَهٗ فِى الْحَالِ وَيَنْفُذُ طَلَاقُهٗ [3] وَلَايَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ

اور اگر حد یا قصاص کا اقرار کرے تو یہ فی الحال لازم ہو گا اور اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن اس کی بیوی پر اس کے آقا کی طلاق واقع نہ ہو گی۔

---

[1] لقوله علیه السلام رفع القلم عن ثلاثة عن الصبی حتی یحتلم و عن المجنون حتی یفیق ۱۲۔ [2] لقوله علیه السلام کل طلاق واقع الا طلاق الصبی و المعتوه ۱۲۔ [3] لقوله علیه السلام لایملک العبد شیئا الا الطلاق ۱۲۔

تصرف مجورین کے احکام

تشریح الفقہ : قوله ومن باع الخ مجورین مذکورین میں سے جو شخص کوئی ایسا عقد کرے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو اور وہ عقد کو سمجھتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے عقد کو نافذ کرے یا فسخ کر دے وعند الائمۃ الثلاثۃ لاتصح اجازتہ' ولی سے مراد قاضی' باپ' دادا وصی اور آقا ہے۔ سوال ہولاء کا مشارالیہ صغیر اور غلام ہے نہ کہ مجنون' کیونکہ مجنون مغلوب میں تعقل نہیں ہوتا۔ پس ہولا جمع لانا غلط ہے۔ جواب صاحب کتاب کے قول "المجنون المغلوب" سے غیر مغلوب مفہوم ہو چکا جس کا حکم بچہ اور غلام کا سا ہے اس لیے جمع لانا صحیح ہے۔

قوله فی الاقوال الخ اقوال تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اول جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہوں جیسے بیع وشراء وغیرہ دوم جو ضرر محض ہوں جیسے طلاق وعتاق (صغیر و مجنون کے حق میں نہ کہ غلام کے حق میں) سوم جو نفع محض ہوں جیسے قبول ہبہ و ہدیہ' یہاں اقوال سے مراد قسم اول و دوم کے اقوال ہیں پس قسم اول میں حجر موجب توقف ہوتا ہے اور قسم دوم میں موجب اعدام۔

قوله دون الافعال الخ وجہ اس کی یہ ہے کہ خارج میں تصرفات قولی کا وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف شرعاً معتبر ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے عدم کا اعتبار مناسب ہے بخلاف تصرفات فعلی کے کہ ان کا خارج میں ایک طرح کا وجود ہوتا ہے جیسے قتل و اتلاف مال اس لیے ان کے عدم کا اعتبار مناسب نہیں۔

وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لَايُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ اِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا حُرًّا وَتَصَرُّفُهٗ فِىْ مَالِهٖ جَائِزٌ وَاِنْ
امام صاحب فرماتے ہیں کہ بیوقوف پر حجر نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہو اور اس کے مال میں اس کا تصرف جائز ہے اگرچہ

كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا ايُتْلِفُ مَالَهٗ فِىْ مَالَا غَرَضَ لَهٗ فِيْهِ وَلَا مَصْلَحَةَ مِثْلَ اَنْ يُتْلِفَهٗ فِى الْبَحْرِ اَوْ
وہ فضول خرچ اور مفسد ہو مال برباد کرتا ہو ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی اس کی غرض ہے نہ مصلحت مثلاً مال دریا میں ڈبوتا ہو یا

يُحْرِقَهٗ فِى النَّارِ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ اِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَمْ يُسَلَّمْ اِلَيْهِ مَالُهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسًا وَّ
آگ میں جلاتا ہو لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ جب کوئی لڑکا بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو مال اس کے حوالے نہ کیا جائے یہاں تک کہ وہ پچیس

عِشْرِيْنَ سَنَةً وَاِنْ تَصَرَّفَ فِيْهِ قَبْلَ ذٰلِكَ نَفَذَ تَصَرُّفُهٗ فَاِذَا بَلَغَ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ سَنَةً سُلِّمَ
برس کا ہو جائے اور اگر اس نے اس سے پہلے مال میں کوئی تصرف کر لیا ہو تو وہ نافذ ہو گا جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو مال اس کے

اِلَيْهِ مَالُهٗ وَاِنْ لَمْ يُوْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُحْجَرُ عَلَى سَفِيْهٍ
حوالے کر دیا جائے گا اگرچہ اس سے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوں' صاحبین فرماتے ہیں کہ بے وقوف پر حجر کیا

وَّيُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِىْ مَالِهٖ فَاِنْ بَاعَ لَمْ يَنْفُذْ بَيْعُهٗ فِىْ مَالِهٖ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اَجَازَهٗ
جائے گا اور اس کو مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا اگر اس نے کوئی چیز فروخت کی تو اس کے مال میں بیع نافذ نہ ہو گی ہاں اگر اس میں کوئی مصلحت ہو

الْحَاكِمُ وَاِنْ اَعْتَقَ عَبْدًا نَفَذَ عِتْقُهٗ وَكَانَ عَلَى الْعَبْدِ اَنْ يَّسْعٰى فِىْ قِيْمَتِهٖ وَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً جَازَ
تو حاکم نافذ کر دے اگر اس نے غلام آزاد کیا تو عتق نافذ ہو گا اور غلام پر لازم ہو گا کہ وہ اپنی قیمت کما کر دے' اگر اس نے کسی عورت سے نکاح کیا

نِكَاحُهٗ فَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا وَبَطَلَ الْفَضْلُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
تو نکاح جائز ہو گا اور جو مہر وہ مقرر کرے تو مہر مثل کے بقدر جائز ہو گا۔ اور باقی باطل صاحبین اس شخص کی بابت

فِيمَنْ بَلَغَ غَيرَ رَشِيْدٍ لَايُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهُ اَبَدًا حَتّٰى يُوْنَسَ مِنْهُ الرُّشْدُ وَلَايَجُوْزُ تَصرُّفُهُ
فرماتے ہیں جو بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو کہ اس کو مال نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے آثار رشد ظاہر ہوں اور اس کا تصرف جائز

فِيْهِ وَ تُخرَجُ الزَّكٰوةُ مِنْ مَالِ السَّفِيْهِ وَيُنفَقُ عَلٰى اَوْلَادِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَمَنْ يَّجِبُ نَفَقَتُهُ
نہ ہو گا نکالی جائے گی زکوۃ بیوقوف کے مال سے اورخرچ کیا جائے گا اس کی اولاد بیوی اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس پر واجب

عَلَيْهِ مِنْ ذَوِى الْاَرْحَامِ فَاِنْ اَرَادَحَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنهَا وَلَايُسَلِّمُ الْقَاضِى النَّفَقَةَ
ہے ذوی الارحام میں سے اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس سے روکا نہ جائے گا اور قاضی نفقہ اس کے حوالے نہ کرے

اِلَيْهِ وَلٰكِنْ يُسَلِّمُهَا اِلٰى ثِقَةٍ مِّنَ الْحَاجِّ يُنفِقُهَا عَلَيْهِ فِىْ طَرِيْقِ الْحَجِّ فَاِنْ مَرِضَ فَاَوْصٰى
بلکہ کسی ثقہ حاجی کو دے جو اس پر خرچ کرتا رہے حج کے راستہ میں اگر وہ بیمار ہوا اور اس نے

بِوَصَايَافِى الْقُرَبِ وَاَبْوَابِ الْخَيْرِ جَازَ ذٰلِكَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ
کچھ وصیتیں کیں افعال خیر اور نیک موقعوں میں خرچ کرنے کی تو یہ اس کے تہائی مال سے جائز ہو گی۔

سفیہ (ناسمجھ بےوقوف) کے احکام

توضیح اللغۃ: سفیہ۔ بے وقوف‘ ناسمجھ‘ مبذر۔ فضول خرچ کرنے والا۔ یتلف۔ اتلافًا‘ برباد کرنا‘ سحر قہ۔ احراقًا‘ جلانا‘ رشید۔ راہ یاب‘ فضل۔ زائد مقدار‘ وصایا۔ جمع وصیت‘ قرب۔ جمع قربۃ‘ نیک افعال جن سے اللہ کی قربت حاصل ہو۔

تشریح الفقہ: وقال ابوحنیفة الخ امام صاحب فرماتے ہیں کہ آزاد عاقل بالغ شخص پر اس کی سفاہت کے سبب سے حجر نہیں کیا جائے گا۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک حجر کیا جائے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبان بن منقذ کا تذکرہ ہوا جو اکثر اوقات خرید وفروخت میں دھوکا کھاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خرید کے بعد یہ کہہ دیا کرو ''لاخلابتہ'' اس میں دھوکا نہیں۔[1] صاحبین کی دلیل حق تعالی کا ارشاد ہے ''فان کان الذی علیہ الحق سفیھا اوضعیفا اولایستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ بالعدل''[2] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ پر اس کے ولی کو ولایت حاصل ہے درمختار وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

فائدہ سفہ لغۃً حماقت اور خفت عقل کو کہتے ہیں اور شریعت میں سفہ اور سفاہت سے مراد فضول خرچی ہے جو عقل وشرع کے خلاف ہو تو اس کے سوا دیگر معاصی کا ارتکاب مثلاً شراب خوری‘ زنا کاری‘ سفاہت مصطلحہ میں داخل نہیں۔ علامہ حموی فرماتے ہیں کہ نفقہ میں اسراف یا بلاغرض خرچ کرنا سفیہ کی عادت ہے‘ اسی طرح ایسی غرض میں خرچ کرنا جس کو دیندار عقلاء غرض شمار نہیں کرتے۔ جیسے گویوں‘ کھیل تماشا کرنے والوں کو پیسہ دینا‘ کبوتر بازی کے کبوتروں کو گراں قیمت پر خریدنا وغیرہ۔

قولہ الا انہ قال الخ جو شخص بالغ ہونے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع نقصان پہچان سکے‘ تو امام صاحب کے نزدیک اس کو اس کا مال نہ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے اس کے بعد اس کو مال دے دیا جائے گا خواہ وہ مصلح ہو یا مفسد‘ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مال نہیں دیا جائے گا‘ جب تک کہ آثار رشد ظاہر نہ ہوں اگرچہ پوری عمر گزر جائے۔ کیونکہ آیت ''فان آنستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم'' میں مال حوالے کرنا وجود رشد پر معلق ہے تو اس سے قبل مال دینا جائز نہ ہوگا۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت

[1] صحیحین عن ابن عمر ۱۲۔ [2] پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلادے کارگزار اس کا انصاف سے ۱۲۔

ہے" وآتوا الیتمی اموالھم " اس میں ایثار مال بعد البلوغ مراد ہے۔ پس بالغ ہونے کے بعد مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا' رہی پچیس سال کی مدت سو وہ اس لیے کہ حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ جب آدمی پچیس برس کا ہو جائے تو اس کی عقل انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تنویر اور مجمع وغیرہ میں قاضی خان سے فتویٰ صاحبین کے قول پر منقول ہے۔

قولہ وتخرج الزکوٰۃ الخ سفیہ کے مال سے زکوٰۃ نکالی جائے گی کیونکہ زکوٰۃ حق واجب ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ قاضی بقدر زکوٰۃ مال سفیہ کو دے دے تاکہ وہ خود مصارف زکوٰۃ میں خرچ کر سکے کیونکہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے' اگر سفیہ حج فرض ادا کرنا چاہے تو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی واجب بایجاب اللہ ہے۔ البتہ مال کسی ثقہ حاجی کے حوالے کیا جائے گا۔ تاکہ وہ ضائع نہ کردے۔

وَبُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ وَالْاِنْزَالِ وَالْاِحْبَالِ اِذَا وَطِئَ فَاِنْ لَّمْ يُوْجَدْ ذٰلِکَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ ثَمَانِیْ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَبُلُوْغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالْاِحْتِلَامِ وَالْحَبْلِ فَاِنْ لَّمْ يُوْجَدْ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَةَ عَشَرَسَنَةً وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ خَمْسَةَ عَشَرَسَنَةً فَقَدْ بَلَغَا وَاِذَا رَاهَقَ الْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ فَاَشْكَلَ اَمْرُهُمَا فِی الْبُلُوْغِ فَقَالَا قَدْ بَلَغْنَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُمَا وَاَحْكَامُهُمَا اَحْكَامُ الْبَالِغِيْنَ

لڑکے کا بالغ ہونا احتلام' انزال' اور حاملہ کر دینے سے ہے جب وہ وطی کرے اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب اٹھارہ برس کا ہو جائے امام صاحب کے نزدیک اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض' احتلام اور حاملہ ہونے سے ہے اگر یہ نہ پائی جائے تو جب سترہ برس کی ہو جائے صاحبین فرماتے ہیں کہ جب لڑکا اور لڑکی پندرہ برس کے ہو جائیں تو وہ بالغ ہو گئے جب لڑکا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور بالغ و نابالغ معلوم ہونا دشوار ہو اور وہ دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو ان کا قول معتبر ہو گا اور ان کے احکام بالغوں جیسے ہوں گے

مدت بلوغ کا بیان

تشریح الفقہ: **قولہ و بلوغ الغلام** الخ بلوغ صغیر امور ثلاثہ میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے۔ احتلام یعنی خواب میں صحبت کرنا اور منی کا خارج ہونا۔ ۲۔ احبال یعنی عورت کے ساتھ وطی کرنا اور اس کو حاملہ بنا دینا۔ ۳۔ انزال۔ ان تینوں میں اصل انزال ہے کیونکہ احتلام بلا انزال غیر معتبر ہے۔ نیز عورت بلا انزال حاملہ نہیں ہوتی تو انزال اصل اور احبال و احتلام اس کی علامات ہیں۔ بلوغ صغیرہ بھی تین امور میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے ۱۔ حیض۔ ۲۔ احتلام۔ ۳۔ احبال یعنی حاملہ ہو جانا اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب لڑکا اٹھارہ سال کا اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تو بالغ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ دلیل یہ آیت ہے" ولاتقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن حتی یبلغ اشدہ " اس میں اشد سے مراد بعض کے نزدیک بائیس سال کی عمر ہے اور بعض کے نزدیک تیئس سال کی اور بعض کے نزدیک پچیس سال کی' حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اٹھارہ سال کی عمر منقول ہے' امام صاحب نے اسی کو لیا ہے۔ کیونکہ یہ اقل الاقوال ہے پس احتیاط اسی میں ہے البتہ لڑکی چونکہ عموماً جلد بالغ ہو جاتی ہے' اس لیے اس کے حق میں ایک سال کم کر دیا گیا ہے۔

قولہ واذا تم للغلام الخ اور صورت عدم وجود علامات بلوغ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لڑکے لڑکی دونوں کے بلوغ کی مدت پندرہ سال ہے یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے' وجہ فتویٰ عادت غالبہ ہے کہ اکثر اوقات اتنی مدت میں علامات بلوغ

ظاہر ہو جاتی ہیں۔

قولہ واذا راھق الخ لڑکے کے حق میں کمتر مدت جس میں وہ بالغ ہو سکتا ہے بارہ سال ہیں اور لڑکی کے حق میں نو سال، پس اگر وہ اتنی مدت میں بالغ ہونے کا دعویٰ کریں تو ان کا قول مسموع ہوگا اور ان کے احکام بالغوں کے احکام ہوں گے۔ شرح مجمع میں ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر پانچ یا اس سے کم کی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے اور نو برس یا اس سے زیادہ کی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض ہے اور چھ، سات، آٹھ سال میں اختلاف ہے۔ کافی میں بعض حضرات سے منقول ہے کہ کمتر مدت گیارہ سال ہے۔ (طحطاوی)۔

وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَااَحْجُرُ فِی الدَّیْنِ عَلَی الْمُفْلِسِ وَاِذَا وَجَبَتِ الدُّیُوْنُ عَلٰی رَجُلٍ
امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں حجر نہ کروں گا دین کی وجہ سے مفلس پر اور جب بہت سا قرض ہو جائے مفلس

مُفْلِسٍ وَ طَلَبَ غُرَمَاءُ هٗ حَبْسَهٗ وَالْحَجْرَ عَلَیْهِ لَمْ اَحْجُرْ عَلَیْهِ وَاِنْ کَانَ لَهٗ مَالٌ لَمْ یَتَصَرَّفْ فِیْهِ الْحَاکِمُ
آدمی پر اور طلب کریں اس کے قرض خواہ قید اور حجر کرانا تو میں اس پر حجر نہ کروں گا اگر اس کے پاس کچھ مال ہو تو تصرف نہ کرے اس میں حاکم

وَلٰکِنْ یَّحْبِسُهٗ اَبَدًا حَتّٰی یَبِیْعَهٗ فِیْ دَیْنِهٖ وَاِنْ کَانَ لَهٗ دَرَاهِمُ وَ دَیْنُهٗ دَرَاهِمُ قَضَاهُ الْقَاضِیْ
ہاں اس کو قید رکھے ہمیشہ یہاں تک کہ وہ بیچ دے ادائیگی دین میں اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور دین بھی دراہم ہوں تو ادا کر دے قاضی

بِغَیْرِ اَمْرِهٖ وَاِنْ کَانَ دَیْنُهٗ دَرَاهِمَ وَلَهٗ دَنَانِیْرُ اَوْعَلٰی ضِدِّ ذٰلِکَ بَاعَهَا الْقَاضِیْ فِیْ دَیْنِهٖ وَ
اس کی اجازت کے بغیر اور اگر دین درہم ہوں تو اس کا مال دنانیر یا اس کے برعکس تو بیچ دے اس کو قاضی اس کے دین میں

قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ الْحَجْرَ عَلَیْهِ حَجَرَ الْقَاضِیْ
صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مفلس کے قرض خواہ اس پر حجر طلب کریں تو قاضی حجر کر دے

عَلَیْهِ وَ مَنَعَهٗ مِنَ الْبَیْعِ وَالتَّصَرُّفِ وَالْاِقْرَارِ حَتّٰی لَایَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ وَبَاعَ مَالَهٗ اِنِ امْتَنَعَ الْمُفْلِسُ
اور روک دے اس کو بیع، تصرف اور اقرار سے تاکہ قرضخواہوں کا نقصان نہ ہو اور بیچ دے اس کا مال اگر وہ خود نہ بیچے

مِنْ بَیْعِهٖ وَ قَسَمَهٗ بَیْنَ غُرَمَائِهٖ بِالْحِصَصِ فَاِنْ اَقَرَّفِیْ حَالِ الْحَجْرِ بِاِقْرَارِ مَالٍ لَزِمَهٗ ذٰلِکَ بَعْدَ قَضَاءِ الدُّیُوْنِ
اور قرض خواہوں کو حصہ رسد تقسیم کر دے اگر وہ بحالت حجر کسی مال کا اقرار کرے تو یہ لازم ہو گا اس کو ادائیگی دیون کے بعد

مفلس مدیون کے احکام

توضیح اللغۃ: مفلس۔ نادار، دیون۔ جمع دین، قرض غرما۔ جمع غریم، قرض خواہ، حبس۔ قید کرنا، حصص۔ جمع حصہ۔

تشریح الفقہ: قولہ لااحجر فی الدین الخ اس میں کلمہ فی سببیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے یجب القطع فی السرقۃ، امام صاحب فرماتے ہیں کہ مفلس مقروض پر حجر نہیں کیا جا سکتا اگرچہ قرض خواہ لوگ اس کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اس پر حجر کرنا اس کی اہلیت کو بالکلیہ ختم کرنے اور بہائم کے ساتھ ملحق کرنے کے مرادف ہے اس لیے صرف ضرر خاص یعنی ضرر غرماء کے دفعیہ کی خاطر ایسا نہیں کیا جا سکتا البتہ قاضی اس کو قید کرلے تاکہ وہ ادائیگی قرض کے سلسلہ میں اپنا مال بیچ ڈالے کیونکہ مدیون پر دین کی ادائیگی واجب ہے اور ٹال مٹول ظلم ہے تو دفع ظلم کے پیش نظر قاضی اس کو قید کر سکتا ہے اب اگر مدیون کا مال اور اس کا دین دراہم یا دنانیر ہوں تو قاضی بلا امر مدیون دراہم و دنانیر سے قرض ادا کر دے اور اگر مال دراہم ہوں اور دین دنانیر یا اس کا عکس ہو تو ان کو فروخت کر سکتا قرض ادا کر دے اور اگر مال اسباب و جائیداد ہو تو اس کو فروخت نہ کرے۔

قولہ و قال ابو یوسف الخ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر قرض خواہ لوگ مفلس پر حجر طلب کریں تو اس پر حجر کیا جا سکتا ہے۔ نیز اگر اس کا مال اسباب و جائیداد ہو تو قاضی اس کو بھی فروخت کر سکا ہے۔ تنویر، اختیار، جوہرہ، درمختار، بزازیہ، قاضی خاں، ملتقی، تصحیح قدوری اور طائی شرح کنز وغیرہ میں ہے کہ دونوں مسئلوں میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ويُنفقُ عَلَى الْمُفلِسِ مِنْ مَّالِهِ وَ عَلَى زَوْجَتِهِ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَذَوِى الْاَرْحَامِ وَاِنْ لَّمْ
خرچ کیا جائے مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی، چھوٹے بچوں اور ذوی الارحام پر اگر

يُعْرَفْ لِلْمُفلِسِ مَالٌ وَّ طَلَبَ غُرَمَاؤُهٗ حَبْسَهٗ وَهُوَ يَقُولُ لا مَالَ لِيْ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِيْ كُلِّ
معلوم نہ ہوتا ہو مفلس کے پاس مال اور طلب کریں قرض خواہ اس کو قید کرنا اور وہ یہی کہے کہ میرے پاس نہیں ہے تو قید کرے حاکم اس کو ہر ایسے

دَيْنٍ لَزِمَهٗ بَدَلًا عَنْ مَّالٍ حَصَلَ فِيْ يَدِهٖ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ وَ فِيْ كُلِّ دَيْنٍ الْتَزَمَهٗ
دین میں جو لازم ہوا ہو اس کو ایسے مال کے بدلے میں جو ہے اس کے پاس جیسے قیمت مبیع، بدل قرض اور ہر ایسے دین میں جو لازم کیا ہو

بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ وَلَمْ يَحْبِسْهُ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ كَعِوَضِ الْمَغْصُوْبِ وَاَرْشِ الْجِنَايَاتِ اِلَّا
اس نے کسی عقد سے جیسے مہر، کفالہ اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جیسے عوض مغصوب جنایتوں کا تاوان الا

اَنْ تَقُوْمَ الْبَيِّنَةُ بِاَنَّ لَهٗ مَالًا وَّيَحْبِسُهُ الْحَاكِمُ شَهْرَيْنِ اَوْثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ سَأَلَ عَنْ حَالِهٖ فَاِنْ
یہ کہ بینہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ مال اس کے پاس ہے اور قید رکھے اس کو حاکم دو ماہ یا تین ماہ اور تحقیق کرتا رہے اس کی بابت پس اگر

لَّمْ يَنْكَشِفْ لَهٗ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ وَكَذٰلِكَ اِذَا قَامَ الْبَيِّنَةُ عَلٰى اَنَّهٗ لَا مَالَ لَهٗ وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهٗ وَ
مال ظاہر نہ ہو تو اسے رہا کر دے اسی طرح جب بینہ سے ثابت ہو جائے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے اور حائل نہ ہو اس کے اور

بَيْنَ غُرَمَائِهٖ بَعْدَ خُرُوْجِهٖ مِنَ الْحَبْسِ وَيُلَازِمُوْنَهٗ وَلَا يَمْنَعُوْنَهٗ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ وَ
قرض خواہوں کے درمیان اس کے قید خانہ سے نکلنے کے بعد اور وہ اس کے پیچھے لگے رہیں لیکن تصرف و سفر سے نہ روکیں اور

يَاْخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِهٖ وَيَقْسِمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ
جو اس کی کمائی سے بچے وہ آپس میں حصہ رسد تقسیم کرتے رہیں

مفلس مدیون کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ وینفق الخ مفلس سے مراد وہی مدیون مجور ہے یعنی مفلس کی بیوی، اس کے چھوٹے بچے اور ذوی الارحام کا نفقہ مفلس مذکور کے مال سے دیا جائے گا کیونکہ ان لوگوں کی ضرورت اصلیہ غرماء کے حق پر مقدم ہے۔

ویحبسہ الحاکم الخ مفلس مذکور کو کتنی مدت تک قید میں رکھا جائے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ کسی میں دو مہینے ہیں، کسی میں تین اور بعض روایات میں چار ماہ سے چھ ماہ تک محبوس رکھنا منقول ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس کی کوئی تحدید نہیں بلکہ یہ محبوس کے حال پر مبنی ہے اس واسطے کہ بعض لوگ معمولی تنبیہ سے گھبرا جاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے نڈر ہوتے ہیں کہ عرصہ دراز تک جیل میں رہنے کے باوجود صحیح بات نہیں بتاتے، اس لیے حاکم کی رائے پر محمول ہوگا، وہ جتنی مدت تک مناسب سمجھے قید میں رکھے۔ پھر محبوس شرعی یا غیر شرعی کی ضرورت سے باہر نہیں آ سکتا، یہاں تک کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ماہ رمضان، عیدین، جمعہ، صلوات مکتوبہ، حج مفروض اور کسی کے جنازہ کی نماز کے لیے بھی باہر نہیں آ سکتا البتہ بعض فقہاء کے نزدیک

والدین، اجداد، جدات اور اولاد کے جنازہ کے لیے نکل سکتا ہے بشرطیکہ اپنا کوئی کفیل پیش کر دے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا فَلَّسَهُ الْحَاكِمُ حَالَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ غُرَمَائِهٖ اِلَّا اَنْ

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب مفلسی کا حکم لگا دیا اس پر حاکم نے تو حائل ہو جائے اس کے اور قرض خواہوں

يُقِيْمُوا الْبَيِّنَةَ اَنَّهٗ قَدْ حَصَلَ لَهٗ مَالٌ وَّلَايُحْجَرُ عَلَى الْفَاسِقِ اِذَا كَانَ مُصْلِحًا لِّمَا لِه

کے درمیان الا یہ کہ وہ بینہ قائم کر دیں اس پر کہ اس کو مال حاصل ہو گیا، حجر نہیں کیا جائے گا فاسق پر جبکہ وہ مصلح مال ہو

وَالْفِسْقُ الْاَصْلِيُّ وَالطَّارِيُّ سَوَاءٌ وَمَنْ اَفْلَسَ وَ عِنْدَهٗ مَتَاعٌ لِّرَجُلٍ بِعَيْنِهٖ

اور فسق اصلی اور فسق طاری برابر ہیں، جو مفلس ہو گیا اور اس کے پاس کسی کا کوئی سامان بعینہ موجود ہے جو

اَبْتَاعَهٗ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةٌ لِّلْغُرَمَاءِ فِيْهِ

اس نے اس شخص سے خریدا تھا تو مالک اسباب دیگر قرض خواہوں کے برابر ہے

توضیح اللغۃ: فلّسہ۔ تفلیسا۔ قاضی کا کسی کے حق میں افلاس کا حکم لگانا، متاع۔ سامان۔ اسوۃ۔ برابر کا حق دار۔

تشریح الفقہ: قولہ اذا فلسہ الحاکم الخ جب مفلس کو قید خانہ سے رہائی مل جائے تو امام صاحب کے نزدیک حاکم اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو اور قرض خواہ ہر وقت اس کے پیچھے پڑے رہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے 'لصاحب الحق یدولسان'' اس میں یدولسان سے مراد ضرب وسب نہیں بلکہ پیچھے لگے رہنا اور تقاضا کرنا مراد ہے۔ (قدوری کے بعض نسخوں میں ''ول ایلاز مونہ'' لا نافیہ کے ساتھ ہے جو غلط ہے) صاحبین فرماتے ہیں کہ جب حاکم نے اس کو مفلس قرار دے دیا تو اب وہ اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور ہمہ وقت تقاضا کرنے نہ دے۔ وجہ یہ ہے کہ قاضی کا کسی کے حق میں افلاس کا فیصلہ کرنا صاحبین کے نزدیک صحیح ہے پس مفلس کی عسرت و ناداری ثابت ہوگئی اور وہ مالداری تک مہلت دیئے جانے کا مستحق ہو گیا۔ امام صاحب کے نزدیک قضاء بالافلاس صحیح نہیں کیونکہ مال تو آنی جانی چیز ہے، آج ہے کل نہیں، کل ہے پرسوں نہیں۔

قولہ ولایحجر علی الفاسق الخ ہمارے نزدیک فاسق پر حجر نہیں خواہ اس کا فسق اصلی ہو یا طاری۔ امام شافعی کے یہاں فاسق کو بطریق زجر و توبیخ تصرف سے روکا جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''فان آنستم منهم رشداً'' میں رشداً سے مراد اصلاح فی المال ہے نہ کہ اصلاح فی الدین اور رشداً نکرہ قلیل و کثیر ہر دو کو شامل ہے۔ پس ''فادفعوا الیھم اموالھم'' میں فاسق بھی داخل ہے اس لیے اس پر حجر نہ ہوگا۔

قولہ ومن افلس الخ ایک شخص مفلس قرار دیا گیا اور اس کے پاس ایک شخص کی کوئی چیز بعینہ موجود ہے جو اس نے اس شخص سے خریدی تھی تو ہمارے نزدیک وہ شخص دیگر قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک رہے گا بشرطیکہ افلاس قبضہ کے بعد ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ شخص اپنی چیز کا حقدار ہے عقد فسخ کر کے اپنی چیز لے سکتا ہے کیونکہ حضرت سمرہ بن جندبؓ کی حدیث ہے 'من وجد متاعہ عند مفلس بعینہ فھو احق بہ'' (احمد) لیکن اس کی اسناد میں ابراہیم راوی بقول امام ابوحاتم ناقابل احتجاج ہے۔ ہماری دلیل آپ کا ارشاد ہے 'ایما رجل باع سلعۃ فادرکھا عند رجل قد افلس فھو مالہ بین غرماء'' (دارقطنی) اور یہ گو مرسل ہے مگر حدیث مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے اور اس کے راوی ابن عیاش کو امام احمد نے ثقہ مانا ہے۔

كِتَابُ الْاِقْرَارِ

کتاب اقرار کرنے کے بیان میں

اِذَا اَقَرَّ الْحُرُّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ لَزِمَهٗ اِقْرَارُهٗ مَجْهُوْلًا كَانَ مَا اَقَرَّ
جب اقرار کیا آزاد عاقل بالغ نے کسی حق کا تو وہ اقرار اس کو لازم ہو گا مجہول ہو وہ چیز جس کا اقرار کیا

بِهٖ اَوْ مَعْلُوْمًا وَيُقَالُ لَهٗ بَيِّنِ الْمَجْهُوْلَ فَاِنْ لَّمْ يُبَيِّنْ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْبَيَانِ فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ
ہے یا معلوم اس سے کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کر اگر وہ بیان نہ کرے تو مجبور کرے اس کو حاکم بیان کرنے پر پس اگر کہا کہ فلاں

عَلَيَّ شَيْءٌ لَزِمَهٗ اَنْ يُبَيِّنَ مَالَهٗ قِيْمَةٌ وَالْقَوْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِنِ ادَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ
کی مجھ پر ایک چیز ہے تو ایسی چیز بیان کرنا ضروری ہو گا جو قیمتی ہو اور اسی کا قول معتبر ہو گا اگر مقرلہ اس سے زیادہ کا دعوی کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الاقرار الخ اقرار لغۃً بمعنی اثبات ہے یقال قر الشئی اذا ثبت اصطلاح شرع میں اقرار ''اخبارٌ عن ثبوت حق الغیر علی انفسہ'' غیر شخص کے اس حق کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو مقر پر لازم وثابت ہو۔ تعریف میں لفظ علی سے (جو مفید ضرر ہے) معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق اپنی ذات کے نفع کے لیے ہو تو وہ اقرار نہ ہوگا بلکہ دعوی کہلائے گا اور نفسہ کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق غیر کسی دوسرے شخص پر ہو تو وہ بھی اقرار نہ ہوگا بلکہ اس کو شہادت کہیں گے پھر جو اقرار کرے اس کو مقر اور جس کا حق اپنے اوپر ثابت کرے اس کو مقرلہ اور جس چیز کا اقرار کرے اس کو مقر بہ کہتے ہیں۔

فائدہ اقرار کا حجت ہونا کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ حق تعالی کا ارشاد ہے ''ولیملل الذی علیه الحق'' چاہیے کہ بتاتا رہے (اقرار کرے) وہ شخص جس پر حق (فرض) ہے اگر اقرار حجت نہ ہوتا تو اس حکم کے کوئی معنی ہی نہ تھے۔ نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر ان کے اقرار زنا کی وجہ سے رجم کا حکم فرمایا۔ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اقرار مقر سے حدود وقصاص ثابت ہو جاتے ہیں تو مال بطریق اولی ثابت ہو گا۔

قولہ اذا اقر الخ جب کوئی آزاد عاقل بالغ شخص بیداری میں بخوشی کسی حق کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہے اگر چہ حق مجہول کا اقرار کرے کیونکہ اقرار کے لیے مقر بہ کا مجہول ہونا مضر نہیں لیکن اس صورت میں اس حق کو کسی ایسی چیز کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہوگا جو قیمتی ہو گو کمتر ہو اگر وہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ جیسے گیہوں کا ایک دانہ تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ تو اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ محیط میں ہے کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے حق سے حق اسلام کا ارادہ کیا ہے تو اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ الا اذا قال ذلک موصولا لانہ بیان با عتبار العرف خلافاً للائمۃ الثلاثۃ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِيْ بَيَانِهٖ اِلَيْهِ وَيُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَاِنْ قَالَ
اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر مال ہے تو اس کے بیان میں اس کی طرف رجوع ہو گا اور کم و بیش میں اس کا قول مقبول ہو گا اگر کہا

لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دَرَاهِمَ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ
کہ فلاں کا مجھ پر مال عظیم ہے تو تصدیق نہ ہو گی دو سو درہم سے کم میں اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر بہت سے

كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلَاثَةٌ اِلَّا اَنْ

درہم ہیں تو تصدیق نہ ہو گی۔ دس درہم سے کم میں اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو یہ تین ہوں گے الا یہ کہ

يُبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ كَذَاكَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا

اس سے زیادہ بیان کر دے اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو تصدیق نہ ہو گی گیارہ درہم سے کم میں

وَاِنْ قَالَ كَذَاوَكَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدٍ وَّ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَاِنْ قَالَ لَهٗ

اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اور اتنے درہم ہیں تو تصدیق نہ ہو گی اکیس درہموں سے کم میں اگر کہا کہ فلاں

عَلَيَّ اَوْ قِبَلِيْ فَقَدْ اَقَرَّبِدَيْنٍ وَّ اِنْ قَالَ لَهٗ عِنْدِيْ اَوْ مَعِيْ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِيْ يَدِهٖ وَ

کے مجھ پر یا میری طرف ہیں تو اس نے دین کا اقرار کیا اور اگر کہا کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ امانت کا اقرار ہے

اِنْ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ لِّيْ عَلَيْكَ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ اِتَّزِنْهَا اَوِانْتَقِدْهَا اَوْاَجِّلْنِيْ بِهَا اَوْقَدْ

اگر کسی نے کہا کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں اس نے جواب میں کہا کہ ان کو تول لے یا پرکھ لے یا مجھے ان کی مہلت دے یا میں

قَضَيْتُكَهَا فَهُوَا اِقْرَارٌ وَّمَنْ اَقَرَّبِدَيْنٍ مُّؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّلَهٗ فِي الدَّيْنِ وَ كَذَّبَهٗ

تجھ کو دے چکا ہوں تو یہ اقرار ہے جس نے اقرار کیا دین موجل کا اور تصدیق کر دی اس کی مقرلہ نے دین میں اور تکذیب کر دی

فِي التَّاْجِيْلِ لَزِمَه الدَّيْنُ حَالًا وَ يُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّلَهٗ فِي الْاَجَلِ

موجل ہونے میں تو اس کو دین فی الحال لازم ہوگا اور مدت میں مقرلہ سے قسم لی جائے گی

اقرار کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ **قولہ علی مال عظیم** الخ اگر مقر نے کہا مجھ پر فلاں کا مال عظیم ہے تو نصاب زکوٰۃ یعنی دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مال کو صفت عظیم کے ساتھ مقید کیا ہے تو اس وصف کو لغو نہیں کیا جا سکتا پھر شریعت میں نصاب زکوٰۃ مال عظیم ہے کہ شرع نے صاحب نصاب کو غنی قرار دیا ہے اور عرفاً بھی غنی سمجھا جاتا ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا یہی اصح ہے (اختیار) امام صاحب سے روایت ہے کہ نصاب سرقہ یعنی دس درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی مال عظیم ہے کہ اس کی وجہ سے محترم عضو (ہاتھ) کاٹا جاتا ہے۔

قولہ علی دراھم کثیرہ الخ اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر دراہم کثیرہ ہیں تو امام صاحب کے نزدیک دس درہم لازم ہوں گے۔ صاحبین کے نزدیک نصاب زکوٰۃ سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت کی نظر میں مکثر (مالدار) صاحب نصاب ہی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دس کا عدد جمع کثرت کے مصداق کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور جمع قلت کا منتہیٰ ہے تو لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا۔ **فانہ یقال عشرة دراھم ثم یقال احد عشر درھما۔**

قولہ علی کذا کذا الخ اگر مقر نے کہا علی کذا درہما تو بقول معتمد ایک درہم لازم ہوگا کیونکہ درہم عدد مبہم کی تفسیر ہے (لیکن اگر درہم کو لفظ کذا کے بعد مکسور ذکر کیا تو سو درہم لازم ہوں گے (اور اگر یہ کہا کہ کذا کذا درہما تو گیارہ درہم لازم ہوں گے۔ اور اگر حرف عطف کے ساتھ کذا کذا کہا تو اکیس درہم لازم ہوں گے کیونکہ پہلی صورت میں اس نے دو عدد مبہم بلا حرف عطف ذکر کیے ہیں اور اس طرح کا اقل عدد مفسر احد عشر ہے اور دوسری صورت میں حرف عطف کے ساتھ ذکر کیے ہیں جس کی ادنیٰ نظیر احد وعشرون ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صرف دو درہم لازم ہو گے اور اگر لفظ کذا تین بار بلا حرف عطف ذکر کیا تو وہی گیارہ درہم لازم ہوں گے کیونکہ اس عدد مبہم کے مانند کوئی مفسر نہیں تو تیسرا لفظ تکرار پر محمول ہوگا) اور اگر حرف عطف کے ساتھ تین بار ذکر کیا تو ایک سو اکیس درہم لازم ہوں گے کیونکہ واؤ کے ساتھ تین کی اقل تعبیر مائة واحد وعشرون ہے اور اگر چار بار ذکر کیا تو گیارہ سو

اکیس اور پانچ بار میں گیارہ ہزار ایک سو اکیس اور چھ بار میں ایک لاکھ گیارہ ہزار ایک سو اکیس اور سات بار میں گیارہ لاکھ گیارہ ہزار ایک سو اکیس لازم ہوں گے وھکذا یعتبر نظیرہ۔

قوله علیّ کذا کذا الخ ایک شخص نے زید سے کہا کہ میرے تجھ پر ایک ہزار ہیں' زید نے جواب میں کہا کہ ان کو وزن کر لے یا پرکھ لے یا مجھے ان کی مہلت دے دے یا میں تجھ کو وہ دے چکا ہوں تو ان سب صورتوں میں زید کی طرف سے ایک ہزار کا اقرار ہے کیونکہ ان سب جملوں میں باء ضمیر انہیں ہزار کی طرف راجع ہے تو یہ اس کے کلام کا جواب یعنی اثبات ہوا نہ کہ انکار' یا کوئی جداگانہ کلام' ہاں اگر زید نے بلا ضمیر یوں کہا اتزن' انتقد ا ھ تو کچھ لازم نہ ہوگا' کیونکہ یہ جداگانہ کلام ہے نہ کہ اس کے کلام کا جواب اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو کلام جواب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جواب ٹھہرایا جاتا ہے اور جو ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جواب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا دونوں کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جداگانہ کلام ٹھہرایا جاتا ہے۔

قوله ومن اقربدین مؤجل الخ ایک شخص نے دین مؤجل کا اقرار کیا اور مقرلہ نے دعویٰ کیا کہ دین مؤجل نہیں فوری ہے تو مقر پر دین فوری لازم ہوگا اور مقرلہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ دین کی کوئی مدت نہیں تھی کیونکہ مقر نے حق غیر کے اقرار کے ساتھ اپنے لیے حق تاجیل کا دعویٰ کیا ہے پس یہ ایسے ہو گیا جیسے کوئی دوسرے کے لیے غلام کا اقرار کرے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ کرے کہ میں نے اس سے یہ غلام بطریق اجارہ لیا ہے کہ اس صورت میں مقر کی تصدیق نہیں ہوتی تو یہاں بھی اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ امام احمد کے نزدیک اور ایک قول کے لحاظ سے امام شافعی کے نزدیک دین مؤجل لازم آئے گا اور مقر سے قسم لی جائے گی کہ دین مؤجل ہی تھا فوری نہیں تھا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ اَقَرَّبِدَيْنٍ وَّاسْتَثْنٰى شَيْئًا مُّتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ صَحَّ الْاِ سْتِثْنَاءُ وَلَزِمَهُ الْبَاقِیْ سَوَاءٌ اِسْتَثْنٰى

جس نے اقرار کیا دین کا اور استثنیٰ کر لیا کسی شئی کا اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہو گا اور باقی اس کو لازم ہو جائے گا خواہ کم کا

الْاَقَلَّ اَوِالْاَكْثَرَ فَاِنِ اسْتَثْنَى الْجَمِيْعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ

استثناء کرے یا زائد کا اور اگر کل کا استثناء کر لیا تو اقرار لازم ہو گا اور استثناء باطل ہو گا اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر

مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِيْنَارًا اَوْاِلَّا قَفِيْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا قِيْمَةَ الدِّيْنَارِ اَوِالْقَفِيْزِ

ایک سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر گیہوں کا ایک قفیز تو لازم ہوں گے اس کو سو درہم مگر دینار یا قفیز کی

وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَّدِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ كُلُّهَا دَرَاهِمُ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَّ ثَوْبٌ لَزِمَهٗ

قیمت لازم نہ ہوگی' اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہے تو سب درہم شمار ہوں گے اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس پر

ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَّالْمَرْجِعُ فِیْ تَفْسِيْرِ الْمِائَةِ اِلَيْهِ وَمَنْ اَقَرَّبِحَقٍّ وَّقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر میں اسی کی طرف رجوع ہو گا جس نے اقرار کیا کسی حق کا اور کہہ دیا انشاء اللہ

مُتَّصِلًا بِاِقْرَارِهٖ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْرَارُ وَمَنْ اَقَرَّوَشَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهٖ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ

اقرار کے ساتھ ہی تو اقرار لازم نہ ہو گا جس نے اقرار کیا اور اپنے لئے شرط خیار ظاہر کیا تو اقرار لازم ہو گا

وَبَطَلَ الْخِيَارُ وَمَنْ اَقَرَّبِدَارٍ وَّاسْتَثْنٰى بِنَاءَ هَالِنَفْسِهٖ فَلِلْمُقَرِّلَهُ الدَّارُ وَالْبِنَاءُ جَمِيْعًا وَّ

اور خیار باطل' جس نے اقرار کیا مکان کا اور استثناء کیا اس کی عمارت کا اپنے لئے تو مقرلہ کا ہو گا مکان اور عمارت سب

اِنْ قَالَ بِنَاءُ هٰذِهِ الدَّارِ لِیْ وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ

اگر کہا کہ اس مکان کی عمارت میری ہے اور صحن فلاں کا تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا

استثناء وہم معنی استثناء کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واستثنی شیئاً الخ چند چیزوں سے کچھ نکالنے کے بعد باقی ماندہ کے تکلم کو استثناء کہتے ہیں سو اگر مقر نے دین کا اقرار کیا اور اس میں سے بعض کا استثناء کر لیا تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ متصلاً ہو۔ خواہ استثناء کم کا ہو یا زائد کا کیونکہ صحت استثناء کے لیے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے بعد متصلاً مذکور ہونا شرط ہے اگر کچھ وقفہ کے بعد ذکر کرے گا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ وقفہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو جیسے دم لینا' کھانسی کا آنا وغیرہ۔ اب استثناء کے بعد جو کچھ باقی رہے گا وہ مقر پر لازم ہوگا لیکن کل کا استثناء کرنا صحیح نہیں (فاسد ہے۔ جوہرہ) کیونکہ استثناء کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے۔ فراء نحوی کے نزدیک اکثر کا استثناء بھی صحیح نہیں کیونکہ اہل عرب اس کا تکلم نہیں کرتے۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے اور دلیل جواز یہ آیت ''قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ۔''

قولہ الا دینار الخ اگر کوئی شخص دراہم و دنانیر سے کیلی یا وزنی یا غیر متفاوت عددی چیزوں کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے۔ لہ علی مائۃ درہم الا دینارا' الا قفیز حنطۃ تو شیخین کے نزدیک بطریق استحسان صحیح ہے اور اگر ان چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے۔ لہ علی مائۃ درہم الا ثوبا او شاۃ' او دارا تو استثناء صحیح نہیں ہے امام محمد و زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں' مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ استثناء اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل رہے اور یہ چیز خلاف جنس کی صورت میں ہو نہیں سکتی' اس لیے دراہم و دنانیر سے ان کے غیر کا استثناء صحیح نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان سے کیلی چیز کا استثناء ہو یا غیر کیلی چیز کا بہر درصورت مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مالیت کے اعتبار سے متحد الجنس ہیں لہذا استثناء صحیح ہے شیخین یہ فرماتے ہیں کہ کیلی' وزنی' معدود مذکور' دراہم اور دنانیر گو صورۃً اجناس مختلفہ ہیں۔ لیکن معنیً جنس واحد ہیں کیونکہ یہ سب ثمن ہو کر ثابت فی الذمہ ہوتے ہیں لہذا ان کا استثناء صحیح ہے بخلاف غیر کیلی یعنی ثوب' شاۃ' دار وغیرہ کے کہ ان کی مالیت معلوم نہیں کیونکہ یہ اشیاء فی نفسہ قیمت کے لحاظ سے متفاوت ہوتی ہیں تو ان کے استثناء سے مجہول کا استثناء معلوم سے لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

قولہ فالمائۃ کلہا الخ مقر نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے سو اور ایک درہم ہے تو اس پر تمام درہم ہی لازم ہوں گے یعنی ایک سو ایک' اور اگر اس نے یہ کہا کہ مجھ پر اس کا سو اور ایک کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور اس سے سو کی مراد دریافت کی جائے گی کہ درہم مراد ہیں یا کپڑے' مقتضائے قیاس تو ''لہ علی مائۃ و درہم'' میں بھی یہی ہے کہ مائۃ کی تفسیر کو مقر پر چھوڑا جائے۔ چنانچہ امام شافعی اس کے قائل ہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عادۃً لفظ درہم مائۃ کا بیان ہوتا ہے کیونکہ لوگ لفظ درہم کو دوبارہ بولنا ثقیل جانتے ہیں اور صرف ایک بار ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو کثیر الاستعمال ہوں اور کثرت استعمال کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کثرت اسباب کی وجہ سے وجوب فی الذمہ بکثرت ہو جیسے دراہم' و دنانیر' مکیل' موزون کہ یہ سلم' قرض اور ثمن میں واجب فی الذمہ ہوتے ہیں بخلاف ثیاب اور غیر مکیل وغیر موزون کے کہ ان کا وجوب اتنی کثرت سے نہیں ہوتا' اس لیے ثیاب اور غیر مکیل وغیر موزوں چیزوں میں مائۃ کی تفسیر مقر پر موقوف ہوگی اور دراہم و دنانیر وغیرہ میں موقوف نہ ہوگی۔

قولہ و قال انشاء اللہ الخ ایک شخص نے کسی حق کا اقرار کیا اور ساتھ ہی ساتھ انشاء اللہ کہہ دیا تو اس کا اقرار لازم نہ ہوگا کیونکہ مشیت ایزدی کا استثناء یا تو حکم کو اس کے منعقد ہونے سے پہلے ہی باطل کرنے کے لیے ہے یا معلق کرنے کے لیے اگر ابطال حکم کے لیے ہو تب کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ خود باطل کر چکا اور اگر تعلیق کے لیے ہو تو یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اقرار از قبیل اخبار ہونے کی وجہ سے محتمل تعلیق نہیں ہے۔

قولہ ومن اقر بدار الخ مقر نے کسی کے لیے دار کا اقرار کیا اور اس کی بناء کا استثناء کر لیا تو دار اور بناء دونوں مقر لہ' ہوں گے کیونکہ بناء تو دار

میں داخل ہے کہ اس کے بغیر عمارت ہی نہیں ہو سکتی' ہاں اگر اس کے صحن کا استثناء کرے تو یہ صحیح ہے کیونکہ صحن تو اس خالی بقعہ کو کہتے ہیں جس میں بناء نہ ہو پس یہ دار میں داخل نہیں ہے۔ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی۔

وَمَنْ اَقَرَّبِتَمرٍ فِیْ قَوْصَرَةٍ لَزِمَهٗ التَّمرُوَالقَوْصَرَّةُ وَمَنْ اَقَرَّبِدَابَّةٍ فِیْ اِصْطَبْلٍ

جس نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں لازم ہو گی اس پر کھجور اور ٹوکری جس نے اقرار کیا گھوڑے کا طویلہ میں

لَزِمَهٗ الدَّابَّةُ خَاصَّةً وَاِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْبًا فِیْ مِنْدِیْلٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعًا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ

تو لازم ہو گا اس پر صرف گھوڑا اگر کہا کہ میں نے غصب کیا ہے کپڑا رومال میں تو دونوں لازم ہوں گے' اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر

ثَوْبٌ فِیْ ثَوْبٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعًا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ عَشَرَةِ اَثْوَابٍ لَمْ یَلْزَمْهُ عِنْدَ

کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں لازم ہوں گے' اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو نہ لازم ہو گا اس پر

اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَّقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَلْزَمُهٗ اَحَدَ عَشَرَ

امام ابویوسف کے نزدیک مگر ایک کپڑا امام محمد کہتے ہیں کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے

ثَوْبًا وَّمَنْ اَقَرَّبِغَصَبِ ثَوْبٍ وَّجَاءَ بِثَوْبٍ مَّعِیْبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ فِیْهِ مَعَ یَمِیْنِهٖ

جس نے اقرار کیا کپڑا غصب کرنے کا پھر لایا معیوب کپڑا تو اسی کا قول معتبر ہو گا اس کی قسم کے ساتھ

وَكَذٰلِكَ لَوْاَقَرَّبِدَرَاهِمَ وَقَالَ هِیَ زُیُوْفٌ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ خَمْسَةٌ فِیْ خَمْسَةٍ

اسی طرح اگر اقرار کیا دراہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں

یُرِیْدُ بِهِ الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ لَزِمَهٗ خَمْسَةٌ وَاحِدَةٌ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ

اس سے اس کی مراد ضرب و حساب ہے تو صرف پانچ لازم ہوں گے اور اگر اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ پانچ ہیں پانچ

لَزِمَهٗ عَشَرَةٌ وَاِذَا قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰی عَشَرَةٍ لَزِمَهٗ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ

کے ساتھ تو دس لازم ہوں گے اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو لازم ہوں گے اس پر نو امام صاحب کے نزدیک

رَحِمَهُ اللّٰهُ یَلْزَمُهٗ الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهٗ وَیَسْقُطُ الْغَایَةُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَلْزَمُهٗ

یعنی ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا اور غایت ساقط ہو گی صاحبین فرماتے ہیں

الْعَشَرَةُ كُلُّهَا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍاِشْتَرَیْتُهٗ مِنْهُ وَلَمْ اَقْبِضْهُ

کہ پورے دس لازم ہوں گے' اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جو میں نے اس سے خریدا تھا لیکن قبضہ نہیں۔

فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًابِعَیْنِهٖ قِیْلَ لِلْمُقَرِّلَهٗ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِالْاَلْفَ وَاِلَّا

کیا تھا پس اگر وہ معین غلام ذکر کرے تو مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اگر چاہے تو غلام دے کر ہزار لے لے ورنہ

فَلَاشَیْئَ لَكَ عَلَیْهِ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَلَمْ یُعَیِّنْهُ لَزِمَهٗ الْاَلْفُ

تیرے لئے کچھ نہیں ہے اس پر اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں غلام کی قیمت کے اور غلام معین نہیں کیا تو اس پر ہزار لازم

فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

ہوں گے امام صاحب کے قول میں

اقرار کے متفرق مسائل

توضیح اللغۃ: تمر۔کھجور'قوصرہ۔ٹوکری جس میں کھجوریں رکھتے ہیں'اصطبل۔چوپاؤں کے رہنے کی جگہ'طویلہ'مندیل۔رومال'اثواب۔جمع ثوب'معیب۔عیب دار'زیوف۔کھوٹے'خذ۔اخذیاخذ سے امر حاضر ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن اقربتمر الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے لیے کھجور ہے ٹوکری میں تو کھجور اور ٹوکری یعنی ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوں گے اور اگر یوں کہا کہ مجھ پر فلاں کا جانور ہے اصطبل میں تو صرف جانور لازم ہوگا۔امام محمد کے نزدیک یہاں بھی دونوں لازم ہوں گے۔اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں غلہ کا اقرار گون میں کپڑے کا اقرار رومال میں وغیرہ اور اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہو جیسے اصطبل وغیرہ۔تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم ہوگا جیسے جانور وغیرہ۔امام محمد کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے اور اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف پہلی چیز لازم ہوگی جیسے یوں کہے کہ مجھ پر ایک درہم ہے درہم میں تو صرف پہلا درہم لازم ہوگا۔

قولہ ثوب فی عشرۃ الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا۔امام صاحب کا بھی یہی قول ہے (کافی) اسی پر فتویٰ ہے۔امام محمد فرماتے ہیں کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے کیونکہ بعض عمدہ ترین اور بیش بہا کپڑے کئی کئی کپڑوں میں لپیٹے جاتے ہیں تو لفظ فی کو ظرف پر محمول کرنا ممکن ہے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ لفظ فی وسط اور درمیان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔قال تعالیٰ "فادخلی فی عبادی" ای بَینَ عبادی' پس ایک سے زائد میں شک پیدا ہوگیا لہذا ایک ہی لازم ہوگا۔

قولہ خمس فی خمسۃ الخ کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے پانچ ہیں' پانچ میں تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے گو وہ ضرب و حساب کی نیت کرے کیونکہ ضرب سے صرف اجزاء میں زیادتی ہوتی ہے نہ کہ اصل مال میں۔پس خمسۃ فی خمسۃ کا مطلب یہ ہوا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے پانچ جزء ہیں تو پانچ درہموں کے پچیس اجزاء ہوں گے نہ یہ کہ پانچ درہموں کے پچیس درہم بن جائیں گے۔حسن بن زیاد کے نزدیک پچیس لازم ہوں گے۔(کذا فی الاصلاح) اور امام زفر کے نزدیک دس لازم ہوں گے' ہمارے نزدیک بھی دس لازم ہوں گے بشرطیکہ مقر نے لفظ فی کو مع کے معنی میں لیا ہو وھو ظاہر۔

قولہ من درھم الی عشرۃ الخ مقر نے کہا کہ مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہے تو امام صاحب کے نزدیک نو لازم ہوں گے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دس وہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ امر وجودی کے لیے معدوم شئے حد نہیں ہوسکتی۔امام زفر کے نزدیک آٹھ لازم ہوں گے وہ یہ فرماتے ہیں کہ بعض غایتیں مغیا میں داخل ہوتی ہیں اور بعض داخل نہیں ہوتیں پس شک واقع ہوگیا لہذا دونوں حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گی۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اصل تو یہی ہے کہ حدود محدود میں داخل نہیں ہوتیں کیونکہ ان میں مغایرت ہوتی ہے لیکن یہاں پہلی حد یعنی ابتداء کو اس لیے داخل مانا جائے گا کہ مافوق الواحد یعنی دوسرے اور تیسرے کا وجود اول کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

قولہ فان ذکر عبداً الخ زید نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جس پر میں نے ہنوز قبضہ نہیں کیا۔تو اگر مقر نے غلام کو معین کر دیا تو مقر لہ سے کہا جائے گا کہ تو غلام اس کے حوالے کر کے اپنے ہزار درہم لے لے اور اگر مقر نے غلام کو معین نہیں کیا تو امام صاحب' زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے اور عدم قبضہ مسموع نہ ہوگا۔متصلاً کہے یا منفصلاً کیونکہ یہ اقرار سے

رجوع کرنا ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک متصلاً کہنے کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی اور مال لازم نہ ہوگا ورنہ تصدیق نہ ہوگی الا یہ کہ مقرلہ سبب وجوب میں اس کی تصدیق کردے کہ اس صورت میں بھی مقر کی تصدیق کی جائے گی۔

وَلَوْقَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍاَوْخِنْزِيْرٍ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَلَمْ يُقْبَلْ تَفْسِيْرُهٗ وَ
اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب یا خنزیر کی قیمت کے تو اس پر ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر مقبول نہ ہوگی

اِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ وَ هِيَ زُيُوْفٌ فَقَالَ الْمُقَرُّلَهٗ جِيَادٌ لَزِمَهُ الْجِيَادُ فِيْ
اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت کے اور وہ کھوٹے ہیں مقرلہ نے کہا کہ کھرے ہیں تو کھرے ہی لازم ہوں گے۔

قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِنْ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا صُدِّقَ
امام صاحبؒ کے قول میں صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ متصلاً کہا تو تصدیق ہو گی

وَاِنْ قَالَ لَهٗ مَفْصُوْلًا لَايُصَدَّقُ وَمَنْ اَقَرَّلِغَيْرِه بِخَاتَمٍ فَلَهُ الْحَلْقَةُ وَالْفَصُّ وَاِنْ
اور اگر منفصلاً کہا تو تصدیق نہ ہو گی جس نے اقرار کیا کسی کے لیے انگوٹھی کا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ ہوگا اگر

اَقَرَّلَهٗ بِسَيْفٍ فَلَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ وَاِنْ اَقَرَّلَهٗ بِحَجَلَةٍ فَلَهُ الْعِيْدَ ان وَ
اقرار کیا کسی کے لئے تلوار کا تو اس کے لئے تلوار پرتلہ اور میان تینوں ہوں گے اگر اقرار کیا کسی کے لئے ڈولہ کا تو اس کے لئے لکڑیاں اور

الْكِسْوَةُ وَاِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَةٍ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰى لَهٗ فُلَانٌ اَوْمَاتَ اَبُوْهُ
پردہ ہو گا اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں پس اگر وہ یہ کہے فلاں نے اس کے لئے وصیت کی تھی یا اس کا باپ

فَوَرِثَهٗ فَالْاِقْرَارُ صَحِيْحٌ وَاِنْ اَبْهَمَ الْاِقْرَارَ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ
مر گیا جس کا وہ وارث ہے تو اقرار صحیح ہے اوراگر اقرار کو مبہم رکھا تو صحیح نہیں امام ابویوسف کے نزدیک امام محمد کے نزدیک

يَصِحُّ وَاِنْ اَقَرَّبِحَمْلِ جَارِيَةٍ اَوْحَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْاِقْرَارُ وَ لَزِمَهٗ
صحیح ہے اگر اقرار کیا باندی یا بکری کے حمل کا کسی کے لیے تو اقرار صحیح ہے اور وہ لازم ہے

توضیح اللغۃ: متاع۔سامان' زیوف۔کھوٹے' جیاد۔کھرے' خاتم۔انگوٹھی' فص۔نگینہ' سیف۔تلوار' نصل۔لوہے والا حصہ' پھل جفن۔میان' حمائل۔جمع حمالۃ پرتلہ' حجلۃ۔چھپر کھٹ۔عیدان۔جمع عود' لکڑی' کسوۃ۔پردہ۔

تشریح الفقہ: قولہ من ثمن خمر الخ مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کے ہزار درہم ہیں جو شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک ہزار درہم لازم ہوں گے من ثمن خمر متصلاً کہے یا منفصلاً کیونکہ صدر کلام یعنی کلمہ علی وجوب پر دال ہے اور خمر و خنزیر کا ثمن واجب نہیں تو یہ اقرار سے رجوع کرنا ہوا جو جائز نہیں۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک متصلاً کہنے کی صورت میں مال لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے آخر کلام سے یہ بیان کر دیا کہ میرا مقصد ایجاب نہیں ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ لہ علی الف کے بعد انشاء اللہ کہہ دے۔جواب انشاء اللہ کہنا تعلیق ہے اور یہاں ابطال ہے۔

قولہ وھی زیوف الخ اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک کھرے درہم لازم ہوں گے اور اس کا قول وہی زیوف مقبول نہ ہوگا۔ متصلاً ہو یا منفصلاً اسی پر فتوی ہے۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتصال کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی۔کیونکہ لفظ دراہم میں دونوں کا احتمال ہے اور جب اس نے وہی زیوف کی تصریح کر دی تو یہ بیان مغیر ہو گیا۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مطلق عقد صحیح سالم بدل چاہتا ہے اور کھوٹا ہونا عیب ہے اور عیب کا دعویٰ کرنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَااَقَرَّالرَّجُلُ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ بِدُیُوْنٍ وَ عَلَیْهِ دُیُوْنٌ فِیْ صِحَّتِهٖ وَدُیُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ مَرَضِهٖ بِاَسْبَابٍ
جب اقرار کیا کسی نے مرض الموت میں دیون کا اور اس کے ذمہ کچھ تندرستی کے دیون ہیں اور کچھ ایسے دیون ہیں جو مرض الموت میں اسباب

مَعْلُوْمَةٍ فَدَیْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّیْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالْاَسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَاِذَا قُضِیَتْ وَفَضَلَ شَیْئٌ
معلومہ سے لازم ہوئے ہیں تو تندرستی والے دیون اور اسباب معلومہ والے دیون مقدم ہوں گے جب وہ ادا کر دیئے جائیں اور کچھ مال بچ جائے

مِنْهَا کَانَ فِیْمَا اَقَرَّبِهٖ فِیْ حَالِ الْمَرَضِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیْهِ دُیُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَ
تو وہ صرف ہوگا اس میں جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اور اگر تندرستی میں لازم ہونے والے دیون نہ ہوں تو اس کا اقرار صحیح ہوگا

کَانَ الْمُقَرُّلَهٗ اَوْلٰی مِنَ الْوَرَثَةِ وَاِقْرَارُ الْمَرِیْضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ یُّصَدِّقَهٗ فِیْهِ بَقِیَّةُ الْوَرَثَةِ
اور مقرلہ اولی ہو گا ورثہ سے وارث کے لئے مریض کا اقرار باطل ہے الا یہ کہ باقی ورثاء اس کی تصدیق کر دیں

بیمار کے اقرار کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ واذا اقر الرجل الخ مریض پر جو دین اس کی تندرستی کے زمانہ کا ہو خواہ وہ گواہوں کے ذریعہ سے معلوم ہو یا اقرار سے، وارث کا ہو یا کسی اجنبی کا، عین کا اقرار ہو یا دین کا، اور جو دین اس پر مرض الموت میں اسباب معروفہ کے ساتھ لازم ہو، یہ دونوں ہمارے نزدیک اس دین پر مقدم ہوں گے جس کا مریض نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے۔ پس اگر اس کا انتقال ہو جائے تو پہلے اس کے ترکہ سے مذکورہ بالا دیون ادا کریں گے اس کے بعد جو کچھ مال بچے اس سے وہ ادین ادا کریں گے جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دین صحت اور دین مرض دونوں برابر ہیں کیونکہ ان دونوں کا سبب (اقرار) برابر ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ بے شک اقرار دلیل ہے لیکن یہ اس وقت معتبر ہے جس دوسرے کا حق باطل نہ ہو اور مریض کے اقرار میں دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے کیونکہ غرماء صحت کا حق اس کے مال کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے۔ لہذا ان کا حق مقدم ہوگا۔

قولہ و اقرار المریض الخ مریض کا اپنے وارث کے لیے اقرار کرنا باطل ہے۔ امام شافعی کا اصح قول یہ ہے کہ صحیح ہے کہ کیونکہ اقرار ایک حق ثابت کا اظہار ہے تو جیسے اجنبی کے لیے صحیح ہے ایسے ہی وارث کے لیے بھی صحیح ہوگا۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''نہ وارث کے لیے وصیت ہے نہ دین کا اقرار''[1] نیز اس کے مال سے جمیع ورثہ کا حق وابستہ ہے اور کسی ایک کے لیے اقرار کرنے میں باقی ورثہ کا حق باطل ہوتا ہے لہذا جائز نہ ہوگا الا یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کر دیں کیونکہ اقرار کا معتبر نہ ہونا تو انہیں کے حق کی وجہ سے ہے اور جب انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اقرار معتبر ہو گیا۔ رہا اجنبی کے لیے قرار سو وہ اس لیے صحیح ہے کہ اس کو معاملات کی احتیاج ہے اور ورثہ کے ساتھ معاملات کا وقوع بہت کم ہوتا ہے، زیادہ تر اجانب ہی کے ساتھ ہوتا ہے اگر اجنبی کے لیے اس کا اقرار صحیح نہ مانا جائے تو لوگ اس سے معاملات نہ کریں گے اور اس کی ضروریات کا دروازہ بند ہو کر رہ جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ اَقَرَّلِاَ جْنَبِیٍّ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ ثُمَّ قَالَ هُوَابْنِیْ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ لَهٗ وَلَوْ اَقَرَّ
جس نے اقرار کیا اجنبی کے لئے مرض الموت میں پھر کہا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو گا اگر اقرار کیا

[1] دار قطنی (مرسلا) ابونعیم (فی تاریخہ) عن جابر (مسندا) ۱۲

لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَبْطُلْ اِقْرَارُهٗ وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ ثَلٰثًا ثُمَّ اَقَرَّ

اجنبی عورت کے لئے پھر اس سے نکاح کر لیا تو اقرار باطل نہ ہوگا جس نے طلاق دی اپنی بیوی کو مرض الموت میں تین پھر اقرار کیا

لَهَا بِدَيْنٍ وَمَاتَ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّيْنِ وَمِنْ مِّيْرَاثِهَا مِنْهُ وَمَنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ يُّوْلَدُ مِثْلُهٗ

اس کے لئے دین کا اور مر گیا تو عورت کے لئے دین اور اس کی میراث سے کمتر ہوگا' جس نے اقرار کیا کسی ایسے لڑکے کی بابت کہ اس جیسا

لِمِثْلِهٖ وَلَيْسَ لَهٗ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ اَنَّهُ ابْنُهٗ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مَرِيْضًا

اس کے یہاں پیدا ہوسکتا ہے اور اس کا کوئی نسب معلوم نہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا گو وہ بیمار ہو

وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيْرَاثِ وَيَجُوْزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالْوَلَدِ

اور ورثاء کے ساتھ شریک ہو گا میراث میں' جائز ہے اقرار کسی کی بابت ماں' باپ' بیوی' بچہ

وَالْمَوْلٰى وَيُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْاَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَلَا يُقْبَلُ اِقْرَارُهَا

اور آقا ہونے کا' قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار کسی کے متعلق ماں باپ' شوہر اور آقا ہونے کا اور قبول نہ ہو گا عورت کا اقرار کسی کی

بِالْوَلَدِ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقَهَا الزَّوْجُ فِيْ ذٰلِكَ وَتَشْهَدُ بِوِلَادَتِهَا قَابِلَةٌ وَمَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ

بابت بیٹا ہونے کا الا یہ کہ تصدیق کر دے شوہر اس کی اور گواہی دے دایہ اس کی پیدائش کی' جو اقرار کرے والدین

مِّنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ مِثْلَ الْاَخِ وَالْعَمِّ لَمْ يُقْبَلْ اِقْرَارُهٗ بِالنَّسَبِ فَاِنْ كَانَ

اور اولاد کے علاوہ نسب کا جیسے بھائی اور چچا کا تو اقرار قبول نہ ہوگا نسب کا پس اگر ہو

لَهٗ وَارِثٌ مَّعْرُوْفٌ قَرِيْبٌ اَوْ بَعِيْدٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهٗ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ

اس کا کوئی وارث معلوم قریبی یا بعیدی تو وہ میراث کا زیادہ مستحق ہو گا مقرلہ سے' ہاں اگر

لَهٗ وَارِثٌ اِسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهٗ مِيْرَاثَهٗ وَمَنْ مَّاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ

اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مقرلہ مستحق ہوگا اس کی میراث کا جس کا باپ مر گیا اور اس نے کسی کی بابت بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے بھائی

اَخِيْهِ مِنْهُ وَيُشَارِكُهٗ فِي الْمِيْرَاثِ

کا نسب ثابت نہ ہوگا اور میراث میں وہ اس کا شریک ہو جائے گا

تشریح الفقہ: قولہ و من اقر لاجنبی الخ مریض نے کسی اجنبی شخص کے لیے اقرار کیا پھر اس کی فرزندی کا مدعی ہو گیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اجنبی مجہول النسب ہو اور مقر کی تصدیق کرے اور تصدیق کرنے کی لیاقت رکھتا ہو (خلافا للشافعی فی الاصح و مالک اذالم یتہم) اور اگر مریض کسی اجنبیہ عورت کے لیے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کر لے تو اقرار صحیح رہے گا۔ امام زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ ہمارے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ دعویٰ نسب وقت علوق (ابتداء پیدائش) کی طرف مسند ہوتا ہے تو اپنے بیٹے کے لیے اقرار ہوا اور یہ جائز نہیں بخلاف زوجیت کے کہ وہ وقت تزوج کی طرف مسند ہوتی ہے تو اقرار اجنبیہ کے لیے ہوا اور یہ صحیح ہے۔

قولہ و من طلق الخ اگر کسی نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین بار طلاق بائن دے دی پھر اس کے لیے اقرار کیا تو میراث اور اقرار میں سے جو کمتر ہو وہ عورت کو ملے گا کیونکہ یہاں زوجین اقرار میں متہم ہو سکتے ہیں۔ بایں معنی کہ زمانہ عدت قائم ہے اور باب اقرار مسدود تو ممکن ہے۔ اس نے میراث سے زیادہ دلانے کے لیے طلاق پر اقدام کیا ہو اور کمتر مقدار میں تہمت کا امکان نہیں۔ لہذا اکمتر مقدار ثابت ہوگی۔

تنبیہہ طلاق بائن کی قید اس لیے لگائی کہ طلاق رجعی میں تو وہ اس کی زوجہ ہی رہتی ہے مگر حکم مذکور کے لیے یہ شرط ہے کہ مقر اثناء عدت میں مر گیا ہو۔ اگر عدت کے بعد مرا تو اقرار صحیح ہوگا اور یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اگر طلاق بلا طلب ہو تو عورت کو میراث ملے گی اور اس کے لیے اقرار صحیح نہ ہوگا۔

قولہ ومن اقر بغلام الخ مقر نے اقرار کیا کہ فلاں بچہ میرا بیٹا ہے تو مقر سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ نسب ان امور میں سے ہے جو خاص طور سے اسی کو لازم ہونے والے ہیں لیکن ثبوت نسب کے لیے چند شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اس جیسا بچہ اس کے یہاں پیدا ہو سکتا ہو تا کہ وہ ظاہر کے لحاظ سے جھوٹا قرار نہ پائے۔ دوم یہ کہ وہ بچہ مجہول النسب ہو اس واسطے کہ اگر وہ معروف النسب ہو تو کسی دوسرے سے اس کے نسب کا ثابت نہ ہونا ایک بدیہی بات ہے۔ سوم یہ کہ بچہ اس کی تصدیق بھی کر دے کہ میں اس کا بیٹا ہوں، جب ان شرطوں کی موجودگی میں اس کا نسب ثابت ہو گیا تو دیگر ورثہ کے ساتھ وہ بچہ بھی مقر کا وارث ہوگا اور میراث پائے گا۔

قولہ ویجوز اقرار الرجل الخ والدین، بیوی، بچہ اور آقا کا اقرار کرنا صحیح ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا والد یا والدہ یا بیٹا یا بی بی یا آزاد کرنے والا بتائے تو یہ صحیح ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے امر کا اقرار ہے جو خود اسی کو لازم ہونے والا ہے اور اس میں نسب کو کسی غیر کی طرف منسوب کرنا بھی نہیں ہے۔

قولہ ولایقبل اقرارھا الخ اگر کوئی عورت کسی بچہ کی بابت یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو جب تک اس کا شوہر اس کی تصدیق نہ کر دے اور کوئی دایہ اس کی شہادت نہ دے کہ یہ بچہ اسی کے یہاں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک عورت کا یہ اقرار مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس اقرار میں نسب کو دوسرے پر یعنی شوہر پر لاگو کرنا ہے کیونکہ نسب کا اصل تعلق مرد کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ عورت کے ساتھ، اس لیے شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔

قولہ ومن مات ابوہ الخ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بعینہٖ پہلے مسئلہ سے معلوم ہو چکا پس اس کا ذکر تکرار سے خالی نہیں مگر یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ پہلے مسئلہ میں مقر موروث ہے اور اس مسئلہ میں مقر وارث ہے اس لحاظ سے دونوں مسئلے جدا جدا ہیں گو عدم ثبوت نسب میں دونوں برابر ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

كِتَابُ الْإِجَارَةِ

کتاب اجارہ کے بیان میں

اَلْإِجَارَةُ	عَقْدٌ	عَلَى	الْمَنَافِعِ	بِعِوَضٍ	وَلَاتَصِحُّ	حَتّٰى	تَكُوْنَ	الْمَنَافِعُ
اجارہ عقد ہے		منافع پر		عوض کے ساتھ	اور صحیح نہیں ہے	یہاں تک	کہ ہوں	منافع

مَعْلُوْمَةً وَالْاُجْرَةُ مَعْلُوْمَةً

معلوم اور اجرت بھی معلوم ہو۔

تشریح الفقہ : قولہ والاجارۃ الخ لغۃً اجرۃ کا اسم ہے۔ اس مزدوری کو کہتے ہیں جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو اسی لیے اس کے ذریعہ دعاء دی جاتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں اعظم اللہ اجرک قہستانی میں ہے کہ اجارہ گو اصل میں اجر زید یا جر (بالضم) کا مصدر ہے بمعنی اجیر ہونا لیکن اس کا استعمال اکثر ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا۔ (رضی) بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے ان کے نزدیک آجر فاعل کے وزن پر ہے نہ کہ افعل کے وزن پر تو اسم فاعل مواجر آئے گا مگر صاحب اساس نے اسی کی تغلیط کی ہے اور کہا ہے کہ اسم فاعل موجر ہے نہ کہ مواجر۔ البتہ صاحب کشاف نے ''مقدمۃ الادب'' میں آجرہ الدار کو باب افعال و مفاعلت دونوں سے مانا ہے۔

اصطلاح میں اجارہ وہ عقد ہے جو بعوض معلوم منافع معلومہ پر واقع ہوتا ہے خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی جیسے منافع مثلاً مکان کی رہائش کو رکوب دابہ کے عوض میں دینا نیز عوض دین ہو جیسے مکیل وموزون اور عددی متقارب یا عین ہو جیسے دواب وثیاب وغیرہ پس ہبہ عاریہ اور نکاح اس سے خارج ہو گئے کیونکہ ان میں عوض کے ساتھ منافع کی استباحت ہوتی ہے نہ کہ ان کی تملیک۔

فائدہ ازروئے قیاس اجارہ ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے جو بوقت عقد موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کا وجود بعد میں ہوتا ہے اور آئندہ موجود ہونے والی شئے کی طرف تملیک کی اضافت صحیح نہیں لیکن قرآن وحدیث اس کی صحت کے شاہد ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان ارضعن لکم فاتوهن اجورهن' لو شئت لاتخذت علیه اجرا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔''[1] نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی کسی کو مزدوری پر لے تو چاہیے کہ اس کو اس کی مزدوری بتا دے''[2] ان کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں جن سے اجارہ کی صحت اور اس کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ اُجْرَةً فِي الْاِجَارَةِ وَالْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيْرُ
جو چیز ثمن ہو سکتی ہے بیع میں وہ اجرت ہو سکتی ہے اجارہ میں اور منافع کبھی معلوم

مَعْلُوْمَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِيْجَارِ الدُّوْرِ لِلسُّكْنٰى وَالْاَرَضِيْنَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ
ہو جاتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے اجرت پر لینا مکانوں کو رہائش کے لئے اور زمینوں کو کاشت کے لئے پس صحیح ہو گا عقد مدت

مَّعْلُوْمَةٍ اَیِّ مُدَّةٍ كَانَتْ وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْعَمَلِ وَالتَّسْمِيَةِ كَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلًا
معلومہ پر جو بھی مدت ہو اور کبھی معلوم ہو جاتے ہیں عمل اور تسمیہ کے ذریعہ جیسے کسی نے اجرت پر لیا ایک

عَلٰى صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِيَاطَةِ ثَوْبٍ اَوِ اسْتَاجَرَ دَابَّةً لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مَّعْلُوْمًا اِلٰى مَوْضِعٍ
شخص کو کپڑا رنگنے یا سینے کے لئے یا اجرت پر لیا چوپایہ کچھ بوجھ لادنے کے لئے ایک معلوم جگہ تک

مَّعْلُوْمٍ اَوْ يَرْكَبَهَا مَسَافَةً مَّعْلُوْمَةً وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّعْيِيْنِ وَالْاِشَارَةِ كَمَنْ
یا سوار ہونے کے لئے مسافت معلومہ تک اور کبھی معلوم ہو جاتے ہیں تعیین و اشارہ کرنے سے جیسے کسی نے

اِسْتَاجَرَ رَجُلًا لِيَنْقُلَ هٰذَا الطَّعَامَ اِلٰى مَوْضِعٍ مَّعْلُوْمٍ
اجرت پر لیا ایک مزدور تاکہ وہ لے جائے یہ غلہ فلاں جگہ تک

منافع معلوم ہونے کے تین طریقے

توضیح اللغۃ استیجار۔ اجارہ پر لینا' دور۔ جمع دار' گھر' سکنی۔ رہائش' ارضین جمع ارض' زراعۃ۔ کھیتی' صبغ۔ رنگنا' خیاطۃ۔ سینا۔

تشریح الفقہ قولہ والمنافع تارۃ الخ صحت اجارہ کے لیے مزدوری اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے' مزدوری کے معلوم ہونے

[1] ابن ماجہ عن ابن عمر' ابویعلی الموصلی' ابن عدی' ابونعیم (فی الحلیہ) عن ابی ہریرۃ' ابوعبداللہ الترمذی الحکیم (فی نوادر الاصول) عن انس' ابن زنجویہ (فی کتاب الاموال مرسلا عن یسار) طبرانی (فی الصغیر) عن جابر ۱۲۔ [2] عبدالرزاق محمد بن الحسن عن ابی ہریرۃ وابی سعید الخدری' ابن راہویہ' احمد' ابوداؤد (فی مراسیلہ) عن الخدری (علی غیر لفظہ) نسائی' ابن ابی شیبہ عن الخدری (موقوفا) ۱۲۔

میں تو کوئی خفا نہیں البتہ منفعت کے معلوم ہونیمیں قدرے خفا ہے اس لیے اس کو بیان کررہے ہیں سو منفعت معلوم ہو جانے کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ اس کی مدت بیان کر دی جائے کہ بیان مدت سے مقدار منفعت کا معلوم ہو جانا ایک لازمی بات ہے بشرطیکہ منفعت متفاوت نہ ہو مثلاً اجارۂ دار و اجارۂ ارض میں یہ بیان کر دینا کہ اتنی مدت تک رہائش یا کاشت کے لیے ہے تو مدت کم ہو یا زائد' جو بھی معین کی جائے اجارہ صحیح ہو جائے گا لیکن اوقاف میں تین سال سے زائد تک جائز نہیں۔

قوله بالعمل والتسمية الخ دوم یہ کہ اس عمل کو بیان کر دیا جائے جس کے لیے اجارہ مطلوب ہے جیسے کپڑے کی رنگائی' سلائی' جانور کی سواری یا بار برداری وغیرہ۔ بشرطیکہ یہ امور اس طرح بیان کر دیئے جائیں کہ بعد میں منازعت پیش نہ آئے مثلاً رنگائی میں کپڑے کو اور اس کے رنگ کو بیان کر دینا کہ سرخ مطلوب ہے یا زرد اسی طرح سلائی میں درخت کی قسم بیان کر دینا۔ وعلی ہذا القیاس۔

قوله بالتعيين الخ سوم یہ کہ اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ یہ چیز فلاں جگہ لے جاتی ہے کیونکہ جب اجیر نے اس چیز کو دیکھ لیا اور جگہ بھی سمجھ گیا تو منفعت معلوم ہو گئی لہذا عقد درست ہو جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَجُوْزُ اسْتِيْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنٰى وَاِنْ لَّمْ يُبَيِّنْ مَايَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهٗ اَنْ يَّعْمَلَ

جائز ہے مکانات اور دکانوں کو کرایہ پر لینا رہائش کے لئے گو بیان نہ کرے کام جو اس میں کرے گا اور وہ ہر کام

كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا الْحِدَادَةَ وَالْقِصَارَةَ وَالطَّحْنَ وَيَجُوْزُ اسْتِيْجَارُ الْاَرَاضِيْ لِلزِّرَاعَةِ وَلِلْمُسْتَاجِرِ

کر سکتا ہے مگر لوہار کا' دھوبی کا' اور پسائی کا کام نہیں کر سکتا' جائز ہے زمینوں کو کرایہ پر لینا کاشت کے لئے اور مستاجر کے لئے

الشِّرْبُ وَالطَّرِيْقُ وَاِنْ لَّمْ يَشْتَرِطْ وَلَايَصِحُّ الْعَقْدُ حَتّٰى يُسَمّٰى مَايَزْرَعُ فِيْهَا اَوْيَقُوْلَ عَلٰى

ہو گی پانی کی باری اور راستہ گو اس کی شرط نہ ہو اور عقد صحیح نہ ہو گا یہاں تک کہ بیان کر دے وہ جس کی کاشت کرے گا یا کہہ دے کہ اس شرط پر

اَنْ يَّزْرَعَ فِيْهَا مَاشَاءَ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّسْتَاجِرَ السَّاعَةَ لِيَبْنِيَ فِيْهَا اَوْيَغْرِسَ فِيْهَا نَخْلًا اَوْشَجَرًا

کہ بوئے گا اس میں جو چاہے' جائز ہے تیز زمین کو کرایہ پر لینا عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے

فَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجَارَةِ لَزِمَهٗ اَنْ يَّقْلَعَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَيُسَلِّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَّخْتَارَ

جب اجارہ کی مدت گزر جائے گی تو ضروری ہوگا اس کے لئے یہ کہ اکھاڑ لے عمارت اور درخت اور حوالے کر دے زمین خالی مگر یہ کہ اختیار کرے

صَاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ يَّغْرَمَ لَهٗ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَقْلُوْعًا وَيَتَمَلَّكُهٗ اَوْيَرْضٰى بِتَرْكِهٖ عَلٰى حَالِهٖ

زمین والا اکھڑے ہوئے کی قیمت دے کر مالک ہو جانا یا راضی ہو جائے اس کو علی حالہ چھوڑنے پر

فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَالْاَرْضُ لِهٰذَا وَيَجُوْزُ اسْتِيْجَارُ الدَّوَابِّ لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ فَاِنْ

پس عمارت اس کی ہو گی اور زمین اس کی جائز ہے چو پاؤں کو کرایہ پر لینا سوار ہونے یا بوجھ لادنے کے لئے پس

اَطْلَقَ الرُّكُوْبَ جَازَلَهٗ اَنْ يُّرْكِبَهَا مَنْ شَاءَ وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَاجَرَ ثَوْبًا لِلُّبْسِ وَّاَطْلَقَ

اگر مطلق رکھا سوار ہونے کو تو سوار کر سکتا ہے جس کو چاہے اسی طرح اگر کپڑا اجرت پر لیا پہننے کے لئے اور پہننے کو مطلق

فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلٰى اَنْ يَّرْكَبَهَا فُلَانٌ اَوْيَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلَانٌ فَاَرْكَبَهَا غَيْرَهٗ اَوْاَلْبَسَهٗ غَيْرَهٗ

رکھا اگر کہا اس شرط پر کہ فلاں سوار ہو گا یا فلاں پہنے گا پھر کسی اور کو سوار کر لیا یا پہنایا

كَانَ ضَامِنًا اِنْ عَطِبَتِ الدَّابَّةُ اَوْتَلِفَ الثَّوْبُ وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَايَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ

تو ضامن ہو گا اگر ہلاک ہو گیا چوپایہ یا کپڑا اسی طرح ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف

فَامّا الْعِقَارُوَمَالَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَاِنْ شَرَطَ سُكْنٰى وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ فَلَهٗ اَنْ
ہو جاتی ہے۔ رہی زمین اور وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتی تو اگر کسی خاص آدمی کی رہائش کی شرط کی ہو تب بھی

يُسْكِنَ غَيْرَهٗ وَاِنْ سَمّٰى نَوْعًا وَّقَدْرًا يَّحْمِلُهٗ عَلَى الدَّابَّةِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ خَمْسَةَ اَقْفِزَةٍ حِنْطَةٍ
دوسرے کو بسا سکتا ہے اگر معین کر دی نوع اور مقدار جو لادے گا جانور پر مثلاً کہا گیہوں کے پانچ قفیز

فَلَهٗ اَنْ يَّحْمِلَ مَاهُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِي الضَّرَرِ اَوْاَقَلَّ كَالشَّعِيْرِ وَالسِّمْسِمِ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْمِلَ
تو وہ لاد سکتا ہے ایسی چیز جو گیہوں جیسی ہو مشقت میں یا اس سے کم ہو جیسے جو اور تل اورایسی چیز نہیں لاد سکتا

مَاهُوَاَضَرُّمِنَ الْحِنْطَةِ كَالْمِلْحِ وَالْحَدِيْدِ وَالرَّصَاصِ فَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا
جو گیہوں سے زیادہ تکلیف دہ ہو جیسے نمک لوہا سیسہ اگر کرایہ پر لیا معین

قُطْنًا سَمَّاهُ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِهٖ حَدِيْدًا
روئی لادنے کے لئے ۔ تو اس پر روئی کے ہم وزن لوہا نہیں لاد سکتا

وَاِنِ اسْتَاجَرَ هَا لِيَرْكَبَهَافَاَرْدَفَ مَعَهٗ رَجُلًا اٰخَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيْمَتِهَا اِنْ كَانَتِ
اگر کرایہ پر لیا چوپایہ سواری کے لئے اور اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کر لیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو نصف قیمت کا ضامن ہو گا اگر

الدَّابَّةُ تُطِيْقُهُمَا وَلَايُعْتَبَرُ بِالثِّقْلِ وَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مِّنَ الْحِنْطَةِ فَحَمَلَ
چوپایہ ان دونوں کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہ ہوگا اگر کرایہ پر لیا گیہوں کی ایک مقدار لادنے کے لئے پھر اس سے

عَلَيْهَا اَكْثَرَمِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَازَادَ مِنَ الثِّقْلِ وَاِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلَجَامِهَا اَوْضَرَبَهَا
زیادہ لادا اور وہ ہلاک ہو گیا تو زائد بوجھ کا ضامن ہو گا اگر کھینچا چوپایہ لگام سے یا اس کو مارا

فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَضْمَنُ
اور وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہو گا امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ ضامن نہ ہوگا

اجارہ کی وہ صورتیں جو جائز ہیں

توضیح اللغۃ: حوانیت ۔جمع حانوت' دکان' حدادۃ ۔ آہنگری' قصارۃ ۔ دھوبی کا پیشہ' طحن (ف) پیسنا ۔ اراضی جمع ارض' زراعۃ ۔ کاشت کاری' شرب ۔ پانی کا حق' ساحۃ ۔ چوک' میدان' یغرس (ض) غرسا ۔ پودہ لگانا' یقلع (ف) قلعا ۔ اکھیڑنا' فارغۃ ۔ خالی' یغرم (س) غرما ۔ قرض وغیرہ ادا کرنا' مقلوع ۔ اکھڑا ہوا' دواب ۔ جمع دابۃ' سواری کا جانور' حمل ۔ بوجھ اٹھانا' عطبت (س) عطبا ۔ ہلاک ہونا' تلف (س) تلفا ۔ برباد ہونا' عقار ۔ جائیداد' اقفزۃ ۔ جمع قفیز' حنطۃ ۔ گیہوں' شعیر ۔ جو' سمسم ۔ تل' ملح ۔ نمک' حدید ۔ لوہا' رصاص ۔ سیسہ' قطن ۔ روئی' اردف ۔ اپنے پیچھے سوار کرنا ثقل ۔ بوجھ' کبح (ف) کبحا ۔ چوپائے کو لگام کھینچ کر ٹھہرانا' لجام ۔ لگام ۔

تشریح الفقہ: ویجوز استیجار الدور الخ مکان ودکان کا اجارہ صحیح ہے گو وہ کام بیان نہ کرے جو اس میں کیا جائے گا مگر یہ استحسانا ہے' از روئے قیاس جائز نہیں ۔ کیونکہ معقود علیہ مجہول ہے ۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ان میں عمل متعارف رہائش ہے جو اختلاف عامل سے مختلف نہیں ہوتی اور امر متعارف مشروط کے مانند ہے' اب مستاجر جو کام چاہے کر سکتا ہے کیونکہ عقد مطلق ہے' ہاں لوہار' دھوبی وغیرہ کو نہیں ٹھہرا سکتا ۔ کیونکہ ان کاموں سے

عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

قولہ وان مضت الخ زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لیے کرائے پر لینا درست ہے' اب مدت اجارہ تمام ہو جانے کے بعد مستاجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر خالی زمین مالک کے حوالے کرے گا اور اگر مالک ٹوٹی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دینے پر راضی ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے پس قیمت دینے کے بعد وہ عمارت اور درختوں کا مالک ہو جائے گا اور اگر مالک عمارت اور درختوں کو اپنی زمین پر رہنے دے تو یہ بھی جائز ہے' اس صورت میں زمین مالک کی رہے گی اور عمارت اور درخت مستاجر کے رہیں گے۔

قولہ وان سمی نوعًا الخ کسی نے جانور کرایہ پر لیا اور اس پر جو بوجھ لادے گا اس کی نوع اور مقدار بیان کر دی مثلاً یہ کہ دو من گیہوں لادے گا تو وہ گیہوں جیسی اور کوئی چیز مثلاً دو من جو لاد سکتا ہے یا جو چیزیں اس سے ہلکی ہو جیسے تل وغیرہ لیکن جو گیہوں سے زیادہ نقصان دہ ہو وہ نہیں لاد سکتا۔ جیسے لوہا' نمک وغیرہ۔ کیونکہ مؤجر اس سے راضی نہیں ہے۔

قولہ وان کبح الخ اگر مستاجر کے لگام کھینچنے یا مارنے سے سواری ہلاک ہو گئی تو امام صاحب کے نزدیک اس پر کل قیمت کا تاوان آئے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تاوان اس وقت ہو گا جب فعل مذکور دستور عرف کے خلاف ہو' فتویٰ اسی پر ہے۔ (درمختار) اسی کی طرف امام صاحب کا رجوع منقول ہے (غایۃ بحوالہ تتمہ)

وَالْاُجَرَاءُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَجِیْرٌ مُشْتَرَکٌ وَّاَجِیْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَکُ مَنْ لَّایَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حَتّٰی یَعْمَلَ
اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص' اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ کام

کَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ وَالْمَتَاعُ اَمَانَةٌ فِیْ یَدِهٖ اِنْ هَلَکَ لَمْ یَضْمَنْ شَیْئًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
کر دے جیسے رنگریز' دھوبی' اس کے پاس سامان امانت ہوتا ہے اگر ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہو گا امام صاحب کے نزدیک

وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَضْمَنُهٗ وَمَا تَلَفَ بِعَمَلِهٖ کَتَخْرِیْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ
صاحبین کے یہاں ضامن ہو گا جو اس کے عمل سے تلف ہو جائے جیسے کپڑے کو پھاڑ دینا' مزدور کا پھسل جانا' اس رسی کا ٹوٹ جانا

الَّذِیْ یَشُدُّ بِهِ الْمُکَارِیْ الْحِمْلَ وَ غَرَقِ السَّفِیْنَةِ مِنْ مَدِّهَا مَضْمُوْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَایَضْمَنُ بِهٖ بَنِیْ اٰدَمَ فَمَنْ غَرِقَ
جس سے کرایہ پر دینے والا بوجھ باندھتا ہے کشتی کا ڈوب جانا اس کے کھینچنے سے کہ یہ سب مضمون ہے مگر آدمی کا ضامن نہ ہو گا پس جو غرق ہو گیا

فِی السَّفِیْنَةِ اَوْسَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ لَمْ یَضْمَنْهُ وَاِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ اَوْبَزَغَ الْبَزَّاغُ وَلَمْ یَتَجَاوَزِ الْمَوْضِعَ
کشتی ڈوبنے سے یا گر گیا سواری سے تو اس کا ضامن نہ ہو گا جب فصاد نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور نہیں بڑھا معتاد

الْمُعْتَادَ فَلَاضَمَانَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا عَطِبَ مِنْ ذٰلِکَ وَاِنْ تَجَاوَزَهٗ ضَمِنَ وَالْاَجِیْرُالْخَاصُّ هُوَالَّذِیْ یَسْتَحِقُّ
جگہ سے تو ان پر ضمان نہیں ان کا جو اس سے ہلاک ہو جائے اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضامن ہو گا' اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق ہو جاتا

الْاِجَارَةُ بِتَسْلِیْمِ نَفْسِهٖ فِی الْمُدَّةِ وَاِنْ لَّمْ یَعْمَلْ کَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلًا شَهْرًا لِّلْخِدْمَةِ اَوْلِرَعْیِ الْغَنَمِ وَلَا
ہے خود کو حاضر کر دینے سے مدت میں گو ابھی کام نہ کیا ہو جیسے مزدوری پر لیا کسی کو ایک ماہ خدمت کے لئے یا بکریاں چرانے کے لئے اور

ضَمَانَ عَلَی الْاَجِیْرِ الْخَاصِّ فِیْمَا تَلَفَ فِیْ یَدِهٖ وَلَافِیْمَا تَلَفَ مِنْ عَمَلِهٖ اِلَّا اَنْ یَّتَعَدّٰی فَیَضْمَنَ وَ
ضمان نہیں ہوتا اجیر خاص پر اس کا جو تلف ہو جائے اس کے پاس نہ اس کا جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے کہ ضامن ہو گا

الْاِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوْطُ کَمَا تُفْسِدُالْبَیْعَ وَمَنِ اسْتَاجَرَ عَبْدًالِّلْخِدْمَةِ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یُّسَافِرَبِهٖ
اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسے وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو' جس نے اجرت پر لیا غلام خدمت کے لئے تو اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا

اَلا اَنْ يُّشْتَرِطَ عَلَيْهِ ذٰلِکَ فِي الْعَقْدِ وَمَنِ اسْتَاجَرَ جَمَلًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمَلًا وَرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ جَازَ
الا یہ کہ شرط کرے اس کی عقد میں جس نے اجرت پر لیا اونٹ تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے مکہ تک تو جائز ہے

وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ وَاِنْ شَاهَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمَلَ فَهُوَاَجْوَدُ وَاِنِ اسْتَاجَرَ بَعِيْرًالِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَارًا
اور وہ معتاد کجاوہ رکھ سکتا ہے اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اور اچھا ہے اگر اجرت پر لیا اونٹ توشہ کی ایک مقدار اٹھانے

مِنَ الزَّادِ فَاَكَلَ مِنْهُ فِي الطَّرِيْقِ جَازَلَهُ اَنْ يَّرُدَّ عِوَضَ مَااَكَلَ
کے لئے پھر کچھ توشہ کھا لیا راہ میں تو جائز ہے اس کے لئے یہ کہ اتنا اور رکھ لے جتنا کھایا ہے

اجیر مشترک واجیر خاص کا بیان

توضیح اللغۃ: اجراء۔ جمع اجیر' مزدور' صباغ۔ رنگریز' قصار۔ دھوبی' متاع۔ سامان' تخریق۔ پھاڑنا' دق۔ کوٹنا' زلق۔ پھسلنا' حمال۔ باربردار' حبل۔ رسی' مکاری۔ جانوروں کو کرایہ پر دینے والا' احمل۔ بوجھ' سفینہ۔ کشتی' مد۔ کھینچنا' فصاد۔ فصد کھولنے والا' بزاغ۔ بیطار' نشتر لگانے والا' رعی۔ چرانا' جمل۔ اونٹ ہودہ' جمال۔ اونٹ والا' بعیر۔ اونٹ' زاد۔ توشہ۔

تشریح الفقہ: قولہ والاجراء الخ اجیر کی جمع ہے۔ اجیر بقول امام مطرزی فعیل کے وزن پر ہے بمعنی مفاعل جیسے جلیس اور ندیم' اس کی دو قسمیں ہیں۔ اجیر مشترک' اجیر خاص۔ اجیر مشترک وہ ہے جو عمل کے بعد مستحق اجرت ہو' خواہ چند شخصوں کا کام کرتا ہو جیسے رنگریز اور دھوبی وغیرہ یا کسی ایک ہی کا کام کرتا ہو بلا تعیین وقت یا بتعیین وقت لیکن بلا تخصیص عمل مستاجر' یہ چونکہ عام لوگوں کا کام کر سکتا ہے اس لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

قولہ والمتاع امانۃ الخ اجیر مشترک کے پاس جو مال ومتاع ہو وہ امانت ہوتا ہے پس اگر وہ بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو امام صاحب' زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک اس کا ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین' امام مالک اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا الا یہ کہ شئے کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو جیسے اس کا اپنی موت مر جانا' یا آگ لگ جانا وغیرہ کیونکہ حضرت علیؓ ضائغ وصباغ (زرگر ورنگریز) سے ضمان لیتے تھے۔ (بیہقی) امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے پاس شئی امانت ہے کیونکہ اس کو مستاجر کی اجازت سے قبضہ حاصل ہوا ہے اور امانت میں ضمان نہیں ہوتا' ویؤ یدہ مارواہ الدار قطنی۔ لاضمان علی مؤتمن۔

قولہ ماتلف بعملہ الخ جو چیز اجیر مشترک کے عمل سے تلف ہو جائے جیسے دھوبی کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے یا مزدور کے پھسلنے سے یا جس رسی سے بوجھ بندھا ہوا تھا اس کے ٹوٹنے سے مال ضائع ہو جائے یا ملاح کے بے قاعدہ کھینچنے سے کشتی ڈوب جائے اور مال غرق ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا۔ امام زفر وامام شافعی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا عمل مالک کی مطلق اجازت سے واقع ہوا ہے پس معیب وسلیم ہر دو کو شامل ہوگا' ہم یہ کہتے ہیں کہ تحت الاذن وہی عمل داخل ہے' جو تحت العقد داخل ہے اور وہ عمل صالح ہے نہ کہ عمل مفسد البتہ اگر کشتی کے ڈوبنے یا سواری سے گر جانے کی بناء پر کوئی آدمی مر جائے تو وہ اس کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس میں آدمی کا ضمان ہے اور آدمی کا ضمان عقد سے واجب نہیں ہوتا بلکہ جنایت کرنے سے واجب ہوتا ہے۔

قولہ والاجیر الخاص الخ اجیر خاص جس کا دوسرا نام اجیر واحد ہے' اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے یہ خود کو مدت عقد میں پیش کر دینے سے ہی اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ اس سے مالک نے کام لیا ہو یا نہ لیا ہو جیسے وہ شخص جس کو ایک ماہ

تک خدمت کے لیے یا بکریاں چرانے کے لیے نوکر رکھا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے پاس سے یا اس کے عمل سے شئی ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا' الا یہ کہ تعدی کرے۔

قولہ والاجارة تفسدھا الخ اجارہ چونکہ بمنزلہ بیع کے ہے اس لیے جن شرطوں سے بیع فاسد ہو جاتی ہے ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا جیسے یہ شرط لگانا کہ اگر مکان منہدم ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تب بھی اجرت لازم ہوگی اسی طرح شئی ماجور یا اجرت یا مدت یا عمل کا مجہول ہونا وغیرہ۔

قولہ ومن استاجر عبداً الخ جس غلام کو خدمت کے لیے نوکر رکھا ہو اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا کیونکہ حضر کے لحاظ سے سفر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے پس مطلق عقد اس کو شامل نہ ہوا' ہاں اگر عقد میں یہ شرط ہو تو اور بات ہے۔

قولہ ومن استاجر جملاً الخ کسی نے مکہ تک ایک اونٹ کجاوہ لادنے اور دو آدمی سوار ہونے کے لیے اجرت پر لیا تو یہ قیاساً جائز نہیں۔ امام شافعی اسی کے قائل ہیں کیونکہ طول وعرض' ثقل وخفت ہر اعتبار سے معقود علیہ مجہول ہے مگر استحساناً صحیح ہے کیونکہ یہ جہالت محمل معتاد پر محمول کرنے سے دور ہو سکتی ہے۔

وَالْاُجْرَةُ لَاتَجِبُ بِالْعَقْدِ وَتَسْتَحِقُّ بِاَحَدِثَلٰثَةِ مَعَانٍ اِمَّا بِشَرْطِ التَّعْجِيْلِ اَوْبِالتَّعْجِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ

اجرت واجب نہیں ہوتی عقد سے بلکہ مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے پیشگی کی شرط سے یا بلاشرط پیشگی دینے سے

اَوْبِاسْتِيْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ وَمَنِ اسْتَاجَرَدَارًافَلِلْمُوجِرانَ يُطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ اِلَّااَنْ يُبَيِّنَ

یا معقود علیہ کے حاصل کر لینے سے جس نے کرایہ پر لیا مکان تو موجر کے لئے حق ہے ہر روز کی اجرت طلب کرنے کا مگر یہ کہ بیان

وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِى الْعَقْدِ وَمَنِ اسْتَاجَرَ بَعِيْرًا اِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ اَنْ يُطَالِبَهٗ بِاُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ

کر دے استحقاق کا وقت عقد میں جس نے کرایہ پر لیا اونٹ مکہ تک تو اونٹ والا طلب کر سکتا ہے ہر منزل کا کرایہ

وَلَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ اَنْ يُّطَالِبَ بِالْاُجْرَةِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ وَ

اور دھوبی اور درزی کے لئے اجرت کے مطالبہ کا حق نہیں یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے مگر یہ کہ شرط کرلے پیشگی کی

مَنِ اسْتَاجَرَ خَبَّازًا لِّيَخْبِزَلَهٗ فِىْ بَيْتِهٖ قَفِيْزَ دَقِيْقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يُخْرِجَ الْخُبْزَ

جس نے اجرت پر لیا نان پز کو اپنے گھر روٹی پکانے کے لئے ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ نکال دے روٹی

مِنَ التَّنُّوْرِ وَمَنِ اسْتَاجَرَطَبَّاخًا لِّيَطْبَخَ لَهٗ طَعَامًا لِّلْوَلِيْمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ وَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلًا

تنور سے جس نے اجرت پر لیا باورچی ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے تو برتن میں اتارنا اسی کے ذمہ ہے جس نے اجرت پر لیا کسی

لِّيَضْرِبَ لَهٗ لَبِنًا اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ اِذَا اَقَامَهٗ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ

کو اینٹیں بنانے کے لئے تو مستحق ہوگا اجرت کا جب ان کو کھڑی کر دے امام صاحب کے نزدیک صاحبین

وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَسْتَحِقُّهَا حَتّٰى يُشَرِّجَهٗ

فرماتے ہیں کہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ ان کا چٹا لگا دے۔

استحقاق اجرت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ والاجرۃ الخ ہمارے یہاں نفس عقد کے ذریعہ اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا۔ (امام شافعی کے یہاں ہو جاتا ہے) کیونکہ حکم عقد وجود منفعت کیبعد ظاہر ہوتا ہے اور اجارہ میں بوقت عقد منفعت موجود نہیں ہوتی بلکہ اجرت کا استحقاق چند امور میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے۔ ۱۔ اجرت پیشگی لینے کی شرط ہو۔ ۲۔ مستاجر از خود اجرت پیشگی دے دے کیونکہ نفس عقد سے ثبوت ملک کا امتناع تحقق مساوات کے لیے تھا اور جب اس نے پیشگی دے دی یا پیشگی دینے کی شرط منظور کر لی تو مساوات جو اس کا حق تھا اس کو اس نے خود ہی باطل کر دیا۔ ۳۔ استیفاء معقود علیہ یعنی مستاجر کا پوری منفعت حاصل کر لینا' کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور ان دونوں میں مساوات متحقق ہو چکی تو اجرت واجب ہو جائے گی۔

قولہ ومن استاجر دار الخ اگر عقد اجارہ میں تعجیل یا تاخیر کی قید نہ ہو تو مؤجر ہر روز مکان کے کرایہ کا اور اونٹ والا ہر مرحلہ پر طلب اجرت کا حق دار ہے کیونکہ ہر روز کی رہائش اور ہر روز کی مسافت طے کرنا داخل مقصود ہے اور مستاجر اتنی منفعت حاصل کر چکا لیکن دھوبی کپڑا دھو چکنے' درزی سی چکنے' نان پز تنور سے روٹی اور باورچی دیگ سے سالن پیالوں میں نکال چکنے' خشت ساز اینٹیں کھڑی کر چکنے کے بعد ہی مطالبہ کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا عمل عرفاً ان امور کے بعد ہی پورا ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک خشت ساز کے لیے تہ بتہ جما کر چٹا لگانا بھی ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ فعل زائد ہے۔

وَاِذَاقَالَ لِلْخَيَّاطِ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَّاِنْ خِطْتَهٗ رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ
کسی نے درزی سے کہا کہ اگر یہ کپڑا فارسی طرز پر سیئے تو ایک درہم میں ہوگا اور رومی طرز پر سیئے تو دو درہم میں ہوگا

جَازَوَاَیُّ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ وَاِنْ قَالَ اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَّاِنْ خِطْتَهٗ
تو یہ جائز ہے اب جونسا کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہو گا اگر کہا کہ اگر آج سے تو ایک درہم میں ہو گا اور کل سے

غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهٗ الْيَوْمَ فَلَهٗ دِرْهَمٌ وَّاِنْ خَاطَهٗ غَدًا فَلَهٗ اُجْرَةُ مِثْلِهٖ
تو نصف درہم میں ہو گا پس اگر آج ہی سی دیا تو ایک درہم ہو گا اور کل سیا تو اجرت مثل ہو گی

عِنْدَاَبِیْ حنیفة وَلَا يَتَجَاوَزُبِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَّقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
امام صاحب کے نزدیک جو نہیں بڑھے گی نصف درہم سے صاحبین فرماتے ہیں

اَلشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَاَيُّهُمَا عَمِلَ اسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ وَاِنْ قَالَ اِنْ سَكَنْتَ فِیْ هٰذَاالدُّكَّانِ
کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جونسا کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہو گا اگر کہا کہ اس دکان میں

عَطَّارًافَبِدِرْهَمٍ فِی الشَّهْرِوَاِنْ سَكَنْتَهٗ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَوَاَیُّ الْاَمْرَيْنِ فَعَلَ
عطار کو ٹھہرایا تو ماہانہ ایک درہم ہو گا اور لوہار کو ٹھہرایا تو دو درہم ہوں گے تو یہ جائز ہے ان میں سے جو کرے گا

اسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰى فِيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَلْاِجَارَةُ فَاسِدَةٌ
اسی کی اجرت کا مستحق ہو گا امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ واذا قال للخیاط الخ عمل میں تردد کے ساتھ اجرت کی تردید صحیح ہے۔ مثلاً درزی سے متاجر کہے کہ اگر تو قباء فارسیوں کے طرز پر سیئے تو اجرت ایک درہم ہوگی اور رومیوں کے طرز پر سیئے تو دو درہم ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ معقود علیہ فی الحال مجہول ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے دو مختلف اور صحیح عقدوں کے درمیان اختیار دیا ہے اور اجرت عمل سے ثابت ہوتی ہے تو عمل کے وقت اجرت متعین ہو جائے گی پس وہ جیسی سیئے گا ویسی ہی اجرت پائے گا' اسی طرح تردید وقت سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے جیسے متاجر یوں کہے کہ اگر تو آج ہی سی دے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے تو نصف درہم اب اگر وہ آج ہی سی دے تو ایک درہم ملے گا اور اگر کل سیئے تو امام صاحب کے نزدیک اجرت مثل ملے گی نہ کہ اجر مسمی لیکن اجرت مثل نصف درہم سے زیادہ نہ دی جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مسمی ملے گا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ کیونکہ خیاطت شئے واحد ہے جس کے مقابلہ میں دو بدل بطریق بدلیت ذکر کئے گئے ہیں تو بدل مجہول ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ذکر یوم برائے تعجیل ہے اور ذکر غد برائے توسع تو ہر دن میں دو تسمیے جمع ہو گئے لہذا عقد باطل ہوگا۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ ذکر یوم برائے توقیت ہے اور ذکر غد برائے تعلیق پس ہر دن میں دو تسمیے جمع نہ ہوئے لہذا عقد صحیح ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ذکر عقد حقیقۃ تعلیق کے لیے ہے اور ذکر یوم کی توقیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ وقت اور عمل کے اجتماع کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا پس کل کے دن میں دو تسمیے جمع ہوئے نہ کہ آج کے دن میں تو شرط اول صحیح ہوگی اور اجر مسمی واجب ہوگا اور شرط ثانی فاسد ہوگی اور اجرت مثلی واجب ہوگی۔

قولہ ان سکنت فی هذاالدکان الخ مکان و عامل' مسافت اور بوجھ میں تردید کرنے سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر اس دکان میں عطار کو رکھے گا تو کرایہ ایک درہم ہوگا اور لوہار کو رکھے گا تو دو درہم ہوں گے اس جانور کو کوفہ تک لے جائے گا تو یہ کرایہ ہوگا اور واسط تک لے جائے گا تو یہ ہوگا' اس پر گیہوں لادے گا تو اجرت یہ ہوگی اور نمک لادے گا تو یہ ہوگی ان تردیدات میں سے جو چیز پائی جائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک اس کی اجرت واجب ہوگی۔ وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ صاحبین' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد ہی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ معقود علیہ ایک ہے اور اجرتیں دو ہیں اور مختلف ہیں[1]۔

وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ فَالْعَقْدُ صَحِيْحٌ فِیْ شَهْرٍ وَّاحِدٍ وَفَاسِدٌ فِیْ بَقِيَّةِ

جس نے کرایہ پر لیا مکان ماہانہ ایک درہم میں تو عقد صرف ایک ماہ میں صحیح ہو گا باقی مہینوں میں فاسد ہو گا

الشُّهُوْرِ اِلَّا اَنْ يُّسَمِّیَ جُمْلَةَ الشُّهُوْرِ مَعْلُوْمَةً فَاِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِّنَ الشَّهْرِ الثَّانِیْ صَحَّ الْعَقْدُ

مگر یہ کہ مہینے متعین کر کے بتا دے اب اگر ٹھہر گیا متاجر دوسرے مہینہ میں ایک ساعت تو اس میں بھی عقد

فِيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لِّلْمُوْجِرِ اَنْ يُّخْرِجَهٗ اِلٰی اَنْ يَّنْقَضِیَ الشَّهْرُ وَكَذٰلِكَ حُكْمُ كُلِّ شَهْرٍ يَّسْكُنُ فِیْ

صحیح ہو جائے گا موجر اس کو نکال نہیں سکتا یہاں تک کہ مہینہ گذر جائے یہی حکم ہے ہر اس مہینے کا جس کے شروع

اَوَّلِهٖ يَوْمًا اَوْ سَاعَةً وَّاِذَا اسْتَاجَرَ دَارًا شَهْرًا بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيْهِ اُجْرَةُ الشَّهْرِ

میں ٹھہر جائے ایک دن یا ایک ساعت' جب کرایہ پر لیا مکان ایک ماہ کے لئے ایک درہم میں اور ٹھہر گیا دو ماہ تو اس پر پہلے مہینہ کا کرایہ ہو گا

---

[1] بخلاف الخياطة الرومية والفارسية لان الاجريجب بالعمل و عنده يرتفع الجهالة امانی هذه المسائل يجب الاجر بالتزخلية و التسليم فيبقى الجهالة ١٢۔

اَلاَوَّلِ وَلا شَئی عَلَیْهِ مِن الشَّهْرِ الثَّانِیْ وَاِذَا اسْتَاجَرَدَارًاسَنَةً بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ جَازَوَاِنْ

دوسرے مہینہ کا کچھ کرایہ نہ ہو گا جب کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لئے دس درہم میں تو یہ جائز ہے اگرچہ

لَمْ یُسَمِّ قِسطَ کُلِّ شَهْرٍ مِّنَ الْاُجْرَةِ

ماہانہ اجرت کی قسط بیان نہ کرے

اجارہ مکان کے احکام

تشریح الفقہ : قولہ ومن استاجر دار الخ ایک شخص نے ایک مکان ایک درہم ماہوار کرایہ پر دیا تو اجارہ صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں میں فاسد کیونکہ جب کلمہ کل ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی کوئی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر رہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرف منصرف ہوتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہینہ میں صحیح ہوگا پھر جس مہینہ کے شروع میں مستاجر تھوڑی دیر ٹھہرے گا اس میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ ٹھہرنے کی وجہ سے دونوں کی رضامندی پائی گئی ہاں اگر وہ کل مہینے بیان کردے تو سب میں صحیح ہوگا کیونکہ کل مدت معلوم ہو گئی۔ اس طرح اگر سال بھر کے لیے کرایہ پر لے اور سال بھر کا کرایہ ذکر کرے۔ ہر مہینہ کا کرایہ ذکر نہ کرے تب بھی صحیح ہوگا کیونکہ ہر ماہ کی قسط بیان کیے بغیر بھی مدت معلوم ہوگئی۔

وَیَجُوْزُ اَخْذُاُجرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ وَلَا یَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ عَسْبِ التَّیْسِ وَلا یَجُوْزُ الْاِسْتِیْجَارُ

جائز ہے حمام اور پچھنے لگانے کی اجرت لینا اور جائز نہیں نر کو مادین پر کودوانے کی اجرت لینا' جائز نہیں اجرت لینا

عَلَی الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَ تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْحَجِّ وَلا یَجُوْزُالْاِسْتِیْجَارُ عَلَی الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَلَایَجُوْزُ

اذان' تکبیر تعلیم قرآن اور حج پر جائز نہیں اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر جائز نہیں

اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَاَبِیْحَنِیْفَةَ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ وَیَجُوْزُ اسْتِیْجَارُ الظِّئْرِ

مشترک چیز کا اجارہ امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے جائز ہے انا کو اجرت پر

بِاُجْرَةٍ مَّعْلُوْمَةٍ وَّیَجُوْزُ بِطَعَامِهَا وَکِسْوَتِهَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَیْسَ لِلْمُسْتَاجِرِاَنْ

لینا اجرت معلومہ اور اس کی خوراک پوشاک کے عوض امام صاحب کے نزدیک اور حق نہیں مستاجر کو اس کا

یَّمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَّطْئِهَا فَاِنْ حَبِلَتْ کَانَ لَهُمْ اَنْ یَّفْسَخُواالْاِجَارَةَ اِذَاخَافُوْا عَلَی الصَّبِیِّ مِنْ

کہ روکے اس کے شوہر کو صحبت کرنے سے اگر وہ حاملہ ہو جائے تو انہیں اجارہ فسخ کرنے کا حق ہے جب انہیں بچہ کے متعلق اندیشہ

لَبَنِهَا وَ عَلَیْهَا اَنْ تُصْلِحَ طَعَامَ الصَّبِیِّ وَاِنْ اَرْضَعَتْهُ فِی الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اُجْرَةَ لَهَا.

ہو اس کے دودھ سے' انا پر لازم ہے بچہ کی غذا کا درست کرنا' اگر اس نے مدت اجارہ میں بکری کا دودھ پلایا تو اسے اجرت نہیں ملے گی۔

وہ چیزیں جن کی اجرت لینا جائز یا ناجائز ہے

تشریح الفقہ : قولہ اخذ اجرة الحمام الخ تعامل ناس کی وجہ سے حمام کی اجرت لینا جائز ہے اور مدت کا مجہول ہونا ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے نیز حجام کی اجرت بھی اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام احمد کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے حجام کی اجرت کو خبیث فرمایا ہے[1]۔" ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو اس کی اجرت دی[2]۔ بخاری میں یہ بھی ہے کہ "اگر اسکی اجرت حرام ہوتی تو آپ نہ دیتے" رہی حدیث مذکور سو وہ یا تو منسوخ ہے یا کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ ابو ہریرہؓ حسن اور امام نخعی کراہت کے قائل ہیں۔

قولہ ویجوز اخذاجرۃ عسب الخ گابھن کرنے کے لیے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[3]۔

قولہ علی الاذان الخ اذان' حج' امامت' تذکیر' تدریس' تعلیم قرآن وفقہ غرض ہر وہ طاعت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ عطاء' ضحاک' زہری' حسن' ابن سیرین' طاؤس' نخعی' شعبی سب کا یہی قول ہے۔ امام احمد سے بھی یہی منصوص ہے۔ امام مالک کے یہاں امامت پر اجرت لینا جائز ہے جب کہ اس کے ساتھ اذان بھی ہو۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک ہر اس طاعت پر اجرت لینا جائز ہے جو اجیر پر متعین یعنی واجب عین نہ ہو کیونکہ روایت میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا نکاح تعلیم قرآن کے عوض میں کیا تھا پس جب تعلیم قرآن باب نکاح میں عوض ہو سکتی ہے تو باب اجارہ میں بھی ہو سکتی ہے نیز صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک لدیغ پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس پر کچھ بکریاں لیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "اصبتم اقتسموا واضربوالی معکم سھما۔" ہماری دلیل حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے' آپ نے فرمایا تو ان کا امام ہے۔ لیکن مؤذن اس شخص کو بنانا جو اذان پر اجرت نہ لے[4]۔" نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قرآن پڑھاؤ اور اس کی روٹی نہ کھاؤ[5]۔" حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا' ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیۃً ایک کمان دی میں نے خیال کیا کہ یہ مال نہیں ہے میں اس سے جہاد میں کام لوں گا۔ پھر اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو یہ چاہے کہ خداوند تعالیٰ تیری گردن میں آگ کا طوق ڈالے تو قبول کر لے[6]۔" اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادات و طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم قرآن پر نکاح کرنا' سو اس میں اس کی تصریح جائز نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے اس کے اکرام کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو جیسے آپ نے حضرت طلحہ کی شادی حضرت ام سلیم کے ساتھ ان کے اسلام پر کی تھی۔ حدیث خدریؓ کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے آپ نے اجرت لی تھی وہ کافر تھے اور کافر سے مال لینا جائز ہے نیز مہمان کا حق واجب ہے اور ان لوگوں نے ان کی مہمانداری نہیں کی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے "واللہ لقد استضفنا کم فلم تضیفونا" علاوہ ازیں جھاڑ پھونک قربت محضہ نہیں۔ **فجاز اخذالاجرۃ علیھا۔**

فائدہ اصول وادلہ کے لحاظ سے گو طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن آج کل فتویٰ اسی پر ہے کہ اذان' امامت' تعلیم قرآن وفقہ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ (روضہ' ذخیرہ۔ نہایہ۔ تبیین)۔

قولہ ولایجوز اجارۃ المشاع الخ امام صاحب کے نزدیک مشاع یعنی مشترک چیز کا اجارہ صحیح نہیں' سامان ہو یا غلہ وغیرہ' ہاں اگر ایک ہی شریک ہو تو اس سے صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک علی الاطلاق صحیح ہے۔ امام مالک و امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ اجارہ کا مدار منفعت پر

---

[1] مسلم عن رافع بن خدیج ۱۲ [2] صحیحین عن ابن عباس ۱۲)۔ [3] بخاری' ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن ابن عمر' بزار عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [4] سنن اربعہ' احمد' حاکم عن عثمان' بخاری عن المغیرہ ۱۲۔ [5] احمد' ابن راہویہ' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' ابویعلی' طبرانی عن عبدالرحمن بن شبل' بزار عن عبدالرحمن بن عوف' ابن عدی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [6] ابوداؤد' ابن ماجہ' حاکم عن عبادہ' ابن ماجہ' بیہقی عن ابی بن کعب ۱۲۔

ہےاور مشاع میں منفعت ہوتی ہے۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اجارہ کا مقصد عین شئی سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور یہ مشاع میں غیر متصور ہے کیونکہ تسلیم ممکن نہیں۔قولہ استیجار الظئر الخ دودھ پلانے والی عورت (انا) کو اجر معلوم کے ساتھ اجرت پر لینا جائز ہے۔**لقوله تعالیٰ'' فان ارضعن لکم**

فآتوهن اجورهن [1]'' نیز عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دستور بلانکیر جاری تھا اسی طرح خوراک پوشاک کے عوض اجرت پر لینا بھی جائز ہے۔صاحبین اور امام شافعی کے یہاں بمقتضائے قیاس جائز نہیں کیونکہ اجرت مجہول ہے۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ جہالت موجب منازعت نہیں کیونکہ بچہ کی محبت کی وجہ سے انا پر خوراک پوشاک میں کشائش کی عام عادت ہے پھر مستاجر انا کے خاوند کو وطی کرنے سے نہیں روک سکتا۔کیونکہ وطی اس کا حق ہے اب اگر انا حاملہ ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو سکتا ہے کیونکہ حاملہ کا دودھ بچہ کے لیے ضر ہوتا ہے۔

وَكُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌفِي الْعَيْنِ كَا لْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ فَلَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ عَمَلِهٖ

ہر وہ کاریگر جس کے فعل کا اثر ظاہر ہو شئی میں جیسے دھوبی اور رنگریز روک سکتا ہے شئی کو اپنے کام سے فارغ ہو کر

حَتّٰى يَسْتَوْفِي الْاُجْرَةَ وَمَنْ لَيْسَ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ لِلْاُجْرَةِ

یہاں تک کہ لے لے وہ اپنی اجرت' اور جس کے فعل کا اثر ظاہر نہ ہو شئی میں تو وہ انہیں روک سکتا ہے شئی کو اجرت کی وجہ سے

كَالْحَمَّالِ وَالْمَلَّاحِ وَاِذَااشْتَرَطَ عَلَى الصَّانِعِ اَنْ يَّعْمَلَ بِنَفْسِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَسْتَعْمِلَ غَيْرَهٗ وَاِنْ

جیسے بار بردار اور ناخدا جب شرط کر لی کاریگر سے کام خود کرنے کی تو جائز نہیں اس کے لئے یہ کہ دوسرے سے کرائے اور اگر

اَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهٗ اَنْ يَّسْتَاجِرَ مَنْ يَّعْمَلُهٗ وَاِذَااخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَالصَّبَّاغُ وَصَاحِبُ الثَّوْبِ

عمل کو مطلق رکھا تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے اس کو جو اس کام کو کرے' جب جھگڑا پڑ جائے درزی اور رنگریز اور کپڑے کے مالک میں

فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلْخَيَّاطِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَعْمَلَهٗ قُبَاءً وَقَالَ الْخَيَّاطُ قَمِيْصًا اَوْقَالَ صَاحِبُ

پس کپڑے کا مالک درزی سے کہے کہ میں نے قباء بنانے کے لئے کہا تھا درزی کہے کہ قمیص کے لئے کہا تھا یا کپڑے کا

الثَّوْبِ لِلصَّبَّاغِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَصْبَغَهٗ اَحْمَرَ فَصَبَغْتَهٗ اَصْفَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ

مالک رنگریز سے کہے کہ میں نے سرخ رنگنے کو کہا تھا تو نے زرد رنگ دیا تو قول کپڑے کے مالک کا معتبر ہو گا اس کی قسم کے ساتھ

فَاِنْ حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ وَاِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهٗ لِيْ بِغَيْرِ اُجْرَةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ

اگر وہ قسم کھالے تو درزی کا ضامن ہو گا' کپڑے کے مالک نے کہا کہ تو نے کام کیا ہے میرے لئے بلااجرت کاریگر نے کہا

بِاُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسَفَ

کہ اجرت سے کیا ہے تو کپڑے کے مالک کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ امام صاحب کے نزدیک امام ابو یوسف

رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ كَا نَ حَرِيْفًا لَهٗ فَلَهُ الْاُجْرَةُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ حَرِيْفًا لَهٗ فَلَا اُجْرَةَ لَهٗ وَقَالَ مُحَمَّدٌ

فرماتے ہیں کہ اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہے تو اس کے لیے اجرت ہو گی اور اگر اس کا یہ پیشہ نہیں ہے تو اجرت نہ ہو گی امام محمد فرماتے

رحمه الله ان كان الصانع مبتذ لا لهذه الصنعة بالاجرة فالقول قوله مع يمينه انه

ہیں کہ اگر وہ کاریگر اس اس کام کو اجرت سے کرنے میں مشہور ہے تو اسی کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ کہ اس نے

عَمِلَهٗ بِاُجْرَةٍ وَالْوَاجِبُ فِي الْاِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ اُجْرَةُ الْمِثْلِ لَايَتَجَاوَزُبِهِ الْمُسَمّٰى وَاِذَا قَبَضَ

[1] اور اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں تو تم ان کی اجرت دو۱۲۔

کام اجرت پر کیا ہے اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل واجب ہوتی ہے جو ٹھہرائی ہوئی سے نہیں بڑھے گی جب قبضہ

اَلْمُسْتَاجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْاُجْرَةُ وَاِنْ لَّمْ يَسْكُنْهَا فَاِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِّنْ يَّدِهٖ سَقَطَتِ الْاُجْرَةُ

کر لیا مستاجر نے مکان پر تو اس پر کرایہ واجب ہے گو اس میں نہ رہے پس اگر غصب کر لیا مکان کسی غاصب نے اس سے تو کرایہ ساقط ہو جائے گا

وَاِنْ وَّجَدَبِهَا عَيْبًا يَضُرُّ بِالسُّكْنٰى فَلَهُ الْفَسْخُ

اور اگر اس میں ایسا عیب پائے جو رہائش کے لئے نقصان دہ ہو تو وہ فسخ کر سکتا ہے۔

وہ صورتیں جن میں اجیر اجرت لینے کے لیے عین شئی کو روک سکتا ہے

توضیح اللغۃ: صانع ۔ کاریگر پیشہ ور' تحبس ۔ حبسا' روکنا' حمال ۔ بار بردار' ملاح ۔ ناخدا' کشتی بان ۔

تشریح الفقہ: **قولہ و کل صانع الخ** جس اجیر کے کام کا اثر عین شئی میں ظاہر ہو جیسے رنگریز' دھوبی وغیرہ ایسا اجیر اپنی مزدوری وصول کرنے کے لیے شئی کو روک سکتا ہے کیونکہ معقود علیہ وہ وصف ہے جو کپڑے میں قائم ہے تو اجیر استیفاء بدل کے لیے روکنے کا حق دار ہوگا۔ اب اگر روکنے کے بعد وہ شئی ہلاک ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک مزدور پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں پائی گئی تو جیسے وہ شئے پہلے امانت تھی ایسے ہی باقی رہی لیکن اجیر کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ معقود علیہ قبل از تسلیم ہلاک ہو گیا۔ صاحبین کے نزدیک چونکہ شئے روکنے سے پہلے مضمون تھی تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہوگی۔ البتہ مالک کو اختیار ہوگا چاہے شئے کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے اور چاہے اس قیمت کا تاوان لے جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے اور جس اجیر کے کام کا اثر عین شئی میں ظاہر نہ ہو جیسے ساربان' ناخدا' وغیرہ۔ ایسے اجیر کے لیے روکنے کا حق نہیں کیونکہ یہاں معقود علیہ نفس عمل ہے جو عین شئے کے ساتھ قائم نہیں اور اس کو روکنا غیر متصور ہے۔ امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں اجیر کے لیے روکنے کا حق نہیں۔

قولہ و اذا اختلف الخیاط الخ مالک واجیر میں اختلاف ہوا۔ مالک نے اجیر سے کہا کہ میں نے قباء کے لیے کہا تھا تو نے قمیص سی دی یا رنگریز سے کہا کہ میں نے زردہ رنگ کے لیے کہا تھا تو نے سرخ رنگ دیا۔ اجیر کہتا ہے کہ جیسا تو نے کہا تھا میں نے ویسا ہی کیا ہے تو مالک کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اجیر کو عمل کی اجازت مالک کی جانب سے حاصل ہوتی ہے اور مالک اس کی کیفیت سے زیادہ واقف ہے۔ اسی طرح مالک نے کہا تو نے یہ کام مجھے مفت کر دیا ہے' اجیر کہتا ہے کہ اجرت پر کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مالک کا قول معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس کاریگر کا پیشہ ہی یہ ہے تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اس پیشہ کی دوکان کھولے ہوتے ہے اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا ورنہ مالک کا وعند الشافعی القول للصانع فی قول واحد' درمختار میں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور زیلعی تبیین' تنویر وغیرہ امام محمد کے قول پر۔

قولہ والواجب فی الاجرۃ الفاسدۃ الخ اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل واجب ہوتی ہے لیکن مسمی میں زیادہ نہیں دی جائے گی۔ امام زفر اور امام شافعی کے یہاں اجرت مثل دی جائے گی گو مسمی سے زیادہ ہو یہ حضرات اس کو بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں کہ اس میں مبیع کی قیمت واجب ہوتی ہے خواہ کتنی ہی ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ منافع فی نفسہ متقوم نہیں بلکہ عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں اور عقد میں خود متعاقدین نے اجر مسمی پر اتفاق کر کے زیادتی کو ساقط کر دیا' اس لیے زائد مقدار ساقط الاعتبار ہوگی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَاخربت الدَّارُ اَوِانقطع شربُ الضَّيْعَةِ اَوِانقطع الماءُ عن الرَّحٰى انفسخت الْاِجَارَةُ وَ

جب گھر ویران ہو جائے یا آب پاشی کی زمین یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْاِجَارَةُ لِنَفْسِهِ اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِنْ

اور جب متعاقدین میں سے کوئی مر گیا اور حال یہ کہ اجارہ اس نے اپنے ہی لئے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اگر

كَانَ عَقَدَ هَالِغَيْرِهٖ لَمْ تَنْفَسِخْ وَيَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِى الْاِجَارَةِ كَمَا فِى الْبَيْعِ وَ تَنْفَسِخُ

کسی اور کے لئے کیا ہو تو فسخ نہ ہو گا صحیح ہے اجارہ میں شرط خیار جیسے بیع میں صحیح ہے فسخ ہوجاتا

الْاِجَارَةُ بِالْاَعْذَارِمِنِ اسْتَاجَرَدُكَّانًا فِى السُّوْقِ لِيَتَّجِرَفِيْهِ فَذَهَبَ مَالُهٗ وَكَمَنْ اَجَرَدَارًا

ہے اجارہ عذروں سے جیسے کسی نے کرایہ پر لی دکان بازار میں تجارت کے لئے پھر اس کا مال جاتا رہا یا کسی نے کرایہ پر دیا

اَوْدُكَّانًا ثُمَّ اَفْلَسَ فَلَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ لَايَقْدِرُ عَلٰى قَضَائِهَا اِلَّامِنْ ثَمَنِ مَا اَجَرَ فَسَخَ الْقَاضِىْ

مکان یا دکان پھر وہ مفلس ہو گیا اور اس کے ذمہ اتنا قرضہ ہو گیا جس کو ادا نہیں کر سکتا مگر کرایہ پر دی ہوئی چیز کی قیمت سے تو فسخ کر دے قاضی

الْعَقْدَ وَبَاعَهَا فِى الدَّيْنِ وَمَنِ اسْتَاجَرَدَابَّةً لِيُسَافِرَعَلَيْهَا ثُمَّ بَدَالَهٗ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ

عقد اور بیع دے اس کو قرض میں کسی نے گھوڑا کرایہ پر لیا سفر کے لئے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ

عُذْرٌوَاِنْ بَدَالِلْمُكَارِىْ مِنَ السَّفَرِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعُذْرٍ

بھی عذر ہے اور اگر کرایہ پر دینے والے کی سفر کی رائے بدل جائے تو یہ عذر نہیں

انفساخ اجارہ کا بیان

توضیح اللغۃ: خربت الدار۔ ویران ہو گیا' شرب۔ پانی کا حق' ضیعہ۔ زمین' رحی۔ پن چکی' اعذار۔ جمع عذر' سوق۔ بازار' بدالہ۔ یعنی رائے بدل گئی' مکاری۔ جانوروں کو کرایہ پر دینے والا۔

تشریح الفقہ قولہ واذا خربت الدار الخ یہاں سے انفساخ اجارہ کا بیان ہے۔ عقد اجارہ چند امور سے فسخ ہو جاتا ہے۔ ا۔ کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے منفعت فوت ہو جائے کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے قبضہ سے پہلے مبیع فوت ہو جائے کہ بیع فسخ ہو جاتی ہے جیسے گھر کا ویران ہو جانا' پن چکی یا زمین زراعت کے پانی کا بند ہو جانا وغیرہ۔ لیکن اگر مستاجر نے معیوب ہی سے پورا فائدہ اٹھالیا تو کل بدل لازم ہو گا اور اگر مالک نے اس کا عیب ازالہ کر دیا تو اب مستاجر کو فسخ اجارہ کا حق نہ ہو گا پھر فسخ اجارہ کے لیے موجر کا موجود ہونا ضروری ہے اگر اس کی عدم موجودگی میں فسخ کیا تو پوری اجرت دینی ہوگی۔

قولہ واذا مات الخ ۲۔ احد المتعاقدین کا مر جانا' جب کہ انہوں نے اجارہ اپنے لیے کیا ہو' اگر موجر مر جائے تو اس لیے فسخ ہو گا کہ مرنے کے بعد شئی اس کے ورثہ کی ہو گئی' اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو ملک غیر سے منتفع ہونا لازم آیا اور یہ جائز نہیں اور اگر مستاجر مر جائے تو اس لیے فسخ ہو گا کہ اس صورت میں ملک غیر سے اجرت کی ادائیگی لازم آتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں' ہاں اگر اجارہ غیر کے لیے ہو مثلاً وکیل نے موکل کے لیے یا وصی نے یتیم کے لیے کیا تھا یا عاقد متولی وقف تھا تو احد المتعاقدین کی موت سے اجارہ فسخ نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں ملک غیر سے منتفع ہونا یا اجرت ادا کرنا لازم نہیں آتا۔

قولہ ویصح شرط الخیار الخ ۳۔ اگر مؤجر یا مستاجر کے لیے خیار شرط (یا خیار رویت) ہو تو یہ بھی صحیح ہے اور اس کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتے ہیں۔ امام شافعی کے یہاں عقد اجارہ میں خیار شرط کا ہونا' نیز بن دیکھی چیز کا اجارہ درست ہی نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ ایک عقد معاوضہ ہے جس کے لیے مجلس میں قبضہ کا ہونا ضروری نہیں تو بیع کی طرح اس میں خیار شرط صحیح ہوگا و **ھوا الصحیح کذافی الجامع المضمرات**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص بن دیکھی چیز خریدے تو دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے'' اور اجارہ خرید منافع کا نام ہے تو اس میں بھی خیار رویت ثابت ہوگا۔

قولہ بالاعذار الخ ۴۔ عاقد کا اس طرح عاجز ہونا کہ اگر وہ اجارہ کو باقی رکھے تو اس کا ایسا نقصان لازم آئے جو اس پر عقد اجارہ سے لازم نہیں تھا مثلاً ایک شخص نے دانت اکھیڑنے کے لیے کسی کو اجرت پر لیا اور دانت اکھیڑنے سے پہلے درد جاتا رہا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا کیونکہ اجارہ باقی رکھنے کی صورت میں صحیح سالم دانت کو اکھاڑنا پڑتا ہے جو مستاجر پر عقد اجارہ کی وجہ سے لازم نہیں تھا۔ اسی طرح کسی نے دوکان تجارت کے لیے کرایہ پر لی' پھر اس کا مال ضائع ہو گیا یا کسی نے مکان یا دوکان کرایہ پر دی پھر وہ مفلس اور مقروض ہو گیا اور اس کے پاس ادائیگی قرض کے لیے اس مکان یا دوکان کے سوا اور کوئی مال نہیں ہے۔ یا کسی نے سفر کے لیے کرایہ پر جانور لیا پھر اس کو مانع سفر ضرورت پیش آ گئی (البتہ کرایہ پر دینے والے کے حق میں اس کا اعتبار نہیں ہے) ان سب صورتوں میں اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں اعذار سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک منافع مثل اعیان ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ منافع غیر مقبوض ہیں اور منافع ہی معقود علیہ ہے تو باب اجارہ میں عذر ایسا ہو گیا جیسے مبیع میں قبضہ سے پہلے عیب ہو۔ تفسخ

قولہ فسخ القاضی الخ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نقض عقد کے لیے قضاء قاضی کی ضرورت ہے۔ زیادات میں بھی یہی مذکور ہے لیکن جامع صغیر میں ہے کہ ''**کل ما ذکرنا انہٗ عذر فالاجارۃ فیہ تنتقض**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء قاضی کی احتیاج نہیں ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ' اتم محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

۷۔ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

الحمد للہ کہ الصبح النوری جلد اول ترجمہ وشرح اردو قدوری مکمل ہوئی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
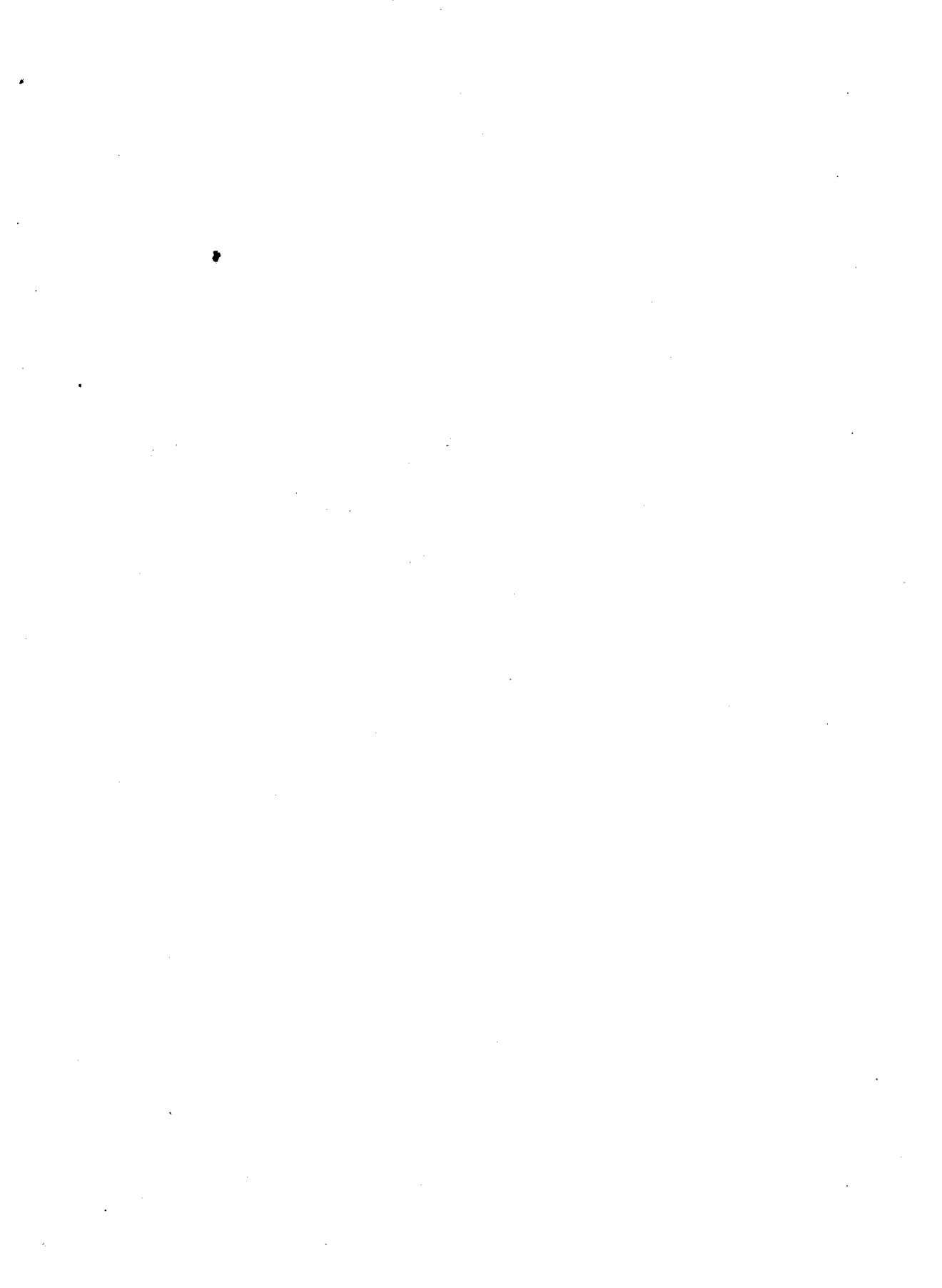
مَنْ يُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (متفق علیه)

اللہ جل شانہ جس بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازتے ہیں

الصُّبحُ النُّوری

شرح اردو

مختصرُ القُدوری

مُصَنَّفَہ

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی فاضل دیوبند

جلد ——— دوم

دار الاشاعت

اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی ۱

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ستمبر ۲۰۰۲ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۲ جلد

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کِتَابُ الشُّفْعَةِ

شفعہ کا بیان

اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشُّرْبِ
شفعہ واجب ہے نفس بیع میں شریک کے لئے پھر حق بیع میں شریک کے لئے جیسے پانی کا حق

وَالطَّرِيْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ وَلَيْسَ لِلشَّرِيْكِ فِي الطَّرِيْقِ وَالشُّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيْطِ
اور راستہ کا حق پھر پڑوسی کے لئے اور راستے اور پانی کے حق میں شریک کے لئے اور پڑوسی کے لئے شفعہ نہیں نفس بیع میں شریک کے ہوتے

فَاِنْ سَلَّمَ الْخَلِيْطُ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيْكِ فِي الطَّرِيْقِ فَاِنْ سَلَّمَ اَخَذَهَا الْجَارُ وَالشُّفْعَةُ تَجِبُ
ہوئے اگر وہ چھوڑ دے تو شفعہ اس کے لئے ہوگا جو راستہ میں شریک ہے اگر وہ بھی چھوڑ دے تو پڑوسی لے لے اور شفعہ ثابت ہوتا ہے

بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَ تَسْتَقِرُّ بِالْاَشْهَادِ وَتَمَلَّكُ بِالْاَخْذِ اِذَاسَلَّمَهَا الْمُشْتَرِيْ اَوْحَكَمَ بِهَا حَاكِمٌ
عقد بیع کے بعد اور پختہ ہو جاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہو جاتا ہے لے لینے سے جب دیدے اس کو مشتری یا حکم کر دے اس کا حاکم

تشریح الفقہ قولہ کتاب الشفعة الخ شفعہ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول ہے جو ''کان هذا الشئی وترا فشفعته'' سے ماخوذ ہے امام مطرزی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا فعل مسموع نہیں البتہ فقہاء بولتے ہیں ''باع الشفیع الدار التی یشفع بها ای توخذ بالشفعة'' لغت میں اس کے معنی جفت کرنا اور ملانا ہے۔ چنانچہ شفعہ ضد وتر کو کہتے ہیں۔ اسی سے شفاعت ہے کہ اس کے ذریعہ مذنبین فائزین کے ساتھ ملیں گے۔ چونکہ شفیع ماخوذ بالشفعہ کو اپنی ملک کے ساتھ ملاتا ہے اس لئے اس کا نام شفعہ ہے۔ اصطلاح میں شفعہ ''تملک البقعه جبراً علی المشتری مما قام علیه'' یعنی مشتری پر زبردستی کر کے اس کے مال کے عوض بقعہ کا مالک ہو جانا ہے جس کے عوض میں وہ بقعہ مشتری کو اس کی خرید میں پڑا ہے پس لفظ تملک بمنزلہ جنس ہے جو عین ومنافع ہر دو کے تملک کو شامل ہے اور بقعہ فصل ہے جس کے ذریعہ تملک منافع سے احتراز ہو گیا اور جبراً کی قید سے بیع خارج ہوگئی کہ وہ رضا کے ساتھ ہوتی ہے اور مشتری کی قید کے ذریعہ ملک بلاعوض سے احتراز ہو گیا جیسے ہبہ بلاعوض میراث اور صدقہ اور اس ملک سے احتراز ہو گیا جو بعوض غیر معین ہو جیسے مہر اجارہ خلع صلح عن دم العمد کہ ان تمام صورتوں میں شفعہ نہیں ہوتا۔

فائدہ حق شفعہ متعدد احادیث سے ثابت ہے (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''شفعہ ہر ایسی شرکت میں ہے جس میں بٹوارہ نہ ہوا ہو مکان میں ہو یا زمین میں[۱]'' (۲) مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے[۲] (۳) پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اپنے پڑوسی کے شفعہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ ان دونوں کا راستہ ایک ہو[۳]

اقسام شفیع وترتیب شفعہ

قولہ الشفعة واجبة الخ وجوب سے مراد ثبوت ہے یعنی حق شفعہ پہلے اس کے لئے ثابت ہوتا ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو اگر وہ طلب گار نہ ہو تو اس کے لئے جو حق مبیع میں شریک ہو اگر وہ بھی طلب نہ کرے تو اس کے پڑوسی کے لئے جو مشفوعہ مکان سے متصل ہو مثلاً ایک مکان دو شریکوں میں

[۱] مسلم، دار قطنی عن جابر ۱۲ [۲] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، بزار، دار قطنی عن سمرۃ ۱۲ [۳] ائمہ اربعہ عن جابر بن عبداللہ ۱۲

مشترک تھا ایک شریک نے اس کو کسی غیر کے ہاتھ فروخت کیا تو حق شفعہ اوّلاً شریکِ مکان کے لئے ہوگا اگر وہ نہ لے تو اس کا حق ختم ہو جائے گا اور اگر اس مکان کے حقوق میں بھی کچھ لوگ شریک ہوں مثلاً اس مکان میں کسی وقت بٹوارہ ہوا تھا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کر لیا تھا مگر راستہ میں سب کی شرکت باقی ہے اور نفس مبیع کے شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق شفعہ شریک حق مبیع کے لئے ہوگا اگر وہ بھی چھوڑ دے تو پڑوسی کے لئے ہوگا۔ امام ابوحنیفہ، شریح، شعبی، ابن سیرین، حکم، حماد، حسن، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ سب کا یہی مذہب ہے۔ شرح الوجیز شافعیہ میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مختار ہے۔ نفس ثبوت حق شفعہ پر دلالت کرنے والی احادیث ہم پہلے ذکر کر چکے۔ ترتیب مذکور کی دلیل یہ حدیث ہے ''عن الشعبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب[1]'' اس میں لفظ شفیع شریک عین وشریک منافع دونوں کو شامل ہے امام شعبی سے اس کا راوی ہشام بن مغیرہ ہے جس کی ابن معین نے توثیق کی ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں پس یہ حدیث مرسل صحیح ہے جو اکثر اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔ نیز حضرت شریح سے مروی ہے۔ قال ''الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار ممن سواہ[2]'' حضرت ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح مروی ہے[3] پس حدیث مرسل مع آثار دلیل منقول ہے کہ تینوں شفعیوں میں باہم ترتیب ہے اور مقتضاء قیاس بھی یہی ہے کیونکہ سبب حق شفعہ اتصال ملک ہے خواہ اتصال شرکت کے سبب سے ہو یا ہمسائیگی کی جہت سے ہو۔ نیز شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ آدمی اجنبی شخص کی ہمسائیگی سے تکلیف نہ پائے اور یہ حکمت تینوں شفعیوں کو شامل ہے البتہ عین ملک میں شرکت سب سے قوی سبب ہے لہذا وہ سب سے مقدم ہے پھر مبیع کے حقوق میں اتصال واشتراک اقویٰ ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے، اس کے بعد جوار کے اتصال سے جو حق شفعہ ہے وہ لامحالہ سوم درجہ پر ہوگا۔

قولہ کالشرب الخ شریک حق مبیع کے لئے شفعہ تو ہے لیکن اس وقت جب طریق خاص یا شرب خاص ہو، شرب خاص وہ ہے جس میں کشتیاں وغیرہ نہیں چلتیں بلکہ وہ مخصوص زمینوں میں پانی دینے کے لئے ہے، پس جن لوگوں کی اراضی اس نہر سے سیراب ہوتی ہیں وہ اس شرب میں شریک ہیں اور جس نہر میں کشتیاں وغیرہ جاری ہوں وہ شرب عام ہے اور جن لوگوں کی کھیتیاں اس سے سیراب ہوتی ہیں ان کی شرکت شرکت عامہ ہے، پس ان میں سے کسی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا یہ تعریف طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک شرب خاص وہ نہر ہے جس سے بہت سے بہت دو تین باغات سینچے جاتے ہوں اگر چار یا اس سے زیادہ سینچے جائیں تو وہ شرب عام ہے۔

قولہ ثم للجار الخ تیسرے درجہ کا شفیع جار ملاصق ہے جس کی تحقیق اوپر گزر چکی ائمہ ثلاثہ، اوزاعی اور ابو ثور کے نزدیک جوار کی وجہ سے حق شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ ''آنحضرت[4] صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ ہر اس زمین میں فرمایا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو اور جب حد بندی ہو گئی اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں ہے'' نیز حق شفعہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اس میں غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت حاصل کرنا ہوتا ہے اور خلاف قیاس چیز اپنے مورد تک رہتی ہے اور شرعی مورد غیر منقل جائیداد ہے جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو لہذا جوار کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ ہماری دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جن میں شفعہ جوار کی طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ صراحت موجود ہے مثلاً الجار احق بسقبہ وغیرہ۔ رہا امام شافعی وغیرہ کا متدل سو اول تو اس میں علی الاطلاق شفعہ جوار کی نفی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بٹوارہ کے بعد اس کے لئے شفعہ شرکت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس میں شفعہ کی نفی وجود امرین کے بعد ہے ایک صرف طرق، دوم تحدید حد پس اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف طرق سے پہلے شفعہ ہے اور یہ معنی حضرت جابرؓ کی حدیث ''الجار احق بشفعۃ ینتظر بہ وان کان غائبا اذا کان طریقھما واحدا[5]'' کے عین موافق ہیں اور جس روایت میں ''انما الشفعۃ الخ'' ہے اس میں ماعدا کی نفی مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ شفعہ اسی میں منحصر ہے کہ شفیع کو شرکت عین حاصل ہو پھر شریک منافع ہے پھر شریک

---

[1] عبد الرزاق [2] ابن ابی شیبہ ۱۲ [3] ابن ابی شیبہ [4] بخاری عن جابر (مرفوعا) [5] نسائی مالک عن ابی سلمہ (مرسلاً)

جوار۔اس طرح تمام احادیث اپنی صراحت اور عموم پر رہتی ہیں اور کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتی۔ پھر غیر مقسوم جائیداد میں شفعہ کے حق سے شفیع کو ملا لینے کا حکم اس لئے ہے کہ دائمی طور پر حد کے اتصال سے ضرر نہ ہو جو مقتضاء قیاس کے عین مطابق ہے اور یہ چیز جوار کی صورت میں بھی موجود ہے یعنی جب پڑوسی سے ملک متصل ہوگی تو جار کو ضرور ضرر پہنچے گا۔اب دفع ضرر کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس طرح مشتری نے وہ مکان خریدا ہے اسی طرح وہ پڑوسی کا مکان بھی خریدے۔دوم یہ کہ پڑوسی کو حق حاصل ہو کہ وہ خریدے ہوئے حصے کو لے لے چونکہ پڑوسی اصیل ہے اور مشتری دخیل اور شریعت نے اصیل کو ترجیح دی ہے لہذا اصیل ہی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے گا اگر مشتری پڑوسی کا مکان خریدنے کا مختار ہو تو جار کے حق میں یہ مزید ضرر ہوگا کہ وہ اپنے باپ دادا کی جائیداد و جائے سکونت سے نکالا گیا جو سراسر ظلم ہے۔

قولہ تجب بعقد البیع الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے۔یہ مطلب نہیں کہ اس کا ثبوت بیع کے سبب سے ہوتا ہے کیونکہ حق شفعہ کا سبب عقد بیع نہیں بلکہ اتصال ملک ہے۔رہا یہ سوال کہ عقد بیع سے پہلے سبب شفعہ یعنی رہنے کے باوجود حق شفعہ حاصل کیوں نہیں ہوا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہی ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے جس کی نظیر نماز اور زکوۃ وغیرہ ہے کہ ان کا وجوب تو امر باری سے ہے لیکن وجوب ادا کا سبب وقت و حولان حول ہے۔

قولہ و تستقر الخ ثبوت شفعہ تو بیع کے بعد ہی ہوتا ہے مگر اس میں استقرار و استحکام اس وقت ہوتا ہے جب بیع کی خبر ملتے ہی بلا تاخیر اسی مجلس میں شفیع یہ کہہ کر طلب شفعہ پر گواہ بنالے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے اگر اسی مجلس میں شفعہ طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بیع کی خبر ہونے پر اس کو بائع کی بے رغبتی ظاہر ہوگئی تو اس کو فوراً اپنی رغبت کا اظہار کرنا چاہیے اور یہ رغبت طلب شفعہ پر گواہ بنا لینے سے ہی ظاہر ہوگی۔نیز اس لئے بھی کہ کسی وقت اس کو قاضی کے یہاں طلب شفعہ ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا عَلِمَ الشَّفِیْعُ بِالْبَیْعِ اَشْهَدَ فِیْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِکَ عَلَی الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ یَنْهَضُ مِنْهُ فَیُشْهِدُ عَلَی

جب خبر ہو شفیع کو خرید کی تو گواہ بنا لے اسی مجلس میں مطالبہ پر پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے

الْبَائِعِ اِنْ کَانَ الْمَبِیْعُ فِیْ یَدِهٖ اَوْعَلَی الْمُبْتَاعِ اَوْعِنْدَ الْعِقَارِ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِکَ اسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهٗ

بائع پر اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر یا جائیداد پر جب وہ یہ کر چکا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا

وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِیْرِ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِنْ تَرَکَهَا مِنْ غَیْرِ

اب تاخیر سے ساقط نہ ہو گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر شفعہ چھوڑ دیا بغیر

عُذْرٍ شَهْرًا بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ

عذر کے ایک ماہ تک گواہ کرنے کے بعد تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا

توضیح اللغۃ اشہد۔اشہاداً گواہ بنانا۔ینہض۔نہوضاً اٹھنا۔مبتاع خریدار عقار۔زمین

تشریح الفقہ **قولہ واذاعلم الشفیع** الخ ثبوت شفعہ چونکہ طلب پر موقوف ہے اس لئے یہاں ان کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہے ہیں باب شفعہ میں شفیع کے لئے تین قسم کی طلب ضروری ہے۔اول یہ کہ بیع کا علم ہوتے ہی اپنا شفعہ طلب کرے اس کو طلب مواثبہ کہتے ہیں۔دوم یہ کہ طلب مواثبہ کے بعد بائع پر گواہ قائم کرے اگر زمین اس کے قبضے میں ہو یا مشتری پر گواہ قائم کرے یا زمین کے پاس گواہ قائم کرے اس طلب کو طلب اشہاد طلب تقریر اور طلب استحقاق کہتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے: یہ مکان فلاں نے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور مجلس علم

میں شفعہ طلب کر چکا ہوں اور میں اب اس کو طلب کرتا ہوں سوتم لوگ اس پر گواہ رہو۔ سوم یہ کہ ان دونوں طلبوں کے بعد قاضی کے پاس طلب کرے۔ اس کو طلب تملیک اور طلب خصومت کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے: فلاں شخص نے فلاں مکان خریدا ہے اور میں اس کا فلاں سبب سے شفیع ہوں لہٰذا آپ اس کو مجھے دلا دینے کا حکم کر دیجئے۔

قولہ ولم تسقط الخ اگر تیسری طلب میں تاخیر ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک شفعہ باطل نہیں ہوتا' یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی مروی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اگر قاضی کی کسی مجلس میں بلا عذر طلب تملک کو ترک کر دے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام محمد اور امام زفر فرماتے ہیں کہ اگر بلا عذر ایک ماہ تک تاخیر کرے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ تاخیر کی صورت میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے کیونکہ وہ اس خوف سے کہ کہیں شفیع شفعہ کا دعویٰ نہ کر بیٹھے' کوئی تصرف نہ کر سکے گا پس طلب شفعہ کو ایک ماہ سے کم تک محدود کیا جائے گا کیونکہ ایک ماہ سے کم کو مدت قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کو مدت بعیدہ شمار کیا جاتا ہے (کما سیأتی فی الایمان) امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کا حق طلب مواثبہ وطلب اشہاد کے بعد پورے طور پر ثابت ہو گیا اور حق ثابت ہو جانے کے بعد حقدار کے ساقط کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا لہٰذا جب تک شفیع اس کو اپنی زبان سے ساقط نہ کرے اس وقت تک ساقط نہ ہو گا۔ ظاہر المذہب امام صاحب کا قول ہے لیکن آج کل فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار بالغیر' ہدایہ اور کافی میں امام صاحب کے قول کے متعلق ہے "ویفتی بہ" لیکن شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صاحب ذخیرہ' صاحب مغنی اور جامع صغیر میں قاضی خاں کی تصحیح (من کون تقدیر السقوط بالشہر) صاحب ہدایہ اور صاحب کافی کی تصحیح سے اصح ہے۔

وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعِقَارِ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحٰى وَالْبِئْرِ وَالدُّوْرِ الصِّغَارِ وَلَا
اور شفعہ ثابت ہوتا ہے جائیداد میں اگرچہ وہ قابل تقسیم نہ ہو جیسے گرم آبہ' پن چکی' کنواں اور چھوٹے مکان' اور

شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ اِذَا بِيْعَ بِدُوْنِ الْعَرْصَةِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوْضِ وَالسُّفُنِ وَالْمُسْلِمُ
شفعہ نہیں عمارت اور باغ میں جب یہ فروخت ہوں بلا صحن اور شفعہ نہیں اسباب اور کشتیوں میں اور مسلمان

وَالذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ وَاِذَا مَلَكَ الْعِقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ وَلَا شُفْعَةَ
اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں جب مالک ہو جائیداد کا ایسی چیز کے عوض جو مال ہے تو اس میں شفعہ واجب ہے اور شفعہ نہیں

فِي الدَّارِ الَّتِيْ يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا اَوْ يُخَالِعُ الْمَرْاَةُ بِهَا اَوْ يَسْتَاجِرُ بِهَا دَارًا اَوْ يُصَالِحُ مِنْ
اس مکان میں جس کے عوض کوئی شادی کرے یا اس کے عوض عورت سے خلع کرے یا اس کے بدلے میں کوئی مکان کرایہ پر لے یا

دَمِ عَمَدٍ اَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْدًا اَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِاِنْكَارٍ اَوْ سُكُوْتٍ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهَا
دم عمد کے صلحنامہ میں دے یا اس کے عوض غلام آزاد کرے یا صلح کر لی جائے اس پر انکار یا سکوت کے بعد پس اگر صلح کی اس پر

بِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ
اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ واجب ہے

وہ چیزیں جن میں شفعہ ہوتا ہے اور جن میں نہیں ہوتا۔

توضیح اللغۃ عقار۔ زمین' حمام۔ گرم آبہ' رحی۔ پن چکی' بئر۔ کنواں' دور جمع دار' بناء۔ عمارت' عرصہ۔ میدان' عروض جمع عرض۔ سامان' سفن جمع سفینہ۔ کشتی۔

تشریح الفقہ **قولہ واجبة فی العقار الخ** ہمارے یہاں شفعہ بالقصد صرف اس عقار میں واجب ہوتا ہے جو بعوض مال مملوک ہو قابل تقسیم ہو یا

نہ ہو جیسے حمام، پن چکی، کنواں، چھوٹے چھوٹے گھر (جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں) اور نہر وغیرہ، امام شافعی کے یہاں غیر قابل تقسیم چیزوں میں شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک سبب شفعہ تقسیم کی مشقت وغیرہ سے بچاؤ ہے تو غیر قابل تقسیم چیزوں میں اس سبب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شفعہ نہ ہوگا۔امام مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے اور ایک روایت امام صاحب کے موافق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نصوص شفعہ مطلق ہیں مثلاً ''الشریک شفیع والشفعة فی کل شئی[1]'' اسی طرح ''قضی رسول الله صلی الله علیه وسلم بالشفعة فی کل شئی[2]'' ہم نے بالقصد کی قید اس لئے لگائی کہ شفعہ غیر قصدی غیر عقار میں بھی ہوتا ہے جیسے درخت میں گھر کے ساتھ، نہر میں اراضی کے ساتھ، عوض کی قید سے ہبہ بلا عوض اور مال کی قید سے مہر خارج ہوگیا۔

قوله ولا شفعة فی البناء الخ اگر عمارت اور باغ زمین کے بغیر فروخت ہو تو اس میں شفعہ نہیں ہے کیونکہ صرف عمارت اور درخت کے لئے دوام وقرار نہیں تو یہ بھی منقولات میں سے ہوئے۔ نیز اسباب اور کشتیوں میں بھی شفعہ نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لاشفعة الا فی ربع او حائط[3]'' ربع سے مراد دار، صحن، منزل ہے اور حائط سے مراد بستان۔ پس یہ حدیث امام مالک پر حجت ہے جو کشتیوں میں شفعہ واجب کرتے ہیں۔سوال حدیث مذکور میں لا والا کا حصر تو یہ بتا رہا ہے کہ عقار میں بھی شفعہ نہیں ہے کیونکہ اس میں ثبوت شفعہ کو ربع اور حائط میں منحصر کیا گیا ہے۔جواب یہ حصر حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے پس حصر ربع اور حائط کے لحاظ سے ہے نہ کہ جمیع ماعدا کے لحاظ سے۔

قوله والمسلم والذمی الخ سبب وحکمت شفعہ یعنی دفع ضرر سوء جوار میں چونکہ مسلمان اور ذمی برابر ہیں اس لئے استحقاق شفعہ میں بھی یہ دونوں برابر ہوں گے کذا فی الہدایہ، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ذمی کے لئے شفعہ نہیں ہے کیونکہ مشفوع کو شفعہ کے ذریعہ سے لے لینے کا حق ایک طرح کی شرعی تخفیف ہے تو جو شخص اس شریعت ہی کا منکر ہے اس کے لئے یہ تخفیف کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ہم اس سلسلہ میں قاضی شریح کا فیصلہ لیتے ہیں جو حضرت عمرؓ کے امضاء سے مؤید ہے کذا فی النہایہ۔

قوله ولاشفعة فی الدار الخ جس مکان پر آدمی عورت سے نکاح کرے یا عورت اس کو بدل خلع قرار دے یا اس کے بدلے میں دوسرا مکان کرایہ پر لے یا اس پر قتل عمد سے صلح کرے یا کسی غلام کو آزاد کرے مثلاً مالک نے غلام سے کہا کہ میں تجھے فلاں شخص کے مکان کے بدلے میں آزاد کرتا ہوں اور اس شخص نے وہ مکان غلام کو ہبہ کر دیا اب وہ مکان غلام اپنے آقا کو دے تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے کیونکہ شفعہ مبادلہ مال بالمال میں ہوتا ہے اور مذکورہ بالا اعواض (مہر، اجرت، بدل خلع، بدل صلح، عوض عتق) مال نہیں تو ان میں شفعہ واجب کرنا خلاف مشروع وقلب موضوع ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اعواض قیمتی مال ہیں لہذا ان کی قیمت کے عوض میں مشفوعہ مکان لے سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ نکاح میں عورت کے منافع بضع کا متقوم ہونا اور دوسری چیزوں کا بعقد اجارہ متقوم ہونا برائے ضرورت ہے تو شفعہ کے حق میں یہ تقوم ظاہر نہ ہوگا۔اسی طرح خون اور غلام کی آزادی بھی متقوم نہیں کیونکہ قیمت اس چیز کا نام ہے جو ایک خاص معنی مقصودی میں دوسری چیز کے قائم مقام ہو اور یہ بات ان دونوں میں متحقق نہیں پس ان کو متقوم کہنا صحیح نہ ہوگا۔

قوله بانکار اوسکوت الخ کسی نے ایک مکان کی بابت دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے، مدعی علیہ نے صاف انکار کر دیا یا وہ خاموش رہا پھر اس نے مکان کی طرف سے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو اس مکان میں شفعہ نہیں ہے کیونکہ یہاں بزعم مدعیٰ علیہ اس کی ملک زائل ہی نہیں ہوئی یہاں تک کہ مبادلہ مال بالمال ہو ہاں اگر صلح بالاقرار ہو تو شفعہ ہوگا کیونکہ صلح بعد الاعتراف مبادلہ مال بالمال ہے۔

وَاِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِيْ فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَ طَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِيْ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

جب جائے شفیع قاضی کے ہاں اور دعوی کرے خرید کا اور طلب کرے شفعہ تو دریافت کرے قاضی مدعیٰ علیہ سے

[1] ابن راہویہ، طحاوی عن ابن عباس ۱۲ [2] طحاوی عن ابن عباس ۱۲ [3] بزار عن جابر ۱۲

عَنْهَا فَاِنْ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهٖ الَّذِیْ یَشْفَعُ بِهٖ وَاِلَّا كَلَّفَهُ بِاِقَامَةِ الْبَیِّنَةِ فَاِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَیِّنَةِ

اس کی بابت اگر اقرار کر لے وہ اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفعہ کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی سے ثبوت مانگے اگر وہ عاجز ہو بینہ سے

اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِیْ بِاللّٰهِ مَا یَعْلَمُ اَنَّهٗ مَالِكٌ لِلَّذِیْ ذَكَرَهٗ مِمَّا یُشْفَعُ بِهٖ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْیَمِیْنِ

تو قسم لے مشتری سے کہ بخدا میں نہیں جانتا کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفعہ کا یہ دعوی کرتا ہے اگر وہ انکار کرے قسم سے

اَوْقَامَتْ لِلشَّفِیْعِ بَیِّنَةٌ سَأَلَهُ الْقَاضِیْ هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِیَاعَ قِیْلَ لِلشَّفِیْعِ

یا حاصل ہوجائے شفیع کو بینہ تو دریافت کرے قاضی مدعی علیہ سے کہ تو نے خریدا ہے یا نہیں اگر وہ انکار کرے خریدنے کا تو کہا جائے گا شفیع سے

اَقِمِ الْبَیِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ عَنْهَا اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِیْ بِاللّٰهِ مَا ابْتَاعَ اَوْبِاللّٰهِ مَایَسْتَحِقُّ عَلٰی هٰذِهٖ

کہ ثبوت لا اگر وہ اس سے عاجز ہو تو قسم لے مشتری سے کہ بخدا میں نے نہیں خریدا یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح

الدَّارِ شُفْعَةٌ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِیْ ذَكَرَهٗ وَ تَجُوْزُ الْمُنَازَعَةُ فِی الشُّفْعَةِ وَاِنْ لَمْ یَحْضُرِ الشَّفِیْعُ

شفعہ کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے اورشفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے اگرچہ شفیع

الثَّمَنَ اِلٰی مَجْلِسِ الْقَاضِیْ وَاِذَا قَضَی الْقَاضِیْ لَهٗ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهٗ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَلِلشَّفِیْعِ

قاضی کے پاس ثمن لے کر نہ آیا ہو جب قاضی فیصلہ کر دے اس کے لئے شفعہ کا تو لازم ہے اس پر ثمن پیش کرنا اور شفیع

اَنْ یَّرُدَّ الدَّارَ بِخِیَارِ الْعَیْبِ وَالرُّؤْیَةِ وَاِنْ اَحْضَرَ الشَّفِیْعُ الْبَائِعَ وَالْمَبِیْعُ فِیْ یَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ

واپس کر سکتا ہے مکان خیار عیب یا خیار رؤیت کی وجہ سے اور اگر حاضر کر دے شفیع بائع کو اور مبیع اسی کے قبضہ میں ہو تو

یُّخَاصِمَهٗ فِی الشُّفْعَةِ وَلَا یَسْمَعُ الْقَاضِیْ الْبَیِّنَةَ حَتّٰی یَحْضُرَ الْمُشْتَرِیْ فَیَفْسَخُ الْبَیْعَ بِمَشْهَدٍ

شفیع جھگڑ سکتا ہے اس سے شفعہ کی بابت' لیکن نہ سنے قاضی بینہ یہاں تک کہ حاضر ہو جائے مشتری پس فسخ کر دے بیع کو اس کی موجودگی

مِّنْهُ وَیَقْضِیْ بِالشُّفْعَةِ عَلَی الْبَائِعِ وَیَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَیْهِ

میں اور حکم لگادے شفعہ کا بائع پر اور ڈال دے خرچہ بھی بائع پر

دعویٰ شفعہ اور طلب خصومت کی کیفیت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و تجوز المنازعة الخ ظاہر الروایۃ میں دعویٰ شفعہ کے ساتھ ثمن پیش کرنا ضروری نہیں البتہ قضاء قاضی کے بعد پیش کرنا ضروری ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کہ جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کردے اس وقت تک قاضی شفعہ کا حکم نہیں کرے گا یہی ایک روایت امام محمد سے حسن بن زیاد کی ہے کیونکہ ممکن ہے شفیع مفلس ہو پس اس صورت میں ثمن حاضر کرنے تک قاضی کو اپنا حکم شفعہ موقوف رکھنا پڑے گا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ قضاء قاضی سے پیشتر شفیع پر کوئی چیز واجب نہیں تو جس طرح ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں اسی طرح قاضی کی عدالت میں ثمن لانا بھی ضروری نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک تین دن تک اور امام مالک و امام احمد کے نزدیک دو دن کی مہلت دی جائے گی۔ فان احضر الثمن فبھا والافسخ۔

وَاِذَا تَرَكَ الشَّفِیْعُ الْاِشْهَادَ حِیْنَ عَلِمَ بِالْبَیْعِ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَكَذٰلِكَ

اگر چھوڑ دے شفیع گواہ بنانا جبکہ جان چکا وہ مکان کی فروختگی حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ اسی طرح

اِنْ اَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلَاعِنْدَالْعَقَارِ وَاِنْ صَالَحَ عَنْ شُفْعَتِهٖ
اگر وہ گواہ بنائے مجلس میں اور نہ گواہ بنائے بائع یا مشتری کے پاس اور نہ جائیداد کے پاس اگر صلح کر لی اپنے شفعہ سے

عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتِ الشُّفْعَةُ وَيَرُدُّالْعِوَضَ وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَاِذَا
کسی عوض پر تو باطل ہو جائے گا شفعہ اور لوٹائے گا وہ عوض اور جب مر جائے شفیع تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ اوراگر

مَاتَ الْمُشْتَرِيْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَاعَ الشَّفِيْعُ مَايُشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى لَهٗ بِالشُّفْعَةِ
مر جائے مشتری تو شفعہ ساقط نہ ہوگا' اگر فروخت کر دے شفیع وہ مکان جس کی وجہ سے شفعہ کا دعوی دار ہے شفعہ کا حکم ہونے سے پہلے ہی

بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَوَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَالشَّفِيْعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيْعُ
تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا' اگر بائع کا وکیل فروخت کر دے مکان اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے' اسی طرح اگر ضامن ہو جائے شفیع

الدَّرْكَ عَنِ الْبَائِعِ وَوَكِيْلُ الْمُشْتَرِيْ اِذَا ابْتَاعَ وَهُوَالشَّفِيْعُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ
عوارض کا بائع کی طرف سے اور مشتری کا وکیل جب خریدے کوئی مکان اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ ہے جس نے بیع کی بشرط

الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَاِنْ اَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِنِ اشْتَرٰى بِشَرْطِ
خیار تو اس میں شفعہ نہیں شفیع کے لئے اب اگر بائع خیار کو ساقط کر دے تو شفعہ واجب ہو جائے گا اگر خریدے بشرط خیار

الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَمَنِ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِّنَ
تو شفعہ واجب ہے جو شخص خریدے مکان شراء فاسد کے ساتھ تو اس میں شفعہ نہیں ہے متعاقدین میں سے

الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَاِنْ سَقَطَ الْفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِذَااشْتَرَى الذِّمِّيُّ دَارًا بِخَمْرٍ اَوْ
ہر ایک کے لئے فسخ کرنے کی گنجائش ہے اگر فسخ ہونا ساقط ہو گیا تو شفعہ واجب ہو جائے گا ذمی نے مکان خریدا شراب یا

خِنْزِيْرٍ وَ شَفِيْعُهَا ذِمِّيٌّ اَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَ قِيْمَةِ الْخِنْزِيْرِ وَاِنْ كَانَ شَفِيْعُهَا مُسْلِمًا اَخَذَهَا
خنزیر کے عوض اور اس کا شفیع بھی کوئی ذمی ہے تو وہ لے لے اتنی ہی شراب اور سور کی قیمت دے کر اور اگر شفیع مسلمان ہو تو لے

بِقِيْمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بِعِوَضٍ مَّشْرُوْطٍ
شراب اور سور دونوں کی قیمت دے کر اور ہبہ میں شفعہ نہیں الا یہ کہ وہ مشروط عوض کے ساتھ ہو

وہ صورتیں جن میں شفعہ باطل ہو جاتا ہے یا باطل نہیں ہوتا

تشریح الفقہ قولہ واذا ترک الخ اگر شفیع نے طلب مواثبہ اور طلب تقریر کو ترک کر دیا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے اگر شفیع نے مشتری سے کچھ عوض لے کر شفعہ کی طرف سے صلح کر لی تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض واپس کیونکہ شفعہ بلا ملک حق تملک کو کہتے ہیں تو اس کا عوض لینا صحیح نہیں۔

قولہ واذامات الشفیع الخ اگر شفیع شفعہ لینے سے پہلے مر جائے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں باطل نہیں ہوتا بلکہ موروث ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شفعہ تو محض حق تملک کا نام ہے جو صاحب حق کے مر جانے کے بعد باقی نہیں رہتا لہذا اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی لیکن مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ مستحق شفعہ شفیع ہے تو اسی کی بقاء معتبر ہوگی' جس زمین یا مکان کے سبب سے شفیع شفعہ پانے والا تھا اگر وہ اس کو ثبوت شفعہ کے حکم سے پہلے فروخت کر دے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ تملک سے پہلے ہی سبب استحقاق یعنی

اتصال بالملک زائل ہو گیا۔

قولہ ووکیل البائع الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا وکیل نے فروخت کر دیا تو نفس مبیع میں شرکت کا حق شفعہ نہ وکیل کے لئے ہوگا نہ مؤکل کے لئے بلکہ شریک ثالث کے لئے ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پہلا شخص بائع ہے اور دوسرا مبیع لہ اور بائع شفعہ کے ذریعہ سے مکان لے کر اس عقد بیع کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی جانب سے تام ہو چکا کیونکہ وہ شفعہ کے ذریعہ لے لینے کے بعد مشتری کہلائے گا نہ کہ بائع حالانکہ وہ بائع تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہو جائے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے بھی حق شفعہ نہ ہوگا لان البیع تم بضمان حیث لم یرض المشتری الابضمانہ۔

قولہ ووکیل المشتری الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو تیسرے کا حصہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکیل اور مؤکل دونوں کے لئے حق شفعہ ہوگا اور شریک حق مبیع اور جار ملاصق پر مقدم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ شفعہ اظہار اعراض سے باطل ہوتا ہے نہ کہ اظہار رغبت سے اور شراء کی صورت میں اظہار رغبت ہے نہ کہ اظہار اعراض۔

قولہ ومن باع بشرط الخیار الخ اگر بائع خیار شرط کے ساتھ مکان فروخت کرے تو خیار ساقط ہونے تک شفعہ نہ ہوگا کیونکہ بائع کا خیار زوال ملک سے مانع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مکان کی بیع فاسد ہو تو جب تک حق فسخ ساقط نہ ہو۔ (مثلاً یہ کہ مشتری اس میں کوئی عمارت بنالے) اس وقت تک اس میں شفعہ نہ ہوگا کیونکہ بیع فاسد قبل از قبض مشتری کے لئے مفید ملک نہیں ہوتی تو اس میں بائع کی ملک باقی رہی۔

قولہ فان سقط الفسخ الخ مثلاً مشتری وہ مکان کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس میں شفعہ واجب ہوگا کیونکہ حق شفعہ سے رکا رہنا بقاء حق فسخ کی وجہ سے تھا اور اب حق فسخ ساقط ہو گیا تو شفعہ واجب ہو گیا۔ (جوہرہ، کفایہ)

قولہ واذا اشتری الذمی الخ ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے کوئی مکان شراب یا خنزیر کے عوض میں خریدا اور اتفاق سے اس کا شفیع بھی ذمی ہے تو وہ مثل شراب یا خنزیر کی قیمت دے کر لے سکتا ہے کیونکہ شراب مثلی ہے اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے اور اگر شفیع مسلمان ہو تو وہ خنزیر اور شراب دونوں کی قیمت دے کر لے گا۔ کیونکہ مسلمان کے لئے شراب کی تملیک اور تملک دونوں منع ہیں۔ سوال خنزیر کی قیمت اس کی ذات کے قائم مقام ہوتی ہے تو مسلمان کے لئے تملیک قیمت خنزیر بھی حرام ہونی چاہیے چنانچہ حکم یہی ہے کہ اگر کوئی ذمی اپنی تجارت کے خنزیر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے تو عاشر خنزیر کی قیمت سے بھی عشر نہیں لے سکتا کیونکہ خنزیر کی قیمت بھی خنزیر ہی کے حکم میں ہے؟ جواب مسلمان پر خنزیر کی قیمت کا لین دین اس وقت حرام ہے جب خنزیر کا عوض بلاواسطہ ہو ورنہ حرام نہیں اور یہاں عوض بالواسطہ ہے نہ کہ بلاواسطہ۔ اس واسطے کہ یہاں خنزیر کی قیمت اس مکان کا عوض ہے جس کے عوض میں خنزیر تھا' تو براہ راست خنزیر کا عوض نہ ہوا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَااخْتَلَفَ الشَّفِیْعُ وَالْمُشْتَرِیْ فِی الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِیْ فَاِنْ اَقَامَا الْبَیِّنَةَ فَالْبَیِّنَةُ بَیِّنَةُ

جب جھگڑا کریں شفیع و مشتری ثمن میں تو قول مشتری کا معتبر ہوگا' اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو شفیع کا بینہ

الشَّفِیْعِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَیِّنَةُ بَیِّنَةُ الْمُشْتَرِیْ

معتبر ہوگا طرفین کے نزدیک' امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ مشتری کا بینہ معتبر ہو گا

وَاِذَا ادَّعَی الْمُشْتَرِیْ ثَمَنًا اَکْثَرَ وَادَّعَی الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ یَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِیْعُ بِمَا

جب دعوی کرے مشتری زیادہ قیمت کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا اور ابھی اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو لے لے اس کو شفیع

قَالَ الْبَائِعُ وَکَانَ ذٰلِکَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِیْ وَاِنْ کَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ

بائع کی کہی ہوئی قیمت میں اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا' اگر بائع ثمن لے چکا تو لے اس کو شفیع مشتری کے کہنے کے مطابق

وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى قَوْلِ الْبَائِعِ وَاِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذٰلِكَ عَنِ الشَّفِيْعِ
اور نہ دھیان دے بائع کے کہنے پر جب کم کر دے بائع مشتری سے کچھ قیمت تو ساقط ہو جائے گی اتنی ہی شفیع سے

وَاِنْ حطَّ عَنْهُ جميعَ الثَّمنِ لَمْ يَسْقُطْ عَنِ الشَّفِيْعِ وَاِذَا زَادَ الْمُشْتَرِیْ لِلْبَائِعِ فِی الثَّمَنِ
اور اگر پوری قیمت معاف کر دی تو شفیع کے ذمہ سے ساری قیمت ساقط نہ ہوگی اگر مشتری نے بائع کو زیادہ قیمت دے دی

لَمْ تَلْزَمِ الزِّيَادَةُ لِلشَّفِيْعِ
تو یہ زیادتی شفیع کے ذمہ لازم نہ ہوگی

دربارہ ثمن شفیع ومشتری کے اختلاف کا بیان

تشریح الفقہ واذا اختلف الشفیع الخ اگر شفیع اور مشتری ثمن کی بابت اختلاف کریں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ (اور شفیع کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ چاہے وہ مشتری کے بیان کردہ ثمن کے عوض لے اور چاہے چھوڑ دے) وجہ یہ ہے کہ شفیع مشتری پر کم قیمت کے عوض لینے کے استحقاق کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے اس کی قسم کے ساتھ یہاں شفیع اور مشتری دونوں پر قسم نہیں آئے گی اس واسطے کہ تحالف اسی صورت میں منصوص ہے جب انکار بھی جانبین سے ہو اور دعویٰ بھی جانبین سے ہو اور یہاں مشتری شفیع پر کسی چیز کا دعویدار نہیں ہے اور نہ شفیع منکر ہے فلا یکون فی معنی ماورد بہ النص فامتنع القیاس کذافی العینی۔

قولہ فان اقاما البینۃ الخ حکم مذکور اس وقت ہے جب شفیع بینہ قائم نہ کر سکے اگر اس نے بینہ قائم کر دیا تو اس کے بینہ کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اگر شفیع اور مشتری دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو طرفین کے نزدیک شفیع کا بینہ معتبر ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا بینہ مثبت امر زائد ہے اور مثبت زیادۃ بینہ اولیٰ ہوتا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دونوں کے بینہ ساقط ہو جائیں گے اور مشتری کے قول کا اعتبار ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مشتری کا بینہ گو صورۃً مثبت زیادہ ہے لیکن معنیً شفیع کا بینہ اکثر الاثبات ہے۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ بینات کسی امر کے الزام کے لئے ہوتے ہیں اور یہاں شفیع کا بینہ ملزمہ ہے نہ کہ مشتری کا اس واسطے کہ اگر شفیع کا بینہ قبول کر لیا جائے تو مشتری پر مکان کو شفیع کے حوالے کرنا لازم ہوتا ہے اور مشتری کا بینہ قبول کیا جائے تو شفیع پر کچھ واجب نہیں ہوتا کیونکہ اس کو تو اختیار ہے چاہے لے چاہے چھوڑ دے۔

قولہ واذا ادعی المشتری الخ اگر بائع اور مشتری کے درمیان ثمن میں اختلاف ہو مشتری زیادہ بتائے اور بائع کم بتائے اور قیمت ابھی وصول نہیں کی تو شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اگر فی الواقع بائع کا قول صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر بیع منعقد ہوئی اور اگر مشتری کا قول حق ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ بائع نے اپنی جانب سے قیمت کم کر دی اور یہ کمی کا حق دراصل مشتری کا ہے مگر چونکہ شفیع اس مکان کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ حق شفیع کو بھی حاصل ہوگا۔ بہر کیف حکم کا مدار بائع ہی کے قول پر ہوگا اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا، پھر مقدار ثمن میں اختلاف ہوا تو اگر شفیع کے پاس گواہ ہوں تو قبول ہوں گے ورنہ مشتری سے قسم لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا اور بائع کا قول لائق التفات نہ ہوگا خواہ وہ ثمن کم بتائے یا زائد۔ اس واسطے کہ جب بائع ثمن وصول کر چکا تو بیع مکمل ہو گئی اور مشتری مبیع کا مالک ہو گیا اور بائع اجنبی محض ہو گیا اور اختلاف صرف شفیع اور مشتری کے درمیان رہا و عندالائمۃ الثلاثۃ یا خذھا بقول المشتری فیھما۔

واذاحط البائع الخ مشفوعہ مکان کا معاوضہ جو بذمہ شفیع عائد ہوتا ہے اگر بیع تام ہو جانے کے بعد بائع مشتری کے ذمہ سے کچھ قیمت کم کر دے تو شفیع کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسی قیمت پر مکان لے لے لیکن اگر بائع پوری قیمت معاف کر دے تو یہ شفیع کے حق میں ساقط نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ کل ثمن ساقط کرنا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہو سکتا ورنہ شفعہ ہی باطل ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ کل ثمن ساقط کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو

عقد بیع عقد ہبہ ہو جائے گا یا عقد بلا ثمن ہوگا (جو فاسد ہے) اور ہبہ اور بیع فاسد دونوں میں حق شفعہ نہیں ہوتا۔ صاحب جوہرہ نیرہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں شفیع سے ثمن کا ساقط نہ ہونا اس وقت ہے جب بائع نے ثمن بکلمہ واحدہ ساقط کیا ہو اور اگر چند کلمات کے ساتھ ساقط کیا تو کلمہ اخیرہ کے اعتبار سے لے گا۔

قولہ واذا زاد المشتری الخ اگر مشتری نے بائع کے لئے ثمن میں اضافہ کیا تو یہ اضافہ شفیع پر لازم نہ ہوگا کیونکہ شفیع کو اسی ثمن اول پر لینے کا استحقاق حاصل ہو چکا جس پر عقد اول واقع ہوا ہے تو بعد میں مشتری وغیرہ کے فعل سے اس پر زیادتی لاگو نہیں کی جا سکتی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلَى عَدَدِ رُءُوسِهِمْ وَلَايُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاكِ

جب جمع ہو جائیں چند شفیع تو شفعہ ان کے درمیان شمار کے مطابق ہوگا اور ملکوں کے اختلاف کا اعتبار نہ ہوگا۔

متعدد شفیعوں کے درمیان تقسیم شفعہ کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ واذا اجتمع** الخ اگر مساوی درجہ کے چند شفیع جمع ہوں تو ان سب کے درمیان شفعہ شمار افراد کے موافق ہوگا اور اختلاف املاک کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی کے یہاں شفعہ مقدار املاک کے لحاظ سے ہوگا مثلاً ایک مکان تین آدمیوں میں اس طرح مشترک ہے کہ ایک کا نصف ہے، دوسرے کا تہائی اور تیسرے کا چھٹا اور صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو امام شافعی کے نزدیک مبیعہ حصہ میں اثلاث کا حکم ہوگا بقدر املاک یعنی دو تہائی ثلث والے کو ملے گا اور ایک سدس والے کو اور اگر صاحب سدس نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اخماس کا حکم ہوگا یعنی تین نصف والے کو ملیں گے اور دو ثلث والے کو اور اگر صاحب ثلث نے اپنا حصہ فروخت کیا تو ارباع کا حکم ہوگا یعنی تین نصف والے کو ملیں گے اور ایک سدس والے کو۔ ہمارے یہاں دونوں شریکوں میں برابر نصفا نصف کا حکم ہوگا اور ملک کی کمی بیشی کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ملیت کے فوائد مکمل ہوں لہذا حق شفعہ ملکیت کے مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب شفعہ ملیت کا مبیع کے ساتھ متصل ہونا ہے خواہ قلیل ملیت متصل ہو یا کثیر تو مستحقین شفعہ خواہ بسبب شرکت عین ہوں یا بسبب شرکت حق یا بسبب حق جوار سب ایک ہی جہت سے شفعہ کے مستحق ہیں تو استحقاق شفعہ میں بھی سب برابر ہوں گے۔

فائدہ: مذکورہ بالا حکم تو اس وقت ہے جب سب شفیع مجتمع ہوں لیکن اگر متفرق ہوں یعنی بعض حاضر ہوں اور بعض غیر حاضر تو کیا حکم ہے؟ شرح خجندی میں ہے کہ جب کسی مکان کے چند شفیع ہوں اور ان میں سے بعض آ کر شفعہ طلب کریں اور باقی غیر حاضر ہوں تو اس بعض حاضر کے لئے کل مکان میں حق شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ غیر حاضر شفیعوں کی بابت دونوں احتمال ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ شفعہ کا مطالبہ کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ کریں۔ تو شک کی وجہ سے شفیع حاضر کا حق ساقط نہ ہوگا۔ اب اگر غائب شفیع آ جائیں اور وہ اپنا حق طلب کریں تو وہ شفیع حاضر کے ساتھ شریک رہیں گے اگر حاضر شفیع شفیع غائب کی عدم موجودگی میں یہ کہے کہ میں تو نصف یا ثلث لوں گا (اور یہی مقدار اس کا اصل حق ہو) تو یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا بلکہ کل مکان یا تو لینا ہوگا یا چھوڑنا ہوگا۔ ینابیع میں ہے کہ اگر حاضر شفیع آدھا مکان طلب کرے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا خواہ اس کا یہ خیال ہو کہ میں اس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہوں یا یہ خیال نہ ہو اور اگر غائب شفیع حاضر ہو جانے کے بعد شفعہ طلب کرے اور حاضر شفیع اس سے یہ کہے کہ یا تو کل مکان لے یا چھوڑ دے اور وہ یہ کہے کہ میں تو نصف لوں گا تو وہ نصف لے سکتا ہے اس سے زیادہ لینا اس پر لازم نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنِ اشْتَرٰی دَارًا بِعِوَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِقِيْمَتِهٖ وَاِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيْلٍ اَوْمَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِهٖ
جس نے خریدا مکان اسباب کے عوض تو لے اس کو شفیع قیمت کے عوض اگر خریدا اس کو کیلی یا وزنی چیز کے عوض تو لے اس کو اسی کے مثل

وَاِنْ بَاعَ عِقَارًا بِعِقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِقِيْمَةِ الْاٰخَرِ وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعُ اَنَّهَا بِيْعَتْ
کے عوض اگر فروخت کی زمین زمین کے عوض تو لے شفیع ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت سے جب شفیع کو خبر ملی کہ مکان ایک ہزار میں

بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْشَعِيْرٍ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ اَوْاَكْثَرُ
فروخت ہوا ہے اس لئے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں یا اتنے گیہوں یا جو میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ

فَتَسْلِيْمُهٗ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِذَا قِيْلَ لَهٗ اَنَّ
ہے تو اس کی دست کشی باطل ہے اور اس کے لئے شفعہ ہے اگر معلوم ہوا کہ اتنی اشرفیوں میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو شفعہ نہیں ہے اور جب شفیع سے کہا گیا کہ

الْمُشْتَرِیْ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ غَيْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ وَمَنِ اشْتَرٰی دَارًالِغَيْرِهٖ فَهُوَالْخَصْمُ
خریدار فلاں ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے اور جس نے مکان خریدا دوسرے کے لئے تو مدعی علیہ

فِی الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُّسَلِّمَهَا اِلَی الْمُوَكِّلِ وَاِذَابَاعَ دَارًااِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِیْ طُوْلِ الْحَدِّ الَّذِیْ يَلِیْ
یہ خریدار ہی ہوگا الا یہ کہ وہ مکان مؤکل کے حوالے کر دے اگر مکان فروخت کیا ایک ہاتھ چھوڑ کر اس طرف کی لمبائی سے جو شفیع سے

الشَّفِيْعَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ بَاعَ مِنْهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِی السَّهْمِ الْاَوَّلِ
متصل ہے تو اب شفعہ نہیں ہے اگر خریدا مکان کا کچھ حصہ قیمتہ پھر باقی بھی خرید لیا تو پڑوسی کے لئے شفعہ پہلے حصہ میں ہو گا

دُوْنَ الثَّانِیْ وَاِذَا ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ اِلَيْهِ ثَوْبًا عِوَضًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ
نہ کہ ثانی حصہ میں اگر مکان خریدا قیمتہ پھر دے دیا اس کے عوض کپڑا تو شفعہ قیمت سے ہو گا نہ کہ کپڑے سے

شفعہ کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ قولہ ومن اشتری دارا الخ اگر مشفوعہ مکان کو اسباب کے عوض میں خریدا تو شفیع اس کی قیمت دے کر لے سکتا ہے کیونکہ اسباب ذوات القیم میں سے ہے اور اگر کیلی یا وزنی چیز کے عوض میں خریدا گیا تو شفیع ان کا مثل دے کر لے سکتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں اور اگر زمین کو زمین کے عوض میں فروخت کیا تو شفیع ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی قیمت سے لے سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا بدل ہے اور ذوات القیم میں سے ہے جوہرہ میں ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ شخص دونوں زمینوں کا شفیع ہو اگر ایک ہی کا شفیع ہو تو بس اسی کو دوسری کی قیمت دے کر لے لے۔

قولہ بیعت بالف الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس لئے شفیع نے شفعہ طلب نہیں کیا پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں یا اتنے گیہوں یا جو وغیرہ کے عوض میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار روپے یا اس سے زائد ہے تو شفیع کے لئے حق شفعہ ہوگا اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اتنی اشرفیوں کے عوض میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار روپے ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک حق شفعہ نہ ہوگا مگر استحسانا قیاس کی رو سے یہاں بھی حق شفعہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ امام زفر کا یہی قول ہے کیونکہ جنس یہاں بھی مختلف ہے حقیقۃً بھی اور حکمًا بھی حتی جاز التفاضل بینھما فی البیع وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شفعہ طلب نہ کرنا کثرت ثمن یا تعذر جنس کی وجہ سے تھا بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو وہ شفعہ کا حق دار ہوگا کیونکہ اختلاف ثمن کی وجہ سے رغبت میں اختلاف ہوتا ہے اور دوسری صورت میں اختلاف صرف درہم و دینار کا ہے جس کا کوئی اعتبار

نہیں کیونکہ ثمنیت میں دونوں جنسیں متحد ہیں۔

قولہ ان المشتری فلان الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان فلاں شخص نے خریدا ہے اس لئے شفیع نے بیع تسلیم کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ کسی اور نے خریدا ہے تو شفیع کو شفعہ کا حق ہوگا کیونکہ عادات و اخلاق کے لحاظ سے آدمی مختلف ہوتے ہیں بعضوں کی ہمسائیگی گوارا ہوتی ہے اور بعضوں کی ناگوار۔ تو ایک کے متعلق بیع تسلیم کرنا دوسرے کے متعلق بیع تسلیم کرنے کو مستلزم نہیں

قولہ الامقدار ذراع الخ کسی نے مکان فروخت کیا اور جو حصہ شفیع کی جانب ہے اس میں سے گز بھر ٹکڑا فروخت نہیں کیا تو شفیع شفعہ کا دعوی نہیں کر سکتا۔ (بشرطیکہ طول مستثنیٰ شفیع کے تمام گھر سے ملاصق ہو) اس واسطے کہ شفعہ کا سبب مبیع کے ساتھ شفیع کی ملک کا متصل ہونا تھا اور صورت مذکورہ میں اتصال ملک بالمبیع موجود نہیں اور اگر مشتری نے اولاً مکان کا کچھ حصہ (مثلاً دسواں) ایک معین ثمن (مثلاً پانچ سو روپیہ) میں خریدا پھر باقی مکان خرید لیا تو پڑوسی کا حق شفعہ صرف پہلے حصہ میں ہوگا اور باقی مکان مشتری کا ہوگا کیونکہ مشتری خرید اول سے بائع کا شریک ہوگا اور شریک حق شفعہ میں ہمسایہ پر مقدم ہوتا ہے اور اگر مکان کسی قیمت پر خریدا پھر ثمن کے عوض میں بائع کو کپڑے کا ایک تھان دے دیا تو شفیع کو اسی قیمت کے عوض میں لینا پڑے گا نہ کہ تھان کے عوض میں کیونکہ مکان کا عوض وہی قیمت ہے اور قیمت کے عوض میں تھان دینا دوسرا عقد ہے۔

وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِيْ اِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُكْرَهُ

مکروہ نہیں حیلہ کرنا شفعہ ساقط کرنے کے لئے امام ابو یوسف کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے

تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان

تشریح الفقہ۔ **قولہ ولا تکرہ الخ** ایسی تدبیر کرنا جس سے شفیع مشفوع کو نہ لے سکے دو قسم پر ہے' ایک حیلہ اسقاط شفعہ اور ایک حیلہ دفع ثبوت شفعہ۔ سو ثبوت شفعہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے مثلاً مشتری نے ایک مکان خرید کر شفیع سے کہا کہ تو یہ مکان مجھ سے خرید لے اور یہ اس لئے کہا۔ کہ اگر وہ خرید کا ارادہ کرے گا تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ خرید پر اقدام کرنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے تو یہ حیلہ اسقاط شفعہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ دوسری صورت یعنی ایسا حیلہ کرنا جس سے شفعہ ثابت ہی نہ ہو امام محمد کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے' یہی امام شافعی کا قول ہے امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں اور باب شفعہ میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے' سراجیہ میں ہے کہ حیلہ کا جواز اس وقت ہے جب ہمسایہ کو اس کی ضرورت ہو' محشی اشتباہ نے اسی کو مستحسن سمجھا ہے' شرح وقایہ میں ہے کہ شفعہ کی مشروعیت دفع ضرر کے لئے ہے تو اگر مشتری ایسا شخص ہو کہ اس سے پڑوسیوں کو ضرر ہو تو اسقاط شفعہ کا حیلہ کرنا حلال نہیں اور اگر مشتری نیک مرد ہو اور شفیع متعنت ہو جس کی ہمسائیگی ناپسند ہو تو حیلہ حلال ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا بَنَى الْمُشْتَرِيْ اَوْغَرَسَ ثُمَّ قُضِيَ لِلشَّفِيْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ

اگر مشتری نے مکان بنا لیا یا باغ لگایا پھر فیصلہ ہو گیا شفیع کے حق میں شفعہ کا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے مکان کی قیمت

وَقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعَيْنِ وَاِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِيْ بِقَلْعِهٖ وَاِنْ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ فَبَنٰى

اور اکھڑے ہوئے باغ اور عمارت کی قیمت دے کر لے چاہے مشتری کو اکھاڑ لینے پر مجبور کرے اور اگر شفیع نے کوئی زمین لے کر مکان بنا لیا

اَوْغَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَلَا يَرْجِعُ بِقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَاِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ

یا باغ لگا لیا پھر اس کا حقدار نکل آیا تو یہ قیمت واپس لے گا عمارت اور باغ کی قیمت نہیں لے سکتا' اگر مکان گر گیا

وَاحتَرَقَتْ بَنَاؤُهَا اَوْجَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ عَمَلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخذَهَا

اور اس کی چھت جل گئی یا باغ کے درخت خشک ہو گئے کسی کے کچھ کئے بغیر تو شفیع کو اختیار ہے چاہے کل قیمت دے کر لے لے

بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَ وَاِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِى الْبِنَاءَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ

چاہے چھوڑ دے اور اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ چاہے میدان کو اس کے حصہ کے

بِحِصَّتِهَا وَاِنْ شِئْتَ فَدَعْ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّاْخُذَ النَّقْضَ وَمَنِ ابْتَاعَ اَرْضًا وَ عَلٰى نَخْلِهَا ثَمَرٌ

عوض میں لے چاہے چھوڑ دے وہ ٹوٹ پھوٹ نہیں لے سکتا، کسی نے باغ خریدا جس کے درختوں پر پھل لگے ہوئے

اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِثَمَرِهَا وَاِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِى سَقَطَ عَنِ الشَّفِيْعِ حِصَّتُهُ وَاِذَا قُضِىَ لِلشَّفِيْعِ

ہیں تو شفیع اس کو پھل سمیت لے لے، اگر مشتری پھل توڑ لے تو شفیع سے اتنی ہی قیمت ساقط ہو جائے گی شفیع کے حق میں مکان

بِالدَّارِ وَلَمْ يَكُنْ رَاٰهَا فَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ فَاِنْ وَّجَدَبِهَا عَيْبًا فَلَهُ اَنْ يَّرُدَّهَا بِهٖ وَاِنْ كَانَ

کا فیصلہ ہو گا جس کو اس نے دیکھا نہ تھا تو اس کے لئے خیار رویت ہے اگر اس میں عیب پائے تو عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے اگرچہ

الْمُشْتَرِى شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ وَاِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُّؤَجَّلٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا

مشتری نے اس سے بری ہونے کی شرط کر لی ہو اگر مکان ادھار خریدا تو شفیع کو اختیار ہے چاہے فوری

بِثَمَنٍ حَالٍّ وَاِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰى يَنْقَضِىَ الْاَجَلُ ثُمَّ يَاْخُذُهَا وَاِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعِقَارَ فَلَا

قیمت دے کر لے لے چاہے صبر کرے یہاں تک کہ مدت گذر جائے اس کے بعد لے لے اگر چند شریکوں نے جائیداد تقسیم کی تو تقسیم

شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ وَاِذَااشْتَرٰى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيْعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِى بِخِيَارِ

کی وجہ سے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہے کسی نے مکان خریدا اور شفیع نے شفعہ کو چھوڑ دیا پھر مشتری نے مکان بحکم قاضی

رُؤْيَةٍ اَوْبِشَرْطٍ اَوْبِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ وَاِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ

خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کے باعث واپس کر دیا تو شفیع کے لئے شفعہ نہیں ہے اور اگر بلا حکم قاضی واپس کیا

اَوْتَقَايَلَا فَلِلشَّفِيْعِ الشُّفْعَةُ

یا اقالہ کرلیا تو شفیع کے لئے حق شفعہ ہے

شفعہ کے باقی متفرق مسائل

توضیح اللغۃ غرس (ض) غرسا۔ پودہ لگانا، مقلوعین۔ اکھڑے ہوئے، کلف تکلیفا۔ دشوار کام کا حکم دینا، قلع۔ اکھاڑنا، انہدمت۔ عمارت کا شکستہ و ویران ہونا، جف (ض) جفافا۔ خشک ہونا، بستان باغ، نقض (ن) نقضا توڑنا، عرصہ۔ ہر وہ جگہ جس میں کوئی عمارت نہ ہو، دع۔ ودع یدع سے امر حاضر ہے۔ چھوڑنا، نقض۔ ملبہ، جد۔ (ض) جدا۔ کاٹنا، تقایلا۔ اقالہ کرلیا۔

تشریح الفقہ قولہ واذا بنی المشتری الخ اگر مشتری نے خرید کردہ زمین میں کوئی عمارت بنالی یا باغ لگالیا اس کے بعد حق شفعہ کا حکم ہو گیا تو طرفین کے نزدیک شفیع کو دو اختیار ہیں۔ چاہے زمین اس کے ثمن کے ساتھ اور اکھڑی ہوئی عمارت اور باغ کی قیمت کے ساتھ لے لے۔ چاہے مشتری سے عمارت اور درخت اکھڑوا کر خالی زمین لے لے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ شفیع چاہے زمین کے ثمن اور عمارت کی قیمت کے ساتھ لے اور چاہے بالکل چھوڑ دے۔ امام شافعی کے یہاں ان دو کے ساتھ تیسرا اختیار یہ بھی ہے کہ مشتری سے درخت اکھاڑنے کے لئے کہے اور

جونقصان ہوا س کا تاوان دے دے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مشتری کا تصرف حق بجانب ہے کیونکہ اس نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے پس اس کو عمارت وغیرہ اکھاڑنے کا حکم دینا ایک قسم کا ظلم ہے اس لئے شفیع یا تو اس کی قیمت دے کر لے لے یا بالکل چھوڑ دے۔طرفین کی دلیل یہ ہے کہ گو مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے تاہم اس کے ساتھ شفیع کا حق وابستہ بلکہ پختہ ہو چکا ہے۔اس لئے اس کا تصرف توڑ دیا جائے گا۔

قولہ وان اخذھا الشفیع الخ شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہوا اور اس نے زمین میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر کسی مدعی نے اپنی ملکیت ثابت کر کے بائع و مشتری کی بیع باطل کرا کر شفیع سے زمین لے لی اور عمارت وغیرہ اکھڑوادی تو شفیع کو صرف ثمن واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ عمارت وغیرہ کی قیمت نہیں لے سکتا' نہ بائع سے نہ مشتری سے وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں مشتری بائع کی جانب سے مسلط ہونے کی بناء پر دھوکا میں ہے کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اور یہاں مشتری کی جانب سے شفیع کے حق میں کوئی دھوکا نہیں ہے کیونکہ مشتری تو شفیع کو دینے پر مجبور ہے۔

قولہ واذا انھدمت الخ اگر مشفوعہ زمین پر کوئی ساوی آفت آجائے مثلاً مکان تھا وہ گر گیا یا باغ تھا وہ خود بخود خشک ہو گیا تو اس صورت میں شفیع کو اختیار ہے چاہے کل ثمن دے کر لے چاہے بالکل چھوڑ دے کیونکہ عمارت اور درخت وغیرہ سب زمین کے تابع ہیں اس لئے ان چیزوں کے مقابلہ میں ثمن کی کوئی مقدار نہ ہوگی بلکہ کل ثمن اصل زمین کا ہوگا اور اگر مشتری نے مشفوعہ مکان کے کچھ حصہ کو توڑ ڈالا تو شفیع سے اسی قدر قیمت ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہ اتلاف مشتری کے فعل سے ہوا ہے اس لئے اب عمارت کے مقابلہ میں ثمن کا حصہ آجائے گا۔

قولہ بثمن مؤجل الخ اگر مکان میعادی ثمن پر (ادھار) خریدا گیا تو شفیع کو دو باتوں میں اختیار ہے چاہے فوراً ثمن دے کر لے لے چاہے مدت گزرنے کا انتظار کرے اور مدت گزرنے پر لے لے لیکن ادھار نہیں لے سکتا البتہ امام زفر' امام مالک' امام احمد کے نزدیک اس کا بھی اختیار ہے۔امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ثمن کا کھوٹا ہونا اس کا وصف ہے اسی طرح میعادی ہونا بھی ثمن کا ایک وصف ہے پس ثمن جس وصف کے ساتھ مقرر ہوا سی کے ساتھ لازم ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ میعادی ہونا وصف نہیں بلکہ اداء ثمن کا ایک طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میعاد کا ثبوت شرط کے بغیر نہیں ہوتا اور شفیع سے بائع یا مشتری کی کوئی شرط نہیں ہوئی لہذا شفیع کے حق میں ادھار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

قولہ ثم ردھا المشتری الخ ایک مکان فروخت ہوا اور شفیع نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا اس کے بعد وہ مکان خیار شرط یا خیار رویت کے سبب سے واپس کر دیا گیا یا خیار عیب کے سبب سے واپس کیا گیا اور واپسی قاضی کے حکم سے ہوئی تو اس میں بھی شفعہ نہ ہوگا کیونکہ شفعہ بیع کے بعد ہوتا ہے نہ کہ فسخ بیع کے بعد' ہاں اگر خیار عیب کی وجہ سے واپسی بلا قضاءِ قاضی ہو یا بحکم اقالہ ہو تو شفعہ واجب ہوگا کیونکہ غیب کی وجہ سے بلا قضاء قاضی واپس کرنا ابتداء بیع کے درجہ میں ہوتا ہے اور اقالہ شخص ثالث کے حق میں بیع ہوتا ہے **و عندزفر والشافعی و احمد لاتجب فی ھذہ الصورۃ ایضًا**۔

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

شرکت کا بیان

اَلشِّرْكَةُ عَلٰی ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَّ شِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ
شرکت دو طرح پر ہے شرکت املاک اور شرکت عقود شرکت املاک یہ ہے

اَلْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ اَوْيَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِیْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ اِلَّا
کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں یا دونوں مل کر خریدیں تو کسی ایک کے لئے جائز نہیں یہ کہ تصرف کرے دوسرے کے حصہ میں مگر

بِاِذْنِهٖ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ كَالْاَجْنَبِيِّ

اس کی اجازت سے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں مثل اجنبی آدمی کے ہے

تشریح الفقہ قولہ کتاب الشرکۃ الخ شفعہ کے بعض مسائل چونکہ شرکت سے متعلق تھے اس لئے یہاں شرکت کے مسائل بیان کر رہے ہیں۔ نفس شرکت کی مشروعیت پر کتاب وسنت دونوں شاہد ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ "فھم شرکاء فی الثلث" و فی الحدیث "کنت شریکی فی الجاھلیۃ فکنت خیر شریک لاتداری و لا تماری[1]" شرکت لغت میں دو حصوں کو اس طرح مخلوط کرنا اور ملانا ہے کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ نیز عقد شرکت کو بھی کہتے ہیں اگرچہ اس میں اختلاط نہ ہو لان العقد سبب لہ اصطلاح شرع میں شرکت اس عقد کو کہتے ہیں جو راُس المال اور منفعت دونوں میں واقع ہو پس اگر شرکت صرف منفعت میں ہو تو اس کو مضاربت کہیں گے اور صرف راُس المال میں ہو تو اس کو بضاعت۔

قولہ الشرکۃ الخ شرکت کی دو قسمیں ہیں۔ شرکت املاک، شرکت عقود، شرکت املاک یہ ہے کہ دو (یا اس سے زائد) آدمی وراثت، خرید، ہبہ، صدقہ، استیلاء، اختلاط وغیرہ میں سے کسی طریق سے شئی معین کے مالک ہو جائیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی محض ہوتا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی مضر تصرف نہیں کر سکتا۔ شرکت عقد کا بیان آگے آ رہا ہے۔

وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَهِيَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ مُّفَاوَضَةٌ وَعِنَانٌ وَّشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ

دوسری قسم یعنی شرکت عقود کی چار قسمیں ہیں مفاوضہ، عنان شرکت صنائع

وَشِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَاَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ اَنْ يَّشْتَرِطَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوِيَانِ فِيْ مَالِهِمَا

شرکت وجوہ شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی یہ شرط کر لیں کہ مال

وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ وَلَايَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ

تصرف اور قرضہ میں دونوں برابر رہیں گے پس یہ شرکت جائز ہے ایسے دو آدمیوں میں جو آزاد، مسلمان، بالغ عاقل ہوں اور جائز نہیں آزاد

وَالْمَمْلُوْكِ وَلَابَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ وَمَا

وغلام بچہ و بالغ اور مسلم و کافر کے درمیان اور یہ منعقد ہو جاتی ہے وکالت اور کفالت پر اور جو کچھ

يَشْتَرِيْهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَكُوْنُ عَلَى الشِّرْكَةِ اِلَّا طَعَامَ اَهْلِهٖ وَكِسْوَتَهُمْ وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ

خریدے گا ان میں سے کوئی ایک وہ ہو گی شرکت پر سوائے بال بچوں کے کھانے اور کپڑے کے اور جو قرض لازم ہو ان میں سے کسی

مِّنَ الدُّيُوْنِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيْهِ الْاِشْتِرَاكُ فَالْاٰخَرُ ضَامِنٌ لَهٗ فَاِنْ وَّرِثَ اَحَدُهُمَا مَاتَصِحُّ

کو ایسی چیز کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا اس کا ضامن ہو گا اگر ان میں سے کوئی وارث ہو گیا ایسی چیز کا

فِيْهِ الشِّرْكَةُ اَوْوُهِبَ لَهٗ وَوَصَلَ اِلٰى يَدِهٖ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتِ الشِّرْكَةُ عِنَانًا وَلَا

جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دی گئی اور اس کے قبضہ میں آ گئی تو شرکت مفاوضہ باطل ہو کر شرکت عنان ہو جائے گی اور

تَنْعَقِدُ الشِّرْكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَلَا يَجُوْزُ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ

نہیں منعقد ہوتی شرکت مگر دراہم و دنانیر اور رائج پیسوں سے اس کے علاوہ میں جائز نہیں

[1] ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد، حاکم عن السائب ۱۲۔

اَلَّا اَنْ يَّتعامل النّاسُ بِهٖ كَالتِّبر والنُّقرة فتصحُ الشَّرْكَةُ بِهِمَا وَاِنْ اَرَادَالشَّرْكَةَ بِالْعُرُوْضِ

الا یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں جیسے سونے چاندی کی ڈلی کہ ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائے گی اگر اسباب میں شرکت چاہیں

باعَ كلُّ واحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَ مَالِهٖ بِنِصْفِ مَالِ الْاٰخر ثُمَّ عَقَدَ الشَّرْكَةَ

تو ان میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے عوض فروخت کر دے پھر شرکت کر لے۔

شرکت مفاوضہ کا بیان

توضیح اللغۃ عقود۔ جمع عقد، اوجہ۔ جمع وجہ، نوع ۔قسم، مفاوضہ۔ مساوات، صنائع جمع صنعۃ ۔ پیشہ، وجوہ ۔جمع وجہ ۔ چہرہ، کسوۃ ۔لباس، دیون۔ جمع دین ۔قرض، فلوس جمع فلس ۔ پیسہ، تبر۔ سونے کی ڈلی، نقرۃ ۔ چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا، عروض جمع عرض ۔ سامان۔

تشریح الفقہ قولہ مفاوضۃ الخ شرکت کی دوسری قسم شرکت عقود ہے جس کی چار قسمیں ہیں۔ مفاوضہ، عنان، شرکت صنائع، شرکت وجوہ۔ مفاوضہ بمعنی مساوات ہے یعنی ہر چیز میں برابر ہونا۔ اصطلاح میں شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دونوں شریک مال میں، تصرف میں اور دین میں برابر ہوں تو دو آزاد، مسلمان، عاقل، بالغ آدمیوں کے درمیان شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی اور آزاد و غلام، بچے اور بالغ کے درمیان صحیح نہ ہوگی کیونکہ آزاد، عاقل، بالغ، آدمی تصرفات (اور کفالت ہر دو) کا مالک ہے اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر (کسی ایک کا بھی) مالک نہیں۔ اسی طرح بلا اجازت ولی تصرفات (اور کفالت) کا مالک نہیں۔ نیز طرفین کے نزدیک مسلم و کافر کے درمیان بھی صحیح نہیں کیونکہ مساوات فی الدین مفقود ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔

قولہ و تنعقد الخ شرکت مفاوضہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو اور اس کی طرف سے کفیل بھی ہو۔ تاکہ مقصود یعنی خرید کردہ شئے میں شرکت کا واقع ہونا متحقق ہو سکے کیونکہ ایک شریک جو چیز خریدے گا اس کو دوسرے کی ملک میں اس وقت داخل کر سکتا ہے جب اس کو اس کی ولایت حاصل ہو اور یہاں ولایت وکالت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ ائمہ ثلاثہ شرکت مفاوضہ کے جواز کے قائل نہیں امام مالک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ لا اعرف ما المفاوضہ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اس میں مجہول الجنس کی وکالت اور کفالت ہوتی ہے جو جائز نہیں لیکن استحساناً جائز ہے اور وجہ جواز تعامل ناس ہے کہ عام طور پر اس قسم کا معاملہ بلانکیر کیا جاتا ہے اور تعامل ناس کے سامنے قیاس متروک ہو جاتا ہے۔ رہا مجہول الجنس کی وکالت کا ناجائز ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ وکالت بالمجہول گو قصداً جائز نہیں لیکن ضمناً جائز ہے جیسے بضمن مضاربت مجہول شئی کی خریداری کی وکالت ہوتی ہے۔

قولہ و ما یشتریہ الخ جب شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے تو شریکین میں سے جو شخص کوئی چیز خریدے گا وہ مشترک واقع ہوگی کیونکہ مقتضاء عقد مساوات ہے اور شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہے پس کسی ایک کا خریدنا گویا دوسرے کا خریدنا ہے البتہ جو چیزیں دائمی ضروریات میں داخل ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے اہل و عیال کے لئے کھانا، سالن، لباس، رہائشی مکان خریدنا کیونکہ جو چیز دلالت حال کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ زبانی شرط کے برابر ہوتی ہے۔

قولہ فان ورث الخ جن چیزوں میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم و دنانیر اگر ان میں سے کوئی شئے ایک شریک بطریق ہبہ یا بطریق وراثت حاصل کر لے تو اس میں شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی کیونکہ مفاوضہ میں جس طرح ابتداء مالی مساوات شرط ہے اسی طرح بقاء بھی شرط ہے اور

صورت مذکورہ میں بقاء مساوات مفقود ہے۔ ہاں اگر بطریق مذکور کوئی سامان یا زمین حاصل کرے تو شرکت مفاوضہ باطل نہ ہوگی کیونکہ ان میں شرکت ہی صحیح نہیں تو مساوات بھی شرط نہ ہوگی۔

قولہ وان اراد الشرکۃ الخ دراہم ودنانیر کے علاوہ سامان اور زمین وغیرہ میں شرکت مفاوضہ صحیح نہیں لیکن اگر کوئی ان میں شرکت مفاوضہ کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک اپنا نصف حصہ دوسرے کے نصف حصہ کے عوض میں فروخت کردے اس کے بعد دونوں شریک ہو جائیں کیونکہ اب وہ دونوں عقد بیع کے ذریعہ قیمت میں شریک ہو گئے (بشرکت ملک) کہ کسی ایک کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنا جائز نہیں رہا۔ اس کے بعد عقد شرکت کی وجہ سے یہ شرکت ملک شرکت عقد ہوگئی کہ اب ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کرسکتا ہے
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ وَيَصِحُّ اَنْ
رہی شرکت عنان سو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر اور صحیح ہے یہ کہ مال میں کمی بیشی ہو اور یہ کہ

يَّتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهٖ
مال میں دونوں برابر ہوں اور نفع میں کم و بیش اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے شرکت کرے

دُوْنَ بَعْضٍ وَّلَا تَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهٖ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ
نہ کہ پورے سے اور صحیح نہیں مگر اس سے جس سے بیان کر چکے ہم کہ مفاوضہ اس سے صحیح ہے اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک

اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَمِنْ جِهَةِ الْاٰخَرِ دَرَاهِمُ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُوْلِبَ
کی طرف سے اشرفیاں ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں ان میں سے جو کوئی شرکت کے لئے کچھ خریدے گا تو ثمن کا مطالبہ

بِثَمَنِهٖ دُوْنَ الْاٰخَرِ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْهُ وَاِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ اَوْ اَحَدُ
اسی سے ہوگا نہ کہ دوسرے سے اور وہ لے لے گا اتنا ہی اپنے شریک سے جب ہلاک ہو جائے شرکت کا کل مال یا کسی ایک کا

الْمَالَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ شَيْئًا وَ هَلَكَ
مال کوئی چیز خریدنے سے پہلے تو شرکت باطل ہو جائے گی اگر ان میں سے ایک نے اپنے مال سے کوئی چیز خرید لی اور دوسرے

مَالُ الْاٰخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا عَلٰى مَاشَرَطَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ
کا مال کچھ خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں میں شرط کے مطابق مشترک ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصہ کے مطابق ثمن

وَتَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَاِنْ لَّمْ يَخْلِطَا الْمَالَ وَلَا تَصِحُّ الشَّرِكَةُ اِذَا اشْتُرِطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ
لے لے گا' صحیح ہے شرکت گرچہ انہوں نے مال نہ ملایا ہو اور صحیح نہیں جبکہ شرط کر لی جائے کسی ایک کے لئے معین درہموں کی

مِّنَ الرِّبْحِ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُفَاوِضَيْنِ وَ شَرِيْكَيِ الْعِنَانِ اَنْ يُّبْضِعَ الْمَالَ وَيَدْفَعَهٗ مُضَارَبَةً
نفع سے' مفاوضہ و عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دے دے بضاعت اور مضاربت کے طور پر

وَيُوَكِّلُ مَنْ يَّتَصَرَّفُ فِيْهِ وَيَرْهَنُ وَيَسْتَرْهِنُ وَيَسْتَاْجِرُ الْاَجْنَبِيَّ عَلَيْهِ وَيَبِيْعُ بِالنَّقْدِ وَ
اور کسی کو وکیل کرے تصرف کا اور رہن رکھ دے یا رہن رکھ لے اور کسی کو نوکر رکھ لے اور خرید و فروخت کرے نقد اور

النَّسِيْئَةِ وَيَدُهٗ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ وَاَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ
ادھار مال میں اور اس کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا' شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا رنگریز اس طرح شریک

عَلٰی اَنْ یَّتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَیَکُوْنُ الْکَسْبُ بَیْنَهُمَا فَیَجُوْزُ ذٰلِکَ وَمَا یَتَقَبَّلُهٗ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
ہو جائیں کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہو گی اب ان میں سے جو کوئی کام لے گا

مِنَ الْعَمَلِ یَلْزَمُهٗ وَیَلْزَمُ شَرِیْکَهٗ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ فَالْکَسْبُ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ
وہ اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہو گا پس اگر کام کسی ایک نے کیا تو کمائی ان دونوں میں نصفا نصف ہو گی

شرکت عنان کا بیان

توضیح اللغۃ عنان۔ عین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ عن بمعنی ظہر سے ہے' ربح۔ نفع' مشتری' خریدی ہوئی چیز' یخلط (ض) خلطا۔ ملانا' شریکی شریکین تھا تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا' یبضع ابضاعا' دوسرے کو برائے تجارت سرمایہ دینا تا کہ نفع بھی ملے اور اصل سرمایہ بھی۔ نسیئۃ۔ ادھار' صنائع۔ جمع صنعۃ۔ پیشہ' خیاط۔ درزی' صباغ۔ رنگریز' اعمال جمع عمل۔ کام' کسب۔ کمائی۔

تشریح الفقہ قولہ واما شرکۃ العنان الخ شرکت عقد کی دوسری قسم شرکت عنان ہے جو صرف متضمن وکالت ہوتی ہے نہ کہ متضمن کفالت۔ اس میں دونوں شریکوں کا مال اور نفع برابر ہو یا کم وبیش' دونوں تجارت کریں یا صرف ایک بہر صورت صحیح ہے لیکن اگر پورا نفع کسی ایک کے لئے قرار دے دیا گیا تو صحیح نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں شرکت ہی نہیں رہتی بلکہ بضاعۃ یا قرض ہو جاتا ہے اگر پورا نفع عامل کے لئے ہو تو قرض اور صاحب مال کے لئے ہو تو بضاعت' امام شافعی اور امام احمد عقود شرکت میں سے صرف اسی شرکت عنان کے جواز کے قائل ہیں۔

قولہ ویصح ان یتساویا الخ شرکت عنان میں مال دونوں شریکوں کا برابر ہو اور نفع میں کمی بیشی ہو تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ کسی ایک کے لئے اس کے مال کے حصہ سے زیادہ نفع مقرر کرنا جائز نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نفع کا استحقاق کبھی مال کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور کبھی عمل کے ذریعہ سے ہوتا ہے بدلالۃ المضاربۃ پس جب ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ سے مستحق ہو سکتا ہے تو ایک ساتھ دونوں کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ نیز کبھی متعاقدین میں سے کوئی ایک زیادہ ماہر اور تجربہ کار ہوتا ہے جو برابر سرابر نفع پر کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اس لئے تفاضل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ وقد قال علیہ السلام" الربح علی ماشرطا" ولم یفصل بین التساوی والتفاضل۔

قولہ ببعض مالہ الخ اگر شریکین میں سے ہر ایک کے بعض مال کے ذریعہ شرکت ہو تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ شرکت عنان میں مساوات شرط نہیں ہے نیز مختلف الجنس کے ساتھ بھی شرکت صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں عنان کے لئے اختلاط بھی شرط نہیں ہے' امام زفر کے یہاں جائز نہیں' ہم یہ کہتے ہیں کہ بہت سے احکام میں دراہم ودنانیر کو جنس واحد کے درجہ میں رکھا گیا ہے چنانچہ باب زکوۃ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا لیا جاتا ہے پس دراہم ودنانیر پر عقد کرنا گویا جنس واحد پر عقد کرنا ہے۔

شرکت صنائع کا بیان

قولہ واما شرکۃ الصنائع الخ شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے جس کو شرکت تقبل' شرکت اعمال اور شرکت ابدان بھی کہتے اس کی صورت یہ ہے کہ دو اہل حرفت مثلاً دو درزی یا ایک درزی اور ایک رنگریز اس پر متفق ہو جائیں کہ ہر ممکن الاستحقاق عمل قبول کیا کریں گے

اور جو کمائی ہوگی اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ اب شریکین میں سے جو شخص کوئی کام لے گا وہ دونوں کو لازم ہوگا اور جو مزدوری ایک کام کے کرنے سے حاصل ہوگی وہ بموجب شرط دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی گو دوسرے نے وہ کام نہ کیا ہو وعند الشافعي لاتجوز هذه الشركة۔

وَاَمَّا شِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَا مَالَ لَهُمَا عَلٰى اَنْ يَّشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا
شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہوں جن کے پاس مال نہیں ہے اس شرط پر کہ اپنے اپنے اعتبار پر خرید و فروخت کریں گے

فَتَصِحُّ الشَّرْكَةُ عَلٰى هٰذَا وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَكِيْلُ الْاٰخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ فَاِنْ شَرَطَا اَنْ يَّكُوْنَ
تو اس طرح شرکت صحیح ہے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہو گا اس میں جو وہ خریدے' اگر شرط کر لی اس بات کی

الْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَفَاضَلَا فِيْهِ وَاِنْ شَرَطَا اَنَّ الْمُشْتَرٰى
کہ ہو گی خرید کردہ چیز دونوں میں نصفا نصف تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اس میں کمی بیشی جائز نہ ہو گی اور اگر یہ شرط لگائی کہ خرید کردہ

بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَلَايَجُوْزُ الشَّرْكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَالْاِحْتِشَاشِ وَالْاِصْطِيَادِ وَ
تین تہائی رہے گی تو نفع بھی اسی طرح ہو گا جائز نہیں شرکت ایندھن لانے' گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں

مَااصْطَادَهٗ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَوِاحْتَطَبَهٗ فَهُوَ لَهٗ دُوْنَ صَاحِبِهٖ وَاِذَا اشْتَرَكَا وَلِاَحَدِهِمَا
ان میں سے جو کوئی شکار کرے یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہو گا نہ کہ دوسرے کا دو آدمی شریک ہوئے ایک کا

بَغْلٌ وَّلِلْاٰخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ وَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرْكَةُ وَالْكَسْبُ كُلُّهٗ لِلَّذِيْ
خچر ہے دوسرے کا چرس کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہو گی تو یہ شرکت صحیح نہیں کمائی اسی کی ہو گی جس نے

اسْتَقَى الْمَاءَ وَعَلَيْهِ اَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ وَكُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيْهَا عَلٰى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ وَ
پانی کھینچا ہے ہاں اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہو گی' ہر فاسد شرکت میں نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہو گا اور

يَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ اَوِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشَّرْكَةُ
کمی بیشی کی شرط باطل ہو گی' اگر ایک شریک مر جائے یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِّنَ الشَّرِيْكَيْنِ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوةَ مَالِ الْاٰخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
شریکین میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے مال کی زکوۃ دے مگر اس کی اجازت سے اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے

لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوتَهٗ فَاَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فَالثَّانِيْ ضَامِنٌ سَوَاءٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ
کو اپنی زکوۃ دے دینے کی اجازت دی اور ان میں سے ہر ایک نے زکوۃ دے دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا خواہ اسے پہلے کے دینے کی خبر

اَوْلَمْ يَعْلَمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِنْ لَّمْ يَعْلَمْ لَمْ يَضْمَنْ
ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

شرکت وجوہ کا بیان

توضیح اللغۃ بوجوہہما۔ ای بوجاہتہما' احتطاب۔ لکڑی جمع کرنا' احتشاش۔ گھاس جمع کرنا' اصطیاد۔ شکار کرنا' بغل۔ خچر' راویہ۔ پانی کی پکھال' یستقی' استقاء۔ پانی اٹھانا' کسب' کمائی' ارتد۔ ارتداد دین سے پھر جانا' اذن۔ اجازت۔

تشریح الفقہ قولہ واما شرکۃ الخ شرکت عقد کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا' وہ اپنی وجاہت اور اپنے اعتبار واعتماد کے ذریعہ تاجروں کے یہاں سے سامان ادھار لاتے اور فروخت کر کے نفع میں شریک ہوتے ہیں۔شرکت کی یہ صورت بھی صحیح ہے اس میں خریدی ہوئی چیز کے اعتبار سے نفع تقسیم ہوتا ہے یعنی اگر دونوں شریکوں نے کوئی چیز نصفا نصف خریدی تو نفع بھی نصفا نصف ہوگا اور ایک نے ایک تہائی خریدی اور دوسرے نے دو تہائی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اگر کسی شریک نے زائد نفع کی شرط لگالی تو شرط باطل ہوگی' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شرکت بھی جائز نہیں۔

شرکت فاسدہ کا بیان

قولہ ویجوز الشرکۃ الخ یہاں سے شرکت فاسدہ کے احکام بیان کر رہے ہیں' شرکت فاسدہ وہ ہے جس میں صحت شرکت کی شروط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے جو چیزیں مباح الاصل ہیں جیسے لکڑی' گھاس' شکار پانی وغیرہ ان کے حاصل کرنے میں شرکت صحیح نہیں کیونکہ شرکت متضمن وکالت ہوتی ہے اور مباح اشیاء کی تحصیل میں وکالت متصور نہیں ہوسکتی کیونکہ مباح چیزوں کا خود مؤکل مالک نہیں ہوتا تو وہ اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام کرنے کا بھی مالک نہ ہوگا۔

قولہ ولاحد ھما بغل الخ ایک شخص کے پاس خچر ہے' دوسرے کے پاس پانی کی مشکیزہ۔ان دونوں نے اس بات میں شرکت کی کہ ان دونوں کے ذریعہ سے پانی اٹھائیں گے اور جو کمائی ہوگی آپس میں تقسیم کریں گے تو یہ شرکت صحیح نہیں کیونکہ یہ ایک مباح چیز یعنی پانی کے احراز پر منعقد ہوئی ہے اب جو کچھ کمائی ہوئی ہے وہ سب پانی اٹھانے والے کی ہوگی اور خچر والے کو اس کے خچر کی اجرت مثل دی جائے گی کیونکہ پانی جو مباح تھا جب وہ محرز کی ملک ہوگیا تو اس نے بعقد فاسد دوسرے کی ملک (یعنی خچر) سے نفع اٹھایا ہے۔

قولہ وکل شرکۃ فاسدۃ الخ اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو اس میں جو نفع ہوگا وہ مال کی مقدار کے بموجب ہوگا اگرچہ زائد کی شرط کرلی گئی ہو۔اب اگر سب مال ایک ہی شریک کا ہو تو دوسرے شریک کو اس کی محنت کی اجرت دی جائے گی۔قنیہ میں ہے کہ ایک شخص ناؤ کا مالک ہے' اس نے اپنے ساتھ چار شخص شریک کئے اس شرط پر کہ وہ ناؤ چلائیں اور جو نفع ہو اس کا پانچواں حصہ مالک کا اور باقی چاروں کے درمیان برابر' تو یہ شرکت فاسد ہے اور جو کچھ نفع ہوگا وہ سب مالک کا ہوگا اور ان چاروں کے لئے واجبی مزدوری ہوگی۔

قولہ وان یؤدی زکوۃ الخ ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوۃ نہیں دے سکتا کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوۃ ان میں سے نہیں ہے اور اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی اور دونوں نے یکے بعد دیگرے زکوۃ ادا کی تو امام صاحب کے نزدیک جس نے بعد میں ادا کی ہے وہ ضامن ہوگا۔خواہ دوسرے کا ادا کرنا اس کو معلوم ہو یا نہ ہو۔صاحبین کے نزدیک معلوم نہ ہونے کی صورت میں ضامن نہ ہوگا اور اگر دونوں نے ایک ساتھ ادا کی تو دونوں ضامن ہوں گے اور پھر مقاصہ کرلیں گے اور اگر کسی ایک کا مال زائد ہو تو زائد مقدار واپس لے لے گا۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

مضاربۃ کا بیان

اَلْمُضَارَبَۃُ	عَقْدٌ	عَلَی	الشَّرِكَةِ	فِی	الرِّبْحِ	بِمَالٍ	مِّنْ	اَحَدِ	الشَّرِيْكَيْنِ	وَ
مضاربت	ایک عقد	ہے	شرکت	پر	نفع	میں	شریکین میں	سے	ایک کے	مال اور

عَمَلٍ مِّنَ الْاٰخَرِ وَلَاتَصِحُّ الْمُضَارَبَۃُ اِلَّا بِالْمَالِ الَّذِیْ بَيَّنَّا اَنَّ الشَّرِكَةَ تَصِحُّ بِهٖ وَمَنْ شَرْطُهَا

دوسرے کے عمل کے ساتھ اور صحیح نہیں مضاربت مگر اس مال سے جس سے شرکت کا درست ہونا ہم بیان کر چکے مضاربت کی شرط یہ ہے

اَنْ يَكُوْنَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا لَايَسْتَحِقُّ اَحَدُهُمَا مِنْهُ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً وَلَابُدَّ اَنْ يَكُوْنَ الْمَالُ

کہ ہو نفع ان میں مشاع کہ نہ مستحق ہو ان میں سے کوئی معین دراہم کا اور یہ بھی ضروری ہے کہ مال

مُسَلَّمًا اِلَى الْمُضَارِبِ وَلَايَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِيْهِ فَاِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقًا جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ

سپرد ہو مضارب کے جس میں مالک کا کسی طرح کا قبضہ نہ ہو پس جب مضاربت مطلق ٹھہر جائے تو جائز ہے مضارب کے لئے

يَّشْتَرِىَ وَ يَبِيْعَ وَيُسَافِرَ وَ يُبْضِعَ وَيُوَكِّلَ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهٗ

خرید و فروخت اور سفر کرنا' بضاعت پر دینا' وکیل کرنا' ہاں مضاربت پر مال دینا جائز نہیں مگر یہ کہ اجازت دے دے

رَبُّ الْمَالِ فِىْ ذٰلِكَ اَوْيَقُوْلَ لَهٗ اِعْمَلْ بِرَاْيِكَ وَاِنْ خَصَّ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِىْ بَلَدٍ بِعَيْنِهٖ

مالک اس کی یا کہہ دے کہ اپنی رائے کے مطابق کر' اگر تخصیص کر دی مالک نے تجارت کرنے کی کسی خاص شہر

اَوْفِىْ سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْلَهٗ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَ كَذٰلِكَ اِنْ وَقَّتَ لِلْمُضَارَبَةِ مُدَّةً بِعَيْنِهَا

یا معین سامان میں تو مضارب کو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اسی طرح اگر مالک نے مضاربت کی مدت معین کر دی

جَازَوَبَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهَا وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّشْتَرِىَ اَبَ رَبِّ الْمَالِ وَلَا ابْنَهٗ وَلَا مَنْ

تب بھی جائز ہے اور مدت گزرنے پر عقد باطل ہو جائے گا' جائز نہیں مضارب کے لئے رب المال کے باپ بیٹے اور اس شخص

يُّعْتَقُ عَلَيْهِ فَاِنْ اشْتَرٰهُمْ كَانَ مُشْتَرِيًا لِّنَفْسِهٖ دُوْنَ الْمُضَارَبَةِ وَاِنْ كَانَ فِى الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ

کو خریدنا جو مالک پر آزاد ہو جائے اگران کو خریدا تو اپنے لئے خریدنے والا ہو گا نہ کہ مضاربت کے لئے اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لئے

لَهٗ اَنْ يَّشْتَرِىَ مَنْ يُّعْتَقُ عَلَيْهِ وَاِنْ اشْتَرٰهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِى الْمَالِ رِبْحٌ

ایسے شخص کو خریدنا جائز نہیں جو اس پر آزاد ہو جائے اگر اس کو خریدا تو مال مضاربت کا ضامن ہو گا اور اگر مال میں نفع نہ ہو

جَازَلَهٗ اَنْ يَّشْتَرِيَهُمْ فَاِنْ زَادَتْ قِيْمَتُهُمْ عَتَقَ نَصِيْبُهٗ مِنْهُمْ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا وَّيَسْعٰى

تو خریدنا جائز ہے پھر اگر اس کی قیمت بڑھ جائے تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور مضارب مالک کے لئے کسی چیز کا ضامن نہ ہو گا بلکہ

الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِىْ قَدْرِ نَصِيْبِهٖ مِنْهُ

آزاد شدہ شخص مالک کے لئے اس کے حصہ کے بقدر سعایت کرے گا

تشریح الفقہ قوله كتاب الخ مضاربت بھی ایک طرح کی شرکت ہی ہے۔ اسلئے کتاب الشرکۃ کے بعد مضاربت کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ مضاربۃ لغۃ ضرب فی الارض سے مفاعلہ ہے بمعنی زمین پر پھرنا اور گشت کرنا' قال تعالیٰ ''**وآخرون يضربون فى الارض يبتغون من فضل الله**'' مضارب چونکہ برائے تحصیل نفع بیشتر زمین پر چلتا پھرتا ہے اس لئے اس کو عقد مضاربت کہتے ہیں۔ اہل حجاز اس کو مقارضہ اور قراض بولتے ہیں۔ اس کا جواز شریعت سے ثابت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لوگ یہ معاملہ کرتے رہے اور آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نیز حضرت عمرؓ' عثمانؓ' ابوموسیٰؓ' ابن مسعودؓ و دیگر صحابہ بھی اس پر عمل پیرا رہے اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' پھر لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے کیونکہ بعض لوگ مالدار ہوتے ہیں لیکن خود کاروبار نہیں کر سکتے اور بعض اچھے خاصے بیوپاری مال سے کورے ہوتے ہیں پس عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے تاکہ غبی و ذکی' فقیر و غنی سب کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

قولہ المضاربۃ عقد الخ اصطلاح میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل اور نفع میں دونوں شریک ہوں۔

جس کی جانب سے مال ہو اس کو رب المال اور عمل والے کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔ جس مال میں شرکت صحیح ہے (یعنی دراہم و دنانیر) اس میں مضاربت بھی صحیح ہے۔ نیز اس کی صحت کے لئے نفع کا دونوں کے درمیان شائع اور عام ہونا مثلاً نصفا نصف یا تین تہائی ہونا شرط ہے اگر کسی نے اپنے لئے معین مقدار کی شرط کر لی تو عقد فاسد ہوگا اور مضارب کو اس کی محنت کی مزدوری ملے گی جو امام ابو یوسف کے نزدیک مشروط مقدار سے نہیں بڑھے گی امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی کوئی قید نہیں۔

قولہ فاذاصحت المضاربۃ الخ اگر عقد مضاربت مطلق ہو تو مضارب کے لئے وہ تمام امور جائز ہیں جو تجار کے یہاں معتاد ہوں جیسے نقد یا ادھار خرید و فروخت کرنا' وکیل بنانا' سفر کرنا' بطریق بضاعت مال دینا وغیرہ لیکن کسی دوسرے کو مال مضاربت پر نہیں دے سکتا الا یہ کہ رب المال کی طرف سے اس کی اجازت ہو یا اس نے یہ کہہ دیا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق کام کر۔ نیز اگر رب المال نے خاص شہر' خاص سامان' خاص وقت یا خاص آدمی معین کر دیا تو اس کے خلاف کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ مضارب کو تصرف کا حق رب المال کی تفویض سے ہوتا ہے جس کو اس نے امور مذکورہ کے ساتھ خاص کیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ تجارت اختلاف امکنہ و ازمنہ و اختلاف امتعہ و اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے لہذا اس کی تفویض کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا۔

قولہ ولامن یعتق علیہ الخ اگر غلام رب المال کا قرابتدار یا محلوف العتق ہو تو اس کو خریدنا بھی جائز نہیں کیونکہ عقد مضاربت تحصیل منفعت کے لئے ہے اور غلام مذکور کی خرید میں یہ چیز متصور نہیں کیونکہ وہ تو آتے ہی رب المال پر آزاد ہو جائے گا نیز مضارب اپنے ذی رحم محرم غلام کو بھی نہیں خرید سکتا کیونکہ امام صاحب کے نزدیک مضارب کا حصہ ادا ہو جائے گا اور صاحب مال کا حصہ بگڑ جائے گا کیونکہ اس کی بیع جائز نہیں مگر یہ اس وقت ہے جب مال مضاربت میں نفع ظاہر ہو یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زیادہ ہو ورنہ غلام مذکور کو مضاربت کے لئے خریدنا درست ہے کیونکہ جب اس کی قیمت رأس المال کے برابر یا اس سے کم ہوگی تو اس میں مضارب کی ملک ظاہر نہ ہوگی بلکہ غلام رأس المال کے ساتھ مشغول رہے گا تو اگر رأس المال اولا ایک ہزار ہو' پھر دس ہزار ہو جائے اس کے بعد مضارب اس غلام کو خریدے جو اس پر آزاد ہو جائے اور اس کی قیمت ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو وہ اس پر آزاد نہ ہوگا۔

قولہ فان زادت قیمتھم الخ یعنی جس وقت مضارب نے قرابتدار غلام خریدا تھا اس وقت تو اس کی قیمت رأس المال کے برابر تھی بعد میں اس کی قیمت بڑھ گئی تو بقدر حصہ مضاربت غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے قرابت دار کا مالک ہو گیا لیکن مضارب پر رب المال کے حصہ کا ضمان نہ ہوگا کیونکہ ملک کے وقت غلام مضارب کی حرکت سے آزاد نہیں ہوا بلکہ بلا اختیار مضارب قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے پس غلام رب المال کے حصہ کی قیمت میں سعایت کرے گا لانہ احتبست مالیتہ عندہ۔

وَاِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ مُضَارَبَةً وَّلَمْ یَاْذَنْ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ فِیْ ذٰلِکَ لَمْ یَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَ

جب دے دے مضارب مال کسی کو مضاربت کے طور پر اور مالک نے اس کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہ ہوگا

لَایَتَصَرَّفُ الْمُضَارِبُ الثَّانِیْ حَتّٰی یَرْبَحَ فَاِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْمُضَارِبُ الْاَوَّلُ الْمَالَ لِرَبِّ الْمَالِ

اور نہ مضارب ثانی کے تصرف کرنے سے یہاں تک کہ کچھ نفع نہ ہو جب نفع ہو جائے تو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا

وَاِذَا دَفَعَ اِلَیْهِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَاَذِنَ لَهٗ اَنْ یَدْفَعَهَا مُضَارَبَةً فَدَفَعَهَا بِالثُّلُثِ جَازَ فَاِنْ

مالک نے مال دیا مضاربت بالنصف پر اور کسی دوسرے کو بطور مضاربت دینے کی اجازت بھی دے دی پس اس نے مضاربت بالثلث پر مال دے دیا تو جائز ہے

كان رَبُّ الْمال قالَ لَهُ علىٰ اَنَّ مَارزَقَ اللّٰه تَعالىٰ فَهُوَ بَيْنَنا نِصْفان فلربِّ الْمال نِصْفُ
اب اگر مالک نے یہ کہا ہو کہ جو نفع اللہ تعالیٰ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہو گا تو مالک کے لئے آدھا

الرِّبح وَلِلْمُضارب الثّاني ثُلُثُ الرِّبح وَلِلاَوَّل السُّدُسُ وَاِنْ كانَ قالَ علىٰ اَنَّ مارزقك
نفع ہو گا اور مضارب ثانی کے لئے تہائی اور مضارب اول کے لئے اس کا چھٹا حصہ اور اگر اس نے یہ کہا ہو کہ جو کچھ نفع خدا

اللّٰه فَهُوَ بَيْنَنا نِصْفان فلِلْمُضارب الثّانِيْ الثُّلُثُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَ رَبِّ الْمالِ وَالْمُضارب الْاَوَّلِ
تجھے دے گا وہ ہم میں نصفا نصف ہو گا تو مضارب ثانی کے لئے تہائی ہو گا اور باقی مالک اور مضارب اول کے

نِصْفان فَاِنْ قالَ علىٰ اَنَّ مارزَقَ اللّٰهُ فَلِيْ نِصْفُهٗ فَدَفَعَ الْمالَ اِلَى اٰخَرَ مُضارَبةً بِالنِّصْفِ
درمیان نصفا نصف ہو گا' اور اگر یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا آدھا میرا ہے پھر بھی اس نے دوسرے کو مضاربت بالنصف پر مال

فَلِلثّانِيْ نِصْفُ الرِّبح وَلِرَبِّ الْمال النِّصْفُ وَلا شَيْءَ لِلْمُضارب الْاَوَّل فَاِنْ شَرَطَ لِلْمُضارِب
دے دیا' تو آدھا نفع ثانی کا ہو گا اور آدھا مالک کا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہ ہوگا' اور اگر مضارب ثانی کے

الثّانِيْ ثُلُثَي الرِّبح فَلِرَبِّ الْمال نِصْفُ الرِّبح وَلِلْمُضارب الثّانِيْ نِصْفُ الرِّبح وَيَضْمَنُ
لئے نفع کے دوثلث طے کر لئے تو آدھا نفع مالک کا ہو گا اور آدھا مضارب ثانی کا اور

الْمُضارِبُ الْاَوَّلُ لِلْمُضارب الثّانِيْ مِقْدارَ سُدُسِ الرِّبح فِيْ مالِهٖ
مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا چھٹا حصہ اپنے مال سے دے گا

مضارب کا دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ لم یضمن بالدفع الخ مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دیدیا تو مضارب اول پر صرف مال دینے سے ضمان عائد نہ ہوگا جب تک کہ مضارب ثانی عمل تجارت نہ کرے خواہ مضارب ثانی کو نفع حاصل ہو یا نہ ہو۔ ظاہر الروایہ اور صاحبین کا قول یہی ہے (قیل وبہ یفتی) امام صاحب سے حسن کی روایت یہ ہے کہ جب تک مضارب ثانی کو نفع حاصل نہ ہو اس وقت تک مضارب اول پر ضمان نہ آئے گا۔ امام زفر اور ایک روایت میں امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف مال دینے ہی سے ضمان لازم ہو جائے گا کیونکہ مضارب کو بطریق ودیعت مال دینے کا حق ہے نہ کہ بطریق مضاربت' صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ مضارب کا مال دینا درحقیقت ایداع ہے مضاربت کے لئے تو وہ اس وقت ہوگا جب مضارب ثانی کی طرف سے عمل پایا جائے گا امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دفع مال قبل از عمل ایداع ہے اور بعد از عمل ابضاع اور مضارب کو دونوں طرح دینے کا حق ہے پس نہ ایداع سے ضامن ہوگا نہ ابضاع سے بلکہ جب مضارب ثانی کو نفع حاصل ہوگا اس وقت ضامن ہوگا کیونکہ اب مال میں مضارب ثانی کی شرکت ہوگئی۔

قولہ فدفعها بالثلث الخ مضارب نے رب المال کی اجازت سے دوسرے کو مضاربت بالثلث پر مال دیا جب کہ رب المال نے مضارب اول سے یہ طے کرلیا تھا کہ جو کچھ اللہ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا تو رب المال کو اس کی شرط کے بموجب کل نفع کا نصف ملے گا اور مضارب ثانی کو ایک ثلث کیونکہ مضارب اول نے اس کے لئے کل نفع کا ایک ثلث ہی مقرر کیا تھا اب رہا سدس وہ مضارب اول کو ملے گا' مثلاً مضارب ثانی کو چھ درہم کا نفع ہوا تو تین درہم رب المال کو ملیں گے اور دو مضارب ثانی کو اور ایک مضارب اول کو۔

قوله مارزقک الله الخ اور اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ تجھ کو جو کچھ اللہ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا اور باقی مسئلہ علی حالہ ہو تو مضارب ثانی کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث مضارب اول اور رب المال کے درمیان نصفا نصف تقسیم ہوں گے پس اس صورت میں تینوں کو دو دو درہم ملیں گے کیونکہ یہاں رب المال نے اپنے لئے نفع کی اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو مضارب اول کو حاصل ہو اور وہ یہاں دو ثلث ہے لہذا رب المال کو اس کا نصف یعنی ایک ثلث ملے گا بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں رب المال نے اپنے لئے کل نفع کا نصف مقرر کیا تھا۔

قوله فلی نصفه الخ اور اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے گا اس کا نصف میرا ہے اور مضارب اول کسی کو مضاربت بالنصف پر مال دے دے تو نصف نفع رب المال کا ہوگا اور نصف مضارب ثانی کا اور مضارب اول کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنا نصف نفع مضارب ثانی کو دے دیا اور اگر مضارب اول نے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دو ثلث کی شرط کر لی تو مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا ایک سدس اپنے پاس سے دے گا کیونکہ کل نفع کا نصف تو رب المال کا ہوا اور مضارب ثانی کل نفع کے دو ثلث کا مستحق ہے تو اسکے حصہ میں جو سدس کی کمی واقع ہوئی وہ مضارب اول اپنے پاس سے پوری کرے گا۔

وَاِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَال اَوالْمُضَارِبُ بَطَلَت الْمُضَارَبَةُ وَاِذَا ارْتَدَّ رَبُّ الْمَال عَنِ الْاِسْلَامِ
جب مر جائے رب المال یا مضارب تو مضاربت باطل ہو جائے گی جب پھر جائے رب المال اسلام سے

وَلَحِق بِدَارِالْحَرْب بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَاِنْ عَزَل رَبُّ الْمَال الْمُضَارِب وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِه
اور چلا جائے دارالحرب تو باطل ہو جائے گی مضاربت اگر معزول کر دیا مالک نے مضارب کو اور اسے معلوم نہ ہوا

حَتّٰی اشْتَرٰی اَوْبَاع فَتَصرُّفُهٗ جائزٌ وَاِنْ علم بِعزْلِه وَالْمَالُ عُرُوْضٌ فِیْ يَدِه فَلَهٗ اَنْ
یہاں تک کہ اس نے خرید و فروخت کر لی تو اس کا تصرف صحیح ہے اگر معزول کرنا معلوم ہوا اس حال میں کہ مال سامان ہے اس کے ہاتھ میں تو اس کو

يَّبِيْعَها ولا يَمْنَعُهٗ الْعزْلُ مِنْ ذٰلک ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِیَ بِثَمنِهَا شَيْئًا اٰخروَاِنْ عزلَهٗ
فروخت کر سکتا ہے معزول کرنا اس کے لئے مانع نہ ہوگا پھر اس کی قیمت سے اور چیز خریدنا جائز نہیں اور اگر اس حال میں معزول

وَرَاْسُ الْمَال دراهِمُ اَوْدنانيرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْس لَهٗ اَنْ يَّتَصَرَّف فِيْهَا وَاِذَا افْتَرقَا وَ فِی الْمَال
کیا ہو کہ مال روپیہ یا اشرفیاں نقد ہیں تو اب اسے تصرف کرنا جائز نہیں اگر وہ دونوں جدا ہو گئے اور مال

دُيُوْنٌ وَّقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِيْه اَجْبَرَهُ الْحاكِمُ علی اقْتِضَاءِ الدُّيُوْن وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِی الْمَالِ
ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنے پر حاکم مضارب کو مجبور کرے اور اگر مال میں

رِبْحٌ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْتِضَاءُ وَيُقَالَ لَهٗ وَكِّلْ رَبَّ الْمَال فِی الْاقْتِضَاءِ وَمَا هَلَکَ مِنْ مَّالِ الْمُضَارَبَةِ
نفع نہ ہو تو وصول کرنا مضارب پر لازم نہیں بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ وصولیابی کے لئے مالک کو وکیل بنا دے جو تلف ہو جائے مضاربت کا مال

فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَاْسِ الْمَال فَاِنْ زَادَ الْهَالِکُ عَلَی الرِّبْحِ فَلَاضَمَانَ عَلَی الْمُضَارِبِ فِيْهِ
تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصل پونجی سے اگر تلف شدہ مال نفع سے بڑھ جائے تو اس کا ضمان مضارب پر نہ ہوگا

وَاِنْ كَانَا يَقْتَسِمَان الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ عَلٰی حَالِهَا ثُمَّ هَلَکَ الْمَالُ كُلُّهٗ اَوْبَعْضُهٗ تُرَادُ الرِّبْحَ
اگر وہ دونوں نفع تقسیم کر چکے اور مضاربت بدستور ہے پھر تلف ہو گیا سارا مال یا کچھ مال تو دونوں نفع لوٹا دیں

حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ رَبُّ الْمَالِ رَأْسَ الْمَالَ فَاِنْ فَضُلَ شَیْءٌ کَانَ بَیْنَهُمَا وَاِنْ نقص مِنْ رَأْسِ الْمَالِ

یہاں تک کہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے پھر جو کچھ بچے تو وہ ان میں تقسیم ہو گا اور اگر اصلی رقم میں کچھ کمی رہ جائے

لَمْ یَضْمَنِ الْمُضَارِبُ وَاِنْ کَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وفسخا الْمُضَارَبَة ثُمَّ عَقَدَاها فهلک الْمَالُ

تو مضارب ضامن نہ ہو گا اگر نفع تقسیم کر کے مضاربت توڑ دی اس کے بعد پھر عقد مضاربت کر لیا اور مال تلف ہو گیا

لَمْ یترادا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ وَیَجُوْزُ لِلْمُضَارِب اَنْ یَّبِیْعَ بِالنَّقْدِ والنَّسِیْئة وَلَایُزَوِّجُ عَبْدًا

تو پہلے نفع کو نہیں لوٹائیں گے مضارب کو نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرنا جائز ہے لیکن

وَّلَا اَمَةً مِّنْ مَّالِ الْمُضَارَبة

مال مضاربت سے غلام یا باندی کا نکاح نہ کرے

مضاربت کے باقی متفرق مسائل

توضیح اللغتہ ارتد۔ارتداد۔دین سے پھر جانا' عزل (ض) عزلا۔جدا کر دینا' عروض' سامان' نضت (ض) نضا۔سامان کے بعد نقد ہونا' دیون۔جمع دین۔ قرض ربح (س) ربحا۔نفع حاصل کرنا' اقتضاء۔تقاضا کرنا۔

تشریح الفقہ **قولہ واذامات** الخ اگر رب المال یا مضارب مر جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی کیونکہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت توکیل کے حکم میں ہوتی ہے اور وکالت مؤکل یا وکیل کے مرنے سے باطل ہو جاتی ہے تو مضاربت بھی باطل ہو جائے گی۔نیز اگر رب المال (معاذ اللہ) مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تب بھی مضاربت باطل ہو جائے گی اگر حاکم نے اس کے الحاق بدارالحرب کا حکم لگا دیا ہو کہ اس کی وجہ سے اس کے املاک زائل ہو کر ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں تو یہ اس کے مر جانے کے درجہ میں ہو گیا اور اگر حاکم نے حکم نہ لگایا ہو تو مضاربت موقوف رہے گی اگر وہ واپس آ جائے تو باطل نہ ہوگی بلکہ برقرار رہے گی۔

قولہ وان عزل الخ اگر رب المال نے مضارب کو معزول کر دیا اور مضارب کو اس کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ اس نے خرید و فروخت کر لی تو خرید و فروخت جائز ہو گی کیونکہ وہ رب المال کی طرف سے وکیل ہے اور بالقصد وکیل کو معزول کرنا اس کے علم پر موقوف ہوتا ہے لہذا علم ہونے سے پہلے وہ معزول نہ ہو گا اور اگر اس کو اپنا معزول ہونا ایسی حالت میں معلوم ہو کہ مال نقد نہ ہو بلکہ سامان ہو' تب بھی معزول ہونا اس سامان کو فروخت کرنے سے مانع نہ ہو گا کیونکہ نفع میں مضارب کا حق وابستہ ہو چکا ہے اور اس کا ظہور تقسیم ہی سے ہو سکتا ہے جو رأس المال پر موقوف ہے اور رأس المال کا اندازہ سامان کی فروختگی پر ہو جانے کے بعد ہی ہو گا۔

قولہ واذا افترقا الخ اگر رب المال اور مضارب دونوں فسخ عقد کے بعد جدا ہو جائیں اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب کو تجارت میں نفع حاصل ہوا ہو تو مضارب کو قرض وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ مضارب اجیر کی مانند ہے اور نفع اجرت کی مانند ہے۔لہذا اس کو تمام عمل پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس کو نفع حاصل نہ ہوا ہو تو مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب وہ متبرع ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ہاں اس سے یہ کہا جائے گا کہ تو قرض وصول کرنے کے لئے رب المال کو وکیل بنا دے تا کہ اس کا مال ضائع نہ ہو۔

قولہ وما ھلک الخ اگر مال مضاربت ہلاک ہو جائے تو اس کو نفع سے مجرا کیا جائے گا کیونکہ رأس المال اصل ہے اور نفع تابع اور ہلاکت کو تابع کی طرف راجع کرنا بہتر ہے جیسے باب زکوۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے اور اگر اتنا مال ہلاک ہو جائے کہ نفع سے بھی

بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔

قولہ و ان کانا یقتسمان الخ اگر مضاربت باقی رکھتے ہوئے نفع تقسیم کرتے رہے پھر کل مال یا کچھ مال ہلاک ہوگیا تو نفع کو لوٹا کر راس المال ادا کیا جائے گا کیونکہ راس المال کی وصولیابی سے پہلے نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں۔ اس کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ تقسیم ہوگا اور اگر نفع تقسیم کرنے کے بعد عقد فسخ کر دیا اس کے بعد پھر از سر نو مضاربت کی پھر مال ہلاک ہوگیا تو اب پہلا نفع نہیں لوٹایا جائے گا کیونکہ پہلا عقد مضاربت تام ہو چکا۔

کِتَابُ الْوَکَالَةِ

وکیل بنانے کے بیان میں

کُلُّ	عَقْدٍ	جَازَ	اَنْ	یَعْقِدَهٗ	الْاِنْسَانُ	بِنَفْسِه	جَازَ اَنْ	یُوَکِّلَ	بِه	غَیْرَهٗ
ہر وہ	معاملہ	جو	آدمی کو	خود کرنا	جائز ہے	اس میں	دوسرے کو	وکیل کرنا	بھی	جائز ہے

تشریح الفقہ **قولہ کتاب** الخ چونکہ مضاربت میں وکالت کا شائبہ ہوتا ہے اس لئے مضاربت کے بعد وکالت کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ وکالت واؤ کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ توکیل کا اسم ہے اور توکیل وکول سے باب تفعیل ہے بمعنی وکیل بنانا یقال وکلت (ض) وکلا و کولا۔ الیہ الامر میں نے فلاں پر اعتماد کر کے اپنا کام اس پر چھوڑ دیا۔ وکیل بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے وہ شخص جس کو کام سپرد کیا جائے اور یہ بمعنی فاعل بھی ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "**حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل**" اصطلاح میں توکیل کی تعریف یہ ہے۔ **اقامة الغیر مقام نفسه ترفهًا او عجزا فی تصرف جائز معلوم ممن یملکه**" یعنی عجز یا آسائش کی خاطر کسی دوسرے ایسے شخص کو جائز اور معلوم تصرف میں اپنا قائم مقام کر دینا جو تصرف کا مالک ہو جائز کی قید سے بچہ کا اپنی بیوی کی طلاق یا اپنے غلام کی آزادی یا اپنے مال کے ہبہ کرنے میں دوسرے کو وکیل بنانا نکل گیا اور معلوم کی قید سے تصرف مجہول کی توکیل خارج ہوگئی جیسے مؤکل کا وکیل سے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو اپنے مال کا وکیل بنا دیا بخلاف توکیل عام کے کہ اس میں تصرف فی الجملہ معلوم ہوتا ہے۔ ممن یملک کی قید سے توکیل مجنون اور توکیل صغیر غیر عاقل نکل گئی کہ ان کو وکیل بنانا کسی طرح صحیح نہیں خواہ تصرف نافع ہو یا مضر ہو۔

فائدہ کتاب اللہ و سنت رسول اور اجماع سب جواز توکیل پر شاہد ہیں۔ اصحاب کہف کی حکایت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فابعثوا احدکم بورقکم**" (سو بھیجو اپنے ایک آدمی کو درہم لے کر) اس میں بطریق توکیل بھیجنا مراد ہے اور شرائع سابقہ ہمارے لئے حجت ہیں جب تک کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا انکار یا فسخ ظاہر نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزامؓ کو ایک دینار دے کر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا انہوں نے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید کر دو دینار میں فروخت کر دیا پھر ایک دینار سے اور جانور خرید لیا۔ اس طرح ایک جانور اور ایک دینار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دینار صدقہ کر دیا اور حضرت حکیمؓ کے حق میں برکت کی دعا فرمائی[1]۔ "**وقد صح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکل بالتزویج عمر بن ابی سلمة**[2]"۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

[1] ابوداؤد، ترمذی عن حکیم بن حزام، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد عن عروة البارقی (فی معناہ) ۱۲ [2] ابن راہویہ، ابویعلیٰ، ابن حبان، حاکم، نسائی، احمد عن ام مسلمة ۱۲

وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْ سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَاِثْبَاتِهَا وَيَجُوْزُ بِالْاِسْتِيْفَاءِ اِلَّا فِى الْحُدُوْدِ
جائز ہے وکیل کرنا خصومت کے لئے تمام حقوق میں اور ان کے اثبات میں اور جائز ہے حقوق حاصل کرنے کے لئے مگر حدود

وَالْقِصَاصِ فَاِنَّ الْوَكَالَةَ لَاتَصِحُّ بِاسْتِيْفَائِهَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ وَقَالَ اَبُوحَنِيْفَةَ
وقصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کی وکالت صحیح نہیں اس جگہ مؤکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں امام صاحب فرماتے ہیں

لَايَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ اِلَّا بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضًا اَوْ غَائِبًا
کہ مقابل کی رضاء کے بغیر توکیل بالخصومت جائز نہیں مگر یہ کہ مؤکل بیمار ہو یا

مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا وَ قَالَ اَبُو يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصْمِ
تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو صاحبین فرماتے ہیں کہ مقابل کی رضا کے بغیر بھی توکیل جائز ہے

وکیل بالخصومتہ کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ویجوز التوکیل الخ صاحب کتاب پہلے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر چکے ''کہ ہر اس چیز کی توکیل صحیح ہے جس کو مؤکل بذات خود کر سکتا ہو'' تو اس کے بموجب توکیل بالخصومتہ بھی جائز ہوئی۔ یعنی حقوق العباد میں خصومت کے لئے وکیل بنانا صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خصومات میں حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کو اور ان کے عمر رسیدہ ہو جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو وکیل بنایا (بیہقی)

قولہ ویجوز بالاستیفاء الخ جو حقوق مؤکل پر واجب الاداء ہوں ان کے ایفاء میں اور جو حقوق مؤکل حاصل کرنے والا ہو ان کے استیفاء میں وکیل بنانا صحیح ہے لیکن ایفاء حدود و قصاص کی وکالت صحیح نہیں کیونکہ حد اور قصاص تو مجرم پر جاری ہوتا ہے اور وہ مؤکل ہے نہ کہ وکیل اور مؤکل کی غیوبت میں استیفاء حدود و قصاص کی بھی توکیل صحیح نہیں کیونکہ حدود ادنیٰ شبہ سے اٹھ جاتی ہیں اور یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ اگر مؤکل موجود ہوتا تو شاید وہ معاف کر دیتا۔

قولہ وقال ابو حنیفۃ الخ امام صاحب کے یہاں تو توکیل بالخصومتہ میں خصم کی رضامندی شرط ہے الا یہ کہ مؤکل ایسا بیمار ہو کہ اس کو حاکم کی مجلس میں حاضر ہونا ممکن نہ ہو یا وہ بقدر مدت سفر غائب ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا مؤکل کوئی پردہ نشین عورت ہو کہ اگر وہ کچہری میں حاضر ہو بھی جائے تب بھی حیاء و شرم کی وجہ سے اپنے حق کے متعلق گفتگو نہ کر سکے تو ان سب صورتوں میں خصم کی رضامندی شرط نہیں کیونکہ وکیل بنانا اپنے خالص حق میں تصرف کرنا ہے تو غیر کی رضامندی پر موقوف ہونے کے بعد کوئی معنی ہی نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جواب مخاصم پر واجب ہے اور خصومت میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں اگر ہم بلا رضا خصم توکیل کے قائل ہو جائیں تو خصم کا نقصان لازم آئے گا۔ فقیہ ابو اللیث اور رملی وغیرہ کا فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے جس کو عتابی وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے اور نہایہ میں اس کی تصحیح بھی موجود ہے لیکن صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اختلاف لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں جیسا کہ صاحب عنایہ نے کہا ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک گو بدون رضا خصم توکیل جائز ہے مگر لازم نہیں۔ (کذافی الہدایہ والظہیر یہ) شیخ شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح یہ ہے کہ اگر قاضی کو مؤکل کی طرف سے ضرر رسانی کا علم ہو تو بلا رضا خصم توکیل مقبول نہ ہوگی ورنہ قبول کی جائے گی۔ بزازیہ، بحر الرائق اور زیلعی سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

وَمِنْ شَرْطِ الْوَكَالَةِ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مِمَّنْ يَّمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ وَالْوَكِيْلُ
وکالت کے لئے یہ شرط ہے کہ مؤکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کے مالک ہیں اور اس کو احکام لازم ہوتے ہیں اور وکیل

مِمَّنْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصُدُهُ وَاِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْبَالِغُ اَوِالْمَاذُوْنُ مِثْلَهَا جَازَ وَاِنْ
ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتے اور اس کا قصد کرتے ہوں اگر آزاد عاقل بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسے کو وکیل کرے تو جائز ہے اگر

وَكَّلَ صَبِيًّا مَحْجُوْرًا يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ اَوْ عَبْدًا مَحْجُوْرًا جَازَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا
مجور بچے کو وکیل کرے جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو یا عبد مجور کو وکیل کرے تب بھی جائز ہے لیکن ان دونوں سے

الْحُقُوْقُ وَيَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلَيْهِمَا
حقوق متعلق نہ ہوں گے بلکہ ان کے مؤکلوں سے متعلق ہوں گے

شروط وکالت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ممن یملک التصرف الخ جواز وکالت کی شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مؤکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کے مالک ہیں کیونکہ وکیل مؤکل ہی کی جانب سے تصرف کا مالک ہوتا ہے تو پہلے مؤکل کا مالک تصرف ہونا ضروری ہوگا تا کہ وہ دوسرے کو اس کا مالک بنا سکے۔ اس مضمون کے بموجب عبد ماذون اور مکاتب کی توکیل جائز ہوگی کیونکہ ان کا تصرف صحیح ہوتا ہے البتہ مجور کی توکیل صحیح نہ ہوگی پھر مالک تصرف ہونے میں اس کا اعتبار نہیں کہ مؤکل جس چیز میں وکیل بنا رہا ہے خاص طور سے وہ اس میں تصرف کا مالک ہو بلکہ اس سے فی الجملہ تصرف کا صحیح ہونا معتبر ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ بھگوڑے غلام کی بیع جائز نہیں لیکن اس کی بیع کا وکیل بنانا جائز ہے۔

قولہ ویلزمہ الاحکام الخ اس جملہ کی مراد میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے تصرف مخصوص کے احکام مراد ہوں دوسرے یہ کہ جنس تصرف کے احکام مراد ہوں اگر پہلا احتمال مراد ہو تو اس کے ذریعہ وکیل سے احتراز ہوگا کہ وہ اس تصرف کا مالک ہوتا ہے جس کے لئے اس کو وکیل بنایا گیا ہے لیکن وہ دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا کیونکہ اس تصرف کے احکام اس پر لازم نہیں چنانچہ وکیل بالشراء مبیع کا اور وکیل بالبیع ثمن کا مالک نہیں ہوتا۔ اس صورت میں کلام میں دو شرطیں ہوں گی ایک مؤکل کا مالک تصرف ہونا دوم اس تصرف کے احکام اس پر لازم ہونا اور اگر دوسرا احتمال مراد ہو تو اس کے ذریعہ صبی و مجنون سے احتراز ہوگا (وہو ظاہر) اس صورت میں ملک تصرف و لزوم احکام جداگانہ شرطیں نہ ہوں گی بلکہ یہ ایک ہی شرط ہو گی۔ صاحب عنایہ کہتے ہیں کہ یہ دوسرا احتمال ہی صحیح ہے۔ اس واسطے کہ اگر مؤکل اپنے وکیل کو یہ کہہ دے کہ تو کسی اور کو بھی وکیل بنا سکتا ہے تو وکیل کی توکیل صحیح ہوگی (جیسا کہ مسئلہ آگے آرہا ہے) اور اس سے احتراز صحیح نہ ہوگا۔

قولہ واذا وکل الحر الخ اگر آزاد عاقل بالغ شخص اپنے مثل کو یا عبد ماذون اپنے مثل کو وکیل بنائے تو جائز ہے کیونکہ مؤکل اہل تصرف ہے اور وکیل اہل عبارت ہے۔ صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ ان کا مثل ہونا مثلیت حریت و رقیت میں منحصر نہیں بلکہ مافوق کی توکیل جیسے ماذون کا آزاد کو وکیل بنانا، اسی طرح اپنے سے کم درجہ کی توکیل جیسے آزاد کا ماذون کو وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْعُقُوْدُ الَّتِیْ يَعْقِدُهَا الْوُكَلَاءُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ كُلُّ عَقْدٍ يُضِيْفُهُ الْوَكِيْلُ اِلٰى نَفْسِهٖ مِثْلُ الْبَيْعِ
وہ معاملے جو وکلاء کرتے ہیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید

وَالشِّرَاءِ وَالْاِجَارَةِ فَحُقُوْقُ ذٰلِكَ الْعَقْدِ يَتَعَلَّقُ بِالْوَكِيْلِ دُوْنَ الْمُوَكِّلِ فَيُسَلِّمُ الْمَبِيْعَ وَ
و فروخت اور اجارہ ان کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل سے پس وہی مبیع کو سپرد کرے گا

يَقْبِضُ الثَّمَنَ وَيُطَالِبُ بِالثَّمَنِ اِذَااشْتَرٰى وَيَقْبِضُ الْمَبِيْعَ وَيُخَاصِمُ فِى الْعَيْبِ وَكُلُّ عَقْدٍ

وہی قیمت وصول کرے گا اسی سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے وہی بیع پر قبضہ کرے گا اسی سے عیب میں جھگڑا ہوگا دوسرے وہ جن کو

يُضِيفُهُ الْوَكِيلُ اِلَى مُوَكِّلِهٖ كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ فَاِنَّ حُقُوْقَهٗ تَتَعَلَّقُ

وکیل اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، صلح عن دم العمد ان کے حقوق مؤکل

بِالْمُؤَكِّلِ دُوْنَ الْوَكِيلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَايَلْزَمُ وَكِيلَ الْمَرْأَةِ تَسْلِيْمُهَا

سے متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل سے پس شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا نہ عورت کے وکیل پر عورت کا سپرد کرنا لازم

وَاِذَاطَالَبَ الْمُوَكِّلُ الْمُشْتَرِىْ بِالثَّمَنِ فَلَهٗ اَنْ يَّمْنَعَهٗ اِيَّاهُ فَاِنْ دَفَعَهٗ اِلَيْهِ جَازَ وَ

ہوگا جب مطالبہ کرے مؤکل مشتری سے ثمن کا تو وہ اس کو روک سکتا ہے اگر اسی کو دے دے تو یہ بھی جائز ہے

لَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيلِ اَنْ يُطَالِبَهٗ ثَانِيًا

اب وکیل اس سے دوبارہ نہیں مانگ سکتا۔

وہ حقوق جو وکیل یا مؤکل سے متعلق ہوتے ہیں

تشریح الفقہ قولہ والعقود الخ وکیل جن عقود کا مباشر ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں وکیل ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے جیسے بیع، شراء، اجارہ اور صلح عن الاقرار دوسرے وہ جن میں وکیل ان کی نسبت مؤکل کی طرف کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، صلح عن دم العمد اور صلح عن الانکار تو جن عقود کی نسبت وکیل اپنی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد وکیل ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں بشرطیکہ وکیل ممنوع التصرف نہ ہو جیسے صبی محجور و عبد محجور پس تسلیم مبیع، قبض ثمن اور خصومت فی العیب وغیرہ جملہ حقوق کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا اور جن عقود کی نسبت وکیل مؤکل کی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں وکیل تو ان میں سفیر محض ہوتا ہے پس مہر کا مطالبہ شوہر کے وکیل سے نہ ہوگا بلکہ مؤکل سے ہوگا۔ اسی طرح عورت کے وکیل پر عورت حوالے کرنا لازم نہ ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر عقد میں حقوق مؤکل ہی سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ حقوق حکم تصرف کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملک کا تعلق مؤکل کے ساتھ ہوتا ہے تو توابع حکم کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل عاقد ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی، حقیقۃً تو اس لئے کہ عقد کا قیام اسی کے کلام سے ہوا ہے اور حکماً اس لئے کہ وہ مؤکل کی طرف نسبت کرنے سے مستغنی ہے پس حقوق کے سلسلہ میں وکیل اصل ٹھہرا لہٰذا حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے بخلاف عقد نکاح اور خلع وغیرہ کے کہ ان میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلَا بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهٖ وَصِفَتِهٖ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهٖ اِلَّا اَنْ يُوَكِّلَهٗ

جو کوئی کسی کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل کرے تو اس کی جنس، صفت اور قیمت کی مقدار بتانا ضروری ہے الا یہ کہ اس کو

وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلُ اِبْتَعْ لِيْ مَارَاَيْتَ وَاِذَا اشْتَرَى الْوَكِيلُ وَقَبَضَ الْمَبِيعَ ثُمَّ اطَّلَعَ

مختار عام کر دے اور یہ کہہ دے کہ جو مناسب سمجھے میرے لئے خرید لے، وکیل نے چیز خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر عیب پر

عَلٰى عَيْبٍ فَلَهٗ اَنْ يَّرُدَّهٗ بِالْعَيْبِ مَادَامَ الْمَبِيعُ فِيْ يَدِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهٗ اِلَى الْمُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّهٗ

مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے لوٹا سکتا ہے جب تک بیع اس کے قبضہ میں ہو اگر وہ مؤکل کو دے چکا تو اس کی اجازت

اِلّا باذنه ويجوزُ التَّوكِيلُ بِعقدِ الصَّرفِ وَالسَّلَمِ فَاِنْ فَارَقَ الْوَكِيلُ صَاحِبَهُ قَبْلَ
کے بغیر نہیں لوٹائے گا' عقد صرف وسلم میں بھی وکیل کرنا جائز ہے پس اگر جدا ہو گیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے

الْقَبضِ بَطَلَ العَقدُ وَلايُعتَبرُ مُفَارَقَةُ الْمُؤَكِّلِ وَاِذَا دَفَعَ الْوَكِيلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ
پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا مؤکل کی جدائی کا کوئی اعتبار نہیں اگر وکیل بالشراء نے ثمن اپنے مال سے

مَاله وَ قَبَضَ الْمبيعَ فَلَهُ اَنْ يَّرجِعَ بِه عَلَى الْمُؤَكِّلِ فَاِنْ هَلَکَ الْمَبِيعُ فِیْ يَدِه قَبلَ حَبْسِه
دے دیا اور مبیع پر قبضہ کر لیا تو وہ قیمت مؤکل سے لے لے گا اب اگر مبیع وکیل کے پاس ہلاک ہو جائے اس کے روکنے سے

هَلَکَ مِنْ مَّالِ الْمُؤَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَلَهُ اَنْ يَّحْبِسَهُ حَتّٰى يَسْتَوفِیَ الثَّمَنَ فَاِنْ حَبَسَهُ
پہلے تو مؤکل کے مال سے ہلاک ہو گی اور ثمن ساقط نہ ہوگا اور وکیل ثمن وصول کرنے کے لئے مبیع کو روک سکتا ہے پس اگر اس نے روک لیا

فهلکَ فِیْ يَدِه كَانَ مَضْمُوْنًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمدٍ
اور وہ اس کے پاس ہلاک ہو گئی تو مضمون ہو گی مثل ضمان رہن امام ابو یوسف" کے نزدیک اور مثل ضمان بیع امام محمد کے نزدیک

خرید وفروخت کے لئے وکیل کرنے کا بیان

توضیح اللغۃ مبلغ ۔ مقدار' ابتع ۔ ابتیاع سے امر حاضر ہے' خریدنا' رایت ۔ یہ رویت سے نہیں بلکہ رائی سے ہے۔

تشریح الفقہ قولہ ومن وکل رجلا الخ اگر کوئی شخص کسی چیز کی خریداری کے لئے کسی کو وکیل بنائے تو اس چیز کی جنس' صفت اور ثمن کی مقدار بیان کرنا ضروری ہے تاکہ فعل معلوم ہو کر تعمیل ممکن ہو سکے۔ بیان جنس جیسے اس کا غلام یا باندی ہونا' صفت جیسے اس کا حبشی یا ترکی ہونا وغیرہ۔ اس مسئلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر وکالت عام ہو مثلاً مؤکل وکیل سے یہ کہے کہ جو تجھ کو بہتر معلوم ہو اس کی خرید وفروخت کر' یا وکالت معلوم ومتعین ہو جیسے حبشی' ترکی' ہندی یا سندھی غلام کی خرید کے لئے وکیل بنانا یا وکالت مجہول ہو لیکن جہالت یسیرہ ہو تو ان صورتوں میں وکالت صحیح ہو گی اور اگر جہالت فاحشہ ہو تو وکالت صحیح نہ ہو گی تو اگر مؤکل نے ہروی کپڑا یا خچر خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت صحیح ہے خواہ وہ ثمن بیان کرے یا نہ کرے اس واسطے کہ یہاں صرف جہالت صفت ہے اور وکالت میں جہالت یسیرہ کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اگر غلام یا مکان خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت اس وقت صحیح ہو گی جب مؤکل نے ثمن معین کر دیا ہو کیونکہ یہ جہالت متوسطہ ہے جو تعیین ثمن سے ختم ہو سکتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے دار کو جہالت فاحشہ میں شمار کیا ہے کیونکہ گھر اختلاف اعراض' پڑوس' مرافق' محلات اور بلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے پس امتثال متعذر رہے۔ صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ اس ملک پر محمول ہے جہاں گھروں میں اختلاف فاحش ہوتا ہو اور اگر کپڑا یا چوپایہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت صحیح نہ ہو گی گو ثمن معین کر دے کیونکہ لفظ دابہ عرف میں گھوڑے' گدھے اور خچر سب پر بولا جاتا ہے تو یہ بہت سی اجناس کو شامل ہے۔ اس طرح ثوب اطلس اور کرباس وغیر ملبوسات کو شامل ہے فتعذر الامتثال۔

قولہ فلہ ان یردہ الخ وکیل نے کوئی چیز خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا پھر اس میں کوئی عیب معلوم ہوا تو جب تک مبیع وکیل کے پاس ہے اس وقت عیب کی وجہ سے بائع کو واپس کر سکتا ہے کیونکہ عیب کی وجہ سے واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے اور حقوق عقد وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور اگر وکیل وہ چیز مؤکل کے حوالے کر چکا تو اب اس کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا کیونکہ مبیع حوالے کرنے سے حکم وکالت پورا ہو چکا۔

قولہ ویجوز التوکیل الخ عقد صرف وعقد سلم کی توکیل صحیح ہے اور ان میں مفارقت مؤکل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ مفارقت وکیل کا اعتبار

ہے خواہ موکل حاضر ہو یا غائب کیونکہ عاقد تو وکیل ہی ہے نہ کہ موکل۔ تو اگر قبضہ کرنے سے پہلے وکیل صاحب معاملہ سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔ نہایہ، عینی، ابن ملک، درر البحار اور مستصفی وغیرہ میں ہے کہ اگر موکل موجود ہو تو مفارقت وکیل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ موکل اصیل ہے اور وکیل نائب تو اصیل کی موجودگی میں نائب کا اعتبار نہ ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے مگر یہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ وکیل اصل عقد میں گو نائب ہے لیکن حقوق عقد میں وہ اصیل ہے اس لئے موکل کے حاضر ہونے نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

قولہ واذا دفع الوکیل الخ اگر وکیل ثمن کی ادائیگی اپنے مال سے کرے تو ثمن وصول کرنے کے لئے موکل سے مبیع کو روک سکتا ہے۔ امام زفر کے نزدیک وکیل کو اس کا حق نہیں کیونکہ وکیل کے قبضہ کر لینے سے موکل قابض ہو گیا تو گویا وکیل نے موکل کو مبیع سپرد کر دی لہذا روکنے کا حق ساقط ہو گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل مطالبہ ثمن میں بائع کی مانند ہے اور بائع کے لئے حبس مبیع کا حق ہے تو وکیل کے لئے بھی ہوگا۔ اب اگر مبیع قبل از حبس وکیل کے پاس سے ہلاک ہو گئی تو موکل کے مال سے ہلاک ہوگی اور موکل پر ثمن دینا واجب ہوگا کیونکہ وکیل کا قبضہ قبضہ موکل کے مانند ہے اور وکیل نے مبیع کو نہیں روکا تو گویا موکل کے پاس سے ہلاک ہوئی لہذا موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا اور اگر روکنے کے بعد ہلاک ہوئی تو طرفین کے نزدیک اس کا حکم مبیع کا سا ہے یعنی موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا کیونکہ وکیل بائع کے مانند ہے تو اس کا روکنا استیفاء ثمن کے لئے ہوا اور مبیع ہلاک ہو چکی تو جیسے بائع کے روکنے سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے ایسے ہی وکیل کے روکنے سے ساقط ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا حکم رہن کا سا ہے کہ اگر ثمن قیمت سے زائد ہو تو وکیل بقدر زائد موکل سے وصول کرے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ روکنے سے پہلے مبیع مضمون نہیں تھی بلکہ استیفاء ثمن کی خاطر روکنے کے بعد مضمون ہوئی ہے تو یہ بعینہ رہن کے مانند ہوگئی۔ محمد حنیف گنگوہی

وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَّجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْمَا وُكِّلَا فِيْهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ اِلَّا اَنْ
جب وکیل کرے کوئی دو آدمیوں کو تو کسی ایک کے لئے اس چیز میں تصرف کرنا جائز نہیں جس میں یہ وکیل کیے ہیں دوسرے کے بغیر الا یہ کہ

يُوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ اَوْبِطَلَاقِ زَوْجَتِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْبِعِتْقِ عَبْدِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ
وکیل کیا ہو ان کو جواب دہی یا اپنی بیوی کو بلا عوض طلاق یا اپنے غلام کو بلا عوض آزاد کرنے یا

بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهٗ اَوْبِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُّوَكِّلَ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ اِلَّا اَنْ
امانت کی واپسی یا اپنا قرض ادا کرنے کے لئے، وکیل کے لئے جائز نہیں کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل کرے جس میں اس کو وکیل کیا گیا ہے

يَّاْذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ اَوْيَقُوْلَ لَهٗ اِعْمَلْ بِرَاْيِكَ فَاِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اِذْنِ مُوَكِّلِهٖ فَعَقَدَ وَكِيْلُهٗ
الا یہ کہ اجازت دے دے موکل یا کہہ دے کہ اپنی صوابدید کے مطابق کر پس اگر موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کیا گیا اور وکیل نے اس کی موجودگی

بِحَضْرَتِهٖ جَازَ وَاِنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِهٖ فَاَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْاَوَّلُ جَازَ وَ لِلْمُوَكِّلِ اَنْ يَّعْزِلَ
میں کوئی معاملہ کیا تو جائز ہے اور اگر اس کی عدم موجودگی میں کیا اور وکیل اول نے اس کو پسند کیا تب بھی جائز ہے موکل وکیل کو وکالت سے

الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ فَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلٰى وَكَالَتِهٖ وَ تَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.
معزول کر سکتا ہے اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا اور اس کا تصرف جائز رہے گا یہاں تک کہ اس کو معزول ہونے کا علم ہو

شخص واحد کے دو وکیل ہونے کا بیان

__تشریح الفقہ__ **قولہ واذا وکل الخ** کسی نے رائے طلب معاملات بیع، خلع، مضاربت، قضاء، تحکیم، تولیت اور وقف وغیرہ میں دو آدمیوں کو ایک

تھے وکیل بنایا تو ان کے لئے تنہا تنہا تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ دو آدمیوں کی رائے سے معاملہ میں جو خوبی اور قوت آتی ہے وہ ایک کی رائے سے حاصل نہیں ہوتی اور مؤکل دو کی رائے سے راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے سے اسی لئے اس نے دو وکیل کیے ہیں لہذا وہ دونوں مل کر تصرف کریں، تنہا کسی ایک کا تصرف نافذ نہ ہوگا مگر چند تصرفات اس سے مستثنیٰ ہیں خصومت، کیونکہ دونوں کا اجتماع متعذر ہے اگر دونوں جوابدہی کریں گے تو مجلس قضاء میں شور وشغب ہوگا طلاق بلاعوض، عتاق بلا بدل، رد ودیعت، قضاء دین، تدبیر عبدین، رد عاریت، رد مغصوب، رد مبیع بیع فاسد، تسلیم ہبہ ان تصرفات میں تنہا ایک وکیل کا تصرف بھی نافذ ہوگا کیونکہ ان میں رائے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ صرف مؤکل کے کلام کی تعبیر ہوتی ہے جس میں ایک کی اور دو کی عبارت برابر ہے۔

قولہ ولیس للوکیل الخ جس شخص کو کسی کام میں وکیل بنایا گیا ہو۔ وہ اس میں کسی دوسرے کو وکیل نہ بنائے کیونکہ مؤکل کی طرف سے اس کو تصرف کی اجازت ہے نہ کہ توکیل کی، پھر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں اور مؤکل اپنے وکیل کی رائے سے راضی ہے نہ کہ غیر کی رائے سے، ہاں اگر مؤکل نے اس کی اجازت دے دی ہو یا یہ کہہ دیا ہو کہ تو اپنی صوابدید کے مطابق عمل کر تو اس صورت میں وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔ اب اگر وکیل نے مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں معاملہ کیا اور وکیل اول نے اس کے معاملہ کو جائز رکھا تو صحیح ہے کیونکہ مقصود تو وکیل اول کی رائے ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُؤَكِّلِ وَجُنُوْنِهٖ جُنُوْنًا مُطْبِقًا وَلِحَاقِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَ
باطل ہو جاتی ہے وکالت مؤکل کے مرنے، بالکل دیوانہ ہونے اور مرتد ہو کر دارالحرب چلے جانے سے

اِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ رَجُلًا ثُمَّ عَجَزَ اَوِ الْمَاذُوْنُ لَهٗ فَحُجِرَ عَلَيْهِ اَوِ الشَّرِيْكَانِ فَافْتَرَقَا فَهٰذِهِ
جب وکیل کیا مکاتب نے کسی کو پھر وہ عاجز ہو گیا یا ماذون غلام نے پھر وہ مجحور ہو گیا یا دو شریکوں نے پھر وہ جدا ہو گئے تو یہ

الْوُجُوْهُ كُلُّهَا تُبْطِلُ الْوَكَالَةَ عَلِمَ الْوَكِيْلُ اَوْلَمْ يَعْلَمْ وَاِذَا مَاتَ الْوَكِيْلُ اَوْجُنَّ جُنُوْنًا
سب صورت وکالت کو باطل کر دیتی ہیں وکیل کو معلوم ہو یا نہ ہو جب وکیل مر گیا یا بالکل دیوانہ ہو گیا

مُطْبِقًا بَطَلَتْ وَكَالَتُهٗ وَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْلَهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا اَنْ يَعُوْدَ
تو اس کی وکالت باطل ہو گئی اور اگر وکیل مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو اس کے لئے تصرف جائز نہیں الا یہ کہ وہ مسلمان

مُسْلِمًا وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ الْمُؤَكِّلُ بِنَفْسِهٖ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ
ہو کر آ جائے جس نے کسی کو وکیل کیا کسی کام کے لئے پھر مؤکل نے وہ کام خود کر لیا تو وکالت باطل ہو گئی

مبطل وکالت امور کا بیان

تشریح الفقہ وتبطل الوکالۃ الخ مذکورہ ذیل امور سے وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ ۱۔ موت مؤکل سے۔ ۲۔ مؤکل کے مجنون ہو جانے سے بشرطیکہ جنون مطبق یعنی دائمی ہو۔ ۳۔ مؤکل کے دارالحرب چلے جانے سے (امام صاحب کے نزدیک)۔ ۴۔ مؤکل کے عاجز ہو جانے سے (اگر وہ مکاتب ہو اور اداء بدل کتابت سے عاجز ہو جائے)۔ ۵۔ مؤکل کے ممنوع التصرف ہو جانے سے (اگر عبد ماذون ہو پھر مجحور ہو جائے)۔ ۶۔ احد الشریکین کے افتراق سے۔ ۷۔ موت وکیل سے۔ ۸۔ وکیل کے مجنون ہو جانے سے (بشرطیکہ جنون مطبق ہو)۔ ۹۔ وکیل کے دارالحرب چلے جانے سے۔ ۱۰۔ مؤکل کے بذات خود تصرف کرنے سے۔ یعنی جس کام کے لئے اس کو وکیل بنایا تھا وہ کام خود مؤکل کرلے اور اب وکیل کا تصرف

ممکن نہ ہو جیسے اعتاق، کتابت، تزویج، شراء شئی معین، طلاق زوجہ، خلع وغیرہ تصرفات۔

قولہ جنونًا مطبقًا الخ جنون مطبق کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، درر میں سال بھر کے جنون کو مطبق کہا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جمیع عبادات ساقط ہو جاتی ہیں یہ امام محمد کا قول ہے، صاحب بحر نے اسی کو صحیح مانا ہے، مضمرات، قہستانی اور باقانی میں مہینے بھر کے جنون کو مطبق مانا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے جنون سے رمضان کے روزے ساقط ہو جاتے ہیں۔ امام صاحب سے ابو بکر رازی کی روایت میں بھی یہی ہے بلکہ قاضی خاں نے تو اسی کو امام صاحب کا قول قرار دیا ہے اور عینیہ بھی کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ امام ابو یوسف سے جنون مطبق میں ایک دن رات کی بھی روایت ہے کیونکہ اس سے پنجگانہ نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

قولہ لم یجزلہ التصرف الخ مبسوط میں شیخ الاسلام نے ذکر کیا ہے کہ اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا تو وہ سب ائمہ کے نزدیک وکالت سے معزول نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس کے چلے جانے کا قاضی حکم نہ دے دے، کفایہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَايَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَّعْقِدَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَعَ اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ

خرید و فروخت کے وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ معاملہ کرے امام صاحب ؒ کے نزدیک اپنے باپ، دادا

وَوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَعَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ

بیٹے، پوتے، بیوی اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ صاحبین فرماتے ہیں

يَجُوْزُ بَيْعُهٗ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اِلَّا فِيْ عَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ بِالْقَلِيْلِ

کہ ان کے ہاتھ وکیل کا پوری قیمت کے ساتھ بیچنا جائز ہے مگر اپنے غلام اور مکاتب کے ہاتھ، وکیل بالبیع کو جائز ہے فروخت کرنا کمی

وَالْكَثِيْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَايَجُوْزُ بَيْعُهٗ بِنُقْصَانٍ لَايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهٖ وَالْوَكِيْلُ

اور بیشی کے ساتھ امام صاحب کے نزدیک، صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی سے بیچنا جائز نہیں جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو خرید کے

بِالشِّرَاءِ يَجُوْزُ عَقْدُهٗ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهَا وَلَا يَجُوْزُ بِمَا لَايَتَغَابَنُ

وکیل کا معاملہ کرنا جائز ہے برابر قیمت اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور جائز نہیں اتنی زیادتی کے

النَّاسُ فِيْ مِثْلِهٖ وَالَّذِيْ لَايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْهِ مَالَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ وَاِذَا ضَمِنَ

ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو وہ قیمت جس کا لوگوں میں رواج نہیں وہ ہے جو نہ داخل ہو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے میں، اگر وکیل بالبیع

الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ الثَّمَنَ عَنِ الْمُبْتَاعِ فَضَمَانُهٗ بَاطِلٌ

ضامن ہو قیمت کا مشتری کی جانب سے تو ضمانت باطل ہے

وہ امور جو خرید و فروخت کے وکیل کے لئے ممنوع ہیں

تشریح الفقہ قولہ مع ابیہ الخ بیع و شراء، صرف و سلم اور اجارہ وغیرہ میں وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مردود ہے جیسے اس کے اصول و فروع (یعنی باپ، دادا، اولاد) بیوی، غلام، مکاتب، آقا وغیرہ کیونکہ ان کے درمیان منافع متصل ہوتے ہیں تو تہمت کا امکان ہے۔ صاحبین کے نزدیک اپنے غلام اور مکاتب کے علاوہ اوروں کے ساتھ معاملہ بیع کر سکتا ہے بشرطیکہ عقد مثل قیمت کے ساتھ ہو۔

قولہ بالقلیل الخ امام صاحب کے نزدیک وکیل بالبیع کم وبیش کے ساتھ (اگرچہ غبن فاحش ہو) اور ادھار (اگرچہ مدت غیر معلوم ہو) اور سامان کے عوض غرض ہر طرح فروخت کرسکتا ہے کیونکہ توکیل مطلق ہے تو اپنے اطلاق پر رہے گی۔ صاحبین کے نزدیک صحت بیع وکیل مثل قیمت نقود اور اجل متعارف کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہی متعارف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ادھار بیچنا جائز نہیں۔ بزازیہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے لیکن شیخ قاسم نے تصحیح قدوری میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام نسفی کے یہاں یہی قابل اعتماد ہے اور یہی امام محبوبی کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ صدر الشریعہ اور موصلی نے بھی اسی کی موافقت کی ہے۔

قولہ والوکیل بالشراء الخ وکیل بالشراء کی خرید مثل قیمت اور غبن یسیر کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی اگر اس نے اتنی قیمت میں خریدی جتنی قیمت میں وہ عام طور سے فروخت ہوتی ہے یا قدرے زیادتی کے ساتھ خریدی جو زیادتی قیمت لگانے والے واقف کار لوگوں کی تقویم میں داخل ہو تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے یعنی ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے خریدی ہو مگر جب دیکھا کہ اس میں خسارہ ہے تو مؤکل کے ذمہ ڈال دی۔

وَاِذَا وَكَّلَهٗ بِبَيْعِ عَبْدِهٖ فَبَاعَ نِصْفَهٗ جَازَ عِنْدَ اَبِيْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِنْ وَكَّلَهٗ بِشِرَاءِ عَبْدٍ
غلام بیچنے کے لئے وکیل کیا وکیل نے آدھا بیچ دیا تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک اور اگر غلام خریدنے کے لئے وکیل کیا

وَاشْتَرٰى نِصْفَهٗ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوْفٌ فَاِنِ اشْتَرٰى بَاقِيَهٗ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ وَاِذَا وَكَّلَهٗ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ
اور اس نے آدھا خریدا تو خریداری موقوف ہوگی اگر باقی بھی خرید لے تو مؤکل کو لینا پڑے گا کسی کو دس رطل گوشت

اَرْطَالِ اللَّحْمِ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرٰى عِشْرِيْنَ رِطْلًا بِدِرْهَمٍ مِّنْ لَّحْمٍ يُّبَاعُ مِثْلُهٗ عَشَرَةُ اَرْطَالٍ
ایک درہم میں خریدنے کے لئے وکیل کیا اس نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت خرید لیا ایسا کہ اس جیسا ایک درہم میں دس رطل

بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَلْزَمُهٗ
ہی بکتا ہے تو مؤکل کو دس رطل گوشت نصف درہم میں لینا لازم ہوگا امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ بیسوں رطل

الْعِشْرُوْنَ وَاِنْ وَكَّلَهٗ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّشْتَرِيَهٗ لِنَفْسِهٖ وَاِنْ وَكَّلَهٗ بِشِرَاءِ عَبْدٍ
لینے پڑیں گے اگر وکیل کیا کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے تو وکیل کو وہ چیز اپنے لئے خریدنا جائز نہیں اگر وکیل کیا غیر معین

بِغَيْرِ عَيْنِهٖ فَاشْتَرٰى عَبْدًا فَهُوَ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ نَوَيْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْ يَشْتَرِيَهٗ بِمَالِ الْمُوَكِّلِ
غلام خریدنے کے لئے پس وکیل نے کوئی غلام خرید لیا تو وہ وکیل ہی کا ہوگا الا یہ کہ وکیل کہے کہ میں نے مؤکل کے لئے خریدا ہے یا یہ کہ وہ مؤکل کے مال سے خریدے

وکالت کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ قولہ فباع نصفہ الخ ایک شخص نے غلام فروخت کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا اس نے نصف غلام فروخت کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے (اسی پر فتویٰ ہے) کیونکہ توکیل مطلق ہے اجتماع وافتراق کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے خصومت سے پہلے پہلے نصف آخر کو بھی فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ نصف غلام فروخت کرنے سے غلام مشترک ہوگیا اور شرکت ایسا عیب ہے جس سے قیمت کم ہو جاتی ہے لہذا اطلاق مراد نہ ہوگا اور اگر وکیل بالشراء ہو اور وہ نصف غلام خرید لے تو بالاتفاق خرید موقوف ہوگی اگر نصف آخر کو بھی خرید لیا تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ شراء کی صورت میں تہمت کا امکان ہے جس کی تشریح گزر چکی۔

قولہ بشراء عشرۃ الخ ایک شخص نے کسی کو ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا۔ وکیل نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت ایسا ہی خرید لیا۔ جس کے دس رطل ایک درہم میں آتے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک مؤکل کو دس درہم میں دس رطل گوشت لازم ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک درہم میں بیسوں رطل لازم ہوں گے کیونکہ وکیل نے تو اس کا فائدہ ہی کیا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وکیل ارطال معینہ یعنی دس رطل خریدنے کا مامور ہے تو اس سے زائد کی خرید وکیل پر نافذ ہوگی۔

قولہ فلیس لہ الخ اگر مؤکل نے کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو اب وکیل کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو اپنے لئے خرید لے کیونکہ اس صورت میں خود کو وکالت سے معزول کرنا ہے اور مؤکل کی عدم موجودگی میں یہ اس کے لئے ممکن نہیں۔

وَالْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَالْوَكِيْلُ
جواب دہی کا وکیل قبضہ کا وکیل ہے امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک اور قرض پر

بِقَبْضِ الدَّيْنِ وَكِيْلٌ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ
قبضہ کرنے کا وکیل قرض کی بابت جواب دہی کا بھی وکیل ہے امام صاحب کے نزدیک جب اقرار کرے جواب دہی کا وکیل کسی

عَلٰی مُؤَكِّلِهٖ عِنْدَ الْقَاضِیْ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَلَا يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِیْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ
چیز کا اپنے مؤکل کے ذمہ قاضی کے پاس تو اقرار صحیح ہے لیکن مؤکل کے ذمہ اس کا اقرار صحیح نہیں غیر قاضی کے پاس طرفین

وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِلَّا اَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُوْمَةِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ
کے نزدیک مگر وہ جواب دہی سے نکل جائے گا امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس کا اقرار صحیح ہے

عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِیْ وَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهٗ وَكِيْلُ الْغَائِبِ فِیْ قَبْضِ دَيْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيْمُ اُمِرَ بِتَسْلِيْمِ
غیر قاضی کے پاس بھی کسی نے دعوی کیا کہ میں فلاں غائب کا وکیل ہوں اس کا قرض وصول کرنے کے لئے پس مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو

الدَّيْنِ اِلَيْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ جَازَ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَيْهِ الْغَرِيْمُ الدَّيْنَ ثَانِيًا وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَی الْوَكِيْلِ
قرض حوالے کر دینے کا حکم کیا جائے گا اب اگر وہ غائب آ کر وکیل کی تصدیق کر دے تو جائز ہوگا ورنہ اسے مقروض دوبارہ قرض ادا کرے گا اور وہ وکیل سے لے گا

اِنْ كَانَ بَاقِيًا فِیْ يَدِهٖ وَاِنْ قَالَ اِنِّیْ وَكِيْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّسْلِيْمِ[1] اِلَيْهِ
اگر اس کے پاس باقی ہو کسی نے کہا کہ میں ودیعت وصول کرنے کا وکیل ہوں مودع نے اس کی تصدیق کر دی تو اس کو ودیعت دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا

تشریح الفقہ قولہ وکیل بالقبض الخ اگر کسی نے جواب دہی کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل قبضہ کرنے کا مالک نہ ہوگا کیونکہ مؤکل صرف اس کی جواب دہی سے راضی ہے نہ کہ اس کے قبضہ سے کیونکہ خصومت اور قبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں تو ایک سے راضی ہونا دوسری شئے سے راضی ہونے کو مستلزم نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک خصومت کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے کیونکہ جو کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اس کے اتمام کا بھی مالک ہوتا ہے اور تمامیت خصومت قبضہ سے ہوتی ہے تو وہ اس کا مالک ہوگا لیکن فتوی امام زفر کے قول پر ہے۔ افتی بہ الصدر الشهيد و كثير من مشائخ بلخ و بخاراو سمر قند وبه اخذ الفقيه ابو الليث۔

[1] هذا بالاجماع لان ذلک اقرار بمال الغير فلا يصح لما فيه من ابطال حقه فی العين بخلاف ما اذا ادعى انه وكيل بقبض الدين فصدقه حيث يؤمر بالدفع اليه لانه اقر بمال نفسه اذ الديون تقضى بامثالها باعيانها ۱۲ رمز الحقائق

قولہ و اذا اقر الوکیل الخ اگر وکیل بالخصومت قاضی کے پاس اپنے مؤکل کے خلاف حدود وقصاص کے علاوہ کسی اور چیز کا اقرار کرے تو طرفین کے نزدیک اس کا اقرار صحیح ہے اور اگر قاضی کے علاوہ کسی اور کے پاس اقرار کرے تو صحیح نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں کیونکہ وکیل مامور بالخصومت ہے اور اقرار اس کی ضد ہے کیونکہ خصومت منازعت ہے اور اقرار مصاحت اور امر بالشئی ضد شئی کو شامل نہیں ہوتا پس توکیل بالخصومۃ اقرار کو شامل نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے اور مؤکل کا اقرار کرنا مجلس قضاء کے ساتھ مخصوص نہیں تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضاء کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ توکیل بالخصومۃ ہر اس جواب دہی کو شامل ہے جس کو خصومت کہا جا سکے حقیقۃً ہو یا مجازاً اور مجلس قضاء میں اقرار کرنا مجازاً خصومت ہے بخلاف غیر مجلس قضاء کے کہ اس کو خصومت نہیں کہتے۔

قولہ و من ادعی الخ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا دین وصول کرنے کا وکیل ہوں اور جس شخص پر ان کا دین ہے اس نے اس کی تصدیق کر دی تو مدیون کو حکم کیا جائے گا کہ وہ مدعی وکالت کو دین دے دے کیونکہ اس نے مدعی وکالت کی تصدیق کر کے خود ہی اقرار کر لیا اب اگر وہ شخص غائب آ کر مدعی کی تصدیق کرنے تب تو کوئی بات ہی نہیں اور اگر وہ اس کی تصدیق نہ کرے تو مدیون سے کہا جائے گا کہ اس کا دین دوبارہ ادا کر' کیونکہ جب غائب شخص نے قسم کھا کر یہ کہہ دیا کہ وہ میرا وکیل نہیں ہے تو اس کو دین دینا غلط ہوا لہذا دوبارہ دین ادا کرنا پڑے گا۔ اب جو دین مدیون نے مدعی وکالت کو دیا تھا اگر وہ اس کے پاس باقی ہو تو مدیون اس سے لے لے گا کیونکہ ادائیگی دین کا مقصد تو یہ تھا کہ مدیون بری الذمہ ہو جائے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہذا وہ اس سے واپس لے لے گا اور اگر وہ ضائع ہو چکا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ جب اس نے مدعی کی تصدیق کر کے دیا ہے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ہاں اگر اس نے اس کی تصدیق کیے بغیر مال دیا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع کر سکتا ہے اسی طرح اگر دیتے وقت کسی کو ضامن کر لیا ہو تو ضامن کو پکڑ سکتا ہے۔

كِتَابُ الْكَفَالَةِ

کفالت کا بیان

قولہ کتاب الخ وکالت اور کفالت دونوں عقد تبرع ہیں جن میں غیر کا فائدہ ہوتا ہے اس لئے کتاب الوکالت کے بعد کتاب الکفالۃ لا رہے ہیں۔ (کذافی البرھان) کفالہ اسم ھی یقال "کفلت بالمال وبالنفس کفلا و کفولا" میں نے اس کی یا اس کے مال کی ذمہ داری لے لی۔ ابن القطاع نے نقل کیا ہے کہ یہ متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف جار ہر طرح مستعمل ہے۔ فیقال "کفلتہ و کفلت بہ عنہ" اور عین کلمہ پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کفالۃ لغۃً ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانا ہے۔ قال تعالیٰ "و کفلھا زکریا" اور شرعاً حق مطالبہ میں کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کے ساتھ ملانا ہے خواہ مطالبہ زکوۃ کا ہو یا دین کا یا عین کا پس کفالۃ کی وجہ سے کفیل پر دین ثابت نہ ہوگا بلکہ صرف اس کا مطالبہ ثابت ہوگا۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ ذمہ اصیل سے دین ساقط ہوئے بغیر ضامن پر ثابت ہو جاتا ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں تو دین واحد کا دو ہونا لازم آتا ہے۔

فائدہ مدعی یعنی دائن (قرض خواہ) کو مکفول لہٗ مدعی علیہ یعنی مدیون (مقروض) کو مکفول عنہ اور اصیل' جس چیز کی ضمانت ہو (مال یا جان) اس کو مکفول' جس پر کفالت سے مطالبہ لازم ہو اس کو کافل' کفیل' ضامن' ضمین' صبیر' زعیم' حمیل' اور قبیل کہتے ہیں۔

اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَكَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَ عَلَى الْمَضْمُوْنِ

کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت جان کی اور کفالت مال کی کفالت جان کی بھی جائز ہے اور اس میں ضامن ہونے

بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِهِ وَتَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلَانٍ اَوْ بِرَقَبَتِهِ
والے پر مکفول بہ کو حاضر کرنا ہوتا ہے اور یہ منعقد ہو جاتی ہے جب یوں کہہ دے کہ میں فلاں کی جان یا اس کی گردن

اَوْبِرُوْحِهِ اَوْ بِجَسَدِهِ اَوْبِرَأسِهِ اَوْ بِنِصْفِهِ اَوْبِثُلُثِهِ وَكَذٰلِكَ اِنْ قَالَ ضَمِنْتُهُ
یا روح یا بدن یاسر یا اس کے نصف یا تہائی کا ضامن ہو گیا' اسی طرح اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں اس کا ضامن

اَوْ هُوَ عَلَيَّ اَوْ اِلَيَّ اَوْ اَنَا بِهِ زَعِيْمٌ اَوْ قَبِيْلٌ بِهِ فَاِنْ شُرِطَ فِي الْكَفَالَةِ تَسْلِيْمُ الْمَكْفُوْلِ
ہوں یا وہ میرے ذمہ یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار یا کفیل ہوں پس اگر شرط کر لی کفالت میں مکفول بہ کو سپرد کرنے

بِهِ فِيْ وَقْتٍ بِعَيْنِهِ لَزِمَهُ اَحْضَارُهُ اِذَا طَالَبَهُ بِهِ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَاِنْ اَحْضَرَهُ
کی کسی خاص وقت پر تو اس کو حاضر کرنا لازم ہوگا جب طلب کرے مکفول لہ اس وقت میں اگر اس نے حاضر کر دیا

وَاِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ وَاِذَا اَحْضَرَهُ وَسَلَّمَهُ فِي مَكَانٍ يَقْدِرُ الْمَكْفُوْلُ لَهُ عَلٰى
تو بہتر ورنہ حاکم کفیل کو قیدکرے اگر وہ اس کو حاضر کر کے ایسی جگہ سپرد کرے جہاں مکفول لہ

مُحَاكَمَتِهِ بَرِئَ الْكَفِيْلُ مِنَ الْكَفَالَةِ وَاِذَا تَكَفَّلَ عَلٰى اَنْ يُسَلِّمَهُ فِيْ مَجْلِسِ الْقَاضِيْ
اس سے جھگڑ سکتا ہے تو بری ہو جائے گا کفیل کفالت سے' اگر کفیل ہوا مکفول بہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کرنے کا

فَسَلَّمَهُ فِي السُّوْقِ بَرِءَ وَاِنْ كَانَ فِيْ بَرِيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ وَاِذَامَاتَ الْمَكْفُوْلُ بِهِ بَرِئَ
پھر سپرد کر دیا اس کو بازار میں تب بھی بری ہو جائے گا اور جنگل میں سپرد کر دیا تو بری نہ ہوگا' جب مر جائے مکفول بہ تو بری ہو جاتا

الْكَفِيْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْكَفَالَةِ وَاِنْ تَكَفَّلَ بِنَفْسِهِ عَلٰى اَنَّهُ اِنْ لَمْ يُوَافِ بِهِ فِيْ وَقْتِ كَذَا
ہے کفیل بالنفس کفالت سے کفیل بالنفس ہوا کسی کا اس طرح کہ اگر میں نے اسے فلاں وقت حاضر نہ کیا

فَهُوَضَامِنٌ لِمَا عَلَيْهِ وَ هُوَ اَلْفٌ فَلَمْ يُحْضِرْهُ فِي الْوَقْتِ لَزِمَهُ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ يَبْرَأْ
تو میں ضامن ہوں اس کا جو اس کے ذمہ ہے اور وہ ایک ہزار ہے پھر اس وقت حاضر نہ کیا تو اس پر مال کا ضمان لازم ہو گا اور کفالت

مِنَ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَلَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِيْحَنِيْفَةَؒ
بالنفس سے بری نہ ہو گا' جائز نہیں کفالت بالنفس حدود و قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

کفالت بالنفس اور اس کے احکام

توضیح اللغۃ احضار۔ حاضر کرنا' رقبۃ' گردن' جسد۔ بدن' سوق۔ بازار' بریۃ۔ جنگل' یواف موافاۃ۔ پورا کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ ضربان الخ کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت بالنفس' کفالت بالمال ہمارے یہاں یہ دونوں قسمیں جائز ہیں۔ امام شافعی کفالت بالنفس کے قائل نہیں کیونکہ کفالت کی وجہ سے تسلیم مکفول بہ لازم ہے اور کفالت بالنفس میں کفیل اس پر قادر نہیں کیونکہ اس کو مکفول بہ کی جان پر حق ولایت نہیں ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کفیل ضامن ہے[1]۔ یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے کفالت کی

[1] ابوداؤد' ترمذی' احمد طیالسی' ابویعلیٰ' دارقطنی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق عن ابی امامۃ طبرانی عن انس' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔

دونوں قسموں کی مشروعیت پر دال ہے۔ رہا یہ کہنا کہ کفیل بالنفس تسلیم مکفول بہ پر قادر نہیں سو یہ بے معنی ہے کیونکہ تسلیم کے بہت سے طریقے ہیں جن سے وہ اس کو حاضر کر سکتا ہے۔

قوله و تنعقد الخ کفالت بالنفس یہ کہہ دینے سے کہ میں فلاں کے نفس (ذات) کا ضامن ہوا منعقد ہو جاتی ہے اور اگر لفظ نفس کے بجائے کوئی ایسا لفظ ذکر کر دیا جائے جس سے کل بدن کی تعبیر ہوتی ہے۔ جیسے رقبہ، روح، جسد، اُس یا کوئی جزء شائع ذکر کر دیا جائے جیسے اس کا نصف، ثلث، ربع تو ان سے بھی کفالت درست ہے نیز ضمنتہ کہہ دینے سے بھی کفالت ہو جائے گی کیونکہ اس میں متقضائے کفالت کی تصریح ہے، اسی طرح لفظ علی کہ یہ صیغہ التزام ہے اور الی کہ یہاں علی کے معنی میں ہے۔ قال علیه السلام "ومن ترک کلا او عیالا فالی[1]" اور لفظ زعیم کہ یہ بمعنی کفیل ہے قال تعالی" وانا به زعیم " ای کفیل امام ابو یوسف کے یہاں لفظ معرفت سے بھی صحیح ہے۔

قوله و اذا تکفل الخ اگر مکفول عنہ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے کی شرط کر لی گئی تو کفیل اس کو وہیں حاضر کرے اگر بازار وغیرہ میں حاضر کیا تو بری الذمہ نہ ہوگا یہ قول امام زفر کا ہے اور آج کل اسی پر فتوی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بازار تک حاضر کر دینے سے بھی کفیل بری ہو جائے گا۔

قوله و ان تکفل بنفسه الخ ایک شخص نے کسی ذات کی ضمانت لی اور یہ کہا کہ اگر میں اس کو حاضر نہ کروں تو جو مال اس کے ذمہ ہے (مثلاً ایک ہزار) اس کا میں ضامن ہوں پھر کفیل نے اس کو پورا نہیں کیا تو کفیل مال کا ضامن ہوگا اور کفالت بالنفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ یہاں کفالت مال اور کفالت ذات دونوں ہیں اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہاں کفالت بالمال صحیح نہیں کیونکہ اس نے وجوب مال کے سبب (یعنی کفالت بالمال) کو ایک امر مشکوک کے ساتھ معلق کیا ہے (وہو عدم الموافات الی وقت کذا) پس یہ کفالت بیع کے مشابہ ہو گئی اور بیع میں سبب وجوب مال کی تعلیق صحیح نہیں تو کفالت میں بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفالت انتہاء کے اعتبار سے تو بیع کے مشابہ ہے اور ابتداء کے لحاظ سے نذر کے مشابہ ہے بایں معنی کہ اس میں ایک غیر لازم چیز کا التزام ہوتا ہے تو دونوں مشابہتوں کی رعایت ضروری ہے مشابہت بیع کی رعایت تو یہ ہے کہ اس کی تعلیق شروط مطلقہ کے ساتھ صحیح نہیں اور مشابہت نذر کی رعایت یہ ہے کہ شرط متعارف کے ساتھ تعلیق صحیح ہے اور عدم موافاۃ کے ساتھ معلق کرنا متعارف ہے لہذا ضامن پر مال لازم ہوگا۔

قوله فی الحدود الخ حد اور قصاص میں کفالت بالنفس جائز نہیں کیونکہ یہ عقوبات ہیں اور عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حق کا استیفاء کفیل سے ممکن نہ ہو ہر ایسے حق کی ضمانت صحیح نہیں جیسے حدود و قصاص۔ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

وَاَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ مَعْلُوْمًا كَانَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ اَوْمَجْهُوْلًا اِذَا كَانَ دَيْنًا صَحِيْحًا مِثْلَ
رہی کفالت بالمال سو وہ جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول جب کہ وہ دین صحیح ہو مثلاً

اَنْ يَّقُوْلَ تَكَفَّلْتُ عَنْهُ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ بِمَالَكَ عَلَيْهِ اَوْ بِمَايُدْرِكُكَ فِيْ هٰذَا الْبَيْعِ وَالْمَكْفُوْلُ
یوں کہے کہ میں اس کی طرف سے ضامن ہوں ہزار درہم کا یا جو کچھ تیرا اس کے ذمہ ہے یا جو کچھ تیرا اس بیع میں چاہیے ہوگا مکفول

لَهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَصْلُ وَاِنْ شَاءَ طَالَبَ الْكَفِيْلَ وَيَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ
لہ کو اختیار ہے چاہے اس سے طلب کرے جس پر اصل روپیہ ہے اور چاہے کفیل سے طلب کرے اور جائز ہے کفالت کو شرطوں

بِالشُّرُوْطِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ مَا بَايَعْتَ فُلَانًا فَعَلَيَّ اَوْمَاذَابَ لَكَ عَلَيْهِ فَعَلَيَّ اَوْمَاغَصَبَكَ فُلَانٌ
پر معلق کرنا مثلاً کہے کہ جو تو فلاں کے ہاتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے یا تیری جو چیز فلاں غصب کرے

[1] الصحیحین عن ابی ہریرہ، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان عن المقدام بن معدی کرب، ابو داؤد، ابن ماجہ، ابن حبان عن جابر ۱۲

فعلیَّ وَاِذَا قَالَ تَکَفَّلْتُ بِمَالَکَ عَلَیْهِ فَقَامَتِ الْبَیِّنَةُ بِاَلْفٍ عَلَیْهِ ضَمِنَهُ الْکَفِیْلُ وَاِنْ لَّمْ تَقُمِ
وہ مجھ پر ہے کسی نے کہا کہ میں کفیل ہوں اس کا جو تیرا اس پر ہے پس بینہ قائم ہو گیا اس پر ایک ہزار ہونے کا تو کفیل اس کا ضامن ہو گا اور اگر

الْبَیِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْکَفِیْلِ مَعَ یَمِیْنِه فِیْ مِقْدَارِ مَایَعْتَرِفُ بِه فَاِنِ اعْتَرَفَ الْمَکْفُوْلُ عَنْهُ
بینہ قائم نہ ہوا تو کفیل کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اس مقدار میں جس کا وہ اقرار کرے پس اگر مکفول عنہ نے اعتراف کر لیا

بِاَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ لَمْ یُصَدَّقْ عَلٰی کَفِیْلِه وَ تَجُوْزُ الْکَفَالَةُ بِاَمْرِالْمَکْفُوْلِ عَنْهُ وَ بِغَیْرِ اَمْرِه فَاِنْ
اس سے زیادہ کا تو تصدیق نہیں کی جائے گی کفیل کے مقابلہ میں جائز ہے کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور اس کے حکم کے بغیر بھی اگر

کَفَّلَ بِاَمْرِه رَجَعَ بِمَا یُؤَدِّیْ عَلَیْهِ وَاِنْ کَفَّلَ بِغَیْرِ اَمْرِه لَمْ یَرْجِعْ بِمَا یُؤَدِّیْ وَلَیْسَ لِلْکَفِیْلِ
کفیل ہوا اس کے حکم سے تو لے لے وہ اس سے جو کچھ ادا کرے اور اگر کفیل ہوا اس کے حکم کے بغیر تو نہیں لے سکتا دیا ہوا کفیل کو

اَنْ یُّطَالِبَ الْمَکْفُوْلَ عَنْهُ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ یُّؤَدِّیَ عَنْهُ فَاِنْ لُوْزِمَ بِالْمَالِ کَانَ لَهٗ اَنْ یُّلَازِمَ
مکفول عنہ سے مال کے مطالبہ کا حق نہیں اس کی طرف سے ادا کرنے سے پہلے پس اگر پیچھا کیا گیا کفیل کا مال کی وجہ سے تو وہ پیچھا کرے

الْمَکْفُوْلَ عَنْهُ حَتّٰی یُخَلِّصَهٗ وَاِذَا اَبْرَأَ الطَّالِبُ الْمَکْفُوْلَ عَنْهُ اَوِاسْتَوْفٰی مِنْهُ بَرِئَ الْکَفِیْلُ وَ
مکفول عنہ کا یہاں تک کہ وہ اس کو چھڑا دے جب بری کر دیا طالب نے مکفول عنہ کو یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو گیا اور

اِنْ اَبْرَأَ الْکَفِیْلَ لَمْ یَبْرَأِ الْمَکْفُوْلُ عَنْهُ وَلَا یَجُوْزُ تَعْلِیْقُ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْکَفَالَةِ بِشَرْطٍ وَکُلُّ
اگر کفیل کو بری کیا تو مکفول عنہ بری نہ ہو گا، جائز نہیں کفالت سے بری کرنے کو شرط کے ساتھ معلق کرنا، ہر

حَقٍّ لَا یُمْکِنُ اسْتِیْفَاؤُهٗ مِنَ الْکَفِیْلِ لَا تَصِحُّ الْکَفَالَةُ بِه کَالْحُدُوْدِ وَ الْقِصَاصِ وَاِذَا تَکَفَّلَ
وہ حق جس کا پورا ہونا ممکن نہ ہو کفیل سے اس کی کفالت صحیح نہیں۔ جیسے حدود و قصاص اگر کفیل ہوا

عَنِ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ جَازَ وَاِنْ تَکَفَّلَ عَنِ الْبَائِعِ بِالْمَبِیْعِ لَمْ تَصِحَّ وَمَنِ اسْتَاْجَرَ دَابَّةً
مشتری کی طرف سے ثمن کا تو جائز ہے اور اگر کفیل ہوا بائع کی طرف سے مبیع کا تو صحیح نہیں کسی نے اجرت پر لی سواری

لِّلْحَمْلِ فَاِنْ کَانَتْ بِعَیْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الْکَفَالَةُ بِالْحَمْلِ وَاِنْ کَانَتْ بِعَیْنِهَا جَازَتِ الْکَفَالَةُ
لادنے کے لئے پس اگر وہ معین ہو تو کفالت بالحمل صحیح نہ ہو گی اور اگر غیر معین ہو تو کفالت صحیح ہو گی

کفالت بالمال اور اس کے احکام

توضیح اللغۃ یدرک۔ ادراکا۔ الشئی لاحق ہونا، ذاب ای ظہر و وجب، استیفاء۔ وصول کرنا، حمل، بار برداری۔

تشریح الفقہ قولہ واما الکفالة بالمال الخ کفالت بالمال بھی صحیح ہے گو غیر معین اور مجہول مال کی کفالت ہو کیونکہ کفالت مبنی بر توسعات ہے اس لئے اس میں جہالت کو بھی برداشت کر لیا جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ مال دین صحیح ہو ورنہ کفالت درست نہ ہو گی۔ دین صحیح ہر وہ دین ہے جو ادا یا ابراء کے بغیر کسی طرح ساقط نہ ہو۔

قولہ بالخیار الخ جب کفالت بالمال اپنی پوری شرطوں کے ساتھ منعقد ہو جائے تو مکفول لہ کو اختیار ہے مال کا مطالبہ کفیل سے کرے

چاہے اصیل (مقروض) سے، چاہے دونوں سے کیونکہ کفالہ "ضم الذمه الی الذمة فی المطالبة" کا نام ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہے کہ دین اصیل کے ذمہ باقی رہے نہ یہ کہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ ہاں اگر اصیل نے اپنی براءت کی شرط کر لی تو اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اب کفالہ حوالہ ہو گیا جیسے عدم براءت محیل کی شرط سے حوالہ کفالہ ہو جاتا ہے۔

قولہ ویجوز تعلیق الکفالة الخ کفالت بالمال کو ایسی شرطوں پر معلق کرنا جو کفالت کے مناسب ہوں جائز ہے جیسے یوں کہے مابایعت فلانًا فعلیَّ اھ" دلیل صحت یہ آیت ہے "ولمن جاء به حمل بعیر وانابه زعیم" کہ اس میں کفالت کو شرط کے ساتھ معلق کیا گیا ہے اور وہ شرط وجوب حمل بعیر کا سبب ہے۔

قولہ فقامت البینة الخ زید کا عمرو پر کچھ قرض تھا خالد اس کا ضامن ہو گیا کہ جو کچھ عمرو کے ذمہ ہے میں اس کا ضامن ہوں۔ اب زید نے بینہ سے ایک ہزار درہم ثابت کیئے تو خالد کو ایک ہزار دینے پڑیں گے کیونکہ جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے بذریعہ مشاہدہ ثابت ہوا اور اگر زید کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر کفیل کی تصدیق ہوگی اس کی قسم کے ساتھ کم کا اقرار کرے یا زائد کا اور اگر مکفول عنہ کفیل کے اعتراف سے زائد کا اقرار کرلے تو زائد مقدار کفیل پر نافذ نہ ہوگی کیونکہ جب یہ اقرار دوسرے کے خلاف ہو تو وہ بلا ولایت مقبول نہیں ہوتا اور مکفول عنہ کو کفیل پر کوئی ولایت نہیں ہے۔

قولہ تعلیق البراء ة الخ کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط مثلاً دخول دار یا مجہول عذر پر معلق کرنا جائز نہیں کیونکہ براءت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اور تملیکات تعلیق بالشرط کو قبول نہیں کرتیں، پھر فتح و معراج وغیرہ میں گو بطلان کو شرط غیر ملائم کے ساتھ مقید کیا ہے لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ زیلعی وغیرہ کے ظاہر کلام سے ترجیح اطلاق نکلتی ہے۔

قولہ واذا تکلفل عن المشتری الخ اگر مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہو جائے تو یہ صحیح ہے لیکن قبل القبض بائع کی طرف سے مبیع کا ضامن ہونا صحیح نہیں کیونکہ یہ ضمانت عین ہے اور ضمانت عین شوافع کے نزدیک تو جائز ہی نہیں کیونکہ ان کے یہاں کفالت میں اصل دین کا التزام ہوتا ہے تو محل کفالت دین ہی ہوگا نہ کہ عین، اور ہمارے نزدیک گو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ عین مضمون بنفسہ ہو یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت واجب ہوتی ہے پس قبضہ سے پہلے مبیع کی ضمانت صحیح نہیں کیونکہ وہ مضمون بالثمن ہے نہ کہ مضمون بالقیمة بخلاف ثمن کے کہ وہ مضمون بنفسہ ہے۔

قولہ ومن استاجر الخ اگر کوئی معین سواری بار برداری کے لئے اجرت پر لی تو اس کی بار برداری کی ضمانت صحیح نہیں، کیونکہ کفیل کو دوسرے کی سواری پر قدرت نہیں تو وہ اس کی تسلیم سے عاجز ہے۔ ہاں اگر سواری غیر معین ہو تو ضمانت صحیح ہے کیونکہ اب وہ کوئی بھی سواری دے سکتا ہے۔

وَلَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ اِلَّا بِقُبُوْلِ الْمَكْفُوْلِ لَهٗ فِیْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّ هِیَ اَنْ
صحیح نہیں ہوتی کفالت مکفول لہ کے قبول کئے بغیر مجلس عقد میں مگر صرف ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے

یَّقُوْلَ الْمَرِیْضُ لِوَارِثِهٖ تَكَفَّلْ عَنِّیْ بِمَا عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ فَتَكَفَّلَ بِهٖ مَعَ غَیْبَةِ الْغُرَمَاءِ جَازَ
کہ کہے بیمار اپنے وارث سے کہ تو کفیل ہو جا میری طرف سے اس کا جو میرے ذمہ قرض ہے پس کفیل ہو گیا وہ قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں تو

وَاِذَا كَانَ الدَّیْنُ عَلَی اثْنَیْنِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِیْلٌ ضَامِنٌ عَنِ الْاٰخَرِ فَمَا اَدّٰی اَحَدُهُمَا لَمْ یَرْجِعْ
یہ جائز ہے جب دو آدمیوں پر قرض ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے ضامن ہو پس جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک تو نہ لے

بِهٖ عَلٰی شَرِیْكِهٖ حَتّٰی یَزِیْدَ مَایُؤَدِّیْهِ عَلَی النِّصْفِ فَیَرْجِعُ بِالزِّیَادَةِ وَاِذَا تَكَفَّلَ اِثْنَانِ
اپنے شریک سے یہاں تک کہ دی ہوئی مقدار نصف سے زائد ہو جائے پس زائد مقدار اس سے لے لے دو آدمی کفیل ہو گئے

عَنْ رَّجُلٍ بِالْفٍ عَلٰی اَنَّ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا کَفِیْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰی اَحَدُهُمَا یَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ
ایک شخص کی طرف سے ایک ہزار کے اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہے تو جو کچھ ادا کرے ایک ان میں سے تو اس کا آدھا لے

عَلٰی شَرِیْکِهٖ قَلِیْلاً کَانَ اَوْکَثِیْراً وَلَا تَجُوْزُ الْکَفَالَةُ بِمَالِ الْکِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَکَفَّلَ بِهٖ اَوْعَبْدٌ
اپنے شریک سے کم ہو یا زائد مالِ کتابت کی کفالت جائز نہیں خواہ آزاد آدمی کفالت کرے یا غلام کرے

وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَ عَلَیْهِ دُیُوْنٌ وَّلَمْ یَتْرُکْ شَیْئًا فَتَکَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ
کوئی آدمی مر گیا جس کے ذمہ بہت سا قرض ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا پس کفیل ہو گیا اس کی طرف سے قرض خواہوں کے لئے

الْکَفَالَةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ عِنْدَهُمَا تَصِحُّ
تو یہ کفالت صحیح نہیں امام صاحب کے نزدیک صاحبین کے نزدیک صحیح ہے

کفالت کے باقی مسائل

تشریح الفقہ قوله ولا تصح الکفالة الخ کفالت بالنفس ہو یا کفالت بالمال بہر دوصورت طالب یعنی مکفول لہ کا مجلس عقد میں قبول کرنا ضروری ہے اگر طالب نے مجلس عقد میں کفالت قبول نہ کی تو طرفین کے نزدیک کفالت صحیح نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مفکول لہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو کفالت صحیح ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ عقد کفالت ایک التزامی تصرف ہے تو اس میں ملتزم ہی مستقل ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ عقد کفالت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اس لئے اس کا قیام کفیل اور طالب دونوں کے ساتھ ہوگا نہ کہ ایک کے ساتھ۔

قوله الافی مسئلة الخ مذکورہ بالاحکم عام سے استثناء ہے یعنی مجلس عقد میں مکفول لہ کے قبول کیئے بغیر کفالت کسی حالت میں بھی صحیح نہیں، سوائے ایک مسئلہ کے اور وہ یہ کہ اگر کوئی مریض اپنے وارث سے یہ کہے کہ تو میری طرف سے اس کا مال کا ضامن ہو جا جو میرے ذمہ دین ہے اور وارث ارباب دیون کی عدم موجودگی میں ضامن ہو جائے تو یہ بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ یہ ضمانت درحقیقت وصیت ہے اور مریض طالب کا قائم مقام ہے جس میں طالب کا فائدہ ہے تو گویا وہ بذات خود موجود ہے۔

قوله واذا کان الدین الخ ایک شخص کا دو آدمیوں پر دین ہے جو صفت اور سبب کے لحاظ سے متحد ہے مثلاً انہوں نے اس سے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو گیا تو ضمانت صحیح ہے۔ اب ان میں سے جو کوئی دین ادا کرے گا وہ دوسرے سے وصول نہ کرے گا تاوقتیکہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کرے پس نصف سے جتنا زائد ادا کرے گا اتنا دوسرے سے لے گا۔ وجہ یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک نصف دین میں اصیل ہے اور نصف آخر میں کفیل اور ان دونوں میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ جو بطریق اصالت ہے وہ دین ہے اور جو بطریق کفالت ہے وہ مطالبہ ہے پھر مطالبہ دین کے تابع ہے اس لئے نصف دین کی طرف سے اور زائد از نصف کفالت کی طرف سے ادا ہوگا۔

قوله واذا تکفل اثنان الخ ایک شخص پر کسی کا دین تھا اس کی طرف سے دو آدمی علیحدہ علیحدہ کل دین کے ضامن ہو گئے پھر ان کفیلوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو گیا تو ان میں سے جو کفیل جتنا مال ادا کرلے اس کا نصف اپنے ساتھی سے لے لے کیونکہ یہ ضمانت بلاشائبہ اصالت ہر اعتبار سے کفالت ہے کوئی ایک جہت راجح نہیں بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ اس میں اصالت جہت کفالت پر راجح ہے۔

قوله بمال الکتابة الخ عبد مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی کفالت صحیح نہیں، خواہ کفیل آزاد شخص ہو یا غلام ہو اس واسطے کہ کفالت

ایسے مال کی صحیح ہے جو دین صحیح ہو اور دین صحیح وہ ہے جو اداء یا ابراء کے بغیر کسی طرح ساقط نہ ہو اور مکاتب کے عاجز ہو جانے سے بدل کتابت ساقط ہو جاتا ہے تو یہ دین صحیح نہ ہوا امام صاحب کے یہاں بدل سعایت بدل کتابت کے ساتھ ملحق ہے کہ اس کی کفالت بھی صحیح نہیں۔

قولہ سواء حر الخ سوال جب کفیل کے آزاد ہونے کی صورت میں کفالت صحیح نہیں تو کفیل کے غلام ہونے کی صورت میں بطریق اولی صحیح نہ ہوگی پھر صاحب کتاب نے ''اَوْ عَبْدٌ'' کیوں کہا؟ جواب آزاد آدمی غلام کے مقابلہ میں اشرف ہے اور کفیل اصیل کا تابع ہوتا ہے تو اب یہاں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید کفالت کا صحیح نہ ہونا اس لئے ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو حر جو اشرف ہے وہ تابع ہو جائے گا' صاحب کتاب نے ''او عبد'' بڑھا کر یہ بتا دیا کہ عدم صحت کفالت کا مدار اس بات پر ہے کہ بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے' لا باعتبار ان الحر یصیر تبعًا۔

قولہ واذامات الرجل الخ اگر کوئی شخص مفلسی کی حالت میں انتقال کر جائے اور اس پر کچھ قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی کفیل ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک کفالت صحیح نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''ایک انصاری شخص کا جنازہ لایا گیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس کے ذمہ کسی کا قرض ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دو درہم یا دینار ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے جنازہ کی نماز تمہیں پڑھ لو' تو حضرت ابوقتادہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ مجھ پر ہیں' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قیام دین بالمحل محال ہے اور یہاں محل دین فوت ہو چکا تو یہ دین ساقط کی کفالت ہوئی جو جائز نہیں۔ رہی حدیث سو ممکن ہے' حضرت ابوقتادہؓ صرف انصاری کے انتقال سے پہلے ہی کفیل ہو چکے ہوں اور آپ کے دریافت کرنے پر اس کی خبر دے رہے ہوں۔

کِتَابُ الحَوَالَةِ

حوالہ کے بیان میں

اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّیُوْنِ وَ تَصِحُّ بِرِضَاءِ الْمُحِیْلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَیْهِ وَاِذَا

حوالہ جائز ہے قرضوں میں اور درست ہے محیل محتال اور محتال علیہ کی رضا مندی سے جب

تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِیْلُ مِنَ الدُّیُوْنِ وَلَمْ یَرْجِعِ الْمُحْتَالُ لَهٗ عَلَی الْمُحِیْلِ اِلَّا اَنْ یَتْوٰی

پوری ہو جائے حوالت تو بری ہو جائے گا محیل قرضوں سے اور نہیں رجوع کر سکتا محتال لہ محیل پر مگر یہ کہ اس کا حق

حَقُّهٗ وَالتَّوٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِاَحَدِ الْاَمْرَیْنِ اِمَّا اَنْ یَّجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَیَحْلِفَ

تلف ہو جائے اور حق تلف ہونا امام صاحب کے نزدیک دو امروں میں سے ایک امر کے باعث ہوتا ہے یا تو محتال علیہ حوالہ کا انکار کر دے اور قسم

وَلَابَیِّنَةَ لَهٗ عَلَیْهِ اَوْیَمُوْتَ مُفْلِسًا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هٰذَانِ الْوَجْهَانِ

کھا لے اور قرض خواہ کے پاس بینہ نہ ہو یا وہ مفلسی میں مر جائے صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ دو صورتیں ہیں۔

وَوَجْهٌ ثَالِثٌ وَ هُوَاَنْ یَّحْكُمَ الْحَاكِمُ بِاِفْلَاسِهٖ فِیْ حَالِ حَیَاتِهٖ

اور تیسری صورت یہ بھی ہے کہ حاکم حکم لگا دے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی ہی میں

توضیح اللغۃ دیون۔ جمع دَین قرض' یتویٰ (س) تویٰ۔ المال' برباد ہونا' توی (بالقصر وزان حصی ویمد) ہلاکت مال' یجحد (ف) جحداً۔ باوجود علم کے انکار کرنا' یحلف (ض) حلفًا۔ قسم کھانا' مفلس کنگال۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الخ کفالہ کے بعد حوالہ کو بیان کر رہے ہیں کیونکہ ان دونوں میں وثوق واعتماد کی خاطر اس دین کا التزام ہوتا ہے جو

اصیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حوالہ اصیل کی برأت مقیدہ پر مشتمل ہوتا ہے اور کفالہ میں یہ چیزیں نہیں ہوتی پس کفالہ بمنزلہ مفرد ہوا اور حوالہ بمنزلہ مرکب اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ کذا فی ردالمحتار۔

قوالحوالة الخ لغۃً بمعنی نقل وزوال ہے فی المصباح ''**حوله تحويلا و حول هو تحويلا**'' ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا یا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا (یعنی لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے بعض حضرات نے احالہ کا اسم مصدر کہا ہے فی الصحاح ''**يقال احال عليه بدينه والاسم الحوالة**'' یعنی اس نے اپنا قرض دوسرے کے حوالہ کردیا۔ اصطلاح شرح میں محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف دین منتقل کردینے کو حوالہ کہتے ہیں۔

فائدہ جو شخص دین کا حوالہ کرے (یعنی مدیون) اس کو محیل اور جس کا دین ہو اس کو محتال' محتال لہ' محال' محال لہ' حویل' اور جو شخص حوالہ قبول کرے اس کو محتال علیہ' محال علیہ اور جس مال کا حوالہ کیا جائے اس کو محال بہ کہتے ہیں مثلاً خالد پر زید کے ایک ہزار درہم قرض ہیں اور خالد نے اپنا قرض محمود پر حوالہ کردیا' جس کو محمود نے قبول کرلیا تو خالد کو محیل اور زید کو محتال' محتال لہ' محال' محال لہ' حویل اور محمود کو محتال علیہ' محال علیہ اور ہزار دراہم کو محال بہ کہیں گے۔

قوله جائزة بالديون الخ حوالہ صرف دین کا صحیح ہے عین کا صحیح نہیں۔ صحت حوالہ دین کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی کو حوالہ کیا جائے مالدار پر تو چاہیئے کہ حوالہ قبول کرے[1]'' اور عین کا حوالہ اس لئے صحیح نہیں کہ حوالہ نقل حکمی کا نام ہے اور دین وصف حکمی ہے جو ثابت فی الذمہ ہوتا ہے تو نقل حکمی کا تحقق دین ہی میں ہوگا نہ کہ عین میں کیونکہ عین نقل حسی کی محتاج ہے پھر صحت حوالہ کے لئے بالاتفاق محتال اور محتال علیہ دونوں کی رضامندی شرط ہے' رضاء محتال تو اس لئے شرط ہے کہ دین اس کا حق ہے اور حسن ادائیگی اور ٹال مٹول میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں تو اس کی رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کا نقصان لازم نہ آئے اور محتال علیہ کی رضاء اس لئے شرط ہے کہ اس پر دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور لزوم بلا التزام نہیں ہوتا نیز تقاضے کے لحاظ سے لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے کوئی نرمی سے مانگتا ہے کوئی سختی سے' اس لئے محتال علیہ کی رضا بھی ضروری[2] ہے۔ رہا محیل سو بقول مختار اس کی رضاء شرط نہیں کیونکہ التزام دین محتال علیہ کا اپنی ذات میں تصرف کرنا ہے جس میں محیل کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کا فائدہ ہے۔

قوله واذا تمت الخ جب حوالہ اپنی تمام شرطوں کے ساتھ تام ہو جائے تو محیل دین اور مطالبہ دین دونوں سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک صرف مطالبہ سے بری ہو جاتا ہے۔ امام زفر کے یہاں مطالبہ سے بھی بری نہیں ہوتا وہ حوالہ کو کفالہ پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں عقد توثق ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ معانی لغویہ کے موافق ہوا کرتے ہیں اور حوالہ لغۃً بمعنی نقل ہے تو جب دین محیل کے ذمہ سے منتقل ہوگیا تو اب اس کے ذمہ میں باقی رہنے کے کوئی معنی ہی نہیں بخلاف کفالہ کے کہ اس میں دین ذمہ سے منتقل نہیں ہوتا بلکہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کی طرف ملانا ہوتا ہے۔ بہر کیف مختار یہی ہے کہ محیل بری الذمہ ہو جاتا ہے پس محتال محیل پر رجوع نہیں کرسکتا الا یہ کہ اس کا مال ہلاک ہو جائے۔ کہ اس صورت میں رجوع کرسکتا ہے کیونکہ عین کا بری الذمہ ہونا سلامتی حق محتال کے ساتھ مقید ہے معلوم ہوا کہ یہ برأت استیفاء ہے نہ کہ برأت اسقاط اور جب استیفاء حق متعذر ہو گیا تو اصل مدیون پر رجوع کا حق ثابت ہو جائے گا۔

قوله والتوى الخ امام صاحب کے نزدیک ہلاکت مال احد الامرین سے ہوتی ہے یا تو محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کردے اور قسم کھالے اور محیل و محتال کے پاس بینہ نہ ہو یا محتال افلاس کی حالت میں مرجائے' صاحبین کے نزدیک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ حاکم اس کی زندگی میں اس کے مفلس ہونے کا حکم لگادے پس ان وجوہ سے مال کو ہلاک تصور کیا جائے گا اور محتال کو محیل پر رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

---

[1] صحیحین' ابوداؤد' ترمذی' احمد' ابن ابی شیبہ' طبرانی (فی الاوسط) عن ابی ہریرۃ ۱۲ [2] والصحیح من مذہب الشافعی ان لا حاجۃ الی رضاہ اذا کان المحال بہ دین المحیل وہو قول مالک واحمد ۱۲۔

وَاِذَا طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ الْمُحِيْلَ بِمِثْلِ مَالِ الْحَوَالَةِ فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِّيْ عَلَيْكَ
طلب کیا محتال علیہ نے محیل سے حوالت کا روپیہ محیل نے کہا کہ میں نے اسی قرض کی حوالت کی تھی جو میرا تیرے ذمہ

لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهٗ وَكَانَ عَلَيْهِ مِثْلَ الدَّيْنِ وَاِنْ طَالَبَ الْمُحِيْلُ الْمُحْتَالَ بِمَا اَحَالَهٗ بِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ
تھا تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا اور اس پر دین کے برابر روپیہ لازم ہوگا' طلب کیا محیل نے محتال سے وہ روپیہ جس کی حوالت اس نے کرائی تھی اور یہ کہا کہ

لِتَقْبِضَهٗ لِيْ وَقَالَ الْمُحْتَالُ بَلْ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِّيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَ
میں نے اسی لئے حوالت کرائی تھی تا کہ تو میرے لئے وصول کرے محتال کہے کہ تو نے اسی کا حوالہ کرایا تھا جو میرا تیرے ذمہ قرض ہے تو محیل کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ

يُكْرَهُ السَّفَاتِجُ وَ هُوَ قَرْضٌ اِسْتَفَادَ بِهِ الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ
سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے جس کا دینے والا راستہ کے خوف سے مامون ہو جائے۔

حوالہ کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ واذا طالب المحتال علیہ نے الخ محتال علیہ نے محیل سے اس دین کے بقدر مال کا مطالبہ کیا جس کا محیل نے حوالہ کیا تھا اب محیل اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے تو اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا تو محیل کا یہ قول مسموع نہ ہوگا بلکہ وہ محتال علیہ کو مثل دین کا ضمان دے گا کیونکہ محیل دین کا مدعی ہے اور محتال علیہ اس کا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ محتال علیہ کا حوالہ کو قبول کرنا یہ بتا رہا ہے کہ وہ محیل کا مدیون تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حوالہ قبول کرنے سے دین کا اقرار لازم نہیں آتا کیونکہ حوالہ دین کے بغیر بھی صحیح ہے۔

قولہ و ان طالب المحیل الخ محیل نے محتال سے اس مال کا مطالبہ کیا جس کا اس نے حوالہ کرایا تھا اور یہ کہا کہ میں نے اس لئے حوالہ کیا تھا تا کہ تو اس مال کو میرے لئے وصول کرلے گویا میں تجھ کو دین وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا۔ محتال کہتا ہے نہیں بلکہ میرا جو دین تجھ پر تھا تو نے اس کا حوالہ کیا تھا تو یہاں محیل کا قول معتبر ہوگا کیونکہ محتال مدعی دین ہے اور محیل منکر۔ صرف اتنی بات ہے اس نے لفظ حوالہ وکالت کے لئے استعمال کیا ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ لفظ حوالہ مجاز اً وکالت میں استعمال ہوتا ہے۔

قولہ ویکرہ السفاتج الخ سفاتج سفتجہ معرب سفتہ (بمعنی شئے محکم) کی جمع ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی شہر میں گیا اور وہاں اس نے کسی تاجر یا مہاجن کو کچھ مال بطور قرض دے دیا اور یہ شرط کرلی کہ تو مجھے اپنے فلاں آدمی کے نام ایک تحریر دے دے جو کسی دوسرے شہر میں ہے تا کہ وہ اس سے روپیہ وصول کرلے اور اس طرح خطرہ راہ سے محفوظ ہو جائے۔ چونکہ اس صورت میں مقروض کو قرض سے فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی وہ خطرہ راہ سے مطمئن ہو جاتا ہے اور جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس لئے یہ صورت مکروہ ہے لیکن یہ اسی وقت ہے جب وہ تحریر وغیرہ لینے کی شرط پر روپیہ دے اگر بلا شرط دے دے تو مکروہ نہیں ہے۔ کذا فی الحواشی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الصُّلحِ

صلح کے بیان میں

اَلصُّلْحُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ صُلْحٌ مَعَ اِقْرَارِهٖ وَ صُلْحٌ مَعَ سُكُوْتٍ وَهُوَ
صلح تین طرح پر ہے صلح مع اقرار صلح مع سکوت اور وہ

اَنْ لَّايُقِرَّ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ وَلَا يُنْكِرُ وَ صُلْحٌ مَعَ اِنْكَارٍ وَكُلُّ ذٰلِكَ جَائِزٌ فَاِنْ وَّقَعَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ
یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نہ اقرار کرے نہ انکار کرے اور صلح مع انکار یہ تینوں صورتیں جائز ہیں پس اگر واقع ہو صلح مع اقرار تو اس میں

فِيْهِ مَايُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَّقَعَ عَنْ مَّالٍ بِمَالٍ وَّاِنْ وَّقَعَ عَنْ مَّالٍ بِمَنَافِعَ فَيُعْتَبَرُ بِالْاِجَارَاتِ
ان امور کا اعتبار ہوگا جن کا فروختنی چیزوں میں ہوتا ہے اگر مال کے دعوے میں مال ہی کے ساتھ ہو اور اگر منافع کے ساتھ ہو تو اجاروں کے مثل ہوگی

تشریح الفقہ قولہ کتاب الصلح الخ صلح لغۃً مصالحۃ مصدر کا اسم ہے جو صلاح ضد فساد سے مشتق ہے شریعت میں صلح اس عقد کو کہتے ہیں جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہو یعنی وہ عقد جو جھگڑے کو مٹادے جس پر صلح واقع ہو اس کو مصالح علیہ اور جس سے صلح ہو اس کو مصالح عنہ کہتے ہیں مثلاً زید نے خالد پر ایک مکان کا دعویٰ کیا' خالد نے کہا کہ مجھ سے ایک سو درہم لے لے اور مکان کا دعویٰ چھوڑ دے تو سو درہم مصالح علیہ ہے اور مکان مصالح عنہ۔

قولہ علی ثلثۃ اضرب الخ صلح کی تین قسمیں ہیں صلح مع الاقرار' صلح مع الانکار' صلح مع السکوت' یہ تینوں قسمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہیں۔ امام مالک اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام شافعی کے یہاں صرف پہلی قسم صحیح ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے[1] وجہ استدلال یہ ہے کہ صلح مع الانکار اور صلح مع السکوت میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنا جس کی اس حدیث میں نفی کی گئی ہے موجود ہے اس واسطے کہ اگر مدعی حق پر ہے تو اس کے لئے مدعا کو قبل از صلح لینا حلال ہے اور بعد از صلح حرام' اور اگر وہ باطل پر ہے تو باطل دعویٰ کے ذریعہ قبل از صلح مال لینا حرام ہے اور بعد از صلح حلال۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ''والصلح خیر'' اور آغاز حدیث مذکور ''الصلح جائز بین المسلمین'' مطلق ہے جو صلح کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔ رہا حدیث کا آخری ٹکڑا یعنی ''الاصلحا احل حرامًا او حرم حلالا'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صلح حرام لعینہ کی حلت کو مستلزم ہو جیسے عورت کا اس امر پر صلح کرنا کہ شوہر اس کی سوکن کے ساتھ صحبت نہ کرے گا' ایسی صلح جائز نہیں۔

قولہ فان وقع الصلح الخ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعا علیہ کے اقرار کے ساتھ واقع ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی کیونکہ اس میں معنی بیع یعنی متعاقدین کے حق میں مبادلہ مال بالمال موجود ہے لہٰذا اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے تو صلح ایک مکان کی دوسرے مکان سے ہوئی تو دونوں گھروں میں حق شفعہ ثابت ہوگا اور اگر بدل صلح مثلاً غلام ہو اور اس میں کوئی عیب پایا جائے تو اس کو واپس کر دینا جائز ہوگا۔ نیز اگر بوقت صلح مصالح علیہ کو نہیں دیکھ سکا تو دیکھنے کے بعد پھیر سکتا ہے اسی طرح اگر صلح میں کوئی ایک اپنے لئے تین دن تک خیار شرط لینا چاہے تو وہ اس کا حق دار ہوگا۔ نیز بدل صلح کا مجہول ہونا مبطل صلح ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے بیع میں ثمن مجہول ہو کہ وہ مبطل بیع ہے ہاں مصالح عنہ کا مجہول ہونا ہمارے یہاں قادح صلح نہیں اس لئے کہ وہ مدعیٰ علیہ کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور ساقط کی جہالت باعث نزاع نہیں۔

[1] ابوداؤد' ابن حبان' حاکم عن ابی ہریرۃ' ترمذی' ابن ماجہ عن عمرو بن عوف ۱۲

قولہ بمنافع الخ اگر صلح عن المال بمقابلہ منفعت واقع ہو مثلاً زید نے عمرو پر کسی چیز کا دعویٰ کیا اور عمرو نے اس کا اقرار کر لیا' پھر عمرو نے زید کے ساتھ اپنے گھر کی یکسالہ رہائش یا اپنی سواری پر سوار ہونے یا اتنا کپڑا پہننے یا غلام سے خدمت حاصل کرنے پر صلح کر لی تو اس کا حکم اجارہ کا سا ہے کہ جیسے اجارہ میں استیفاء منفعت کی مدت مقرر کرنا شرط ہے اسی طرح اس میں بھی شرط ہے اور جیسے اجارہ احد المتعاقدین کی موت سے باطل ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ بھی باطل ہو جائے گی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالصُّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَالْاِنْكَارِ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لِافْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَقَطْعِ الْخُصُوْمَةِ وَ فِيْ
اور صلح مع سکوت و صلح مع الانکار مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے اور

حَقِّ الْمُدَّعِىْ لِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ وَاِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَاِذَا صَالَحَ
مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجہ میں ہے جب صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہ ہو گا اور جب صلح کی

عَلٰى دَارٍ وَّجَبَتْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَاِذَاكَانَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ فِيْهِ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ
گھر پر تو واجب ہو گا اس میں شفعہ' جب صلح مع اقرار ہو پھر کوئی حصہ دار نکل آئے صلح کی چیز میں

رَجَعَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ وَاِذَا وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ اَوْاِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ
تو واپس لے لے مدعیٰ علیہ اس حصہ کے موافق اپنا دیا ہوا عوض جب واقع ہو صلح مع سکوت یا صلح مع انکار پھر متنازع فیہ

الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِىْ بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّالْعِوَضَ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذٰلِكَ رَدَّ حِصَّتَهٗ
کا حقدار نکل آئے تو مدعی اس مقدار سے جھگڑے اور عوض کو واپس کر دے اور اگر بعض حصہ کا حقدار نکل آیا تو حصہ کے موافق

وَرَجَعَ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ وَاِنْ ادَّعٰى حَقًّا فِيْ دَارٍ وَّلَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُوْلِحَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى شَىْءٍ
واپس کر کے اس میں جھگڑے کسی نے مکان میں اپنے حق کا دعوی کیا اور اس کی تفصیل نہیں کی پس اس میں سے کسی چیز پر صلح ہو گئی

ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّشَيْئًا مِّنَ الْعِوَضِ
پھر کچھ مکان کا حقدار نکل آیا تو مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے

صلح مع سکوت و مع انکار کے احکام

تشریح الفقہ قولہ والصلح عن السکوت الخ اگر صلح مدعی علیہ کے سکوت یا اس کے انکار سے ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ اور مدعی علیہ کے حق میں قطع نزاع اور قسم کا فدیہ ہوتا ہے۔ مدعی کے حق میں معاوضہ اس لئے ہے کہ وہ بزعم خود اپنے حق کا عوض لیتا ہے اور مدعی علیہ کے حق میں یمین کا فدیہ ہونا اس لئے ہے کہ اگر صلح واقع نہ ہوتی تو مدعی علیہ پر قسم لازم آتی اور جھگڑا ہوتا پس مدعی علیہ کے انکار سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ بطریق صلح جو کچھ دے رہا ہے وہ جھگڑا مٹانے کی غرض سے دے رہا ہے۔

قولہ لم یجب فیھا الشفعة الخ مدعی کے حق میں صلح مذکور کے معاوضہ ہونے اور مدعی علیہ کے حق میں فدیہ یمین ہونے پر متفرع ہے۔ مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر گھر کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس کا انکار کیا یا وہ خاموش رہا پھر اس نے کچھ دے کر گھر کے معاملہ میں صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہ ہو گا کیونکہ مدعی علیہ اس کو اپنے اصلی حق کی بناء پر لے رہا ہے نہ یہ کہ وہ اس سے خرید رہا ہے اور اگر مدعی نے مال کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے ایک گھر دے کر صلح کر لی تو اس میں شفعہ واجب ہو گا کیونکہ مدعی اس کو اپنے مال کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یہ اس کے

حق میں معاوضہ ہوالہذا شفعہ واجب ہوگا۔

قولہ واذا کان الصلح عن اقرار الخ صلح عن الاقرار میں اگر مدعی یعنی مصالح عنہ کل کا کل یا اس کا بعض حصہ کسی دوسرے کا نکل آئے تو مدعی اس کے حصہ کے بقدر عوض یعنی بدل صلح مدعی علیہ (مصالح) کو واپس کردے کیونکہ صلح درحقیقت بیع کی طرف معاوضہ مطلقہ ہے اور معاوضہ کا حکم یہی ہے کہ بوقت استحقاق رجوع بقدر مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ زید نے ایک مکان کا دعویٰ کیا جو عمرو کے قبضہ میں ہے اور عمرو نے اقرار کے بعد زید سے ایک سو درہم پر صلح کرلی پھر نصف مکان یا کل مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو عمرو زید سے پہلی صورت میں پچاس اور دوسری صورت میں ایک سو درہم واپس لے لے گا۔

قولہ والمتنازع فیہ الخ مسئلہ یہ ہے کہ عمرو کے قبضہ میں ایک مکان ہے زید نے اس کا دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے، عمرو نے اس کا انکار کیا یا وہ خاموش رہا پھر اس نے ایک سو درہم دے کر صلح کرلی اس کے بعد وہ مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو زید نے عمرو سے جو ایک سو درہم لئے تھے وہ اس کو واپس کرکے مستحق سے خصومت کرے کیونکہ عمرو نے زید کو ایک سو درہم اس لئے دیئے تھے تاکہ جھگڑا مٹ جائے اور اس کے پاس مصالح عنہ بلا خصومت باقی رہے اور جب وہ دوسرے کا مملوک نکل آیا تو اس کا مقصد حاصل نہ ہوا، نیز یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ عمرو کے ساتھ زید کی خصومت باقی رہے لہذا وہ ایک سو درہم واپس لے گا اور زید مستحق سے جھگڑا کرے گا کیونکہ اب وہ مدعی علیہ کے قائم مقام ہے اور اگر کوئی جزوی حصہ دار نکلا ہے تو اسی کے حصہ کے موافق واپس کردے اور پھر اس حصہ کی مقدار میں مستحق سے نپٹ لے۔

قولہ لم یرد شیئا الخ کسی نے ایک مکان میں اپنا حق ہونے کا دعویٰ کیا اور حق کو کسی جزو معلوم (نصف یا ثلث وغیرہ) یا جانب معلوم (شرقی یا غربی) کی طرف منسوب نہیں کیا پھر کچھ دیر اس سے صلح کرلی گئی پھر اس مکان کا کوئی جزوی حصہ دار نکل آیا تو یہ مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے گا کیونکہ جب اس نے تفصیل نہیں کی تو ممکن ہے اس کا دعویٰ اسی میں ہو جو اس حصہ دار کو دینے کے بعد باقی رہ گیا ہے۔

وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مِّنْ دَعْوَى الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَايَةِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ وَلَايَجُوْزُ مِنْ
اور صلح جائز ہے مال، منافع، جنایت عمد اور جنایت خطاء کے دعووں سے اور جائز نہیں

دَعْوىٰ حَدٍ وَّاِذَا ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى امْرَأَةٍ نِّكَاحًا وَّهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلٰى مَالٍ بَذَلَتْهُ
حد کے دعوے سے، دعوی کیا کسی نے ایک عورت پر نکاح کا اور عورت انکار کر رہی ہے پھر عورت نے صلح کر لی کچھ مال دے کر

حَتّٰى يَتْرُكَ الدَّعْوىٰ جَازَ وَكَانَ فِيْ مَعْنَى الْخُلْعِ وَاِذَا ادَّعَتْ اِمْرَأَةٌ نِكَاحًا عَلٰى رَجُلٍ
تاکہ وہ دعوی کو چھوڑ دے تو یہ جائز ہے اور خلع کے حکم میں ہے اور اگر دعوی کیا کسی عورت نے مرد پر نکاح کا

فَصَالَحَهَا عَلٰى مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا لَمْ يَجُزْ وَاِنْ ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهُ عَبْدُهُ فَصَالَحَهُ
پس مرد نے صلح کر لی کچھ مال دے کر تو یہ صلح جائز نہیں، ایک شخص نے دعوی کیا دوسرے پر کہ یہ میرا غلام ہے اس نے کچھ مال

عَلٰى مَالٍ اَعْطَاهُ جَازَ وَكَانَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِيْ مَعْنَى الْعِتْقِ عَلٰى مَالٍ
دے کر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور مدعی کے حق میں مال کے بدلے آزاد کرنے کے حکم میں ہے

وہ چیزیں جن کی طرف سے صلح جائز ہے یا جائز نہیں

تشریح الفقہ قولہ والصلح جائز الخ اگر مدعی مال کا دعویٰ کرے تو دعویٰ مال کی طرف سے صلح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صلح بیع کے معنی میں ہے کما

مرتو جس چیز کی بیع جائز ہے اس کی جانب سے صلح بھی جائز ہوگی نیز دعویٰ منفعت کی طرف سے بھی صلح کرسکتا ہے مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان کی ایک سالہ رہائش کی وصیت کی ہے ورثہ نے اس کو کچھ مال دے کر صلح کر لی تو صلح جائز ہے کیونکہ عقد اجارہ کے ذریعہ سے منافع مملوک ہوجاتے ہیں تو صلح کے ذریعہ سے بھی مملوک ہوسکتے ہیں۔

قولہ و جنایة العمد الخ دعویٰ جنایت نفس (قتل) اور دعویٰ جنایت مادون النفس (قطع ید) کی طرف سے بھی صلح درست ہے خواہ جنایت عمداً ہو یا خطاء عمداً کی صورت میں تو اس لئے درست ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فمن عفی له من اخیه شئی فاتباع بالمعروف واداء الیه باحسان**" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطاء کی صورت میں اس لئے درست ہے کہ جنایت خطاء کا موجب مال ہے اور صلح عن المال بلا اشکال جائز ہے۔

قولہ ولایجوز الخ دعویٰ حد سے صلح جائز نہیں کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے بندے کا نہیں ہے اور دوسرے کے حق کا بدلہ لینا جائز نہیں پس اگر کسی نے زانی، چور یا شراب خور کو پکڑ کر حاکم کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا اور ماخوذ نے کچھ مال پر صلح کر لی تا کہ یہ اسے چھوڑ دے تو یہ صلح جائز نہیں۔ (حاشیہ چلپی)

قولہ وھی تجحد الخ کسی نے منکوحہ عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت منکر ہے مگر عورت نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ درست ہے اب یہ صلح اس شخص کے حق میں خلع کے معنی میں ہوگی (لان اخذ المال عن ترک البضع خلع) اور عورت کے حق میں قطع خصومت وفدیہ یمین ہوگی اور اگر مدعی عورت ہو اور مرد کچھ دے کر صلح کرلے تو یہ جائز نہیں کیونکہ مرد کا دیا ہوا مال دعویٰ چھڑانے کے لئے ہے اب اگر اس دعویٰ کے چھوڑنے کو عورت کی طرف سے فرقت کے لئے ٹھہرائیں تو فرقت میں مرد مال نہیں دیا کرتا بلکہ عورت دیا کرتی ہے اور اگر فرقت کے لئے نہ ٹھہرائیں تو پھر اس مال کے بدلہ میں کوئی چیز نہیں ہے (جوہرہ)

وَكُلُّ شَيْءٍ وَّقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَ هُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَاِنَّمَا

ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور وہ عقد مداینت کی وجہ سے واجب ہو تو اسے معاوضہ پر محمول نہ کیا جائے گا بلکہ اس

يُحْمَلُ عَلٰى اَنَّهٗ اسْتَوْفٰى بَعْضَ حَقِّهٖ وَاَسْقَطَ بَاقِيَهٗ كَمَنْ لَّهٗ عَلٰى رَجُلٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَهٗ

پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق لے لیا اور باقی ساقط کر دیا جیسے ایک آدمی کے کسی پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے پانچ سو

عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوْفٍ جَازَ وَصَارَ كَاَنَّهٗ اَبْرَاَهٗ عَنْ بَعْضِ حَقِّهٖ وَلَوْصَالَحَهٗ عَلٰى اَلْفٍ مُّؤَجَّلَةٍ

کھوٹے درہموں پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور گویا اس نے اپنے بعض حق سے بری کر دیا اور اگر صلح کر لی ایک ہزار میعادی پر

جَازَ وَكَاَنَّهٗ اَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ وَلَوْ صَالَحَهٗ عَلٰى دَنَانِيْرَ اِلٰى شَهْرٍ لَّمْ يَجُزْ وَلَوْكَانَ لَهٗ اَلْفٌ

تو یہ بھی جائز ہے گویا اس نے نفس حق کو مؤخر کردیا اور اگر صلح کی اشرفیوں پر ایک ماہ کی مہلت سے تو جائز نہیں اگر کسی کے ایک ہزار

مُّؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِ مِائَةٍ حَالَّةٍ لَّمْ يَجُزْ وَلَوْكَانَ لَهٗ اَلْفُ دِرْهَمٍ سُوْدٍ فَصَالَحَهٗ

میعادی ہوں اور وہ فوری پانچ سو پر صلح کرے تو جائز نہیں اگر ایک ہزار سیاہ درہم ہوں اور وہ پانچ

عَلٰى خَمْسِ مِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ

سو سفید درہموں پر صلح کرے تو یہ جائز نہیں

دَین سے صلح کرنے کا بیان

توضیح اللغۃ عقد مداینہ جیسے ادھار فروخت کرنا یا قرض دینا' جیاد۔ کھرے' زیوف۔ کھوٹے' مؤجلہ۔ میعادی' سود۔ سیاہ' کھوٹے' بیض۔ سفید' کھرے۔

تشریح الفقہ قولہ و کل شئی الخ جس چیز پر صلح واقع ہو اور وہ عقد مداینہ کے سبب سے واجب ہو تو اس صلح کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ ساقط کر دیا' معاوضہ پر محمول نہ ہوگا تا کہ عوضین کی کمی بیشی سے سود لازم نہ آئے پس اگر کسی سے ایک ہزار کھرے درہموں کی طرف سے پانچ سو کھوٹے درہموں پر صلح کر لی تو جائز ہے کیونکہ ان پانچ سو کو یہ نہ کہیں گے کہ ان ہزار کا معاوضہ ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ مدعی نے پانچ سو ساقط کر دیئے اسی طرح اگر ایک ہزار غیر میعادی کی طرف سے ایک ہزار میعادی پر صلح کر لی تو یہ بھی جائز ہے گویا اس نے فی الفور واجب ہونے کو ساقط کر دیا یعنی نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

قولہ علی دنانیر الخ اگر میعادی ہزار درہموں کی طرف سے ہزار دینار میعادی پر صلح کر لی تو یہ جائز نہیں کیونکہ عقد مداینہ کے سبب سے دنانیر واجب نہیں پس تاجیل کو تاخیر پر محمول نہیں کیا جا سکتا' معاوضہ پر محمول کیا جائے گا اور جب معاوضہ ہوا تو یہ صلح بیع صرف ہوگئی اور بیع صرف میں دراہم کو دنانیر کے عوض میں ادھار فروخت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ہزار میعادی درہموں کی طرف سے پانچ سو نقد درہموں پر صلح کر لی تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اجل یعنی میعاد مدیون کا حق تھا تو نصف معجل اجل کا عوض ہوا اور اجل کا عوض لینا حرام ہے نیز اگر ہزار سیاہ درہموں کی طرف سے ہزار سفید درہموں پر صلح کی تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ہزار سیاہ درہموں کا معاوضہ پانچ سو درہم ہوئے زیادتی وصف کے ساتھ اور معاوضہ نقدین میں وصف کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا سود لازم آیا اور سود حرام ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَاصَالَحَهُ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَهُ

کسی نے وکیل کیا دوسرے کو صلح کرنے کا اس کی طرف سے اس نے صلح کروا دی تو لازم نہ ہوگا وکیل کو بدل صلح الایہ کہ وہ ضامن ہو جائے

وَالْمَالُ لَازِمٌ لِّلْمُوَكِّلِ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلٰى شَیْءٍ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَهُوَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِنْ صَالَحَ

بلکہ مال لازم ہو گا مؤکل کو پس اگر صلح کر لی اس کی طرف سے کسی چیز پر اس کی بلا اجازت تو یہ چار طرح پر ہے اگر صلح کی

بِمَالٍ وَّضَمِنَهٗ تَمَّ الصُّلْحُ وَكَذٰلِكَ لَوْقَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفِیْ هٰذِهٖ اَوْعَلٰى عَبْدِیْ هٰذَا

مال پر اور ضامن بھی ہو گیا تو صلح پوری ہو گئی اسی طرح اگر کہا کہ میں اپنے ان ہزار درہموں پر یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں

تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهٗ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِ وَكَذٰلِكَ لَوْقَالَ صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفٍ وَّ سَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ قَالَ

تو صلح پوری ہو گئی اور اس کی تسلیم لازم ہو گی اسی طرح اگر کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ ہزار اس کے حوالے کر دیئے اور اگر کہا

صَالَحْتُكَ عَلٰى اَلْفٍ وَّلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ

کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ مدعی کے حوالے نہیں کیے تو عقد موقوف ہو گا اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی

جَازَ وَلَزِمَهُ الْاَلْفُ وَاِنْ لَّمْ يُجِزْهُ بَطَلَ

تو ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار لازم ہوں گے اور اگر اجازت نہ دی تو صلح باطل ہو گی

تشریح الفقہ قولہ ومن وکل رجلا الخ صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کی توضیح یوں کی ہے کہ ایک شخص نے قتل عمد کی طرف سے یا اس پر جس قدر

دین کا دعویٰ ہے اس کے کسی حصہ پر صلح کرنے کے لئے دوسرے کو وکیل بنایا تو بدل صلح مؤکل پر لازم ہوگا نہ کہ وکیل پر کیونکہ یہ صلح قاتل سے اسقاط قصاص ہے اور مدعی علیہ سے اسقاط بعض دین تو وکیل سفیر محض ٹھہرا نہ کہ عاقد لہذا حقوق مؤکل کی طرف راجع ہوں گے۔ ہاں اگر وکیل صلح کرتے ہوئے بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو بدل صلح اسی پر لازم ہوگا لیکن توکیل کی وجہ سے نہیں بلکہ ضامن ہونے کی وجہ سے۔

قوله فان صالح عنه الخ ایک فضولی شخص نے دوسرے کی طرف سے مصالحت کی تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ فضولی نے صلح کی اور بدل صلح کا ضامن ہو گیا۔ ۲۔ بدل صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کی مثلاً یوں کہا کہ میں اپنے ان ہزار درہموں پر یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں۔ ۳۔ نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلق رکھتے ہوئے یوں کہا کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور ہزار درہم اس کے حوالے کر دیئے۔ ان تینوں صورتوں میں صلح جائز ہے کیونکہ مدعی علیہ کو جو چیز حاصل ہے وہ برأت ہے اور برأت کے حق میں مدعی علیہ اور اجنبی دونوں برابر ہیں تو اجنبی شخص اصیل بن سکتا ہے۔ ۴۔ لیکن اگر فضولی صرف یہ کہے کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور مال سپرد نہ کرے تو اس صورت میں (بعض مشائخ کے اختیار پر) صلح موقوف ہوگی اگر مدعی علیہ صلح کو جائز رکھے تو جائز ہوگی ورنہ جائز نہ ہوگی **لان المصالح ھھنا و ھو الفضولی لا ولایة له علی المطلوب فلاینفذ تصرفه علیه**۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَّصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ

جب دین دو شریکوں کا ہو اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے کپڑے پر صلح کرلے تو اس کے شریک کو اختیار ہے

شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِیْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ

چاہے اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنا نصف حصہ لینے کے لئے اور چاہے آدھا کپڑا لے لے الا یہ کہ ضامن ہو اس کے لئے

شَرِيْكُهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ وَلَوِاسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّشَارِكَهٗ

اس کا شریک چوتھائی قرض کا اور اگر ان میں سے کوئی اپنا نصف دین وصول کر چکا تو اس کا شریک وصول کردہ میں

فِيْمَا قَبَضَ ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِیْ وَلَوِاشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِنَصِيْبِهٖ مِنَ

شریک ہو سکتا ہے پھر دونوں وصول کرلیں باقی قرض مقروض سے اور اگر خرید لیا ان میں سے ایک نے اپنے حصہ کے

الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ رُبْعَ الدَّيْنِ وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ

دین سے کچھ اسباب تو اس کا شریک اس سے چوتھائی دین وصول کر سکتا ہے جب عقد سلم ہو شریکین میں

فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَّصِيْبِهٖ عَلٰى رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا

پھر ان میں سے ایک صلح کرلے اپنے حصہ کی راس المال پر تو یہ جائز نہیں طرفین کے نزدیک

اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ الصُّلْحُ

اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صلح جائز ہے

دین مشترک سے صلح کا بیان

تشریح الفقہ **قوله واذا كان الدين الخ** دین مشترک اس کو کہتے ہیں جو سبب متحد کے ذریعہ واجب ہو جیسے اس مبیع کا ثمن جس کی بیع بصفقہ واحدہ ہوئی ہو یا وہ دین جو دو آدمیوں کا موروث ہو یا عین مستہلک مشترک کی قیمت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب ایک شریک دین مشترک سے کچھ حصہ لے لے تو دوسرے شریک کو اختیار ہوتا ہے چاہے وہ اس وصول کردہ حصہ میں شریک ہو جائے اور چاہے اصل مدیون سے اپنے حصہ کا مطالبہ

کرے۔تو اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کی طرف سے کسی کپڑے پر صلح کر لی تو دوسرے شریک کو اختیار ہوگا چاہے وہ آدھا کپڑا لے لے اور چاہے اصل مدیون سے اپنا حصہ طلب کرے لیکن اگر شریک مصالح اس کے لئے چوتھائی دین کا ضامن ہو جائے تو پھر دوسرے کا کپڑے میں حق باقی نہ رہے گا اور اگر شریکین میں سے کسی نے اپنا حصہ دین سے وصول کر لیا تو دوسرا شریک اس وصول کردہ دین میں شریک ہو جائے گا اور باقی ماندہ دین کا مطالبہ دونوں شریک مدیون سے کریں گے اور اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے عوض مدیون سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرا شریک چاہے اس سے ربع دین کا تاوان لے چاہے اصل مدیون سے مطالبہ کرے کیونکہ مدیون کے ذمہ اس کا حق باقی ہے۔

قولہ واذا کان السلم الخ دو آدمیوں نے مل کر ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا اور ایک سو درہم راس المال طے پایا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پچاس پچاس درہم دے دیئے پھر ایک رب السلم نے اپنے نصف کر کے بدلے میں پچاس درہم پر مسلم الیہ سے صلح کر لی اور وہ درہم لے لئے تو یہ صلح امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خالص حق میں تصرف کر رہا ہے طرفین کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس صلح میں قبل از قبض دین کی تقسیم لازم آتی ہے جو باطل ہے۔

وَاِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَاَخْرَجُوْا اَحَدَهُمْ مِّنْهَا بِمَالٍ اَعْطَوْهُ اِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عِقَارٌ
جب ہو ترکہ چند ورثاء کا پھر وہ علیحدہ کر دیں اپنے میں سے کسی ایک کو کچھ مال دے کر اور وہ ترکہ زمین

اَوْعُرُوْضٌ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا اَعْطَوْهُ اَوْكَثِيْرًا فَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَاَعْطَوْهُ ذَهَبًا
یا اسباب ہو تو جائز ہے کم ہو جو انہوں نے دیا ہے یا زائد ہو اور اگر ترکہ چاندی ہو اور وہ سونا دیں

اَوْذَهَبًا فَاَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ كَذٰلِكَ وَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَبًا وَّفِضَّةً وَّغَيْرَ ذٰلِكَ
یا سونا ہو اور وہ چاندی دیں تو یہ بھی اسی طرح ہے اور اگر ترکہ سونا چاندی اور اس کے علاوہ ہو

فَصَالَحُوْهُ عَلٰى ذَهَبٍ اَوْفِضَّةٍ فَلَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ مَا اَعْطَوْهُ اَكْثَرَ مِنْ نَّصِيْبِهٖ مِنْ ذٰلِكَ
اور وہ صلح کریں صرف سونے یا چاندی پر تو ان کا دیا ہوا زیادہ ہونا ضروری ہے اس کے اس حصہ سے جو اسی

الْجِنْسِ حَتّٰى يَكُوْنَ نَصِيْبُهٗ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهٖ مِنْ بَقِيَّةِ الْمِيْرَاثِ وَاِنْ كَانَ فِى التَّرِكَةِ
جنس سے ہے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد مقدار اس کے حق کے مقابلہ میں ہو جائے جو باقی میراث میں ہے اگر ترکہ میں

دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَاَدْخَلُوْهُ فِى الصُّلْحِ عَلٰى اَنْ يُّخْرِجُوا الْمُصَالِحَ عَنْهُ وَيَكُوْنَ الدَّيْنُ لَهُمْ
دین ہو لوگوں پر اور وہ کسی ایک کو صلح میں داخل کر لیں اس شرط پر کہ صلح کرنے والے کو خارج کر دیں گے دین سے اور سارا دین انہی کا رہے گا

فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ فَاِنْ شَرَطُوْا اَنْ يُّبْرِئَ الْغُرَمَاءَ مِنْهُ وَلَا يَرْجِعُ عَلَيْهِمْ بِنَصِيْبِ الْمُصَالِحِ عَنْهُ
تو یہ صلح باطل ہے اور اگر یہ شرط کی کہ وہ قرض داروں کو اپنے حصہ سے بری کر دے اور اپنا حصہ وارثوں سے نہ لے

فَالصُّلْحُ جَائِزٌ
تو یہ صلح جائز ہے

مسائل تخارج کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فاخرجوا الخ ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس نے ترکہ میں کوئی سامان یا زمین چھوڑی اور ورثہ نے کسی وارث کو کچھ مال دے کر میراث سے خارج کر دیا تو تخارج صحیح ہے خواہ وہ مال کم ہو جو ورثہ نے دیا ہے یا زائد لیکن چاندی سونے کی صورت میں صحت تخارج کے لئے طرفین کا قبضہ کرنا ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

قولہ فلا بد الخ اگر ترکہ میں سونا چاندی اور اسباب دونوں ہوں اور ورثہ وارث کو صرف سونا یا چاندی دے کر خارج کریں تو یہ تخارج صحیح نہ ہوگا جب تک کہ وہ چاندی یا سونا جو وارث کو دیا ہے اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو وارث کو اسی جنس کے حصہ سے پہنچنے والا ہے مثلاً وارث مذکور کو میراث سے دس درہم اور کچھ اسباب پہنچتا تھا تو صحت تخارج کے لئے ضروری ہے کہ دس درہم سے زائد پر صلح ہوتا کہ دس درہم دس کے عوض میں ہو جائیں اور زائد درہم اسباب کا عوض ہو جائیں ورنہ سود لازم آئے گا۔

قولہ ، ان کان فی الترکۃ الخ اگر متوفی کے ترکہ میں لوگوں پر کچھ دیون ہوں اور ورثہ کسی وارث کو اس شرط پر خارج کر دیں کہ دیون باقی ورثہ کے لئے ہوں گے تو یہ تخارج صحیح نہیں، کیونکہ جب وارث خارج نے دیون کو باقی ورثہ کے لئے چھوڑ دیا تو گویا اس نے باقی ورثہ کو اپنے حصہ دیون کا مالک بنا دیا حالانکہ مدیون کے علاوہ کسی دوسرے کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔ ہاں اگر ورثاء اس بات کی شرط کر لیں کہ مصالح اپنے حصہ دین سے قرض داروں کو بری الذمہ کر دے اور اعیان ترکہ سے مال پر صلح کر لے تو درست ہوگا کیونکہ اس ابراء میں دین کا مالک اسی کو بنایا گیا ہے جس پر دین ہے اور یہ صحیح ہے تو اس کے حصہ کے بقدر مدیون سے دین ساقط ہو جائے گا۔

کِتَابُ الْھِبَۃِ

ہبہ کے بیان میں

اَلْھِبَۃُ تَصِحُّ بِالْاِیْجَابِ وَالْقُبُوْلِ وَتَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِنْ قَبَضَ الْمَوْھُوْبُ لَہٗ فِی

ہبہ صحیح ہوتا ہے ایجاب و قبول سے اور پورا ہو جاتا ہے قبضہ سے، اگر قبضہ کیا موہوب لہ نے

الْمَجْلِسِ بِغَیْرِ اِذْنِ الْوَاھِبِ جَازَوَاِنْ قَبَضَ بَعْدَ الْاِفْتِرَاقِ لَمْ تَصِحَّ اِلَّا اَنْ یَّاْذَنَ لَہُ الْوَاھِبُ فِی الْقَبْضِ

مجلس ہی میں واہب کی اجازت کے بغیر تو جائز ہے اور اگر قبضہ کیا علیحدہ ہونے کے بعد تو صحیح نہیں الا یہ کہ اجازت دے دی ہو اس کو واہب نے قبضہ کرنے کی

تشریح الفقہ قولہ کتاب الخ ہبہ اصل میں وہب یہب (ض) کا مصدر ہے شروع سے واؤ کو حذف کر کے آخر میں ہاء تانیثہ زیادہ کر دی گئی جیسے وعد یعد سے عدۃ ہے۔ لغت میں ہبہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کو ایسی چیز دی جائے جو اس کے لئے نافع ہو مال ہو یا غیر مال قال تعالیٰ "فھب لی من لدنک ولیا" یہ کبھی متعدی باللام ہوتا ہے جیسے وہبت لہ اور کبھی متعدی بنفسہ جیسے وہبتکہ حکامہ ابوعمر (قاموس) اور کبھی من کے ساتھ جیسے وہبتہ منک 'احادیث کثیرہ سے یہ استعمال ثابت ہے جیسا کہ دقائق نودی میں ہے فقول المطرزی انہ خطاء والتفتازانی انہ من عبارۃ الفقھاء ظن ۔شرع میں ہبہ تملیک عین بلاعوض کو کہتے ہیں عین سے اباحت اور عاریت نکل گئی اور بلاعوض کی قید سے اجارہ اور بیع نکل گئی لیکن یہ تعریف وصیت پر صادق آتی ہے اس لئے ابن کمال نے تملیک حال کی قید اور زیادہ کی ہے، ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب ہوتے ہیں۔

قولہ الھبۃ تصح الخ جب واہب کی طرف سے ایجاب ہو اور موہوب لہ کی طرف سے قبول ہو تو یہ ہبہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ ہبہ بھی ایک طرح کا عقد ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور جب موہوب لہ کی طرف سے مجلس میں قبضہ متحقق ہو جائے تو ہبہ تام ہو جاتا ہے کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کے لئے ملک ثابت ہوتی ہے اور ثبوت ملک کے لئے قبضہ کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے بھی ملک ثابت ہو جاتی ہے وہ اس کو بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ مشتری قبل از مبیع قبض کا مالک ہو جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ اثر ہے 'لاتجوز الھبۃ حتیٰ تقبض'[1]

[1] عبدالرزاق من قول ابراہیم النخعی ۱۲۔

وَتَنعَقِدُ الْهِبَةُ بِقَوْلِهٖ وَهَبْتُ وَنَحلتُ وَاَعْطَيْتُ وَاَطْعَمْتُکَ هٰذَاالطَّعَامَ وَجَعَلْتُ هٰذَا
منعقد ہو جاتا ہے ہبہ یہ کہنے سے کہ میں نے ہبہ کر دیا' دے دیا' بخش دیا' یہ کھانا تجھے کھلا دیا' یہ کپڑا میں نے

الثَّوْبَ لَکَ وَاَعْمَرْتُکَ هٰذَا الشَّیْءَ وَحَمَلْتُکَ عَلٰی هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَانَوٰی بِالْحُمْلَانِ الْهِبَةَ وَ
تیرا ہی کر دیا عمر بھر کے لئے یہ چیز تجھے دے دی' اس سواری پر تجھے سوار کر دیا جب کہ نیت کی سوار کرنے سے ہبہ کی'

لَاتَجُوْزُ الْهِبَةُ فِيْمَا يُقْسَمُ اِلَّامَحُوْزَةً مَقْسُوْمَةً وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيْمَا لَايُقْسَمُ جَائِزَةٌ وَمَنْ
جائز نہیں ہبہ قابل تقسیم چیزوں میں مگر یہ کہ حقوق سے فارغ اور تقسیم شدہ ہو اور مشترک کا ہبہ جو تقسیم نہ ہو سکے جائز ہے جس نے

وَهَبَ شِقْصًا مُشَاعًا فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ قَسَّمَهٗ وَسَلَّمَهٗ جَازَ وَلَوْوَهَبَ دَقِيْقًا فِيْ حِنْطَةٍ اَوْ
ہبہ کیا مشترک چیز کا کچھ حصہ تو ہبہ فاسد ہے پس اگر تقسیم کر کے سپرد کر دے تو جائز ہے' اگر ہبہ کیا آٹا گیہوں میں یا

دُهْنًا فِيْ سِمْسِمٍ فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَ لَمْ يَجُزْوَاِذَا كَانَتِ الْعَيْنُ فِيْ يَدِالْمَوْهُوْبِ لَهٗ
تیل تلوں میں تو ہبہ فاسد ہے پس اگر پیس کر حوالے کرے تب بھی جائز نہیں' جب ہو شئی موہوب موہوب لہ کے قبضہ میں

مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ وَاِنْ لَّمْ يُجَدِّدْ فِيْهَا قَبْضًا وَاِذَا وَهَبَ الْاَبُ لِابْنِهِ الصَّغِيْرِ هِبَةً مَلَكَهَا الْاِبْنُ
تو مالک ہو جائے گا اس کا ہبہ ہی سے اگرچہ اس پر جدید قبضہ نہ کرے' جب ہبہ کی باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کو کوئی چیز تو مالک ہو جائے گا بیٹا

بِالْعَقْدِ وَاِنْ وَّهَبَ لَهٗ اَجْنَبِيٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْاَبِ وَاِذَا وَهَبَ لِلْيَتِيْمِ هِبَةً فَقَبَضَهَا لَهٗ
عقد ہی سے' اگر ہبہ کی اس کو کسی اجنبی نے کوئی چیز تو تام ہو جائے گا ہبہ باپ کے قبضہ سے' جب یتیم کے لئے کوئی چیز ہبہ کی اور اس کے ولی

وَلِيُّهٗ جَازَ وَّاِنْ كَانَ فِيْ حِجْرِ اُمِّهٖ فَقَبْضُهَا لَهٗ جَائِزٌ وَكَذٰلِکَ اِنْ كَانَ فِيْ حِجْرِاَجْنَبِيٍّ يُرَبِّيْهِ
نے قبضہ کر لیا تو جائز ہے اگر بچہ ماں کی گود میں ہو تو بچہ کے لئے ماں کا قبضہ کرنا جائز ہے' اسی طرح اگر بچہ کسی اجنبی کی پرورش میں ہو

فَقَبْضُهٗ لَهٗ جَائِزٌ وَاِنْ قَبَضَ الصَّبِيُّ الْهِبَةَ بِنَفْسِهٖ وَهُوَ يَعْقِلُ جَازَ وَاِذَا وَهَبَ اثْنَانِ مِنْ
تو اجنبی کا قبضہ کرنا جائز ہے' اگر بچہ نے خود ہی ہبہ پر قبضہ کر لیا درانحالیکہ وہ سمجھ دار ہے تو یہ جائز ہے اگر ہبہ کریں دو آدمی

وَّاحِدٍ دَارًا جَازَ وَاِنْ وَّهَبَ وَاحِدٌ مِّنْ اِثْنَيْنِ لَمْ تَصِحَّ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا
ایک شخص کو ایک مکان تو جائز ہے اور اگر ایک آدمی دو آدمیوں کے لئے ہبہ کرے تو صحیح نہیں امام صاحب کے نزدیک' صاحبین

رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَصِحُّ
فرماتے ہیں کہ صحیح ہے

توضیح اللغۃ نحلت (ف) نحلا - دینا' طعام - کھانا غلہ' اعمرتک - زندگی بھر کے لئے دینا' دابۃ - سواری' حملان - اٹھانا' سوار کرنا' محوزہ - مقبوضہ جو ملک غیر اور اس کے حقوق سے فارغ ہو' مشاع - مشترک غیر منقسم اسی سے ہے ''مشاع القریٰ'' وہ چیزیں جس میں آبادی کے سب لوگ شامل ہوں' شقصا - حصہ' ٹکڑا' دقیق - آٹا' حنطۃ - گیہوں' دھن - تیل' سمسم - تل' طحن (ف) طحنا - پیسنا' حجر - گود' ربیہ - پرورش کرتا ہے۔

تشریح الفقہ قولہ اذا انوی الخ نیت کی قید اس لئے ہے کہ حملان کے حقیقی معنی اٹھانا اور سوار کرنا ہے لیکن مجازاً ہبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یقال حمل الامیر الفلان علی فرسہ ای وھبہ۔

قولہ الا محوزۃ الخ جو چیزیں محتمل القسمۃ ہیں یعنی ان میں تقسیم ہونے کی صلاحیت ہے اور واہب ایسی چیز ہبہ کرنا چاہے تو اگر وہ محوز ہو یعنی ملک واہب اور اس کے حقوق سے فارغ ہو اور مقسوم ہو تو اس کا ہبہ درست ہے اور اگر محوز و مقسوم نہ ہو تو درست نہیں پس درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا اور پشت غنم پر رہتے ہوئے اون کا اور زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ لیکن جو چیزیں قسمت پذیر نہ ہوں یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں خواہ ان سے انتفاع بالکل نہ ہو سکے جیسے عبد واحد اور دابہ واحدہ یا جو انتفاع قبل از تقسیم ہو سکتا تھا وہ فوت ہو جائے جیسے بیت صغیر، حمام صغیر وغیرہ تو ایسی چیزوں میں ہبہ مشاع یعنی ہبہ غیر مقسوم جائز ہے۔ امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں ہبہ مشاع جائز ہے کیونکہ ہبہ عقد تملیک ہے تو بیوع کی طرح یہ بھی مشاع و غیر مشاع ہر دو میں جائز ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ روایت ''لاتجوز الھبۃ حتی تقبض'' میں قبضہ منصوص علیہ ہے لہذا کمال قبضہ شرط ہوگا اور مشاع میں کمال قبضہ کی صلاحیت نہیں تو مشاع ما یقسم کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔

قولہ ولو وھب دقیقا الخ اگر کوئی شخص گیہوں میں اس کا آٹا یا تلوں میں تیل ہبہ کرے تو یہ ہبہ فاسد ہے پھر اگر گیہوں پیس کر آٹا اس کے حوالے کر دے تب بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ بوقت ہبہ آٹا موجود نہیں، معدوم ہے اور معدوم شئے محل ملک نہیں ہوتی تو عقد باطل ہوا لہذا آٹا ہو جانے پر دوبارہ ہبہ کرنا چاہیے۔ رہا یہ اشکال کہ آٹا گو بالفعل موجود نہیں بالقوہ تو موجود ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ورنہ ظاہر ہے کہ عام ممکنات کا یہی حال ہے فلا تسمی موجودۃ۔

قولہ واذا وھب اثنان الخ اگر دو آدمی ایک گھر ایک آدمی کے لئے ہبہ کریں تو ہبہ درست ہے کیونکہ دونوں نے پورا گھر موہوب لہ کے حوالے کیا ہے اور موہوب لہ نے پورے پر قبضہ کیا ہے تو شیوع نہ پایا گیا لہذا ہبہ صحیح ہے لیکن اس کا عکس صحیح نہیں یعنی اگر ایک شخص اپنا گھر دو آدمیوں کو ہبہ کرے تو امام صاحب اور امام زفر کے نزدیک صحیح نہیں صاحبین کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ تملیک متحد اور عقد واحد ہے تو شیوع نہ رہا جیسے ایک چیز دو شخصوں کے پاس گروی رکھنا صحیح ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف گھر ہبہ کیا ہے اور نصف غیر معین و غیر مقسوم ہے پس محتمل القسمۃ میں شیوع پایا گیا جو جواز ہبہ کے لئے مانع ہے بخلاف رہن کے کہ اس میں کل شئے ہر ایک کے دین کے بدلہ میں محبوس ہوگی اس لئے رہن صحیح ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاِذَا وَهَبَ لِاَجْنَبِیٍّ هِبَةً فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِیْهَا اِلَّا اَنْ یُّعَوِّضَهُ عَنْهَا اَوْیَزِیْدَ زِیَادَةً مُّتَّصِلَةً اَوْ
جب ہبہ کی اجنبی کے لئے کوئی چیز تو اس کو واپس لے لینا جائز ہے الا یہ کہ موہوب لہ اس کا عوض دیدے یا اس میں ایسی زیادتی کر دے جو متصل ہو یا

یَمُوْتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ اَوْیَخْرُجَ الْهِبَةُ مِنْ مُّلْکِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَاِنْ وَّهَبَ هِبَةً لِذِیْ
متعاقدین میں کوئی مر جائے یا نکل جائے ہبہ کی چیز موہوب لہ کی ملک سے، اگر ہبہ کی کوئی چیز اپنے ذی

رَحْمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ فَلَا رُجُوْعَ فِیْهَا وَکَذٰلِکَ مَاوَهَبَهٗ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ لِلْاٰخَرِ وَاِذَاقَالَ الْمَوْهُوْبُ
رحم محرم کے لئے تو اس میں رجوع نہیں ہے اسی طرح وہ چیز ہے جو ہبہ کرے زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کو، جب کہا موہوب لہ نے

لَهٗ لِلْوَاهِبِ خُذْ هٰذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِکَ اَوْبَدَلًا عَنْهَا اَوْفِیْ مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ
واہب سے کہ لے لے یہ عوض اپنے ہبہ کا یا اس کا بدلہ یا اس کے مقابلہ میں اور واہب نے اس پر قبضہ کر لیا

سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَاِنْ عَوَّضَهُ اَجْنَبِیٌّ عَنِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْوَاهِبُ الْعِوَضَ
تو حق رجوع ساقط ہو گیا اگر اس کا عوض دیا کسی اجنبی نے موہوب لہ کی طرف سے سلوک کے طور پر اور واہب نے عوض لے لیا

سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَاِذَا اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَاِنْ اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْعِوَضِ
تب بھی رجوع ساقط ہو گیا، جب کوئی حقدار نکل آئے نصف ہبہ کا تو واپس لے نصف عوض اور اگر حقدار نکل آئے نصف عوض کا

لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ بِشَيْءٍ اِلَّا اَنْ يَّرُدَّ مَا بَقِيَ مِنَ الْعِوَضِ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْ كُلِّ الْهِبَةِ وَلَا يَصِحُّ
تو نہ واپس لے ہبہ میں سے کچھ بھی الا یہ کہ لوٹا دے وہ باقی عوض بھی پس رجوع کرے کل ہبہ میں اور صحیح نہیں

الرُّجُوْعُ فِي الْهِبَةِ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمَا اَوْبِحُكْمِ الْحَاكِمِ. وَاِذَا تَلَفَتِ الْعَيْنُ الْمَوْهُوْبَةُ ثُمَّ اسْتَحَقَّهَا
رجوع ہبہ میں مگر دونوں کی رضا سے' یا حاکم کے حکم کرنے سے' جب تلف ہو جائے ہبہ کی ہوئی چیز پھر اس کا کوئی

مُسْتَحِقٌّ فَضَمَّنَ الْمَوْهُوْبَ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ
حقدار نکل آئے اور وہ موہوب لہ سے ضمان لے لے تو موہوب لہ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا

ہبہ واپس لے لینے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فلہ الرجوع فیھا الخ واہب کو ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے اور موہوب شے کو واپس لے لینے کا حق ہے۔ امام شافعی کے یہاں رجوع کا حق نہیں سوائے باپ کے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرے تو واپس لے سکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''واہب ہبہ میں رجوع نہ کرے مگر باپ کہ وہ اس چیز میں رجوع کر سکتا ہے جو اپنی اولاد کو ہبہ کرے[1]'' ہماری دلیل آپ کا ارشاد ہے کہ ''واہب شئے موہوب کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ اس کا بدلہ نہ لے[2]'' رہا امام شافعی کا متدل سو اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ کے علاوہ کسی اور کے لئے سزاوار نہیں کہ وہ قاضی اور تراضی کے بغیر ہبہ میں رجوع کرے' ہاں باپ عندالاحتیاج بذات خود رجوع کر سکتا ہے گویا ممانعت کراہت رجوع پر محمول ہے اور اس سے ہم بھی متفق ہیں کہ رجوع کرنا ممکن ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا کہ وہ قے کرنے کے بعد پھر کھالیتا ہے[3]۔''

قولہ والا ان یعوضہ الخ یہاں سے ان موانع کو بیان کر رہا ہے جن کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکتا۔ ا۔ گر موہوب لہ ہبہ کے بدلہ میں واہب کو کوئی چیز دے دے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی اضافت ہبہ کی طرف کرے مثلاً موہوب لہ کہے کہ یہ چیز اپنے ہبہ کا عوض یا اس کا مقابلہ یا اس کے بدلہ میں لے لے اور واہب اس پر قبضہ کر لے تو حق رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اگر عین موہوب میں کوئی ایسی زیادتی متصل ہو گئی جس سے اس کی قیمت بڑھ گئی مثلاً موہوب زمین تھی موہوب نہ نے اس میں عمارت بنالی یا درخت لگا دیئے یا موہوب کو کھلا پلا کر فربہ کر لیا تو رجوع نہیں کر سکتا اس لئے کہ رجوع زیادتی کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ فربہی کو دور کرنا اس کے بس کی بات نہیں اور زیادتی کے ساتھ بھی رجوع نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادتی عقد میں داخل نہیں۔ ۳۔ احد المتعاقدین کی موت کی صورت میں بھی رجوع جائز نہیں اس واسطے کہ اگر موہوب لہ مر گیا تو ملک ا کے ورثہ کی طرف منتقل ہو گئی تو جیسے اس کی زندگی میں انتقال ملک کے بعد رجوع جائز نہیں اسی طرح مرنے کے بعد انتقال ملک کی صورت میں رجوع جائز نہ ہوگا اور اگر واہب مر گیا تو اس کے ورثہ عقد ہبہ کے لحاظ سے اجنبی محض ہیں۔ ۴۔ اگر شئے موہوب موہوب لہ کی ملک سے خارج ہو جائے مثلاً وہ اس کو فروخت کر ڈالے یا کسی کو ہبہ کر دے تو واہب رجوع نہیں کر سکتا البتہ اگر نصف موہوب کو فروخت کیا تو واہب نصف باقی میں رجوع کر سکتا ہے۔

قولہ لذی رحم الخ ۵۔ اگر اپنے کسی ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس میں رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

[1] نسائی' ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب' سنن اربعہ' ابن حبان' حاکم' احمد' طبرانی' دارقطنی عن ابی عمرو وابن عباس (علی غیر لفظہ) ۱۲۔ [2] ابن ماجہ' دارقطنی' ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرہ' دارقطنی' طبرانی عن ابن عباس' حاکم' دارقطنی' بیہقی عن ابن عمر ۱۲۔ [3] الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عباس ۱۲۔

کہ ''جب ہبہ ذی رحم محرم کیلئے ہوتو اس میں رجوع نہ کرے[1] ۶۔ اگر زوجین میں سے کسی ایک نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ اس کا مقصد صلہ رحمی ہے پھر واہب وموہوب لہ کے درمیان بوقت ہبہ علاقہ زوجیت ہونا چاہیئے یہاں تک کہ اگر کسی نے اجنبیہ عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کرلیا تو رجوع کرسکتا ہے کیونکہ ہبہ کے وقت زوجیت نہیں تھی اور اگر اپنی بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس کو جدا کردیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔

فائدہ رجوع ہبہ سے ساتواں امر مانع شئی موہوب یا اس کے منافع عامہ کا ہلاک ہوجانا ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں بھی رجوع نہیں کرسکتا۔ مجموعہ ''دمع خزقہ[2] '' سے شاعر نے انہی موانع سبعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؂

ومانع عن الرجوع فی الھبہ یا صاحبی حروف دمع خزقہ

قولہ واذا استحق الخ اگر عوض دینے کے بعد نصف موہوب کسی اور کا نکلا تو موہوب لہ اپنا نصف عوض واہب سے لے سکتا ہے لانہ لم یسلم لہ مایقابل نصف العوض لیکن اگر نصف عوض کسی اور کا نکلے تو واہب یہ نہیں کرسکتا کہ نصف موہوب واپس لے لے بلکہ جو نصف عوض اس کے پاس باقی ہے وہ موہوب لہ کو واپس کرکے اپنا کل موہوب واپس لے گا یا اسی نصف عوض پر قناعت کرے گا البتہ امام زفر کے نزدیک واہب کو بھی رجوع کا حق ہے۔

وَاِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ جَمِيْعًا وَاِذَا تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ
جب ہبہ کی کوئی چیز بشرط عوض تو ضروری ہو گا دونوں عوضوں پر قبضہ کا ہونا جب دونوں قبضہ کرلیں تو صحیح ہو جائے گا

وَكَانَ فِيْ حُكْمِ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَيَجِبُ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَالْعُمْرٰى جَائِزَةٌ
عقد اور ہوگا یہ بیع کے حکم میں کہ واپس ہو سکے گا عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اور واجب ہو گا اس میں شفعہ عمری جائز ہے

لِلْمُعْمَرِلَهٗ فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ وَلِوَرَثَتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَالرُّقْبٰى بَاطِلَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ
معمر لہ کے لئے اس کی زندگی تک اور اس کے ورثاء کے لئے اس کے مرنے کے بعد اور رقبیٰ باطل ہے طرفین

رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ جَائِزَةٌ وَمَنْ وَهَبَ جَارِيَةً اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ
کے نزدیک امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ جائز ہے جس نے ہبہ کی باندی اور استثناء کیا اس کے حمل کا تو صحیح ہو گا

الْهِبَةُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ اِلَّا بِالْقَبْضِ وَلَا تَجُوْزُ فِيْ مُشَاعٍ
ہبہ اور باطل ہو گا استثناء صدقہ مثل ہبہ کے ہے کہ صحیح نہیں مگر قبضہ کے ساتھ اور جائز نہیں ایسی مشترک چیز

يُحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ وَاِذَا تَصَدَّقَ عَلٰى فَقِيْرَيْنِ بِشَيْءٍ جَازَ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ فِي الصَّدَقَةِ بَعْدَ
میں جو تقسیم ہو سکتی ہو اگر صدقہ کرے دو فقیروں پر کوئی چیز تو جائز ہے اور صحیح نہیں رجوع کرنا صدقہ میں قبضہ

الْقَبْضِ وَمَنْ نَّذَرَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِمَالِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِجِنْسِ مَاتَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ
کے بعد جس نے نذر کی اپنا مال صدقہ کرنے کی تو لازم ہو گا اس کو اس قسم کے مال کا صدقہ کرنا جس میں واجب ہوتی ہے زکوٰۃ

وَمَنْ نَّذَرَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِمِلْكِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِالْجَمِيْعِ وَيُقَالُ لَهٗ اَمْسِكْ مِنْهُ مِقْدَارَ

[1] حاکم، دارقطنی، بیہقی عن سمرۃ ۱۲ [2] اس کو آنسوؤں نے زخمی کرڈالا ۱۲۔

اور جس نے نذر کی اپنی ملک صدقہ کرنے کی تو لازم ہو گا اس کو کل مال صدقہ کرنا اور کہا جائے گا اس سے کہ روک لے تو اس میں سے اتنا

مَاتُنفِقُهُ عَلٰى نَفسِکَ وَعَيَالِکَ اِلٰى اَنْ تَكْتَسِبَ مَالًا فَاِذَا اكْتَسَبَ مَالًا قِيْلَ لَهٗ تَصَدَّقْ بِمِثْلِ

کہ خرچ کرے تو اپنے اوراپنے بال بچوں پر اور مال کمانے تک جب وہ مال کما لے تو اس سے کہا جائے گا کہ صدقہ کر اس

مَا اَمْسَكْتَ لِنَفْسِکَ

کے برابر جو تو نے اپنے لئے روکا تھا

تشریح الفقہ قولہ اعتبر التقابض الخ ہبہ بشرط العوض ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتداء عقد کے اعتبار سے ہبہ ہوتا ہے اور انتہا کے اعتبار سے بیع تو ہبہ ہونے کے لحاظ سے عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہوگا اور اگر موہوب محتمل القسمۃ شے ہو اور مشاع ہو تو عوض باطل ہوگا اور بیع ہونے کے لحاظ سے ہبہ خیار رویت اور خیار عیب کی بناء پر واپس کیا جائے گا اور اس میں شفیع کے لئے حق شفعہ بھی ثابت ہوگا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتداء وانتہا ہر دو اعتبار سے بیع ہے کیونکہ ہبہ میں بیع کے معنی ہوتے ہیں یعنی تملیک بالعوض اور عقود میں معانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں دونوں جہتیں ہیں لفظ کے اعتبار سے ہبہ ہے اور معنی کے اعتبار سے بیع تو حتی الامکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔

قولہ والعمریٰ الخ عمریٰ اعمار کا اسم ہے یقال ''اعمرته الدار عمری'' میں نے اس کو اپنا مکان زندگی بھر رہنے کے لئے دے دیا جب وہ مرجائے گا تو واپس لے لوں گا۔ اس طرح ہبہ کرنا صحیح ہے اور واپسی کی شرط باطل، ہے پس مدت العمر وہ مکان معمرلہ (موہوب لہ) کے لئے ہوگا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ وابن عمرؓ اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور قول جدید میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں حضرت علیؓ، شریح، مجاہد، طاؤس اور سفیان ثوری سے بھی یہی مروی ہے۔ فقیہ لیث، امام مالک اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ عمریٰ میں منافع کی تملیک ہوئی ہے نہ کہ تملیک عین پس تادم حیات مکان معمرلہ کے لئے ہوگا اور بعد مرگ اصل مالک کو واپس کردیا جائے گا کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس عمریٰ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ معمریوں کہے ''ھی لک و بعقبک'' اگر صرف اتنا ہی کہا ''ھی لک ماعشت'' تو اس صورت میں وہ اصل مالک کو واپس کیا جائے گا۔ ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ اس میں اہل عرب کا اختلاف نہیں کہ عمریٰ اور رقبیٰ میں شئے اصل مالک کی مملوک ہوتی ہے اور منافع موہوب لہ کے لئے ہوتے ہیں۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اپنا مال اپنے پاس روکو تباہ نہ کرو بے شک جس نے عمریٰ کیا تو جیتے جی تک وہ اس کا ہے جس کو دیا گیا اور مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا ہے[1]'' نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''جو چیز بطور عمریٰ دی گئی وہ معمرلہ اور اس کے وارثوں کی ہے[2]'' **واما قول ابن الاعرابی فلا یضر لان الشارع نقلها الی تملیک الرقبة۔**

قولہ والرقبیٰ باطلة الخ رقبیٰ یہ ہے کہ مالک یوں کہے ''داری لک رقبیٰ'' یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو یہ گھر تیرا ہے اور اگر مجھ سے پہلے تو مرجائے تو میرا ہے طرفین اور امام مالک کے نزدیک ہبہ کی یہ صورت جائز نہیں کیونکہ اس میں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کو جائز رکھا ہے اور رقبیٰ کو رد کیا ہے مگر یہ حدیث مل نہیں سکی۔ امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص عمریٰ کرے تو اس کا مالک زندگی اور موت میں معمرلہ ہے اور رقبیٰ نہ کرو۔ جو شخص بطریق رقبیٰ دے تو وہی اس کا طریقہ ہے[3]''

نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''العمریٰ جائزة لمن اعمرها والرقبیٰ جائزة لمن ارقبها''

[1] مسلم عن جابر ۱۲ [2] ابوداؤد، نسائی عن جابر [3] احمد، نسائی عن ابن عباس ۱۲ [4] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان عن زید بن ثابت ۱۲۔

قولہ و بطل الاستثناء الخ اگر کسی نے باندی ہبہ کی اور اس کے حمل کا استثناء کرلیا تو ہبہ باندی اور حمل دونوں میں صحیح ہوگا اور حمل کا استثناء باطل ہوگا کیونکہ استثناء اسی محل میں عمل کرتا ہے جس میں عقد عمل کرتا ہو اور حمل میں عقد ہبہ کا کوئی عمل نہیں کیونکہ وہ تو ایک وصف اور تابع ہے پس یہ استثناء شرط فاسد ہوگیا اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الْوَقْفِ

وقف کے بیان میں

لَايَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ عِنْدَاَبِيْحَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّحْكُمَ بِهِ
زائل نہیں ہوتی ملک واقف کی ملک وقف سے امام صاحب کے نزدیک الا یہ کہ حکم کر دے اس کا

الْحَاكِمُ اَوْيُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُوْلُ اِذَامُتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِيْ عَلٰى كَذَاوَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ
حاکم یا معلق کر دے وہ اس کو اپنے مرنے پر پس یوں کہہ دے کہ جب میں مر جاؤں تو میں نے وقف کر دیا اپنا مکان فلاں کے لئے امام ابو یوسف فرماتے

اللّٰهُ يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَزُوْلُ الْمِلْكُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ
ہیں کہ زائل ہو جاتی ہے ملک صرف کہنے ہی سے امام محمد فرماتے ہیں کہ ملک زائل نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ وقف کا

وَلِيًّا وَّيُسَلِّمَهُ اِلَيْهِ وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰى اخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِّلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ
متولی کر کے اس کے سپرد کرے جب صحیح ہو جائے وقف ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور داخل نہ ہوگا

فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ
موقوف علیہ کی ملک میں، مشترک چیز کا وقف جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں

لَايَجُوْزُ وَلَايَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ حَتّٰى يَجْعَلَ اٰخِرَهُ بِجِهَةٍ
کہ جائز نہیں، پورا نہیں ہوتا وقف طرفین کے نزدیک یہاں تک کہ کر دے اس کا آخر اس طرح

لَّاتَنْقَطِعُ اَبَدًا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا سَمّٰى فِيْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا
کہ وہ کبھی منقطع نہ ہو امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نام لیا ایسی جہت کا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے اور وہ

لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَّمْ يُسَمِّهِمْ وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعِقَارِ وَلَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَايُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ
اس جہت کے بعد فقراء کے لئے ہوگا گو اس نے ان کا نام نہ لیا ہو، زمین کا وقف صحیح ہے اور ان چیزوں کا وقف جائز نہیں جو منقول اور بدلتی ہوں امام ابو یوسف

رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَاَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ
فرماتے ہیں کہ جب وقف کی زمین بیلوں اور کمیروں کے ساتھ اور وہ کمیرے اس کے غلام تھے تو جائز ہے امام محمد فرماتے ہیں

اللّٰهُ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ
کہ گھوڑے، ہتھیار راہ خدا میں وقف کرنا جائز ہے

توضیح اللغۃ ولی۔ متولی، مشاع۔ مشترک، غیر منقسم، عقار، زمین، ضیعۃ، زمین، بقر۔ بیل، اکرۃ۔ کاشت کار لوگ، اکار کی جمع ہے، عبید۔ جمع عبد، نوکر چاکر، حبس۔ روکنا مراد وقف کرنا، کراع۔ گھوڑے، سلاح۔ ہتھیار۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الوقف الخ وقف لغۃً بمعنی حبس ہے یعنی روکنا چنانچہ موقف الحساب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ قیامت کے روز برائے حساب روکے جائیں گے۔ اصطلاح شرع میں وقف اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اپنی ملک میں روکے رکھے اور اس کے منافع خیرات کر دے و علی ہذا مذہب الامام' صاحبین کے نزدیک وقف یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ کی ملک پر روک لے اور اس کا نفع جس پر چاہے وقف کر دے۔

قولہ لایزول الخ بروایت مبسوط امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقف صحیح نہیں کیونکہ منفعت معدوم ہوتی ہے اور تصدیق بالمعدوم جائز نہیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ وقف سب کے نزدیک جائز ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک لازم نہیں یعنی واقف کو ابطال وقف کا اختیار ہے۔ اس لئے امام صاحب کے یہاں واقف کی ملک کا زوال بلاحکم حاکم نہ ہوگا کیونکہ جن مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے ان میں حاکم کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا واقف اسے اپنے مرنے پر معلق کر دے یعنی یہ کہہ دے کہ میں جب مر جاؤں تو میں نے اپنا مکان اتنے آدمیوں کے لئے وقف کر دیا۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے یہاں وقف کرنے ہی سے واقف کی ملکیت زائل ہوتی ہے' امام محمد کے نزدیک اس وقت زائل ہوتی ہے جب وقف کا کوئی متولی مقرر ہو جائے اور شئے موقوف اس کے قبضہ میں دے دی جائے۔ مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ و وقف المشاع الخ مشاع یعنی غیر منقسم جائداد دو طرح کی ہیں اول غیر محتمل القسمۃ جیسے حمام' پن چکی وغیرہ دوم محتمل القسمۃ جیسے زمین مکان وغیرہ۔

پس غیر محتمل القسمۃ میں شئے مشاع کا وقف بالاتفاق جائز ہے سوائے مسجد اور مقبرے کے کہ ان کا وقف عدم احتمال قسمت کے باوجود تمام نہیں ہوتا اور محتمل القسمۃ میں شئی مشاع کا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ قسمت تمامیت قبضہ سے ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک قبضہ شرط نہیں تو اس کا تتمہ بھی شرط نہ ہوگا بخلاف امام محمد کے کہ ان کے یہاں قبضہ شرط ہے' اس لئے ان کے نزدیک وقف مشاع جائز نہیں ہے۔ مشائخ بلخ نے امام ابو یوسف کے قول کو اور مشائخ بخارا نے امام محمد کے قول کو لیا ہے۔ خلاصہ' بزازیہ' ولوالجیہ' شرح مجمع' تجنیس اور غایۃ البیان میں ہے کہ وقف مشاع میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اور شرح وقایہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ فلیتنبہ۔

قولہ ولایتم الوقف الخ طرفین کے یہاں تمامیت وقف کے لئے یہ ضروری ہے کہ وقف کی صورت انجام اس طرح کر دی جائے کہ وہ منقطع نہ ہو بلکہ جاری رہے یعنی انجام کار وقف کا مؤبد ہونا ضروری ہے مثلاً اگر چند خاص لوگوں پر وقف کیا ہو' جن کا کسی زمانہ میں نہ ہونا بھی ممکن ہے تو یہ کہہ دے کہ ان کے نہ رہنے کے وقت وقف کا نفع فقیروں اور علماء کو پہنچے۔ امام ابو یوسف سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ تابید وقف ضروری ہے لیکن ذکر دوام شرط نہیں اور یہی صحیح ہے۔ دوم یہ کہ تابید و دوام شرط نہیں۔

قولہ ویصح وقف العقار الخ تنہا زمین کو وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ یہ خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کے عمل سے ثابت ہے لیکن اشیاء منقولہ کو وقف کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر زمین کو اس کے بیلوں اور کارندوں کے ساتھ وقف کرے تو صحیح ہے کیونکہ مقصود کے لحاظ سے یہ چیزیں تابع ارض ہیں۔ و محمد مع ابی یوسف فی جواز وقف المنقول تبعًا۔

وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهٗ وَلَا تَمْلِيْكُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَابِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
جب صحیح ہو جائے وقف تو جائز نہیں اس کی بیع نہ اس کی تملیک الا یہ کہ وہ مشترک ہو امام ابو یوسف کے نزدیک

فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهٗ وَالْوَاجِبُ اَنْ يَّبْتَدِئَ مِنِ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهٖ
اور شریک تقسیم کرانا چاہے تو اسے تقسیم کر دینا درست ہے اور ضروری یہ ہے کہ پہلے اس کے منافع سے اس کی مرمت کی جائے

شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ اَوْلَمْ يَشْتَرِطْ وَاِذَا وَقَفَ دَارًا عَلٰى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰى مَنْ لَّهٗ

شرط لگائی ہو اس کی واقف نے یا نہ لگائی ہو اگر وقف کیا کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو اس کی مرمت اسی کے ذمہ ہے

السُّكْنٰى فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذٰلِكَ اَوْكَانَ فَقِيْرًا اٰجَرَهَا الْحَاكِمُ وَ عَمَّرَ هَا بِاُجْرَتِهَا فَاِذَا عَمَّرَتْ

جس کے لئے رہائش ہے اگر وہ اس سے باز رہے یا وہ فقیر ہو تو کرایہ پر دے دے حاکم وہ مکان اور مرمت کرائے کرایہ سے جب مرمت ہو چکے

رَدَّ هَا اِلٰى مَنْ لَّهُ السُّكْنٰى وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بَنَاءِ الْوَقْفِ وَاٰلَتِهٖ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِىْ عِمَارَةِ

تو اسی کو دے دے جس کے لئے رہائش ہے جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت وغیرہ سے تو اس کو حاکم صرف کرے وقف کی مرمت میں

الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَيْهِ وَاِنِ اسْتَغْنٰى عَنْهُ اَمْسَكَهُ حَتّٰى يَحْتَاجَ اِلٰى عِمَارَتِهٖ فَيَصْرِفُهُ

اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ مرمت کی ضرورت ہو پس اس میں صرف

فِيْهَا وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُّقَسِّمَهُ بَيْنَ مُسْتَحِقِّى الْوَقْفِ وَاِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ

کرے یہ جائز نہیں کہ اس کو مستحقین وقف میں تقسیم کر دے جب ٹھہرا لے واقف وقف کی آمدنی اپنے لئے

اَوْجَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ جَازَ عِنْدَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ وَاِذَا بَنٰى

یا اس کی تولیت اپنے لئے تو جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں جب کسی نے بنائی

مَسْجِدًا لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهٗ عَنْ مِّلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَاْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ

مسجد تو اس کی ملک زائل نہ ہو گی یہاں تک کہ جدا کر دے اس کو اپنی ملک سے اس کے راستہ کے ساتھ اور اجازت دے دے لوگوں کو اس میں

فِيْهِ فَاِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

نماز پڑھنے کی پس جب نماز پڑھ لے اس میں ایک آدمی تو زائل ہو جائے گی اس کی ملک امام صاحب کے نزدیک امام ابو یوسف فرماتے ہیں

يَزُوْلُ مِلْكُهٗ عَنْهُ بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُهٗ مَسْجِدًا وَّمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِّلْمُسْلِمِيْنَ اَوْخَانًا يَّسْكُنُهٗ بَنُوالسَّبِيْلِ

کہ اس کی ملک زائل ہو جائے گی یہ کہنے ہی سے کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا جس نے پاؤ بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے رہنے کے لئے

اَوْ رِبَاطًا اَوْجَعَلَ اَرْضَهٗ مَقْبَرَةً لَّمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْ ذٰلِكَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يَحْكُمَ

یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو زائل نہ ہو گی اس کی ملک امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم

بِهٖ حَاكِمٌ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِالْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ

اس کا حکم کر دے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ملک زائل ہو جائے گی صرف کہنے سے امام محمد فرماتے ہیں کہ جب پی لیں لوگ

السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوْا فِى الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ

پاؤ سے اور ٹھہر جائیں سرائے اور مسافر خانہ میں اور دفن کرنے لگیں قبرستان میں تو زائل ہو جائے گی ملک

توضیح اللغۃ ارتفاع۔ مراد منافع، سکنی۔ رہائش، آجرہا۔ اجرت پر دے دے، غلہ۔ پیداوار، یفرزہ۔ علیحدہ کر دے، سقایۃ۔ پانی جمع کرنے کی جگہ، پاؤ، خان۔ سرائے، بنو السبیل۔ مسافر، رباط۔ مسافر خانہ، وہ جگہ جہاں لشکر حفاظت سرحد کیلئے قیام کرے، مقبرۃ۔ قبرستان۔

تشریح الفقہ واذا صح الوقف الخ جب وقف باجتماع شروط وانتفاء موانع تام ہو جائے تو نہ اس کی بیع جائز ہے نہ تملیک نہ عاریت پر دیا جا سکتا ہے نہ رہن رکھا جا سکتا ہے اور نہ مستحقین وقف کے درمیان تقسیم کیا جا سکتا ہے اس واسطے کہ موقوف علیہم کا حق منافع وقف میں ہے نہ کہ عین وقف میں اور تملیک قسمت اسکے منافی ہے البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر وہ شئے مشترک ہو اور شریک اسے تقسیم کرانا چاہے تو اسے تقسیم کر دینا

درست ہے۔ صاحب کتاب نے امام ابو یوسف کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ان کے نزدیک مشترک چیز کو وقف کرنا جائز ہے اور طرفین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

و اذا جعل الواقف الخ اگر واقف نے وقف کی بعض یا کل آمدنی کو یا اس کی تولیت کو اپنے لئے شرط قرار دے لیا تو شیخین کے نزدیک صحیح ہے۔ امام محمد کے نزدیک دونوں صورتیں صحیح نہیں اور امام شافعی کے نزدیک پہلی صورت صحیح نہیں۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موقوفہ صدقہ سے کھاتے تھے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب آپ پہلے اس کی شرط لگا لیتے ہوں کیونکہ بلا شرط کھانا تو بالاجماع جائز نہیں معلوم ہوا کہ اپنے لئے آمدنی کی شرط لگانا صحیح ہے (وفیہ تأمل)

قوله واذا بنی مسجدا الخ جو شخص مسجد بنائے تو وہ اسی کی ملک رہے گی جب تک کہ وہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ کے جدا نہ کر دے اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے دے' ملک سے جدا کرنا تو اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے نہیں ہو سکتی اور نماز کی اجازت دینا اس لئے ضروری ہے کہ طرفین کے نزدیک وقف میں تسلیم یعنی قبضہ کرانا ضروری ہے اور یہاں حقیقی قبضہ متعذر ہے۔ اس لئے وقف سے جو مقصود ہے یعنی نماز پڑھنا' اس کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام کر دیا جائے گا اب اگر اجازت کے بعد ایک شخص نے بھی اس میں نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک ختم ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مالک نے اتنا کہہ دیا کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا تو صرف اتنا ہی کہنے سے اس کی ملک زائل ہو جائے گی کیونکہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں ہے۔

قوله ومن بنی سقاية الخ اگر کسی نے سقایہ یا مسافر خانہ یا سرائے بنائی یا زمین قبرستان کے لئے وقف کی تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس کی ملک رہے گی یہاں تک کہ حاکم اس کے وقف ہونے کا حکم کر دے کیونکہ اس کا حق منقطع نہیں ہوا چنانچہ وہ سقایہ وغیرہ سے منقطع ہو سکتا ہے اس لئے حکم حاکم یا اضافت الی مابعد الموت کا ہونا شرط ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کے کہتے ہی ملک زائل ہو جائے گی کیونکہ ان کے یہاں تسلیم شرط نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ جب لوگوں میں سے کوئی ایک شخص ان سے منقطع ہو جائے تو مالک کی ملک زائل ہو جائے گی لان التسلیم وان کان شرطا عنده الا انه یکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله۔

كِتَابُ الْغَصَبِ

غصب کے بیان میں

وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِّمَّالَهٗ مِثْلٌ فَهَلَکَ فِیْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهٖ وَاِذَا
جس نے غصب کی کوئی مثلی چیز اور وہ ہلاک ہو گئی اس کے پاس تو اس پر اس کے مثل کا تاوان ہو گا اور

كَانَ مِمَّالَا مِثْلَ لَهٗ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ وَ عَلَى الْغَاصِبِ رَدُّالْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ فَاِنِ ادَّعٰى هَلَاكَهَا حَبَسَهٗ
اگر وہ چیز مثلی نہ ہو تو اس کی قیمت ہو گی اور واجب ہے غاصب پر عین مغصوب کو واپس کرنا' اگر وہ دعویٰ کرے اس کے تلف ہو جانے کا تو

الْحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْكَانَتْ بَاقِيَةً لَاَظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰى عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا وَالْغَصَبُ فِيْمَا يُنْقَلُ
قید کر لے اس کو حاکم یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور ظاہر کر دیتا پھر فیصلہ کر دے اس کے بدلہ کا اور غصب منقولی چیزوں میں

وَيُحَوَّلُ وَاِذَا غَصَبَ عِقَارًا فَهَلَکَ فِیْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا
ہوتا ہے اگر غصب کی زمین اور وہ تلف ہو گئی اس کے پاس تو ضامن نہ ہو گا شیخین کے نزدیک

اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَضْمَنُهٗ وَمَا نَقَصَ مِنْهُ بِفِعْلِهٖ وَ سُكْنَاهُ ضَمِنَهٗ فِیْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَ
امام محمد فرماتے ہیں کہ ضامن ہو گا اور جو نقص آ جائے زمین میں اس کے فعل اور رہائش سے تو اس کا ضامن ہو گا سب کے قول میں

اِذَا هَلَکَ الْمَغْصُوْبُ فِیْ یَدِالْغَاصِبِ بِفِعْلِهٖ اَوْبِغَیْرِ فِعْلِهٖ فَعَلَیْهِ ضَمَانُهٗ وَاِنْ نَّقَصَ فِیْ یَدِهٖ
جب تلف ہو جائے شئی مغصوب غاصب کے پاس اس کے فعل یا بغیر فعل کے تو اس پر اس کا ضمان ہو گا اور اگر اس کے پاس اس میں نقصان

فَعَلَیْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ[1] وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَیْرِهٖ فَمَالِکُهَا بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِیْمَتَهَا وَ سَلَّمَهَا
آ گیا تو نقصان کا ضامن ہو گا اور جس نے دوسرے کی بکری ذبح کر دی تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے بکری کی قیمت کا تاوان لے کر بکری اسے

اِلَیْهِ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ نُقْصَانَهَا وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَیْرِهٖ خَرْقًا یَسِیْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهٗ وَاِنْ خَرَقَ
دے دے اور چاہے نقصان کا تاوان لے لے جس نے دوسرے کا تھوڑا سا کپڑا پھاڑ دیا تو نقصان کا ضامن ہو گا اور اگر زیادہ

خَرْقًا کَثِیْرًا یُبْطِلُ عَامَّةَ مَنَافِعِهٖ فَلِمَالِکِهٖ اَنْ یُّضَمِّنَهٗ جَمِیْعَ قِیْمَتِهٖ
پھاڑ دیا جس سے اس کے اکثر منافع فوت ہو گئے تو مالک پوری قیمت کا تاوان لے سکتا ہے۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الغصب الخ غصب لغت میں کسی چیز کو زبردستی لے لینا ہے خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال۔ یقال ''غصب زوجۃ فلان و خمر فلان'' اصطلاح شرع میں غصب کی تعریف یہ ہے کہ ''ھو ازالة الید المحققة اوتقصیرہ بفعل باثبات الید المبطلة فی مال متقوم محترم قابل للنقل بلااذن من له الاذن علی سبیل المجاھرة'' یعنی غصب محقق قبضہ کو بواسطہ فعل بطریق علانیہ مختار اذن کی اجازت کے بغیر زائل یا ناقص کر دینا ہے ناحق قبضہ جما لینے کے ساتھ ایسی قیمتی چیز اور محترم مال میں جو منتقل کیا جا سکتا ہو' تعریف میں فوائد قیود کی تشریح ہم نے اپنی شرح معدن الحقائق شرح کنز الدقائق میں کی ہے من شاء فلیراجع الیہ۔

قولہ ممالہ مثل الخ اگر شئے مغصوب بعینہ باقی ہو تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''علی الید ما اخذت' حتی تؤدی[2] اور اگر شئے مغصوب ہلاک ہو گئی ہو اور وہ مثلی ہو یعنی کیلی یا وزنی ہو تو مثل مغصوب واپس کرنا ضروری ہے لقولہ تعالیٰ ''فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ'' اور اگر اس کا مثل منقطع ہو گیا ہو یعنی وہ بازار میں نہ پایا جاتا ہو تو اس کی قیمت واجب ہے جس میں امام صاحب کے نزدیک خصومت کے دن کا اعتبار ہے یعنی جس دن حاکم نے حکم کیا ہو اس دن کی قیمت دینا واجب ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت واجب ہے اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت واجب ہے جس دن اس کا مثل منقطع ہوا ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کا مثل منقطع ہو گیا تو وہ شئی غیر مثلی اشیاء کے ساتھ لاحق ہو گئی لہذا انعقاد سبب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ غاصب کے ذمہ اس کا مثل واجب ہے اور انقطاع کی وجہ سے وہ مثل قیمت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو انقطاع کے دن کی قیمت معتبر ہو گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مثل واجب کا قیمت کی طرف منتقل ہونا صرف انقطاع مثل کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ قضاء قاضی کی وجہ سے ہوتا ہے پس خصومت کے دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔ خزانہ میں امام صاحب کے قول کو اصح کہا ہے اور شرح وقایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو اعدل اور نہایہ میں اس کو مختار کہا ہے اور ذخیرۃ الفتاویٰ میں امام محمد کے قول کو مفتی بہ کہا ہے (طحطاوی)

قولہ فیما ینقل ویحول الخ شیخین کے نزدیک غصب کا تحقق صرف اشیاء منقولہ میں ہوتا ہے تو اگر زید نے کسی کی زمین پر قبضہ کر لیا اور

---

[1] واختلفوا فی تفسیرہ فقال نصیر بن یحیی انه ینظر بکم تستاجر ھذہ الارض قبل الاستعمال وبعدہ فیضمن ماتفاوت بینھما من النقصان و قال محمد بن سلمة ینظر بکم تباع قبل الاستعمال و بعدہ فنقصانھا ماتفاوت من ذلک وھوالاقیس لان العبرة بقیمة العین دون المنفعة ۱۲ عینی [2] سنن اربعہ' طبرانی' حاکم' ابن ابی شیبۃ عن سمرۃ۔

وہ اس کے پاس آفت سماویہ سے ہلاک ہوگئی تو زید پر ضمان نہ ہوگا' امام محمد کے نزدیک ہوگا کیونکہ ان کے یہاں غصب غیر منقول میں بھی ہوتا ہے۔ امام زفر' ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے وجہ یہ ہے کہ جب زید نے زمین پر قبضہ کرلیا تو لامحالہ مالک کا قبضہ زائل ہو گیا کیونکہ بحالت واحدہ ایک محل پر دو قبضوں کا جمع ہونا محال ہے پس ازالہ ید محققہ اور اثبات ید مبطلہ پایا گیا لہذا ضامن ہوگا۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ غصب کے لئے ازالہ و اثبات مذکورہ کے ساتھ ساتھ عین مغصوب میں غاصب کا تصرف بھی ضروری ہے اور یہ بات زمین میں متصور نہیں کیونکہ ازالہ ید مالک کی صورت یہی ہے کہ اس کو زمین سے نکال دیا جائے اور ظاہر ہے کہ نکالنا تصرف فی المالک ہے نہ کہ تصرف فی المغصوب' بزازیہ میں شیخین کے قول کی تصحیح ہے لیکن عینی' منح' فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ باب وقف میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ ومن ذبح شاۃ غیرہ الخ غاصب نے کوئی ماکول اللحم جانور بکری وغیرہ غصب کر کے ذبح کر ڈالی تو مالک کو اختیار ہے چاہے بکری غاصب پر چھوڑ دے اور اس کی قیمت لے لے اور چاہے خود رکھ لے اور غاصب سے بقدر نقصان تاوان لے لے' وجہ یہ ہے کہ بکری سے مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں مثلاً دودھ پینا' نسل بڑھانا اور گوشت کھانا وغیرہ اور ذبح کے بعد کچھ منافع باقی ہیں کچھ فوت ہو گئے اس لئے مالک کو دونوں اختیار ہوں گے۔

وَاِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوْبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتّٰى زَالَ اِسْمُهَا وَاَعْظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ
جب بدل گئی عین مغصوبہ غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام اور اعلیٰ درجہ کا فائدہ جاتا رہا تو زائل

مِلْكُ الْمَغْصُوْبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَ ضَمِنَهَا وَلَايَحِلُّ لَهٗ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا
ہو جائے گی اس سے مغصوب منہ کی ملک اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور تاوان دے گا اور اس سے فائدہ اٹھانا حلال نہیں یہاں تک کہ دے دے اس کا بدلہ

وَهٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَ شَوَّاهَا اَوْطَبَخَهَا اَوْغَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا اَوْحَدِيْدًا فَاتَّخَذَهٗ
جیسے کسی نے بکری غصب کر کے ذبح کر لی اور بھون لی یا پکا لی یا گیہوں غصب کر کے پیس لئے یا لوہا غصب کر کے تلوار

سَيْفًا اَوْصُفْرًا فَعَمِلَهٗ اٰنِيَةً وَّاِنْ غَصَبَ فِضَّةً اَوْذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ اَوْدَنَانِيْرَ اَوْاٰنِيَةً لَمْ يَزُلْ
بنا لی یا پیتل غصب کر کے برتن بنا لیا' اور اگر چاندی یا سونا غصب کر کے ان کو ڈھال کر درہم یا اشرفیاں یا برتن بنا لئے تو مالک

مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنٰى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا
کی ملک زائل نہ ہو گی امام صاحب کے نزدیک' کسی نے شہتیر غصب کر کے اس پر عمارت بنا لی تو مالک کی ملک زائل ہو گئی

عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيْمَتُهَا وَمَنْ غَصَبَ اَرْضًا فَغَرَسَ فِيْهَا اَوْبَنٰى قِيْلَ لَهٗ اِقْلَعِ الْغَرْسَ وَ
اب غاصب پر اس کی قیمت لازم ہو گی' جس نے زمین غصب کر کے پودے لگائے یا عمارت بنائی تو اس سے کہا جائے گا کہ درخت اور

الْبِنَاءَ وَرُدَّهَا اِلٰى مَالِكِهَا فَارِغَةً فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذٰلِكَ فَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّضْمَنَ
عمارت اکھاڑ کر مالک کو خالی زمین دے اب اگر زمین میں ان کے اکھیڑنے سے نقصان آتا ہو تو مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ دے دے

لَهٗ قِيْمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعًا وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهٗ اَحْمَرَ اَوْسَوِيْقًا فَلَتَّهٗ بِسَمْنٍ
غاصب کو اکھڑے ہوئے درخت اور عمارت کی قیمت' جس نے کپڑا غصب کر کے سرخ رنگ لیا یا ستو غصب کر کے گھی میں ملا لیا

فَصَاحِبُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيْمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَ مِثْلَ السَّوِيْقِ وَسَلَّمَهٗ لِلْغَاصِبِ
تو مالک کو اختیار ہے چاہے سفید کپڑے کی قیمت اور ویسا ہی ستو لے لے اور وہ کپڑا اور ستو غاصب کو دے دے

وَاِنْ شَاءَ اَخَذَهُمَا وَضَمِنَ مَازَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيهِمَا

اور چاہے انہی کو لے لے اور جو رنگ اور گھی زیادہ ہوا ہے اس کا معاوضہ دے دے

توضیح اللغۃ شوی۔ (ض) بھوننا، طبخ (ف، ن) طبخا۔ پکانا، حنطۃ۔ گیہوں، طحن (ف) طحنا۔ پیسنا، حدید۔ لوہا، سیف۔ تلوار، صفر۔ پیتل، آنیۃ۔ برتن، ساجۃ۔ ساکھو کی لکڑی کا لٹھا، شہتیر۔ غرس (ض) غرسا۔ پودہ لگانا، اقلع (ف) قلعا سے امر حاضر ہے بمعنی اکھیڑنا، مقلوع۔ اکھڑا ہوا صبغ (ن ض ف) صبغا۔ رنگنا، احمر۔ سرخ، سویق۔ ستو، لتۃ (ن) لتا۔ گھی ملانا، سمن۔ گھی۔

تشریح الفقہ قولہ واذا تغیرت الخ غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو اس طرح متغیر کر دیا کہ اس کا نام اور اس کے اکثر منافع زائل ہو گئے مثلاً مغصوب بکری تھی اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا پکالیا یا گیہوں تھے ان کو پیس لیا یا لوہا تھا اس کی تلوار بنالی یا پیتل تھی اس کا برتن بنالیا تو ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک غاصب ان کا مالک ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں ان صورتوں میں اصل مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ مغصوب بعینہ باقی ہے لہذا اصل مالک کی ملک پر باقی رہے گی رہا صنعت کا پیدا ہو جانا، سو وہ اصل کے تابع ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غاصب نے مغصوب میں ایک ایسی قیمتی صنعت پیدا کر دی جس کی وجہ سے مالک کا حق من وجہ ختم ہو گیا اور صنعت میں غاصب کا حق ثابت ہے تو اس کو اصل پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس کا حق من کل الوجوہ باقی ہے بخلاف اصل مالک کے کہ اس کا حق من وجہ فوت ہو چکا پھر ہمارے نزدیک غاصب مغصوب کا مالک ہو جائے گا لیکن ادائیگی ضمان سے قبل اس کے لئے انتفاع حلال نہ ہو گا۔ حسن بن زیاد اور امام زفر کے ہاں انتفاع حلال ہے، مقتضاء قیاس بھی یہی ہے اور امام صاحب سے فقیہ ابو اللیث کی روایت بھی یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غاصب کے لئے ملک مطلق ثابت ہو چکی لہذا انتفاع جائز ہو گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے یہاں مدعو تھے انہوں نے ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی آپ نے ایک لقمہ لیا، مگر وہ حلق سے نیچے نہیں اترا آپ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بکری ناحق ذبح کی گئی ہے، انصاری نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی کی تھی، میں اس کو اس سے بہتر دے کر راضی کرلوں گا۔ آپ نے فرمایا: اس کو خیرات کر دو[1] اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ غاصب مغصوب کا مالک ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ مالک کو راضی کئے بغیر انتفاع حلال نہیں۔

قولہ عندابی حنیفۃ الخ صاحبین کے نزدیک غاصب ان کا مالک ہو جائے گا کیونکہ اس نے ایک معتبر صنعت پیدا کر دی اب اس پر اتنی ہی چاندی لازم ہو گی جتنی اس نے غصب کی تھی اور اگر اس نے چاندی سونے کو صرف پگھلالیا، ٹھپہ نہیں لگایا تو بالا جماع مالک کی ملک زائل نہ ہو گی۔

قولہ ومن غصب ساجۃ الخ امام کرخی اور ابو جعفر ہندوانی کہتے ہیں کہ مالک ساجۃ کا حق اس وقت منقطع ہو گا جب غاصب اس کے ارد گرد عمارت بنالے اور اگر صرف اس کے اوپر بنائی تو منقطع نہ ہو گا۔ ذخیرہ میں ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عمارت کی قیمت زائد ہو اور اگر ساجہ کی قیمت زائد ہو تو مالک کا حق منقطع نہ ہو گا۔

وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيمَةِ وَالْقَوْلُ فِي الْقِيمَةِ

کسی نے چیز غصب کر کے غائب کر دی اور مالک نے قیمت کا تاوان لے لیا تو غاصب مالک ہو جائے گا قیمت دے کر اور قیمت میں غاصب کا

قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِينِهِ اِلَّا اَنْ يُقِيمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَاِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ

قول معتبر ہو گا اس کی قسم کے ساتھ الا یہ کہ مالک اس سے زیادہ پر بینہ قائم کر دے پھر اگر وہ چیز ظاہر ہو

[1] محمد بن الحسن، طبرانی عن عاصم بن کلیب ۱۲۔

وَقِيمَتُهَا اَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ اَوْبِبَيِّنَةٍ اَقَامَهَا اَوْبِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ
اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جو غاصب نے دی تھی اور وہ قیمت مالک کے قول یا اس کے بینہ کے بموجب یا قسم سے غاصب کے انکار

عَنِ الْيَمِيْنِ فَلا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ، وَاِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ
کے بموجب دی تھی تو مالک کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہو گی اور اگر قیمت غاصب کے بموجب ہو اس کی قسم کے ساتھ

فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الضَّمَانَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّالْعِوَضَ
تو مالک کو اختیار ہے چاہے وہی قیمت رکھے اورچاہے وہ چیز لے لے اور اس کا عوض واپس کر دے

تشریح الفقہ فَغَيَّبَهَا الخ غاصب نے شئی مغصوب کو غائب غلہ کر دیا اور مالک کو اس کی قیمت کا تاوان دے دیا تو ہمارے نزدیک غاصب اس کا مالک ہو جائے گا امام شافعی کے نزدیک مالک نہ ہوگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ غصب ظلم محض ہے اور ظلم محض سبب ملک نہیں ہوتا جیسے کوئی مدبر غلام کو غصب کر کے غائب کر دے اور اسکی قیمت کا تاوان دے دے کہ وہ بالاتفاق مالک نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مالک شئے مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہو چکا اور جو شخص بدل کا مالک ہو جاتا ہے تو مبدل عنہ اس کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے اور صاحب بدل کی ملک میں

داخل ہو جاتا ہے تا کہ مالک بدل کا نقصان لازم نہ آئے البتہ اس کے لئے یہ شرط ضرور ہے کہ مبدل عنہ میں ایک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہونے کی صلاحیت ہو اور وہ یہاں موجود ہے یعنی مبدل عنہ قابل نقل ہے بخلاف مدبر کے کہ وہ قابل نقل نہیں ہے۔ فافترقا۔

قولہ والقول فی القیمۃ الخ اگر مالک وغاصب کے درمیان قیمت میں اختلاف ہو تو غاصب کا قول اس کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا کیونکہ مالک مدعی زیادۃ ہے اور غاصب منکر، ہاں اگر مالک بینہ قائم کر دے تو اس کا بینہ مقبول ہوگا۔ پھر اگر شئی مغصوب ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت اس مقدار سے زائد ہو جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے اور تاوان بھی مالک کے قول کے موافق یا اس کے بینہ کے مطابق یا اپنے انکار قسم کے سبب سے دیا ہے تو شئی مغصوب غاصب کی مملوک ہو گی اور مالک کو اس میں اختیار نہ ہوگا کیونکہ مالک اسی مقدار کا مدعی تھا اور اس پر راضی ہو چکا تھا اور اگر غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا تھا تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے شئی مغصوب لے کر اس کا ضمان واپس کر دے اور چاہے اسی ضمان کو برقرار رکھے لانہ لم یتم رضاہ بھذا المقدار حیث یدعی الزیادۃ۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَوَلَدُالْمَغْصُوْبَةِ وَنِمَاؤُهَا وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِالْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَ
مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل امانت کے طور پر ہوتا ہے غاصب کے پاس اگر تلف ہو جائے

فِيْ يَدِهٖ فَلاضَمَانَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَتَعَدّٰى فِيْهَا اَوْيَطْلُبُهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعُهَا اِيَّاهُ وَمَا نَقَصَتِ الْجَارِيَةُ
اس کے پاس تو اس پر تاوان نہیں ہے الا یہ کہ وہ اس میں تعدی کرے یا مالک کے طلب کرنے پر نہ دے اور جو نقصان آ جائے باندی میں

بِالْوَلَادَةِ فَهُوَ فِيْ ضَمَانِ الْغَاصِبِ فَاِنْ كَانَ فِيْ قِيْمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهٖ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ
ولادت کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہو گا پس اگر بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہو سکے تو اسی سے پورا کر دیا جائے گا

وَسَقَطَ ضَمَانُهٗ عَنِ الْغَاصِبِ وَلَايَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَاغَصَبَهٗ اِلَّا اَنْ يَّنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهٖ
اور غاصب سے تاوان ساقط ہو جائے گا اور ضامن نہیں ہوتا غاصب مغصوب کے منافع کا الا یہ کہ ناقص ہو جائے اس کے استعمال

فَيَغْرِمُ النُّقْصَانَ وَاِذَا اسْتَهْلَکَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ اَوْخِنْزِيْرَهٗ ضَمِنَ قِيْمَتَهَا وَاِنِ
سے پس وہ نقصان کا تاوان دے گا' جب تلف کر دے مسلمان ذمی کی شراب یا اس کا خنزیر تو ضامن ہو گا ان کی قیمت کا اور اگر

اسْتَهْلَکَهُمَا الْمُسْلِمُ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ
مسلمان نے کسی مسلمان کی یہ چیزیں تلف کر دیں تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح الفقہ قولہ وما نقصت الخ ایک شخص نے کسی کی باندی غصب کی' اس کے بچہ پیدا ہوا تو ولادت کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو نقصان آئے گا اس کا تاوان غاصب پر ہوگا مگر یہ نقصان اس کے بچہ سے پورا کر دیا جائے گا اگر اس کی قیمت نقصان کے برابر ہو اگر کم ہو تو قیمت کے برابر ضمان ساقط ہو جائے گا مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت سو روپے تھی اور ولادت کے بعد ساٹھ روپے رہ گئی تو اس کے بچہ کی قیمت چالیس روپے ہو تو جبر نقصان ہو جائے گا اور باندی مع ولد مالک کو دے دی جائے گی اور غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا اور اگر بچہ کی قیمت پچیس روپے ہوں تو غاصب پر پندرہ روپے کا ضمان لازم آئے گا لیکن قیمت سے جبر نقصان اس وقت ہوتا ہے جب بچہ زندہ پیدا ہو ورنہ غرہ (دیت) سے نقصان پورا کیا جائے گا۔

قولہ منافع ماغصبہ الخ ہمارے یہاں غاصب شئی منصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا خواہ اس نے بالفعل حاصل کر لئے ہوں یا مغصوبہ شئی کو بیکار رکھ چھوڑا ہو امام شافعی و احمد کے نزدیک اجر مثل واجب ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک تحصیل منافع کی صورت میں اجر مثل واجب ہوتا ہے تعطیل کی صورت میں کچھ نہیں ہوتا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ منافع مال متقوم ہے اور جس طرح عقود کے ذریعہ سے اعیان مضمون ہوتی ہیں اسی طرح منافع بھی مضمون ہوتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ نے ولد مغرور کی قیمت اور بچہ کی حریت اور مع عقر باندی کی واپسی کا حکم فرمایا تھا اور باندی کے منافع کی اجرت کا حکم نہیں فرمایا تھا۔

قولہ واذا استھلک الخ اگر کوئی ذمی کی شراب یا سور تلف کر دے تو ان کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ذمی کے حق میں مال ہیں اور اگر یہ چیزیں مسلمان کی ہوں تو تاوان نہیں ہے۔ امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں تاوان نہیں ہے۔

كِتَابُ الْوَدِيْعَةِ

ودیعت کے بیان میں

اَلْوَدِيْعَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا هَلَکَتْ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهَا وَلِلْمُوْدَعِ
ودیعت امانت ہوتی ہے مودع کے پاس اگر ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہو گا مودع' حفاظت

اَنْ يَّحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ وَبِمَنْ فِيْ عَيَالِهٖ فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ اَوْاَوْدَعَهَا ضَمِنَ اِلَّا اَنْ يَّقَعَ فِيْ
کر سکتا ہے ودیعت کی بذات خود اور اپنے بال بچوں کے ذریعہ اگر کسی اور سے حفاظت کرائی یا ودیعۃ رکھ دی تو ضامن ہو گا الا یہ کہ آگ لگ جائے

دَارِهٖ حَرِيْقٌ فَيُسَلِّمُهَا اِلٰى جَارِهٖ اَوْيَكُوْنَ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى سَفِيْنَةٍ اُخْرٰى
اس کے گھر میں اس لئے دے دی اپنی پڑوسی کو یا کشتی میں ہو اور ڈوبنے کا اندیشہ ہو اس لئے اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے

وَاِنْ خَلَطَهَا الْمُوْدَعُ بِمَالِهٖ حَتّٰى لَاتَتَمَيَّزُ ضَمِنَهَا فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَيَقْدِرُ
اگر ملا لی مودع نے ودیعت کو اپنے مال میں اس طرح کہ علیحدہ نہ ہو سکتی ہو تو ضامن ہو گا' اگر طلب کی ودیعت اس کے مالک نے اور مودع نے روک لی حالانکہ وہ

عَلٰى تَسْلِيْمِهَا ضَمِنَهَا وَاِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهٖ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهٖ فَهُوَ شَرِيْکٌ لِصَاحِبِهَا وَاِنْ اَنْفَقَ
دے سکتا تھا تو ضامن ہو گا' اگر مل گئی ودیعت اس کے مال میں اس کے کچھ کئے بغیر تو وہ مودع مالک کے ساتھ شریک ہو گا' اگر خرچ کر لی

الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا وَهَلَکَ الْبَاقِيْ ضَمِنَ ذٰلِکَ الْقَدْرَ فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهٗ

مودع نے کچھ ودیعت اور باقی تلف ہوگئی تو ضامن ہوگا اتنی ہی مقدار کا، اگر خرچ کر لی مودع نے کچھ ودیعت پھر اتنی ہی لے کر

فَخَلَطَهٗ بِالْبَاقِيْ ضَمِنَ الْجَمِيْعَ وَاِذَاتَعَدّٰى الْمُوْدَعُ فِي الْوَدِيْعَةِ بِاَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا اَوْ

باقی میں ملا دی تو ضامن ہوگا پوری کا، جب تعدی کی مودع نے ودیعت میں مثلاً وہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا

ثَوْبًا فَلَبِسَهٗ اَوْعَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهٗ اَوْاَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهٖ ثُمَّ زَالَ التَّعَدِّيْ وَرَدَّهَا اِلٰى يَدِهٖ

کپڑا تھا اسے پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا کسی اور کے پاس ودیعت رکھ دی پھر تعدی موقوف کر دی اور لے کر اپنے پاس رکھ لی

زَالَ الضَّمَانُ فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهٗ اِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَاِنْ عَادَاِلَى الْاِعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ

تو ضمان ساقط ہو گیا، اگر مالک کی طلب پر ودیعت کا انکار کیا تو ضامن ہوگا پھر اگر اقرار بھی کر لیا تو تاوان سے

مِنَ الضَّمَانِ

بری نہ ہوگا

توضیح اللغۃ مودع۔ جس کے پاس ودیعت رکھی جائے، اودع ایداعا۔ دوسرے کو کوئی چیز سونپنا، حریق۔ آگ کی بھڑک، جار۔ پڑوسی، سفینہ۔ کشتی غرق۔ ڈوبنا خلط۔ ملا دیا، حبس۔ روک لیا، اختلط۔ مل گئی، انفق۔ خرچ کر لیا، تعدی۔ زیادتی کی، دابۃ۔ سواری، رکب۔ سوار ہو گیا، جحد۔ انکار کر دیا، اعتراف۔ اقرار کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ الودیعۃ الخ ودیعت لغۃً ودع سے مشتق ہے مطلق ترک کو کہتے ہیں۔ فی الحدیث "لینتھین اقوام عن ودعھم الجماعات" ای عن ترکھا۔ اصطلاح میں ایداع اسے کہتے ہیں کہ اپنے مال کی نگہبانی پر دوسرے کو قابو دے دیا جائے۔ جو چیز نگہبانی میں چھوڑی جائے اسے ودیعت اور جو نگہبانی میں چھوڑے اس کو مودِع اور جس کے پاس چھوڑی جائے اس کو مودَع اور امین کہتے ہیں۔ مودع کے پاس مال ودیعت امانت ہوتا ہے اگر اس کی زیادتی کے بغیر اس کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عاریت لینے والے پر اور مودع پر جو خائن نہ ہو تاوان نہیں ہے[1]۔

قولہ و بمن فی عیالہ الخ مودع ودیعت کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے، بہر دو صورت جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ مالک نے صرف مودع کی حفاظت میں دی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ودیعت کی وجہ سے مودع نہ ہر وقت گھر میں بیٹھ سکتا ہے نہ ہر جگہ ساتھ لئے پھر سکتا ہے لامحالہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑے گا۔ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے پاس رہتے ہیں حقیقۃً یا حکماً۔ یعنی خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں مگر زوجہ اور ولد صغیر میں مساکنت حقیقی ضروری نہیں پس جو اجنبی اس کے پاس رہتے ہوں اس کے پاس ودیعت رکھنے سے ضمان لازم نہ ہوگا۔

قولہ واذا تعدی الخ اگر مودع نے ودیعت پر تعدی کی مثلاً ودیعت کوئی کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو کسی اور کے پاس ودیعت رکھ دی اس کے بعد اس نے تعدی ختم کر دی تو ضمان بھی ختم ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں ضمان سے بری نہ ہوگا اس واسطے کہ جب مودع تعدی کی وجہ سے ضامن ہو گیا تو عقد ودیعت مرتفع ہو گیا کیونکہ ضمان وامانت میں منافاۃ ہے لہذا جب تک مالک کے پاس واپس نہ کرے بری نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ امر بالحفظ یعنی ایداع ابھی باقی ہے کیونکہ مودع کا قول احفظ ہذا الخ ال

[1] دار قطنی، بیہقی ۱۲۔

مطلق ہے جو جمیع اوقات کو شامل ہے۔ رہا ارتفاع حکم عقد یعنی عدم ضمان' سو وہ اس لئے تھا کہ اس کی نقیض ثابت تھی اور جب نقیض مرتفع ہو گئی تو حکم عقد پھر لوٹ آئے گا۔

قولہ فجحدہ الخ مودع نے اولاً ایداع کا انکار کیا اور کہہ دیا کہ تو نے میرے پاس ودیعت نہیں رکھی پھر ودیعت کا اقرار کر لیا تو مودع بری نہ ہو گا' بلکہ تاوان لازم ہو گا مگر چند شرطوں کے ساتھ۔ ۱۔ انکار مالک کے مطالبہ کے بعد ہوا گر مالک نے مودع سے ودیعت کا حال دریافت کیا کہ وہ کیسی ہے اور مودع نے ودیعت کا انکار کیا پھر وہ تلف ہو گئی تو تاوان نہ ہو گا۔ ۲۔ مودع نے انکار کے زمانہ میں ودیعت کو اس کی جگہ سے منتقل کر لیا ہو' اگر منتقل نہیں کیا اور وہ تلف ہو گئی تو تاوان نہ ہو گا۔ ۳۔ انکار کے وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے ودیعت کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اگر ہو تو انکار ودیعت سے تاوان لازم نہ ہو گا کیونکہ ایسے شخص کے سامنے انکار کرنا حفاظت میں داخل ہے۔ ۴۔ انکار کے بعد ودیعت کو حاضر نہ کیا ہو اگر اس نے ودیعت کو اس طرح حاضر کر دیا کہ مالک اس کو لینے پر قادر تھا پھر مالک نے اس سے کہا کہ تو اپنے پاس ودیعت رہنے دے تو مودع پر تاوان باقی نہ رہے گا کیونکہ یہ ایداع جدید ہے۔ ۵۔ انکار مالک کے سامنے ہو کسی اور کے سامنے انکار کیا تو تاوان نہ ہو گا کیونکہ یہ انکار حفظ ودیعت میں داخل ہے۔

وَلِلْمُودَعِ اَنْ يُّسَافِرَ بِالْوَدِيْعَةِ وَاِنْ كَانَ لَهَا حَمْلٌ وَّمُؤْنَةٌ وَاِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ
مودع کے لئے جائز ہے ودیعت کو سفر میں لے جانا اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو' ودیعت رکھی دو آدمیوں نے ایک شخص کے پاس

وَّدِيْعَةً ثُمَّ حَضَرَ اَحَدُهُمَا يَطْلُبُ نَصِيْبَهٗ مِنْهَا لَمْ يَدْفَعْ اِلَيْهِ شَيْئًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ حَتّٰى
کوئی چیز پھر ان میں سے ایک آ کر اپنا حصہ مانگنے لگا تو مودع اس کو نہ دے امام صاحب کے نزدیک

يَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَدْفَعُ اِلَيْهِ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ
یہاں تک کہ آ جائے دوسرا صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو اس کا حصہ دے دے' اگر ودیعت رکھی ایک شخص نے

رَجُلَيْنِ شَيْئًا مِّمَّا يُقْسَمُ لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّدْفَعَهٗ اَحَدُهُمَا اِلَى الْاٰخَرِ وَلٰكِنَّهُمَا يَقْتَسِمَانِهٖ فَيَحْفَظُ
دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہے تو جائز نہیں یہ کہ وہ ساری چیز دے دے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بلکہ اسے تقسیم کر لیں پھر ہر ایک اپنے

كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَهٗ وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَايُقْسَمُ جَازَ اَنْ يَّحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْاٰخَرِ وَاِذَا
نصف حصہ کی حفاظت کریں اور اگر وہ ایسی ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو ان میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے حفاظت کر سکتا ہے۔

قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَا تُسَلِّمْهَا اِلٰى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ قَالَ لَهٗ اِحْفَظْهَا
صاحب ودیعت نے مودع سے کہا کہ یہ اپنی بیوی کو نہ دینا اس نے دے دی تو ضامن نہ ہو گا اور اگر اس نے مودع سے کہا

فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِيْ بَيْتٍ اٰخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ حَفِظَهَا فِيْ دَارٍ اُخْرٰى ضَمِنَ
کہ اس کی اسی کمرے میں حفاظت کرنا اور اس نے گھر کے کسی اور کمرے میں حفاظت کی تو ضامن نہ ہو گا اور اگر کسی دوسرے گھر میں حفاظت کی تو ضامن ہو گا

ودیعت کے باقی مسائل

تشریح الفقہ قولہ وللمودع الخ مودع کے لئے ودیعت کو سفر میں لے جانا جائز ہے گو اس کے اٹھانے میں جانور یا اجرت مال کی ضرورت ہو بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو اور ودیعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک اگر بار برداری کی احتیاج ہو تو جائز نہیں امام شافعی

کے یہاں بہر دو صورت جائز نہیں کیونکہ ان کے یہاں حفظ وودیعت حفظ متعارف پر محمول ہے وہوالحفظ فی الامصار صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ صورت مفروضہ میں اس پر بار برداری کی اجرت لازم ہے اور ظاہر یہی ہے کہ مودع اس سے راضی نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مودع کی جانب سے حفظ ودیعت کا امر مطلق ہے تو جیسے یہ زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ایسے ہی مکان کے ساتھ بھی مقید نہ ہوگا۔

قوله واذا اودع الخ ایک شخص کے پاس دو آدمیوں نے کوئی چیز ودیعت رکھی پھر ایک نے اپنا حصہ واپس کرنے کا مطالبہ کیا تو اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہے تو مودع کے لئے اس کا حصہ دینا بالاجماع جائز نہیں تاوقتیکہ دوسرا شخص حاضر نہ ہو اور اگر وہ چیز کیلی یا وزنی ہے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ اپنا حصہ مانگ رہا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ وہ صرف اپنا حصہ نہیں مانگ رہا بلکہ غائب کا حصہ بھی مانگ رہا ہے اس واسطے کہ وہ مفرز (تقسیم شدہ) کو طلب کر رہا ہے حالانکہ اس کا حق مشاع میں ہے نہ کہ مفرز میں۔

قوله احفظها الخ صاحب ودیعت نے مودع سے کہا کہ اس کو اسی کوٹھری میں رکھنا' مودع نے اس مکان کی دوسری کوٹھری میں رکھ دی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر دوسرے مکان میں رکھ دی تو ضامن ہوگا کیونکہ حفاظت وغیرہ میں دو مکانوں کا حکم مختلف ہوتا ہے کہ کوئی زیادہ محفوظ ہوتا ہے اور کوئی کم ہاں اگر تحفظ میں دونوں برابر ہوں یا دوسرا پہلے سے بھی زیادہ محفوظ ہو اور پھر تلف ہو جائے تو مودع پر تاوان نہ ہوگا۔

كِتَابُ الْعَارِيَةِ

عاریۃ کے بیان میں

اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَّهِيَ تَمْلِيْكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَّتَصِحُّ بِقَوْلِهٖ اَعَرْتُكَ

عاریت جائز ہے اور وہ مالک بنانا ہے منافع کا بغیر کسی عوض کے اور درست ہے یہ کہنے سے کہ میں نے تجھے

وَاَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَاالثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَالَمْ يُرِدْ بِهٖ

مانگی دی' کھانے کے لئے دی یہ زمین' بخش دیا تجھ کو یہ کپڑا' سوار کر دیا تجھ کو اس جانور پر جبکہ نہ ارادہ کرے

الْهِبَةَ وَاَخْدَمْتُكَ هٰذَاالْعَبْدَ وَدَارِىْ لَكَ سُكْنٰى وَدَارِىْ لَكَ عُمْرٰى وَ سُكْنٰى

ان دو سے ہبہ کا' خدمت کے لئے دے دیا تجھ کو یہ غلام' میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے' میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے

__تشریح الفقہ__ **قوله كتاب العارية الخ** عاریۃ یاء مشددہ کے ساتھ ہے اور تخفیف بھی جائز ہے۔ صاحب مبسوط وصاحب ہدایہ نے اس کو عریہ بمعنی عطیہ سے مانا ہے۔ جس میں علامہ عینی نے مناقشہ کیا ہے اور مطرزی نے بھی اس کی تردید کی ہے۔ جوہری اور ابن اثیر وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ دوسرے سے عاریۃ چیز مانگنا باعث عیب ہے (مصباح وشرح نقایہ) صاحب مغرب نے عارۃ کی طرف منسوب مانا ہے جو اعارہ کا اسم ہے اور عارۃ بمعنی عیب کی طرف منسوب ہونے کی تردید کی ہے۔ وجہ تردید یہ ہے کہ عار یائی ہے اور عاریۃ واوی ہے۔ ائمہ لغت نے اس کی تصریح کی ہے نہایہ میں ہے کہ صحیح یہی ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عاریت طلب کرنا حدیث سے ثابت ہے اگر یہ چیز باعث عار ہوتی تو آپ ہرگز طلب نہ فرماتے۔

قوله وهي تمليك الخ اصطلاح شرع میں بلاعوض تملیک منافع کو عاریت کہتے ہیں جو شخص مالک بنایا اس کو معیر اور جس کو مالک بنایا جائے اس کو مستعیر اور جس چیز کی منفعت کا مالک بنا جائے اس کو عاریہ اور مستعار کہتے ہیں تعریف میں بلاعوض کی قید سے اجارہ نکل گیا کہ اس میں گو منافع کی تملیک ہوتی ہے مگر بلاعوض نہیں ہوتی۔

قوله اذا لم يرد به الخ یعنی جب منحتک اور حملتک سے ہبہ کی نیت نہ ہو کیونکہ یہ دونوں لفظ اس چیز کا مالک بنا دینے کے لئے آتے ہیں اور جب ان

سے ہبہ مراد نہ ہوا تو مجازاً عاریت پر محمول ہو جائیں گے پس لفظ "بہ" بمعنی کل واحد منہما ہے جیسے اس آیت میں ہے "عوان بین ذلک" ای بینھما۔

وَلِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ فِي الْعَارِيَةِ مَتٰى شَاءَ وَالْعَارِيَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِالْمُسْتَعِيْرِ اِنْ هَلَكَ مِنْ غَيْرِ
معیر واپس لے سکتا ہے عاریت جب چاہے اور عاریت امانت ہوتی ہے مستعیر کے پاس اگر ہلاک ہو جائے

تَعَدٍّلَّمْ يَضْمَنِ الْمُسْتَعِيْرُ وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُّؤْجِرَ مَااسْتَعَارَهٗ فَاِنْ اٰجَرَهٗ فَهَلَكَ ضَمِنَ وَلَهٗ
تعدی کے بغیر تو مستعیر ضامن نہ ہوگا' مستعیر کے لئے عاریت پر لی ہوئی چیز کو کرایہ پر دینا جائز نہیں اگر کرایہ پر دی پھر وہ تلف ہو گئی تو ضامن

اَنْ يُّعِيْرَهٗ اِذَا كَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّالَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ وَعَارِيَةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ
ہوگا ہاں مانگی دے سکتا ہے جب کہ مستعار چیز مستعمل کے بدلنے سے متغیر نہ ہوتی ہو' دراہم دنانیر

وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ وَاِذَا اسْتَعَارَ اَرْضًا لِّيَبْنِيَ فِيْهَا اَوْيَغْرِسَ جَازَ وَلِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ
کیلی اور وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے' جب مانگی لے زمین مکان بنانے یا درخت لگانے کے لئے تو یہ جائز ہے اور معیر اسے واپس

عَنْهَا وَيُكَلِّفَهٗ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ وَقَّتَ
لے سکتا ہے اور اس کو مکان توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کر سکتا ہے اب اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت معین نہیں کیا تھا تو اس پر ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت معین

الْعَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيْرُ لِلْمُسْتَعِيْرِ مَانَقَصَ مِنَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ بِالْقَلْعِ وَاُجْرَةُ
کر کے وقت سے پہلے پھنے لگا تو ضامن ہو گا معیر مستعیر کے لئے مکان ٹوٹنے اور درخت اکھڑنے کے نقصان کا' واپسی

رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَاُجْرَةُ رَدِّالْعَيْنِ الْمُسْتَاجِرَةِ عَلَى الْمُوْجِرِ وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ وَاُجْرَةُ
عاریت کی مزدوری مستعیر کے ذمہ ہے اور کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی مزدوری موجر پر ہے اور غصب کی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت غاصب پر ہے اور ودیعت

رَدِّالْعَيْنِ الْمُوْدَعَةِ عَلَى الْمُوْدِعِ وَاِذَااسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلٰى اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنِ
رکھی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت مودع پر ہے' سواری مانگی لی اور اس کو مالک کے اصطبل تک پہنچا دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر

اسْتَعَارَ عَيْنًا وَرَدَّهَا اِلٰى دَارِالْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ رَدَّالْوَدِيْعَةَ اِلٰى دَارِالْمَالِكِ وَ
کوئی چیز مانگی لی اور مالک کے گھر پہنچای دی مالک کو نہیں دی تو ضامن نہ ہو گا اور اگر ودیعت کو مالک کے گھر پہنچایا

لَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ ضَمِنَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
مالک کو نہیں دی تو ضامن ہوگا واللہ اعلم

احکام عاریت کی تفصیل

توضیح اللغۃ تعد۔ زیادتی' یوجر۔ ایجارا۔ اجرت پر دینا' یکلفہ۔ دشوار کام کا حکم دینا' قلع۔ اکھیڑنا۔ وقت توقیتا۔ وقت معین کرنا' اصطبل۔ گھوڑوں کے رہنے کی جگہ۔

تشریح الفقہ قولہ وللمعیر الخ معیر جب چاہے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے خواہ عاریت مطلقہ ہو یا موقتہ' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے "المنحۃ مردودۃ والعاریۃ مؤداۃ[1]" منحۃ (یعنی وہ بکری یا اونٹنی یا گائے جو دودھ پینے کے لئے عاریۃً دی گئی ہو) لوٹائی جائے گی اور عاریت واپس کی جائے گی۔

قولہ ان ہلک من غیر تعد الخ اگر عاریت کی چیز مستعیر کی زیادتی کے بغیر ضائع ہو جائے تو اس پر تاوان لازم نہ ہوگا۔ امام مالکؒ ثوری اوزاعی اسی کے قائل ہیں اور یہی حضرت علیؓ ابن مسعودؓ حسن نخعی شعبی عمر بن عبدالعزیز (رحمہم اللہ) سے مروی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ استعمال معتاد سے ہلاک ہوئی تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ اس اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک عاریت امانت ہے مطلقاً نہ کہ بوقت استعمال جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ ابو ہریرہؓ عطا اور اسحٰق کا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے "ادالامانۃ الی من ائتمنک ولاتخن من خانک[2]" وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام "علی الید مااخذت حتی تؤدیہ[3]"

ہماری دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے "العاریۃ بمنزلۃ الودیعۃ لاضمان الا ان یتعدی[4]" اور حضرت علیؓ سے مروی ہے "لیس علی صاحب العاریۃ ضمان" رہی مذکورہ بالا دونوں حدیثیں سو ان کا مقتضی وجوب ردعین ہے جس میں کوئی کلام نہیں کلام تو ہلاکت عین کے بعد ضمان قیمت کے وجوب میں ہے۔

قولہ ولہ ان یعیرہ الخ جو چیزیں اختلاف مستعمل سے مختلف نہ ہوتی ہوں ایسی چیزیں مستعیر دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعارہ میں منافع کی اباحت ہوتی ہے اور جس شخص کیلئے کوئی چیز مباح کی جائے وہ اس کو دوسرے کے لئے مباح کرنے کا مجاز نہیں۔ ہمارے نزدیک اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے جیسا کہ شروع میں بیان کر چکے تو جب معیر نے مستعیر کو عاریت کے منافع کا مالک بنا دیا تو وہ دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔

قولہ و عاریۃ الدراھم الخ دراہم و دنانیر اور کیلی و وزنی (اور عددی متقارب) اشیاء کو عاریۃً دینا قرض کے حکم میں ہے کیونکہ اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے اور اشیاء مذکورہ سے انتفاع بالا استہلاک عین ہو نہیں سکتا اس لئے ان اشیاء میں عاریت بمعنی قرض ہوگی مگر یہ اس وقت ہے جب اعارہ مطلق ہو اور اگر اس کی جہت معین کر دی ہو مثلاً یہ کہ میں اس لئے لے رہا ہوں تاکہ دوکان کی رونق بڑھے اور لوگ مجھے غنی سمجھ کر معاملات کرنے لگیں تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہ ہوگی۔

قولہ ویکلف الخ کسی نے مکان بنانے یا باغ لگانے کیلئے زمین عاریۃً لی اور اس میں مکان بنا لیا یا باغ لگا لیا تو یہ جائز ہے مگر معیر اس سے درخت وغیرہ اکھڑوا کر اپنی زمین واپس لے سکتا ہے۔ اب اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت معین نہیں کیا تھا تو معیر پر درختوں کے اکھڑوانے کے نقصان کا کوئی تاوان نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں معیر نے مستعیر کو کوئی دھوکا نہیں دیا بلکہ اس نے خود دھوکا کھایا ہے کہ تعیین وقت کے بغیر راضی ہو گیا۔ ہاں اگر معیر وقت کی تعیین کے بعد پھر وقت سے پہلے اکھڑوائے تو تاوان دینا پڑے گا۔

كِتَابُ اللَّقِيطِ

گرا پڑا بچہ کے ملنے کے بیان میں

اَللَّقِيطُ حُرٌّ وَ نَفقَتُهٗ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَاِن الْتَقَطَهٗ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهٖ

لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہے جس نے اٹھا لیا ہے لقیط کو تو اختیار نہ ہوگا دوسرے

[1] ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، طبرانی عن ابی امامہ، بزار عن ابن عمر، ابن عدی عن ابن عباس، طبرانی عن انس ۱۲۔ [2] ترمذی ۱۲۔ [3] ابن ابی شیبہ ۱۲۔ [4] عبدالرزاق ۱۲۔

اَنْ يَّاْخُذَهٗ مِنْ يَدِهٖ فَاِنِ ادَّعٰى مُدَّعٍ اَنَّهٗ ابْنُهٗ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَاِنِ ادَّعَاهُ اثْنَانِ
کو اس سے لینے کا پس اگر دعوی کیا کسی نے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا اور اگر دو آدمیوں نے دعوی

وَوَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِيْ جَسَدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ وَاِذَا وُجِدَ فِيْ مِصْرٍ مِّنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ
کیا اور کسی ایک نے بیان کی کوئی علامت اس کے بدن میں تو وہ زیادہ حقدار ہو گا جب پایا گیا لقیط مسلمانوں کے شہر میں

اَوْفِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰى ذِمِّيٌّ اَنَّهٗ ابْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا وَّاِنْ وُجِدَ
یا ان کے کسی گاؤں میں پھر دعوی کیا کسی ذمی نے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ مسلمان ہو گا اور اگر پایا گیا

فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْفِيْ بِيْعَةٍ اَوْفِيْ كَنِيْسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا وَمَنِ ادَّعٰى اَنَّ اللَّقِيْطَ
ذمیوں کے کسی گاؤں یا مندر یا گرجا میں تو بچہ ذمی ہو گا کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط

عَبْدُهٗ اَوْاَمَتُهٗ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ وَكَانَ حُرًّا وَاِنِ ادَّعٰى عَبْدٌ اَنَّهٗ ابْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ
میرا غلام یا میری باندی ہے تو یہ بات مقبول نہ ہو گی اور بچہ آزاد ہو گا اگر غلام نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا

كَانَ حُرًّا وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيْطِ مَالٌ مَّشْدُوْدٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهٗ وَلَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمُلْتَقِطِ
اور بچہ آزاد ہو گا اگر پایا گیا لقیط کے ساتھ مال اس پر بندھا ہوا تو وہ اسی کا ہو گا اور جائز نہیں ملتقط کو اس سے شادی کرنا

وَلَا تَصَرُّفُهٗ فِيْ مَالِ اللَّقِيْطِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ وَيُسَلِّمَهٗ فِيْ صِنَاعَةٍ وَّيُؤَاجِرَهٗ
اور نہ لقیط کے مال میں تصرف کرنا اور جائز ہے اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنا اور کسی پیشہ کے لئے سپرد کرنا اور اس کو مزدوری پر لگانا

توضیح اللغۃ لقیط۔ پڑا ہوا بچہ' نفقہ۔ خرچ' التقط۔ اٹھالیا' جسد۔ بدن' مصر۔ شہر' امصار۔ جمع مصر' قریۃ۔ گاؤں' قری جمع قریۃ' بیعہ۔ مندر' کنیسہ۔ گرجا' مشدود۔ بندھا ہوا' صناعۃ۔ پیشہ' دستکاری۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب اللقیط الخ بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے۔ لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اس کا کوئی ولی معلوم نہ ہو گویا اس پر لقیط کا اطلاق مایؤل کے اعتبار سے ہے جیسے "من قتل قتیلاً فلہ سلبہ" شریعت میں لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے محتاجی یا تہمت زنا کے خوف سے پھینک دیا ہو اگر لقیط کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو اٹھا لینا مستحب ہے کیونکہ اس میں ایک تو شفقت ہے دوسرے ایک جان کو جلانا ہے اور اگر ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر اٹھانا ضروری ہے۔

قولہ اللقیط حر الخ لقیط بہ تبعیت دار الاسلام مسلمان اور آزاد قرار دیا جائے گا خواہ ملتقط آزاد ہو یا غلام ہو کیونکہ بنی آدم میں اصل آزاد ہونا ہی ہے رقیت تو امر عارض ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے مقرر ہو گا۔ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے[1]۔ جیسا کہ اس کی میراث بیت المال میں جاتی ہے اور اس کے قصوروں کا تاوان بیت المال سے دیا جاتا ہے۔

قولہ وان ادعاہ اثنان الخ لقیط کے متعلق دو آدمیوں نے دعویٰ کیا کہ بچہ ہمارا ہے اور ان میں سے کسی نے اس کے بدن میں کوئی علامت بیان کر دی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر کوئی مرجح موجود نہ ہو تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا جیسے کوئی باندی دو شریکوں میں مشترک ہو اور دونوں بچہ کا دعویٰ کریں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے۔

[1] مالک' شافعی' بیہقی' عبدالرزاق' ابن سعد عن عمر' عبدالرزاق عن علی ۱۲۔

كِتَابُ اللُّقُطَةِ

لقطہ کے بیان میں

اَللُّقْطَةُ اَمَانَةٌ فِي يَدِالْمُلْتَقِطِ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهُ يَاْخُذُهَا
لقطہ امانت ہے ملتقط کے پاس جب وہ گواہ کر لے اس پر کہ میں اس کو اٹھا رہا ہوں

لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلٰى صَاحِبِهَا فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِم عَرَّفَهَا اَيَّامًا وَاِنْ
حفاظت کے لئے اور اس کے مالک کے پاس پہنچانے کے لئے پس اگر وہ چیز دس درہم سے کم کی ہے تو اس کی تشہیر کرے چند روز اور اگر

كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا كَامِلًا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فِيْهَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا فَاِنْ جَاءَ
دس درہم یا اس سے زائد کی ہو تو اس کی تشہیر کرے پورے سال بھر اب اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو خیرات کر دے پھر اگر اس کا

صَاحِبُهَا وَهُوَ قَدْ تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ
مالک آیا درانحالیکہ وہ خیرات کر چکا تھا تو مالک کو اختیار ہے خیرات کو بدستور رکھے یا ملتقط سے ضمان لے لے

قوله اللقطة الخ لقطہ التقاط سے ہے وہ چیز جو اٹھائی جائے اور لُقَطہ اٹھانے والے کو کہتے ہیں جیسے ضُحَکہ اسم فاعل ہے اور ضُحْکہ اسم مفعول ہے۔ یہ خلیل کی رائے ہے۔ اصمعی، ابن الاعرابی اور فراء نے اسم مفعول ہونے کی حالت میں قاف کے فتحہ کو جائز رکھا ہے۔ افتادہ چیز کو اٹھا لینا بہتر ہے

اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ضروری ہے بشرطیکہ مالک کے پاس پہنچانے کی نیت سے اٹھائے اور اس پر لوگوں کو گواہ کرے۔ یعنی یہ کہہ دے کہ جس کو تم گمشدہ کی تلاش کرتا پاؤ اس کو میرے پاس بھیج دو۔ پس وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی اگر بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو تاوان نہ ہوگا۔ اب اگر وہ چیز دس درہم سے کم کی ہو تو چند روز اس کی تشہیر کرے اور اگر اس سے زیادہ کی ہو تو سال بھر تک تشہیر کرے۔ یہ امام صاحب سے ایک روایت ہے۔ امام محمد نے ''اصل'' میں قلیل و کثیر کی کوئی تفصیل کیے بغیر سال بھر تک تشہیر کے لئے کہا ہے امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور فتویٰ اس پر ہے کہ اتنی مدت تک اعلان کرے جس سے غالب گمان ہو جائے کہ اب اس کا مالک تلاش نہ کرتا ہوگا۔ (ہدایہ، بزازیہ، جوہرہ)

قوله فان جاء صاحبها الخ افتادہ چیز کو اٹھانے والے نے خیرات کر دیا پھر اس کا مالک آ گیا تو اسے اختیار ہے چاہے اس کے صدقہ کو برقرار رکھے اور خود بھی ثواب پائے اور چاہے ملتقط سے ضمان لے لے کیونکہ اس نے مال غیر میں بلا اجازت تصرف کیا ہے۔

وَيَجُوْزُ الْتِقَاطُ الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ
اور جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا پس اگر خرچ کیا ملتقط نے اس پر حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ

مُتَبَرِّعٌ وَاِنْ اَنْفَقَ بِاِذْنِهِ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا وَاِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ اِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ
متبرع ہو گا اور اگر اس کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ مالک کے ذمہ دین ہو گا۔ جب یہ مقدمہ حاکم کے ہاں آئے تو وہ اس میں غور

فِيْهِ فَاِنْ كَانَ لِلْبَهِيْمَةِ مَنْفَعَةٌ اٰجَرَهَا وَاَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ اُجْرَتِهَا وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا مَنْفَعَةٌ
کرے اگر وہ چوپایہ کچھ فائدہ کا ہے تو اسے کرایہ پر دے دے اور اس پر کرایہ میں سے خرچ کرے اور اگر وہ کسی فائدہ کا نہیں ہے

وَخَافَ اَنْ يَّسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاكِمُ وَاَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا وَاِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ

اور یہ ڈر ہے کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچ کر قیمت حفاظت سے رکھوا دے اور اگر اس پر خرچ کرنا

الْاِنْفَاقَ عَلَيْهَا اَذِنَ فِيْ ذٰلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلٰى مَالِكِهَا فَاِذَا حَضَرَ مَالِكُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ

ہی مناسب تر ہو تو اس کی اجازت دے دے اور خرچ کو اس کے مالک کے ذمہ دین کر دے جب اس کا مالک آ جائے تو ملتقط

اَنْ يَّمْنَعَهُ مِنْهَا حَتّٰى يَاْخُذَ النَّفَقَةَ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ وَاِذَا حَضَرَ الرَّجُلُ فَادَّعٰى

اسے روک سکتا ہے یہاں تک کہ خرچ وصول کر لے، حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے، ایک آدمی نے آ کر دعویٰ کیا

اَنَّ اللُّقَطَةَ لَهٗ لَمْ تُدْفَعْ اِلَيْهِ حَتّٰى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ اَعْطٰى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ

کہ لقطہ میرا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کر دے پھر اگر وہ اس کی علامت بتا دے تو حلال ہے ملتقط کے لئے اس

يَّدْفَعَهَا اِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ وَّاِنْ كَانَ

کو دے دینا لیکن جبر نہ کیا جائے گا اس پر قضاءً، لقطہ خیرات نہ کرے مالدار پر اور اگر

الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَاِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ

ملتقط مالدار ہو تو اس کو ملتقط سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں اور اگر فقیر ہو تو فائدہ اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے لقطہ کو خیرات

بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّا عَلٰى اَبِيْهِ وَاِبْنِهٖ وَاُمِّهٖ وَزَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ

کرنا جب ملتقط مالدار ہو اپنے باپ، بیٹے، ماں اور بیوی پر جبکہ یہ فقیر ہوں

لقطہ کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ ویجوز الخ بکری، گائے اونٹ میں سے اگر کوئی گم ہوئی کسی کو مل جائے تو اُسے پکڑ لینا جائز ہے لیکن یہ حکم ایسے موقع کا ہے جہاں ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً جنگل میں شیر یا شہر میں چور آتا ہو، اگر یہ خوف نہ ہو تو سوائے بکری کے اوروں کو پکڑنا جائز نہیں۔ بکری کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "خذھا فانما ھی لک او لا خیک او للذئب" اونٹ کے متعلق آپ کا ارشاد ہے "مالک ولھا معھا خذاؤھا وسقاؤھا ترد الماء و ترعی الشجر حتی یأتیھا صاحبھا فیأ خذھا"

قولہ فان انفق الخ ملتقط لقطہ پر جو کچھ خرچ کرے وہ تبرع اور احسان ہوگا مالک سے اس خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر قاضی کے حکم سے خرچ کیا ہو تو اس صورت میں وہ مالک کے ذمہ دین ہوگا۔

قولہ و لقطۃ الحل الخ حرم محترم چونکہ جائے امن ہے جس میں ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں اور التقاط اندیشہ ضیاع ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اس لئے صاحب کتاب نے تصریح کردی کہ افتادہ چیز حرم کی ہو یا غیر حرم کی بہر حال اٹھا لینا بہتر ہے اور اس لئے بھی کہ امام شافعی کے یہاں لقطہ حرم کا جب تک مالک نہ ملے تشہیر ہی کرتا رہے گا۔

قولہ و لایجبر الخ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ لقطہ میرا ہے اور علامت بیان کردے مثلاً روپے کی تعداد یا جانور کا رنگ بتا دے تو ملتقط اس کو لقطہ دے سکتا ہے لیکن قضاءً اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں اس کو مجبور کیا جائے گا۔

کِتَابُ الْخُنْثٰی

خنثی کے بیان میں

اِذَا كَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثٰى فَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ
جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثی ہے اب اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو

غُلَامٌ وَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اُنْثٰى وَاِنْ كَانَ يَبُوْلُ مِنْهُمَا وَالْبَوْلُ يَسْبِقُ مِنْ اَحَدِهِمَا
لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے اور اگر دونوں سے پیشاب کرے اور پیشاب کی ایک راہ سے پہلے نکلے

نُسِبَ اِلَى الْاَسْبَقِ مِنْهُمَا وَاِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ سَوَاءٌ فَلَا يُعْتَبَرُ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
تو اس کو پہلے ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا اور اگر دونوں سے برابر ہی آتا ہو تو پھر اعتبار نہ ہوگا زیادہ پیشاب آنے کا امام صاحب کے نزدیک

وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُنْسَبُ اِلَى اَكْثَرِهِمَا بَوْلًا وَاِذَابَلَغَ الْخُنْثٰى وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ اَوْوَصَلَ اِلَى النِّسَاءِ
صاحبین فرماتے ہیں کہ منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو جب خنثی بالغ ہو جائے اور ڈاڑھی نکل آئے یا وہ صحبت کر لے

فَهُوَ رَجُلٌ وَاِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْاَةِ اَوْنَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِيْ ثَدْيَيْهِ اَوْحَاضَ اَوْحَبِلَ اَوْ
تو وہ مرد ہے اور اگر ابھر آئی اس کی چھاتی عورت کی چھاتیوں کی طرح یا اس کی چھاتیوں میں دودھ اتر آیا یا حیض آ گیا یا حمل رہ گیا یا

اَمْكَنَ الْوُصُوْلُ اِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْفَرْجِ فَهُوَامْرَاَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَظْهَرْ لَهُ اِحْدٰى هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثٰى مُشْكِلٌ
اس سے صحبت ممکن ہو فرج کی طرف سے تو وہ عورت ہے اور اگر ظاہر نہ ہوئی کوئی علامت ان علامتوں میں سے تو وہ خنثی مشکل ہے

توضیح اللغۃ خنثی خنث سے ہے مغرب میں ہے کہ یہ ترکیب نرمی اور تکسر پر دال ہے مخنث کے اعضاء اور گفتگو میں لچک اور لوچ ہوتا ہے اس لئے اس کو مخنث کہتے ہیں۔ یبول بول۔ پیشاب کرنا لحیۃ ڈاڑھی ثدی۔ پستان لبن۔ دودھ حبل۔ حاملہ ہو جائے۔

تشریح الفقہ قولہ فهو خنثى الخ خنثی وہ ہے جس کے ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو اس کو مذکر مانا جائے گا اور دوسری علامت شگاف پر محمول ہوگی اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو مؤنث مانا جائے گا اور دوسری علامت مسہ پر محمول ہوگی۔ روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خنثی سے متعلق سوال کیا گیا کیف یورث؟ آپ نے فرمایا من حیث یبول[1]۔ حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے[2]۔ اور اگر دونوں سے کرتا ہو تو جس سے پہلے پیشاب کرے اسی کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ اس کے عضو اصلی ہونے کی دلیل ہے اور اگر دونوں سے ایک ساتھ نکلتا ہو تو اس کا معاملہ مشکل ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ کثرت بول کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ بھی اصالت عضو کی دلیل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کثرت خروج کشادگی راہ کی دلیل ہے نہ کہ اصالت عضو کی۔

وَاِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْاِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَتُبْتَاعُ لَهُ اَمَةٌ مِّنْ مَّالِهِ تَخْتِنُهُ
جب یہ امام کے پیچھے نماز کے لئے اٹھے تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو اور اسی کے مال سے باندی خریدی جائے جو اس کی ختنہ کرے

اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اِبْتَاعَ لَهُ الْاِمَامُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ اَمَةً فَاِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَ
اگر اس کا مال ہو اگر مال نہ ہو تو امام بیت المال سے باندی خریدے اور جب وہ ختنہ کر چکے تو اس کو بیچ

[1] ابن عدی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲ [2] ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق ۱۲۔

رَدَّثَمَنَهَا اِلٰی بَیْتِ الْمَالِ وَاِنْ مَّاتَ اَبُوْہُ وَ خَلَفَ ابْنًا وَ خُنْثٰی فَالْمَالُ بَیْنَهُمَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَة

کر قیمت بیت المال میں داخل کر دے اگر اس کا باپ مر گیا اور اس نے ایک لڑکا اور خنثی چھوڑا تو مال ان کے درمیان امام صاحب کے

رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰی سَهْمٌ وَّهُوَ اُنْثٰی عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ

نزدیک تین سہام پر تقسیم ہو گا لڑکے کے دو سہم اور خنثی کا ایک سہم اور وہ عورت ہے۔ امام صاحب کے نزدیک

اللّٰهُ فِی الْمِیْرَاثِ اِلَّا اَنْ یَّثْبُتَ غَیْرُ ذٰلِکَ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِلْخُنْثٰی نِصْفُ مِیْرَاثِ الذَّکَرِ وَ

باب میراث میں الا یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے صاحبین کے ہاں خنثی کے لئے نصف میراث ہے مذکر کی

نِصْفُ مِیْرَاثِ الْاُنْثٰی وَ هُوَ قَوْلُ الشَّعْبِی وَاخْتَلَفَا فِیْ قِیَاسِ قَوْلِهٖ فَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ

اور نصف میراث دختر کی یہی قول ہے امام شعبی کا اور اختلاف کیا ہے صاحبین نے قول شعبی کی تخریج میں پس کہا ہے امام ابو یوسف نے

اللّٰهُ اَلْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی سَبْعَةِ اَسْهُمٍ لِّلْاِبْنِ اَرْبَعَةٌ وَّلِلْخُنْثٰی ثَلٰثَةٌ وَّقَالَ مُحَمَّدٌ رَّحِمَهُ اللّٰهُ

کہ مال ان کے درمیان سات سہام پر تقسیم ہو گا لڑکے کے لئے چار اور خنثی کے لئے تین اور کہا ہے امام محمد نے

اَلْمَالُ بَیْنَهُمَا عَلٰی اثْنَیْ عَشَرَسَهْمًا لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰی خَمْسَةٌ

کہ مال ان کے درمیان بارہ سہام پر تقسیم ہوگا لڑکے کے لئے سات اور خنثی کے لئے پانچ

خنثی کے باقی مسائل

تشریح الفقہ قولہ واذا وقف الخ جب خنثی مشکل نماز کے لئے امام کے پیچھے ہوتو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو کیونکہ خنثی کے سلسلہ میں انتہائی احتیاط برتی جاتی ہے اور احتیاط اسی میں ہے کیونکہ اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو اور ہو عورت تو مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اس کا عکس ہو تو عورتوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

قولہ و تبتاع لہ الخ خنثی کی ختنہ کرنے کے لئے اس کے مال سے باندی خریدی جائے گی کیونکہ مملوکہ کے لئے اپنے آقا کا ستر دیکھنا جائز ہے۔ اب اگر خنثی درحقیقت مرد ہو تو تب کوئی اشکال نہیں کیونکہ وہ اس کی مملوکہ ہے اور اگر وہ عورت ہو تب بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ عورت دوسری عورت کو (بوقت) ضرورت دیکھ سکتی ہے۔

قولہ وان مات ابوہ الخ امام صاحب کے یہاں خنثی کو اقل النصیبین ملے گا یعنی دیکھا جائے گا کہ اگر ہم اس کو مرد فرض کریں تو کتنا ملتا ہے اور مؤنث فرض کریں تو کتنا پس ان میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اور اگر کسی ایک تقدیر پر وہ محروم ہو تو کچھ نہ ملے گا تو اگر خنثی کا باپ اس کے ساتھ ایک اور بیٹا چھوڑ کر مر جائے تو بیٹے کو دو سہم ملیں گے اور خنثی کو ایک۔ صاحبین کے نزدیک اس کو آدھا حصہ مذکر کا اور آدھا مؤنث کا ملے گا امام شعبی کا قول بھی یہی ہے۔

قولہ الاان یثبت الخ امام صاحب کے نزدیک خنثی باب میراث میں عورت ہے الا یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے یعنی یہ ثابت ہو جائے کہ انثی کا حصہ مذکر کے حصہ سے زائد ہے کہ اس صورت میں خنثی کو مذکر کا حصہ ملے گا جس کی چند صورتیں ہیں ا۔ ایک عورت کا انتقال ہوا جو شوہر، ابوین اور خنثی چھوڑ گئی تو مال بارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ تین سہام شوہر کے، چار سہام ابوین کے اور پانچ خنثی کے کیونکہ اگر انثی ہوتا تو اس کے لئے چھ سہام ہوتے اور مسئلہ تیرہ کی طرف عول کرتا۔ ۲۔ ایک عورت کا انتقال ہوا اور وہ شوہر اخیافی (ماں شریک) بھائی اور خنثی (حقیقی) چھوڑ گئی تو مسئلہ چھ سے ہو کر تین سہام شوہر کو، ایک سہم اخیافی بھائی کو اور باقی دو سہم خنثی کو ملیں گے اگر انثی ہوتا تو اس کو تین سہام ملتے۔ ۳۔ ایک عورت، شوہر، حقیقی بہن

اور خنثی (علاتی) چھوڑ کر مرگئی تو مسئلہ دو سے ہو کر شوہر کو نصف (ایک سہم) اور بہن کو بھی نصف (ایک سہم) ملے گا اور خنثی کے لئے بالا جماع کچھ نہ ہو گا۔ **لان الخنثی متی ورث فی حال دون حال لایرث بالشک** ۔ (جوہرہ)

قولہ و اختلفا الخ امام شعبی (عامر بن شراجیل) چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ میں سے ہیں اور اس باب میں ان کا قول مذکور مبہم ہے اس لئے اس قول کی تخریج وتفسیر میں صاحبین کا اختلاف ہو گیا یہ مطلب نہیں کہ جو تفسیر انہوں نے ذکر کی ہے وہ خود ان کا قول ہے اس واسطے کہ سراجیہ میں تصریح ہے کہ امام صاحب کا قول جو ہے وہی آپ کے اصحاب اور عام صحابہ کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ عینی شرح کنز میں شمس الائمہ کا قول منقول ہے "**خرجا قول الشعبی ولم یاخذابہ**" البتہ نہایہ اور کفایہ میں ہے کہ امام محمد امام صاحب کے ساتھ ہیں اور امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے پھر آپ نے اس کی طرف رجوع کر لیا تھا جس سے امام شعبی کے قول کی تفسیر کی ہے۔ (ردالمحتار)

قولہ فقال ابویوسف الخ امام ابو یوسف کی تخریج کا حاصل یہ ہے کہ موصوف نے ابن اور خنثی میں سے ہر ایک کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کے لئے بحالت انفراد ہے چنانچہ اگر وارث تنہا ابن ہو تو اس کے لئے کل مال ہوتا ہے اور اگر تنہا خنثی ہو تو اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر کل مال ہے اور انثی ہونے کی تقدیر پر نصف مال ہے پس خنثی کو نصف النصیبین ملے گا۔ یعنی نصف کل اور نصف النصف تو یہ کل مال کے تین ربع ہوئے ادھر ابن کے لئے کل مال ہے تو ہر ربع کو ایک سہم قرار دیا جائے گا تو کل مال کے چار ربع اور خنثی کے تین ربع یہ کل سات سہم ہوئے جس میں سے چار سہم ابن کے ہوں گے اور تین خنثی کے۔

قولہ و قال محمد الخ امام محمد کی تخریج کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے ابن وخنثی کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کو بحالت اجتماع ملتا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر ابن کے ساتھ خنثی مذکر ہو تو کل مال ان میں نصف نصف ہوگا اور اگر خنثی مؤنث ہو تو تقسیم بطریق اثلاث ہوگی تو خنثی کے مذکر ہونے کی تقدیر پر تقسیم دو سے ہوگی اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر تقسیم تین سے ہوگی اور دو اور تین میں موافقت ہے نہیں اس لئے ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی جس کا مبلغ چھ ہوگا۔ جس میں سے خنثی کے لئے اس کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر دو سہم ہوتے ہیں اور مذکر ہونے کی تقدیر پر تین تو اس کو ان دونوں حصوں کا نصف ملے گا۔ اب دو کا نصف ایک بلا کسر صحیح ہے لیکن تین کا نصف صحیح نہیں ہے بلکہ بلا کسر واقع ہوتی ہے اس لئے چھ کو دو میں ضرب دی جائے گی جس کا مبلغ بارہ ہوتا ہے۔ اب بارہ میں سے خنثی کے لئے اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر چھ ہوتے ہیں اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر چار پس وہ ان دونوں کا نصف لے گا یعنی پانچ کیونکہ چھ کا نصف تین ہے اور چار کا نصف دو۔

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

كِتَابُ الْمَفْقُوْدِ

گم شدہ کے بیان میں

اِذَاغَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهٗ مَوْضِعٌ وَّلَا يُعْلَمُ اَحَيٌّ هُوَاَمْ مَيِّتٌ

جب غائب ہو جائے کوئی شخص پس نہ معلوم ہو اس کا ٹھکانہ اور نہ یہ کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا

نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَّحْفَظُ مَالَهٗ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِيْ حُقُوْقَهٗ وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَاَوْلَادِهٖ

تو مقرر کر دے قاضی کوئی شخص جو حفاظت کرے اس کے مال کی اور انتظام رکھے اور اس کے حقوق وصول کرے اس کی بیوی اور چھوٹے بچوں پر خرچ کرے

الصِّغَارِ مِنْ مَّالِهٖ وَلَايُفَرِّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَأَتِهٖ فَاِذَا تَمَّ لَهٗ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً مِّنْ يَّوْمِ وُلِدَ

اس کے مال سے اور تفریق نہ کرائے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جب ایک سو بیس برس گذر جائیں اس کی پیدائش کے دن سے

حکمْنا بِمَوتِہٖ وَاعْتَدَّتْ اِمْرَأَتُہٗ وَقُسِّمَ مَالُہٗ بَیْنَ وَرَثَتِہٖ الْمَوْجُوْدِیْنَ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ وَمَنْ مَّاتَ

حکم لگا دیں گے اس کی موت کا اب عدت میں بیٹھے گی اس کی بیوی اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال ورثاء میں جو اس وقت موجود ہوں اور جو ان میں

مِنْھُمْ قَبْلَ ذٰلِکَ لَمْ یَرِثْ مِنْہُ شَیْئًا وَّلَایَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَّاتَ فِیْ حَالِ فَقْدِہٖ.

سے مرگیا اس سے پہلے ہی تو وہ وارث نہ ہو گا اس کا اور وارث نہیں ہوتا مفقود اس کا جو مرگیا ہو اس کے مفقود ہونے کی حالت میں

تشریح الفقہ واذاغاب الرجل الخ شریعت میں مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور نہ یہ معلوم ہو کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر چکا۔ ایسے شخص کے احکام کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے حق میں زندہ شمار ہوتا ہے تو اس کی بیوی کسی دوسرے کے ساتھ شادی نہ کرے گی اور نہ اس کا مال وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور نہ اس کا اجارہ فسخ ہو گا الی غیر ذلک' اور دوسرے کے حق میں مردہ شمار ہوتا ہے پس وہ کسی دوسرے کا وارث نہ ہو گا اور اگر کوئی اس کے لئے وصیت کر کے مر گیا تو مفقود وصیت کے مال کا مستحق نہ ہو گا بلکہ اس کا حصہ اس کے ہمعصروں کی موت تک محفوظ رکھ دیا جائے گا۔

قولہ ولایفرق بینہ الخ مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی تفریق نہ کرے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص چار برس تک لا پتہ رہے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور عورت عدت وفات گزار کر جس سے چاہے نکاح کر لے۔ ایک قول میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے متعلق یہی حکم فرمایا تھا جس کو رات میں جن اٹھالے گئے تھے[1]۔ جس کا پورا قصہ حضرت ابوبکر بن ابی الدنیا نے تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مفقود کی عورت اس کی بیوی ہے یہاں تک کہ اس کو (موت یا طلاق کی) خبر پہنچے[2]۔'' نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ''وہ عورت مبتلا کی گئی ہے پس اس کو صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ شوہر کی موت معلوم ہو جائے یا طلاق کی اطلاع پائے[3]۔'' ابن ابی شیبہ نے ابوقلابہ' جابر بن زید' شعبی' نخعی سب کا یہی قول نقل کیا ہے اور امام مالک کا حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ سے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کر لینا ثابت ہے چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے تین مسئلے ذکر کیے ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ ان میں سے ایک امرأۃ مفقود کا مسئلہ ہے۔ نیز حافظ عبدالرزاق نے ابن جریج سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کے اس قول میں موافقت کی ہے کہ امرأۃ مفقود ہمیشہ انتظار کرتی رہے گی۔ وہذا مرجح آخر۔ (رمز الحقائق' جوہرہ' ہدایہ وغیرہ)

قولہ واذاتم لہ الخ جب مفقود کی عمر کے ایک سو بیس برس گزر جائیں تو قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے اور اس کی بیوی عدت وفات گزارے۔ یہ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے۔ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے موت کا حکم اس وقت لگایا جائے گا جب اس کے تمام ہمعصر[4] لوگ ختم ہو جائیں' کیونکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ہمعصروں سے زیادہ کمتر زندہ رہتا ہے۔ امام ابو یوسف نے اس کی مدت ایک سو سال بیان کی ہے۔ بعض فقہاء نے انتہائی مدت نوے سال مانی ہے کیونکہ آدمی عادۃً نوے سال سے زیادہ نہیں جیتا فتویٰ اسی قول پر ہے۔ اس کے علاوہ ۳۰' ۶۰' ۷۰' ۸۰' ۱۰۵' ۱۰۷ اور ۱۱۰ سال گزر جانے کے بعد موت کا حکم لگانے کے اقوال بھی ہیں مگر غیر معمول بہا ہیں بلکہ قہستانی نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اگر ضرورت کے موقع پر کوئی امام مالک کے قول پر فتویٰ دے دے تو کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے۔ (فتح' عینی' ہدایہ)

---

[1] عبدالرزاق عن علی ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' دارقطنی ۱۲۔ [3] دارقطنی عن المغیرہ والحدیث ضعفہ ابوحاتم وعبدالحق وابن القطان وغیرہم ۱۲۔

[4] واختلفوا بموت اقرانہ فقیل من جمیع البلاد وقیل من بلدہ و ھو الاصح و ھذا ارفق و قال شیخ الاسلام انہ احوطہ و اقیس ۱۲۔

كِتَابُ الْإِبَاقِ

غلام کے بھاگ جانے کے بیان میں

اِذَااَبَقَ الْمَمْلُوْکُ فَرَدَّهٗ رَجُلٌ عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَّسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًافَلَهٗ

جب بھاگ جائے غلام اور واپس لائے اس کو کوئی اس کے آقا کے پاس تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے تو اس

عَلَيْهِ جُعْلُهٗ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَمًاوَاِنْ رَدَّهٗ لِاَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ فَبِحِسَابِهٖ وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ اَقَلَّ

کے لئے مزدوری ہوگی اور وہ چالیس درہم ہیں اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اسی حساب سے ہوگی اور اگر غلام کی قیمت

مِنْ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا قَضٰى لَهٗ بِقِيْمَتِهٖ اِلَّا دِرْهَمًا وَّاِنْ اَبَقَ مِنَ الَّذِیْ رَدَّهٗ فَلَا شَیْئَ عَلَيْهِ وَلَاجُعْلَ لَهٗ

چالیس درہم سے کم ہو تو اس کی قیمت کا فیصلہ ہوگا ایک درہم کم کر کے اگر بھاگ جائے واپس لانے والے سے بھی تو اس پر کچھ نہ ہوگا اور نہ اس کے لئے

وَيَنْبَغِیْ اَنْ يُّشْهِدَ اِذَااَخَذَهٗ اَنَّهٗ يَاْخُذُ لِيَرُدَّ عَلٰى صَاحِبِهٖ فَاِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ

مزدوری ہوگی اور گواہ کر لینا چاہئے پکڑتے وقت کہ میں اس کو مالک تک پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں اگر بھگوڑا غلام رہن تھا تو اس کی مزدوری

عَلَى الْمُرْتَهِنِ

مرتہن پر ہے

تشریح الفقہ قولہ کتاب الاباق الخ از راہ شرارت وسرکشی غلام اور باندی کے بھاگ جانے کو اباق کہتے ہیں (کذا عرفہ ابن الکمال) اس تعریف میں وہ غلام بھی داخل ہے جو آقا کے مستاجر اور عاریت پر لینے والے اور امانت دار اور اس کے وصی کے پاس سے بھاگ جائے۔ گریختہ غلام کو پکڑ لینا مستحب ہے بشرطیکہ پکڑنے والا اس کی حفاظت پر قادر ہو اور آقا تک پہنچا سکے ورنہ استحباب نہیں ہے۔

قولہ و اذا ابق الخ جو شخص گریختہ غلام کو مدت سفر یعنی تین روز یا اس سے زائد کی مسافت سے پکڑ کر لائے تو اس کا محنتانہ چالیس درہم ہیں اور اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لائے تو محنتانہ اسی حساب سے ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ آقا کے شرط کیے بغیر محنتانہ نہیں ملے گا مقتضاء قیاس بھی یہی ہے کیونکہ آخذ اس سلسلہ میں متبرع ہے پس یہ گمشدہ غلام کے مثل ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نفس مزدوری پر صحابہ کرام کا اجماع ہے صرف مقدار میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے چالیس درہم، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے ایک دینار یا بارہ درہم نیز حضرت عمرؓ سے چالیس درہم مروی ہیں[1] پس ہم نے مسافت سفر میں چالیس اور اس سے کم میں چالیس سے کم واجب کیے ہیں[2]۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

قولہ و ان ابق الخ اگر غلام واپس کرنے والے کے پاس سے بھاگ جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ غلام اس کے پاس امانت تھا اور امانت میں بلا تعدی ضمان نہیں ہوتا۔ ہاں اگر وہ اپنے ذاتی کام میں لگائے اور غلام بھاگ جائے تو ضامن ہوگا۔

قولہ فان کان العبد الخ اگر عبد مرہون مرتہن کے پاس سے بھاگ جائے تو اس کی واپسی کا محنتانہ مرتہن پر واجب ہے۔ بشرطیکہ اس کی قیمت دین کے برابر یا اس سے کم ہو اگر زائد ہو تو مرتہن پر محنتانہ بقدر دین ہوگا اور باقی راہن پر ہوگا۔ لان حقہ بالقدر المضمون۔

---

[1] عبد الرزاق، طبرانی، بیہقی عن ابن مسعود، ابن ابی شیبہ عن عمر و علی، عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ عن عمرو بن دینار (مرسلاً) ۱۲۔ [2] توفیقاً بین الآثار۔

كِتَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ

بنجر زمین کے آباد کرنے کے بیان میں

اَلْمَوَاتُ مَالَا يُنْتَفَعُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ
موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے پانی کے بند ہو جانے یا

لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ اَوْمَااَشْبَهَ ذٰلِکَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًّا لَا مَالِکَ لَهٗ اَوْكَانَ
زیادہ آ جانے سے یا اسی جیسے کسی اور سبب سے جو کاشت سے مانع ہو پس جو زمین عادی ہو کوئی اس کا مالک نہ ہو یا وہ

مَمْلُوْكًا فِی الْاِسْلَامِ وَلَايُعْرَفُ لَهٗ مَالِکٌ بِعَيْنِهٖ وَهُوَ بَعِيْدٌ مِّنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ اِذَا وَقَفَ
اسلام میں مقبوض ہو اورکوئی خاص مالک معلوم نہ ہو اور وہ بستی سے اتنی دور ہو کہ اگر کوئی آدمی

اِنْسَانٌ فِیْ اَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ فِيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ مَّنْ اَحْيَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ
آخر آبادی سے کھڑا ہو کر چلائے تو آواز اس زمین میں نہ سنی جائے تو وہ موات ہے' جو شخص اسے چلتی کرلے حاکم کی اجازت سے

مَلَكَهٗ وَاِنْ اَحْيَاهُ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُهٗ وَ
تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اوراگر بلا اجازت چلتی کی تو مالک نہ ہو گا امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہو جائے

يَمْلِكُهُ الذِّمِّیُّ بِالْاِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ وَمَنْ حَجَّرَاَرْضًا وَّلَمْ يُعَمِّرْهَا ثَلٰثَ سِنِيْنَ اَخَذَهَا
گا اور ذمی مالک ہو جائے گا چلتی کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہوتا ہے' کسی نے زمین میں پتھر کی نشانی لگا کر تین سال تک یوں ہی چھوڑ دی

الْاِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا اِلٰى غَيْرِهٖ وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَکُ مَرْعًى لِاَهْلِ
تو امام اس سے لے کر دوسرے کو دے دے' بستی سے قریب کی زمین کو چلتی کرنا جائز نہیں بلکہ بستی والوں کے مویشیوں کے چرنے

الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ
اورکٹی ہوئی کھیتی ڈالنے کے لئے چھوڑ دی جائے گی۔

توضیح اللغۃ احیاء۔زندہ کرنا' موات۔غیر آباد زمین' زراعۃ۔کاشت کاری' عادی۔عاد کی طرف منسوب ہے' پرانی چیز' قریۃ۔بستی' اقصی۔انتہا' العامر۔آباد جگہ' صاح (ض) صیحاً۔چیخنا' چلانا' حجر۔پتھر وغیرہ سے علامت لگانا' مرعی۔چرانا' مطرح۔ڈالنے کی جگہ' حصائد۔جمع حصیدۃ' کھیت کا کٹا ہوا حصہ۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الخ احیاء سے مراد زمین میں ایسی قوت پیدا کرنا ہے جس سے وہ قابل کاشت ہو جائے اور موات کغراب وسحاب لغت میں اس زمین کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو۔اصطلاح میں ارض موات وہ غیر مملوک زمین ہے جو آبادی سے دور ہو اور پانی کے غالب آ جانے یا منقطع ہو جانے کی وجہ سے اس میں کاشت کرنا دشوار ہو۔امام محمد کے یہاں ارض موات ہونے کے لئے اہل قریہ کا منقطع نہ ہونا معتبر ہے خواہ زمین بستی سے دور ہو یا قریب ہو ائمہ ثلثہ کا بھی قول یہی ہے اور ظاہر الروایہ بھی یہی ہے۔فتاوی کبری' قہستانی' برجندی وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ من احیاہ باذن الامام الخ جو شخص مردہ زمین (بنجر) کو حاکم کی اجازت سے قابل زراعت بنالے تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس کا مالک ہو جائے گا صاحبین کے نزدیک حکم حاکم کے بغیر ہی مالک ہو جاتا ہے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث "من

لاحیاء ارضا میتة فھی لہ[1] میں اذن وعدم اذن کی کوئی قید نہیں۔ امام صاحب کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لیس للمرء الا ما طابت بہ نفس امامہ[2]"

قولہ ومن حجر الخ اگر کسی نے ارض موات میں صرف پتھر وغیرہ کی مینڈھ باندھ دی اور اس کو یوں ہی چھوڑے رکھا تین برس تک اس کو بویا جوتا نہیں تو اس عمل سے وہ زمین کا مالک نہ ہوگا بلکہ وہ زمین اس سے لے کر کسی اور کو دے دی جائے گی تا کہ وہ اس کو قابل زراعت بنائے کیونکہ حضرت عمرؓ کا قول ہے "لیس للمحجر حق بعد ثلاث سنین" نیز عمل تحجیر احیاء موات نہیں ہے بلکہ وہ تو صرف ایک علامت ہے۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِیْ بَرِیَّةٍ فَلَهٗ حَرِیْمُهَا فَاِنْ کَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِیْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنْ کَانَتْ
جو کنواں کھودے جنگل میں تو اس کے لئے اس کا حریم ہے پس اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے اور اگر

لِلنَّاضِحِ فَحَرِیْمُهَا سِتُّوْنَ ذِرَاعًا وَاِنْ کَانَتْ عَیْنًا فَحَرِیْمُهَا خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّحْفِرَ
کھیت سینچنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے پس جو شخص کنواں

بِئْرًا فِیْ حَرِیْمِهَا مُنِعَ مِنْهَا وَمَا تَرَکَ الْفُرَاتُ وَالدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَاِنْ کَانَ یَجُوْزُ عَوْدُهٗ
کھودنا چاہے اس کے حریم میں تو اس کو منع کیا جائے گا' جو زمین چھوڑ دے فرات اور دجلہ دریا اور اس سے پانی ہٹ جائے تو اگر پانی پھر آ سکتا ہو

اِلَیْهِ لَمْ یَجُزْ اِحْیَاؤُهٗ وَاِنْ کَانَ لَایَجُوْزُ اَنْ یَّعُوْدَ اِلَیْهِ فَهُوَ کَالْمَوَاتِ اِذَا لَمْ یَکُنْ حَرِیْمًا لِّعَامِرٍ
تو اس زمین کو چلتی کرنا جائز نہیں اور اگر پانی پھر نہ آ سکتا ہو تو وہ مثل موات کے ہے کہ اگر وہ کسی کا حریم نہ ہو

یَمْلِکُهٗ مَنْ اَحْیَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَمَنْ کَانَ لَهٗ نَهْرٌ فِیْ اَرْضِ غَیْرِهٖ فَلَیْسَ لَهٗ حَرِیْمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ
تو اس کا مالک ہو جائے گا وہ جو چلتی کرے حاکم کی اجازت سے' جس کی نہر دوسرے کی زمین میں ہو تو اس کا کوئی حریم نہیں امام صاحب کے

رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ الْبَیِّنَةُ عَلٰی ذٰلِکَ وَ عِنْدَهُمَا لَهٗ مَسَنَّاةُ النَّهْرِ یَمْشِیْ عَلَیْهَا وَیُلْقِیْ عَلَیْهَا طِیْنَهٗ
نزدیک الا یہ کہ ہو اس کے پاس بینہ ہو صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہو گی جس پر چل سکے اور نہر کی مٹی ڈال سکے

کنویں' چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان

توضیح اللغۃ حفر (ض) حفرا۔ گڑھا کھودنا' بئر۔ کنواں' بریۃ۔ جنگل' حریم۔ اردگرد کی وسیع جگہ' عطن' بیر عطن۔ وہ کنواں جس سے پانی اونٹوں کو پلانے کے لئے بھرا جاتا ہے' ناضح وہ کنواں جس کا پانی اونٹوں کے ذریعہ کھیت سینچنے کے لئے بھرا اور نکالا جائے۔ عین' چشمہ' عدل عنہ۔ ہٹ جانا' عود۔ لوٹنا' مسناۃ۔ بند جو سیلاب کو روکے۔ طین۔ مٹی۔

تشریح الفقہ قولہ ومن حفر الخ ایک شخص نے غیر آباد زمین میں باجازت حاکم (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (صاحبین کے نزدیک) کنواں کھودا تو اس کے اردگرد ہر جانب سے اس کا حریم چالیس گز ہے کہ اتنے حصہ میں کوئی دوسرا شخص کنواں نہیں کھود سکتا خواہ اس کا کنواں بیر عطن ہو یا بیر ناضح' صاحبین کے نزدیک بیر عطن کا حریم چالیس گز ہے اور بیر ناضح کا ساٹھ گز' چشمہ کا حریم بالاتفاق پانچ سو گز ہے امام مالک وامام شافعی کے یہاں حریم کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار ہے صاحبین کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "چشمہ کا حریم پانچ سو گز ہے اور بیر عطن کا چالیس

[1] بخاری (بغیر لفظہ) ابویعلی' طبرانی' دارقطنی' ابن عدی عن عائشہ' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' بزار عن سعید بن زید' ترمذی' نسائی' ابن حبان' ابن ابی شیبہ عن جابر' طبرانی عن ابن عمرو وفضالہ ومروان بن الحکم' ابن ابی شیبہ' بزار' طبرانی' ابن عدی عن عمرو بن عوف' طبرانی' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] طبرانی عن معاذ ۱۲۔

گز اور بیر ناضح کا ساٹھ گز[1] امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حدیث "من حفر بیرا فله مما حولها اربعون ذراعا"[2] عام ہے جس میں بیر عطن و بیر ناضح کی کوئی تفصیل نہیں۔ والعمل علی العام المتفق اولی عنده من الخاص المختلف۔

قوله ومن کان له نهر الخ جو نہر دوسرے کی ملک میں واقع ہو۔ امام صاحب کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں (الا یہ کہ اس کے پاس بینہ ہو) صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہے یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ (پٹری) پر چل سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جا سکے قہستانی میں تتمہ سے شرح مجمع میں محیط سے شرنبلالیہ میں اختیار سے منقول ہے کہ یہی صحیح ہے وفی السراجیه قال حسام الدین والصحیح انه یستحق الحریم پھر امام محمد کے نزدیک مینڈھ کا اندازہ بقدر عرض نہر ہے (ہر طرف سے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک بقدر نصف بطن نہر ہے قہستانی میں کرمانی سے اور برجندی میں نوازل سے منقول ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے وفی الکبریٰ ایضاً ان الفتوی علی قول ابی یوسف۔

تنبیہ شرح مجمع میں کفایہ سے منقول ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف نہر کبیر میں ہے جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی اگر نہر صغیر ہو جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت ہو تو اس کا حریم بالاتفاق ثابت ہے۔ قہستانی میں کرمانی سے منقول ہے کہ اختلاف نہر مملوک میں ہے جس کی پٹری درخت وغیرہ سے خالی ہو اور اس کے بازو میں صاحب نہر کے سوا دوسرے کی زمین ہو کہ اس صورت میں صاحبین کے نزدیک پٹری صاحب نہر کی مملوک ہے اور امام صاحب کے نزدیک صاحب ارض کی مملوک ہے اور اگر پٹری خالی نہ ہو بلکہ اس میں صاحب نہر یا صاحب ارض کے درخت وغیرہ ہوں تو بالاتفاق درختوں کا مالک پٹری کا بھی مالک ہے (طحطاوی عن الدرر) عینی میں قاضی خاں سے منقول ہے کہ اگر پڑی زمین کے برابر نہ ہو اونچی ہو تو وہ صاحب نہر کی مملوک ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس کی اونچائی نہر کی مٹی سے ہے۔

كِتَابُ الْمَاذُوْنِ

عبد ماذون کے بیان میں

اِذَا اَذِنَ الْمَوْلٰی لِعَبْدِهٖ اِذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهٗ فِیْ سَائِرِ التِّجَارَاتِ
جب آقا نے اپنے غلام کو عام اجازت دے دی تو جائز ہے اس کا تصرف تمام تجارتوں میں

وَلَهٗ اَنْ یَّشْتَرِیَ وَ یَبِیْعَ وَیُرْهِنَ وَیَسْتَرْهِنَ وَاِنْ اَذِنَ لَهٗ فِیْ نَوْعٍ مِّنْهَا دُوْنَ غَیْرِهٖ فَهُوَ
اور اسے اختیار ہے خریدنے، فروخت کرنے، گروی ڈالنے، گروی رکھنے کا، اگر ایک ہی قسم کی تجارت کی اجازت دی تب بھی

مَاذُوْنٌ فِیْ جَمِیْعِهَا فَاِذَا اَذِنَ لَهٗ فِیْ شَیْئٍ بِعَیْنِهٖ فَلَیْسَ بِمَاذُوْنٍ وَاِقْرَارُ الْمَاذُوْنِ بِالدُّیُوْنِ
وہ ماذون ہو گا ہر تجارت میں اگر کسی معین چیز کی اجازت دی تو وہ ماذون نہیں ہے، ماذون کو قرضوں

وَالْغُصُوْبِ جَائِزٌ وَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَّتَزَوَّجَ وَلَا اَنْ یُّزَوِّجَ مَمَالِیْکَهٗ وَلَا یُکَاتِبَ وَلَا یُعْتِقَ
اور غصب کی ہوئی چیزوں کا اقرار کرنا جائز ہے، وہ نہ اپنی شادی کر سکتا ہے نہ اپنے غلاموں کی کرا سکتا ہے نہ مکاتب کر سکتا ہے نہ مال لے کر

عَلٰی مَالٍ وَّلَا یَهَبَ بِعِوَضٍ وَّلَا بِغَیْرِ عِوَضٍ اِلَّا اَنْ یُّهْدِیَ الْیَسِیْرَ مِنَ الطَّعَامِ اَوْ یُضِیْفَ
آزاد کر سکتا ہے نہ ہبہ کر سکتا ہے بالعوض ہو یا بلاعوض الا یہ کہ تھوڑا سا کھانا تحفۃً دے دے یا اس کی مہمانداری

[1] رواہ ابو یوسف فی کتاب الخراج عن الزہری ۱۲۔ [2] ابن ماجہ، ابن راہویہ، طبرانی عن عبداللہ بن مغفل، احمد عن ابی ہریرہ ۱۲۔

مَنْ يُطْعِمَهُ وَدُيُوْنُهُ مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيْهَا لِلْغُرَمَاءِ اِلَّا اَنْ يَّفْدِيَهُ الْمَوْلٰى وَيُقْسَمُ ثَمَنُهُ
کرے جس نے اس کو کھلایا ہے اس کے قرض اسی کی گردن سے متعلق ہیں جن میں اس کو بیچ دیا جائے گا قرض خواہوں کے لئے مگر یہ کہ بدلہ دے دے اس کا آقا اس کی قیمت تقسیم

بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ فَاِنْ فَضَلَ مِنْ دُيُوْنِهِ شَيْئٌ طُوْلِبَ بِهِ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَاِنْ حَجَرَ عَلَيْهِ لَمْ يَصِرْ مَحْجُوْرًا
کی جائے گی حصہ رسد اگر پھر بھی رہ جائے کچھ قرض تو مطالبہ کیا جائے گا اس سے آزادی کے بعد اگر آقا اس پر حجر کر دے تو وہ مجور نہ ہوگا

عَلَيْهِ حَتّٰى يَظْهَرَ الْحَجْرُ بَيْنَ اَهْلِ السُّوْقِ فَاِنْ مَّاتَ الْمَوْلٰى اَوْجُنَّ اَوْلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ
یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے حجر بازار والوں میں اگر مر گیا آقا یا دیوانہ ہو گیا یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا

مُرْتَدًّا صَارَالْمَاذُوْنُ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ وَلَوْاَبَقَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ صَارَ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ
تو ہو جائے گا ماذون مجور علیہ اگر بھاگ گیا ماذون غلام تو وہ ہو جائے گا مجور علیہ

توضیح اللغۃ ماذون۔ اجازت دیا ہوا' دیون۔ جمع دین۔ قرض' غصوب۔ جمع غصب' چھینی ہوئی چیز' ممالیک جمع مملوک۔ غلام' یضیف' اضافۃ۔ مہمانداری کرنا۔ رقبۃ۔ گردن' غرماء۔ جمع غریم' قرض خواہ' یفدیہ فداء مال وغیرہ دے کر چھڑانا' حصص جمع حصہ' حجر علیہ۔ معاملات کرنے سے روکنا' سوق۔ بازار' جن۔ دیوانہ ہو گیا' ابق۔ بھاگ گیا۔

تشریح الفقہ قولہ اذنا عاماً الخ اگر آقا نے غلام کو عام اجازت دی مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی تو غلام ہر قسم کی تجارت کا مجاز ہوگا یعنی اس کے لئے خریدنا' فروخت کرنا' رہن لینا' رہن رکھنا وغیرہ تمام تصرفات جائز ہوں گے کیونکہ اذن مطلق ہے جو جملہ انواع تجارت ولوازم تجارت کو شامل ہے اور اگر آقا نے کسی خاص نوع کی تجارت کی اجازت دی تب بھی وہ ہمارے نزدیک جمیع انواع تجارت کا مجاز ہوگا۔ امام زفر' امام شافعی' امام احمد کے نزدیک صرف اسی نوع میں ماذون ہوگا جس کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کے یہاں اذن کا مطلب وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے تو جس چیز کے ساتھ آقا نے خاص کیا ہے اسی کے ساتھ خاص ہوگا۔ ہمارے یہاں اذن فک حجر و اسقاط حق ہے اور انفکاک حجر کے بعد غلام اپنی اہلیت کے سبب سے تصرف کرتا ہے تو اذن وتصرف نہ کسی وقت کے ساتھ مقید ہوگا اور نہ کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص' ہاں اگر وہ معین چیز کے بارے میں اجازت دے تو وہ ماذون نہ ہوگا کیونکہ یہ درحقیقت استخدام ہے نہ کہ اذن۔

قولہ و دیونہ الخ عبد ماذون پر جو دین تجارت کے سبب سے واجب ہوا ہو جیسے بیع وشراء' اجارہ و استیجار وغیرہ یا ہم معنی تجارت کے سبب سے ہو جیسے ودیعت کا تاوان اور اس غصب اور امانت کا تاوان جن کا عبد ماذون انکار کر چکا ہو ہر ایسا دین اس کی ذات سے متعلق ہوگا اور اس کو ایسے دین کے سلسلہ میں فروخت کر کے اس کا ثمن قرض خواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم کر دیا جائے گا۔ ہاں اگر آقا اس کا دین ادا کر دے تو فروخت نہیں کیا جائے گا۔

قولہ وان حجر علیہ الخ اگر آقا نے عبد ماذون کو ممنوع التصرف قرار دے دیا تو وہ مجور ہو جائے گا بشرطیکہ اس کو اور اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہو گیا ہو تاکہ اس کے ساتھ معاملہ کنندگان کا نقصان نہ ہو' ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر علم حاصل ہوئے بغیر اس کو مجور قرار دیا جائے تو وہ حجر کے بعد جو تصرف کرے گا اس کے دین کی ادائیگی آزادی کے بعد لازم ہوگی گویا معاملہ کنندگان کا حق مؤخر ہو جائے گا جس میں ان کا نقصان ہے۔

قولہ فان مات المولیٰ الخ اگر آقا مر جائے یا دیوانہ ہو جائے یا مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تب بھی عبد ماذون مجور ہو جائے گا خواہ اس کو ان امور کا علم ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو' وجہ یہ ہے کہ اذن غیر لازم تصرف ہے تو اس کی بقاء کا بھی وہی حکم ہوگا جو ابتداء کا ہے تو جس طرح ابتداءً اہلیت

اذن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی ضروری ہوگا اور امور مذکورہ سے اہلیت اذن معدوم ہوگئی لہذا غلام مجور ہو جائے گا۔

قولہ ولو ابق العبد الخ اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو بھاگ جانے کی وجہ سے بھی وہ مجور ہو جائے گا خواہ بازار والوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مجور نہ ہوگا کیونکہ اباق ابتداء اذن کے منافی نہیں تو بقاءً بھی منافی نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ صحت اذن ملک مولیٰ اور اس کی رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غلام کے بھاگنے سے ملک مولیٰ اور اس کی رائے میں کوئی فتور نہیں آیا لہذا بھاگ جانے سے مجور نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے کیونکہ آقا اپنے سرکش اور نافرمان غلام کے تصرفات سے عادتاً راضی نہیں ہوتا۔ **والحجر ممایثبت بالدلالۃ۔**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا حَجَرَ عَلَیْهِ فَاِقْرَارُهٗ جَائِزٌ فِیْمَا فِیْ یَدِهٖ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَا"
جب اس پر حجر کر دیا گیا تو اسکا اقرار جائز ہو گا اس مال کی بابت جو اس کے قبضہ میں ہے امام صاحب کے ہاں صاحبین فرماتے ہیں

لَایَصِحُّ اِقْرَارُهٗ وَاِذَا لَزِمَتْهُ دُیُوْنٌ تُحِیْطُ بِمَالِهٖ وَرَقَبَتِهٖ لَمْ یَمْلِکِ الْمَوْلٰی مَا فِیْ یَدِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَ
صحیح نہ ہوگا اس کا اقرار جب اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جائے جو اس کے مال اور جان کو گھیر لے تو مالک نہ ہوگا آقا مال کا جو اس کے پاس ہے پس اگر آزاد کرے

عَبِیْدَهٗ لَمْ یَعْتِقُوْا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَمْلِکُ مَا فِیْ یَدِهٖ وَاِذَا
اس کے غلاموں کو تو آزاد نہ ہوں گے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہو گا اس کے مال کا جب

بَاعَ عَبْدٌ مَّاْذُوْنٌ مِّنَ الْمَوْلٰی شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَةِ جَازَوَاِنْ بَاعَ بِنُقْصَانٍ لَّمْ یَجُزْوَاِنْ بَاعَهٗ
بیچے ماذون غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثل قیمت کے ساتھ تو جائز ہے اگر نقصان سے بیچے تو جائز نہیں اگر ماذون

الْمَوْلٰی شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَةِ اَوْاَقَلَّ جَازَ الْبَیْعُ فَاِنْ سَلَّمَهٗ اِلَیْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ وَ
کے ہاتھ آقا کوئی چیز بیچے مثل قیمت یا کم کے ساتھ تو جائز ہے پس اگر اس کے حوالے کر دے ثمن لینے سے پہلے تو باطل ہو گا ثمن

اِنْ اَمْسَکَهٗ فِیْ یَدِهٖ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الثَّمَنَ جَازَ وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلَی الْعَبْدَالْمَاْذُوْنَ وَعَلَیْهِ دُیُوْنٌ
اگر مبیع کو آقا روک لے یہاں تک کہ قیمت وصول کرے تو جائز ہے اگر آزاد کر دیا آقا نے ماذون غلام کو درانحالیکہ اس کے ذمہ قرض ہیں

فَعِتْقُهٗ جَائِزٌ وَالْمَوْلٰی ضَامِنٌ بِقِیْمَتِهٖ لِلْغُرَمَاءِ وَمَا بَقِیَ مِنَ الدَّیْنِ یُطَالَبُ بِهِ الْمُعْتَقُ بَعْدَ
تو آزاد کرنا جائز ہے اور آقا ضامن ہو گا اس کی قیمت کا قرض خواہوں کے لئے اور جو باقی رہ جائے قرض اس کا مطالبہ آزاد شدہ سے ہو گا آزادی

الْعِتْقِ وَاِذَا وَلَدَتِ الْمَاْذُوْنَةُ مِنْ مَّوْلَاهَا فَذٰلِکَ حَجْرٌ عَلَیْهَا وَاِنْ اَذِنَ وَلِیُّ الصَّبِیِّ لِلصَّبِیِّ
کے بعد جب بچہ ہو جائے ماذونہ باندی کے اس کے آقا سے تو یہ اس پر حجر ہے اگر اجازت دی بچہ کو اس کے ولی نے

فِیْ التِّجَارَةِ فَهُوَ فِی الشِّرَاءِ وَالْبَیْعِ کَالْعَبْدِ الْمَاْذُوْنِ اِذَا کَانَ یَعْقِلُ الْبَیْعَ وَالشِّرَاءَ
تجارت کی تو بچہ خرید و فروخت میں مثل ماذون غلام کے ہے جبکہ وہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو

تشریح الفقہ **قولہ فاقرارہ جائز** الخ عبد ماذون نے مجور ہونے کے بعد اقرار کیا کہ میرے پاس جو کچھ ہے یہ فلاں کی امانت یا مغصوب یا دین ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس کا اقرار استحساناً صحیح ہے پس وہ اپنے مقبوضہ مال سے دین وغیرہ ادا کرے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں مقتضاء قیاس بھی یہی ہے کیونکہ صحت اقرار اجازت تجارت کی وجہ سے تھی اور وہ حجر کی وجہ سے زائل ہو چکی۔ نیز اپنی کمائی پر جو غلام کا قبضہ تھا وہ بھی حجر کی وجہ سے زائل ہو چکا کیونکہ مجور کا قبضہ معتبر نہیں ہوتا پس اقرار صحیح نہ ہوگا وجہ استحسان یہ ہے کہ صحت اقرار کا مدار حقیقت قبضہ پر ہے

اوراس کا قبضہ باقی ہے لہذا اقرار صحیح ہے۔

قولہ واذا لزمتہ الخ عبد ماذون کے ذمہ لوگوں کا اتنا قرض آ گیا جو اس کے مال اور اس کی ذات کو محیط ہو گیا تو جو مال اس کے پاس ہو آقا اس کا مالک نہیں ہوتا پس اگر عبد ماذون کی کمائی میں کوئی غلام ہو اور آقا اس کو آزاد کر دے تو آزاد نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ آقا اپنے تاجر غلام کی کمائی کا مالک بطریق خلافت اس وقت ہوتا ہے جب وہ مال غلام کی ضرورت سے فارغ ہو اور جس مال کو دین محیط ہے وہ اس کی حاجت میں مشغول ہے تو آقا اس مال میں خلیفہ نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا عبد ماذون کے مال کا مالک ہوتا ہے تو اس کے آزاد کرنے سے غلام مذکور آزاد ہو جائے گا اور آقا پر اس کی قیمت لازم ہوگی اگر وہ مالدار ہو اگر تنگدست ہو تو ماذون کے قرض خواہ آزاد غلام سے تاوان لے سکتے ہیں پھر وہ آقا سے لے لے گا، اگر دین محیط نہ ہو تو عتق مذکور بالاجماع صحیح ہے۔

قولہ واذا باع عبداً الخ اگر عبد ماذون اپنے آقا کے ہاتھ مناسب قیمت سے کوئی چیز فروخت کرے تو جائز ہے مگر یہ اس صورت میں جائز ہے جب غلام مقروض ہو کہ اس وقت اس کا آقا اس کی کمائی میں مثل اجنبی کے ہے اور اگر وہ مقروض نہ ہو تو پھر ان دونوں میں خرید و فروخت نہ ہو گی کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب آقا کا ہے اور اگر عبد ماذون اپنے آقا کے ہاتھ نقصان سے فروخت کرے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس کے حق میں تہمت کا امکان ہے مگر یہ امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔

قولہ وان باعہ المولیٰ الخ اگر آقا اپنے ماذون غلام کے ہاتھ کوئی چیز پوری قیمت سے یا نقصان سے فروخت کرے تو یہ جائز ہے پس اگر آقا نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع اس کے حوالہ کر دی تو وہ قیمت باطل ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں قیمت آقا کی طرف سے اس غلام کے ذمہ قرض ہو گئی اور آقا کا غلام کے ذمہ قرض نہیں ہوتا۔ جب قیمت باطل ہو گئی تو گویا آقا نے اس کے ہاتھ بلا قیمت فروخت کر دی، بطلان قیمت کا مطلب یہ ہے کہ اب آقا اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا، ہاں اسے بیع واپس کر لینی جائز ہے۔

قولہ وان اعتق المولیٰ الخ آقا اپنے ماذون مدیون غلام کو آزاد کر سکتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس میں آقا کی ملک باقی ہے (اختلاف تو اس کی کمائی میں ہے جب اس پر دین محیط ہو) اب آزاد کرنے کی صورت میں آقا اس کے قرض خواہوں کو غلام کی قیمت کا تاوان دے گا کیونکہ ان کا حق اس کی ذات سے متعلق ہے اور آقا نے اس کو آزاد کر دیا اور اگر ادائیگی دین کے لئے قیمت کافی نہ ہو تو باقی دین کا مطالبہ غلام سے ہوگا۔

قولہ واذا ولدت الخ ایک باندی ماذونہ تھی آقا نے اس سے وطی کی اور اس سے بچہ ہوا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہو گئی اب وہ استیلاد کی وجہ سے مجور ہو جائے گی مگر ذالثہ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں مجور نہ ہو گی کیونکہ استیلاد ابتداءً اذن کے منافی نہیں کیونکہ آقا اپنی ام ولد کو تجارت کی اجازت دے سکتا ہے تو بقاءً بطریق اولیٰ منافی نہ ہو گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ام ولد عادۃً پردہ میں رہتی ہے اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں مالک اس کے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے راضی نہیں ہوتا تو یہ اس کے مجور ہونے کی دلیل ہے۔ ہاں اگر مالک استیلاد کے بعد اذن تجارت کی تصریح کر دے تو حجر ثابت نہ ہوگا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی تر ہے۔

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

مزارعت کے بیان میں

قَالَ	اَبُوحَنِيْفَةَ	رَحِمَهُ	اللّٰهُ	اَلْمُزَارَعَةُ	بِالثُّلُثِ	وَالرُّبُعِ	بَاطِلَةٌ	وَقَالَا
امام	صاحب	فرماتے	ہیں کہ	تہائی یا	چوتھائی پر	کھیتی کرنا	باطل ہے	صاحبین فرماتے

جائزۃ وھی عندھما علی اربعۃ اوجہٍ اذا کانت الارض والبذر لواحدٍ والعمل والبقر
ہیں کہ جائز ہے اور مزارعت ان کے ہاں چار طریقہ پر ہے جب زمین اور بیج ایک کا ہو اور کام اور بیل

لواحدٍ جازت المزارعۃ وان کانت الارض لواحدٍ والعمل والبقر والبذر لاٰخر جازت
دوسرے کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام، بیل، بیج دوسرے کے ہوں تب بھی

المزارعۃ وان کانت الارض والبذر والبقر لواحدٍ والعمل لواحدٍ جازت
مزارعت جائز ہے اور اگر زمین، بیج، بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو یہ بھی جائز ہے

تشریح الفقہ قولہ کتاب المزارعۃ الخ مزارعۃ لغۃً زرع سے مفاعلت ہے بمعنی بونا بیج ڈالنا اس کو مخابرہ اور محاقلہ بھی کہتے ہیں اور اہل عراق اس کو قراح بولتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کو عقد کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے اناج کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ فاسد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے[1]۔ اور مخابرہ مزارعت ہی کو کہتے ہیں۔ صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا نخلستان وہاں کے لوگوں کو بطریق معاملہ اور اس کی زمین بطور مزارعت عنایت فرمائی تھی[2] اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل رہا ہے جو آج تک جاری ہے لہذا خبر واحد اور قیاس متروک ہو جائے گا۔

قولہ بالثلث الخ ثلث اور ربع کا لفظ محض تبرکا ہے کیونکہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا تو حضرت زید بن ثابتؓ نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! مخابرہ کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم تہائی یا چوتھائی کی بٹائی پر کسی کی زمین بونے کے لئے لے لو ورنہ تہائی سے کم اور چوتھائی سے زائد کا بھی یہی حکم ہے یا اس لئے کہ صاحب کتاب کے زمانہ میں لوگ ان ہی حصوں پر بٹائیاں کیا کرتے تھے۔

قولہ وھی عندھما الخ صاحبین کے یہاں مزارعت کی چار صورتیں ہیں، تین جائز اور ایک ناجائز۔ جائز صورتیں یہ ہیں۔ ا۔ زمین اور بیج ایک کا ہو اور بیل اور کام دوسرے کا ہو۔ ۲۔ زمین ایک کی ہو اور باقی (بیج، بیل، عمل) دوسرے کا ہو۔ ۳۔ عمل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو۔ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ وقد نظمہا فی الدر المختار۔

ارض وبذر کذا ارض کذا عمل من واحد ذی ثلثہا کلہا قبلت

وان کانت الارض والبقر لواحدٍ والبذر والعمل لواحدٍ فھی باطلۃٌ ولا تصح المزارعۃ
اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کا ہو تو یہ باطل ہے، اور صحیح نہیں ہے مزارعت

الا علی مدۃٍ معلومۃٍ وان یکون الخارج بینھما مشاعًا فان شرطا لاحدھما قفزانًا
مگر مدت معلومہ پر اور یہ کہ ہو پیداوار ان میں مشترک پس اگر شرط کر لے کسی ایک کے لئے معین قفیز

مسمّاۃً فھی باطلۃٌ و کذالک اذا شرطا ما علی الماذیانات والسواقی واذا صحت المزارعۃ
پس وہ باطل ہے اور اسی طرح شرط کر لی اس غلہ کی جو پیدا ہو ڈولوں اور نالیوں پر اور جب صحیح ہو جائے مزارعت

فالخارج بینھما علی الشرط وان لم تخرج الارض شیئًا فلا شئی للعامل
تو پیداوار ان میں شرط کے مطابق ہو گی اور اگر زمین میں کچھ پیداوار نہ ہو تو کارندہ کو کچھ نہ ملے گا

[1] مسلم عن جابر ورافع بن خدیج ۱۲ [2] الجماعۃ الا النسائی عن ابن عمر ۱۲۔

مزارعت فاسدہ کا بیان

توضیح اللغۃ بقر۔ بیل، بزر۔ بیج، خارج۔ پیداوار، مشاع۔ مشترک غیر مقسوم، قفزان۔ جمع قفیز۔ آٹھ مک کا ایک پیانہ، ماذیانات۔ جمع ماذیان، نہر کبیر، سواقی۔ جمع ساقیہ، نہر صغیر۔

تشریح الفقہ قولہ وان کانت الارض الخ ۴۔ زمین اور بیل ایک کا ہو اور بیج اور عمل دوسرے کا ہو۔ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے یہ صورت باطل ہے کیونکہ اس میں بقر کو بعض خارج کے عوض اجرت پر لینا لازم آتا ہے جو جائز نہیں ہے۔ نیز اگر بیج اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور عمل دوسرے کا ہو۔ یا صرف بیل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا، یا صرف بیج ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا تو یہ تینوں صورتیں بھی فاسد ہیں (صاحب کتاب نے ان کو ذکر نہیں کیا)۔ وقد نظمها في الدر المختار۔

والبذر مع بقر اولا کذا البقر　　　　الا غیر او مع ارض اربع بطلت

قولہ ولا تصح المزارعة الخ صاحبین کے ہاں صحت مزارعت کے لئے چند شرطیں ہیں۔ ا۔ مزارعت کی ایک ایسی مدت بیان کرنا جو کاشت کاروں میں معروف ہو مثلاً ایک سال یا دو سال۔ ۲۔ پیداوار میں بالتعیین مقدار دونوں کا شریک ہونا اگر کسی ایک کے لئے کچھ پیانہ غلہ کی شرط ہو تو مزارعت باطل ہوگی کیونکہ ممکن ہے غلہ اتنی ہی مقدار پیدا ہو اس سے زیادہ نہ ہو اور پھر ان میں جھگڑا پڑے۔ اسی طرح پانی کی نالیوں اور گولوں کے قریب اگنے والی کھیتی اگر کسی ایک کے لئے مشروط ہو تو مزارعت جائز نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے اس جگہ کے سوا اور جگہ غلہ پیدا نہ ہو یہ دونوں شرطیں کتاب میں مذکور ہیں۔ ۳۔ زمین کا قابل کاشت ہونا شور اور ریگستان میں مزارعت صحیح نہیں کیونکہ اس سے مزارعت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ ۴۔ صاحب تخم کا مذکور ہونا اس واسطے کہ اگر بیج مالک ارض کی طرف سے ہو تو عامل مزدور ٹھہرے گا اور عامل کی طرف سے ہو تو زمین کرایہ پر ٹھہرے گی اور دونوں کے احکام مختلف ہیں تو بلا ذکر صاحب تخم مقصود علیہ مجہول ہوگا۔ ۵۔ جنس تخم کا مذکور ہونا کہ وہ گیہوں ہوگا یا جو۔ ۶۔ جس کی طرف سے بیج نہیں ہے اس کا حصہ بیان کرنا کیونکہ حصہ عمل یا زمین کی اجرت ہے تو اس کا معین ہونا ضروری ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِن قِبَلِ رَبِّ الْاَرْضِ
جب فاسد ہو جائے مزارعت تو پیداوار بیج والے کی ہوگی پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو

فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ لَايُزَادُ عَلٰى مِقْدَارِ مَاشُرِطَ لَهٗ مِنَ الْخَارِجِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهٗ
تو کارندہ کو اجرت مثل ملے گی جو مشروط پیداوار کی مقدار سے نہیں بڑھے گی امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کو

اَجْرُ مِثْلِهٖ بَالِغًا مَّابَلَغَ وَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِهَا وَاِذَا
اجرت مثل ملے گی جتنی بھی ہو اور اگر بیج عامل کی طرف سے ہو تو زمین والے کو زمین کی اجرت مثل ملے گی جب

عَقَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ[1] عَلَيْهِ وَاِن امْتَنَعَ الَّذِیْ لَيْسَ
طے ہو گیا مزارعت کا معاملہ پھر رک گیا بیج والا کام کرنے سے تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا اور اگر رک جائے وہ شخص جس کی

مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ اَجْبَرَهُ[2] الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ وَاِذَامَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ وَ
طرف سے بیج نہیں ہے تو مجبور کرے گا اس کو حاکم کام کرنے پر جب مر جائے متعاقدین میں سے کوئی تو باطل ہو جائے گی مزارعت

اِذَا نَقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرَكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِيْبِهٖ مِنَ
جب گذر جائے مزارعت کی مدت اور کھیتی ابھی نہ پکی ہو تو کاشتکار کو اس زمین کا وہ کرایہ دینا ہوگا جو اس جیسی

ا۔ لانہ لایمکنہ المضی الا باتلاف مالہ وھو القاء البذر ولا یدری ہل یخرج ام لا ۱۲۔ ۲۔ لانہ لاضرر علیہ فی الوفاء بہ ۱۲۔

الْاَرْضِ اِلَی اَنْ یُسْتَحْصَدَ وَالنَّفَقَةُ عَلَی الزَّرْعِ عَلَیْھَا عَلٰی مِقْدَارِ حُقُوْقِھِمَا وَاُجْرَةُ الْحَصَادِ وَ
زمین کا ہوتا ہو کھیتی کٹنے تک' اور کھیتی کا صرفہ ان دونوں پر ہو گا ان کے حصوں کے موافق اور کھیتی کاٹنے'

الدِّیَاسِ وَالرِّفَاعِ وَالتَّذْرِیَةِ عَلَیْھِمَا بِالْحِصَصِ فَاِنْ شَرَطَاہُ فِی الْمُزَارَعَةِ عَلَی الْعَامِلِ فَسَدَتْ
گاہنے' اکٹھی کرنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہوگی حصوں کے مطابق اگر شرط کرلی اس کی مزارعت میں کاشتکار کے ذمہ ہونے کی تو فاسد ہو جائے گی مزارعت

مزارعت کے باقی احکام

توضیح اللغۃ بذر۔ بیج 'لم یدرک۔ کھیتی نہ پکی ہو'مزارع۔ کسان' کاشت کار'یستحصد۔ حصاد سے ہے' کھیتی کا کاٹنا' نفقہ۔ صرفہ' خرچ' دیاس۔ کھیتی کا اناج گاہنا' رفاع۔ کھیتی اٹھا کر کھلیان کی طرف لانا' تذریہ۔ غلہ صاف کرنا' حصص۔ جمع حصہ۔

تشریح الفقہ واذا فسدت الخ جب کسی وجہ سے مزارعت فاسد ہو جائے تو اس زمین کی پیداوار بیج والے کی ہوگی۔ اب اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہو تو پھر کاشت کار کو دستور کے مطابق اس کے عمل کی مزدوری ملے گی لیکن یہ مزدوری اس مقدار سے زیادہ نہیں دی جائے گی جو پیداوار میں اس کے لئے مقرر ہوگئی تھی۔ امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ وہی مزدوری دی جائے گی جو اس کام میں اوروں کو ملتی ہو خواہ کہیں تک پہنچ جائے اور اگر بیج کاشتکار کی طرف سے ہو تو زمین دار کو اس زمین کا اتنا کرایہ ملے گا جو اس جیسی زمینوں کا دستور ہے۔

کِتَابُ الْمُسَاقَاةِ

مساقات کے بیان میں

قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِّنَ الثَّمَرَةِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا رَحِمَھُمَا
امام صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ پھل مقرر کر کے مساقات باطل ہے صاحبین

اللّٰهُ جَائِزَةٌ اِذَا ذَکَرَا مُدَّةً مَّعْلُوْمَةً وَسَمَّیَا جُزْءً مِّنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا وَّ تَجُوْزُ الْمُسَاقَاةُ فِی
کہتے ہیں کہ جائز ہے جب کہ وہ ذکر کر دیں معین مدت اور معین کر دیں پھل کا حصہ بطریق مشاع اور جائز ہے مساقات

النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْکَرْمِ وَالرِّطَابِ وَاُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ فَاِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِیْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَ
کھجوروں' درختوں' انگوروں' ترکاریوں اور بینگنوں میں اگر دیا کھجور کا پھل دار درخت مساقات پر اور

الثَّمْرَةُ تَزِیْدُ بِالْعَمَلِ جَازَوَاِنْ کَانَتْ قَدِانْتَھَتْ لَمْ یَجُزْ وَاِذَ فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ
پھل بڑھنے والا ہے عمل سے تو یہ جائز ہے اور اگر پھل کا بڑھنا پورا ہو چکا تو جائز نہیں جب مساقات فاسد ہو تو کارندہ کو

اَجْرُمِثْلِهِ وَ تَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ وَ تَفْسَخُ بِالْاَعْذَارِ کَمَا تَفْسَخُ الْاِجَارَةُ.
اجرت مثل ملے گی اور باطل ہو جاتی ہے مساقات مر جانے سے اور فسخ ہو جاتی ہے عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ

توضیح اللغۃ مساقاۃ سقی سے ہے۔ سینچنا' ثمرۃ۔ پھل' نخل۔ کھجور کا درخت' کرم۔ انگور' رطاب۔ جمع رطبۃ' باذنجان۔ بینگن' اعذار۔ جمع عذر۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب المساقاۃ الخ زیلعی' عینی' درر وغیرہ میں ہے کہ مساقاۃ لغۃ سقی سے مفاعلت ہے بمعنی سینچنا اور سیراب کرنا لیکن نہایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لغوی و شرعی معنی میں کوئی فرق نہیں پس مساقاۃ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنا باغ دوسرے کو اس لئے دے دے کہ وہ درختوں کی پرورش ان کی اصلاح اور دیکھ بھال کرے اور جو پھل آئے وہ ان میں مشترک ہو' مزارعت کی طرح مساقات بھی امام صاحب کے

نزدیک باطل ہے صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ و تجوز الخ کھجور کے درخت، انگور کی بیل، رطبہ اور بینگن کی جڑوں میں عقد مساقات صحیح ہے۔ امام شافعی کے قول جدید میں انگور اور کھجور کے ساتھ خاص ہے کیونکہ خلاف قیاس ہونے کے باوجود جواز مساقات، حدیث خیبر کی وجہ سے ہے جس میں انہی دو کا تذکرہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامل اہل خیبر شطر مایخرج من تمر او زرع''[1] مطلق ہے لہٰذا اپنے اطلاق پر رہے گی۔

قولہ فان دفع الخ ایک شخص نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت سے اور بڑھ سکتے ہیں تو مساقات صحیح ہے اور اگر پھل پک چکے ہوں اور ان کی بڑھوتری ختم ہو چکی ہو تو صحیح نہیں کیونکہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور جب پھل پک چکا تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا پس اگر پکنے کے بعد بھی مساقاۃ کو جائز رکھا جائے تو عامل کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا ولم یرد بہ الشرع۔

کِتَابُ النِّکَاحِ

نکاح کے بیان میں

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقُبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ اَوْيُعَبَّرُ

نکاح منعقد ہو جاتا ہے ایجاب و قبول کے ایسے دو لفظوں سے جن سے تعبیر کیا جائے ماضی کو یا تعبیر کیا جائے

بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَالْاٰخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبِلِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ زَوِّجْنِيْ فَيَقُوْلُ زَوَّجْتُكِ

ان میں سے ایک سے ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو مثلاً یوں کہے تو مجھ سے نکاح کرے اور مرد کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کر لیا

تشریح الفقہ قولہ النکاح الخ نکاح کے لغوی معنی میں چار قول ہیں۔ ۱۔ یہ اشتراک لفظی وطی اور عقد کے درمیان مشترک ہے ظاہر صحاح سے یہی مفہوم ہوتا ہے اور اسی کو صاحب غایۃ البیان نے ترجیح دی ہے کیونکہ مشترک لفظ اپنے دونوں معنوں میں حقیقت ہوتا ہے اور حقیقت ہی اصل ہے۔ ۲۔ معنی عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز، اصولیین نے اس کو امام شافعی کی جانب منسوب کیا ہے۔ ۳۔ وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز، ہمارے اکثر مشائخ کا قول بھی یہی ہے اور اسی پر صاحب مغرب نے جزم و یقین ظاہر کیا ہے پس قرآن و حدیث میں جہاں لفظ نکاح قرائن سے خالی ہو وہاں جماع مراد ہو گا جیسے آیت ''ولاتنکحوا ما نکح آباء کم'' بخلاف ''حتی تنکح زوجا غیرہ'' کے کہ اس میں جماع مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ عورت کی طرف نکاح کی اسناد اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ عورت مفعول ہوتی ہے نہ کہ فاعل پس عورت کا جماع کرنا ممکن نہیں۔ ۴۔ اس کے حقیقی معنی ملانا اور جمع کرنا ہے قال الشاعر ؎

ان القبور تنکح الایامی　　　　النسوۃ الارامل الیتامیٰ

صاحب محیط نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب کافی وغیرہ نے اسی کی پیروی کی ہے۔ عرف اہل شرع میں نکاح اس عقد مخصوص کا نام ہے جو بالقصد مفید ملک متعہ ہو یعنی اس کے ذریعہ مرد کا عورت سے نفع حاصل کرنا حلال ہو۔

قولہ ینعقد الخ نکاح ایجاب و قبول کے ایسے دو لفظوں سے ہو جاتا ہے جن سے زمانہ ماضی کو بیان کیا جائے کیونکہ تحقق و وقوع پر ماضی ہی دلالت کرتی ہے بخلاف زمانہ حال کے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں وہ تو اجزاء ماضی اور اجزاء مستقبل سے مرکب ہوتا ہے اور بخلاف استقبال کے کہ وہ بوقت تکلم معدوم المضمون ہوتا ہے۔ اس لئے ماضی کا صیغہ ہونا ضروری ہے خواہ ایجاب و قبول دونوں کے لئے ماضی ہو یا ان میں سے کسی ایک کے لئے ہو۔

[1] صحیحین عن ابن عمر ۱۲۔

فائدہ اگر نکاح کئے بغیر زنا سے بچنا ممکن ہو تو نکاح کرنا فرض ہے اور اگر عورت کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ظلم و ستم کا یقین ہو تو حرام ہے اور حالت اعتدال میں ہمارے بعض مشائخ کے نزدیک فرض کفایہ بعض کے نزدیک واجب کفایہ بعض کے نزدیک واجب عین ہے لیکن اصح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی."

وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْرَجُلٍ
منعقد نہیں ہوتا مسلمانوں کا نکاح مگر دو آزاد بالغ عاقل مسلمان گواہوں کی موجودگی میں یا ایک مرد

وَّامْرَأَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْغَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْمَحْدُوْدِيْنَ فِىْ قَذْفٍ فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً
دو عورتوں کی موجودگی میں عادل ہوں یا غیر عادل یا تہمت لگانے میں سزا یافتہ ہوں پس اگر نکاح کیا مسلمان نے ذمی عورت

بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ
سے دو ذمیوں کی گواہی پر تو جائز ہو گا شیخین کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں

لَايَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يُّشْهِدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ
کہ جائز نہیں الا یہ کہ گواہ کرلے دو مسلمانوں کو

گواہوں کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ولا ینعقد الخ نکاح بلا گواہ صحیح نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لانکاح الا بولی و شاھدی عدل[1]" نکاح صحیح نہیں ولی اور دو عادل شاہدوں کے بغیر۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "زانی عورتیں وہ ہیں جو شاہدوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں[2]"۔ امام مالک کے ہاں گواہ شرط نہیں صرف اعلان کافی ہے کیونکہ روایت میں ہے "اعلنوا النکاح واضربوا علیہ بالغربال[3]" جواب یہ ہے کہ اس سے صرف یہ نکلتا ہے کہ اعلان کیا جائے گواہی شرط ہونے کی اس سے نفی نہیں ہوتی۔

قولہ حرین الخ نکاح کے گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے کیونکہ شہادت بلا ولایت نہیں ہوتی اور غلام کو خود اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں تو غیر پر کب ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ عقل و بلوغ کے بغیر ولایت نہیں ہوتی اسی طرح نکاح مسلمین میں ان کا مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا" البتہ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا۔ امام شافعی کے ہاں مرد ہونا ضروری ہے۔ نیز ہمارے ہاں عدالت بھی شرط نہیں بلکہ دو فاسقوں اور محدود فی القذف کی موجودگی میں بھی نکاح صحیح ہے۔ امام شافعی کا اس میں بھی اختلاف ہے ہمارے ہاں اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی ولایت سے قبول نکاح کا مالک ہو اس کے روبرو درست ہے۔

قولہ فان تزوج الخ اگر عورت ذمیہ ہو تو شیخین کے نزدیک مسلمان مرد کا نکاح دو ذمیوں کی موجودگی میں صحیح ہو جائے گا۔ امام محمد اور امام زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا کیونکہ ایجاب و قبول کو سننا ہی شہادت ہے اور مسلمان کے حق میں کافر کی شہادت نہیں ہے پس یہ مسلمان کا کلام نہ سننے کے درجہ میں ہو گیا۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نکاح میں شہادت کا شرط ہونا وجوب مہر کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اثبات ملک کے اعتبار سے ہے اور اس پر وہ دونوں شاہد ہیں لہٰذا ان کی شہادت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

وَلَايَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَابِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَلَا بِبِنْتِهٖ وَ
حلال نہیں آدمی کے لئے یہ کہ نکاح کرے اپنی ماں سے یا دادی سے مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے اور نہ اپنی بیٹی

[1] ابن حبان عن عائشہ ۱۲ [2] ترمذی عن ابن عباس مرفوعا عبدالرزاق موقوفا ۱۲ [3] ترمذی ابن ماجہ عن عائشہ ۱۲

لَابِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ وَلَابِاُخْتِهٖ وَلَابِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَلَابِعَمَّتِهٖ وَلَابِخَالَتِهٖ وَلَا

نہ اپنی پوتی سے گو نیچے کی ہوں نہ اپنی بہن سے نہ اپنی بھانجیوں سے نہ اپنی پھوپھی سے نہ اپنی خالہ سے نہ

بِبَنَاتِ اَخِيْهِ وَلَا بِاُمِّ امْرَاَتِهٖ دَخَلَ بِابْنَتِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ وَلَابِبِنْتِ امْرَاَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ

بھتیجیوں سے نہ اپنی ساس سے اس کی بیٹی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو نہ اپنی اس بیوی کی لڑکی سے جس سے صحبت

بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حِجْرِهٖ اَوْفِيْ حِجْرِ غَيْرِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ اَبِيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ ابْنِهٖ

کر چکا ہے وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا کسی اور کی نہ اپنے باپ اور دادا کی بیوی سے نہ اپنی بہو سے

وَبَنِيْ اَوْلَادِهٖ وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

نہ پوتوں کی بیوی سے نہ اپنی رضاعی ماں سے نہ رضاعی بہن سے اور نہ جمع کرے دو بہنوں کو

بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ وَّطْئًا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَ عَمَّتِهَا اَوْخَالَتِهَا وَلَا ابْنَةِ اُخْتِهَا

صحبت میں نکاح کے ذریعہ نہ ملک یمین کے ذریعہ اور نہ جمع کرے عورت اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ کو نہ اس کی بھانجی کو

وَلَا ابْنَةِ اَخِيْهَا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ امْرَاَتَيْنِ لَوْكَانَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ

نہ اس کی بھتیجی کو نہ ایسی دو عورتوں کو کہ ان میں سے جو ایک مرد ہو تو اس کے لئے دوسری سے نکاح جائز نہ

لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰى وَلَابَاْسَ بِاَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَاَةٍ وَّابْنَةِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلُ

ہواور کوئی حرج نہیں جمع کرنے میں عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی کو

وَمَنْ زَنٰى بِامْرَاَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ

جس نے زنا کیا کسی عورت سے تو حرام ہو گئی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی جب طلاق دے دی کسی نے اپنی بیوی کو بائن یا

رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْلَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِىَ عِدَّتُهَا وَلَايَجُوْزُ لِلْمَوْلٰى اَنْ يَّتَزَوَّجَ

رجعی تو جائز نہیں یہ کہ وہ نکاح کرے اس کی بہن سے یہاں تک کہ گذر جائے اس کی عدت جائز نہیں آقا کے لئے یہ کہ نکاح کرے

اَمَتَهٗ وَلَا الْمَرْاَةُ عَبْدَهَا وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَاتِ وَلَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمَجُوْسِيَاتِ

اپنی باندی سے اور نہ عورت اپنے غلام سے جائز ہے نکاح کرنا کتابیہ عورتوں سے اور جائز نہیں آتش پرست

وَلَاالْوَثَنِيَّاتِ وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الصَّابِيَاتِ اِنْ كَانُوْايُؤْمِنُوْنَ بِنَبِيٍّ وَيَقْرَءُوْنَ الْكِتَابَ

اور بت پرست عورتوں سے اور جائز ہے صابیہ عورتوں سے اگر وہ ایمان رکھتی ہوں کسی نبی پر اور پڑھتی ہوں کتاب

وَاِنْ كَانُوْايَعْبُدُوْنَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ يَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ

اور اگر ستاروں کو پوجتی ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں

محرمات کی تفصیل

تشریح الفقہ قولہ ولا یحل الخ اپنی ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے گو وہ دور کی ہو جیسے دادی' نانی' پردادی' پرنانی' پوتی' پڑپوتی' نواسی' پڑنواسی' وجہ یہ ہے کہ آیت میں لفظ ام اور لفظ بنت ہے اور لغت میں ام اصل کو اور بنت فرع کو کہتے ہیں پس یہ سب محرمات میں داخل ہیں۔ اپنی بہن

بہن کی لڑکی' پھوپھی' خالہ' بھائی کی لڑکی' خوش دامن اور اپنی بی بی کی لڑکی سے بھی نکاح حرام ہے بشرطیکہ بی بی سے صحبت کر چکا ہو۔ان کی حرمت میں اصل یہ آیت ہے''حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم اھ''

قولہ ولا بامہ من الرضاعۃ الخ جن رشتوں کی حرمت نسب اور مصاہرت کے سبب سے اوپر مذکور ہوئی وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''**یحرم من الرضاع مایحرم من النسب**[1]'' پس رضاعی ماں' بہن' دادی' نانی' بھتیجی' بھانجی ۔غرض دایہ کی تمام رشتہ والی عورتیں شیر خوار پر اور شیر خوار کی طرف سے زوجین اور فروع دایہ وغیرہ پر حرام ہیں۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند وز جانب شیر خوار زوجان وفروع

قولہ ولایجمع بین الاختین الخ دو بہنوں کو عقد (صحیح) میں جمع کرنا حرام ہے۔قال تعالیٰ''**وان تجمعوا بین الاختین**''لیکن اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا' پھر اس کی بہن سے نکاح صحیح کیا تو درست ہے کیونکہ نکاح فاسد میں صرف وطی حلال نہیں ہوتی۔ نیز دو بہنوں کو بواسطہ ملک یمین جمع کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔''جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ اپنا پانی دو بہنوں کے رحم میں ہرگز جمع نہ کرے[2]''

قولہ ولا یجمع بین امراتین الخ یہ ایک قاعدہ کلیہ سا ہے کہ ہر ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو اس کے لئے دوسری حلال نہ ہو۔ جیسے ایک عورت اور اس کی پھوپھی کہ اگر عورت کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا نکاح جائز نہیں کیونکہ اپنی پھوپھی کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے اور اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تب بھی نکاح جائز نہیں کیونکہ بھتیجی کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں' اسی طرح خالہ اور بھانجی کا حال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ''نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر نہ اس کی بھانجی[3] پر''ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا اس لئے حرام ہے کہ اس میں قطع رحم لازم آتا ہے چنانچہ طبرانی کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے اور اگر مرد فرض کرنے کی تقدیر پر دوسری حرام نہ ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک نکاح جائز ہے مثلاً ایک عورت اور اس کے شوہر کی بیٹی کہ اگر عورت کو مرد فرض کیا جائے تو اس پر عورت کے شوہر کی بیٹی حرام نہیں اور اگر شوہر کی بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو عورت اس پر حرام ہے۔اسی طرح باندی اور اس کے مالک کی بی بی اگر بی بی کو مرد قرار دیا جائے تو باندی حرام نہیں اور اگر باندی کو مرد ٹھہرایا جائے تو بی بی حرام ہے پس ایسی دو عورتوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے البتہ امام زفر' ابن ابی لیلیٰ' حسن بصری' عکرمہ کے نزدیک اس صورت میں بھی جائز نہیں کیونکہ جب من وجہ امتناع ثابت ہو گیا تو احتیاط حرمت ہی میں ہے۔**وللجمہور قولہ تعالیٰ''واحل لکم ماوراء ذلکم''**

قولہ ومن زنی الخ عورت سے زنا کرنا موجب حرمت مصاہرت ہے۔حضرت عمرؓ' عمران بن حصینؓ' جابر بن عبداللہؓ' ابی بن کعبؓ' عائشہؓ' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ اور جمہور تابعین کا یہی مذہب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے''**من مس امراۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا و بنتھا**''امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں کیونکہ مصاہرت ایک نعمت ہے کہ اجنبیہ عورتیں امہات کے ساتھ اور اجنبی مرد آباء کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں' پس یہ نعمت فعل حرام کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی۔ جواب یہ ہے کہ وطی جو موجب حرمت مصاہرت ہے وہ بایں حیثیت نہیں کہ وہ زنا ہے بلکہ بایں حیثیت ہے کہ وہ بچہ کا سبب ہے اور بچہ میں کوئی قبح نہیں بلکہ وہ مکرم و محترم ہے تو بایں حیثیت سبب میں بھی کوئی قبح نہیں ہوگا۔

قولہ واذا طلق الخ اگر اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دے دی تو عدت گزرنے سے پہلے اس کی بہن سے شادی کرنا حرام ہے۔ حضرت علیؓ' ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' زید بن ثابت وغیرہم اسی کے قائل ہیں۔امام شافعیؒ' امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اگر اس کی عدت تین طلاقوں کی یا طلاق بائن کی ہو تو اس کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں نکاح بالکل ختم ہو چکا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ حرمت کا علم

---

[1] صحیحین عن ابن عباسؓ' ائمہ ستہ غیر ابن ماجہ عن عائشہؓ (بالفاظ) ۱۲ [2] ہذا الحدیث غریب نعم فی ہذا الباب احادیث اخر ۱۲ [3] صحاح غیر ابن ماجہ' ابن حبان' ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرہ' طبرانی' عن ابن عباس ۱۲۔

رکھتے ہوئے اس سے صحبت کرے تو حد واجب ہے "ولنا ماروی ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یجتمعوا علی شئی کا جتما عهم علی اربع قبل الظهروان لاتنکح امرأة فی عدة اختها ." نیز نکاح بالکل ختم نہیں ہوا کیونکہ اس کے احکام باقی ہیں مثلاً نان نفقہ کا واجب ہونا' عورت کے حق میں خروج کا ممنوع ہونا' فراش کا قائم ہونا وغیرہ۔ رہا حد کا واجب ہونا سو اول تو ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اس پر حد واجب ہے جیسا کہ مبسوط کی کتاب الطلاق میں اس کی طرف اشارہ ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو وجہ یہ ہے کہ عورت کی حلیت کے لحاظ سے مرد کی ملکیت زائل ہو چکی اس لئے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے زنا متحقق ہو گیا لیکن امور مذکورہ لحاظ سے ملکیت باقی ہے اس لئے اس کی بہن کے ساتھ نکاح کرنے سے جامع الاختین ہوگا۔ حاصل آنکہ یہاں من وجہ نکاح ختم ہو گیا اور من وجہ باقی ہے۔

قوله تزویج الکتابیات الخ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب الخ لیکن آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح جائز نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" نیز حدیث میں ہے "ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرو' جو تم اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو' بجز اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ" فتح القدیر میں ہے کہ آفتاب پرست' ستارہ پرست' صورت پرست معطلہ' زندیق' باطنیہ اور اباجیہ سب بت پرست ہیں۔

قوله تزویج الصابیات الخ امام صاحب کے نزدیک صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ اختلاف اس بات پر مبنی ہے کہ فرقہ صابیہ اہل کتاب میں سے ہے یا نہیں؟ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ بت پرستوں میں داخل ہے کیونکہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ امام صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ زبور کو مانتے ہیں ستاروں کی پرستش نہیں کرتے بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسی اشتباہ کی وجہ سے صاحب کتاب کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی نبی اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں تو ان سے نکاح درست ہے ورنہ درست نہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَجُوْزُ	لِلْمُحْرِمِ	وَالْمُحْرِمَةِ	اَنْ	يَّتَزَوَّجَا	فِيْ	حَالَةِ	الْاِحْرَامِ
جائز ہے	محرم مرد	اور محرمہ عورت کے لئے	یہ کہ	نکاح کریں وہ	احرام	کی حالت	میں

بحالت احرام نکاح کرنے کا بیان

تشریح الفقه **قوله ویجوز** الخ جو عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو تو احناف کے نزدیک اس سے احرام کی حالت میں نکاح کرنا جائز ہے۔ عورت کا ولی اور نکاح کرنے والا محرم ہو یا حلال' حضرت ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ' انس بن مالکؓ اسی کے قائل ہیں۔ صاحب نہر الفائق نے جو نکاح محرمہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے یہ لائق التفات نہیں البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ روایت ہے "لاینکح المحرم ولا ینکح[1]" ہماری دلیل یہ ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا تھا[2]"

سوال حضرت ابن عباسؓ سے طبرانی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا۔ جواب خود حافظ طبرانی ہی نے حضرت ابن عباسؓ سے پندرہ طرق کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ محرم تھے اس کے بعد کہا ہے "هذا هو الصحیح" سوال یزید بن اصم نے خود حضرت میمونہؓ کا قول روایت کیا ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا تھا[3]" جواب یزید بن اصم کی روایت کا وہ درجہ نہیں ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا ہے کیونکہ وہ ائمہ ستہ کی متفق علیہ

[1] الجماعۃ غیر البخاری' ابن حبان عن عثمان بن عفان ۱۲۔ [2] ائمہ ستہ عن ابن عباس' دار قطنی عن ابی ہریرہ' بزار عن عائشہ ۱۲۔ [3] مسلم' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن میمونہ ۱۲

روایت ہے بخلاف یزید بن اصم کی روایت کے کہ اس کو نہ امام بخاری نے لیا ہے نہ امام نسائی نے' نیز حفظ واتقان میں یزید بن اصم حضرت ابن عباسؓ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ سوال جن راویوں میں 'وھو محرم'' کے الفاظ ہیں ان کا مطلب بقول ابن حبان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارض حرم میں داخل تھے نہ یہ کہ محرم تھے جیسے کہا جاتا ہے ''انجد' اذا دخل نجدا' اتھم ''ما دخل تھامۃ قال الشاعر؎

قتلوا ابن عفان الخلیفۃ محرما ودعا فلم ارمثلہ مخذولا

جواب اول تو یہ تاویل صحاح جوہری کے خلاف ہے صحاح میں ہے احرم الرجل اذا دخل فی الشھر الحرام' موصوف نے شعر مذکور سے اسی معنی پر استدلال کیا ہے۔ دوم یہ کہ امام بخاری کی حدیث 'تزوجھا وھو محرم و بنی لھا وھو حلال'' کے بعد یہ تاویل بے سود بلکہ مردود ہے۔ خلاصہ کلام آنکہ جو حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو بحالت احرام روایت کرنے والے ہیں وہ اہل علم ہیں' اثبت ہیں' افقہ ہیں' تام الضبط ہیں' صاحب امانت ہیں جیسے سعید بن جبیر' عطاء طاؤس' مجاہد' عکرمہ' جابر بن زید وغیرہم۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو حضرت عائشہؓ کی تائید بھی حاصل ہے لہذا اسی کا اعتبار ہوگا۔

وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِرِضَائِهَا وَاِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ
منعقد ہو جاتا ہے عاقل' بالغ' آزاد عورت کا نکاح اس کی رضا مندی سے اگرچہ نہ کیا ہو اس کے ولی نے امام صاحب کے

بِكْرًا كَانَتْ اَوْثَيِّبًا وَقَالَا لَايَنْعَقِدُ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيٍّ وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ
نزدیک کنواری ہو یا شوہر دیدہ' صاحبین کہتے ہیں کہ منعقد نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت سے جائز نہیں ولی کے لئے مجبور کرنا کنواری بالغ

الْعَاقِلَةِ وَاِذَا اسْتَاْذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْضَحِكَتْ اَوْبَكَتْ بِغَيْرِ صَوْتٍ فَذٰلِكَ اِذْنٌ مِنْهَا
عاقل کو' جب کنواری سے اجازت چاہی ولی نے وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا رو دی بلا آواز تو یہ اجازت ہے اس کی طرف

وَاِنِ اسْتَاْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِّضَائِهَا بِالْقَوْلِ وَاِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْحَيْضَةٍ
سے اگر اجازت چاہی شوہر دیدہ سے تو ضروری ہے اس کی رضا کہہ دینے کے ساتھ' جب زائل ہو جائے لڑکی کا کنوار پن کودنے یا حیض آنے سے

اَوْجِرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِيْسٍ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْاَبْكَارِ وَاِنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِالزِّنَا فَهِيَ كَذٰلِكَ عِنْدَ
یا زخم ہونے یا مدت تک بیٹھی رہنے کے باعث تو وہ کنواریوں کے حکم میں ہے اور اگر زائل ہو کنوار پن زنا کے باعث تب بھی وہ کنواری ہی ہے

اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هِيَ فِيْ حُكْمِ الثَّيِّبِ وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ
امام صاحب کے نزدیک صاحبین کہتے ہیں کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے شوہر نے کہا باکرہ سے

بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ لَابَلْ رَدَدْتُّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ
کہ تجھے نکاح کی خبر ملی اور تو خاموش رہی اس نے کہا نہیں میں نے تو انکار کر دیا تھا تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی اور قسم نہیں لی جائے گی

فِي النِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِيْهِ وَيَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ
نکاح میں امام صاحب کے نزدیک صاحبین کہتے ہیں کہ قسم لی جائے گی' منعقد ہو جاتا ہے نکاح لفظ نکاح' تزویج'

وَالتَّمْلِيْكِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْاِجَارَةِ وَالْاِعَارَةِ وَالْاِبَاحَةِ
تملیک' ہبہ اور صدقہ سے اور منعقد نہیں ہوتا لفظ اجارہ' اعارہ اور اباحت سے۔

باکرہ وثیبہ کے احکام

توضیح اللغۃ بکر۔ کنواری لڑکی' ثیب ۔شوہر سے جدا شدہ عورت' اجبار۔ زبردستی کرنا' بکت' بکاء۔ رونا' صوت۔ آواز' وثبۃ ۔کودنا' جراحۃ ۔ زخم' تعنیس ۔بلوغ کے بعد دیر تک بلاشادی رہنا' ابکار۔ جمع بکر۔

تشریح الفقہ **قولہ وینعقد** الخ آزاد' عاقلہ' بالغہ عورت کا نکاح امام صاحب کے نزدیک ولی کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔[1] صاحبین کے نزدیک ولی کی رضا پر موقوف ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ولی کی رضا کے بغیر عورتوں کو نکاح کا اختیار ہی نہیں کیونکہ حدیث میں ہے "لانکاح الابولی[2]" ہماری دلیل یہ ہے کہ آیات قرآنی سے عورتوں کے لئے نکاح کا اختیار ثابت ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ "لاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن" "حتی تنکح زوجا غیرہ" فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن** "نیز صحیح مسلم میں مرفوع حدیث ہے کہ "بیوہ عورت اپنی ذات کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اپنے ولی کے" معلوم ہوا کہ بالغہ عورت پر ولی کو جبر کا حق نہیں بلکہ وہ خودمختار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مکلفہ کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا نکاح ولی کی رضا پر رکھے تاکہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو۔ رہا امام شافعی وامام مالک کا مستدل ۔سو اول تو امام بخاری اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ اشتراط ولی کے باب میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں جس کی تفصیل زیلعی وغیرہ میں موجود ہے اور اگر صحت تسلیم کر لی جائے تو حدیث میں کمال کی نفی مقصود ہے نہ جواز کی۔

قولہ اجبار البکر الخ عاقلہ بالغہ عورت کو اس کا ولی نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ عاقلہ بالغہ ہونے کی وجہ سے ولایت اجبار ساقط ہو جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ "ایک باکرہ لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد نے میری شادی ایسی جگہ کر دی کہ وہ مجھے ناپسند ہے آپ نے اسے اختیار دیا[3]" نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے[4]" اس روایت کا عموم واضح دلیل ہے کہ بالغہ باکرہ پر کسی کو ولایت اجبار نہیں نہ باپ کو اور نہ کسی اور کو' احناف' امام ثوری' اوزاعی' حسن بن حی' ابوثور' ابوعبید سب اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی ان ادلہ کے عموم ومنطوق کو چھوڑ کر "**الثیب احق بنفسھا**" کے مفہوم کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باکرہ عورت پر بھی اجبار ہے۔ حالانکہ بقول ابن رشد مفہوم سے عموم ومنطوق اولیٰ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ سوال جب احناف "**لاتنکح البکر حتی تستاذن**" کے عموم پر عمل کرتے ہیں تو پھر باکرہ صغیرہ پر ولایت اجبار کے کیوں قائل ہیں؟ جواب اس لئے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کی کمسنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا' **فکان ذلک مستثنی من العموم**۔

قولہ واذا استاذنھا الخ باکرہ بالغہ عورت کے ولی نے اس سے نکاح کی اجازت چاہی اور وہ خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بلا آواز رو پڑی تو اس کا یہ عمل رضا کی دلیل ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں "**سکوتھا اذنھا[5]**" اور سکوت کی بہ نسبت ہنسنے کی دلالت رغبت کے اظہار پر زیادہ ہے۔ اس لئے ضحک سکوت کے ساتھ لاحق ہے۔

قولہ واذا قال الزوج الخ زوجین میں اختلاف ہوا' شوہر کہتا ہے کہ تجھے نکاح کی خبر ملی تو خاموش رہی' بیوی کہتی ہے نہیں' میں نے تو رد کر دیا تھا اور بینہ کسی کے پاس نہیں تو اس صورت میں عورت کا قول معتبر ہوگا۔ امام صاحب کے نزدیک بلاقسم اور صاحبین کے نزدیک عورت کی قسم کے

---

[1] وفی الھدایۃ ابویوسف مع ابی حنیفۃ فی ظاہر الروایۃ [2] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن ابی بردہ' حاکم عن الاشعری' ابن ماجہ دارقطنی عن عائشہؓ وابن عباس' طبرانی عن ابی عباس وجابر وابن مسعود' عبدالرزاق عن عمران بن حصین' ابن عدی عن علی وانس وابی ہریرہ ۱۲۔ [3] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد عن ابن عباس' دارقطنی عن جابر وابن عمر وابن عباس (فی معناہ) نسائی' احمد عن عائشہ (فی معناہ) ابن ماجہ عن بریدہ ۱۲۔ [4] ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [5] صحیحین عن عائشہ (واللفظ للبخاری) ائمہ ستہ عن ابی ہریرہ ۱۲۔

ساتھ کنزوغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وینعقد النکاح الخ نکاح ہر اس لفظ سے ہو جاتا ہے جو اس کے لئے صراحۃً موضوع ہو۔ جیسے نکاح، انکاح، تزویج یا بالفعل عین شئی کی تملیک کیلئے موضوع ہو جیسے بیع، شراء، ہبہ، تملیک، صدقہ، جعل، عطیہ وغیرہ پس اعارہ اور اجارہ سے نہ ہوگا کیونکہ یہ تملیک عین متعہ کے لئے موضوع نہیں بلکہ تملیک منفعت کے لئے موضوع ہیں۔

وَيَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ اِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ اَوْثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ

جائز ہے چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا نکاح جب کیا ہو ان کے ولی نے کنواری ہو لڑکی یا ثیبہ اور ولی

هُوَالْعَصَبَةُ فَاِنْ زَوَّجَهُمَا الْاَبُ اَوِالْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَاِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ

عصبہ ہوتا ہے اگر شادی کی ان کی باپ یا دادا نے تو اختیار نہ ہو گا ان کو بالغ ہونیکے بعد اور اگر شادی کی

الْاَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَا وِلَايَةَ

باپ اور دادا کے علاوہ نے تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہو گا چاہے نکاح پر رہیں چاہے فسخ کر دیں، کوئی ولایت نہیں

لِعَبْدٍ وَلَا صَغِيْرٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ وَّلَا لِكَافِرٍ عَلٰى مُسْلِمَةٍ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ يَجُوْزُ لِغَيْرِالْعَصَبَاتِ

غلام، بچے، دیوانے اور کافر کو مسلمان عورت پر، امام صاحب فرماتے ہیں کہ جائز ہے رشتہ داروں میں سے

مِنَ الْاَقَارِبِ التَّزْوِيْجُ مِثْلَ الْاُخْتِ وَالْاُمِّ وَالْخَالَةِ وَمَنْ لَّاوَلِيَّ لَهَا اِذَازَوَّجَهَا مَوْلَاهَا

غیر عصبات کو شادی کر دینا جیسے بہن، ماں اور خالہ، جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اور اس کی شادی کر دے وہ آقا

الَّذِیْ اَعْتَقَهَا جَازَ وَاِذَاغَابَ وَلِيُّ الْاَقْرَبِ غَيْبَةً مُّنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ اَنْ

جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ جائز ہے، جب غائب ہو قریبی ولی بغیبت منقطعہ تو جائز ہے اس سے دور کے ولی کے لئے یہ کہ

يُّزَوِّجَهَا وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَّكُوْنَ فِیْ بَلَدٍ لَّا تَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِی السَّنَةِ اِلَّامَرَّةً وَّاحِدَةً

وہ اس کی شادی کر دے، غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے نہ پہنچ پاتے ہوں سال بھر میں مگر ایک مرتبہ

اولیاء نکاح کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ھو العصبۃ الخ باب نکاح میں ولی وہی ہوتا ہے جو باب وراثت میں عصبہ بنفسہ ہوتا ہے یعنی لڑکا، پوتا، پڑپوتا الخ پھر باپ، دادا، پردادا، پھر بھائی پھر چچا پھر اعمام الجد پھر مولیٰ کے عصبات پھر ذوی الارحام، امام مالکؒ کے ہاں باپ کے علاوہ اور امام شافعیؒ کے ہاں باپ اور دادا کے علاوہ اور کسی کے لئے ولایت نکاح نہیں ہے۔

قولہ وان زوجھما الخ اگر بچہ یا بچی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا تو بلوغ کے بعد ان کو اختیار ہوگا کہ نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرادیں۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ اختیار نہیں ہے۔ وہ باپ اور دادا پر قیاس کرتے ہیں، طرفین یہ فرماتے ہیں کہ باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء میں اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی باپ دادا میں ہوتی ہے پس اگر ان کے عقد کو لازم قرار دیا جائے تو ان کے مقاصد میں خلل واقع ہو جائے گا۔

قولہ واذا غاب الخ اگر قریب کا ولی بغیبت منقطعہ غائب ہو جائے تو اس سے دور کے ولی کے لئے نکاح کر دینا جائز ہے اب اگر اس کے بعد قریبی ولی آجائے تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی کامل ولایت سے ہوا ہے پھر غیبت منقطعہ صاحب کتاب کے نزدیک یہ

ہے کہ وہ اتنی دور ہو کہ وہاں سال بھر میں ایک دفعہ سے زیادہ قافلے نہ پہنچتے ہوں لیکن مصفی، فتاوی کبری، کنز، زیلعی وغیرہ میں ہے کہ ولی اقرب کا بقدر مسافت سفر شرعی دور ہونا معتبر ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ محمد حنیف گنگوہی

وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ فَإِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ كُفُوءٍ فَلِلْأَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَهُمَا
ہمسری معتبر ہے نکاح میں پس جب شادی کرے عورت غیر کفو میں تو اولیاء کو حق ہے اس بات کا کہ وہ جدائی کرا دیں ان میں

وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ وَالدِّيْنِ وَالْمَالِ وَ هُوَاَنْ يَكُوْنَ مَالِكًا لِّلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَ تُعْتَبَرُ
کفائت معتبر ہے نسب میں دین میں مال میں اور وہ یہ ہے کہ مالک ہو شوہر مہر کا اور نان نفقہ کا اور معتبر ہے

فِي الصَّنَائِعِ وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَّهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا
پیشوں میں جب شادی کی عورت نے اور کم کر لیا مہر اپنے مہر مثل سے تو اولیاء کو حق ہے اس پر اعتراض کرنے کا

عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُتِمَّ لَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اَوْيُفَارِقُهَا وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ اِبْنَتَهُ
امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ مہر مثل پورا کر دے یا اس سے جدا ہو جائے جب شادی کی باپ نے اپنی چھوٹی

الصَّغِيْرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَّهْرِ مِثْلِهَا اَوِابْنَهُ الصَّغِيْرَ وَزَادَ فِيْ مَهْرِ امْرَأَتِهٖ جَازَ ذٰلِكَ
لڑکی کی اور کم کر دیا اس کے مہر مثل سے یا شادی کی اپنے چھوٹے لڑکے کی اور بڑھا دیا اس کی بیوی کا مہر تو یہ جائز ہے

عَلَيْهِمَا وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ
ان دونوں کے حق میں اور جائز نہیں یہ باپ اور دادا کے سوا اور کے لئے

کفاءت (ہمسری) کا بیان

تشریح الفقہ والکفاءۃ فی النکاح الخ نکاح میں کفاءت (ایک مخصوص برابری) معتبر ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے بخلاف مرد کہ وہ طالب فراش ہوتا ہے جس کے لئے کمتری فراش باعث عار نہیں پھر کفاءت کرنے اولیاء کا حق ہے نہ کہ عورت کا پس اگر وہ غیر کفو میں شادی کرلے تو اولیاء ان میں تفریق کرا سکتے ہیں۔

قولہ والکفاءۃ تعتبر الخ صاحب کتاب نے صرف چار چیزوں میں ہمسری ذکر کی ہے۔ ۱۔ نسب کیونکہ لوگ نسب پر فخر کرتے ہیں پس قریش آپس میں ایک دوسرے کے ہمسر ہیں ہاشمی ہوں یا نوفلی یا عدوی اور قریش کے سوا باقی عرب ایک دوسرے کے برابر ہیں مگر عجمی لوگ عربوں کے ہمسر نہیں ۲۔ دین کیونکہ دینداری سب سے زیادہ قابل فخر ہے پس صالح عورت فاسق و فاجر مرد میں کفاءت نہ ہوگی یہی صحیح ہے۔ امام محمد کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ اخروی امور سے متعلق ہے الا یہ کہ وہ اتنا ذلیل ہو کہ بچے اس پر تالیاں بجاتے ہوں۔ ۳۔ مال یعنی شوہر بطور رواج مہر معجل اور نفقہ پر قادر ہو۔ ۴۔ صنائع یعنی پیشہ میں مساوات ہو کیونکہ لوگ شریف پیشوں پر بھی فخر کرتے ہیں پس خاکروب سنار کا، بالبر جوہری کا، دباغ بزاز کا، تیلی عطار کا کفو نہیں۔ ظاہر الروایہ یہی ہے لیکن حلوانی نے امام ابو یوسف کی روایت پر فتویٰ دیا ہے کہ پیشے متقارب ہوں تو تھوڑے سے تفاوت کا اعتبار نہیں۔ بعض نے حریت اور اسلام میں بھی کفاءت ذکر کی ہے۔ وقد ذکر الحموی کلھا فی بیتین۔

ان الکفاءۃ فی النکاح تکون فی
ست لھا بیت بدیع قد ضبط
نسب و اسلام کذلک حرفۃ
حریۃ ودیانۃ مال فقط

وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَاِنْ لَمْ يُسَمَّ فِيهِ مَهْرًا وَاَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَاِنْ سَمّٰى اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ
صحیح ہے نکاح اگرچہ مہر نہ ٹھہرایا ہو مہر کی کمتر مقدار دس درہم ہیں اگر دس درہم سے کم مہر ٹھہرایا

فَلَهَا عَشَرَةٌ وَاِنْ سَمّٰى عَشَرَةً فَمَازَادَ فَلَهَا الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْمَاتَ عَنْهَا فَاِنْ طَلَّقَهَا
تو عورت کو دس ہی ملیں گے اور اگر دس یا اس سے زائد ٹھہرائے تو اس کو مقرر کردہ ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا' اور اگر اس کو طلاق دے دی

قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْتَزَوَّجَهَا
صحبت اور خلوت سے پہلے تو عورت کو مہر مسمّی کا آدھا ملے گا' اگر عورت سے شادی کی اور مہر نہیں ٹھہرایا یا شادی کی

عَلٰى اَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْمَاتَ عَنْهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ
اس شرط پر کہ اس کے لئے مہر نہ ہو گا تو اس کو مہر مثل ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا اور اگر اس کو طلاق دے دی صحبت

بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَ هِيَ ثَلٰثَةُ اَثْوَابٍ مِّنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَ هِيَ دِرْعٌ وَّ خِمَارٌ وَ مِلْحَفَةٌ
یا خلوت سے پہلے تو اس کو متعہ ملے گا اور متعہ تین کپڑے ہیں اس کی پوشاک کے مانند اور وہ کرتی اور اوڑھنی اور چادر ہے

وَاِنْ تَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْخِنْزِيْرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَّلَهَا مَهْرُمِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ
اگر مسلمان نے شادی کی شراب یا خنزیر پر تو نکاح جائز ہے اور عورت کو مہر مثل ملے گا' اگر شادی کی اور مہر نہیں

لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْمَاتَ عَنْهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ
ٹھہرایا پھر دونوں راضی ہو گئے مہر کی کسی مقدار پر تو اس کو وہی ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا اور اگر صحبت یا

الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَاِنْ زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ اِنْ دَخَلَ بِهَا
خلوت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کو متعہ ملے گا' اگر مہر بڑھا دیا عقد کے بعد تو لازم ہو گا شوہر پر اضافہ اگر صحبت کر لی

اَوْمَاتَ عَنْهَا وَ تَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَاِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَّهْرِهَا صَحَّ
یا مر گیا اور ساقط ہو جائے گا اضافہ صحبت سے قبل طلاق دے دینے سے اگر عورت نے شوہر سے کچھ مہر کم کر دیا تو کم کرنا

الْحَطُّ وَاِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَاَتِهٖ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِّنَ الْوَطْئِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ
صحیح ہے جب تنہائی اختیار کی شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ اور وہاں کوئی مانع نہ تھا وطی کرنے سے پھر اس کو طلاق دے دی تو عورت کو پورا

الْمَهْرِ وَ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضًا اَوْصَائِمًا فِيْ رَمَضَانَ اَوْ مُحْرِمًا بِحَجٍّ
مہر ملے گا اور اس پر عدت بھی ہو گی اور اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو یا روزہ دار ہو رمضان میں یا حج یا عمرہ کا

اَوْعُمْرَةٍ اَوْكَانَتْ حَائِضًا فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَاَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا
احرام باندھے ہو یا عورت حائضہ ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہے' جب خلوت کی مقطوع الذکر نے اپنی بیوی کے ساتھ پھر طلاق

فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْحَنِيْفَةَ وَيُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلَّا لِمُطَلَّقَةٍ وَّاحِدَةٍ
دے دی تو پورا مہر ملے گا امام صاحب کے نزدیک' مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے سوائے ایک مطلقہ کے

وَهِيَ الَّتِيْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا
اور وہ وہ عورت ہے جس کو صحبت سے پہلے طلاق دے دی اور اس کے لئے مہر نہیں ٹھہرایا

مہر کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ويصح النكاح الخ نکاح صحیح ہے گو مہر ذکر نہ کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو کیونکہ نکاح عقد انضمامی کا نام ہے جس کے لغوی مفہوم میں مال داخل نہیں۔ آیت "لاجناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن اوتفرضوا لهن فريضه" سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بالا تقدیر مہر طلاق کا تحقیق ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ طلاق کا ترتب عقد صحیح پر ہی ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحت نکاح ذکر مہر پر موقوف نہیں پھر شرعاً مہر واجب ہے۔ لقوله تعالى "ان تبتغوا باموالكم۔"

قولہ واقل المهر الخ مہر کی کمتر مقدار ہمارے لئے دس درہم' امام مالک کے نزدیک ربع دینار یا تین درہم' ابن شبرمہ کے نزدیک پانچ درہم' ابراہیم نخعی کے نزدیک چالیس درہم' سعید بن جبیر کے نزدیک پچاس درہم ہیں۔ امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہی نکاح میں مہر بن سکتی ہے کیونکہ مہر عورت کا حق ہے پس جس مقدار پر وہ راضی ہو جائے وہی مہر ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مہر دس درہم سے کمتر نہیں ہے[1]" یہ روایت کثرت طرق کی وجہ سے درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہے اس لئے لائق حجت ہے۔

قولہ ولم يسم لها الخ اگر بوقت عقد مہر ذکر نہ کیا ہو یا اس کی نفی کر دی ہو تو عورت کو مہر مثل ملے گا اگر شوہر نے وطی کر لی ہو یا مر گیا ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ سے سوال ہوا کہ ایک شخص نکاح کے بعد دخول سے پہلے مہر مقرر کئے بغیر انتقال کر گیا تو اس کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: مہر مثل دیا جائے گا۔ اس پر حضرت معقل بن سنان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے لئے یہی حکم فرمایا تھا[2]۔ اور اگر وطی سے پہلے طلاق دے دے تو عورت کو متعہ یعنی قمیص' چادر' اوڑھنی دی جائے گی۔ حضرت عائشہؓ وابن عباسؓ سے متعہ کی یہی مقدار مروی ہے[3] جو ہمارے نزدیک واجب ہے۔ لقوله تعالى "ومتعوهن على الموسع قدره و على المقتر قدره اه" امام مالک کے نزدیک متعہ مستحب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو احسان سے تعبیر کیا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں متعوا۔ امر' کلمہ علیٰ' متاعاً مصدر مؤکد اور لفظ حقاً سب وجوب پر دال ہیں اس لئے محسنین میں تاویل کی جائے گی۔ ای يقيمون الواجب و يزيدون على ذلك احسانامنهم"

قولہ واذا خلا الزوج الخ خلوت صحیحہ وطی کے حکم میں ہے کہ جس طرح وطی سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے اور نان نفقہ کی ادائیگی اور عدت واجب ہوتی ہے اسی طرح خلوت صحیحہ سے یہ چیز لازم ہو جاتی ہیں گو شوہر مقطوع الذکر یا نامرد ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے بیوی کی اوڑھنی کھولی یا اس پر نظر کی تو اس پر مہر واجب ہو گیا' دخول ہوا یا نہ ہو[4]" مگر صحت خلوت کے لئے موانع اربعہ کا نہ ہونا شرط ہے۔ ۱۔ مانع حسی جیسے ان میں سے کوئی بیمار ہو۔ ۲۔ مانع طبعی جیسے زوجین کے درمیان کسی تیسرے عاقل شخص کا حائل ہونا۔ ۳۔ مانع شرعی جیسے فرض یا نفلی حج کا احرام باندھے ہونا۔ ۴۔ شرعی وطبعی جیسے حائضہ یا نافسہ ہونا۔

قولہ ويستحب الخ مطلقات چار ہیں۔ ۱۔ مفوضہ جس کا نکاح بلا مہر ہوا اور وطی سے پہلے طلاق ہو گئی ہو اس کے لئے متعہ واجب ہے۔ ۲۔ مطلقہ موطوءہ جس کا مہر معین ہو۔ ۳۔ یا معین نہ ہو' ان دونوں کے لئے متعہ مستحب ہے۔ ۴۔ مطلقہ غیر موطوءہ جس کا مہر معین ہو اس کے لئے متعہ نہ واجب ہے نہ مستحب ہے۔ مبسوط' محیط' حصر تاویلات سب میں یہی ہے۔ یہی صاحب تیسیر' صاحب کشاف' صاحب مختلف کی روایت ہے لیکن صاحب کتاب اور تحفہ کے لحاظ سے مطلقہ ۴۔ کے لئے بھی متعہ مستحب ہے۔

---

[1] دار قطنی' بیہقی' ابن عدی عن جابر ۱۲۔ [2] ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' حاکم' بیہقی' احمد' ابن حبان' ابن ابی شیبہ عن ابن مسعود ۱۲۔ [3] بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔ [4] دار قطنی ۱۲۔

وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهٗ عَلٰی اَنْ یُّزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ اَوِبْنَتَهٗ لِیَکُوْنَ اَحَدُالْعَقْدَیْنِ

جب شادی کی کسی نے اپنی لڑکی کی اس شرط پر کہ وہ اس کی شادی کرے گا اپنی بہن یا لڑکی سے تاکہ ہو جائے احد العقدین

عِوْضًا عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِکُلٍّ وَّاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ

عوض دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا' اگر شادی کی کسی آزاد نے

امْرَاَةً عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً اَوْ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ حُرَّةً بِاِذْنِ

کسی عورت سے اپنی یک سالہ خدمت پر یا تعلیم قرآن پر تو عورت کو مہر مثل ملے گا' اگر کسی غلام نے شادی کی آزاد عورت سے

مَوْلَاهُ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ وَاِذَا اجْتَمَعَ فِی الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِیُّ

اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ یک سالہ خدمت پر تو جائز ہے اور عورت کو خدمت لینے کا حق ہوگا' جب جمع ہو دیوانی عورت کا باپ اور اس کا بیٹا تو اس کے نکاح

فِیْ نِکَاحِهَا ابْنُهَا عِنْدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَبُوْهَا وَلَا یَجُوْزُ نِکَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ اِلَّا

کا ولی اس کا بیٹا ہے شیخین کے نزدیک امام محمد کہتے ہیں کہ اس کا باپ ہے' جائز نہیں غلام اور باندی کا نکاح مگر

بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَیْنٌ فِیْ رَقَبَتِهٖ یُبَاعُ فِیْهِ وَاِذَا زَوَّجَ

ان کے آقا کی اجازت سے' جب شادی کر لی غلام نے آقا کی اجازت سے تو مہر قرض ہوگا اس کی گردن میں کہ اس میں بیچ دیا جائے گا' اگر نکاح کر دیا

الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ فَلَیْسَ عَلَیْهِ اَنْ یُّبَوِّئَهَا بَیْتًا لِّلزَّوْجِ وَلٰکِنَّهَا تَخْدِمُ الْمَوْلٰی وَ یُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰی

آقا نے اپنی باندی کا تو اس پر لازم نہیں کہ شب باشی کرائے شوہر کو ہاں وہ آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب

ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً عَلٰی اَلْفِ دِرْهَمٍ[1] عَلٰی اَنْ لَّایُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ اَوْ

تیرا موقع لگے صحبت کر لے' شادی کی عورت نے ایک ہزار پر اس شرط پر کہ اس کو شہر سے باہر نہ لے جائے گا یا

عَلٰی اَنْ لَّایَتَزَوَّجَ عَلَیْهَا امْرَاَةً فَاِنْ وَّ فٰی بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰی[2] وَاِنْ تَزَوَّجَ عَلَیْهَا اَوْاَخْرَجَهَا

اس کے ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح نہ کرے گا سو اگر شوہر نے شرط پوری کی تو عورت کو مہر مسمی ملے گا اور اگر کسی اور عورت سے شادی کر لی یا اس کو

مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰی حَیَوَانٍ غَیْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِیَةُ وَلَهَا

شہر سے باہر لے گیا تو اس کو مہر مثل ملے گا اگر عورت سے شادی کی کسی غیر موصوف جانور پر تو یہ مقرر کرنا صحیح ہے اب عورت

الْوَسَطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا ذٰلِکَ وَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا قِیْمَتَهٗ وَلَوْتَزَوَّجَهَا

کو درمیانی جانور ملے گا اور شوہر کو اختیار ہو گا چاہے عورت کو وہی دے چاہے اس کی قیمت دے اگر عورت سے شادی

عَلٰی ثَوْبٍ غَیْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

کی کسی غیر موصوف کپڑے پر تو عورت کو مہر مثل ملے گا

تشریح الفقہ قولہ اذا زوج الرجل الخ ایک شخص نے کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرے گا اور ایک عقد دوسرے عقد کا عوض ہوگا' اس کو عقد شغار کہتے ہیں۔ اس میں ہمارے نزدیک دونوں عقد صحیح ہوتے ہیں اور ہر ایک کو مہر مثل ملتا

[1] مجاہ ہسمی نہایۃ - یرا اقل من مهر المثل' اجوہرہ ۔ [2] لانہ صح مہرا وقد تم رضائها بہ ۱۲۔

ہے' سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار[1] سے منع فرمایا ہے' پھر صحت عقد کا کیا مطلب؟ جواب ممانعت اس لئے ہے کہ اس میں مہر نہیں ہوتا اور یہاں جب مہر مثل واجب کر دیا گیا تو حقیقت میں شغار نہ رہا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہیں کیونکہ ان میں نصف بضع مہر اور نصف بضع منکوح ہوتا ہے حالانکہ باب نکاح میں اشتراک ہوتا ہی نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں ایسی شئی کو مہر بنایا جاتا ہے جس میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں اور ایسی صورت میں عقد باطل نہیں ہوتا بلکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے جیسے کوئی شخص مہر میں شراب یا خنزیر معین کر دے کہ اس کی تعیین باطل ہوتی ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

قولہ وان تزوج حرّ الخ اگر شوہر کا سال بھر خدمت کرنا یا قرآن کی تعلیم دینا مہر ٹھہرا ہو تو شوہر عورت کی خدمت نہیں کرے گا کیونکہ اس میں قلب موضوع ہے بلکہ مہر مثل دیا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک مہر وہی ہوگا جو معین کیا گیا ہے۔ ان کے ہاں اصل یہ ہے کہ بذریعہ شرط جس چیز کا عوض لینا صحیح ہو اس کا مہر ہونا صحیح ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ طلب نکاح بذریعہ مال ضروری ہے۔ لقولہ تعالیٰ ''ان تبتغوا باموالکم'' اور تعلیم قرآن یا خدمت مال نہیں ہے لہذا مہر مثل واجب ہوگا۔ ہاں اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا ہو اور خدمت کو مہر مقرر کر لیا ہو تو عورت اس سے خدمت لے سکتی ہے کیونکہ اب عورت کی خدمت کرنا گویا آقا کی خدمت کرنا ہے۔

قولہ ولایجوز نکاح العبد الخ عدم جواز سے مراد عدم نفاذ ہے یعنی ہمارے نزدیک غلام یا باندی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا اس کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک غلام کا نکاح جائز ہے کیونکہ جب وہ طلاق کا مالک ہے تو نکاح کا بھی مالک ہوگا۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ عاہر یعنی زانی ہے[2]''

قولہ واذا زوج المولیٰ الخ اگر آقا نے اپنی باندی کا نکاح کر دیا تو آقا پر شوہر کے گھر میں باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور جب شوہر کو موقعہ ملے وطی کر لے گا کیونکہ آقا اس کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا مالک ہے لہذا اس کا حق قوی تر ہے اور شب باشی لازم ہونے میں اس کا حق باطل ہوتا ہے۔

قولہ علی حیوان الخ ایک شخص نے مہر میں کوئی حیوان معین کیا اور اس کی صرف جنس معین کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یوں کہا کہ میں گھوڑے پر نکاح کرتا ہوں تو شوہر کو اختیار ہوگا چاہے درمیانی قسم کا وہی جانور دے دے اور چاہے اس کی قیمت دے اور اگر مہر مجہول الجنس ہو مثلاً یوں کہے کہ میں کپڑے پر نکاح کرتا ہوں تو امام صاحب کے نزدیک تسمیہ صحیح نہیں لہذا مہر مثل دیا جائے گا۔

وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُوَقَّتِ بَاطِلٌ

اور نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے

نکاح متعہ کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ نکاح المتعۃ** الخ عورت سے یوں کہے کہ میں دس دن تک یا ایک ماہ تک تجھ سے متعہ کرتا ہوں تو اس کو نکاح متعہ کہتے ہیں اگر یوں کہے کہ میں ایک ماہ کے لئے تجھ سے نکاح کرتا ہوں تو یہ نکاح موقت کہلاتا ہے۔ نہایہ اور معراج الدرایہ میں ان دونوں کے درمیان یوں فرق کیا جاتا ہے کہ نکاح موقت میں تو لفظ نکحت یا تزوجت ذکر کیا جاتا ہے اور متعہ میں اتمتع یا استمتع' صاحب عنایہ نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ نکاح موقت گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے اور مدت معینہ مذکور ہوتی ہے متعہ میں یہ ضروری نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ نکاح متعہ میں مقدار مہر کی تعیین لازم ہوتی ہے موقت میں لازم نہیں ہوتی لیکن اس سلسلہ میں تحقیق وہ ہے جو فتح القدیر میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح موقت متعہ کے افراد میں

[1] صحاح ستہ عن ابن عمر۔ [2] ترمذی' حاکم عن جابر' ابن ماجہ عن ابن عمر مرفوعا (فی معناہ) عبدالرزاق موقوفا وھوالصواب ۱۲۔

داخل ہے۔ بہر کیف نکاح متعہ اور نکاح موقت باتفاق ائمہ اربعہ باطل ہے کیونکہ نکاح متعہ گوایام خیبر اور ایام فتح مکہ میں مباح تھا لیکن فتح مکہ کے بعد قیامت تک حرام ہو گیا[1]۔ حضرت ابن عباسؓ شروع میں جواز متعہ کے قائل تھے مگر بعد میں آپ نے رجوع فرمالیا تھا۔ چنانچہ جامع ترمذی میں مصرح موجود ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا' حضرت! آپ کے فتویٰ تو شہرہ آفاق ہو گئے اور شعراء چٹکیاں لینے لگے۔ آپ نے دریافت کیا کیا ہوا؟ تو میں نے شاعر کے اشعار سنائے ۔

قدقلت لشیخ لما طال یا صا
ح هل لک فی فتیا ابن عباس
هل لک فی رخصة الاطراف آنسة
تکون مثواک حتی مصدر الناس

آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! بخدا میں نے تو اس کا فتویٰ نہیں دیا۔ میرے نزدیک تو متعہ بالکل ایسے ہی حرام ہے جیسے خون مردار اور خنزیر کا گوشت' امام شافعی فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کسی شئے کو حلال کر کے حرام کیا ہو اور پھر حلال کر کے حرام کر دیا ہو بجز متعہ کے۔ بہر حال اباحت نکاح متعہ باجماع صحابہ منسوخ ہے اور قیامت تک کے لئے متعہ حرام ہے۔ مضمرات میں ہے کہ جو شخص متعہ کو حلال جانے وہ کافر ہے۔ عمادیہ میں ہے کہ اگر کوئی قاضی اس کے جواز کا فیصلہ کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔ امام مالک کی طرف جو جواز متعہ منسوب ہے وہ صریح غلط ہے کیونکہ موصوف نے موطا میں اس کی حرمت کی تصریح کی ہے۔ شیعہ لوگ جو جواز متعہ کے قائل ہیں ان کے لئے حضرت علیؓ کی حدیث قابل عبرت ہے جس میں صریح ممانعت ہے اور صحیحین میں موجود ہے۔

وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهُما مَوْقُوفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمَوْلٰى جَازَوَاِنْ رَدَّهُ

غلام اور باندی کا شادی کرنا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہوتا ہے اگر آقا اس کو جائز رکھے تو جائز ہو گا اور اگر رد کر دیا

بَطَلَ وَ كَذٰلِكَ اِنْ زَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَاَةً بِغَيْرِ رَضَا هَا اَوْرَجُلًا بِغَيْرِ رَضَاهُ وَيَجُوْزُ لِابْنِ الْعَمِّ ـ اَنْ

تو باطل ہوگا' اسی طرح اگر شادی کی فضولی نے کسی عورت کی اس کی رضا کے بغیر یا کسی مرد کی اس کی رضا کے بغیر اور جائز ہے چچازاد کے لئے کہ وہ

يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهِ مِنْ نَّفْسِهِ[2] وَاِذَا اَذِنَتِ الْمَرْاَةُ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّزَوِّجَهَا مِنْ نَّفْسِهِ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ

شادی کر لے چچا کی بیٹی سے خود' جب اجازت دے دی عورت نے کسی کو اس کے ساتھ اپنی شادی کرنے کی اور اس نے عقد کر لیا دو گواہوں کی موجودگی

جَازَ[3] وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِیُّ الْمَهْرَلِلْمَرْاَةِ صَحَّ ضَمَانُهُ وَلِلْمَرْاَةِ الْخِيَارُ فِيْ مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا اَوْوَلِيِّهَا.

میں تو جائز ہے جب ضامن ہو جائے ولی مہر کا عورت کے لئے تو ضامن ہونا صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے شوہر اور ولی سے مطالبہ کرنے کا۔

---

[1] مسلم عن عبداللہ بن زبیر وایاس بن سلمہ وسبرۃ بن معبد' صحیحین عن علی وابن مسعود' ابوداؤد عن سبرہ' دار قطنی عن ابی ہریرہ وعلی ۱۲۔

[2] وقال زفر لايجوز وهذا اذا كانت صغيرة اما اذا كانت كبيرة فلا بد من الاستيذان ۱۲ جوہرہ [3] وقال زفر والشافعي لايجوز لان الواحد لايكون مملكا و متملكا الا ان الشافعي يقول في الولي ضرورة لانه لايتولاه سواه ولا ضرورة لتولي الوكيل ولنا ان الوكيل في النكاح معبر و سفير لاترجع الحقوق اليه بخلاف البيع ۱۲۔

نکاح فضولی کے احکام

تشریح الفقہ قولہ و تزویج العبد الخ اس سے پہلے جو" ولایجوز نکاح العبد والامة الا باذن مولاهما" گزرا ہے اس سے مراد خود ان کا مباشر نکاح ہونا تھا اور یہاں مباشر نکاح فضولی ہے لہذا مسئلہ میں تکرار نہیں ہے اگر کوئی فضولی کسی غلام یا باندی کا نکاح کر دے تو وہ ان کے آقا کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح اگر فضولی کسی مرد یا عورت کا نکاح ان کے حکم کے بغیر کر دے تو نکاح زوجین کی رضا پر موقوف ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں فضولی کے جملہ تصرفات باطل ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ عقد کی وضع اس کے حکم کی وجہ سے ہوتی ہے اور فضولی اثبات حکم پر قادر نہیں لہذا اس کا تصرف باطل ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول کا صدور اس کے اہل سے برمحل ہوا ہے اس لئے لغو نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ موقوف ہو جائے اور فضولی کو اثبات حکم پر قادر نہیں مگر اس کی وجہ سے حکم معدوم نہیں ہوتا صرف مؤخر ہو جاتا ہے جیسے بیع بشرط الخیار میں حکم مؤخر ہو جاتا ہے۔

قولہ و اذا اضمن الولی الخ باب نکاح میں ولی عورت کے مہر کا ضامن ہوسکتا ہے کیونکہ ولی عاقد اس باب میں سفیر محض ہوتا ہے۔ نکاح کے حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ شخص واحد کا عاقد وضامن ہونا لازم آئے۔ بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں ولی عاقد ومباشر ہوتا ہے پس اس میں ولی کا عاقد وضامن ہونا صحیح نہیں مگر صحت ضمانت کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ ولی اپنی صحت کی حالت میں ضامن ہوا گر مرض الموت میں ضامن ہوا تو یہ صحیح نہ ہوگا دوم یہ کہ اگر عورت بالغہ ہو تو وہ خود اور صغیرہ ہو تو اس کا کوئی ولی مجلس ضمان میں ولی کی ضمانت قبول کرلے۔ ان شرطوں کے ساتھ ضمانت ہو جانے کے بعد عورت کو اختیار ہے چاہے ولی ضامن سے مہر کا مطالبہ کرے اور چاہے شوہر سے لیکن اگر شوہر نابالغ ہو تو مطالبہ صرف ولی سے ہوگا۔

وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَکَذٰلِکَ
جب تفریق کر دے قاضی زوجین کے درمیان نکاح فاسد میں صحبت سے پہلے تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اسی طرح

بَعْدَ الْخَلْوَةِ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَایُزَادُ عَلَی الْمُسَمّٰی وَ عَلَیْهَا الْعِدَّةُ وَ
اگر خلوت کے بعد ہو اور اگر اس سے صحبت کر چکا تو مہر مثل ملے گا جو مہر مسمی سے زائد نہیں دیا جائے گا اور اس پر عدت ہوگی اور

یَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ وَ مَهْرُ مِثْلِهَا یُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَ بَنَاتِ عَمَّاتِهَا وَ
اس کے بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا مہر مثل کا اعتبار اس کی بہنوں پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں سے ہوتا ہے

لَایُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَکُوْنَا مِنْ قَبِیْلَتِهَا وَ یُعْتَبَرُ فِیْ مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ یَّتَسَاوٰی
اس کی ماں اور خالہ سے نہیں ہوتا جب کہ وہ اس کے خاندان کی نہ ہوں اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں اس کا

الْمَرْاَتَانِ فِی السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّیْنِ وَالنَّسَبِ وَالْبَلَدِوَالْعَصْرِ وَالْعِفَّةِ
کہ دونوں عورتیں مساوی ہوں عمر میں حسن مال میں عقل میں دین میں نسب میں شہر میں عصر میں اور پاکدامنی میں

نکاح فاسد و مہر مثل کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فی النکاح الفاسد الخ نکاح فاسد وہ ہے جس میں شروط صحت میں سے کوئی شرط مفقود ہو مثلاً زوجین کا بلا گواہ ایجاب وقبول کر لینا' نکاح میں دو بہنوں کو جمع کر لینا' ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا وغیرہ۔ یہاں نکاح فاسد کے تین احکام مذکور ہیں۔۱۔ وجوب مہر مثل بشرطیکہ وطی ہوگئی ہو کیونکہ نکاح فاسد میں نفس عقد سے مہر واجب نہیں ہوتا بلکہ استیفاء منافع بضع سے مہر واجب ہوتا ہے پس خلوت سے مہر واجب نہ ہوگا کیونکہ نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے تو اس مانع شرعی کی وجہ سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی جو وطی کے قائم مقام ہو سکے پھر مہر مثل مہر مسمّٰی سے زائد نہ ہوگا کیونکہ مہر کی کمی پر عورت خود ہی راضی ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل مہر مسمّٰی سے کم ہو تب بھی مہر مثل ہی لازم ہو گا۔۲۔ وجوب عدت اگر شوہر بغیر وطی کے مر جائے یا نکاح کو فسخ کر دے تو عورت پر طلاق کی عدت واجب ہوگی یعنی تین حیض یا تین مہینے یا وضع حمل ۔۳۔ ثبوت نسب اگرچہ شوہر کا اس کا مدعی نہ ہو۔

قولہ و مھر مثلھا یعتبر الخ مہر مثل کا اعتبار عورت کے باپ کی قوم والی عورتوں کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے باپ شریک بہنیں' پھوپھیاں' پھوپھیوں کی لڑکیاں وغیرہ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ''لھا مھر مثل نسائھا وھن اقارب الاب'' اور مماثلت نو اوصاف میں معتبر ہے۔۱۔عمر میں ۔۲۔حسن و جمال میں ۔۳۔ مال میں ۔۴۔عقل میں ۔۵۔ دیانت میں ۔۶۔نسب میں ۔۷۔شہری ہونے میں ۔۸۔ہمعصر ہونے میں ۔۹۔عفت و پاکدامنی میں اگر عورت کے باپ کی قوم میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کے ساتھ مہر مثل کا اعتبار ہوگا شرح مجمع اور برجندی میں ہے کہ اگر سب اوصاف مذکورہ باپ کی قوم میں نہ ہوں تو جس قدر موجود ہوں انہی کا اعتبار ہوگا۔شرح مجمع اور برجندی میں ہے کہ اگر سب اوصاف مذکورہ باپ کی قوم میں نہ ہوں تو جس قدر موجود ہوں انہی کا اعتبار ہوگا کیونکہ ان سب اوصاف کا دو عورتوں میں جمع ہونا متعذر ہے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْكِتَابِيَّةً وَّلَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ وَيَجُوْزُ

جائز ہے باندی سے شادی کرنا مسلمان ہو یا کتابی' جائز نہیں باندی سے شادی کرنا آزاد عورت کے ہوتے ہوئے اور جائز

تَزْوِيْجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا وَلِلْحُرِّ اَنْ يَّتَزَوَّجَ[۱] اَرْبَعًا مِّنَ الْحَرَائِرِ وَالْاِمَاءِ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ

ہے آزاد سے شادی کرنا باندی کے ہوتے ہوئے آزاد مرد چار آزاد عورتوں اور باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے اس سے زیادہ کیساتھ

بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَايَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ بِاَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْنِ فَاِنْ طَلَّقَ الْحُرُّاِحْدَى الْاَرْبَعِ طَلَاقًا

نہیں کر سکتا اور غلام دو سے زیادہ کے ساتھ نہیں کر سکتا اگر آزاد مرد نے چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق

بَائِنًا لَمْ يَجُزْلَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَ رَابِعَةً حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا

بائن دے دی تو اس کے لئے چوتھی سے شادی کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے

نکاح کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ قولہ مسلمۃ کانت الخ باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ باندی کتابیہ ہو اور شوہر کو حرہ سے شادی کرنے کی طاقت ہو کیونکہ ہمارے یہاں اصل یہ ہے کہ جو وطی ملک یمین کے واسطے سے حلال ہے وہ نکاح کے ذریعہ سے بھی حلال ہے والا فلا اور باندی کیساتھ ملک یمین سے وطی حلال ہے لہذا نکاح سے بھی حلال ہے۔امام شافعی کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں' جب وہ حرہ سے نکاح کرنے

---

[۱] لقولہ تعالٰی فانکحو اماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع ۱۲

کی طاقت رکھتا ہو کیونکہ آیت ''من[1] لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنت فمما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات'' میں عدم استطاعت اور وصف ایمان کی قید ہے پس حرہ کے ساتھ نکاح کی قدرت اور مؤمنہ باندی کے ہوتے ہوئے کتابیہ باندی سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔ یہ اختلاف دراصل ایک اصولی مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ شرط اور وصف کا مفہوم معتبر ہے کہ اس کے انتفاء سے حکم بھی منتفی ہو جائے یا معتبر نہیں؟ سو امام شافعی کے یہاں اس کا اعتبار ہے۔ ہمارے یہاں اس کا اعتبار نہیں اس لئے ہمارے نزدیک ''فانکحوا ماطاب لکم من النساء'' اور ''احل لکم ماوراء ذلکم'' کے عموم کی وجہ سے کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہے وتمامہ فی الاصول۔

قوله امة علی حرة الخ جس شخص کے نکاح میں باندی ہو وہ حرہ سے شادی کر سکتا ہے لیکن اس کا عکس جائز نہیں کہ حرہ عورت نکاح میں ہو اور پھر باندی سے شادی کرے اگرچہ حرہ کی عدت میں ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[2]۔ امام شافعی کے یہاں غلام کے لئے اس کی اجازت ہے اور امام مالک کے یہاں حرہ کی رضاء کے ساتھ جائز ہے مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے۔

وَاِذَا زَوَّجَ الْاَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْعَبْدًا وَّكَذٰلِكَ الْمُكَاتَبَةُ

جب شادی کر دی باندی کی اس کے آقا نے پھر وہ آزاد ہو گئی تو اس کو اختیار ہو گا اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اسی طرح حکم ہے باندی مکاتب کا

وَاِنْ تَزَوَّجَتْ اَمَةٌ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَاخِيَارَ لَهَا وَمَنْ تَزَوَّجَ

اگر شادی کر لی باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر پھر وہ آزاد ہو گی تو نکاح صحیح رہے گا اور اس کو اختیار نہ ہو گا کسی نے شادی کی

امْرَاَتَيْنِ فِيْ عَقْدٍ وَّاحِدٍ وَّ اَحَدُهُمَا لَايَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِيْ تَحِلُّ لَهٗ وَبَطَلَ

دو عورتوں سے ایک عقد میں اور ان میں سے ایک کا نکاح اس کے لئے حلال نہیں تو اس کا نکاح صحیح ہو گا جو اس کے لئے حلال ہے اور دوسری

نِكَاحُ الْاُخْرٰى وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَاخِيَارَ لِزَوْجِهَا[3] وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ

کا نکاح باطل ہو گا جب بیوی میں کوئی عیب ہو تو شوہر کے لئے اختیار نہ ہو گا اگر شوہر کو دیوانگی ہو یا

اَوْجُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْاَةِ[4] عِنْدَاَبِيْ[5] حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ

جذام یا برص کی بیماری ہو تو عورت کو اختیار نہ ہو گا شیخین کے نزدیک امام محمدؒ

رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا الْخِيَارُ[6] وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيْنًا اَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلًا فَاِنْ وَّصَلَ اِلَيْهَا وَاِلَّا فَرَّقَ

فرماتے ہیں کہ اس کے لئے اختیار ہو گا جب شوہر نامرد ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے اگر وہ صحبت کے قابل ہو جائے تو بہتر ہے۔

بَيْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْاَةُ ذٰلِكَ وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً[7] بَائِنَةً وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ اِذَا كَانَ

ورنہ ان میں تفریق کر دے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے اور یہ فرقت طلاق بائن کے درجہ میں ہو گی اور عورت کو پورا مہر ملے گا جب شوہر

قَدْ خَلَابِهَا وَاِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا

خلوت کر چکا ہو اس کے ساتھ، اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی ان میں تفریق کر دے فی الحال اور مہلت نہ دے، خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے

---

[1] اور جو شخص تم میں پوری وسعت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی مملوکہ ہیں نکاح کرے ۱۲۔ [2] دار قطنی عن عائشہ، طبری، عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ عن الحسن، عبد الرزاق عن جابر ۱۲۔ [3] لان المستحق بالعقد هو الوطی والعیب لایفوته ۱۲۔ [4] لان فی الخیار ابطال حق الزوج ۱۲۔ [5] لا مکان تحصیل مقاصد النکاح عنها ۱۲۔ [6] دفعًا للضرر عنها ۱۲۔ [7] لان فعل القاضی اضیف الی فعل الزوج فکانه طلقها ۱۲۔

نامرد کو دی جاتی ہے جب عورت مسلمان ہو جائے اور شوہر کافر ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آئے

فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَاِنْ اَبٰى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا بَائِنًا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا

تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کر دے تو ان میں تفریق ہوجائے گی اور یہ طلاق بائن ہو گی طرفین کے نزدیک

اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَيْسَ بِطَلَاقٍ وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَ تَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ طلاق نہ ہو گی اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور نکاح میں آتش پرست ہو

عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِىْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ

تو اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی بیوی رہے گی اگر انکار کر دے تو ان میں قاضی تفریق کر دے اور یہ

الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فَاِنْ كَانَ قَدْدَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا

فرقت طلاق نہ ہو گی پس اگر شوہر اس سے صحبت کر چکا تو اسے پورا مہر ملے گا اور اگر صحبت نہ کی ہو تو مہر نہ ملے گا

تشریح الفقہ قولہ واذا زوج الامۃ الخ آقا نے اپنی باندی یا مکاتبہ کا کسی کے ساتھ نکاح کر دیا تھا اس کے بعد آقا نے اسے آزاد کر دیا تو باندی کو نکاح باقی رکھنے میں اختیار ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شوہر آزاد ہو تو اختیار نہیں ہے۔ مگر یہ قول محجوج الحدیث ہے کیونکہ جب حضرت بریرہؓ آزاد ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "قداعتق بضعک معک فاختاری"[1] اس میں ملک بضع کے ساتھ تعلیل مطلق ہے پس شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

قولہ وان تزوجت امۃ الخ اور اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر وہ آزاد ہو گئی تو اس کا نکاح نافذ ہوگا اور فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ نکاح کا نفاذ تو اس لئے ہے کہ باندی میں نکاح کی اہلیت ہے۔ قصور صرف اتنا ہے کہ حق مولی کی بناء پر اس کا نکاح نافذ نہیں ہوتا' اور جب وہ آزاد ہو گئی تو مولی کا حق جاتا رہا لہذا نکاح نافذ ہوگا اور عدم خیار اس لئے ہے کہ اس کا نکاح آزادی کے بعد نافذ ہوا ہے پس شوہر کو ملکیت طلاق میں کوئی مزید حق حاصل نہیں ہوا۔ یعنی پہلی صورت میں باندی کو اختیار اس لئے تھا کہ وہ آزادی سے قبل صرف دو طلاقوں کا محل تھی اور آزادی کے بعد اس کے شوہر کو ایک طلاق مزید دینے کا حق حاصل ہو رہا تھا اور یہاں یہ صورت نہیں ہے لہذا باندی نکاح فسخ کرنے میں مختار نہ ہوگی۔

قولہ ومن تزوج امراتین الخ ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے شادی کی جن میں سے ایک اس کے لئے حلال تھی اور دوسری حرام۔ تو جو حلال ہو اس سے نکاح صحیح ہے اور جو حرام ہو اس سے نکاح باطل ہے اور جتنا مہر معین ہو وہ سب اسی کو ملے گا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک دونوں کے مہر مثل پر تقسیم ہوگا۔

قولہ اجلہ الحاکم الخ اگر شوہر نامرد یا خصی ہو تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے[2] کیونکہ سال چار مختلف فصلوں پر مشتمل ہوتا ہے اگر نامردی پیدائشی نہ ہو' کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو موسموں کی تبدیلی کی وجہ سے سال بھر میں دور ہو سکتی ہے پس اگر وہ صحت یاب ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہو جائے گی اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو فی الحال تفریق کر دیجائے گی کیونکہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

قولہ واذا اسلمت الخ جب زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو قاضی دوسرے پر اسلام پیش کرے گا اگر قبول کر لے تو عورت اس

[1] دار قطنی عن عائشہ ۱۲ [2] عبد الرزاق' دار قطنی' ابن ابی شیبہ عن ابن عمر و ابن مسعود' ابن ابی شیبہ' عبد الرزاق عن علی ۱۲

کی بیوی رہے گی ورنہ تفریق کر دی جائے گی۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام پیش نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر وہ قبل از دخول اسلام لایا تو فی الحال فرقت ہو جائے گی اور بعد از دخول لایا تو تین حیض کے بعد تفریق کر دی جائے گی۔ہماری دلیل یہ ہے کہ ناجیہ بنت ولید زوجہ صفوان بن امیہ فتح مکہ کے دن اسلام لے آئیں تھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں تفریق نہیں کی۔یہاں تک کہ ایک ماہ بعد حضرت صفوان مسلمان ہوئے اور اسی نکاح پر برقرار رہے[1] پھر قاضی کی تفریق طلاق بائن ہوگی اگر شوہر اسلام سے انکار کرے اور اگر زوجہ انکار کرے تو طلاق کے درجہ میں نہ ہوگی۔امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں کیونکہ سبب فرقت میں زوجین شریک ہیں۔طرفین یہ فرماتے ہیں کہ شوہر اسلام قبول کرنے کے ذریعہ بیوی کو روکے رکھنے پر قادر ہے پس اس کی طرف سے قاضی نائب ہو سکتا ہے بخلاف عورت کے کہ وہ طلاق کی اہل نہیں لہذا قاضی اس کی طرف سے نائب نہیں ہو سکتا۔

وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَۃُ فِیْ دَارِالْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَۃُ عَلَیْھَا حَتّٰی تَحِیْضَ ثَلٰثَ حِیَضٍ فَاِذَا حَاضَتْ

جب مسلمان ہو جائے عورت دارالحرب میں تو اس پر فرقت واقع نہ ہو گی یہاں تک کہ اس کو تین حیض آ جائیں جب حیض آ جائیں

بَانَتْ مِنْ زَوْجِھَا وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْکِتَابِیَۃِ فَھُمَا عَلٰی نِکَاحِھِمَا وَاِذَا اَخْرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ اِلَیْنَا

تو عورت شوہر سے بائنہ ہو جائے گی جب کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے، جب زوجین میں سے کوئی ہمارے ہاں آ جائے

مِنْ دَارِالْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَۃُ بَیْنَھُمَا وَاِنْ سُبِیَ اَحَدُ ھُمَا وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَۃُ بَیْنَھُمَا وَاِنْ

دارالحرب سے مسلمان ہو کر تو ان میں جدائی واقع ہو جائے گی اور اگر ان میں سے کوئی قید کر لیا جائے تب بھی جدائی ہو جائے گی اور اگر

سُبِیَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَیْنُوْنَۃُ وَاِذَاخَرَجَتِ الْمَرْاَۃُ اِلَیْنَا مُھَاجِرَۃً جَازَلَھَا اَنْ تَتَزَوَّجَ فِی الْحَالِ وَ

دونوں قید کر لئے گئے تو جدائی نہ ہو گی جب عورت ہمارے ہاں آ جائے ہجرت کر کے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ شادی کر لے فی الحال اور

لَاعِدَّۃَ عَلَیْھَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَاِنْ کَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰی تَضَعَ حَمْلَھَا وَاِذَا

اس پر عدت بھی نہیں امام صاحب کے نزدیک لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو شادی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ وہ حمل جن لے جب

ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَیْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْبَیْنُوْنَۃُ بَیْنَھُمَا وَکَانَتِ الْفُرْقَۃُ بِغَیْرِ طَلَاقٍ فَاِنْ

مرتد ہو جائے زوجین میں سے کوئی اسلام سے تو ان میں فرقت واقع ہو جائے گی اور ہو گی یہ فرقت بلا طلاق پس اگر

کَانَ الزَّوْجُ ھُوَالْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِھَا فَلَھَا کَمَالُ الْمَھْرِوَاِنْ لَمْ یَدْخُلْ بِھَا فَلَھَا النِّصْفُ وَاِنْ

مرتد ہونے والا شوہر ہو اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو تو اس کو پورا مہر ملے گا اگر صحبت نہ کی ہو تو نصف ملے گا اور اگر

کَانَتْ ھِیَ الْمُرْتَدَّۃُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَھْرَ لَھَا وَاِنْ کَانَتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ الدُّخُوْلِ فَلَھَا جَمِیْعُ

مرتد ہونے والی عورت ہو صحبت سے پہلے تو اس کو مہر نہ ملے گا اور اگر وہ مرتد ہوئی صحبت کے بعد تو اس کو پورا

الْمَھْرِوَاِنْ ارْتَدَّ مَعًا ثُمَّ اَسْلَمَا مَعًا فَھُمَا عَلٰی نِکَاحِھِمَا[2] وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یَّتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَۃً

مہر ملے گا اور اگر دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے مرتد نکاح نہیں کر سکتا مسلمان

وَّلَامُرْتَدَّۃً وَّلَا کَافِرَۃً وَکَذٰلِکَ الْمُرْتَدَّۃُ لَایَتَزَوَّجُھَا مُسْلِمٌ وَّلَا کَافِرٌوَّلَا مُرْتَدٌّ وَّاِذَا

---

[1] مالک، ابن سعد، ابن جحر عن الزہری ۱۲ [2] لان بنی حنیفة ارتد واثم اسلموا ولم تامرهم الصحابة بتجدید الانکحة فان قیل ارتداد هم ماوقع جملة بالاجماع قلنا عند جهالة التاریخ یجعل فی حکم کانه وجد جملة ۱۲۔

مرتدہ کافرہ عورت سے اسی طرح مرتد عورت شادی نہیں کر سکتی نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ مرتد سے جب

كَانَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَ كَذٰلِكَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَلَهٗ وَلَدٌ صَغِيْرٌ صَارَ

زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو تو

اسی کے دین پر ہو گا اسی طرح اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہو اور اس کا چھوٹا بچہ ہو تو

وَلَدُهٗ مُسْلِمًا بِاِسْلَامِهٖ وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْاَبَوَيْنِ كِتَابِيًّا وَالْاٰخَرُ مَجُوْسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ.

بچہ مسلمان ہو گا اس کے اسلام کے تابع ہو کر اگر ان میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا آتش پرست تو بچہ کتابی قرار پائے گا۔

تشریح الفقہ قولہ واذا اسلمت الخ اگر کوئی عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو اس پر جدائی کا حکم نہ ہوگا یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں جب تین حیض آ جائیں تو وہ اپنے شوہر سے جدا ہو جائے گی۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام فرقت کا سبب نہیں ہے اور یہاں شوہر پر اسلام پیش کرنا بھی متعذر ہے کیونکہ دارالحرب والوں پر امام کی کوئی ولایت نہیں ہے اور رفع فساد کے پیش نظر فرقت لابدی ہے۔ تو اس کی شرط یعنی مضی حیض کو سبب کے قائم مقام کر دیا جائے گا اور اگر کتابی عورت کا شوہر مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کا نکاح بدستور رہے گا کیونکہ ان میں ابتداء تزوج صحیح ہے تو بقاءً بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔

قولہ واذا خرج الخ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہمارے یہاں آ جائے یا قید کر لیا جائے تو ان دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔ امام شافعی کے ہاں جدائی نہ ہوگی۔ اور اگر ان دونوں کو قید کر لیا گیا تو جدائی نہ ہوگی امام شافعی کے ہاں ہو جائے گی حاصل یہ کہ ہمارے ہاں جدائی کا سبب تباین دارین ہے نہ کہ قید ہونا۔ امام شافعی کے ہاں اس کا عکس ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ تباین دارین کا اثر انقطاع ولایت میں ہوتا ہے اور یہ فرقت میں مؤثر نہیں۔ بخلاف سبی کے کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس کو قید کیا گیا ہے وہ خالص قید کرنے والے کے لئے ہو اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب نکاح منقطع ہو جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ دارین کا حقیقۃً اور حکماً ہر دو اعتبار سے متبائن ہونا مصالح نکاح کو ختم کرنے والا ہے پس یہ محرمیت کے مشابہ ہو گیا۔ بخلاف سبی کے کہ وہ موجب ملک رقبہ ہے اور ملک رقبہ ابتداءً منافی نکاح نہیں تو بقاءً بھی نہ ہوگی۔

قولہ واذا خرجت الخ اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالاسلام آ جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو وہ امام زفر کے نزدیک جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے نکاح کرنا درست نہیں۔ یہ حضرات اس کو حاملہ پر قیاس کرتے ہیں جب تک وضع حمل نہ ہو اس وقت تک حاملہ سے نکاح درست نہیں۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے "ولاجناح علیکم ان تنکحوھن اذاآتیتموھن اجورھن" اس میں مہاجرہ کے ساتھ علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے پس انقضاءِ عدت کے ساتھ مقید کرنا زیادتی علی الکتاب ہے۔

قولہ اذا ارتد الخ اگر زوجین میں سے کوئی اسلام سے پھر جائے تو ان میں اسی وقت جدائی ہو جائے گی تین حیض گزرنے تک موقوف نہ ہوگی اور یہ فرقت شیخین کے نزدیک بلا طلاق ہوگی (امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر ردت شوہر کی جانب سے ہو تو فرقت طلاق ہوگی) اب اگر شوہر مرتد ہوا ہے اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا تو عورت کو پورا مہر ملے گا کیونکہ صحبت کی وجہ سے مہر مؤکد ہو چکا جو کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتا اور اگر اس نے صحبت نہ کی ہو تو اس کو نصف مہر ملے گا کیونکہ یہ فرقت طلاق قبل از دخول کے مشابہ ہے اور اگر بیوی مرتد ہوئی اور اس سے وطی نہیں ہوئی تو اس کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس نے ارتداد کے ذریعہ بضع کو روک لیا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے بائع مبیع کو قبضہ سے پہلے تلف کر دے اور اگر اس سے وطی ہو چکی تو اس کو پورا مہر ملے گا۔ لانہ قداستقر بالدخول ولانفقۃ لھا لان الفرقۃ من قبلھا

قولہ ولایجوز الخ۔ مرتد آدمی کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا مسلمہ ہو یا کافرہ یا کتابیہ کیونکہ وہ تو واجب القتل ہے اس کو جو مہلت دی جاتی ہے وہ صرف اس لئے کہ وہ غور وفکر کرلے اور نکاح کرنے سے وہ غفلت میں پڑ جائے گا۔ اسی طرح مرتدہ عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی کیونکہ وہ بھی غور وفکر ہی کے لئے مقید ہوتی ہے علاوہ ازیں ان کے درمیان مصالح نکاح کا قیام نہیں ہوسکتا حالانکہ نکاح کی مشروعیت اس کی مصلحتوں کے پیش نظر ہوتی ہے۔

قولہ فالولد علی دینہ الخ والدین میں جو کوئی دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا بچہ اس کے تابع ہوگا۔ اگر باپ مسلمان ہو تو باپ کا تابع ہوگا اور مسلمان قرار دیا جائے گا اور ماں مسلمان ہو تو ماں کا تابع ہوگا اور اگر والدین مجوسی اور کتابی ہوں تو بچہ کتابی شمار ہوگا کیونکہ مجوسی کتابی سے بدتر ہے اس واسطے کہ اہل کتاب کا دین ان کے دعویٰ کے اعتبار سے آسمانی ہے اس لئے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت ہے بخلاف مجوسی کے کہ اس کا دین بالکل باطل ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا تَزَوَّجَ الْکَافِرُ بِغَیْرِ شُھُوْدٍ اَوْفِیْ عِدَّۃٍ مِّنْ کَافِرٍ وَّ ذٰلِکَ جَائِزٌ فِیْ دِیْنِھِمْ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَیْہِ

جب شادی کرے کافر گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں اور یہ جائز ہو ان کے دین میں پھر وہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو نکاح پر

وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِیُّ اُمَّہٗ اَوِ ابْنَتَہٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَیْنَھُمَا

برقرار رکھے جائیں گے اور مجوسی اپنی ماں یا بیٹی سے شادی کر لے پھر مسلمان ہو جائیں تو ان میں تفریق کر دی جائے گی

کافروں کے نکاح کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ بغیر شھود الخ** ایک کافر نے کسی کافرہ سے شاہدوں کے بغیر یا اس کی عدت کی حالت میں نکاح کرلیا اور یہ ان کے ہاں جائز بھی ہے پھر وہ اسلام لے آئے تو اما صاحب کے نزدیک ان کا نکاح بدستور رہے گا اور امام زفر کے ہاں فاسد ہو جائے گا۔ صاحبین پہلی صورت میں امام صاحب کے ساتھ ہیں اور دوسری صورت میں امام زفر کے ساتھ' امام زفر یہ فرماتے ہیں ''**لانکاح الابشھود**'' وغیرہ خطاءبات سب کے حق میں عام ہیں لہٰذا ان کو بھی لازم ہوں گے قبل از اسلام جو ان سے تعرض نہیں کیا جاتا وہ اس لئے نہیں کہ ان کے عقائد کی تقریر وتثبیت مقصود ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ ان سے اعراض کیا جاتا ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ حرمت نکاح معتدہ مجمع علیہ ہے لہٰذا ان کو بھی اس کا التزام کرنا ہوگا بخلاف حرمت نکاح بلا شہود کے کہ یہ مختلف فیہ ہے چنانچہ امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ اس کو جائز کہتے ہیں پس یہ ان کو لازم نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کافر کے لئے اثبات حرمت نہ تو حق شرع کی جہت سے ہے کیونکہ وہ حقوق شرع کا مخاطب ہی نہیں اور نہ حق زوج کافر کی جہت سے ہے کیونکہ وہ اس کا معتقد نہیں۔ لامحالہ نکاح کو صحیح کہا جائے گا اور جب نکاح صحیح ہوا تو حالت اسلام حالت بقاء نکاح ہے اور ظاہر ہے کہ حالت بقاء نکاح کے لئے شہادت شرط نہیں' رہی عدت سو وہ حالت بقاء کے منافی نہیں۔

قولہ وان تزوج المجوسی الخ اگر کسی کافر نے محرمہ عورت مثلاً اپنی ماں یا لڑکی سے نکاح کیا' پھر وہ اسلام لے آئے تو باتفاق ائمہ ان کے درمیان تفریق کی جائے گی صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان کے ہاں نکاح محارم کفار کے حق میں بھی باطل ہے اور امام صاحب کے ہاں گو صحیح ہے تاہم محرمیت بقاء نکاح کے منافی ہے لہٰذا تفریق ضروری ہے۔

وَاِنْ کَانَ لِلرَّجُلِ امْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَیْہِ اَنْ یَّعْدِلَ بَیْنَھُمَا فِی الْقَسْمِ بِکْرَیْنِ کَانَتَا اَوْثَیِّبَیْنِ اَوْ

اگر کسی کی دو آزاد بیویاں ہیں تو اس پر ان کے درمیان باری میں انصاف کرنا ضروری ہے باکرہ ہوں یا ثیبہ یا

اِحْدٰهُمَا بِكْرًا وَّالْاُخْرٰى ثَيِّبًا وَّاِنْ كَانَتْ اِحْدٰهُمَا حُرَّةً وَّالْاُخْرٰى اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ
ایک باکرہ ہو دوسری ثیبہ اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی تو آزاد کے لئے باری کے دو ثلث

وَلِلْاَمَةِ الثُّلُثُ وَلَاحَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِيْ حَالِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْاَوْلٰى
ہونگے اور باندی کے لئے ایک ثلث بیویوں کے لئے باری کا حق نہیں سفر کی حالت میں جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر ہے

اَنْ يُّقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرَ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وَاِذَا رَضِيَتْ اِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ
قرعہ اندازی پس سفر میں لے جائے اس کو جس کے نام قرعہ نکلے جب راضی ہو جائے ایک بیوی اپنی

قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِيْ ذٰلِكَ
باری دینے پر اپنی سوتن کو تو یہ بھی جائز ہے اور وہ اس سے رجوع بھی کر سکتی ہے

نوبت (باری) کے احکام

تشریح الفقہ قولہ و ان کان الخ اگر کسی کے نکاح میں دو (یا اس سے زائد) بیویاں ہوں تو ان کو شب باشی تن پوشی، موانست میں برابر رکھنا چاہیئے۔ جس میں باکرہ، ثیبہ، جدیدہ، قدیمہ، مسلمہ، کتابیہ وغیرہ ہمارے نزدیک سب برابر ہیں کیونکہ آیت "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ا ہ" مطلق ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن رہے کیونکہ احادیث سے یہ تفصیل ثابت[1] ہے

جواب ان احادیث کا یہ مطلب ہے کہ باری کی ابتداء جدیدہ سے ہونی چاہیئے یعنی اگر باکرہ کے پاس سات دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی سات دن رہے اور اگر باکرہ کے پاس تین دن رہے تو اور ازواج کے پاس بھی تین دن رہے۔

قولہ احد ھما حرۃ الخ اگر کسی کے نکاح میں حرہ اور باندی ہو تو باندی کے لئے حرہ کے مقابلہ میں نصف قسم ہے یعنی اگر حرہ کے پاس دو شب رہے تو باندی کے پاس ایک شب رہے، وعلی ہذا القیاس۔

قولہ ویسافر الخ سفر میں باری کا اعتبار نہیں۔ شوہر کو اختیار ہے جس کو چاہے سفر میں لے جائے، لیکن قرعہ اندازی بہتر ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کاغذ پر لفظ سفر اور دوسرے پر لفظ حضر لکھ لے اور گولی بنا کر کسی بچہ کے ذریعہ ازواج کے پاس پہنچا دے۔ پس جس کے پاس سفر والی گولی جائے اس کو سفر میں لے جائے۔ امام شافعی کے ہاں قرعہ اندازی واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو قرعہ اندازی کرتے تھے[2] جواب یہ ہے کہ قرعہ اندازی تطیب خاطر کے لئے ہے لہذا از قبیل استحباب ہوگا نہ کہ از قبیل وجوب۔

قولہ واذا رضیت الخ اگر بیوی نے اپنی باری سوتن کے لئے ہبہ کر دی تو یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے ہبہ کر دی تھی[3] اس کے بعد اگر وہ اپنی باری میں رجوع کرنا چاہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ زمانہ مستقبل میں عورت کا حق واجب نہیں تو اس کے ساقط کرنے سے ساقط بھی نہ ہوگا کیونکہ اسقاط کا تحقق اسی میں ہو سکتا ہے جو پہلے ثابت ہو۔

كِتَابُ الرِّضَاعِ

قَلِيْلُ الرَّضَاعِ وَ كَثِيْرُهُ اِذَا حَصَلَ فِيْ مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ
دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ جب یہ حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو ثابت ہو گی اس سے حرمت

[1] صحیحین ابن ماجہ عن انس، مسلم عن ام سلمہ ۱۲۔ [2] صحیحین عن عائشہ ۱۲۔ [3] صحیحین عن عائشہ وابن عباس، حاکم عن عائشہ ۱۲۔

وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا وَّ عِنْدَهُمَا سَنَتَانِ وَاِذَا مَضَتْ

رضاعت کی مدت امام صاحب کے ہاں تیس مہینے ہیں اور صاحبین کے ہاں دو برس جب رضاعت

مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيْمٌ وَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

کی مدت گزر جائے تو ثابت نہ ہو گی دودھ پینے سے حرمت حرام ہو جاتی ہیں رضاعت سے وہ جو حرام ہیں نسب سے

اِلَّا اُمَّ اُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُلَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اُمَّ اُخْتِهٖ

سوائے رضاعی بہن کی ماں کے کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا

مِنَ النَّسَبِ وَاُخْتَ ابْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ اُخْتَ

جائزنہیں اور سوائے رضاعی بیٹے کی بہن سے کہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اور نسبی بیٹے کی بہن سے

ابْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ امْرَاَةَ ابْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَالَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ

نکاح جائز نہیں اور اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں جیسے اپنے نسبی بیٹے کی

امْرَاَةَ ابْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ

بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الرضاع الخ رضاراء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک لغت کسرہ کی بھی ہے (عنایہ) لغت کے لحاظ سے مص الثدی یعنی چھاتی چوسنا ہے اور شرعاً شیر خوار کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی چوسنا ہے۔

قولہ قلیل الرضاع الخ رشتہ رضاعت کے سبب سے تمام وہ عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسب کے سبب سے حرام ہیں اگر چہ دودھ کم پیا ہو۔ اجلہ صحابہؓ اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی واحمد فرماتے ہیں کہ پانچ شکم سیر چسکاریوں کے بغیر رضاعت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ایک دو چسکاری یا ایک دو مرتبہ چھاتی منہ میں ڈالنا حرام نہیں کرتا[۱]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ''وامھاتکم اللاتی ارضعنکم '' اور حدیث ''یحرم من الرضاع مایحرم من النسب'' میں کوئی تفصیل نہیں اور خبر واحد کے ذریعہ زیادتی علی الکتاب جائز نہیں۔ رہی حدیث مذکور سووہ منسوخ ہے اور نسخ کی تصریح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کسی نے آپ سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکاری حرام نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا: یہ پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (بحر)

قولہ و مدة الرضاع الخ مدت رضاعت میں شدید اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اڑھائی سال ہیں اور صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک دو سال امام زفر کے نزدیک تین سال' بعض نے پندرہ سال اور بعض نے چالیس سال اور بعض نے پوری عمر مدت رضاعت قرار دی ہے۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ سال میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متحول ہونے کی صلاحیت ہے اوور دو سال سے زائد ہونا ضروری ہے (جس کی وجہ امام ابوحنیفہ کی دلیل کے ذیل میں آ رہی ہے) صاحبین کی دلیل یہ آیت ہے ''وحملہ و فصالہ ثلثون شھرا'' اس میں حمل و فصال دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے اور حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے۔ پس فصال کے لئے دو سال کی مدت باقی رہی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''دو سال کے بعد رضاعت نہیں[۲]'' امام ابوحنیفہ کی دلیل بھی یہی آیت ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت میں دو چیزیں

[۱] صحیحین عن ابن عباس' ائمہ ستہ غیر ابن ماجہ عن عائشہ (بالفاظ) ۱۲ [۲] دار قطنی عن ابن عباس (مرفوعاً وموقوفاً) وعمر (موقوفاً) عبدالرزاق' مالک عن ابن عباس (موقوفاً) ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن مسعود وعلی (موقوفاً) ۱۲

ذکر کیں اور دونوں کے لئے مدت مقرر فرمائی تو وہ مدت دونوں میں سے ہر ایک کے لئے پوری پوری ہوگی۔ جیسے کوئی شخص کہے "لفلان علی الف درھم و خمسة اقفزة حنطة الی شهرین" تو اس میں ایک ہزار درہم اور پانچ قفیز گیہوں میں سے ہر ایک کی مدت دو ماہ ہوتی ہے پس مدت رضاعت بھی اڑھائی سال ہوئی اور مدت حمل بھی اڑھائی سال ہوئی مگر مدت حمل میں کمی حدیث سے ثابت ہے اور مدت رضاعت میں کمی ثابت نہیں اس لئے اس کی مدت پورے اڑھائی سال رہے گی اور حدیث یہ ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ "بچہ پیٹ میں دوسال سے زیادہ نہیں رہتا[1]" ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون شارع کے سماع سے ہی معلوم ہوسکتا ہے تو یقیناً حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پس یہ قول حدیث مرفوع کے درجہ میں ہے۔ امام صاحب کی طرف سے عقلی دلیل یہ ہے کہ بچہ کی غذا کا متغیر ہونا ضروری ہے جس کیلئے اتنی مدت ہونی چاہیئے۔ جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی ہوسکے۔ ہو اس کے لئے حمل کی ادنیٰ مدت فرض کی جائے گی کہ اس میں یہ صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ جنین کی غذاء رضیع اور فطیم کی غذا سے جدا ہوتی ہے۔ سوال حضرت عائشہؓ کی حدیث ظنی ہے اور آیت قطعی ہے اور قطعی کی تخصیص ظنی کے ساتھ جائز نہیں پھر امام صاحب نے حدیث مذکور کے ذریعہ آیت کی تخصیص کیونکر تجویز کی؟ جواب آیت مذکورہ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں۔ چنانچہ امام شافعی وغیرہ نے تیس ماہ میں سے چھ ماہ کو مدت حمل مانا ہے اور دوسال کی مدت فصال پس آیت مؤول ہوگی اور مؤول کی دلالت قطعی نہیں ہوتی، ظنی ہوتی ہے لہذا ظنی کی تخصیص ظنی سے ہوئی جو بلاشبہ درست ہے۔

قوله الا ام اخته الخ قول سابق سے استثناء ہے یعنی رضاعت کے سبب سے تمام وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو قرابت نسب کے سبب سے حرام ہیں۔ سوائے رضاعی بہن کی ماں اور اپنے بیٹے کی رضاعی بہن کے کہ یہ حلال ہیں کیونکہ نسبی بہن کی ماں خود اپنی ماں ہے یا اپنے باپ کی مدخولہ ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، رضاعت میں یہ بات نہیں یعنی رضاعی بہن کی ماں نہ اپنی ماں ہے نہ باپ کی مدخولہ ہے۔ اسی طرح نسب کے اعتبار سے اپنے بیٹے کی بہن یا تو اپنی لڑکی ہوگی یا ربیبہ ہوگی، رضاعت میں یہ بات نہیں۔ فقہاء جو حدیث "یحرم من الرضاع اھ" سے ام الاخت اور اخت الابن کا استثناء کرتے ہیں اس پر عقلی دلیل سے حدیث کے عموم کی تخصیص لازم آنے کا اعتراض ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ صورتوں کی حرمت مصاہرت کے سبب سے ہے نہ کہ نسب کے سبب سے اور استثناء منقطع ہے پس جن صورتوں کو فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے ان کو حدیث شامل ہی نہیں یہاں تک تخصیص بالعقل لازم آئے۔

وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَهُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا

مرد کے دودھ سے حرمت وابستہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دودھ پلائے عورت بچی کو تو حرام ہو گی یہ بچی اس کے شوہر پر

وَعَلٰى اٰبَائِهٖ وَاَبْنَائِهٖ وَيَصِيْرُ الزَّوْجُ الَّذِيْ نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِّلْمُرْضَعَةِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ

اس کے آباء پر اس کے بیٹوں پر اور ہو جائے گا وہ شوہر جس سے دودھ اترا ہے اس عورت کی شیر خوار بچی کا باپ، جائز ہے یہ کہ شادی کرے

الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ

آدمی رضاعی بھائی کی بہن سے جیسے جائز ہے اپنے نسبی بھائی کی بہن سے مثلاً

مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهٗ اُخْتٌ مِّنْ اُمِّهٖ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا وَكُلُّ

ایک باپ شریک بھائی ہے اور اس کی ایک ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک بھائی کے لئے جائز ہے اس بہن سے شادی کرنا، جن

صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَّاحِدٍ لَمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَزَوَّجَ الْاٰخَرَ وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ

دو بچوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں شادی کرنا دوسرے کے ساتھ، جائز نہیں

[1]۔ دار قطنی، بیہقی عن جمیلہ بنت سعد ۱۲۔

الْمُرْضِعَةُ اَحَدَ مِنْ وُلْدِ الَّتِیْ اِرْضَعَتْهَا وَلَا یَتَزَوَّجُ الصَّبِیُّ الْمُرْضَعُ اُخْتَ زَوْجِ
شیر خوار کا نکاح اس عورت کے لڑکوں سے جس نے اس کو دودھ پلایا ہے شادی نہ کرے شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے

الْمُرْضِعَةِ وَاِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَالْغَالِبُ یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ
جب مل جائے دودھ پانی میں اور دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق ہو گی۔ اور جب کھانے میں

بِالطَّعَامِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِنْ کَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَة وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
مل جائے تو حرمت متعلق نہ ہو گی اگرچہ دودھ غالب ہو امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں

یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا حَلَبَ
کہ اس سے حرمت متعلق ہو گی جب دوا میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو حرمت متعلق ہو جائے گی جب نکالا گیا

اللَّبَنَ مِنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاُوْجِرَبِهِ الصَّبِیُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ
دودھ عورت کا اس کے مرنے کے بعد اور ڈال دیا گیا بچہ کے حلق میں تو متعلق ہو گی حرمت جب مل جائے عورت کا دودھ

بِلَبَنِ شَاةٍ وَلَبَنُ الْمَرْأَةِ هُوَالْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ یَتَعَلَّقْ بِهِ
بکری کے دودھ میں اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمت متعلق ہو جائے گی اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو متعلق نہ ہو گی

التَّحْرِیْمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَیْنِ یَتَعَلَّقُ التَّحْرِیْمُ بِاَکْثَرِهِمَا عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
حرمت جب دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو حرمت اس سے متعلق ہو گی جس کا دودھ زیادہ ہو امام ابویوسف کے نزدیک

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَلَّقَ بِهِمَا وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِکْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ صَبِیًّا یَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِیْمُ
امام محمد کے ہاں دونوں سے متعلق ہو گی جب کنواری کے دودھ اتر آئے اور وہ بچہ کو پلا دے تو حرمت متعلق ہو جائے گی

احکام رضاعت کی تفصیل

تشریح الفقہ قولہ ولبن الفحل الخ لبن سے مراد وہ دودھ ہے جو کسی مرد کے وطی کرنے پر ولادت کے سبب سے پیدا ہوا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت' کسی لڑکی کو دودھ پلائے تو یہ لڑکی اس کے شوہر پر اور اس کے شوہر کے باپ دادا اور اس کے بیٹوں پر حرام ہو جائے گی اور یہ شوہر جس سے اس عورت کا دودھ اترا ہے اس لڑکی کا باپ ہو جائے گا۔

قولہ ویجوز الخ رضاعی بھائی کو بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جیسا کہ نسبی بھائی کی بہن سے درست ہے کیونکہ ان میں کوئی موجب حرمت امر نہیں ہیا اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک کے بھائی علاتی (باپ شریک) ہے اور اس بھائی کے ایک اخیافی (ماں شریک) بہن ہے تو اس بھائی کو اس بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

قولہ و کل صبیین الخ اگر دو بچوں نے کسی ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو تو ان میں حلت کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اگر دودھ دو شوہروں سے ہے تو وہ دونوں آپس میں ماں شریک بھائی بہن ہیں اور اگر ایک شوہر سے ہے تو وہ ماں باپ شریک بھائی بہن ہیں اس طرح شیر خوار لڑکی اور اس کی دایہ کے لڑکے کے درمیان حلت نہیں کیونکہ وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں نیز دایہ کے پوتے کے درمیان بھی حلت نہیں' کیونکہ دایہ کا پوتا بھتیجا ہوتا ہے۔

قولہ اللبن بالماء الخ اگر دودھ پانی کے ساتھ مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر پانی میں پانچ چسکاریوں کے

بقدر دودھ ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس میں حقیقۃً دودھ موجود ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شئے مغلوب حکماً موجود نہیں ہوتی اور اگر کھانے کے ساتھ مخلوط ہو تو امام صاحب کے ہاں موجب حرمت نہیں غالب ہو یا مغلوب صاحبین کے نزدیک غالب ہونے کی صورت میں موجب حرمت ہے مگر یہ اس وقت ہے جب دودھ کو کھانے کے ساتھ آگ پر نہ پکایا گیا ہو اگر پکا لیا گیا تو بالاتفاق موجب حرمت نہیں۔ امام صاحب کے ہاں وجہ فرق یہ ہے کہ مقصود یعنی غذائیت کے لحاظ سے کھانا اصل ہے اور دودھ تابع پس تابع ہونے کی وجہ سے دودھ تابع ہی رہے گا گو وہ غالب ہو۔

قولہ واذا حلب الخ اگر کسی عورت کا دودھ اس کے مر جانے کے بعد نکالا اور وہ بچہ کے حلق میں ڈال دیا تو ہمارے ہاں حرمت ثابت ہو جائے گی۔ امام شافعی کے ہاں نہ ہوگی کیونکہ ثبوت حرمت میں اصل عورت ہے اس کے واسطے سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ مردہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب حرمت رضاع شبہ جزئیت ہے جو دودھ میں بایں معنی ہے کہ بچہ اس سے نشوونما پاتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے بخلاف مسئلہ مصاہرت کے وہاں جو وطی میں شبہ جزئیت ہوتا ہے وہ بایں معنی ہوتا ہے کہ وہ موضع حرث سے ملاقی ہوتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا محل حرث ہونا زائل ہو گیا فافترقا۔

قولہ لبن امراتین الخ اگر دو عورتوں کا دودھ مخلوط ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک غالب کا اعتبار ہوگا۔ امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ وہ دونوں مل کر شئی واحد ہو گئے لہذا اقل کو اکثر کے تابع کیا جائے گا۔ امام محمد و زفر کے نزدیک دونوں سے حرمت ثابت ہو جائے گی کیونکہ جنس جنس پر غالب نہیں ہوتی۔ بل یکثرہ فلا یصیر مستھلکا لاتحاد المقصود۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ صَبِيًّا لَّمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَاِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ

جب کسی مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ بچہ کو پلا دے تو اس سے حرمت متعلق نہ ہوگی دو بچوں نے دودھ پیا

شَاةٍ فَلَا رَضَاعَ[2] بَيْنَهُمَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيْرَةً وَّ كَبِيْرَةً فَاَرْضَعَتِ الْكَبِيْرَةُ الصَّغِيْرَةَ

ایک بکری کا تو اان میں رضاعت نہ ہوگی اور جب شادی کی کسی نے صغیرہ اور کبیرہ عورت سے پس دودھ پلا دیا کبیرہ نے صغیرہ کو

حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ فَاِنْ كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَيَرْجِعُ

تو حرام ہوں گی دونوں شوہر پر پس اگر صحبت نہ کی ہو کبیرہ سے تو اس کو مہر نہ ملے گا اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گا اور وہ نصف

بِهِ الزَّوْجُ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ وَاِنْ لَّمْ تَتَعَمَّدْ فَلَاشَىْءَ عَلَيْهَا وَلَا تُقْبَلُ

لے لے گا شوہر کبیرہ سے اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو ورنہ اس پر کچھ نہ ہوگا' قبول نہیں کی جائے گی

فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَاِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْرَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ

رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی بلکہ رضاعت کا ثبوت دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا۔

رضاعت کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ واذا تزوج الرجل الخ ایک شخص کے نکاح میں کبیرہ و صغیرہ دو عورتیں تھیں۔ کبیرہ نے صغیرہ کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر پر وہ دونوں حرام ہو گئیں کیونکہ اب وہ دونوں رضاعی ماں بیٹی ہو گئیں۔ اب اگر شوہر کبیرہ کے ساتھ وطی کر چکا ہو تب تو مہر لازمی ہے اور اگر وطی نہ کی ہو تو

[1] لانہ لیس بلبن علی الحقیقۃ ۱۲ [2] لان لبن الشاۃ لا حرمۃ لہ بدلیل ان الامومۃ لا تثبت بہ ۱۲

کبیرہ کو مہر نہیں ملے گا کیونکہ فرقت اسی کی جانب سے واقع ہوئی ہے اور صغیرہ کو نصف مہر ملے گا کیونکہ فرقت اس کی جانب سے نہیں آئی اور دودھ پینا گو اس کا فعل ہے مگر اسقاط حق میں اس کا اعتبار نہیں البتہ شوہر نے جو نصف مہر صغیرہ کو دیا ہے وہ کبیرہ سے وصول کرلے گا۔ بشرطیکہ کبیرہ نے فساد نکاح کا قصد کیا ہو اور گر اس کا مقصد فساد نکاح نہ ہو بلکہ دفع گرسنگی وغیرہ ہو تو پھر رجوع کا حق بھی نہیں ہے۔

قولہ ولا تقبل الخ ہمارے ہاں رضاعت کا ثبوت اسی حجت سے ہوتا ہے جس سے مال کا ثبوت ہوتا ہے یعنی دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی گواہی سے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ صرف ایک عادلہ عورت کی گواہی سے بھی رضاعت کا ثبوت ہو جائے گا کیونکہ حرمت رضاعت منجملہ حقوق شرع کے ایک حق ہے پس خبر واحد سے ثابت ہو سکتا ہے جیسے ایک شخص نے گوشت خریدا اور کسی نے اس کو خبر دی کہ یہ مجوسی کا ذبیحہ ہے تو اس کے لئے کھانا جائز نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ باب نکاح میں ثبوت حرمت زوال ملک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ بقاء نکاح مع ثبوت حرمت دائمی متصور نہیں ہو سکتا اور بطلان نکاح دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے بغیر نہیں تو حرمت کا ثبوت بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بخلاف گوشت کے مسئلہ کے کہ حرمت تناول زوال ملک۔ سے جدا ہو سکتی ہے جیسے شراب میں حرمت کے باوجود ملک یمین ثابت ہو جاتی ہے۔

كِتَابُ الطَّلَاقِ

طلاق کے بیان میں

اَلطَّلَاقُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَ طَلَاقُ السُّنَّةِ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ اَنْ يُّطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ تَطْلِيْقَةً وَّاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ لَّمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَطَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ تُطَلَّقَ الْمَدْخُوْلُ بِهَا ثَلٰثًا فِيْ ثَلٰثَةِ اَطْهَارٍ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلٰثًا بِكَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْثَلٰثًا فِيْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ بَانَتِ امْرَاَتُهٗ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِيًا[1]

طلاق تین قسم پر ہے احسن طلاق سنت طلاق بدعت پس احسن طلاق یہ ہے کہ طلاق دے آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں اس سے وطی نہ کی ہو اور پھر چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گذر جائے، طلاق سنت یہ ہے کہ طلاق دے مدخول بہا کو تین تین طہروں میں طلاق بدعت یہ ہے کہ طلاق دے دے تین ایک ہی لفظ میں یا تین دے ایک ہی طہر میں جب وہ یہ کر چکے طلاق واقع ہو جائے گی اور بیوی بائنہ ہو جائے گی اور وہ گنہگار ہوگا

تشریح الفقہ **قولہ کتاب الطلاق الخ** طلاق اسم مصدر ہے بمعنی تطلیق جیسے سراح بمعنی تسریح لغت میں مطلقاً بند کھولنے کو کہتے ہیں۔ فقہاء کے ہاں طلاق کی تعریف یہ ہے "ھو رفع قید النکاح حالًا او مآلًا بلفظ مخصوص" یعنی طلاق مخصوص الفاظ کے ساتھ رفع قید نکاح کو کہتے ہیں۔ خواہ رفع قید فی الحال ہو یا آخر کار۔

قولہ علی ثلثة اوجه الخ طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ احسن، سنی، بدعی، طلاق احسن یہ ہے کہ جس طہر میں وطی نہ ہوئی ہو اس میں ایک طلاق

[1] لما فی حدیث ابن عمر قال قلت یا رسول اللہ ارایت لو طلقتہا ثلاثا قال اذا قد عصیت ربک وبانت منک امرأتک رواہ ابن ابی شیبہ والدارقطنی ۱۲۔

دے کر چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے کیونکہ صحابہ کرامؓ اسی کو مستحب سمجھتے تھے پھر اس طلاق کا احسن ہونا بایں اعتبار ہے کہ یہ دوسری طلاق یعنی سنی (حسن) و بدعی کے لحاظ سے احسن ہے نہ کہ بایں اعتبار کہ یہ فی نفسہ احسن ہے۔ یہاں تک کہ یہ اعتراض ہو کہ طلاق تو ابغض المباحات ہے پس یہ کیسے احسن ہو سکتی ہے۔

قولہ و طلاق السنة الخ طلاق سنت یہ ہے کہ مدخول بہا کو تین طہروں میں جدا جدا تین طلاقیں دے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا تھا کہ سنت یہ ہے کہ طہر کا انتظار کرے اور ہر طہر میں طلاق دے[1]"

قولہ و طلاق البدعة الخ مدخول بہا کو بکلمہ واحدہ یا طہر واحد میں تین طلاقیں دینا یا حالت حیض میں طلاق دینا بدعی ہے اور بناء بر قول اصح رجوع کر لینا ضروری ہے اس کے بعد جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو چاہے نکاح میں رکھے اور چاہے طہر میں طلاق دے دیا اس واسطے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: صاحبزادے سے کہو کہ رجوع کر لے[2]۔

وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَّجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ وَ سُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِىْ فِيْهَا
سنت طلاق میں دو طرح سے ہے ایک سنت وقت میں اور ایک سنت عدد میں پس سنت عدد میں برابر ہے

الْمَدْخُوْلُ بِهَا وَ غَيْرُالْمَدْخُوْلِ بِهَا وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِيْ حَقِّ الْمَدْخُوْلِ بِهَا خَاصَّةً
مدخول بہا اور غیر مدخول بہا اور سنت وقت میں ثابت ہوتی ہے مدخول بہا کے حق میں خاص کر

وَهُوَاَنْ يُّطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ لَّمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَغَيْرُالْمَدْخُوْلِ بِهَا اَنْ يُّطَلِّقَهَا فِيْ حَالِ
اور وہ یہ ہے کہ طلاق دے اس کو ایک ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور غیر مدخول بہا کو طلاق دے طہر کی

الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْاَةُ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْكِبَرٍ فَاَرَادَاَنْ يُّطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا
حالت میں یا حیض کی حالت میں اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے اور شوہر چاہے اس کو طلاق دینا سنت کے مطابق

وَاحِدَةً فَاِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى فَاِذَا مَضٰى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى وَ يَجُوْزُاَنْ يُّطَلِّقَهَا وَلَا
تو ایک طلاق دے اور جب ایک ماہ گذر جائے تو دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گذر جائے تو ایک اور دے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو طلاق دے اور

يَفْصِلُ بَيْنَ وَطْئِهَا وَ طَلَاقِهَا بِزَمَانٍ وَّ طَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيْبَ الْجِمَاعِ وَ
اس کی وطی اور طلاق کے درمیان دنوں سے فصل نہ کرے حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے جماع کے بعد اور

يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلٰثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيْقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا
طلاق دے اس کو سنت کے موافق تین فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک ماہ سے شیخین کے نزدیک

اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ اِلَّا وَاحِدَةً وَاِذَاطَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ فِيْ حَالِ
امام محمد فرماتے کہ طلاق نہ دے اس کو سنت کے موافق مگر ایک جب طلاق دے دی کسی نے اپنی بیوی کو حالت

الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ يُسْتَحَبُّ لَهٗ اَنْ يُّرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَ حَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فَهُوَ
حیض میں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مستحب ہے اس کے لئے یہ کہ رجوع کر لے پس جب وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے تو اس کو

---

[1] دار قطنی، بیہقی عن جمیلہ بنت سعد ۱۲ [1] دار قطنی، طبرانی عن ابن عمر ۱۲ [2] ائمہ ستہ عن ابن عمر ۱۲۔

مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَکَهَا وَیَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ اِذَا کَانَ عَاقِلًا بَالِغًا وَلَا یَقَعُ

اختیار ہو گا چاہے طلاق دے دے چاہے روک لے واقع ہو جاتی ہے طلاق ہر شوہر کی جب وہ عاقل بالغ ہو اور واقع نہیں

طَلَاقُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاہُ وَطَلَّقَ وَقَعَ طَلَاقُهٗ

ہوئی طلاق بچہ دیوانے اور سونے والے کی جب شادی کی غلام نے آقا کی اجازت سے پھر طلاق دے دی تو واقع ہو جائے گی۔

وَلَایَقَعُ طَلَاقُ[1] مَوْلَاہُ عَلٰی امْرَأَتِهٖ

لیکن آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔

تشریح الفقہ قولہ من وجھین الخ الخ سنت الطلاق دوطرح پر ہے ایک وقت میں اور ایک عدد میں' پس سنت عدد میں تو اور غیر مدخول بہا دونوں برابر ہیں کیونکہ بکلمہ واحدہ تین طلاق دینے کی ممانعت اس لئے ہے کہ ممکن ہے وہ اپنے فعل پر نادم ہو کر اس کا تدارک کرنا چاہے اور یہ چیز غیر مدخول بہا میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن سنت فی الوقت صرف مدخول بھا کے حق میں ہی مخصوص ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو کیونکہ اگر وہ حالت حیض میں طلاق دیتا ہے تو اس کی عدت طویل ہو جاتی ہے اور اگر ایسے طہر میں طلاق دیتا ہے جس میں صحبت کر چکا تو قرار حمل کے امکان کی وجہ سے ممکن ہے اس کو اپنے فعل پر نادم ہونا پڑے۔ وھذا لایتصور الا فی المدخول بھا۔

قولہ ولا یفصل الخ امام زفر فرماتے ہیں کہ صحبت کرنے اور طلاق دینے کے درمیان ایک ماہ کا فصل ضرور کرے لیکن یہ اختلاف اس وقت ہے جب عورت کم عمر ہو کہ اسے حیض آنے اور حمل رہ جانے کی امید نہ ہو ورنہ بالا جماع افضل یہی ہے کہ صحبت سے ایک ماہ بعد طلاق دے۔

قولہ ولایقع الخ بچہ کی' دیوانہ کی' سونے والے کی اور غلام کی بیوی پر آقا کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہر طلاق جائز ہے سوائے مغلوب العقل[2] کی طلاق کے" نیز حدیث میں ہے کہ "بچہ کی طلاق جائز نہیں[3]۔"

وَالطَّلَاقُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ صَرِیْحٌ وَ کِنَایَةٌ فَالصَّرِیْحُ قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُکِ فَهٰذَا

طلاق دو قسم پر ہے صریح اور کنائی پس صریح یہ ہے کہ یوں کہے تجھے طلاق ہے' تو طلاق دی ہوئی ہے میں نے تجھے طلاق دے دی

یَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِیُّ وَلَایَقَعُ بِهٖ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَلَایُفْتَقَرُ اِلٰی نِیَّةٍ وَقَوْلُهٗ اَنْتِ الطَّلَاقُ وَ

اس سے طلاق رجعی ہو گی اور صرف ایک واقع ہو گی اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں' اور شوہر کے قول انت الطلاق

اَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقُ وَاَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَهٗ نِیَّةٌ فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِیَّةٌ وَاِنْ

انت طالق الطلاق' انت طالق طلاقا میں اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی ہو گی' اگر

نَوٰی ثِنْتَیْنِ لَایَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوٰی بِهٖ ثَلٰثًا کَانَ ثَلٰثًا

دو کی نیت کی تب بھی ایک ہی ہو گی اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی۔

صریح طلاق کا بیان

تشریح الفقہ قولہ فالصریح الخ طلاق صریح ان الفاظ سے ہوتی ہے جو بوجہ غلبہ استعمال طلاق ہی میں مستعمل ہوں جیسے انت طالق' انت

[1] لقولہ علیہ السلام الطلاق بید من ملک الساق ۱۲۔ [2] ترمذی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [3] ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق عن ابن عباس' عبدالرزاق' بخاری عن علی (تعلیقا) ۱۲۔

مطلقة طلقتک ان الفاظ سے طلاق دہندہ زائد کی نیت کرے یا بائن کی یا سرے سے نیت ہی نہ کرے بہرحال ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ آیت ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان'' میں طلاق صریح کے بعد رجعت کی اجازت دی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ طلاق صریح سے رجعی واقع ہوتی ہے اگر طلاق دہندہ ایسی ترکیب اختیار کرے جس میں خبر مصدر ہو یا تاکید ہو خواہ مصدر نکرہ ہو یا معرفہ ہو جیسے انت الطلاق اھ'' تو اس میں بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگرچہ وہ دو کی نیت کرے یا نیت ہی نہ کرے کیونکہ طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز صریح مصدر میں عدد کا احتمال نہیں ہوتا۔ ہاں اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ مصدر اسم جنس ہے لہذا کل جنس کا ارادہ ہو سکتا ہے پس تین فرد حکمی ہے یعنی تین کا عدد طلاق کا فرد کامل ہے بخلاف دو کے کہ وہ نہ فرد حقیقی ہے نہ فرد حکمی۔

وَالضَّرْبُ الثَّانِیْ الْكِنَایَاتُ وَلَایَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّابِنِیَّةٍ اَوْبِدَلَالَةِ حَالٍ وَهِیَ عَلٰی ضَرْبَیْنِ

دوسری قسم کنایات ہے ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی مگر نیت سے یا دلالت حال سے اور یہ دو قسم پر ہیں

مِنْهَا ثَلٰثَةُ اَلْفَاظٍ یَّقَعُ بِهَا رَجْعِیٌّ وَلَا یَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِیَ قَوْلُهٗ اِعْتَدِّیْ وَاسْتَبْرِئِیْ رَحِمَكِ

تین الفاظ تو انہیں سے وہ ہیں جن سے رجعی طلاق ہوتی ہے اور صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں تو عدت میں بیٹھ جا اور تو اپنے رحم کو صاف کر

وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ وَ بَقِیَّةُ الْكِنَایَاتِ اِذَانَوٰی بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَاِنْ نَوٰی

تو اکیلی ہے' اور باقی کنایات سے جب طلاق کی نیت کرے تو ایک طلاق بائن ہو گی اور اگر تین کی

ثَلٰثًا كَانَتْ ثَلٰثًا وَاِنْ نَوٰی ثِنْتَیْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهٰذِهٖ مِثْلُ قَوْلِهٖ اَنْتِ بَائِنٌ وَ بَتَّةٌ وَ بَتْلَةٌ

نیت کی تو تین ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک ہو گی اور وہ الفاظ یہ ہیں تو مجھ سے جدا ہے' تیرا مجھ سے قطع تعلق

وَحَرَامٌ وَ حَبْلُكِ عَلٰی غَارِبِكِ وَالْحِقِیْ بِاَهْلِكِ وَخَلِیَّةٌ وَبَرِیَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَ سَرَّحْتُكِ

ہے' تو حرام' تجھے اپنا اختیار ہے تو اپنے عزیزوں سے جا مل' تو بالکل چھوڑ دی گئی' تو بالکل بری ہے' تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کر دیا' میں نے تجھے چھوڑ

وَاخْتَارِیْ وَ فَارَقْتُكِ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَ تَقَنَّعِیْ وَاسْتَتِرِیْ وَاغْرُبِیْ وَابْتَغِی الْاَزْوَاجَ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ

دیا' خود مختار ہو جا' میں نے تجھے جدا کر دیا' تو آزاد ہے' چادر اوڑھ لے' پردہ کر لے' دور ہو جا' شوہروں کو تلاش کرے' پس اگر ان سے

لَهٗ نِیَّةٌ لَمْ یَقَعْ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ طَلَاقٌ اِلَّا اَنْ یَّكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَیَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِیْ

اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہو گی الا یہ کہ وہ دونوں طلاق کے مذاکرہ میں ہوں کہ ان سے طلاق ہو جائے گی

الْقَضَاءِ وَلَا یَقَعُ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَهٗ وَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ

قضاءً اور واقع نہ ہو گی فیما بینہ و بین اللہ الا یہ کہ وہ طلاق کی نیت کر لے اور اگر وہ طلاق کے مذاکرہ میں نہ ہوں

وَكَانَا فِیْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَایُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَةُ وَلَمْ یَقَعْ

بلکہ غصہ یا خصومت کی حالت میں ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی ہر اس لفظ سے جس سے گالی گفتار مقصود نہ ہو اور اس لفظ

بِمَا یُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِیْمَةُ اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَهٗ وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِّنَ الزِّیَادَةِ كَانَ

سے واقع نہ ہوگی جس سے گالی گلوچ مقصود ہو الا یہ کہ وہ نیت کر لے جب موصوف کیا طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ تو طلاق

بَائِنًا مِثْلَ اَنْ یَّقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَاَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْاَفْحَشَ الطَّلَاقِ اَوْطَلَاقَ

بائن ہوگی مثلاً یوں کہے تو بائنہ طلاق والی ہے تو بڑی سخت طلاق والی ہے' تو بدترین طلاق والی ہے' تجھ پر

الشَّیْطَانِ اَوْطَلَاقَ الْبِدْعَةِ اَوْکَالْجَبَلِ اَوْمِلْأَ الْبَیْتِ

شیطان کی طلاق ہے، تجھ پر بدعت کی یا پہاڑ کے برابر یا گھر بھرنے کے مثل طلاق ہے

کنائی طلاق کا بیان

توضیح اللغة اعتدی۔ عدت کے دن گزار۔ استبرئ۔ رحم صاف کر، بائن بینونة بمعنی جدائی سے اسم فاعل ہے۔ بتة بتلة بمعنی قطع حبلک علی غاربک تخلیہ سے استعارہ ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں خلیة۔ خلو سے ہے بریة۔ براءت سے ہے سرحتک تسریح سے ہے۔ آزاد کرنا، چھوڑنا، تقنعی۔ قناع یعنی دوپٹہ اوڑھنا، اغربی (ن) دور ہونا، غضب۔ غصہ۔ سب شتیمة۔ گالی افحش، بدترین، جبل۔ پہاڑ۔

تشریح الفقہ قولہ والضرب الثانی الخ طلاق کی دوسری قسم کنائی ہے اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ نیت طلاق یا دلالت حال کے بغیر کنایات سے قضاءً طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ کنائی الفاظ میں طلاق وغیرہ طلاق ہر دو کا احتمال ہوتا ہے اور بلا مرجح کسی ایک کو متعین کرنا جائز نہیں ہے اور مرجح نیت ہے یا دلالت حال مثلاً زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی۔ عورت نے شوہر سے کہا، مجھے طلاق دے دے، شوہر نے کہا: اعتدی، استبرئ، انت واحدة، تو ان الفاظ میں طلاق وغیر طلاق ہر دو کا احتمال ہے، مثلاً اعتدی میں عدت یا نعم باری ہر دو کے شمار کرنے کا احتمال ہے اور استبرئ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تو اپنے رحم کی صفائی حاصل کر، کیونکہ تو مطلقہ ہو گئی ہے اور یہ بھی کہ تو رحم صاف کر، تا کہ تجھے طلاق دوں۔ اسی طرح انت واحدة میں بھی دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ تو مطلقہ ہے بطلاق واحدة دوم یہ کہ تو میرے نزدیک خوبیوں کے اعتبار سے اپنی برادری میں ایک ہی ہے۔ بہر کیف تینوں مثالوں میں ہر دو احتمال ہیں لیکن حالت مذاکرہ طلاق دلالت کر رہی ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے لہذا ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

قولہ و بقیة الکنایات الخ کنایات سے وقوع طلاق کی توضیح یہ ہے کہ زوجین کے حالات تین قسم کے ہوتے ہیں۔ حالت رضا، حالت خفگی، حالت مذاکرہ طلاق اور کنائی الفاظ میں بھی تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان سے طلاق کا رد بھی ہو سکتا ہے اور اس کا جواب بھی ہو سکتا ہو۔ جیسے تقنعی، استتری، اغربی۔ دوم یہ کہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو اور جواب کی بھی صلاحیت ہو۔ جیسے خلیة، بریة، حرام، بائن، بتة، بتلة۔ سوم یہ کہ نہ ان سے طلاق کا رد ہوتا ہو اور نہ ان میں سب وشتم کی صلاحیت ہو لیکن جواب ہونے کی صلاحیت ہو جیسے اعتدی، استبرئ رحمک، انت واحدة، انت حرة، اختاری، سرحتک، فارقتک۔ سو رضا کی حالت میں تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہے اور خفگی کی حالت میں پہلے دونوں قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں اور مذاکرہ طلاق کی حالت میں صرف پہلی قسم کے کنایات نیت پر موقوف ہیں۔

قولہ وان نوی ثنتین الخ انت بائن سے ابتغی الازواج تک جو کنایات کتاب میں مذکور ہیں اگر ان سے دو کی نیت کرے تو ایک ہی واقع ہوگی۔ امام زفر کے ہاں دو ہو جائیں گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بینونت متضمن عدد نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ انت بائنتین نہیں کہتے۔ ہاں اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی لیکن تین کا وقوع بحیثیت عدد نہ ہوگا بلکہ اس لئے ہوگا کہ حرہ کے حق میں تین طلاق بینونت کی انتہائی نوع ہے جیسے باندی کے حق میں دو طلاق انتہائی ہے چنانچہ اگر کوئی باندی سے انت بائن کہہ کر دو کی نیت کرے تو صحیح ہے۔

قولہ انت طالق بائن الخ یہاں سے آخر تک جو الفاظ ہیں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ طلاق تو نفس لفظ ہی سے واقع ہوگئی اور جب اس نے وصف زائد کے ساتھ متصف کر دیا تو ایک ایسے معنی کا ہونا ضروری ہو گیا جو نفس لفظ میں نہیں ہے۔ وہو البینونة۔

وَاِذَااَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰی جُمْلَتِهَا وَاِلٰی مَایُعَبَّرُبِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلَ اَنْ یَّقُوْلَ اَنْتِ
جب منسوب کیا طلاق کو عورت کے کل کی طرف یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً یوں کہے کہ تو

طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُکِ[1] اَوْعُنُقُکِ اَوْرُوْحُکِ اَوْبَدَنُکِ اَوْجَسَدُکِ اَوْفَرْجُکِ اَوْوَجْهُکِ وَکَذٰلِکَ
طالق ہے یا تیری گردن کو یا تیری روح کو یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیری شرمگاہ کو یا تیرے چہرہ کو طلاق ہے۔ اسی طرح

اِنْ طَلَّقَ جُزْءً شَائِعًا مِثْلَ اَنْ یَّقُوْلَ نِصْفُکِ اَوْثُلُثُکِ طَالِقٌ وَاِنْ قَالَ یَدُکِ اَوْ رِجْلُکِ
اگر جزء شائع کو طلاق دی مثلاً یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے اوراگر یہ کہا تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں

طَالِقٌ لَمْ یَقَعِ الطَّلَاقُ وَاِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِیْقَةٍ اَوْثُلُثَ تَطْلِیْقَةٍ کَانَتْ تَطْلِیْقَةً
طلاق والا ہے تو طلاق واقع نہ ہو گی اگر اس کو نصف یا تہائی طلاق دی تو پوری ایک طلاق

وَاحِدَةً وَطَلَاقُ الْمُکْرَهِ وَالسَّکْرَانِ وَاقِعٌ وَیَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا قَالَ نَوَیْتُ بِهٖ
ہو گی زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہو جاتی ہے (کسی نے کچھ کہہ کر) کہا کہ میں نے اس سے

الطَّلَاقَ وَ یَقَعُ طَلَاقُ الْاَخْرَسِ بِالْاِشَارَةِ
طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق ہو جائے گی گونگے کی طلاق اشارہ سے ہو جاتی ہے۔

طلاق کو کسی حصہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا اضاف الخ اگر طلاق کی نسبت عورت کے کل کی طرف کی جیسے انت طالق یا ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے جیسے رقبہ وغیرہ الفاظ یا کسی جزء غیر معین کی طرف کی جیسے نصف، ثلث وغیرہ تو طلاق واقع ہو جائے گی وجہ ظاہر ہے اور اگر ایسے جزء کی طرف کی جس سے کل کی تعبیر نہیں ہوتی۔ جیسے ید، رجل وغیرہ تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ سوال لفظ ید سے کل کا تعبیر ہونا قرآن سے ثابت ہے، قال تعالیٰ ''تبت یدا ابي لهب و تب ' ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة'' جواب محض استعمال کافی نہیں بلکہ اس کا شائع ذائع ہونا ضروری ہے۔ امام زفر و امام شافعی کے نزدیک جزء معین غیر شائع کی طرف نسبت کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ عقد نکاح کے ذریعہ اس جزء سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے پس وہ محل نکاح ہونے کی وجہ سے محل طلاق ہوگا اور اس جزء میں حکم طلاق ثابت ہونے کے بعد کل میں سرایت کر جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ محل طلاق وہی جزء ہو سکتا ہے جس میں معنی قید متصور ہوں اور اجزاء مذکورہ میں یہ بات نہیں ہے پس طلاق واقع نہ ہو گی۔ جیسے بال، ناخن، دانت وغیرہ کی طرف منسوب کرنے سے طلاق نہیں ہوتی اور حصص طلاق نصف، ثلث، ربع وغیرہ ذکر کرنے سے پوری ایک طلاق واقع ہو گی کیونکہ طلاق میں تجزی نہیں ہوتی۔

قولہ و طلاق المکرہ الخ ہمارے ہاں مکرہ کی طلاق (جس سے زبردستی طلاق دلوائی گئی ہو) اور سکران کی طلاق (جو نشہ میں مست ہو) واقع ہو جاتی ہے۔ امام شافعی، مالک، احمد کے نزدیک واقع نہیں ہوتی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''میری امت سے خطاء بھول اور اس چیز کو اٹھا لیا گیا جو ان سے زبردستی کرائی جائے[2]'' ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة''[3] اور حدیث بالا میں بالاجماع حکم اخروی مراد ہے نہ کہ حکم دنیوی۔

[1] قال تعالیٰ فتحریر رقبة "فظلت اعناقهم لها خاشعین" قولهم هلکت روحه ای نفسه، جسد فلان یخلص من ذل الرق، وقوله علیه السلام لعن الله الفروج علی السروج، وقال تعالیٰ "ویبقی وجه ربک" ای ذاته [2] ابن حبان، ابن ماجہ، حاکم عن ابی عباس ۱۲ [3] حاکم، ترمذی، عن ابی ہریرۃ ۱۲۔

قولہ اذاقال نویت بہ الطلاق الخ ہمارے فقہاء کے نزدیک سکران کی صریح طلاق بلانیت بھی واقع ہو جاتی ہے اس لحاظ سے عبارت ''واذا قال نویت بہ الطلاق'' کاتبوں کے سہو سے درج ہو گئی ہے البتہ بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے ''ویقع الطلاق بکنایات اذا قال نویت بہ الطلاق'' یہ عبارت مضمون کے لحاظ سے گو صحیح ہے مگر بے محل ہے۔ (تدبر)۔

وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ
جب منسوب کیا طلاق کو نکاح کی طرف تو واقع ہو گی نکاح کے بعد مثلاً یوں کہے اگر میں تجھ سے شادی کروں

فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْقَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ وَاِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ
تو تجھے طلاق ہے یا کہا کہ جس عورت سے میں شادی کروں اسے طلاق ہے اور جب منسوب کیا طلاق کو شرط کی طرف تو واقع ہو گی شرط

الشَّرْطِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَأَتِهٖ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّلَايَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ
کے بعد مثلاً یوں کہے اپنی بیوی سے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور طلاق کو منسوب کرنا صحیح نہیں

اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْيُضِيْفَهٗ اِلَى مِلْكِهٖ فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ
مگر یہ کہ وہ مالک ہو یا اپنی ملک کی طرف منسوب کرے سو اگر کسی اجنبیہ سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے

طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَلَمْ تُطَلَّقْ
طلاق ہے پھر اس سے شادی کرلی اور وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی

تعلیق بالشرط کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا اضاف الخ لزوم تعلیق کے لئے ملک کا ہونا شرط ہے جیسے کوئی اپنی منکوحہ سے کہے' ان دخلت الدارفانت طالق یا یہ کہ وہ ملک کی طرف منسوب ہو۔ جیسے کوئی اجنبیہ سے کہے ان تزوجتک فانت طالق ان صورتوں میں ہمارے نزدیک شرط پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں پس اگر کسی نے اجنبیہ سے یہ کہا ان دخلت الدارفانت طالق پھر اس سے نکاح کرلیا اور وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہاں نہ ملک ہے نہ ملک کی طرف نسبت' امام شافعی کے نزدیک اضافت الی الملک کی صورت میں بھی طلاق نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''نکاح سے قبل طلاق نہیں ہے''[1]' امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر اس نے عورت کا نام ونسب یا اس کا قبیلہ ذکر کر دیا' بان قال زینب بنت زید بن خالد اوقال ھاشمیہ اوقرشیہ تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ''اگر کوئی شخص کل امراۃ انکحھافھی طالق کہے اور اس کا نام یا قبیلہ ذکر نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں''[2]' ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ ''اگر کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دینے کی قسم کھالے حالانکہ ابھی اس نے اس عورت سے نکاح نہیں کیا تو یہ اس پر نکاح کے بعد لازم ہو جائے گا''[3]' اور موالک وشوافع کے متدلات طلاق تنجیزی کی نفی پر محمول ہیں۔

وَالْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَكُلُّ وَ كُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا فَفِي كُلِّ هٰذِهِ الْاَ لْفَاظِ اِنْ وُجِدَ
شرط کے الفاظ ان' اذا' اذاما' کل' کلما' متی اور متی ما ہیں پس ان تمام الفاظ میں اگر شرط

الشَّرْطُ انْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ اِلَّا فِيْ كُلَّمَا فَاِنَّ الطَّلَاقَ يَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ حَتّٰى

[1] ابن ماجہ عن المسور بن مخرمہ وعلی ۱۲ [2] مالک عن ابن مسعود ۱۲ [3] مالک عن عمرو وابن عمر وابن مسعود ۱۲۔

پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی بجز لفظ کلما کے کہ اس میں طلاق مکرر ہو گی شرط کے مکرر ہونے سے یہاں تک

يَقَعَ ثَلٰثُ تَطْلِيْقَاتٍ فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ وَ تَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَئٌ وَزَوَالُ الْمِلْكِ

کہ واقع ہو جائیں تین طلاقیں پس اگر اس کے بعد اس سے شادی کر لی اور پھر شرط مکرر ہو تو کچھ واقع نہ ہو گا' ملک کا زائل ہو جانا

بَعْدَالْيَمِيْنِ لَايُبْطِلُهَا فَاِنْ وُجِدَالشَّرْطُ فِىْ مِلْكٍ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ

یمین کے بعد باطل نہیں کرتا یمین کو پس اگر پائی جائے شرط ملک میں تو پوری ہو جائے گی قسم اور واقع ہو جائے گی طلاق اور اگر

وُجِدَ فِى غَيْرِمِلْكٍ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَلَمْ يَقَعْ شَىْءٌ وَاِذَا اخْتَلَفَا فِىْ وَجُودِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ

پائی جائے غیر ملک میں تو پوری ہو جائے گی قسم اور کچھ واقع نہ ہو گا جب اختلاف کیا زوجین نے وجود شرط میں تو شوہر

قَوْلُ الزَّوْجِ اِلَّا اَنْ تُقِيْمَ الْمَرْاَةُ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ

کا قول معتبر ہو گا الا یہ کہ عورت بینہ قائم کر دے پس اگر شرط معلوم نہ ہو سکتی ہو مگر عورت کیطرف سے تو اس کا

قَوْلُهَا فِىْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ وَ

قول معتبر ہو گا اس کے حق میں مثلاً یوں کہیئے اگر تجھے حیض آیا تو تجھے طلاق ہے اس نے کہا مجھے حیض آ گیا تو طلاق ہو جائے گی

اِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَ فُلَانَةٌ مَّعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِىَ وَلَمْ

اور اگر یہ کہا کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور فلاں عورت کو تیرے ساتھ' اس نے کہا مجھے حیض آ گیا تو طلاق ہو گی صرف اسی کو نہ کہ

تُطَلَّقْ فُلَانَةٌ وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَاَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتّٰى

فلاں عورت کو' جب یہ کہا کہ جب تجھے حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے اس نے خون دیکھا تو طلاق واقع نہ ہو گی یہاں تک

يَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِيْنَ حَاضَتْ

کہ خون جاری رہے تین دن تک جب تین دن ہو جائیں تو ہم حکم لگا دیں گے وقوع طلاق کا اس وقت سے جب سے وہ حائضہ ہوئی

وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا وَ طَلَاقُ

ہے' اگر یہ کہا جب تجھے ایک حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے تو طلاق نہ ہو گی یہاں تک کہ پاک ہو جائے حیض سے' باندی

الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّاكَانَ زَوْجُهَا اَوْعَبْدًا وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلٰثٌ حُرًّا

کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا

كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا

شوہر آزاد ہو یا غلام

تشریح الفقہ قوله الفاظ الشرط الخ الفاظ شرط اِن' اذا وغیرہ میں یک بار شرط پائے جانے کے بعد یمین منتہی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ لغت کے اعتبار سے مقتضی عموم و تکرار نہیں ہیں البتہ لفظ کلما میں صرف ایک مرتبہ شرط پائے جانے سے یمین منتہی نہیں ہوتی بلکہ تین بار پایا جانا ضروری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لفظ کلما افعال میں عموم چاہتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ''كلما نضجت جلودهم بدلنهم جلودا غيرها'' اور لفظ کل اسماء میں عموم چاہتا ہے پس اگر کوئی شخص یوں کہے ''کلما تزوجت امراۃ فهی طالق'' تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی' اگرچہ ستر بار نکاح کرے کیونکہ اس نے لفظ کلما کو سبب ملک یعنی تزوج پر داخل کیا ہے تو جب بھی فعل تزوج پایا جائے گا طلاق واقع ہو جائے گی۔

قولہ و زوال الملک الخ یمین کے بعد ملک زائل ہو جانے سے یمین باطل نہیں ہوتی مثلاً کسی نے بیوی سے کہا ان دخلت الدار فانت طالق پھر اس کو ایک یا دو طلاق بائن دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر زوج ثانی کے بعد اس نے اسی عورت سے نکاح کیا اور اب تعلیق کی شرط پائی گئی یعنی بیوی گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یمین بھی منتہی ہو جائے گی اور اگر شرط ملک میں نہ پائی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن یمین منتھی ہو جائے گی' حاصل یہ کہ یمین تو ہر صورت میں منتھی ہو جائے گی لیکن طلاق کا واقع ہونا ملک میں شرط کے پائے جانے کے ساتھ مشروط ہے۔

قولہ لا یعلم الامن جھتھا الخ شوہر نے طلاق کو ایسی شرط پر معلق کیا جس کا وجود صرف عورت ہی کی جانب سے معلوم ہو سکتا ہے اور پھر وجود شرط میں اختلاف ہوا تو عورت کا قول معتبر ہوگا مگر صرف اسی کے حق میں نہ کہ غیر کے حق میں مثلاً شوہر نے طلاق کو حیض کے آنے پر معلق کیا اور کہا' ان حضت فانت طالق و فلانۃ معک۔ اب عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض آ گیا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ دوسری عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ دوسری کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں ہے پھر از روئے قیاس اس کے حق میں بھی اس کا قول معتبر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ شوہر پر حنث کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر منکر ہے اور قول منکر ہی کا مقبول ہوتا ہے' وجہ استحسان یہ ہے کہ یہاں وجود شرط کا علم اسی کی جانب سے ہو سکتا ہے۔ نیز آیت ''ولا یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن'' میں مامور بالاظہار وہی ہے اگر اس کے قول کو معتبر نہ مانا جائے تو وجوب اظہار کا کوئی فائدہ نہیں رہتا پھر طلاق صرف خون دیکھنے سے واقع نہ ہوگی جب تک کہ خون تین روز تک مستمر نہ ہو کیونکہ اس سے کم میں استحاضہ ہونے کا احتمال ہے۔ اور اگر اس نے اذا حضت حیضۃ کہا' تو جب تک اس حیض سے پاک نہ ہولے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ لفظ حیضۃ بڑھا کر کامل حیض مراد لیا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب وہ اس سے پاک ہو جائے۔

قولہ وطلاق الامۃ الخ ہمارے ہاں عدد طلاق میں عورت کے حال کا اعتبار ہے کہ آزاد ہو تو تین ہیں باندی ہو تو دو۔ شوہر آزاد ہو یا غلام ائمہ ثلاثہ کے ہاں مرد کے حال کا اعتبار ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ طلاق کا اعتبار مردوں کے لحاظ سے ہے اور عدت کا اعتبار عورتوں سے[1]۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں[2]'' اور پہلی حدیث میں ایقاع طلاق مراد ہے نہ کہ عدد طلاق۔

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلٰثًا وَقَعْنَ وَاِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْاُوْلٰى
جب طلاق دی کسی نے اپنی بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے تین تو واقع ہو جائیں گی اور اگر جدا جدا دیں تو بائنہ ہو جائے گی پہلی ہی سے

وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا
اور واقع نہ ہو گی دوسری اور تیسری' اگر بیوی سے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو واقع ہو گی اس پر

وَاحِدَةٌ وَاِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَاِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ
ایک' اگر کہا ایک طلاق ہے ایک سے پہلے تو واقع ہو گی ایک' اگر کہا ایسی ایک ہے کہ اس سے پہلے بھی ایک ہے

وَقَعَتْ ثِنْتَانِ وَاِنْ قَالَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْمَعَ وَاحِدَةٍ اَوْمَعَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ
تو واقع ہوں گی دو' اگر کہا ایک طلاق ہے ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ ایک ہے تو واقع ہو گی

ثِنْتَانِ وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتِ الدَّارَ

[1] ابن ابی شیبہ' عبد الرزاق ۱۲۔ [2] ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ' حاکم' دار قطنی' بیہقی عن عائشہ ۱۲۔

''اگر کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے ایک اور ایک وہ گھر میں داخل ہو گئی

وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَابِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ

تو اس پر ایک واقع ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ دو واقع ہوں گی' اگر کہا تجھے

طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِىَ طَالِقٌ فِى الْحَالِ فِى كُلِّ الْبِلَادِ وَ كَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِى الدَّارِ

طلاق ہے مکہ میں تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی ہر شہر میں اسی طرح اگر کہا تجھے طلاق ہے گھر میں

وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ وَاِنْ قَالَ لَهَا

اور اگر یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے جب تو داخل ہو مکہ میں تو طلاق نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ داخل ہو جائے مکہ میں' اگر کہا

اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِىْ

تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہوگی فجر ثانی کے طلوع سے

غیر مدخول بہا عورت کی طلاق کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا طلق الرجل الخ کسی نے اپنی غیر موطوءہ بیوی کو تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیونکہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر مدخولہ کا تین طلاقوں کا محل ہونا حدیث مرفوع اور حضرت علیؓ ' حضرت ابن مسعودؓ' ابن عباسؓ کے آثار سے ثابت ہے جیسا کہ امام محمد نے تصریح کی ہے۔ اور اگر تین طلاقیں متفرق طور سے دیں جس کی کئی صورتیں ہیں۔ ا۔ تفریق مذکرو صف جیسے انت طالق واحدۃ و واحدۃ و واحدۃ۔ ۲۔ بذکر خبر جیسے انت طالق و طالق و طالق۔ ۳۔ بذکر اقوال خواہ عطف کے ساتھ ہو جیسے انت طالق یا بلا عطف جیسے انت طالق انت طالق انت طالق تو ان تینوں صورتوں میں ایک طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ اس وقت ہر طلاق کا ایقاع علیحدہ مقصود ہے اس واسطے کہ آخر کلام میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو آغاز کلام کو متغیر کر دے مثلاً عدد اور شرط وغیرہ اس لئے ایک طلاق پڑتے ہی فی الحال بائنہ ہو جائے گی اور دوسری و تیسری لغو ہو جائے گی۔

قولہ انت طالق واحدۃ و واحدۃ الخ اس کا سمجھنا دو قاعدوں پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ جب تفریق طلاق بذریعہ حرف عطف ہو تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اگر حرف عطف واؤ ہو تو اس کے لئے کہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے۔ عام ازیں کہ بطریق معیت ہو یا بطریق تقدم و تاخر۔ پس اول آخر پر موقوف ہو گا بلکہ ہر لفظ اپنا عمل کرے گا اس لئے عورت ایک ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور بعد والی طلاق واقع نہ ہوگی دوم یہ کہ لفظ قبل اور لفظ بعد دونوں ظرف ہیں لفظ قبل اس زمانہ کے لئے اسم ہے جو اس کے مضاف الیہ سے متقدم ہو اور لفظ بعد اس کے لئے جو اس کے مضاف الیہ سے مؤخر ہو اور جب ظرف دو اسموں کے درمیان واقع ہو اور ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون نہ ہو تو وہ اسم اول کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبل عمرو اس میں قبلیت زید کی صفت ہے اور اگر ہاء کنایہ کے ساتھ مقرون ہو تو ثانی اسم کی صفت ہوتا ہے تقول جاءنی زید قبلہ عمرو اس میں قبلیت عمرو کی صفت ہے۔ جب یہ قاعدہ سمجھ میں آ گیا تو اب دیکھو زید نے اپنی بیوی سے کہا۔ انت طالق واحدۃ و واحدۃ تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہے تو پہلی طلاق کا وقوع ثانی کے وقوع پر موقوف نہ ہوا' بلکہ طلاق واقع ہوگئی اور جب ایک طلاق واقع ہوگئی تو اب وہ دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر زید نے کہا انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ تو اس نے ثانی طلاق سے قبل پہلی طلاق واقع کی ہے لہذا اس سے وہ بائنہ ہوگئی اور دوسری طلاق کا محل نہ رہی اور اگر انت طالق واحدۃ بعدہا واحدۃ کہا' تب بھی ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی ثانی طلاق واقع نہ ہوتی تو اب بطریق اولیٰ نہ ہوگی اور اگر انت طالق واحدۃ قبلہا واحدۃ کہا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ ماضی میں طلاق واقع کرنا فی الحال واقع کرنا ہے پس

دونوں ایک ساتھ واقع ہوں گی وقس علیہ البواقی۔

قولہ ان دخلت الدار الخ زید نے اپنی بیوی سے کہاان دخلت لدار فانت طالق واحدة و واحدة اور بیوی گھر میں داخل ہوگئی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر ان دخلت الدار شرط کو مؤخر کر کے ذکر کیا تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ صاحبین کے ہاں دونوں صورتوں میں دو طلاقیں ہوں گی کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لئے ہے نہ کہ ترتیب کے لئے اور زید نے دونوں طلاقوں کو وجود شرط کے وقت واقع کیا ہے اور وجود شرط کی حالت حالت واحدہ ہے لہذا دونوں طلاقیں ایک ساتھ واقع ہوں گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب طلاق شرط پر معلق ہوتی ہے تو وہ وجود شرط کے وقت تنجیزی طلاق کے حکم میں ہوتی ہے اگر زید حقیقۃً تنجیزی طلاق دے تو دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی تو حکماً تنجیزی ہو جانے کی صورت میں بھی دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بخلاف ماذااخر الشرط لان صدور الکلام توقف علی آخرہ لوجود المغیر۔

قولہ انت طالق بمکة الخ اگر کسی نے بیوی سے کہا: انت طالق بمکة ۔ تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی خواہ وہ کہیں ہو کیونکہ طلاق کا وقوع کسی خاص مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اگر انت طالق اذا دخلت بمکة کہا تو جب تک وہ مکہ میں داخل نہ ہو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہاں طلاق شرط دخول پر معلق ہے جو غیر موجود فعل ہے لہذا اس کے وجود کے بغیر طلاق نہ ہوگی اگر انت طالق غدا کہا تو طلوع فجر ثانی کے وقت طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے عورت کو جمیع غدا میں طلاق کے ساتھ متصف کیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب طلاق اسکے اول جزء میں واقع ہو۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَکِ یَنْوِیْ بِذٰلِکَ الطَّلَاقَ اَوْقَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ فَلَهَا اَنْ
اگر کہا اپنی بیوی سے تو خود کو اختیار کر لے اس سے نیت کی اس نے طلاق کی یا کہا تو خود کو طلاق دے لے تو وہ خود کو

تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَادَامَتْ فِیْ مَجْلِسِهَا ذٰلِکَ فَاِنْ قَامَتْ مِنْهُ اَوْاَخَذَتْ فِیْ عَمَلٍ اٰخَرَخَرَجَ الْاَمْرُ
طلاق دے سکتی ہے مجلس میں رہنے تک اگر اس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی اور کام میں لگ گئی تواختیار ہاتھ سے

مِنْ یَدِهَا فَاِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِیْ قَوْلِهٖ اِخْتَارِیْ نَفْسَکِ کَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا یَکُوْنُ
جاتا رہے گا پھر اگر وہ اختیار کر لے خود کو اس کے قول اختاری نفسک میں تو ایک طلاق بائنہ ہو گی تین

ثَلٰثًا وَاِنْ نَوَی الزَّوْجُ[1] ذٰلِکَ وَلَابُدَّ مِنْ ذِکْرِ النَّفْسِ فِیْ کَلَامِهٖ اَوْکَلَا[2] مِهَاوَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا
نہ ہو گی گو توشوہر تین کی نیت کرے اور لفظ نفس کا مذکور ہونا ضروری ہے مرد یا عورت کے کلام میں اور اگر طلاق دے لی خود کو

فِیْ قَوْلِهٖ طَلِّقِیْ نَفْسَکِ فَهِیَ وَاحِدَةٌ رَجْعِیَّةٌ وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلٰثًا وَقَدْ اَرَادَالزَّوْجُ ذٰلِکَ
اس کے قول طلقی نفسک میں تو یہ ایک رجعی ہو گی اور اگر اس نے تین دے لیں اور شوہر نے بھی اس کی نیت کر لی

وَقَعْنَ عَلَیْهَا وَاِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِیْ نَفْسَکِ مَتٰی شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِی الْمَجْلِسِ[3] وَ بَعْدَهٗ
تو تینوں واقع ہو جائیں گی اگر کہا طلاق دے لے خود کو جب تو چاہے تو وہ خود کو طلاق دے سکتی ہے مجلس میں بھی اور بعد میں بھی

وَاِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ اِمْرَأَتِیْ فَلَهٗ اَنْ یُطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ[4] وَ بَعْدَهٗ وَاِنْ قَالَ طَلِّقْهَا اِنْ شِئْتَ
کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق دے سکتا ہے مجلس میں اور اس کے بعد اگر کہا اس کو طلاق دے دے اگر تو چاہے

[1] وقال الشافعی تکون ثلثا اذا نوی ۱۲۔ [2] لان قولہ اختاری وقولها اخترت مبهم ۱۲۔ [3] لان کلمه متی عامة فی الاوقات ۱۲۔ [4] لانه تو کیل لیس بتملیک ۱۲۔

فَلَهُ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً۞ وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ اَوْتُبْغِضِيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ

تو وہ طلاق دے سکتا ہے صرف مجلس میں، اگر کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق

فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّكَ اَوْ اُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهَا خِلَافُ مَا اَظْهَرَتْ وَاِنْ

اس نے کہا میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی گو اس کے دل میں خلاف ہو اس کے جو ظاہر کیا ہے اگر

طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْ مِنْهُ وَاِنْ

طلاق دی کسی نے بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن، پھر مر گیا جبکہ وہ اس کی عدت میں تھی تو عورت اس کی وارث ہو گی

مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا وَاِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهِ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

اور اگر عدت گذرنے کے بعد مرا تو عورت کے لئے میراث نہ ہو گی، اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے انشاء اللہ اور یہ

مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثًا اِلَّا وَاحِدَةً طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ وَاِنْ قَالَ

متصلاً کہا تو طلاق واقع نہ ہو گی، اگر بیوی سے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو دو واقع ہوں گی، اور اگر کہا

ثَلٰثًا اِلَّا ثِنْتَيْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَةً وَاِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثَلٰثًا يَقَعُ ثَلٰثًا وَاِذَا مَلَكَ الزَّوْجُ امْرَاَتَهُ وَ

تین ہیں مگر دو تو ایک واقع ہو گی اور اگر کہا تین ہیں مگر تین تو تینوں واقع ہوں گی جب مالک ہو جائے شوہر بیوی کا یا

شِقْصًا مِّنْهَا اَوْمَلَكَتِ الْمَرْاَةُ زَوْجَهَا اَوْشِقْصًا مِّنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا

اس کے کچھ حصہ کا یا بیوی مالک ہو جائے شوہر کی یا اس کے کچھ حصہ کی تو ان میں فرقت واقع ہو جائے گی

تفویض طلاق وغیرہ کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ینوی بذلک الخ کسی نے بیوی سے بہ نیت طلاق کہا۔ اختاری نفسک تو بمقتضاء قیاس طلاق نہیں ہونی چاہئے کیونکہ خود شوہر لفظ اختاری سے طلاق واقع کرنے کا مالک نہیں تو دوسرے کو بھی مالک نہیں بنا سکتا مگر استحساناً واقع ہو جائے گی کیونکہ مخیّرہ عورت کو مجلس تخییر میں اپنی ذات کو اختیار کرنے کا حق باجماع صحابہ ثابت[2] ہے۔ ہاں اگر وہ اس مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اختیار ختم ہو جائے گا کیونکہ قیام دلیل اعراض ہے پھر عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اگرچہ شوہر تین کی نیت کرے کیونکہ اختیار میں تنوع نہیں ہوتا۔

قولہ واحدۃ رجعیۃ الخ اگر شوہر کے قول طلقی نفسک سے عورت نے خود کو طلاق دے لی۔ تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور اگر عورت نے تین طلاقیں دیلیں اور شوہر نے اس کی نیت کرلی تو تین واقع ہو جائیں گی۔ وجہ یہ ہے کہ طلقی امر مقتضی تطلیق ہے اور تطلیق مصدر اسم جنس ہے جس میں ایک کا بھی احتمال ہے اور کل کا بھی، پس کل کی نیت ہو گی تو تینوں واقع ہو جائیں گی ورنہ ایک پر محمول کیا جائے گا اور تفویض چونکہ صریح طلاق کی ہے اس لئے رجعی واقع ہو گی۔

قولہ فی مرض موتہ الخ کسی نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دے دی اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو گیا تو عورت اس کی وارث ہو گی اور اگر اس کا انتقال عدت کے بعد ہوا تو وارث نہ ہو گی۔ امام اعظم کے نزدیک بعد از عدت بھی وارث ہو گی جب کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ امام مالک کے نزدیک اگر وہ دس شوہروں سے بھی نکاح کر لے تب بھی وارث ہو گی۔ امام شافعی کے ہاں

[1] لانہ تفویض فیقتصر علی المجلس ۱۲۔ [2] عبدالرزاق، طبرانی عن ابن مسعود، عبدالرزاق عن جابر، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق عن عمرو عثمان، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر ۱۲

مطلقہ ثلاث اور مختلعہ وارث نہیں ہوتی خواہ شوہر کا انتقال عدت کے زمانہ میں ہو یا عدت کے بعد کیونکہ میراث کا سبب زوجیت ہے اور طلاق بائن سے زوجیت باطل ہوگئی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ زوجیت سبب وراثت ہے اور شوہر نے مرض الموت میں طلاق دے کر اس سبب کو باطل کرنا چاہا ہے اس لئے اس کے قصد کی تاثیر کو عورت سے ضرر دور کرنے کی خاطر انقضاء عدت تک مؤخر کیا جائے گا کیونکہ بعض حقوق کے لحاظ سے عدت میں نکاح باقی رہتا ہے اس لئے حق ارث میں بھی نکاح باقی رہ سکتا ہے' عدت کے بعد اس کا امکان نہیں۔

قولہ انشاء اللہ الخ اگر کوئی شخص طلاق کے بعد فوراً استثناء کرلے مثلاً یوں کہے **انت طالق انشاء اللہ** تو طرفین اور شوافع کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام مالک کے ہاں یہ کہنے سے طلاق' عتاق اور صدقہ باطل نہ ہوگا ہاں یمین اور نذر باطل ہوجائے گی۔ امام احمد کے ہاں صرف طلاق باطل نہ ہوگی۔ ہماری دلیل وہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق عتاق وغیرہ میں متصلاً استثناء کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔[1]

قولہ الا واحدۃ الخ کل سے بعض کا استثناء صحیح ہے استثناء کے بعد جو باقی رہے گا اس کا اعتبار ہوگا اور اگر کچھ باقی نہ رہے تو استثناء صحیح نہ ہوگا پس انت طالق ثلثا الا واحدۃ میں ایک کے استثناء کے بعد دو باقی رہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور انت طالق ثلث الاثنتین میں استثناء کے بعد ایک باقی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور انت طالق ثلثا الاثلثا میں استثناء کے بعد کچھ نہیں رہتا' اس لئے استثناء صحیح نہیں لہذا تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

رجوع کرنے کا بیان

اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً اَوْتَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَهُ اَنْ
جب طلاق دی کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو تو وہ

يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ اَوْلَمْ تَرْضَ وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَّقُوْلَ رَاجَعْتُكِ اَوْرَاجَعْتُ
مراجعت کرسکتا ہے اس کی عدت میں عورت اس سے راضی ہو یا نہ ہو اور رجعت یہ کہنا ہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کرلی یا میں نے

امْرَأَتِيْ اَوْيَطَأُهَا اَوْيُقَبِّلُهَا اَوْيَلْمِسُهَا بِشَهْوَةٍ اَوْيَنْظُرُ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُّشْهِدَ عَلَى
اپنی بیوی سے رجعت کرلی یا اس سے وطی کرے یا بوسہ لے لے یا اس کو شہوت سے چھو دے یا اس کی شرمگاہ دیکھ لے مستحب ہے گواہ کرلینا

الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِنْ لَّمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ قَدْكُنْتُ
رجعت پر دو گواہوں کو اگر گواہ نہ بنایا تب بھی رجعت صحیح ہو جائے گی جب عدت گزر گئی تو شوہر نے کہا میں نے تجھ سے

رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ
رجعت کرلی تھی عدت میں عورت نے تصدیق کردی تو رجعت ہوگئی' اگر تکذیب کردی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی

اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْرَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهٗ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ
امام صاحب کے نزدیک جب کہا شوہر نے میں نے تجھ سے رجعت کرلی عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گزرچکی

لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا

[1] ائمہ اربعہ عن ابن عمر' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ عن ابی ہریرہ' ابن عدی عن ابن عباس' عبدالرزاق' دارقطنی عن معاذ ۱۲۔

تو رجعت صحیح نہ ہو گی امام صاحب کے نزدیک، باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہا

قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

میں اس پر رجعت کر چکا اس پر آقا نے تصدیق کی اور باندی نے تکذیب تو باندی کا قول معتبر ہو گا امام صاحب کے نزدیک

وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَّمْ تَغْتَسِلْ وَاِنْ

جب بند ہو جائے خون تیسرے حیض کا دس دن پر تو رجعت ختم ہو جائے گی گو غسل نہ کرے، اگر

انْقَطَعَ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِىَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ

دس سے کم پر بند ہوا تو رجعت ختم نہ ہو گی یہاں تک کہ غسل کر لے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے

اَوْتَتَيَمَّمَ وَ تُصَلِّىَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا تَيَمَّمَتْ اِنْقَطَعَتِ

یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے شیخین کے نزدیک امام محمد فرماتے ہیں کہ جب تیمم کر چکے تو رجعت

الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَّمْ تُصَلِّ وَاِنِ اغْتَسَلَتْ وَ نَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ

ختم ہو جائے گی گو نماز نہ پڑھے اگر عورت. نے غسل کیا اور بدن کا کچھ حصہ بھول گئی جس پر پانی نہیں بہا تو اگر

عُضْوًا كَامِلًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ

ایک عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہ ہو گی

وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَ تَتَزَيَّنُ وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا

اوراگر عضو سے کم ہو تو ختم ہو جائے گی، مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار اور زینت اختیار کرے اور مستحب ہے اس کے شوہر

اَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا وَيُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِىُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْىَ وَ

کے لئے یہ کہ نہ داخل ہو اس کے پاس یہاں تک کہ اس کو اطلاع کر دے اور جوتوں کی آواز سنا دے، طلاق رجعی حرام نہیں کرتی وطی کو

اِنْ كَانَ طَلَاقًا بَائِنًا دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا فِىْ عِدَّتِهَا وَ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

اگر طلاق بائن دی تین سے کم تو وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اس کی عدت میں اور عدت گذرنے کے بعد بھی

توضیح اللغۃ رجعۃ (ض) لوٹنا۔ یقبل تقبیلاً۔ بوسہ لینا، یلمس (ن، ض) لمساً۔ چھونا، نسیت (س) نسیاناً۔ بھولنا، تتشوف۔ بناؤ سنگار کرنا، خفق نعلیہ۔ جوتے کی آواز۔

تشریح الفقہ قولہ باب الرجعۃ الخ اصطلاح فقہاء میں رجعت مطلقہ عورت کی عدت کے زمانہ میں دوام ملکیت استمتاع کے باقی رکھنے کو کہتے ہیں جو ملکیت استمتاع قائم بالنکاح ہوتی ہے اگر کسی نے بیوی کو تین سے کم طلاق دی اور عدت باقی ہے تو رجعت کرسکتا ہے گو عورت راضی نہ ہو کیونکہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا، پھر رجعت قول اور فعل ہر دو کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ اول جیسے راجعتک، راجعت امرأتی۔ یہ رجعت کے صریح الفاظ ہیں۔ ثانی جیسے وطی کرنا، بوسہ لینا، چھونا، پیشاب گاہ کو بنظر شہوت دیکھنا۔ امام شافعی کے ہاں صرف قول سے ہوسکتی ہے اور گونگے کے حق میں اشارہ کے ساتھ، وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں رجعت ابتداء نکاح کے درجہ میں ہے اور ہمارے ہاں ابتداء نکاح نہیں بلکہ ابقاء نکاح ہے۔

قولہ ان یشھد الخ ہمارے ہاں رجعت کرتے وقت دو عادلوں کو شاہد بنالینا مستحب ہے۔ امام مالک اور ایک قول میں امام شافعی کے ہاں واجب ہے۔ یہ حضرات آیت ''واشھدوا ذوی عدل منکم'' میں امر کو وجوب کے لئے مانتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ''فامسکو ھن

بمعروف' فامساک بمعروف' و بعولتهن احق بردهن' فلاجناح علیهما ان یتراجعا''اور''مرا بنک فلیراجعها''نصوص مطلق ہیں معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں امر برائے استحباب ہے نہ کہ برائے وجوب۔

قوله فصد قته الخ شوہر نے عدت گزر جانے کے بعد کہا: میں نے تجھ سے عدت میں رجعت کر لی تھی' عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو تصدیق صحیح ہے کیونکہ جب تصادق زوجین سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے تو رجعت بطریق اولیٰ صحیح ہو گی۔ہاں اگر عورت انکار کر دے تو رجعت صحیح نہ ہو گی کیونکہ شوہر ایسی چیز کی خبر دے رہا ہے کہ فی الحال میں اس کے انشاء کا مالک نہیں اور عورت اس کی منکر ہے تو عورت ہی قول معتبر ہو گا۔

واذا انقطع الدم الخ اگر دس دن خون آ کر بند ہوا تو رجعت نہیں کر سکتا کیونکہ دس دن سے زیادہ حیض نہیں ہوتا پس خون بند ہوتے ہی حیض ختم اور حیض ختم ہوتے ہی عدت ختم اور عدت ختم ہوتے ہی رجعت کا حق ختم' اور اگر دس سے کم میں خون بند ہوا تو ابھی رجعت کا حق ختم نہ ہو گا کیونکہ حیض کی مدت باقی ہے اور خون آ سکتا ہے یہاں تک کہ نماز کا وقت گزر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھے۔امام محمد فرماتے ہیں کہ تیمم کرتے ہی حق رجعت ختم ہو جائے گا کیونکہ تیمم کے ذریعہ اس کے لئے وہ چیز حلال ہو گئی جو غسل سے ہوتی ہے پس گویا اسنے غسل ہی کر لیا۔شیخین یہ فرماتے ہیں کہ تیمم رافع حدث نہیں ہے۔چنانچہ پانی پر قادر ہوتے ہی تیمم باطل ہو جاتا ہے بخلاف مااذاصلی به فانه تعلق به حکم لایلحقه الفسخ۔

وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلٰثًا فِی الْحُرَّةِ اَوْثِنْتَیْنِ فِی الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ نِكَاحًا
اگر طلاقیں تین ہوں حرہ میں یا دو ہوں باندی میں تو عورت حلال نہ ہو گی اس کے لئے یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح

صَحِیْحًا وَیَدْخُلُ بِهَا ثُمَّ۔ یُطَلِّقُهَا اَوْیَمُوْتُ عَنْهَا وَالصَّبِیُّ الْمُرَاهِقُ فِی التَّحْلِیْلِ كَالْبَالِغِ وَوَطْیُ
صحیح کرے اور وہ صحبت کر کے طلاق دے یا مر جائے' اور قریب البلوغ لڑکا حلالہ میں مثل بالغ کے ہے اور آقا

الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ لَایُحِلُّهَا لَهٗ وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِیْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ
کا باندی سے وطی کرنا اس کو شوہر کے لئے حلال نہیں کرتا' اگر حلالہ کی شرط سے نکاح کیا تو یہ مکروہ ہے پس اگر طلاق دے دی اس کو

وَطْئِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْحُرَّةَ تَطْلِیْقَةً اَوْتَطْلِیْقَتَیْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا
وطی کے بعد تو شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی' کسی نے طلاق دی آزاد عورت کو ایک یا دو اور اس کی عدت گزر گئی

وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَی الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِیْقَاتٍ وَیَهْدِمُ
اور اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اس نے صحبت کی پھر وہ شوہر اول کے پاس آئی تو یہ تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اور شوہر

الزَّوْجُ الثَّانِیْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ كَمَا یَهْدِمُ الثَّلٰثَ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ
ثانی تین سے کم طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے جیسے تین کو کالعدم کر دیتا ہے شیخین کے نزدیک

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَایَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِی مَادُوْنَ الثَّلٰثِ وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَقَالَتْ قَدِ
امام محمد کہتے ہیں کہ زوج ثانی تین سے کم طلاقوں کو کالعدم نہیں کرتا' جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں

انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ اٰخَرَ وَدَخَلَ بِیْ الزَّوْجُ الثَّانِیْ وَطَلَّقَنِیْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِیْ
اب عورت کہے کہ میری عدت گذر گئی اور میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا' اس نے مجھ سے صحبت کی اور طلاق دی اور اس کی عدت بھی گزر گئی

وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ یُّصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ
اور مدت میں اس کا احتمال بھی ہے تو شوہر اول اس کی تصدیق کر سکتا ہے اگر اس کے غالب گمان میں وہ صادقہ ہو

حلالہ کے احکام

تشریح الفقہ قولہ وان کان الطلاق ثلثا الخ اگر حرہ کو تین طلاقیں یا باندی کو دو طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا تو اب وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کر لے پھر طلاق دے اور اس کی عدت گزر جائے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''فان طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجا غيره'' لفظ فان طلقہا میں طلاق سے مراد تیسری طلاق ہے اور تنکح سے مراد وطی ہے کیونکہ عقد نکاح کے معنی تو لفظ زوج کے اطلاق ہی سے حاصل ہو گئے اگر تنکح سے بھی عقد نکاح مراد ہو تو کلام میں صرف تاکید ہو گی حالانکہ کلام کو تاسیس پر محمول کرنا راجح ہے لان الافادة خير من الاعادة۔

قولہ والصبی المراهق الخ شوہر ثانی کا بالغ ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ مراہق (قریب البلوغ) سے بھی کام چل سکتا ہے بشرطیکہ تحریک آلہ و شہوت جماع۔ شیخ الاسلام نے اس کا اندازہ دس سال کی عمر کے ساتھ کیا ہے۔

قولہ ووطئ المولیٰ الخ شوہر اول نے اپنی منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا اور عدت کے بعد اس کے آقا نے بذریعہ ملک یمین اس سے وطی کی تو وہ شوہر اول کے لئے حلال نہ ہو گی کیونکہ نص قرآنی سے حلت کا ثبوت زوج ثانی کی طرف سے ہے نہ کہ مالک کی وطی سے۔

قولہ بشرط التحلیل الخ اگر شوہر ثانی تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کرے اور کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا تو گو اس طریقہ سے بھی عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف (ایک روایت میں) فرماتے ہیں کہ اگر تحلیل کی شرط لگائی تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہو گی۔ امام محمد کے نزدیک عقد تو فاسد نہ ہو گا لیکن اول کے لئے حلال بھی نہ ہو گی۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ''محلل اور محلل لہ ہر دو پر خدا کی لعنت ہے[1]''ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زوج ثانی کو محلل فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی پس لعن محلل کی تاویل یوں کی جائے گی کہ لعنت اس شخص کے حق میں ہے جو تحلیل پر کچھ اجرت لے۔ (ذکرہ البزاری)

قولہ ويهدم الزوج الثانی الخ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے کر بائنہ کر دیا۔ عدت گزرنے کے بعد اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کر لی۔ شوہر ثانی نے وطی کے بعد طلاق دے دی اور عورت نے عدت کے بعد پھر زید سے نکاح کر لیا۔ تو اب زید بالاتفاق تین طلاقوں کا مالک ہو گا لیکن اگر زید نے ایک یا دو سے بائنہ کیا اور پھر عورت حلالہ کے بعد زید کے نکاح میں آئی تو شیخین کے نزدیک اب بھی تین طلاقوں کا مالک ہے کیونکہ شوہر ثانی طلقات ثلاث و مادون الثلاث کو کان لم یکن کر دیتا ہے۔ امام محمد، زفر، شافعی، مالک، احمد کے نزدیک اس صورت میں زید ماقی کا مالک ہو گا یعنی اگر ایک طلاق سے بائنہ کیا ہو تو دو کا اور دو سے بائنہ کیا ہو تو ایک کا مالک ہو گا کیونکہ اس قسم کے واقعہ کی بابت حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال پر حضرت عمرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ ''عورت شوہر اول کے پاس ماقی پر ہے۔'' شیخین کی دلیل حضرت سعید بن جبیرؓ کا جید اثر ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ کا جواب مروی ہے کہ ''زوج ثانی ایک اور دو اور تین سب طلاقوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے'' حضرت ابن عمرؓ کا جواب بھی یہی ہے نیز حدیث لعن اللہ الخ میں زوج ثانی کو محلل کہا گیا ہے اور محلل وہی ہو گا جو حلت ثابت کرے۔ اب یہ حلت حلت سابقہ تو ہو نہیں سکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی لامحالہ حلت جدید ہو گی اور حلت جدید کا حلت سابقہ کے مغایر ہونا ضروری ہے اور حلت سابقہ ناقص تھی تو حلت جدیدہ کاملہ ہو گی اور حلت کاملہ وہی ہے جس میں تین طلاقوں کا مالک ہو۔

---

[1] ترمذی، نسائی، احمد عن ابن مسعود، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ عن علی ترمذی عن جابر، ابن ماجہ، دارقطنی عن عقبۃ بن عامر، ابن ماجہ عن ابن عباس، احمد، بزار، ابویعلی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابی ہریرہ ۱۲۔

قولہ واذا طلقھا ثلاثًا الخ مطلقہ ثلاث نے خبر دی کہ زوج اول اور زوج ثانی دونوں کی عدت گزر گئی اور مدت میں انقضاء عدت کی گنجائش بھی ہے۔ تو اگر زوج اول کو عورت کی راستی کا ظن غالب ہو تو وہ اس کی تصدیق کر سکتا ہے یعنی اس سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ یا تو ایک معاملہ ہے بایں معنی کہ بوقت دخول بضع ایک شئی متقوم ہو جاتی ہے یا امر دینی ہے یا بایں معنی کہ اس کے ساتھ حلت متعلق ہے۔ ان میں سے جو بھی ہو بہر حال ایک کا قول معتبر ہے بالخصوص جب کہ مدت میں اس کا امکان بھی ہے۔

كِتَابُ الايلاءِ

قسم کھانے کا بیان

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهٖ وَاللّٰهِ لَا اَقْرُبُکِ اَوْوَاللّٰهِ لَا اَقْرُبُکِ

جب کہا شوہر نے بیوی سے بخدا میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا بخدا میں چار ماہ تک

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ فَاِنْ وَطِئَهَا فِي الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنَثَ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ

تیرے قریب نہ آؤں گا تو وہ مولی ہو گیا اب اگر وہ اس سے وطی کرے چار ماہ کے اندر تو حانث ہو جائے گا قسم میں اور لازم ہو گا کفارہ

وَسَقَطَ الْاِيْلَاءُ وَاِنْ لَّمْ يَقْرُبْهَا حَتّٰى مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِيْقَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاِنْ

اور ساقط ہو جائے گا ایلاء اور اگر اس کے قریب نہ گیا یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی اب اگر

كَانَ حَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ وَاِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ

اس نے چار ماہ کی قسم کھائی ہو تو یمین ساقط ہو جائے گی اور اگر ہمیشہ کے واسطے قسم کھائی ہو تو یمین باقی رہے گی۔

فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِيْلَاءُ فَاِنْ وَطِئَهَا وَاِلَّاوَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اُخْرٰى فَاِنْ

اگر وہ اس سے نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا' اگر اس سے وطی کر لے تو بہتر ہے ورنہ چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق ہو جائے گی اگر

تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَالْاِيْلَاءُ وَوَقَعَتْ عَلَيْهَا بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اُخْرٰى فَاِنْ

سہ بارہ نکاح کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا اور چار ماہ گزرنے پر تیسری واقع ہو جائے گی پھر اگر

تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَلَمْ يَقَعْ بِذٰلِكَ الْاِيْلَاءِ طَلَاقٌ وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَاِنْ وَّطِئَهَا كَفَّرَ

اس سے نکاح کرے زوج ثانی کے بعد تو اس ایلاء سے طلاق واقع نہ ہو گی اور قسم باقی رہے گی اگر اس سے وطی کرے تو قسم

عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَاِنْ حَلَفَ عَلٰى اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْصَوْمٍ

کا کفارہ دے گا اگر چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو مولی نہ ہو گا اگر قسم کھائی حج کی یا روزہ کی

اَوْصَدَقَةٍ اَوْعِتْقٍ اَوْطَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ وَاِنْ اٰلٰى مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِيًا وَاِنْ

یا صدقہ کی یا آزاد کرنے کی یا طلاق کی تو وہ مولی ہے اور اگر ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو مولی ہو گا اور اگر

اٰلٰى مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا وَمُدَّةُ اِيْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ وَاِنْ كَانَ الْمُوْلِيْ مَرِيْضًا

بائنہ سے ایلاء کیا تو مولی نہ ہوگا باندی سے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں اگر مولی بیمار ہو

لَايَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ اَوْكَانَتِ الْمَرْاَةُ مَرِيْضَةً اَوْرَتْقَاءَ اَوْصَغِيْرَةً لَايُجَامَعُ مِثْلُهَا اَوْ

جس کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا بند راہ والی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی نہ ہو سکتی ہو یا

كَانَتْ بَيْنَهُمَا مسافَةٌ لَايَقْدِرَانِ يَصِلُ اِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْاِيْلَاءِ فَفَيْئُهُ اَنْ يَّقُوْلَ بِلِسَانِهٖ
ان کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ اس تک نہ پہنچ سکے ایلاء کی مدت میں تو اس کا رجوع یہ کہہ دینا ہے

فِئْتُ اِلَيْهَا فَاِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَ الْاِيْلَاءُ وَاِنْ صَحَّ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذٰلِكَ الْفَيْئُ وَ صَارَ
کہ میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا جب وہ یہ کہہ دے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا' اگر صحت یاب ہو جائے مدت میں تو باطل ہو جائے گا یہ رجوع اور اب

فَيْئُهٗ الْجِمَاعُ وَاِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ
اس کارجوع جماع کرنا ہوگا' بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے

سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الْكِذْبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الطَّلَاقَ فَهِيَ
تو اس کی نیت دریافت کی جائے گی اگر کہے کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو یہی ہو گا اگر کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو یہ

تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ الثَّلٰثَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ
طلاق بائن ہو گی الا یہ کہ وہ تین کی نیت کرے اور اگر کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو ظہار ہو گا اور اگر کہے کہ میں نے

بِهِ التَّحْرِيْمَ اَوْلَمْ اُرِدْبِهٖ شَيْئًا فَهِيَ يَمِيْنٌ يَّصِيْرُبِهٖ مُوْلِيًا
حرمت کا ارادہ کیا ہے یا کچھ ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہو گی جس سے وہ مولی ہو جائے گا۔

توضیح اللغۃ ایلاء۔قسم کھانا' مول ایلاء سے اسم فاعل ہے۔مضی۔گزرنا' یمین۔قسم' ارتقاء۔وہ عورت جس کا رحم ہڈی وغیرہ کی وجہ سے بند ہوگئی۔ رجوع۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الایلاء الخ ایلاء لغۃ مصدر ہے آلی ایلاء کا عطی اعطاء بمعنی قسم کھانا۔قال الشاعر

والکذب مایکون ابوالمثنیٰ　　اذا آلی یمینا بالطلاق

الیہ قسم کو کہتے ہیں' جمع الایا جیسے عطیہ وعطایا۔قال الشاعر

قلیل الا لایا حافظ لیمینہ　　وان بدت ' منہ الالیہ برت

شریعت میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ شوہر چار ماہ یا اس سے زیادہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھالے۔مثلاً یوں کہے: واللہ لا اقربک' واللہ لا اقربک اربعۃ اشہر پہلی صورت میں ایلاء مؤبد ہے اور دوسری صورت میں ایلاء موقت ہے پس اگر شوہر نے مدت مذکور میں وطی کرلی تو کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہوجائے گا۔حضرت حسن بصری کے نزدیک کفارہ واجب نہیں کیونکہ آیت ایلاء کے آخر میں ''فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم'' ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت میں مغفرت سے مراد اسقاط عقوبت اخروی ہے نہ کہ اسقاط کفارہ اور اگر مدت مذکورہ میں وطی نہیں کی تو عورت ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی۔امام شافعی کے نزدیک عورت مدت گزرنے سے جدا نہیں ہوتی بلکہ قاضی کی تفریق ضروری ہے کیونکہ شوہر عورت کے حق جماع کو روکنے والا ہے پس عورت کی تخلیص میں قاضی اس کا قائم مقام ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر نے عورت کے حق کو روک کر ظلم کیا ہے پس شریعت نے اس کے ظلم کا بدلہ یہ دیا ہے کہ مدت گزرتے ہی وہ اس نعمت عظمیٰ سے ہاتھ دھو بیٹھے۔حضرت عثمان' علی' زید بن ثابت اور عبادلہ ثلثہ سے یہی منقول ہے[1]۔

[1] بیہقی' عبدالرزاق عن زید بن ثابت' مالک عن علی وابن مسعود وابن عباس' دارقطنی عن عمر' ابن ابی شیبہ عن ابن عباس وابن عمر۔۱۲

قولہ فقد سقطت الیمین الخ اگر کوئی شخص چار ماہ تک وطی نہ کرنے کی قسم کھائے تو چار ماہ گزرنے کے بعد یمین ساقط ہو جائے گی اس واسطے کہ یمین ایک وقت خاص کیساتھ موقت تھی۔ جب وہ مدت گزر گئی تو یمین ساقط ہو جائے گی لیکن اگر یمین دائمی اور ابدی ہو تو صرف ایک مرتبہ عورت کے بائنہ ہونے سے یمین ساقط نہ ہوگی بلکہ باقی رہے گی پس اگر شوہر نے غلام قربت کی دائمی قسم کھائی اور مدت گزرنے پر عورت بائن ہوگئی پھر اس سے دوسری بار نکاح کیا اور بلا وطی چار ماہ گزر گئے تو دوسری بار طلاق ہو جائے گی اور اگر تیسری بار نکاح کیا اور پھر چار ماہ بلا وطی گزر گئے تو تیسری بار طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ اب اگر وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد پھر سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس کے ساتھ وطی کرنے سے کفارہ لازم ہوگا کیونکہ یمین باقی ہے۔

قولہ فان حلف علی اقل الخ باتفاق ائمہ اربعہ ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلاء نہ ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ "للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر" نیز حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ "چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے[1]" ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اگر کوئی چار ماہ سے کم کی قسم کھائے تو وہ بھی مولی ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ بھی اولاً اسی کے قائل تھے لیکن جب آپ کو حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ معلوم ہوا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ (رمز الحقائق)

قولہ وان حلف بحج الخ اگر کسی نے حج یا روزے وغیرہ کے ساتھ قسم کھائی مثلاً یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو مجھ پر حج یا روزہ یا صدقہ یا غلام آزاد کرنا لازم ہے یا یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں تو تیری سوتن پر طلاق ہے تو ان سب صورتوں میں ایلاء لازم ہو جائے گا۔ (نہایہ بنایہ)

قولہ من المطلق الرجعیة الخ اگر کسی نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کر لیا تو ایلاء ہو جائے گا کیونکہ ان کا رشتہ زوجیت قائم ہے پس اگر مدت ایلاء گزرنے سے پہلے اس کی عدت گزر گئی تو ایلا ساقط ہو جائے گا کیونکہ محلیت فوت ہو چکی (جوہرہ) اور اگر مطلقہ بائنہ اجنبیہ کے ساتھ ایلاء کیا تو ایلاء نہ ہوگا کیونکہ آیت ایلاء میں "ہم" ضمیر ہماری طرف راجع ہے اور عورت کو جب طلاق بائنہ ہوگئی تو وہ ہماری نہ رہی پس وہ محل ایلاء نہیں ہے۔

قولہ لایقدر الخ اگر ایلاء کنندہ بیمار ہونے کی وجہ سے وطی پر قادر نہ ہو یا بیوی بیمار ہو یا رتقاء ہو یعنی اس کا رحم ہڈی وغیرہ ابھر آنے کی وجہ سے بند ہو یا وہ بہت چھوٹی ہو یا ان کے درمیان چار ماہ کی مسافت ہو تو اس کے حق میں قولی رجوع کافی ہے مثلاً یہ کہہ دے فئت الیہا یہ کہنے سے ایلاء ساقط ہو جائے گا البتہ حانث اسی وقت ہوگا جب وطی کرے گا اور اگر مدت ایلاء میں وطی پر قادر ہو جائے تو پھر رجوع وطی ہی سے ہوگا۔ امام مالک وشافعی کے نزدیک رجوع صرف جماع ہی سے ہوتا ہے امام طحاوی کے نزدیک یہی مختار ہے کیونکہ ایلاء سے رجوع کرنا وجوب کفارہ اور انتفاء فرقت دو حکموں کو مستلزم ہے، در وجوب کفارہ میں قولی رجوع کا اعتبار نہیں تو انتفاء فرقت میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شوہر بوقت ایلاء جماع کرنے سے عاجز ہے۔ پس ایلاء سے اس کا مقصد عورت کا حق روکنا نہیں ہے بلکہ ایذا رسانی مقصود ہے تو جیسے اس نے زبان سے تکلیف پہنچائی ہے ویسے ہی زبانی رجوع سے راضی کرلے گا اور جب اس نے راضی کر لی تو قصور ختم ہو گیا فلا یجازی بالطلاق۔

قولہ سئل الخ اگر کسی نے بیوی سے کہا: انت علی حرام تو اس کی نیت دریافت کی جائے گی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی حکم ہوگا اگر کسی چیز کی نیت نہ ہو یا حرمت کی نیت ہو تو ایلاء ہوگا کیونکہ حلال کی تحریم یمین ہوتی ہے۔ قال الله تعالی "لم تحرم ما احل الله لک" ثم قال "قد فرض الله علیکم تحلة ایمانکم" اور اگر ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہوگا شیخین کے نزدیک امام محمد کے نزدیک ظہار نہ ہوگا کیونکہ ظہار میں محرمہ کے ساتھ تشبیہ ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں مطلق تحریم ہے اور ظہار میں ایک خاص قسم کی حرمت ہوتی ہے والمطلق یحتمل المقید اور اگر کذب مراد ہو تو کلام لغو ہوگا اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ انت علی حرام کنایات میں سے ہے اور اگر تین

---

[1] ابن ابی شیبہ، بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔

کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ انت علی حرام میں تین کی نیت کرنا درست ہے۔

کِتَابُ الْخُلع

خلع کا بیان

اِذَاتَشَاقَّا الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لَّايُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا بَاْسَ بِاَنْ

جب ناچاقی ہو زوجین میں اور اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں

تَفْتَدِیَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَّخْلَعُهَا بِهٖ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِکَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا

کہ عورت اپنی جان کے عوض کچھ مال دے کر خلع کر لے، جب وہ یہ کر لے تو خلع سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر

الْمَالُ فَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ كُرِهَ لَهٗ اَنْ يَّاْخُذَمِنْهَا عِوَضًاوَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ

مال لازم ہو گا اگر ناموافقت مرد کی طرف سے ہو تو عورت سے عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے ہو

قِبَلِهَا كُرِهَ لَه اَنْ يَّاْخُذَ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَافَاِنْ فَعَلَ ذٰلِکَ جَازَ فِی الْقَضَاءِ وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰی مَالٍ

تو اس کو دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ ہے اگر اس نے ایسا کر ہی لیا تو قضاءً جائز ہے اگر مال کے عوض طلاق دے دی

فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِی الْخُلْعِ مِثْلُ

اور عورت نے قبول کرلی تو طلاق ہو جائے گی اور مال لازم ہو گا اور طلاق بائن ہو گی اگر باطل ہو عوض خلع میں مثلاً

اَنْ يُّخَالِعَ الْمَرْاَةُ الْمُسْلِمَةُ عَلٰی خَمْرٍاَوْخِنْزِيْرٍ فَلَاشَیْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ وَاِنْ بَطَلَ

خلع کر لے مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر تو شوہر کے لئے کچھ نہ ہو گا ور فرقت بائنہ ہو گی اور اگر باطل

الْعِوَضُ فِی الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا

ہو عوض طلاق میں تو طلاق رجعی ہو گی

تشریح الفقہ قولہ کتاب الخ خلع لغۃً مصدر ہے بمعنی اتارنا' یقال خلعت النعل' میں نے جوتا اتار دیا۔ اصطلاح میں ازالہ ملک کو کہتے ہیں جو لفظ خلع یا اس کے ہم معنی الفاظ کے ساتھ ہو اس کی صحت عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔

قولہ وان بطل الخ اگر خلع میں عوض باطل ہو تو فرقت بائنہ ہو گی اور طلاق میں عوض باطل ہو تو رجعی ہو گی مثلاً مسلمان بیوی سے شراب یا خنزیر کے عوض خلع کیا یا طلاق دی۔ سو اگر لفظ خلع استعمال کیا تو طلاق بائن ہو گی اور خلع کے علاوہ لفظ استعمال کیا تو رجعی ہو گی اور بہر دو صورت بدل واجب نہ ہو گا کیونکہ اشیاء مذکورہ مسلمان کے حق میں مال نہیں اور کسی اور چیز کا التزام نہیں کیا گیا۔ پہلی صورت میں بائن اس لئے ہو گی کہ ایقاع طلاق معلق بالقبول ہے جو یہاں موجود ہے اور عوض باطل ہو چکا تو لفظ خلع عامل رہا' جو کنایات میں سے ہے۔ دوسری صورت میں رجعی اس لئے ہے کہ عامل صریح لفظ طلاق ہے۔ امام مالک و احمد کے یہاں رجعی ہو گی زفر کے یہاں مہر دیا جائے گا امام شافعی کے یہاں مہر مثل۔

وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ مَهْرًا فِی النِّكَاحِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ بَدَلًا فِی الْخُلْعِ فَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ

جس چیز کا مہر ہونا جائز ہے نکاح میں تو وہ بدل ہو سکتی ہے خلع میں اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کرے

عَلٰی مَا فِیْ يَدِیْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِیْ يَدِهَا شَیْءٌ فَلَاشَیْءَ لَهٗ عَلَيْهَا وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی

اس کے عوض جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو شوہر کے لئے عورت پر کچھ نہ ہو گا' اگر کہا خلع کر لے مجھ سے

مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ مَّالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِي

اس پر جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا اور ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت اپنا مہر واپس کرے گی' اگر کہا خلع کر لے مجھ سے

عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْمِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَهٗ عَلَيْهَا ثَلٰثَةُ

اس پر جو میرے ہاتھ میں ہے دراہم سے اس نے خلع کرلیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو شوہر کے لئے عورت پر

دَرَاهِمَ وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ وَاِنْ قَالَتْ

تین درہم لازم ہوں گے' اگر کہا مجھے تین طلاقیں دے دے ایک ہزار کے عوض' اس نے ایک طلاق دے دی تو ہزار کی تہائی لازم ہو گی اگر کہا

طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا عَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا

تین طلاقیں دے دے ہزار پر اس نے ایک دے دی تو عورت پر کچھ لازم نہ ہو گا امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے

اللّٰهُ عَلَيْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ وَلَوْقَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ اَوْعَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا

ہیں کہ ہزار کی تہائی ہو گی'شوہر نے کہا خود کو تین طلاقیں دے لے ہزار کے عوض یا ہزار پر عورت نے ایک طلاق

وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنَ الطَّلَاقِ وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ وَالْمُبَارَأَةُ وَالْخُلْعُ يَسْقُطَانِ كُلَّ

دے لی تو کوئی طلاق واقع نہ ہو گی' اور مباراۃ خلع کے مثل ہے اور مباراۃ اور خلع ساقط کر دیتے ہیں

حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْاٰخَرِ مِمَّايَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ

زوجین میں سے ہرایک کے اس حق کو جو ہو دوسرے پر ایسا حق جو متعلق ہو نکاح سے امام صاحب کے نزدیک

قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْمُبَارَأَةُ تَسْقُطُ وَالْخُلْعُ لَاتَسْقُطُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَاتَسْقُطَانِ اِلَّا مَا سَمَّيَاهُ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مباراۃ ساقط کرتا ہے نہ کہ خلع امام محمد فرماتے ہیں کہ نہیں ساقط کرتے ہیں یہ مگر وہی جوان کا مقرر کردہ ہو

خلع کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ وما جازان یکون الخ جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بدل خلع بھی ہو سکتی ہے اس واسطے کہ نکاح کی طرح خلع بھی ایک عقد ہے جو بضع پر وارد ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اگر عورت خلع میں شراب یا خنزیر وغیرہ مقرر کر لے تو شوہر کے لئے کچھ نہیں ہوتا لیکن خلع صحیح ہو جاتا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس میں شوہر کو مہر مثل دینا پڑتا ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ زوج کی ملکیت سے بضع کا نکلنا متقوم نہیں اور اس کی ملک میں بضع کا آنا متقوم ہے۔

قولہ فان قالت خالعنی الخ بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کر لے حالانکہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو عورت پر بدل واجب نہ ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی اس واسطے کہ عورت نے مال متعین نہیں کیا کیونکہ کلمہ ما مال اور غیر مال سب کو شامل ہے۔ ہاں اگر عورت لفظ من مال یا من دراہم اور ذکر کر دے تو من مال کی صورت میں عورت کو مہر واپس کرنا پڑے گا کیونکہ جب عورت نے مال کی تصریح کر دی تو شوہر بلا عوض اپنی ملکیت کے زوال پر راضی نہیں اب یہاں ما وجب میں تین احتمال ہیں۔ مہر واجب ہو یا قیمت بضع یعنی مہر مثل یا مال مسمی' مال مسمی تو اس لئے واجب نہیں ہو سکتا کہ وہ مجہول ہے اور قیمت بضع اس لئے واجب نہیں ہو سکتی کہ خروج کی حالت میں بضع کی کوئی قیمت نہیں ہوئی پس مہر متعین ہو گیا اور من دراہم کی صورت میں تین درہم دینے پڑیں گے کیونکہ دراہم جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ سوال یہاں ایک دو درہم واجب ہونے چاہئیں کیونکہ من تبعیضیہ بھی ہو سکتا ہے۔ جواب جہاں لفظ من کے بغیر کلام تام ہو جاتا ہو وہاں من

بیانیہ ہوتا ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ جیسے "فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔"

قولہ طلقنی ثلثًا بالف الخ عورت نے شوہر سے کہا: مجھے ایک ہزار کے عوض میں تین طلاق دے دے۔ شوہر نے ایک طلاق دے دی۔ تو باء چونکہ اعواض پر داخل ہوتی ہے اور معوض پر منقسم ہوتی ہے اس لئے ہزار کی تہائی واجب ہوگی اور عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر عورت نے باء کے بجائے کلمہ علی استعمال کیا تو صاحبین کے نزدیک اسی کا یہی حکم ہے کیونکہ معاوضات میں باء اور علی دونوں برابر ہیں لیکن امام صاحب کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ علی شرط کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قال اللہ تعالی "یبایعنک علی ان لایشرکن" اور مشروط اجزاء شرط پر منقسم نہیں ہوتا' پس مال واجب نہ ہوا لہذا طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت کے بجائے کلام مذکور کا قائل شوہر ہو اور عورت کو ایک طلاق دے تو کچھ واقع نہ ہوگا کیونکہ شوہر ایک ہزار سے کم کے عوض میں جدائی سے راضی نہیں' بخلاف عورت کے جب وہ ایک ہزار کے عوض میں جدائی سے راضی ہے تو اس سے کم میں بطریق اولی راضی ہوگی۔

قولہ والمباراة الخ مباراة مفاعلت کا مصدر ہے بمعنی ایک کا دوسرے سے بری ہونا' یہاں اس کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر سے کہے: مجھے اتنے مال پر بری کر دے شوہر کہے' میں نے تجھے بری کر دیا' خلع اور مباراة زوجین میں سے ہر ایک کے ان حقوق کو ساقط کر دیتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہوں جیسے مہر' نان' نفقہ' سکنی وغیرہ۔ نکاح سے مراد وہ نکاح ہے جس کے بعد خلع یا مباراة ہو۔ سو اگر عورت کو طلاق بائن دے کر پھر دوبارہ نکاح کیا اور دوسرا مہر مقرر ہوا' پھر عورت نے خلع کی خواہش ظاہر کی تو شوہر نکاح ثانی کے مہر سے بری ہوگا نہ کہ نکاح اول کے مہر سے' امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خلع اور مبارات سے وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جو زوجین کے مقرر کردہ ہوں۔ امام ابو یوسف مسئلہ خلع میں امام محمد کے ساتھ ہیں اور مسئلہ مباراة میں امام صاحب کے ساتھ۔ امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ خلع عقد معاوضہ ہے جس کی تاثیر صرف استحقاق مشروط میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کا دوسرے پر قرض ہو تو وہ ساقط نہیں ہوتا' امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ مبارات کو مطلقاً جانبین سے برأت چاہتی ہے لیکن یہاں حقوق کو نکاح کے ساتھ مقید کیا جائے گا کیونکہ مبارات سے زوجین کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ جو حقوق معاشرت کی وجہ سے لازم ہوئے ہیں ان سے بری ہوں۔ ان حقوق سے برأت مقصود نہیں ہوتی۔ جو معاملہ کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مبارات کی طرح خلع بھی جانبین سے برأت چاہتا ہے کیونکہ خلع بمعنی فصل ہے اور فصل وجدائی کا تحقق اسی وقت ہوگا جب زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہے ورنہ منازعت پیش آئے گی۔

كِتَابُ الظِّهَارِ

ظہار کا بیان

اِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَايَحِلُّ
جب کہے مرد اپنی بیوی سے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو وہ اس پر حرام ہو گئی نہ اس سے وطی

لَهٗ وَطْئُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَاتَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهٖ فَاِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ اِسْتَغْفَرَ
حلال ہے نہ اس کا چھونا نہ بوسہ لینا یہاں تک کہ کفارہ دے اپنے ظہار کا اگر وطی کر لی کفارہ سے پہلے تو استغفار کرے

اللّٰهَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرَ الْكَفَّارَةِ الْاُوْلٰى وَلَا يُعَاوِدُ حَتّٰى يُكَفِّرَ وَالْعَوْدُالَّذِيْ يَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ
اور اس پر کچھ نہیں سوائے کفارہ اولی کے پھر عود نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے اور وہ عود جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے

هُوَ اَنْ يَعْزِمَ عَلٰى وَطْئِهَا وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ اُمِّيْ اَوْ كَفَخِذِهَا اَوْكَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ وَ
وہ یہ ہے کہ ارادہ کرے اس سے وطی کرنے کا' اگر کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا ران یا اس کی فرج کی مانند ہے تو وہ مظاہر ہو گیا

كَذٰلِكَ اِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَايَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ اِلَيْهَا عَلَى التَّابِيْدِ مِنْ مَّحَارِمِهٖ مِثْلَ اُخْتِهٖ اَوْعَمَّتِهٖ اَوْ
اسی طرح اگر اس کو تشبیہ دی ایسی عورت سے جس کی طرف نظر کرنا اس کے لئے حلال نہیں ہمیشہ کے لیے جیسے اپنی بہن' پھوپھی

اُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَ كَذٰلِكَ اِنْ قَالَ رَاْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ اَوْفَرْجُكِ اَوْوَجْهُكِ اَوْرَقَبَتُكِ
رضاعی ماں' اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر مجھ پرمیری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تیری فرج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن

اَوْنِصْفُكِ اَوْثُلُثُكِ وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ يُرْجَعُ اِلٰى نِيَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الْكَرَامَةَ
یا تیرا نصف یا تیرا ثلث اگر کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا' اگر وہ کہے کہ میرا ارادہ بزرگی

فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌوَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَاِنْ
کا تھا تو ایسا ہی ہو گا' اور اگر کہا میرا مقصد ظہار تھا تو ظہار ہو گا اگر کہا میرا ارادہ طلاق کا تھا تو طلاق بائن ہو گی۔ اوراگر

لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ وَلَايَكُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِهٖ فَاِنْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا
کوئی نیت نہ ہو تو کچھ نہ ہوگا' ظہار نہیں ہوتا مگر اپنی بیوی سے اگر اپنی باندی سے ظہار کیا تو مظاہر نہ ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهٖ اَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ كَانَ مُظَاهِرًا مِنْ جَمِيْعِهِنَّ وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ كَفَّارَةٌ
جس نے اپنی بیویوں سے کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ مظاہر ہو گا سب سے اور اس پر ہر ایک کی طرف سے کفارہ ہوگا۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الظهار الخ ظہار لغۃً مصدر ہے اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ' یہ اظہار حرمت کا ایک لطیف استعارہ ہے اور لفظ ظہر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ سواری کی پشت موضوع رکوب ہوتی ہے اور جماع کے وقت عورت بھی مرکوب بہ ہوتی ہے پس رکوب ام رکوب دابہ سے مستعار ہے پھر رکوب زوجہ کو رکوب ام سے تشبیہ دے دی گئی ہے' اصطلاح شرع میں ظہار اپنی منکوحہ کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کو کہتے ہیں جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو۔

قولہ اذا قال الخ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ انت علی کظهر امی تو وہ مظاہر ہو گیا۔ اب جب تک ظہار کا کفارہ نہیں دے گا' اس وقت تک اس پر بیوی کے ساتھ وطی و دواعی وطی یعنی بوس و کنار وغیرہ سب حرام ہیں۔ امام شافعی کا قول جدید اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ دواعی وطی حرام نہیں کیونکہ آیت ظہار میں لفظ تماس جماع سے کنایہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ تماس کے حقیقی معنی مس بالید کے ہیں اور حقیقت کا امکان ہے تو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔

قولہ فان وطئها الخ اگر مظاہر کفارہ دینے سے پہلے وطی کر لے تو اس کو چاہیئے کہ توبہ و استغفار کرے اور ظہار کا صرف ایک کفارہ ادا کرے کیونکہ روایت میں ہے "ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کر کے بعد ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کر لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! چاند کی روشنی میں اس کی پازیب کی چمک دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ نے فرمایا: کفارہ ادا کرنے تک اس سے علیحدہ رہ[1]" موطاء مالک میں "یکف عنها حتى يستغفر الله و یکفر" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

قولہ والعود الخ سبب وجوب کفارہ کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ۱۔ مجموعہ ظہار و عود ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہی ہے کیونکہ آیت میں سببیہ سے قبل یہی مذکور ہے۔ ۲۔ ظہار سبب ہے اور عود شرط ہے۔ ۳۔ اس کا عکس ہے۔ ۴۔ ان میں سے ہر ایک سبب بھی ہے اور شرط بھی' صاحب کتاب نے اس قول میں یہی بتایا ہے کہ آیت ظہار میں "عود" سے مراد مظاہر کا مظاہر منہا کے ساتھ وطی کرنے کا عزم و ارادہ ہے۔

[1] ائمہ اربعہ' عبدالرزاق' حاکم عن ابن عباس ۱۲۔

قولہ وان لم تکن لہ نیۃ الخ اگر کوئی شخص انت علی مثل امی کہہ کر کرامت' ظہار' طلاق کسی کا بھی ارادہ نہ کرے تو شیخین کے نزدیک کلام لغو ہوگا۔ امام محمد کے نزدیک ظہار ہوگا کیونکہ جب ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو کل کے ساتھ بطریق اولیٰ ظہار ہوگا۔ شیخین یہ کہتے ہیں کہ تشبیہ کے حق میں اس کا کلام مجمل ہے اس لئے بیان مراد ضروری ہے۔

قولہ ولا یکون الظھار الخ ہمارے نزدیک ظہار صرف اپنی بیوی سے ہوسکتا ہے۔ باندی' ام ولد' مکاتبہ سے ظہار صحیح نہیں' امام مالک کے ہاں صحیح ہے مگر آیت ظہار ان پر حجت ہے کیونکہ عرف میں نساء رجل اس کی زوجات ہی کو کہتے ہیں نہ کہ باندی وغیرہ کو۔

قول انتن علی الخ ایک شخص کے نکاح میں چند بیویاں تھیں' اس نے سب سے کہا: انتن علی کظھر امی تو یہ سب سے ظہار ہوگیا اور ہر ایک کا مستقل کفارہ دینا ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک صرف ایک کفارہ کافی ہے۔ یہ حضرات ایلاء پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں اپنی بیویوں سے صحبت نہ کروں گا پھر کسی ایک سے صحبت کرلے تو ایک کفارہ دینے سے سب عورتیں حلال ہوجائیں گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک میں حرمت ثابت ہے اور کفارہ حرمت ہی ختم کرنے کے لئے ہے تو جب حرمت متعدد ہے تو کفارہ بھی متعدد ہوگا بخلاف ایلاء کے کہ اس میں کفارہ کا وجوب حرمت اسم باری عز اسمہ کی حفاظت کے لئے ہے اور وہ متعدد نہیں ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَکَفَّارَۃُ الظِّھَارِ عِتْقُ رَقَبَۃٍ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ

ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ پے در پے روزے رکھے اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں

مِسْکِیْنًا کُلُّ ذٰلِکَ قَبْلَ الْمَسِیْسِ وَیُجْزِئُ فِی الْعِتْقِ الرَّقَبَۃُ الْمُسْلِمَۃُ وَالْکَافِرَۃُ وَالذَّکَرُ وَالْاُنْثٰی

کو کھانا کھلائے یہ سب وطی سے پہلے ہو آزاد کرنے میں کافی ہے ایک غلام مسلم ہو یا کافر مرد ہو یا عورت

وَالصَّغِیْرُ وَالْکَبِیْرُ وَلَایُجْزِئُ الْعَمْیَاءُ وَلَا مَقْطُوْعَۃُ الْیَدَیْنِ اَوِالرِّجْلَیْنِ وَیَجُوْزُ الْاَصَمُّ وَلَایَجُوْزُ

بچہ ہو یا بڑا اور کافی نہ ہو گا اندھا' دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹا ہوا اور جائز ہے بہرا اور وہ جائز

مَقْطُوْعُ اِبْھَامَیِ الْیَدَیْنِ وَلَا یَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِیْ لَایَعْقِلُ وَلَایَجُوْزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ

نہیں جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اور نہ دیوانہ جسے بالکل سمجھ نہ ہو اور جائز نہیں آزاد کرنا مدبر' ام ولد

وَالْمُکَاتَبِ الَّذِیْ اَدّٰی بَعْضَ الْمَالِ فَاِنْ اَعْتَقَ مُکَاتَبًا لَمْ یُؤَدِّ شَیْئًا جَازَ فَاِنِ اشْتَرٰی اَبَاہُ اَوِ

اور اس مکاتب کو جس نے ادا کر دیا ہو کچھ مال اگر ایسے مکاتب کو آزاد کیا جس نے نہیں ادا کیا کچھ تو جائز ہے' اگر خرید لیا اپنا باپ یا

اَبْنَہٗ یَنْوِیْ بِالشِّرَاءِ الْکَفَّارَۃَ جَازَ عَنْھَا وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُّشْتَرَکٍ وَضَمِنَ قِیْمَۃَ بَاقِیَۃٍ

بیٹا کفارہ کی نیت سے تو جائز ہو گا کفارہ کی طرف سے' اگر آزاد کیا مشترک غلام کا نصف اور ضامن ہو گیا باقی کی قیمت کا

فَاَعْتَقَہٗ لَمْ یَجُزْ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِہٖ عَنْ کَفَّارَۃٍ ثُمَّ اَعْتَقَ

پھر اس کو آزاد کیا تو جائز نہ ہو گا امام صاحب کے نزدیک' اگر آزاد کیا اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے پھر باقی بھی

بَاقِیَۃً عَنْھَا جَازَ وَ اِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِہٖ عَنْ کَفَّارَتِہٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِیْ ظَاھَرَ مِنْھَا ثُمَّ

اسی کی طرف سے آزاد کر دیا تو جائز ہو گا اگر آزاد کیا اپنا نصف غلام کفارہ کی طرف سے پھر مظاہر منہا سے وطی کر لی پھر

اَعْتَقَ بَاقِیَۃً لَمْ یَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ

باقی غلام آزاد کیا' تو جائز نہ ہوگا امام صاحب کے نزدیک

کفارہ ظہار کا بیان

توضیح اللغۃ رقبۃ۔گردن، مراد غلام، متتابعین۔پے در پے، مسیس۔چھونا مراد صحبت کرنا عمیاء۔اندھا، اصم۔بہرا، ابہامی۔ابہام کا تثنیہ ہے۔بمعنی انگوٹھا، نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

تشریح الفقہ و کفارۃ الظھار الخ کفارہ ظہار ایک غلام آزاد کرنا ہے جس میں ہمارے نزدیک مسلم و کافر، صغیر و کبیر، مذکر مونث سب برابر ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ کفارہ اللہ کا حق ہے پس اس کو اللہ کے دشمن پر صرف کرنا صحیح نہ ہوگا جیسے کافر پر مال زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں لفظ رقبہ مطلق ہے جس کا مصداق وہ ذات ہے جو ہر اعتبار سے مملوک ہو اور یہ چیز رقبہ کافرہ میں موجود ہے پس ایمان کی قید لگانا زیادتی علی الکتاب ہے جو جائز نہیں۔ رہا کفارہ کا حق اللہ ہونا سو آزاد کرنے سے معتق کا مقصد یہ ہے کہ معتق اپنے آقا کی خدمات سے سبکدوش ہو کر مولی حقیقی کی طاعت میں لگ جائے۔اب اگر وہ اپنے کفر ہی پر ثابت رہتا ہے تو یہ اس کے سوء اعتقاد پر محمول ہوگا۔

قولہ ولایجزی العمیاء الخ کفارہ میں ایسے غلام کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا جس کی جنس منفعت فوت ہو گئی ہو جیسے اندھا جس کو بالکل نہ دکھتا ہو یا اس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا ایسا دیوانہ ہو کہ کبھی ہوش میں نہ آتا ہو نیز مدبر، ام ولد اور وہ مکاتب جس نے بدل کتابت کا کچھ مال ادا کر دیا ہو اس کو آزاد کرنا بھی کافی نہ ہوگا کیونکہ یہ من وجہ آزادی کے مستحق ہو چکے پس ان میں تحریر رقبہ کاملہ مفقود ہے۔

قولہ مالم یؤد شیئا الخ اگر کسی نے کفارہ ظہار میں ایسا مکاتب غلام آزاد کیا۔جس نے ہنوز بدل کتابت کا کچھ مال ادا نہیں کیا تو یہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ وہ عقد کتابت کی وجہ سے حریت کا مستحق ہو چکا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ محل رقیت اور محل ملکیت دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ محل ملک رقیت سے عام ہے چنانچہ ملکیت آدمی کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی متحقق ہو سکتی ہے لیکن رقبت متحقق نہیں ہو سکتی نیز بیع کے ذریعہ سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے رقیت زائل نہیں ہوتی اور کتابت کی وجہ سے مکاتب کی ملکیت میں نقصان آتا ہے نہ کہ رقیت میں۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب تک مکاتب پر بدل کتابت کی کوئی چیز باقی رہے اس وقت تک وہ غلام ہی رہتا ہے"[1] پس مکاتب کو آزاد کرنا صحیح ہے۔

قولہ فان اشتری الخ ایک شخص نے اپنے قریبی رشتہ دار باپ یا بیٹے وغیرہ کو ادائیگی کفارہ کی نیت سے خریدا تو کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لن یجزی ولد والدہ الا ان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ" امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفارہ ادا نہ ہوگا مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے کیونکہ حدیث میں حرف فاء مذکور ہے جو تعقیب کے لئے آتا ہے علاوہ ازیں یہاں آزادی دو وصفوں والی علت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے یعنی قرابت اور خرید پس آزادی آخر والے وصف کی طرف مضاف ہوگی۔

قولہ نصف عبد مشترک الخ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا ان میں سے ایک نے اپنا حصہ کفارہ میں آزاد کر دیا اور باقی نصف عبد کی قیمت کا شریک کے لئے ضامن ہو گیا اور اس کو بھی آزاد کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ آزادی جائز نہیں، صاحبین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ معتق مالدار ہو کیونکہ صاحبین کے نزدیک اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی تو کسی ایک جزء میں آزادی آنے سے کل آزاد ہو جائے گا اب اگر معتق مالدار ہے تو وہ اپنے شریک کے لئے اس کے حصہ کا ضامن ہو جائے گا اور عتق بلاعوض ہوگا لہذا آزاد کرنا صحیح ہوگا اور اگر وہ تنگدست ہو تو

---

[1] ابوداؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

شریک کے حصہ میں غلام سعایت کرے گا اور عتق بالعوض ہوگا اس لئے آزادی صحیح نہ ہوگی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نصف آخر کی مملوکیت میں نقصان اور استدامت رقیق میں فرق آ گیا کیونکہ اب اس کا دوسرا مالک اس کو فروخت نہیں کر سکتا پس رقبہ کاملہ کا اعتاق نہ پایا گیا۔

قوله و ان اعتق نصف عبده الخ ایک شخص نے کفارہ میں اپنا نصف غلام آزاد کر دیا پھر وطی کرنے سے پہلے نصف باقی کو بھی کفارہ میں آزاد کر دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا کیونکہ آزادی گو دو کلاموں کے ساتھ پائی گئی تاہم رقبہ کاملہ کا اعتاق پایا گیا لہذا کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر نصف باقی آزاد کرنے سے پہلے مظاہر منہا سے وطی کر لی تو کفارہ ادا نہ ہوگا کیونکہ رقبہ کا اعتاق وطی سے پہلے پہلے ہونا ضروری ہے اور یہاں قبل از وطی نصف آزاد کیا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُهُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَ

اگر نہ پائے مظاہر وہ جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو ماہ کے روزے ہیں لگاتار جن میں نہ ماہ رمضان ہو

لَايَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ فَاِنْ جَامَعَ الَّتِىْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِىْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ

نہ عیدالفطر ہو نہ عیدالاضحیٰ کا دن نہ ایام تشریق اگر جماع کر لیا مظاہر منہا سے دو ماہ کے درمیان

لَيْلًا عَامِدًا اَوْنَهَارًا نَا سِيًا اِسْتَانَفَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَاِنْ اَفْطَرَيَوْمًا مِنْهَا بِعُذْرٍ

رات میں جان کر یا دن میں بھول کر تو از سر نو رکھے طرفین کے نزدیک اگر افطار کر لیا ایک دن ان ایام

اَوْبِغَيْرِ عُذْرٍاِسْتَاَنَفَ وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُلَمْ يُجْزِهٖ فِى الْكَفَّارَةِ اِلَّاالصَّوْمُ فَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى اَوْ

میں عذر سے یا بلا عذر تو از سر نو رکھے' اگر ظہار کیا غلام نے تو کافی نہ ہو گا اس کو کفارہ میں مگر روزہ اگر آزاد کیا آقا نے یا

اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًالِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ

کھانا کھلا دیا اس کی طرف سے تو کافی نہ ہوگا' اگر مظاہر روزہ نہ رکھ سکے تو کھلائے ساٹھ مسکینوں کو ہر مسکین کو نصف

صَاعٍ مِنْ بُرٍّاَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْشَعِيْرٍ اَوْقِيْمَةُ ذٰلِكَ فَاِنْ غَدَّاهُمْ وَ عَشَّاهُمْ جَازَقَلِيْلًا كَانَ

صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت اگر ان کو صبح و شام کھلایا تو یہ بھی جائز ہے کم کھائیں

مَااَكَلُوْا اَوْكَثِيْرًا وَ اِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَاحِدًاسِتِّيْنَ يَوْمًا اَجْزَاَهٗ وَاِنْ اَعْطَاهُ فِىْ يَوْمٍ وَاحِدٍ طَعَامَ

وہ یا زیادہ اگر ایک ہی مسکین کو کھلاتا رہا ساٹھ دن تک تو یہ بھی کافی ہے' اور اگر ایک* ہی کو دے دیا ایک دن میں

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لَمْ يُجْزِهٖ اِلَّا عَنْ يَوْمِهٖ فَاِنْ قَرُبَ الَّتِىْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِىْ خَلَالِ الْاِطْعَامِ لَايَسْتَانِفُ

ساٹھ مسکینوں کا کانا تو کافی نہ ہو گا مگر ایک دن سے' اگر قریب ہو گیا مظاہر منہا سے کھلانے کے درمیان تو از سر نو نہ

وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَاَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَايَنْوِىْ عَنْ اِحْدٰهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَ

کرے جس پر واجب ہو گئے ظہار کے دو کفارے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے اور کسی ایک کی نیت نہیں کی تو دونوں کی طرف سے ہو جائے گا۔

كَذٰلِكَ اِنْ صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْاَطْعَمَ مِائَةً وَّ عِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَوَاِنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً

اسی طرح اگر چار ماہ روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھلایا تو جائز ہے' اگر ایک غلام آزاد کیا

وَاحِدَةً اَوْصَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ اَيَّتِهِمَا شَاءَ

یا دو ماہ روزے رکھے تو اس کو اختیار ہو گا جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے

تشریح الفقہ قولہ فان لم یجد الخ اگر مظاہر شخص غلام آزاد کرنے پر قادر نہ ہو تو دو ماہ لگاتار روزے رکھے کیونکہ آیت "فمن لم یجد فصیام شهرين متتابعين" میں پے در پے ہونے کی شرط ہے اور یہ دو مہینے ایسے ہوں جن کے درمیان ماہ رمضان نہ ہو کیونکہ ماہ رمضان میں کوئی دوسرا روزہ ادا نہیں ہوتا اگر کفارہ کی نیت سے روزہ رکھے گا تب بھی رمضان ہی کا ہوگا نیز ایام منہیہ یعنی ایام عیدین و ایام تشریق بھی نہ ہوں کیونکہ اس کے ذمہ کامل روزے واجب ہوئے ہیں اور ان ایام میں منہی عنہ ہونے کی وجہ سے روزہ ناقص ہوتا ہے۔

قولہ فان جامع الخ اگر مظاہر نے روزوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا جان بوجھ کر مظاہر منہا سے وطی کر لی تو طرفین کے نزدیک از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ رات میں وطی کی تو استیناف کی ضرورت نہیں کیونکہ رات میں وطی کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ پس روزوں کی ترتیب علی حالہ باقی رہی نیز روزوں کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر استیناف ضروری قرار دیا جائے تو کل روزوں کا مؤخر ہونا لازم آتا ہے اور عدم استیناف کی صورت میں بعض روزوں کی تاخیر لازم آتی ہے اس لئے عدم استناف بہتر ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح روزوں کا وطی سے پہلے ہونا نصاً شرط ہے اسی طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے۔ اب اگر شرط تقدیم فوت ہوگئی تو کم از کم شرط ثانی کی تعمیل ہونی چاہیے۔

قولہ ليلا عامدا الخ لیل کے ساتھ عمد کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیونکہ کتب معتبرہ میں تصریح ہے کہ رات کو صحبت کرنے میں عمد و نسیان دونوں برابر ہیں۔

قولہ وان ظاهر العبد الخ اگر غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو وہ کفارہ میں صرف روزے ہی رکھے گا کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ وہ خود اپنے آقا کا مملوک ہے، ہاں روزے رکھ سکتا ہے اس لئے اس پر روزے ہی لازم ہیں جن سے اس کا آقا بھی نہیں روک سکتا کیونکہ کفارہ میں عبادت کے معنی ہیں اس لئے یہاں غلام کے حق میں تنصیف نہ ہوگی بلکہ پورے دو ماہ کے روزے رکھے گا۔

قولہ وان اطعم مسكينا واحدا الخ ہر روز نئے فقیر کو کھلانا ضروری نہیں اگر ایک ہی فقیر کو دو ماہ تک کھلاتا رہا تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں متفرق ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے کیونکہ آیت میں "ستين مسكينا" کی تصریح ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اطعام کا مقصد محتاج کی حاجت کو رفع کرنا ہے اور حاجت میں ہر روز تجدد ہے یعنی ہر دن آدمی کھانے کا محتاج ہے پس ہر دن ایک ہی فقیر کو کھلانا ایسا ہے جیسے ہر روز ایک نئے فقیر کو کھلانا، ہاں اگر ایک فقیر کو ایک ہی دن میں تمیں صاع غلہ دے دیا تو جائز نہ ہوگا بلکہ صرف ایک ہی دن کا کفارہ ادا ہوگا کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً تفریق ہے نہ حکماً حالانکہ اس کے ذمہ تفریق لازم ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی حاجی جمرہ کی ساتوں کنکریاں ایک ہی دفعہ مار دے کہ یہ صرف ایک رمی شمار ہوتی ہے۔ (کذا فی رمز الحقائق)

قولہ ومن وجب عليه الخ ایک شخص کے ذمہ ظہار کے دو کفارے تھے اس نے دونوں کی طرف سے دو غلام آزاد کر دیئے اور کسی ایک کو معین نہیں کیا، یا چار ماہ روزے رکھ لئے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا اور تعیین نہیں کی تو یہ جائز ہے کیونکہ جنس متحد ہے اس لئے نیت تعیین کی ضرورت نہیں۔

قولہ وان اعتق رقبة واحدة الخ اور اگر دو ظہاروں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو یہ ایک ظہار کی طرف سے صحیح ہوگا، اب مظاہر کو اختیار ہے جس ایک کی طرف سے چاہے کفارہ قرار دے لے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان

اِذَاقَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَا وَ هُمَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ
جب تہمت لگائے مرد اپنی عورت کو زنا کی اور وہ دونوں اہل شہادت ہوں اور عورت وہ ہو جس کے

قَاذِفُهَا اَوْنَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ
قاذف کو حد لگتی ہے یا اس کے بچہ کے نسب کی نفی کر دی اور عورت نے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو اس پر لعان ہوگا اگر اس سے باز رہے تو حاکم اسے

الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ اَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدُّ فَاِنْ لَاعَنَ وَجَبَ اللِّعَانُ فَاِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا
قید کر لے تاآنکہ وہ لعان کرے یا اپنی تکذیب کرے پس اس کو حد لگائی جائے اگر وہ لعان کرے تو عورت پر بھی لعان ہوگا اگر وہ باز رہے تو حاکم

الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ اَوْ تُصَدِّقَهُ وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا اَوْكَافِرًا اَوْمَحْدُوْدًا فِىْ قَذْفٍ فَقَذَفَ
اس کو قید کر لے تاآنکہ وہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا قذف کی سزا یافتہ ہو اور وہ اپنی

امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّوَانُ كَانَ الزَّوْجُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِىَ اَمَةٌ اَوْكَافِرَةٌ اَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِىْ
بیوی کو تہمت لگائے تو اس پر حد جاری ہوگی اگر شوہر تو اہل شہادت ہو اور عورت باندی ہو یا کافرہ ہو یا قذف کی سزایافتہ ہو

قَذْفٍ اَوْكَانَتْ مِمَّنْ لَّايُحَدُّ قَاذِفُهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ فِى قَذْفِهَا وَلَالِعَانَ وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ
یا اس کے قاذف کو حد نہ لگتی ہو تو اس پر حد جاری نہ ہوگی تہمت لگانے میں اور نہ لعان ہوگا۔ طریقہ لعان کا یہ ہے

يَّبْتَدِئَ الْقَاضِىْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّىْ لَمِنَ
کہ شروع کرے قاضی شوہر سے پس وہ چار بار گواہی دے ہر دفعہ کہے کہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو بیشک میں

الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ يَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
سچا ہوں اس میں جو میں نے تہمت لگائی ہے اس کو زنا کی پھر کہے پانچویں بار اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں

الْكٰذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا۔ يُشِيْرُاِلَيْهَا فِىْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ
جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کو تہمت لگائی ہے زنا کا اشارہ کرے ان سب میں عورت کی طرف پھر عورت گواہی دے چار بار

تَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَ تَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ
کہے ہر دفعہ کہ میں گواہ بناتی ہوں اللہ کو بے شک وہ جھوٹا ہے اس میں جو تہمت لگائی ہے اس نے زنا کی اور کہے پانچویں بار

غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَاِذَاالْتَعَنَافَرَّقَ الْقَاضِىْ بَيْنَهُمَا
کہ اللہ کا غضب ہو مجھ پر اگر یہ سچا ہو اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو جب لعان کر چکیں تو ان میں قاضی تفریق

وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ
کر دے اور یہ فرقت طلاق بائن ہو گی طرفین کے نزدیک امام ابویوسف

رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ تَحْرِيْمًا مُؤَبَّدًا

فرماتے ہیں کہ دائمی حرمت ہوگی

وَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِىْ نَسَبَهٗ وَاَلْحَقَهٗ بِاُمِّهٖ فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَاَكْذَبَ نَفْسَهٗ

اگر تہمت بچہ کی نفی کرنے کے ذریعہ ہو تو قاضی نسب کی نفی کر کے اس کی ماں سے ملحق کر دے اگر شوہر لوٹ کر خود کی تکذیب کرے

حَدَّهُ الْقَاضِىْ وَحَلَّ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ اَوْزَنَتْ فَحُدَّتْ

تو قاضی اس کو حد لگائے اور وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی اور کو تہمت لگائی اور اس کو حد لگ گئی یا عورت نے زنا کیا اور اس کو حد لگ گئی

تشریح الفقہ قولہ کتاب اللعان الخ لعان لغۃً مفاعلۃ کا مصدر ہے بمعنی پھٹکارنا' اصطلاح میں لعان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کیساتھ مؤکد ہوں۔ سو اگر شوہر نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور زوجین اہل شہادت یعنی مسلمان عاقل بالغ آزاد ہیں اور عورت فعل زنا اور تہمت زنا سے پاک دامن ہے یا شوہر نے اس کے بچہ کی نفی کر دی اور عورت نے حد قذف کا مطالبہ کیا تو لعان واجب ہوگا' اگر شوہر لعان سے باز رہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا خود کو جھٹلائے۔ اب اگر وہ اپنی تکذیب کرتا ہے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر وہ لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان واجب ہوگا۔ اگر شوہر غلام یا کافر ہو اور وہ بیوی پر تہمت لگائے مثلاً شروع میں زوجین کافر تھے اس کے بعد عورت اسلام لے آئی اور شوہر نے اسلام پیش کیے جانے سے پیشتر اس کو تہمت لگا دی یا شوہر محدود فی القذف ہے تو شوہر پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ جب اس کی جانب سے لعان متعذر ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور اگر شوہر تو اہل شہادت ہو لیکن عورت اہل شہادت نہ ہو۔ مثلاً باندی یا کافرہ یا محدود فی القذف یا صغیرہ یا مجنونہ یا زانیہ ہو تو شوہر پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ عورت محصنہ نہیں ہے اور نہ لعان ہوگا کیونکہ عورت اہل شہادت میں سے نہیں ہے۔ جب زوجین میں سے ہر ایک لعان کر چکے تو قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہو جائے گی۔ امام زفر کے ہاں نفس لعان ہی سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام مالک واحمد سے بھی یہی مروی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "متلاعنین میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا[1]۔ ہماری دلیل حضرت سہل بن سعد کی حدیث ہے جس کے آخر میں عویمر عجلانی کا قول ہے "كذبت عليها يا رسول! آپ نے فرمایا: اس کو روک لے عویمر نے کہا: اگر میں اس کو روکوں تو اس پر تین طلاق[2]۔" وجہ استدلال یہ ہے کہ عویمر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کہا: کذبت اھ اگر محض لعان سے فرقت ہو جاتی تو آپ ضرور نکیر فرماتے اور اگر شوہر نے بچہ کی نفی کر کے تہمت لگائی تو قاضی باپ سے نسب کی نفی کر کے اس کا نسب اس کی ماں سے ثابت کر دے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کے قصہ میں ایسا ہی کیا تھا[3]" اور اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کر دے تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ اپنی تکذیب کرنا خود پر وجوب حد کا اقرار کرنا ہے۔ پھر زوج ملاعن تفریق کے بعد طرفین کے نزدیک اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ امام زفر' ابو یوسف' مالک' شافعی کے نزدیک نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث گزر چکی کہ متلاعنین کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ تکذیب کے بعد لعان باقی نہیں رہا تو جو حرمت لعان کے سبب سے طاری ہوئی تھی وہ بھی زائل ہو گئی اسی طرح اگر اجنبیہ پر تہمت لگانے کی وجہ سے مرد پر یا عورت کے زنا کرنے کی وجہ سے عورت پر حد جاری کی گئی تو اس سے بھی نکاح کر سکتا ہے کیونکہ یہ اہل لعان ہونے سے خارج ہو گئے۔

وَاِنْ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ وَ هِىَ صَغِيْرَةٌ اَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَلَاحَدَّ وَ قَذْفُ الْاَخْرَسِ

اگر تہمت لگائی اپنی بیوی کو جو بہت چھوٹی ہے یا دیوانی ہے تو نہ ان میں لعان ہوگا نہ حد' گونگے کی تہمت لگانے سے

لَايَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّىْ فَلَا لِعَانَ وَاِنْ قَالَ زَنَيْتِ وَ هٰذَا

نہیں ہوتا لعان' شوہر نے کہا نہیں ہے تیرا حمل مجھ سے تو لعان نہ ہوگا' اگر کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ

[1] ابوداؤد عن سہل' دار قطنی' احمد' عبد الرزاق' ابن ابی شیبہ عن علیؓ وابن مسعود وعمر وابن عمر ۱۲ [2] صحیحین' ابن ماجہ عن سہل ۱۲۔ [3] ابن راہویہ' بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔

الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلاعَنَا وَلَمْ يَنفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ مِنْهُ وَاِذَانَفَى الرَّجُلُ وَلَدَامْرَأَتِهٖ عَقِيْبَ

حمل زنا ہی سے ہے تو دونوں لعان کریں گے اور قاضی حمل کی نفی نہ کرے اس سے، جب نفی کی شوہر نے بیوی کے بچہ کی ولادت کے

الْوِلَادَةِ اَوْفِي الْحَالِ الَّتِیْ تُقْبَلُ التَّهْنِيَةُ فِيْهَا وَتُبْتَاعُ لَهُ اٰلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهٗ وَلَا عَنَ

بعد یا اس حال میں جس میں مبارک بادی قبول کی جاتی ہے اور سامان ولادت خریدا جاتا ہے تو نفی صحیح ہو گی اورلعان کرے گا

بِهٖ وَاِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا عَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَقَالَ اَبُو يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَصِحُّ نَفْيُهٗ فِي مُدَّةِ

اگر اس کے بعد نفی کی تو لعان کرے اور نسب ثابت ہو گا صاحبین فرماتے ہیں کہ بچے کی نفی کرنا صحیح ہے

النِّفَاسِ وَاِنْ وَّلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْاَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَ

مدت نفاس میں اگرعورت کے دو بچے ہوئے بطن واحد سے اورنفی کر دی اول کی اور اقرار کر لیا ثانی کا تو دونوں کا نسب ثابت ہو گا

حُدَّالزَّوْجُ وَاِنِ اعْتَرَفَ بِالْاَوَّلِ وَ نَفَى الثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ

اورشوہر کو حد لگے گی اوراگر اعتراف کیا اول کا اور نفی کی ثانی کی تو دونوں کا نسب ثابت ہو گا اور لعان کرے گا

لعان کے باقی احکام

تشریح الفقہ قولہ وقذف الاخرس الخ اگرزوجین یاان میں سے کوئی ایک گونگا ہواوراشارہ سے تہمت لگائے تولعان نہ ہوگا۔امام مالکؒ شافعیؒ اورابوالخطاب حنبلی کہتے ہیں کہ بذریعہ اشارہ گونگوں کے دیگر تصرفات بیع وطلاق کی طرح تہمت قذف بھی صحیح ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ لعان میں لفظ شہادت کا تلفظ رکن ہے حتی کہ اگرکوئی اشہد کے بجائے احلف کہےتو صحیح نہیں اور گونگے سے اس کا تلفظ ممکن نہیں لہذا لعان نہ ہوگا اسی طرح اگرشوہر بیوی سے کہے کہ تیراحمل مجھ سے نہیں تو اس میں بھی لعان نہ ہوگا کیونکہ قیام حمل متیقن نہیں، ممکن ہے بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہو،صاحبین کے ہاں لعان ہوگا اگر بچہ چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا اور اگرشوہر نے یہ کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی سے ہے تو دونوں لعان کریں گے لیکن قاضی بچہ کے نسب کی نفی نہیں کرے گا۔امام شافعی کے ہاں نفی کردی جائے گی کیونکہ ہلال بن امیہ کے قصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''عورت کے بچہ کو ہلال کا بیٹا کوئی نہ کہے''،ہم یہ کہتے ہیں کہ حمل پر اس کی ولادت سے احکام مرتب نہیں ہوتے۔رہی حدیث مذکور سو آپ کو بطریق وحی معلوم تھا کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔

قولہ وان ولدت الخ عورت نے بطن واحد سے دو بچے جنے۔شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اوردوسرے کا اقرار کیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ دوسرے بچہ کا اقرار کرکے اس نے اپنی تکذیب کردی اور اگر اس کا عکس ہو تو لعان ہوگا کیونکہ اول کا اقرار کرکے وہ عورت کی عفت کا قائل ہوگیا اور ثانی کی نفی کرکے اس پر تہمت لگا رہا ہے اس لئے لعان ہوگا لیکن دونوں صورتوں میں بچے اسی کے قرار دیئے جائیں گے کیونکہ وہ دونوں اسی کے نطفے سے پیدا ہوئے ہیں۔

كِتَابُ العِدَّة

عدت کا بیان

اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْرَجْعِيًّا اَوْوَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا

جب طلاق دے دی شوہر نے بیوی کو بائن یا رجعی یا واقع ہو گئی ان میں فرقت

بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَقْرَاءٍ وَالْاَقْرَاءُ الْحِيَضُ وَاِنْ كَانَتْ
بلا طلاق اور عورت آزاد ہے ذوات الحیض میں سے تو اس کی عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض ہیں اگر اس کو

لَاتَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْكِبَرٍ فَعِدَّ تُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ[1] وَاِنْ كَانَتْ حَامِلاً فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ[2] حَمْلَهَا
حیض نہ آتا ہو کم سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کی عدت تین ماہ ہیں اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے

وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ[3] وَاِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَ نِصْفٌ
اگر باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ایک ماہ اور پندرہ دن ہیں

تشریح الفقہ قولہ کتاب العدۃ الخ عدۃ لغۃً شمار و گنتی کو اور اصطلاحاً اس توقف کو کہتے ہیں جو عورت کو زوال نکاح کے بعد لازم آتا ہے۔

قولہ اذا طلق الخ جب کوئی شخص اپنی حرہ بیوی کو رجعی یا بائن طلاق دے دے یا ان میں بلا طلاق فرقت ہو جائے اور عورت کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین قروء ہیں قال اللہ تعالیٰ ''والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء'' اس میں ثلثۃ قروء سے مراد ہمارے نزدیک تین حیض ہیں اور امام مالک و شافعی کے نزدیک تین طہر کیونکہ لفظ ثلثۃ مؤنث ہے اور عدد کی تانیث تذکیر معدود پر دلالت کرتی ہے اور مذکر لفظ طہر ہے نہ کہ حیض اگر حیض مراد ہوتا تو ثلث قروء کہا جاتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ قروء حیض اور طہر میں مشترک ہے اور دونوں میں حقیقت ہے اور مشترک لفظ بیک وقت اپنے ہر دو معنی کو شامل نہیں ہوتا لامحالہ کسی ایک پر محمول کیا جائے گا اب طہر پر تو محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ جس طہر میں طلاق (مشروع) واقع ہوگی اگر اس کو شمار کیا جائے تو تین طہر کامل نہیں رہتے اور شمار نہ کیا جائے تو تین پر زیادتی لازم آتی ہے حالانکہ لفظ قروء خاص ہے جس میں کمی بیشی جائز نہیں اس لئے حیض پر محمول کیا جائے گا اور استدلال مذکور کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شئے کے مذکر و مؤنث دو اسم ہوں جیسے لفظ بر و حنطۃ اور تانیث حقیقی نہ ہو تو مذکر لفظ کی طرف اضافت کے وقت اس کے عدد کو مؤنث لفظ کی طرف اضافت کے وقت مذکر لاتے ہیں اور آیت میں لفظ ثلثۃ اقرء کی طرف مضاف ہے جو مذکر ہے۔

وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنِ امْرَاَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَّ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَاِنْ كَانَتْ
جب مر جائے آزاد بیوی کا شوہر تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں اگر

اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَ خَمْسَةُ اَيَّامٍ وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَاِذَا
باندی ہو تو اس کی عدت دو ماہ پانچ یوم ہیں اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے جب

وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ وَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِيْ عِدَّتِهَا
وارث ہو مطلقہ مرض الموت میں تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے بعید تر ہے اگر آزاد کردی گئی باندی اس کی عدت میں

قولہ و ان کانت امۃ: اگر باندی کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ حیض ہونی چاہیئے مگر چونکہ حیض میں تجزی نہیں اس لئے اس کی عدت دو حیض ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو حرہ کی عدت کا نصف ہے یعنی طلاق یا فسخ کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفات کی صورت میں دو ماہ پانچ دن۔

مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْمُتَوَفّٰى
طلاق رجعی کی تو اس کی عدت منتقل ہو جائے گی آزاد عورتوں کی عدت کی طرف اگر آزاد ہوئی اس حال میں کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر

[1] لقولہ تعالیٰ ''واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر واللائی لم یحضن'' ۱۲ [2] لقولہ تعالیٰ ''واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن'' ۱۲ [3] لقولہ علیہ السلام ''طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان'' ۱۲

عَنهَا زَوْجُهَالَمْ تَنتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِنْ كَانَتْ اٰيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ

مر گیا تھا تو منتقل نہ ہو گی اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف اگر آیسہ تھی جو عدت گزار رہی تھی مہینوں سے پھر

رَأَتِ الدَّمَ انْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَسْتَاْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ وَ

دیکھا اس نے خون تو ٹوٹ جائے گی وہ عدت جو گزر چکی اوراُس کو ازسر نو عدت گزارنا ہو گی حیضوں سے

الْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْئَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ وَاِذَا

جس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہو اور جس سے وطی بالشبہہ ہوئی ہو ان دونوں کی عدت حیض ہیں فرقت اور موت کی صورت میں' جب

مَاتَ مَوْلٰى اُمِّ الْوَلَدِ عَنهَا اَوْاَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ وَاِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنِ امْرَأَتِهٖ

ام ولد کا آقا مر گیا یا اس نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں جب مر گیا بچہ اپنی بیوی چھوڑ کر

وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا فَاِنْ حَدَثَ الْحَبَلُ بَعْدَالْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ

اور حال یہ کہ وہ کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے' اگر ظاہر ہوا حمل مرنے کے بعد تو اس کی عدت چار

اَشْهُرٍ وَ عَشَرَةُ اَيَّامٍ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ فِيْ حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّبِالْحَيْضَةِ الَّتِيْ

ماہ دس دن ہیں' جب طلاق دی شوہر نے بیوی کو حیض کی حالتمیں تو شمار نہ کرے گی اس حیض کو جس میں

وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ وَاِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ اُخْرٰى وَتَتَدَاخَلُ

طلاق واقع ہوئی ہے' جب وطی کر لی گئی عدت والی عورت سے شبہۃ تو اس پر ایک اور عدت ہو گی اور دونوں عدتیں

الْعِدَّتَانِ فَيَكُوْنُ مَاتَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيْعًا وَاِذَاانْقَضَتِ الْعِدَّةُ

متداخل ہوں گی پس جو حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں محسوب ہو گا جب گزر جائے پہلی

الْاُوْلٰى وَلَمْ تَكْمُلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ

عدت اورنہ پوری ہوئی ہو دوسری عدت تو اس پر دوسری عدت کو پورا کرنا ہے اور عدت کی ابتداء طلاق میں

عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَ فِي الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ فَاِنْ لَمْ تَعْلَمْ

طلاق کے بعد سے ہوتی ہے اور وفات میں وفات کے بعد سے پس اگر علم نہ ہوا اس کو

بِالطَّلَاقِ اَوِالْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ

طلاق کا یاوفات کا یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور عدت نکاح

الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا اَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا

فاسد میں ان دونوں میں تفریق واقع ہونے کے بعد سے یا وطی کنندہ کے ارادہ ترک وطی کے بعد سے ہوتی ہے

عدت وفات وغیرہ کا بیان

توضیح اللغۃ اجلین ۔ اجل کا تثنیہ ہے بمعنی مدت' حرائر ۔ جمع حرۃ آزاد عورت' مبتوتہ ۔ وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو' آیسۃ ۔ ناامید عورت'

شہور جمع شہر۔ مہینہ تستانف۔ از سرنو کرے، حیض جمع حیض، حبل۔ حمل۔ عقیب۔ بعد، پیچھے، عزم۔ قصد، ارادہ۔

تشریح الفقہ قولہ واذا مات الرجل الخ اگر عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں۔ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، صغیرہ ہو یا کبیرہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ۔ لقولہ تعالیٰ "والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا" نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ میت پر تین دن سے زائد سوگ منائے بجز اپنے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔" (متفق علیہ) امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر عورت کتابیہ اور مدخولہ ہو تو اس پر صرف استبراء رحم واجب ہے اور اگر مدخول نہ ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

قولہ و اذا ورثت الخ جس عورت کو اس کی رضا کے بغیر شوہر نے مرض الموت میں طلاق دے دی ہو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے، بایں طور کہ موت کے وقت سے دس دن چار ماہ انتظار کرے اور انہی ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گزر جائیں۔ امام ابو یوسف، مالک، شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی عدت تین حیض ہیں کیونکہ عدت وفات تو اس وقت واجب ہوتی ہے جب نکاح کا زوال وفات میں ہو اور یہاں طلاق کی وجہ سے نکاح قبل از موت زائل ہو چکا صرف حق ارث میں باقی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح حق ارث میں باقی ہے تو احتیاطًا حق عدت میں بھی باقی رکھا جائے گا۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اگر رجعی طلاق ہو تو بالاتفاق اس کی عدت دس دن چار ماہ ہیں جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

قولہ وان اعتقت الامة الخ ایک باندی طلاق رجعی کی عدت گزار رہی تھی۔ آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت حرہ کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی یعنی اب اس کی عدت تین حیض ہوں گے اور اگر وہ طلاق بائن یا موت زوج کی عدت میں تھی اور پھر آزاد ہوگئی تو اس کی عدت وہی باندی والی عدت رہے گی۔ وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی میں نکاح باقی رہتا ہے اور طلاق بائن اور شوہر کی موت سے نکاح زائل ہو جاتا ہے۔

قولہ وان کانت آیست الخ آیسہ عورت مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ حیض آنا شروع ہوگیا تو اس کی مہینوں والی عدت باطل ہو گئی۔ اب وہ از سر نو حیضوں کے حساب سے عدت گزارے کیونکہ عدت بالحیض اصل ہے اور عدت بالاشہر نائب اور نائب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ تا اختتام حیات اصل سے ناامیدی ہو اور حیض آنے کے بعد ناامیدی نہیں رہی اس لئے عدت بالاشہر کا نائب ہونا باطل ہوگیا۔

قولہ والمنکوحة الخ جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا ہو بایں طور کہ نکاح بلا گواہ ہو یا عدم حلت کا علم ہوتے ہوئے ذو رحم محرم سے نکاح ہوا ہو نیز جس عورت سے وطی بالشبہ ہوئی جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نادانستہ غیر کی عورت سے نکاح کر لیا گیا ہو، اور ام ولد جس کا آقا انتقال کر گیا ہو یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا ہو ان سب کی عدت حیض کے حساب سے ہے عدت وفات ہو یا عدت فرقت۔

قولہ واذا مات الصغیر الخ ایک بچہ کی بیوی حاملہ تھی بچہ کا انتقال ہوگیا تو اس عورت کی عدت طرفین کے نزدیک وضع حمل ہے۔ امام ابو یوسف، مالک، شافعی کے نزدیک دس دن چار ماہ ہے کیونکہ اس عورت کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اس واسطے کہ بچہ سے علوق ہو ہی نہیں سکتا پس یہ ایسا ہوگیا جیسے عورت زوج صغیر کے انتقال کے بعد حاملہ ہو یعنی اس کی موت سے چھ ماہ بعد یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ جنے گی اس صورت میں بالاجماع عدت وفات لازم ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آیت "واولات الاحمال اھ" مطلق ہے حمل شوہر سے ہو یا غیر شوہر سے، عدت وفات کی ہو یا طلاق کی، اس کی کوئی تفصیل نہیں۔

قولہ واذا وطئت المعتدة الخ ایک عورت کسی کی عدت گزار رہی تھی کہ اس سے وطی بالشبہ ہوگئی۔ مثلاً عورت بستر پر تھی، کسی نے کہہ دیا کہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی، یا وہ کسی کی عدت میں تھی اس سے نکاح کر لیا گیا۔ شوہر کو معلوم نہیں تھا کہ یہ عدت میں ہے تو اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتیں متداخل ہو جائیں گی اور جو حیض عدت ثانیہ واجب ہونے کے بعد دکھائی دے گا وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی، تو دوسری عدت کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔ مثلاً عورت کو طلاق بائن ہوگئی اور اس کو ایک بار حیض آیا، پھر اس

نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور وطی کے بعد تفریق ہوگئی' پھر دوبارہ حیض آیا تو یہ تینوں حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوں گے پس پہلا حیض اور بعد کے دوحیض مل کر پہلے شوہر کی عدت پوری ہوگئی اور دوسرے شوہر کی عدت صرف دوحیض ہوئے تو جب ایک اور حیض آئے گا تب دوسرے شوہر کی عدت پوری ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ پہلا حیض پہلی عدت کے ساتھ اور آخری حیض دوسری عدت کے ساتھ مخصوص ہے اور درمیان کے دوحیض دونوں عدتوں میں مشترک ومتداخل ہیں نیز اگر دونوں عدتیں مہینوں کے ذریعہ ہوں تب بھی تداخل ہوگا۔ مثلاً آیسہ کی عدیت میں وطی بالشبہہ ہوگئی تو اگر پہلی عدت دوسری عذت سے قبل پوری ہوگئی تو دوسری عدت کو بھی مہینوں کے ذریعہ پورا کرنا ضروری ہے اور اگر عورت معتدۃ الوفات ہو اور اس سے وطی بالشبہہ ہوجائے تو اس کی پہلی عدت مہینوں کے ذریعہ سے ہے یعنی دس دن چار ماہ اور دوسری عدت حیض کے ذریعہ سے ہوگی۔ اب اگر دس دن چار ماہ میں تین حیض بھی آ جائیں تو بسبب تداخل دونوں عدتیں پوری ہو جائیں گی اور اگر اس مدت میں حیض جاری نہ ہو تو اس مدت کے بعد تین حیض کی عدت ثانیہ علیحدہ واجب ہوگی۔

وَعَلَى الْمَبْتُوتَهِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا كَانَتْ عَاقِلَةً بَالِغَةً مُسْلِمَةً اَلْاِحْدَادُ وَالْاِحْدَادُ

معتدہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا پر جبکہ وہ عاقل بالغ اور مسلمان ہو سوگ منانا ہے اور سوگ منانا یہ ہے

اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالدُّهْنَ وَالْكُحْلَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَ

کہ خوشبو' زینت' تیل اور سرمہ کو چھوڑ دے مگر عذر کی وجہ سے اور نہ لگائے مہندی اور

لَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَلَابِوَرْسٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ وَلَا اِحْدَادَ عَلٰى كَافِرَةٍ وَلَا صَغِيْرَةٍ

نہ پہنے عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا اور نہیں ہے سوگ منانا کافر عورت پر اور نہ بچی پر

وَ عَلَى الْاَمَةِ الْاِحْدَادُ وَلَيْسَ فِىْ عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَلَا فِىْ عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ اِحْدَادٌ وَلَا

اور باندی پر سوگ منانا ہے اور نہیں ہے نکاح فاسد کی عدت میں اور نہ ام ولد کی عدت میں سوگ منانا اور

يَنْبَغِىْ اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَاْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِى الْخِطْبَةِ

زیبا نہیں معتدہ کو نکاح کا پیام دینا اور کوئی حرج نہیں کنایۃً پیغام دینے میں

شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

توضیح اللغۃ مبتوتۃ۔ جس کو طلاق بائن دی گئی ہو' احداد۔ شوہر کے مرنے پر سوگ منانا' طیب۔ خوشبو' دھن۔ تیل' کحل۔ سرمہ' تخضب۔ رنگ چڑھانا' حنا۔ مہندی' مصبوغ۔ رنگا ہوا' تعرض۔ اشارہ' کنایہ خطبہ۔ پیغام نکاح۔

تشریح الفقہ قولہ و علی المتبوتۃ الخ معتدہ بائنہ اور معتدۃ الوفاۃ شوہر کے انتقال پر زینت کی اشیاء اور خوشبو' تیل' سرمہ' مہندی' معصفر اور مزعفر لباس وغیرہ کے استعمال کو ترک کر کے سوگ منائے کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے[1] ہاں اگر کوئی عذر ہو تو اور بات ہے۔ مبتوتۃ کی قید سے مطلقہ رجعیہ' عاقلہ کی قید سے مجنونہ بالغہ کی قید سے صغیرہ' مسلمہ کی قید سے کافرہ نکل گئی۔ امام شافعی کے نزدیک معتدہ بائنہ پر احداد واجب نہیں کیونکہ یہ تو زوج کے فوت ہونے کے افسوس میں ہوتا ہے اور شوہر نے اس کو طلاق بائن دے کر وحشت میں ڈال دیا فلا تاسف بفوتہ۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ

[1] جماعۃ غیر الترمذی عن ام عطیہ وغیرہ ابن ماجہ عن ام حبیبہ' مسلم عن حفصہ' صحیحین عن زینب بن حجش ۱۲۔

احداد نعمت نکاح کے فوت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ چیز مبتوتہ کے حق میں بھی موجود ہے۔

قوله علی کافرة الخ کافرہ اور صغیرہ پر سوگ کرنا واجب نہیں کیونکہ یہ دونوں حقوق شرع کی مخاطب نہیں۔ ایک کم عمری کی وجہ سے اور دوسری کافرہ ہونے کی وجہ سے اور سوگ کرنا حقوق شرع میں داخل ہے۔ بحر الرائق میں ہے کہ سات عورتوں پر سوگ کرنا واجب نہیں۔ کافرہ، صغیرہ، مجنونہ، معتدۃ العتق، معتدۃ النکاح الفاسدہ معتدۃ الرجعیہ، معتدہ موطوءہ بالشبہہ۔

قوله ولاینبغی الخ معتدہ کو پیام نکاح دینا حرام ہے۔ لقوله تعالیٰ ''ولاتعزمو اعقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله'' ہاں تعریض کی اجازت ہے بشرطیکہ عورت معتدۃ الوفاۃ ہو۔ قال الله تعالیٰ ''ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء'' تعریض یعنی گول مول بات مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں یا مجھے آرزو ہے کہ حق تعالیٰ نیک بخت عورت عطا فرمائے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس سے تعریض کی یہی تفسیر منقول ہے۔

وَلاَ يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلاً وَّنَهَارًا وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا
جائز نہیں مطلقہ رجعیہ و معتدہ بائنہ کے لئے اپنے گھر سے نکلنا نہ رات میں نہ دن میں اور متوفی عنہا

زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَ بَعْضَ اللَّيْلِ وَلاَ تَبِيْتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا وَ عَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ
زوجہا نکل سکتی ہے دن میں اور کچھ حصہ رات میں اور رات نہ گزارے اپنے گھر کے سوا، معتدہ پر لازم ہے عدت گزارنا اس گھر میں

الَّذِيْ يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ فَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ
جس کی طرف منسوب ہے اس کی رہائش فرقت یا موت واقع ہونے کے وقت، اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کے

يَكْفِيْهَا فَلَيْسَ لَهَا اَنْ تَخْرُجَ اِلاَّ مِنْ عُذْرٍ وَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لاَيَكْفِيْهَا وَاَخْرَجَهَا
لئے کافی ہو تو اس کے لئے نکلنا جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے اور اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اس کے لئے ناکافی ہو اور نکال دیں

الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ وَلاَ يَجُوْزُ اَنْ يُّسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَاِذَا طَلَّقَ
ورثہ اس کو اپنے حصے سے تو منتقل ہو جائے، جائز نہیں یہ کہ سفر کرے شوہر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ، جب طلاق دے دی

الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ طَلاَقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ
شوہر نے بیوی کو طلاق بائن پھر اس سے نکاح کر لیا اس کی عدت میں پھر اس کو طلاق دے دی صحبت سے پہلے تو اس پر پورا

كَامِلٌ وَ عَلَيْهَا عِدَّةٌ مُّسْتَقْبَلَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا نِصْفُ[1] الْمَهْرِ وَ عَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى
مہر لازم ہے اور عورت پر مستقل عدت ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اس کے لئے نصف مہر ہے اور عورت پر پہلی عدت پوری کرنا ہے

معتدہ کے باقی احکام

تشریح الفقہ قوله ولایجوز للمطلقه الخ معتدہ بائنہ ورجعیہ کے لئے اس گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، جس میں وہ فرقت کے وقت تھی اس

[1] واصله ان الدخول فی النکاح الاول هل هودخول فی الثانی بمجرد العقد فعندهما نعم و عندمحمد لاوقال زفر لاعدة علیها اصلا ۱۲۔ جوہرہ

میں عدت پوری کرے۔ لقوله تعالیٰ "ولاتخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا ان ياتين بفاحشه مبينة" ابراہیم نخعی کے نزدیک فاحشہ سے مراد نفس خروج ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد زنا ہے سوا قامت حد کے لئے نکالی جاسکتی ہے۔ ہاں معتدۃ الوفات دن بھر اور رات کے کچھ حصہ میں نکل سکتی ہے کیونکہ اس کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا اس لئے وہ طلب معاش کے لئے نکلنے پر مجبور ہے بخلاف المطلقة فان نفقتها واجبة على الزوج۔

قوله ولايجوز ان يسافر الخ شوہر کے لئے مطلقہ رجعیہ کو سفر میں لے جانا جائز نہیں امام زفر کے ہاں جائز ہے۔ مبنائے اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اسے سفر میں لے جانا رجعت نہیں ہے کیونکہ سفر نکاح ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسان اپنی ماں بہن کے ساتھ بھی سفر کرتا ہے اور جو کام نکاح کے ساتھ مخصوص نہ ہو اس سے رجعت نہیں ہوسکتی امام زفر کے ہاں رجعت ہے کیونکہ آدمی جس عورت کو رکھنا نہیں چاہتا وہ اسے سفر میں لے جایا نہیں کرتا۔ (شرح اقطع)

وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ اِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِسَنَتَيْنِ اَوْاَكْثَرمَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا
ثابت ہو جاتا ہے مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب جب وہ جنے دو سال یا زیادہ میں جب تک کہ وہ عدت گزرنے کا اقرار نہ

وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَبَانَتْ مِنْهُ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَ كْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ
کرے اور اگر دو سال سے کم میں جنا تو نسب ثابت ہو گا اور عورت بائنہ ہو جائے گی اور اگر دو سال سے زیادہ میں جنا

ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَكَانَتْ رَجْعَةً وَالْمَبْتُوْتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ
تو نسب ثابت ہو گا اور یہ رجعت ہو گی بائنہ طلاق والی کے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا جب وہ دو سال سے

سَنَتَيْنِ وَاِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ اِلَّا اَنْ يَدَّعِيَهُ الزَّوْجُ
کم میں جنے اور جب پورے دو سال میں جنے فرقت کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا الا یہ کہ اس کا شوہر دعوی

وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَابَيْنَ الْوَفَاةِ وَ بَيْنَ سَنَتَيْنِ وَاِذَااعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ
کرے اور ثابت ہو گا متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب وفات اور دو سال کے درمیان تک جب اقرار کرلیا معتدہ نے

بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ
اپنی عدت گذرنے کا پھر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر بچہ چھ ماہ میں جنا

لَمْ يَثْبُتْ
تو نسب ثابت نہ ہوگا

ثبوت نسب کا بیان

تشریح الفقہ قوله نسب ولد المطلقة الخ معتدہ رجعیہ جب تک اپنی عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرلے اس وقت اس کے بچہ کا نسب ثابت ہی مانا جائے گا پس اگر وہ دو سال سے کم میں بچہ جنے تو بچہ ثابت النسب ہوگا اس لئے کہ علوق یا تو حالت نکاح میں ہے یا حالت عدت میں بہر دو صورت نسب ثابت ہوگا اور وضع حمل سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور اگر بچہ دو سال کے بعد ہو تب بھی ثابت النسب ہوگا کیونکہ علوق بعد از طلاق ہے پس اس مسلمان کو تہمت زنا سے بچانے کے لئے یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے رجوع کرلیا تھا۔ بشرطیکہ عورت نے انقضاء عدت کا اقرار نہ کیا ہو۔

قولہ والمتبوتة الخ اگر معتدہ بائنہ کے دوسال سے کم میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ طلاق کے وقت حمل موجود ہونے کا احتمال ہے اور ثبوت نسب کے لئے احتمال کافی ہے اور اگر پورے دوسال میں یا زائد میں بچہ پیدا ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں علوق بالیقین طلاق کے بعد ہے ورنہ بچہ کا دوسال کی مدت سے زائد میں پیدا ہونا لازم آئے گا جو حدیث کے خلاف ہے پس وہ بچہ شوہر کا نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر شوہر اس کا دعویٰ کرے تو ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ خود اپنے اوپر لازم کر رہا ہے۔ (وفیہ شئی فارجع الی المقدمة)

قولہ واذا اعترف الخ معتدہ عورت نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار کر لیا پھر چھ ماہ کی مدت سے کم میں بچہ ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کی دروغ گوئی ظاہر ہو گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ اقرار کے وقت رحم میں نطفہ تھا پس انقضاء عدت کا اقرار باطل ہو گیا اور بچہ چھ ماہ یا اس سے زائد میں ہو تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًالَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا
جب جنا معتدہ نے بچہ تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا امام صاحب کے نزدیک الا یہ کہ گواہی دیں پیدائش کی

رَجُلَانِ اَوْرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوِاعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ
دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں الا یہ کہ وہاں حمل بالکل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار ہو پس

النَّسَبُ مِنْ غَيْرِشَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ
نسب ثابت ہو جائے گا گواہی کے بغیر صاحبین فرماتے ہیں کہ ثابت ہو جائے گا ہر صورت میں ایک عورت کی شہادت سے

وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَاَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ
کسی نے شادی کی ایک عورت سے اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں جب سے اس کی شادی ہوئی تھی تو اس کا

نَسَبُهُ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصاعِدًا ثَبَتَ نَسَبُهُ وَاِذَا اعْتَرَفَ بِهٖ اَوْسَكَتَ وَ
نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ میں جنا تو نسب ثابت ہوگا جب شوہر اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے

اِنْ جَحَدَالْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ
اگر اس نے پیدائش کا انکار کیا تو ایک عورت کی شہادت سے ثابت ہو جائے گا جو ولادت کی شہادت دے

تشریح الفقہ قولہ واذا ولدت الخ ایک عورت عدت میں تھی اس نے دعویٰ کیا کہ میرے بچہ پیدا ہوا ہے اور شوہر نے (جب کہ عدت طلاق کی ہو) یا ورثہ نے (جب عدت وفات کی ہو) ولادت کا انکار کیا تو اس صورت میں نسب ثابت ہونے کے لئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہیئے یا حمل ظاہر ہونا چاہیئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم میں ولادت ہو یا یہ کہ علامت حمل اس قدر ظاہر ہوں کہ ان سے حمل رہنے کا ظن غالب ہو یا شوہر کا اقرار یا ورثہ کی طرف سے ولادت کی تصدیق ہونی چاہیئے اگر یہ شہادتیں نہ ہوں تو امام صاحب کے نزدیک نسب ثابت نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک سب صورتوں میں صرف ایک عورت یعنی دایہ کی شہادت کافی ہے اس واسطے کہ عدت قائم ہونے کی وجہ سے فراش قائم ہے اور قیام فراش مثبت نسب ہے پس نسب تو خود ہی ثابت ہو گیا۔ اب ضرورت صرف اس کی ہے کہ بچہ کا اس عورت سے ہونا معین ہو جائے اور یہ دایہ کی شہادت سے ہو سکتا ہے جیسے قیام نکاح کی حالت میں صرف دایہ کی شہادت سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قیام عدت کی وجہ سے فراش قائم ہوتا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں عدت ہی قائم نہیں اس واسطے کہ جب عورت وضع حمل کا اقرار کر رہی ہے تو عدت ختم ہو چکی اس لئے یہاں ابتداءً نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے لہذا شہادت کا کورم پورا ہونا چاہیئے۔

قولہ واذا اتزوج الخ زید نے ایک عورت سے شادی کی اور چھ ماہ سے کم میں اس کے بچہ ہوا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ علوق بالیقین نکاح سے پہلے ہے اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا اگر شوہر اقرار کرے یا خاموش رہے اور اگر وہ ولادت کا انکار کرے تو پھر ایک عورت کی شہادت سے نسب ثابت ہوگا۔

وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ و اَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَاِذَا طَلَّقَ ذِمِّيٌّ ذِمِّيَّةً فَلاَ عِدَّةَ عَلَيْهَا وَاِنْ
حمل کی اکثر مدت دو سال اور اقل مدت چھ ماہ ہے جب طلاق دی ذمی نے ذمیہ کو تو اس پر عدت نہیں ہے اگر

تَزَوَّجَتِ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلاَ يَطَأُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا
شادی کی زنا کے حمل والی عورت نے تو جائز ہو گا نکاح اور اس سے وطی نہ کرے وضع حمل تک

کم وبیش مدت حمل کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واکثر مدة الحمل الخ حمل کی اقل مدت تو بالاتفاق چھ ماہ ہے لقولہ تعالیٰ "و حمله و فصاله ثلثون شهرا" و فصاله في عامين" فصال کی دو سال مدت نکلنے کے بعد حمل کی اقل مدت چھ ماہ رہتی ہے نیز حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ "جنین میں چار ماہ بعد نفخ روح ہوتا ہے اس کے بعد دو ماہ میں باقی خلقت پوری ہوتی ہے لیکن حمل کی اکثر مدت میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اکثر مدت دو سال ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ "حمل دو سال سے زیادہ نہیں ٹھہرتا اگر چہ اتنی دیر ہو جتنی دیر چرخی گھومتے وقت اس کا سایہ ٹھہرتا ہے" ظاہر ہے کہ اس قسم کا مضمون قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتا' لامحالہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا پس روایت گو مرفوع نہیں لیکن مرفوع کے درجہ میں ہے لیث بن سعد سے اکثر مدت تین سال مروی ہے' امام شافعی کے ہاں چار سال ہے۔ یہی امام مالک واحمد کا مشہور مذہب ہے' امام مالک سے ایک روایت اور حضرت عباد کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت پانچ سال ہے' امام زہری سے چھ سال کی روایت ہے امام مالک سے دوسری روایت اور ربیعہ کا مذہب یہ ہے کہ اکثر مدت سات سال ہے' حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ اکثر مدت کی کوئی حد نہیں ان حضرات کے تمسکات وہ حکایات ہیں جو اس باب میں منقول ہیں۔ چنانچہ حکایات میں ہے کہ عبدالعزیز ماجشونی اور ہرم بن حبان ومحمد بن عبداللہ وغیرہم چار سال بطن مادر میں رہے نیز ضحاک چار سال بعد ہنستا ہوا پیدا ہوا' اسی لئے اس کا نام ضحاک ہو گیا مگر حدیث مذکور ان سب پر حجت ہے۔ سوال حافظ بیہقی نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ کی حدیث امام مالک کے سامنے ذکر کی آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے دیکھو محمد بن عجلان کی بیوی کے بارہ سال میں تین بچے ہوئے ہیں اور ہر بچہ چار چار سال میں ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ حمل چار سال تک رہ سکتا ہے۔ جواب یہ حکایات ہیں جو روایات کے معارض نہیں ہو سکتیں۔

واذا طلق ذمی الخ اگر ذمی شخص ذمیہ عورت کو طلاق دے تو امام صاحب کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے' صاحبین کے نزدیک ہے کیونکہ وہ دار السلام میں ہیں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عدت حق اللہ اور حق زوج کی وجہ سے ہوتی ہے اب ذمیہ حقوق اللہ (صوم وصلوٰۃ وغیرہ) کی تو مخاطب ہی نہیں۔ رہا حق زوج' سو وہ اس نے خود ہی ساقط کر دیا کیونکہ وہ اس کے حق ہونے کا معتقد نہیں ہے۔

قولہ جاز النکاح الخ اگر عورت زنا سے حاملہ ہو تو طرفین کے نزدیک اس سے نکاح جائز ہے مگر وضع حمل سے قبل وطی نہیں کر سکتا۔ لقولہ علیہ السلام "لاتوء طا حامل حتی تضع" ہاں اگر زانی زوج ہی ہو تو وطی کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک زنا سے حاملہ عورت کا نکاح فاسد ہے۔

كِتَابُ النَّفَقَاتِ

نفقات کا بیان

اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْكَافِرَةً اِذَا
نفقہ واجب ہے بیوی کے لئے اس کے شوہر پر مسلمہ ہو یا کافرہ جب

سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِيْ مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَ كِسْوَتُهَا وَ سُكْنَاهَا يُعْتَبَرُ ذٰلِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيْعًا مُوْسِرًا
وہ حوالے کر دے خود کو شوہر کے گھر تو اس پر اس کا نفقہ لباس اور رہائش ہے جس کا اعتبار دونوں کے حال سے ہو گا شوہر

كَانَ الزَّوْجُ اَوْ مُعْسِرًا فَاِنِ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيْمِ نَفْسِهَا حَتّٰى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَاِنْ
مالدار ہو یا تنگدست اگر باز رہے عورت خود کو حوالے کرنے سے یہاں تک کہ دے وہ اس کا مہر تو اس کو نفقہ ملے گا' اگر

نَشَزَتْ فَلاَ نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهِ وَاِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لاَ يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلاَ نَفَقَةَ لَهَا
وہ نافرمان ہو تو نفقہ نہ ملے گا یہاں تک کہ لوٹ آئے اس کے گھر' اگر وہ بچی ہو کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے تو اس کے لئے نفقہ نہ ہو گا

وَاِنْ سَلَّمَتْ نَفْسَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لاَيَقْدِرُ عَلَى الْوَطْيِ وَالْمَرْاَةُ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا
گو خود کو حوالے کر دے اگر شوہر بچہ ہو جو وطی پر قادر نہ ہو اور بیوی بڑی ہو تو اس کے

النَّفَقَةُ مِنْ مَّالِهِ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ
لئے نفقہ ہو گا اس کے مال سے جب طلاق دے دی بیوی کو تو اس کے لئے نفقہ اور مکان ہو گا عدت میں رجعی ہو

اَوْبَائِنًا وَلاَنَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ
یا بائن اور نفقہ نہیں متوفی عنہا زوجہا کے لئے' جو فرقت عورت کی طرف سے آئے معصیت کے باعث تو

نَفَقَةَ لَهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَاِنْ مَكَّنَتْ اِبْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَّفْسِهَا
اس کے لئے نفقہ نہیں ہے' اگر اس کو طلاق دے دی پھر وہ مرتد ہو گئی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر قابو دے دیا خود پر شوہر کے لڑکے کو

بَعْدَ الطَّلاَقِ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَاِذَا حُبِسَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ دَيْنٍ اَوْغَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهًا فَذَهَبَ بِهَا
طلاق کے بعد تو اس کو نفقہ ملے گا جب قید ہو گئی عورت قرض میں یا غصب کر لیا اس کو کسی نے زبردستی اور اسے لے گیا

اَوْحَجَّتْ مَعَ غَيْرِ مَحْرَمٍ فَلاَ نَفَقَةَ لَهَا وَاِذَا مَرِضَتْ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَ يُفْرَضُ عَلَى
یا حج کے لئے گئی غیر محرم کے ساتھ تو نفقہ نہ ہو گا اگر بیمار ہو جائے شوہر کے گھر میں تو اس کو نفقہ ملے گا اور مقرر کیا جائے گا

الزَّوْجِ اِذَا كَانَ مُوْسِراً نَفَقَةَ خَادِمِهَا وَلاَ تُفْرَضُ لِاَ كْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَّاحِدٍ وَ عَلَيْهِ اَنْ
شوہر پر جبکہ وہ مالدار ہو ایک نوکر کا نفقہ اور نہیں مقرر کیا جائے گا ایک خادم سے زائد کا اور شوہر پر اس کو

يُسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلاَّ اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ
علیحدہ مکان میں رکھنا لازم ہے جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو الا یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو

تشریح الفقہ قولہ النفقة الخ شوہر پر بیوی کا نفقہ یعنی کھانا پینا لباس اور رہائش گاہ واجب ہے خواہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ' کتابیہ غنیۃ ہو یا فقیرہ' باندی ہو یا حرہ' موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ کیونکہ آیت ''وعلی المولودلہ رزقہن وکسوتہن بالمعروف'' میں کوئی تفصیل نہیں۔ حدیث میں ہے کہ ''تم پر دستور

کے مطابق زوجات کا نفقہ لازم ہے[1]۔

قوله یعتبر ذلک الخ نفقہ میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کا لحاظ ہے اگر دونوں مالدار ہوں تو نفقہ یسار ہوگا اور دونوں نادار ہوں تو نفقہ اعسار اور اگر شوہر مالدار ہو اور عورت نادار تو مالدار عورتوں کے نفقہ سے کم ملے گا اور ناداروں سے زائد امام خصاف نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے پھر اگر عورت مہر معجّل وصول کرنے کی وجہ سے خود کو شوہر کے حوالہ نہ کرے اور وطی نہ کرنے دے تب بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا۔

قوله واذا نشزت الخ اگر عورت ناشزہ ہو یعنی خود کو شوہر سے روکے ہوئے ہو اور بلا اجازت شوہر کے گھر سے چلی گئی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے وطی ممکن نہ ہو یا مطلقہ ہونے کے بعد مرتد ہوگئی ہو' یا طلاق سے پہلے شوہر کے لڑکے کو خود پر قابو دے دیا ہو یعنی اس سے صحبت کر لی ہو' یا قرض کی وجہ سے قید خانہ میں مقید ہو یا کوئی اس کو غصب کر لے گیا ہو' یا شوہر کے علاوہ کسی اور کے ساتھ حج پر چلی گئی ہو تو ان سب صورتوں میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں کیونکہ نفقہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ عورت شوہر کے پاس اس کے حق کی وجہ سے محبوس ہوتی ہے اور صور مذکورہ میں یہ احتباس مفقود ہے۔

قوله واذا طلق الرجل الخ اگر مطلقہ عورت عدت میں ہو تو اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مطلقہ ثلاث ہو یا طلاق بالعوض ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں۔ ہاں اگر حاملہ ہو تو پھر بالاجماع نفقہ واجب ہے **لقوله تعالى ''وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن حتى يضعن حملهن''** ائمہ ثلاثہ کی دلیل فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے ''ان کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا تو آپ نے ان کے لئے نفقہ اور سکنی مقرر نہیں فرمایا[2]۔'' روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ ''**انما السكنى والنفقة لمن كان يملك الرجعة**[3]'' ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت ''**اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم**'' میں علی الاطلاق سکنی ضروری فرمایا ہے نیز دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے سکنی اور نفقہ ہے[4]'' وہی روایت فاطمہ سو وہ قابل حجت نہیں کیونکہ خود صحابہ نے اس کو رد کیا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت ایک ایسی عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ اس کو بات محفوظ رہی یا بھول گئی'' (مسلم) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''فاطمہ کو کیا ہوا کہ وہ (**لاسكنى لك ولا نفقة**) کہنے میں اللہ سے نہیں ڈرتی۔'' (بخاری)

وَلِلزَّوْجِ اَنْ يَّمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا وَلاَ يَمْنَعُهُمْ مِنَ

شوہر کو حق ہے روکنے کا اس کے والدین' دوسرے شوہر کی اولاد اور بیوی کے اعزاء کو اس کے پاس آنے سے اور نہ روکے ان کو اس کی

النَّظَرِ اِلَيْهَا وَلاَ مِنْ كَلاَمِهِمْ مَعَهَا فِىْ اَىِّ وَقْتٍ شَاءُوْا وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ

طرف دیکھنے سے اور اس کے ساتھ بات کرنے سے جس وقت بھی وہ چاہیں' جو شخص عاجز ہو جائے بیوی کے نفقہ سے تو تفریق نہیں

بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِىْ عَلَيْهِ وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهٗ مَالٌ فِىْ يَدِرَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهٖ

کی جائے گی ان میں بلکہ بیوی سے کہا جائے گا تو اس کے ذمہ قرض لیتی رہ' جب کوئی غائب ہو گیا اور اس کا مال ہے کسی کے پاس جو معترف ہے اس کا

وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِىْ فِىْ ذٰلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَتِهِ الْغَائِبِ وَ اَوْلاَدِهِ الصِّغَارِ وَ

اور بیوی ہونے کا تو مقرر کر دے قاضی اس مال میں غائب شخص کی بیوی' اس کے چھوٹے بچے اور

وَالِدَيْهِ وَ يَا خُذُمِنْهَا كَفِيْلاً بِهَا وَلاَ يَقْضِىْ بِنَفَقَةٍ فِىْ مَالِ الْغَائِبِ اِلاَّ لِهٰؤُلاَءِ وَاِذَا

اس کے والدین کا نفقہ' اور لے لے بیوی سے ایک ضامن اس کا اور مقرر نہ کرے نفقہ غائب کے مال میں مگر انہیں لوگوں کے لئے' جب

---

[1] مسلم عن جابر الطویل ۱۲ [2] الجماعۃ غیر البخاری عن فاطمۃ ۱۲ [3] دار قطنی' احمد' بیہقی ۱۲ [4] رواہ الطبرانی من قول ابن مسعود وعمر ۱۲۔

قَضَى الْقَاضِىْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِوَاِذَا مَضَتْ
فیصلہ کر دیا قاضی نے بیوی کے لئے ناداری کے نفقہ کا پھر شوہر مالدار ہو گیا اور بیوی نے دعوی کیا تو پورا کر دے اس کے لئے مالداری کا نفقہ' جب گزر گئی

مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلاَ شَيْءَ لَهَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِىْ فَرَضَ
کچھ مدت جس میں شوہر نے نفقہ نہیں دیا اور بیوی اس کا مطالبہ کرے تو اس کے لئے کچھ نہ ہو گا الا یہ کہ قاضی نے مقرر کیا ہو

لَهَا النَّفَقَةَ اَوْصَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارِهَا فَيَقْضِىْ لَهَا بِنَفَقَةِ مَامَضٰى فَاِنْ مَاتَ
اس کے لئے نفقہ یا بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر مصالحت کر لی ہو کہ اب فیصلہ ہو گا اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا' پس اگر مر جائے

الزَّوْجُ بَعْدَ مَاقَضٰى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضَتْ شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ
شوہر اس پر نفقہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اور گذر جائیں چند ماہ تو ساقط ہو جائے گا نفقہ' اگر پیشگی دے دے شوہر ایک سال کا

ثُمَّ مَاتَ لَمْ يَسْتَرْجِعْ مِنْهَا شَيْئًا وَ قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُحْتَسَبُ لَهَا بِنَفَقَةِ مَامَضٰى وَمَا
نفقہ پھر مر جائے تو واپس نہ لیا جائے بیوی سے کچھ' امام محمد فرماتے ہیں کہ محسوب ہو گا بیوی کے لئے گذشتہ دنوں کا نفقہ اور جو

بَقِىَ لِلزَّوْجِ وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيْهَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً
باقی رہے وہ شوہر کا ہوگا جب شادی کی غلام نے آزاد عورت سے تو اس کا نفقہ غلام کے ذمہ قرض ہو گا جس میں اس کو بیچ دیا جائے گا' کسی نے شادی کی باندی سے

فَبَوَّاَهَا مَوْلَاهَا مَعَهٗ فَنَفَقَتُهَا عَلَيْهِ وَ اِنْ لَّمْ يُبَوِّئْهَا مَعَهٗ فَلاَ نَفَقَةَ لَهَا عَلَيْهِ
آقا نے بھیج دیا باندی کو شوہر کے گھر تو نفقہ شوہر پر ہو گا' اور اگر اس کو شوہر کے گھر نہیں بھیجا تو شوہر پر اس کا نفقہ نہیں ہو گا

نفقہ زوجات کے باقی احکام

توضیح اللغۃ اعسر۔عاجز ہو گیا' استدینی۔امر حاضر مؤنث ہے' قرض لیتی رہ' ایسر۔مالدار ہو گیا' اسلفہا۔پیشگی دے دیا' بوّاہا تبویۃ۔شب باشی۔

تشریح الفقہ قولہ اعسر بنفقۃ الخ اگر شوہر عورت کے نفقہ سے عاجز ہو جائے اور نہ دے سکے تو اس کی وجہ سے ہمارے ہاں زوجین میں تفریق نہیں کی جائے گی بلکہ عورت سے کہا جائے گا کہ وہ شوہر کے حوالے پر کسی سے قرض لے لیا کرے۔ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت مطالبہ کرے تو تفریق کردی جائے گی کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے"فامساک بمعروف اوتسریح باحسان"اور امساک بالمعروف یہی ہے کہ شوہر عورت کے تمام حقوق ادا کرے اور جب وہ اس سے عاجز ہو گیا تو ضابطہ کے مطابق چھوڑ دینا متعین ہو گیا پھر امام مالک کے نزدیک یہ تفریق طلاق ہوگی اور امام شافعی واحمد کے نزدیک فسخ نکاح۔ہماری دلیل یہ ہے کہ"وان کان ذوعسرة فنظرة الیٰ میسرة"سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ ابتداءً نکاح سے مانع نہیں تو بقاءً بطریق اولیٰ مانع نہ ہوگا علاوہ ازیں تفریق میں شوہر کی ملک کا بطلان لازم آتا ہے اور قرض لینے میں اس کے حق کی تاخیر اور تاخیر حق بہ نسبت بطلان کے آسان ہے لہذا یہی بہتر ہوگا۔

قولہ واذا غاب الرجل الخ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا مال کسی کے پاس بطور امانت یا بطور قرض ہو تو اس کی بیوی اور چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ اس کے مال سے مقرر کر دیا جائے گا اور بیوی جو مال نفقہ میں لے گی اس پر بیوی سے ایک ضامن لے لیا جائے گا جو اس پر قسم کھائے گا کہ شوہر نے اس کو نفقہ نہیں دیا اور عورت نہ ناشزہ ہے نہ مطلقہ (جس کی عدت گزر گئی ہو) لیکن نفقہ مقرر کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ایک یہ کہ امانت دار اور مقروض اس کا اقرار کرتے ہوں کہ فلاں غائب کا مال ہمارے پاس ہے۔دوسرے یہ کہ اس کا بھی اقرار کرتے ہوں کہ یہ عورت اس کی

بیوی ہے اور یہ بچے اس کی اولاد ہیں اس اقرار کے بغیر اس کے مال سے مقرر نہ ہوگا۔

قولہ واذا مضت مدة الخ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کئی ماہ گزر گئے کہ اس کو نان نفقہ نہیں دیا۔ اب عورت مطالبہ کرتی ہے تو گذشتہ مہینوں کا نفقہ زید کے ذمہ واجب نہ ہوگا الا یہ کہ نفقہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا عورت نے نفقہ کی کسی مقدار پر شوہر کے ساتھ صلح کر لی ہو کہ اس صورت میں نفقہ واجب ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی اور مصالحت زوجین کے بغیر بھی نفقہ شوہر کے ذمہ دین ہوگا کیونکہ مہر کی طرح نفقہ بھی حق واجب ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا تبرع ہے پس قضاء قاضی یا مصالحت زوجین کے بغیر اس کا وجوب مستحکم نہ ہوگا بخلاف مہر کے کہ وہ بضع محترم کا عوض ہے پس اس میں قضاء قاضی اور تراضی کی ضرورت نہیں۔

قولہ وان اسلفها الخ زید نے اپنی بیوی کو ایک سال کا پیشگی نفقہ دے دیا پھر ان میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو شیخین کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لیا جائے گا۔ امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زندگی کا نفقہ وضع کر کے باقی حساب لگا کر لے لیا جائے گا کیونکہ نفقہ احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور جب سال پورا ہونے سے پہلے انتقال پہلے ہو گیا تو عورت بقیہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوئی۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ نفقہ ایک قسم کا عطیہ ہے جس پر قبضہ ہو چکا اور صلات وعطیات میں موت کے بعد رجوع نہیں ہوتا۔

قولہ فبوّاها الخ اگر کوئی شخص باندی کے ساتھ نکاح کر لے تو اس پر باندی کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا جب آقا ان کو علیحدہ مکان میں شب باشی کرائے اور باندی سے خدمت نہ لے ورنہ شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔

وَنَفقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَی الْاَبِ لَايُشَارِكُهٗ فِيهَا اَحَدٌ كَمَا لَايُشَارِكُهٗ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ اَحَدٌ وَاِنْ كَانَ الْوَلَدُ رَضِيْعًا فَلَيْسَ عَلٰی اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهٗ وَيَسْتَاجِرُلَهُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا فَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا وَ هِيَ زَوْجَتُهٗ اَوْ مُعْتَدَّتُهٗ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ يَجُزْوَ اِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاْجَرَهَا عَلٰی اِرْضَاعِهٖ جَازَوَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَا اَسْتَاجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْاُمُّ بِمِثْلِ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ كَانَتِ الْاُمُّ اَحَقَّ بِهٖ وَاِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً يُجْبَرُ[1] الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَ نَفقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰی اَبِيْهِ وَاِنْ خَالَفَهٗ فِيْ دِيْنِهٖ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَی الزَّوْجِ وَاِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِيْنِهٖ

چھوٹے بچوں کا نفقہ باپ پر ہے جس میں کوئی شریک نہ ہو گا جیسے شوہر کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا اس کی بیوی کے نفقہ میں، اگر بچہ شیر خوار ہو تو ماں پر لازم نہیں اس کو دودھ پلانا بلکہ اجرت پر لے گا اس کے لئے باپ اس عورت کو جو اسے دودھ پلائے اس کی ماں کے پاس، پس اگر اسی کو اجرت پر لیا، درآنحالیکہ وہ اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے تو جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کی عدت گذر چکی ہو اور اس کو اجرت پر لے لے دودھ پلانے کے لئے تو جائز ہے، اگر باپ کہے کہ میں تو اس کو اجرت پر نہیں لیتا، اور کسی دوسری عورت کو لے آئے اور ماں راضی ہو اتنی ہی اجرت پر جتنی اجنبیہ کی ہے تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہو گی اور اگر وہ اجرت زیادہ طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہ کیا جائے گا، بچہ کا نفقہ واجب ہے اس کے باپ پر اگرچہ وہ اس کے دین کے برخلاف ہو جیسے بیوی کا نفقہ واجب ہے شوہر پر اگرچہ بیوی اس کے دین کے مخالف ہو

---

[1] دفعًا للضرر عنه و هو المشار اليه بقوله تعالیٰ "لاتضار والدة بولدها ولا مولود له بولده"۱۲۔

نفقہ اولاد کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ونفقۃ الا ولاد الخ اولاد کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے نہ کہ کسی اور پر۔ لقولہ تعالی ''و علی المولود لہ رزقھن'' اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر ہی پر واجب ہے نہ کہ کسی اور پر پس باپ کے ہوتے ہوئے اس کی اولاد کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں۔ باپ مالدار ہو یا تنگدست' یہ روایت صاحب کتاب (قدوری) کی ہے جس کو عام اصحاب متون نے اختیار کیا ہے اور شرح میں اسی روایت پر اتفاق و اعتماد ہے اور یہی مفتی بہا ہے۔

قولہ فلیس علی امہ الخ اگر بچہ دودھ پیتا ہو تو ماں پر اس کو دودھ پلانا واجب نہیں بلکہ باپ اس کے لئے کسی انا کو اجرت پر لے جو بچہ کو اس کی ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے۔ اب اگر باپ نے اپنی زوجہ کو یا اپنی مطلقہ رجعیہ معتدہ کو اجرت پر رکھ لیا تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ ماں پر گو دودھ پلانا واجب نہیں مگر صرف حکما۔ دیانۃً اسی کے ذمہ ہے۔ حکما جو اس کے ذمہ لازم نہیں وہ صرف اس لئے کہ ممکن ہے وہ اس سے عاجز ہو اور جب وہ اجرت لے کر دودھ پلانے پر تیار ہوگئی تو اس کا عاجز نہ ہونا ظاہر ہو گیا اس لئے اس کو اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کی عدت گزر گئی ہو تو صحیح روایت کے مطابق اس کو اجرت پر لینا جائز ہے کیونکہ اب اس کا نکاح کلیۃً زائل ہو چکا اور وہ اجنبیہ کے مثل ہو گئی۔

وَاِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَۃُ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ بِالْوَلَدِ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَہٗ اُمٌّ فَاُمُّ الْاُمِّ اَوْلٰی

جب واقع ہو جائے فرقت زوجین میں تو ماں زیادہ حقدار ہے بچہ کی اگر ماں نہ ہو تو نانی زیادہ حقدار ہے

مِنْ اُمِّ الْاَبِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ اُمُّ الْاُمِّ فَاُمُّ الْاَبِ اَوْلٰی مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَہٗ

دادی سے اگر نانی نہ ہو تو دادی زیادہ حقدار ہے بہنوں سے اگر دادی بھی

جَدَّۃٌ فَالْاَخَوَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ وَتَقَدَّمَ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ ثُمَّ

نہ ہو تو بہنیں زیادہ حقدار ہیں پھوپھیوں سے اور خالاؤں سے اور مقدم ہو گی حقیقی بہن پھر

الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ وَ یَنْزِلْنَ کَمَا

ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن پھر خالائیں اولیٰ ہیں پھوپھیوں سے اور ان میں وہی ترتیب ہے

نَزَلَتِ الْاَخَوَاتُ ثُمَّ الْعَمَّاتُ یَنْزِلْنَ کَذٰلِکَ وَکُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ ھٰؤُلَاءِ سَقَطَ حَقُّھَا

جو ترتیب بہنوں میں ہے پھر پھوپھیاں ترتیب وار ہوں گی اسی طرح' جس نے شادی کر لی ان عورتوں میں سے تو ساقط ہو جائے گا اس کا

فِی الْحِضَانَۃِ اِلَّا الْجَدَّۃَ اِذَا کَانَ زَوْجُھَا الْجَدُّ

حق پرورش سوائے نانی کے جب کہ اس کا شوہر بچہ کا دادا ہو

مستحقین پرورش کی تفصیل

تشریح الفقہ قولہ فالام احق الخ بچہ کی پرورش کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مستحق اس کی ماں ہے' فرقت سے قبل ہو یا فرقت کے بعد حدیث میں ہے کہ ''ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا شکم اس بچہ کے لئے اقامت گاہ اور میری چھاتی اس کے لئے مشکیزہ اور میری گود اس کے لئے گہوارہ رہی ہے۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور بچہ کو مجھ سے علیحدہ کرنا

چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: تو بچہ کی زیادہ مستحق ہے جب تک کہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے[1]۔'' نیز حضرت عمرؓ نے اپنی اہلیہ جمیلہ بنت ثابت کو طلاق دی اور اپنے لڑکے عاصم کو اس سے لینا چاہا جمیلہ نے انکار کیا اور معاملہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے فرمایا: عمرؓ! اس عورت کی گود اور اس کا فراش بچہ کے لئے تجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے[2]۔''

قولہ ومن تزوجت الخ اگر حاضنہ عورت بچہ کے کسی غیر محرم کے ساتھ نکاح کرلے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ اجنبی شخص اپنی زوجہ کے پہلے شوہر کی اولاد سے عموماً خوش نہیں رہتا بلکہ وہ اس طرف دیکھتا ہے تو بنظر حقارت' اس پر خرچ کرتا ہے تو بطریق شرارت پس بچہ کو اس عورت کی پرورش میں رکھنا بچہ کے لئے مضر ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اہل علم کا اجماع ہے بجز حضرت حسن کے کہ ان کے نزدیک حق ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ایک روایت امام محمد سے بھی ہے۔ جمہور کی دلیل مذکورہ ہے۔ جس میں ''انت احق به مالم تنكحى'' کی صراحت موجود ہے البتہ اگر نانی اس بچہ کے دادا سے نکاح کرے تو حق حضانت ساقط نہ ہوگا مثلاً زید کا باپ بکر ہے اور فاطمہ کی ماں زینب ہے۔ اب زید نے فاطمہ کے ساتھ شادی کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو حضانت کی حقدار زینب ہے۔ اب اگر زینب کسی سے شادی کرلے تو یہ حق ساقط ہو جائے گا لیکن اگر وہ بکر کے ساتھ شادی کرے تو ساقط نہ ہوگا۔

فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِّنْ اَهْلِهِ وَاخْتَصَمَ فِيْهِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاهُمْ بِهٖ اَقْرَبُهُمْ تَعْصِيْبًا

اگر نہ ہو بچہ کے لئے کوئی عورت اس کے رشتہ داروں میں سے اور جھگڑیں اس کی بابت مرد تو ان میں زیادہ حقدار قریبی عصبہ ہوگا

وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَاْكُلَ وَحْدَهٗ وَيَشْرَبَ وَحْدَهٗ وَيَلْبَسَ وَحْدَهٗ وَيَسْتَنْجِيَ

ماں اور نانی لڑکے کی حقدار ہیں اس وقت تک کہ وہ خود کھانے' پینے' پہننے اور استنجاء

وَحْدَهٗ وَبِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ

کرنے لگے اور لڑکی کی حیض آنے تک' ماں اور نانی کے علاوہ عورتیں حقدار ہیں لڑکی کی قابل شہوت

حَدًّا تُشْتَهٰى وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَ اُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِيَ فِي الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ وَ

ہونے تک اور باندی کو جب آزاد کردیا اس کے آقا نے اور ام ولد جب آزاد ہوگئی تو وہ بچہ کے حق میں مثل حرہ کے ہے

لَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا مِنْ زَوْجِهَا الْمُسْلِمِ

اور نہیں ہے باندی اور ام ولد کو آزادی سے قبل کوئی حق بچہ کا' ذمیہ عورت زیادہ حقدار ہے اپنے بچہ کی اس کے مسلمان شوہر کی نسبت

مَالَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ وَيَخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَّاْلَفَ الْكُفْرَ وَاِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تُخْرِجَ بِوَلَدِهَا

جب تک کہ بچہ کو دین کی سمجھ نہ آئے اور اس پر اندیشہ ہو کفر سے مانوس ہو جانے کا' جب چاہے مطلقہ لے جانا اپنے بچہ کو

مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَهٗ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ وَ عَلَى

شہر سے باہر تو یہ اس کے لئے جائز نہیں الا یہ کہ وہ اس کو اپنے وطن میں لے جائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا آدمی

الرَّجُلِ اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِي دِيْنِهٖ

پر لازم ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے والدین' دادوں اور نانیوں پر جبکہ وہ فقیر ہوں اگرچہ وہ اس کے دین کے خلاف ہوں

وَلَاتَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ

---

[1] ابو داؤد' حاکم' دار قطنی' عبد الرزاق عن ابن عمر ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ' عبد الرزاق' مالک' بیہقی عن ابن عمر (بالفاظ مختلفہ) ۱۲۔

اور واجب نہیں نفقہ اختلاف دین کے باوجود سوائے بیوی . والدین' دادوں' نانیوں

وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ وَلاَ يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِي نَفَقَةِ اَبَوَيْنِ اَحَدٌ وَالنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ

بیٹوں اور پوتوں کے' شریک نہ ہو گا بچہ کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی نفقہ واجب ہے ہر ذی رحم

مَحْرَمٍ مِنْهُ اِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا اَوْكَانَتِ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً اَوْكَانَ ذَكَرًا زَمِنًا اَوْاَعْمٰى

محرم کے لئے جب کہ وہ چھوٹے اور نادار ہوں یا عورت بالغ ہو اور نادار ہو یا. کوئی مرد ہو اپاہج یا اندھا

فَقِيْرًا يَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ وَ تَجِبُ نَفَقَةُ الْاِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْاِبْنِ الزَّمِنِ عَلٰى

نادار' واجب ہو گا یہ نفقہ بقدر میراث اور واجب ہے بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ ان کے

اَبَوَيْهِ اَثْلاَثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلاَ تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلاَفِ الدِّيْنِ وَ

والدین پر بطریق اثلاث یعنی باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی اور واجب نہیں ان کا نفقہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے اور

لاَ تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ وَاِذَا كَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ عَلَيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ وَاِنْ بَاعَ اَبَوَاهُ

واجب نہیں فقیر پر جب غائب بیٹے کا کچھ مال ہو تو حکم کیا جائے گا اس پر والدین کے نفقہ کا' اگر بیچ دیا والدین

مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِمَا جَازَ

نے بیٹے کا سامان اپنے نفقہ میں تو جائز ہے

عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِنْ بَاعَا الْعِقَارَ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ كَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِي يَدِ اَبَوَيْهِ

امام صاحب کے نزدیک' اگر زمین بیچی تو جائز نہیں' اگر غائب بیٹے کا مال ہو والدین کے قبضہ میں

فَاَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا وَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي يَدِ اَجْنَبِيٍّ فَاَنْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِي ضَمِنَ

اور وہ اس میں سے صرف کر لیں تو ضامن نہ ہوں گے' اگر اس کا مال اجنبی کے پاس ہو اور وہ ان پر خرچ کر دے قاضی کے حکم کے بغیر تو ضامن

وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَذَوِي الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلاَّ

ہو گا' جب فیصلہ کردیا قاضی نے اولاد' والدین اور ذوی الارحام کے نفقہ کا اور مدت گذر گئی تو ساقط ہو جائے گا الا

اَنْ يَّاْذَنَ لَهُمُ الْقَاضِيْ فِي الْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَ عَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ فَاِنِ امْتَنَعَ

یہ کہ اجازت دے دے قاضی ان کو اس کے ذمہ قرض لیتے رہنے کا' آقا پر واجب ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے غلام اور باندی پر' اگر وہ اس سے

وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اِكْتَسَبَا اَنْفَقَا مِنْهُ عَلٰى اَنْفُسِهِمَا وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا

باز رہے اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر لیں اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو زور دیا جائے گا آقا پر ان کے بیچ دینے کا

باقی مسائل نفقات

توضیح اللغۃ تشہی۔شہوت پانے لگے' ادیان جمع دین' یالف (س) الفا۔ مانوس ہونا' اجداد' جمع جد۔ دادا' زمن۔ لنجا' اپاہج' اعمٰی۔ نابینا' متاع۔ سامان' عقار۔ زمین' جائیداد' استدانۃ۔ قرض لینا' کسب۔ کمائی۔

تشریح الفقہ قولہ اقربھم تعصیبا الخ کتاب میں مذکورشدہ حاضنہ عورتوں کے بعد پرورش کا حق عصبات کو ہے اور عصبات کی ترتیب وہی ہے

جو وراثت میں ہے یعنی سب سے زیادہ مستحق باپ ہے' پھر دادا' پھر پردادا الخ اس کے بعد حقیقی بھائی' پھر باپ شریک بھائی' اس کے بعد حقیقی بھائی کی اولاد' پھر حقیقی چچا' اس کے بعد چچا کے بیٹے۔

قولہ احق بالغلام الخ ماں اور دادی یا نانی (یا کوئی اور حاضنہ عورت) لڑکے کی پروش کی اس وقت تک مستحق ہے جب تک لڑکا عورتوں کے پاس رہنے سے مستغنی نہ ہو' جس کی مدت بقول امام خصاف سات سال ہے کہ عادۃً سات سال میں بچہ اپنے ہاتھ سے کھانے پینے' بول و براز کے بعد خود طہارت کرنے لگتا ہے اس لئے اس کو عورتوں کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اب تو وہ مردوں کے اخلاق و آداب' تعلیم و تادیب اور نماز وغیرہ سیکھنے کا محتاج ہے اور ان امور کی تحصیل پر باپ ہی زیادہ قادر ہے۔

قولہ بالجاریۃ حتی تحیض الخ اور ماں یا دادی لڑکی کی پرورش کی مستحق اس کے حیض آنے یعنی بالغ ہونے تک ہے خواہ بلوغ بذریعہ حیض ہو یا بذریعہ احتلام ہو یا بذریعہ عمر ہو کیونکہ لڑکی حیض آنے سے قبل تک آداب نساء کاتنے' سینے' پرونے اور کھانے پکانے وغیرہ امور کی محتاج ہے اور بلوغ کے بعد عفت و عصمت کی محتاج ہے اور اس پر باپ ہی زیادہ قادر ہے۔

قولہ ومن سوی الام الخ ماں اور دادی کے علاوہ اور حاضنہ عورتیں خالہ پھوپھی وغیرہ لڑکی کی پرورش کی مستحق اس وقت تک ہیں جب لڑکی شہوت و رغبت کے لائق ہو جائے جس کی مدت بقول ابو اللیث نو برس ہے۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ ماں اور دادی یا نانی کے پاس بھی لڑکی نو برس سے زیادہ نہ رہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ والامۃ اذا اعتقھا الخ آقا نے اپنی باندی یا ام ولد کی کسی سے شادی کرادی تھی' ان سے کوئی بچہ ہوگیا پھر آقا نے ان کو آزاد کر دیا تو وہ بچہ کی پرورش کی مستحق (آزاد عورت کی طرح) وہی باندی ہے نہ کہ آقا' اس لئے کہ یہاں خصومت آقا ہی سے ہو سکتی ہے نہ کہ زوج سے' اس واسطے کہ شوہر کو بچہ کا کوئی حق ہی نہیں کیونکہ بچہ مملوک ہونے میں اپنی ماں کے تابع ہے ومالک المملوک احق بہ من غیرہ۔ (کذا فی الکافی)

قولہ والذمیۃ احق الخ ذمیہ عورت اپنے بچہ کی زیادہ حق دار ہے جب تک اسے دین کی سمجھ نہ ہو اور اس پر کفر سے مانوس ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اولاً شوہر اور بیوی دونوں کافر تھے اور ان کا ایک بچہ ہے' پھر شوہر مسلمان ہو گیا اور ان دونوں میں فرقت واقع ہو گئی۔ اب ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ بچہ میرے پاس رہے تو جب تک اس بچہ کو دین کی سمجھ نہ آئے اس کی پرورش کی حقدار اس کی ماں ہے اور جب اسے یہ سمجھ آئے تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کے بعد اس کے پاس رہنے میں بچہ کا نقصان ہے کیونکہ ماں اس کو اخلاق کفر کا خوگر بنا دے گی۔

قولہ وعلی الرجل ان ینفق الخ ہر آدمی پر اپنے ماں باپ' دادا دادی' نانا نانی کا نفقہ واجب ہے جب کہ وہ تنگ دست ہوں۔ والدین پر تو خرچ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''وصاحبھما فی الدنیا معروفا'' اور ظاہر ہے کہ آدمی خود تو عیش و عشرت میں مگن رہے اور اس کے ماں باپ ٹکڑے کے لئے بھی ترسیں اس سے گری ہوئی بات اور کچھ نہیں ہو سکتی اور دادا وغیرہ کا نفقہ اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے اصول میں داخل ہیں۔

قولہ مع اختلاف الدین الخ اگر دین مختلف ہو تو کسی کا نفقہ واجب نہیں نہ کافر کا مسلم پر' نہ مسلم کا کافر پر' سوائے اپنی بیوی اور اصول (والدین دادا' دادی' نانا' نانی) فروع (بیٹے' پوتے) کے کہ ان کا نفقہ اختلاف دین کے باوجود واجب ہے' وجہ یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا مدار بموجب نص قرآنی وراثت پر ہے اور مسلم و کافر کے مابین وراثت نہیں۔ بخلاف زوجہ اور اصول و فروع کے کہ زوجہ کے لئے وجوب نفقہ کی علت احتباس ہے اور اصول و فروع میں علت وجوب جزئیت ہے اور احتباس و جزئیت میں اختلاف دین کی وجہ سے کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔

قولہ علی ابویہ اثلاثاً الخ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے تو یہ کہا تھا کہ اولاد کا نفقہ باپ ہی پر واجب ہے۔ جس میں اور کوئی شریک نہیں اور یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ ماں باپ دونوں پر واجب ہے۔ جواب یہ ہے کہ سابق میں جو کچھ ذکر کیا تھا وہ مبنی بر ظاہر الروایۃ تھا کہ ظاہر الروایہ کے لحاظ سے کل نفقہ باپ ہی کے ذمہ ہے اور یہاں جو ذکر کر رہے ہیں وہ مبنی بر روایت خصاف ہے۔ فلا تناقض (محمد حنیف غفرلہ گنگوہی)

كِتَابُ الْعِتَاقِ

آزادی کا بیان

اَلْعِتْقُ يَقَعُ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِيْ مِلْكِهٖ فَاِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ اَوْاَمَتِهٖ

آزادی واقع ہو جاتی ہے آزاد بالغ عاقل سے اس کی ملک میں پس اگر کہا اپنے غلام یا باندی سے

اَنْتَ حُرٌّاَوْ مُعْتَقٌ اَوْ عَتِيْقٌ اَوْمُحَرَّرٌ اَوْحَرَّرْتُكَ اَوْاَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى الْمَوْلٰى الْعِتْقَ

کہ تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا میں نے تجھے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا آقا آزادی کی نیت کرے

اَوْلَمْ يَنْوِ وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ رَاْسُكَ حُرٌّاَوْرَقَبَتُكَ اَوْبَدَنُكَ اَوْقَالَ لِاَمَتِهٖ فَرْجُكِ حُرٌّ

یا نہ کرے اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن یا تیرا بدن یا کہا اپنی باندی سے کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے

اِنْ قَالَ لَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ وَ نَوٰى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِلَمْ يَعْتِقْ وَكَذٰلِكَ جَمِيْعُ كِنَايَاتِ

اگر کہا کہ نہیں ہے میری ملک تجھ پر اور اس سے نیت کی آزادی کی تو آزاد ہو جائے گا اگر نیت نہیں کی تو آزاد نہ ہوگا اسی طرح ہیں تمام عتق کے کنائی الفاظ

الْعِتْقِ وَاِنْ قَالَ لَاسُلْطَانَ لِيْ عَلَيْكَ وَ نَوٰى بِهِ الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ وَاِذَا قَالَ هٰذَا ابْنِيْ وَثَبَتَ عَلٰى

اگر کہا کہ نہیں ہے میرا غلبہ تجھ پر اور اس سے نیت کی آزادی کی تو آزاد نہ ہوگا اگر کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اسی پر جما

ذٰلِكَ اَوْقَالَ هٰذَا مَوْلَايَ اَوْيَامَوْلَايَ عَتَقَ وَاِنْ قَالَ يَا ابْنِيْ اَوْيَا اَخِيْ لَمْ يَعْتِقْ

رہا یا کہا یہ میرا مولا ہے یا کہا اے میرے مولی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر کہا: اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو آزاد نہ ہو گا

تشریح الفقہ قولہ العتق الخ عتق اور عتاق لغۃً عتق (ض) کا مصدر ہے مملوکیت سے نکلنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس قوت شرعیہ کا نام ہے جو غلام کو حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ شرعی تصرفات شہادت ولایت وغیرہ کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قوت کے اثبات کا نام اعتاق ہے وعندالامام ھو ازالۃ الملک عن المملوک۔ عتق ہر آزاد مکلف یعنی عاقل بالغ سے صحیح ہے۔ خواہ صریح الفاظ سے ہو یا کنایات سے۔ صریح الفاظ انت حر اھ میں نیت کرے یا نہ کرے، بہر درصورت صحیح ہے کیونکہ نیت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں متکلم کی مراد میں اشتباہ ہو اور صریح الفاظ میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ ہاں کنائی الفاظ لا ملک لی علیک لارق لی علیک میں نیت شرط ہے کیونکہ اس میں عتق و غیر عتق دونوں کا احتمال ہوتا ہے یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ ملک کی نفی بذریعہ بیع یا بذریعہ کتابت ہو اور یہ بھی کہ بذریعہ عتق مراد ہو پس نیت کے بغیر غلام آزاد نہ ہوگا۔

قولہ ھذا ابنی الخ اگر کوئی شخص اپنے غلام کی بابت کہے ہذا ابنی اور اسی اقرار پر جما رہے (یہ بھی نہ کہے کہ میں نے غلطی سے کہہ دیا ہے) یا یہ کہے۔ ہذا مولای یا مولای تو ان الفاظ سے بھی عتق بلا نیت صحیح ہے کیونکہ یہ الفاظ جب غلام کی بابت کہے جائیں تو آزاد کے علاوہ اور کوئی معنی مناسب نہیں اس لئے یہ صریح الفاظ کے ساتھ ملحق ہیں۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا نیت صحیح نہیں اور اگر یا ابنی یا اخی کہے تو آزاد نہ ہوگا کیونکہ یہ عادۃً شفقت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَهٗ لَا يُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ هٰذَا ابْنِيْ عَتَقَ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ

اگر کہا ایسے غلام کی بابت کہ اس جیسا اس سے پیدا نہیں ہو سکتا یہ میرا بیٹا ہے تو آزاد ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک اور

عِنْدَهُمَا لَايَعْتِقُ وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ يَنْوِيْ بِهِ الْحُرِّيَّةَ لَمْ تَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ

صاحبین کے ہاں آزاد نہ ہوگا' اگر کہا اپنی باندی سے کہ تجھے طلاق ہے اور نیت کی اس سے آزادی کی تو آزاد نہ ہوگی' اگر کہا اپنے غلام سے

اَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يَعْتِقْ وَاِنْ قَالَ مَااَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَيْهِ وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَارَحِمٍ مَّحْرَمٍ

کہ تو مثل آزاد کے ہے تو آزاد نہ ہوگا۔اگر کہا کہ نہیں ہے تو مگر آزاد تو آزاد ہو جائے گا' جب مالک ہو جائے آدمی اپنے ذی رحم محرم کا

مِّنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ الْبَعْضُ وَ سَعٰى فِيْ بَقِيَّةِ قِيْمَتِهٖ

تو وہ آزاد ہو جاتا ہے' جب آزاد کیا آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ تو آزاد ہو جائے گا وہ حصہ اور کمائی کرے گا باقی قیمت میں

لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ وَاِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَاَعْتَقَ

آقا کے لئے امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے ہیں کہ کل آزاد ہو جائے گا' جب غلام دو شریکوں کا ہو اور آزاد کر دے

اَحَدُهُمَا نَصِيْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِرًا فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ

ان میں سے ایک اپنا حصہ تو آزاد ہو جائے گا' پس اگر آزاد کنندہ مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے چاہے آزاد کرے' چاہے اپنے

ضَمَّنَ شَرِيْكَهٗ قِيْمَةَ نَصِيْبِهٖ وَ اِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ

شریک سے اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لے لے چاہے غلام سے سعایت کرا لے اور اگر وہ نادار ہو تو شریک کو اختیار ہے

اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَ هٰذَا عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ

چاہے آزاد کرے چاہے غلام سے سعایت کرا لے یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔

وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَيْسَ لَهٗ اِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْاِعْسَارِ وَاِذَا اشْتَرٰى

صاحبین فرماتے ہیں کہ نہیں ہے اس کے لئے مگر تاوان مالداری کی صورت میں اور سعایت ناداری کی صورت میں' اگر خرید لیں

رَجُلَانِ ابْنَ اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْاَبِ وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَرِثَاهُ وَالشَّرِيْكُ

دو آدمی اپنے میں سے کسی ایک کا بیٹا تو آزاد ہو جائے گا باپ کا حصہ اور ضمان نہ ہوگا اس پر اسی طرح اگر وہ اس کے وارث ہوئے ہوں' اور شریک کو

بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَاِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ

اختیار ہو گا چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے چاہے غلام سے سعایت کرا لے جب گواہی دی شریکین میں سے ہر ایک نے

عَلَى الْاٰخَرِ بِالْحُرِّيَّةِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِهٖ مُوْسِرَيْنِ كَانَا اَوْمُعْسِرَيْنِ عِنْدَ

دوسرے پر آزادی کی تو سعایت کرے غلام ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے حصہ میں وہ مالدار ہوں یا نادار

اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا اِنْ كَانَامُوْسِرَيْنِ فَلَا سِعَايَةَ وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعٰى لَهُمَا وَاِنْ كَانَا

امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ مالدار ہوں تو سعایت نہ ہوگی اور اگر نادار ہوں تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا اور اگر

اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالْاٰخَرُ مُعْسِرًا سَعٰى لِلْمُوْسِرِوَلَمْ يَسْعَ لِلْمُعْسِرِ

ایک مالدار ہو اور دوسرا نادار تو سعایت کرے مالدار کے لئے اور نہ سعایت کرے نادار کے لئے

کچھ حصہ آزاد کرنے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ بعض عبدہ الخ اگر کوئی شخص اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کرے تو امام صاحب کے نزدیک اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا نہ کہ کل، اب غلام اپنے باقی حصہ میں مالک کے لئے سعایت کرے گا یعنی اگر اس کی قیمت مثلاً سو روپیہ ہو تو پچاس روپیہ کما کر مالک کو دے گا اور پورا آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بعض حصہ آزاد کرنے سے بھی کل آزاد ہو جائے گا اور غلام پر سعایت واجب نہ ہوگی۔ یہ اختلاف دراصل اعتاق کی تفسیر پر مبنی ہے۔ صاحبین کے نزدیک موجب اعتاق زوال رقیت ہے اور رقیت میں تجزی نہیں ہوتی تو عتق میں بھی تجزی نہ ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک موجب اعتاق ازالہ ملک ہے جو بالاتفاق متجزی ہے پس اس کا ازالہ بھی متجزی ہوگا۔

قولہ بین شریکین الخ ایک غلام کے دو مالک تھے ان میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو دوسرے کو چند چیزوں میں اختیار ہے۔ ۱ اگر معتق مالدار ہو تو دوسرا شخص چاہے اپنا حصہ فی الحال آزاد کرے۔ ۲۔ چاہے معتق سے اپنے حصہ کی قیمت کا ضمان لے لے۔ ۳۔ چاہے غلام سے سعایت کرالے اور اگر معتق تنگدست ہو تو شریک آخر چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر معتق مالدار ہے تو شریک آخر تو صرف ضمان لے گا اور اگر تنگدست ہے تو غلام سے سعایت کرائے گا۔ یہ اختلاف دو دقیق اصولوں پر مبنی ہے۔ ایک اعتاق کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر دوسرے اس پر کہ امام صاحب کے نزدیک معتق کا مالدار ہونا سعایت عبد سے مانع نہیں اور صاحبین کے نزدیک مانع ہے۔

قولہ واذا اشتری الخ دو آدمیوں نے ایک غلام خریدا جوان میں سے کسی ایک کا لڑکا ہے تو امام صاحب کے نزدیک باپ کا حصہ بلا ضمان آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک باپ ضامن ہوگا کیونکہ اس کا شراء کی مباشرت کرنا ہی آزاد کرنا ہے پس اس نے اپنے شریک کا حصہ فاسد کر دیا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم کا مدار سبب تعدی پر ہے اور یہاں تعدی پائی نہیں گئی کیونکہ قریب رشتہ دار کی آزادی اس کا اختیاری فعل نہیں ہے لہذا ضمان واجب نہ ہوگا۔ ہاں اس کے شریک کو اختیار ہوگا چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ صاحبین کے ہاں چونکہ معتق کا مالدار ہونا مانع سعایت ہے اس لئے ان کے ہاں صرف ضمان لے گا اور اگر معتق نادار ہو تو غلام سے سعایت کرائے گا۔

قولہ اذا شھد الخ اگر ہر شریک دوسرے کے متعلق یہ کہے کہ تو نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک غلام دونوں کے لئے سعایت کرے گا۔ دونوں مالدار ہوں یا نادار ہوں کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق عتق کی اور اپنے متعلق تکاتب کی خبر دے رہا ہے پس ہر ایک کا قول خود اس کے حق میں مقبول ہوگا اور غلام ہر ایک کے لئے سعایت کرے گا۔ صاحبین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو سعایت واجب نہیں کیونکہ معتق کا مالدار ہونا ان کے یہاں مانع سعایت ہے اور اگر دونوں نادار ہوں تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا کیونکہ وہ دونوں سعایت کے مدعی ہیں اور اگر کوئی ایک مالدار ہو تو غلام مالدار کے لئے سعایت کرے گا کیونکہ مالدار دوسرے شریک پر ضمان کا مدعی نہیں بلکہ غلام پر سعایت کا مدعی ہے بخلاف نادار لوگوں کے کہ وہ مالدار پر ضمان کا مدعی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ لِلشَّيْطٰنِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ وَ عِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ
جس نے آزاد کیا اپنا غلام اللہ کے لئے یا شیطان یا بت کے لئے تو آزاد ہو جائے گا زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کا آزاد

وَاقِعٌ وَاِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰى مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ وَ اِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ
کرنا واقع ہو جاتا ہے جب منسوب کیا آزادی کو ملک یا شرط کی طرف تو یہ صحیح ہے جیسے طلاق میں صحیح ہے جب نکل آئے حربی کا غلام

مِنْ دَارِالْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ وَاِذَا اَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلاً عَتَقَتْ وَ عَتَقَ حَمْلُهَا وَاِنْ
دارالحرب سے ہمارے ہاں مسلمان ہو کر تو وہ آزاد ہو گا' جب آزاد کیا حاملہ باندی کو تو آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہو گا اور اگر

اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَلَمْ يُعْتَقِ الْاُمُّ وَاِذَا اَعْتَقَ عَبْدَهٗ عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ
آزاد کیا حمل خاص کو تو وہ آزاد ہو گا نہ کہ ماں' جب آزاد کیا اپنا غلام مال کے عوض اور غلام نے اس کو قبول کر لیا

عَتَقَ وَلَزِمَهُ الْمَالَ وَاِنْ قَالَ اِنْ اَدَّيْتَ اِلَيَّ اَلْفًا فَاَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَ لَزِمَهُ الْمَالُ وَ صَارَ
تو آزاد ہو جائے گا اور مال لازم ہو گا اگر کہا کہ اگر تو دے دے مجھے ایک ہزار تو تو آزاد ہے تو یہ صحیح ہے اور مال لازم ہو گا اور وہ

مَاذُوْنًا فَاِنْ اَحْضَرَ الْمَالَ اَجْبَرَ الْحَاكِمُ الْمَوْلٰى عَلٰى قَبْضِهٖ وَ عَتَقَ الْعَبْدُوَوَلَدُالْاَمَةِ مِنْ
ماذون ہو جائے گا اب اگر وہ مال پیش کر دے تو حاکم آقا کو مال لینے کے لئے مجبور کرے گا اور غلام آزاد ہو جائے گا' باندی کا بچہ جو

مَوْلَاهَا حُرٌّوَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوْكٌ لِسَيِّدِهَا وَوَلَدُالْحُرَّةِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ
آقا سے ہو وہ آزاد ہے اور اس کا بچہ جو شوہر سے ہو وہ اس کے آقا کا غلام ہو گا اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام سے ہو وہ آزاد ہو گا۔

اعتاق کے باقی احکام

تشریح الفقہ قوله و عتق المكره الخ اگر کسی نے نشہ میں مست ہونے یا زبردستی کیے جانے کی حالت میں اپنا غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے"ثلث جدهن جدوهزلهن جدالطلاق والعتاق و النكاح"اگر کوئی عتق کو ملک کی طرف مضاف کرے۔ بان يقول ان ملكت فانت حریا شرط کی طرف مضاف کرے۔ بان يقول ان دخل الدار فانت حر تو یہ بھی صحیح ہے۔(وقد مرفى الطلاق) اگر کسی حربی کافر کا غلام دارالحرب سے ہمارے ہاں مسلمان ہو کر آجائے تو وہ آزاد ہو گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید طائف کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا"هم عتقاء الله"

قول فقبل العبد الخ ایک شخص نے اپنے غلام کو مال کے عوض میں آزاد کیا اور غلام نے اس کو قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا گو اس نے ابھی مال ادا نہ کیا ہو کیونکہ یہ معاوضہ مال بغیر المال ہے اور معاوضہ میں محض عوض قبول کرنے سے حکم ثابت ہو جاتا ہے اور اگر مالک نے غلام کی آزادی مال کی ادائیگی پر معلق کر کے یوں کہا: ان اديت الى الفا فانت حر تو غلام ماذون فی التجارۃ ہو جائے گا کیونکہ مالک نے اس کو ادائیگی مال کی رغبت دلائی ہے اور مال کی ادائیگی کسب وتجارت کے بغیر ہو نہیں سکتی تو گویا مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے پس جب غلام مالک کے پاس مال حاضر کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

بَابُ التَّدْبِيْرِ

مدبر بنانے کا بیان

اِذَا قَالَ الْمَوْلٰى لِمَمْلُوْكِهٖ اِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّاَوْ اَنْتَ حُرٌّعَنْ دُبُرٍ
آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے میرے بعد

مِنِّيْ اَوْاَنْتَ مُدَبَّرٌ اَوْقَدْدَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا لَايَجُوْزُ بَيْعُهٗ وَلَا هِبَتُهٗ وَلَا تَمْلِيْكُهٗ
یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھے مدبر کر دیا تو وہ مدبر ہو گیا اب نہ اس کی بیع جائز ہے نہ ہبہ نہ تملیک

وَلِلْمَوْلٰی اَنْ یَّسْتَخْدِمَہٗ وَ یُؤَاجِرُہٗ وَاِنْ کَانَتْ اَمَۃً فَلَہٗ اَنْ یَّطَأَھَا وَلَہٗ اَنْ یُّزَوِّجَھَا وَاِذَامَاتَ

ہاں آقا اس سے خدمت لے اور مزدوری پردے اور اگر باندی ہو تو اس سے وطی کرے اور شادی کرے، جب

الْمَوْلٰی عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِہٖ اِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ مَالٌ غَیْرُہٗ سَعٰی فِی ثُلُثَیْ قِیْمَتِہٖ

آقا مر جائے تو مدبر آزاد ہو جائے گا اس کے تہائی مال سے اگر نکل سکے وہ تہائی سے' اگر اس کا مال نہ ہو مدبر کے سوا تو سعی کرے اپنی قیمت کے دو تہائی

فَاِنْ کَانَ عَلَی الْمَوْلٰی دَیْنٌ یَسْتَغْرِقُ قِیْمَتَہٗ سَعٰی فِی جَمِیْعِ قِیْمَتِہٖ لِغُرَمَائِہٖ وَوَلَدُالْمُدَبَّرَۃِ مُدَبَّرٌفَاِنْ عَلَّقَ

میں' اگر آقا کے ذمہ قرض ہو اتنا کہ لے ڈوبے اس کی قیمت تو سعایت کرے پوری قیمت میں قرض خواہوں کے لئے' مدبر کا بچہ بھی مدبر ہوگا' اگر معلق کیا

التَّدْبِیْرَ بِمَوْتِہٖ عَلٰی صِفَۃٍ مِثْلُ اَنْ یَّقُوْلَ اِنْ مُتُّ مِنْ مَرَضِیْ ھٰذَااَوْفِیْ سَفَرِیْ ھٰذَا اَوْمِنْ مَرَضٍ کَذَا

تدبیر کو اپنی موت کے ساتھ کسی صفت پر مثلاً کہا کہ اگر مر جاؤں میں اپنی اس بیماری میں یا اس سفر میں یا فلاں بیماری میں

فَلَیْسَ بِمُدَبَّرٍ یَجُوْزُ بَیْعُہٗ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰی عَلَی الصِّفَۃِ الَّتِیْ ذَکَرَھَا عَتَقَ کَمَا یَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ

تو وہ مدبر نہیں ہے پس بیچا جا سکتا ہے' اگر آقا مر گیا اسی صفت پر جو اس نے ذکر کی تھی تو آزاد ہو جائے گا جیسے آزاد ہوتا ہے مدبر

تشریح الفقہ قولہ باب التدبیر الخ تدبیر لغت میں کسی کام کے انجام پر غور کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں غلام کی آزادی کو علی الاطلاق اپنی موت کے ساتھ معلق کرنے کو کہتے ہیں۔ سو اگر آقا نے اپنے غلام سے یہ کہا: اذامت فانت حر اھ تو وہ مدبر ہو گیا۔ اب احناف اور امام مالک کے نزدیک اس کی بیع ہبہ' تملیک جائز نہیں۔ امام شافعی واحمد کے نزدیک بوقت ضرورت جائز ہے کیونکہ ایک انصاری مقروض کے مدبر غلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعیم بن عبداللہ کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے فرمایا تھا' اپنا قرض اسی قیمت سے ادا کر لے'' ہماری دلیل قولی حدیث ہے کہ ''مدبر نہ بیچا جائے' نہ ہبہ کیا جائے اور وہ ثلث مال سے آزاد ہے[2]'' اور حدیث بالا ابتداء اسلام پر یا اجارہ منافع پر یا مدبر مقید پر محمول ہے۔

قولہ فان علق التدبیر الخ یہ مدبر مقید کا حکم ہے جس کا عتق صرف موت پر نہ ہو بلکہ موت میں کسی زائد وصف کو ذکر کر دیا جائے مثلاً اس سفر میں یا اس مرض میں' مدبر مقید میں مالکانہ تصرفات بیع' ہبہ وغیرہ درست ہیں کیونکہ ان مدتوں میں آقا کی موت یقینی نہیں ہوتی بخلاف مطلق موت کے کہ وہ یقینی ہے۔

بَابُ الْاِسْتِیْلَادِ

ام ولد کا بیان

اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَۃُ مِنْ مَّوْلَاھَا فَقَدْ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍلَہٗ لَایَجُوْزُ

جب بچہ جنے باندی اپنے آقا سے تو وہ اس کی ام ولد ہو گئی اب نہ اس کی

بَیْعُھَا وَلَا تَمْلِیْکُھَا وَلَہٗ وَطْئُھَا وَاسْتِخْدَامُھَا وَاِجَارَتُھَا وَتَزْوِیْجُھَا وَلَایَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِھَا

بیع جائز ہے نہ تملیک ہاں اس سے وطی کرنا' خدمت لینا' مزدوری پر دینا' اس کا نکاح کرنا جائز ہے اور ثابت نہ ہوگا اس کے بچہ کا نسب

اِلَّا اَنْ یَّعْتَرِفَ بِہِ الْمَوْلٰی فَاِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ بَعْدَ ذٰلِکَ ثَبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ بِغَیْرِ اِقْرَارٍ فَاِنْ نَّفَاہُ

الا یہ کہ اقرار کرے اس کا آقا' پھر اگر اس کے بعد بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا آقا سے اس کے اقرار کے بغیر اور اگر وہ

[1] صحیحین' نسائی' ترمذی' دار قطنی عن جابر ۱۲ [2] دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔

انتفٰی بِقَولِہٖ وَاِنْ زَوَّجَھَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَھُوَ فِی حُکْمِ اُمِّہٖ وَاِذَامَاتَ الْمَوْلٰی عَتَقَتْ مِنْ جَمِیْعِ

اس کی نفی کرے تو منتفی ہو جائے گا اس کے قول کے بموجب اگر اس کی شادی کر دی اور بچہ ہوا تو وہ ماں کے حکم میں ہوگا جب آقا مر جائے تو باندی آزاد ہو جائے گی کل

الْمَالِ وَلاَ تَلْزَمُھَا السِّعَایَۃُ لِلْغُرَمَاءِ اِنْ کَانَ عَلَی الْمَوْلٰی دَیْنٌ وَاِذَا وَطِیَ الرَّجُلُ اَمَۃَ غَیْرِہٖ

مال سے اور اس پر سعایت نہ ہو گی قرض خواہوں کے لئے اگر آقا کے ذمہ قرض ہو جب وطی کی کسی نے دوسرے کی باندی سے

بِنِکَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْہُ ثُمَّ مَلَکَھَا صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَہٗ وَاِذَا وَطِیَ الْاَبُ جَارِیَۃَ ابْنِہٖ فَجَاءَتْ

نکاح کے ساتھ اور اس کے بچہ ہوا پھر شوہر اس کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو گئی جب وطی کی باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے اور اس کے

بِوَلَدٍ فَادَّعَاہُ ثَبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدِلَہٗ وَ عَلَیْہِ قِیْمَتُھَا وَلَیْسَ عَلَیْہِ عُقْرُھَاوَ

بچہ ہوا اور باپ نے اس کا دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد ہو گی اور باپ پر اس کی قیمت ہو گی نہ کہ اس کا مہر اور

لَاقِیْمَۃَ وَلَدِھَا وَاِنْ وَّطِیَ اَبُ الْاَبِ، مَعَ بَقَاءِ الاَبِ لَمْ یَثْبُتِ النَّسَبُ مِنْہُ وَاِنْ کَانَ

نہ اس کے بچہ کی قیمت' اگر وطی کی دادا نے باپ کے ہوتے ہوئے تو اس کا نسب ثابت نہ ہو گا دادا سے اور اگر

الْاَبُ مَیِّتًا ثَبَتَ مِنَ الْجَدِّ کَمَا یَثْبُتُ مِنَ الْاَبِ وَاِذَا کَانَتِ الْجَارِیَۃُ بَیْنَ شَرِیْکَیْنِ

باپ مر چکا ہو تو ثابت ہو جائے گا دادا سے جیسے ثابت ہوتا ہے باپ سے' جب باندی مشترک ہو دو شریکوں میں

فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاہُ اَحَدُھُمَا ثَبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدِلَہٗ وَ عَلَیْہِ نِصْفُ

اور اس کے بچہ ہو اور ان میں سے ایک دعوی کرے اس کا تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد ہو گی اور اس پر نصف

عُقْرِھَا وَ نِصْفُ قِیْمَتِھَا وَلَیْسَ عَلَیْہِ شَیْءٌ مِنْ قِیْمَۃِ وَلَدِھَا وَاِنِ ادَّعَیَاہُ مَعًا ثَبَتُ نَسَبُہٗ

مہر اور نصف قیمت ہو گی اور اس کے بچہ کی کچھ قیمت واجب نہ ہو گی اور اگر دونوں دعوی کریں تو ثابت ہو جائے گا نسب

مِنْھُمَا وَکَانَتِ الْاَمَۃُ اُمَّ وَلَدٍ لَّھُمَا وَ عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ وَ تَقَاصًا بِمَالِہٖ

دونوں سے اور باندی دونوں کی ام ولد ہو گی اور ان میں سے ہر ایک پر نصف مہر ہو گا اور دونوں مقاصہ کر لیں گے

عَلَی الْاٰخرِ وَیَرِثُ الْاِبْنُ مِنْ کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِیْرَاثَ ابْنٍ کَامِلٍ وَ یَرِثَانِ مِنْہُ مِیْرَاثَ

اور وارث ہو گا بچہ ان میں سے ہر ایک کا بیٹے کی پوری میراث کا اور وہ دونوں اس بچہ کے وارث ہوں گے

اَبٍ وَاحِدٍ وَّاِذَا وَطِیَ الْمَوْلٰی جَارِیَۃَ مُکَاتَبِہٖ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاہُ فِاِنْ صَدَّقَہُ الْمُکَاتَبُ

ایک باپ کی میراث کے، جب وطی کی آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے اور اس کے بچہ ہوا آقا نے اس کا دعوی کیا سو اگر مکاتب اس کی تصدیق کر دے

ثَبَتَ نَسَبُہٗ مِنْہُ وَ کَانَ عَلَیْہِ عُقْرُھَا وَ قِیْمَۃُ وَلَدِھَا وَلاَ تَصِیْرُ اُمَّ وَلَدٍ لَہٗ وَاِنْ کَذَّبَہُ الْمُکَاتَبُ

تو اس سے نسب ثابت ہو گا اور آقا پر اس کا مہر اور بچہ کی قیمت واجب ہو گی اور باندی اس کی ام ولد نہ ہو گی اور اگر تکذیب کر دی مکاتب نے

فِی النَّسَبِ لَمْ یَثْبُتْ

نسب میں تو ثابت نہ ہو گا

تشریح الفقہ قولہ باب الاستیلاد الخ استیلاد لغۃً خواہش اولاد کو کہتے ہیں زوجہ سے ہو یا باندی سے' لیکن فقہاء کی اصطلاح میں باندی کے ساتھ خاص ہے۔ قولہ واذا ولدت الامۃ الخ جب آقا کے نطفہ سے باندی کے بچہ ہو جائے تو وہ اس کی ام ولد ہو جاتی ہے۔ اب اس کی نہ بیع

جائز ہے نہ تملیک کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا ہے[1] ۔نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''جس باندی کے اس کے آقا سے بچہ ہو جائے تو اس کا آقا نہ اس کو فروخت کرے نہ ہبہ کرے ہاں زندگی بھر اس سے نفع اٹھائے''[2]

قولہ بغیر اقرار الخ ام ولد کے دوسرے بچہ کا نسب آقا کے اعتراف پر موقوف نہیں ہاں پہلے بچہ کا نسب اس پر موقوف ہے۔ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر آقا کو وطی کا اقرار ہو تو بادعویٰ نسب ثابت ہو جائے گا گو آقا عزل کرتا ہو کیونکہ عقد نکاح جو مفضی الی الوطی ہے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے تو وطی سے بطریق اولیٰ ہونا چاہیے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ باندی سے صحبت کرتے تھے اس کو حمل قرار پا گیا' آپ نے فرمایا یہ میرا نہیں ہے کیونکہ وطی سے میرا مقصد صرف قضاء شہوت تھا نہ کہ تحصیل ولد[3]۔

قولہ ثم ملکھا الخ کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اس سے بچہ ہو گیا پھر شوہر کسی طریق سے اس کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں اسی سے ثابت ہے تو ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔

قولہ بین شریکین الخ ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی۔ان میں سے ایک نے اس کے ام ولد ہونے کا دعویٰ کیا تو اس سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور مدعی پر باندی کی نصف قیمت ونصف مہر مثل واجب ہوگا اور بچہ کی قیمت واجب نہ ہو گی کیونکہ ضمان یوم علوق کے لحاظ سے واجب ہے اور بچہ وقت علوق ہی سے ثابت النسب ہے پس حدوث ولد مدعی کی ملک میں ہوا نہ کہ شریک کی ملک میں اور اگر دونوں شریک مدعی ہوں تو نسب دونوں سے ثابت ہو جائے گا اور باندی دونوں کی ام ولد ٹھہرے گی اور دونوں پر نصف مہر مثل واجب ہوگا اور مقاصہ ہو جائے گا یعنی دونوں اپنا اپنا حق باہم مجرا کرالیں اور بچہ دونوں شریکوں سے بیٹے والی پوری وراثت پائے گا اور وہ دونوں پدری ورثہ پائیں گے۔

قولہ فان صدقہ الخ آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی' اس سے بچہ ہو گیا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا مکاتب نے تصدیق کر دی تو تصادق کی وجہ سے بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا۔اب آقا پر باندی کا مہر مثل اور بچہ کی قیمت واجب ہو گی اور باندی اس کی ام ولد نہ ہو گی کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں اور اگر مکاتب نے تکذیب کر دی تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ آقا کو کسب مکاتب میں تصرف کا حق نہیں اس لئے مکاتب کی تصدیق ضروری ہے۔

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

مکاتب کا بیان

اِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى عَبْدَهٗ اَوْ اَمَتَهٗ عَلٰى مَالٍ شَرَطَهٗ عَلَيْهِ وَقَبِلَ
جب مکاتب کرے آقا اپنے غلام یا باندی کو کسی مال پر جس کی اس نے شرط کی ہو اور غلام

الْعَبْدُ ذٰلِكَ صَارَ مُكَاتَبًا وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًا وَيَجُوْزُ مُؤَجَّلًا مُنَجَّمًا وَيَجُوْزُ
اس کو قبول کر لے تو وہ مکاتب ہو جائے گا اور جائز ہے یہ کہ شرط کر لے مال کی فی الفور دینے کی' یا قسط وار دینے کی' جائز ہے

كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ فَاِذَا صَحَّتِ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ
کمسن غلام کو مکاتب کرنا جبکہ سمجھتا ہو خرید و فروخت کو جب صحیح ہو جائے کتابت تو نکل جاتا ہے مکاتب

مِنْ يَّدِ الْمَوْلٰى وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِهٖ وَيَجُوْزُ لَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَلَا يَجُوْزُ لَهٗ
آقا کے قبضہ سے اور نہیں نکلتا اس کی ملک سے اور جائز ہے اس کے لئے خرید و فروخت اور سفر کرنا اور جائز نہیں اس کو

---

[1] دار قطنی عن عمر ۱۲ [2] مالک عن عمر ۱۲ [3] طحاوی عن ابن عباس ۱۲

التَّزَوُّجُ اِلَّاباِذْنِ الْمَوْلٰی وَلا یَهَبُ وَلَا تَصَدَّقُ اِلَّا بِالشَّیْئِ الْیَسِیْرِ وَلا یَتَکَفَّلُ فَاِنْ وُلِدَ
شادی کرنا مگر آقا کی اجازت سے اور وہ نہ ہبہ کرے نہ صدقہ مگر تھوڑی سی چیز اور وہ کسی کا کفیل نہ ہو اگر اس

لَهُ وَلَدٌ مِّنْ اَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِی کِتَابَتِهٖ وَکَانَ حُکْمُهٗ کَحُکْمِهٖ وَ کَسْبُهٗ لَهُ فَاِنْ زَوَّجَ الْمَوْلٰی
کی باندی کے بچہ ہو تو وہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کا حکم باپ کے حکم کے مثل ہو گا اور اس کی کمائی مکاتب کی ہوگی، اگر آقا نے

عَبْدَهٗ مِنْ اَمَتِهٖ ثُمَّ کَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِهِمَا وَ کَانَ کَسْبُهٗ لَهَا وَاِنْ
اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کردی پھران کو مکاتب کردیا پھراس سے باندی کے بچہ ہوا تو وہ ان کی کتابت میں داخل ہوگا اوراس کی کمائی ماں کے لئے ہوگی۔

وَّطِیَ الْمَوْلٰی مُکَاتَبَتَهٗ لَزِمَهُ الْعُقْرُوَاِنْ جَنٰی عَلَیْهَا اَوْ عَلٰی وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَایَةُ وَاِنْ
اگر آقا نے وطی کی اپنی مکاتب باندی سے تو مہر لازم ہو گا اگر اس پر یا اس کے بچہ پر جنایت کی تو اس کا تاوان لازم ہو گا' اگر

اَتْلَفَ مَالَهَا غَرِمَهٗ وَاِذَا اشْتَرَی الْمُکَاتَبُ اَبَاهُ اَوِ ابْنَهٗ دَخَلَ فِی کِتَابَتِهٖ وَاِنِ اشْتَرٰی اُمَّ
اس کا مال تلف کیا تو تاوان دے گا جب خرید لے مکاتب اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو تو وہ بھی داخل ہو جائیں گے اس کی کتابت میں' اگر اپنی ام

وَلَدِهٖ مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِی الْکِتَابَةِ وَلَمْ یَجُزْلَهٗ بَیْعُهَا وَاِنِ اشْتَرٰی ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ
ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ خریدے تو بچہ داخل ہو جائے گا کتابت میں اور اس کے لئے ام ولد کو بیچنا جائز نہ ہو گا' اگر خریدا کسی ذی رحم محرم کو

مِنْهُ لَا وِلَادَلَهٗ لَمْ یَدْخُلْ فِی کِتَابَتِهٖ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ
جس سے ولادت کا رشتہ نہیں ہے تو وہ داخل نہ ہو گا کتابت میں امام صاحب کے نزدیک

تشریح الفقہ قولہ کتاب المکاتب الخ کتابت لغۃً کتب (ن) کا مصدر ہے بمعنی جمع کرنا' اسی سے کتاب ہے کہ وہ جامع ابواب وفصول ہوتی ہے۔ اصطلاح شرع میں غلام کو تصرف کے لحاظ سے بالفعل اور رقبہ کے اعتبار سے ادائیگی بدل کتابت کے بعد آزاد کرنے کو کہتے ہیں پس ملک ید بالفعل حاصل ہوتی ہے اور ملک رقبہ باعتبار انجام۔

قولہ ویجوزلہ البیع الخ مکاتب کے لئے خرید وفروخت اور مسافرت درست ہے کیونکہ موجب کتابت یہ ہے کہ غلام تصرف کے لحاظ سے آزاد ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ مستقل طور پر ایسے تصرف کا مالک ہو جس کے ذریعہ سے وہ بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہو سکے اور خرید وفروخت اور مسافرت اسی قبیل سے ہیں۔

قولہ ولا یجوز التزوج الخ مکاتب کو اپنا نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کو ان امور کی اجازت ہے جو اس کے مقصد یعنی بذریعہ ادائیگی بدل کتابت حصول آزادی میں معین ہیں اور نکاح کر کے وہ ادائیگی مہر اور نان نفقہ کے چکر میں پڑ جائے گا۔ اسی طرح ہبہ کرنا' صدقہ کرنا' کسی کا کفیل ہونا بھی درست نہیں کیونکہ یہ تبرعات ہیں جن کا وہ اہل نہیں۔

قولہ فان ولدلہ ولدا الخ اگر مکاتب کی باندی سے کوئی بچہ پیدا ہوا اور مکاتب اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور بچہ کی کمائی مکاتب کی ہوگی کیونکہ بچہ اس کے مملوک کے حکم میں ہے تو جیسے دعویٰ نسب سے پہلے اس کی کمائی مکاتب کے لئے ہے ایسے ہی دعویٰ نسب کے بعد بھی اسی کی ہوگی مگر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مکاتب کا اپنی باندی سے استیلاد تو جائز ہی نہیں پھر اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ مکاتب کے لئے گو وطی حرام ہے اس نے صحبت کرلی ہو نیز اس کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ مکاتب نے قبل از کتابت باندی سے شادی کی' اس کے بعد وہ مکاتب ہوا اور اس نے اس باندی کو خرید لیا' پھر اس سے بچہ ہوا۔ رہا یہ سوال کہ جب اس نے اپنی بیوی کو خرید لیا تو

اس کا نکاح فسخ ہو گیا لہذا اب بھی صورت نہیں بنتی، سو جواب یہ ہے کہ نکاح فسخ نہ ہوگا کیونکہ اس کیلئے حقیقت ملک نہیں بلکہ حق ملک ہے اور حق ملک ابتداء نکاح کے لئے مانع ہے نہ کہ بقاء نکاح کے لیے۔

قوله فان زوج المولى الخ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا اس کے بعد ان سے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا کیونکہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے اور اس بچے کی کمائی میں بھی ماں کو ملے گی کیونکہ باپ کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہے۔ لانه جزء منها بحيث يقرض بالمقراض۔

قوله وان وطى المولى الخ اگر آقا اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کرے یا اس پر یا اس کے بچہ پر یا اس کے مال پر جنایت کرے تو تاوان دینا ہوگا یعنی جماع کی صورت میں عقر دے گا اور جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اس کی قیمت کیونکہ مکاتب تصرف ذات وتصرف منافع کے لحاظ سے ملک مولی سے نکل جاتا ہے۔

قوله واذا اشترى المكاتب الخ اگر مکاتب نے اپنے باپ بیٹے (اصول وفروع) کو خرید لیا تو تبعاً وہ بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے، کیونکہ مکاتب اگر آزاد کرنے کا اہل نہیں تو کم از کم مکاتب کرنے کا اہل تو ہے لہذا حتی الامکان صلہ رحمی کی رعایت کی جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے اپنی ام ولد کو اس کے بچے کے ساتھ خرید لیا تو بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اب وہ ام ولد کو فروخت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عدم جواز بیع میں تابع ولد ہے۔ لقوله عليه السلام "اعتقها ولدها"

قوله ذار رحم محرم منه الخ اگر مکاتب نے بھائی، بہن، چچا وغیرہ کو خریدا تو یہ لوگ امام صاحب کے نزدیک کتابت میں داخل نہ ہوں گے، صاحبین کے نزدیک ہو جائیں گے کیونکہ صلہ رحمی قرابت والا دو غیر والا د ہر دو کو شامل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مکاتب کے لئے ملک حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کسب وکمائی پر قادر ہوتا ہے اور قدرت قربت غیر والا د کے لئے کافی نہیں ہے۔

وَاِذَا عَجزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَّجمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِىْ حَالِهٖ فَاِنْ كَانَ لَهٗ دَيْنٌ يَقْضِيْهِ اَوْ مَالٌ يَقْدِمُ

جب عاجز ہو جائے مکاتب قسط کی ادائیگی سے تو غور کرے حاکم اس کی حالت میں اگر اس کا اتنا قرض ہو جس سے بھگتان ہو سکے یا کچھ مال آنے والا

عَلَيْهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَعْجِيْزِهٖ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ اَوِالثَّلٰثَةِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَجْهٌ وَّطَلَبَ

ہو اس کے پاس تو اس کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین روز انتظار کرے اور اگر کوئی صورت نہ ہو اور چاہے

الْمَوْلٰى تَعْجِيْزَهٗ عَجَّزَهٗ وَ فَسَخَ الْكِتَابَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايُعَجِّزُهٗ حَتّٰى يَتَوَالٰى

آقا اس کو عاجز کرانا تو عاجز کر کے کتابت فسخ کر دے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کو عاجز نہ کرے یہاں تک کہ اس پر

عَلَيْهِ نَجْمَانِ وَ اِذَا عَجَزَالْمُكَاتَبُ عَادَاِلٰى حُكْمِ الرِّقِّ وَكَانَ مَا فِىْ يَدِهٖ مِنَ الْاِكْتِسَابِ لِمَوْلَاهُ

دو قسطیں چڑھ جائیں جب عاجز ہو جائے مکاتب تو وہ لوٹ آئے گا غلامی کے حکم کی طرف اور جو کچھ اس کے پاس ہے کمائی وہ اس کے آقا کی ہوگی،

فَاِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهٗ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَقَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ وَ حُكِمَ بِعِتْقِهٖ

اگر مر جائے مکاتب اور ہو اس کا مال ہو تو فسخ نہ ہو گی کتابت اور بھگتا دیا جائے گا جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کے مال سے اور حکم دے دیا

فِىْ اٰخِرِجُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ وَمَا بَقِىَ فَهُوَ مِيْرَاثٌ لِوَرَثَتِهٖ وَ يَعْتِقُ اَوْلَادُهٗ وَاِنْ لَمْ يَتْرُكْ

جائے گا اس کی آزادی کا اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اور جو باقی رہے وہ میراث ہوگی اس کے ورثہ کی اور آزاد ہو جائے گی اس کی اولاد اگر اس نے مال نہیں

وَفَاءً وَّتَرَكَ وَلَدًا مَّوْلُوْدًا فِى الْكِتَابَةِ سَعٰى فِىْ كِتَابَةِ اَبِيْهِ عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِذَا اَدّٰى حَكَمْنَا

چھوڑا بلکہ ایک بچہ چھوڑا جو پیدا ہوا تھا کتابت کے زمانہ میں تو وہ سعایت کرے اپنے باپ کی کتابت میں قسط وار جب وہ ادا کر چکے تو حکم کر دیں گے

بِعِتْقِ اَبِیْهِ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ عَتَقَ الْوَلَدُوَاِنْ تَرَکَ وَلَدًا مُشْتَرًی فِی الْکِتَابَةِ قِیْلَ لَهٗ اِمَّا اَنْ

ہم اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائے گا' اگر وہ بچہ چھوڑا جو خریدا تھا کتابت کے زمانہ میں تو اس سے کہا جائے گا کہ یا تو

تُؤَدِّیَ الْکِتَابَةَ حَالاً وَاِلاَّ رُدِدْتَ فِی الرِّقِّ وَاِذَا کَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهٗ عَلٰی خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ

ادا کر بدل کتابت فوراً ورنہ لوٹا دیا جائے گا تو غلامی کی طرف' جب کتابت کی مسلمان نے اپنے غلام سے شراب یا خنزیر پر

اَوْ عَلٰی قِیْمَةِ نَفْسِهٖ فَالْکِتَابَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ اَدّٰی الْخَمْرَ وَالْخِنْزِیْرَ عَتَقَ وَلَزِمَهٗ اَنْ یَّسْعٰی

یا خود غلام کی قیمت پر تو کتابت فاسد ہے پس اگر دے دے وہ شراب یا خنزیر ہی تو آزاد ہو جائے گا اور لازم ہو گا اس پر سعایت

فِیْ قِیْمَتِهٖ وَلاَیُنْقَصُ مِنَ الْمُسَمّٰی وَیُزَادُ عَلَیْهِ اِذَا زَادَتْ قِیْمَتُهٗ وَاِنْ کَاتَبَهٗ عَلٰی حَیَوَانٍ غَیْرِ

کرنا اپنی قیمت میں اور مسمیٰ سے کم نہ ہو گی بلکہ زائد ہو سکتی ہے جب اس کی قیمت بڑھ جائے' اگر مکاتب کیا غلام کو غیر موصوف

مَوْصُوْفٍ فَالْکِتَابَةُ جَائِزَةٌ وَاِنْ کَاتَبَهٗ عَلٰی ثَوْبٍ لَمْ یُسَمِّ جِنْسَهٗ لَمْ یَجُزْوَاِنْ اَدَّاهُ لَمْ یَعْتِقْ

جانور پر تو کتابت جائز ہے اور اگر مکاتب کیا ایسے کپڑے پر جس کی جنس بیان نہیں کی تو جائز نہ ہو گی اگر وہ کپڑا دے دے تو آزاد نہ ہو گا۔

مکاتب کی ادائیگی بدل کتابت سے عاجز ہو جانے کا بیان

تشریح الفقہ **قوله واذا عجز الخ** آقا نے اپنے غلام کو بالاقساط بدل کتابت ادا کرنے پر مکاتب کر دیا تھا وہ کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو اگر اس کو کہیں سے مال ملنے کی امید ہو تو حاکم اس کے عجز کا فیصلہ نہ کرے بلکہ دو تین دن کی مہلت دے اگر پھر بھی ادا نہ کر پائے تو اس کے عجز کا حکم کر دے اور اگر مال ملنے کی امید نہ ہو تو اسی وقت عجز کا حکم کر کے کتابت فسخ کر دے' یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر دو قسطیں نہ چڑھ جائیں اس وقت تک عجز کا حکم نہ کرے کیونکہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "جب مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں تو وہ غلامی کی طرف آ جائے گا" طرفین یہ فرماتے ہیں کہ سبب فسخ یعنی مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا اس لئے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہو گا بخلاف دو تین دن کے کہ اتنی مہلت لابدی ہے۔ **وماروی عن علی یعارضه ماروی عن ابن عمر ۱۲۔**

قوله فان مات الخ اگر مکاتب ادائیگی بدل کتابت سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر مر جائے جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے تو ہمارے ہاں عقد کتابت فسخ نہ ہو گا بلکہ اس کے ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کر کے آخر حیات میں اس کی آزادی کا حکم کر دیا جائے گا اور جو مال ترکہ سے باقی رہ جائے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد کتابت فسخ ہو جائے گا اور مکاتب غلامی کی حالت میں دنیا سے جائے گا اور اس کا ترکہ آقا کو ملے گا۔ دلیل حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے۔ "**المکاتب عبدمابقی علیه درهم لایرث ولایورث**" ہماری دلیل حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ جس کو بیہقی اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔

قوله وان لم یترک وفاء الخ مکاتب نے مال تو کچھ نہیں چھوڑا البتہ وہ اولاد چھوڑی ہے جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوئی تھی تو اولاد اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق بدل کتابت ادا کرے گی۔ جب وہ ادا کر چکے تو مکاتب کے حق میں اس کی موت سے قبل اس کے آزاد ہونے کا حکم کر دیا جائے گا اور اولاد بھی آزاد ہو جائے گی اور اگر مکاتب نے وہ اولاد چھوڑی جو کتابت کی حالت میں خریدی تھی تو اولاد سے کہا جائے گا کہ یا تو فوراً بدل کتابت ادا کرو ورنہ غلام ہو جاؤ۔ صاحبین کے نزدیک ان کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ امام صاحب کے ہاں وجہ فرق یہ ہے کہ تاجیل اس وقت ثابت ہوتی ہے جب عقد میں اس کی شرط ہو اور اسی کے حق میں ثابت ہوتی ہے' جو تحت العقد داخل ہو اور خرید کردہ اولاد تحت العقد داخل

نہیں کیونکہ نہ تو ان کی طرف عقد کی اضافت ہے اور نہ ان تک حکم عقد کی سرایت ہے بخلاف اس اولاد کے جو کتابت کی حالت میں پیدا ہوئی ہو کہ وہ بوقت کتابت مکاتب کے ساتھ متصل تھی اس لئے حکم عقد ان تک سرایت کر گیا۔

قولہ واذا کاتب المسلم الخ کسی مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض مکاتب کیا تو یہ کتابت فاسد ہے کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب اگر غلام شراب یا خنزیر ہی دے دے تو آزاد تو ہو جائے گا لیکن اپنی قیمت میں سعایت کرے گا کیونکہ یہاں فساد عقد کی وجہ سے رد رقبہ واجب ہے مگر اس کے آزاد ہونے کی بناء پر رد رقبہ متعذر ہے اس لئے قیمت واجب ہوگی جیسے بیع فاسد میں اگر مشتری کے پاس سے مبیع ہلاک ہو جائے تو قیمت واجب ہو جاتی ہے اور اگر آقا نے غلام کو اس کی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے کیونکہ غلام کی قیمت جنس و وصف، جودۃ ورداءۃ اور مقدار ہر اعتبار سے مجہول ہے۔

قولہ علی حیوان الخ اگر غلام کو کسی جانور کے عوض مکاتب کیا اور جانور کی صرف جنس بیان کی۔ مثلاً یہ کہ گھوڑا یا اونٹ دینا ہوگا نوع اور صفت بیان نہیں کی تو کتابت درست ہے اس صورت میں متوسط قسم کا جانور یا اس کی قیمت واجب ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک کتابت درست نہیں قیاس بھی یہی ہے کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے تو بیع کے مشابہ ہوا اور بدل مجہول ہونے کی صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی تو کتابت بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کتابت میں دو جہتیں ہیں۔ مبادلۃ المال بغیر لمال بھی ہے بایں معنی کہ غلام آقا کے حق میں مال ہے اور مبادلۃ المال بغیر لمال بھی ہے۔ بایں معنی کہ غلام اپنی ذات کے حق میں مال نہیں ہے پس کتابت جواز اور عدم جواز کے درمیان واقع ہوئی تو جواز پر محمول کیا جائے گا۔ رہی جہالت سو اس سے کوئی نقصان نہیں کیونکہ جنس بیان ہو جانے کے بعد جہالت فاحشہ نہیں ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَاِنْ اَدَّيَا عَتَقَا وَاِنْ عَجَزَا رُدَّا اِلَى الرِّقِّ

اگر مکاتب کیا دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار پر تو اگر انہوں نے ہزار دے دیئے تو آزاد ہو جائیں گے ورنہ لوٹا دیئے جائیں گے غلامی کی طرف

وَاِنْ كَاتَبَهُمَا عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ضَامِنٌ عَلَى الْاٰخَرِ جَازَتِ الْكِتَابَةُ وَاَيُّهُمَا اَدّٰى عَتَقَا

اگر دونوں کو مکاتب کیا اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک ضامن ہو گا دوسرے کا تو کتابت جائز ہے ان میں سے جو بھی ادا کرے تو دونوں

وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِنِصْفِ مَا اَدّٰى وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ بِعِتْقِهٖ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ

آزاد ہو جائیں گے اور شریک سے لے لے گا ادا کردہ کا نصف، جب آزاد کر دے آقا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہو جائے گا اس کے آزاد کرنے سے اور ساقط ہو جائے گا

الْكِتَابَةِ وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَ قِيْلَ لَهٗ اَدِّ الْمَالَ اِلٰى وَرَثَةِ الْمَوْلٰى

مال کتابت، جب مکاتب کا آقا مر جائے تو فسخ نہ ہو گی کتابت اور کہا جائے گا اس سے کہ ادا کر مال آقا کے ورثاء کو

عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَهٗ اَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ وَاِنْ اَعْتَقُوْهُ جَمِيْعًا عَتَقَ وَسَقَطَ

اس کی قسطوں کے مطابق، اگر آزاد کر دیا اس کو کسی وارث نے تو آزادی نافذ نہ ہو گی اور اگر سب نے آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا اور

عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ

مال کتابت ساقط ہو جائے گا

تشریح الفقہ **قولہ کاتب عبدیہ الخ** کسی نے اپنے دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار روپیہ پر مکاتب کر دیا اور ان دونوں نے اس کو قبول کر لیا تو کتابت صحیح ہوگی اور اگر کسی ایک نے قبول کیا تو کتابت باطل ہوگی کیونکہ کتابت بصفقہ واحدہ ہے اس لئے دونوں کا قبول کرنا ضروری ہے۔ اب اگر وہ دونوں بدل کتابت ادا کر دیں تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہو جائیں تو دونوں غلامی کی طرف آ جائیں گے۔

اور اگر ان میں سے کوئی ایک عاجز ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اگر دوسرا ادا کر دے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور ادا کرنے والا دوسرے سے نصف وصول کرے گا۔

قولہ واذامات الخ مکاتب کا آقا مر جائے تو عقد کتابت فسخ نہ ہوگا بلکہ اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا کیونکہ ورثہ میت کے قائم مقام ہیں پس مکاتب اس کے ورثہ کو قسطوں کے مطابق ادا کرے گا۔ اب اگر کوئی ایک وارث اس کو آزاد کر دے تو آزادی نافذ نہ ہوگی کیونکہ مکاتب ورثہ کی طرف بذریعہ ارث منتقل نہیں ہوتا بلکہ مکاتب کے ذمہ جو دین ہے وہ منتقل ہوتا ہے۔ ہاں اگر کل ورثہ آزاد کر دیں تو اب وہ میت کی طرف سے آزاد ہو جائے گا کیونکہ ان کا آزاد کرنا کتابت کی تتمیم ہے پس یہ اداء اور ابراء کے درجہ میں ہوگیا۔

وَاِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى اُمَّ وَلَدِهٖ جَازَ فَاِنْ مَّاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ وَاِنْ وَلَدَتْ

جب مکاتب کیا آقا نے اپنی ام ولد کو تو جائز ہے پس اگر مر جائے آقا تو ساقط ہو جائے گا اس سے مال کتابت' اگر بچہ جنا

مُكَاتَبَتُهٗ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ تْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا

مکاتبہ نے آقا سے تو اس کو اختیار ہو گا چاہے کتابت پر رہے چاہے خود کو عاجز کر کے

وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ حَتّٰى تَعْتِقَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَاِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَفَاِنْ مَّاتَ الْمَوْلٰى وَلاَ

اس کی ام ولد رہے اور آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے' اگر مکاتب کیا اپنی مدبرہ کو تو یہ بھی جائز ہے پس اگر مر جائے آقا اور

مَالَ لَهٗ غَيْرُهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ اَنْ تَسْعٰى فِي ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا اَوْفِي جَمِيْعِ مَالِ الْكِتَابَةِ وَاِنْ

کچھ مال نہ ہو مدبرہ کے سوا تو اسے اختیار ہو گا اپنی دو تہائی قیمت یا پورے مال کتابت میں سعایت کرنے کا' اگر

دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهٗ صَحَّ التَّدْبِيْرُ وَلَهَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَ تْ

مدبر کر دیا اپنی مکاتبہ کو تو تدبیر صحیح ہے اور اس کو اختیار ہے چاہے کتابت پر رہے چاہے

عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً فَاِنْ مَّضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا وَمَاتَ الْمَوْلٰى وَلاَ مَالَ لَهٗ

خود کو عاجز کر کے مدبرہ رہے اب اگر وہ کتابت پر رہے اور آقا مر جائے اور مال کچھ نہ ہو

فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِي ثُلُثَيْ مَالَ الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِي ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا

تو اس کو اختیار ہو گا چاہے دو تہائی مال کتابت میں سعایت کرے چاہے اپنی قیمت کی دو تہائی میں سعایت کرے

عِنْدَاَبِي حَنِيْفَةَ وَاِذَا اَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهٗ عَلٰى مَالٍ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ وَّهَبَ عَلٰى عِوَضٍ

امام صاحب کے نزدیک جب آزاد کرے مکاتب اپنا غلام مال کے عوض تو جائز نہ ہو گا اور اگر ہبہ کیا بالعوض

لَمْ يَصِحَّ وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ جَازَ فَاِنْ اَدَّى الثَّانِي قَبْلَ اَنْ يَّعْتِقَ الْاَوَّلُ فَوَلاَؤُهٗ لِلْمَوْلٰى

تو یہ بھی صحیح نہ ہو گا' اور اگر مکاتب کرے اپنے غلام کو تو یہ جائز ہے پس اگر ادا کر دے ثانی اول کی آزادی سے پہلے تو اس کی ولاء اول کے آقا

الْاَوَّلِ وَاِنْ اَدَّى الثَّانِيْ بَعْدَ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ الْاَوَّلِ فَوَلاَؤُهٗ لَهٗ

کی ہو گی اور اگر ادا کر دے ثانی مکاتب اول کی آزادی کے بعد تو ولاء مکاتب اول کو ملے گی

ام ولداور مدبر وغیرہ کی کتابت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا کاتب المولیٰ الخ آقا نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے کیونکہ ام ولد گو آقا کی موت کے بعد آزاد ہونے والی ہے تاہم اس سے پہلے آزاد ہونے کی بھی احتیاج ہے۔ اب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے آقا کا انتقال ہو جائے تو ام ولد مفت آزاد ہو جائے گی کیونکہ اس کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ متعلق ہو چکی تھی اور اگر اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو اس کو اختیار ہوگا چاہے عقد کتابت پر باقی رہے اور بدل کتابت ادا کر کے فی الحال آزاد ہو جائے اور چاہے خود کو عاجز قرار دے کر ام ولد رہے اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے کیونکہ اس کو دو جہتوں سے حق حریت حاصل ہے۔ ایک کتابت کی جہت سے اور ایک ام ولد ہونے کی جہت سے پس اس کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

قولہ وان کاتب مدبرۃ الخ اگر آقا نے اپنی مدبرہ باندی کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے۔ اب مدبرہ کو اپنے آقا کی موت کے بعد جب کہ اس نے مدبرہ کے علاوہ اور کوئی مال نہ چھوڑا ہو اختیار ہوگا چاہے اپنی قیمت کے دوثلث میں سعایت کر لے چاہے کل بدل کتابت میں، یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے کیونکہ عقد کتابت اس رقیت پر منعقد نہیں ہوا جو تدبیر کے ذریعہ سے فوت ہو چکی بلکہ رقیت باقیہ پر منعقد ہوا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں سے جو کم ہو اس میں سعایت کرے گی۔ امام محمد کے نزدیک قیمت کے دوثلث اور بدل کتابت کے دوثلث میں سے جو کمتر ہوں اس میں سعایت کرے گی۔ تو یہاں دو چیزوں میں اختلاف ہوا۔ ایک یہ کہ اس کے لئے اختیار ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جس میں وہ سعایت کرے گی اس کی مقدار کیا ہے؟ تو امام ابو یوسف مقدار میں تو امام صاحب کے ساتھ ہیں اور نفی اختیار میں امام محمد کے ساتھ۔

قولہ وان دبر مکاتبتہ الخ اگر آقا نے اپنی مکاتبہ باندی کو مدبر کر دیا تو یہ بھی درست ہے اور اس کو اختیار ہے چاہے کتابت پر باقی رہے اور چاہے خود کو عاجز قرار دے کر مدبرہ ہو جائے۔ اب اگر وہ کتابت پر رہنا چاہے اور آقا کا انتقال ہو جائے اور مدبرہ کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو وہ امام صاحب کے نزدیک چاہے مال کتابت کے دوثلث میں سعایت کرے اور چاہے اپنی قیمت کے دوثلث میں سعایت کرے۔ صاحبین کے نزدیک ان دونوں میں سے اقل میں سعایت کرے گی پس یہاں مقدار متفق علیہ ہے اور اختلاف اختیار وعدم اختیار میں ہے۔ مصفی میں ہے کہ یہ اختلاف دراصل اعتاق کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر متفرع ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اعتاق متجزی ہے تو مدبرہ مذکورہ ایک ثلث کی آزادی کی مستحق ہو چکی اور دوثلث میں اختیار ہوگا جس میں چاہے سعایت کرے۔ صاحبین کے نزدیک اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی تو بعض حصہ آزاد ہو جانے سے کل آزاد ہو جائے گا اور اس پر بدل کتابت اور قیمت میں سے کوئی ایک چیز واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اقل ہی کو ترجیح دے گا تو تخییر بے سود ہے۔

قولہ فی ثلثی مال الکتابۃ الخ امام صاحب یہاں مال کتابت کے دوثلث میں سعایت کے قائل ہیں۔ بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں کل بدل کتابت میں سلب کے قائل ہیں اس واسطے کہ مدبر بنانا کتابت سے بری کرنا ہے اور بحالت مرض بری کرنا ثلث سے متجاوز نہیں ہوتا۔ فصح ذلک فی ثلث الکتابۃ و بقی ثلثا ھا فتسعی فی ذلک۔

قولہ واذا اعتق المکاتب الخ مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا گو آزادی بعوض مال ہو کیونکہ اعتاق کتابت سے مافوق ہے نیز ہبہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے اور وہ تبرع کا اہل نہیں۔

قولہ وان کاتب عبدہ الخ عبد مکاتب اپنے غلام کو مکاتب کر سکتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے اس کو بدل کتابت حاصل ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے ہاں اپنے غلام کو مکاتب نہیں کر سکتا۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے پھر اگر مکاتب ثانی نے بدل کتابت مکاتب اول کی آزادی سے قبل ادا کیا (یا دونوں نے ساتھ ساتھ ادا کیا ہو) تو ولاء مکاتب اول کے آقا کو ملے گی اور اگر اس کی آزادی کے بعد ادا کیا تو اس کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی کیونکہ عاقد وہی ہے اور آزادی کے بعد ولاء کا اہل ہو چکا ہے (ولاء کا بیان آگے آ رہا ہے۔)

کتابُ الوَلاءِ

ولاء کا بیان

اذااعتق الرَّجُلُ مَمْلُوکَہٗ فَوَلاؤُہٗ لَہٗ وَکَذٰلِکَ الْمَرْأۃُ تُعْتِقُ فَاِنْ
جب آزاد کیا کسی نے اپنا غلام تو ولاء اس کی ہو گی اسی طرح عورت جو آزاد کرے پس اگر

شرط انَّہٗ سَائبَۃٌ فَالشَّرطُ بَاطِلٌ وَالْوَلاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَاِذَا اَدّٰی الْمُکَاتَبُ عَتَقَ وَوَلائُہٗ لِلْمَوْلٰی
یہ شرط کرے کہ وہ بغیر ولاء ہے تو شرط باطل ہے اور ولاء آزاد کنندہ ہی کی ہو گی جب ادا کردے مکاتب تو وہ آزاد ہے اور اس کی ولاء آقا

وَاِنْ اَعْتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلٰی فَوَلاؤُہٗ لِوَرَثَۃِ الْمَوْلٰی وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰی عَتَقَ مُدَبَّرُوْہُ وَ
کی ہے اگر آزاد ہوا آقا کی موت کے بعد تو اس کی ولاء آقا کے ورثاء کی ہے جب مر جائے آقا تو آزاد ہو جائیں گے اس کے مدبر اور

اُمَّھَاتُ اَوْلادِہٖ وَوَلاؤُھُمْ لَہٗ وَمَنْ مَّلَکَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ عَتَقَ عَلَیْہِ وَوَلاؤُہٗ لَہٗ
ام ولد اور ان کی ولاء اسی کی ہو گی جو مالک ہو جائے ذی رحم محرم کا تو وہ آزاد ہو گا اور ولاء مالک کی ہو گی،

واذا تَزَوَّجَ عَبْدُرَجُلٍ اَمَۃَ الْاٰخرِ فَاَعْتَقَ مَوْلَی الْاَمَۃِ الْاَمَۃَ وَھِیَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ
شادی کی ایک کے غلام نے دوسرے کی باندی سے باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کر دیا اور وہ حاملہ ہے غلام سے

عَتقتْ وَ عَتَقَ حَمْلُھَا وَوَلاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَی الْاُمِّ لاَ یَنْتَقِلُ عَنْہُ اَبَدًا فَاِنْ وَّلَدَتْ بَعْدَعِتْقِھَا
تو باندی اور اس کا حمل آزاد ہو گا اور حمل کی ولاء ماں کے آقا کی ہو گی جو اس سے کبھی منتقل نہ ہو گی، پس اگر جنے اپنی آزادی کے بعد

لاَکْثَرَ مِنْ سِتَّۃِ اَشْھُرٍ وَلَدًا فَوَلاؤُہٗ لِمَوْلَی الْاُمِّ فَاِنْ اُعْتِقَ الْاَبُ جَرَّوَلاءَ ابْنِہٖ وَانْتَقَلَ
چھ ماہ سے زائد میں تو اس کی ولاء ماں کے آقا کی ہو گی پس اگر باپ آزاد کر دیا جائے تو کھینچ لے گا وہ اپنے بیٹے کی ولاء اور

عَنْ مَّوْلَی الْاُمِّ اِلٰی مَوْلَی الْاَبِ
منتقل ہوجائے گی ماں کے آقا سے باپ کے آقا کی طرف

تشریح الفقہ قولہ کتاب الولاء الخ ولاءلغۃً ولی سے ہے بمعنی قرب ونزدیکی یا موالاۃ سے ہے جو ولایۃ سے مفاعلۃ ہے بمعنی نصرت ومحبت، اصطلاح شرع میں ولاء وہ میراث ہے جو آزادکردہ غلام سے عقد موالاۃ کی وجہ سے حاصل ہو۔ اول کو ولاء عتاقہ اور دوم کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔

قولہ واذا اعتق الرجل الخ اگر آزادکردہ غلام مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا ترکہ معتق کو ملے گا خواہ آزادی مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے سے ہو یا قرابتدار کے مالک ہونے سے کیونکہ حدیث میں ہے 'الولاء لمن اعتق[1]' پس اگر کوئی آزاد کرتے وقت یہ شرط کرلے کہ آزادکنندہ کو ولاء نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ نص مذکور کے خلاف ہے۔

قولہ عتق مدبرو ہ الخ سوال مدبر اور ام ولد آقا کی موت کے بعد آزاد ہوتے ہیں تو آقا کو ان کی ولاء ملنے کی کونسی صورت ہے؟ جواب اس کی صورت یہ ہے کہ آقا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کی موت کا حکم کرکے اس کے مدبر اور اس کی ام ولد کی آزادی کا فیصلہ کر دیا پھر آقا مسلمان ہو کر دارالاسلام چلا آیا اور مدبر یا ام ولد مرگئی تو ولاء آقا کو ملے گی۔

[1] قید اتفاقی

قولہ واذا تزوج الخ کسی نے اپنی باندی کو آزاد کیا' جس کا شوہر کسی کا غلام تھا اور باندی اس سے حاملہ تھی۔ سو آزادی کے بعد چھ ماہ سے کم میں اس کا بچہ ہوا تو بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی کیونکہ جنین ماں کا جزء ہے اور ماں کے آقا نے بالقصد اس کے جمیع اجزاء پر عتق کو واقع کیا ہے اور بچہ کا معتق وہی ہوا اور اگر آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تب بھی بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ باپ آزاد نہ ہو گیا ہو ورنہ باپ بچہ کی ولاء اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا یعنی اگر بچہ مر جائے تو اس کی ولاء موالی اب کو ملے گی۔

وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ[1] الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ اَوْلَادًا فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيْهَا عِنْدَ
جس نجمی نے شادی کی عرب کی آزاد کردہ سے اس نے اولاد جنی تو اولاد کی ولاء باندی کے آقا کی ہو گی

اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَ قَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ یَکُوْنُ وَلَاءُ اَوْلَادِهَا لِاَبِیْهِمْ
طرفین کے نزدیک امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اولاد کی ولاء ان کے باپ کی ہو گی

لِاَنَّ النَّسَبَ اِلَی الْاٰبَاءِ وَوَلَاءُ الْعِتَاقَةِ تَعْصِیْبٌ فَاِنْ کَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ
کیونکہ نسب باپ کی طرف سے ہوتا ہے' آزاد شدہ کی ولاء موجب عصوبت ہے پس اگر آزاد شدہ کا کوئی نسبی عصبہ ہو

فَهُوَاَوْلٰی مِنْهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِیْرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ فَاِنْ مَّاتَ الْمَوْلٰی ثُمَّ مَاتَ
تو ولاء کا وہی حقدار ہے اگر اس کا کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کنندہ کے لئے ہو گی' اگر مر جائے آقا پھر مر جائے

الْمُعْتَقُ فَمِیْرَاثُهُ لِبَنِی الْمَوْلٰی دُوْنَ بَنَاتِهٖ وَلَیْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ اَوْاَعْتَقَ مَنْ
آزاد شدہ تو اس کی میراث آقا کے بیٹوں کے لئے ہو گی نہ کہ اس کی بیٹیوں کے لئے، نہیں ہے عورتوں کے لئے ولاء مگر ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد

اَعْتَقْنَ اَوْکَاتَبْنَ اَوْکَاتَبَ مَنْ[2] کَاتَبْنَ اَوْدَبَّرْنَ اَوْدَبَّرَمَنْ دَبَّرْنَ اَوْجَرَّوَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ اَوْمُعْتَقِ مُعْتَقِهِنَّ
کردہ کی یا ان کے مکاتب کی یا ان کے مکاتب کے مکاتب کی یا ان کے مدبر کی یا ان کے مدبر کے مدبر کی یا کھینچ لے ولاء ان کے آزاد کردہ یا ان کے آزاد کرنے والے کے آزاد کردہ

<u>تشریح الفقہ</u> قولہ ومن تزوج الخ ایک حر الاصل عجمی نے ایک عورت سے شادی کی جو کسی کی آزاد کردہ تھی اس سے کوئی اولاد ہوئی تو طرفین کے نزدیک اولاد کی ولاء اس معتقہ عورت کے موالی کو ملے گی گو اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالات کر لیا ہو کیونکہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ موالی موالاۃ پر مقدم ہوتے ہیں۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں اس کی اولاد کا حکم اس کے باپ کا حکم ہے تو اس کی ولاء موالی اب کو ملے گی کیونکہ ولاء بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب آباء کی طرف ہوتا ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ ولاء عتاقہ قوی و معتبر ہے اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے نسب برباد کر دیا۔ والقوی لایعارضہ الضعیف۔

قولہ تعصیب الخ باب ارث میں معتق عصبات نسبیہ سے مؤخر اور ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور اس کے وارث مرد ہوتے ہیں نہ کہ عورتیں پس اگر معتق کا کوئی نسبی عصبہ ہو تو وہ زیادہ حقدار ہو گا ورنہ اس کی میراث معتق کو ملے گی اور اگر غلام خالہ' پھوپھی وغیرہ چھوڑ کر مر گیا تو میراث معتق کو ملے گی نہ کہ اس کی خالہ پھوپھی کو اور اگر اولاً معتق پھر معتق مر گیا تو اس کی میراث معتق کی نرینہ اولاد کو ملے گی نہ کہ اناث کو۔ لان الولاء تعصیب ولا تعصیب للمرأۃ۔

قولہ اودبرن الخ مثلاً ایک عورت اپنے غلام کو مدبر کر کے مرتد ہو کر دار الحرب چلی گئی اور اس کے لحوق کے حکم ہو جانے کی بناء پر اس کا مدبر

[1] قید اتفاقی۔ [2] بہذا اللفظ ورد الحدیث وفی آخرہ 'او جر ولاء معتقهن' اخرجہ البیہقی عن علی وابن مسعود وزید بن ثابت (موقوفا) وابن ابی شیبہ عن الحسن وعمر بن عبد العزیز وابن سیرین وابن المسیب وعطاء والنخعی ۱۲۔

آزاد ہو گیا پھر وہ مسلمان ہو کر آ گئی اور مدبر مر گیا تو مدبر کی ولاء اس عورت کو ملے گی۔

قولہ او جر الخ مثلاً عورت نے اپنے غلام کی شادی کسی حرہ سے کر دیا اس سے بچہ ہو گیا تو بچہ ماں کی تبعیت میں آزاد ہے اور اس کی ولاء موالی ام کے لئے ہے نہ کہ موالی اب کے لیے اور اگر عورت اپنے غلام کو آزاد کر دے تو غلام اپنے بچہ کی ولاء اپنی طرف کھینچ لے گا اور عورت اپنے معتق کی ولاء اپنی طرف کھینچ لے گی۔ اب اگر بچہ مر جائے تو اس کی میراث اس کے باپ کو ملے گی اور باپ نہ ہونے کی صورت میں اس عورت کو ملے گی جس نے اس کے باپ کو آزاد کیا تھا۔

وَاِذَا تَرَکَ الْمَوْلٰی اِبْنًا وَاَوْلَادَ ابْنٍ اٰخَرَ فَمِیْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِی الْاِبْنِ لِاَنَّ الْوَلَاءَ
جب چھوڑا آقا نے بیٹا اور دوسرے بیٹے کی اولاد تو آزاد شدہ کی میراث بیٹے کے لئے ہو گی نہ کہ بیٹے کی اولاد کے لئے کیونکہ ولاء

لِلْکُبْرِ وَاِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰی یَدِ رَجُلٍ وَوَالَاہُ عَلٰی اَنْ یَرِثَہٗ وَیَعْقِلَ عَنْہُ اِذَا جَنٰی اَوْ اَسْلَمَ عَلٰی
بڑے کی ہوتی ہے، جب اسلام لایا کوئی کسی کے ہاتھ پر اور اس سے موالات کی کہ وہ اس کا وارث ہو گا اور اس کی جنایت کا تاوان دے گا یا کسی اور

یَدِ غَیْرِہٖ وَوَالَاہُ فَالْوَلَاءُ صَحِیْحٌ وَ عَقْلُہٗ عَلٰی مَوْلَاہُ فَاِنْ مَّاتَ وَلَا وَارِثَ لَہٗ فَمِیْرَاثُہٗ لِلْمَوْلٰی
کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس سے موالات کی تو ولاء صحیح ہے اور تاوان اس کے مولیٰ پر ہو گا پس اگر وہ مر جائے اور کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث مولیٰ

وَاِنْ کَانَ لَہٗ وَارِثٌ فَھُوَ اَوْلٰی مِنْہُ وَلِلْمَوْلٰی اَنْ یَّنْتَقِلَ عَنْہُ بِوَلَائِہٖ اِلٰی غَیْرِہٖ مَالَمْ یَعْقِلْ عَنْہُ فَاِنْ
کی ہو گی اور اگر کوئی وارث ہو تو وہ اولیٰ ہو گا اور مولیٰ منتقل کر سکتا ہے اپنی ولاء کسی اور کی طرف جب تک کہ اس کی طرف سے

عَقَلَ عَنْہُ لَمْ یَکُنْ لَہٗ اَنْ یَتَحَوَّلَ بِوَلَائِہٖ اِلٰی غَیْرِہٖ وَلَیْسَ لِمَوْلَی الْعَتَاقَۃِ اَنْ یُّوَالِیَ اَحَدًا
جرمانہ نہ بھرا ہو اگر جرمانہ بھر چکا ہو تو پھر منتقل نہیں کر سکتا اور آزاد شدہ کو کسی سے موالاۃ کرنا جائز نہیں

ولاء موالاۃ کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا اسلم الخ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لایا اور نومسلم نے اس سے موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ میرے کل مال کا وارث ہو گا اور اگر مجھ سے قصور ہو جائے تو اس کی طرف سے وہ دیت ادا کرے گا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام لایا اور دوسرے مسلم سے بھی موالاۃ کی تو ہمارے یہاں یہ عقد صحیح ہے پس اس نومسلم کے مرنے کے بعد وہ شخص اس کا وارث ہو گا اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور درصورت جنایت اس کی طرف سے تاوان دے گا امام مالک وشافعی کے ہاں موالاۃ کی کوئی چیز ہی نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ارث کا تعلق از روئے نص قرابت یا زوجیت کے ساتھ ہے اور از روئے حدیث عتق کے ساتھ اور یہاں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے "والذین عقدت ایمانکم فآتوھم نصیبھم" (جن سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حق دے دو) یہ آیت عقد موالاۃ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے نیز حدیث میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا ہے وہ اس نومسلم کا زیادہ حق دار ہے حیات اور ممات میں۔

قولہ ان ینتقل عنہ الخ جب تک مولی الموالاۃ نے اس شخص کی (یا اس کے بچہ کی) طرف سے جنایت کا تاوان نہ دیا ہو اس وقت تک وہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ موالاۃ کر سکتا ہے کیونکہ وصیت کی طرح عقد موالاۃ غیر لازم ہے تو اس سے رجوع کر سکتا ہے لیکن یہ رجوع مولی الموالاۃ کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے اور اگر وہ اس کی طرف سے تاوان دے چکا ہو تو منتقل نہیں کر سکتا کیونکہ اب دوسرے کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

جنایات کا بیان

اَلْقَتْلُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ عَمْدٌ وَشِبْهُ عَمْدٍ وَخَطَاءٌ وَمَا اُجْرِىَ
قتل پانچ قسم پر ہے، قتل عمد قتل شبہ عمد قتل خطاء قتل جاری

مَجْرَى الْخَطَاءِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ فَالْعَمْدُ مَاتَعَمَّدَضَرْبَهٗ بِسَلَاحٍ اَوْمَااُجْرِىَ مَجْرَى السِّلَاحِ
مجرائے خطاء اور قتل بالسبب، پس قتل عمدیہ ہے کہ مارنے کا ارادہ کرے ہتھیار سے یا جو قائم مقام ہو ہتھیار کے

فِى تَفْرِيْقِ الْاَجْزَاءِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ وَالْحَجَرِ وَالنَّارِ وَ مُوْجَبُ ذٰلِكَ الْمَاْثَمُ وَالْقَوَدُ
ٹکڑے کر دینے میں جیسے دھار دار لکڑی یا پتھر یا آگ، اس کی سزا گناہ ہے اور قصاص

اِلَّا اَنْ يَّعْفُوَالْاَوْلِيَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ وَشِبْهُ الْعَمْدِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَنْ يَّتَعَمَّدَ
مگر یہ کہ معاف کر دیں مقتول کے اولیاء، اور اس میں کفارہ نہیں اور شبہ عمد امام صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ ارادہ کرے

الضَّرْبَ بِمَالَيْسَ بِسَلَاحٍ وَّلَامَا اُجْرِىَ مَجْرَاهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ شِبْهُ الْعَمْدِ اَنْ يَّتَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِمَا
مارنے کا ایسی چیز سے جو نہ ہتھیار ہے نہ اس کے قائم مقام صاحبین فرماتے ہیں کہ شبہ عمدیہ ہے کہ ارادہ کرے مارنے کا ایسی چیز

لَايُقْتَلُ بِهٖ غَالِبًا وَّمُوْجَبُ ذٰلِكَ عَلَى الْقَوْلَيْنِ الْمَاْثَمُ وَالْكَفَّارَةُ وَلَا قَوَدَفِيْهِ وَفِيْهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ
سے جس سے آدمی نہیں مرتا اکثر، اس کی سزا دونوں قولوں پر گناہ ہے اور کفارہ، اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت مغلظہ ہے

عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْخَطَاءُ عَلٰى وَجْهَيْنِ خَطَاءٌ فِى الْقَصْدِ وَهُوَاَنْ يَّرْمِىَ شَخْصًا يَظُنُّهٗ صَيْدًا فَاِذَا هُوَ
عاقلہ پر، قتل خطاء دو قسم پر ہے، خطاء فی القصد اور وہ یہ ہے کہ تیر مار دے کسی کو شکار سمجھ کر اور ہو وہ

اٰدَمِىٌّ وَخَطَاءٌ فِى الْفِعْلِ وَ هُوَاَنْ يَّرْمِىَ غَرَضًا فَيُصِيْبُ اٰدَمِيًّاوَمُوْجَبُ ذٰلِكَ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى
آدمی اور خطاء فی الفعل اور وہ یہ ہے کہ تیر چلائے نشانہ پر اور وہ لگ جائے آدمی کے، اس کی سزا کفارہ ہے اور عاقلہ پر

الْعَاقِلَةِ وَلَا مَاْثَمَ فِيْهِ وَمَا اُجْرِىَ مَجْرَى الْخَطَاءِ مِثْلَ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلٰى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهٗ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ
دیت ہے، اس میں گناہ نہیں اور قتل جاری مجرائے خطاء مثلاً سونے والا کروٹ لے لے کسی پر اور اس کو مار ڈالے اس کا حکم

الْخَطَاءِ وَاَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِوَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِىْ غَيْرِ مِلْكِهٖ وَ مُوْجَبُهٗ اِذَا تَلِفَ فِيْهِ
قتل خطاء کا سا ہے، قتل بالسبب جیسے کنواں کھودنے اور پتھر رکھنے والا دوسرے کی ملک میں، اس کی سزا جب اس سے آدمی تلف

اٰدَمِىٌّ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ
ہو دیت ہے عاقلہ پر اور کفارہ نہیں اس میں

توضیح اللغۃ جنایات۔ جمع جنایۃ۔ قصور، عمد۔ ارادہ، سلاح۔ ہتھیار، محدد۔ تیز دھار دار، خشب۔ لکڑی، ماثم۔ گناہ، قود۔ قصاص، اولیاء۔ جمع ولی، دیۃ۔ خونبہا، عاقلہ۔ کنبے کے لوگ، رمی رمیًا۔ تیر مارنا، صید۔ شکار، حافر۔ کھودنے والا، البئر۔ کنواں۔

۱؎ سنن اربعہ، حاکم عن تمیم الداری، احمد، ابن ابی شیبہ، دارمی، دارقطنی (منقطعا) بخاری (تعلیقا) ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الجنایات الخ جنایات لغۃً فعل بد کو کہتے ہیں۔ اصطلاح فقہاء میں اس فعل ممنوع کا نام ہے جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور آنکھ پر واقع ہو۔

قولہ علیٰ خمسۃ اوجہ الخ جس قتل سے آئندہ احکام متعلق ہیں وہ پانچ قسم پر ہے۔ قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطاء، جاری مجرائے خطاء اور قتل بالسبب۔ قتل عمد وہ ہے جس میں آدمی کو مار ڈالنا مقصود ہو ہتھیار سے ہو جیسے تلوار، چھری وغیرہ یا کسی ایسی نوکدار چیز سے ہو جو تفریق اجزاء میں ہتھیار کا کام کرتی ہو جیسے نوکدار لکڑی، پتھر، آگ وغیرہ اس قتل کا موجب گناہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ہ جہنم" جو قتل کرے مومن کو جان کر اس کا بدلہ جہنم ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر اہل زمین و آسمان کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ ان سب کو منہ کے بل آگ میں ڈال دے[1]" دوسرا موجب عین قصاص ہے بالزوم مال، امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اولیاء مقتول قصاص اور خون بہا لینے میں مختار ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" میں قتل عمد مراد ہے کیونکہ قتل خطاء میں دیت واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ "ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اہلہ" نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "العمد القود[2]" یعنی قتل عمد کا موجب قصاص ہے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے پس ظاہر آیت قصاص میں گو قتل عمد اور قتل خطاء کی تخصیص نہیں لیکن یہ حدیث مشہور اسکے لئے مخصص ہے۔

قولہ والکفارۃ فیہ الخ ہمارے یہاں قتل عمد میں کفارہ نہیں، امام شافعی کے ہاں ہے کیونکہ قتل خطاء کی بہ نسبت اس میں کفارہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قتل عمد خالص گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ میں عبادت کے معنی ہیں تو قتل عمد مربوط بکفارہ نہیں ہوسکتا۔ ولقولہ علیہ السلام "خمس من الکبائر لا کفارۃ فیہن منہا قتل النفس بعمد[3]"۔

قولہ وشبہ العمد الخ امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو اجزائے بدن کی تفریق نہ کرے گو سنگ عظیم یا عصاء کبیر ہو۔ صاحبین اور امام شافعی کے ہاں شبہ عمد یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ شبہ عمد کیا ہے قتل تو دو ہی ہیں، قتل عمد اور قتل خطاء۔ امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے "الا ان دیۃ الخطاء شبہ العمد ما کان بالسوط والعصاء مائۃ من الابل منہا اربعون فی بطونہا اولادہا[4]" اس کا موجب گناہ کفارہ اور قاتل کی مددگار برادری پر دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں ۲۵ ایک سالہ ہوں ۲۵ دو سالہ، ۲۵ سہ سالہ، ۲۵ چہار سالہ و سیئاتی۔

قولہ والخطاء الخ تیسری قسم قتل خطاء ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ خطاء فی القصد کہ فاعل نے ایک شخص کے تیر مارا جس کو وہ شکار سمجھ رہا تھا مگر وہ آدمی تھا، اور خطاء فی الفعل کہ فاعل نے نشانہ پر تیر مارا اور وہ کسی آدمی کے لگ گیا۔ چوتھی قسم جاری مجریٰ خطاء ہے مثلاً ایک آدمی سو رہا تھا اس نے کروٹ لی اور کوئی دوسرا آدمی کروٹ میں آ کر مر گیا۔ ان دونوں کا موجب کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے مثلاً کسی نے حاکم کی اجازت کے بغیر غیر کی ملک میں کنواں کھودا یا پتھر رکھ دیا اس سے کوئی مر گیا، اس کا موجب دیت ہے کفارہ نہیں ہے۔

وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَى التَّأْبِيْدِ اِذَا قَتَلَ عَمَدًا وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ

قصاص واجب ہے ہر دائمی محفوظ الدم کو قتل کرنے سے جب قتل کرے عمداً اور قتل کیا جائے گا آزاد کو آزاد کے

الْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَالْعَبْدُ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُسْتَأْمَنِ وَ

بدلے اور آزاد و غلام کے بدلے اور غلام کو آزاد کے بدلے اور غلام کو غلام کے بدلے اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں نہ قتل کیا جائے مسلمان کو مستامن کے بدلہ میں

---

[1] ترمذی، حاکم عن الخدری، طبرانی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ، دارقطنی، طبرانی عن ابن عباس ۱۲۔ [3] حاشیہ اعزازیہ ۱۲۔ [4] ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن ابی عمر، عبداللہ ابن عمرو۔

يُقتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ وَلَايُقتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِه وَلَا بِعَبْدِه وَلَا بِمُدَبَّرِه وَلابِمُكَاتَبِه وَلا
اور قتل کیا جائے گا مرد کو عورت کے بدلے میں نہ کہ آدمی کو اس کے بیٹے غلام مدبر مکاتب اور
بِعَبْدِ وَلَدِهٖ وَمَنْ وَّرِثَ قِصَاصًا عَلٰى اَبِيْهِ سَقَطَ وَلَا يُسْتَوْفَى الْقِصَاصُ اِلَّا بِالسَّيْفِ
بیٹے کے غلام کے بدلے میں، جو شخص وارث ہو جائے باپ پر قصاص کا تو ساقط ہو جائے گا، نہیں لیا جائے گا قصاص مگر تلوار سے

ان لوگوں کا بیان جن سے قصاص لیا جاتا ہے یا نہیں لیا جاتا۔

تشریح الفقہ قولہ والقصاص واجب الخ قصاص ہر دائمی محفوظ الدم کو عمداً قتل کرنے سے واجب ہوتا ہے، وجوب سے مراد ثبوت استیفاء ہے پس یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ قصاص معاف کر دینا تو مندوب ہے اور مندوب ہونا وجوب کے منافی ہے۔ محقون الدم کی قید سے مباح الدم نکل گیا جیسے زانی محض، حربی کافر، مرتد، تابید کی قید سے مستامن نکل گیا کہ اس کا خون تا قیام دارالاسلام محفوظ ہے کہ نہ ہمیشہ کے لیے۔

قولہ و یقتل الحر الخ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ مقتول آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان ہوگا کیونکہ آیت ''الحر بالحر و العبد بالعبد'' مقابلہ عبد بالعبد مقابلہ جنس بالجنس ہے۔ جس کا مقتضاء یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں نہ مارا جائے نیز بناء قصاص مساوات پر ہے اور آزاد و غلام میں کوئی مساوات نہیں کیونکہ آزاد مالک ہوتا ہے اور غلام مملوک اور مالکیت علامت قدرت ہے اور مملوکیت امارۂ عجز۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے قال اللہ تعالی ''النفس بالنفس'' (جان کو جان کے بدلے میں قتل کیا جائے) اس میں آزاد اور غلام کی کوئی قید نہیں۔ تو یہ آیت ''الحر بالحر اھ'' کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر در منثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح آیت ''کتب علیکم القصاص فی القتلی'' میں قتلی (مقتول) عام ہے اور ''ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لو لیہ سلطانا'' میں من قتل بصیغۂ تعمیم ہے۔ احادیث صحیحہ ''العمد القود'' وغیرہ میں بھی عموم ہے۔ رہا ائمہ ثلاثہ کا مقابلہ مذکورہ سے استدلال سو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں تخصیص ذکری ہے جو ماسوا کی نفی نہیں کرتی پس اس تخصیص سے غلام کے بدلے میں قتل آزاد کی نفی نہیں ہوتی اور نہ لازم آئے گا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ آیت میں انثی کا مقابلہ انثی کے ساتھ ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

قولہ والمسلم بالذمی الخ مسلمانوں کو ذمی کے بدلے میں مارا جائے گا، امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ''لا یقتل مؤمن بکافر''[1] ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا اور فرمایا ''انا اکرم من و فی ذمتہ''[2] اس کا مدار ابن البیلمانی پر ہے جس کو ابن حبان نے ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے نیز یہ مضمون حدیث حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ کے آثار سے مؤید ہے اور امام شافعی کے مستدل میں کافر سے مراد حربی کافر ہے کیونکہ حدیث میں اس پر ''ولا ذو عہد فی عہدہ'' کا عطف ہے اور عطف مقتضی مغایرت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے ''ولا یقتل ذو عہد بکافر'' اور ذمی کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنا مجمع علیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی ہے۔

قولہ ولا یقتل الرجل الخ بیٹے کے قتل میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ولد کے بدلے

---

[1] بخاری، ابوداؤد، نسائی عن علی، ابوداؤد، ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، بخاری (فی تاریخہ) عن عائشہ ۱۲۔ [2] دارقطنی، بیہقی عن ابن عمرو (مسندا) ابوداؤد، عبدالرزاق شافعی، دارقطنی عن عبدالرحمن بن البیلمانی، ابوداؤد عن عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح الحضرمی (مرسلا) ۱۲۔

میں والد سے قصاص نہیں لیا جائے گا[1] امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے اپنے بچہ کو قصداً قتل کیا تو قصاص لیا جائے گا اور اگر بلا ارادہ قتل تلوار یا چھری وغیرہ پھینک ماری تو قصاص نہیں جائے گا مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

قولہ ولا بعبدہ الخ اگر کوئی اپنے غلام کو مار ڈالے تو قصاص نہ ہوگا کیونکہ وہ اسی کا مال ہے اور آدمی پر اپنا مال تلف کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا نیز اپنے مدبر اور مکاتب غلام کے مارنے میں بھی قصاص نہیں ہے کیونکہ مدبر اس کا مملوک ہے اور مکاتب جب تک بدل کتابت ادا نہ کر لے غلام ہی رہتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنے بیٹے کے غلام کو قتل کر دے تو اس پر بھی قصاص نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی ملک کے حکم میں ہے' قال علیہ السلام' انت ومالک لابیک''

قولہ ومن ورث الخ اگر بیٹا باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے مثلاً باپ نے اپنے خسر کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی (جو قاتل کی زوجہ ہے) کے علاوہ اور کوئی اس کا وارث نہیں پھر وہ عورت بھی مرگئی تو اس عورت کا بیٹا جو قاتل کے نطفہ سے ہے اس قصاص کا وارث ہوا جو اس کے باپ پر واجب ہے تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ بیٹا باپ پر مستوجب عقوبت نہیں ہے۔

قولہ ولا یستوفی الخ ہمارے ہاں قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا گو قاتل نے مقتول کو تلوار کے علاوہ کسی اور ہتھیار سے قتل کیا ہو۔ امام شافعی کے ہاں قاتل کے ساتھ وہی فعل کیا جائے گا جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل مشروع ہو۔ امام مالک' امام احمد اور اصحاب ظاہر بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے انصاری عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہودی کا سر بھی اسی طرح کچلا جائے[2]'' ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' قصاص نہیں مگر تلوار سے[3]' اور یہودی کا سر کچلنا بطریق سیاست تھا نہ کہ بطریق قصاص کیونکہ یہ یہودی مشہور فسادی شخص تھا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَاقُتِلَ الْمُكَاتَبُ عَمَدًا وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ اِلَّا الْمَوْلٰى فَلَهُ الْقِصَاصُ اِنْ لَّمْ يَتْرُكْ وَفَاءً وَاِنْ
جب قتل کر دیا گیا مکاتب عمداً اور اس کا کوئی وارث نہیں آقا کے سوا تو اس کے لئے قصاص کا حق ہے اگر نہ چھوڑے مکاتب مال اور اگر

تَرَكَ وَفَاءً وَّوَارِثُهٗ غَيْرُ الْمَوْلٰى فَلَا قِصَاصَ لَهُمْ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا مَعَ الْمَوْلٰى وَاِذَا قُتِلَ عَبْدُ
مال چھوڑ دے اور اس کا وارث ہے آقا کے علاوہ تو ان کو قصاص کا حق نہیں گو مل جائیں یہ آقا کے ساتھ جب قتل کر دیا گیا

الرَّهْنِ لَايَجِبُ الْقِصَاصُ حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمَدًا فَلَمْ
مرہون غلام تو نہیں واجب ہو گا قصاص یہاں تک کہ جمع ہو راہن اور مرتہن، جس نے زخمی کیا کسی کو قصداً اور

يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ
وہ صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص واجب ہے

مسئلہ قتل مکاتب مع صور اربعہ ومسئلہ عبد مرہون

تشریح الفقہ قولہ واذا قتل المکاتب الخ مسئلہ قتل مکاتب کی چار صورتیں ہیں۔ ا۔ مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور وہ بدل کتابت اور آقا کو

[1] ترمذی' ابن ماجہ' احمد' ابن حمید عن عمر' ترمذی' ابن ماجہ' بزار' حاکم' دارقطنی' بیہقی عن ابن عباس' ترمذی' دارقطنی عن سراقہ بن مالک۔ (بالفاظ) ۱۲ [2] صحیحین عن انس ۱۲۔

[3] ابن ماجہ' بزار' دارقطنی' بیہقی' ابن عدی عن ابی بکرہ۔ (مرفوعا) احمد' ابن ابی شیبہ عن الحسن' ابن ماجہ عن النعمان بن بشیر' طبرانی' دارقطنی' ابن عدی عن ابی ہریرۃ' دارقطنی عن

چھوڑ کر مرا۔۲۔آقا کے علاوہ کوئی اور وارث چھوڑا۔۳۔آقا کے علاوہ نہ کوئی وارث چھوڑا نہ بدل کتابت۔۴۔بدل کتابت وارث اور آقا سب چھوڑے۔ان میں سے نمبر ایک میں شیخین کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔امام محمد کے نزدیک نہیں جائے گا وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سبب استحقاق مختلف ہے اس واسطے کہ اگر مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے تو تب تو سبب استحقاق ولاء ہے اور اگر غلامی کی حالت میں مرا ہے تو ملک ہے پس اشتباہ حال کی وجہ سے آقا قصاص کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اختلاف سبب اختلاف مستحق کے حکم میں ہوتا ہے۔شیخین یہ فرماتے ہیں کہ بہر دو تقدیر مستحق قصاص بالیقین آقا ہی ہے اور حکم بھی متحد و معلوم ہیا س لئے اختلاف سبب مضر نہیں کیونکہ سبب لذاتہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے نمبر دو اور تین میں آقا بالاتفاق مستحق قصاص ہے کیونکہ جب مکاتب بدل کتابت چھوڑے بغیر مرگیا تو کتابت فسخ ہوگئی اور وہ غلامی کی حالت میں مرا لہذا اس کا آقا قصاص لے گا۔نمبر ۴ میں بالاجماع قصاص نہیں کیونکہ اس مکاتب کے آزاد یا غلام ہو کر مرنے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ و ابن مسعودؓ کے نزدیک وہ آزاد مرا ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک غلامی کی حالت میں مرا ہے اگر پہلی صورت ہو تو ولی قصاص وارث ہوگا اور ثانی صورت ہو تو ولی قصاص آقا ہوگا پس اس اشتباہ کی بناء پر ولی متعین نہ ہونے کی وجہ سے قصاص مرتفع ہوگیا۔

قولہ عبد الرھن الخ جب تک راہن و مرتہن دونوں موجود نہ ہوں اس وقت تک مرہون غلام کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ مرتہن تو اس کا مالک نہیں جو قصاص کا مستحق ہو اور راہن بذات خود قصاص لے تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اس لئے دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے تا کہ مرتہن کا حق اس کی رضامندی سے ساقط ہو جائے۔امام محمد کے ہاں عبد مرہون کے بدلے میں قصاص ہی نہیں۔گو راہن و مرتہن دونوں موجود ہوں۔امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت اسی کے مثل ہے۔وفی الشرنبلالیہ عن الظھیریۃ انہ اقرب الی الفقہ۔

وَمَنْ قَطَعَ يَدَرَجُلٍ عَمَدًا مِنَ الْمَفْصَلِ قُطِعَتْ يَدُهُ وَ كَذٰلِكَ الرِّجْلُ وَ مَارِنُ الْاَنْفِ وَ

جس نے کسی کا ہاتھ کاٹا قصداً پہنچے سے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا' اسی طرح پاؤں' نرمہ بینی اور

الْاُذُنِ وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ فَاِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَّذَهَبَ ضَوْءُ هَا

کان کا حکم ہے' اور جس نے مارا کسی کی آنکھ پر اور اس کو نکال ڈالا تو اس پر قصاص نہیں پس اگر آنکھ قائم ہو اور اس کی روشنی جاتی رہے

فَعَلَيْهِ الْقِصَاصَ تُحْمٰى لَهُ الْمِرْاٰة وَيُجْعَلُ عَلٰى وَجْهِهٖ قُطْنٌ رَطْبٌ وَتُقَابَلُ عَيْنُهُ بِالْمِرْاٰةِ حَتّٰى

تو اس پر قصاص ہے اس کے لئے شیشہ گرم کیا جائے اور چہرے پر تر روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے سامنے شیشہ کیا جائے یہاں تک

يَذْهَبَ ضَوْءُ هَا وَ فِي السِّنِّ الْقِصَاصُ وَ فِي كُلِّ شَجَّةٍ يُمْكِنُ فِيْهَا الْمُمَاثَلَةُ الْقِصَاصُ وَلَا قِصَاصَ

کہ اس کی روشنی جاتی رہے' دانت میں قصاص ہے' ہر زخم میں جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص ہے' ہڈی میں قصاص

فِي عَظْمٍ اِلَّا فِي السِّنِّ وَلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمَدٍاِنَّمَا هُوَ عَمَدٌ اَوْخَطَاءٌ وَلَا قِصَاصَ بَيْنَ

نہیں سوائے دانت کے، جان کے ماسوا میں شبہ عمد نہیں ہے وہ تو عمد ہے یا خطاء' قصاص نہیں

الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ وَلَابَيْنَ الْحُرِّوَالْعَبْدِ وَلَابَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي

مرد و عورت کے درمیان جان کے ماسوا میں اور نہ آزاد و غلام اور دو غلاموں کے درمیان' واجب ہے قصاص

الْاَطْرَافِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَ مَنْ قَطَعَ يَدَرَجُلٍ مِّنْ نِّصْفِ السَّاعِدِ اَوْجَرَحَهُ جَائِفَةً فَبَرَأَمِنْهَا

اعضاء میں مسلم و کافر کے درمیان' جس نے کسی کا ہاتھ کاٹا نصف پہنچے سے یا زخم لگایا پیٹ تک اور وہ اس سے

فَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ

اچھا ہو گیا تو اس پر قصاص نہیں ہے

جان کے علاوہ کے قصاص کا بیان

تشریح الفقہ قولہ قطع ید رجل الخ قصاص اطراف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جہاں اعضاء ظالم ومظلوم کے نقصان کی برابری ممکن ہو وہاں قصاص ہوگا اور جہاں ممکن نہ ہو وہاں قصاص نہ ہوگا۔ تو اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ عمداً کہنی کے جوڑ سے کاٹ دیا تو قاطع کا ہاتھ بھی وہیں سے کاٹا جائے گا اور اگر دوسرے کا نرمہ بینی یا پاؤں یا کان جوڑ سے کاٹ دیا تو اس کا بھی وہیں سے کاٹا جائے گا۔

قولہ فقلعھا الخ اگر کسی نے دوسرے کی آنکھ پر مار کر گوشہ چشم سے نکال ڈالی تو قصاص نہیں کیونکہ رعایت مساوات متعذر ہے اور اگر آنکھ بیٹھی نہیں قائم ہے صرف اس کی روشنی جاتی رہی تو قصاص ہوگا کیونکہ رعایت مماثلت ممکن ہے۔ بایں طور کہ ضارب کے منہ پر بھیگی ہوئی روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے مقابل گرم آئینہ رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی روشنی زائل ہو جائے یہ حکم خلافت عثمانی میں علیؓ مرتضی کی تجویز سے بحضور صحابہ کرامؓ ہوا تھا۔

قولہ بین الرجل والمرأۃ الخ اگر کوئی مرد عورت کا یا آزاد آدمی غلام کا، یا ایک غلام دوسرے غلام کا ہاتھ یا پیر کاٹ ڈالے تو ہمارے ہاں ان پر قصاص نہیں۔ ائمہ ثلاثہ اور ابن ابی لیلی کے ہاں ان سب میں قصاص ہے کیونکہ ان سب کے ہاں ہر اس موضع میں جس میں جانوں کے درمیان قصاص ہوتا ہے وہاں اطراف میں بھی قصاص ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اطراف کے ساتھ اموال کا سا برتاؤ ہوتا ہے اس لئے مماثلت شرط ہے اور مذکورین کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے۔ بدلیل اختلاف الدیۃ و القیمۃ باختلاف النفس۔

وَاِذَا كَانَ يَدُالْمَقْطُوْعِ صَحِيْحَةً وَيَدُالْقَاطِعِ شَلَّاءَ اَوْنَاقِصَةَ الْاَصَابِعِ فَالْمَقْطُوْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ
اگر مقطوع کا ہاتھ صحیح سالم ہو اور قاطع کا ہاتھ شل ہو یا انگلیاں ناقص ہوں تو مقطوع کو اختیار ہے

شَاءَ قَطَعَ الْيَدَالْمَعِيْبَةَ وَلَا شَيْئَ لَهٗ غَيْرُهَا وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلًا وَّمَنْ شَجَّ رَجُلًا
چاہے معیوب ہاتھ کٹوائے تو اس کے لئے اور کچھ نہ ہو گا اور چاہے پوری دیت لے لے جس نے زخمی کیا کسی کو

فَاسْتَوْعَبَتِ الشَّجَّةُ مَابَيْنَ قَرْنَيْهِ وَهِيَ لَا تَسْتَوْعِبُ مَابَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ فَالْمَشْجُوْجُ بِالْخِيَارِ اِنْ
پس گھیر لیا زخم نے اس کے سر کی دونوں جانبوں کو اور وہی زخم نہیں گھیرتا زخم لگانے والے کے سر کی جانبوں کو تو زخمی کو اختیار ہے

شَاءَ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ يَبْتَدِئُ مِنْ اَيِّ الْجَانِبَيْنِ شَاءَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلًا وَّ
چاہے قصاص لے اپنے زخم کی مقدار جس طرف سے چاہے شروع کرے اور چاہے پوری دیت لے لے اور

لَاقِصَاصَ فِي اللِّسَانِ وَلَا فِي الذَّكَرِ اِلَّا اَنْ يَّقْطَعَ الْحَشْفَةَ وَاِذَا اصْطَلَحَ الْقَاتِلُ اَوْلِيَاءَ
قصاص نہیں ہے زبان میں اور نہ عضو تناسل میں الا یہ کہ کاٹ دے حشفہ جب صلح کر لے قاتل اولیاء

الْمَقْتُوْلِ عَلٰى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيْلًا كَانَ اَوْكَثِيْرًا فَاِنْ عَفٰى اَحَدُ الشُّرَكَاءِ
مقتول سے کچھ مال پر تو ساقط ہو جائے گا قصاص اور واجب ہو گا مال کم ہو یا زائد پس اگر معاف کر دے کوئی شریک

مِنَ الدَّمِ اَوْ صَالَحَ مِنْ نَّصِيْبِهٖ عَلٰى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ مِنَ الْقِصَاصِ وَ كَانَ لَهُمْ
خون یا صلح کر لے اپنے حصہ کی طرف سے کسی عوض پر تو ساقط ہو جائے گا باقی لوگوں کا حق قصاص سے اور ہو گا

نَصِیْبُھُمْ مِّنَ الدِّیَةِ وَاِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَّاحِدًا اُقْتُصَّ مِنْ جَمِیْعِھِمْ وَاِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً

ان کا حصہ دیت سے، جب قتل کیا جماعت نے ایک کو تو قصاص لیا جائے گا ان سب سے اگر قتل کیا ایک نے جماعت کو

فَحَضَرَ اَوْلِیَاءُ الْمَقْتُوْلِیْنَ قُتِلَ لِجَمَاعَتِھِمْ وَلَا شَیْءَ لَھُمْ غَیْرَ ذٰلِکَ وَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِّنْھُمْ

پس حاضر ہو گئے اولیاء مقتولین تو قتل کیا جائے گا اس کو سب کے لئے اور کچھ نہ ہو گا ان کے لئے اس کے ماسوا' اور اگر ان میں سے کوئی ایک حاضر ہوا

قُتِلَ لَہٗ وَ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِیْنَ وَمَنْ وَّجَبَ عَلَیْہِ الْقِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَاِذَا قَطَعَ

تو اس کے لئے قتل کیا جائے گا اور باقی لوگوں کا حق ساقط ہو جائے گا' جس پر قصاص واجب تھا وہ مر گیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا دو آدمیوں نے

رَجُلَانِ یَدَرَجُلٍ فَلَا قِصَاصَ عَلٰی وَاحِدٍ مِنْھُمَا وَ عَلَیْھِمَا نِصْفُ الدِّیَةِ وَاِنْ قَطَعَ وَاحِدٌیَمِیْنَیِ رَجُلَیْنِ

ایک کا ہاتھ کاٹ دیا تو ان میں سے کسی پر قصاص نہ ہو گا بلکہ نصف دیت ہو گی' اگر ایک نے دو کے داہنے ہاتھ کاٹے

فَحَضَرَا فَلَھُمَا اَنْ یَّقْطَعَا یَمِیْنَہٗ وَیَاخُذَا مِنْہُ نِصْفَ الدِّیَةِ یَقْتَسِمَانِھَا نِصْفَیْنِ وَاِنْ حَضَرَ

اور وہ دونوں حاضر ہو گئے تو دونوں اس کا ہاتھ کاٹیں یا نصف دیت لے کر آدھی آدھی تقسیم کر لیں اور اگر ان میں

وَاحِدٌ مِّنْھُمَا قَطَعَ یَدَہٗ وَلِلْاٰخَرِ عَلَیْہِ نِصْفُ الدِّیَةِ وَاِذَااَقَرَّا الْعَبْدُ بِقَتْلِ الْعَمَدِ لَزِمَہُ الْقَوَدُ وَمَنْ

سے ایک آیا تو اس کا ہاتھ کاٹے اور دوسرا نصف دیت لے جب اقرار کرے غلام قتل عمد کا تو لازم ہو گا اس پر قصاص

رَمٰی رَجُلًا عَمَدًا فَنَفَذَ السَّھْمُ مِنْہُ اِلٰی اٰخَرَفَمَاتَا فَعَلَیْہِ الْقِصَاصُ لِلْاَوَّلِ وَالدِّیَةُ لِلثَّانِیْ عَلٰی عَاقِلَتِہٖ

کسی نے ایک آدمی کے تیر مارا قصداً وہ اس سے پار ہو کر دوسرے کے لگ گیا اور دونوں مر گئے تو اول کے لئے قصاص ہو گا اور دوسرے کے لئے دیت اس کے عاقلہ پر

قصاص کے باقی احکام

توضیح اللغۃ شلاء۔لنجا' معیبہ۔عیب دار'ارش۔دیت'شج۔زخم لگایا'شجہ۔زخم' قرینہ۔قرن کا تثنیہ ہے انسان کے سر کا وہ حصہ جہاں پر جانور کے سینگ نکلتا ہے'حشفہ۔عضو تناسل کی سپاری'اصطلح۔صلح کر لی'نفذ۔آر پار ہو گیا'سہم۔تیر۔

تشریح الفقہ قولہ شلاء الخ اگر قاطع ید لنجا یا ناقص الاطراف ہو تو مقطوع الید کو اختیار ہے قصاص لے یا دیت کیونکہ یہاں استیفاء حق علی وجہ الکمال متعذر ہے۔شیخ برہان الدین نے ذکر کیا ہے کہ اختیار اس وقت ہے جب لنجے ہاتھ سے نفع حاصل ہوتا ہے ورنہ وہ محل قصاص نہیں لہذا مقطوع کے لئے پوری دیت متعین ہو گی فتویٰ اسی پر ہے۔(کذا فی المجتبیٰ)

قولہ اذا اصطلح الخ زید نے عمرو کو قتل کیا عمرو کے چند ورثہ ہیں جن میں سے بعض نے قصاص معاف کر دیا یا اپنے حصے کی جانب سے کچھ مال پر صلح کر لی تو سب کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور باقی ورثہ کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔اب جن ورثہ نے نہ قصاص معاف کیا نہ صلح کی وہ اپنا حصہ دیت سے پائیں گے۔

قولہ واذا قتل جماعۃ الخ ایک شخص کو جماعت نے مل کر قتل کیا اور ہر ایک نے کاری زخم لگایا تو ایک کے بدلے میں پوری جماعت قتل کی جائے گی۔ابن الزبیر اور زہری کے ہاں جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ سب پر دیت واجب ہو گی کیونکہ آیت ''النفس بالنفس'' کا مفہوم یہی ہے کہ ایک کے بدلے میں ایک سے زائد کو قتل نہ کیا جائے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک کے بدلے میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا

اور فرمایا کہ اگر اہل صنعا اس کے قتل پر متفق ہوتے اور امداد کرتے تو میں ان سب کو قتل کرتا[1]۔

قوله واذا قتل واحد الخ اگر ایک شخص نے جماعت کو قتل کر ڈالا تو جماعت کے بدلے میں میں اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس ایک کے قتل میں سب کی کفایت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں قاتل جماعت اول مقتول کے لئے ہوگا اور باقیوں کے لئے مال واجب ہوگا اور اگر اول معلوم نہ ہو تو سب کے لئے قتل ہوگا اور دیات ان کے درمیان تقسیم ہوں گی۔ پھر اگر مقتولین میں سے کسی ایک کے اولیاء حاضر ہوں تو قاتل ان کے لئے قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولین کے اولیاء کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا جیسے قاتل کے اپنی موت مر جانے سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

قوله واذا قطع رجلان الخ دو آدمیوں نے چھری لے کر ایک شخص کے ہاتھ پر چلائی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا تو ہمارے ہاں ان میں سے کسی ایک پر بھی قصاص نہ ہوگا البتہ دونوں پر ہاتھ کی دیت کا تاوان ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں جیسے چند آدمی قتل کر دیں تو سب کو قتل کیا جاتا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ان میں سے ہر ایک قاطع ہے کیونکہ قطع ید کا وقوع دونوں کی قوت سے ہوا ہے اور محل یعنی ہاتھ قسمت پذیر ہے تو ہر ایک کی طرف بعض قطع مضاف ہوگا پس ایک ہاتھ اور دو ہاتھوں میں مساوات نہیں ہو سکتی بخلاف قتل نفس کے کہ وہ ہر ایک کی طرف بطریق کمال مضاف ہے۔

قوله القصاص للاول الخ وجہ یہ ہے کہ پہلا قتل قتل عمد ہے اس لئے اس میں قصاص واجب اور دوسرا قتل قتل خطاء میں داخل ہے اور قتل خطاء میں دیت لازم ہوتی ہے۔

كِتَابُ الدِّيَاتِ

دیت کا بیان

اِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا شِبْهَ عَمَدٍ فَعَلٰی عَاقِلَتِهٖ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَ عَلَيْهِ
جب قتل کیا کسی نے ایک کو شبہ عمد سے تو اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے اور قاتل پر

كَفَّارَةٌ وَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ اَرْبَاعًا
کفارہ اور شبہ عمد کی دیت شیخین کے نزدیک ایک سو اونٹ ہیں چار طرح کے

خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَّ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّ خَمْسٌ وَّ عِشْرُوْنَ حِقَّةً وَ خَمْسٌ
یعنی پچیس بنت مخاض (اونٹنی جو دوسرے سال میں ہو) اور پچیس بنت لبون (جو تیسرے سال میں ہو) پچیس حقے (جو چوتھے برس میں ہوں)

وَّعِشْرُوْنَ جَذْعَةً وَّلَا يَثْبُتُ التَّغْلِيْظُ اِلَّا فِی الْاِبِلِ خَاصَّةً فَاِنْ قَضٰی بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْاِبِلِ
پچیس جذعے (جو پانچویں برس میں ہوں) اور دیت مغلظہ اونٹوں ہی میں ہوتی ہے، اگر ادا کی دیت اونٹ کے علاوہ سے

لَمْ تَتَغَلَّظْ وَ قَتْلُ الْخَطَاءِ يَجِبُ فِيْهِ الدِّيَةُ عَلَی الْعَاقِلَةِ وَالْكَفَّارَةُ عَلَی الْقَاتِلِ وَالدِّيَةُ فِی الْخَطَاءِ
تو وہ مغلظہ نہ ہو گی، قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے دیت عاقلہ پر اور کفارہ قاتل پر، دیت قتل خطاء میں

مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ اَخْمَاسًا عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَ عِشْرُوْنَ ابْنُ مَخَاضٍ وَّ عِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّ
سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے، بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض (اونٹ جو دوسرے برس میں ہو) بیس بنت لبون

[1] مالک، محمد، شافعی، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، دار قطنی ۱۲۔

عِشْرُوْنَ حِقَّةٌ وَّ عِشْرُوْنَ جَذْعَةٌ وَّمِنَ الْعَيْنِ اَلْفُ دِيْنَارٍ وَّمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ اٰلافٍ وَّلَاتَثْبُتُ
اور بیس حقے اور بیس جذعے اور سونے سے ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار درہم ثابت

الدِّيَةُ اِلَّامِنْ هٰذِهِ الْاَنْوَاعِ الثَّلٰثَةِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ قَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰه مِنْهَا وَمِنَ
نہیں ہوتی دیت مگر انہیں تین قسموں سے امام صاحب کے نزدیک، صاحبین فرماتے ہیں کہ ان سے اور

الْبَقَرِمِائَتَا بَقَرَةٍ وَّمِنَ الْغَنَمِ اَلْفَاشَاةٍ وَّمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ
گائے سے دو سو گائیں بکری سے دو ہزار بکریاں اور حلوں سے دو سو حلے ہر حلہ دو کپڑوں کا مسلم

وَالذِّمِّىِّ سَوَاءٌ وَّ فِى النَّفْسِ الدِّيَةُ وَ فِى الْمَارِنِ الدِّيَةُ وَ فِى اللِّسَانِ الدِّيَةُ وَ فِى الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَ فِى
اور ذمی کی دیت برابر ہے جان میں دیت ہے نرمہ بینی میں دیت ہے زبان میں دیت ہے عضو تناسل میں دیت ہے

الْعَقْلِ اِذَا ضَرَبَ رَاْسَهٗ فَذَهَبَ عَقْلُهٗ الدِّيَةُ وَ فِى اللِّحْيَةِ اِذَا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتِ الدِّيَةُ وَ فِى
عقل میں جب کسی کے سر پر مارنے سے عقل جاتی رہے دیت ہے ڈاڑھی میں جب مونڈی جائے اور نہ آگے دیت ہے

شَعْرِ الرَّاْسِ الدِّيَةُ وَ فِى الْحَاجِبَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِى الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِى الْيَدَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِى الرِّجْلَيْنِ
سر کے بالوں میں دیت ہے ابروؤں میں دیت ہے دونوں آنکھوں میں دیت ہے دونوں ہاتھوں میں دیت ہے دونوں

الدِّيَةُ وَفِى الْاُذُنَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِى الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِى الْاُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِىْ ثَدْيَىِ
پاؤں میں دیت ہے دونوں کانوں میں دیت ہے دونوں ہونٹوں میں دیت ہے دونوں خصیوں میں دیت ہے اور عورت کی

الْمَرْاَةِ الدِّيَةُ وَ فِى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَ فِى اَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَ فِىْ
دونوں چھاتیوں میں دیت ہے اور ان میں سے ہر ایک ایک میں نصف دیت ہے اور دونوں آنکھوں کی پلکوں میں دیت ہے اور

اَحَدِهِمَا رُبْعُ الدِّيَةِ وَ فِى كُلِّ اُصْبُعٍ مِّنْ اَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ عَشْرُالدِّيَةِ وَالْاَصَابِعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَكُلُّ
ان میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہے اور دونوں ہاتھوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے انگلیاں سب برابر

اُصْبُعٍ فِيْهَا ثَلٰثُ مَفَاصِلَ فَفِىْ اَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ الْاِصْبَعِ وَمَا فِيْهَا مِفْصَلَانِ فَفِىْ اَحَدِهِمَا نِصْفُ
ہیں ہر وہ انگلی جس میں تین گرہیں ہیں تو اس کی ایک گرہ میں انگلی کی تہائی دیت ہے اور جس میں دو گرہیں ہیں تو اس کی ایک گرہ میں انگلی کی

دِيَةِ الْاِصْبَعِ وَ فِىْ كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِّنَ الْاِبِلِ الْاَسْنَانُ وَالْاَضْرَاسُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَّمَنْ ضَرَبَ عُضْوًا
آدھی دیت ہے ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں دانت اورڈاڑھیں سب برابر ہیں جس نے عضو پر مار کر

فَاذْهَبَ مَنْفَعَتَهٗ فَفِيْهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ كَمَالَو قَطَعَهٗ كَالْيَدِ اِذَا شَلَّتْ وَالْعَيْنِ اِذَا ذَهَبَ ضَوْؤُهَا
اس کا نفع ختم کر دیا تو اس میں پوری دیت ہے جیسے اس کے کاٹ دینے میں ہے جیسے ہاتھ جب شل ہو جائے اور آنکھ جب اس کی روشنی جاتی رہے

توضیح اللغۃ دیات جمع دیت' خونبہا' عاقلہ۔ کنبے قبیلے کے لوگ' بنت مخاض۔ یک سالہ اونٹنی' بنت لبون۔ دو سالہ' حقہ۔ سہ سالہ' جذعہ۔ چہار سالہ' عین۔ سونا' ورق۔ چاندی' بقر۔ گائے' غنم' شاۃ۔ بکری' حلل۔ جمع حلۃ' کپڑوں کا جوڑا' مارن۔ نرمہ بینی' لحیۃ۔ ڈاڑھی' تنبت (ن) نبتا۔ اگنا' شعر بال' حاجبین' حاجب کا تثنیہ ہے' بھوؤں' اذن۔ کان' شفۃ۔ ہونٹ' انثیین۔ خصیتین' ثدیی۔ پستان' اشفار۔ جمع شفر' پلک' مفاصل جمع مفصل' جوڑ' سن۔ دانت' اسنان۔ جمع سن' اضراس جمع ضرس۔ ڈاڑھ' شلت' خشک ہو جائے' ضوء۔ روشنی۔

تشریح الفقہ قولہ الدیات الخ دیات دیۃ کی جمع ہے اور تاء واؤ کے عوض میں ہے کیونکہ یہ ودی سے مشتق ہے اس کی ترکیب معنی جری وخروج پر دال ہے چنانچہ وادی کو وادی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے۔ اصطلاح میں دیت آدمی یا عضو آدمی کے مالی عوض کا نام ہے۔

قولہ ودیۃ شبہ العمد الخ شیخین کے نزدیک شبہ عمد کی دیت سو اونٹنیاں ہیں بطریق ارباع یعنی ۲۵ بنت مخاض ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقے ۲۵ جذعے۔ امام محمدؒ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بطریق اثلاث ہیں۔ یعنی۔ ۳۰ حقے۔ ۳۰ جزعے ۴۰ ثنیے (چھ سالہ) جو حاملہ ہوں کیونکہ حدیث میں ہے کہ دیت خطاء شبہ عمد سو اونٹ ہیں جن میں چالیس حاملہ ہوں[1] شیخین کی دلیل حدیث ابن مسعودؓ[2] ہے جس میں وہی تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

قولہ والدیۃ فی الخطاء الخ احناف اور امام احمد کے ہاں قتل خطاء کی دیت سو اونٹ ہیں بطریق اخماس یعنی ۲۰ بنت مخاض ۲۰ بنی مخاض (یک سالہ اونٹ) ۲۰ حقے ۲۰ جزعے امام شافعی اور امام مالک کے ہاں یک سالہ بیس اونٹوں کی جگہ دو سالہ ۲۰ اونٹ ہیں۔ ان کی دلیل حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت ہے اور ہماری دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی[3]۔

قولہ ومن العین الخ سونے سے قتل خطاء کی دیت ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار درہم' امام مالک اور امام شافعی کے ہاں چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں کیونکہ عہد نبوی میں بنوعدی کا ایک شخص قتل ہوا تو آپ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم قرار دی[4]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے چاندی سے دس ہزار درہم مقرر فرمائے تھے جس کی تصریح بیہقی میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں عہد نبوی میں وزن خمسہ' وزن ستہ' وزن عشرہ مختلف اوزان رائج تھے پس اگر روایت مذکورہ کو وزن خمسہ پر محمول کیا جائے اور روایت عمر کو وزن ستہ پر تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

ودیۃ المسلم الخ ہمارے ہاں مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔ امام شافعی کے ہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہیں اور آتش پرست کی آٹھ سو۔ امام مالک کے ہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار درہم ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے "عقل الکافر نصف عقل المومن[5]" اور امام مالک کے ہاں مسلم کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں تو اس کا نصف چھ ہزار درہم ہوئے۔ امام شافعی کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان پر جو اہل کتاب کو قتل کرے چار ہزار درہم مقرر فرمائے[6]۔ نیز ابن المسیب نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے یہودی اور نصرانی کے بارے میں چار ہزار کا اور مجوسی کے بارے میں آٹھ سو کا فیصلہ کیا[7]۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے "دیۃ کل ذی عہد فی عہدہ الف دینار[8]۔ نیز عہد نبوی اور عہد خلفاء اربعہ میں مسلم' یہودی' نصرانی سب کی دیت برابر تھی[9]۔

قولہ وفی المارن الخ ناک' زبان اور آلۂ تناسل کاٹنے میں پوری دیت ہے۔ حدیث میں ہے "وفی الانف اذا قطع مارنہ الدیۃ"[10] نیز حدیث میں ہے "فی اللسان الدیۃ[11] کاملۃ" اسی طرح آلہ تناسل کے متعلق ہے "فی الذکر الدیۃ[12]" اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب اعضاء کی جنس منفعت یا آدمی کا حسن وجمال علی وجہ الکمال زائل ہو جاتے تو پوری دیت واجب ہوگی۔

قولہ وفی اللحیۃ الخ اگر کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال اکھاڑ ڈالے اور پھر بال نہ جمے تو پوری دیت واجب ہے۔ امام مالک وشافعی کے ہاں ایک عادل کا فیصلہ ہے کیونکہ یہ چیزیں زائد از ضرورت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر کے بال منڈوائے جاتے ہیں اور بعض لوگ ڈاڑھی بھی صاف کرا دیتے ہیں پس یہ ایسے ہیں جیسے سینہ اور پنڈلی کے بال۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت پر باعث حسن وجمال ہے۔ اسی طرح سر کے بال ہیں۔

۱۔ ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ عن ابن عمرو ۱۲۔ ۲۔ ابوداؤد ۱۲۔ ۳۔ ائمہ ستہ ۱۲۔ ۴۔ سنن اربعہ' ابن ابی شیبہ' احمد' دارقطنی' بیہقی' ابن راہویہ ۱۲۔ ۴۔ سنن اربعہ دارقطنی عن ابن عباس ۱۲۔ ۵۔ سنن اربعہ' احمد' ابن راہویہ' بزار عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (واللفظ للترمذی) طبرانی عن ابن عمر ۱۲۔ ۶۔ عبدالرزاق ۱۲۔ ۷۔ شافعی' بیہقی عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ ۱۲۔ ۸۔ ابوداؤد (فی المراسیل) ۱۲۔ ۹۔ ابن عدی فی الکامل ۱۲۔ ۱۰۔ عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ ۱۲۔ ۱۱۔ ابن ابی شیبہ' ابن عدی' بیہقی (بالفاظ) ۱۲۔ ۱۲۔ ابن ابی شیبہ' ابن عدی' بیہقی' ابوداؤد (فی مراسیلہ) ۱۲۔

چنانچہ جن لوگوں کے سر پر خلقۃً بال نہیں ہوتے وہ بتکلف اپنے سر کو چھپائے رہتے ہیں اس لئے ان کے ازالہ میں دیت واجب ہوگی۔

قولہ و فی کل واحد الخ انسان کے جو اعضاء مفرد ہیں جیسے ناک، زبان، آلہ تناسل ان میں پوری دیت ہے اور جو دو دو ہیں جیسے آنکھ، بھوؤں، ہاتھ، پاؤں، پستان، خصیہ تو دونوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں آدھی، اور جو چار ہیں جیسے پلک تو چاروں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں چوتھائی اور جو دس ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تو دسوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک قطع میں دسواں حصہ۔

وَالشِّجَاجُ عَشْرٌ · اَلْحَارِصَةُ وَالدَّامِعَةُ وَالدَّامِيَةُ وَالْبَاضِعَةُ وَالْمُتَلَاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ وَالْمُوضِحَةُ

زخم دس ہیں حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ

وَالْهَاشِمَةُ وَالْمُنَقِّلَةُ وَالْآمَةُ فَفِي الْمُوْضِحَةِ الْقِصَاصُ اِنْ كَانَتْ عَمَدًا وَّلَاقِصَاصَ فِيْ بَقِيَّةِ

ہاشمہ، منقلہ، آمہ پس موضحہ میں قصاص ہے اگر جان کر ہو اور قصاص نہیں باقی زخموں

الشِّجَاجِ وَ فِيْ مَادُوْنَ الْمُوْضِحَةِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَّ فِي الْمُوْضِحَةِ اِنْ كَانَتْ خَطَاءً نِصْفُ عُشْرِ

میں اور موضحہ سے کم میں ایک عادل شخص کا فیصلہ ہے اور موضحہ میں اگر وہ خطاء ہو دیت کا

الدِّيَةِ وَ فِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُالدِّيَةِ وَ فِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَّ نِصْفُ عُشْرٍ وَّ فِي الْاٰمَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَ

بیسواں حصہ ہے اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں ہے اور منقلہ میں دسواں اور بیسواں ہے اور آمہ میں تہائی دیت ہے اور

فِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ فَاِنْ نَّفَذَتْ فَهِيَ جَائِفَتَانِ فَفِيْهِمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ

جائفہ میں تہائی دیت ہے پس اگر آرپار ہو جائے تو وہ دو جائفے ہیں، ان میں دو تہائی دیت ہو گی۔

زخموں کی دیت کے احکام

تشریح الفقہ **والشجاج عشر الخ** شجاج لغۃً جمع شجۃ، وہ زخم ہے جو چہرہ اور سر پر ہو۔ جو زخم اس کے علاوہ باقی بدن پر ہو اس کو جراحۃ کہتے ہیں۔ شجاج حسب استقراء دس ہیں۔ ۱۔ حارصہ۔ جس میں کھال چھل جائے جس کو ہندی میں کھرونچ کہتے ہیں۔ ۲۔ دامعہ۔ جس میں آنسو کی مانند خون نمودار ہو جائے مگر بہے نہیں۔ ۳۔ دامیہ۔ جس میں خون بہہ جائے۔ ۴۔ باضعہ۔ جس میں کھال کٹ جائے۔ ۵۔ متلاحمہ۔ جس میں گوشت کٹ جائے۔ ۶۔ سمحاق۔ جس میں زخم اس باریک جھلی تک پہنچ جائے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہے۔ ۷۔ موضحہ۔ جس میں ہڈی کھل جائے۔ ۸۔ ہاشمہ۔ جو ہڈی توڑ دے۔ ۹۔ منقلہ۔ جو ہڈی کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔ ۱۰۔ آمہ جو اس کھال تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہے ان میں سے سات میں دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم اور آٹھ میں دسواں حصہ یعنی دس اونٹ اور نو میں دسواں اور بیسواں حصہ ہے یعنی پندرہ اونٹ اور دس میں تہائی دیت ہے۔ روایات میں یہی حکم وارد[1] ہے ان کے علاوہ دیت نہیں بلکہ صرف ایک عادل شخص کا فیصلہ ہے۔

قولہ و فی الجائفۃ الخ زیلعی میں ہے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو سر اور پیٹھ میں ہو۔ سراج میں ہے کہ وہ زخم ہے جو پیٹ یا پیٹھ یا سینہ کی طرف سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس میں تہائی دیت ہے۔ لقولہ علیہ السلام، فی الجائفۃ ثلث الدیۃ (عینی)

قولہ فان نفذت الخ اگر جائفہ پیٹ کی طرف سے پھوٹ نکلا اور آر پار ہو گیا تو دیت کی دو تہائیاں واجب ہیں کیونکہ اب دو جائفے ہو

[1] عبدالرزاق عن زید بن ثابت، ابن ابی شیبہ عن مکحول، ابو داؤد، ترمذی، نسائی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

گئے۔ایک پیٹ کی جانب سے دوسرا پیٹھ کی جانب سے حضرت ابوبکرؓ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا[1]۔

وَ فِی اَصَابِعِ الْیَدِنِصْفُ الْدِّیَةِ فَاِنْ قَطَعَهَا مَعَ الْکَفِّ فَفِیْهَا نِصْفُ الدِّیَةِ وَاِنْ قَطَعَهَا مَعَ نِصْفِ
ایک ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے اگر انگلیاں مع ہتھیلی کاٹیں تو اس میں بھی نصف دیت ہے اگر انگلیاں آدھی کلائی

السَّاعِدِ فَفِی الْاَصَابِعِ وَالْکَفِّ نِصْفُ الدِّیَةِ وَ فِی السَّاعِدِ حُکُوْمَةُ عَدْلٍ وَّ فِی الْاِصْبَعِ الزَّائِدَةِ
تک کاٹیں تو انگلیوں میں ہتھیلی تک نصف دیت ہے، اور کلائی میں ایک عادل کا فیصلہ ہے، اور زائد انگلی میں

حُکُوْمَةُ عَدْلٍ وَّ فِی عَیْنِ الصَّبِیِّ وَلِسَانِهٖ وَذَکَرِهٖ اِذَا لَمْ یُعْلَمْ صِحَّةُ ذٰلِکَ حُکُومَةُ عَدْلٍ وَّمَنْ
ایک عادل کا فیصلہ ہے، بچہ کی آنکھ اس کی زبان، اس کے عضو خاص میں جبکہ ان کی صحت معلوم نہ ہو ایک عادل کا فیصلہ ہے، کسی

شَجَّ رَجُلًا مُّوْضِحَةً فَذَهَبَ عَقْلُهٗ اَوْشَعْرُرَاسِهٖ دَخَلَ اِرْشُ الْمُوْضِحَةِ فِی الدِّیَةِ وَاِنْ
نے ایک کے سر پر زخم لگایا جس سے اس کی عقل یا سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی ارش داخل ہو جائے گی دیت میں اوراگر

ذَهَبَ سَمْعُهٗ اَوْ بَصَرُهٗ اَوْکَلَامُهٗ فَعَلَیْهِ اِرْشُ الْمُوْضِحَةِ مَعَ الدِّیَةِ وَمَنْ قَطَعَ اِصْبَعَ رَجُلٍ
اس کے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت بھی جاتی رہی تو اس پر موضحہ کی ارش مع دیت واجب ہو گی کسی نے کاٹ دی ایک شخص کی

فَشَلَّتْ اُخْرٰی اِلٰی جَنْبِهَا فَفِیْهِمَا الْـاَرْشُ وَلَاقِصَاصَ فِیْهِ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ
انگلی، پس سوکھ گئی دوسری انگلی اس کے پاس کی تو ان میں ارش ہے اور قصاص نہیں امام صاحب کے نزدیک، کسی نے ایک کا

سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ مَکَانَهَا اُخْرٰی سَقَطَ الْاِرْشُ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا فَالْتَحَمَتِ الْجِرَاحَةُ وَلَمْ یَبْقَ
دانت اکھاڑ دیا پھر اس کی جگہ دوسرا نکل آیا تو ارش ساقط ہو جائے گی کسی نے ایک کو زخم لگایا پس زخم بھر گیا جس کا نشان بھی

لَهَا اَثَرٌوَ نَبَتَ الشَّعْرُ سَقَطَ الْاِرْشُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُو یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
نہ رہا اور بال اگ آئے تو ارش ساقط ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک، امام ابویوسف فرماتے ہیں۔

عَلَیْهِ اِرْشُ الْاَلَمِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ اُجْرَةُ الطَّبِیْبِ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا جِرَاحَةً لَمْ یُقْتَصَّ
کہ اس پر تکلیف کا تاوان ہوگا، امام محمد فرماتے ہیں کہ جراح کی اجرت ہو گی، کسی نے ایک شخص کے کوئی زخم لگایا تو قصاص

مِنْهُ حَتّٰی یَبْرَأَ وَمَنْ قَطَعَ یَدَرَجُلٍ خَطَاءً ثُمَّ قَتَلَهٗ خَطَاءً قَبْلَ الْبُرْءِ فَعَلَیْهِ الدِّیَةُ وَسَقَطَ
نہ لیا جائے گا یہاں تک کہ اچھا ہو جائے، کسی نے ایک شخص کا خطاءً ہاتھ کاٹا پھر اس کو خطاءً قتل کر دیا اچھا ہونے سے پہلے تو اس پر دیت ہوں گی اور ہاتھ کی

اِرْشُ الْیَدِوَاِنْ بَرَأَثُمَّ قَتَلَهٗ فَعَلَیْهِ دِیَتَانِ دِیَةُ النَّفْسِ وَدِیَةُ الْیَدِ
ارش ساقط ہو جائے گی، اور اگر وہ اچھا ہو گیا پھر قتل کیا تو اس پر دو دیتیں ہوں گی دیت نفس اور دیت ید۔

قطع اعضاء کے مختلف مسائل

توضیح اللغۃ کف۔ہتھیلی، ساعد۔بازو، ارش۔دیت، شلت۔خشک ہو گئی، جنب۔پہلو، قطع۔اکھاڑ دیا، سن۔دانت، فالتحمت۔بھر گیا، جراحۃ۔زخم، اثر۔نشان، شعر۔بال، الم۔تکلیف، طبیب۔مراد جراح، برأ۔اچھا ہو جانا۔

[1] عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ و فی اصابع الید الخ ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے اس واسطے کہ ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے تو پانچ انگلیوں میں نصف دیت ہوگی اور اگر کسی نے ایک ہاتھ کی ساری انگلیاں مع ہتھیلی کاٹ دیں تو اس میں بھی نصف دیت ہے کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔

قولہ اذا الم یعلم الخ اگر کوئی بچہ کی آنکھ پھوڑ دے یا اس کی زبان یا عضو تناسل کاٹ دے اور یہ معلوم نہ ہو کہ بچے کے یہ اعضاء صحیح تھے یا نہیں؟ تو ایک عادل کا فیصلہ معتبر ہوگا کیونکہ ان اعضاء سے مقصود منفعت ہے اور جب ان کی بات یہ معلوم نہیں کہ یہ قابل منفعت ہیں یا نہیں تو شک کی وجہ سے دیت نہ ہوگی۔ (ہدایہ)

قولہ فذھب عقلہ الخ ایک شخص نے کسی کے زخم موضحہ لگایا' اس کے صدمے سے اس کی عقل یا سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی دیت آدمی کی پوری دیت میں داخل ہو جائے گی یعنی پوری جان کی دیت واجب ہوگی کیونکہ زوال عقل کی وجہ سے تمام اعضاء کی منفعت باطل ہو جاتی ہے تو گویا وہ مردہ ہو گیا اور اگر اس کی سماعت یا بصارت یا گویائی جاتی رہی تو موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہ ہوگی کیونکہ ان کی منفعت علیحدہ علیحدہ ہے اور ان کے زائل ہونے سے جنس منفعت فوت نہیں ہوتی۔ چنانچہ نابینا بہرہ اور گونگا آدمی اپنے باقی بدن سے نفع اٹھاتا ہے اس لئے موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہ ہوگی بلکہ دیت موضحہ علیحدہ اور دیت سماعت وغیرہ علیحدہ واجب ہوگی۔ سوال بالوں کے زائل ہونے سے بھی جنس منفعت فوت نہیں ہوتی لہذا بالوں کے مسئلہ میں بھی موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہیں ہونی چاہیئے۔ جواب بات تو یہی ہے مگر محل موضحہ اور محل شعر چونکہ واحد ہے اس لئے موضحہ موجب شعر میں داخل ہوگا بخلاف سمع و بصر کے کہ ان کا محل واحد نہیں۔ فلا ید خل الموضحة فی موجبھا۔ (فاتح)

قولہ و من قلع سن رجل الخ ایک شخص نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا اس کی جگہ دوسرا جم آیا تو امام صاحب کے نزدیک دانت کی دیت ساقط ہو جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگی کیونکہ جنایت تو موجب دیت واقع ہو چکی۔ رہا دوسرے دانت کا جم آنا' سو وہ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک جدید نعمت ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں معنی جنایت زائل ہو گئی کیونکہ وجوب دیت فساد منبت کی وجہ سے تھا اور جب دوسرا دانت جم گیا تو منبت فاسد نہ ہوا پس نہ اس کی منفعت فوت ہوئی اور نہ زینت ختم ہوئی۔

قولہ و من شج رجلا الخ ایک شخص نے کسی کو زخم لگایا اور اس کا زخم اس طرح بھر گیا کہ اس کا نشان تک باقی نہیں رہا تو امام صاحب کے نزدیک ارش ساقط ہو جائے گی کیونکہ وجوب ارش بدنما داغ کی وجہ سے تھا اور جب نشان نہیں رہا تو ارش بھی نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ارش الم واجب ہوگا یعنی حکومت عدل امام محمد کے نزدیک دوا دارو کا صرفہ واجب ہوگا کیونکہ یہ خرچہ اسی کے فعل سے کرنا پڑا ہے۔

قولہ لم یقتص منہ الخ جب تک مجروح زخم سے اچھا نہ ہو جائے اس وقت تک زخم کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی کے ہاں فی الفور لیا جائے گا کیونکہ جب موجب قصاص متحقق ہو چکا تو پھر تاخیر کس لئے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ زخمی کے چنگا ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لینے سے منع فرمایا ہے[1]۔

قولہ ثم قتلہ خطاء الخ ایک شخص نے اولاً کسی کا ہاتھ خطاءً کاٹا پھر اس کو خطاءً مار ڈالا جب کہ وہ ابھی قطع ید کے صدمہ سے صحت یاب بھی نہ ہوا تھا تو ارش ید ساقط اور دیت نفس واجب ہوگی اگر وہ درمیان میں اچھا ہو گیا تو دونوں دیتیں واجب ہوں گی۔

وَكُلُّ عَمَدٍ سَقَطَ فِيْهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَكُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ فَهُوَ

ہر وہ قتل عمد جس میں ساقط ہو جائے قصاص شبہ کی وجہ سے تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی اور جو دیت واجب ہو صلح سے تو وہ بھی

[1] طحاوی' بزار' دار قطنی عن جابر ۱۲۔

فِی مَالِ الْقَاتِلِ وَاِذَا قَتَلَ الْاَبُ اِبْنَهٗ عَمَدًا فَالدِّیَةُ فِیْ مَالِهٖ فِیْ ثَلٰثِ سِنِیْنَ وَکُلُّ جِنَایَةٍ اِعْتَرَفَ
قاتل کے مال میں ہو گی' اگر باپ نے قتل کیا اپنے بیٹے کو قصدًا تو دیت اس کے مال میں ہو گی تین سال میں' ہر وہ جنایت جس کا اقرار کرے

بِهَا الْجَانِیْ فَهِیَ فِیْ مَالِهٖ وَلَا یُصَدَّقُ عَلٰی عَاقِلَتِهٖ وَعَمَدُالصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَاءٌ وَ فِیْهِ الدِّیَةُ عَلٰی
قصور وار تو وہ اس کے مال میں ہو گی اور تصدیق نہ ہو گی اس کے عاقلہ پر' بچہ اور دیوانے کا عمد بھی خطاء ہی ہے' اور اس میں دیت

الْعَاقِلَةِ وَمَنْ حَفَرَبِیْرًا فِیْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ اَوْوَضَعَ حَجَرًا فَتَلَفَ بِذٰلِکَ اِنْسَانٌ فَدِیَتُهٗ
عاقلہ پر ہوتی ہے' کسی نے کنواں کھودا مسلمانوں کے راستے میں یا کوئی پتھر رکھ دیا اور اس سے کوئی آدمی تلف ہو گیا تو اس کی دیت

عَلٰی عَاقِلَتِهٖ وَاِنْ تَلَفَ بِهٖ بَهِیْمَةٌ فَضَمَانُهَا فِیْ مَالِهٖ وَاِنْ اَشْرَعَ فِی الطَّرِیْقِ رَوْشَنًا اَوْ مِیْزَابًا
عاقلہ پر ہو گی' اگر اس سے جانور تلف ہو گیا تو تاوان اس کے مال میں ہو گا' اگر نکالا راستہ کی طرف جنگلہ یا پرنالہ

فَسَقَطَ عَلٰی اِنْسَانٍ فَعَطِبَ فَالدِّیَةُ عَلٰی عَاقِلَتِهٖ وَلَا کَفَّارَةَ عَلٰی حَافِرِ الْبِیْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ
اور وہ گر گیا کسی آدمی پر اور ہلاک ہو گیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہو گی' کفارہ نہیں کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے

فِیْ غَیْرِ مِلْکِهٖ وَمَنْ حَفَرَ بِیْرًا فِیْ مِلْکِهٖ فَعَطِبَ بِهَا اِنْسَانٌ لَمْ یَضْمَنْ
پر دوسرے کی ملک میں' جس نے کنواں کھودا اپنی ملک میں اور اس سے ہلاک ہو گیا کوئی آدمی تو ضامن نہ ہوگا۔

قاتل پر اور عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی صورت کا بیان

توضیح اللغۃ جانی۔ جنایت کرنے والا' حفر حفرًا۔ کھودنا' بہیمۃ۔ چوپایا' اشرع۔ بابہ دروازہ نکالنا' میزاب۔ پرنالہ' عطب (س) عطبًا۔ ہلاک ہونا' حافر۔ کھودنے والا۔

تشریح الفقہ قولہ و کل عمد الخ ہر وہ قتل عمد جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے مثلاً باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے یا دس آدمی ایک آدمی کو قتل کر دیں جن میں سے ایک اس کا باپ ہو تو اس میں دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی اور جو دیت صلح یا اقرار کرنے کے سبب سے واجب ہو وہ بھی قاتل ہی کے مال میں ہوتی ہے اور فی الفور ادا ہوتی ہے کیونکہ جو مال عقد کی وجہ سے واجب ہو اس میں اصل یہی ہے کہ وہ فی الفور ہو اور عاقد پر ہو اور اصل اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے ''لایعقل العاقلة عمداً ولاعبداً ولاصلحا ولا اعترافا'' (جوہرہ)

قولہ و عمد الصبی الخ اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ کسی کو عمداً قتل کر دے تو ان کا عمد بھی خطاء ہی شمار ہوگا اور قصاص واجب نہ ہوگا بلکہ ان کے کنبے پر دیت واجب ہوگی اور یہ میراث سے بھی محروم نہ ہوں گے کیونکہ میراث سے محروم ہونا ایک عقوبت ہے اور یہ دونوں قابل عقوبت نہیں ہیں۔

قولہ وان اشرع الخ اگر کوئی شارع عام کی طرف پرنالہ لگائے اور اس کے اندرونی حصے کے گرنے سے کوئی مر جائے تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اپنی ملک میں ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے تعدی نہیں ہے اور اگر بیرونی حصہ کے گرنے سے کوئی مر جائے تو ضامن ہوگا لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا اور نہ میراث سے محروم ہوگا اور اگر دونوں حصوں کے گرنے سے مر گیا تو نصف کا ضامن ہوگا۔ (جوہرہ)

وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا وَطِئَتِ الدَّابَّةُ وَمَا اَصَابَتْهُ بِيَدِهَا اَوْكَدَمَتْ بِفَمِهَا وَلَايَضْمَنُ
سوار ضامن ہے اس کا جس کو کچل دے سواری یا ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ کھائے اور ضامن نہ ہو گا

مَانَفَحَتْ بِرِجْلِهَا اَوْبِذَنْبِهَا فَاِنْ رَاثَتْ اَوْبَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَعَطِبَ بِهٖ اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ وَ
اس کا جس کو وہ لات ماردے اگر اس نے لید کی یا پیشاب کیا راہ میں اور اس سے کوئی آدمی ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ

السَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْرِجْلِهَا وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِّمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا دُوْنَ رِجْلِهَا
ہوگا ہانکنے والا ضامن ہے اس کا جس کو لگ جائے سواری کا ہاتھ یا پاؤں اور کھینچنے والا ضامن ہے اس کا جس کو لگ جائے اس کا ہاتھ نہ کہ پاؤں

وَمَنْ قَادَقِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَأَ فَاِنْ كَانَ مَعَهٗ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا
جو پکڑ کر لے جائے اونٹوں کی قطار تو وہ ضامن ہو گا اس کا جس کو وہ مار ڈالیں اور اگر اس کے ساتھ سائق بھی ہو تو ضمان دونوں پر ہو گا۔

چوپائے کی جنایت کا بیان

توضیح اللغۃ وطئت۔ روند دیا' دابۃ۔ سواری' کدمت۔ (ن۔ض) کدما' اگلے دانتوں سے کاٹنا' نفحت (ف) نفحا' کھر کے کنارے سے مارنا' ذنب۔ دم' راثت۔ (ن) روثا' لید کرنا' بالت (ن) بولا۔ پیشاب کرنا' عطب (س) ہلاک ہونا' سائق جانور کو پیچھے سے ہانکنا' قائد۔ چوپائے کو آگے سے کھینچنا۔

تشریح الفقہ والراکب ضامن الخ جنایت بہیمۃ کے ضمان وعدم ضمان کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن امور میں احتراز ممکن ہے ان میں سلامتی کی شرط کے ساتھ ہر شخص کے لئے راہ چلنا مباح ہے' اگر ایسے امور میں کسی کی طرف سے تعدی پائی گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا اور جن میں احتراز ممکن نہیں ان میں ضمان نہ ہوگا پس اگر کسی سوار کی سواری نے کسی کو کھروں سے روند ڈالا یا کچل ڈالا' یا سر مار کر تلف کر ڈالا' یا منہ سے کاٹ کھایا تو ان صورتوں میں سوار ضامن ہوگا کیونکہ ان امور سے احتراز ممکن ہے اور اگر سواری نے چلتے چلتے کسی کے ہاتھ یا لات یا دم ماردی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ چلنے کی حالت میں اس سے احتراز ممکن نہیں۔ اسی طرح اگر سواری نے چلتے چلتے راستہ میں لید کردی یا پیشاب کر دیا اور اس سے پھسل کر کوئی گر کے مر گیا تو اس میں بھی ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس سے بھی احتراز ممکن نہیں بلکہ اگر کسی نے لید کرنے یا پیشاب کرنے کے لئے ہی راہ میں کھڑا کر لیا ہو تب بھی ضامن نہ ہوگا کیونکہ بہت سے جانوروں کی عادت ہے کہ وہ چلتے ہوئے پیشاب یا لید نہیں کرتے کھڑے ہو کر ہی کرتے ہیں۔ ہاں اگر سوار نے کسی اور ضرورت کے لئے راہ میں کھڑا کیا اور پھر یہ امور پیش آئے تو ضامن ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کی طرف سے تعدی ہوئی۔

قولہ والسائق ضامن الخ ایک شخص گھوڑے کو ہانکے لے جارہا تھا اس کے اگلے یا پچھلے پاؤں سے کوئی آدمی مر گیا تو سائق (ہانکنے والا) ضامن ہوگا کیونکہ چہ چیز اس کی نظروں کے سامنے ہے اس لئے احتراز ممکن ہے اور اگر کوئی آگے سے پکڑے لے جارہا تھا اور چوپائے کے اگلے پاؤں سے کوئی ہلاک ہو گیا تو قائد ضامن ہوگا اور اگر پچھلے پاؤں سے ہلاک ہوا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ چیز اس کی نظروں سے غائب ہے لیکن اکثر مشائخ کے نزدیک نفحہ دابہ کا سائق بھی ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ گو اس کی نظروں کے سامنے ہے تاہم احتراز مشکل ہے۔

وَاِذَاجَنَى الْعَبْدُ جِنَايَةً خَطَاءً قِيْلَ لِمَوْلَاهُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهٗ بِهَا اَوْتَفْدِيَهٗ فَاِنْ دَفَعَهٗ مَلَكَهٗ
اگر جنایت کی غلام نے خطاء تو اس کے آقا سے کہا جائے گا کہ یا تو غلام دے اس کے عوض میں یا اس کے بدلہ میں تاوان دے اگر وہ غلام دے تو مالک

وَلِيُّ الْجِنَايَةَ وَاِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِاَرْشِهَا فَاِنْ عَادَفَجَنٰى كَانَ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ حُكْمَ الْاُوْلٰى
ہو جائے گا اس کا ولی جنایت اور اگر فدیہ دے تو فدیہ دے گا تاوان کا اگر غلام پھر جنایت کرے تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کا سا ہوگا

فَاِنْ جَنٰى جِنَايَتَيْنِ قِيْلَ لِمَوْلَاهُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ اِلٰى وَلِّيِ الْجِنَايَتَيْنِ يَقْتَسِمَا نِهٖ عَلٰى قَدْرِحَقَّيْهِمَا
اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو کہا جائے آقا سے کہ یا تو غلام دے دونوں جنایتوں کے ولی کو جس کو وہ تقسیم کر لیں گے اپنے اپنے حق کے موافق

وَاِمَّا اَنْ تَفْدِيَهُ بِاَرْشِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا فَاِنْ اَعْتَقَهُ الْمَوْلٰى وَ هُوَلاَ يَعْلَمُ بِالْجِنَايَتِهِ ضَمِنَ
اور یا پورا تاوان دے دونوں کے نقصان کا اگر آزاد کر دیا آقا نے غلام اور اسے علم نہ تھا جنایت کا تو ضامن ہوگا

الْمَوْلٰى الْاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنْ اَرْشِهَا وَاِنْ بَاعَهُ اَوْاَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْاَرْشُ
آقا غلام کی قیمت اور اس کے تاوان سے کم کا اگر اس کو بیچ دیا یا آزاد کر دیا جنایت معلوم ہونے کے بعد تو واجب ہو گی آقا پر دیت

وَاِذَاجَنَى الْمُدَبَّرُ اَوْاُمُّ الْوَلَدِجِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلٰى الْاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهَا وَمِنْ اَرْشِهِمَا فَاِنْ جَنٰى
اگر جنایت کی مدبر یا ام ولد نے کوئی جنایت تو ضامن ہو گا آقا ان کی قیمت اور ان کے تاوان سے کم کا اگر ان میں سے کسی

جِنَايَةً اُخْرٰى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلٰى الْقِيْمَةَ لِلْوَلِيِّ الْاَوَّلِ بِقَضَاءٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَيَتْبَعُ وَلِيُّ الْجِنَايَةَ
نے دوسری جنایت کی اور دے چکا آقا اس کی قیمت پہلی جنایت والے کو قاضی کے حکم سے تو آقا پر اب کچھ واجب نہیں ہے پس پیچھے پڑے

الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى فَيُشَارِكُهُ فِيْمَا اَخَذَوَاِنْ كَانَ الْمَوْلٰى دَفَعَ الْقِيْمَةَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ
دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کے اور شریک ہو جائے اس میں جو اس نے لیا ہے اور اگر آقا نے دی ہو قیمت قاضی کے حکم کے بغیر

فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلٰى وَاِنْ شَاءَ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى
تو دوسری جنایت والے کو اختیار ہے چاہے آقا کے پیچھے پڑے چاہے پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے

غلام کی جنایتوں کے احکام

توضیح اللغۃ جنی (ض) جنایۃً۔ قصور کرنا' تفدیہ فداء۔ مال دے کر چھڑانا یتبع۔ پیچھا کرے یعنی مطالبہ کرے۔

تشریح الفقہ قولہ و اذا جنی العبد الخ ایک غلام نے ازراہ خطاء کسی کو قتل کر دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے جنایت قتل کے بدلے میں مملوک دے دے اس صورت میں ولی جنایت اس کا مالک ہو جائے گا اور چاہے فی الحال اس کی دیت کا فدیہ دے دے اگر مالک غلام کی قیمت دینا چاہے تو یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے ''اذا جنی العبد فمولاہ بالخیار ان شاء دفعه و ان شاء فداہ'' (فاتح) پھر خطاء کی قید اس لئے ہے کہ اگر غلام نے عمداً قتل کیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا' جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مملوک کی جنایت اس کی گردن سے وابستہ ہوتی ہے پس ان کے یہاں اس سلسلہ میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا الا یہ کہ آقا اس کا تاوان دے دے اور یہ مسئلہ دراصل صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا ہے۔ چنانچہ کافی' کفایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ معاذ بن جبلؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے ہمارے مذہب کی طرح منقول ہے اور حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ سے امام شافعی کے مذہب کی طرح منقول ہے۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ موجب جنایت میں اصل یہ ہے کہ وہ متلف پر واجب ہو کیونکہ جانی درحقیقت وہی ہے مگر جانی کی طرف سے اس کے عاقلہ جنایت کے متحمل ہو جاتے ہیں اور غلام کی کوئی عاقلہ نہیں ہے لہذا جنایت اس کی گردن سے متعلق رہے گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بحالت جنایت خطاء میں اصل یہ ہے کہ وہ

جانی پر نہ پڑے کہ اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے کیونکہ وہ خطاء کی وجہ سے معذور ہے بلکہ اس کے عاقلہ پر پڑنی چاہیئے اور غلام کے حق میں آقا اس کا عاقلہ ہے کیونکہ عاقلہ میں اصل نصرت ہے اور غلام کی نصرت اس کے آقا ہی سے ہے لہٰذا جنایت اس کے آقا پر پڑے گی۔

فائدہ ہمارے ہاں جنایت مملوک میں اصل واجب دفع مملوک ہے یا اس کا فدیہ؟ اس میں مشائخ کی عبارات مختلف ہیں۔ صاحب تنویر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ برقول صحیح اصل واجب دفع مملوک ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن شرنبلالیہ میں سراج سے، جوہرہ میں بزدوی سے اور اسراء میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ برقول صحیح اصل واجب فدیہ ہے۔ علامہ زیلعی کی تعلیل سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ شارح مجمع ابن ملک نے امام صاحب کی طرف سے تعلیل میں بیان کیا ہے کہ ان میں سے ایک واجب ہے محیط میں ہے کہ امام محمد نے مبسوط میں کہا ہے کہ جب غلام کسی پر موجب مال جنایت کرے تو اس کے آقا کو اختیار ہے، چاہے غلام دے اور چاہے فدیہ۔

قولہ فان عاد فجنی الخ غلام نے جنایت کی اور آقا نے اس کا فدیہ ادا کر دیا اس کے بعد غلام نے پھر جنایت کی تو یہ مستقل جنایت ہوئی کیونکہ ادائیگی فدیہ کے بعد جنایت اول کان لم یکن ہوگئی اور اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو آقا یا تو ان دونوں جنایتوں میں غلام دے گا یا جنایتوں میں سے ہر ایک کا ارش دے گا پس ولی جنایتین اس کو اپنے اپنے حق کے مطابق تقسیم کر لیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ مملوک کی ذات سے ایک جنایت کا متعلق ہونا دوسری جنایت کے متعلق ہونے سے مانع نہیں ہے پس اگر غلام نے ایک آدمی کو قتل کیا اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دی تو اولیاء اس کے ارش کو بطریق اثلاث تقسیم کر لیں گے لان ارش العین نصف ارش النفس۔

قولہ وھولا یعلم الخ غلام نے کوئی جنایت کی آقا کو معلوم نہ تھا اس نے آزاد کر دیا تو قیمت اور دیت میں۔ سے جو کم ہو اس کا ضمان دے گا اور اگر جنایت سے واقف ہوتے ہوئے آزاد کیا یا اس کو فروخت کر دیا تو پوری دیت دے گا۔

قولہ واذا جنی المدبر الخ ام ولد اور مدبر کی جنایت ہر حال میں ان کے آقا پر لازم ہوتی ہے تو اگر مدبر کسی کو خطاء قتل کر دے یا اور کوئی مادون النفس جنایت کرے تو یہ آقا پر پڑے گی۔ حضرت ابوعبیدہ سے یہ مروی ہے۔

قولہ فان جنی جنایۃ اخری الخ مدبر یا ام ولد نے کوئی جنایت کی اس کے بعد دوسری جنایت اور کی اور آقا اس کی قیمت قاضی کے حکم سے پہلی جنایت والے کو دے چکا تو اب اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کے سر ہو کر جو کچھ وہ لے چکا ہے اس میں شریک ہو جائے اور اگر بلا حکم قاضی دی ہو تو دوسری جنایت والے کو اختیار ہوگا چاہے آقا سے لے چاہے پہلی جنایت والے سے لے لیکن صاحبین کے یہاں قاضی کے حکم کی کوئی تفریق نہیں بہر دو صورت آقا سے نہیں لے سکتا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا مَالَ الْحَائِطُ اِلٰی طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ فَطُوْلِبَ صَاحِبُہٗ بِنَقْضِہٖ وَاُشْھِدَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَنْقُضْہُ فِیْ
اگر جھک گئی دیوار مسلمانوں کی راہ کی طرف اور مطالبہ کیا گیا مالک سے اس کے توڑنے کا اور اس پر گواہ کر لیا گیا اور اس نے نہیں توڑی

مُدَّۃٍ یَقْدِرُ عَلٰی نَقْضِہٖ حَتّٰی سَقَطَ ضَمِنَ مَاتَلَفَ بِہٖ مِنْ نَفْسٍ اَوْمَالٍ وَّیَسْتَوِیْ اَنْ یُّطَالِبَہٗ بِنَقْضِہٖ
اتنی مدت میں کہ اس میں توڑ سکتا تھا یہاں تک کہ وہ گر گئی تو ضامن ہو گا اس کا جو تلف ہو جان یا مال، اس کے توڑنے کا مطالبہ

مُسْلِمٌ اَوْذِمِّیٌّ وَاِنْ مَّالَ اِلٰی دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَۃُ لِمَالِکِ الدَّارِ خَاصَّۃً وَّاِذَااصْطَدَمَ فَارِسَانِ
مسلمان نے کیا۔ ہو یا ذمی نے، اگر جھک گئی کسی کے گھر کی طرف تو مطالبہ کا حق مالک مکان کو ہے خاص کر، اگر ٹکرا کر مرجائیں دو سوار

فَمَاتَا فَعَلٰی عَاقِلَۃِ کُلٍّ وَّاحِدٍ مِّنْھُمَا دِیَۃُ الْاٰخَرِ وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ عَبْدًاخَطَاءً فَعَلَیْہِ قِیْمَتُہٗ
تو ان میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر دیت ہے دوسرے کی، کسی نے قتل کیا غلام ازراہ خطاء تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے

لَایُزَادُ عَلٰی عَشَرَةِ اٰلَافِ دِرْهَمٍ فَاِنْ کَانَتْ قِیْمَتُهٗ عَشَرَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ اَوْاَکْثَرَ قُضِیَ عَلَیْهِ

جو دس ہزار درہم سے زائد نہ ہو گی' پس اگر اس کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہو تو قاتل پر حکم

بِعَشَرَةِ اٰلَافٍ اِلَّا عَشَرَةً وَ فِیْ الْاَمَةِ اِذَا زَادَتْ قِیْمَتُهَا عَلَی الدِّیَةِ یَجِبُ خَمْسَةُ اٰلَافٍ اِلَّا

کیا جائے گا دس درہم کم دس ہزار کا' اور باندی میں جبکہ زائد ہو اس کی قیمت دیت سے واجب ہوں گے دس درہم کم

عَشَرَةٌ وَّفِیْ یَدِ الْعَبْدِ نِصْفُ قِیْمَتِهٖ لَایُزَادُ عَلٰی خَمْسَةِ اٰلَافٍ اِلَّاخَمْسَةٌ وَّ کُلُّ مَایُقَدَّرُ

پانچ ہزار، غلام کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہے جو زائد نہ ہو گی پانچ درہم کم پانچ ہزار سے' جو مقدار مقرر ہے

مِنْ دِیَةِ الْحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ مِّنْ قِیْمَةِ الْعَبْدِ

آزاد کی دیت سے وہ مقرر ہو گی غلام کی قیمت سے

جھکی ہوئی دیوار اور موجب قتل عبد کے احکام

تشریح الفقہ **قولہ واذا مال الخ** ایک دیوار شارع عام کی طرف جھک گئی اہل مطالبہ نے اس کو توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس کو اتنی مدت ملی کہ توڑ سکتا تھا لیکن اس نے نہیں توڑی۔ یہاں تک کہ دیوار گرنے سے کوئی آدمی مر گیا یا کسی کا مال تلف ہو گیا تو از روئے قیاس مالک ضامن نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ امام شافعی و امام احمد اسی کے قائل ہیں کیونکہ مالک کا کوئی قصور نہیں اس لئے کہ اصل بنا اس کی ملک میں ہے اور دیوار کا جھکنا اس کا فعل نہیں تھا' لیکن استحساناً ضامن ہو گا کیونکہ بسبب دیوار جھک گئی' گرنے کا خطرہ ہو گیا' گرانے کا مطالبہ بھی ہوا' اس کو مہلت بھی ملی' پھر بھی اس کا دیوار کو نہ توڑنا سراسر تعدی ہے۔

قولہ واذا قتل رجل عبدا الخ اگر کوئی غلام یا باندی خطاءً قتل ہو جائے تو ان کی قیمت واجب ہو گی۔ اب اگر غلام کی قیمت آزاد مرد کی دیت یعنی دس ہزار درہم کے برابر ہو اور باندی کی قیمت آزاد عورت کی دیت یعنی پانچ ہزار درہم کے برابر ہو تو مملوک کے رتبہ کا انحطاط ظاہر کرنے کے لئے ہر ایک دیت سے دس دس درہم کم کر دیئے جائیں گے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے ہاں ان کی قیمت واجب ہو گی جتنی بھی ہو کیونکہ ضمان مالیت کا بدل ہے۔ طرفین کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ "لایبلغ بقیمۃ العبد دیۃ الحر و ینقص منہ عشرۃ دراھم[1]" نیز دیت کا وجوب آدمیت کے مقابلہ میں ہے اور مملوک میں مالیت و آدمیت دونوں ہیں لیکن آدمیت کا رتبہ اعلیٰ ہے تو اسی کا اعتبار ہو گا۔

ضَرَبَ رَجُلٌ بَطْنَ امْرَأَةٍ . فَاَلْقَتْ جَنِیْنًا فَعَلَیْهِ غُرَّةٌ وَّالْغُرَّةُ نِصْفُ عُشْرِالدِّیَةِ فَاِنْ

مارا کسی نے عورت کے پیٹ پر اس نے ڈالا مردہ بچہ تو اس پر غرہ واجب ہے اورغرہ دیت کا بیسواں حصہ ہے اگر

اَلْقَتْهُ حَیًّا ثُمَّ مَاتَ فَعَلَیْهِ دِیَةٌ کَامِلَةٌ وَاِنْ اَلْقَتْهُ مَیِّتًا ثُمَّ مَاتَتِ الْاُمُّ فَعَلَیْهِ دِیَةٌ وَّغُرَّةٌ وَّاِنْ

بچہ زندہ ڈالا پھر مر گیا تو اس پر پوری دیت ہے اگر مردہ بچہ ڈالا پھر ماں بھی مر گئی تو اس پر دیت اور غرہ دونوں ہوں گے اگر

مَاتَتْ ثُمَّ اَلْقَتْهُ مَیِّتًا فَلَاشَیْءَ فِی الْجَنِیْنِ وَمَا یَجِبُ فِی الْجَنِیْنِ مَوْرُوْثٌ عَنْهُ وَ فِی جَنِیْنِ الْاَمَةِ

ماں مر گئی پھر اس نے مردہ بچہ ڈالا تو بچہ میں کچھ نہ ہو گا، جو کچھ واجب ہو جنین میں وہ اس کے وارثوں کا ہے باندی کے بچہ میں

[1] عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ عن النخعی والشعبی ۱۲۔

اِذَا کَانَ ذَکَرًا نِصۡفُ عُشۡرِقِیۡمَتِہٖ لَوۡکَانَ حَیًّا وَ عُشۡرُقِیۡمَتِہٖ اِنۡ کَانَ اُنۡثٰی وَلَا کَفَّارَۃَ فِی الۡجَنِیۡنِ

جبکہ ہو وہ لڑکا اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر بچہ زندہ ہو اور لڑکی ہو تو قیمت کا دسواں حصہ ہے، بچہ کے گرانے میں کفارہ نہیں

وَالۡکَفَّارَۃُ فِیۡ شِبۡہِ الۡعَمَدِ وَالۡخَطَاءِ عِتۡقُ رَقَبَۃٍ مُؤۡمِنَۃٍ فَاِنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَھۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ

ہے اور کفارہ قتل شبہ عمد و قتل خطاء میں ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے اگر نہ پائے تو لگاتار دو ماہ کے روزے ہیں

شکمی بچہ تلف کردینے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ضرب رجل الخ ایک شخص نے حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا اور اس نے ضرب کے صدمہ سے مردہ بچہ گرایا تو ضارب کے عاقلہ پر از روئے قیاس کچھ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جنین کی حیات متیقن نہیں لیکن استحساناً غرہ واجب ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''مردہ بچہ میں غرہ یعنی غلام یا باندی یا پانچ سو درہم ہیں[1]۔

قولہ والغرۃ الخ ہمارے یہاں غرہ کی مقدار پانچ سو درہم ہیں یعنی مرد کی دیت کا بیسواں اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ' امام مالک و شافعی کے ہاں چھ سو درہم ہیں مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے پھر ہمارے یہاں غرہ قاتل کے عاقلہ پر ہوتا ہے۔ امام مالک کے ہاں قاتل کے مال میں ہوتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرہ قاتل کے عاقلہ پر قرار دیا ہے[2] نیز ہمارے ہاں غرہ ایک سال کے اندر وصول کیا جائے گا' امام شافعی کے ہاں تین سال میں۔

قولہ وان ماتۃ الخ اگر پہلے ماں مرگئی پھر اس نے مردہ بچہ گرادیا تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی۔ امام شافعی کے ہاں غرہ بھی واجب ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرب کی وجہ سے مرا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ظاہراً ماں کا مرنا موت جنین کا سبب ہے کیونکہ جنین کا سانس لینا ماں کے سانس لینے سے ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جنین صدمہ ضرب سے مرا ہو تو شک کی وجہ سے ضمان جنین واجب نہ ہوگا۔

قولہ و فی جنین الامۃ الخ اگر باندی کا جنین مذکر ہو تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اگر وہ زندہ پیدا ہوتا اور اگر مؤنث ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا۔ امام شافعی کے یہاں اس کی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا کیونکہ جنین من وجہ ماں کا جزء ہے اور اجزاء کے ضمان کی مقدار میں اصل ہی کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مقدار واجب نفس جنین کا بدل ہے لہٰذا اس کا اندازہ اسی کی ذات سے ہوگا۔

بَابُ الۡقَسَامَۃِ

قسامت کا بیان

وَاِذَا وُجِدَ الۡقَتِیۡلُ فِیۡ مَحَلَّۃٍ لَّا یُعۡلَمُ مَنۡ قَتَلَہٗ اُسۡتُحۡلِفَ خَمۡسُوۡنَ رَجُلًا

جب پایا گیا مقتول کسی محلہ میں اور معلوم نہیں کہ کس نے قتل کیا ہے تو قسم لی جائے گی پچاس آدمیوں سے

یَتَخَیَّرُھُمُ الۡوَلِیُّ بِاللہِ مَا قَتَلۡنَاہُ وَمَا عَلِمۡنَا لَہٗ قَاتِلًا فَاِذَاحَلَفُوۡا قُضِیَ عَلٰی اَھۡلِ الۡمَحَلَّۃِ بِالدِّیَۃِ وَ

جن کو پسند کرے ولی کہ بخدا نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے' نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں' جب وہ قسم کھالیں تو فیصلہ ہو جائے گا اہل محلہ پر دیت کا

لَایُسۡتَحۡلَفُ الۡوَلِیُّ وَلَایُقۡضٰی عَلَیۡہِ بِالۡجِنَایَۃِ وَاِنۡ حَلَفَ وَاِنۡ اَبٰی وَاحِدٌمِّنۡھُمۡ حُبِسَ حَتّٰی یَحۡلِفَ وَاِنۡ لَّمۡ

[1] طبرانی صحیحین عن ابی ہریرۃ۔ (ولیس فیہما ذکر الخمس مائۃ) ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ عن جابر' ابوداؤد' ترمذی' دارقطنی عن الترمذی ۱۲۔

قسم نہیں لی جائے گی ولی سے اور نہ حکم کیا جائے گا اس پر جنایت کا گو وہ قسم کھا لے اگر ان میں کوئی انکار کرے قسم سے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے

يَكْمُلُ اَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْاَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُتِمَّ خَمْسُوْنَ يَمِيْنًا وَّلَا يَدْخُلُ فِي الْقَسَامَةِ صَبِيٌّ وَّلَا

اگر پورے نہ ہوں اہل محلہ تو مکرر کی جائے گی قسم ان پر یہاں تک کہ پوری ہو جائیں پچاس قسمیں داخل نہ ہو گا قسامت میں بچہ نہ

مَجْنُوْنٌ وَّلَا امْرَأَةٌ وَّلَا عَبْدٌ وَّاِنْ وُجِدَ مَيِّتٌ لَااَثَرَبِهٖ فَلَا قَسَامَةَ وَلَادِيَةَ وَكَذٰلِكَ اِنْ كَانَ

دیوانہ نہ عورت نہ غلام ' اگر پایا گیا کوئی مردہ جس پر کوئی نشان نہیں تو نہ قسامت ہو گی نہ دیت اسی طرح اگر

الدَّمُ يَسِيْلُ مِنْ اَنْفِهٖ اَوْدُبُرِهٖ اَوْفَمِهٖ وَاِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ اَوْاُذُنَيْهِ فَهُوَ قَتِيْلٌ وَاِذَا وُجِدَ

خون بہتا ہو اس کی ناک یا مقام براز یا منہ سے اور اگر نکل رہا ہو اس کی آنکھوں یا کانوں سے تو وہ مقتول ہے، جب پایا گیا

الْقَتِيْلُ عَلٰى دَابَّةٍ يَّسُوْقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ دُوْنَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَاِنْ وُّجِدَ فِي دَارِانْسَانٍ

مقتول سواری پر جس کو ہانک رہا تھا کوئی تو دیت اس کے عاقلہ پر ہو گی نہ کہ اہل محلہ پر اگر پایا گیا کسی کے گھر میں

فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَلَايَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ اَبِي

تو قسامت گھر والے پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر داخل نہ ہوں گے، کرایہ دار قسامت میں مالکوں کے ہوتے ہوئے

حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَهِيَ عَلٰى اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ الْمُشْتَرِيْنَ وَلَوْبَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌوَّاِنْ وُجِدَالْقَتِيْلُ

امام صاحب کے نزدیک اور قسامت اہل خطہ پر ہو گی نہ کہ خریداروں پر اگرچہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو اگر پایا گیا مقتول

فِي سَفِيْنَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ وَاِنْ وُّجِدَ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ

کشتی میں تو قسامت ان پر ہو گی جو کشتی میں ہیں یعنی سواریاں اور ناخدا' اگر پایا گیا محلہ کی مسجد میں تو قسامت

عَلٰى اَهْلِهَا وَاِنْ وُّجِدَ فِي الْجَامِعِ اَوِالشَّارِعِ الْاَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيْهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ وَ

اہل محلہ پر ہے اگر پایا گیا جامع مسجد یا شارع عام میں تو اس میں قسامت نہیں اور دیت ہے بیت المال پر

اِنْ وُجِدَ فِي بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌوَّاِنْ وُّجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلٰى اَقْرَبِهِمَا

اگر پایا گیا جنگل میں جس کے قریب آبادی نہیں تو وہ رائیگاں ہے، اگر رکا ہوا ہو کنارے پر تو قسامت قریب تر والوں پر ہو گی

وَاِنْ وُجِدَ فِي وَسْطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّبِهِ الْمَاءُ فَهُوَهَدْرٌ وَّاِنْ كَانَ مُحْتَبِسًا بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلٰى اَقْرَبِ

اگر پایا گیا نہر فرات کے بیچ میں جس پر پانی بہہ رہا ہو تو وہ رائیگاں ہے اگر رکا ہوا ہو کنارے پر تو قسامت قریب والے

الْقُرٰى مِنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ وَاِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ الْقَتْلَ عَلٰى وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهٖ لَمْ تَسْقُطِ

گاؤں پر ہو گی اس جگہ سے، اگر دعویٰ کیا ولی نے قتل کا کسی ایک محلہ والے پر خاص طور سے تو قسامت

الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَاِنْ ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِّنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ وَاِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ

ساقط نہ ہو گی ان سے اور اگر دعویٰ کیا کسی غیر محلہ والے پر تو ساقط ہو جائے گی اہل محلہ سے اگر کہے مستحلف کہ اس کو فلاں

فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَا عَلِمْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ وَّاِذَا شَهِدَ اثْنَانِ مِنْ

نے قتل کیا ہے تو اس سے یوں قسم لی جائے گی۔ بخدا نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اس کا قاتل سوائے فلاں کے، جب گواہی دیں دو آدمی

اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْ غَيْرِهِمْ اَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا

اہل محلہ سے کسی غیر محلہ والے پر کہ اس نے قتل کیا ہے تو ان کی شہادت مقبول نہ ہو گی

تشریح الفقہ قولہ باب القسامۃ الخ قسامۃ لغۃً مصدر ہے بمعنی قسم اصطلاح شرع میں حق تعالیٰ کے نام کی قسم ہے جو بسبب خاص عدد مخصوص کی جہت سے ایک خاص شخص پر بطریق مخصوص کھائی جاتی ہے۔ سو اگر محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا جس کا قاتل معلوم نہیں تو محلہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی جن کا انتخاب مقتول کا وارث کرے گا پس ان میں سے ہر شخص بصیغہ واحد یوں قسم کھائے گا کہ بخدا نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں جب وہ یہ قسم کھا چکیں تو ان پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا۔

قولہ ولا یستحلف الولی الخ ہمارے ہاں قسم اہل محلہ سے لی جائے گی ولی مقتول سے نہیں لی جائے گی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کسی قسم کا اشتباہ ہو مثلاً اہل محلہ مقتول سے ظاہری عداوت رکھتے ہوں یا کسی پر قتل کی علامت پائی جاتی ہو یا ظاہر حال مدعی کی صداقت کا شاہد ہو تو اولیاء مقتول سے پچاس بار قسم لی جائے گی کہ اس کو اہل محلہ نے قتل کیا ہے اس کے بعد مدعی علیہ پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا۔ امام مالک کے ہاں قصاص کا حکم کیا جائے گا اگر دعوی قتل عمد کا ہو۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء مقتول سے یہ فرمایا تھا "فیقسم منکم خمسون انھم قتلوہ"[1] ہماری دلیل یہ حدیث ہے "البینہ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ"[2] پھر اگر اہل محلہ سے پچاس آدمیوں کی شمار پوری نہ ہو تو ان سے مکرر قسم لی جائے گی تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جب قسامت کا فیصلہ کیا تو انچاس قسمیں ہوئیں۔ آپ نے انہیں میں سے ایک شخص سے مکرر قسم لی۔[3]

قولہ یسیل من انفہ الخ اگر محلہ میں کوئی ایسا مردہ پایا گیا جس کی ناک یا مقام براز یا منہ سے خون جاری ہو تو اس میں نہ قسامت ہے نہ دیت کیونکہ ممکن ہے وہ نکسیر یا بواسیر یا سوداوی قے کی وجہ سے مرا ہو۔ ہاں اگر خون آنکھوں یا کانوں سے جاری ہو تو وہ مقتول سمجھا جائے گا کیونکہ ان جگہوں سے عادۃً بلا ضرب شدید خون جاری نہیں ہوتا۔

قولہ فی دار انسان الخ اگر مقتول کسی کے گھر میں ملے تو گھر والے پر قسامت اور اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی کیونکہ وہ گھر اس کے قبضہ میں ہے پس مالک گھر کو اہل محلہ سے ایسی نسبت ہے جیسی اہل محلہ کو اہل شہر سے اور اہل شہر اہل محلہ کے ساتھ قسامت میں نہیں ہوتے تو اہل محلہ بھی مالک مکان کے ساتھ نہ ہوں گے۔

قولہ علی اهل الخطۃ الخ اہل خطہ سے مراد املاک قدیمہ کے لوگ ہیں جو اسی وقت سے زمین کے مالک ہوں جب سے امام نے شہر فتح کیا تھا اور غازیوں کے درمیان تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کے حصہ کا کاغذ لکھ دیا تھا۔ طرفین کے ہاں قسامت انہیں لوگوں پر ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف کے ہاں وہاں کے باشندے اور خریدار بھی شریک ہوتے ہیں کیونکہ ولایت تدبیر منزل جس طرح ملک کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح رہائش کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے ولھما ان المالک ھو المختص بنصرۃ البقعۃ دون السکان۔

كِتَابُ المَعَاقِلِ

دیت دینے کا بیان

اَلدِّيَةُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ وَكُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ
دیت شبہ عمد وقتل خطاء کی اور ہر وہ دیت جو واجب ہو نفس قتل سے وہ عاقلہ پر ہوتی

وَالْعَاقِلَةُ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِيْ
ہے اور عاقلہ اہل دفتر ہیں اگر قاتل دفتر والوں میں سے ہو لی جائے گی ان کے وظائف سے

[1] ائمہ ستہ عن سہل ۱۲۔ [2] ترمذی، دارقطنی عن عمرو بن شعیب ۱۲۔ [3] ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق ۱۲۔

ثَلٰثِ سِنِیْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَایَا فِیْ اَکْثَر مِنْ ثَلٰث سِنِیْن اَوْاَقَلَّ اُخِذَمِنْهَا وَمَنْ لَمْ یَکُنْ

تین سال میں پس اگر نکل آئیں وظائف تین سال سے زائد میں یا کم میں تو ان سے وصول کر لی جائے گی جو دفتر

مِنْ اَهْلِ الدِّیْوَانِ فَعَاقِلَتُهٗ قَبِیْلَتُهٗ تُسْقَطُ عَلَیْهِمْ فِیْ ثَلٰث سِنِیْنَ لَایُزَادُ الْوَاحِدُ عَلٰی اَرْبَعَةِ

والوں میں سے نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے کنبے والے ہیں قسط کر دی جائے گی ان پر تین سال میں ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ نہیں

دَرَاهِمَ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَدَانِقَانِ وَیُنْقَصُ مِنْهَا فَاِنْ لَمْ تَتَّسِعِ الْقَبِیْلَةُ لِذٰلِکَ ضُمَّ اِلَیْهِمْ

کئے جائیں گے ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق چار سے کم بھی ہو سکتے ہیں اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو تو ان کے ساتھ ملا لئے جائیں گے

اَقْرَبُ الْقَبَائِلِ اِلَیْهِمْ وَیَدْخُلُ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَیَکُوْنُ فِیْمَا یُؤَدِّیْ کَاَحَدِهِمْ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ

قریبی قبیلے والے اور داخل ہو گا قاتل عاقلہ کے ساتھ پس ہو گا وہ دیت ادا کرنے میں مثل ایک عاقلہ کے آزاد شدہ کا عاقلہ

قَبِیْلَتُهٗ مَوْلَاهُ وَ مَوْلَی الْمُوَالَاةِ یَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَ قَبِیْلَتُهٗ وَلَا تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ

اس کے آقا کا قبیلہ ہے، مولی موالاۃ کی طرف سے دیت دے گا اس کا مولی اور قبیلہ متحمل نہیں ہوتے عاقلہ دیت کے بیسویں حصے

عُشْرِ الدِّیَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِکَ فَهُوَ مِنْ مَالِ الْجَانِیْ وَلَا

سے کم کے متحمل ہوتے ہیں دسویں حصے یا اس سے زیادہ کے جو اس سے کم ہو وہ قصور وار کے مال سے ہوتی ہے

تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَایَةَ الْعَبْدِ وَلَا تَعْقِلُ الْجِنَایَةَ الَّتِیْ اِعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِیْ اِلَّا اَنْ یُصَدِّقُوْهُ

دیت نہیں دیتے عاقلہ غلام کی جنایت کی جس کا اقرار کرے قصور وار الا یہ کہ اس کی تصدیق کر دیں

وَلَایَعْقِلُ مَالَزِمَ بِالصُّلْحِ وَاِذَا جَنَی الْحُرُّعَلَی الْعَبْدِ جِنَایَةً خَطَاءً کَانَتْ عَلٰی عَاقِلَتِهٖ

اور نہیں دیتے اس کی جو لازم ہو صلح کی وجہ سے، جب جنایت کرے آزاد آدمی غلام پر خطاءً تو دیت اس کے عاقلہ پر ہو گی۔

توضیح اللغة معاقل۔جمع معقلہ دیت' دیوان۔روزینہ' دفتر' عطایا۔جمع عطیہ' تقسط۔قسط وار کردیا جائے گا' دانق۔تقریباً سات رتی کا ایک وزن ہے معتق۔آزاد کردہ شدہ' جانی۔قصور کنندہ۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب المعاقل الخ معاقل معقلہ کی جمع ہے (جیسے مکارم ومکرمۃ) بمعنی دیت' اس کا دوسرا نام عقل ہے بمعنی روکنا کیونکہ دیت خونریزی سے باز رکھتی ہے۔پس ''کتاب المعاقل'' عنوان غلط ہوا کیونکہ یہاں بیان دیات مقصود نہیں اس کے لئے تو کتاب الدیات گزر چکی۔یہاں تو ان لوگوں کا بیان مقصود ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے جن کو عاقلہ کہتے ہیں اور جمع عواقل آتی ہے پس عنوان ''کتاب العواقل'' ہونا چاہیئے۔جیسا کہ صاحب برہان وغیرہ نے اپنایا ہے الا یہ کہ کلام بحذف مضاف ہو۔ای کتاب اہل المعاقل' یا معقلہ ظرف ہو اور موضع دیت مراد ہو یا بطریق اطلاق حال بر محل معاقل سے مراد اہل معاقل ہوں۔

قولہ و کل دیة الخ ہر وہ دیت جو نفس قتل کے باعث لازم ہو (صلح یا ابوۃ کے سبب سے نہ ہو) وہ قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے یعنی اہل دیوان پر اگر قاتل لشکری ہو۔دیوان اس دفتر کو کہتے ہیں جس میں لشکر والوں کے نام اور روزینہ و ماہانہ وغیرہ لکھا جاتا ہے۔امام شافعی کے ہاں دیت کنبہ والوں پر ہوتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی دستور تھا[1]۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیوان مقرر کیا تو صحابہ کرامؓ کے مجمع عام میں اہل دیوان پر دیت مقرر کی اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا[2] نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نصرت اہل نسب

۱۔ابن ابی شیبہ عن ابن عباس۔۱۲۔۲۔ابن ابی شیبہ ۱۲۔

سے تھی اور تدوین دیوان کے بعد نصرت دیوان کے ساتھ وابستہ ہوگئی اور اہل دیوان عاقلہ ٹھہر گئے۔

قولہ یوخذ من عطایا ھم الخ دیت اہل دیوان کے عطایا وارزاق سے تین سال میں لی جائے گی اور اگر عطایا اس سے کم وبیش مدت میں نکلیں تو تمام دیت اسی سے لے لی جائے گی اور اگر قاتل لشکری نہ ہو تو عاقلہ اس کے قبیلہ کے لوگ ہوں گے اور ان پر دیت تین سال پر قسط وار تقسیم کردی جائے گی۔ بایں طور کہ ہر شخص سے سالانہ ایک درہم یا ایک اور تہائی درہم لیا جائے گا اس طرح ہر شخص پر تین سال میں تین یا چار درہم پڑیں گے۔ امام مالک کے ہاں لینے کی کوئی مقدار معین نہیں ہے بلکہ عاقل کی استطاعت پر محمول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے دوسری روایت اور امام شافعی کا قول یہی ہے کہ مالدار سے نصف دینار اور متوسط درجہ کے لوگوں سے ربع دینار لیا جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے جو بطریق مساوات واجب ہوتا ہے تو اس میں غنی اور متوسط سب برابر ہوں گے۔

وقولہ ویدخل القاتل الخ ہمارے ہاں دیت میں عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شریک ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں قاتل پر کچھ واجب نہیں کیونکہ وہ بوجہ خطاء معذور ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ جنایت تو اسی سے سرزد ہوئی ہے تو اس کا بوجھ دوسروں کے اوپر ڈالنا اور اس کو خارج کردینا بے معنی ہے۔

قولہ ولا تتحمل العاقلۃ الخ بیسویں حصہ سے کم دیت عاقلہ پر واجب نہیں ہوتی تو اگر کسی نے ایسا قصور کیا جس میں پوری دیت کا بیسواں حصہ واجب نہیں ہے تو وہ دیت عاقلہ پر نہ ہوگی بلکہ قاتل کے مال میں ہوگی۔

کِتَابُ الْحُدُوْدِ

سزاؤں کا بیان

اَلزِّنَا يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ وَالْاِقْرَارِ فَالْبَيِّنَةُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَةٌ مِّنَ الشُّهُوْدِ

زنا ثابت ہوتا ہے بینہ اور اقرار سے پس بینہ یہ ہے کہ گواہی دیں چار گواہ

عَلٰى رَجُلٍ اَوِامْرَاَةٍ بِالزِّنَا فَيَسْاَلُهُمُ الْاِمَامُ عَنِ الزِّنَا مَاهُوَوَكَيْفَ هُوَوَاَيْنَ زَنٰى وَمَتٰى زَنٰى وَبِمَنْ

کسی مرد یا عورت پر زنا کی پس پوچھے ان سے امام زنا کی بابت کہ زنا کیا ہے، کس طرح ہوتا ہے، کہاں کیا، کب کیا، کس

زَنٰى فَاِذَا بَيَّنُوْا ذٰلِكَ وَقَالُوْا رَاَيْنَاهُ وَطِئَهَا فِيْ فَرْجِهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحُلَةِ وَسَاَلَ الْقَاضِيْ عَنْهُمْ

سے کیا جب وہ اس کو بیان کریں اور کہہ دیں کہ ہم نے اس کو فرج میں وطی کرتے دیکھا ہے اس طرح جیسے سلائی ہوتی ہے سرمہ دانی میں، پھر معلوم کیا قاضی نے ان کا حال

فَعُدِّلُوْا فِي السِّرِّوَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ وَالْاِقْرَارُ اَنْ يُّقِرَّالْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالزِّنَا

تو ان کو عادل بتایا گیا خفیہ و علانیہ تو حکم کر دے ان کی شہادت کے مطابق، اور اقرار یہ ہے کہ اقرار کرے بالغ عاقل خود پر زنا کا

اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِيْ اَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَّجَالِسِ الْمُقِرِّ كُلَّمَا اَقَرَّرَدَّهُ الْقَاضِيْ فَاِذَا تَمَّ اِقْرَارُهٗ اَرْبَعَ

چار بار چار مجلسوں میں اپنی مجلسوں میں، وہ جب بھی اقرار کرے تو قاضی اس کو رد کرے جب اس کا اقرار پورا ہو جائے

مَرَّاتٍ سَاَلَهُ الْقَاضِيْ عَنِ الزِّنَا مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَوَاَيْنَ زَنٰى وَبِمَنْ زَنٰى فَاِذَا بَيَّنَ ذٰلِكَ لَزِمَهُ

چار بار تو پوچھے اس سے قاضی کہ زنا کیا ہوتا ہے اور کیسے ہوتا ہے، اس نے زنا کہاں کیا، کس سے کیا جب وہ یہ بیان کر دے تو اس پر حد

الْحَدُّفَاِنْ كَانَ الزَّانِيْ مُحْصِنًا رَجَمَهُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى يَمُوْتَ يُخْرِجُهٗ اِلٰى اَرْضٍ فَضَاءٍ تَبْتَدِئُ

لازم ہوجائے گی پس اگر زانی محصن ہے تو اس کو سنگسار کر دے یہاں تک کہ مر جائے، اسے میدان میں لائیں اور پہلے

الشُّهُوْدُ بِرَجْمِهٖ ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ فَاِنْ امْتَنَعَ الشُّهُوْدُ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ سَقَطَ الْحَدُّوَاِنْ كَانَ

گواہ سنگسار کریں پھر امام پھر اور لوگ اگر رک جائیں گواہ شروع کرنے سے تو حد ساقط ہو جائے گی اور اگر

الزَّانِیْ مُقِرًّا اِبْتَدَأَ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ وَيُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰی عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مُحْصِنًا وَكَانَ

زانی مقر ہو تو شروع کرے امام پھر اور لوگ اس کو غسل اور کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر محصن نہ ہو اور ہو

حُرًّا فَحَدُّهٗ مِائَةُ جَلْدَةٍ يَّأْمُرُالْاِمَامُ بِضَرْبِهٖ بِسَوْطٍ لَاثَمْرَةَ لَهٗ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا يُنْزَعُ عَنْهُ

آزاد تو اس کی حد سو کوڑے ہیں حکم کرے امام ایسے کوڑے مارنے کا جس میں گرہ نہ ہو متوسط ضرب سے اتار لئے جائیں

ثِيَابُهٗ وَيُفَرَّقُ الضَّرْبُ عَلٰی اَعْضَائِهٖ اِلَّارَأْسَهٗ وَوَجْهَهٗ وَ فَرْجَهٗ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهٗ خَمْسِيْنَ كَذٰلِكَ

اس کے کپڑے اور متفرق کی جائے ضرب اس کے اعضاء پر سوائے سر چہرے اور شرمگاہ کے اور اگر وہ غلام ہو تو پچاس کوڑے لگائے اسی طرح

توضیح اللغۃ حدود، جمع حد، شہود۔ جمع شاہد، گواہ، میل۔ سرمہ کی سلائی، مکحلہ۔ سرمہ دانی، عدلوا۔ عادل ظاہر کیے گئے، محصن۔ شادی شدہ، رجمہ۔ سنگسار کردے، فضاء۔ وسیع زمین، جلدہ، سوط۔ کوڑا، ثمرۃ۔ گرہ۔

تشریح الفقہ قوله كتاب الحدود الخ حدود حد کی جمع ہے جس کے لغوی معنی روکنے کے ہیں۔ عقوبات خالصہ کو حدود اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اسباب عقوبات کے ارتکاب سے روکتی ہیں۔ اصطلاح شرع میں حد اس عقوبت مقدرہ معینہ کو کہتے ہیں جو بندگان خدا کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے بجہت حق اللہ فرض ہوئی ہے۔

قوله الزنا الخ زنا اس صحبت کو کہتے ہیں جو ایسی شرمگاہ میں ہو کہ وہ ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اور موجب حد زنا کی تعریف یہ ہے "هو وطی مكلف ناطق طائع فی قبل مشتهاة حالا اوماضيا خال عن ملكه و شبهته فی دارالاسلام او تمكينها من ذلك او تمكينه" یعنی زنا عاقل بالغ بولنے والے کا بخوشی صحبت کرنا ہے بالفعل یا باعتبار ماضی لائق شہوت عورت کی ایسی شرمگاہ میں جو ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو یا مرد کا یا عورت کا وطی پر قابو دے دینا ہے۔

قوله يثبت بالبينة الخ زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ "فاستشهدوا عليهن اربعة منكم" پھر گواہی میں صرف وطی کی شہادت کافی نہیں بلکہ صراحۃً لفظ زنا کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیونکہ وطی و جماع میں ملک یا شبہ ملک کا احتمال ہے پھر جب وہ شہادت دیں تو حاکم ان سے زنا کی حقیقت دریافت کرے اور پوچھے کہ زنا کس طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی، کہاں ہوا؟ دارالاسلام میں یا دارالحرب میں، کب ہوا؟ عنقریب یا بہت پہلے، اور کس کے ساتھ ہوا؟ ان سوالات کی ضرورت اس لئے ہے کہ ممکن ہے زنا زبردستی یا دارالحرب میں یا اپنے لڑکے کی باندی سے ہوا ہو اور گواہ ان چیزوں سے ناواقف ہوں اس لئے حاکم پوری تحقیق کرے تاکہ کسی حیلہ سے حد ٹل جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "حد کو ٹالو جہاں تک ممکن ہو"[1]۔

قوله و الا قرار الخ اگر زانی خود چار بار چار مجلسوں میں زنا کا اقرار کرلے تب بھی زنا ثابت ہو جائے گا۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور وہ پھر آ کر اقرار کرے۔ اسی طرح چار مرتبہ اقرار کرے اور حاکم اس سے بھی مذکورہ بالا سوالات کرے۔ جب وہ ان تمام باتوں کو کما حقہ بیان کردے تو حاکم اس کو زنا کی سزا دے۔ چار مرتبہ اقرار کرنا ہمارے نزدیک شرط ہے۔ امام شافعی کے ہاں ایک بار کافی ہے کیونکہ اقرار مظہر زنا ہے اور تکرار اقرار سے ظہور زنا میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1]۔ ترمذی، حاکم، دار قطنی، بیہقی عن عائشہ، ابن ماجہ، ابو یعلیٰ عن ابی ہریرہ، دار قطنی عن علی ۱۲

نے ماعز اسلمی کے چار بار اقرار سے قبل ثبوت زنا کا حکم نہیں فرمایا[1]۔

قولہ فان کان الزانی محصنا الخ اگر زانی محصن ہو تو قاضی اس کو میدان میں سنگسار کرے یہاں تک کہ وہ مر جائے مگر وجوب رجم کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے گواہ سنگسار کریں اگر انہوں نے انکار کر دیا تو رجم ساقط ہو جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں یہ شرط نہیں بلکہ ان کا حاضر رہنا مستحب ہے۔ ہماری دلیل حضرت علیؓ کی روایت ہے "جب آپ کے سامنے گواہ زنا کی شہادت دیتے تو آپ شاہدوں کو سنگساری کا حکم دیتے پھر آپ خود پتھر مارتے اس کے بعد عام لوگ سنگسار کرتے تھے[2]" اور اگر زانی کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہوا تو پہلے امام سنگسار کرے پھر عام لوگ۔

فَاِنْ رَّجَعَ الْمُقِرُّعَنْ اِقْرَارِهٖ قَبْلَ اِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ اَوْ فِیْ وَسَطِهٖ قُبِلَ رُجُوْعُهٗ وَ خُلِّیَ سَبِيْلُهٗ وَ
اگر پھر جائے مقر اپنے اقرار سے حد قائم ہونے سے پہلے یا درمیان میں تو قبول کیا جائے اس کا پھرنا اور چھوڑ دیا جائے

يُسْتَحَبُّ لِلْاِمَامِ اَنْ يُّلَقِّنَ الْمُقِرَّالرُّجُوْعَ وَ يَقُوْلُ لَهٗ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ اَوْقَبَّلْتَ وَالرَّجُلُ وَالْمَرْاَةُ
اس کو مستحب ہے امام کے لئے مقر کو پھر جانے کی تلقین کرنا اور کہنا کہ شاید تو نے چھویا یا بوسہ لیا ہو گا' مرد یا عورت

فِیْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ غَيْرَ اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تُنْزَعُ عَنْهَا ثِيَابُهَا اِلَّا الْفَرْوَ وَالْحَشْوَ وَاِنْ حَفَرَلَهَا فِی الرَّجْمِ
اس میں برابر ہیں بجز اس کے کہ اس کے کپڑے نہ اتاریں جائیں سوائے پوستین اور موٹے کپڑوں کے، اگر گڑھا کھودا عورت کی

جَازَ وَلَا يُقِيْمُ الْمَوْلٰی الْحَدَّ عَلٰی عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَاِنْ رَّجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ
سنگساری کے لئے تو جائز ہے' قائم نہیں کر سکتا آقا حد اپنے غلام اور باندی پر امام کی اجازت کے بغیر اگر پھر جائے کوئی گواہ حکم کے

الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَاِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ
بعد رجم سے پہلے تو حد لگائیجائے گی گواہوں کو اور ساقط ہو جائے گا رجم مشہود علیہ سے اگر پھر گیا رجم کے بعد تو حد لگائی

الرَّاجِعُ وَحْدَهٗ وَضَمِنَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَاِنْ نَّقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنْ اَرْبَعَةٍ حُدُّوْا جَمِيْعًا وَ اِحْصَانُ
جائے گی صرف پھرنے والے کو اور ضامن ہو گا چوتھائی دیت کا اگر کم ہو گواہوں کی تعداد چار سے تو سب کو حد لگائی جائے گی رجم کے لئے

الرَّجْمِ اَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُّسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً نِكَاحًا صَحِيْحًا وَّدَخَلَ بِهَا
محصن ہونا یہ ہے کہ زانی آزاد' بالغ' عاقل' مسلم ہو جس نے عورت سے نکاح صحیح کیا ہو اور اس سے صحبت کی ہو

وَهُمَا عَلٰی صِفَةِ الْاِحْصَانِ
اس حال میں کہ وہ دونوں محصن ہوں

اقرار اور شہادت سے رجوع کرنے کا بیان

توضیح اللغۃ خلی سبیلہ اس کو چھوڑ دیا جائے گا، یلقن تلقینا۔ سمجھانا، تمست (ن) لمسا۔ چھونا۔ قبلت تقبیلا۔ بوسہ لینا' فرو۔ پوستین، حشو۔ روئی بھرا ہوا کپڑا، حفر حفراً۔ کھودنا، احصان۔ شادی شدہ ہونا۔

[1] صحیحین عن ابی ہریرہ و جابر بن عبداللہ' مسلم عن جابر بن سمرہ و ابن عباس' مسلم' ابوداؤد' نسائی عن بریدہ' ابوداؤد' نسائی' احمد عن نعیم بن ہزال' احمد عن ابی ذر، احمد' ابن راہویہ' ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ' بیہقی' احمد ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ فان رجع المقر الخ اگر مقر اقرار کے بعد حد سے پیشتر یا حد کے درمیان اقرار سے رجوع کر لے تو چھوڑ دیا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک حد جاری ہوگی کیونکہ حد اس کے اقرار سے واجب ہوئی ہے پس رجوع سے ساقط نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا رجوع خبر ہے جس میں صدق کا بھی احتمال ہے اور کوئی مکذب موجود نہیں تو اقرار میں شبہ آ گیا اور حدود ادنیٰ شبہ سے ٹل جاتی ہیں۔

قولہ وان حفر لها الخ عورت کو سنگسار کرنے کے لئے گڑھا کھودنا جائز بلکہ احسن ہے کیونکہ اس میں عورت کے لئے پردہ زیادہ ہے۔ یہ گڑھا سینہ تک گہرا کھودا جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہؓ کے لئے چھاتی تک گڑھا کھدوایا تھا لیکن مرد کے لئے نہ کھودا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کے لئے گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔ (جوہرہ)

قولہ ولا یقیم المولیٰ الخ آقا اپنے غلام یا باندی پر حکم حاکم کے بغیر حد نہیں قائم کر سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اربعة الی الولاة الجمعة والفیئ والحدو والصدقات" نیز آقا خود اپنی ذات پر حد قائم کرنے کا مجاز نہیں تو غلام اور باندی پر قائم کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ ہاں ان کو سزا دے سکتا ہے لانہ حق العبد۔ (جوہرہ)

قولہ وان رجع احد الشهود الخ چار گواہوں کی شہادت سے مشہود علیہ کو سنگسار کرنے کا فیصلہ ہو گیا لیکن ابھی سنگسار نہیں کیا گیا تھا کہ ان میں سے ایک نے شہادت سے رجوع کر لیا تو سب پر حد جاری ہوگی اور مشہود علیہ سے رجم ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کے حق میں شہادت کامل نہیں رہی اور اگر سنگسار کر دینے کے بعد رجوع کیا تو رجوع کرنے والے پر حد قذف جاری ہوگی کیونکہ اس کی شہادت منقلب بقذف ہو گئی اور اس پر ربع دیت کا تاوان بھی واجب ہوگا کیونکہ اتلاف نفس اس کی شہادت کی وجہ سے ہوا ہے اور جب اس نے رجوع کر کے اقرار کر لیا کہ اتلاف نفس بلا حق ہوا ہے تو اس کے حساب سے دیت کا تاوان واجب ہوگا۔

قولہ واحصان الرجم الخ سنگسار کرنے کے لئے زانی کا محصن ہونا شرط ہے اگر محصن نہ ہو تو سنگسار نہیں کیا جائے گا اور محصن ہونے کے لئے سات شرطیں ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو رجم نہ ہوگا۔ ۱۔ آزاد ہونا۔ غلام اور باندی محصن نہیں کیونکہ مملوک بذات خود نکاح صحیح پر قادر نہیں۔ ۲۔ عاقل ہونا۔ ۳۔ بالغ ہونا۔ صغیر اور مجنون عدم اہلیت عقوبت کی وجہ سے محصن نہیں۔ ۴۔ مسلمان ہونا۔ کافر محصن نہیں۔ ۵۔ وطی کا ہونا۔ ۶۔ بوقت دخول نکاح صحیح کے ساتھ جماع کا ہونا۔ جس نے بلا شہود نکاح کیا ہو وہ محصن نہیں۔ ۷۔ بوقت وطی زوجین کا صفت احصان کے ساتھ متصف ہونا۔ جس شخص نے کتابیہ ذمیہ یا صغیرہ یا مجنونہ سے نکاح کر کے قربت کی ہو وہ محصن نہیں کیونکہ زوجہ عدم اسلام یا عدم تکلیف کی وجہ سے محصنہ نہیں ہے۔

قولہ مسلماً الخ شرط نمبر ۴ یعنی مسلمان ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک احصان کے لئے زانی کا مسلمان ہونا شرط نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی اور یہودیہ کو سنگسار کیا تھا[1]۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا وہ محصن نہیں[2]" اور امام شافعی کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بحکم تورات رجم کا حکم فرمایا تھا کیونکہ اس وقت تک آیت رجم نازل نہیں ہوئی تھی اس کے بعد آیت رجم بلا شرط اسلام نازل ہوئی پھر رجم کا حکم بشرط اسلام ہوا (کذا فی الفتح) علاوہ ازیں ہماری دلیل قولی حدیث ہے اور وہ ایک واقعہ جزئیہ ہے۔ والباب باب الحد۔

فائدہ شروط سبعہ مذکورہ کو شیخ ابن وہبان نے ذیل کے اشعار میں نظم کیا ہے ۔

شرائط احصان به الرجم قرروا بلوغ و عقل واسلام تحرر
نکاح صحیح والدخول بهابه وکل من الزوجین بالوصف ینظر

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

۱۔ ائمہ ستہ، ابن حبان عن ابن عمر ۱۲۔ ۲۔ ابن راہویہ، دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔

وَلا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصِنِ بَيْنَ الْجلدِ وَالرَّجْمِ وَلا يُجْمَعُ فِي الْبِكْرِبَيْنَ الْجلدِ وَالنَّفْيِ اِلَّا اَنْ

جمع نہ کیاجائے گا محصن میں کوڑے اور سنگساری کو اور جمع نہ کیا جائے گا کنوارے میں کوڑے اور جلاوطنی کو الایہ کہ

يَّرَى الْاِمَامُ ذٰلِكَ مَصْلَحَةً فَيُعَزِّرُبِهٖ عَلٰى قَدْرِ مايرٰى وَاِذَا زَنٰى الْمَرِيْضُ وَحَدُّهٗ الرَّجْمُ

دیکھے امام اس میں کوئی مصلحت پس سزا دے اس کو اپنی صوابدید پر زنا کیا بیمار نے جس کی حد سنگساری ہے

رُجِمَ وَاِنْ كَانَ حَدُّهٗ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتّٰى يَبْرأ وَاِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تحَدّ حَتّٰى تَضَعَ

تو سنگسار کر دیا جائے گا اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو نہ مارے جائیں یہاں تک کہ اچھا ہو جائے جب حاملہ زنا کرے تو حد نہ لگے گی وضع حمل تک

حَمْلَهَا وَاِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدُ فَحَتّٰى تَتَعلّٰا مِنْ نَفَاسِهَا وَاِنْ كَانَ حَدُّهَا الرَّجْمُ رُجِمَتْ فِي

اگر ہو اس کی حد کوڑے تو اس کے نفاس سے پاک ہونے تک اگر اس کی حد سنگساری ہو تو سنگسار کر دی جائے گی

النِفَاسِ وَاِذَا شَهِدَ الشُّهُوْدُ بحدٍ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعُهُمْ عَنْ اِقَامَتِهٖ بُعْدُهُمْ عن الْاِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ

نفاس میں، گواہی دی گواہوں نے پرانی حد کی جس کو قائم کرنے سے مانع نہ تھا ان کا دور ہونا امام سے تو قبول نہ ہو گی

شَهَادَتُهُمْ اِلَّا فِيْ حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً وَمَنْ وَطِئَ اَجْنَبِيَّةً فِيْ مَادُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ وَلاحَدَّ

ان کی گواہی مگر حد قذف میں خاص کر، جس نے وطی کی اجنبیہ سے فرج کے علاوہ میں تو سزا دی جائے گی، حد نہیں

عَلٰى مَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ وَلَدِهٖ اَوْوَلَدِ وَلَدِهٖ وَاِنْ قَالَ عَلِمْتُ اَنَّهَا حَرَامٌ عَلَيَّ وَاِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ اَبِيْهِ

اس پر جو وطی کرے اپنے بیٹے یاپوتے کی باندی سے اگرچہ وہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے، وطی کی اپنے باپ

اَوْاُمِّهٖ اَوْزَوْجَتِهٖ اَوْوَطِئَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ وَقَالَ عَلِمْتُ اِنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ حُدَّوَاِنْ قَالَ

یا ماں یا بیوی کی باندی سے یا وطی کی غلام نے اپنے آقا کی باندی سے اور یہ کہا کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد لگائی جائے گی اگر یہ کہا

ظَنَنْتُ اِنَّهَا تُحِلُّ لِيْ لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ اَخِيْهِ اَوْعَمِّهٖ وَقَالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا تَحِلُّ لِيْ

کہ میں اس کو اپنے لئے حلال سمجھتا تھا تو حد نہ لگائی جائے گی، وطی کی اپنے بھائی یا چچا کی باندی سے اور کہا میں اس کو حلال سمجھتا تھا تو

حُدَّ وَمَنْ زُفَّتْ اِلَيْهِ غَيْرُامْرَأَتِهٖ وَقَالَتِ النِّسَاءُ اَنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلاحَدَّ عَلَيْهِ وَ

حد لگائی جائے گی، بھیج دی گئی شب زفاف میں کوئی عورت اور کہہ دیا عورتوں نے کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے وطی کر لی تو حد نہ ہو گی اور

عَلَيْهِ الْمَهْرُ وَمَنْ وَّجَدَامْرَأَةً عَلٰى فِرَاشِهٖ فَوَطِئَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لايَحِلُّ

اس پر مہر ہوگا، کسی نے پائی کوئی عورت اپنے بستر' اس سے وطی کر لی تو اس پر حد ہے، شادی کی ایسی عورت سے جس سے حلال نہیں

لَهٗ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ عِنْدَهُمَا يُحَدُّوَمَنْ اَتٰى

اس کا نکاح اور وطی کر لی تو اس پر حد واجب نہیں امام صاحب کے نزدیک صاحبین کے ہاں حد لگائی جائے گی کسی نے وطی کی

اِمْرَأَةً فِيْ الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوْهِ اَوْ عَمِلَ عَمَلَ لُوْطٍ فَلا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ يُعَزَّرُ

عورت سے مکروہ جگہ میں یا عمل کیا قوم لوط کا تو اس پر حد نہیں امام صاحب کے نزدیک ہاں سزا دی جائے گی

وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ كَالزِّنَا فَيُحَدُّ وَمَنْ وَّطِئَ بَهِيْمَةً فَلا حَدَّ عَلَيْهِ وَمَنْ زَنٰى فِيْ دَارِالْحَرْبِ

صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ زنا کی طرح ہے لہٰذا حد لگائی جائے گی، کسی نے وطی کی چوپایہ سے اس پر حد نہیں' جس نے زنا کیا دارالحرب

اَوْ فِي دَارِالْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الْحَدُّ

یا باغیوں کی حکومت میں پھر ہمارے ہاں آ گیا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی

تشریح الفقہ قوله ولا يجمع الخ اہل ظاہر وامام احمد کے ہاں جلد و رجم میں اور امام شافعی کے ہاں جلد و نفی میں جمع کرنا جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "کنوارے مرد کو کنواری عورت کے ساتھ کوڑے مارنا اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ مرد کو شادی شدہ عورت کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ہے[1] لیکن جمہور کے نزدیک جمع مذکور جائز نہیں کیونکہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز وغیرہ کو رجم کیا اور کوڑے نہیں مارے۔ معلوم ہوا کہ جمع مذکور منسوخ ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے اس لئے مارے کہ آپ کو اس کے محصن ہونے کا علم نہیں تھا پھر اس کا محصن ہونا معلوم ہوا تو آپ نے سنگسار کیا" ابوداؤد اور نسائی کے الفاظ "فامربه النبی صلی الله علیه وسلم فجلد ثم اخبر انه کان قداحصن فامربه فرجم" اس کے شاہد عدل ہیں۔ ہاں اگر حاکم تعزیزاً جلاوطن کرنا مناسب سمجھے تو جمع کرسکتا ہے۔ روایات میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ و عثمانؓ سے جلد و نفی کے درمیان جمع کرنا مروی ہے وہ اسی پر محمول ہے[2]۔

قوله واذا زنت الحامل الخ اگر زانیہ عورت حاملہ ہو تو حد وضع حمل کے بعد جاری ہوگی کیونکہ اس سے قبل بچہ کی ہلاکت کا اندیشہ ہے پھر اگر حد کوڑوں کی ہو تو نفاس سے فراغت تک مؤخر ہوگی اور سنگساری ہو تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم ہوگی الا یہ کہ کوئی بچہ کی پرورش کرنے والا نہ ہو۔ فانہ یوخرالی ان یاکل ویشرب لحدیث الغامدیۃ[3]۔

قوله بحد متقادم الخ شاہدوں نے ایک پرانی بات پر گواہی دی جو موجب حد تھی تو ان کی شہادت مسترد ہوگی اور حد قائم نہ ہوگی کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے اس واسطے کہ شاہد حدود کو دو چیزوں میں اختیار ہے۔ ایک اداء شہادت میں، دوسرے پردہ پوشی میں۔ تو اتنی تاخیر اگر پردہ پوشی کی وجہ سے تھی تو اب گواہی دینا کینہ اور عداوت پر دال ہے اور اگر پردہ پوشی کی وجہ سے نہیں تھی تو تاخیر کی وجہ سے فاسق ہوا اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں لیکن حد قذف اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں تقادم کے بعد بھی گواہی مقبول ہے کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور اس میں دعویٰ کرنا شرط ہے پس یہ سمجھا جائے گا کہ گواہوں نے اس لئے تاخیر کی کہ صاحب حق کی طرف سے دعویٰ نہیں تھا۔

قوله ولا حد علی من وطی الخ اگر اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی کرلی تو اس میں حد نہیں ہے کیونکہ حدیث "انت و مالک لابیک[4]" سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کا مال باپ کا مال ہے پس بیٹے اور پوتے کی باندی کے ساتھ وطی کی حالت کا شبہ پیدا ہوگیا (گو بنظر ادلہ شرعیہ واقع میں اس کی حلت ثابت نہیں) اور شبہ فی المحل سے حد مرتفع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ حرمت محل کا گمان رکھتا ہو کیونکہ شبہ محل میں اسقاط حد کا مدار دلیل شرعی پر ہے نہ کہ زانی کے اعتقاد پر۔ اسی طرح اگر والدین کی یا اپنی بیوی کی یا اپنے آقا کی باندی سے جماع کیا تو اس میں اتصال املاک کی وجہ سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ لڑکے کو اپنے باپ کی باندی پر ولایت ہے جیسے باپ کو بیٹے کی باندی پر ولایت ہے پس نفس صحبت میں حلت کا شبہ پیدا ہو گیا، جس کو شبہ فی الفعل کہتے ہیں اس سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے بشرطیکہ زانی نے حلت وطی کا گمان کیا ہو ورنہ حد جاری ہوگی اور اگر اپنے بھائی یا چچا کی باندی سے وطی کی اور حلت کا گمان کیا تو حد جاری ہوگی کیونکہ یہاں اتصال املاک وانبساط فی الاموال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حلت کا شبہ ہو۔

[1] مسلم عن عبادہ ۱۲ [2] ترمذی، نسائی، حاکم، مالک، دار قطنی عن ابی بکر وعمر، ابن ابی شیبہ عن عثمان ۱۲ [3] مسلم عن بریدہ وعمران بن حصین ۱۲ [4] ابن ماجہ طبرانی عن جابر، ابن حبان عن عائشہ، بزار طبرانی عن سمرہ، بزار ابن عدی عن عمر، طبرانی، ابن عدی، عن ابن مسعود، ابو یعلی، بزار عن ابن عمر ۱۲۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

شراب پینے کی سزا کے بیان میں

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَشَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُوْدُ
کسی نے شراب پی اور پکڑا گیا بدبو ہوتے ہوئے اور گواہی دی گواہوں نے

بِذٰلِكَ اَوْاَقَرَّ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَعَلَيْهِ الْحَدُّوَاِنْ اَقَرَّبَعْدَ ذِهَابِ رِيْحِهَا لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ
اس کی یا اس نے خود اقرار کیا اور بدبو موجود تھی تو اس پر حد ہے اگر اقرار کیا بدبو ختم ہونے کےبعد تو حد نہ لگائی جائے گی جو

سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ حُدَّ وَلَا حَدَّ عَلٰى مَنْ وُّجِدَ مِنْهُ رِيْحُ الْخَمْرِ اَوْتَقَيَّاهَا وَلَايُحَدُّ السُّكْرَانُ
نشہ میں ہوجائے نبیذ سے تو حد لگائی جائے گی' حد نہیں اس پر جس سے شراب کی بدبو آئے یا وہ قے کرے شراب کی' حد نہ لگائی جائے گی نشہ

حَتّٰى يُعْلَمَ اَنَّهُ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ وَ شَرِبَهُ طَوْعًا وَّلَا يُحَدُّ حَتّٰى يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُوَحَدُّالْخَمْرِ
والے کو یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ نشہ نبیذ سے ہوا ہے اور بخوشی پی ہے اور حد نہ لگائی جائے گی یہاں تک کہ نشہ اتر جائے' شراب

وَالسُّكْرِ فِى الْحُرِّثَمَانُوْنَ سَوْطًا يُفَرَّقُ عَلٰى بَدَنِهٖ كَمَا ذَكَرْنَا فِى حَدِّ الزِّنَا وَاِنْ كَانَ عَبْدًافَحَدُّهٗ
اور نشہ کی حد آزاد کے لئے اسی کوڑے ہیں جو متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے جیسے ہم نے ذکرکیا ہے حد زنا میں' اگرغلام ہو تو اس کی حد

اَرْبَعُوْنَ سَوْطًا وَّمَنْ اَقَرَّبِشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ وَيَثْبُتُ الشُّرْبُ
چالیس کوڑے ہیں' کسی نے اقرار کیا شراب یا نشہ پینے کا' پھر اس سے پھر گیا تو حد نہ لگے گی' ہو جاتا ہے شراب پینے

بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ اَوْبِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّلَايُقْبَلُ فِيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ
کا ثبوت دو گواہوں کی گواہی سے یا اس کے اقرار سے ایک بار قبول نہ ہو گی اس میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ

تشریح الفقہ قولہ ومن شرب الخمر الخ جس شخص نے شراب پی اور اس حالت میں گرفتار ہوا کہ شراب کی بو اس کے منہ میں موجود تھی یا شراب کے علاوہ کسی دوسری نشہ آور چیز کے پینے سے مست ہو۔ اگر چہ وہ نبیذ ہو اور دو مرد شراب پینے کی گواہی دیں یا وہ خود اقرار کرے تو اس کو حد شرب لگائی جائے گی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خواہش سے شراب پی ہے۔

قولہ ومن سکر الخ شراب کے علاوہ میں نشہ ہونے کی قید ہے۔ نشہ کے بغیر حد نہ ہوگی بخلاف شراب کے کہ اس میں یہ قید نہیں بلکہ حد ہو گی گو نشہ نہ ہو اگر کسی کے منہ سے شراب کی بو آئے یا وہ شراب کی قے کرے تو حد نہ ہوگی کیونکہ ممکن ہے زبردستی پی ہو۔

قولہ وحدالخمر الخ حد شرب خمر میں کوڑوں کا ثبوت تو حدیث'' من شرب الخمر فاجلدوہ فان عادفاجلدوہ[1] '' سے ہے اور کوڑوں کی مقدار امام شافعی کے نزدیک چالیس ہے اور مصلحتہً اسی کی اجازت ہے۔ امام صاحب' اور امام مالک کے نزدیک اسی متعین ہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کے خلافت میں صحابہؓ کے مشورہ سے یہی طے ہوا تھا۔ اسی پر صحابہؓ کا اجماع ہے[2]۔

---

[1] اصحاب سنن غیر الترمذی' ابن حبان' حاکم' عبدالرزاق' احمد عن ابی ہریرہ' ائمہ ستہ' ابن حبان' حاکم عن معاویہ' نسائی' حاکم عن ابی عمر' ابوداؤد عن قبیصہ' نسائی (فی الکبریٰ) بزار عن جابر' ابن حبان عن الخدری' حاکم' احمد' طبرانی عن ابن عمر ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ عن علی وابن عباس' بخاری عن السائب' مسلم عن انس ۱۲۔

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

تہمت لگانے کی سزا کے بیان میں

اذا قذف الرَّجُلُ مُحصِنًا اَوِامْرَأَةً مُحصِنَةً بِصَرِيحِ الزِّنا
تہمت لگائی کسی نے محصن مرد یا عورت کو صریح زنا کی

وطالب المَقذُوفُ بِالْحَدِّ حَدَّهُ الحاكِمُ ثَمانِينَ سَوطًا إن كَانَ حُرًّا يُفَرِّقُ على اعضائِه
اور مطالبہ کیا مقذوف نے حد کا تو حد لگائے اس کو حاکم اسی کوڑے اگر آزاد ہو اس کے متفرق اعضاء پر

وَلا يُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِه غَيرَ انَّه يُنزَعُ عَنْهُ الفَرْوُ وَ الْحَشْوُوانُ كَانَ عَبدًاجَلَدَهُ اَربَعِينَ
اور ننگا نہ کیا جائے کپڑوں سے لیکن اتار دیا جائے اس سے پوستین اور روئی بھرا ہوا کپڑا اگر غلام ہو تو کوڑے لگائے چالیس

سَوطًا وَالاِحْصَانُ اَنْ يَكُونَ الْمَقذُوفُ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسلِمًا عَفِيفًا عَنْ فِعلِ الزِّنا وَ
اورمحصن ہونا یہ ہے کہ ہو مقذوف آزاد، بالغ، عاقل، مسلم، زنا سے پاک دامن

مَنْ نَفٰى نَسَبَ غَيرِه فَقالَ لَستَ لِاَبِيكَ اَوْ يَا ابنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهُ مُحصِنَةٌ مَيِّتَةٌ فَطالَبَ الاِبْنُ
جس نے کسی کے نسب کی نفی کی پس کہا تو اپنے باپ کا نہیں ہے یا او زانیہ کے بیٹے اور اس کی ماں محصنہ مر چکی ہے بیٹے نے ماں کی

بِحَدِّهَا حُدَّالْقَاذِفُ وَلايُطَالَبُ بِحَدِّ القَذفِ لِلْمَيِّتِ اِلَّا مَنْ يَقَعُ الْقَدْحُ فِي نَسَبِه بِقَذفِه وَاِذا
حد کا مطالبہ کیا تو قاذف کو حد لگائی جائے گی، مطالبہ نہیں کر سکتا حد قذف کا میت کی طرف سے مگر وہی جس کے نسب میں فرق آتا ہو تہمت سے، جب

كانَ الْمَقذُوفُ مُحصِنًا جازَ لِابْنِهِ الْكافِرِ وَالْعَبدِ اَنْ يُطالِبَ بالحَدِّ وَلَيسَ لِلْعَبدِ اَنْ يُطالِبَ
مقذوف محصن ہو تو جائز ہے اس کے کافر بیٹے اور غلام کے لئے حد کا مطالبہ کرنا، جائز نہیں غلام کے لئے یہ کہ مطالبہ کرے

مَوْلاهُ بِقَذفِ اُمِّهِ الْحُرَّةِ وَاِنْ اَقَرَّ بِالْقَذفِ ثُمَّ رَجَعَ لَم يُقبَلْ رُجُوعُهُ وَ مَنْ قَالَ لِعَرَبِيٍّ يا نَبَطِيُّ
اپنے آقا پر اپنی آزاد ماں پر تہمت کی حد کا، اگر اقرار کیا تہمت کا، پھر رجوع کرنے لگا تو رجوع قبول نہ ہوگا، کسی نے عربی کو کہا اونبطی

لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ قالَ لِرَجُلٍ يا ابنَ ماءِ السَّماءِ فَلَيسَ بِقاذِفٍ وَاِذا نَسَبَهُ اِلٰى عَمِّه اَوْاِلٰى خالِه اَوْاِلٰى
تو حد نہ لگے گی، جس نے کسی سے کہا او آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ قاذف نہیں، جب منسوب کیا کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا

زَوْجِ اُمِّه فَلَيسَ بِقاذِفٍ وَمَنْ وَطِئَ وَطْئًا حَرامًا فِيْ غَيرِ مِلكِه لَمْ يُحَدَّ قاذِفُهُ وَالْمُلاعِنَةُ بِوَلَدٍ لا يُحَدُّقاذِفُها
اس کی ماں کے شوہر کی طرف تو وہ قاذف نہیں، جس نے حرام وطی کی غیر ملک میں تو اس کے قاذف کو حد نہ لگے گی بچہ کی وجہ سے لعان کرنیوالی کے قاذف کو حد نہ لگے گی

توضیح اللغۃ قذف (ض) پتھر پھینکنا، تہمت لگانا، محصن۔ شادی شدہ، پاک دامن، مقذوف۔ جس کو تہمت لگائی جائے، سوط۔ کوڑا، فرو۔ پوستین، حشو۔ روئی بھرا ہوا کپڑا، جلدہ۔ کوڑے لگائے، عفیف۔ پاک دامن، قاذف۔ تہمت لگانے والا، قدح۔ عیب، عار، نبطی۔ نبط ایک عجمی قوم تھی جو عراقین کے درمیان آباد تھی پھر عوام الناس پر اطلاق ہونے لگا۔

تشریح الفقہ قولہ باب حد القذف الخ قذف کے لغوی معنی پتھر پھینکنا ہے اور شرعاً زنا کی تہمت لگانا جو باجماع ائمہ کبائر میں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "سات مہلک گناہوں سے بچو" ان میں سے ایک زنا کی تہمت لگانا ہے۔

قولہ اذا قذف الرجل الخ اگر کوئی شخص محصن مرد یا محصنہ عورت پر صریح زنا کی تہمت لگائے اور مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی ہے وہ اس پر حد لگنے کا مطالبہ کرے تو حاکم تہمت لگانے والے کے اسی کوڑے لگوائے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شہداء فاجلدوہم ثمنین جلدة'' (جولوگ عیب لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں کو پھر نہ لائیں چار مرد شاہد تو ماروان کو اسی درے) اس میں رمی سے مراد بالا جماع تہمت زنا ہے اور آیت چونکہ ایک عورت کے قصے میں نازل ہوئی ہے اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا۔ ورنہ پاک دامن مردوں پر تہمت لگانے کا بھی یہی حکم ہے اور مطالبہ مقذوف کی شرط اس لئے ہے کہ اس میں اس کا حق ہے پھر اسی کوڑے اس وقت ہیں جب قاذف آزاد ہو اگر غلام ہو تو اس کو چالیس کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ غلام کی حد آزادگان کا نصف ہوتی ہے۔

قولہ ولا یطالب الخ مردہ کی طرف سے حد قذف کی درخواست وہی کرسکتا ہے جس کے نسب میں اس تہمت سے فرق پڑتا ہو یعنی ولد اور والد لان العار یلحق به لمکان الحریة۔ امام شافعی کے ہاں حد قذف کا حق ہر وارث کے لئے ثابت ہے کیونکہ ان کے ہاں اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

قولہ ولیس للعبد الخ اگر کوئی شخص اپنے غلام کو یہ کہہ کر پکارے: او زانیہ کے بیٹے اور اس غلام کی ماں آزاد اور محصنہ تھی تو غلام کے لئے آقا پر حد قذف کے مطالبہ کا حق نہیں ہے کیونکہ غلام خود اپنے لئے آقا پر حد قذف کا مطالبہ نہیں کرسکتا فلا یملکه لامه۔ (جوہرہ)

قولہ ومن قال لرجل الخ اگر کوئی شخص کسی کو یا ابن ماء السماء کہہ کر پکارے تو اس پر حد قذف نہیں ہے کیونکہ اسے جود وسخا، حسن وصفا کی تشبیہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ ابو مزیقیا عامر بن حارث کا لقب ماء السماء تھا اس واسطے کہ قحط سالی کے زمانہ میں اپنا مال بارش کی طرح بہاتا تھا۔ اسی طرح ام المنذر حسن و جمال کی وجہ سے ملقب بماء السماء تھی اور نعمان بن المنذر (یا اس کے دادا) کا لقب بھی کثرت سخاوت کی وجہ سے ابن ماء السماء تھا۔ (غایۃ)

قولہ واذا نسبه الخ اگر کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو یہ تہمت نہ ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک پر اب کا اطلاق ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے ''واله آبائک ابراهیم و اسماعیل و اسحق'' حالانکہ حضرت اسماعیل چچا تھے۔ نیز حدیث میں ہے ''الخال اب'' اور ماں کے شوہر کو تربیت و پرورش کی وجہ سے عرفاً باپ سمجھا جاتا ہے (جوہرہ)

قولہ ومن وطی الخ اگر کسی نے دوسرے کی ملک میں حرام طور پر وطی کر لی تو اس پر تہمت لگانے والے کو حد نہ لگائی جائے گی کیونکہ وہ حرام وطی کرنے کی وجہ سے محصن نہیں رہا اور اگر کوئی عورت بچہ کی وجہ سے لعان کر چکی ہو تو اس پر تہمت لگانے والے کو بھی حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس عورت میں زنا کی علامت موجود ہے اور وہ بلا باپ کے بچہ کا ہونا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ قَذَفَ اَمَةً اَوْعَبْدًا اَوْكَافِرًا بِالزِّنَا اَوْقَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزِّنَا فَقَالَ يَا فَاسِقُ اَوْيَا كَافِرُاَوْ

جس نے تہمت لگائی باندی یا غلام یا کافر کو زنا کی یا تہمت لگائی مسلمان کو غیر زنا کی پس کہا او فاسق، او کافر یا

يَاخَبِيْثُ عُزِّرَوَانْ قَالَ يَا حِمَارُ اَوْيَاخِنْزِيْرُ لَمْ يُعَزَّرْ وَالتَّعْزِيْرُ اَكْثَرُهٗ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطًا

او خبیث تو سزا دی جائے گی اگر کہا او گدھے اور سور تو تعزیر نہ کی جائے گی تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے

وَاَقَلُّهٗ ثَلٰثُ جَلَدَاتٍ وَّقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيْرِ خَمْسَةً وَّسَبْعُوْنَ سَوْطًا وَّ

اور کم سے کم تین کوڑے ہیں امام یوسف فرماتے ہیں کہ تعزیر پچھتر کوڑوں تک ہو سکتی ہے۔

اِنْ رَّاٰى الْاِمَامُ اَنْ يَضُمَّ اِلَى الضَّرْبِ فِى التَّعْزِيْرِ الْحَبْسَ فَعَلَ وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ حَدُّ

اگر امام مناسب سمجھے تعزیر میں کوڑوں کے ساتھ قید کرنا تو کرے سب سے سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد

الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حَدَّهُ الْإِمَامُ اَوْعَزَّرَهُ فَمَاتَ فَدَمُهُ هَدْرٌ
زنا کی پھر حد شرب پھر حد قذف کی جس کو حد لگائی امام نے یا سزا دی اور وہ مر گیا تو اس کا خون معاف ہے

اِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِي الْقَذْفِ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ[1] وَاِنْ تَابَ وَاِنْ حُدَّ الْكَافِرُ فِي الْقَذْفِ ثُمَّ اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ
جب حد لگائی گئی مسلم پر قذف کی تو اس کی شہادت ساقط ہوگئی گو وہ توبہ کرے' اگر حد لگائی گئی کافر کو قذف کی پھر وہ مسلمان ہوگیا تو اس کی شہادت قبول ہوگی

تعزیر کے احکام

تشریح الفقہ قولہ عزر الخ لغت میں تعزیر مطلق تادیب کو کہتے ہیں ترشروئی کے ساتھ ہو یا سخت گوئی کے ساتھ ہو یا گوشمالی کے ساتھ ہو یا زدوکوب کے ساتھ' دو چار ضربوں کے ساتھ ہو یا دس پانچ کے ساتھ (درر' منح' زیلعی) تعزیر و عدم تعزیر میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مخاطب کو ایسے فعل اختیاری کی طرف منسوب کرے جو شرعاً حرام ہو اور عرفاً باعث عار ہو تو اس میں قائل پر تعزیر ہے اور اگر وہ فعل منسوب اختیاری نہ ہو یا اختیاری ہو مگر شرعاً حرام نہ ہو یا شرعاً حرام ہو مگر عرفاً باعث عار نہ ہو تو اس میں تعزیر نہیں ہے اس قاعدہ کے پیش نظر جملہ الفاظ کا حکم بسہولت معلوم ہو سکتا ہے۔

قولہ اکثرہ تسعة الخ امام صاحب کے نزدیک تعزیر کی اکثر مقدار انتالیس کوڑے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ظاہر روایت کے اعتبار سے پچھتر کوڑے ہیں۔ امام محمد کو بعض نے امام صاحب کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے امام ابو یوسف کے ساتھ۔ تعزیر میں اصل دلیل یہ حدیث ہے "من بلغ حدا فی غیر حد فھو من المعتدین"[2] یہ حدیث گو مرسل ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ تعزیر کی مقدار حد سے کم ہونی چاہئے۔ تو امام صاحب نے بنظر احتیاط غلام کی حد سے (جو چالیس کوڑے ہیں) ایک کوڑا کم کر دیا۔ امام ابو یوسف نے احرار کی حد کا اعتبار کیا کیونکہ حریت اصل ہے اور پچھتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حر کی انتہائی حد سو کوڑے اور غلام کی انتہائی حد پچاس کوڑے ہیں پس ہر ایک کا نصف ہونا چاہیے۔

قولہ فدمہ ھدر الخ اگر امام کی تعزیر سے کوئی مر جائے تو اس کا خون معاف ہے۔ امام شافعی کے ہاں بیت المال سے اس کی دیت واجب ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حاکم نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا شرعاً مامور ہے اور مامور کا فعل سلامتی کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔

كِتَابُ السَّرِقَةِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيْقِ

چوری اور ڈکیتی کے بیان میں

اِذَا سَرَقَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ اَوْ
جب چرائے بالغ عاقل دس درہم یا

مَاقِيْمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً اَوْغَيْرَ مَضْرُوْبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَّاشُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ الْقَطْعُ
وہ چیز جس کی قیمت دس درہم ہو سکہ دار ہوں یا بے سکہ ایسی محفوظ' جگہ سے جس میں کوئی شبہ نہیں تو قطع ید واجب ہے

[1] لقولہ تعالیٰ "ولا تقبلوا لھم شھادة ابدا" ۱۲ [2] بیہقی محمد عن النعمان بن بشیر ۱۲۔

وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِيْهِ سَوَاءٌ وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَّاحِدَةً اَوْبِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ و
اس میں غلام اور آزاد برابر ہیں واجب ہے قطع ید اس کے اقرار سے ایک بار یا دو گواہوں کی گواہی سے
اِذَااشْتَرَکَ جَمَاعَةٌ فِيْ سَرِقَةٍ فَاَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَاِنْ اَصَابَهُ اَقَلَّ لَمْ يُقْطَعْ
جب شریک ہو ایک جماعت چوری میں اور پہنچے ان میں سے ہر ایک کو دس درہم تو قطع ید ہو گا اگر اس سے کم پہنچے تو قطع ید نہیں

تشریح الفقہ قولہ کتاب السرقہ الخ سرقہ لغۃً دوسرے کی چیز چھپا کر لینے کو کہتے ہیں اور ترتیب حکم شرعی کے لحاظ سے سرقہ یہ ہے کہ عاقل بالغ شخص کسی دوسرے کی ایسی چیز چھپا کر لے لے جس کی قیمت سکہ دار دس درہموں کے برابر ہو اور مکان یا کسی محافظ کے ذریعہ سے محفوظ ہو پھر اہل ظاہر اور خوارج کے ہاں قطع ید کے لئے کوئی مقدار معین نہیں کیونکہ آیت "السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما" میں اطلاق ہے۔ جواب یہ ہے کہ پھر تو گیہوں کے ایک دانہ میں بھی قطع ید ہونا چاہئے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ امام شافعی کے ہاں ربع دینار میں اور امام مالک واحمد کے ہاں تین درہم میں قطع ید ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ربع دینار میں ہاتھ کاٹو اور اس سے کم میں نہ کاٹو"[1] نیز عہد نبوی میں قطع ید ایک ڈھال کی چوری میں تھا جس کی قیمت تین درہم تھی[2]۔ احناف کے ہاں سرقہ کا نصاب دس درہم ہے۔ کیونکہ ڈھال کی قیمت تین درہم سے زیادہ بھی روایت سے ثابت ہے اور حدود کے باب میں اکثر پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ "قطع ید نہیں مگر دس درہم میں[3]" حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس ڈھال میں ہاتھ کاٹا گیا تھا اس کی قیمت دس درہم تھی[4]"

قولہ باقرارہ مرۃ الخ چور جب چوری کا ایک مرتبہ اقرار کر لے یا دو مرد گواہی دے دیں تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے کیونکہ ثبوت سرقہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں اور اگر چوری میں ایک گروہ شریک ہو اور مال لینے والے بعض ہوں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے بشرطیکہ ہر ایک کو بقدر نصاب مال پہنچا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ چور عام طور سے ایسا ہی کرتے ہیں کہ بعض مال نکالنے کے لئے اندر چلے جاتے ہیں اور بعض دیکھ بھال کے لئے باہر کھڑے رہتے ہیں اگر سب کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو چوری کا دروازہ کھل جائے گا۔

وَلَا يُقْطَعُ فِيْمَا يُوْجَدُ تَافِهًا مُّبَاحًا فِيْ دَارِالْاِسْلَامِ كَالْخَشَبِ وَالْحَشِيْشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ
نہیں کاٹا جائے گا ان چیزوں میں جو پائی جاتی ہیں معمولی اور مباح دارالاسلام میں جیسے لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی
وَالصَّيْدِ وَلَا فِيْمَا يَسْرُعُ اِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ وَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْبِطِّيْخِ وَالْفَاكِهَةِ عَلَى
شکار، نہ ان میں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، تربوز، درخت پر لگے
الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِىْ لَمْ يُحْصَدْ وَلَاقَطْعَ فِيْ الْاَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِى الطُّنْبُوْرِ وَلا فِيْ سَرِقَةِ
ہوئے میوے اور وہ کھیتی جو نہ کاٹی گئی ہو قطع ید نہیں مستی آور شرابوں میں نہ باجے میں نہ قرآن کی
الْمُصْحَفِ وَاِنْ كَانَتْ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَّلَا فِيْ صَلِيْبِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا الشِّطْرَنْجِ وَلَا
چوری میں گو اس پر سونے کا کام ہو نہ سونے چاندی کی صلیب میں نہ شطرنج اور
النَّرْدِوَلَا قَطْعَ عَلٰى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّوَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ وَّلَا سَارِقِ الْعَبْدِ الْكَبِيْرِ وَ يُقْطَعُ سَارِقُ
نرد میں اور قطع ید نہیں کم سن آزاد بچہ کو چرانے والے پر گو اس پر زیور ہو، نہ بڑے غلام کے چرانے والے پر کاٹا جائے

[1] احمد عن عائشہ، بخاری ومسلم علی غیر لفظہ ۱۲ [2] صحیحین عن ابن عمر ۱۲ [3] طبرانی، دارقطنی عن ابن مسعود ۱۲ [4] نسائی، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، احمد، ابن راہویہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

الْعَبْد الصَّغِير وَلا قطع فِي الدَّفَاتِر كُلّهَا اِلَّا فِيْ دفاتر الْحِسَاب وَلَايُقْطَعُ سَارِقُ كَلْبٍ وَّلَا فَهْدٍ
نابالغ غلام چرانے والے کا ہاتھ' قطع ید نہیں کی دفتر کے چرانے میں سوائے حساب کے دفتر کے' نہیں کاٹا جائے گا کتے چیتے

وَلَادُفٍّ وَلَاطَبْلٍ وَّلَامِزْمَارٍ وَّيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَاءِ وَالْاَبْنُوْسِ وَالصَّنْدَلِ وَاِذَا اتَّخَذَ مِنَ
دف' ڈھول اور سارنگی چرانے والے کا ہاتھ اور کاٹا جائے گا ساگون' نیزے کی لکڑی' آبنوس اور صندل چرانے میں' جب بنائے گئے

الْخَشَبِ اَوَانِيْ اَوْاَبْوَابٌ قُطِعَ فِيْهَا وَلَاقَطْعَ عَلٰى خَائِنٍ وَلَاخَائِنَةٍ وَلَانَبَّاشٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّ
لکڑی سے برتن یا دروازے تو کاٹا جائے گا ان میں' قطع ید نہیں خائن مرد پر نہ خائنہ عورت پر' نہ کفن چور پر' نہ لیٹرے پر'

لَامُخْتَلِسٍ وَلَايُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَا مِنْ مَالٍ لِّلسَّارِقِ فِيْهِ شِرْكَةٌ وَّمَنْ سَرَقَ مِنْ
نہ اچکے پر نہیں کاٹا جائے گا چرانے والے کا ہاتھ بیت المال سے نہ اس مال سے جس میں چور کی شرکت ہے' جس نے چوری کی

اَبَوَيْهِ اَوْوَلَدِهٖ اَوْذِيْ رَحْمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ لَمْ يُقْطَعْ وَ كَذَا اِذَا سَرَقَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْاٰخَرِ اَوِ
اپنے والدین' بیٹے' ذی رحم محرم کی کوئی چیز تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا' اسی طرح اگر چرائے زوجین میں سے کوئی دوسرے کی یا

الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهٖ اَوْمِنِ امْرَاَةِ سَيِّدِهٖ اَوْمِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهٖ اَوِالْمَوْلٰى مِنْ مُكَاتَبِهٖ وَ كَذَا السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ
غلام اپنے آقا کی یا اپنے آقا کی بیوی یا اپنی سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی کوئی چیز' اسی طرح ہے غنیمت سے چرانے والا

موجب وغیر موجب قطع کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ولا یقطع الخ ہمارے ہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کی چوری میں قطع ید ہے جو نفیس مال ہو اور دارالاسلام میں مباح الاصل نہ پایا جاتا ہو درآنحالیکہ وہ غیر مرغوب ہو۔ نفیس کی قید سے گھاس اور نرکل وغیرہ مملوک چیزیں نکل گئیں کہ ان میں قطع ید نہیں اور مباح الاصل کی قید سے گیرو وغیرہ نکل گیا اس سلسلہ میں اصل یہ حدیث ہے کہ ''عہد نبوی میں حقیر وخسیس چیزوں میں قطع ید نہیں تھا[1]۔

قولہ ولا فی سرقۃ المصحف الخ قرآن کریم کی چوری میں قطع ید نہیں' گو اس پر سونے کا کام ہو۔ امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ کاٹا جائے گا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اگر کام دس درہم سے زیادہ کا ہو تو کاٹا جائے گا ورنہ نہیں کیونکہ وہ کام قرآن میں داخل نہیں لہذا اس کا علیحدہ اعتبار ہوگا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ سارق پڑھنے کے لیے لینے کی تاویل کر سکتا ہے۔ نیز حروف کے اعتبار سے اس میں مالیت نہیں اور حفاظت اسی وجہ سے کی جاتی ہے نہ کہ جلد واوراق اور اس کام کی وجہ سے لانہا توابع۔

قولہ من بیت المال الخ بیت المال سے چرانے میں بھی قطع نہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کا ہے جن میں چور بھی داخل ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور چور کے مال میں قطع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض مال میں اس کی ملک ثابت ہونے میں شبہ ہے۔

قولہ من ابویہ الخ اگر کوئی اپنے والدین' اولاد' قرابتدار محرم کی کوئی چیز چرالے تو قطع ید نہیں کیونکہ اصول وفروع کے مال سے عموماً نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کوئی ناگواری نہیں ہوتی پس شبہ پیدا ہوگیا۔ نیز اگر احد الزوجین ایک دوسرے کی چیز چرائے تو قطع ید نہیں۔ گو چوری زوجین کے حرز خاص سے ہو کیونکہ زوجین کے مال میں بے تکلفی کا برتاؤ ہوتا ہے پس حرز میں شبہ آ گیا اسی طرح مال غنیمت چرانے میں بھی قطع نہیں' گو اس میں چور کا حصہ نہ ہو کیونکہ مال غنیمت مباح الاصل ہے پس شبہ آ گیا۔

---

[1] ابن ابی شیبہ عن عائشہ ۱۲۔

وَالْحِرْزُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًی فِیْهِ کَالدُّوْرِ وَالْبُیُوْتِ وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ فَمَنْ سَرَقَ عَیْنًا مِنْ
حرز دو طرح ہے ایک یہ کہ وہ جگہ ہی حفاظت کی ہو جیسے گھر اور کمرہ اور ایک حرز محافظ کے ذریعہ پس جس نے چرائی کوئی چیز

حِرْزٍاَوْغَیْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهٗ عِنْدَهٗ یَحْفَظُهٗ وَجَبَ عَلَیْهِ الْقَطْعُ وَلَا قَطْعَ عَلٰی مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَّامٍ
حرز سے یا غیر حرز سے جبکہ مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو قطع ید ہو گا قطع ید نہیں اس پر جو چرائے حمام سے

اَوْمِنْ بَیْتٍ اُذِنَ لِلنَّاسِ فِیْ دُخُوْلِهٖ وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَّصَاحِبُهٗ عِنْدَهٗ قُطِعَ وَلَا
یا اس گھر سے جس میں اجازت دے دی گئی لوگوں کو آنے کی' جس نے چرایا مسجد سے سامان جبکہ مالک اس کے پاس تھا تو کاٹا جائے گا

قَطْعَ عَلَی الضَّیْفِ اِذَا سَرَقَ مِمَّنْ اَضَافَهٗ وَاِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَیْتَ وَدَخَلَ فَاَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهٗ
قطع ید نہیں مہمان پر جب وہ چرائے میزبان کی کوئی چیز' جب نقب لگایا چور نے گھر میں اور داخل ہو کر مال اٹھایا اور وہ دے دیا

اٰخَرَخَارِجَ الْبَیْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَیْهِمَا وَاِنْ اَلْقَاهُ فِی الطَّرِیْقِ ثُمَّ خَرَجَ فَاَخَذَهٗ قُطِعَ وَکَذٰلِکَ اِذَا
دوسرے کو جو گھر سے باہر تھا تو کسی پر قطع ید نہیں' اگر مال ڈال دیا راہ میں پھر نکل کر اٹھالے گیا تو کاٹا جائے گا' اسی طرح اگر

حَمَلَهٗ عَلٰی حِمَارٍ وَّ سَاقَهٗ فَاَخْرَجَهٗ وَاِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلّٰی بَعْضُهُمُ الْاَخْذَ قُطِعُوْا
گدھے پر لاد کر ہانک دے اور باہر لے آئے' داخل ہوئی مکان میں ایک جماعت اور مال لیا بعض نے تو سب کے ہاتھ

جَمِیْعًا وَّمَنْ نَقَبَ الْبَیْتَ وَاَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْهِ وَاَخَذَ شَیْئًا لَمْ یُقْطَعْ وَاِنْ اَدْخَلَ یَدَهٗ فِیْ صُنْدُوْقِ
کاٹے جائیں گے' گھر میں نقب لگایا اور ہاتھ ڈال کر کوئی چیز اٹھالی تو نہیں کاٹا جائے گا' ہاتھ ڈالا زرگر کے

الصَّیْرَفِیْ اَوْ فِیْ کُمِّ غَیْرِهٖ وَاَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ
صندوقچہ میں یا کسی کی جیب میں اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا

حرز کا بیان

تشریح الفقہ **قولہ علی ضربین الخ** حرز لغۃً محفوظ جگہ کو کہتے ہیں اور شرعاً اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں عادۃً مال کی حفاظت کی جائے اس کی دو قسمیں ہیں حرز مکان جیسے گھر' دوکان' خیمہ صندوق وغیرہ اور حرز نگہبان پس اگر کوئی حرز شرعی سے کوئی چیز چرائے یا غیر حرز سے چرائے جبکہ اس کا مالک اس کی حفاظت کرتا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر حمام سے یا ایسے گھر سے چرائے جس میں ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے تو قطع ید نہ ہو گا کیونکہ عام اجازت کی وجہ سے حرز نہیں رہا اور اگر کوئی شخص مسجد میں اپنے سامان کے پاس تھا اور چور نے سامان چرالیا تو قطع ید ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت صفوان اپنے سر کے نیچے سامان رکھے ہوئے مسجد میں سو رہے تھے۔ کسی نے آپ کا سامان چرالیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹا[1]۔

قولہ علی الضیف الخ اگر مہمان میزبان کے گھر سے کوئی چیز چرالے تو قطع ید نہیں کیونکہ میزبان کی طرف سے مہمان کو اجازت ملنے کی بناء پر مکان اس کے حق میں حرز نہیں رہا۔ چور نے نقب لگا کر گھر میں سے کوئی چیز باہر پھینک دی پھر باہر آ کر اٹھالے گیا تو قطع ید ہو گا کیونکہ باہر پھینکنا ایک حیلہ ہے اس لئے نقب لگانا' داخل ہونا' پھینکنا پھر اٹھانا سب ایک ہی فعل شمار ہو گا اور اگر اندر سے اٹھا کر دوسرے کو دے دی جو باہر تھا تو

[1] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' حاکم' مالک' احمد عن صفوان ۱۲۔

کسی پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ اندر والے سے اخراج نہیں پایا گیا اور باہر والے سے ہتک حرز، پس کسی ایک پر بھی سرقہ صادق نہیں آیا۔

وَيُقْطَعُ يَمِيْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَ تُحْسَمُ فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى فَإِنْ سَرَقَ

کاٹا جائے گا چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے اور داغ دیا جائے گا اگر دوبارہ چوری کرے تو کاٹا جائے گا اس کا بایاں پاؤں اگر چوری کرے

ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتّٰى يَتُوْبَ وَإِنْ كَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرٰى اَوْاَقْطَعَ

سہ بارہ تو کاٹا نہ جائے گا بلکہ ڈال دیا جائے گا قید میں یہاں تک کہ توبہ کرے، اگر چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو

اَوْمَقْطُوْعَ الرِّجْلِ الْيُمْنٰى لَمْ يُقْطَعْ

یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو تو کاٹا نہ جائے گا۔

کیفیت قطع ید کا بیان

تشریح الفقہ قولہ ویقطع الخ چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔ نفس قطع ید تو قول باری ''فاقطعوا ایدیھما'' کی وجہ سے ہے اور داہنے ہاتھ کی تعیین حضرت ابن مسعودؓ کی قرات ''فاقطعوا ایمانھما'' سے ہے جو مشہور ہے اور پہنچے سے کاٹنا متوارث بھی ہے اور بعض احادیث سے ثابت بھی ہے[1] پھر گرم تیل سے داغا جائے گا (ہمارے ہاں وجوبا امام شافعی کے ہاں استحبابا) کیونکہ اس سے خون بند ہو جاتا ہے۔ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے[2]۔

قولہ فان سرق ثانیاً الخ اگر چور دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے گا نفس قطع حدیث و اجماع سے اور ٹخنے سے کاٹنا حضرت عمرؓ کے فعل سے ثابت ہے اور سہ بارہ چوری میں قطع ید نہ ہوگا' بلکہ قید کیا جائے گا کیونکہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ''اگر چور تیسری بار چوری کرے تو میں قید رکھوں گا یہاں تک کہ اس سے آثار خیر ظاہر ہوں[3]'' امام شافعی کے ہاں سہ باری چوری میں بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کی چوری میں داہنا پاؤں کاٹا جائے گا کیونکہ یہ حدیث میں وارد ہے[4] جواب یہ ہے کہ یہ حدیث بقول امام نسائی منکر ہے یا سیاست پر یا منسوخ ہونے پر محمول ہے۔

قولہ اشل الید الخ اگر چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو تو قطع نہ ہوگا کیونکہ اس حالت میں کٹنا درحقیقت اس کو ہلاک کرنا ہے' اس لئے قید کیا جائے گا۔

وَلَايُقْطَعُ السَّارِقُ اِلَّا اَنْ يَّحْضُرَ الْمَسْرُوْقُ مِنْهُ فَيُطَالِبُ بِالسَّرِقَةِ فَإِنْ وَهَبَهَا مِنَ السَّارِقِ اَوْ

چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا مگر یہ کہ حاضر ہو مسروق منہ اور دعوی کرے چوری کا پس اگر ہبہ کر دیا اس نے وہ مال چور کو یا

بَاعَهَا مِنْهُ اَوْنَقَصَتْ قِيْمَتُهَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ يُقْطَعْ وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيْهَا وَرَدَّهَا

اس کے ہاتھ بیچ دیا یا کم ہوگئی اس کی قیمت نصاب سے تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا' کسی نے کوئی چیز چرائی پس اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور چیز واپس

ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَإِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ اِنْ كَانَتْ غَزْلًا

کر دی اس نے پھر چرائی اور چیز علی حالہ ہے تو کاٹا نہ جائے گا اور اگر وہ چیز بدل گئی اس حال سے مثلاً اس نے سوت

[1] دارقطنی عن عمرو بن شعیب' ابن عدی عن ابن عمرؓ' ابن ابی شیبہ عن رجاء بن حیوہ ۱۲۔ [2] حاکم عن ابی ہریرہ' دارقطنی' ابوداؤد' عبدالرزاق سلا) ۱۲۔ [3] محمد' دارقطنی' عبدالرزاق' بیہقی' ابن ابی شیبہ عن علی ۱۲۔ [4] ابوداؤد' دارقطنی عن جابر' نسائی' طبرانی' حاکم عن حارث بن حاطب ۱۲۔

فَسرقهٗ فَقُطِعَ فِیْهِ وَرَدَّهٗ ثُمَّ نَسَجَ فَعَادَ وَ سَرَقَهٗ قُطِعَ وَاِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْعَیْنُ

چرایا تھا اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور واپس کر دیا پھر مالک نے کپڑا بن لیا اب اس نے کپڑا چرایا تو کاٹا جائے گا' چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چیز

قَائِمَةٌ فِیْ یَدِهٖ رَدَّهَا وَاِنْ کَانَتْ هَالِکَةً لَمْ یَضْمَنْ وَاِذَا ادَّعَی السَّارِقُ اَنَّ الْعَیْنَ الْمَسْرُوْقَةَ

بعینہ اس کے پاس ہے تو واپس کرے گا اور اگر تلف ہو چکی تو ضامن نہ ہوگا' چور نے دعویٰ کیا کہ مسروقہ چیز میری

مِلْکُهٗ سقطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَاِنْ لَمْ یُقِمْ بَیِّنَةً

مملوک ہے تو قطع ید ساقط ہو جائے گا گو اس پر بینہ قائم نہ کرے

سرقہ کے باقی احکام

تشریح الفقہ قوله الا ان یحضر الخ چور کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائے گا جب تک کہ وہ شخص خود آ کر دعویٰ نہ کرے جس کا مال چرایا ہے اس لئے کہ ظہور سرقہ کے لئے خصومت ضروری ہے۔امام شافعی کے ہاں اقرار کی صورت میں مسروق منہ کی حاضری ضروری نہیں۔

قوله ومن سرق عینًا الخ کسی نے زید کی کوئی چیز چرالی اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چیز زید کے پاس واپس ہوگئی اور ابھی اس میں کوئی تغیر نہ ہونے پایا تھا کہ اس نے پھر چرالی۔تو قیاس کی رو سے دوبارہ قطع ید ہونا چاہئے جیسا کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت اور ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کیونکہ حدیث میں ہے''فان عاد فاقطعوا[1]'' لیکن استحسانا قطع ید نہ ہوگا کیونکہ ایک بار قطع ید ہونے سے عصمت محل ساقط ہوگئی۔حدیث میں ہے''لا غرم علی السارق بعد قطع یمینه[2]'' اور سقوط عصمت محل موجب انتفاء قطع ید ہے اور اگر شئے مسروق کی ذات متغیر ہوگئی مثلاً سوت کی چوری میں قطع ید ہوا تھا جب سوت واپس ہوا تو مالک نے اس کا کپڑا بنوالیا اور سارق نے پھر چرالیا تو قطع ید ہوگا کیونکہ یہاں عین شئی بدل گئی پس اتحاد محل کا جو شبہ تھا وہ ختم ہو گیا لہذا قطع ید ہوگا۔

قوله والعین قائمة الخ چور نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اب اگر عین شے اس کے پاس موجود ہو تو مالک کو واپس کر دی جائے گی کیونکہ وہ اسی کی ملک پر باقی ہے اور اگر وہ شئے ہلاک ہوگئی تو چور پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو اس پر تاوان نہیں[3]۔

وَاِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعُوْنَ اَوْوَاحِدٌ یَقْدِرُ عَلَی الْاِمْتِنَاعِ فَقَصَدُوْا قَطْعَ الطَّرِیْقِ

نکلی ایک جماعت راہ روکنے والی یا ایک آدمی جو قادر ہے راہ روکنے پر پس انہوں نے ڈکیتی کا ارادہ کیا

فَاُخِذُوْا قَبْلَ اَنْ یَّاخُذُوْا مَالًا وَّیَقْتُلُوْا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْاِمَامُ حَتّٰی یُحْدِثُوْا تَوْبَةً وَّاِنْ

اور وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے اور خون کرنے سے پہلے تو قید کر دے ان کو امام یہاں تک کہ وہ توبہ ظاہر کریں، اگر

اَخَذُوْا مَالَ مُسْلِمٍ اَوْذِمِّیٍّ وَالْمَاْخُوْذُ اِذَا قُسِّمَ عَلٰی جَمَاعَتِهِمْ اَصَابَ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَشَرَةُ

وہ لے چکے کسی مسلمان یا ذمی کا مال اتنا کہ جب تقسیم کیا جائے ان سب پر تو پہنچے ان میں سے ہر ایک کو دس

[1]۔ابوداؤد عن جابر' دار قطنی عن ابی ہریرہ ۱۲۔[2]۔دار قطنی' نسائی' بزار' طبرانی' بیہقی عن عبدالرحمٰن بن عوف ۱۲۔[3]۔طبری عن عبدالرحمٰن بن عوف (فی تہذیب الآ ثار) ۱۲۔

دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا اَوْمَا قِيمَتُهُ ذٰلِكَ قَطَعَ الْاِمَامُ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّاِنْ قَتَلُوْا

درہم یا اس سے زائد یا ایسی چیز کہ اس کی قیمت اتنی ہے تو کاٹے امام ان کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے، اگر انہوں نے

نَفْسًا وَّلَمْ يَاْخُذُوْا مَالًا قَتَلَهُمُ الْاِمَامُ حَدًّا حَتّٰى لَوْعَفٰى عَنْهُمُ الْاَوْلِيَاءُ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى عَفْوِهِمْ

کوئی جان مار ڈالی اور مال نہیں لیا تو قتل کرے ان کو امام بطریق حد یہاں تک کہ اگر معاف کریں اولیاء تو التفات نہ کرے ان کی معافی کی طرف

وَاِنْ قَتَلُوْا وَاَخَذُوْا مَالًا فَالْاِمَامُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِّنْ خِلَافٍ

اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لیا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے ان کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے کاٹے

وَّقَتَلَهُمْ اَوْصَلَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ صَلَّبَهُمْ وَيُصَلَّبُوْنَ اَحْيَاءً وَتُبْعَجُ بُطُوْنُهُمْ

اور قتل کر دے یا سولی دے دے اور چاہے قتل کر دے اور چاہے سولی دے دے سولی دیئے جائیں زندہ اور چونکے جائیں ان کے پیٹ

بِالرُّمْحِ اِلٰى اَنْ يَّمُوْتُوْا وَلَا يُصَلَّبُوْنَ اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَاِنْ كَانَ فِيهِمْ صَبِيٌّ اَوْ مَجْنُوْنٌ

نیزہ سے یہاں تک کہ مر جائیں اور سولی نہ دیئے جائیں تین دن سے زیادہ، اگر ان میں بچہ یا دیوانہ

اَوْذُوْرَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِيْنَ وَصَارَ الْقَتْلُ اِلَى الْاَوْلِيَاءِ

یا مقطوع علیہ کا ذو رحم محرم ہو تو ساقط ہو جائے گی حد باقی لوگوں سے اور ہو گا قتل کرنا اولیاء کے اختیار میں

اِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا عَفَوْا وَاِنْ بَاشَرَ الْفِعْلَ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ اُجْرِيَ الْحَدُّ عَلٰى جَمِيْعِهِمْ

چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کریں، اگر خون ایک ہی نے کیا ہو تب بھی حد سب پر جاری ہو گی

ڈکیتی کے احکام

توضیح اللغۃ قطع الطریق۔ ڈکیتی، حبسہم (ض) حبسًا۔ قید کرنا، ایدی۔ جمع ید، ہاتھ، ارجل۔ جمع رجل۔ پاؤں، صلبہم۔ سولی دے، احیاء جمع حی۔ زندہ، تبعج (ف) بعجا۔ چونکا لگانا، بطون۔ جمع بطن۔ پیٹ، رمح۔ نیزہ۔

تشریح الفقہ قولہ واذا خرج جماعۃ الخ کچھ لوگوں کی ایک صاحب قوت و باحشمت جماعت یا کوئی ایک ہی ایسی باقوت شخصیت رہزنی کے ارادہ سے نکلی جو امتناع پر قادر تھی اور وہ نہ مال چھین سکی نہ کسی کو قتل کر سکی قصد اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئی تو اس صورت میں اس کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں۔ آیت ''او ینفوا من الارض'' میں نفی سے مراد یہی ہے کہ انہیں کہیں اور لے جا کر قید کر دیں۔

قولہ وان اخذ وامالا مسلم الخ اور اگر ڈکیت راہزنی کے لئے نکلے اور مال معصوم یعنی کسی مسلمان یا ذمی کا اتنا مال لے چکے کہ وہ ان میں سے ہر ایک پر دس دس درہم تقسیم ہو سکتا ہے تو ان کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ لقولہ تعالیٰ ''او تقطع ایدیھم وار جھلم من خلاف۔

قولہ وان قتلوا انفسا الخ اور اگر انہوں نے مال وال تو نہیں لیا لیکن کسی کو قتل کر ڈالا تو ان کو قتل کیا جائے گا اور یہ قتل بناء بر حد کے ہو گا نہ کہ ازروئے قصاص۔ یہاں تک کہ اگر اولیاء مقتول معاف کر دیں تو معاف نہ ہو گا کیونکہ یہ حق اللہ ہے اور حق اللہ اور حدود کو معاف کرنا جائز نہیں پھر ان کا قتل کرنا عام ہے تلوار سے کریں یا لاٹھی اور پتھر سے۔ مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک گولاٹھی اور پتھر کے ذریعہ قتل کرنے سے قصاص نہیں

لیکن یہاں ہرصورت میں قتل کیا جائے گا کیونکہ یہ جزاء بطریق قصاص نہیں بلکہ جزاء محاربہ ہے پس لاٹھی اور تلوار میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

قولہ وان قتلوا اوخذوا الخ اور اگرانہوں نے مال بھی لیا اور کسی کو قتل بھی کرڈالا تو اس صورت میں حاکم کو چند امور کا اختیار ہے۔ ا۔ داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے پھر قتل کردے اس کے بعد سولی پر چڑھادے۔ ۲۔ صرف قتل کرڈالے۔ ۳۔ صرف سولی دے دے اور اگرانہوں نے مال لیا اور کسی کو زخمی بھی کیا تو اس صورت میں داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور زخم کی وجہ سے کچھ واجب نہ ہوگا کیوں کہ قطع ید اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے کمامر۔

فائدہ صور بالا میں جو حکم مذکور ہوا اس کی اصل دلیل یہ آیت ہے ''**انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض**'' ترجمہ: یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جاویں یا کاٹے جاویں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیئے جاویں اس جگہ سے اس میں ''فسادا'' سے مراد اکثر مفسرین نے رہزنی اور ڈکیتی لی ہے۔

قولہ و یصلبون احیاءً الخ پہلے سولی دی جائے یا قتل کیا جائے؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ امام طحاوی کی روایت یہ ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر سولی دی جائے کیونکہ پہلے سولی دینے میں مثلہ کرنا لازم آتا ہے لیکن اصح روایت یہ ہے کہ پہلے سولی دی جائے جیسا کہ کتاب میں ہے کیونکہ اس صورت میں زجروتنبیہ زیادہ ہے پھر تین دن سے زیادہ سولی پر نہ رکھا جائے کیونکہ اس کی بدبو سے لوگوں کو اذیت ہوگی۔ امام ابویوسف سے مروی ہے کہ سولی پر ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا بدن ریزہ ریزہ ہوجائے (جوہرہ)

قولہ فان کان فیھم صبی الخ اگر راہزنوں میں کوئی غیر مکلف ہو جیسے بچہ، دیوانہ یا مقطوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک باقی لوگوں سے بھی حد ساقط ہوجائے گی۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر مال لینے میں صبی و مجنون مباشر ہوں تو کسی پر حد نہ ہوگی اور اگر عاقل بالغ لوگ مباشر ہوں تو ان پر حد ہوگی صبی و مجنون پر نہ ہوگی۔

قولہ وان باشر الفعل الخ اگر ان میں سے کسی ایک نے قتل کیا تو سب پر حد جاری ہوگی کیونکہ یہ جزاء محاربہ ہے اور محاربہ میں یہی ہوتا ہے کہ کوئی قتل کرتا ہے اور کوئی ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے تو گویا وہ سب شریک ہیں۔

كِتَابُ الْاَشْرِبَةِ

شرابوں کا بیان

اَلْاَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ اَرْبَعَةٌ اَلْخَمْرُ وَهِىَ عَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ

حرام شرابیں چار ہیں اور وہ انگور کا شیرہ ہے جب جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ

بِالزَّبَدِ وَالْعَصِيْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَنَقِيْعُ التَّمْرِ وَ نَقِيْعُ الزَّبِيْبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ

پھینکنے لگے اور عصیر جب پکا لیا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور نقیع تمر اور نقیع زبیب جب جوش مارے اور تیز ہو جائے

تشریح الفقہ **قولہ الاشربة المحرمة** الخ چار قسم کی شرابیں حرام ہیں۔ خمر، عصیر، نقیع تمر، نقیع زبیب، خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے، گاڑھا ہوجائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''**کل مسکر خمر**''[1]

[1] مسلم، احمد، ابن حبان، عبدالرزاق، دارقطنی عن ابن عمر ۱۲۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ خمر باجماع اہل لغت معنی مذکور کے لئے اسم خاص ہے اس لئے اس کا استعمال اسی معنی میں مشہور ہے اس کے علاوہ دیگر معانی کے لئے دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسے مثلث، طلاء، باذق وغیرہ اور حدیث مذکور مجاز پر محمول ہے یعنی خمر تو درحقیقت انگور ہی کو کہتے ہیں لیکن کبھی غیر خمر کو بھی بطریق مجاز خمر کہہ دیتے ہیں اگر مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ بھنگ اور تاڑی وغیرہ بھی خمر ہو کیونکہ خمر کے افراد میں یہ بھی داخل ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

قولہ وقذف الخ خمر کی تعریف مذکور امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھاگ لانا شرط نہیں بلکہ گاڑھی ہو جانے سے ہی خمر کہا جائے گا اور یہی اظہر ہے جیسا کہ شرنبلالیہ میں مواہب سے منقول ہے کیونکہ لذت مطربہ وقوۃ مسکرہ اشتداد ہی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غلیان (جوش مارنا) تو اشتداد کی ابتداء ہے اور خمر جو تخمر بمعنی شدت سے ماخوذ ہے اس میں کامل شدت مراد ہے تو ابتداء جوش کی حالت میں اس کو خمر نہ کہیں گے بلکہ جب وہ جھاگ لانے لگے تب ہوگی کیونکہ مکدر سے صافی کا امتیاز اسی سے ہوتا ہے۔

قولہ والعصیر الخ دوسری حرام شراب عصیر ہے جس کو طلاء، باذق (بادہ) بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور مسکر ہو جائے، تیسری حرام شراب نقیع تمر (سکر) ہے یعنی پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور مسکر ہو جائے اس کی حرمت پر صحابہ کا اجماع ہے۔ چوتھی حرام شراب نقیع زبیب ہے اور وہ یہ ہے کہ خشک انگور (کشمش) پانی میں بھگولیا جائے اور وہ جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے۔ یہ تینوں شرابیں یعنی عصیر، نقیع تمر، نقیع زبیب حرام ہیں لیکن ان کی حرمت حرمت خمر کے مقابلہ میں کم ہے تو ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائے گا اور ان کے پینے والوں کو حد نہیں لگائی جائے گی جب تک کہ نشہ نہ ہو اور ان کی بیع بھی جائز ہوگی کیونکہ ان کی حرمت اجتہادی ہے اور خمر کی حرمت قطعی ہے پس خمر کا ایک قطرہ پینا بھی حرام ہے گو نشہ نہ ہو۔

وَنَبِيْذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ اِذَا طُبِخَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَدْنٰى طَبْخَةٍ حَلَالٌ وَاِنِ اشْتَدَّ اِذَا شَرِبَ

اور نبیذ تمر اور نبیذ زبیب جب پکا لی جائے ان میں سے ہر ایک تھوڑا سا پکانا تو حلال ہے گو تیز ہو جائے جبکہ پیئے

مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّهٗ لَايُسْكِرُهٗ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَّلَا طَرَبٍ وَّلَابَاْسَ بِالْخَلِيْطَيْنِ وَنَبِيْذُ

اتنی کہ غالب گمان ہو یہ کہ نشہ نہ لائے گی لہو و لعب اور مستی کے بغیر، کوئی حرج نہیں خلیطین میں اور

الْعَسَلِ وَالتِّيْنِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالذُّرَّةِ حَلَالٌ وَّاِنْ لَّمْ يُطْبَخْ وَعَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا طُبِخَ

شہد، انجیر، گیہوں، جو، جوار کی نبیذ حلال ہے، اگرچہ جوش نہ دیا ہو اور انگور کا شیرہ جب اتنا پکایا

حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ حَلَالٌ وَّاِنِ اشْتَدَّ وَلَا بَاْسَ بِالْاِنْتِبَاذِ فِى الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَ

جائے کہ دوثلث جل جائے تو حلال ہے، گو تیز ہو جائے، کوئی حرج نہیں نبیذ بنانے میں کدو کی تونبی، سبز ٹھلیا، رال کے روغن والی ٹھلیا اور

النَّقِيْرِ وَاِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ بِنَفْسِهَا خَلًّا اَوْ بِشَيْءٍ طُرِحَ فِيْهَا وَلَا يُكْرَهُ تَخْلِيْلُهَا

کھدی ہوئی لکڑی کے اندر، جب خمر سرکہ بن جائے تو حلال ہے خود بخود ہو گئی ہو یا کوئی چیز ڈالنے سے ہو خمر کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں۔

مباح مشروبات کا بیان

توضیح اللغۃ زبیب۔ منقی، طبخ۔ طبخۃ، پکانا، لایسکرہ۔ نشہ نہیں لائے گی، لہو کھیل، طرب۔ مستی، خلیطین۔ چھوارے اور منقی کا مخلوط پانی، عسل۔ شہد، تین۔ انجیر، حنطۃ۔ گیہوں، شعیر۔ جو، ذرہ۔ جوار، انتباذ۔ نبیذ بنانا، دباء۔ کدو کا برتن، تخللت۔ سرکہ بن جائے، حنتم۔ سبز ٹھلیا، مزفت۔ وہ برتن جس پر روغن قیر ملا ہو، نقیر۔ کھدی ہوئی لکڑی کا برتن، تخللت۔ سرکہ بن جائے، خل۔ سرکہ۔

تشریح الفقہ ونبیذ التمر الخ چار قسم کی شرابیں حلال ہیں۔ ا۔ نبیذ تمر و نبیذ زبیب یعنی بھیگے ہوئے چھوارے اور منقّی کا پانی جس کو قدرے پکالیا جائے۔ یہ شیخین کے نزدیک حلال ہے گو گاڑھا ہو جائے بشرطیکہ لہو وطرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ حصول تقویت کے لئے ہو اور اتنی مقدار پئے جس سے غالب اوقات نشہ نہ ہوتا ہو۔ امام شافعی اور امام محمد کے ہاں بہر صورت حرام ہے۔

قولہ بالخلیطین الخ۔ ۲۔ خلیطین یعنی چھوارے اور منقّی کو جدا جدا تر کر کے دونوں کا پانی قدرے پکالیا جائے یہ بھی حلال ہے کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم مٹھی بھر چھوارے اور مٹھی بھر منقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے برتن میں رکھتے اور اس پر پانی ڈالتے تھے جو ہم علی الصبح تر رکھتے اس کو آپ شام کے وقت اور جو شام کے وقت بھگوتے اس کو علی الصبح نوش فرماتے تھے[۱]۔ ۳۔ شہد، انجیر، گیہوں، جو اور جوار کی نبیذ بھی شیخین کے نزدیک حلال ہے خواہ اس کو پکالیا گیا ہو، یا نہ پکایا گیا ہو۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد نزدیک مطلقاً حرام ہے قلیل ہو یا کثیر۔ زیلعی، کفایہ، حموی، بزازیہ اور شرح وہبانیہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے مگر یہ اختلاف اسی وقت ہے جب قوت عبادت حاصل کرنے کی نیت سے پیتا ہو، ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔

قولہ و عصیر العنب الخ۔ ۴۔ مثلث جنسی یعنی انگور کا وہ رس جس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ شیخین کے نزدیک بشرط مذکور حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل مسکر حرام[۲] شیخین کی دلیل آپ کا ارشاد ہے کہ "میں تم کو چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دیگر برتنوں (میں شراب بنا کر پینے) سے منع کرتا تھا۔ سو تم ہر برتن میں پیو بجز اس کے کہ مسکر نہ پیو[۳]" اور جن روایات میں حرمت وارد ہے وہ نشہ آور مقدار پر محمول ہیں یا منسوخ ہیں۔ جس پر حضرت ابن مسعودؓ کا قول "شهدنا التحريم و شهدنا التحليل و غبتم" شاہد عدل ہے۔

تنبیہ یہ یاد رہنا چاہئے کہ شیخین گو مثلث جنسی کی حلت کے قائل ہیں لیکن اول تو ان کے ہاں یہ شرط ہے کہ پینا بطریق لہو وطرب نہ ہو بلکہ ہضم طعام، دوا، طاعت خداوندی پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔ دوم یہ کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ علی الاطلاق حرام ہے کسی نوع سے ہو نیز قلیل ہو یا کثیر۔

قولہ بالانتباذ الخ دباء، حنتم، مزفت اور نقیر میں نبیذ بنانا حلال ہے۔ بعض حضرات کے ہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ، جابرؓ، خدریؓ، انسؓ، ابن ابی اوفیؓ، عمران بن حصینؓ، ابو ہریرہؓ، اور سمرہؓ بن جندب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات میں ان کی ممانعت وارد ہے، جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فاشربوا فی کل وعاء غیر ان لاتشربوا مسکرا[۴]" سے منسوخ ہے۔

قولہ و اذا تخللت الخ ہمارے ہاں خمر کا سرکہ حلال ہے خواہ وہ بذات خود سرکہ بن گئی ہو یا اس میں کوئی چیز ابالنے سے سرکہ ہوئی ہو۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں خمر کا سرکہ بنانا مکروہ ہے۔ دھوپ کے ذریعہ سے ہو یا نمک وغیرہ ڈالنے سے ہو۔ امام شافعی کے ہاں وہ سرکہ حلال نہیں جو خمر میں کوئی چیز ابال کر بنایا گیا ہو اور اگر دھوپ وغیرہ کی گرمی سے بن گیا ہو تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ حلال ہے، دوم یہ کہ حلال نہیں۔ امام مالک اور امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، یا رسول اللہ! خمر کا سرکہ بنایا جائے؟ فرمایا: نہیں[۵]۔ نیز حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنے پرورش کے یتیموں کے لئے خمر خریدی تھی اور اب اس کی حرمت نازل ہو گئی۔ تو کیا میں اس کو سرکہ بنالوں؟[۶] فرمایا

۱۔ ابن ماجہ عن عائشہ ۱۲۔ ۲۔ مسلم، احمد، ابن حبان، عبد الرزاق، دار قطنی، طحاوی عن ابن عمر و ابن عباس والاشعری ۱۲۔ ۳۔ الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔ ۴۔ ایضاً ۱۲۔ ۵۔ مسلم عن انس ۱۲۔ ۶۔ مسلم، طبرانی عن ابی طلحہ ۱۲

نہیں، بلکہ اس کو بہادے اگر سرکہ بنانا جائز ہوتا تو آپ بہانے کا حکم نہ فرماتے بالخصوص جب کہ وہ یتیموں کا مال تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ حکم بطور تشدد تھا کیونکہ ابتداء میں شراب کے متعلق تشدد ہی اختیار کیا گیا تھا چنانچہ آپ نے مٹکوں کو توڑ دینے کا حکم فرمایا[1] اور مدینہ کے بازاروں میں آپ نے بدست خود شراب کے مشکیزے پھاڑ ڈالے حالانکہ صرف خمر کو بہا دینا کافی تھا۔ حضرت عمرؓ نے تو ایک شراب فروش کا گھر ہی جلا ڈالا تھا۔[2] بہرکیف یہ سب بہ طریق تشدد تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ رہا یتیموں کا معاملہ سو حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے یتیموں کو ان کے خمر کے عوض میں مال عطا کیا۔[3]

كِتَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ

شکار اور ذبح کرنے کا بیان

يَجُوْزُ الْاِصْطِيَادُ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِىْ وَ
جائز ہے شکار کرنا تعلیم یافتہ کتے اور چیتے اور باز اور

سَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَ تَعْلِيْمُ الْكَلْبِ اَنْ يَّتْرُكَ الْاَكْلَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَّ تَعْلِيْمُ الْبَازِىْ اَنْ
دیگر تعلیم یافتہ زخمی کرنے والوں سے، اور کتے کا تعلیم یافتہ ہونا یہ ہے کہ کھانا چھوڑ دے تین بار اور باز کا تعلیم یافتہ ہونا یہ ہے

يَرْجِعَ اِذَا دَعَوْتَهٗ فَاِنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ اَوْبَازِيَهٗ اَوْصَقْرَهٗ عَلٰى صَيْدٍ وَّذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى
کہ واپس آ جائے جب تو بلائے، اگر چھوڑا اپنا تعلیم یافتہ کتا یا باز یا شکرا کسی شکار پر اور اللہ کا نام لیا

عَلَيْهِ عِنْدَ اِرْسَالِهٖ فَاَخَذَ الصَّيْدَ وَجَرَحَهٗ فَمَاتَ حَلَّ اَكْلُهٗ فَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْكَلْبُ اَوِالْفَهْدُ
اس پر اس کے چھوڑتے وقت پس اس نے شکار پکڑ کر زخمی کیا اور وہ مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے، اگر کھا لے اس سے کتا یا چیتا

لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْبَازِىْ اُكِلَ وَاِنْ اَدْرَكَ الْمُرْسِلُ الصَّيْدَ حَيًّا وَّجَبَ عَلَيْهِ اَنْ يُّذَكِّيَهٗ
تو نہ کھایا جائے اور اگر کھا لے اس سے باز تو کھا لیا جائے، اگر پایا چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ تو ضروری ہے اس کو ذبح کرنا

فَاِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهٗ حَتّٰى مَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ خَنَقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يَجْرَحْهُ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ شَارَكَهٗ كَلْبٌ
اگر چھوڑ دے ذبح کرنے کو یہاں تک کہ وہ مرجائے تو نہ کھایا جائے، اگر گلا گھونٹا کتے نے اور زخمی نہیں کیا تو نہ کھایا جائے، اگر شریک ہو جائے

غَيْرُ مُعَلَّمٍ اَوْكَلْبُ مَجُوْسِىٍّ اَوْكَلْبٌ لَّمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِذَا رَمَى الرَّجُلُ سَهْمًا
غیر تعلیم یافتہ یا مجوسی کا کتا جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو نہ کھایا جائے، کسی نے تیر چلایا

اِلَى الصَّيْدِ فَسَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَالرَّمْيِ اُكِلَ مَا اَصَابَهٗ اِذَاجَرَحَهُ السَّهْمُ فَمَاتَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ حَيًّا
شکار پر اور اللہ کا نام لیا تیر چلاتے وقت تو کھایا جائے وہ جس کو تیر لگے جبکہ زخمی کر دے اس کو تیر اور وہ مرجائے اور اگر اس کو زندہ پائے

ذَكَّاهُ وَاِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهٗ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّيْدِ فَتَحَامَلَ حَتّٰى غَابَ عَنْهُ وَلَمْ يَزَلْ
تو ذبح کرے اگر ذبح کرنا چھوڑ دیا تو کھایا نہ جائے گا، تیر لگا شکار کے اور وہ برداشت کر کے اس سے غائب ہو گیا اور یہ اس کی

فِىْ طَلَبِهٖ حَتّٰى اَصَابَهٗ مَيِّتًا اُكِلَ فَاِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهٖ ثُمَّ اَصَابَهٗ مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا
تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کو مردہ پایا تو کھایا جائے گا اور اگر تلاش سے بیٹھ رہا پھر اس کو مردہ پایا تو نہ کھایا جائے گا، شکار کے تیر مارا

[1] طبرانی، دار قطنی ۱۲۔ [2] ابن سعد ۱۲۔ [3] ابویعلی الموصلی عن جابر ۱۲۔

فَوَقَعَ فِی الْمَاءِ لَمْ یُؤکَلْ وَکَذٰلِکَ اِنْ وَّقَعَ عَلٰی سَطْحٍ اَوْجَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰی مِنْهُ اِلَی الْاَرْضِ
وہ پانی میں گر گیا تو نہ کھایا جائے اسی طرح اگر چھت پر یا پہاڑ پر گرے پھر زمین پر گر جائے

لَمْ یُؤکَلْ وَاِنْ وَّقَعَ عَلَی الْاَرْضِ ابْتِدَاءً اُکِلَ وَمَا اَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِہٖ لَمْ یُؤکَلْ
تو نہ کھایا جائے اگر ابتداءً ہی زمین پر گرا تو کھایا جائے گا، جس کو لگے بے بھال کا تیر چوڑائی کی جانب سے تو نہ کھایا جائے

وَاِنْ جَرَحَہٗ اُکِلَ وَلَا یُؤکَلُ مَا اَصَابَہُ الْبُنْدُقَۃُ اِذَا مَاتَ مِنْهَا
اور اگر اس کو زخمی کر دے تو کھایا جائے، نہ کھایا جائے وہ جس کو لگے غلہ اور مر جائے اس سے

توضیح اللغۃ صید۔شکار، ذبائح۔جمع ذبیحہ، اصطیاد۔شکار کرنا، فہد۔چیتا، صقر۔شکرہ،ایک شکاری پرندہ ہے، خنق (ن)۔گلا گھونٹنا، سہم۔تیر، تحامل۔ برداشت کر گیا، سطح۔چھت، جبل۔پہاڑ، تردی۔اوپر سے نیچے گرنا، معراض۔بلا پر کا تیر جس کے دونوں کنارے باریک ہوتے ہیں، یہ نشانہ پر عرض کی جانب سے لگتا ہے۔بندقہ۔مٹی کا گول ڈھیلا جس کو جلاہق کہتے ہیں (مغرب) ہندی میں اس کو غلولہ اور غلیلہ کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الصید الخ صید لغۃً مصدر ہے بمعنی شکار کرنا، اور مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے۔صید ہر وہ متوحش جانور ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو پس یہ عام ہے ماکول ہو یا غیر ماکول قال قائلہم ؎

صید الملوک ارانب وثعالب
واذا ارکبت فصیدی الابطال

قولہ و تعلیم الکلب الخ شکار حلال ہونے کے لئے شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔اب کتے کا معلم ہونا تو یہ ہے کہ وہ تین بار شکار پکڑ چکے اور اس کی کھال، گوشت ہڈی وغیرہ کچھ نہ کھائے اور باز وغیرہ کا معلم ہونا یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو فوراً واپس آ جائے وجہ یہ ہے کہ کتے کی عادت لے بھاگنا ہے اور باز وغیرہ کی عادت وحشت، جب دونوں نے اپنی عادت چھوڑ دی تو تعلیم یافتگی ثابت ہوگی۔

قولہ فتحامل الخ کسی نے شکار پر تیر چلایا اور وہ اس کو اٹھائے ہوئے غائب ہو گیا شکاری اس کو تلاش کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کو پا لیا مگر اس وقت وہ مردہ ہو چکا تھا تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ثعلبہؓ سے فرمایا تھا کہ "جب تو نے تیر مارا اور شکار تجھ سے تین دن تک غائب رہا پھر تو نے اس کو پا لیا تو اس کو کھا، جب تک کہ وہ گندہ[1] نہ ہو اور اگر وہ تلاش کرنے سے بیٹھ رہا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے شکار کی موت تیر سے نہ ہوئی ہو۔جیسا کہ روایت میں ہے 'لعل ہوام الارض قتلتہ[2]'

قولہ فوقع فی الماء الخ کسی نے شکار کے تیر مارا، وہ پانی میں گر کر مر گیا تو وہ حرام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا کہ "اگر تیرا تیر پانی میں واقع ہو تو اس کو نہ کھا کیونکہ معلوم نہیں کہ اس کو تیرے تیر نے مارا ہے یا پانی نے[3]" اسی طرح اگر وہ چھت یا پہاڑ پر گرنے کے بعد زمین پر گرا تب بھی حرام ہے کیونکہ وہ متردیہ ہے جس کی حرمت نص کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ہاں اگر وہ ابتداءً ہی زمین پر گرا ہو تو حلال ہے کیونکہ زمین پر گرنے سے احتراز ممکن ہی نہیں۔

قولہ واما صاحب المعراض الخ جس شکار کو معراض نے اپنے عرض کی جانب سے قتل کیا ہو یا بندقہ (غلیلہ، جلاہق) نے قتل کیا ہو تو وہ حرام ہے کیونکہ وہ بوجھ اور گرانی وجہ سے مرا ہے نہ کہ زخم اور دھار دار چیز سے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ غلیلہ، پتھر، معراض، لاٹھی وغیرہ سے شکار حلال نہیں ہوتا۔گو وہ زخمی ہو گیا ہو کیونکہ یہ چیزیں شکار کو چیرتی پھاڑتی نہیں بلکہ اس کے اعضاء کو توڑتی ہیں۔ہاں اگر اس کو تیر کی مانند دراز اور

[1] مسلم، احمد، ابوداؤد، نسائی ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابوداؤد (فی مراسیلہ) عن ابی رزین ۱۲۔ [3] صحیحین عن عدی ۱۲۔

نوکدار کر کے مارا ہو اور زخمی ہو گیا ہو تو حلال ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا رَمٰی صَیْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِّنْہُ اُکِلَ الصَّیْدُ وَلَمْ یُوْکَلِ الْعُضْوُ وَاِنْ قَطَعَہٗ اَثْـلَاثًا وَّالْاَکْثَرُ

شکار کے تیر مار کر اس کا کوئی عضو جدا کر دیا تو شکار کھایا جائے اور عضو نہ کھایا جائے اگر اس کو تین ٹکڑے کر دیا اوراکثر وہ

مِمَّایَلِی الْعَجْزَ اُکِلَ الْجَمِیْعُ وَلَا یُؤْکَلُ صَیْدُ الْمَجُوْسِیِّ وَالْمُرْتَدِّ وَالْوَثَنِیِّ وَالْمُحْرِمِ وَمَنْ رَمٰی

ہے جو ڈھڈی سے ملا ہے تو کل کھایا جائے اور نہ کھایا جائے مجوسی، مرتد، بت پرست اور محرم کا شکار کسی نے شکار کے

صَیْدًا فَاَصَابَہٗ وَلَمْ یُثْخِنْہُ وَلَمْ یُخْرِجْہُ مِنْ حَیِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَرَمَاہُ اٰخَرُ فَقَتَلَہٗ فَھُوَ لِلثَّانِیْ وَیُؤْکَلُ

تیر مارا اور وہ اس کے لگ گیا لیکن اس کو سست نہیں کیا اور حیز امتناع سے نہیں نکالا کہ دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو وہ ثانی کا ہوگا اور کھایا

وَاِنْ کَانَ الْاَوَّلُ اَثْخَنَہٗ فَرَمَاہُ الثَّانِیْ فَقَتَلَہٗ فَھُوَ لِلْاَوَّلِ وَلَمْ یُؤْکَلْ وَالثَّانِیْ ضَامِنٌ لِقِیْمَتِہٖ لِلْاَوَّلِ

جائے گا اور اگر پہلا شخص اس کو سست کر چکا ہو پھر دوسرا تیر مار کر قتل کر دے تو وہ اول کا ہوگا اور کھایا نہ جائے گا اور ثانی ضامن ہوگا اس کی قیمت کا اول کے

غَیْرَ مَا نَقَصَتْہُ جِرَاحَتُہٗ وَیَجُوْزُ اصْطِیَادُ مَا یُؤْکَلُ لَحْمُہٗ مِنَ الْحَیْوَانِ وَمَا لَا یُؤْکَلُ

لئے اس نقصان کے سوا جو اس کے زخم نے کیا ہے، جائز ہے شکار کرنا ماکول اللحم جانور کا بھی اورغیر ماکول کا بھی

تشریح الفقہ قولہ فقطع عضوا الخ کسی نے تیر مار کر شکار کا کوئی عضو جدا کر دیا اور وہ مر گیا تو شکار کھایا جائے عضو نہ کھایا جائے (جب کہ وہ عضو ایسا ہو کہ اس کے بعد زندگی متصور ہو) امام شافعی کے ہاں دونوں کھائے جا سکتے ہیں کیونکہ یہ عضو ذکاۃ اضطراری سے جدا کیا گیا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے ذبح اختیاری سے جانور کا سر جدا کر دیا جائے کہ سر اور جانور دونوں حلال ہیں۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ماقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھی میت[1]" چوپایہ کا جو عضو کاٹا گیا، درآنحالیکہ وہ زندہ ہے تو وہ عضو مردار ہے اس میں لفظ حیۃ مطلق ہے تو یہ زندہ حقیقی و حکمی دونوں کی طرف راجع ہوگا اور ظاہر ہے کہ بوقت قطع عضو وہ حقیقۃً بھی زندہ ہے کیونکہ اس میں حیات موجود ہے اور حکماً بھی کیونکہ اس زخم کے بعد اس کی سلامتی متصور ہے۔

قولہ اثلاثا الخ اور اگر شکار کو تین تہائی کر دیا اور اس کا اکثر بدن ڈھڈی اور دم کے ساتھ رہا یعنی ایک تہائی سر کی طرف اور دو تہائی دم کی طرف تو کل شکار حلال ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی زندگی مذبوح کی زندگی سے زیادہ ممکن نہیں تو حدیث مذکور اس کو شامل نہ رہی کیونکہ اس صورت میں حکمی حیات ثابت نہیں تو فی الحال اس کی ذکاۃ واقع ہوگئی، اس لئے کل حلال ہے۔

قولہ ولم یثخنہ الخ کسی نے شکار کے تیر مارا، مگر اس کو کاری زخم نہیں لگا تھا کہ دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو شکار شخص ثانی کا ہوگا اور حلال ہوگا کیونکہ اس نے زخم لگا کر حیز امتناع سے خارج کر دیا اور اگر پہلا شخص کاری زخم لگا چکا ہو جس کی وجہ سے شکار بھاگ نہ سکتا ہو اور اس میں اتنی حیات ہو جس سے وہ زخم کے بعد زندہ رہ سکے اور پھر دوسرا شخص تیر مار کر قتل کر دے تو شکار اول کا ہو چکا تو ثانی غیر کے مملوک شکار کو تلف کرنے والا ہوا لہذا اس پر شکار کی قیمت کا تاوان ہوگا مگر پہلے زخم کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوگئی ہے اتنی وضع کر دی جائے گی۔

وَذَبِیْحَۃُ الْمُسْلِمِ وَالْکِتَابِیِّ حَلَالٌ وَّلَا تُؤْکَلُ ذَبِیْحَۃُ الْمُرْتَدِّ وَالْمَجُوْسِیِّ وَالْوَثَنِیِّ وَالْمُحْرِمِ

مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اور کھایا نہ جائے گا مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ

[1] ابوداؤد، ترمذی، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، دارمی، ابویعلی، طبرانی، دارقطنی، حاکم عن ابی واقد اللیثی ۱۲۔

وَاِنْ تَرَکَ الذَّابِحُ التَّسْمِیَةَ عَمَدًا فَالذَّبِیْحَةُ مَیْتَةٌ لَا تُؤكَلُ وَاِنْ تَرَکَھَا نَاسِیًا اُکِلَ
اگر چھوڑ دیا ذبح کرنے والے نے تسمیہ جان کر تو ذبیحہ مردار ہے کھایا نہ جائے گا اور اگر بھول کر چھوڑا تو کھایا جائے گا

کس جانور کا ذبیحہ حلال ہے اور کس کا حرام

تشریح الفقہ قوله وذبيحة المسلم الخ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے مرد ہو یا عورت کیونکہ آیت ''الا ماذكيتم'' میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے ذمی ہو یا حربی تغلبی ہو یا عربی بشرطیکہ اس نے بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہ لیا ہو کیونکہ آیت ''وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم'' میں طعام سے مراد ان کا ذبح کیا ہوا جانور ہے ورنہ طعام غیر مذبوح میں تو مسلم و کافر کی کوئی تخصیص ہی نہیں۔قال البخاری قال ابن عباس' 'طعامهم ذبائحهم''

قوله ذبيحة المرتد الخ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ اس کا کوئی مذہب ہی نہیں' آتش پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ روایت میں ہے ''غير نا كحي نسائهم ولا آكلي ذبائحهم[1]'' نیز بت پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ وہ ملت کا معتقد نہیں اگر محرم شکار ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ ذکاۃ ذبح فعل مشروع ہے اور احرام کی حالت میں محرم کا یہ فعل غیر مشروع ہے۔

قوله وان ترک الذابح الخ جو شخص ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر خدا کا نام ترک کر دے اس کا ذبیحہ حلال نہیں اور اگر بھول کر ترک کرے تو حلال ہے۔امام شافعی کے ہاں بہر دو صورت حلال ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اللہ کا نام لے یا نہ لے[2]'' امام مالک کے ہاں بہر دو صورت حرام ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ''ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق'' میں نہی مطلق ہے جس کا مقتضی تحریم ہے اور فسق سے مراد حرام ہے۔نیز حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اس کو مت کھا' کیونکہ تو نے اپنے کتے پر اللہ کا نام لیا ہے نہ کہ دوسرے کتے[3] پر'' امام شافعی کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اس میں ارسال کے ساتھ ساتھ صلت سدوسی مجہول الحال ہے جس کی کوئی روایت اس کے سوا معروف نہیں اور نہ کوئی راوی ثور بن یزید کے علاوہ اس سے روایت کرتا ہے۔علاوہ ازیں عمداً متروک التسمیہ کی حلت کا قول خلاف اجماع ہے کیونکہ اس کی حرمت میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں اختلاف تو صرف ناسیا متروک التسمیہ کی حلت میں ہے حضرت ابن عمرؓ کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے اور حضرت ابن عباسؓ و حضرت علیؓ کا مذہب یہ ہے کہ حلال ہے۔اسی لئے امام ابو یوسف اور دیگر مشائخ نے کہا ہے کہ عمداً متروک التسمیہ کے متعلق تو اجتہاد کی گنجائش بھی نہیں۔امام مالک ظاہر روایات پر عمل کرتے ہیں۔وقد حصل الجواب عنه بما ذكرنا۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالذَّبْحُ بَیْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وَالْعُرُوْقُ الَّتِیْ تُقْطَعُ فِی الزَّکٰوةِ اَرْبَعَةٌ اَلْحُلْقُوْمُ وَالْمَرْئُ وَ
ذبح حلق اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے اور جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم' مری اور

الْوَدْجَانِ فَاِنْ قَطَعَھَا حَلَّ الْاَکْلُ وَاِنْ قَطَعَ اَکْثَرَھَا فَکَذٰلِکَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا رَحِمَھُمَا
دو شہ رگیں اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہو گا اگر اکثر کاٹ دیں تب بھی امام صاحب کے نزدیک' صاحبین فرماتے

اللّٰهُ لَا بُدَّمِنْ قَطْعِ الْحُلْقُوْمِ وَالْمَرْئِ وَاَحَدِالْوَدْجَیْنِ وَیَجُوْزُ الذَّبْحُ بِاللِّیْطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَ
ہیں کہ ضروری ہے حلقوم' مری اور ایک شہ رگ کا کٹنا' جائز ہے ذبح کرنا بانس' پتھر اور

بِکُلِّ شَیْءٍ اَنْھَرَ الدَّمَ اِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفُرَالْقَائِمَ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یُحِدَّالذَّابِحُ شَفْرَتَهٗ وَ
ہر ایسی چیز سے جو خون جاری کر دے سوائے دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں' مستحب ہے یہ کہ تیز کر لے ذابح اپنی چھری'

1۔ عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ (مرسلا) ۱۲ 2۔ ابو داؤد عن صلت (فی مراسیلہ) ۱۲ 3۔ ائمہ ستہ عن عدی ۱۲۔

مَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّيْنِ النُّخَاعَ اَوْقَطَعَ الرَّاسَ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَتُوْكَلُ ذَبِيْحَتُهٗ وَاِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ
جو پہنچا دے چھری حرام مغز تک یا جدا کر دے سر تو یہ مکروہ ہے اور کھایا جائے گا اس کا ذبیحہ اگر ذبح کی بکری

قَفَاهَا فَاِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتّٰى قَطَعَ الْعُرُوْقَ جَازَ وَيُكْرَهُ وَاِنْ مَّاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوْقِ لَمْ تُوْكَلْ
گدی کی طرف سے تو اگر وہ زندہ رہی اتنی دیر کہ اس نے رگیں کاٹ دیں تو جائز ہے اور مکروہ ہے اوراگر مرگئی رگیں کٹنے سے پہلے ہی تو نہ کھائی جائے

وَمَا اسْتَاْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجُرْحُ وَالْمُسْتَحَبُّ
جو شکار مانوس ہو تو اس کی ذکاۃ ذبح ہے اور جو چوپائے وحشی ہوں ان کی ذکاۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے مستحب

فِي الْاِبِلِ النَّحْرُ وَاِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَاِنْ نَّحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ
اونٹ میں نحر ہے اگر ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے اور مستحب گائے اور بکری میں ذبح کرنا ہے اگر ان کو نحر کیا تو یہ بھی جائز ہے اور

وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً اَوْذَبَحَ بَقَرَةً اَوْشَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِيْنًا مَيِّتًا لَمْ يُوْكَلْ اَشْعَرَ اَوْلَمْ يُشْعِرْ
مکروہ ہے، جس نے اونٹنی یا گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہ کھایا جائے بال آ گئے ہوں یا نہ آئے ہوں

ذبح اوراس کا طریقہ

توضیح اللغۃ لبۃ۔ سینہ کے اوپر کی ہڈی۔ عروق۔ جمع عرق۔ رگ، حلقوم۔ سانس آنے جانے کی راہ، مریٔ۔ کھانے پینے کی راہ، ودجان۔ دوشہ رگیں جو حلقوم اور مریٔ کے چپ وراست میں واقع ہیں جن میں خون کا دوران رہتا ہے، لیطۃ۔ پوست نرکل' مروہ۔ تیز پتھر، انہر۔ بہادے، سن۔ دانت، ظفر۔ ناخن، یحد۔ تیز کرلے، شفرہ۔ چھری' نخاع۔ گلے کی ہڈی کا گودا، قفا۔ گدی، نعم۔ چوپائے' عقر۔ زخمی کرنا، نحر۔ سینہ کے اوپر گردن کے نیچے نیزہ مارنا، جنین۔ جو بچہ پیٹ میں ہو، شعر۔ بال کا نکل آنا۔

تشریح الفقہ قولہ والذبح الخ ذبح اختیاری کی جگہ حلق اور لبہ کا درمیانی حصہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے[1]۔ ذبح کرتے وقت جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم' مریٔ' ودجان یہ اس لئے متعین ہیں کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے اور حلقوم و مریٔ کٹ جانے سے جان جلدی نکل جاتی ہے۔ امام شافعی کے ہاں حلقوم و مریٔ کا کٹ جانا کافی ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے' 'افر الاوداج بماشئت'' اس میں اوداج جمع ہے جس کا اقل عدد تین ہے تو یہ مریٔ اور ودجین تینوں کو شامل ہوا اور ان کا کٹنا قطع حلقوم کے بغیر ناممکن ہے تو اقتضاءً قطع حلقوم بھی ثابت ہوا۔

قولہ فان قطعھا الخ امام صاحب کے نزدیک عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین کا کٹ جانا حلت ذبیحہ کے لئے کافی ہے۔ امام ابو یوسف کا مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ قطع حلقوم و مریٔ اور قطع احد الودجین شرط ہے۔ امام محمد کے ہاں ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔ یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے کیونکہ ہر رگ اصل بنفسہ ہے اور ہر ایک کو کاٹنے کا حکم ہے۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ قطع ودجین کا مقصد خون بہانا ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کے قائم مقام ہو سکتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے اور عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین سے انہار دم ہو جاتا ہے والاظہر قول محمد۔

قولہ والظفر القائم الخ اپنی جگہ لگے ہوئے دانت اور ناخنوں سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر اکھڑے ہوئے ہوں تو جائز ہے مگر مکروہ

[1] ۔ دار قطنی عن ابی ہریرہ' عبدالرزاق (موقوفا) علی، ابن عباس وعمر ۱۲۔

ہے اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

قوله ومن بلغ الخ حدیث میں ہے "نهی عن الذبیحة ان تفرس[1] " ابراہیم حربی نے غریب الحدیث میں فرس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری نخاع تک پہنچ جائے' نخاع حرام مغز کو کہتے ہیں جو گردن اور پیٹھ کی گریوں میں دنبالہ کی مانند واقع ہے۔ یہ اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں بلا فائدہ تعذیب ہے۔

قوله وما استانس الخ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ ذکاۃ کی دو قسمیں ہیں۔ اختیاری' اضطراری' اختیاری پر قدرت ہوتے ہوئے اضطراری جائز نہیں اور اختیاری سر' سینہ اور دونوں جبڑوں کے درمیان ہوتی ہے اضطراری نیزہ مارنا' زخمی کرنا خون بہانا ہے۔ جوہرہ۔

قوله ومن نحر ناقةً الخ بکری وغیرہ ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو امام صاحب کے نزدیک بچہ ماں کے تابع ہو کر حلال نہ ہو گا' بلکہ اس کو علیحدہ سے ذبح کیا جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس کی خلقت پوری ہو چکی ہو تو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں ہے "ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ"[2] نیز بچہ ماں کا جزء ہوتا ہے حقیقۃً بھی کہ وہ اس کے ساتھ متصل ہوتا' اس کی غذا سے غذا پاتا' اس کے سانس سے سانس لیتا ہے اور حکماً بھی کہ ماں کی بیع میں بچہ داخل اور اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ بچہ کی زندگی مستقل زندگی ہے چنانچہ وہ ماں کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے نیز غرہ واجب ہونے میں بھی مستقل ہے اس لئے وصیت بھی کی جا سکتی ہے پھر وہ بھی ایک خون دار جانور ہے اور ذبح کا مقصد خون ہی زائل کرنا ہے اور یہ مقصد ماں کے ذبح ہو جانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ رہی حدیث سو وہ تشبیہ پر محمول ہے یعنی ذکاۃ جنین ذکاۃ ام کی مانند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روایت میں لفظ "ذکاۃ امہ" مرفوع و منصوب دونوں طرح مروی ہے اور تشبیہ میں رفع نصب سے بھی قوی تر ہے۔ قال الشاعر ؎

وعیناک عیناها وجیدک جیدها
سوی ان عظم الساق منک دقیق

وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَلَاذِىْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطُّيُوْرِ وَلَابَاْسَ بِاَكْلِ غُرَابِ الزَّرْعِ
جائز نہیں کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کو کھانا اور کوئی حرج نہیں کھیتی کے کوے کو کھانے میں

وَلَا يُؤْكَلُ الْاَبْقَعُ الَّذِىْ يَاْكُلُ الْجِيَفَ وَيُكْرَهُ اَكْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا وَلَايَجُوْزُ
اور نہ کھایا جائے ابقع کوا جو مردار کھاتا ہے اور مکروہ ہے بجو' گوہ اور تمام حشرات الارض کو کھانا' اور جائز

اَكْلُ لَحْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ وَيُكْرَهُ اَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ
نہیں گھریلو گدھے اور خچروں کو کھانا' اور مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت کھانا امام صاحب کے نزدیک

لَابَاْسَ بِاَكْلِ الْاَرْنَبِ وَاِذَا ذُبِحَ مَالَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ طَهُرَجِلْدُهٗ وَلَحْمُهٗ اِلَّا الْاٰدَمِىَّ وَالْخِنْزِيْرَ
کوئی حرج نہیں خرگوش کھانے میں' جب ذبح کر لیا جائے' وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو پاک ہو جائے گی اس کی کھال اور گوشت بجز آدمی اور سور

فَاِنَّ الزَّكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيْهِمَا وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ اِلَّا السَّمَكُ وَيُكْرَهُ اَكْلُ الطَّافِىْ مِنْهُ
کے' کہ ذکاۃ ان میں کوئی کام نہیں کرتی، نہ کھایا جائے دریائی جانوروں سے بجز مچھلی کے اور مکروہ ہے اس مچھلی کو کھانا جو پانی پر تیر

[1] طبرانی' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲ [2] ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' احمد' دارقطنی عن الخدری' ابوداؤد' حاکم' دارقطنی' ابویعلی عن جابر' حاکم' دارقطنی عن ابی ہریرہ و ابن عمر و ابی ایوب' دارقطنی عن ابن مسعود و ابن عباس و علی ۱۲۔

وَلَا بَأْسَ بِاَكْلِ الْجِرِّيْثِ وَالْمَارُمَاهِيْ وَيَجُوْزُ اَكْلُ الْجَرَادِ وَلَاذَكَاةَ لَهٗ
جائے اور سنگی اور بام مچھلی کھانے میں کوئی حرج نہیں اور جائز ہے ٹڈی کو کھانا اور اس میں ذبح کی بھی ضرورت نہیں

ماکول وغیر ماکول جانوروں کا بیان

توضیح اللغۃ ناب۔کچلی کے دانت،سباع۔جمع سبع' درندہ مخلب۔پنجہ،غراب۔کوا،ابقع۔چتکبرا،جیف۔جمع جیفہ۔مردار،ضبع۔بجو،ضب۔گوہ، حمر۔جمع حمار' گدھا' بغال۔جمع بغل' خچر،فرس۔گھوڑا' ارنب۔خرگوش' سمک۔مچھلی،طافی۔مردہ مچھلی جو پانی کی سطح پر آ جائے،جریث ایک قسم کی مچھلی ہے،مار ماہی۔یہ بھی ایک قسم کی مچھلی ہے۔

تشریح الفقہ قولہ کل ذی ناب الخ کچلیوں والے درندے جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں۔ان کا کھانا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ان کی ممانعت[1] ہے اور جو کوا دانہ کھاتا ہے ناپا کی نہیں کھاتا وہ حلال ہے اور ابلق یعنی دیسی کوا جو مردار اور ناپا کی کھاتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ حیوانات خبیثہ کے ساتھ ملحق ہے۔

قولہ اکل الضبع الخ ہمارے نزدیک ضبع (بجو) کا کھانا حرام ہے۔ائمہ ثلاثہ کے ہاں حلال ہے کیونکہ حضرت جابرؓ کی روایت میں اس کی حلت وارد ہے[2]۔ہماری دلیل حضرت خزیمہ بن جزء کی روایت ہے کہ "میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کھانے کے متعلق دریافت کیا۔آپ نے فرمایا: کیا کوئی بھلا آدمی بجو بھی کھاتا ہے[3]؟ نیز ضبع ذی ناب ہے اور ذی ناب درندوں کی ممانعت حدیث بالا میں گزر چکی۔رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کو امام ابوداؤد نے بھی اصحاب سنن ہی کی سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں اکل کا کوئی تذکرہ نہیں۔

قولہ والضب الخ ہمارے ہاں گوہ بھی حلال نہیں' ائمہ ثلاثہ کے ہاں حلال ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی' اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی[4]"' ہماری دلیل ابوداؤد کی روایت ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اکل لحم الضب" اور حدیث ابن عباسؓ ابتداء اسلام پر محمول ہے۔

قولہ الحمر الاھلیۃ الخ پالتو گدھا اور خچر حرام ہے۔امام مالک سے منقول ہے کہ پالتو گدھا حلال ہے کیونکہ حضرت غالب بن ابجر کی حدیث میں ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے گھر والوں کو اپنے گدھے کھلا"[5] ہماری دلیل حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ سے اور پالتو گدھے کھانے سے منع فرمایا تھا"[6] اور حضرت غالبؓ کی حدیث میں جو اجازت ہے وہ ضرورت کی حالت میں ہے جس کو خود حضرت غالب نے ذکر کیا ہے۔

قولہ اکل لحم الفرس الخ امام صاحب اور امام مالک کے ہاں گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے صاحبین' امام شافعی اور امام احمد کے ہاں حلال ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کی اجازت دی[7]" امام صاحب کی دلیل حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث ہے کہ "آپ نے دونوں سے منع فرمادیا تھا[8]"' لیکن کفایۃ البیہقی میں ہے کہ امام صاحب نے اپنی موت سے تین دن پہلے حلت کی طرف رجوع کر لیا تھا اسی پر فتویٰ ہے۔

---

[1] مسلم' ابوداؤد' بزار عن ابن عباس' ابوداؤد عن خالد' احمد عن علی ۱۲۔[2] ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' ابن حبان' حاکم عن جابر ۱۲۔[3] ترمذی' ابن ماجہ عن خزیمہ ۱۲۔[4] صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔[5] ابوداؤد' طبرانی' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بزار عن غالب ۱۲۔[6] صحیحین عن علی ۱۲۔[7] صحیحین عن جابر ۱۲۔[8] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد' طبرانی' دارقطنی عن خالد۔

قولہ طہر جلدہ الخ جو جانور غیر ماکول اللحم ہیں ان کو ذبح کر لینے سے ان کا گوشت اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے (اگر کسی سیال چیز میں گر جائے تو وہ ناپاک نہ ہوگی) امام شافعی کے ہاں پاک نہیں ہوتا کیونکہ ذبح کا اثر اباحت لحم میں اصل ہے اور طہارت لحم وجلد میں تابع ہے اور تابع اصل کے بغیر نہیں ہوتا پس جب ذبح کرنے سے ان کے گوشت کی اباحت ثابت نہیں ہوتی تو گوشت اور چمڑے کی طہارت بھی ثابت نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح دباغت دینے سے رطوبات نجسہ زائل ہو جاتی ہیں اسی طرح ذبح کرنے سے بھی زائل ہو جاتی ہیں لہذا دباغت کی طرح ذبح سے بھی یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

قولہ السمک الخ دریائی جانوروں میں مچھلی کے علاوہ اور کوئی جانور حلال نہیں۔ امام مالک کے ہاں علی الاطلاق حلال نہیں۔ امام شافعی سے بھی اطلاق ہی مروی ہے کیونکہ آیت "**احل لکم صید البحر**" اور حدیث "**ھو الطھور ماؤہ . والحل میتتہ**[1]" مطلق ہے۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے "**ویحرم علیھم الخبائث**" اور مچھلی کے علاوہ دیگر جانوروں کو طبائع سلیمہ مکروہ جانتی ہیں اور ان سے گھن آتی ہے۔ نیز بہت سے دریائی جانوروں کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے۔[2] رہی آیت سو وہ شکار کرنے پر اور حدیث مچھلی پر محمول ہے۔

قولہ اکل الطافی الخ جو مچھلی بلا آفت اپنی موت مر کر پانی کی سطح پر آ گئی ہو اور اس کا پیٹ آسمان کی طرف ہو جس کو سمک طافی کہتے ہیں وہ حلال نہیں۔ امام شافعی اور امام مالک کے ہاں حلال ہے۔ ہماری دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس مچھلی کو دریا پھینک دے اس کو کھا اور جو اس میں مرجائے اور پانی کی سطح پر آ جائے اس کو مت کھا"[3]

قولہ باکل الجریث الخ جرث جس کو اہل ہند سچکی بولتے ہیں اور مار ماہی جس کو بام کہتے ہیں اور ٹڈی حلال ہے پھر مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہمارے لئے دو مردے حلال ہوئے مچھلی اور ٹڈی، اور دو خون حلال ہوئے کلیجہ اور تلی"[4]۔

كِتَابُ الْاُضْحِيَّةِ

قربانی کا بیان

اَلْاُضْحِيَّةُ	وَاجِبَةٌ	عَلٰى	كُلِّ	حُرٍّ	مُسْلِمٍ	مُقِيْمٍ	مُوْسِرٍ	فِيْ	يَوْمِ	الْاَضْحٰى
قربانی	واجب	ہے	ہر	آزاد	مسلم	مقیم	مالدار	پر	بقر عید	کے دن

يَذْبَحُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَعَنْ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ يَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ شَاةً اَوْيَذْبَحُ بَدَنَةً اَوْ
ذبح کرے اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ہر آدمی کی طرف سے ذبح کرے ایک بکری یا ذبح کرے اونٹ یا

بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَّلَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ وَالْمُسَافِرِ اُضْحِيَّةٌ وَّوَقْتُ الْاُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ
گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے اور نہیں ہے فقیر پر اور مسافر پر قربانی اور قربانی کا وقت ہو جاتا ہے یوم نحر کی فجر

يَوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فَاَمَّا اَهْلُ
طلوع ہونے سے مگر جائز نہیں شہر والوں کے لئے ذبح کرنا یہاں تک پڑھ لے امام عید کی نماز رہے

السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَ
گاؤں والے سو وہ ذبح کر سکتے ہیں طلوع فجر کے بعد ہی قربانی جائز ہے تین دنوں میں ایک یوم نحر اور دو دن اس کے بعد

[1] ابوداؤد، ترمذی، نسائی ۱۲ [2] ابوداؤد، نسائی، احمد، ابن راہویہ، طیالسی، حاکم، بیہقی ۱۲ [3] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، طحاوی (فی احکام القرآن) دارقطنی، ابن عدی عن جابر (مرفوعاً وموقوفاً بالفاظ) ۱۲ [4] ابن ماجہ، احمد، شافعی، ابن حمید، ابن حبان، دارقطنی، ابن عدی عن ابن عمر ۱۲۔

لا یُضحّٰی بِالْعَمْیَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِیْ لَا تَمْشِیْ اِلَی الْمَنْسَکِ وَلَا الْعَجْفَاءِ وَلَا تُجْزِیُٔ مَقْطُوْعَۃُ
قربانی نہ کی جائے اندھے کی، کانے کی اور ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جا سکے، نہ دبلے کی اور جائز نہیں کن کٹا

الْاُذُن وَالذَّنَب وَلَا الَّتِیْ ذَھَبَ اَکْثَرُ اُذُنِھَا اَوْذَنْبِھَا وَاِنْ بَقِیَ الْاَکْثَرُ مِنَ
دم کٹا اور نہ وہ جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہو اگر اکثر

الْاُذُن وَالذَّنَب جَازَ وَیَجُوْزُ اَنْ یُضَحّٰی بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِیِّ وَالْجَرْبَاءِ وَالثَّوْلَاءِ وَالْاُضْحِیَۃُ مِنَ
کان یا دم باقی ہو تو جائز ہے، اور جائز ہے یہ کہ قربانی کی جائے بے سینگ والے کی، خصی کی، خارشتیے کی، دیوانے کی، قربانی

الْاِبِل وَالْبَقَرِ وَالْغَنَم وَیُجْزِیُٔ مِنْ ذٰلِکَ کُلِّہِ الثَّنِیُّ فَصَاعِدًا اِلَّا الضَّأنَ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْہُ
اونٹ، گائے، بکری کی ہوتی ہے اور کافی ہے ان سب سے ثنی یا اس سے بڑا سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی

یُجْزِیُٔ وَیَاْکُلُ مِنْ لَحْمِ الْاُضْحِیَۃِ وَیُطْعِمُ الْاَغْنِیَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَیَدَّخِرُ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ لَّا یَنْقُصَ
کافی ہے، کھائے قربانی کا گوشت اور کھلائے مالداروں اور فقیروں کو اور رکھ بھی چھوڑے، مستحب ہے یہ کہ تہائی سے

الصَّدَقَۃَ مِنَ الثُّلُثِ وَیَتَصَدَّقُ بِجِلْدِھَا اَوْیَعْمَلُ مِنْہُ اٰلَۃً تُسْتَعْمَلُ فِی الْبَیْتِ وَالْاَفْضَلُ اَنْ
کم صدقہ نہ کرے اور صدقہ کر دے اس کی کھال یا بنا لے اس کی کوئی چیز جو استعمال کی جائے گھر میں، افضل یہ ہے کہ

یَّذْبَحَ اُضْحِیَتَہٗ بِیَدِہٖ اِنْ کَانَ یُحْسِنُ الذَّبْحَ وَیُکْرَہُ اَنْ یَّذْبَحَھَا الْکِتَابِیُّ وَاِذَا غَلَطَ رَجُلَانِ
ذبح کرے اپنی قربانی خود اگر اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو اور مکروہ ہے یہ کہ ذبح کرے قربانی کو کوئی کتابی، ذبح کی غلطی سے

فَذَبَحَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا اُضْحِیَۃَ الْاٰخَرِ اَجْزَأَ عَنْھُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَیْھِمَا
دو آدمیوں سے ہر ایک نے دوسرے کی قربانی تو کافی ہو گی دونوں کی طرف سے اور نہ ضمان ہو گا ان پر

توضیح اللغۃ اضحیہ۔ قربانی، موسر۔ مالدار، امصار۔ جمع مصر، شہر، سواد۔ گاؤں، عمیا۔ اندھا، عوراء۔ کانا، عرجا۔ لنگڑا، منسک۔ جائے ذبح عجفا۔ دبلی، کمزور، ذنب۔ دم، جماء۔ جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، جرباء۔ خارشتی، ثولاء۔ دیوانہ، ثنی۔ دودانت والا، ضان۔ بھیڑ، یدخر۔ ذخیرہ اندوزی۔

تشریح الفقہ قولہ الاضحیۃ الخ اضحیہ لغت میں بکری یا اس کے مثل جانور کو کہتے ہیں جو ایام اضحٰی میں ذبح کیا جائے۔ اصطلاح شرع میں وہ مخصوص جانور ہے جو بہ نیت قربت خاص وقت میں ذبح کیا جائے۔ احناف کے ہاں قربانی ایک روایت میں واجب دوسری میں سنت مؤکدہ ہے۔ امام طحاوی نے سنت ہونا صاحبین کا قول بتایا ہے۔ یہی امام شافعی واحمد کا قول ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے نفل ہیں وتر، قربانی، صلوٰۃ ضحٰی"[1]۔ وجوب کی دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے کہ "جو شخص کشائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے"[2]۔ اس قسم کی وعید ترک واجب ہی پر ہوتی ہے اور روایت مذکورہ کو امام نسائی، دار قطنی اور صاحب تنقیح نے ضعیف کہا ہے۔

قولہ وعن اولادہ الصغار الخ یہ امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ قربانی ہر آدمی پر اپنی طرف سے واجب ہے اور فتاویٰ اسی پر ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں اس کی تصریح موجود ہے۔

---

[1] احمد، حاکم، دار قطنی عن ابن عباس ۱۲۔ [2] ابن ماجہ، احمد، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، دار قطنی، حاکم عن ابی ہریرہ ۱۲۔

قولہ شاۃ اویذبح بدنۃ الخ بھیڑ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہوگی اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں۔امام مالک کے ہاں گائے اور اونٹ ایک گھرانے کی طرف سے ہوسکتے ہیں گو اس کے افراد سات سے زائد ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے[1]۔ہم یہ کہتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے تو اونٹ اور گائے بھی ایک ہی طرف سے ہونی چاہیئے کیونکہ خونریزی قربت واحدہ ہے جس میں تجزی نہیں مگر یہ چونکہ حدیث جابرؓ سے ثابت ہے کہ'' ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گائے اور اونٹ کی قربانی سات سات آدمیوں کی طرف سے کی[2]'' اس لئے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا اور بھیڑ بکری میں کوئی نص موجود نہیں۔اس لئے یہ قیاس اصل پر باقی رہی اور حدیث مذکور جو امام مالک کا مستدل ہے وہ قیم اہل بیت پر محمول ہے۔

قولہ وھی جائزۃ الخ ایام نحر تین ہیں ۱۰۔۱۱۔۱۲۔ذی الحجہ۔ایام تشریق بھی تین ہیں ۱۱۔۱۲۔۱۳ پس دسویں تاریخ یوم نحر ہے یوم تشریق نہیں اور تیرھویں تاریخ اس کے برعکس ہے اور ۱۱۔۱۲۔ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی تو ہمارے نزدیک بارھویں تاریخ میں غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کی جاسکتی ہے۔امام شافعی کے ہاں تیرھویں میں بھی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' ایام تشریق کل کے کل ذبح کے دن ہیں''[3] ہماری دلیل حضرت ابن عمرؓ و علیؓ کا اثر ہے۔**الاضحی یومان بعد یوم الاضحی**[4]۔

قولہ الثنی فصاعدًا الخ ثنی یعنی پنج سالہ اونٹ' دو سالہ گائے' بیل' بھینس' یک سالہ بھیڑ' بکری کی قربانی درست ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' **لاتذبحوا الا مسنہ**[5] '' البتہ بھیڑ' دنبہ میں جذع یعنی چھ ماہ کا پٹھا بھی جائز ہے بشرطیکہ فربہ اور قد آور ہو کہ اگر سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو تمیز نہ ہو سکے لقولہ علیہ السلام'' **یجوز الجذع من الضان اضحیۃ**''[6]۔

كِتَابُ الْاَيْمَانِ

قسموں کے بیان میں

اَلْاَيْمَانُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ يَمِيْنُ غَمُوْسٍ وَّيَمِيْنٌ مُنْعَقِدَةٌ وَّيَمِيْنُ لَغْوٍ

قسمیں تین طرح پر ہیں یمین غموس یمین منعقدہ یمین لغو

فَالْغَمُوْسُ هِيَ الْحَلْفُ عَلٰى اَمْرٍمَّاضٍ تَعَمَّدَ فِيْهِ الْكِذْبَ فَهٰذِهِ الْيَمِيْنُ يَاْثَمُ بِهَا صَاحِبُهَا وَلَا

پس یمین غموس وہ قسم کھانا ہے گذشتہ بات پر قصداً جھوٹ بولتے ہوئے' اس قسم میں گنہگار ہوتا ہے صاحب قسم اور

كَفَّارَةَ فِيْهَا اِلَّا الْاِسْتِغْفَارَ وَالْيَمِيْنُ الْمُنْعَقِدَةُ هِيَ الْحَلْفُ عَلَى الْاَمْرِالْمُسْتَقْبِلِ اَنْ يَّفْعَلَهٗ اَوْ

اس میں کفارہ نہیں سوائے استغفار کے اور یمین منعقدہ قسم کھانا ہے آئندہ امر پر اس کے کرنے یا

لَا يَفْعَلَهٗ فَاِذَا حَنَثَ فِيْ ذٰلِكَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَيَمِيْنُ اللَّغْوَانْ يَّحْلِفَ عَلٰى اَمْرٍمَّاضٍ وَّهُوَ يَظُنُّ

نہ کرنے کی جب اس میں حانث ہو جائے تو لازم ہو گا کفارہ، یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھائے امر ماضی پر یہ گمان کرتے ہوئے

اَنَّهٗ كَمَا قَالَ وَالْاَمْرُ بِخِلَافِهٖ فَهٰذِهِ الْيَمِيْنُ نَرْجُوْاَنْ لَّايُؤَاخِذَ اللّٰهُ بِهَا وَالْعَامِدُ فِي الْيَمِيْنِ

کہ جیسے میں نے کہا ہے ویسے ہی ہے اور ہو اس کے خلاف' اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ خدا مؤاخذہ نہ کرے گا صاحب قسم سے، قسم میں جان کر

وَالنَّاسِيْ وَالْمُكْرَهِ سَوَاءٌ وَّمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوْفَ عَلَيْهِ عَامِدًا اَوْنَاسِيًا اَوْمُكْرَهًا فَهُوَسَوَاءٌ وَالْيَمِيْنُ

یا بھول کر یا زبردستی کھانے والا سب برابر ہیں' جس نے کر لیا فعل محلوف علیہ جان کر یا بھول کر یا کسی کی زبردستی سے تو وہ بھی برابر ہے قسم

[1] الخمسہ اربعہ' احمد' ابن ابی شیبہ' بزار' بیہقی' طبرانی' عبدالرزاق عن مخنف بن سلیم ۱۲ [2] الجماعۃ الا البخاری عن جابر ۱۲ [3] احمد ابن حبان' بزار' بیہقی (فی المعرفۃ) دارقطنی عن جبیر بن مطعم' ابن عدی عن الخدری ۱۲ [4] مالک عن ابن عمر ۱۲ [5] مسلم عن جابر ۱۲ [6] ابن ماجہ عن بلال الاسلمی ۱۲

بِاللّٰهِ تَعَالٰی اَوْ بِاسْمٍ مِّنْ اَسْمَائِهٖ کَالرَّحْمٰنِ وَالرَّحِیْمِ اَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ کَقَوْلِهٖ وَ عِزَّةِ اللّٰهِ
اللہ کی یا اس کے کسی نام کی ہوتی ہے جیسے رحمٰن رحیم یا اس کی کسی ذاتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے اس کا قول و عزۃ اللہ

وجلالِهٖ وَکِبْرِیَائِهٖ اِلَّا قَوْلَهٗ وَعِلْمِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا یَکُوْنُ یَمِیْنًا وَّاِنْ حَلَفَ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ
وجلالہ و کبریاء سوائے اس قول کے و علم اللہ کہ یہ قسم نہیں ہوتی' اگر قسم کھائی کسی فعلی صفت کے ساتھ

کَغَضَبِ اللّٰهِ وَ سَخَطِهٖ لَمْ یَکُنْ حَالِفًا وَّمَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ لَمْ یَکُنْ حَالِفًا کَالنَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ
جیسے غضب اللہ' سخط اللہ' تو قسم کھانے والا نہ ہوگا' جس نے قسم کھائی غیر اللہ کی تو حالف نہ ہو گا' جیسے نبی علیہ السلام'

وَالْقُرْاٰنِ وَالْکَعْبَةِ وَالْحَلْفُ بِحُرُوْفِ الْقَسَمِ وَ حُرُوْفُهُ الْوَاوُکَقَوْلِهٖ وَاللّٰهِ وَالْبَاءُ کَقَوْلِهٖ بِاللّٰهِ وَ
قرآن' کعبہ' قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم واو ہے جیسے واللہ اور باء ہے جیسے باللہ اور

التَّاءُ کَقَوْلِهٖ تَاللّٰهِ وَقَدْ تُضْمَرُ الْحُرُوْفُ فَیَکُوْنُ حَالِفًا کَقَوْلِهٖ اَللّٰهُ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ
تاء ہے جیسے تاللہ کبھی یہ مضمر بھی ہوتے ہیں اس میں بھی حالف ہو جائے گا جیسے بخدا ضرور کروں گا ایسا' امام صاحب فرماتے ہیں

اللّٰهُ اِذَا قَالَ وَ حَقِّ اللّٰهِ فَلَیْسَ بِحَالِفٍ وَّاِذَا قَالَ اُقْسِمُ اَوْاُقْسِمُ بِاللّٰهِ اَوْاَحْلِفُ اَوْاَحْلِفُ بِاللّٰهِ
کہ جب وحق اللہ کہے تو حالف نہیں ہے' جب کہا میں قسم کھاتا ہوں یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں

اَوْاَشْهَدُ اَوْاَشْهَدُ بِاللّٰهِ فَهُوَ حَالِفٌ وَّکَذٰلِکَ قَوْلُهٗ وَعَهْدُاللّٰهِ وَمِیْثَاقِهٖ وَعَلَیَّ نَذْرٌ اَوْنَذْرُ اللّٰهِ
یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہو تو وہ حالف ہے' اسی طرح یہ کہنا وعہد اللہ' ومیثاقہ' علی نذر' نذر اللہ

عَلَیَّ فَهُوَ یَمِیْنٌ وَّاِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ کَذَا فَاَنَا یَهُوْدِیٌّ اَوْنَصْرَانِیٌّ اَوْ مَجُوْسِیٌّ اَوْمُشْرِکٌ اَوْکَافِرٌ
علی یہ بھی قسم ہے' کسی نے کہا اگر کروں ایسا تو میں یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں

کَانَ یَمِیْنًا وَّاِنْ قَالَ فَعَلَیَّ غَضَبُ اللّٰهِ اَوْسَخَطُهٗ فَلَیْسَ بِحَالِفٍ وَّکَذٰلِکَ اِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ
تو یہ قسم ہو گی اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کا غصہ ہے تو حالف نہیں ہے اسی طرح اگر کہا اگر کروں

کَذَا فَاَنَا زَانٍ اَوْشَارِبُ خَمْرٍ اَوْ اٰکِلُ رِبٰوا فَلَیْسَ بِحَالِفٍ
ایسا تو میں زناکار یا شراب نوش یا سود خور ہوں تو حالف نہیں ہے

تشریح الفقہ قولہ الایمان الخ ایمان یمین کی جمع ہے لغۃ ہاتھ' قوت' قسم میں مشترک ہے۔عرف شرع میں خبر کی دو قسموں (صدق و کذب) میں سے ایک کو مقسم بہ (خدا کا نام یا اس کی صفات) ذکر کر کے مضبوط کرنے کو یمین کہتے ہیں۔اس کی تین قسمیں ہیں۔یمین غموس' یمین منعقدہ' یمین لغو۔یمین غموس گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھانے کو کہتے ہیں مثلاً زید جانتا ہے کہ فلاں شخص نہیں آیا اور پھر قسم کھا کر کہے واللہ فلاں شخص آیا تھا۔صاحب کتاب نے جو اس میں ماضی کی قید لگائی ہے یہ اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔کیونکہ شروح ہدایہ وغیرہ میں مصرح ہے کہ یمین غموس میں ماضی کی شرط نہیں' حال میں بھی ہو سکتی ہے۔غمس کے معنی ڈوبنے کے ہیں،ایسی قسم کھانے والا چونکہ گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔احناف' امام مالک و احمد کے ہاں اس میں کفارہ نہیں' صرف توبہ و استغفار ہے۔امام شافعی کے ہاں اس میں بھی کفارہ ہے کیونکہ یہ ''بما کسبت قلوبکم'' میں داخل ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''ولکن یؤاخذ کم بما عقد تم الایمان فکفارته اھ'' میں کفارہ یمین منعقدہ پر مرتب ہے اور یمین غموس' یمین منعقدہ نہیں لہذا اس میں کفارہ نہیں ہو سکتا۔

قولہ والیمین المنعقدۃ الخ یمین منعقدہ یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے۔ آئندہ کی قید اس لئے ہے کہ آیت میں ہے "واحفظوا ایمانکم" اور ظاہر ہے کہ حفاظت آئندہ ہی کے لحاظ سے ہوسکتی ہے اس صورت میں قسم کے خلاف کرنے پر بالاتفاق کفارہ واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ "ولکن یؤاخذکم بماعقدتم الایمان فکفارتہ الخ"

قولہ ویمین اللغو الخ احناف کے ہاں یمین لغو یہ ہے کہ اپنے گمان میں سچ جان کر جھوٹی قسم کھالے مثلاً پرسوں بارش نہیں ہوئی مگر زید کا غالب گمان یہ ہے کہ ہوئی تھی پس زید کا یہ کہنا "واللہ پرسوں بارش ہوئی تھی" یمین لغو ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور زرارہ بن ابی اوفی سے یہی مروی ہے پس یمین غموس ولغو میں فرق صرف عمد کذب وعدم عمد کذب کے لحاظ سے ہے۔ ماضی وحال کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ بدائع میں یہ چیز مصرح ہے تو اس کی تعریف میں بھی ماضی کی قید اتفاقی ہوئی نہ کہ احترازی۔ امام شافعی کے ہاں بات بات پر باللہ، واللہ کہنا یمین لغو ہے۔ روی ذلک عن عائشہ۔

قولہ وقال ابو حنیفہ الخ اگر کوئی وحق اللہ کہے تو امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک یہ قسم نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ ہو جائے گی علامہ عینی لکھتے ہیں کہ مجھے امام ابو یوسف ہی کا قول پسند ہے لیکن قہستانی میں محیط سے منقول ہے کہ صحیح پہلا ہی قول ہے۔
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَكَفَّارَةُ الْيَمِينِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزِئُ فِيهَا مَا يُجْزِئُ فِي الظِّهَارِ وَاِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كُلُّ
قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے، جس میں وہی کافی ہے جو ظہار میں کافی ہوتا ہے، چاہے دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے ہر

وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَازَادَ وَاَدْنَاهُ مَا يَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ وَاِنْ شَاءَ اَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كَالْاِطْعَامِ
ایک کو ایک کپڑا یا اس سے زائد اور ادنیٰ وہ ہے جس میں نماز ہو جائے چاہے دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے جیسے کھلانا ہوتا ہے

فِيْ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ فَاِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اَحَدِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ فَاِنْ
کفارہ ظہار میں، اگر قادر نہ ہو ان تین چیزوں میں سے کسی ایک پر تو تین روزے رکھے لگاتار اگر

قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يُجْزِهُ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ مِّثْلَ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ اَوْلَا يُكَلِّمَ اَبَاهُ
مقدم کر دیا کفارہ حانث ہونے پر تو کافی نہ ہوگا، جس نے قسم کھائی گناہ پر مثلاً یوں کہا کہ نماز نہ پڑھوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا

اَوْ لَيَقْتُلَنَّ فُلَانًا فَيَنْبَغِيْ اَنْ يُحْنِثَ نَفْسَهُ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَاِذَا حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنِثَ فِيْ حَالِ
یا فلاں کو ضرور قتل کروں گا تو چاہئے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور قسم کا کفارہ دے دے، قسم کھائی کسی کافر نے پھر حانث ہو گیا کفر ہی کی

الْكُفْرِ اَوْ بَعْدَ اِسْلَامِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَمَنْ حَرَّمَ عَلٰى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهُ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَّ
حالت میں یا اسلام لانے کے بعد تو اس پر کفارہ نہیں، جس نے حرام کی خود پر اپنی مملوکہ چیز تو وہ حرام نہ ہوگی

عَلَيْهِ اِنِ اسْتَبَاحَهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ فَاِنْ قَالَ كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلَّا
پھر اگر اسے مباح سمجھے تو قسم کا کفارہ ہوگا، اگر کہا ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا

اَنْ يَّنْوِيَ غَيْرَ ذٰلِكَ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِهٖ وَاِنْ عَلَّقَ نَذْرَهُ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ
الا یہ کہ وہ کسی اور چیز کی نیت کرے، کسی نے کوئی مطلق نذر مان لی تو اس پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے اگر معلق کر دیا نذر کو کسی شرط پر اور شرط پائی

الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَرُوِيَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ اِذَا قَالَ
گئی تو اسپر نذر کو پورا کرنا ضروری ہے اور مروی ہے کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ جب یوں
اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْصَوْمُ سَنَةٍ اَوْصَدَقَةُ مَا اَمْلِكُهُ اَجْزَاَهُ مِنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَّهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ
کہے کہ اگر ایسا کروں تو مجھ پر حج یا ایکبرس کے روزے یا اپنی مملوکہ کا صدقہ کرنا ہے تو اس میں کافی ہو گا قسم کا کفارہ اور یہی قول ہے امام محمد کا

کفارہ یمین اوراس کے مسائل

تشریح الفقہ **قولہ کفارۃ الیمین الخ** قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے جس میں وہی کافی ہے جو کفارہ ظہار میں کافی ہے یعنی اس میں عتق رقبہ مؤمنہ' کافرہ صغیرہ' کبیرہ بھی کافی ہے اور چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنادے ہر مسکین کو ایک یا ایک سے زائد کپڑا' نیز اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ کفارہ یمین کا یہ حکم اس آیت میں مذکور ہے ''**فکفارته اطعام عشرة مساكين من اوسط ماتطعمون اهليكم او كسوتهم اوتحرير رقبه**'' (سواس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑا پہنادینا دس محتاجوں کو یا ایک گردن آزاد کرنی)۔

قولہ فان لم یقدر الخ اگر غلام آزاد کرنے' لباس دینے اور کھانا کھلانے سے عاجز ہو تو پے درپے تین روزے رکھے۔ امام مالک کے ہاں تتابع ضروری نہیں امام شافعی کا ایک قول اور امام محمد سے ایک روایت بھی یہی ہے کیونکہ آیت ''**فمن لم يجد فصيام ثلثه ايام**'' میں تتابع کی قید نہیں۔ ہماری دلیل حضرت ابن مسعودؓ وحضرت ابی بن کعبؓ کی مشہور قرات اور ثلثة ایام متتابعات[1] ہے

قولہ فان قدم الکفارۃ الخ حانث ہونے سے قبل کفارہ دینا جائز نہیں۔ امام شافعی کے ہاں کفارہ مالی قبل از حنث جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''**فكفر عن يمينك ثم ايت الذى هو خير**[2]'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اول کفارہ دے پھر قسم توڑے کیونکہ لفظ ثم تعقیب کے لئے ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی حدیث میں بھی لفظ ثم ہے[3] ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ قسم کے متعلق اکثر احادیث اسی پر دال ہیں کہ پہلے قسم توڑے بعد میں کفارہ ادا کرے[4] نیز کفارہ کی مشروعیت گناہ چھپانے کے لئے ہے اور قبل از حنث کوئی گناہ ہی نہیں جس کو کفارہ چھپائے رہے۔ امام شافعی کے مستدلات سوان کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے صحیحین میں جو روایت ہے اس میں واؤ ہے نہ کہ ثم اور واؤ مطلق جمع کے لئے ہے نہ کہ تعقیب کے لئے اور صحیحین کی روایت چونکہ صحت میں مقدم ہے اس لئے ابوداؤد کی روایت میں تاویل کی جائے گی کہ لفظ ثم واؤ کے معنی میں ہے اور حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے ''**ان ابا بكر كان اذا حلف ا ه**'' اس میں حنث مقدم ہے اور کفارہ کا عطف واؤ کے ساتھ ہے رہی ام سلمہؓ کی حدیث سواس میں گو لفظ ثم ہے لیکن حنث مقدم ہے۔ **فكان سواء بسواء**''

قولہ علی معصیة الخ جو شخص کسی معصیت پر قسم کھالے' مثلاً یوں کہے: بخدا! میں اپنے والدین سے نہ بولوں گا یا نماز نہ پڑھوں گا یا فلاں کو ضرور قتل کروں گا تو اس کو چاہیئے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتری ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے[5]۔

قولہ ومن حرم الخ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز اپنے اوپر حرام کرے تو وہ حرام نہ ہوگی پھر اگر وہ اسے مباح سمجھے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب

[1] ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق عن ابن مسعود' حاکم عن ابی بن کعب ۱۲۔ [2] ابوداؤد' نسائی عن عبدالرحمٰن بن سمرہ ۱۲۔ [3] حاکم عن عائشہ' طبرانی عن ام سلمہ ۱۲۔ [4] مسلم عن ابی ہریرہ۔ صحیحین عن الاشعری' مسلم عن عدی بن حاتم ۱۲۔ [5] صحیحین عن عبدالرحمٰن بن سمرہ مسلم عن ابی ہریرہ ۱۲۔

ہے۔سوال صاحب کتاب کے قول "لم یصر محرمًا" اور "ان استباحه" میں تناقض ہے کیونکہ استباحت مقتضی حرمت ہے۔ جواب لم یصر محرمًا کا مطلب یہ ہے کہ وہ حرام لعینہ نہ ہوگی اور ان استباحہ سے مراد یہ ہے کہ وہ مباح چیز کی طرح اسے اپنے کام میں لائے یہ مطلب نہیں کہ اس کو حلال کرلے بعد اس کے وہ حرام تھی۔

قولہ کل حلال الخ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کل حلال علی حرام۔ تو یہ تحریم کھانے پینے پر محمول ہوگی ظاہر الروایہ تو یہی ہے لیکن متاخرین مشائخ کا فتویٰ اس پر ہے کہ قائل کی بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر چند بیویاں ہوں تو سب ایک ایک طلاق سے بائنہ ہو جائیں گی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ اگر وہ یہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قضاءً تصدیق نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ تحریم حلال کا غالب استعمال طلاق ہی میں ہے۔

وَمَنْ حلَفَ لَا يَدْخُلُ بيتًا فَدَخلَ الْكَعْبَةَ اَوِالْمَسْجِد اَوْالْبِيْعَة اَوِالْكَنِيْسَةَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ
قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہ ہونگا پھر داخل ہوا کعبہ مسجد یا کلیسا یا گرجا میں تو حانث نہ ہو گا' کسی

حلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حلَفَ لَا يَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ وَهُوَ
نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا' پھر اس نے قرآن پڑھا نماز میں تو حانث نہ ہو گا' قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہ پہنوں گا اور

لَابِسُهُ فَنَزَعَهُ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَكَذٰلِكَ اذَا حلَفَ لَا يَرْكَبُ هٰذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ
اسی کو پہنے ہوئے تھا پس اس کو اسی وقت اتار دیا تو حانث نہ ہو گا' اسی طرح جب قسم کھائے کہ اس جانور پر سوار نہ ہوں گا اور اسی پر سوار تھا پس وہ اتر

فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ وَمَنْ حلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّار وَهُوَ فِيْهَا
گیا اسی وقت تو حانث نہ ہو گا اور اگر کچھ دیر ٹھہر گیا تو حانث ہو جائے گا، قسم کھائی کہ داخل نہ ہو گا اس گھر میں اور وہ اسی میں تھا

لَمْ يَحْنَثْ بِالْقُعُوْدِ حَتّٰى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلَ وَمَنْ حلَفَ لَا يَدْخُلُ دارًا فَدَخلَ دَارًا خَرَابًا لَمْ يَحْنَثْ
تو حانث نہ ہو گا بیٹھنے سے یہاں تک کہ نکل کر پھر داخل ہو' قسم کھائی کہ داخل نہ ہو گا گھر میں پس داخل ہو گیا ویرانے میں تو حانث نہ ہو گا

وَمَنْ حلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارِ فَدَخلَهَا بعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ وَ
قسم کھائی کہ داخل نہ ہو گا اس گھر میں پھر داخل ہوا اس کے منہدم ہو جانے اور جنگل ہو جانے کے بعد تو حانث ہو جائے گا'

مَنْ حلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ فَدَخلَ بَعْدَ مَا انْهَدَمَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حلَفَ لَا يُكَلِّمُ زَوْجَةَ
قسم کھائی کہ داخل نہ ہو گا اس مکان میں پھر داخل ہوا اس کے منہدم ہونے کے بعد تو حانث نہ ہو گا' قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا فلاں

فُلَانٍ فَطَلَّقَهَا فُلَانٌ ثُمَّ كَلَّمَهَا حَنِثَ وَمَنْ حلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ اَوْ لَا يَدْخُلُ دَارَفُلَانٍ فَبَاعَ
کی بیوی سے پس فلاں نے اس کو طلاق دے دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا' قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہ کروں گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوں گا فلاں نے اپنا

فُلَانٌ عَبْدَهٗ اَوْدَارَهٗ ثُمَّ كَلَّمَ الْعَبْدَ اَوْدَخلَ الدَّارَ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حلَفَ لَا يُكَلِّمُ صَاحِبَ هٰذَا
فلاں نے اپنا غلام بیچ دیا یا مکان بیچ دیا پھر اس نے غلام سے بات کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہو گا قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا اس

الطَّيْلُسَانِ فَبَاعَهٗ ثُمَّ كَلَّمَهٗ حَنِثَ وَكَذٰلِكَ اِذَا حلَفَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ هٰذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهٗ بَعْدَ مَا صَارَشَيْخًا حَنِثَ
چادر والے سے اس نے چادر بیچ دی پھر اس نے بات کی تو حانث ہو جائے گا' اسی طرح جب قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا اس جوان سے پھر بات کی اس سے اس کے بوڑھا ہو جانے کے بعد تو حانث ہو جائے گا۔

داخل ہونے، پہننے، بات کرنے پر قسم کھانے کا بیان

توضیح اللغۃ بیعہ۔ کلیسا نصاریٰ کا عبادت خانہ، کنیسہ۔ گرجا، یہودیوں کی عبادت گاہ، لابس۔ پہننے والا، نزعہ۔ اتار دیا، خراب۔ ویران، انہدمت ۔گر گیا، صحرا۔ جنگل، طیلسان۔ سبز رنگ کی چادر جس کو مشائخ وعلماء استعمال کرتے تھے، شاب۔ نوجوان، شیخ۔ بوڑھا۔

تشریح الفقہ قولہ لایدخل بیتاً الخ مسائل یمین کا سمجھنا اصول ائمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے اس لئے پہلے اصول دریافت کر لینا ضروری ہے۔ امام شافعی کے ہاں یمین کا مدار حقیقت لغویہ پر ہے اور امام مالک کے ہاں استعمال قرآنی پر اور امام احمد کے ہاں نیت پر اور ہمارے ہاں عرف پر (بشرطیکہ حالف نے محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو) پس اگر کوئی شخص یوں کہے۔ واللہ لا اہدم بیتا'' تو امام شافعی کے ہاں مکڑی کا جالا توڑنے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ لغت میں مکڑی کے جالے کو بھی بیت کہتے ہیں اور اگر کوئی یہ کہے'' واللہ لا آکل لحما'' تو امام مالک کے ہاں مچھلی کھانے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ قرآن میں مچھلی کو لحم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ 'لتا کلوا منہ لحما طریا'' جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اب مسائل یمین کا سمجھنا آسان ہو گیا مثلاً ایک شخص کہتا ہے'' لاادخل بیتا' تو ہمارے نزدیک خانہ کعبہ، مسجد، کنیسہ وغیرہ میں داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ عرف میں بیت اس کو کہتے ہیں جو شب باشی کے لئے موضوع ہو اور امکنہ مذکورہ شب باشی کے لئے موضوع نہیں بلکہ عبادت کے لئے موضوع ہیں۔

قولہ فقرأ القرآن الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں بات نہ کروں گا پھر اس نے نماز میں قرآن پاک پڑھا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' ان ھذہ صلوتنا لایصلح فیھا شئی من کلام الناس و انما ھی التسبیح والتھلیل وقرائۃ القرآن' معلوم ہوا کہ نماز میں قرآن شریف پڑھنا بات کرنا نہیں ہے۔

قولہ و ھو لابسہ الخ کسی نے قسم کھائی بخدا میں یہ کپڑا نہ پہنوں گا حالانکہ وہی پہنے ہوئے ہے یا کہا کہ اس سواری پر سوار نہ ہوں گا اور اسی پر سوار ہے تو قسم کے بعد ایک ساعت پہننے اور سوار ہونے سے حانث ہو جائے گا۔ اور اگر یوں کہا کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا تو بیٹھنے اور قدرے ٹھہرنے سے حانث نہ ہو گا وجہ یہ ہے کہ ان افعال میں امتداد پایا جاتا ہے۔ ان میں دوام فعل کا حکم بھی وہی ہے جو ابتداء فعل کا ہے جیسے رکوب، لبس، سکنی وغیرہ اور جن میں امتداد نہیں ہے جیسے دخول، خروج، تزوج وغیرہ ان کے دوام کا حکم ابتداء فعل کا حکم نہیں ہے۔

قولہ لایدخل داراً الخ اگر کوئی یوں کہے'' واللہ لاادخل داراً' تو اس کے ویران ہونے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا۔ ہاں اگر وہ یوں کہے'' واللہ لاادخل ھذہ الدار'' تو ویران یا منہدم ہو جانے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ دار میدان کا نام ہے اور اس میں عمارت کا ہونا وصف ہے یقال دار عامرۃ و دار غامرہ اور وصف کا اعتبار غیر معین میں ہوتا ہے نہ کہ معین میں تو پہلی صورت میں دار نکرہ غیر معین ہے اس لئے عمارت معتبر ہو گی اور ویران گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہو گا اور دوسری صورت میں دار اشارہ کی وجہ سے معین ہے لہذا وصف غیر معتبر ہوا پس ویران گھر میں داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائے گا اور اگر یوں کہا'' واللہ لاادخل ھذا البیت'' اور پھر اس کے منہدم ہو جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہو گا کیونکہ اب وہ بیت نہیں رہا اس واسطے کہ انہدام کے بعد اس میں شب باشی نہیں ہوئی۔ وقد اجاد الشاعر حیث قال ۔

الدار دار وان زالت حوائطھا

والبیت لیس ببیت بعد تھدیم

قولہ زوجۃ فلان الخ کسی نے کہا فلاں کی بیوی سے بات نہ کروں گا' فلاں نے اسے طلاق بائن دے دی پھر حالف نے اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا مگر یہ اس وقت ہے جب عورت کی طرف اشارہ کر کے معین کر دی ہو۔

وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ هٰذَا الْحَمْلِ فَصَارَ كَبْشًا فَاَكَلَهُ حَنِثَ وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ
قسم کھائی کہ نہیں کھائے گا اس حمل کا گوشت وہ مینڈھا ہو گیا اور اس کا گوشت کھایا تو حانث ہوجائے گا' قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا اس

النَّخْلَةِ فَهُوَ عَلٰى ثَمَرِهَا وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذَاالْبُسْرِفَصَارَ رُطَبًا فَاَكَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ
کھجور سے تو قسم پھل پر ہو گی' قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا یہ گدر کھجور وہ پک گئی اور اس نے کھالی تو حانث نہ ہوگا'

وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَاَكَلَ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ وَ اِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا فَاَكَلَ بُسْرًا مُذَنِّبًا حَنِثَ
قسم کھائی کہ نہ کھائے گا پختہ کھجور پھر کھائی وہ جو پک گئی تھی دم کی طرف سے تو حانث

عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَاَكَلَ السَّمَكَ لَمْ يَحْنَثْ وَلَوْ حَلَفَ
ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک' قسم کھائی کہ نہ کھائے گا گوشت پھر کھائی مچھلی تو حانث نہ ہو گا، قسم کھائی

لَايَشْرَبُ دَجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِاِنَاءٍ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَكْرَعَ مِنْهَا كَرْعًا عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ
کہ نہ پیئے گا دجلہ نہر سے پھر پیا اس سے برتن میں لے کر تو حانث نہ ہو گا یہاں تک کہ پیئے منہ ڈال کر امام صاحب کے نزدیک

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ مَّاءِ دَجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِاِنَاءٍ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ
قسم کھائی کہ نہ پیئے گا دجلہ نہر کا پانی پھر اس سے پیا برتن میں لے کر تو حانث ہو جائے گا، قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا

هٰذِهِ الْحِنْطَةِ فَاَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ يَحْنَثْ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذَاالدَّقِيْقِ فَاَكَلَ مِنْ خُبْزِهٖ
یہ گیہوں پھر کھائی اس کی روٹی تو حانث نہ ہو گا، قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا آٹا پھر اس کی روٹی کھائی

حَنِثَ وَلَوِ اسْتَفَّهُ كَمَا هُوَ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَانًا فَكَلَّمَهُ وَ هُوَبِحَيْثُ يَسْمَعُ اِلَّا اَنَّهُ
تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس کو یوں ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا، قسم کھائی کہ نہ بات کرے گا فلاں سے' پھر بات کی اس سے اتنی آواز سے کہ وہ سن لیتا مگر وہ

نَائِمٌ حَنِثَ وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْاِذْنِ حَتّٰى كَلَّمَهُ حَنِثَ وَ
سویا ہوا تھا تو حانث ہو جائے گا' قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کرے گا اس کی بلا اجازت' اس نے اجازت دے دی مگر اس کو خبر نہ ہوئی اور اس نے بات کر لی تو حانث ہو جائے گا

اِذَااسْتَحْلَفَ الْوَالِيْ رَجُلًا لِيُعْلِمَهُ بِكُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهُوَ عَلٰى حَالِ وَلَايَتِهٖ خَاصَّةً وَّمَنْ
قسم لی حاکم نے کسی سے کہ مجھے خبر دینا ہر اس شریر کی جو شہر میں آئے تو یہ خاص اس حاکم کی ولایت تک ہو گی

حَلَفَ لَا يَرْكَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكِبَ دَابَّةَ عَبْدِهِ الْمَاْذُوْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَايَدْخُلُ
قسم کھائی کہ سوار نہ ہو گا فلاں کی سواری پر پھر سوار ہوا اس کے ماذون غلام کی سواری پر تو حانث نہ ہو گا، قسم کھائی کہ داخل نہ ہو گا

هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلٰى سَطْحِهَا اَوْدَخَلَ دِهْلِيْزَهَا حَنِثَ وَاِنْ وَّقَفَ فِيْ طَاقِ الْبَابِ بِحَيْثُ
اس گھر میں پھر کھڑا ہوا اس کی چھت پر یا داخل ہوا دہلیز میں تو حانث ہو جائے گا اور اگر کھڑا ہوا دروازہ کی محراب میں اس طرح

اِذَااُغْلِقَ الْبَابُ كَانَ خَارِجًا لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُوْنَ
کہ اگر بند کیا جائے دروازہ تو یہ باہر رہے تو حانث نہ ہو گا' قسم کھائی کہ نہ کھائے گا بھنا ہوا تو یہ گوشت پر محمول ہو گی نہ کہ

الْبَاذِنْجَانِ وَالْجَزَرِ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الطَّبِيْخَ فَهُوَ عَلٰى مَايُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ وَمَنْ حَلَفَ
بینگن اور گاجر پر، قسم کھائی کہ نہ کھائے گا پکا ہوا تو یہ اس پر ہو گی جو پکایا جائے گوشت سے' قسم کھائی

لایاکُلُ	الرُّؤُسَ	فَیمینُہٗ	علٰی	مَایُکبَسُ	فِی	التَّنانِیرِ	وَیُبَاعُ	فِی	الْمصْرِ
کہ نہ کھائے گا	سریاں،	تو یہ	ان پر ہوگی	جو پکتی ہوں	میں	تنور	اور بکتی ہوں	میں	شہر

اشیاء خورد ونوش پر قسم کھانے کا بیان

توضیح اللغۃ کبش۔مینڈھا،نخلۃ۔کھجور کا درخت،ثمر۔پھل،بسر۔کچی کھجور،رطب۔پختہ تازہ کھجور جوایک طرف سے پکنی شروع ہوگئی ہو، سمک۔مچھلی،دجلہ۔عراق کا مشہور دریا،اناء۔برتن،یکرع (س۔ف) کرعا۔منہ لگا کر پانی پینا،حنطہ۔گیہوں،خبز۔روٹی،دقیق۔آٹا۔استفہ وسفہ (س)سفا۔پھانکنا،داعر۔شریر،فسادی،سطح۔چھت،طاق۔محراب،اغلق۔غلقا بند کرنا،شواء۔بھنا ہوا،باذنجان۔بینگن،جرز۔گاجر،طبخ بمعنی مطبوخ۔پکا ہوا،رؤس جمع رأس۔سری،یکبس (ض) کبسا۔داخل کرنا،تنانیر۔جمع تنور۔

تشریح الفقہ قولہ فصار کبشاً الخ کسی نے قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہ کھاؤں گا وہ حمل پیدا ہوکر پورا مینڈھا ہوگیا اور اس نے اس کا گوشت کھایا تو حانث ہوجائے گا کیونکہ اس کی قسم اسی کے ساتھ وابستہ تھی جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور اگر یہ کہا ''لا آکل من ھذہ النخلہ'' تو اس کا پھل کھانے سے حانث ہوجائے گا کیونکہ یمین درخت کی طرف مضاف ہے اور درخت ماکول نہیں لہذا اس کا پھل مراد ہوگا اگر یہ کہا ''لا آکل من ھذہ البسر'' تو پختہ تر کھجور کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ بسریت،رطبیت،صفات قسم کی طرف داعی ہیں لہذا قسم انہیں صفات کے ساتھ مقید ہوگی اور اگر یہ کہا ''لا آکل رطبا'' پھر اس نے وہ کھجور کھائی جو دم کی طرف سے گدر ہوچکی تھی تو امام صاحب کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔امام محمد امام صاحب کی موافقت میں ہیں کیونکہ اس میں رطبیت آچکی،امام ابو یوسف کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ کھجور اسم رطب سے نکل کر مذنب کے ساتھ خاص ہوگئی۔

قولہ لایاکل لحما الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا پھر اس نے مچھلی کھالی تو از روئے قیاس حانث ہوجانا چاہیئے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک شاذ روایت یہی ہے اس واسطے کہ مچھلی پر لحم کا اطلاق قرآن پاک میں موجود ہے۔قال اللہ تعالیٰ ''ومن کل تاکلوا لحما طریا'' لیکن استحسانا حانث نہ ہوگا کیونکہ ہمارے ہاں قسموں کا مدار عرف پر ہے نہ کہ استعمال قرآنی پر۔چنانچہ اگر کوئی یہ قسم کھائے کہ میں دابہ پر سوار نہ ہوں گا پھر کسی کافر پر سوار ہوجائے تو حانث نہ ہوگا حالانکہ کافروں پر دابہ کا اطلاق قرآن میں موجود ہے۔قال اللہ تعالی ''ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا''

قولہ ومن دجلۃ الخ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ دریائے دجلہ سے نہ پیوں گا پھر اس نے دجلہ کا پانی کسی برتن میں لے کر پی لیا تو امام صاحب کے نزدیک حانث نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس میں منہ ڈال کر نہ پیے۔صاحبین کے نزدیک حانث نہ ہوگا منہ ڈال کر پیئے یا چلو سے لے کر پیئے۔یہ اختلاف دراصل ایک اصول پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ جب یمین کے لئے حقیقت مستعملہ اور مجاز متعارف مستعمل دونوں ہوں تو امام صاحب کے ہاں یمین حقیقت پر محمول ہوگی اور صاحبین کے ہاں دونوں پر محمول ہوگی۔

قولہ من ھذہ الحنطۃ الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ گیہوں نہ کھاؤں گا پھر اس نے ان گیہوؤں کی روٹی کھائی تو امام صاحب وامام مالک وشافعی کے نزدیک حانث نہ ہوگا جب تک کہ وہ ان گیہوں ہی کو نہ کھائے۔صاحبین کے نزدیک جس طرح ان گیہوؤں کے کھانے سے حانث ہوگا اسی طرح ان کی روٹی کھانے سے بھی حانث ہوجائے گا کیونکہ اکل حنطہ اس چیز سے مجاز عرفی ہے جو اس سے بنائی جائے اور صاحبین کے ہاں یمین حقیقت اور مجاز دونوں پر محمول ہوتی ہے۔

قولہ من ھذا الدقیق الخ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ یہ آٹا نہ کھاؤں گا پھر اس نے اس آٹے کی بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانث ہوجائے گا اور

اگر آٹا ویسے ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہو گا یہی صحیح ہے کیونکہ عادۃً آٹے کا استعمال اس طرح نہیں ہوتا کہ اسے یونہی پھانک لیا جائے اور جس چیز کی حقیقت مستعمل نہ ہو مجاز مستعمل ہو تو یمین بالا جماع اس مجاز کو شامل ہوتی ہے اور آٹا اسی قبیل سے ہے۔ جوہرہ۔

قولہ الا انہ نائم الخ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اتنی آواز سے بات کی کہ اگر وہ جاگتا ہوتا تو سن لیتا' مگر وہ سویا ہوا تھا تو وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ اس کی طرف سے بات کرنا اور الفاظ کا کانوں تک پہنچنا پایا گیا یہ اور بات ہے کہ نیند کی وجہ سے وہ اس کو سمجھ نہیں سکا۔ صاحب کتاب نے اسی کو اختیار کیا ہے جس کی امام سرخسی نے تصحیح بھی کی ہے لیکن صحیح روایت ردایت مبسوط ہے کہ حانث اس وقت ہو گا جب اس کو بیدار کرے۔ مشائخ اسی پر ہیں تحفہ میں اسی کی تصحیح ہے اور اسی کی طرف علامہ عینی کا میلان ہے۔

قولہ واذا استحلف الخ حاکم نے ایک شخص سے قسم لی کہ جو مفسد آدمی شہر میں داخل ہو اس کی ضرور اطلاع کرے گا۔ تو یہ قسم گو مطلق ہے لیکن اس حاکم کی حکومت باقی رہنے تک محدود ہو گی کیونکہ مطلق یمین دلالت کی وجہ سے مقید ہو جاتی ہے اور یہاں قسم لینے سے حاکم کا مقصد مفسدین کے فساد کو دور کرنا ہے اور زوال حکومت کے بعد دفع فساد ممکن نہیں لہذا یمین اس کی حکومت کے بقاء کیساتھ مقید ہو گی۔

قولہ دابۃ فلان الخ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کی سواری پر سوار نہ ہوں گا پھر اس کے ماذون غلام کی سواری پر سوار ہوا تو شیخین کے نزدیک حانث نہ ہو گا۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ حانث ہو جائے گا کیونکہ عبد ماذون کی سواری درحقیقت اس کے آقا ہی کی ہے گو غلام کی طرف منسوب کردی گئی اس لئے کہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہو وہ سب اس کے آقا کا ہے۔

قولہ فوقف علی سطحہا الخ کسی نے قسم کھائی'' واللہ لا ادخل ھذہ الدار '' پھر اس گھر کی چھت پر کھڑا ہو گیا تو متقدمین فقہا کے نزدیک حانث ہو جائے گا کیونکہ چھت بھی گھر کے حکم میں ہے۔ چنانچہ سطح مسجد تک آنے سے معتکف کا اعتکاف باطل نہیں ہوتا اور حائضہ و جنبی کے لئے سطح مسجد پر کھڑا ہونا جائز نہیں لیکن متاخرین کے ہاں حانث نہ ہو گا۔ ابن کمال کہتے ہیں کہ اہل عجم کے عرف میں اس کو داخل دار نہیں کہتے لہذا حانث نہ ہو گا اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ لا یاکل الرؤس الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں سری نہ کھاؤں گا تو امام صاحب کے نزدیک یہ قسم ان سریوں پر محمول ہو گی جو تنور میں پکتی اور شہر میں بکتی ہوں یعنی گائے اور بکریوں کی سریاں' صاحبین کے ہاں صرف بکریوں کی سری پر محمول ہو گی۔ یہ اختلاف ازمنہ وامکنہ کے اعتبار سے ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں سری سے مراد گائے بکری کی سری ہوتی تھی اور صاحبین کے زمانہ میں خاص کر بکریوں کی سری مراد ہوتی تھی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ حلفَ لَایَاکُلُ الْخُبزَ فَیمِیْنُہٗ عَلٰی مَایَعْتَادُ اَھْلُ الْبَلَدِاَکْلَہٗ خُبزًا فَاِنْ اَکَلَ خُبزَ الْقَطَائِفِ

قسم کھائی کہ نہ کھائے گا روٹی تو قسم اس پر ہو گی جس کی روٹی کھانے کے خوگر ہوں شہر والے پس اگر کھائی بادام کی روٹی

اَوْخُبزَ الْاَرُزِّ بِالْعَرَاقِ لَمْ یَحْنَثْ وَمَنْ حلفَ لَایَبِیْعُ اَوْلَایَشْتَرِیْ اَوْلَایُوَاجِرُ فَوَکَّلَ مَنْ فَعَلَ

یا چاول کی روٹی عراق میں تو حانث نہ ہو گا' قسم کھائی کہ خرید و فروخت نہ کرے گا یا کرایہ پر نہ دے گا پھر کسی کو وکیل بنایا جس نے

ذٰلِکَ لَمْ یَحْنَثْ وَاِنْ حلفَ لَا یَتَزَوَّجُ اَوْلَا یُطَلِّقُ اَوْلَایُعْتِقُ فَوَکَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ حَنَثَ

یہ سب کیا تو حانث نہ ہوگا' قسم کھائی کہ شادی نہ کرے گا یا طلاق نہ دے گا یا آزاد نہ کرے گا پھر کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کیا تو حانث

وَمَنْ حلفَ لَایَجْلِسُ عَلَی الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰی بَسَاطٍ اَوْحَصِیْرٍ لَمْ یَحْنَثْ وَمَنْ حلفَ لَا

ہو جائے گا' قسم کھائی کہ نہ بیٹھے گا زمین پر پھر بیٹھا بستر یا چٹائی پر تو حانث نہ ہو گا، قسم کھائی کہ نہ

يَجْلِسُ عَلٰى سَرِيْرٍ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَوْقَهٗ بَسَاطٌ حَنَثَ وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهٗ سَرِيْرًا اٰخَرَ
بیٹھے گا تخت پر پھر بیٹھا اس تخت پر جس پر بچھونا تھا تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس پر اور تخت لگا کر

فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حَلَفَ لَايَنَامُ عَلٰى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهٗ قِرَامٌ حَنَثَ وَاِنْ
بیٹھا تو حانث نہ ہو گا قسم کھائی کہ نہ سوئے گا بچھونے پر پھر سویا اس پر درانحالیکہ اس پر چادرتھی تو حانث ہو جائے گا'

جَعَلَ فَوْقَهٗ فِرَاشًا اٰخَرَفَنَامَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ يَمِيْنًا وَّقَالَ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلاً بِيَمِيْنِهٖ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ
اور اگر اس پر ایک اور بچھونا لگا کر سویا تو حانث نہ ہوگا' قسم کھائی اور انشاء اللہ کہہ دیا متصلا تو اس کے کرنے سے حانث نہ ہوگا

توضیح اللغۃ خبز۔ روٹی' یعتاد۔ خوگر ہو' قطائف۔ ایک قسم کا کھانا ہے جو آٹے سے تیار کیا جاتا ہے' ارز۔ چاول' بساط۔ بچھونا' حصیر۔ بوریا' سریر۔ تخت' قرام۔ باریک کپڑا۔

تشریح الفقہ قولہ لا یبیع الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہ کروں گا پھر اس نے بذات خود بیع کی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ بیع' شراء' اجارہ' صلح عن المال' استیجار' قسمت اور خصومت میں حالف خود کرنے سے حانث ہوتا ہے اگر وکیل نے بیع کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ فعل کا وجود وکیل سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی یہی وجہ ہے کہ ان کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں پس مؤکل کی طرف سے فعل نہ پایا گیا نہ حقیقۃً نہ حکماً اور اگر یہ کہا کہ نکاح نہ کروں گا یا طلاق نہ دوں گا تو حانث ہو جائے گا خواہ بذات خود کرے یا اس کا وکیل کرے کیونکہ نکاح' طلاق' عتق' خلع' کتابت' صلح عن دم العمد' ہبہ' صدقہ' قرض' استقراض' ذبح' ایداع' استیداع' اعارہ' استعارہ اور قضاء دین وغیرہ میں دونوں طرح حانث ہو جاتا ہے۔

قولہ ان شاء اللہ الخ اگر قسم کے بعد متصلاً ان شاء اللہ کہہ دے تو قسم باطل ہو جاتی ہے اس کے کرنے سے حانث نہ ہوگا' کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" من حلف علی یمین فقال ان شاء اللہ فلاحنث علیہ (نسائی) اور اگر منفصلاً کہا تو یہ مبطل یمین نہیں ہے کیونکہ یہ مستلزم رجوع ہے اور ایمان میں رجوع جائز نہیں البتہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ استثناء منفصل بھی مبطل ہے مگر یہ روایت معمول بہا نہیں کیونکہ اس سے تمام عقود شرعیہ کا غیر ملزم ہونا لازم آتا ہے جو ظاہر البطلان ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ حَلَفَ لَيَاْتِيَنَّهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهُوَ عَلٰى اسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ وَاِنْ حَلَفَ لَا
قسم کھائی کہ ضرور آؤں گا اس کے پاس اگر ہو سکا تو تندرستی پر محمول ہو گی نہ کہ قدرت پر' قسم کھائی

يُكَلِّمُهٗ حِيْنًا اَوْزَمَانًا اَوِالْحِيْنَ اَوِالزَّمَانَ فَهُوَ عَلٰى سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَّكَذٰلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَاَبِىْ يُوْسُفَ
کہ اس سے بات نہ کرے گا ایک زمانہ تک تو یہ چھ ماہ پر محمول ہو گی' اسی طرح لفظ الدھر ہے

وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهٗ اَيَّامًا فَهُوَ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّ لَوْ حَلَفَ لَايُكَلِّمُهٗ الْاَيَّامَ
صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک، قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کرے گا کچھ دنوں تک تو یہ تین دن پر ہو گی اگر قسم میں الایام کہا

فَهُوَعَلٰى عَشَرَةِ اَيَّامٍ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ عِنْدَهُمَا عَلٰى اَيَّامِ الْاُسْبُوْعِ وَلَوْحَلَفَ لَايُكَلِّمُهٗ
تو یہ دس دن پر محمول ہوگا امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک ہفتہ کے دنوں پر، قسم کھائی کہ اس سے

الشُّهُوْرَ فَهُوَ عَلٰى عَشَرَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلٰى اثْنَىْ عَشَرَشَهْرًا وَّلَوْ حَلَفَ لَا
نہ کرے گا مہینوں تو یہ دس ماہ پر ہو گی امام صاحب کے نزدیک صاحبین کے نزدیک بارہ ماہ پر ہو گی، قسم کھائی

يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ اَبَدًا وَاِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا فَفَعَلَهُ مَرَّةً وَّاحِدَةً بَرَّ فِي يَمِيْنِهٖ وَمَنْ حَلَفَ لَا
کہ ایسا نہ کرے گا تو چھوڑ دے اسے ہمیشہ کے لئے اگر قسم کھائی کہ ضرور کرے گا ایسا پھر ایک بار کیا تو قسم پوری ہو گئی، قسم کھائی کہ نہ

تَخْرُجُ امْرَأَتُهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً فَخَرَجَتْ وَرَجَعَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً اُخْرٰى
نکلے گی اس کی بیوی مگر اس کی اجازت سے پھر اجازت دی اس کو ایک دفعہ وہ نکل کر پھر آ گئی اس کے بعد دوبارہ نکلی

بِغَيْرِ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِذْنِ فِي كُلِّ خُرُوْجٍ وَّاِنْ قَالَ اِلَّا اَنْ اٰذَنَ لَكِ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً
اس کی اجازت کے بغیر تو حانث ہو جائے گا اور ہر مرتبہ اجازت کا ہونا ضروری ہے باہر جانے میں' اگر کہا مگر یہ کہ میں تجھے اجازت دوں پھر ایک دفعہ اجازت

ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حَلَفَ لَايَتَغَدّٰى فَالْغَدَاءُ هُوَ الْاَكْلُ مِنْ
دی اور وہ نکل گئی اس کے بعد بلا اجازت تو حانث نہ ہو گا' قسم کھائی کہ ناشتہ نہ کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے

طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسُّحُوْرُ مِنْ نِّصْفِ اللَّيْلِ
طلوع فجر سے ظہور تک اور عشاء نماز ظہر سے نصف شب تک اور سحری نصف شب سے

اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْتَدِمُ فَالْاِدَامُ كُلُّ شَيْئٍ يُصْطَبَغُ بِهٖ وَاِنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهٗ اِلٰى قَرِيْبٍ
طلوع فجر تک' قسم کھائی کہ سالن نہ کھائے گا تو سالن ہر وہ چیز ہے جس سے روٹی تر کی جائے گی' قسم کھائی کہ ضرور چکائے گا اسکا قرض عنقریب

فَهُوَ مَادُوْنَ الشَّهْرِ وَاِنْ قَالَ اِلٰى بَعِيْدٍ فَهُوَ اَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ
تو یہ ایک ماہ سے کم پر ہو گی اگر کہا کچھ دیر میں تو یہ ایک ماہ سے زائد پر ہو گی۔

وقت اور زمانہ پر قسم کھانے کا بیان

توضیح اللغۃ حین۔ وقت' اسبوع۔ ہفتہ' غداء۔ صبح کا کھانا' عشاء۔ شام کا کھانا' سحور۔ جو صبح سے کچھ پہلے کھایا جائے' ادام۔ سالن' یصطبغ۔ اصطباغا۔ سالن لگانا۔

تشریح الفقہ قولہ حینًا الخ کسی نے قسم میں لفظ حین یا لفظ زمان منکر یا معرفہ ذکر کیا تو احناف اور امام احمد کے نزدیک یہ چھ ماہ پر محمول ہوگا۔ امام مالک کے ہاں ایک سال پر اور امام شافعی کے ہاں ادنیٰ مدت یعنی ایک ساعت پر محمول ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ حین کبھی قلیل زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ "فسبحان اللہ حین تمسون" اور کبھی چالیس برس کے لئے قال تعالیٰ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر" اور کبھی چھ ماہ کے لئے قال تعالیٰ "تؤتی اکلھا کل حین" حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حین سے مراد چھ ماہ ہیں اور چھ ماہ متوسط درجہ ہے اس لئے یہی مراد ہوگا کیونکہ ساعت بھر عدم تکلم قسم کھانے پر موقوف نہیں اور چالیس سال کی مدت نہایت دراز ہے جو عمومًا مقصود نہیں ہوتی اور لفظ زمان حین کے معنیٰ میں مستعمل ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

قولہ وکذلک الدھر الخ اگر کسی نے لفظ الدھر یا الابد معرفہ استعمال کیا تو پوری عمر پر محمول ہوگا اور نکرہ استعمال کیا تو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں چھ ماہ پر۔ امام صاحب سے توقف مروی ہے کیونکہ عرف میں کوئی مدت معین نہیں والفتویٰ علیٰ قولھما۔

قولہ لا یکلم ایامًا الخ اگر حالف نے لفظ ایام یا شہور نکرہ ذکر کیا تو بالاتفاق تین دن اور تین ماہ پر محمول ہوگا کیونکہ اقل جمع تین ہی ہے اور اگر معرفہ ذکر کیا تو امام صاحب کے نزدیک دس دن اور دس ماہ پر محمول ہوگا کیونکہ جمع معرف باللام کا اقصیٰ استعمال جمع کی طرف منصرف ہوتا ہے اور

وہ دس ہے کیونکہ لغت عرب میں تین سے دس تک جمع استعمال ہوتا ہے۔ یقال ثلثۃ رجال الی عشرۃ رجال اور دس کے بعد مفرد استعمال ہوتا ہے۔ یقال احد عشر رجلا' صاحبین کے نزدیک الایام ہفتہ پر اور الشھور بارہ ماہ پر محمول ہوگا کیونکہ معرف معہود کی طرف منصرف ہوتا ہے اور معہود ہفتہ کے ایام اور سال کے مہینے ہیں۔

قولہ لاتخرج امرأتہ الخ کسی نے بیوی سے کہا: **لاتخرج الاباذنی** 'تو ہر بار نکلنے کے لئے اجازت شرط ہوگی۔ اگر بیوی ایک مرتبہ اجازت سے نکلی اور پھر بلا اجازت نکل گئی تو حانث ہو جائے گا اور اگر حتی یا الا اَنْ استعمال کیا تو ہر بار اجازت شرط نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ الا باذنی میں باء برائے الصاق ہے پس ہر خروج کا صفت اذن کے ساتھ ملصق ہونا ضروری ہے۔ بخلاف حتی کے کہ وہ انتہا کیلئے ہے پس ایک مرتبہ اجازت کے ساتھ خروج متحقق ہونے سے یمین منتہی ہو جائے گی۔ رہا الا ان سو وہ کلمہ حتی پر محمول ہے کیونکہ یہاں کلمہ ان کا مصدر یہ ہونا متعذر ہے۔ سوال آیت ''یاایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم'' میں الا ان ہے۔ حالانکہ نبی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے ہر مرتبہ اجازت شرط ہے۔ جواب یہ آخر آیت ''ان ذلکم کان یؤذی النبی'' سے ثابت ہے کیونکہ ایذاء ہر مرتبہ داخل ہونے میں موجود ہے۔

قولہ فالغداء ھو الاکل الخ یہ مبنی بر توسع ہے اور مضاف محذوف ہے۔ **والمعنی اکل الغداء والعشاء والسحور** اس واسطے کہ غداء اس طعام کا نام ہے جو صبح کے وقت کھایا جائے اکل طعام کا نام غداء نہیں ہے۔ **وھکذا العشاء والسحور**۔

قولہ فالادام کل شئی الخ ادام (سالن) وہ ہے جس میں روٹی تر ہو جائے مراد یہ ہے کہ دوسرے کے تابع ہو کر کھایا جائے بایں معنی کہ دوسرے کے ساتھ اختلاط ہو یا وہ عادۃً تنہا نہ کھایا جاتا ہو۔ جیسے سرکہ' روغن زیتون' نمک (کہ منہ میں پگھل کر مخلوط ہو جاتا ہے) گوشت' انڈا' پنیر سالن میں داخل نہیں کیونکہ ان میں روٹی تر نہیں ہوتی نیز ان کو مستقل طور پر کھایا جاتا ہے۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ادام ہر وہ چیز ہے جو اکثر روٹی کے ساتھ کھائی جائے اسی پر فتوی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَنْ حَلَفَ لَايَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهٖ وَتَرَكَ اَهْلَهٗ وَمَتَاعَهٗ فِيْهَا حَنَثَ وَمَنْ

قسم کھائی کہ نہ رہے گا اس گھر میں پس نکل گیا وہاں سے خود اور چھوڑ دیا بال بچوں اور اسباب کو وہیں تو حانث ہو جائے گا۔

حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ اَوْلَيُقَلِّبَنَّ هٰذَاالْحَجَرَ ذَهَبًا اِنْعَقَدَتْ يَمِيْنُهٗ وَحَنَثَ عَقِيْبَهَا وَمَنْ

قسم کھائی کہ ضرور چڑھے گا آسمان پر یا ضرور بنادے گا اس پتھر کو سونا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ حانث ہو جائے گا قسم کے بعد'

حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهٗ اَلْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهٗ زُيُوْفًا اَوْبَنَهْرَجَةً اَوْ

قسم کھائی کہ ضرور چکائے گا فلاں کا قرض آج پس چکا دیا پھر پایا فلاں نے بعض قرض کسی قدر کھوٹا یا

مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ وَّجَدَ رَصَاصًا اَوْسَتُّوْقَةً حَنَثَ وَمَنْ حَلَفَ لَايَقْبِضُ دَيْنَهٗ دِرْهَمًا

کسی اور کا تو حانث نہ ہوگا' اور اگر بالکل رانگ پایا یا بالکل کھوٹا تو حانث ہو جائے گا' قسم کھائی کہ نہ لے گا اپنا قرض ایک ایک درہم

دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهٗ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَقْبِضَ جَمِيْعَهٗ مُتَفَرِّقًا وَّاِنْ قَبَضَ دَيْنَهٗ فِيْ وَزْنَتَيْنِ

پھر کچھ قرض وصول کیا تو حانث نہ ہو گا یہاں کہ لے پورا قرض تھوڑا تھوڑا اگر وصول کیا قرض دو دفعہ وزن کر کے

لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا اِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِيْقٍ وَّمَنْ حَلَفَ لَيَاْتِيَنَّ

جن میں نہیں کیا کوئی کام سوائے وزن کرنے کے تو حانث نہ ہو گا اور نہ ہو گا یہ لینا متفرق طور پر، قسم کھائی کہ ضرور جائے گا

الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَاْتِهَا حَتّٰى مَاتَ حَنَثَ فِيْ اٰخِرِ جُزْءٍ مِّنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ

بصرہ پھر وہ نہ گیا بصرہ یہاں تک کہ مرگیا تو حانث ہو جائے گا اپنی زندگی کے آخری لمحات میں

توضیح اللغۃ متاع۔سامان لیصعدن۔صعوداً چڑھنا زیوف۔کھوٹے جن کو بیت المال نہ لے بنہرجۃ۔کھوٹے جن کو عام تجار نہ لیں، رصاص۔ سیسہ مراد بالکل کھوٹے، ستوقۃ۔کھوٹے جن پر چاندی کا ملمع ہو۔

تشریح الفقہ قولہ لا یسکن الخ کسی نے کہا: میں اس گھر میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے نکل گیا۔لیکن ساز وسامان اور اہل وعیال سب وہیں چھوڑ دے تو حانث ہو جائے گا کیونکہ عرفاً سکونت وہیں کی سمجھی جاتی ہے جہاں اہل وعیال ہوں پھر امام صاحب، واحمد کے ہاں پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے اگر ایک کیل بھی وہاں رہ گئی تو حانث ہو جائے گا۔امام ابو یوسف کے ہاں اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے۔محیط اور فوائد ظہیریہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ ضروری اسباب خانگی منتقل کر لینا کافی ہے یہی قول آسان تر ہے اور مشائخ نے اسی کو پسند کیا ہے عینی اور شرح مجمع وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔وفی البحر الفتوی لمذھب الامام اولی لانہ احوط۔

قولہ لیصعدن الخ آسمان پر چڑھنا فی نفسہ ممکن ہے چنانچہ صعود ملائکہ وصعود انبیاء بالیقین ثابت ہے۔نیز بتحویل الٰہی پتھر کا سونا ہو جانا متکلمین کے نزدیک ممکن ہے لہذا یمین منعقد ہوئی لیکن حالف عادۃً صعود وتقلیب سے عاجز ہے اس لئے فی الحال حانث ہو جائے گا۔

قولہ لا یقبض دینہ الخ کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنا قرض ایک ایک درہم یعنی متفرق طریقہ سے وصول نہ کروں گا پھر اس نے دس پانچ درہم وصول کیے تو جب تک پورا قرض متفرق طور سے وصول نہ کرلے حانث نہ ہوگا۔ہاں اگر قرض بتفریق ضروری متفرق وصول کیا تو حانث نہ ہوگا مثلاً قرض کوئی وزنی چیز تھی اور وہ سب ایک بار وزن نہیں ہو سکتی تھی اس لئے چند بار وزن کر کے وصول کی اور اس اثناء میں کوئی اور کام نہیں کیا تو حانث نہ ہوگا۔

كِتَابُ الدَّعْوٰى

دعویٰ کا بیان

اَلْمُدَّعِيْ مَنْ لَّايُجْبَرُ عَلَى الْخُصُوْمَةِ اِذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ مَنْ يُّجْبَرُ
مدعی وہ ہے جو مجبور نہ کیا جائے جھگڑے پر جبکہ وہ اس کو چھوڑ دے اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو مجبور کیا جائے

عَلَى الْخُصُوْمَةِ وَلَا يُقْبَلُ الدَّعْوٰى حَتّٰى يَذْكُرَ شَيْئًا مَّعْلُوْمًا فِيْ جِنْسِهٖ وَقَدْرِهٖ فَاِنْ كَانَ عَيْنًا
جھگڑے پر، قبول نہ ہو گا دعویٰ یہاں تک کہ بیان کر دے چیز کی جنس اور اس کی مقدار، اگر ہو وہ چیز بعینہ

فِيْ يَدِالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارَ هَا لِيُشِيْرَ اِلَيْهَا بِالدَّعْوٰى وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيْمَتَهَا وَاِنْ
مدعیٰ علیہ کے پاس تو اس کو مجبور کیا جائے گا اس کے حاضر کرنے پر تا کہ اشارہ کرے اس کی طرف دعویٰ کے وقت اگر حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت بیان کرے گا

ادَّعٰى عِقَارًا حَدَّدَهٗ وَ ذَكَرَاَنَّهٗ فِيْ يَدِالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ وَاِنْ كَانَ حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذَكَرَ اَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ
زمین کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور وہ یہ کہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور وہ اس کا طالب ہے اگر اس کے ذمہ حق کا دعویٰ ہو تو کہے کہ میں اس کا طالب ہوں

تشریح الفقہ قولہ کتاب الدعویٰ الخ دعویٰ بروزن فعلی ادعاء مصدر کا اسم ہے جس کی جمع دعاوی ہے جیسے فتویٰ وفتاویٰ لغۃً وہ قول ہے جس سے آدمی دوسرے پر ایجاب حق کا ارادہ کرے۔اصطلاح شرع میں بوقت خصومت کسی شئے کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے۔دعویٰ کنندہ کو مدعی، جس پر دعویٰ کیا جائے اس کو مدعا علیہ، جس چیز کا دعویٰ کیا جائے اس کو مدعی کہتے ہیں۔

قولہ المدعی الخ مدعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنا دعویٰ ترک کر دے تو حاکم اس کو دعویٰ کرنے پر مجبور نہ کرے اور مدعی علیہ وہ ہے جس کو ترک خصومت سے چھوڑا نہ جاوے بلکہ خصومت پر مجبور کیا جائے پھر صحت دعویٰ کے لئے مدعا کی جنس اور اس کی مقدار کا معلوم کرنا ضروری ہے مثلاً یوں کہے کہ فلاں شخص پر میرے اتنے کیل گیہوں ہیں کیونکہ دعویٰ کا مقدور یہ ہے کہ بواسطہ حجت خصم پر حکم کیا جائے اور مجہول مال کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔

قولہ حددہ لا الخ اگر کوئی زمین کا دعویٰ کرے تو صحت دعویٰ کے لئے حدود بیان کرنا شرط ہے گو زمین مشہور ہو (صاحبین کے نزدیک مشہور ومعروف ہونے کی صورت میں تحدید شرط نہیں) کیونکہ مدعا میں اصل تو یہی ہے کہ وہ معلوم بالاشارہ ہو لیکن زمین کی طرف اشارہ کرنا متعذر رہے کیونکہ اس کو قاضی کی مجلس میں اٹھا کر لانا ناممکن ہے۔ اس لئے تحدید کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ زمین تحدید سے معلوم ہو جاتی ہے پھر طرفین کے نزدیک تین اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف دو حدوں کا ذکر کافی ہے مگر امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود اربعہ ذکر کرنا ضروری ہے نیز یہ بھی ذکر کرے کہ زمین مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے تا کہ وہ مخاصم قرار پا سکے اور یہ بھی ذکر کرے کہ میں اس کا طلب گار ہوں کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے جو اس کی طلب پر موقوف ہے۔

فَاِذَا صَحَّتِ الدَّعْوٰی سَأَلَ الْقَاضِی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ عَنْهَا فَاِنْ اعْتَرَفَ قَضٰی عَلَیْهِ بِهَا وَاِنْ اَنْكَرَ
جب صحیح ہو جائے دعوی تو پوچھے قاضی مدعی علیہ سے اس کی بابت اگر وہ اقرار کر لے تو حکم دے دے اس کے اقرار پر اور اگر

سَأَلَ الْمُدَّعِی الْبَیِّنَةَ فَاِنْ اَحْضَرَهَا قَضٰی بِهَا وَاِنْ عَجَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَطَلَبَ یَمِیْنَ خَصْمِهٖ اسْتَحْلَفَهٗ
انکار کرے تو طلب کرے مدعی سے بینہ اگر وہ پیش کر دے تو حکم دے دے بینہ کے مطابق اگر بینہ سے عاجز ہو اور قسم چاہے مدمقابل سے تو قسم لے اس

عَلَیْهَا وَاِنْ قَالَ لِیْ بَیِّنَةٌ حَاضِرَةٌ[1] وَطَلَبَ الْیَمِیْنَ لَمْ یُسْتَحْلَفْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَا تَرِدُ
سے دعوی پر اگر کہے کہ میرے پاس بینہ موجود ہے اور طلب کرے قسم تو قسم نہیں لی جائے گی امام صاحب کے نزدیک اور نہ وارد

الْیَمِیْنُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَلَا تُقْبَلُ بَیِّنَةُ صَاحِبِ الْیَدِ فِی الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَاِذَا نَكَلَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ عَنِ
ہو گی قسم مدعی پر قبول نہ کیا جائے گا صاحب قبضہ کا بینہ ملک مطلق میں جب انکار کرے مدعی علیہ

الْیَمِیْنِ قَضٰی عَلَیْهِ بِالنُّكُوْلِ وَاَلْزَمَهٗ مَا ادَّعٰی عَلَیْهِ وَیَنْبَغِیْ لِلْقَاضِیْ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ اِنِّیْ اَعْرِضُ عَلَیْكَ الْیَمِیْنَ
قسم سے تو حکم کر دے اس پر انکار کے ساتھ ہی اور لازم کر دے اس پر وہ جس کا اس پر دعوی کیا ہے قاضی کو یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں نہیں کرتا ہوں تجھ پر قسم

ثَلٰثًا فَاِنْ حَلَفْتَ وَاِلَّا قَضَیْتُ عَلَیْكَ بِمَا ادَّعَاهُ فَاِذَا كَرَّرَ الْعَرْضَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَضٰی عَلَیْهِ بِالنُّكُوْلِ
تین بار اگر تو قسم کھالے تو بہتر ہے ورنہ حکم دے دوں گا تجھ پر اس کے دعوی کا جب وہ تین بار مکرر پیش کر چکے تو حکم دے دے اس پر انکار کی وجہ سے

دعویٰ کے تفصیلی احکام

تشریح الفقہ قولہ ولا ترد الیمین الخ اگر مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی پر قسم وارد نہ ہوگی یعنی اس سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ قاضی مدعی علیہ پر مدعی کا دعویٰ لازم کر دیگا۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو مدعی پر قسم وارد ہوگی اگر وہ قسم کھالے تو فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر وہ بھی انکار کرے تو ان کی منازعت منقطع سمجھی جائے گی۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر لوگوں کو ان کے دعووں کی وجہ سے دے دیا جائے تو لوگ قوم کی جانوں اور مالوں پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن بینہ مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار[1] کرے" وجہ استدلال یہ ہے

[1] اس مسئلہ کی تشریح ص ۲۴۶ پر آ رہی ہے ۱۲۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متخاصمین میں تقسیم فرمائی ہے کہ بینہ مدعی پر ہے اور قسم منکر (مدعیٰ علیہ) پر اگر مدعی سے قسم لی جائے تو مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں قسم میں شریک ہوں گے اور شرکت منافی قسمت ہے۔

قوله في الملک المطلق الخ ملک مطلق سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے مثلاً یہ کہے کہ یہ میرا گھر ہے اور مالک ہونے کے سبب کو بیان نہ کرے کہ آیا اس نے خریدا ہے یا اس کو ورثہ میں ملا ہے۔

قوله واذا نكل المدعى عليه الخ اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کردے تو اس کے ایک ہی بار قسم نہ کھانے سے قاضی اس پر فیصلہ کر دے خواہ انکار حقیقۃً ہو مثلاً وہ صاف طور سے کہہ دے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا حکماً ہو بایں طور کہ وہ قسم کھانے سے خاموشی اختیار کرے لیکن مناسب یعنی مستحب یہ ہے کہ قاضی اس کو قسم کھانے کے لئے تین بار کہے اگر وہ نہ کھائے تو فیصلہ کر دے۔

وَاِنْ كَانَتِ الدَّعْوٰى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكِرُ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي
اگر ہو دعوی نکاح کا تو قسم نہ لی جائے گی منکر سے امام صاحب کے نزدیک اور قسم نہیں لی جاتی

النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْاِيْلَاءِ وَالرِّقِّ وَالْاِسْتِيْلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَ
نکاح میں رجعت میں ایلاء سے رجوع میں غلامی میں ام ولد کرنے میں نسب میں ولاء میں حدود میں

اللِّعَانِ وَ قَالَا يُسْتَحْلَفُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ
لعان میں اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے حدود اور لعان کے

وہ عقود جن میں مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جاتی

تشریح الفقہ **قوله ولا يستحلف** الخ مذکورہ ذیل امور میں امام صاحب کے نزدیک مدعیٰ علیہ پر قسم نہیں ہے۔ ۱۔ نکاح مثلاً زید مدعی نکاح ہو اور عورت منکر ہو یا برعکس ہو۔ ۲۔ رجعت مثلاً عدت گزرنے کے بعد زید دعویٰ کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا اور عورت اس کا انکار کرے یا برعکس ہو۔ ۳۔ فئی مثلاً مدت ایلاء گزرنے کے بعد زید نے دعویٰ کیا کہ میں نے عدت ایلاء میں ایلاء سے رجوع کر لیا تھا اور عورت اس کی منکر ہو یا برعکس ہو۔ ۴۔ رق مثلاً زید نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہو۔ ۵۔ استیلاد مثلاً باندی نے آقا پر دعویٰ کیا کہ میں اس کی ام ولد ہوں اور یہ بچہ اسی سے ہے اور آقا اس کا منکر ہو۔ ۶۔ نسب مثلاً زید نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہے۔ ۷۔ ولاء مثلاً زید نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس پر میرے لئے ولاء اعتاق یا ولاء موالات ہے اور وہ شخص اس کا منکر ہے۔ ۸۔ حدود مثلاً زید نے دوسرے پر کسی موجب حد امر کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس کا انکار کیا۔ ۹۔ لعان مثلاً عورت نے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ کو موجب لعان تہمت لگائی ہے اور شوہر اس کا منکر ہو تو ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک منکر یعنی مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک حد اور لعان کے علاوہ سب میں قسم لی جائے گی کیونکہ فائدہ استحلاف قضاء بالنکول ہے اور نکول بھی اقرار ہے کیونکہ نکول اس کے کاذب ہونے پر دال ہے اور امور مذکورہ میں اقرار جاری ہے تو استحلاف بھی جاری ہوگا بخلاف حدود کے کہ وہ ادنی شبہ سے بھی اٹھ جاتی ہیں۔

۱؎ صحیحین، بیہقی عن ابن عباس، دار قطنی عن ابی ہریرہ، واقدی عن برہ ۱۲۔

اس لئے ان میں استحلاف جاری نہ ہوگا اور لعان حد ہی کے معنی میں ہے لہذا اس میں بھی استحلاف جاری نہ ہوگا۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں نکول اقرار نہیں ورنہ مجلس قضاء شرط نہ ہوتی بلکہ ایک قسم کی اباحت ہے گویا مدعیٰ علیہ نے دفع خصومت کی خاطر اس کو مباح کر دیا اور امور مذکورہ میں اباحت جاری نہیں ہوتی اس لئے ان میں نکول کے ساتھ فیصلہ نہ ہوگا لیکن فتاویٰ قاضی خان اور اختیار وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے یعنی ساتوں امور میں قسم لی جائے گی۔نہایہ میں ہے کہ متاخرین اس پر ہیں کہ اگر مدعی متعنت ہو تو قاضی صاحبین کا قول اختیار کرے اور مظلوم ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کرے واقرہ القہستانی والبرجندی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَاادَّعٰی اثْنَانِ عَيْنًا فِیْ يَدِاٰخَرَوَکُلُّ وَّاحِدٍ مِّنْهُمَا يَزْعَمُ اَنَّهَا لَهٗ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ قَضٰی

دعویٰ کیا دو نے خاص چیز کا جو تیسرے کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ چیز میری ہے اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو فیصلہ

بِهَا بَيْنَهُمَا وَاِنِ ادَّعٰی کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِكَاحَ امْرَأَةٍ وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ لَمْ يَقْضِ بِوَاحِدَةٍ وَّ

ہو گا چیز کا دونوں کے لئے اگر دعویٰ کیا ان میں سے ہر ایک نے عورت کے نکاح کا اور بینہ قائم کر دیا تو فیصلہ نہ ہو گا کسی کے بینہ سے اور

يَرْجِعُ اِلٰی تَصْدِيْقِ الْمَرْأَةِ لِاَحَدِهِمَا

رجوع کیا جائے گا عورت کی تصدیق کی طرف ان میں سے کسی ایک کی

ایک چیز پر دو شخصوں کے دعویٰ کرنے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا ادعی الخ جب ملک مطلق کا دعویٰ ایسے دو شخص کریں جن میں سے ایک قابض ہو اور دوسرا غیر قابض (اسی کو خارج کہتے ہیں) تو ہمارے نزدیک غیر قابض (خارج) کی حجت مقدم ہوگی امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔امام مالک وشافعی کے یہاں قابض کی حجت مقدم ہوگی پھر اگر ایک نے بینہ سے کوئی وقت بیان کر دیا تب بھی طرفین کے ہاں خارج ہی کا بینہ معتبر ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا بینہ معتبر ہوگا جس نے وقت ثابت کیا ہے۔جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب دیکھو دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعویٰ کیا ہے جو کسی تیسرے کے پاس ہے اور دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو ہمارے نزدیک وہ چیز دونوں میں نصفا نصف کر دی جائے گی۔امام شافعی کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی۔یہ ایک قول امام شافعی کا بھی ہے اس واسطے کہ بالیقین دونوں میں سے ایک بینہ کاذب ہے کیونکہ بوقت واحد کل شئی میں دو ملکوں کا جمع ہونا محال ہے اور بینہ صادقہ و بینہ کاذبہ کا امتیاز مشکل ہے لہذا دونوں ساقط ہوں گے یا پھر قرعہ اندازی ہوگی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے واقعہ میں قرعہ اندازی کی تھی اور فرمایا تھا ''خدایا ان دونوں میں تو ہی فیصلہ کرنے والا ہے[1]'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا کیا اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا[2] رہی قرعہ اندازی سو یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا جیسا کہ امام طحاوی نے ثابت کیا ہے۔

قولہ نکاح امراۃ الخ اگر دو آدمیوں نے ایک عورت کے ساتھ نکاح پر گواہ قائم کیے تو دونوں ساقط الاعتبار ہوں گے کیونکہ یہاں شرکت ممکن ہی نہیں بخلاف املاک کے کہ ان میں شرکت ممکن ہے۔اب عورت اس کی ہوگی جس کی وہ تصدیق کرے بشرطیکہ دونوں گواہوں نے تاریخ

[1] طبرانی (فی الاوسط) ابوداؤد (فی المراسیل) عبدالرزاق عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ عبدالرزاق بیہقی عن تمیم بن طرفہ ابوداؤد احمد حاکم عن ابی موسیٰ ابن راہویہ ابن حبان عن ابی ہریرہ طبرانی عن جابر بن سمرۃ ۱۲۔

بیان نہ کی ہو اور اگر تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ سابق ہوگی عورت اسی کی ہوگی اور اگر گواہ قائم ہونے سے قبل عورت نے کسی کی منکوحہ ہونے کا اقرار کرایا تو عورت اسی کی ہوگی پھر اگر دوسرے نے اپنی منکوحہ ہونے پر بینہ قائم کر دیا تو عورت اس کو دلا دی جائے گی کیونکہ بینہ اقرار سے قوی تر ہے۔ الحاصل تاریخ سب پر راجح ہے پھر قبضہ پھر دخول پھر اقرار پھر صاحب تاریخ۔

وَاِنِ ادَّعَى اثْنَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَّهُ اشْتَرٰى مِنْهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

دعویٰ کیا دو میں سے ہر ایک نے کہ میں نے خریدا ہے اس سے یہ غلام اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو ان میں سے ہر ایک کو

بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِنْ قَضَى الْقَاضِىْ بِهٖ

اختیار ہو گا چاہے آدھا غلام لے آدھی قیمت کے عوض چاہے چھوڑ دے پس اگر حکم کر دیا قاضی نے غلام کا

بَيْنَهُمَا فَقَالَ اَحَدُهُمَا لَا اَخْتَارُ لَمْ يَكُنْ لِّلْاٰخَرِ اَنْ يَّاْخُذَ جَمِيْعَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

دونوں کے لئے پھر ایک کہے کہ میں نہیں چاہتا' تو دوسرے کے لئے جائز نہیں سارا غلام لینا اگر ان میں سے کسی نے تاریخ بیان

تَارِيْخًا فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَاِنْ لَّمْ يَذْكُرَا تَارِيْخًا وَمَعَ اَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ وَاِنِ ادَّعٰى

کر دی تو غلام پہلی تاریخ والے کا ہوگا' اگر کسی نے تاریخ ذکر نہیں کی اور کسی ایک کا قبضہ ہے تو وہی اولیٰ ہو گا' اگر ایک نے

اَحَدُهُمَا شِرَاءً وَّالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ وَلَا تَارِيْخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ اَوْلٰى مِنَ

دعویٰ کیا خرید کا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا اور تاریخ کسی کے پاس نہیں تو خرید اولیٰ ہو گی

الْاٰخَرِ وَاِنِ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتِ الْمَرْاَةُ اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ وَّاِنِ ادَّعٰى

دوسرے سے اگر ایک نے دعویٰ کیا خرید کا اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی ہے اس پر تو دونوں برابر ہوں گے اگر ایک نے

اَحَدُهُمَا رَهْنًا وَّ قَبْضًا وَّالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا فَالرَّهْنُ اَوْلٰى

دعویٰ کیا رہن کا اور قبضہ کا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا تو رہن اولیٰ ہے

تشریح الفقہ قولہ وان ادعیٰ اثنان الخ دو آدمیوں نے ایک غلام کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے ثابت کیا کہ یہ میں نے فلاں سے خریدا ہے تو ہر ایک کو اختیار ہوگا چاہے نصف ثمن کے عوض آدھا غلام لے چاہے چھوڑ دے۔ اختیار اس لئے ہے کہ صفقہ متفرق ہو گیا یعنی اس کے لئے غلام پورا نہیں رہا اور ہو سکتا ہے اس کو پورے کی ضرورت ہو اور اگر قضاء قاضی کے بعد کسی ایک نے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو دوسرا شخص پورا غلام نہیں لے سکتا کیونکہ قضاء قاضی کے بعد بیع فسخ ہو گئی اور اگر دونوں نے تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی غلام اسی کا ہوگا کیونکہ قابض کا قبضہ سبقت شراء پر دال ہے اگر ایک نے یہ ثابت کیا کہ میں نے یہ چیز زید سے خریدی ہے اور دوسرے نے یہ ثابت کیا کہ مجھے زید نے ہبہ کیا ہے اور تاریخ کسی نے بیان نہیں کی تو دعویٰ شراء دعویٰ ہبہ پر مقدم ہوگا کیونکہ شراء بنفسہ مثبت ملک ہے بخلاف ہبہ کے کہ وہ قبضہ پر موقوف ہے۔ نیز شراء جانبین سے معاوضہ ہے اور ہبہ معاوضہ نہیں ہے۔

قولہ وادعت المرأۃ الخ زید نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام عمرو سے خریدا ہے اور ہندہ نے دعویٰ کیا کہ عمرو نے اس غلام کو میرا مہر مقرر کر کے مجھ سے نکاح کیا ہے تو دونوں کے دعوے اور بینے برابر ہوں گے کیونکہ شراء اور تزوج دونوں عقد معاوضہ اور بنفسہ مثبت ملک ہیں تو دونوں عقد قوت میں برابر ہوئے۔ امام محمد کے نزدیک دعویٰ شراء اولیٰ ہے اگر ایک نے رہن مع القبض کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ مع القبض کا تو دعویٰ رہن اولیٰ ہوگا مگر استحساناً قیاس کی رو سے دعویٰ ہبہ اولیٰ ہونا چاہیئے کیونکہ ہبہ مثبت ملک ہے رہن مثبت ملک نہیں ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ مقبوض بحکم رہن

مضمون ہوتا ہے اور مقبوض بحکم ہبہ مضمون نہیں ہوتا اور عقد ضمان عقد تبرع سے قوی تر ہوتا ہے مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہبہ بلا عوض کا دعویٰ ہوا گر ہبہ بشرط عوض کا دعویٰ ہو تو ہبہ اولیٰ ہوگا کیونکہ ہبہ بشرط عوض انتہاءً بیع ہوتا ہے اور بیع، رہن سے اولیٰ ہے۔

وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ فَصَاحِبُ التَّارِيْخِ الْاَقْدَمِ اَوْلٰى وَاِنِ ادَّعَيَا

اگر دو غیر قابضوں نے بینہ قائم کیا ملک اور تاریخ پر تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہو گا اگر دونوں نے

الشِّرَاءَ مِنْ وَّاحِدٍ وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلٰى تَارِيْخَيْنِ فَالْاَوَّلُ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْبَيِّنَةَ

دعویٰ کیا خریدنے کا کسی سے اور دونوں نے بینہ قائم کیا دو تاریخوں پر تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہو گا' اگر ان میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا

عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْاٰخَرِ وَ ذَكَرَا تَارِيْخًا فَهُمَا سَوَاءٌ وَّاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلٰى مِلْكٍ مُّؤَرَّخٍ وَّ اَقَامَ

دوسرے سے خریدنے پر اور دونوں نے تاریخ ذکر کی تو دونوں برابر ہوں گے' اگر بینہ قائم کیا غیر قابض نے ملک مورخ پر اور قابض

صَاحِبُ الْيَدِ عَلٰى مِلْكٍ اَقْدَمُ تَارِيْخًا كَانَ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ وَ صَاحِبُ الْيَدِ كُلٌّ

نے ایسی ملک پر جو اس کی تاریخ سے پہلے ہے تو قابض اولیٰ ہو گا' اگر بینہ قائم کیا قابض وغیر قابض میں سے ہر

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً بِالنِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى وَكَذٰلِكَ النَّسْجُ فِي الثِّيَابِ الَّتِيْ لَاتُنْسَجُ

ایک نے پیدائش پر تو قابض اولیٰ ہو گا' اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ ہے جو بنے نہیں جاتے

اِلَّامَرَّةً وَّاحِدَةً وَّكُلُّ سَبَبٍ فِي الْمِلْكِ لَايَتَكَرَّرُ وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ بَيِّنَةً عَلَى الْمِلْكِ

مگر ایک دفعہ اور ہر سبب ملک میں جو مکرر نہیں ہوتا' اگر بینہ قائم کیا غیر قابض نے

الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْيَدِ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ كَانَ صَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ملک مطلق پر اور قابض نے اس سے خریدنے پر تو قابض اولیٰ ہو گا' اگر بینہ قائم کیا ان میں سے

الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا تَارِيْخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتِ الْبَيِّنَتَانِ وَاِنْ اَقَامَ اَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ

ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر' اور تاریخ دونوں کے پاس نہیں تو ساقط ہوں گے دونوں بینے' اگر ایک مدعی نے

شَاهِدَيْنِ وَالْاٰخَرُ اَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ

دو گواہ پیش کئے اور دوسرے نے چار تو دونوں برابر ہوں گے

تشریح الفقہ قولہ وان اقام الخارجان الخ اگر دو شخص ملک مطلق مورخ پر بینہ قائم کریں یا دونوں ایک ہی بائع سے خرید مورخ پر بینہ قائم کریں تو جس کی تاریخ سابق ہو اس کا بینہ مقدم ہوگا کیونکہ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا مالک میں ہوں' اور اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا مثلاً ایک نے زید سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے عمرو سے اور ہر ایک نے تاریخ بھی ثابت کر دی تو دونوں برابر ہوں گے اور خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے بائع کے لئے ملک ثابت کر رہے ہیں تو یہ ایسا ہو گیا جیسے وہ دونوں بائع حاضر ہوں اور وہ دعویٰ کریں اور دونوں ایک تاریخ ذکر کریں۔

قولہ علی ملک مؤرخ الخ شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک مورخ پر بینہ قائم کیا اور قابض کی تاریخ سابق ہے تو شیخین کے نزدیک قابض کا بینہ مقدم ہوگا۔ امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے مگر مرجوع عنہ ہے۔ مرجوع الیہ روایت یہ ہے کہ قابض کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ دونوں کے بینے ملک مطلق پر قائم ہیں اور انہوں نے جہت ملک سے کوئی تعرض نہیں کیا تو تقدم و تاخر برابر ہوگا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ قابض

کا مؤرخ بینہ معنیٰ دفع بینہ خارج کو متضمن ہے کیونکہ جب ایک وقت میں کسی کے لئے ملک ثابت ہو تو اس وقت کے بعد دوسرے کے لئے ملک کا ثبوت اسی کی جانب سے حاصل کرنے کیساتھ ہوسکتا ہے اور دفع خصومت پر قابض کا بینہ مقبول ہوتا ہے لہذا قابض کا بینہ مقدم ہوگا۔

قولہ بالنتاج الخ شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر بینہ قائم کیا جو مکرر واقع نہیں ہوتا ایک ہی بار ہوتا ہے۔ جیسے نتاج یعنی کسی حیوان کے بچہ پیدا ہونا' روئی کے کپڑے کی بناوٹ' روئی کا تنا' دودھ دوہنا' پنیر بنانا' اون تراشنا وغیرہ کہ یہ اسباب ایک ہی بار ہوتے ہیں مکرر نہیں ہوتے اب شخص خارج و قابض دونوں نے بینہ سے یہ ثابت کیا کہ یہ بچہ میرے جانور کا ہے اور میری یا میرے بائع یا میرے مورث کی ملک میں پیدا ہوا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا کیونکہ روایت میں ہے کہ ''ایک شخص نے ایک اونٹنی کا دعوی کیا اور بینہ سے ثابت کیا کہ یہ میری ہے اور اس نے میرے پاس بچہ جنا ہے۔ قابض نے بھی اسی طرح بینہ سے ثابت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی قابض کو دے دی[1]۔

قولہ علی الملک المطلق الخ شخص خارج نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور قابض نے اس بات پر کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا کیونکہ شخص خارج اولیت ملک کو ثابت کر رہا ہے اور قابض اس سے ملک حاصل کرنے کو ثابت کر رہا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

قولہ تھاترت الخ اگر شخص خارج اور قابض میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا یعنی شخص خارج نے ثابت کیا کہ میں نے یہ مکان قابض سے خریدا ہے اور قابض نے ثابت کیا کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو شیخین کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مکان قابض کو دیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک دونوں بینے مقبول ہوں گے اور مکان شخص خارج کر دیا جائے گا کیونکہ بینوں پر اس طرح عمل ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے قابض نے شخص خارج سے خرید کر پھر شخص خارج کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو اور قبضہ نہ کرایا ہو شیخین کی دلیل یہ ہے کہ خرید پر اقدام کرنا دوسرے کی ملک کا اقرار کرنا ہے تو گویا ہر شخص کا بینہ دوسرے کے اقرار پر قائم ہوا اور اس صورت میں تعذر جمع کی وجہ سے بالا جماع دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوتے ہیں تو یہاں بھی ساقط الاعتبار ہوں گے۔

قولہ احد المدعیین الخ اگر ایک کے دو گواہ ہوں اور دوسرے کے چار گواہ ہوں تو کثرت شہود کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی بلکہ اقامت شہادت ماخوذہ میں یہ دونوں برابر ہوں گے (اسی طرح عدالت کی کمی بیشی کا بھی اعتبار نہ ہوگا خلافاً لمالک) وجہ یہ ہے کہ ہر دو شاہدوں کی شہادت علت تامہ ہے اور ترجیح کثرت علل سے نہیں ہوتی بلکہ قوت علل سے ہوتی ہے مثلاً ایک طرف دلیل متواتر ہو اور دوسری طرف آحاد تو متواتر کو ترجیح ہوگی اور یہ نہ ہوگا کہ ایک طرف دو حدیثیں ہیں اور دوسری طرف ایک تو دو حدیثوں کو ترجیح ہو جائے۔ اسی طرح ایک طرف دلیل مفسر ہو دوسری طرف مجمل تو مفسر کو مجمل پر ترجیح ہوگی۔ وعلی ہذا القیاس۔

وَمَنِ ادَّعٰی قِصَاصًا عَلٰی غَیْرِہٖ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ فَاِنْ نَکَلَ عَنِ الْیَمِیْنِ فِیْمَا دُوْنَ النَّفْسِ لَزِمَہُ الْقِصَاصُ

کسی نے دعوی کیا قصاص کا دوسرے پر اس نے انکار کیا تو قسم لی جائے گی اگر وہ انکار کرے قسم سے جان کے علاوہ میں تو لازم ہوگا اس پر قصاص

وَاِنْ نَکَلَ فِی النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰی یُقِرَّ اَوْیَحْلِفَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یَلْزَمُہُ

اور اگر انکار کرے قتل نفس میں تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے صاحبین فرماتے ہیں کہ لازم ہوگی

الْاَرْشُ فِیْہِمَا وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعِیْ لِیْ بَیِّنَۃٌ حَاضِرَۃٌ قِیْلَ لِخَصْمِہٖ اَعْطِہٖ کَفِیْلًا بِنَفْسِکَ ثَلٰثَۃَ

اس پر دیت دونوں صورتوں میں مدعی نے کہا کہ میرا بینہ حاضر ہے تو مدمقابل سے کہا جائے گا کہ حاضر ضامن دے تین دن

اَیَّامٍ فَاِنْ فَعَلَ وَاِلَّا اُمِرَ بِمُلَازَمَتِہٖ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ غَرِیْبًا عَلَی الطَّرِیْقِ فَیُلَازِمُہُ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ

کے اندر اندر اگر دے دے تو بہتر ہے ورنہ حکم دیا جائے گا اس کے پیچھے پڑنے کا' مگر یہ کہ مدعی علیہ راہ گیر مسافر ہو' کہ اس کو قاضی کی کچہری تک ٹھہرائے رکھے گا

[1] دار قطنی عن جابر بن عبداللہ ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ قصا صا الخ جو شخص منکر قصاص ہو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ انکار کرے تو دیکھا جائے گا کہ دعوے قتل نفس کا ہے یا قطع اطراف کا، اگر دعویٰ قتل نفس کا ہو تو مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور اگر دعویٰ قطع اطراف کا ہو تو صرف نکول ہی کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ارش یعنی دیت واجب ہوگی کیونکہ نکول ایک ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہے تو اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا' بلکہ مال واجب ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اطراف میں مال کا سا برتاؤ ہوتا ہے کیونکہ جس طرح مال آدمی کی حفاظت کے لئے ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں بھی حفاظت نفس کے لئے ہیں اور مال میں بذل واباحت جاری ہے تو اس میں بھی جاری ہوگی اور نکول کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مدعی سے قسم لی جائے گی وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور قسم لینے کے بعد مدعا علیہ سے دونوں صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔

قولہ بینۃ الخ مدعی نے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں اور اس نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ صاحبین کے نزدیک قسم لی جائے گی کیونکہ یمین مدعی کا حق ہے تو جب وہ طلب کرے قسم لی جائے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یمین مدعی کا حق اس وقت ہے جب وہ بینہ قائم کرنے سے عاجز ہو اور یہاں اقامت بینہ کا امکان ہے لہذا قسم نہیں لی جائے گی بلکہ اس سے تین روز کے لئے حاضر ضامن لیا جائے گا تاکہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے اگر وہ حاضر ضامن دینے سے انکار کرے تو اگر مدعا علیہ اس شہر کا باشندہ ہو تو مدت ضمانت یعنی تین روز تک خود مدعی یا اس کا امین مدعی علیہ کا پیچھا کرے تاکہ وہ کہیں غائب نہ ہو جائے اور اگر وہ مسافر ہو تو صرف کچہری برخاست ہونے تک ضمان لی جائے گی اور اگر وہ ضمانت سے سرتابی کرے تو مدعی علیہ اتنی ہی مدت تک اس کا پیچھا کرے کیونکہ اس میں مدعی کے حق کی رعایت بھی ہے اور مدعی علیہ کا کوئی نقصان بھی نہیں پھر اگر مدعی مدت مقررہ میں گواہ لے آئے تو بہتر ہے ورنہ قاضی مدعا علیہ سے قسم لے یا اس کو چھوڑ دے۔ وقول الامام ہو الصحیح کما فی المضمرات وغیرہا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ هٰذَا الشَّیْءُ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ اَوْرَهَنَهٗ عِنْدِیْ اَوْ غَصَبْتُهٗ مِنْهُ

اگر کہا مدعی علیہ نے کہ یہ چیز ودیعۃ دی ہے مجھے فلاں غائب نے یا رہن رکھی ہے میرے پاس یا غصب کی ہے اس سے

وَاَقَامَ بَیِّنَةً عَلٰی ذٰلِکَ فَلَا خُصُوْمَةَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ الْمُدَّعِیْ وَاِنْ قَالَ اِبْتَعْتُهٗ مِنْ فُلَانٍ الْغَائِبِ

اور قائم کر دیا بینہ اس پر تو خصومت نہ رہے گی اس کے اور مدعی کے درمیان' اگر کہا کہ میں نے خریدی ہے فلاں غائب سے

فَهُوَ خَصْمٌ وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ سُرِقَ مِنِّیْ وَ اَقَامَ الْبَیِّنَةَ وَقَالَ صَاحِبُ الْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ

تو وہ مدمقابل رہے گا' اگر کہا مدعی نے کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور بینہ قائم کر دیا اور قابض کہتا ہے کہ مجھے ودیعۃ دی ہے فلاں نے

وَاَقَامَ الْبَیِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُوْمَةُ وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ اِبْتَعْتُهٗ مِنْ فُلَانٍ وَ قَالَ صَاحِبُ

اور بینہ قائم کر دیا تو خصومت مندفع نہ ہو گی' اگر کہے مدعی کہ یہ میں نے فلاں سے خریدی ہے اور قابض کہے

الْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ دُفِعَتِ الْخُصُوْمَةُ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ

کہ مجھے فلاں نے ودیعۃ دی ہے تو خصومت مندفع ہو جائے گی بینہ کے بغیر

دفع دعاوی کا بیان

تشریح الفقہ قولہ وان قال المدعی علیہ الخ مدعی علیہ نے مدعی کے جواب میں کہا کہ یہ شئے جو میرے قبضہ میں ہے اور تو اس کا دعوی کر رہا ہے یہ میرے پاس فلاں غائب (مثلاً زید) نے بطور امانت رکھی ہے یا اس نے میرے پاس بطور رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور ان امور کو اس نے بینہ سے ثابت کر دیا اور متنازع فیہ شئی علی حالہ موجود ہے تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے مدعی کی خصومت دفع ہو جائے گی کیونکہ مدعی علیہ نے دو چیزیں ثابت کی ہیں ایک ملک غائب' دوسرے اپنے سے دفع خصومت تو اول ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس میں کوئی خصومت نہیں ہے اور ثانی ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس میں مدعی علیہ خصم ہے۔

قولہ وان قال ابتعتہ الخ اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں غائب سے خریدی ہے یا مدعی نے دعویٰ کیا کہ میری یہ چیز چرائی گئی ہے اور مدعی علیہ نے کہا کہ میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت رکھی ہے اور اس پر اس نے بینہ قائم کر دیا تو ان صورتوں میں شیخین کے نزدیک مدعی علیہ سے خصومت دفع نہ ہوگی کیونکہ مدعی علیہ نے خود اقرار کر لیا کہ میرا قبضہ قبضہ خصومت نہیں ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ سرقہ کی صورت میں مدعی علیہ سے خصومت مندفع ہو جائے گی کیونکہ اس صورت میں مدعی نے مدعی علیہ پر کسی فعل کا دعویٰ نہیں کیا۔ فصار کما اذا قال غصب منی۔

قولہ وان قال المدعی ابتعتہ الخ اگر مدعی نے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے زید سے خریدی ہے اور مدعی علیہ کہے کہ یہ چیز زید نے میرے پاس بطور امانت رکھوائی ہے تو مدعی علیہ سے خصومت ساقط ہو جائے گی گو مدعی علیہ اپنے بیان پر بینہ قائم نہ کرے کیونکہ اس صورت میں مدعی نے اس کا اقرار کر لیا کہ مدعی علیہ کے پاس وہ چیز زید کی طرف سے پہنچی ہے تو مدعی علیہ کا قبضہ قبضہ خصومت نہ ہوا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى دُوْنَ غَيْرِهٖ وَيُؤَكَّدُ بِذِكْرِ اَوْصَافِهٖ وَلَايُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَابِالْعِتَاقِ
قسم اللہ کی ہوتی ہے نہ کہ غیر کی اور تاکید کی جائے گی اللہ کے اوصاف ذکر کر کے اور قسم نہ لی جائے گی طلاق کی اور عتاق کی

وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُوْدِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ عَلٰى مُوْسٰى وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ
اور قسم لی جائے گی یہودی سے اللہ کی جس نے نازل کی تورات حضرت موسی پر اور نصرانی سے اللہ کی جس نے نازل کی

الْاِنْجِيْلَ عَلٰى عِيْسٰىؑ وَالْمَجُوْسِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ النَّارَ وَلَايُسْتَحْلَفُوْنَ فِىْ بُيُوْتِ عِبَادَتِهِمْ وَلَا
انجیل حضرت عیسی پر اور مجوسی سے اللہ کی جس نے پیدا کیا آگ کو اور قسم نہ دی جائے گی ان کو ان کے عبادت خانوں میں' اور

يَجِبُ تَغْلِيْظُ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَّلَا بِمَكَانٍ وَّمَنِ ادَّعٰى اَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هٰذَا عَبْدَهٗ بِاَلْفٍ
ضروری نہیں قسم کو پکا کرنا مسلمان پر زمان یا مکان کے ساتھ' دعوی کیا کہ میں نے خریدا ہے اس سے اس کا غلام ایک ہزار

فَجَحَدَهٗ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِى الْحَالِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا بِعْتُ وَ يُسْتَحْلَفُ
میں اور وہ اس کا انکار کرے تو قسم لی جائے گی کہ بخدا بیع قائم نہیں ہمارے درمیان اب تک' یوں نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے نہیں بیچا' قسم لی جائے گی

فِى الْغَصْبِ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْكَ رَدَّ هٰذِهِ الْعَيْنِ وَلَا رَدَّ قِيْمَتِهَا وَلَايُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا غَصَبْتُ
غصب میں کہ بخدا مستحق نہیں ہے یہ اس چیز کے واپس لینے کا اور نہ اس کی قیمت کا یوں نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے غصب نہیں کی

وَ فِى النِّكَاحِ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ فِى الْحَالِ وَ فِىْ دَعْوَى الطَّلَاقِ بِاللّٰهِ مَا هِىَ بَائِنٌ مِّنْكَ
اور نکاح میں بخدا نہیں ہے ہم میں نکاح قائم اب تک اور طلاق کے دعوی میں بخدا نہیں ہے یہ مجھ سے بائن

السَّاعة بِمَا ذَكَرَتْ وَلا يُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا طَلَّقَهَا وَاِنْ كَانَتْ دَارٌ فِيْ يَدِرَجُلٍ ادَّعَا هَا اثْنَانِ اَحَدُهُمَا
اب تک جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے یوں نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی' اگر ہو مکان کسی کے قبضہ میں جس کا دعوی کریں دو' ایک

جَمِيْعَهَا وَالْاٰخَرُ نِصْفَهَا وَ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيْعِ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا
کل کا اور دوسرا نصف کا اور دونوں بینہ قائم کر دیں تو کل والے کے تین ربع ہوں گے اور نصف والے کا ایک ربع

عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالاَ هِيَ بَيْنَهُمَا اَثْلاَثًا وَلَوْكَانَتِ الدَّارُ فِيْ اَيْدِيْهِمَا سُلِّمَ لِصَاحِبِ
امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مکان دونوں میں تین تہائی ہو گا' اور اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو مدعی کل کے لئے

الْجَمِيْعِ نِصْفُهَا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَ نِصْفُهَا لا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَاِذَاتَنَازَعَا فِيْ دَابَّةٍ وَّ اَقَامَ
ہو گا پورا مکان آدھا بطریق قضاء اور آدھا بلا قضاء اگر جھگڑا کریں دو آدمی ایک جانور کی بابت اور

كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً اَنَّهَا نَتَجَتْ عِنْدَهٗ وَذَكَرَا تَارِيْخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ اَحَدَالتَّارِيْخَيْنِ فَهُوَ
ہر ایک بینہ قائم کر دے اس بات پر کہ وہ پیدا ہوا ہے میرے ہاں اور دونوں تاریخ ذکر کریں اور جانور کی عمر موافق ہو کسی ایک تاریخ کے تو وہ

اَوْلٰى وَاِنْ اَشْكَلَ ذٰلِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا وَاِذَا تَنَازَعَا فِيْ دَابَّةٍ اَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا
اولیٰ ہے اور اگر یہ بھی مشکل ہو جائے تو جانور دونوں میں مشترک رہے گا' دو نے جھگڑا کیا ایک جانور میں اور ایک اس پر سوار ہے دوسرا اس کی لگام پکڑے ہوئے

فَالرَّاكِبُ اَوْلٰى وَ كَذٰلِكَ اِذَا تَنَازَعَا بَعِيْرًا وَّ عَلَيْهِ حِمْلٌ لِاَحَدِهِمَا فَصَاحِبُ الْحِمْلِ اَوْلٰى وَ
ہے تو سوار اولی ہے اسی طرح اگر جھگڑا کریں اونٹ میں اوراس پر ایک کا بوجھ لدا ہو تو بوجھ والا اولی ہو گا

كَذٰلِكَ اِذَاتَنَازَعَا قَمِيْصًا اَحَدُهُمَا لاَبِسُهٗ وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهٖ فَاللاَّبِسُ اَوْلٰى
اسی طرح اگر جھگڑا کریں قمیص میں ایک اسے پہنے ہوئے ہو دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہو تو پہننے والا اولی ہے

قسم اوراس کا طریقہ

تشریح الفقہ قولہ والیمین باللہ الخ قسم حق سبحانہ وتعالیٰ کے نام کی ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص قسم کھانے والا ہو تو اسے چاہیئے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے"[1] تو طلاق یا عتاق وغیرہ کی قسم نہ ہو گی اگر چہ مدعی اس پر اصرار کرے کیونکہ طلاق وعتاق کی قسم دینا حرام ہے (خانیہ) ہاں اگر اسماء حسنیٰ جیسے رحمٰن' رحیم' قادر' ذوالجلال یا اس کی ایسی صفت کی قسم کھائے جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ جیسے عزت وجلال عظمت و قدرت وغیرہ تو وہ قسم معتبر ہوگی۔

قولہ بزمان ولا بمکان الخ مسلمان پر قسم میں زمان اور مکان سے تشدید و تغلیظ مستحب نہیں۔ تغلیظ زمان مثلاً رمضان یا شب قدر یا جمعہ کے دن یا عصر کے بعد قسم لینا' تغلیظ مکان مثلاً ممبر نبوی' حجر اسود' خانہ کعبہ یا مسجد میں قسم لینا اس واسطے کہ مقصد تو صرف اللہ کی قسم لینا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ مقید کرنا نص پر زیادتی ہے اسی لئے کافی اور زیلعی وغیرہ میں اس کو غیر مشروع کہا ہے اور شامی نے محیط سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں اس کی اجازت ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ قسم لعان، قسامۃ اور مال عظیم کے متعلق ہو۔

[1] صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲۔

قولہ ومن ادعی الخ قسم کھلانے کا طریقہ اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع نہ ہو سکے۔ جیسے عتق تو اس میں قسم سبب پر ہو گی اور اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع ہو سکتا ہو جیسے بیع فسخ سے مرتفع ہو جاتی ہے اور نکاح طلاق سے تو اس میں قسم حاصل پر ہو گی پس دعویٰ بیع میں قاضی اس طرح قسم لے گا کہ بخدا! تم دونوں میں اب تک بیع قائم نہیں اور غصب میں یوں کہ اب تک تجھ پر نہ اس شئے کا پھیر دینا واجب ہے نہ اس کی قیمت کا اور نکاح میں بایں طور کہ تم دونوں میں اب تک نکاح قائم نہیں اور طلاق میں بایں صورت کہ اب تک وہ عورت تجھ سے بائن نہیں۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ہر صورت میں قسم سبب پر لی جائے گی۔

قولہ وان کانت دار الخ ایک مکان کسی کے قبضہ میں ہے اس کا دو آدمیوں نے دعویٰ کیا۔ ایک نے کل مکان کا اور دوسرے نے نصف کا اور دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک بطریق منازعت مدعی کل کے لئے مکان کے تین ربع ہوں گے اور مدعی نصف کے لئے ایک ربع، بطریق منازعت کا مطلب یہ ہے کہ جب مدعی نصف نے آدھے مکان کا دعویٰ کیا تو دوسرا آدھا مدعی کل کے لئے سالم رہا اور ایک نصف میں دونوں کی منازعت قائم رہی تو اس نصف کو دونوں میں نصفا نصف کر دیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک بطریق عول و مضاربت مکان اثلاثا تقسیم ہو گا یعنی مدعی کل کے لئے دو ثلث اور مدعی نصف کے لئے ایک ثلث کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف مجتمع ہیں تو مسئلہ دو سے ہو گا کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے اور دو کا عدد تین کی طرف عول کرتا ہے تو دو سہم مدعی کل کے ہوئے اور ایک سہم مدعی نصف کا ہوا اور اگر وہ مکان مدعیوں کے قبضہ میں ہو تو پورا مکان مدعی کل کا ہو گا۔ نصف بطریق قضاء اور نصف بلا قضا اس واسطے کہ جب مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو ہر ایک کے قبضہ میں نصف نصف مکان ہوا۔ تو جو نصف مدعی کل کے قبضہ میں ہے اس کا تو کوئی مدعی ہی نہیں لہذا وہ تو قضاء قاضی کے بغیر ہی اس کا ہے اور جو نصف مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس کا مدعی کل مدعی ہے اور وہ شخص خارج ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شخص خارج کا بینہ معتبر ہوتا ہے نہ کہ قابض کا تو وہ نصف بھی قاضی اسی کو دلا دے گا۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَائِعَانِ فِی الْبَیْعِ فَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ ثَمَنًا وَّادَّعَی الْبَائِعُ اَکْثَرَ مِنْهُ اَوِاعْتَرَفَ الْبَائِعُ
جب اختلاف کرے بائع اور مشتری بیع میں پس دعوی کرے مشتری کچھ قیمت کا اور دعوی کرے بائع اس سے زائد کا یا اقرار کرے بائع

بِقَدْرٍ مِّنَ الْمَبِیْعِ وَادَّعَی الْمُشْتَرِیْ اَکْثَرَ مِنْهُ وَاَقَامَ اَحَدُهُمَا الْبَیِّنَةَ قُضِیَ لَهٗ بِهَا فَاِنْ اَقَامَ
مبیع کی ایک مقدار کا اور دعوی کرے مشتری اس سے زائد کا اور قائم کر دے بینہ ان میں سے ایک تو اسی کے لئے فیصلہ ہو گا اگر دونوں

کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَیِّنَةً کَانَتِ الْبَیِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّیَادَةِ اَوْلٰی فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَیِّنَةٌ
بینہ قائم کر دیں تو معتبر ہو گا زیادتی ثابت کرنے والا بینہ اگر نہ ہو ان میں سے کسی کے پاس بینہ

قِیْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِمَّا اَنْ تَرْضٰی بِالثَّمَنِ الَّذِیْ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَیْعَ وَ قِیْلَ لِلْبَائِعِ اِمَّا اَنْ
تو کہا جائے گا مشتری سے کہ یا تو راضی ہو اس قیمت پر جس کا دعوی کیا ہے بائع نے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اور کہا جائے گا بائع سے کہ یا تو

تُسَلِّمَ مَاادَّعَاهُ الْمُشْتَرِیْ مِنَ الْمَبِیْعِ وَاِلَّافَسَخْنَا الْبَیْعَ فَاِنْ لَّمْ یَتَرَاضَیَا اسْتَحْلَفَ الْحَاکِمُ کُلَّ
حوالے کر اتنی مبیع جتنی کا دعوی کیا ہے مشتری نے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اگر وہ رضاء مند نہ ہوں تو قسم لے حاکم

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَلٰی دَعْوَی الْاٰخَرِ یَبْتَدِیْ بِیَمِیْنِ الْمُشْتَرِیْ فَاِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِیُ الْبَیْعَ بَیْنَهُمَا
ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعوی پر شروع کرے مشتری کی قسم سے جب وہ قسم کھا لیں تو فسخ کر دے قاضی ان کی بیع کو

فَاِنْ نَکَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْیَمِیْنِ لَزِمَهٗ دَعْوَی الْاٰخَرِ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِی الْاَجَلِ اَوْفِیْ شَرْطِ الْخِیَارِ
اگر ان میں سے کوئی انکار کرے قسم سے تو لازم ہو جائے گا اس کو دوسرے کا دعویٰ اگر اختلاف کریں مدت میں یا شرط خیار میں

اَوْفِی اسْتِیْفَاء بَعْضِ الثَّمن فَلا تحالف بَیْنَهُما وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَن یُّنکِرُ الْخِیَارَ وَالاَجلَ مع
یا کچھ قیمت وصول کر لینے میں تو ان میں تحالف نہ ہوگا اور قول معتبر ہوگا منکر خیار کا یا منکر اجل کا اس کی

یَمِیْنِہ وَاِن هلک الْمبیْعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِی الثَّمنِ لَمْ یَتحالَفَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَة وَاَبِیْ یُوسُف رَحِمَهُما
قسم کے ساتھ اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر اختلاف کیا قیمت میں تو قسم نہ کھائیں گے شیخین کے نزدیک

اللّٰه وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِیْ فِی الثَّمَنِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰه یَتحالَفَا وَیفْسَخُ الْبَیْعُ عَلٰی قِیْمَة
اور قول معتبر ہوگا مشتری کا قیمت میں، امام محمد فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع فسخ ہو جائے گی

الْهالک وَاِن هلک اَحدُ الْعَبْدَیْنِ ثُمَّ اخْتَلَفا فِی الثَّمنِ لَمْ یَتحالَفَا عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَة رَحِمَهُ
ہلاک شدہ کی قیمت پر اگر ہلاک ہوگیا دو غلاموں میں سے ایک پھر اختلاف کیا قیمت میں تو قسم نہ کھائیں گے امام صاحب کے نزدیک

اللّٰه اِلَّا اَن یَّرْضَی الْبائِعُ اَن یَّتْرُک حِصَّة الْهالک وَقَالَ اَبُوْیُوْسُف رَحِمَهُ اللّٰه یَتحالَفَان
الا یہ کہ راضی ہو جائے بائع ہلاک شدہ کے حصہ کو چھوڑنے پر، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں گے

وَیَنْفَسِخُ الْبَیْعُ فِی الْحَیّ وَقِیْمَة الْهالک وَ هُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰه
اور بیع فسخ ہو جائے گی زندہ میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں یہی امام محمد کا قول ہے

آپس میں قسم کھانے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ اذا اختلف المتبائعان الخ متبائعین نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے کہا کہ ایک ہزار ہے مشتری نے کہا پانچ سو ہے یا مبیع کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے دس رطل بتائی اور مشتری نے پندرہ رطل۔ تو جس کے پاس بینہ ہو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ صاحب بینہ نے اپنے دعویٰ حجت سے روشن کر دیا اور اگر دونوں بینہ قائم کر دیں تو جس کا بینہ مثبت زیادت ہو وہی مقبول ہوگا کیونکہ بینات اثبات کے لئے ہوتے ہیں اور زائد میں کوئی تعارض بھی نہیں اور اگر بینہ سے دونوں عاجز رہ جائیں اور کوئی ایک دوسرے کے دعویٰ سے راضی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور امام محمد کے نزدیک پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے اور یہی امام صاحب سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ثمن کا مطالبہ پہلے مشتری سے ہوتا ہے تو وہی منکر ٹھہرا مگر یہ اس وقت ہے جب عین کی بیع دین کے عوض میں ہو۔ ورنہ قاضی کو اختیار ہے جس سے چاہے پہلے قسم لے۔ اب ان میں سے جو شخص قسم سے انکار کرے گا تو قضاء قاضی سے اس پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا کیونکہ وہ انکار سے مقر ہو گیا اور اس کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ سے معارض نہ رہا۔

قولہ وان اختلف فی الاجل الخ اگر متعاقدین نفس اجل میں اختلاف کریں مثلاً ایک کہے کہ مدت مقرر تھی اور دوسرا انکار کرے۔ یا خیار شرط میں اختلاف کریں مثلاً مشتری کہے کہ میں نے خیار کی شرط کر کے خریدا ہے اور بائع اس کا انکار کرے یا بعض ثمن پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہو۔ ایک کہے تو اتنی قیمت وصول کر چکا' دوسرا انکار کرے۔ تو ہمارے نزدیک تینوں صورتوں میں تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ امام احمد بھی اس کے قائل ہیں کیونکہ یہ اختلاف معقود علیہ ومعقود بہ کے ماوراء میں ہے کیونکہ ان کے اختلاف سے قوام عقد مختل نہیں ہوتا اور حدیث ''اذا اختلف المتبائعان والسلعة قائمة بعینها تحالفا'' میں وجوب تحالف متبائعان معلق ہے اور متبائعان بیع سے مشتق ہے تو وجوب تحالف اس چیز کے اختلاف سے ہوگا جس سے بیع کا قیام ہو اور وہ مبیع وثمن ہے اجل اور شرط خیار وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ امام زفر

مالک شافعی کے نزدیک اختلاف اجل کی صورت میں تحالف ہے کیونکہ مدت کے ہونے اور نہ ہونے سے ثمن میں کمی بیشی ہوتی ہے تو گویا وصف ثمن میں اختلاف ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اجل وصف ثمن نہیں کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے اور اجل مشتری کا حق ہے اگر اجل ثمن کا وصف ہوتا تو استحقاق میں اپنی اصل کا تابع ہوتا۔

قولہ و ان هلک المبیع الخ اگر اختلاف ہلاکت مبیع کے بعد ہو تو شیخین کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ امام محمد زفر شافعی مالک کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور عقد فسخ ہو جائے گا اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت واجب ہوگی۔

قولہ و ان هلک احد العبدین الخ اگر بعض مبیع ہلاک ہونے کے بعد اختلاف ہو مثلاً مبیع دو غلام تھے۔ ان میں سے ایک مر گیا پھر بائع اور مشتری کا قیمت میں اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا۔ الا یہ کہ بائع اس پر راضی ہو جائے کہ مرے ہوئے غلام کا حصہ چھوڑ دے جو کہ مشتری کہتا ہے اور زندہ غلام کو مشتری لے لے کہ اب قیمت پر اختلاف ہونے سے دونوں پر قسم آئے گی صاحبین زفر مالک شافعی کے نزدیک تحالف ہوگا اور زندہ غلام میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں بیع فسخ ہو جائے گی یعنی زندہ غلام تو بائع کو پھیر دیا جائے گا اور ہلاک شدہ کی قیمت جو مشتری کہے وہ ادا کی جائے گی کیونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک غیر معتقد کا مدعی ہے اور دوسرا منکر ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ تحالف بعد القبض خلاف قیاس ہے اور روایت میں تحالف کے لئے مبیع کا موجود ہونا شرط ہے تو ہلاکت مبیع کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوئی لہذا تحالف نہ ہوگا۔

فاذا اختلفا الزّوجان فی الْمَھر فادّعی الزّوْجُ انّه تزوّجها بالْف وقالتْ تزوّجْتنی بالْفیْن فایُّهما
جب اختلاف کریں زوجین مہر میں پس دعویٰ کرے شوہر کہ شادی کی ہے ایک ہزار پر اور بیوی کہے کہ تو نے شادی کی ہے مجھ سے دو ہزار

اَقام الْبیّنة قُبلتْ بیّنتُه وان اقاما معًا الْبیّنة فالْبیّنة بیّنةُ الْمرْاَة وانْ لّمْ یکُنْ لّهُما بیّنة
پر تو جو بھی بینہ قائم کرے اس کا بینہ مقبول ہوگا اور دونوں بینہ قائم کر دیں تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا اگر بینہ دونوں کے پاس نہ ہو

تحالفا عنْداَبیْ حنیْفة رحمهُ اللّٰه ولمْ یفْسخ النّکاحُ ولکنْ یُحکم مهْرُ الْمثْل فانْ کان مثْل ما
تو دونوں قسم کھائیں گے امام صاحب کے نزدیک اور نکاح فسخ نہ ہوگا لیکن مہر مثل کا حکم کیا جائے گا اگر مہر مثل اتنا ہو

اعْترف بهٖ الزّوْجُ اَوْاقلّ قُضی بما قال الزّوْجُ وانْ کان مثْل مادّعتْهُ الْمرْاَةُ اَوْاَکْثر قُضی بما
جتنے کا اقرار کیا ہے شوہر نے یا اس سے کم ہو تو فیصلہ ہوگا شوہر کے قول پر اور اگر اتنا ہو جتنے کا دعویٰ کیا ہے عورت نے یا اس سے زیادہ ہو تو

ادّعتْهُ الْمرْاَةُ وانْ کان مهْرُالْمثْل اکْثرممّا اعْترف به الزّوْجُ واقلّ ممّاادّعتْهُ الْمرْاَةُ قُضی لها بمهْر الْمثْل
فیصلہ ہوگا عورت کے دعویٰ پر اور اگر شوہر کے اقرار کردہ سے زیادہ ہو اور عورت کے دعویٰ سے کم ہو تو مہر مثل کا حکم کیا جائے گا عورت کے لئے

زوجین میں مہر کی بابت اختلاف کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و اذا اختلف الزوجان الخ اگر زوجین مقدار مہر یا اس کی جنس میں اختلاف کریں مثلاً شوہر کہے کہ نکاح ایک ہزار پر ہوا تھا اور بیوی کہے کہ دو ہزار پر ہوا تھا تو جو اپنا مدعیٰ بینہ سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ عورت کا بینہ تو اس لئے مقبول ہوگا کہ وہ مدعی زیادت ہے اور شوہر کا بینہ اس لئے مقبول ہوگا گو وہ زیادتی کا منکر ہے اس لحاظ سے اس پر قسم ہونی چاہئے مگر چونکہ وہ صورۃً مدعی ہے اور قبولیت بینہ کے لئے اتنا کافی ہے اس لئے اس کا بینہ بھی مقبول ہوگا اور اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو عورت کا بینہ مقبول ہوگا جب کہ اس کا مہر زوج کے حق میں شاہد ہو۔ بایں طور کہ مہر مثل دعویٰ زوج کے مطابق ہو یا اس سے کم ہو کیونکہ عورت زیادتی ثابت کر رہی ہے اور بینات اثبات ہی کے لئے ہوتے ہیں اور اگر مہر مثل زوجین میں سے کسی کے حق میں شاہد نہ ہو تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مہر مثل واجب ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو امام

صاحب کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے لیکن نکاح فسخ نہ ہوگا کیونکہ ہر ایک کی قسم نے دوسرے کا دعویٰ باطل کر دیا تو عقد نکاح بلا تسمیہ مہر باقی رہا اور عدم تسمیہ مہر مفسد نکاح نہیں ہوتا بخلاف بیع کے کہ اس میں عدم تسمیہ ثمن مفسد بیع ہوتا ہے جب عقد نکاح باقی رہا تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور شوہر کے قول کے بموجب حکم ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے موافق ہو یا اس سے کم ہو اور عورت کے قول کے بموجب حکم ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے مطابق ہو یا اس سے زائد ہو اور اگر مہر مثل دعویٰ زوجین کے مابین ہو تو مہر مثل کا فیصلہ ہوگا اس واسطے کہ موجب عقد تو مہر مثل ہی ہے جو قیمت بضع ہے۔ یہ جو ساقط ہو جاتا ہے وہ تسمیہ کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے اور جب زوجین میں اختلاف ہے اور کسی کے پاس شاہد حال بینہ نہیں ہے تو موجب عقد یعنی مہر مثل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا اخْتَلَفَا فِی الْاِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِیْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَیْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا وَاِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ الْاِسْتِیْفَاءِ
جب اختلاف کریں اجارہ میں معقود علیہ حاصل کرنے سے پہلے تو قسمیں کھا کر اجارہ کو ختم کر دیں اور اگر اختلاف کیا استیفاء کے بعد

لَمْ یَتَحَالَفَا وَکَانَ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ وَاِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِیْفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُوْدِ عَلَیْهِ تَحَالَفَا وَفَسَخَ
تو قسم نہ کھائیں گے اور قول معتبر ہو گا مستاجر کا' اگر اختلاف کیا کچھ معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد تو دونوں قسم کھائیں گے

الْعَقْدُ فِیْمَا بَقِیَ وَکَانَ الْقَوْلُ فِی الْمَاضِیْ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ مَعَ یَمِیْنِهٖ وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلٰی وَالْمُکَاتَبُ
اور فسخ ہو جائے گا عقد باقی میں اور معتبر ہو گا قول ماضی میں مستاجر کا اس کی قسم کے ساتھ، جب اختلاف کرے آقا اور مکاتب

فِیْ مَالِ الْکِتَابَةِ لَمْ یَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ یَتَحَالَفَانِ وَ تَفْسُخُ الْکِتَابَةُ
مال کتابت میں تو قسم نہ کھائیں گے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔

اجارہ اور عقد کتابت میں اختلاف کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا اختلفا فی الاجارۃ الخ اگر موجر و مستاجر تحصیل منفعت سے پہلے اجرت یا مدت اجارہ کی مقدار میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو ختم کریں کیونکہ عقد بیع میں تحالف قبل القبض قیاس کے موافق ہے اور اجارہ قبل از قبض منفعت بیع قبل از قبض مبیع کی نظیر ہے یعنی دونوں عقد معاوضہ اور قابل فسخ ہیں لہذا تحالف کے بعد اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

قولہ بعد الاستیفاء الخ اور اگر تحصیل منفعت کے بعد اختلاف ہو تو تحالف نہ ہوگا بلکہ مستاجر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ شیخین کے نزدیک تو عدم تحالف ظاہر ہے کیونکہ ان کے ہاں ہلاکت معقود علیہ مانع تحالف ہے اور یہاں معقود علیہ یعنی منفعت عرض ہے' والعرض لایبقی زمانین۔ امام محمد کے نزدیک عدم تحالف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں جو مبیع کا ہلاک ہونا مانع تحالف نہیں وہ اس لئے ہے کہ مبیع کی قیمت مبیع کے قائم مقام ہو جاتی ہے اور قیمت پر تحالف ہوتا ہے اور اجارہ میں اگر تحالف جاری ہو تو لامحالہ عقد اجارہ فسخ ہوگا اور یہاں کوئی قیمت نہیں جو قائم مقام ہو سکے کیونکہ بالذات منافع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ منافع کی قیمت تو عقد کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور جب فسخ کی وجہ سے عقد ختم ہو گیا تو قیمت بھی ختم ہوگئی پس مبیع ہر طرح سے ہلاک ہوگئی اور تحالف ممکن نہ رہا لہذا مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور اگر کچھ منافع حاصل کر لینے کے بعد اختلاف ہو تو تحالف ہو گا اور باقی اجارہ فسخ کر دیا جائے گا اور ایام گذشتہ کے متعلق مستاجر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کیونکہ عقد اجارہ بحسب حدوث منفعت و مبدم منعقد ہوتا ہے تو منفعت کا ہر جزء بالاستقلال معقود علیہ کے درجہ میں ہوا تو گویا باقی منافع معقود بالعقد ہیں لہذا ان میں تحالف ہوگا بخلاف بیع کے کہ اس میں کل مبیع معقود بعقد واحد ہوتی ہے تو جب بعض مبیع میں فسخ متعذر رہوگا تو کل مبیع میں متعذر رہوگا۔

قولہ فی مال الکتابۃ الخ اگر بدل کتابت میں آقا اور غلام کا اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ غلام کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تحالف ہوگا کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے جو قابل فسخ ہے پس کتابت بیع کے مشابہ ہوئی

لہذا تحالف ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معاوضات میں تحالف حقوق لازمہ کے انکار کے وقت ہوتا ہے اور مکاتبت پر بدل کتابت لازم ہی نہیں کیونکہ وہ خود کو عاجز قرار دے کر اس کو ختم کرسکتا ہے پس کتابت بیع کے معنی میں نہ ہوئی لہذا تحالف نہ ہوگا۔

وَاِذَااخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَلِلرَّجُلِ وَمَا يَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ
جب اختلاف کریں زوجین گھریلو سامان میں تو جو مردوں کے قابل ہو گا وہ مرد کا ہو گا اورجو عورتوں کے قابل ہو وہ عورت کا ہو گا

وَمَايَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ فَاِنْ مَّاتَ اَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهُ مَعَ الْاٰخَرِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
اور جو دونوں کے قابل ہو وہ مرد کا ہوگا پس اگر ان میں سے ایک مرگیا اور اختلاف کیا ایک کے ورثہ نے دوسرے کے ساتھ تو جو مردوں اور عورتوں کے قابل

فَهُوَلِلْبَاقِيْ مِنْهُمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُدْفَعُ اِلَى الْمَرْأَةِ مَا يُجَهَّزُ بِهٖ مِثْلُهَا وَالْبَاقِيْ لِلزَّوْجِ مَعَ يَمِيْنِهٖ[1]
ہو وہ ان میں سے زندہ کی ہوگی، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عورت کو دیا جائے گا وہ جو جہیز میں دیا جاتا ہو اور باقی شوہر کا ہوگا اس کی قسم کے ساتھ

گھریلو سامان میں زوجین کے اختلاف کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا اختلف الخ اگر میاں بیوی گھریلو اسباب میں اختلاف کریں تو جو اسباب میاں کے کارآمد ہو اس میں اس کے قول کا اعتبار ہوگا۔ جیسے پگڑی، ٹوپی، تاج، قباء، ہتھیار، کمربند، کتابیں، گھوڑا، زرہ وغیرہ اور جو اسباب بیوی کے کارآمد ہو اس میں اس کا قول کا معتبر ہوگا۔ جیسے اوڑھنی، کرتی، برقع، زیور، کنگن، زنانی انگوٹھی، پازیب وغیرہ اور جو اسباب دونوں کے کارآمد ہو تو اس میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ جیسے فرش، برتن، نقدی، باندی، غلام، مویشی، حویلی، زمین، باغ وغیرہ کیونکہ بیوی اور جو کچھ بیوی کے قبضہ میں ہے وہ سب شوہر کے تصرف میں ہے اور قول صاحب تصرف کا معتبر ہوتا ہے۔

قولہ فان مات الخ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مرجائے اور اس کی جگہ اس کا وارث دعویٰ کرے تو اس میں سات مجتہدوں کے سات قول ہیں ۔١۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں کی کارآمد چیز زندہ کو ملے گی کیونکہ قبضہ زندہ کا ہے نہ کہ مردہ کا۔ ٢۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو چیز جہیز میں دی جاتی ہو وہ عورت کو ملے گی اور باقی شوہر کو اس کی قسم کے ساتھ اس سلسلہ میں موت و حیات دونوں برابر ہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ جہیز کا سامان وہ اپنے اہل کے ہاں سے لے کر آئی ہوگی ۔٣۔ امام محمد کے نزدیک جو چیز مرد کے کارآمد ہو وہ مرد کو دی جائے گی اور جو عورت کے کارآمد ہو وہ عورت کی ہوگی اس سلسلہ میں طلاق اور موت برابر ہیں کیونکہ وارث، مورث کے قائم مقام ہوتا ہے۔ ٤۔ امام شافعی و مالک کے ہاں کل اسباب برابر برابر دونوں کو ملے گا۔ ٥۔ ابن ابی لیلی کے نزدیک سب مال شوہر کا ہوگا۔ ٦۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک کل مال عورت کا ہو۔ ٧۔ قاضی شریح کے نزدیک گھر عورت کا ہوگا۔ خانیہ اور خزانۃ الاکمل میں نو قول منقول ہیں۔

وَاِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَ قَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ
فروخت کی کسی نے باندی اس نے بچہ جنا اور بائع نے دعوی کیا اس کا، پس اگر اس نے جنا ہو چھ ماہ سے کم میں

مِنْ يَوْمٍ بَاعَهَا فَهُوَابْنُ الْبَائِعِ وَاُمُّهٗ اُمُّ وَلَدٍ لَّهٗ وَيَفْسَخُ الْبَيْعَ وَيَرُدُّالثَّمَنَ وَاِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ
اس دن سے جس دن کو بیچا تھا اس کو تو بچہ بائع کا بیٹا ہوگا، اور ماں اس کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہو جائے گی اور قیمت لوٹائی جائے گی اور اگر دعوی کیا اس کا مشتری نے

مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْبَعْدَهَا فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلٰى وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَّلَا قَلَّ
بائع کے دعوی کے ساتھ یا اس کے بعد تو بائع کا دعوی اولی ہو گا اور اگر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے زائد میں اور دو

[1] ہذا کلہ اذا کانا حرین اما اذا کان احدہما مملوکا فالمتاع للحر فی حال الحیوۃ لان یدہ اقوی وللحی بعد الموت لانہ لا ید للمیت فخلت ید الحی عن المعارض وہذا عند ابی حنیفۃ وعندہما المکاتب والماذون بمنزلۃ الحر لان لہما یدا معتبرۃ فی الخصومات قال فی المنظومۃ

زوجان ماذون وحر خصما وفی متاع البیت قد تکلما فذاک للحر وقا لا لہما

کذا فی الجوہرہ ١٢۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

مِنْ سَنَتَيْن لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائع فِيْه اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِیْ وَاِنْ مَّاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائعُ

سال سے کم میں تو مقبول نہ ہوگا بائع کا دعوی الا یہ کہ تصدیق کر دے اس کی مشتری اور اگر بچہ مر گیا پھر بائع نے اس کا دعوی

وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ فِی الْوَلَدِ وَلَا الْاِسْتِيْلَادُ فِی الْاُمِّ وَاِنْ

کیا اور جنا تھا اس کو چھ ماہ سے کم میں تو نسب ثابت نہ ہوگا بچہ میں اور نہ ام ولد ہونا ماں میں اور اگر

مَاتَت الْاُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ فِی

ماں مر گئی پھر دعوی کیا اس کا بائع نے اور جنا تھا اس کو چھ ماہ سے کم میں تو ثابت نہ ہوگا نسب بچہ میں

الْوَلَدِوَاَخَذَهُ الْبَائعُ وَيَرُدُّ كُلَّ الثَّمَنِ عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَرُدُّحِصَّةَ الْوَلَدِ وَ

اور لے لے گا اس کو بائع اور لوٹائے گا پوری قیمت امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ لوٹائے گا بچہ کا حصہ اور

لَايَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ وَمَن ادَّعٰی نَسَبَ اَحَدِ التَّوْاَمَيْن يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا مِنْهُ

نہیں لوٹائے گا ماں کا حصہ جس نے دعوی کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا تو ثابت ہو جائے گا دونوں کا نسب اس سے

دعویٰ نسب کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا باع الرجل الخ ایک شخص نے باندی فروخت کی اس نے وقت بیع سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا اور بائع نے بچہ کا دعوی کیا تو وہ بچہ استحساناً بائع کا لڑکا ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعوی باطل ہوگا۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اس کی ام ولد نہیں باندی ہے پس اقرار سابق اور دعوی لاحق میں تناقض ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ قرار حمل ایک مخفی امر ہے اس لئے تناقض کو نظر انداز کیا جائے گا اور ملک بائع میں قرار حمل اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ بائع کا ہے کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم میں ہے اور جب بطریق مذکور بائع کا دعویٰ صحیح ہوا تو یہ اصلی علوق کی طرف مسند ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اس نے ام ولد کی بیع کی ہے لہذا بیع فسخ ہو جائے گی۔ کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا اور مشتری کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا خواہ بائع کے دعویٰ کے ساتھ ہو یا اس کے بعد کیونکہ بائع کا دعوی بہر حال سابق ہے۔

قولہ لاکثر من ستة الخ اگر باندی چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں بچہ جنے اور بائع بچہ کا دعوی کرے تو دعوی مردود ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کر دے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ علوق بائع کی ملک میں نہ ہوا ہو پس اس کی طرف سے حجت نہیں پائی گئی لہذا مشتری کی تصدیق ضروری ہے پس اس کی تصدیق پر نسب ثابت، بیع باطل، بچہ آزاد اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہو جائے گی خلافاً لزفر والشافعی علی مامرّ۔

قولہ وان مات الولد الخ اگر بچہ کا انتقال ہو گیا اور پھر بائع نے دعویٰ کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ بچہ ثبوت نسب سے مستغنی ہو گیا اور ماں کا ام ولد ہونا بھی ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ تابع ولد ہے اور اگر ماں (باندی) کا انتقال ہو گیا اس کے بعد بائع نے بچہ کا دعوی کیا اور بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ حریت میں اصل بچہ ہے نہ کہ ماں یہی وجہ ہے کہ ماں بچہ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ یقال ام الولد نیز باندی کو حریت بھی بچہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ لقولہ علیہ السلام ''اعتقہا ولدہا'' جب بچہ اصل ہوا تو تابع یعنی ماں کا فوت ہو جانا مضر

نہ ہوگا۔

قولہ احدالتوامین الخ کسی کی باندی کے بطن واحد سے دو بچے پیدا ہوئے اور اس نے ایک کا دعویٰ کیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ دنوں ایک ہی نطفہ سے ہیں تو ایک کے ثبوت نسب سے دوسرے کا ثبوت نسب ضروری ہے۔

كِتَابُ الشَّهَادَاتِ

گواہی کے بیان میں

اَلشَّهَادَةُ فَرْضٌ تَلْزِمُ الشُّهُوْدَ وَلَا يَسَعُهُمْ كِتْمَانُهَا اِذَا طَالَبَهُمُ الْمُدَّعِيْ
گواہی فرض ہے جو لازم ہے گواہوں پر جس کے چھپانے کی گنجائش نہیں ان کے لئے جبکہ طلب کرے ان کو مدعی

وَالشَّهَادَةُ بِالْحُدُوْدِ يُخَيَّرُ فِيْهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السَّتْرِ وَالْاِظْهَارِ وَالسَّتْرُ اَفْضَلُ
اور حدود کی گواہی میں اختیار ہے گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے کا اور چھپانا ہی افضل ہے

تشریح الفقہ قولہ کتاب الشہادات الخ شہادات شہادۃ کی جمع ہے جو اصل میں مصدر ہے۔شہد (س' ک) شہادۃ گواہی دینا' شریعت میں کسی حال کی خبر دینے کو کہتے ہیں جو اٹکل اور گمان سے نہ ہو بلکہ چشم دید ہو[1]۔

قولہ الشہادۃ فرض الخ افتراض ادائے شہادت مجمع علیہ ہے۔ لقولہ تعالی ''ولاتکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ'' سو اگر دو شاہدوں کے علاوہ تحمل اور ادائے شہادت کے لئے کوئی اور نہ ہو تو گواہی دینا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ' پھر اگر صاحب حق شاہد کی شہادت کو نہ جانتا ہو اور عدم شہادت کی صورت میں حق کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو شاہد پر بلا طلب صاحب حق ادائے شہادت واجب ہے اور اگر فوات حق کا اندیشہ نہ ہو تو صاحب حق شہادت کے لئے طلب کرے تب بھی ادائے شہادت لازم ہے لیکن ابواب حدود میں شہادت کو چھپا رکھنا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا حق تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کرے گا[2]'' سوال قرآن پاک میں تو کتمان شہادت سے نہی بطریق عموم ہے۔ جواب ابواب حدود میں کتمان شہادت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تعدد متون کی وجہ سے حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں جن سے عموم آیت کی تخصیص جائز ہے۔

اِلَّا اَنَّهُ يَجِبُ اَنْ يَّشْهَدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ فَيَقُوْلُ اَخَذَ وَلَا يَقُوْلُ سَرَقَ وَالشَّهَادَةُ عَلٰى مَرَاتِبَ
مگر یہ کہ واجب ہے گواہی دینا مال کی چوری میں پس کہے کہ اس نے لیا ہے اور نہ کہے کہ چرایا ہے اور گواہی کے چند مرتبے ہیں

مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيْهَا اَرْبَعَةٌ مِّنَ الرِّجَالِ وَلَا تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَ مِنْهَا الشَّهَادَةُ
منجملہ ان کے زنا کی گواہی ہے جس میں چار مرد معتبر ہیں اور اس میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں اور انہیں میں سے باقی

بِبَقِيَّةِ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَمَا
حدود اور قصاص کی گواہی ہے جس میں دو مردوں کی گواہی مقبول ہے اور مقبول نہیں اس میں عورتوں کی گواہی اس کے

سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّ امْرَاَتَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ الْحَقُّ
علاوہ حقوق میں مقبول ہے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی خواہ وہ حق

[1] والیہ اشار علیہ السلام ''اذا رایت مثل الشمس فاشہد والا فدع'' ۱۲۔ [2] صحیحین عن ابی ہریرہ ۱۲۔

مَالًا اَوْغَيْرَ مَالٍ مِثْلَ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ
مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وکالت اور وصیت

گواہوں کی ضروری تعداد کا بیان

تشریح الفقہ قوله الا انه يجب الخ مال کی چوری میں گواہی واجب ہے کیونکہ مال آدمی کا حق ہے اس لئے اس میں کتمان کی گنجائش نہ ہوگی لیکن وہ یوں کہے کہ اس نے مال لیا ہے یہ نہ کہے کہ چرایا ہے کیونکہ لفظ اخذ موجب ضمان ہے اور لفظ سرق موجب قطع ہے اور موجب قطع امر میں ستر و کتمان مستحب ہے۔

قوله علی مراتب الخ شہادت کے چار مرتبے ہیں ۔ا۔ برائے اثبات زنا اس کے لئے چار مردوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ آیت ''فاستشهدوا عليهن اربعة منكم'' میں چار کے عدد کی تصریح ہے اور ان کا مرد ہونا یہاں سے معلوم ہوا کہ لفظ اربعۃ تاء کے ساتھ ہے اور عدد پر تاء اسی وقت داخل ہوتی ہے جب اس کا معدود مذکر ہو۔ نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حدود اور دماء (یعنی قصاص) میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔عبدالرزاق)

قوله ببقية الحدود الخ ۔۲۔ برائے اثبات بقیۃ حدود (حد قذف، حد شرب، حد سرقہ) اور برائے اثبات قصاص، ان کے لئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ لقوله تعالى ''واستشهدوا اشهيدين من رجالكم'' اس میں رجال کی تصریح ہے۔

قوله و ماسوىٰ ذلک الخ ۔۳۔ برائے اثبات دیگر حقوق خواہ مالیہ ہوں یا غیر مالیہ۔ جیسے نکاح، رضاع، طلاق، اعتاق، وصیت، رجعت، استہلال صبی (برائے ارث) وکالت، نسب، اس میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے لقوله تعالى ''فان لم يكونا رجلين فرجلٌ وامراتان'' امام مالک وشافعی کے ہاں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی اموال اور توابع اموال (اعارہ، اجارہ، کفالہ، اجل، شرط، خیار، شفعہ، قتل خطاء، زخم موجب مال، فسخ عقود) کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام احمد سے موافق احناف وموافق شوافع دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ وعلیؓ نے نکاح اور فرقت میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کو جائز رکھا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَتُقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوْبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ
اور مقبول ہے ولادت، بکارت اور عورتوں کے ان عیوب میں جن پر آگہی نہیں ہوتی مردوں کو صرف ایک عورت کی گواہی

وَّاحِدَةٍ وَّلَابُدَّفِیْ ذٰلِکَ كُلِّهٖ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظِ الشَّهَادَةِ فَاِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَةَ الشَّهَادَةِ
اور ضروری ہے ان سب میں عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا پس اگر ذکر نہ کیا شاہد نے لفظ شہادت

وَقَالَ اَعْلَمُ اَوْاَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهٗ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَقْتَصِرُ الْحَاكِمُ عَلٰى ظَاهِرِ
اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا یقین رکھتا ہوں تو مقبول نہ ہو گی اس کی گواہی، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اکتفاء کرے حاکم مسلمان

عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّهٗ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُوْدِوَاِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيْهِمْ
کی ظاہری عدالت پر مگر حدود اور قصاص میں کہ ان میں پوچھ گچھ کرے گواہوں کی اور اگر طعن کرے مدعا علیہ گواہوں میں

يَسْأَلُ عَنْهُمْ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَابُدَّاَنْ يَّسْأَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّوَالْعَلَانِيَةِ
تو دریافت کرے ان کے حالات صاحبین فرماتے ہیں کہ ضروری ہے ان کے متعلق تحقیق کرنا در پردہ اور علانیہ

تشریح الفقہ قولہ فی الولادۃ الخ ۔۴۔ برائے ولادت و بکارت اور عیوب نساء جن پر مردوں کو آگاہی نہیں ہوتی ان کے لئے ہمارے اور امام احمد کے نزدیک دو عورتیں ہوں تو بہتر ہے۔ ورنہ ایک آزاد مسلمان عورت کی گواہی بھی کافی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ''ان چیزوں میں عورتوں کی شہادت جائز ہے جن کی طرف مرد نظر نہیں کر سکتے۔'' امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اور حجت دو مردوں کی گواہی ہے نہ کہ ایک کی[1] لہذا چار عورتیں ہونی چاہئیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جب مرد ہونے کا اعتبار ساقط ہو گیا تو عدد معتبر رہا لہذا دو عورتیں ہونی چاہئیں۔ والحجة ماروینا۔

قولہ ولا بد الخ شہادت کے مراتب اربعہ مذکورہ میں بالاتفاق کلمہ اشہد بلفظ مضارع شرط ہے اعلم یا اتیقن کہنا کافی نہ ہوگا کیونکہ نصوص اشتراط لفظ شہادت پر ناطق ہیں۔ قال اللہ تعالی ''واشهد وااذا تبايعتم' فاستشهدوا شهيدين' واقيموا الشهادة لله' نیز عدالت شاہد بھی شرط ہے۔ لقولہ تعالی ''واشهدوا ذوی عدل منكم۔

قولہ ویقتصر الحاکم الخ امام صاحب فرماتے ہیں کہ غیر حدود و قصاص میں قاضی بدون طعن مدعا علیہ شاہد کے متعلق پوچھ گچھ کے پیچھے نہ پڑے بلکہ ظاہر عدالت پر اکتفاء کرے کیونکہ حدیث میں ہے ''المسلمون عدول بعضهم على بعض الا محدودًا فی فرية[2] '' صاحبین' امام شافعی' امام احمد کے نزدیک قاضی پر شاہد کی عدالت کے بارے میں پوشیدہ و علانیہ طور پر لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے خواہ مدعا علیہ شاہد پر کوئی طعن کرے یا نہ کرے۔ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ فی السر الخ مخفی سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی ایک رقعہ جس کو مستورۃ کہتے ہیں مزکی کے پاس بھیجے جس میں شہود کے نام نسب' حلیہ اور جس مسجد میں وہ نماز پڑھتے ہوں وہ مرقوم ہو اس میں مزکی شاہد کی عدالت اس طرح لکھے کہ وہ عادل اور جائز الشہادۃ ہے اور اگر اسے عدالت یا فسق معلوم نہ ہو تو لکھ دے کہ وہ مستور الحال ہے اور اگر اس کا فسق معلوم ہو تو اس کی تصریح نہ کرے خاموش رہے۔ تاکہ مسلمان کا پردہ فاش نہ ہو اور اخیر میں لکھ دے واللہ اعلم' اعلانیہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شاہد اور مزکی دونوں کو یکجا جمع کر کے پوچھے کہ تو نے عادل اسی کو کہا ہے؟ ملتقط میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تزکیہ علانیہ' تزکیہ مخفیہ کے بعد ہی مقبول ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَا يَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَحَدُهُمَا مَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهٖ مِثْلَ الْبَيْعِ وَالْاِقْرَارِ
جس کا تحمل کرتا ہے شاہد دو قسم پر ہے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے خود ہی جیسے بیع' اقرار

وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ وَ حُكْمِ الْحَاكِمِ فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ الشَّاهِدُ اَوْرَاٰهُ وَسِعَهٗ اَنْ يَّشْهَدَبِهٖ وَ
غصب' قتل اور حکم حاکم پس جب سنے ان کو شاہد یا دیکھے تو جائز ہے اس کے لئے ان کی گواہی دینا

اِنْ لَّمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ اَشْهَدُاَنَّهٗ بَاعَ وَلَا يَقُوْلُ اَشْهَدَنِیْ وَمِنْهُ مَالَا يَثْبُتُ حُكْمُهٗ بِنَفْسِهٖ
گو اس پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اور کہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے دوم وہ ہے جس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا

مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ فَاِذَا سَمِعَ شَاهِدًا يُّشْهِدُ بِشَیْءٍ لَّمْ يَجُزْلَهٗ اَنْ يَّشْهَدَ عَلٰى شَهَادَتِهٖ
جیسے گواہی پر گواہی پس جب سنے کسی شاہد کو گواہی دیتے ہوئے تو جائز نہیں اس کی گواہی پر گواہی دینا

[1] ۔ رواہ محمد فی المبسوط عن مجاہد وابن المسیب وعطاء وطاؤس ۱۲۔ [2] ۔ ابن ابی شیبہ عن عمرو ابن شعیب' دارقطنی عن عمر ۱۲۔

اَلّا ان یَّشْہدہٗ وَکذٰلکَ لَوْ سمِعَہٗ یَشْہَدُ شَاہِدًا عَلٰی شَہَادَتِہٖ لَمْ یَسَعْ لِلسَّامِعِ اَنْ یَّشْہَدَ عَلٰی

مگر یہ کہ وہ اس کو گواہ بنائے اسی طرح اگر سنا کہ گواہی دے رہا ہے گواہ کسی کی گواہی پر تو گنجائش نہیں سننے والے کے لئے کہ وہ گواہی دے

ذٰلک ولا یَحِلُّ لِلشَّاہِدِ اِذَارَاٰی خَطَّہٗ اَنْ یَّشْہَدَ اِلّا اَنْ یَّذْکُرَ الشَّہَادَۃَ

اس پر اور جائز نہیں گواہ کے لئے جب وہ دیکھے اپنا خط یہ کہ گواہی دے دے مگر یہ کہ اس کو گواہی خوب یاد ہو

تشریح الفقہ قولہ وما یتحملہ الخ شاہد جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے وہ دو طرح پر ہے۔ اول وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت ہوتا ہے یعنی بلا اشہاد صاحب حق جیسے بیع' اقرار' غصب' قتل' حکم حاکم۔ دوم وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں اشہاد کی ضرورت ہوتی ہے جیسے شہادۃ علی الشہادہ۔ سو قسم اول میں شاہد صرف سن کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر سننے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو جیسے بیع' اقرار' حکم حاکم اور دیکھ کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر دیکھنے سے علم ہو جاتا ہو جیسے غصب اور قتل لیکن قسم ثانی میں اس وقت تک گواہی نہیں دے سکتا جب تک کہ اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

قولہ ولایحل الخ شاہد کو اپنا نوشتہ دیکھ کر گواہی دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ آیت ''الامن شہد بالحق وھم یعلمون'' میں علم کی شرط ہے اور واقعہ کی یادداشت کے بغیر علم کا ہونا غیر متصور ہے لیکن صاحبین کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ نوشتہ ان کے پاس محفوظ ہو مدعی کے ہاتھ میں نہ گیا ہو ورنہ جائز نہیں قال فی المنح و قولھما ھو الصحیح و فی الحقائق و علیہ الفتویٰ۔

وَلَا تُقْبَلُ شَہَادَۃُ الْاَعْمٰی وَلَا الْمَمْلُوْکِ وَلَا الْمَحْدُوْدِ فِی الْقَذْفِ وَاِنْ تَابَ وَلَاشَہَادَۃُ الْوَالِدِ

مقبول نہیں اندھے' غلام اور سزایافتہ قذف کی گواہی گو توبہ کرے اور نہ والد کی گواہی

لِوَلَدِہٖ وَوَلَدِ وَلَدِہٖ وَلَا شَہَادَۃُ الْوَلَدِ لِاَبَوَیْہِ وَاَجْدَادِہٖ وَلَا تُقْبَلُ شَہَادَۃُ اَحَدِالزَّوْجَیْنِ

بیٹے پوتے کے لئے اور نہ بیٹے کی گواہی والدین اور دادوں کے لئے اور مقبول نہیں زوجین میں سے ایک کی گواہی

لِلْاٰخَرِ وَلَاشَہَادَۃُ الْمَوْلٰی لِعَبْدِہٖ وَلَا لِمُکَاتَبِہٖ وَلَا شَہَادَۃُ الشَّرِیْکِ لِشَرِیْکِہٖ فِیْمَا ھُوَ مِنْ شِرْکَتِہِمَا

دوسرے کے لئے نہ آقا کی گواہی اپنے غلام اور مکاتب کے لئے نہ ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کے لئے اس چیز میں جوان کی شراکت

وَتُقْبَلُ شَہَادَۃُ الرَّجُلِ لِاَخِیْہِ وَعَمِّہٖ وَلَا تُقْبَلُ شَہَادَۃُ مُخَنَّثٍ وَلَا نَائِحَۃٍ وَّلَامُغَنِّیَۃٍ وَّلَا مُدْمِنِ

کی ہو اور مقبول ہے آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کے لئے اور مقبول نہیں مخنث' رونے والی' گانے والی اور بطریق لہو و

الشُّرْبِ عَلَی اللَّہْوِ وَلَا مَنْ یَّلْعَبُ بِالطُّیُوْرِ وَلَا مَنْ یُغَنِّیْ لِلنَّاسِ وَلَا مَنْ یَّاْتِیْ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْکَبَائِرِ

لعب ہمیشہ شراب پینے والے کی گواہی' نہ اس کی جو پرند بازی کرے' نہ اس کی جو لوگوں کے لئے گائے' نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے

الَّتِیْ یَتَعَلَّقُ بِہَا الْحَدُّوَلَا مَنْ یَّدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَیْرِ اِزَارٍ وَّلَا مَن یَّاْکُلُ الرِّبٰوا وَلَا الْمُقَامِرُ بِالنَّرْدِ

جن سے حد متعلق ہوتی ہے نہ اس کی جو داخل ہو حمام میں بلا تہبند، نہ اس کی جو کھائے سود، نہ اس کی جو کھیلے نرد

وَالشَّطْرَنْجِ وَلَا مَنْ یَّفْعَلُ الْاَفْعَالَ الْمُسْتَخِفَّۃَ کَالْبَوْلِ عَلَی الطَّرِیْقِ وَالْاَکْلِ عَلَی الطَّرِیْقِ وَلَا تُقْبَلُ

اور شطرنج سے، نہ اس کی جو کرے حقیر و ذلیل کام جیسے راہ میں پیشاب کرنا اور راہ میں کھانا، اور مقبول

شَہَادَۃُ مَنْ یُّظْہِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ شَہَادَۃُ اَہْلِ الْاَہْوَاءِ اِلَّا الْخَطَّابِیَۃَ وَتُقْبَلُ شَہَادَۃُ اَہْلِ

نہیں گواہی اس کی جو برا بھلا کہتا ہو سلف کو اور مقبول ہے اہل ہوا کی شہادت بجز خطابیہ کے اور مقبول ہے ذمیوں کی

الذِّمَّۃِ بَعْضِہِمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّاِنِ اخْتَلَفَ مِلَلُہُمْ وَلَاتُقْبَلُ شَہَادَۃُ الْحَرْبِیِّ عَلَی الذِّمِّیِّ وَاِنْ کَانَتْ

گواہی بعض کی بعض پر گو ان کے مذہب مختلف ہوں' اور مقبول نہیں حربی کی گواہی ذمی پر' اگر ہوں

الْحسناتُ اغلب مِنَ السَّیِّاٰتِ والرَّجُلُ مِمَّنْ یَجْتَنِبُ الکبائرَ قُبِلَتْ شہادتُہٗ وَانْ اَلَمَّ بمعصیۃ
کی کی نیکیاں غالب برائیوں پر اور وہ پرہیز کرتا ہو کبیرہ گناہوں سے تو اس کی گواہی مقبول ہو گی گو وہ صغیرہ گناہ کرتا ہو

وَتُقْبلُ شہادۃُ الاَقْلَفِ وَالْخصیِّ وَوَلدِالزِّنا وَشہادۃُ الْخُنْثٰی جائزۃ
اور مقبول ہے نامختون آختہ اورحرامی کی گواہی اور خنثیٰ کی گواہی جائز ہے

گواہان مقبول وغیر مقبول کا بیان

توضیح اللغۃ اعمٰی۔اندھا محدود۔سزایافتہ اجداد۔جمع جد۔دادا مخنث۔ہیجڑا نائحہ۔مردے پررونے والی مغنیہ۔ڈومنی مدمن۔ہمیشگی کنندہ حمام۔گرمابہ ازار۔تہبند مقامر۔جوئے باز نرد۔شطرنج۔دوکھیل ہیں۔مستخفہ۔حقیر سب۔گالی سلف۔پہلے بزرگ خطابیہ۔روافض میں سے ایک گروہ ہے ملل۔جمع ملت دین الم۔چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہونا اقلف۔غیرمختون۔خصی۔آختہ۔

تشریح الفقہ قولہ شہادۃ الاعمی الخ طرفین کے ہاں اندھے کی شہادت مطلقاً غیر مقبول ہے۔امام مالک کے ہاں مطلقاً مقبول ہے کیونکہ شہادت کا جواز بلحاظ ولایت وعدالت ہے اور اندھا ہونا قادح ولایت وعدالت نہیں ہے۔امام ابویوسف وامام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ تحمل شہادت کے وقت بینا ہوتو شہادت مقبول ہے۔طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ادائیگی شہادت کے لئے مشہود لہ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ تمیز کی ضرورت ہوتی ہے اور نابینا اشارہ سے امتیاز نہیں کرسکتا وہ تو صرف آواز سے امتیاز کرسکتا ہے۔تو بہت ممکن ہے خصم اپنے فائدہ کے موافق اس کو کچھ تلقین کردے کیونکہ آوازیں باہم مشابہ جاتی ہیں اس لئے اس کی شہادت مقبول نہیں۔

قولہ ولا المحدود الخ احناف کے ہاں محدود فی القذف کی شہادت مقبول نہیں اگرچہ وہ تائب ہوگیا ہو۔ائمہ ثلاثہ کے ہاں توبہ کے بعد مقبول ہے۔یہ حضرات آیت ''ولا تقبلوالھم شہادۃ ابدا واولئک ھم الفسقون الا الذین تابوا'' اور ''اولئک ھم الفسقون'' دونوں جملوں کی طرف راجع مانتے ہیں۔ہمارے ہاں صرف اخیر کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ توبہ کے بعد وہ اللہ کے نافرمان بندوں میں شمار نہ ہوگا۔گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادۃ پھر بھی رہے۔والتفصیل فی المعدن۔

قولہ شہادۃ مخنث الخ جو مخنث قول وفعل میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے۔فعلی مشابہت یہ ہے کہ محل لواطت ہو اور قولی مشابہت یہ کہ ان جیسی نرم کلامی اختیار کرے تو اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ فاسق ملعون ہے۔حدیث میں ہے کہ ''خدا لعنت کرے مردوں میں سے مخنث پر اور عورتوں میں سے اس پر جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے[1]'' ہاں اگر پیدائشی طور پر اس کی زبان میں لوچ اور اعضاء میں تلین ہو اور مرتکب فواحش نہ ہوتو شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ امر اختیاری نہیں،گانے والی عورت اور نوحہ گر عورت جو دوسروں کی مصیبت میں اجرت لے کر روئے اس کی شہادت بھی مقبول نہیں۔ لانہ علیہ السلام نہی عن الصوتین الاحمقین النائحۃ والمغنیۃ[2]'' نیز ہمیشہ پینے والے کی شہادت بھی مقبول نہیں۔نشہ شراب سے ہو یا غیر شراب سے (صاحب بحر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ غیر خمر میں ادمان شرط ہے) جو شخص پرندوں سے بازی لگا کر کھیلتا ہو جیسے کبوتر بازی یا تیتر بازی وغیرہ اور جو شخص لوگوں کو راگ سناتا ہو اس کی شہادت بھی مقبول نہیں (گو وہ اجرت نہ لیتا

[1] ابوداؤد عن ابن عباس ۱۲ [2] ترمذی ابن ابی شیبہ ابن راہویہ ابن حمید طیالسی بیہقی عن جابر بزار حاکم عن ابن عوف ۱۲۔

ہو۔طحطاوی)اسی طرح جو شخص موجب حدامور یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا حمام میں برہنہ داخل ہوتا ہو اس کی شہادت بھی مقبول نہیں۔

قولہ اھل الاھواء الخ ہمارے ہاں اہل ہویٰ جبریہ، مرجیہ، قدریہ، روافض، خوارج، اہل تشبیہ وغیرہ کی شہادت علی الاطلاق مقبول ہے، اہل سنت پر ہو یا انہیں میں سے بعض کی بعض پر ہو بشرطیکہ ان کا اعتقاد مفضی الی الکفر نہ ہو۔ امام شافعی کے ہاں مقبول نہیں کیونکہ ان کا فسق نہایت شدید ہے۔ہم یہ کہتے ہیں۔کہ ان کا فسق اعتقادی ہے نہ کہ فعلی اور فاسق اعتقادی متہم بالکذب نہیں بخلاف فاسق فعلی کے کہ وہ متہم بالکذب ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں البتہ خطابیہ جو روافض میں سے ایک جماعت ہے ان کی شہادت متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں۔

قولہ اھل الذمۃ الخ ہمارے ہاں ذمیوں میں سے بعض کی شہادت بعض پر مقبول ہے گو ان کا دین مختلف ہو کیونکہ کل کفر ملت واحدہ ہے۔ امام مالک و شافعی کے ہاں مقبول نہیں کیونکہ ذمی فاسق ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ذمی میں اپنی ذات اور اولاد صغار پر ولایت کی اہلیت ہے۔تو وہ اپنی جنس پر شہادت کا اہل ہوگا۔ رہا فسق سو وہ اعتقادی ہے جو مانع شہادت نہیں ہے۔

وَاِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدَّعْوٰى قُبِلَتْ وَاِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ وَيُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي
جب موافق ہو گواہی دعویٰ کے تو قبول کی جائے گی اور اگر اس کے مخالف ہو تو قبول نہ ہو گی اور معتبر ہے گواہوں کا متفق ہونا

اللَّفْظِ وَالْمَعْنٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَّالْاٰخَرُ بِاَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ
لفظ اور معنی میں امام صاحب کے نزدیک پس اگر گواہی دی ایک نے ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو مقبول نہ ہو گی

شَهَادَتُهُمَا عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تُقْبَلُ بِالْاَلْفِ وَ
ان کی گواہی امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مقبول ہو گی ایک ہزار کی

اِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَّالْاٰخَرُ بِاَلْفٍ وَّ خَمْسِ مِائَةٍ وَّالْمُدَّعِيْ يَدَّعِيْ اَلْفًا وَّ خَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ
اگر ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی دعویٰ کر رہا ہے پندرہ سو کا تو قبول کی جائے گی

شَهَادَتُهُمَا بِاَلْفٍ وَّاِذَا شَهِدَ بِاَلْفٍ وَّقَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا
ان کی گواہی ایک ہزار کی، جب دو نے گواہی دی ہزار کی اور ایک نے کہا کہ ان میں سے پانچ سو دے چکا تو قبول ہو گی ان کی گواہی

بِاَلْفٍ وَّلَمْ يُسْمَعْ قَوْلُهٗ اَنَّهٗ قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ مَعَهٗ اٰخَرُ وَيَنْبَغِيْ لِلشَّاهِدِ
ہزار کی اور نہ سنا جائے گا اس کا یہ قول کہ پانچ سو دے چکا مگر یہ کہ گواہی دے اس کے ساتھ دوسرا بھی اور شاہد کو چاہیے

اِذَا عَلِمَ ذٰلِكَ اَنْ لَّايَشْهَدَ بِاَلْفٍ حَتّٰى يُقِرَّالْمُدَّعِيْ اَنَّهٗ قَبَضَ خَمْسَمِائَةٍ وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ
جب وہ یہ جانتا ہو کہ گواہی نہ دے ہزار کی یہاں تک کہ اقرار کر لے مدعی پانچ سو وصول کرنے کا، جب گواہی دی دو گواہوں نے

اَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَ شَهِدَاٰخَرَانِ اَنَّهٗ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوْفَةِ وَاجْتَمَعُوْا عِنْدَالْحَاكِمِ
کہ زید مارا گیا بقرعید کے دن مکہ میں اور دوسروں نے گواہی دی کہ وہ مارا گیا بقرعید کے دن کوفہ میں اور یہ سب جمع ہوئے حاکم کے پاس

لَمْ يُقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ فَاِنْ سَبَقَتْ اِحْدٰهُمَا وَقَضٰى بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْاُخْرٰى لَمْ تُقْبَلْ وَلَايَسْمَعُ
تو نہ قبول کرے دونوں گواہیاں اگر ایک گواہی پہلے ہو چکی اور اس پر حکم دے چکا پھر دوسری گواہی آئی تو قبول نہ کرے اور نہ سنے

الْقَاضِيْ الشَّهَادَةَ عَلٰى جَرْحٍ وَّلَا نَفْيٍ وَّلَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ اِلَّا مَا اسْتَحَقَّ عَلَيْهِ وَلَا يَجُوْزُ لِلشَّاهِدِ
قاضی گواہی جرح کے ہونے نہ ہونے پر اور نہ اس پر حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے اور جائز نہیں گواہی دینا

أَنْ يَشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ إِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُولَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِي فَإِنَّهُ
ایسی چیز کی جس کو نہ دیکھا ہو گواہ نے سوائے نسب' موت' نکاح' دخول' ولایت قاضی کے کہ
يَسَعُهُ أَنْ يَشْهَدَ بِهٰذِهِ الْأَشْيَاءِ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهِ
ان کی گواہی دے سکتا ہے جب ان کی خبر دی ہو اس کو قابل وثوق آدمی نے

اتفاق واختلاف شہادت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا وافقت الخ امام صاحب کے نزدیک تطابق شہادتین لفظاً اور معنیٰ ہر دو اعتبار سے ضروری ہے اور تطابق بطریق وضع ہونا چاہیئے۔ نہ کہ بطریق تضمن (مگر پچپن مسئلے اس سے مستثنیٰ ہیں) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف لفظی موافقت کافی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں شاہدوں کے الفاظ افادہ معنیٰ میں برابر ہوں خواہ بعینہ وہی لفظ ہو یا اس کا مرادف ہو تو اگر ایک ہبہ کی گواہی دے اور دوسرا عطیہ کی' تو گواہی مقبول ہوگی۔

قولہ فان شہد احد ھما الخ تطابق شہادتین پر متفرع ہے کہ دو شاہدوں میں سے ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اور اختلاف لفظی اختلاف معنوی پر دال ہوتا ہے چنانچہ ایک ہزار کو دو ہزار نہیں بولتے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقبول ہے کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں اس لئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو متضمن ہے اور ایک شاہد زیادتی میں منفرد ہے تو جس پر اتفاق ہے وہ ثابت ہوگا یعنی ایک ہزار اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی' اور مدعی نے پندرہ سو کا دعویٰ کیا تو بالاتفاق گواہی ایک ہزار پر مقبول ہوگی کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں لفظاً بھی اور معنیٰ بھی اس لئے کہ الف اور خمس مائتہ دو جملے ہیں جن میں سے ایک کا دوسرے پر عطف ہے والعطف یقرر الاول۔

قولہ قضاہ منہا الخ دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ پانچ سو یہ وصول کر چکا ہے تو ہزار میں ان دونوں کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس پر ان دونوں کا اتفاق ہے اور ایک گواہ کا یہ کہنا مسموع نہ ہوگا کہ اس نے پانچ سو وصول کر لیا ہے کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ ہاں اگر دوسرا بھی اس کے موافق گواہی دے تو مقبول ہوگی۔

قولہ ان زیدا قتل الخ چار گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور مکان قتل میں اختلاف کیا مثلاً دو نے کہا کہ بقر عید کے دن مکہ میں قتل ہوا ہے اور دوسرے نے کہا کہ بقر عید کے دن کوفہ میں قتل ہوا ہے اور یہ سب گواہ حاکم کے روبرو حاضر ہوں تو حاکم ان دونوں گواہیوں کو رد کر دے کیونکہ ان میں سے ایک گواہی بالیقین کاذب ہے اس واسطے کہ شخص واحد دو مرتبہ (اور دو جگہ) قتل نہیں ہو سکتا اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح ہے نہیں لہذا دونوں ساقط ہوں گی اور اگر ان میں سے ایک گواہی پہلے ہو گئی تھی جس کی بابت حاکم فیصلہ کر چکا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو یہ دوسری گواہی مردود ہو گی کیونکہ پہلی گواہی اتصال قضاء کی وجہ سے راجح ہو گئی تو اب وہ دوسری گواہی سے نہیں ٹوٹے گی۔

قولہ علی جرح الخ جرح سے مراد جرح مجرد ہے۔ یعنی اس فسق کا اظہار جو حق اللہ یا حق عبد کے اثبات سے خالی ہو اور اس پر مشہود علیہ سے دفع خصومت مرتب نہ ہو تو جو گواہی جرح مجرد پر ہو وہ مقبول نہیں کیونکہ گواہی حکم کی وجہ سے مقبول ہوتی ہے تو مشہود بہ کا تحت الحکم داخل ہونا ضروری ہے اور فسق تحت الحکم داخل نہیں کیونکہ حکم الزام ہوتا ہے اور قاضی کسی پر فسق لازم نہیں کر سکتا کیونکہ فاسق توبہ کر کے فسق کو دور کر سکتا ہے اس لئے قاضی جرح مجرد پر گواہی نہ سنے اور نہ اس کا حکم کرے۔ وعند الشافعی تسمع و یحکم بہ وھو روایۃ عن ابی یوسف۔

قولہ یعاینہ الخ جس چیز کا علم بذریعہ معاینہ حاصل نہ ہو اس کی گواہی دینا بالاجماع جائز نہیں مگر دس مسئلوں میں بلا معاینہ گواہی درست ہے

جب کہ اس سے کوئی ایسا شخص بیان کرے۔ جس پر اسے اعتماد ہو۔ ا۔ نسب ۔۲۔ موت ۔۳۔ نکاح ۔۴۔ دخول (یعنی صحبت) ۵۔ ولایت قاضی ۔۶۔ اصل وقف ۔۷۔ عتق ۔۸۔ ولاء ۔۹۔ مہر ۔۱۰۔ شرائط وقف ۔ وجہ یہ ہے کہ ان امور میں سوائے خواص کے اور کوئی موجود نہیں ہوتا پس گواہی مقبول نہ ہونے کی صورت میں تعطل احکام اور بڑا حرج لازم آئے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ حَقٍّ لَّايَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَلَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ

گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر ایسے حق میں جو ساقط نہ ہو شبہ سے اور قبول نہ کی جائے گی حدود اور قصاص میں

وَيَجُوْزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلٰى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلٰى شَهَادَةِ وَاحِدٍ

جائز ہے دو گواہوں کا گواہی دینا دو گواہوں کی گواہی پر اور مقبول نہیں ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر

وَصِفَةُ الْاِشْهَادِ اَنْ يَّقُوْلَ شَاهِدُ الْاَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِيْ اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ

اور گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کہے شاہد اصل شاہد فرع سے کہ گواہ ہو جا تو میری گواہی پر میں گواہی دیتا ہوں

فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ اَقَرَّعِنْدِيْ بِكَذَا اَوْاَشْهَدَنِيْ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَقُلْ اَشْهَدَنِيْ عَلٰى نَفْسِهٖ جَازَ

کہ فلاں بن فلاں نے اقرار کیا ہے میرے رو برو اتنے کا اور گواہ بنایا ہے مجھے اپنی ذات پر اگر "اشهد ني علی نفسه" نہ کہے تب بھی جائز ہے

وَيَقُوْلُ شَاهِدُالْفَرْعِ عِنْدَ الْاَدَاءِ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدَهٗ بِكَذَا وَقَالَ لِيْ اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِيْ

اور کہے شاہد فرع اداء شہادت کے وقت میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اقرار کیا ہے اس کے پاس اتنے کا اور مجھ سے کہا ہے کہ تو میری

بِذٰلِكَ فَاَنَا اَشْهَدُ بِذٰلِكَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ اِلَّا اَنْ يَّمُوْتَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ

گواہی پر گواہی دے پس میں گواہی دیتا ہوں اس کی مقبول نہیں شہود فرع کی گواہی مگر یہ کہ مر جائیں شہود اصل یا

يَغِيْبُوْا مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا اَوْيَمْرَضُوْا مَرَضًا لَايَسْتَطِيْعُوْنَ مَعَهٗ حُضُوْرَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ

غائب ہوں تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر یا اتنے بیمار ہوں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں

فَاِنْ عَدَّلَ شُهُوْدَ الْاَصْلِ شُهُوْدُ الْفَرْعِ جَازَوَاِنْ سَكَتُوْاعَنْ تَعْدِيْلِهِمْ جَازَوَيَنْظُرُ الْقَاضِيْ فِيْ

اگر عادل بتائیں شہود اصل کو شہود فرع تو یہ جائز ہے اور اگر وہ ان کی تعدیل سے خاموش رہیں تو یہ بھی جائز ہے اب قاضی ان کے

حَالِهِمْ وَاِنْ اَنْكَرَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ

حالات میں غور کرے اگر انکار کر دیں شہود اصل گواہی کا تو مقبول نہ ہو گی شہود فرع کی گواہی امام صاحب

اللّٰهُ فِيْ شَاهِدِ الزُّوْرِ اُشَهِّرُهٗ فِي السُّوْقِ وَلَا اُعَزِّرُهٗ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ نُوْجِعُهٗ ضَرْبًا وَّ نَحْبِسُهٗ

جھوٹی گواہی دینے والے کی بابت فرماتے ہیں کہ میں اس کی تشہیر کروں گا بازار میں سزا نہ دوں گا صاحبین فرماتے ہیں کہ ہم اسے خوب تکلیف دیں گے اور قید کریں گے

گواہی پر گواہی دینے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ جائزۃ الخ شہادت از روئے قیاس جائز نہیں کیونکہ شہادت بدنی عبادت ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر استحسانا جائز ہے کیونکہ بسا اوقات اصل شاہد موت یا سفر وغیرہ کی وجہ سے ادائے شہادت سے عاجز ہوتا ہے اگر شہادت فروع جائز نہ ہو تو اکثر حقوق ضائع ہو جائیں گے البتہ حدود و قصاص میں جائز نہیں کیونکہ اس میں بحیثیت بدلیت یا بحیثیت زیادۃ احتمال شبہ موجود ہے اور حدود و قصاص ادنیٰ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں ائمہ ثلاثہ کے ہاں ان میں مقبول ہے۔

قولہ ویجوز شہادۃ شاہدین الخ ہمارے ہاں دوشاہدوں کی شہادت پر دوسرے دوشاہدوں کی گواہی مقبول ہے۔امام شافعی کے ہاں چار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فرع کے ہر دو شاہد اصل کے ایک شاہد کے قائم مقام ہیں۔ ہماری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے''**لایجوز علی شہادۃ المیت الا رجلان**''(عبدالرزاق)

قولہ فان عدل الخ اگر شہود فرع نے شہود اصل کی تعدیل کی تو قبول کی جائے گی کیونکہ وہ اہل تعدیل ہیں اور اگر وہ خاموش رہیں تب بھی ان کی شہادت مقبول ہے اب قاضی شہود اصل کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا۔امام محمد کے نزدیک شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت بلاعدالت مقبول نہیں ہوتی اور جب انہوں نے تعدیل نہیں کی تو گویا ان کی طرف سے شہادت نقل نہیں کی۔امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ شہود فرع پر صرف نقل شہادت واجب ہے نہ کہ تعدیل لہذا ان کے حالات قاضی دریافت کرے گا۔

قولہ و قال ابو حنیفۃ الخ امام صاحب کے ہاں جھوٹی گواہی دینے والوں کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ بازار میں یا اس کی قوم میں اعلان کرایا جائے گا کہ یہ شخص شاہد زور ہے لہذا اس سے بچو صاحبین اور امام شافعی کے ہاں اس کو مار بھی لگائی جائے گی اور قید بھی کیا جائے گا کیونکہ حضرت عمرؓ نے شاہد زور کے چالیس کوڑے لگائے تھے اور اس کا منہ کالا کیا تھا[1]۔امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح شاہد زور کی تشہیر ہی کیا کرتے تھے جس میں کسی صحابی نے آپ پر کوئی نکیر نہیں کی۔رہی حدیث عمرؓ سو وہ سیاست پر محمول ہے۔سراجیہ میں فتویٰ اسی پر ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ الرُّجُوْعِ عَنِ الشَّهَادَةِ

شہادت سے رجوع کرنے کا بیان

اِذَارَجَعَ	الشُّهُوْدُ	عَنْ	شَهَادَتِهِمْ	قَبْلَ	الْحُكْمِ	بِهَا	سَقَطَتْ
جب پھر جائیں	گواہ	اپنی گواہی	سے	قبل	از حکم	تو	ساقط ہو جائے گی

شَهَادَتُهُمْ	وَلَا	ضَمَانَ	عَلَيْهِمْ	فَاِنْ	حَكَمَ	بِشَهَادَتِهِمْ	ثُمَّ	رَجَعُوْالَمْ	يَفْسَخِ	الْحُكْمُ	وَوَجَبَ
ان کی گواہی	اور	ضمان نہ ہوگا	ان پر	اگر	حکم کر چکا	ان کی گواہی پر	اس کے بعد	پھر گئے تو	فسخ نہ ہوگا	حکم	اور واجب ہوگا

عَلَيْهِمْ	ضَمَانَ	مَا	اَتْلَفُوْهُ	بِشَهَادَتِهِم	وَلَا	يَصِحُّ	الرُّجُوْعُ	اِلَّا	بِحَضْرَةِ	الْحَاكِمِ
ان پر	تاوان اس کا	جو	تلف کیا ہو	انہوں نے گواہی سے	اور	صحیح نہیں ہے	پھرنا	مگر	حاکم کے	سامنے

تشریح الفقہ **قولہ اذا رجع الشہود** الخ شرط صحت رجوع مجلس قضاء ہے کیونکہ رجوع عن الشہادہ فسخ شہادۃ ہے تو جس طرح شہادت کے لئے مجلس قضاء ضروری ہے اسی طرح فسخ شہادت کے لئے بھی ضروری ہے۔اب اگر شاہدین قضاء قاضی سے پیشتر شہادت سے رجوع کرلیں تو گواہی ساقط الاعتبار ہوگی اور قاضی اس پر کوئی حکم نہ کرے گا اور جب قاضی کی طرف سے کوئی حکم نہ ہو تو شاہدین پر کوئی تاوان نہ آئے گا کیونکہ انہوں نے مدعی یا مدعا علیہ کی کوئی چیز تلف نہیں کی اور اگر قضاء قاضی کے بعد رجوع کیا تو قاضی کا حکم فسخ نہ ہوگا کیونکہ صدق پر دلالت کے لحاظ سے خبر ثانی خبر اول کے مانند ہے اور خبر اول متصل بالقضاء ہو چکی لہذا قاضی کا حکم فسخ نہ ہوگا بلکہ شاہدوں نے مشہود علیہ کا جو مال تلف کرایا ہے وہ اس کا ضمان دیں گے۔ امام شافعی کے ہاں مشہود پر ضمان نہیں کیونکہ وہ تلف مال کے سبب ہیں اور قاضی مباشر ہے اور مباشر کے ہوتے ہوئے سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔جواب یہ ہے کہ یہاں قاضی مباشر پر ایجاب ضمان متعذر ہے کیونکہ وہ تو حکم کرنے کی طرف مضطر ہے اور شہود شہادت باطلہ سے اپنی ذات پر سبب ضمان کا اقرار کر چکے لہذا تاوان انہیں پر آئے گا۔

[1] عبدالرزاق ۱۲۔

وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِهٖ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الْمَالَ لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَاِنْ رَجَعَ

جب گواہی دی دو گواہوں نے مال کی اور حکم کر دیا حاکم نے اس کے مطابق اس کے بعد وہ پھر گئے تو مال کے ضامن ہوں گے مشہود علیہ کے لئے اگر ان میں

اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَاِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلٰثَةٌ فَرَجَعَ اَحَدُهُمْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَاِنْ رَجَعَ اٰخَرُ

سے ایک پھرا تو نصف کا ضامن ہو گا اگر گواہی دی مال کی تین آدمیوں نے ایک اور پھر گیا تو اس پر ضمان نہیں اور ایک اور پھر گیا

ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْمَالِ وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ فَرَجَعَتْ امْرَاَةٌ ضَمِنَتْ رُبْعَ الْحَقِّ

تو ضامن ہوں گے دونوں پھرنے والے نصف مال کے اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے ایک اور ایک عورت پھر گئی تو ضامن ہوگی چوتھائی حق کی

وَاِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَّ عَشْرُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانُ نِسْوَةٍ مِّنْهُنَّ فَلَا

اگر دو پھر گئیں تو ضامن ہوں گی نصف حق کی اگر گواہی دی ایک مرد اور دس عورتوں نے اور پھر گئیں ان میں سے آٹھ عورتیں تو

ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ فَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرٰى كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبْعُ الْحَقِّ فَاِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ فَعَلَى الرَّجُلِ

ان پر ضمان نہیں اور ایک اور پھر جائے تو عورتوں پر چوتھائی واجب ہو گا اگر مرد اور عورتیں سب پھر گئیں تو مرد پر حق کا

سُدُسُ الْحَقِّ وَ عَلَى النِّسَاءِ خَمْسَةُ اَسْدَاسِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ

چھٹا حصہ واجب ہو گا اور عورتوں پر پانچ حصے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مرد پر نصف حق

وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ وَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى امْرَاَةٍ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ

ہو گا اور نصف حق عورتوں پر گواہی دی دو گواہوں نے ایک عورت پر نکاح کی مہر مثل یا اس سے زائد مقدار پر

رَجَعَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ شَهِدَا بِاَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ وَكَذٰلِكَ

ہونے کی اس کے بعد وہ پھر گئے تو ان پر ضمان نہ ہوگا' اور اگر گواہی دی مہر مثل سے کم پر اس کے بعد پھر گئے تو ضامن نہ ہوں گے کمی کے اسی طرح

اِذَا شَهِدَا عَلٰى رَجُلٍ بِتَزْوِيْجِ امْرَاَةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَقَلَّ وَاِنْ شَهِدَا بِاَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ

جب گواہی دیں مرد پر کسی عورت سے نکاح کرنے کی اس کے مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر' اگر گواہی دیں مہر مثل سے زائد

الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ وَاِنْ شَهِدَا بِبَيْعِ شَیْءٍ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا

پر اس کے بعد پھر جائیں تو ضامن ہوں گے زیادتی کے' گواہی دی بیع ہونے کی مثل قیمت یا زیادہ کے عوض اس کے بعد پھر گئے تو ضامن

وَاِنْ كَانَ بِاَقَلَّ مِنَ الْقِيْمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ وَاِنْ شَهِدَا عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ قَبْلَ الدُّخُوْلِ

نہ ہوں گے اور اگر کم قیمت پر ہو تو ضامن ہوں گے کمی کے' گواہی دی ایک شخص پر کہ اس نے طلاق دے دی اپنی بیوی کو صحبت سے

بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَاِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ لَمْ يَضْمَنَا وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهٗ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ ثُمَّ

پہلے اس کے بعد پھر گئے تو ضامن ہوں گے نصف مہر کے' اور اگر صحبت کے بعد ہو تو ضامن نہ ہوں گے' گواہی دی کہ اس نے آزاد کر دیا اپنے غلام کو

رَجَعَا ضَمِنَا قِيْمَتَهٗ وَاِنْ شَهِدَا بِقِصَاصٍ ثُمَّ رَجَعَا بَعْدَ الْقَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَلَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُمَا

اس کے بعد پھر گئے تو ضامن ہوں گے اس کی قیمت کے' اگر قصاص کی گواہی دے کر پھر گئے قتل کے بعد تو ضامن ہوں گے دیت کے اور قصاص نہ لیا جائے گا ان سے

تشریح الفقہ قولہ للمشہود الخ باب ضمان میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں باقی ماندگان کا اعتبار ہے نہ کہ رجوع کنندگان کا ائمہ ثلاثہ کے

ہاں اس کا عکس ہے پس اگر شاہدین میں سے ایک نے رجوع کیا۔ تو اس پر نصف مال کا تاوان ہوگا کیونکہ دو مردوں کی شہادت میں ہر شاہد کی شہادت

سے نصف حجت قائم ہوتی ہے تو ایک کے رجوع کرنے پر نصف مال میں حجت باقی رہی پس رجوع کنندہ پر اس نصف کا تاوان ہوگا جس میں حجت باقی نہیں رہی اور اگر تین شاہدوں میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ باقی دو کی شہادت سے کل حق باقی ہے۔ اور اگر ایک اور نے رجوع کرلیا تو اب دونوں رجوع کنندگان نصف مال کے ضامن ہوں گے کیونکہ ایک شاہد باقی رہنے سے نصف مال باقی ہے لہذا رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے۔

قولہ وعشر نسوة الخ ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی اور آٹھ نے رجوع کرلیا تو ان پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی پوری شہادت باقی ہے اور اگر ایک اور عورت نے رجوع کرلیا تو سب عورتوں پر چوتھائی حق کا تاوان ہوگا کیونکہ ایک مرد اور ایک عورت کے باقی رہنے سے حق کے تین ربع باقی ہیں اور اگر سب نے رجوع کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک مرد پر مال کے چھٹے حصے کا تاوان آئے گا اور باقی پانچ سدس عورتوں پر۔ صاحبین کے نزدیک نصف مال کا ضمان مرد پر ہوگا اور نصف کا عورتوں پر کیونکہ عورتیں شہادت میں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اور ایک مرد کی شہادت سے نصف مال ثابت ہوا تو نصف باقی ان کی شہادت سے ثابت ہوگا لہذا ضمان بھی نصفا نصف ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو دس عورتیں پانچ مردوں کے قائم مقام ہوئیں۔

قولہ علی امرأة بالنکاح الخ پہلے ایک قاعدہ سمجھ لو، قاعدہ یہ ہے کہ اگر مشہود بہ مال نہ ہو جیسے قصاص' نکاح وغیرہ تو ہمارے نزدیک شہود ضامن نہیں ہوتے (خلافاً للشافعی) اور اگر مشہود بہ مال ہو اور رجوع شہادت کی وجہ سے وہ تلف ہو جائے تو اگر اتلاف بعوض مماثل ہو' تب بھی شہود پر ضمان نہیں ہوتا کیونکہ اتلاف بمقابلہ عوض بمنزلہ عدم اتلاف ہوتا ہے اور اگر اتلاف بعوض غیر مماثل ہو تو بقدر عوض ضمان نہ ہوگا اس کے علاوہ میں ضمان ہوگا اور اگر اتلاف بلاعوض ہو تو پورا تاوان دینا ہوگا۔ اب مسئلہ سمجھو: ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس پر گواہ بھی قائم کر دیئے۔ حالانکہ وہ منکر ہے اور قاضی نے شہادت کی وجہ سے نکاح کا فیصلہ کر دیا پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کرلیا تو ان پر ضمان نہ ہوگا۔ خواہ مہر مسمی بقدر مہر مثل ہو یا کم وبیش کیونکہ گواہوں نے شہادت نکاح کے ذریعہ منافع بضع کو تلف کیا ہے اور منافع بضع عند الاتلاف متقوم نہیں ہوتے کیونکہ تضمین مقتضی مماثلت ہے اور بضع اور مال میں کوئی مماثلت نہیں اور اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا پھر صورت مذکورہ پیش آئی تو اگر مہر مسمی مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہو تب بھی شہود ضامن نہ ہوں گے کیونکہ یہ اتلاف بمقابلہ عوض ہے۔ بایں معنی کہ دخول فی الملک کی حالت میں بضع شیٔ متقوم ہے اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زائد ہو تو شہود پر بقدر زیادت ضمان ہوگا جو وہ شوہر کو دیں گے کیونکہ شہود نے شوہر پر قدر زیادت کو بلاعوض تلف کیا ہے۔

قولہ وان شهد القصاص الخ شہود نے گواہی دی کہ خالد نے محمود کو عمداً قتل کیا ہے قاضی نے ان کی شہادت کی وجہ سے خالد کے قتل کا حکم دے دیا اور وہ مارا گیا اس کے بعد شہود گواہی سے پھر گئے تو ان پر دیت لازم ہوگی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی کے ہاں قصاص لیا جائے گا کیونکہ وہ قتل کا سبب بنے ہیں تو باعتبار تسبب ان سے قتل پایا گیا جواب یہ ہے کہ ان سے قتل نہیں پایا گیا' نہ مباشرۃ نہ تسبباً کیونکہ سبب تو وہ ہے جو باعتبار غالب مفضی الی القتل ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے لان العفو مندوب قال اللہ تعالیٰ "وان تعفوا اقرب للتقویٰ"۔

وَاِذَا رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ ضَمِنُوْا وَاِنْ رَّجَعَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ وَقَالُوْا لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَ الْفَرْعِ عَلٰی

جب پھر جائیں شہود فرع تو ضامن ہوں گے، اگر پھر جائیں شہود اصل اور کہیں کہ ہم نے گواہ نہیں بنایا شہود فرع کو

شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ وَاِنْ قَالُوْا اَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا ضَمِنُوْا وَاِنْ قَالَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ

اپنی شہادت پر تو ان پر ضمان نہ ہوگا' اگر یہ کہیں کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا اور ہم نے غلطی کی تو ضامن ہوں گے اگر کہا شہود فرع نے

كَذَبَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ غَلِطُوْا فِيْ شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ اِلٰی ذٰلِكَ وَاِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَ

کہ جھوٹ بولا ہے شہود اصل نے یا انہوں نے غلطی کی ہے گواہی میں تو التفات نہ کیا جائے گا اس کی طرف' گواہی دی چار نے زنا کی اور

شَاهِدَانِ بِالْاِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الْاِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوا وَاِذَا رَجَعَ الْمُذَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوا
دو نے محصن ہونے کی اس کے بعد پھر گئے احصان کے گواہ تو ضامن نہ ہوں گے جب پھر جائیں مزکی لوگ تزکیہ سے تو ضامن ہونگے

وَاِذَاشَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِيْنِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوْا فَالضَّمَانُ عَلَى شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً
گواہی دی دو نے قسم کی اور دو نے شرط پائے جانے کی اس کے بعد سب پھر گئے تو ضمان خاص کر قسم کے گواہوں پر ہو گا

تشریح الفقہ قولہ واذا رجع الخ اگر شہود فرع شہادت سے رجوع کرلیں تو وہ ضامن ہوں گے کیونکہ قاضی کی مجلس میں شہادت انہیں سے صادر ہوئی ہے نہ کہ اصول سے اور انہیں کی شہادت پر قاضی کا حکم مبنی ہے لہذا اتلاف انہیں کی طرف مضاف ہوگا۔

قولہ وقالوا لم نشهد الخ اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر شاہد نہیں بنایا تو شہود اصل ضامن نہ ہوں گے کیونکہ ان کی طرف سے اتلاف نہیں ہے اور شہود فرع بھی ضامن نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے شہادت سے رجوع نہیں کیا اور اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے ان کو گواہ تو بنایا ہے لیکن ہم سے غلطی ہوئی ہے تو شیخین کے نزدیک اب بھی ضمان نہ ہوگا۔ امام محمد واحمد کے نزدیک مشہود علیہ کو اختیار ہے ضمان فروع سے لے کیونکہ قاضی کا حکم انہیں کی شہادت سے واقع ہوا ہے یا اصول سے لے کیونکہ شہود فرع نقل شہادت میں اصول کے نائب ہیں۔

قولہ شهدا ربعة الخ چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دوسرے دو گواہوں نے زانی کے محصن ہونے کی پھر ان دونوں نے شہادت سے رجوع کرلیا تو ان دو پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ احصان موجب رجم نہیں بلکہ علت رجم زنا ہے۔

قولہ المزکون الخ مزکی یعنی شہود کی عدالت ظاہر کرنے والا اگر تعدیل سے رجوع کرلے (جب کہ وہ جانتا تھا کہ شہود مثلاً غلام ہیں) تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن ہوگا' صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے تو شہود کی خوبی بیان کی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم شاہد کی طرف مضاف ہے اور شہادت بلا عدالت حجت نہیں ہوتی اور عدالت بلا تزکیہ ثابت نہیں ہوتی۔ تو مزکی کا تزکیہ حکم کے لئے علۃ العلۃ ہوا لہذا مزکی ضامن ہوگا۔

قولہ بالیمین الخ دو گواہوں نے گواہی دی کہ شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو دخول دار پر معلق کیا ہے پھر دوسرے دو شاہدوں نے وجود شرط یعنی دخول دار کی گواہی دی اور قاضی نے فیصلہ کردیا اس کے بعد شاہدوں نے رجوع کرلیا تو ضمان شہود یمین پر ہوگا نہ کہ شہود شرط پر کیونکہ شہود یمین علت حکم کے شہود ہیں اور تعلیق بالشرط مانع حکم تھی تو شرط پائے جانے کے وقت تلف اپنی علت کی طرف مضاف ہوگا۔

كِتَابُ اٰدَابِ الْقَاضِىْ

قاضی کے آداب کے بیان میں

لَاتَصِحُّ وِلَايَةُ الْقَاضِىْ حَتّٰى يَجْتَمِعَ فِى الْمُوَلّٰى شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ وَيَكُوْنُ مِنْ
صحیح نہیں قاضی ہونا یہاں تک کہ جمع ہوں اس میں جس کو قاضی بنایا گیا ہے شہادت کی شرطیں اور ہو وہ

اَهْلِ الْاِجْتِهَادِ وَلَا بَاْسَ بِالدُّخُوْلِ فِى الْقَضَاءِ لِمَنْ يَثِقُ بِنَفْسِهٖ اَنَّهٗ يُؤَدِّىْ فَرْضَهٗ وَيُكْرَهُ الدُّخُوْلُ فِيْهِ
اہل اجتہاد میں سے' اور کوئی حرج نہیں قاضی ہونے میں اس کے لئے جس کو اعتماد ہو خود پر فرائض قضاء کی انجام دہی کا اور مکروہ ہے اس کے

لِمَنْ يَّخَافُ الْعِجْزَ عَنْهُ وَلَا يَاْمَنُ عَلٰى نَفْسِهِ الْحَيْفَ فِيْهِ وَلَا يَنْبَغِىْ اَنْ يَّطْلُبَ الْوِلَايَةَ وَلَا يَسْاَلَهَا
لئے جس کو اندیشہ ہو اس سے عاجز ہونے کا اور مطمئن نہ ہو اپنے سے ظلم ہونے پر اور مناسب نہیں یہ کہ درخواست کرے عہدہ قضاء کی اور نہ ہو اس کا طلب گار

تشریح الفقہ لاتصح الخ جب تک کسی میں شہادت کی تمام شرطیں موجود نہ ہوں تو اس کا قاضی ہونا درست نہیں پس جو شخص لائق شہادت ہے وہی لائق قضاء ہے یعنی عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان، عادل ہونا، بینا، محدود فی القذف، بہرا اور گونگا نہ ہو۔ رہی اجتہاد کی بات، سو قاضی میں اہلیت اجتہاد کا ہونا بہتر ہے ضروری نہیں۔ ظاہر الروایہ یہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا حالانکہ آپ اس وقت حدیث السن تھے، مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ تھے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد شرط جواز ہے۔ صاحب کتاب کے ظاہر کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ مقلد کا قاضی ہونا صحیح نہیں۔ لکن الصحیح ماقدماہ۔

قولہ ولا باس الخ ایمان باللہ کے بعد قضاء بالحق عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "امام عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے[1]" علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضاء کے لئے متعین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس پر قبول قضاء فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے اور اگر اس کو ظلم کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور ظن غالب ہو تو حرام ہے اور اگر ظلم کا اندیشہ نہ ہو اور انصاف کی نیت ہو تو مباح ہے۔

قولہ ولاینبغی الخ اپنی زبان سے عہدہ قضاء کا سوال بلکہ اپنے دل میں اس کی خواہش بھی نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جو شخص قضاء کا سوال کرے گا اس کو اس کی ذات کے سپرد کیا جائے گا (یعنی اس کو من جانب اللہ توفیق خیر نہ ہوگی) اور جس کو زبردستی قاضی بنایا جائے گا اس پر فرشتہ نازل ہوگا جو اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھے گا[2]" ولبعضھم نظمًا ؎

احذر من الواوات ار
بعة فھومن الحتوف
واوالولایة والوکا
لة والوصایة والوقوف

وَمَنْ قُلِّدَ الْقَضَاءَ سُلِّمَ اِلَیْهِ دِیْوَانُ الْقَاضِی الَّذِیْ کَانَ قَبْلَهٗ وَیَنْظُرُ فِیْ حَالِ الْمَحْبُوْسِیْنَ فَمَنِ

جو عہدہ قضا قبول کر لے تو حوالے کیا جائے گا اس کے اس قاضی کا دفتر جو اس سے پہلے تھا اب وہ غور کرے قیدیوں کے حالات میں پس جو

اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِحَقٍّ اَلْزَمَهٗ اِیَّاهُ وَمَنْ اَنْکَرَلَمْ یَقْبَلْ قَوْلَ الْمَعْزُوْلِ عَلَیْهِ اِلَّا بِبَیِّنَةٍ فَاِنْ لَّمْ تَقُمْ

ان میں سے اقرار کرے حق کا تو اس پر وہ لازم کر دے اور جو انکار کرے تو نہ مانے معزول قاضی کی بات مگر بینہ کے ساتھ اگر بینہ قائم

بَیِّنَةٌ لَمْ یُعَجِّلْ بِتَخْلِیَتِهٖ حَتّٰی یُنَادِیَ عَلَیْهِ وَیَسْتَظْهِرُ فِیْ اَمْرِهٖ وَیَنْظُرُ فِی الْوَدَائِعِ وَارْتِفَاعِ الْوُقُوْفِ

نہ ہو تو عجلت نہ کرے رہا کرنے میں یہاں تک کہ اس کی منادی کرائے اور انتظار کرے اس کی بابت اور غور کرے ودیعتوں میں اوقاف کی آمدنیوں میں

فَیَعْمَلَ عَلٰی حَسَبِ مَا تَقُوْمُ بِهِ الْبَیِّنَةُ اَوْیَعْتَرِفُ بِهٖ مَنْ هُوَ فِیْ یَدِهٖ وَلَایَقْبَلُ قَوْلَ الْمَعْزُوْلِ

پس عمل کرے اس کے مطابق جو ثابت کرے بینہ یا اقرار کرے وہ شخص جس کے قبضہ میں ہیں یہ چیزیں اور نہ مانے معزول قاضی کی بات

اِلَّا اَنْ یَّعْتَرِفَ الَّذِیْ هُوَ فِیْ یَدِهٖ اَنَّ الْمَعْزُوْلَ سَلَّمَهَا اِلَیْهِ فَیَقْبَلُ قَوْلَهٗ فِیْهَا وَیَجْلِسُ لِلْحُکْمِ

مگر یہ کہ اقرار کرے وہ شخص جس کے قبضہ میں ہے کہ معزول قاضی نے اس کے حوالے کی ہے پس اس کی بات مان لے اور حکم کے لئے جلوس

[1] ابن راھویہ عن ابن عباس ۱۲۔ [2] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابن راھویہ، بزار، حاکم عن انس ابن مالک ۱۲۔

جُلُوْسًا ظَاهِرًا فِي الْمَسْجِدِ وَلَايَقْبَلُ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ ذِي رَحِمٍ مَّحْرَمٍ مِّنْهُ اَوْمِمَّنْ جَرَتْ
عام کرے مسجد میں اور نہ قبول کرے ہدیہ مگر ذی رحم محرم کا یا اس کا جس کی

عَادَتُهٗ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِمُهَادَاتِهٖ وَلَايَحْضُرُ دَعْوَةً اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ عَامَّةً وَّيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ وَ
عادت ہو قاضی ہونے سے پہلے ہدیہ دینے کی اور نہ جائے دعوت میں مگر یہ کہ عام دعوت ہو اور شامل ہو جنازہ میں اور

يَعُوْدُ الْمَرْضٰى وَلَا يُضِيْفُ اَحَدَالْخَصْمَيْنِ دُوْنَ خَصْمِهٖ فَاِذَا حَضَرَسَوّٰى بَيْنَهُمَا فِي الْجُلُوْسِ
بیمار پرسی کرے اور مہمان نوازی نہ کرے خصمین میں سے تنہا ایک کی اور جب وہ آئیں تو بیٹھک اور توجہ میں

وَالْاِقْبَالِ وَلَا يُسَارُّاَحَدَهُمَا وَلَايُشِيْرُ اِلَيْهِ وَلَايُلَقِّنُهٗ حُجَّةً فَاِذَاثَبَتَ الْحَقُّ عِنْدَهٗ وَ طَلَبَ
برابری رکھے اور سرگوشی نہ کرے کسی ایک سے نہ کوئی اشارہ کرے نہ کوئی حجت سکھائے جب ثابت ہو جائے حق اس کے نزدیک اور طلب

صَاحِبُ الْحَقِّ حَبْسَ غَرِيْمِهٖ لَمْ يُعَجِّلْ بِحَبْسِهٖ وَاَمَرَهٗ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَاِنِ امْتَنَعَ حَبَسَهٗ
کرے صاحب حق مقروض کے قید کرنے کو تو جلدی نہ کرے قید کرنے میں بلکہ حکم کرے اس کو ادا کرنے کا اگر وہ باز رہے تو قید کرے

فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهٗ بَدَلًا عَنْ مَّالٍ حَصَلَ فِي يَدِهٖ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ اَوِالْتَزَمَهٗ بِعَقْدٍ
ہر ایسے قرض میں جو لازم ہوا ہو اس کو ایسے مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کو جیسے مبیع کی قیمت اور بدل قرض یا اس کا التزام کیا ہو عقد کے

كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ وَلَايَحْبِسُهٗ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ اِذَا قَالَ اِنِّيْ فَقِيْرٌ اِلَّا اَنْ يُّثْبِتَ غَرِيْمُهٗ اَنَّ لَهٗ
ذریعہ جیسے مہر یا کفالت اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جب وہ کہے کہ میں فقیر ہوں الا یہ کہ ثابت کر دے قرض خواہ کہ اس

مَالًا وَيَحْبِسُهٗ شَهْرَيْنِ اَوْثَلٰثَةً ثُمَّ يَسْاَلُ عَنْهُ فَاِنْ لَّمْ يَظْهَرْ لَهٗ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ وَلَا يَحُوْلُ
کے پاس مال ہے اور قید رکھے اس کو دو تین ماہ پھر مال کی تحقیق کرے اگر مال ظاہر نہ ہو تو اسے رہا کر دے اور حائل نہ ہو

بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غُرَمَائِهٖ وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ وَلَايُحْبَسُ وَالِدٌ فِيْ دَيْنِ وَلَدِهٖ اِلَّا
اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان قید کیا جائے شوہر بیوی کے نفقہ میں نہ قید کیا جائے باپ کو بیٹے کے قرض میں مگر

اِذَاامْتَنَعَ مِنَ الْاِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَيَجُوْزُ قَضَاءُ الْمَرْاَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ
جب وہ باز رہے اس پر خرچ کرنے سے جائز ہے عورت کا قاضی ہونا ہر معاملہ میں سوائے حدود و قصاص کے

توضیح اللغۃ قلد القضاء۔ قاضی بنانا' دیوان۔ دفتر' محبوسین۔ قیدی لوگ' یستظہر۔ احتیاط کرے' ودائع جمع ودیعت' ارتفاع۔ مراد غلہ' مہاداۃ۔ ایک دوسرے کو ہدیہ دینا' جنائز جمع جنازہ' مرضی جمع مریض' یضیف۔ مہمانی کرنا' یسار۔ سرگوشی کرنا' حبس۔ قید کرنا' غریم۔ قرض دار' خلی سبیلہ۔ رہا کر دے' لایحول۔ حائل نہ ہو' غرماء جمع غریم۔ قرض خواہ' انفاق۔ خرچ کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ ومن قلد الخ جس شخص کو قاضی بنایا جائے تو اس سے پہلے قاضی کا وہ دفتر یعنی رجسٹر اس کے حوالے کر دیا جائے جس میں احکام اور دستاویز ہوتی ہیں پس یہ قاضی قیدیوں کی بابت خوب تحقیقات کرے اور جو قیدی کسی کے حق کا اقرار کرے اس پر اس کو لازم کر دے اور جو انکار کرے تو اس کی بابت معزول قاضی کا قول بینہ کے بغیر نہ مانے اگر وہ بینہ پیش نہ کر سکے تو اس کی رہائی میں عجلت نہ کرے بلکہ منادی کرائے کہ اگر فلاں قیدی کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو تو وہ آ کر درخواست کرے۔

قولہ وارتفاع الوقوف الخ قاضی منصوب اموال ودیعت اور محاصل وقف میں گواہی یا قابض کے اقرار سے عمل کرے اور معزول قاضی

کے قول پر عمل نہ کرے کیونکہ اب وہ رعایا کا ایک فرد ہوگیا ہے۔ ہاں اگر قابض یہ اقرار کرے کہ معزول قاضی نے مجھ کو ودائع اور محاصل اوقاف سپرد کیئے ہیں تو ان کی بابت معزول قاضی کا قول مقبول ہوگا کیونکہ قابض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ معزول قاضی کا قبضہ تھا

قولہ ویجلس للحکم الخ قاضی فیصلہ کے لئے مجلس میں یا اپنے گھر میں بیٹھے اور لوگوں کو آنے کی عام اجازت دے۔ امام شافعی کے ہاں مسجد میں فیصلہ کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ فیصلہ چاہنے کے لئے مشرک بھی آئے گا جو بشہادت قرآن نجس ہے اور حائضہ بھی آئے گی جس کے لئے دخول مسجد جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف میں اور خلفاء راشدین، تابعین، تبع تابعین فصل خصومات کے لئے مسجد میں بیٹھتے تھے اور آیت ''انما المشرکون نجس'' میں ظاہری نجاست مراد نہیں بلکہ باطنی یعنی اعتقادی نجاست مراد ہے اور حائضہ اپنے حیض سے باخبر کردے گی تو قاضی اس کے لئے مسجد کے دروازہ تک آجائے گا۔

قولہ ولایقبل هدیة الخ قاضی ہدیئے اور سوغات نہ لے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عامل کے متعلق توبیخاً فرمایا تھا ''**ھلا جلس فی بیت ابیه اوبیت امه فینظر ایھدی له ام لا**''[1] ہاں اگر کوئی قرابت دار یا وہ شخص ہدیہ پیش کرے جس کو قبل از قضاء ہدیہ دینے کی عادت تھی تو ان کے ہدایا قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ہدیہ بقدر عادت قدیمہ ہو اور ان میں خصومت نہ ہو۔ دعوت خاصہ کا بھی یہی حکم ہے کہ قاضی اس میں شرکت نہ کرے۔ دعوت خاصہ وہ ہے کہ اگر صاحب دعوت کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی نہیں آئے گا تو وہ دعوت نہ کرے۔ بعض کے نزدیک دعوت نکاح وختنہ کے علاوہ ہر دعوت اور بعض کے نزدیک دس آدمیوں تک دعوت خاصہ ہے اس سے زائد دعوت عامہ ہے۔

قولہ سویٰ بینھما الخ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ مدعی و مدعا علیہ کے درمیان بیٹھنے اور متوجہ ہونے میں مساوات برتے، سرگوشی، اشارہ، تلقین، ججت اور ضیافت وغیرہ سے پرہیز کرے تا کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور قاضی پر تہمت نہ لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مبتلا بالقضاء ہو تو اسے چاہیئے کہ مسلمانوں کے درمیان مجلس، اشارہ اور نظر میں برابری رکھے اور احد الخصمین پر آواز بلند نہ کرے[2]۔ نیز طرفین کے نزدیک قاضی شاہد کو شہادت کی تلقین نہ کرے کیونکہ اس میں احد الخصمین کی اعانت ہے امام ابو یوسف اور (ایک قول میں) امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شاہد پر ہیبت غالب ہو جس کی وجہ سے وہ شرائط شہادت اچھی طرح ادا نہ کر پائے تو اس کی اعانت میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ محل تہمت نہ ہو کیونکہ اگر اس کو تلقین نہ کی جائے تو حق ضائع ہو جائے گا۔ بزازیہ اور قنیہ وغیرہ میں ہے کہ متعلقات قضاء میں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے جو بقول علامہ طحطاوی اکثری ہے نہ کہ کلی۔

جیل خانہ کے احکام

قولہ فاذاثبت الحق الخ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ کو قید کرنے میں شتابی نہ کرے بلکہ اس کو ادائیگی حق کا حکم کرے اگر وہ ادائیگی سے انکار کرے اور مدعی کا حق وہ دین ہو جو مال کا عوض ہے یا اس نے کسی عقد کے ذریعہ لازم کیا ہے جیسے ثمن مبیع، قرض (گو کسی ذمی کا ہو) مہر معجل اور وہ دین جو اس کو عقد کفالت کی وجہ سے لازم ہوا ہے۔ تو ان صورتوں میں قاضی مدعا علیہ کو قید کرے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں محتاج ہوں تو اس کی بات نہ مانے کیونکہ دعویٰ فقر وافلاس امور مذکورہ کے منافی ہے اس واسطے کہ جب اس کے پاس مال (مبیع) اور قرض آیا ہے تو ادائیگی دین پر قدرت ثابت ہو چکی۔ نیز قبول مہر اور قبول کفالت پر اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایفاء حق پر قادر ہے۔

قولہ ولا یحبسه فیما سویٰ ذلک الخ اگر مدعی کا حق اشیاء اربعہ مذکورہ کے علاوہ ہو یعنی (۱) بدل خلع (۲) بدل مغصوب (۳) تلف کردہ شئی کا بدل (۴) بدل دم عمد (۵) بدل عتق نصیب شریک (۶) ارش جنایت (۷) قرابت دار کا نفقہ (۸) نفقہ زوجہ (۹) مہر

[1] بخاری عن ابی حمید الساعدی ۱۲ [2] ابن راہویہ، طبرانی، دارقطنی عن ام سلمہ ۱۲۔

موجل ہو اور مدعی علیہ اپنے افلاس کا دعویٰ کرے تو قاضی اس کو قید نہ کرے، اس واسطے کہ ہر شخص کے حق میں اصل عسرت و ناداری ہے کیونکہ ہر شخص عدیم المال پیدا ہوا ہے اور مدعی امر عارض یعنی مالداری کا دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا دعویٰ بلا شہادت مقبول نہ ہوگا۔ ہاں اگر مدعی اس کی تونگری ثابت کر دے تو قاضی اپنی صوابدید کے مطابق دو تین ماہ تک اسے قید رکھے اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہے کہ آیا اس کے پاس کچھ مال ہے یا نہیں اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے کیونکہ اب وہ مالدار ہونے تک مہلت دیئے جانے کا مستحق ہو چکا ہے۔

قوله ولایحول بینه الخ اگر رہائی کے بعد ارباب دیون اس کے ساتھ لگے رہنا چاہیں تو امام صاحب کے نزدیک قاضی ان کو منع نہ کرے کیونکہ محبوس مفلس کو ایفاء حق پر قدرت کے حصول تک مہلت ہے اور حصول قدرت ہر وقت ممکن ہے اس لئے وہ اس کے پیچھے لگے رہیں۔ تاکہ وہ مال کہیں چھپا نہ دے صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

قوله ویحبس الرجل الخ اگر شوہر بیوی کے نفقہ سے باز رہے اور نہ دے تو اس سلسلہ میں شوہر کو قید کیا جائے گا کیونکہ وہ امتناع کی وجہ سے ظالم ہے اور حبس ظلم کا بدلہ ہے لیکن باپ کو اس کی اولاد کے دین کے سلسلہ میں قید نہیں کیا جائے گا اس واسطے کہ حبس ایک قسم کی عقوبت ہے اور جب والدین کو بموجب نص قرآنی "اف" کہنا بھی حرام ہے تو وہ عقوبت حبس کے کب مستحق ہو سکتے ہیں؟ ہاں اگر باپ اپنی اولاد پر خرچ کرنے سے باز رہے اور اولاد صغیر و فقیر ہو تو قید کر دیا جائے گا کیونکہ عدم انفاق کی صورت میں بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے حدود و قصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں عورت قاضی ہو سکتی ہے کیونکہ عورت گو ناقص العقل ہے لیکن حدود و قصاص کے علاوہ میں شہادت کی اہل ہے اور یہ پہلے بیان ہو چکا کہ جو اہل شہادت ہے وہ اہل قضاء بھی ہے البتہ عورت کو قاضی بنانے والا گنہگار ہوگا کیونکہ بخاری کی حدیث ہے کہ "اس قوم کا بھلا نہ ہو جس نے اپنا کاروبار عورت کے سپرد کر دیا۔" محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِيْ اِلَى الْقَاضِيْ فِي الْحُقُوْقِ اِذَا شَهِدَ بِهٖ عِنْدَهٗ فَاِنْ شَهِدُوْا عَلٰى خَصْمٍ

مقبول ہے ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام تمام حقوق میں جب گواہی دے خط کی اس کے رو برو پس اگر گواہی دی مدعی علیہ

حَاضِرٍ حَكَمَ بِالشَّهَادَةِ وَ كَتَبَ بِحُكْمِهٖ وَاِنْ شَهِدُوْا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمِهٖ لَمْ يَحْكُمْ وَكَتَبَ

کے سامنے تو حکم لگا دے گواہی پر اور لکھ دے اپنا حکم اور اگر گواہی دی مدعی علیہ کی غیر موجودگی میں تو حکم نہ لگائے بلکہ گواہی

بِالشَّهَادَةِ لِيَحْكُمَ بِهَا الْمَكْتُوْبُ اِلَيْهِ وَلَايُقْبَلُ الْكِتَابُ اِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْرَجُلٍ وَّ امْرَاَتَيْنِ

لکھ دے تاکہ حکم لگائے اس پر مکتوب الیہ قاضی، مقبول نہ ہوگا خط مگر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے

وَيَجِبُ اَنْ يَّقْرَاَ الْكِتَابَ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوْا مَافِيْهِ ثُمَّ يَخْتِمُهٗ وَيُسَلِّمُهٗ اِلَيْهِمْ وَاِذَا وَصَلَ اِلَى

اور ضروری ہے یہ کہ پڑھے خط گواہوں کے رو برو تاکہ جان لیں وہ اس کا مضمون پھر مہر لگا کر ان کے حوالے کر دے اور جب پہنچے یہ خط

الْقَاضِيْ لَمْ يَقْبَلْهُ اِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ فَاِذَاسَلَّمَهُ الشُّهُوْدُ اِلَيْهِ نَظَرَاِلٰى خَتْمِهٖ فَاِذَاشَهِدُوْا

قاضی کے پاس تو قبول نہ کرے مگر مدعا علیہ کی موجودگی میں جب دیدیں گواہ وہ خط قاضی کو تو دیکھے قاضی اس کی مہر پس جب وہ گواہی دیں

اَنَّهٗ كِتَابُ فُلَانِ نِ الْقَاضِيْ سَلَّمَهٗ اِلَيْنَا فِيْ مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ قَرَاَهٗ عَلَيْنَا وَ خَتَمَهٗ فَتَحَهُ الْقَاضِيْ وَقَرَاَهٗ

کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے جو اس نے ہم کو دیا ہے اپنی مجلس قضاء میں اور ہمارے سامنے پڑھا ہے اور مہر لگائی ہے تو کھولے

عَلَى الْخَصْمِ وَاَلْزَمَهٗ مَا فِيْهِ وَلَا يُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِيْ اِلَى الْقَاضِيْ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ

اس کو قاضی اور پڑھے مدعی علیہ کے سامنے اور لازم کرے اس پر جو اس میں ہو قبول نہ کیا جائے ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود اور قصاص میں

وَلَيْسَ لِلْقَاضِيْ اَنْ يَّسْتَخْلِفَ عَلَى الْقَضَاءِ اِلَّا اَنْ يُّفَوَّضَ اِلَيْهِ ذٰلِكَ وَاِذَا رُفِعَ اِلَى الْقَاضِيْ حُكْمُ

جائز نہیں قاضی کے لئے اپنا نائب بنانا عہدہ قضاء پر الا یہ کہ سونپ دیا گیا ہو اس کو یہ جب فیصلہ کے لئے لایا جائے قاضی کے پاس کسی حاکم

حَاكِمٍ اَمْضَاهُ اِلَّا اَنْ يُّخَالِفَ الْكِتَابَ اَوِالسُّنَّةَ اَوِالْاِجْمَاعَ اَوْيَكُوْنَ قَوْلًا لَادَلِيْلَ عَلَيْهِ وَ

کا حکم تو اس کو بحال کر دے الا یہ کہ وہ مخالف ہو کتاب یا سنت یا اجماع کے یا ہو ایسا قول جس پر کوئی دلیل نہیں

لَايَقْضِيْ الْقَاضِيْ عَلَى الْغَائِبِ اِلَّا اَنْ يَّحْضُرَ مَنْ يَّقُوْمُ مَقَامَهٗ

حکم نہ لگائے قاضی غائب شخص پر الا یہ کہ حاضر ہو اس کا کوئی قائم مقام

ایک قاضی کی جانب سے دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ و یقبل کتاب القاضی الخ اعیان منقولہ اور ہر اس حق میں ایک قاضی دوسرے قاضی کے پاس لکھ سکتا ہے جو کسی شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہو جیسے دین' نکاح' طلاق' شفعہ' وکالت' وصیت' ایصاء' وراثت' موت' قتل موجب مال' نسب' غصب' امانت' مضاربت' عاریت، زمین' کپڑا' غلام' باندی وغیرہ امام محمد سے یہی مروی ہے۔ متاخرین فقہاء اسی پر ہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ سقوط بالشبہ کی قید سے حد اور قصاص خارج ہو گئے کہ ان میں خط پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ وہ حقوق ہیں جو شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

قولہ علی خصم حاضر الخ اگر شاہد لوگ خصم حاضر پر گواہی دیں تو قاضی بواسطہ شہادت حکم کر کے اپنے حکم کو لکھ لے تا کہ طول مدت سے واقعہ بھول نہ جائے محفوظ رہے اس کتاب کو جس میں قاضی کا حکم مندرجہ ہوتا ہے اسلاف کی اصطلاح میں ''سجل حکمی'' کہتے ہیں اور اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی اس پر حکم نہ کرے کیونکہ یہ قضاء علی الغائب ہے جو جائز نہیں بلکہ وہ گواہی اس قاضی کے پاس لکھ بھیجے جس کی ولایت میں خصم موجود ہے تا کہ مکتوب الیہ قاضی اس گواہی کے مطابق فیصلہ کرے۔ قاضی کے اس نوشتہ کو ''کتاب حکمی'' کہتے ہیں۔ اب قاضی کاتب اس مکتوب کو ان گواہوں کے سامنے پڑھے جو اس کا خط دوسرے قاضی کے پاس لے جائیں گے اور مہر لگا کر ان کے حوالے کر دے۔ یہ سب چیزیں طرفین کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابو یوسف کے مرجوع الیہ قول میں صرف ان کو اس بات پر گواہ کر لینا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کے پاس پہنچے تو وہ اس خط کو خصم اور گواہوں کی عدم موجودگی میں نہ پڑھے کیونکہ یہ ادائے شہادت کے درجہ میں ہے اس لئے ان کا حاضر ہونا ضروری ہے اور جب شاہد اس بات کی گواہی دے چکیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے جو اس نے ہم کو اپنی مجلس قضاء میں دیا ہے اور ہم کو پڑھ کر سنایا ہے اور مہر بھی لگائی ہے تو اب مکتوب الیہ قاضی اس خط کو کھول کر خصم کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں ہو اس کو خصم پر لازم کر دے۔

قولہ ان یستخلف الخ قاضی کسی دوسرے کو قضاء میں اپنا نائب نہ بنائے کیونکہ حاکم وقت نے اسی کو قاضی بنایا ہے ہاں اگر حاکم کی طرف سے اس کی اجازت ہو خواہ صراحۃً مثلاً وہ کہہ دے کہ تو جس کو چاہے اپنا نائب بنالے یا دلالۃً مثلاً وہ یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے قاضی القضاء کر دیا تو اس صورت میں دوسرے کو قاضی بنا سکتا ہے۔

قولہ واذا رفع الخ جب قاضی کے پاس کسی دوسرے قاضی کے حکم کا مرافعہ ہو اور قاضی اول کا حکم کتاب اللہ' وسنت رسول اور اجماع کے موافق ہو تو قاضی ثانی اس کو نافذ کر دے بشرطیکہ وہ حکم مجتہد فیہ ہو اور ہر قول مستند بالدلیل ہو ورنہ اس کو نافذ نہ کرے۔

قولہ علی الغائب الخ احناف کے ہاں قضاء بر غائب صحیح نہیں خواہ وہ اس کے حق میں مفید ہو یا مضر ہو الا یہ کہ اس کا کوئی نائب موجود ہو کہ اس کی موجودگی میں قضاء علی الغائب جائز ہے خواہ نائب حقیقی ہو جیسے اس کا وکیل' وصی اور متولی وقف یا نائب حکمی ہو جس کی انتیس صورتیں مجتبیٰ میں مذکور ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں قضاء علی الغائب جائز ہے اور دلیل یہ حدیث ہے ''البینة علی المدعی والیمین علی من انکر'' اس حدیث میں حضور و عدم حضور کی کوئی قید نہیں پس حضور خصم کی شرط لگانا زیادتی بلا دلیل ہے۔ ہماری یہ دلیل ہے کہ ''جب حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا تو ارشاد فرمایا تھا کہ احد الخصمین کے لئے حکم نہ کرنا جب تک کہ تو دوسرے کا کلام نہ سن لے[1] معلوم ہوا کہ دوسرے کے کلام کا معلوم نہ ہونا مانع حکم ہے اور ظاہر ہے کہ جب خصم یا اس کا نائب غائب ہو تو اس کے کلام کا علم نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی عدم موجودگی میں فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

وَاِذَاحَکَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا بَیْنَهُمَا وَرَضِیَا بِحُکْمِهٖ جَازَاِذَکَانَ بِصِفَةِ الْحَاکِمِ وَلَایَجُوْزُ تَحْکِیْمُ
جب حکم بنا لیں دو آدمی کسی کو اور راضی ہو جائیں اس کے فیصلہ پر تو جائز ہے جبکہ ہو حکم حاکم کی صفت پر اور جائز نہیں حکم بنانا

الْکَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالذِّمِّیِّ وَالْمَحْدُوْدِ فِی الْقَذْفِ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِیِّ وَلِکُلٍّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُحَکِّمِیْنَ
کافر' غلام' ذمی، سزا یافتہ قذف، فاسق اور بچہ کو اور حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے

اَنْ یَّرْجِعَ مَالَمْ یَحْکُمْ عَلَیْهِمَا فَاِذَا حَکَمَ عَلَیْهِمَا لَزِمَهُمَا وَاِذَا رُفِعَ حُکْمُهٗ اِلَی الْقَاضِیْ فَوَافَقَ
یہ کہ وہ رجوع کر لیں جب تک وہ کوئی حکم نہ کرے ان پر جب وہ حکم کر چکے تو حکم ان پر لازم ہو جائے گا' جب اس کا حکم قاضی کے ہاں لایا جائے اور وہ موافق

مَذْهَبَهٗ اَمْضَاهُ وَاِنْ خَالَفَهٗ اَبْطَلَهٗ وَلَایَجُوْزُ التَّحْکِیْمُ فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَاِنْ
ہو اس کے مذہب کے تو بحال کر دے اور خلاف مذہب ہو تو باطل کر دے' جائز نہیں حکم بنانا حدود و قصاص میں اگر

حَکَّمَاهُ فِیْ دَمِ الْخَطَاءِ فَقَضَی الْحَاکِمُ عَلَی الْعَاقِلَةِ بِالدِّیَةِ لَمْ یَنْفُذْ حُکْمُهٗ وَیَجُوْزُ اَنْ یَّسْمَعَ
حکم بنا لیا کسی کو دم خطاء میں اس نے فیصلہ کر دیا عاقلہ پر دیت کا تو نافذ نہ ہو گا اس کا فیصلہ' جائز ہے یہ کہ سنے

الْبَیِّنَةَ وَیَقْضِیْ بِالنُّکُوْلِ وَحُکْمُ الْحَاکِمِ لِاَبَوَیْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ بَاطِلٌ
حکم بینہ اور فیصلہ کرے انکار کرنے پر حاکم کا حکم لگانا اپنے والدین' اولاد اور بیوی کے لئے باطل ہے

حکم (پنچ) بنانے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا حکم الخ متخاصمین نے ایک شخص کو اپنے درمیان فیصلہ کے لئے پنچ مقرر کر لیا اور اس نے گواہی یا اقرار یا انکار کے ذریعہ ان میں فیصلہ کر دیا تو یہ صحیح ہے۔ حدیث میں ہے کہ "حضرت ابو شریح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا' یا رسول اللہ! جب کسی چیز میں میری قوم کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور فریقین میرے فیصلہ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا خوب بات ہے یہ" (نسائی)

قولہ اذا کان بصفة الحاکم الخ صحت تحکیم کیلئے پنچ میں قضاء کی لیاقت کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہ وہ عاقل' بالغ' عادل، آزاد اور مسلمان ہو اور نابینا' بہرا اور محدود فی القذف نہ ہو پس کافر غلام' ذمی' سزا یافتہ قذف' فاسق اور نابالغ بچہ کو پنچ بنانا صحیح نہیں۔

قولہ فی الحدود والقصاص الخ حدود قصاص میں تحکیم جائز نہیں اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تحکیم ہر اس امر میں صحیح ہے جس کے کرنے کا متخاصمین کو اختیار ہو اور وہ بذریعہ صلح درست ہو جاتا ہو۔ اور جو صلح سے جائز نہ ہوتا ہو اس میں تحکیم صحیح نہیں پس بیوع' نکاح' طلاق' عتاق' کتابت' کفالت' شفعہ' نفقہ' اموال اور دیون میں تحکیم صحیح ہے اور حد زنا' حد سرقہ' حد قذف' قصاص اور دیت علی العاقلہ میں تحکیم صحیح نہیں۔

قولہ وان حکماہ الخ اگر مدعی اور مدعی علیہ نے دم خطاء میں کسی کو حکم بنایا اور اس نے عاقلہ پر خونبہا ادا کرنے کا حکم دے دیا تو اس کا یہ حکم جاری نہ ہو گا کیونکہ عاقلہ پر اس کی حکومت نہیں چل سکتی کیونکہ یہ ان کی طرف سے حکم نہیں ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

[1] ابو داؤد' ترمذی' احمد' اسحٰق' نیالسی' حاکم ۱۲۔

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

تقسیم کے بیان میں

يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ اَنْ يَنْصِبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ بَيْنَ
امام کو چاہئے کہ ایک قاسم مقرر کرے جس کی تنخواہ بیت المال سے دے تاکہ وہ تقسیم کرے

النَّاسِ بِغَيْرِ اَجْرٍ فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا يُقَسِّمُ بِالْاُجْرَةِ وَيَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ عَدْلًا مَامُوْنًا
لوگوں کے درمیان بلا اجرت اگر یہ نہ کر سکے تو مقرر کرے اجرت لے کر تقسیم کرنے والے کو اور ضروری ہے یہ کہ قاسم عادل و امین

عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ وَلَايُجْبِرُ الْقَاضِي النَّاسَ عَلٰى قَاسِمٍ وَّاحِدٍ وَلَايَتْرُكُ الْقُسَّامَ يَشْتَرِكُوْنَ وَ
اور عالم قسمت ہو اور مجبور نہ کرے قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر اور نہ چھوڑے قاسموں کو شراکت میں اور

اُجْرَةُ الْقِسْمَةِ عَلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ عَلٰى قَدْرِ
تقسیم کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ حصوں کے حساب

الْاَنْصِبَاءِ وَاِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِيْ وَفِيْ اَيْدِيْهِمْ دَارٌ اَوْ ضَيْعَةٌ وَّادَّعَوْا اَنَّهُمْ
سے ہوگی جب حاضر ہوں شریک لوگ قاضی کے پاس اور ہو ان کے قبضہ میں مکان یا زمین اور دعوی کریں کہ ہم

وَرِثُوْهَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ يَقْسِمْهَا الْقَاضِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمُوا الْبَيِّنَةَ
وارث ہیں اس کے فلاں سے تو نہ تقسیم کرائے اس کو قاضی امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ قائم کریں بینہ

عَلٰى مَوْتِهٖ وَعَدَدِ وَرَثَتِهٖ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُقَسِّمُهَا بِاعْتِرَافِهِمْ وَيَذْكُرُ فِيْ كِتَابِ
اس کے مرنے پر اور ورثاء کی تعداد پر صاحبین فرماتے ہیں کہ تقسیم کرا دے ان کے اقرار پر اور لکھ دے تقسیم کے

الْقِسْمَةِ اَنَّهٗ قَسَمَهَا بِقَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَّاِنْ كَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ مِمَّاسِوَى الْعِقَارِ وَادَّعَوْا
رجسٹر میں کہ تقسیم کرایا ہے ان کے کہنے پر اگر ہو مشترک مال زمین کے علاوہ اور دعوی کریں

اَنَّهٗ مِيْرَاثٌ قَسَمَهٗ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَّاِنْ ادَّعَوْا فِي الْعِقَارِ اَنَّهُمْ اشْتَرَوْهُ قَسَمَهٗ
کہ یہ میراث ہے تو اس کو تقسیم کرا دے سب کے قول میں، اگر دعویٰ کریں زمین کی بابت کہ یہ ہم نے خریدی ہے تو تقسیم کرا دے

بَيْنَهُمْ وَاِنْ ادَّعَوا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا كَيْفَ انْتَقَلَ اِلَيْهِمْ قَسَمَهٗ بَيْنَهُمْ
ان میں اگر دعوی کریں ملک کا اور یہ ذکر نہ کریں کہ کیسے آئی ان کے پاس تب بھی تقسیم کرا دے

تشریح الفقہ قولہ کتاب القسمۃ الخ لفظ قسمۃ اقتسام یا تقسیم سے اسم ہے۔ لغۃً تقسیم کرنے اور بانٹ لینے کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں ایک شخص کے حصہ شائعہ کو ایک معین حصے میں جمع کرنے کا نام قسمۃ ہے۔

قولہ ینبغی للامام الخ حاکم کو چاہیئے کہ تقسیم کے لئے ایک آدمی مقرر کر دے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہوتا کہ وہ بلا اجرت لوگوں کی جائیداد وغیرہ تقسیم کیا کرے کیونکہ قسمۃ جنس اعمال قضاۃ میں سے ہے۔ بایں معنی کہ قطع منازعت تقسیم کے بعد ہی تام ہوتی ہے پس اجرت تقسیم وظیفہ قاضی کے مشابہ ہے کہ جیسے قاضی کا وظیفہ بیت المال سے ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی بیت المال سے ہوگی۔

قولہ واجرۃ القسمۃ الخ امام صاحب کے نزدیک قسام کی اجرت وارثوں اور حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی۔ صاحبین امام

شافعی، امام احمد اور اصبغ مالکی کے نزدیک حصوں کے حساب سے ہوگی یعنی جس کا جتنا حصہ ہوگا اس سے حساب کر کے اتنی ہی اجرت لی جائے گی کیونکہ اجرت تقسیم ملک کے اخراجات میں سے ہے لہذا ملک ہی کے لحاظ سے معین کی جائے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اجرت، تمیز کے مقابلہ میں ہے اور تمیز میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ قاسم کو جتنا کام زائد حصہ والے کے لئے کرنا پڑے گا، اتنا ہی کم حصہ والے کے لئے کرنا پڑے گا اور حساب کبھی کم حصہ کا دشوار ہوتا ہے کبھی زائد کا اس لئے ملک کا اعتبار متعذر ہے لہذا تمیز ہی کا اعتبار ہوگا۔

قولہ و فی ایدیھم دار الخ کچھ لوگوں نے ایک زمین کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ ہم کو زید کی طرف سے وراثت میں ملی ہے اور زمین کو تقسیم کرانا چاہا تو امام صاحب کے نزدیک صرف ان کے دعوی پر زمین تقسیم نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت نہ کر دیں کہ زید کا انتقال ہو گیا اور ہم اتنے آدمی اس کے وارث ہیں۔ صاحبین اور امام شافعی کے ہاں ورثہ کے اعتراف پر ہی تقسیم کر دی جائے گی۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ مال منقول کی وراثت کا یا اس کی ملک مطلق کا یا اس کی خرید کا دعوی کریں تو جیسے ان صورتوں میں بالاتفاق گواہوں کے ذریعہ مزید تحقیق کی ضرورت نہیں اسی طرح غیر منقول کے دعویٰ میں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں تقسیم کرنا قضاء علی المیت ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے جس کی حجیت مقر تک محدود ہے۔ لہذا بینہ کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ ان کا اقرار میت کے خلاف حجت ہو سکے۔ نیز زمین بذات خود محفوظ ہے اس لئے اس کی تقسیم کی ضرورت نہیں بخلاف منقول کے کہ وہ معرض تلف میں ہوتی ہے تو اس کو تقسیم کرنے میں اس کی حفاظت اور حقدار کو اس کا حق پہنچانا ہے۔

وَاِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيْبِهٖ قُسِّمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمْ
جب شریکوں میں سے ہر ایک نفع اٹھا سکتا ہو اپنے حصے سے تو تقسیم کر دی جائے گی ایک کی طلب پر اور اگر ایک

يَنْتَفِعُ وَالْاٰخَرُ يَسْتَضِرُّ لِقِلَّةِ نَصِيْبِهٖ فَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيْرِ قُسِّمَ وَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ
نفع اٹھائے دوسرا نقصان اپنا حصہ کم ہونے کی وجہ سے تو اگر طلب کرے زائد حصہ والا تو تقسیم کر دی جائے گی اور اگر کم حصہ والا

الْقَلِيْلِ لَمْ يُقَسَّمْ وَاِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَسْتَضِرُّ لَمْ يُقَسِّمْهَا اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمَا
طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی اور اگر سب ہی کا نقصان ہوتا ہو تو تقسیم نہ کرے مگر ان سب کی رضاء مندی سے

جن صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے اور جن میں نہیں ہوتی ان کا بیان

قولہ و اذا کان الخ اگر مشترک چیز ایسی ہو کہ تقسیم کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور شرکاء میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے تو تقسیم کر دی جائے گی اور اگر بعض کا فائدہ ہوتا ہو اور بعض کا نقصان، تو جس کا حصہ زائد ہو اس کی طلب پر تقسیم کی جائے گی۔ عنایہ، نہایہ کفایہ، درایہ اور عام متون میں یہی ہے کافی اور ہدایہ میں اس کو اصح اور ذخیرہ میں مفتی بہ کہا ہے۔ امام جصاص نے ذکر کیا ہے کہ کم والے کی طلب پر تقسیم ہوگی اور حاکم شہید نے ذکر کیا ہے کہ صاحب قلیل و صاحب کثیر ہر ایک کی طلب پر تقسیم کر دی جائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ خواہرزادہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اگر تقسیم کرنے میں سب کا نقصان ہوتا ہو جیسے پن چکی، کنواں حمام وغیرہ تو تقسیم نہیں کی جائے گی جب تک کہ سب راضی نہ ہوں کیونکہ تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ ہر شریک اپنی ملک خاص سے منتفع ہو اور یہاں تقسیم کی صورت میں یہ مقصد فوت ہوتا ہے لہذا تقسیم نہیں کی جائے گی۔

وَيُقَسَّمُ الْعُرُوْضَ اِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَّاحِدٍ وَّلَا يُقَسَّمُ الْجِنْسَيْنِ بَعْضَهَا فِىْ بَعْضٍ اِلَّا
تقسیم کر دے سامان جب وہ ایک ہی قسم کا ہو اور تقسیم نہ کرے دو قسم کا سامان بعض کو بعض میں مگر

بِتَرَاضِيهِمَا وَقَالَ اَبُوحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُقَسِّمُ الرَّقِيْقَ وَلَاالْجَوَاهِرَ وَ قَالَ اَبُويُوسُفَ

ان کی رضاء مندی سے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تقسیم نہ کیا جائے غلاموں کو اور جواہر کو

وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُقَسِّمُ الرَّقِيْقَ وَلَا يُقَسِّمُ حَمَامٌ وَلَابِئْرٌ وَلَا رُحًى اِلَّا اَنْ يَتَرَاضَى الشُّرَكَاءُ

صاحبین فرماتے ہیں کہ تقسیم کیا جائے گا غلاموں کو اور نہیں تقسیم کیا جائے گا حمام کنواں اور پن چکی مگر یہ کہ رضاء مند ہوں سب شریک

وَاِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ عِنْدَالْقَاضِيْ وَاَقَامَاالْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِالْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِيْ

جب حاضر ہوں دو وارث قاضی کے پاس اور قائم کردیں بینہ وفات پر اور ورثہ کی تعداد پر اور مکان ان کے

اَيْدِيْهِمْ وَ مَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَّمَهَا الْقَاضِيْ بِطَلَبِ الْحَاضِرِيْنَ وَ نَصَبَ لِلْغَائِبِ وَكِيْلًا

قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ وارث غائب ہو تو تقسیم کر دے اس کو قاضی حاضرین کی طلب پر اور مقرر کر دے غائب کے لئے ایک وکیل

يَقْبِضُ نَصِيْبَهُ وَاِنْ كَانُوْامُشْتَرِيْنَ لَمْ يُقَسِّمْ مَعَ غَيْبَةِ اَحَدِهِمْ وَاِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِيْ

جو قبضہ کرے اس کے حصہ پر اور اگر وہ خریدار ہوں تو تقسیم نہ کرے ایک کی غیر موجودگی میں اگر ہو زمین

يَدِالْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوْشَيْءٌ مِّنْهُ لَمْ يُقَسِّمْ وَاِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَّاحِدٌ لَمْ يُقَسِّمْ وَاِذَا

وارث غائب کے قبضہ میں یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہ کرے اور اگر ایک ہی وارث حاضر ہو تو تقسیم نہ کرے، جب

كَانَتْ دُوْرٌ مُّشْتَرَكَةٌ فِيْ مِصْرٍ وَّاحِدٍ قُسِّمَ كُلُّ دَارٍ عَلٰى حِدَتِهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ

ہوں چند مشترک مکان ایک شہر میں تو تقسیم کیا جائے ہر ایک کو علیحدہ امام صاحب کے قول میں

اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِيْ بَعْضٍ قَسَّمَهَا وَاِنْ كَانَتْ

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر ہو بہتر ان کے لئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا تو تقسیم کر دے اسی طرح اگر ہو

دَارًاوَضَيْعَةً اَوْدَارًا وَحَانُوْتًا قَسَّمَ كُلَّ وَاحِدٍمِّنْهُمَا عَلٰيحِدَتِهٖ

مکان اور زمین یا مکان اور دوکان تو تقسیم کرے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ

توضیح اللغۃ عروض جمع عرض ـ اسباب' صنف ـ نوع' قسم' رقیق ـ غلام' جواہر جمع جوہرہ ـ ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے' حمام ـ گرمابہ' بئر ـ کنواں' رحی ـ پن چکی' نصب (ض) نصبًا' مقرر کرنا' عقار ـ زمین' دور جمع دار' مکان' ضیعۃ ـ زمین' حانوت ـ دکان ـ

تشریح الفقہ قولہ ویقسم العروض الخ اگر مشترک اسباب ایک ہی جنس کا ہو مثلاً کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی متقارب ہو یا سونا چاندی ہو تو ایک شریک کے طلب کرنے سے قاضی تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے پس وہ تقسیم کر کے حصہ رسد ہر حصہ دار کو دے دے گا کیونکہ یہاں سب کا مقصد برابر ہے تو یہ تقسیم تقسیم تمیز ہو گی جس میں قاضی کو جبر کا اختیار ہوتا ہے لیکن اگر اسباب مختلف الجنس ہو تو قاضی باختیار خود تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا کیونکہ یہاں اختلاف جنس کی وجہ سے اختلاط واتحاد نہیں ہے تو یہ تقسیم تقسیم تمیز نہ ہو گی بلکہ معاوضہ ہو گی اور قاضی کو جبر کا اختیار وہیں ہوتا ہے جہاں تقسیم بمعنی تمیز ہو اس لئے یہاں شرکاء کی رضاء پر اعتماد ہو گا نہ کہ قاضی کے اختیار جبر پر ـ

قولہ ولا یقسم الرقیق الخ امام صاحب کے نزدیک غلاموں کو (جب کہ ان کے ساتھ کوئی اسباب نہ ہو) اور جواہرات متفاوتہ لؤلؤ' یاقوت' زبرجد وغیرہ کو تقسیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے ـ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں غلاموں کو تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ جنس متحد ہے تو یہ اونٹ اور گھوڑوں کی طرح ہو گئے ـ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غلاموں میں مختلف اوصاف' عقل' ذہانت' خدمت کی

مشقتوں پر صبر' قوت برداشت' حیاء' وقار' صدق' شجاعت وفاداری' حسن خلق ملحوظ ہوتے ہیں جن پر نہ آ گہی ممکن ہے نہ ضبط مساوات پس یہ اجناس مختلفہ کے مثل ہو گئے بلکہ بعض اوقات صرف ایک غلام اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سینکڑوں غلاموں سے افضل ہوتا ہے۔ ؎

ولم ار امثال الرجال تفاوتاً

الی الفضل عدالف بواحد

قولہ ولایقسم حمام الخ حمام' کنوؤں اور پن چکیوں کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اسی طرح وہ دیوار جو دو مکانوں کے درمیان ہو کیونکہ ان کے ٹوٹنے میں جانبین کا نقصان ہے اس لئے تمام حصہ داروں کی رضا کے بغیر ان چیزوں کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

قولہ حضر وارثان الخ دو وارثوں نے مورث کی موت اور ورثہ کی تعداد پر گواہ قائم کئے اور زمین انہی دو کے قبضہ میں ہے اور ان کے ساتھ ایک اور وارث ہے جو غائب ہے اور حاضرین ورثہ نے تقسیم طلب کی تو زمین تقسیم کر دی جائے گی اور وارث غائب کے لئے ایک وکیل مقرر کر دیا جائے گا جو اس کے حصہ پر قبضہ کرے گا تا کہ اس کی حق تلفی نہ ہو۔

قولہ وان کانوا مشتریین الخ اور اگر طالبان تقسیم خریدار ہوں یعنی ان کی شرکت بطریق میراث نہ ہو بلکہ بذریعہ خرید ہو اور ان کا ایک شریک غائب ہو تو حاضرین کی طلب پر تقسیم نہ ہوگی کیونکہ جو ملک بذریعہ خرید ثابت ہوئی ہے وہ ملک جدید ہے پس شریک حاضر شریک غائب کی جانب سے خصم نہیں ہو سکتا بخلاف وراثت کے کہ اس میں ملک نہیں ہوتی بلکہ مورث کی طرف سے ملک نیابت ہوتی ہے۔

قولہ وان کان العقار الخ اور اگر زمین وارث غائب کے قبضہ میں ہو یا ورثہ میں سے صرف ایک وراث حاضر ہو تو تقسیم نہ ہوگی پہلی صورت میں تو اس لئے کہ قضاء علی الغائب لازم آتی ہے جو جائز نہیں اور دوسری صورت میں اس لئے کہ شخص واحد مخاصم اور مخاصَم نہیں ہو سکتا تو مقاسِم اور مقاسَم بھی نہیں ہو سکتا۔

قولہ دور مشترکۃ الخ کچھ لوگوں کے درمیان چند مکان مشترک ہیں اور ایک ہی شہر میں ہیں تو امام صاحب کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا باہم متصل ہوں یا ایک شہر کے دو محلوں میں ہوں۔ صاحبین کے ہاں علیحدہ علیحدہ تقسیم ضروری نہیں بلکہ اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ ایک مکان ایک شریک اور دوسرا مکان دوسرا شریک لے لے کیونکہ یہ اسم وصورت کے لحاظ سے جنس واحد ہیں اور اختلاف مقاصد کے اعتبار سے مختلف ہیں تو ان کا معاملہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ شرکاء کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس پر عمل کرے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ محلوں اور پڑوسیوں کے اچھے برے ہونے کے لحاظ سے اور مسجد اور پانی کے نزدیک اور دور ہونے کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جن میں برابری ناممکن ہے اس لئے ایک مکان میں ایک شریک کا حصہ آپس کی رضامندی کے بغیر جمع نہیں کیا جا سکتا اور اگر ایک مکان اور زمین یا مکان اور دکان مشترک ہوں تو ہر ایک کی تقسیم علیحدہ علیحدہ ہوگی۔

وَيَنْبَغِيْ لِلْقَاسِمِ اَنْ يُصَوِّرَ مَايَقْسِمُهٗ وَيُعَدِّلَهٗ وَيَذْرَعَهٗ وَيُقَوِّمَ الْبِنَاءَ وَيُفْرِدَ كُلَّ نَصِيْبٍ

قاسم کو چاہئے کہ نقشہ بنا لے اس کا جس کو تقسیم کرنا ہے اور برابر کر کے پیمائش کر لے اور عمارت کی قیمت لگا لے اور ہر ایک کا حصہ جدا کر دے

عَنِ الْبَاقِيْ بِطَرِيْقِهٖ وَشُرْبِهٖ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ لِنَصِيْبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيْبِ الْاٰخَرِ تَعَلُّقٌ وَيَكْتُبُ

باقی سے اس کے راستہ اور نالی کے ساتھ یہاں تک کہ نہ رہے بعض کے حصہ کا دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق اور لکھ لے

اَسَامِيَهُمْ وَيَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيْبًا بِالْاَوَّلِ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ بِالثَّانِيْ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ بِالثَّالِثِ

ان کے نام اور بنا لے قرعہ اور موسوم کرے ایک حصہ کو اول سے اور اس کے برابر والے کو ثانی سے اور اس کے برابر والے کو ثالث سے

وَ عَلٰی هٰذَا ثُمَّ یَخْرُجُ الْقُرْعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهٗ اَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِیًا فَلَهُ

وھکذا پھر نکالے قرعہ پس جس کا نام نکلے اولاً اس کے لئے پہلا حصہ ہو گا اور جس کا نام نکلے ثانیاً تو اس کے

السَّهْمُ الثَّانِیْ وَلَایَدْخُلُ فِی الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِیْرُ اِلَّا بِتَرَاضِیْهِمْ فَاِنْ قُسِّمَ بَیْنَهُمْ

لئے دوسرا حصہ ہو گا اور داخل نہ ہوں گے تقسیم میں دراہم و دنانیر مگر ان کی رضا مندی سے پس اگر تقسیم کر دیا گیا مکان

وَلِاَحَدِهِمْ مَسِیْلٌ فِیْ مِلْکِ الْاٰخَرِ اَوْطَرِیْقٌ لَمْ یُشْتَرَطْ فِی الْقِسْمَةِ فَاِنْ اَمْکَنَ صَرْفُ الطَّرِیْقِ

ان میں اور کسی کی نالی واقع ہو گئی دوسرے کی ملک میں یا راستہ واقع ہو گیا حالانکہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں تھی سو اگر ممکن ہو راہ یا نالی کو

وَالْمَسِیْلِ عَنْهُ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَسْتَطْرِقَ وَیُسِیْلَ فِیْ نَصِیْبِ الْاٰخَرِ وَاِنْ لَّمْ یُمْکِنْ فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ

ہٹانا اس کی طرف سے تو جائز نہیں اس کے لئے یہ کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصہ میں اور اگر ممکن نہ ہو تو ٹوٹ جائے گی تقسیم،

وَاِذَا کَانَ سِفْلٌ لَا عُلُوَّلَهٗ اَوْ عُلُوٌّ لَا سِفْلَ لَهٗ اَوْسِفْلٌ لَهٗ عُلُوٌّ قُوِّمَ کُلُّ وَاحِدٍ عَلٰی حِدَتِهٖ وَقُسِّمَ

جب ہو نچلا مکان جس پر بالاخانہ نہیں یا بالا خانہ اس کا نچلا مکان نہ ہو یا نچلا اور بالاخانہ دونوں ہو تو ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگا کر تقسیم کی جائے گی

بِالْقِیْمَةِ وَلَا یُعْتَبَرُ بِغَیْرِ ذٰلِکَ وَاِذَااخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُوْنَ فَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا

اور اعتبار نہ ہو گا اس کے علاوہ کا جب اختلاف کریں تقسیم کرانے والے اور گواہی دیں تقسیم کرنے والے تو قبول کی جائے گی ان کی گواہی

وَاِنْ ادَّعٰی اَحَدُهُمَا الْغَلَطَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ اَصَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ یَدِصَاحِبِهٖ وَقَدْ اَشْهَدَ عَلٰی نَفْسِهٖ بِالْاِسْتِیْفَاءِ

اگر دعوی کرے ان میں سے ایک غلطی کا اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ خود اقرار کر چکا تھا اپنا حق لے لینے کا

لَمْ یُصَدَّقْ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا بِبَیِّنَةٍ وَاِنْ قَالَ اسْتَوْفَیْتُ حَقِّیْ ثُمَّ قَالَ اَخَذْتُ بَعْضَهٗ فَالْقَوْلُ قَوْلُ

تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ اگر کہا کہ میں اپنا حق لے چکا پھر کہے کہ میں نے کچھ حصہ لیا ہے تو قول اس کے

خَصْمِهٖ مَعَ یَمِیْنِهٖ وَاِنْ قَالَ اَصَابَنِیْ اِلٰی مَوْضِعِ کَذَافَلَمْ یُسَلِّمْهُ اِلَیَّ وَلَمْ یُشْهِدْ عَلٰی نَفْسِهٖ

مدمقابل کا معتبر ہو گا اس کی قسم کے ساتھ، اگر کہے کہ پہنچتا ہے مجھ کو فلاں جگہ تک اور نہیں دیا مجھ کو وہاں تک لهذ اس نے اقرار نہیں کیا

بِالْاِسْتِیْفَاءِ وَکَذَّبَهٗ شَرِیْکُهٗ تَحَالَفَا وَ فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ نَصِیْبِ اَحَدِهِمَا

پورا حق لینے کا اور شریک نے اس کی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں گے اور تقسیم ٹوٹ جائے گی اگر کسی اور کا نکل آئے ان میں سے خاص ایک کا

بِعَیْنِهٖ لَمْ تُفْسَخِ الْقِسْمَةُ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَجَعَ بِحِصَّةِ ذٰلِکَ مِنْ نَصِیْبِ شَرِیْکِهٖ

کچھ حصہ تو تقسیم نہ ٹوٹے گی امام صاحب کے نزدیک بلکہ لے لے گا اتنا ہی اپنے شریک کے حصہ میں سے

وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی

طریق تقسیم وکیفیت قسمت کا بیان

تشریح الفقہ قولہ وینبغی للقاسم الخ تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ قاسم ایک کاغذ پر مکان یا زمین کا جس کو وہ تقسیم کرنا چاہے نقشہ بنالے اور سہام قسمت پر برابر تقسیم کرے پس سب سے کمتر سہم کو لے کر مقسوم کو اسی پر جاری کرے مثلاً اگر اقل سہام ثلث ہو تو تقسیم بطریق اثلاث کرے اور سدس

ہوتو بطریق اسداس نیز گز سے اس کی پیائش کرے کیونکہ مساحت کی مقدار گز ہی سے معلوم ہوتی ہے اور ہر شریک کے حصہ کو اس کی آبچک اور اس کے راستہ کے ساتھ جدا کر دے تاکہ کسی کا حصہ دوسرے کے حصہ سے متعلق نہ رہے پھر ہر ایک کے حصہ کو بقدر ضرورت اول' ثانی وغیرہ کے ساتھ موسوم کر کے گولیاں بنا کر قرعہ اندازی کرے اور جس گولی پر جس کا نام نکلے وہ اس کو دے دے۔

قولہ ولایدخل الخ زمین اور مکان کی تقسیم میں آپس کی رضاء کے بغیر دراہم و دنانیر داخل نہیں ہوتے مثلاً مشترک مکان میں ایک جانب عمارت زیادہ ہے اب ایک شریک چاہتا ہے کہ عمارت کے عوض میں درہم دے' دوسرا چاہتا ہے کہ زمین دے تو صاحب عمارت سے درہم نہیں دلائے جائیں گے بلکہ زمین ہی دلائی جائے گی وجہ یہ ہے کہ قسمت' حقوق ملک میں سے ہے اور شرکاء کی شرکت مکان میں ہے نہ کہ دراہم میں لہذا دراہم تقسیم میں داخل نہ ہوں گے۔

قولہ ولا حد هم مسیل الخ ایک مشترک مکان کی تقسیم ہوئی اور ایک شریک کا آبدان اور راستہ دوسرے کی ملک میں واقع ہوا۔ حالانکہ تقسیم میں اس اشتراک کی شرط نہیں تھی تو ان کو دوسری طرف پھرا دیں گے اگر یہ ممکن ہو تاکہ اشتراک ختم ہو جائے ورنہ پہلی تقسیم ختم کر کے دوبارہ تقسیم کی جائے گی تاکہ کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔

دومنزلہ مکانوں کی تقسیم کا بیان

قولہ واذاکان سفل الخ ایک نیچے والا مکان دو میں مشترک ہے اوپر والا کسی اور کا ہے یا اوپر والا دو میں مشترک ہے نیچے والا کسی اور کا ہے یا نیچے اوپر کا ایک مکان دو میں مشترک ہے تو امام محمد کے نزدیک ایسے مشترک مکانوں کی تقسیم علیحدہ علیحدہ قیمت لگا کر ہوگی۔ شیخین کے نزدیک پیائش سے ہوگی کیونکہ تقسیم میں اصل یہی ہے۔ نیز شرکاء کی شرکت مذروع میں ہے نہ کہ قیمت میں لیکن فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کیونکہ نیچے والے مکان میں کنواں کھودنا' تہہ خانہ اور اصطبل' بنانا' وغیرہ امور کی صلاحیت ہوتی ہے' اوپر والے میں نہیں ہوتی پس دونوں مکان بمنزلہ دو جنسوں کے ہوئے اس لئے شرکاء کے حصوں میں برابری قیمت ہی کے اعتبار سے ہو سکتی ہے۔

قولہ واذا اختلف الخ تقسیم ہو چکنے کے بعد کسی شریک نے کہا کہ مجھے میرا پورا حق نہیں ملا اور دو قاسموں نے گواہی دی کہ وہ پورا حق لے چکا تو شیخین کے نزدیک گواہی مقبول ہوگی۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں مقبول نہ ہوگی کیونکہ ان کی یہ گواہی خود اپنے فعل پر ہے جس میں تہمت کا امکان ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ ان کا فعل تقسیم کرنا ہے اور گواہی استیفاء حق پر ہے جو دوسرے کا فعل ہے اگر کسی شریک نے یہ کہا کہ تقسیم میں غلطی ہوئی ہے اور میرا کچھ حصہ دوسرے حصہ دار کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کر لینے کا اقرار کر چکا تھا۔ تو گواہی کے بغیر اس کی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ وہ تمامیت قسمت کے بعد اس کے فسخ کا مدعی ہے فلایصدق الاببینة۔

قولہ وان قال اصابنی الخ اگر ایک حصہ دار اپنا پورا حصہ لینے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک ہے اور وہاں تک میرے حصہ دار نے مجھے نہیں دیا اور دوسرا حصہ دار اس کی تکذیب کرے تو اس میں یہ دونوں قسم کھائیں گے اور قسمت فسخ ہو جائے گی کیونکہ مقدار ماحصل میں اختلاف ہونے کی وجہ سے عقد تام نہیں ہوا۔

قولہ وان استحق الخ تقسیم کے بعد ایک شریک کا کچھ حصہ کسی دوسرے مستحق کا نکل آیا تو طرفین کے ہاں اس کو اختیار ہے چاہے بقدر مستحق اپنے شریک سے لے چاہے باقی ماندہ کو واپس کر کے دوبارہ تقسیم کرا لے۔ امام ابو یوسف کے ہاں تقسیم دوبارہ ہی ہوگی کیونکہ اب تیسرا شریک نکل آیا اور وہ راضی نہیں۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک شریک کے حصے میں سے جزء شائع کے مستحق نکل آنے سے معنی افراز معدوم نہیں ہوتے اس لئے اس کو اختیار رہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الْإِكْرَاهِ

مجبور کرنے کا بیان

اَلْاِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهٗ اِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَّقْدِرُ عَلٰى اِيْقَاعِ مَايُوْعِدُ بِهٖ سُلْطَانًا كَانَ اَوْلِصًّا

اکراہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے جب حاصل ہو اس سے جو قادر ہو اس کے واقع کرنے پر جس کی دھمکی دی ہے بادشاہ ہو یا چور

تشریح الفقہ قولہ کتاب الاکراہ الخ کسی کو مجبور کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح فقہاء میں اکراہ وہ فعل ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے اس طرح کرے کہ اس کی رضامندی جاتی رہے یا اس کا اختیار فاسد ہو جائے۔ گویا اکراہ کی دو قسمیں ہیں۔ ملجی اور غیر ملجی۔ اول وہ ہے جس میں مکرہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو اس صورت میں مکرہ کی رضا فوت اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔ دوم وہ ہے جس میں جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف رضا فوت ہو جائے پس فوات رضا فساد اختیار سے عام ہے کیونکہ مقابل رضا کراہت ہے اور مقابل اختیار جبر ہے اور حبس وضرب کے اکراہ میں بلاشبہ کراہت موجود ہے تو رضا معدوم ہوگی لیکن اختیار مع وصف صحت موجود ہے کیونکہ اختیار اس وقت فاسد ہوتا ہے جب جان یا کسی عضو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو پس اکراہ غیر ملجی انہی تصرفات میں مؤثر ہوگا جن میں رضا کی احتیاج ہوتی ہے جیسے بیع' اقرار اجارہ وغیرہ اور اکراہ ملجی جملہ تصرفات میں مؤثر ہوگا۔

قولہ اذا حصل الخ تحقق اکراہ کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ا۔ مکرہ اس امر پر قادر ہو جس کا وہ خوف دلا رہا ہے خواہ شاہ وقت ہو یا چور ہو یا کوئی اور ہو۔ امام صاحب سے جو یہ ایک روایت ہے کہ اکراہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا یہ ان کے زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس زمانہ میں ایسی قدرت بادشاہ ہی کو ہوتی تھی آج کل یہ بات نہیں۔ آج کل تو ہر مفسد سے اکراہ ہو سکتا ہے جیسا کہ صاحبین کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ۲۔ مکرَہ کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ مکرِہ جس امر کا خوف دلا رہا ہے وہ اس کے ساتھ کر گزرے گا۔

وَاِذَا اُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ مَالِهٖ اَوْعَلٰى شِرَاءِ سِلْعَةٍ اَوْعَلٰى اَنْ يُقِرَّلِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْيُوَاجِرَ

جب مجبور کیا گیا کسی کو اپنا مال بیچنے یا کوئی سامان خریدنے یا کسی کے لئے ایک ہزار درہم کا اقرار کرنے یا اپنا مکان

دَارَهٗ وَاُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِالْقَتْلِ اَوْبِالضَّرْبِ الشَّدِيْدِ اَوْبِالْحَبْسِ فَبَاعَ اَوِاشْتَرٰى فَهُوَ بِالْخِيَارِ

کرایہ پر دینے پر قتل کر دینے یا سخت مارنے یا قید کرنے کی دھمکی کے ساتھ پس اس نے بیچ دیا یا خرید لیا تو اسے اختیار ہے

اِنْ شَاءَ اَمْضَى الْبَيْعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهٗ وَرَجَعَ بِالْمَبِيْعِ فَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ اَجَازَ

چاہے بیع کو جائز رکھے چاہے توڑ دے اور مبیع واپس لے لے اب اگر اس نے قیمت پر بخوشی قبضہ کیا تو گویا بیع کو جائز

الْبَيْعَ وَاِنْ كَانَ قَبَضَهٗ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِاِجَازَةٍ وَّ عَلَيْهِ رَدُّهٗ اِنْ كَانَ قَائِمًا فِيْ يَدِهٖ وَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ

کر دیا اور اگر قبضہ کیا مجبور ہو کر تو یہ اجازت نہ ہوگی اور قیمت واپس کرنی ہوگی اگر ہو اس کے پاس موجود اور اگر مبیع ہلاک ہو جائے

فِيْ يَدِالْمُشْتَرِيْ وَ هُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْمُكْرِهَ اِنْ شَاءَ

مشتری کے پاس اور وہ مجبور نہ ہو تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا بائع کے لئے اور جس کو مجبور کیا گیا ہے وہ ضمان لے سکتا ہے مکرہ سے اگر چاہے

احکام اکراہ کی تفصیل

توضیح اللغۃ سلعۃ۔ سامان، حبس۔ قید کرنا، طوعا۔ بخوشی، مکرَہ۔ جس پر زبردستی کی جائے، مکرِہ۔ زبردستی کرنے والا۔

تشریح الفقہ قولہ واذا اکرہ الرجل الخ ایک شخص کو بتہدید قتل یا بتخویف ضرب شدید یا حبس مدید کسی چیز کے فروخت کرنے یا خریدنے پر یا کسی کے لئے ایک ہزار روپے کا اقرار کرنے پر یا اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا مکان اس کو کرائے پر دے اور مکرَہ نے وہ چیز فروخت کر دی یا خرید لی یا ایک ہزار روپے کا اقرار کر لیا تو زوال اکراہ کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے ان عقود کو نافذ کرے اور چاہے فسخ کر ڈالے اور اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مکرہ کے تمام تصرف قول کے لحاظ سے منعقد ہوتے ہیں۔ اب جو عقود محتمل فسخ ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ ان کو وہ فسخ کر سکتا ہے اور جو عقود محتمل فسخ نہیں ہیں جیسے نکاح، طلاق، عتاق، تدبیر، استیلاد اور نذر وغیرہ ان کو فسخ نہیں کر سکتا بلکہ وہ لازم ہو جاتے ہیں۔ ہاں ائمہ ثلاثہ کے ہاں لازم نہیں ہوتے۔

قولہ وان ھلک الخ بائع نے جبر کے ساتھ ایک شئے فروخت کی اور مشتری نے اس کو بلا جبر خریدا پھر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہو گئی تو مشتری بائع کو اس کی قیمت کا تاوان دے گا کیونکہ مکرہ کی بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں بھی مبیع مشتری پر مضمون ہوتی ہے لیکن مکرَہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ مکرِہ یعنی جس نے اس پر جبر کیا تھا اس سے قیمت کا تاوان لے لے اس صورت میں مکرہ مشتری سے وصول کر لے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ اُکْرِہَ عَلٰی اَنْ یَّاْکُلَ الْمَیْتَۃَ اَوْیَشْرَبَ الْخَمْرَ وَاُکْرِہَ عَلٰی ذٰلِکَ بِحَبْسٍ اَوْبِضَرْبٍ اَوْقَیْدٍ لَمْ
اگر مجبور کیا گیا مردار کھانے یا شراب پینے پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی سے

یَحِلَّ لَہٗ اِلَّا اَنْ یُّکْرَہَ بِمَا یَخَافُ مِنْہُ عَلٰی نَفْسِہٖ اَوْعَلٰی عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِہٖ فَاِذَا خَافَ ذٰلِکَ وَسِعَہٗ
تو حلال نہ ہوگا اس کے لئے مگر یہ کہ مجبور کیا جائے ایسی دھمکی سے جس سے اندیشہ ہو اپنی جان یا کسی عضو کا جب اس کا اندیشہ ہو تو جائز ہے

اَنْ یُّقْدِمَ عَلٰی مَااُکْرِہَ عَلَیْہِ فَاِنْ صَبَرَحَتّٰی اَوْقَعُوْابِہٖ وَلَمْ یَاْکُلْ فَھُوَاٰثِمٌ وَاِذَااُکْرِہَ عَلَی الْکُفْرِ
یہ کہ اقدام کرے اس پر جس پر مجبور کیا گیا ہے اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ وہ گزر گزرے اس کے ساتھ اور اس نے نہ کھایا تو گنہگار ہوگا، اگر مجبور کیا گیا اللہ کا

بِاللّٰہِ تَعَالٰی اَوْبِسَبِّ النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِقَیْدٍ اَوْحَبْسٍ اَوْضَرْبٍ لَمْ یَکُنْ ذٰلِکَ اِکْرَاھًا حَتّٰی
انکار کرنے یا نبی علیہ السلام کو برا کہنے پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی سے تو یہ اکراہ نہ ہوگا یہاں تک

یُکْرَہَ بِاَمْرٍ یَّخَافُ مِنْہُ عَلٰی نَفْسِہٖ اَوْ عَلٰی عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِہٖ فَاِذَاخَافَ ذٰلِکَ وَسِعَہٗ اَنْ یُّظْھِرَ
کہ مجبور کیا جائے ایسی دھمکی سے جس سے اندیشہ ہو جان پر یا کسی عضو پر جب اس کا اندیشہ ہو تو جائز ہے یہ کہ ظاہر کرے اس

مَااَمَرُوْہُ بِہٖ وَیُوَرِّیْ فَاِذَا اَظْھَرَ ذٰلِکَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَاِنْ صَبَرَ حَتّٰی
کو جس کا انہوں نے حکم کیا ہے توریہ کرتے ہوئے جب وہ یہ ظاہر کر دے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس پر گناہ نہ ہوگا اگر اس نے صبر کیا اور

قُتِلَ وَلَمْ یُظْھِرِ الْکُفْرَ کَانَ مَاْجُوْرًا وَّاِنْ اُکْرِہَ عَلٰی اِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِاَمْرٍیَّخَافُ مِنْہُ عَلٰی
قتل کر دیا گیا اور کفر ظاہر نہ کیا تو اس کو اجر ملے گا اگر مجبور کیا گیا مسلمان کا مال تلف کرنے پر ایسی دھمکی سے جس سے اندیشہ ہو

نَفْسِہٖ اَوْعَلٰی عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِہٖ وَسِعَہٗ اَنْ یَّفْعَلَ ذٰلِکَ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ اَنْ یُّضَمِّنَ الْمُکْرِہَ
جان پر یا کسی عضو پر تو جائز ہے یہ کہ کر گزرے یہ اور صاحب مال تاوان لے لے مجبور کرنے والے سے۔

وَاِنْ اُکرِہَ بِقَتْلِ عَلٰی قَتْلِ غَیْرِہٖ لَایَسَعُہٗ قَتْلُہٗ بَلْ یَصْبِرُ حَتّٰی یُقْتَلَ فَاِنْ قَتَلَہٗ کَانَ اٰثِمًاوَ
اگر مجبور کیا گیا قتل کی دھمکی سے دوسرے کو قتل کرنے پر تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے اگر اس نے قتل کیا تو گنہگار ہوگا اور

اَلْقِصَاصُ عَلَی الَّذِیْ اَکْرَھَہٗ اِنْ کَانَ الْقَتْلُ عَمَدًا وَاِنْ اُکْرِہَ عَلٰی طَلَاقِ امْرَاَتِہٖ اَوْعِتْقِ عَبْدِہٖ
قصاص مکرِہ پر ہوگا اگر قتل عمداً ہو اگر مجبور کیا گیا اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے

فَفَعَلَ وَقَعَ مَااُکْرِہَ عَلَیْہِ وَیَرْجِعُ عَلَی الَّذِیْ اَکْرَھَہٗ بِقِیْمَۃِ الْعَبْدِ وَیَرْجِعُ بِنِصْفِ مَھْرِالْمَرْاَۃِ
پر اور اس نے کر لیا تو واقع ہوگا وہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا ہے اور لے گا مکرِہ سے غلام کی قیمت اور بیوی کا نصف مہر

اِنْ کَانَ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَاِنْ اُکْرِہَ عَلَی الزِّنَا وَجَبَ عَلَیْہِ الْحَدُّ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اِلَّا
اگر طلاق صحبت سے پہلے ہو اگر مجبور کیا گیا زنا پر تو واجب ہوگی اس پر حد امام صاحب کے نزدیک مگر

اَنْ یُکْرِھَہُ السُّلْطَانُ وَقَالَا رَحِمَھُمَا اللّٰہُ لَا یَلْزَمُہُ الْحَدُّ وَاِذَا اُکْرِہَ عَلَی الرِّدَّۃِ لَمْ تَبِنْ امْرَاَتُہٗ مِنْہُ[1]
یہ کہ مجبور کرے اس کو بادشاہ صاحبین فرماتے ہیں کہ حد واجب نہ ہوگی اگر مجبور کیا گیا مرتد ہونے پر تو اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی

تشریح الفقہ قولہ علی ان یا کل الخ کسی کو مردار کھانے یا شراب پینے پر حبس وضرب اور قید و بندکی دھمکی سے مجبور کیا گیا تو اس کے لئے ان چیزوں کا تناول درست نہیں کیونکہ ان محرمات کے تناول کی اباحت بوقت ضرورت ہے اور ضرورۃ اسی وقت ہے جب جان یا عضو کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی نے قتل نفس یا قطع عضو کی دھمکی سے مجبور کیا تو تناول جائز ہوگا بلکہ اگر وہ نہ کھائے اور صبر کرتا ہوا جان دے دے تو گنہگار رہوگا۔ امام ابو یوسف' شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے ہاں گنہگار نہ ہوگا کیونکہ اس حالت میں کھانا رخصت ہے اور نہ کھانا عزیمت۔ جواب یہ ہے کہ حکم حرمت سے حالت اضطرار مستثنیٰ ہوگی وہ حلال ہوگی۔ اب اگر وہ حلال شئے کے تناول سے رک کر جان ہلاک کرے تو یقیناً گنہگار ہوگا۔

قولہ علی الکفر الخ اگر کسی کو مار پٹائی کی دھمکی سے کلمہ کفر یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہ ہوگا اور اگر قتل نفس یا قطع عضو کی دھمکی دی تو اس کے لئے اپنی زبان سے کہہ دینے کی رخصت ہے بشرطیکہ اس کا قلب مطمئن بالایمان ہو۔ قال اللہ تعالیٰ "الامن اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان" نیز اسی قسم کے واقعہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اگر مشرکین پھر ایسا کریں تو تو بھی ایسا ہی کہہ" لیکن اگر وہ اس حالت میں بھی صبر کرے اور اپنی زبان پر کلمہ کفر جاری نہ کرے تو مستحق اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لئے اس کی رخصت ہے اور اگر تلف نہ کرے بلکہ اذیت پر صبر کرے تو ثواب پائے گا اور صاحب مال اپنے مال کا تاوان مکرِہ سے لے گا نہ کہ مکرَہ سے۔

قولہ علی قتل غیرہ الخ اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کیا تو اس کی رخصت نہ ہوگی' اگر قتل کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ مسلمان کو ناحق قتل کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ بایں ہمہ اگر اس نے قتل کرڈالا تو طرفین کے نزدیک قصاص مکرِہ پر ہوگا۔ امام زفر کے ہاں مکرَہ پر ہوگا کیونکہ فعل قتل کا وجود اسی سے ہوا ہے۔ حقیقۃً بھی اور حساً بھی۔ امام ابو یوسف کے ہاں کسی پر قصاص نہ ہوگا کیونکہ حد مباشر قتل ہونے کی جہت سے مکرَہ کی طرف مضاف ہے اور باعث قتل ہونے کی جہت سے مکرِہ کی طرف تو جانبین میں شبہ آ گیا لہٰذا قصاص نہ ہوگا بلکہ ان کے مال سے دیت دی جائے گی۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں دونوں سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ ایک مباشر ہے اور ایک باعث۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مکرِہ باعث قتل ہے اس سے قصاص لیا جائے گا اور مکرَہ سے نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ تو اس کے لئے ایک آلہ و ذریعہ ہے۔

قولہ علی طلاق الخ اگر بیوی کو طلاق دینے یا غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا اور اس نے طلاق دے دی یا آزاد کر دیا تو ہمارے ہاں یہ امور

[1] لان الردۃ متعلق بالاعتقاد ولم یتبدل اعتقادہ حیث کان قلبہ مطمئنا بالایمان ۱۲۔ [2] حاکم' بیہقی' عبدالرزاق ۱۲۔

واقع ہو جائیں گے (خلافاً للشافعی وقد مر فی الطلاق) اب اعتاق کی صورت میں مکرہ مکرہ سے غلام کی قیمت لے گا' مالدار ہو یا نادار کیونکہ اتلاف اسی کی طرف منسوب ہے اور طلاق کی صورت میں مہر مسمی کا نصف لے گا اگر اس نے وطی نہ کی ہو کیونکہ شوہر پر جو مہر واجب تھا وہ محتمل سقوط تھا بایں معنی کہ شاید فرقت عورت کی جانب سے ہو جائے لیکن جب طلاق واقع ہوگئی تو مہر مؤکد ہو گیا پس یہ اتلاف مال مکرہ کی جانب منسوب ہوگا اور اگر وہ وطی کر چکا ہو تو مکرہ سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اب مہر وطی کی وجہ سے مؤکد ہوا ہے۔

كِتَابُ السِّيَرِ

سیر کا بیان

اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ اِذَا قَامَ بِهٖ فَرِيْقٌ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ وَاِنْ لَمْ يَقُمْ بِهٖ
جہاد فرض کفایہ ہے کہ اگر کچھ لوگ کر لیں تو ساقط ہو جائے گا باقی کے ذمہ سے اور اگر کوئی بھی نہ کرے

اَحَدٌ اَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهٖ وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَاِنْ لَمْ يَبْدَؤُنَا وَلَايَجِبُ الْجِهَادُ عَلٰى صَبِيٍّ
تو سب گنہگار ہوں گے اس کو چھوڑنے سے اور کفار سے قتال کرنا واجب ہے گو وہ ابتداء نہ کریں اور جہاد واجب نہیں بچے

وَّلَا عَبْدٍ وَّلَا امْرَاَةٍ وَلَا اَعْمٰى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَااَقْطَعَ فَاِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ وَّجَبَ عَلٰى
غلام' عورت' اندھے' اپاہج اور لولے پر اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو واجب ہے

جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْاَةُ بِغَيْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰى وَاِذَا دَخَلَ
تمام مسلمانوں پر مدافعت نکلے بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جب داخل

الْمُسْلِمُوْنَ دَارَالْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً اَوْحِصْنًا دَعَوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْهُمْ
ہوں مسلمان دارالحرب میں اور محاصرہ کریں کسی شہر یا قلعہ کا تو دعوت دیں ان کو اسلام کی اگر وہ مان لیں

كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ وَاِنِ امْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ اِلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ فَاِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ عَلَيْهِمْ
تو رک جائیں ان کے قتال سے اور اگر باز رہیں تو بلائیں ان کو ادائیگی جزیہ کی طرف اگر وہ دے دیں تو ان کے لئے وہ ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے

مَاعَلَيْهِمْ وَلَايَجُوْزُ اَنْ يُّقَاتِلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ دَعْوَةُ الْاِسْلَامِ اِلَّا بَعْدَ اَنْ يَّدْعُوْهُمْ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ
اور ان پر وہ ہے جو مسلمانوں پر ہے قتال جائز نہیں اس سے جس کو نہ پہنچی ہو اسلام کی دعوت مگر دعوت دینے کے بعد اور مستحب ہے

يَّدْعُوَامَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ اِلَى الْاِسْلَامِ وَلَايَجِبُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَبَوْااسْتَعَانُوْا بِاللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ وَ
دعوت دینا اس کو جس کو پہنچ چکی ہو اسلام کی دعوت اور یہ واجب نہیں' اگر وہ انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگ کر

حَارَبُوْهُمْ وَ نَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ[1] وَ حَرَّقُوْهُمْ وَاَرْسَلُوْاعَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوااَشْجَارَهُمْ وَاَفْسَدُوْا
ان سے لڑائی کریں اور ان پر منجنیقیں لگا دیں' آگ میں جلا دیں' ان پر پانی چھوڑ دیں' ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں' ان کی

زُرُوْعَهُمْ وَلَا بَاْسَ بِرَمْيِهِمْ وَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ مُسْلِمٌ اَسِيْرٌ اَوْتَاجِرٌ وَّاِنْ تَتَرَّسُوْابِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِيْنَ
کھیتیاں اجاڑ دیں اور کوئی حرج نہیں ان پر تیر برسانے میں اگرچہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا تاجر ہو اگر وہ ڈھال کی طرح کر لیں مسلمانوں کے بچوں

اَوْبِالْاُسَارٰى لَمْ يَكُفُّوْا عَنْ رَمْيِهِمْ وَيَقْصُدُوْنَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا بَاْسَ بِاِخْرَاجِ
یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے اور قصد کریں تیر برسانے میں کفار کا نہ کہ مسلمانوں کا اور کوئی حرج نہیں عورتوں

[1] کما نصب علیہ السلام علی الطائف واحرق البویرۃ (وہی نخل بنی النضیر) ۱۲۔

النّساء والمصاحف مع المسلمين اذا كان عسكرٌ عظيمٌ يؤمنُ عليها ويُكرهُ اخراجُ ذٰلك
کو اور قرآنوں کو مسلمانوں کے ساتھ لے جانے میں جبکہ لشکر عظیم ہو اور ان پر اطمینان ہو اور مکروہ ہے ان کو لے جانا

فِي سَرِيَّةٍ لا يُؤمَنُ عَلَيها ولا تُقاتِلُ المَرأةُ الّا باذن زَوجِها ولا العَبدُ الّا باذن سيّدِه الّا اَن
چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو ان پر نہ قتال کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے الا یہ کہ

يَّهجمَ العَدُوُّ وَ يَنبَغِيْ لِلْمُسلِمِيْنَ اَنْ لّايَغدِرُوْا وَلا يَغُلُّوْا وَلا يُمَثّلُوْاوَلا يَقتُلُوا امرأةً وَ
یکایک چڑھ آئے دشمن مسلمانوں کو چاہئے کہ نہ دغا کریں نہ خیانت کریں نہ مثلہ کریں اور نہ عورت کو قتل کریں

لاصَبيًّا وَّلا شَيخًا فَانِيًا وَّلا اَعمٰى وَلا مُقعَدًا الّا اَنْ يَّكُوْنَ اَحَدُ هٰؤُلاءِ مِمَّنْ يَّكُوْنُ
نہ بچے کو نہ بالکل بوڑھے کو نہ اندھے کو نہ اپاہج کو الا یہ کہ ہو ان میں کوئی صاحب رائے

لَهٗ رَأيٌ فِي الحَرْبِ اَوْتَكُوْنُ المَرأةُ مَلِكَةً ولا يَقتُلُوْا مَجْنُوْنًا
جنگی معاملات میں یا ہو عورت رانی اور نہ قتل کریں دیوانے کو

توضیح اللغۃ سیر۔جمع سیرۃ' عادت'طریقہ'اثم (س) اثما۔گنہگار ہونا'یبدؤا (ف) بدا۔شروع کرنا'مقعد۔اپاہج'ہجم (ن) ہجوما۔اچانک آنا' عدو۔دشمن'حاصروا۔محاصرہ کرلیں'حصین۔قلعہ'جزیہ ٹیکس'بذلوا (ن'ض) بذلا۔دینا'ابوا (ف) اباء ا۔انکار کرنا'مجانیق'جمع منجنیق۔اشجار۔جمع شجر۔درخت'زروع۔جمع زرع کھیتی'رمی۔تیر پھینکنا'اسیر۔قیدی'جمع اساری'تترسوا۔خود کو ڈھال سے چھپانا'صبیان۔جمع صبی'بچہ'مصاحف۔جمع مصحف'قرآن'عسکر۔لشکر'سریہ۔دستہ'فوج'یغدروا (ن'ض'س) غدرا۔عہد توڑنا'یغل (ن) غلولا۔خیانت کرنا'یمثلوا (ن'ض) مثلۃ۔ناک کان کاٹنا'ملکۃ۔رانی۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب السیر الخ یہ سیرۃ کی جمع ہے'بمعنی عادۃ'طریقہ'طرز زندگی'اصطلاح میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے اور اس کے متعلقات کو کہتے ہیں۔امام شافعی کے ہاں اس کا سبب کافروں کا کفر ہے اور ہمارے ہاں ان کا برسر پیکار ہونا۔

قولہ الجہاد فرض الخ اگر بعض کے کرنے سے مقصد حل ہوجائے۔سب کی ضرورت نہ ہوتو جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض کے کرنے سے فرضیت سب سے ساقط ہوجائے گی اور اگر سب کی ضرورت ہو مثلاً دشمن مسلمانوں پر چڑھ آیا ہوتو فرض عین ہے۔نفس فرضیت کی دلیل اوامر قطعیہ ہیں۔جیسے''قاتلوا المشرکین کافۃ' قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ۔''

قولہ فان ھجم العدو الخ اگر دشمن یکبارگی چڑھ آئے (کافر ہو یا باغی) تو جہاد فرض عین ہے۔تمام اہل اسلام کو نکلنا اور مقابلہ کرنا ضروری ہے اگر چہ اہل حقوق اجازت نہ دیں۔چنانچہ بیوی بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا بھی جہاد میں شرکت کریں گے اگر مسلمان کافروں کا محاصرہ کرلیں تو اولاً ان کو اسلام کی دعوت دی جائے گی اگر قبول کرلیں تو بہتر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دیئے بغیر کسی قوم سے قتال نہیں کیا[1]۔اور اگر وہ انکار کریں تو جزیہ دینے کے لئے کہا جائے گا بشرطیکہ وہ اہل جزیہ ہوں یعنی اہل کتاب یا آتش پرست یا عجمی بت پرست ہوں عرب کے مشرک اور مرتد نہ ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء جیوش کو اسی کا حکم فرمایا ہے[2]۔اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو مظلوم ہونے کی صورت میں ان کے لئے انصاف ہوگا جیسا کہ اہل اسلام کے لئے ہے اور ظالم ہونے کی صورت میں ان سے انتقام لیا جائے گا جیسا کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر اللہ کا نام لے کر ان سے قتال کیا جائے گا۔

[1] عبدالرزاق'حاکم'احمد'طبرانی'ابن عباس ۱۲۔[2] اصحاب الستۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔

قولہ لہ رأی الخ اگر کوئی بوڑھا کافر جنگ کے معاملہ میں تجربہ کار صاحب رائے ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درید بن عصمہ کو قتل کیا تھا جو ایک سو ساٹھ برس کا بوڑھا تھا۔

وَاِنْ رَأَى الْاِمَامُ اَنْ يُصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْفَرِيْقًا مِّنْهُمْ وَكَانَ فِيْ ذٰلِكَ مَصْلَحَةٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ
اگر مصلحت سمجھے امام اہل حرب یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنے میں اور ہو اس میں بہتری مسلمانوں کی

فَلَا بَاْسَ بِهٖ فَاِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَ اِلَيْهِمْ. وَقَاتَلَهُمْ فَاِنْ بَدَؤُا
تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگر صلح کر لی تو ایک مدت کے لئے پھر صلح توڑنا نافع تر سمجھے تو صلح توڑ کر ان سے لڑے اگر وہ پہلے

بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ اِلَيْهِمْ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ وَاِذَاخَرَجَ عَبِيْدُهُمْ اِلَى عَسْكَرِ
خیانت کریں تو ان سے جنگ کرے نقض عہد کی اطلاع کئے بغیر جبکہ ہو یہ ان سب کے اتفاق سے، جب نکل آئیں ان کے غلام مسلمانوں کے

الْمُسْلِمِيْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ وَلَابَاْسَ اَنْ يَّعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِيْ دَارِالْحَرْبِ وَيَاكُلُوامَا وَجَدُوْهُ مِنَ
لشکر میں تو وہ آزاد ہیں، کوئی حرج نہیں اس میں کہ چارہ کھلائے لشکر دارالحرب میں اور کھائیں وہ جو

الطَّعَامِ وَيَسْتَعْمِلُواالْحَطَبَ وَيَدَّهِنُوْابِالدُّهْنِ وَيُقَاتِلُوْا بِمَا يَجِدُوْنَهٗ مِنَ السِّلَاحِ كُلُّ ذٰلِكَ
پائیں اور کام میں لائیں ایندھن اور استعمال کریں تیل اور قتال کریں اس سے جو پائیں ہتھیار یہ سب

بِغَيْرِ قِسْمَةٍ وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعُوْا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُوْنَهٗ وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَبِاِسْلَامِهٖ
تقسیم کئے بغیر اور جائز نہیں یہ کہ بیچیں ان میں سے کوئی چیز اور نہ اپنے لئے ذخیرہ کریں جو اسلام لائے ان میں سے تو محفوظ کر لے گا وہ

نَفْسَهٗ وَاَوْلَادَهُ الصِّغَارَ وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِيْ يَدِهٖ اَوْوَدِيْعَةٌ فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ اَوْذِمِّيٍّ فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلَى
اسلام کی وجہ سے اپنی جان، کم سن اولاد اور ہر اس مال کو جو اس کے پاس ہے یا کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت ہے اگر غالب آ جائیں ہم اس

الدَّارِ فَعَقَارُهٗ فَيْءٌ وَزَوْجَتُهٗ فَيْءٌ وَحَمْلُهَا فَيْءٌ وَاَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ
کے گھر پر تو اس کی زمین، بیوی، اس کا حمل، بالغ اولاد سب فئے ہے، مناسب نہیں یہ کہ بیچے جائیں ہتھیار اہل حرب کے ہاتھ

وَلَا يُجَهَّزُ اِلَيْهِمْ وَلَايُفَادٰى بِالْاُسَارٰى عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُفَادٰى
اور نہ لے جایا جائے ان کے ہاں اسباب اور نہ رہا کیا جائے قیدیوں کے عوض امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ رہا کر دیا

بِهِمْ اُسَارَى الْمُسْلِمِيْنَ وَلَايَجُوْزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ وَاِذَا فَتَحَ الْاِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ
جائے مسلمان قیدیوں کے عوض میں اور جائز نہیں احسان کرنا ان پر، جب فتح کرے امام کسی شہر کو بزور بازو تو اسے اختیار ہے

شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ وَاِنْ شَاءَ اَقَرَّاَهْلَهَا عَلَيْهَا وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَ عَلٰى اَرَاضِيْهِمُ
چاہے اسے تقسیم کر دے غازیوں میں چاہے ان کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر

الْخَرَاجَ وَ. هُوَ فِي الْاُسَارٰى بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ اَحْرَارًا
خراج مقرر کر دے اور قیدیوں کی بابت بھی اختیار ہے چاہے انہیں قتل کر دے چاہے غلام بنا لے چاہے مسلمانوں کے لئے

ذِمَّةً لِّلْمُسْلِمِيْنَ وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَّرُدَّهُمْ اِلٰى دَارِالْحَرْبِ وَاِذَا اَرَادَالْاِمَامُ الْعَوْدَ اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ
ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے اور یہ جائز نہیں کہ انہیں دارالحرب جانے دے، جب واپس آنا چاہے امام دارالاسلام کی طرف

وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى نَقْلِهَا اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَّقَهَا وَلَايَعْقِرُهَا وَلَايَتْرُكُهَاوَ
اور اس کے ساتھ مویشی ہوں جن کو نہ لا سکے دارالاسلام میں تو ان کوذبح کر کے جلا دے نہ کونچیں کاٹے نہ یوں ہی چھوڑ دے اور

لَا يُقَسِّمُ غَنِيْمَةً فِيْ دَارِالْحَرْبِ حَتّٰى يُخْرِجَهَا اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ سَوَاءٌ وَاِذَا
تقسیم نہ کرے غنیمت دارالحرب میں یہاں تک کہ لے آئے اس کو دارالاسلام میں اور مددگار اور مقاتل برابر ہیں جب

لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِيْ دَارِالْحَرْبِ قَبْلَ اَنْ يُخْرِجُواالْغَنِيْمَةَ اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا
پہنچے ان کو کمک دارالحرب میں قبل اس کے کہ لائیں وہ غنیمت دارالاسلام میں تو کمک والے شریک ہوں گے غنیمت

وَلَاحَقَّ لِاَهْلِ سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ اِلَّا اَنْ يُقَاتِلُوْا
میں اور کوئی حق نہیں لشکر کے بازار والوں کا غنیمت میں الا یہ کہ وہ بھی قتال کریں

کفار سے صلح کرنے کا بیان

توضیح اللغۃ نبذ (ض) نبذاً۔العہد توڑنا' عبید جمع عبد' احرار۔جمع حر۔آزاد' یعلف (ض) علفاً۔جانور کو چارہ دینا' حطب۔لکڑیاں' یدھنوا۔ادہاناً۔ تیل لگانا' سلاح۔ہتھیار' یتمولونہ۔تمولا اپنے لئے جمع کرنا' احرز۔احرازاً' محفوظ کرنا' فئی۔غنیمت' تجہز۔سامان مہیا کرنا' یفادی۔کچھ لے کر چھوڑ دینا' اساری جمع اسیر' قیدی۔المن۔احسان کرنا' عنوۃ۔زبردستی لے لینا' غانمین' جمع غانم' غنیمت حاصل کرنے والے' اراضی جمع ارض' استرقہم۔ استرقاقاً۔غلام کا مالک ہونا' مواش جمع ماشیۃ۔مویشی' یعقر (ض) عقراً۔کونچیں کاٹنا' ردء۔مددگار' سوق۔بازار۔

شرح الفقہ قولہ وان رای الامام الخ اگر مسلمانوں کے حق میں کفار سے مصالحت کر لینا بہتر ہو تو صلح کر لینا جائز ہے اگر چہ صلح مال پر ہو یعنی ان سے مال لے کر یا ان کو مال دے کر ہر صورت سے صلح کرنا جائز ہے۔ قال اللہ تعالی "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" (اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو جائیے۔ یہ آیت گو مطلق ہے لیکن بالاجماع مقید بقید مصلحت ہے اگر مصلحت نہ ہو تو بالاتفاق جائز نہیں۔

قولہ فان صالحھم الخ پھر اگر مسلمانوں کے حق میں صلح کو توڑنا بہتر ہو تو توڑ دینا بھی درست ہے۔ اب اگر صلح کی مدت ابھی باقی ہو تو نقض صلح کا اعلان کر دیا جائے گا تا کہ عہد شکنی جو کہ حرام ہے لازم نہ آئے۔ قال اللہ تعالی "واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء" اور اگر صلح کی پوری مدت گزر چکی ہو تو اعلان کی ضرورت نہیں کیونکہ صلح خود ہی باطل ہو گئی اور اگر ان کے بادشاہ کی طرف سے خیانت ظاہر ہو تو نقض صلح کا اعلان کئے بغیر ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ حدیبیہ کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ان کے نقض عہد کی وجہ سے قتال کیا تھا۔

قولہ ولا باس ان یعلف الخ غازی لوگ دارالحرب میں مال غنیمت' چارہ' کھانا' لکڑی' تیل' ہتھیار وغیرہ قبل از تقسیم استعمال کر سکتے ہیں کیونکہ احادیث سے اسکی اجازت ثابت ہے[1] لیکن ان چیزوں کو فروخت کرنا اور اپنے لئے ذخیرہ کرنا جائز نہیں پھر صاحب کتاب نے ان اشیاء سے منتفع ہونے کو مطلق رکھا ہے لیکن صاحب وقایہ نے ہتھیار کے انتفاع کو مقید بحاجت کیا ہے اور ظہیریہ میں کل اشیاء کے انتفاع کو امام کی اجازت کے ساتھ مقید کیا ہے اور دارالحرب سے نکلنے کے بعد مال غنیمت کی کسی چیز کا استعمال جائز نہیں یہاں تک کہ تقسیم ہو جائے۔

قولہ ولا یفادی الخ جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آ جائیں ان کو مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں چھوڑنا جائز نہیں تمامی جنگ سے

[1] ابوداؤد عن عبداللہ بن مغفل وعبداللہ بن ابی اوفی' بخاری عن ابن عمر' بیہقی عن ہانی' ابن ام کلثوم ۱۲۔

پہلے ہو یا اس کے بعد کیونکہ وہ تقویت حاصل کر کے پھر لڑائی کا سامان بن جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک تمامی جنگ سے قبل مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور یہی امام صاحب سے ظاہر الروایہ ہے۔ کیونکہ تخلیص مسلم کافر کے قتل سے بہتر ہے۔

قوله ولایجوز المن الخ جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کو ازراہ احسان بدون کسی معاوضہ کے رہا کر دینا جائز نہیں کیونکہ فتح کے بعد غازی لوگ ان کے حقدار ہو گئے تو اب مفت چھوڑنے میں ان کی حق تلفی ہے۔ امام شافعی نے اس کو جائز رکھا ہے اور دلیل یہ آیت ہے "**فامامنابعد واما فداء**" (اس کے بعد یا تو احسان کیجو یا کچھ معاوضہ لیجو) جواب یہ ہے کہ یہ آیت سیف "**اقتلوا المشرکین حیث وجد تموهم**" سے منسوخ ہے کیونکہ "**من وفداء**" سورہ محمد میں مذکور ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اور آیت سیف سورہ براءت کی ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

قوله واذا فتح الامام الخ جس شہر کو امام بطور قہر و غلبہ فتح کرے اس کے متعلق اسکو اختیار ہے چاہے خمس نکال کر باقی کو غازیوں کے درمیان تقسیم کر دے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا اس صورت میں وہ زمین غازیوں کی مملوک ہو جائے گی اور اس میں عشر ہوگا اور چاہے وہاں کے کافروں کو بطور احسان برقرار رکھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عراق میں کیا تھا کہ ان کے گھروں میں اور زمینوں کو انہیں کے تصرف میں رکھا اس صورت میں ان پر جزیہ اور خراج مقرر کیا جائے گا۔ **قیل الاول اولیٰ عند حاجة الغانمین۔**

قوله وهو فی الاساری الخ جن کافروں کو قید کر لیا گیا ہو ان کے متعلق امام کو اختیار ہے چاہے قتل کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کو قتل کیا تھا چاہے ان کو غلام بنا رکھے کیونکہ اس صورت میں دفع شر کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامل منفعت ہے۔ چاہے ان کو آزاد ذمی بنا کر چھوڑ دے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا بشرطیکہ وہ مشرکین عرب اور مرتدین نہ ہوں کہ ان کا ذمی ہونا جائز نہیں۔

قوله ذبحها الخ اگر مال غنیمت میں کچھ مویشی ہوں اور ان کو دار الاسلام میں لانا شاق ہو تو ان کی کونچیں نہ کاٹی جائیں کہ یہ حرام ہے بلکہ ان کو ذبح کر کے جلا دیا جائے۔ ذبح سے پیشتر جلانے کی اجازت نہیں کیونکہ جاندار کو آگ میں جلانا سوائے خدا کے کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دار الحرب ہی میں چھوڑ دیا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے علاوہ کسی اور غرض سے بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے[1]۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی غرض صحیح کے پیش نظر جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان و شوکت پامال کرنے سے زیادہ صحیح غرض اور کیا ہو سکتی ہے۔

قوله ولا یقسم غنیمة الخ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا یا فروخت کرنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ امام کے پاس بار برداری کا کوئی انتظام نہ ہو اور اس غرض سے وہ بطور امانت غازیوں پر تقسیم کر دے۔ تاکہ اس بہانے سے وہ دار الاسلام میں پہنچ جائے اور وہاں پھر از سرنو تقسیم ہو تو جائز ہے۔ امام شافعی کے ہاں مشرکین کو شکست فاش ہو جانے کے بعد تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام مالک کے ہاں بعجلت تمام دار الحرب ہی میں تقسیم کر لینا چاہئے بجز قیدیوں کے کہ ان کی تقسیم دار الاسلام ہی میں ہوگی۔ یہ اختلاف دراصل اس بات پر متفرع ہے کہ ہمارے ہاں غازیوں کا حق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ مال غنیمت دار الاسلام میں آ کر جمع نہ ہو جائے اور ان حضرات کے ہاں حصول غلبہ کے بعد ان کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔

قوله واذا لحقهم الخ غازیوں کو جو مدد دار الحرب میں جا کر ملے وہ استحقاق غنیمت میں غازیوں کے برابر ہے پس وہ بھی مال غنیمت

[1] ابن ابی شیبہ عن ابی بکر ۱۲

میں شریک ہوں گے لیکن لشکر والوں میں سے جو لوگ بازاری ہوں وہ شریک نہ ہوں گے کیونکہ ان کا وہاں جانا قتال کی نیت سے نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ کفار سے قتال کریں تو بے شک شریک ہوں گے وعند الشافعی فی قول یسہم لہم مطلقا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا اٰمَنَ[1] رَجُلٌ حُرٌّ اَوِ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا اَوْجَمَاعَةً اَوْاَهْلَ حِصْنٍ اَوْمَدِيْنَةٍ صَحَّ اَمَانُهُمْ وَ
جب امن دے دے آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا ایک جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو صحیح ہے ان کا امن دینا

لَمْ يَجُزْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَتْلُهُمْ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ اِلَيْهِمُ الْاِمَامُ وَلَا
اب جائز نہ ہوگا کسی مسلمان کے لئے ان کو قتل کرنا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے اور

يَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّيٍّ وَلَااَسِيْرٍ وَلَاتَاجِرٍ يَّدْخُلُ عَلَيْهِمْ وَلَايَجُوْزُ اَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُوْرِ عَلَيْهِ
جائز نہیں ذمی، قیدی اور ایسے تاجر کا امن دینا جو ان کے ہاں جاتا ہو اور جائز نہیں محجور علیہ غلام کا امن دینا

عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَّأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَصِحُّ اَمَانُهُ
امام صاحب کے نزدیک مگر یہ کہ اجازت دیدے اس کا آقا اس کو لڑنے کی صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے

مشرکین کو امن دینے کا بیان

تشریح الفقہ قولہ واذا آمن الخ اگر کوئی مسلمان آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا ان کی ایک جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو امان دے دے تو یہ صحیح ہے اب ان کو قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ امن دینے والا ایک ہی شخص ہو کیونکہ حضور کا ارشاد ہے یسعی بذمتھم ادناھم ای اقلھم وھو الواحد نیز روایت میں ہے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب نے اپنے شوہر ابوالعاص کو امان دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا اور فرمایا ''قداجرنا من اجرت و آمنا من آمنت'' نیز حضرت ام ہانیؓ بنت ابی طالب نے اپنے رشتہ دار حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کو امان دیا۔ ان کے بھائی حضرت علیؓ نے ان کو قتل کرنا چاہا اور فرمایا: کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین کو پناہ دیتی ہے؟ تو حضرت ام ہانیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: قدا جرنا من اجرت'' پھر امن دینے والے کا عادل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر امن دینے والا فاسق یا نابینا یا شیخ فانی ہو یا وہ بچہ اور غلام ہو جن کو لڑنے کی اجازت ہو تو ان کا امن دینا بھی صحیح ہے ہاں اگر امن دینے میں کوئی خرابی ہو تو امام ان کے امن کو توڑ سکتا ہے۔

قولہ ولایجوز امان ذمی الخ صحت امان محل خوف کے ساتھ مخصوص ہے تو جو شخص قتال نہیں کر سکتا اس کا امان دینا بے معنی ہے لہذا ذمی کا کسی کافر کو امن دینا باطل ہے کیونکہ اہل اسلام پر ذمی کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ ہاں اگر امیر لشکر اس کو حکم کرے تو صحیح ہے (بحر، نہر، زیلعی، درر، عالمگیری) اسی طرح مسلمان قیدی اور مسلم تاجر جو دارالحرب میں جاتا ہو اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود کفر کے امان میں ہے۔ اسی طرح جس غلام کو قتال کی اجازت نہ ہو اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم'' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ معنوی حیثیت سے امان دینا بھی جہاد ہے اور غلام محجور عن القتال ہے تو وہ امان کے سلسلہ میں بھی محجور ہوگا۔

[1] قال فی الینا بیع اذا قال اهل الحرب الامان الامان فقال رجل حرمن المسلمين او امراة حرة لاتخافوا ولاتذهلوا وعبدالله ودمنه اوتعالوا او اسمعوا الكلام فهذا كله امان صحيح ١٢۔ جوہرة

وَاِذَا غَلَبَ التُّرکُ عَلَی الرُّوْمِ فَسَبُوْهُمْ وَاخَذُوْااَمْوَالَهُمْ مَلَکُوْهَا وَاِنْ غَلَبْنَا عَلَی التُّرْکِ حَلَّ لَنَا

جب غالب آ جائیں ترکی رومیوں پر پس ان کو قید کر لیں اور ان کا مال لے لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے اور اگر ہم غالب آ جائیں ترکیوں پر تو

مَانَجِدُهٗ مِنْ ذٰلِکَ وَاِذَا اَغْلَبُوا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَکُوْهَا فَاِنْ ظَهَرَ عَلَیْهَا الْمُسْلِمُوْنَ

حلال ہوگا ہمارے لئے جو کچھ ہم پائیں اس میں سے اور جب وہ ہمارے مال پر غالب آ کر دارالحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے پھر اگر اس پر مسلمان غالب

فَوَجَدُوْهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِیَ لَهُمْ بِغَیْرِ شَیْءٍ وَاِنْ وَّجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا بِالْقِیْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا

آ جائیں اور وہ مال پائیں تقسیم سے پہلے تو وہ انہیں کا ہو گا بلا عوض اور اگر پائیں تقسیم کے بعد تو لیں اسے قیمت کے عوض اگر چاہیں

وَاِنْ دَخَلَ دَارَالْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰی ذٰلِکَ فَاَخْرَجَهٗ اِلٰی دَارِالْاِسْلَامِ فَمَالِکُهُ الْاَوَّلُ بِالْخِیَارِ

اگر داخل ہوا دارالحرب میں کوئی تاجر اور وہ مال خرید کر دارالاسلام میں لے آیا تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے

اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِالثَّمَنِ الَّذِیْ اشْتَرَاهُ بِهِ التَّاجِرُوَاِنْ شَاءَ تَرَکَهٗ وَلَایَمْلِکُ عَلَیْنَا اَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ

چاہے لے اس قیمت کے عوض جس سے خریدا ہے تاجر نے اور چاہے چھوڑ دے مالک نہ ہوں گے اہل حرب ہم پر غالب آ کر

مُدَبَّرِیْنَا وَاُمَّهَاتِ اَوْلَادِنَا وَمُکَاتَبِیْنَا وَاَحْرَارَنَا وَنَمْلِکُ عَلَیْهِمْ جَمِیْعَ ذٰلِکَ وَاِذَا اَبَقَ عَبْدُالْمُسْلِمِ

ہمارے مدبروں، ام ولدوں، مکاتبوں اور آزادوں کے اور ہم ان سب کے مالک ہو جائیں گے جب مسلمان کا غلام بھاگ کر

فَدَخَلَ اِلَیْهِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ یَمْلِکُوْهُ عِنْدَاَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا مَلَکُوْهُ وَاِنْ نَدَّاِلَیْهِمْ بَعِیْرٌ فَاَخَذُوْهُ مَلَکُوْهُ

ان کے ہاں چلا جائے اور وہ اسے پکڑ لیں تو وہ اس کے مالک نہ ہوں گے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہو جائیں گے اور اگر کوئی اونٹ بدک کر ان کے پاس چلا جائے تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے

غلبہ کفار کا بیان

تشریح الفقہ **واذا غلبوا** الخ جب حربی کافر مسلمانوں کے مال پر غالب آ جائیں اور اسے دارالحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔ امام مالک کے ہاں محض غلبہ پا لینے سے ہی مالک ہو جائیں گے۔ امام احمد سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ امام شافعی کے ہاں مالک ہی نہ ہوں گے کیونکہ مسلمان کا مال ہر طرح سے معصوم ہے لقولہ علیہ السلام "**فاذاقالوها عصموا منی دمائهم واموالهم**" ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "**للفقراء المهاجرین** الخ" میں مہاجرین کو فقراء کہا گیا ہے اور فقیر وہ ہے جو کسی شئے کا مالک نہ ہو اگر کفار حصول غلبہ کی وجہ سے ان کے اموال کے مالک نہ ہوں تو فقراء کہنا صحیح نہیں کیونکہ وہ تو اغنیاء ہیں۔

قولہ فان ظهر علیها الخ حربی کافر مسلمانوں کا مال دارالحرب لے گئے پھر مسلمان ان پر غالب آ گئے تو تقسیم ہونے سے پہلے جو مسلمان اپنی کوئی چیز پائے وہ اس کو مفت لے سکتا ہے اور اگر تقسیم ہو چکی تو اب اس کی قیمت دینی پڑے گی کیونکہ حدیث میں ہے کہ "اگر صاحب مال اپنی چیز قبل از تقسیم پائے تو وہ حقدار ہے اور اگر تقسیم کے بعد پائے تو وہ قیمت کے ساتھ لے سکتا ہے[1]" اور اگر کوئی تاجر اس چیز کو حربیوں سے خرید کر لے آیا تو پھر اس قیمت میں لینا ہوگا، جس کے عوض اس تاجر نے خریدی ہے۔

قولہ ونملک علیهم الخ وجہ فرق یہ ہے کہ غلبہ سے ملکیت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب وہ مباح مال پر ہو اور آزاد آدمی مباح مال نہیں بلکہ وہ آزادی کی وجہ سے معصوم ہوتا ہے۔ نیز مکاتب وغیرہ میں بھی ایک قسم کی آزادی ہوتی ہے لہذا یہ غلام نہیں ہو سکتے، اور ان کے مکاتب ہمارے لئے مباح ہیں اور مباح پر غلبہ کا حاصل ہونا سبب ملک ہے تو ہم مالک ہو جائیں گے۔

[1] دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔

قولہ واذا ابق الخ اگر مسلمانوں کا کوئی غلام بھاگ کر کافروں کے ہاں چلا جائے تو وہ اس کے مالک نہ ہوں گے اور اگر کوئی جانور بھاگ کر چلا جائے تو مالک ہو جائیں گے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جانوروں کا اپنی ذات پر تصرف وقبضہ نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ دارالاسلام سے نکلنے کے وقت وہ ظاہر ہو اور ملک کفار کے لئے مانع ہو بخلاف غلام کے کہ دارالاسلام میں رہنے تک تصرف آقا کی وجہ سے اس کا تصرف ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور جب وہ دارالاسلام سے چلا گیا تو آقا کا تصرف زائل ہو گیا اور اس کا اپنا تصرف ظاہر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ معصوم بنفسہ ہو گیا اور محل ملک نہیں رہا۔

وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْاِمَامِ [1] حَمُوْلَةٌ يَحْمِلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ قِسْمَةَ اِيْدَاعٍ لِيَحْمِلُوْهَا
جب نہ ہو امام کے پاس جانور جس پر لادے مال غنیمت تو تقسیم کر دے اس کو غازیوں میں بطور امانت تاکہ وہ لے آئیں اسے

اِلَى دَارِالْاِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيَقْسِمُهَا وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِيْ دَارِالْحَرْبِ
دارالاسلام میں پھر ان سے واپس لے کر تقسیم کرے، جائز نہیں مال غنیمت کو بیچنا تقسیم سے پہلے دارالحرب میں

وَمَنْ مَّاتَ مِنَ الْغَانِمِيْنَ فِيْ دَارِالْحَرْبِ فَلَاحَقَّ لَهٗ فِي الْقِسْمَةِ وَمَنْ مَّاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا
جو شخص مر جائے غازیوں میں سے دارالحرب میں تو اس کا کوئی حق نہیں تقسیم میں اور جو مر جائے وہاں سے لے آنے کے بعد

فَنَصِيْبُهٗ لِوَرَثَتِهٖ وَلَابَاْسَ بِاَنْ يُّنَفِّلَ الْاِمَامُ فِيْ حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِالنَّفْلِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُوْلُ
تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کا ہو گا' اور کوئی حرج نہیں کہ جنگ کے وقت امام انعام کا وعدہ کر کے ابھارے قتال پر اور کہے

مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ اَوْيَقُوْلُ لِسَرِيَّةٍ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ
کہ جو جس کو قتل کرے گا تو مقتول کا سازو سامان اسی کا ہے یا کسی دستے سے کہے کہ میں نے کر دی ہے تمہارے لئے چوتھائی خمس کے بعد اور انعام نہ دے

اِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ وَاِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيْمَةِ
غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے جب نہ کیا ہو مقتول کا سامان قاتل کے لئے تو وہ منجملہ غنیمت کے ہوگا

وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهٗ فِيْهِ سَوَاءٌ وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِيَابِهٖ وَسِلَاحِهٖ
جس میں قاتل وغیر قاتل برابر ہوں گے اور سلب وہ ہے جو ہو مقتول پر اس کے کپڑوں ہتھیاروں

وَمَرْكَبِهٖ وَاِذَا اَخْرَجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ اَنْ [2] يَّعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَلَا يَاْكُلُوْا مِنْهَا
سواری سے' جب نکل چکیں مسلمان دارالحرب سے تو جائز نہیں یہ کہ چارہ کھلائیں غنیمت سے اور نہ یہ کہ وہ خود کھائیں اس

شَيْئًا وَمَنْ فَضَلَ مَعَهٗ عَلَفٌ اَوْ طَعَامٌ رَدَّهٗ اِلَى الْغَنِيْمَةِ
میں سے کچھ جس کے پاس بچ جائے کچھ چارہ یا کھانا تو شامل کر دے اس کو غنیمت میں

غنیمت کے باقی احکام

توضیح اللغۃ حمولۃ۔ بار برداری کا جانور' ینفل۔ تنفیلاً حصہ سے زائد دینا' یحرض۔ تحریضاً۔ ابھارنا' اکسانا' نفل۔ غنیمت' سلب۔ مقتول کا سازو سامان' سریہ۔ دستہ' فوج' احراز۔ جمع کرنا' سلاح۔ ہتھیار' مرکب۔ سواری' علف۔ چارہ۔

[1] اس مسئلہ کی تشریح ص ۲۸۳ پر گزر چکی ۱۲۔ [2] اس کی تشریح ص ۳۴ پر گزر گئی ہے ۱۲۔

تشریح الفقہ قولہ ویحرض الخ لوگوں کو قتال پر اکسانے کے لئے امام یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اس کا سب ساز و سامان اسی کو دیا جائے گا یا کسی دستہ کے متعلق کہہ دے کہ تم کو چوتھائی غنیمت ملے گی کیونکہ یہ ایک قسم کی تحریض ہے جو مستحب ہے قال اللہ تعالیٰ "یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال" اور اگر یہ نہ کہا ہو تو پھر اس کا ساز و سامان غنیمت میں داخل ہوگا۔

وَيَقْسِمُ الْاِمَامُ الْغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا وَيُقَسِّمُ الْاَرْبَعَةَ الْاَخْمَاسَ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ لِلْفَارِسِ
تقسیم کرے امام غنیمت کو پس نکال لے اس کا خمس اور تقسیم کرے چار خمس غازیوں میں سوار کے لئے

سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ
دو حصے اور پیادہ پا کے لئے ایک حصہ امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ سوار کے لئے تین حصے ہیں

وَلَا يُسْهَمُ اِلَّا لِفَرَسٍ وَّاحِدٍ وَالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ وَلَا يُسْهَمُ لِرَاحِلَةٍ وَلَا بَغْلٍ وَّمَنْ
اور حصہ نہ لگائے مگر ایک ہی گھوڑے کا اور دیسی اور عربی گھوڑے برابر ہیں اور حصہ نہ لگائے بارکش اور خچر کا' جو شخص

دَخَلَ دَارَالْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهٗ اسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَّمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا
داخل ہوا دارالحرب میں سوار ہو کر پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو حقدار ہو گا سوار کے حصہ کا اور جو داخل ہوا پیادہ پا پھر اس نے گھوڑا خرید لیا

اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ وَّلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَّلَا امْرَاَةٍ وَّ لَا ذِمِّيٍّ وَّلَا صَبِيٍّ وَّلٰكِنْ يَّرْضَخُ لَهُمْ عَلٰى
تو مستحق ہو گا پیادہ پا کے حصہ کا حصہ نہ لگایا جائے غلام' عورت' ذمی اور بچہ کا لیکن دے دے کچھ ان کو

حَسْبِ مَا يَرَى الْاِمَامُ وَاَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِّلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِّلْمَسَاكِيْنِ
امام جو مناسب سمجھے رہا خمس سو کرے اس کے تین حصے ایک حصہ یتیموں کے لئے ایک مسکینوں کے لئے

وَسَهْمٌ لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَيَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَا يُدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَائِهِمْ
اور ایک مسافروں کے لئے اور داخل ہوں گے ذوی القربی کے فقراء انہی میں اور مقدم کئے جائیں گے اور نہ دے ان کے مالداروں

شَيْئًا فَاَمَّا مَاذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَفْسِهٖ فِيْ كِتَابِهٖ مِنَ الْخُمُسِ فَاِنَّمَا هُوَ لِاِفْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهٖ
کو رہا جو حصہ ذکر کیا ہے اللہ نے قرآن میں خمس سے سو وہ شروع کلام میں اللہ کے نام سے تبرک حاصل

تَعَالٰى وَ سَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهٖ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ وَ سَهْمُ ذَوِي الْقُرْبٰى كَانُوْا يَسْتَحِقُّوْنَهٗ فِيْ
کرنے کے لئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ساقط ہو گیا آپ کی وفات سے جیسے ساقط ہو گیا صفی اور ذوی القربی کا حصہ مستحق ہوتے تھے وہ اس کے

زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَةِ وَ بَعْدَهٗ بِالْفَقْرِ وَاِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِ الْاِثْنَانِ دَارَالْحَرْبِ مُغِيْرِيْنَ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نصرت کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے جب داخل ہو ایک یا دو آدمی دارالحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے

بِغَيْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ وَاِنْ دَخَلَ جَمَاعَةٌ لَّهُمْ مَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَاِنْ
امام کی اجازت کے بغیر اور لے آئے کوئی چیز تو خمس نہ لیا جائے گا اور اگر باقوت جماعت داخل ہو کر کچھ لے آئے تو خمس لیا جائے گا گو

لَمْ يَاْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ
امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

تشریح الفقہ قولہ للفارس سھمان الخ غازیوں میں جو لوگ گھوڑے سوار ہوں امام صاحب کے ہاں ان کے دو حصے ہیں اور پیادہ پا کا ایک حصہ ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں سوار کے تین حصے ہیں یعنی ایک حصہ سوار کا اور دو حصے گھوڑے کے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہی[1] ہے امام صاحب کی دلیل وہ احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لئے دو حصے مقرر فرمائے[2]'' پس دو حصے بطریق وجوب ہیں اور تین حصوں والی روایات تنفیل یعنی بطور انعام دینے پر محمول ہیں کیونکہ ابطال روایت کی بہ نسبت جمع بین الروایات ہی اولیٰ ہے۔

قولہ الالفرس واحد الخ اگر کوئی غازی دو گھوڑے لے کر جائے تو طرفین کے نزدیک اس کو ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دو گھوڑوں کے دو حصے ملیں گے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے دو گھوڑوں کے دو دو حصے مقرر فرمائے تھے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ قتال ایک ہی گھوڑے پر ہو سکتا ہے لہٰذا ایک ہی کا حصہ ملے گا نہ کہ دو کا جیسے تین اور چار گھوڑوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ رہا حضرت زبیرؓ کا قصہ، سو اول تو صحیح روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار حصے عطا کئے تھے۔ ایک خود ان کا ایک ان کی والدہ حضرت صفیہؓ کا اور دو حصے ان کے ایک گھوڑے کے[4]'' اور اگر پانچ کی روایت صحیح ہو تو وہ تنفیل پر محمول ہے یعنی پانچواں حصہ بطور انعام تھا جیسا کہ آپ نے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے عطا کئے تھے حالانکہ یہ پیادہ پا تھے[5]۔

قولہ فنفق فرسہ الخ سوار اور پیادہ پا کے حصوں کا استحقاق وقت مجاوزت کے لحاظ سے ہے کہ اگر دار الاسلام سے جدا ہوتے وقت سوار تھا تو سوار کا اور پیادہ پا تھا تو پیادہ پا کا حصہ پائے گا پس اگر کوئی سوار ہو کر دار الحرب میں داخل ہو پھر اس کا گھوڑا مر جائے تو وہ دو حصوں کا مستحق ہے اور اگر دار الحرب میں پیدل گیا اور وہاں جا کر گھوڑا خرید لیا تو ایک حصہ کا مستحق ہو گا۔

قولہ واما الخمس فیقسم الخ آیت ''واعلموا انما غنمتم من شئی اھ'' میں مال غنیمت کی تقسیم اس طرح ہے کہ کل مال کا پانچواں حصہ اللہ، اللہ کے رسول، رسول کے قرابتداروں، فقیروں، یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے اس میں لفظ اللہ جمہور کے نزدیک افتتاح کلام میں محض تبرک کا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں اس کو حصہ کی ضرورت نہیں۔ یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے[6] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی وفات کے بعد جمہور کے نزدیک ساقط ہو گیا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت نہیں رہی پھر اقارب کی خبر گیری انسان کی ذاتی حوائج میں داخل ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور غیر قرابت کی کوئی تخصیص نہیں کوئی بھی ہو البتہ امام زین العابدین کے نزدیک ان میں قرابت کی قید ہے۔

قولہ ویقدمون الخ اعطاء خمس میں محتاج قرابت دار بنو ہاشم جو اصناف ثلاثہ ہی میں سے ہیں یتامی اور مساکین و مسافرین پر مقدم کیے جائیں گے یعنی بنو ہاشم کا یتیم اور یتیموں پر مقدم ہو گا اور ان کا مسکین دوسرے مسکینوں پر مقدم ہو گا۔ وھکذا۔

قولہ الصفی الخ صفی سے مراد ہر وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت میں سے اپنے لئے پسند فرما لیتے تھے زرہ ہو یا تلوار ہو یا باندی وغیرہ۔

قولہ واذا دخل الواحد الخ اگر مسلمانوں کی کوئی با قوۃ جماعۃ دار الحرب سے مال لائے تو اس میں خمس لیا جائے گا اور صاحب قوت نہ ہو تو نہیں لیا جائے گا کیونکہ خمس وظیفہ غنیمت ہے اور غنیمت وہ ہے جو غلبہ کے ساتھ حاصل ہو پس ان کا لایا ہوا مال چھین جھپٹ کہا جائے گا نہ کہ غنیمت

---

[1] الجماعۃ الا النسائی ۱۲۔ [2] ابو داؤد عن مجمع، طبرانی عن المقداد، واقدی عن الزبیر، ابن مردویہ (فی تفسیر سورۃ الانفال) عن عائشۃ، ابن ابی شیبہ عن ابن عمر ۱۲۔ [3] دار قطنی عن ابی عمرۃ، عبد الرزاق، واقدی عن الزبیر ۱۲۔ [4] دار قطنی، احمد ۱۲۔ [5] مسلم ابن حبان عن سلمہ ۱۲۔ [6] طبرانی عن ابن عباس جامع عبد الرزاق عن الحسن بن محمد بن الحنفیہ ۱۲۔

وَاِذَا دخل الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَتَعَرَّضَ بِشَيْئٍ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَاِنْ
جب داخل ہو کوئی مسلمان دارالحرب میں تاجر ہو کر تو حلال نہیں اس کے لئے تعرض کرنا ان کے مالوں اور جانوں سے پس اگر

غَدَرَ بِهِمْ وَاَخَذَ شَيْئًا مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُوْرًا وَّيُؤْمَرُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهٖ وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ اِلَيْنَا
غداری کر کے کوئی چیز لے لی تو اس کا مالک ہو جائے گا ممنوع طریقہ پر اور اس کو حکم کیا جائے گا صدقہ کر دینے کا جب آ جائے حربی ہمارے ہاں

مُسْتَامِنًا لَمْ يَكُنْ لَهٗ اَنْ يُّقِيْمَ فِيْ دَارِنَا سَنَةً وَيَقُوْلُ لَهُ الْاِمَامُ اِنْ اَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ
امن چاہ کر تو ممکن نہ ہو گا اس کے لئے ٹھہرنا دارالاسلام میں سال بھر بلکہ کہہ دے گا اس سے امام کہ اگر تو سال بھر ٹھہرا تو

عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ فَاِنْ اَقَامَ سَنَةً اُخِذَتْ مِنْهُ الْجِزْيَةُ وَصَارَ ذِمِّيًّا وَّلَايُتْرَكُ اَنْ يَّرْجِعَ اِلٰى دَارِ
میں تجھ پر جزیہ مقرر کر دوں گا اگر وہ سال بھر رہے تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا اب اس کو واپس دارالحرب جانے

الْحَرْبِ فَاِنْ عَادَ اِلٰى دَارِالْحَرْبِ وَ تَرَكَ وَدِيْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْذِمِّيٍّ اَوْدَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ
نہیں دیا جائے گا اگر وہ دارالحرب چلا گیا اور چھوڑ گیا کچھ امانت کسی مسلمان یا ذمی کے پاس یا کچھ قرض چھوڑ گیا ان کے ذمہ تو

صَارَ دَمُهٗ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ وَمَا فِيْ دَارِالْاِسْلَامِ مِنْ مَّالِهٖ عَلٰى خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْظُهِرَ عَلَى الدَّارِ
ہو گیا اس کا خون مباح واپس جانے کی وجہ سے اور جو کچھ دارالاسلام میں ہو اس کا مال تو وہ خطرہ میں ہو گیا پس اگر قید کر لیا گیا یا غلبہ ہو گیا دارالحرب پر

فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهٗ وَصَارَتِ الْوَدِيْعَةُ فَيْئًا وَمَا اَوْجَفَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ
اور وہ قتل کر دیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائے گی اور جو لے لیا ہو مسلمانوں نے حملہ کر کے اہل حرب

الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ
کا مال جنگ کئے بغیر تو صرف کیا جائے گا وہ مسلمانوں کی بہتری میں جیسے خرچ کیا جاتا ہے خراج

مستامن کے احکام

تشریح الفقہ قولہ مستامنا الخ حربی کافر کا ہمیشہ دارالاسلام میں رہنا جائز نہیں مگر دو شرطوں میں سے ایک کے ساتھ یا تو وہ غلام ہو یا جزیہ دینا قبول کرے پس اگر حربی کافر امن لے کر دارالاسلام میں آ جائے تو وہ پورے ایک سال تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے صاف کہہ دیا جائے گا کہ اگر تو سال بھر ٹھہرے گا تو ہم تجھ پر جزیہ مقرر کر دیں گے وجہ یہ ہے کہ اگر حربی زیادہ مدت تک ٹھہرے گا تو وہ کافروں کا جاسوس بن جائے گا اس لئے اس کا دارالاسلام میں آنا ضرر سے خالی نہیں مگر بالکل روکا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ اس صورت میں غلہ کی آمد منقطع ہو جائے گی اور تجارتی کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اس لئے ایک سال کی مدت کو حد فاصل قرار دیا جائے گا کیونکہ اس مدت میں جزیہ واجب ہوتا ہے۔

قولہ فان اقام سنة الخ اگر حربی مستامن امام کے صاف کہہ دینے کے بعد بھی سال بھر ٹھہرے تو وہ ذمی ہے۔ اب اگر وہ دارالحرب واپس جانا چاہے تو نہیں جا سکتا کیونکہ عقد ذمہ منعقد ہو جانے کے بعد ٹوٹا نہیں کرتا اگر وہ واپس چلا جائے اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ امانت یا ان کے ذمہ کچھ قرض چھوڑ جائے تو واپسی کی وجہ سے اس کو قتل کرنا مباح ہو گا اور اس کا جو مال دارالاسلام میں ہو وہ خطرہ میں ہو جائے گا یعنی اگر وہ گرفتار ہو جائے یا دارالحرب کو مسلمان فتح کر لیں اور یہ قتل ہو جائے تو اس کا قرض جاتا رہے گا اور اس کا امانت رکھا ہوا مال مال غنیمت شمار ہو گا۔

وَاَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا اَرْضُ عُشْرٍ وَّهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى اَقْصٰى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ وَبِمَهْرَةٍ اِلٰى حَدِّ
عرب کی کل زمین عشری ہے جو عذیب سے لے کر انتہائے حجر یمن تک ہے اور مہرہ سے

مَشَارِقِ الشَّامِ وَالسَّوَادُ كُلُّهَا اَرْضُ خِرَاجٍ وَّهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَمِنَ
مشارق شام کی حد تک ہے اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو عذیب سے عقبہ حلوان تک اور

الْعَلْثِ اِلٰى عَبَّادَانَ وَاَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِاَهْلِهَا يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَ تَصَرُّفُهُمْ فِيْهَا
علث سے عبادان تک ہے سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے انہیں اسکا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے

عشری اور خراجی زمینوں کا بیان

تشریح الفقہ قوله وارض العرب الخ سرزمین عرب کل کی کل عشری ہے۔ عرب سے مراد زمین حجاز، تہامہ، یمن مکہ، طائف اور جنگل ہے بعض حضرات نے مکہ مکرمہ کو تہامہ میں داخل مانا ہے۔ تہامہ وہ زمین ہے جو نجد سے نشیب میں ہے اور نجد اونچی زمین کا نام ہے اور حجاز اس زمین کا نام ہے جو تہامہ اور نجد کے درمیان فاصل ہے، سرزمین عرب کی حدود یہ ہیں۔ عذیب اور انتہاء یمن یعنی ارض مہرہ سے حدود شام تک طولا اور جدہ اور اس کے ماوراء یعنی ساحل سے حدود شام تک عرضا یمن اور ارض مہرہ کی انتہاء سے مراد مسقط اور عدن کے درمیان کا مقام ہے۔

قوله والسواد کلها الخ سواد عراق کی کل سرزمین خراجی ہے۔ سواد عراق کی حدود یہ ہیں غدیب سے عقبہ حلوان تک عرضا اور علث سے عبادان تک طولاً، عذیب بالتصغیر بنو تمیم کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے، یہیں عرب کی انتہاء ہے اور سواد عراق کی ابتداء ہے، حلوان بضم حاء مہملہ ایک شہر کا نام ہے۔ علث بفتح عین مہملہ وسکون لام وثاء مثلثہ۔ دجلہ کے مشرقی جانب میں ایک قریہ ہے جو عراق کی حد ہے۔ عبادان بفتح عین مہملہ وتشدید باء بصرہ کے پاس مشہور جزیرہ ہے۔ سراج میں ہے کہ عراق کا طول مسافت کے لحاظ سے بائیس دن کی راہ ہے اور عرض دس دن کی راہ ہے۔ صاحب بحر نے شرح وجیز سے نقل کیا ہے کہ سواد عراق کا طول ایک سو ساٹھ فرسنگ ہے اور عرض اسی فرسنگ، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیفؓ اور حضرت حذیفہؓ کو بھیجا تا کہ سواد عراق کی پیائش کریں۔ انہوں نے کل زمین کی پیائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ہوئی اور اسی پر خراج مقرر رہا۔

قوله وارض السواد الخ سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے جس میں انہیں تصرف کرنا اور اس کو فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی زمین وہیں کے کافروں کو دی اور ان کی ذات پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا اور تمام صحابہؓ نے اس سے اتفاق[1] کیا۔ فبقيت الارض مملوكة لهم۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَكُلُّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا عَلَيْهَا اَوْفُتِحَتْ عَنْوَةً وَّقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍ وَّكُلُّ اَرْضٍ
جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا وہ بزور بازو فتح کر لی گئی اور غازیوں میں تقسیم کر دی گئی تو وہ عشری ہے اور جو زمین

فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّاَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ وَّمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَّوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ
بزور بازو فتح کی گئی اور اس کے باشندوں کو وہیں رکھا گیا تو وہ خراجی ہے جس نے مردہ زمین کو زندہ کر لیا تو اس کا اعتبار امام ابو یوسف کے

مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَّاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ
نزدیک اس کے برابر والی زمین سے ہو گا، اگر برابر والی خراجی ہو تو وہ خراجی ہو گی اور اگر برابر والی

[1] قاسم بن سلام (فی کتاب الاموال) عن ابراہیم التیمی، عبدالرزاق عن ابن مجلز، ابن ابی شیبہ عن ابی عون محمد ۱۲۔

الْعُشْرِ فَهِیَ عُشْرِیَةٌ وَالْبَصَرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِیَةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وقال مُحَمَّدٌ رحمهُ اللّٰهُ

عشری ہو تو وہ عشری ہوگی اور بصرہ ہمارے نزدیک عشری ہے صحابہؓ کے اجماع سے امام محمد فرماتے ہیں۔

اِنْ اَحْیَاهَا ببئرٍ حفرَهَا اَوْبعینٍ اسْتخرجهَا اَوْبماءِ دجْلة اوالْفُرات اوالانهار العظام الّتیْ

کہ اگر اس کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا

لایملکُها احدٌ فهی عُشریةٌ وانْ احیاها بماء الْانهار الّتیْ احتفرها الْاعاجمُ کنهرالملِکِ

کوئی مالک نہیں تو وہ عشری ہے اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو کھودا ہے عجمیوں نے جیسے نہر ملک

وَنَهْرِ یزْدجرْدَ فهی خراجیةٌ والخراجُ الَّذیْ وضعهٗ عُمرُ رضیَ اللّٰهُ عنْهُ علی اهْل السَّوَاد

نہر یزدجرد تو وہ خراجی ہے جو خراج مقرر کیا تھا حضرت عمرؓ نے اہل سواد پر

مِنْ کُلِّ جَرِیْبٍ یَبْلُغُهُ الماءُ و یصْلُحُ للزَّرْع قفیزٌ هاشمیٌ وَّهُو الصَّاعُ ودرْهمٌ وَّمنْ جریْبِ

وہ ہر اس جریب سے جسے پانی پہنچتا ہو اور قابل زراعت ہو ایک قفیز ہاشمی ہے یعنی ایک صاع اور درہم اور ترکاریوں

الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِیْبِ الْکَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عشرَةُ دراهمَ وَمَا سِوٰی

کے ایک جریب میں پانچ درہم ہیں اور انگور اور کھجور کے ایک جریب میں دس درہم ہیں اس کے علاوہ

ذٰلک من الْاَصْنَاف یُوْضَعُ علَیْها بحسْب الطَّاقة فانْ لَّمْ تطقْ ما وُضع علیْها نقَّصها الْاِمامُ

اور قسم کی زمینوں میں مقرر کیا جائے ان کی برداشت کے مطابق اگر وہ برداشت نہ کریں جو ان پر مقرر کیا گیا ہے تو امام اسے کم کر دے

وَانْ غلب علٰی ارْض الْخراج الْماءُ اوانْقطع عنها اواصْطلم الزَّرْع افةٌ فلا خراجَ عَلَیْهِمْ وَ

اگر غالب آ جائے خراجی زمین پر پانی یا بند ہو جائے یا برباد کر دے کھیتی کو کوئی آفت تو ان کاشتکاروں پر خراج نہ ہوگا

ان عطّلها صاحبُها فعلیه الْخراجُ ومنْ اسْلم منْ اهْل الْخراج اُخذ منْهُ الْخراجُ علٰی حَالِهٖ

اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین والے نے تو اس پر خراج ہوگا جو خراج والا اسلام لے آئے تو اس سے خراج لیا جائے گا بدستور سابق

ویجوْزُ انْ یَّشْتری الْمُسْلمُ من الذِّمّیّ ارْض الْخراج ویُؤخذُ منْهُ الْخراجُ ولا عُشْر فی الْخارج منْ اَرْضِ الْخَرَاجِ

جائز ہے یہ کہ خریدے مسلمان ذمی سے خراجی زمین اور اس سے خراج ہی لیا جائے گا اور عشر نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں

توضیح اللغۃ عنوۃ۔ زبردستی لے لینا' موات۔ مردہ بنجر زمین' حیز۔ جگہ' حفر۔ (ض) حفرا' گڑھا کھودنا' عین۔ چشمہ' انہار۔ جمع نہر' اعاجم۔ غیر عربی لوگ۔ جریب۔ بیگہ' ایک جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے۔ شاہ کسریٰ کے ذراع سے جو سات مشت کا ہوتا تھا' عام ذراع چھ مشت کا ہوتا ہے (کذافی المغرب) رطبہ۔ سبزیاں' ترکاریاں' کرم۔ انگور' اصناف جمع صنف بمعنی قسم' اصطلم۔ جڑ سے اکھیڑنا' برباد کرنا' عطل۔ بیکار چھوڑنا۔

تشریح الفقہ قولہ اسلم اھلھا الخ ہر وہ زمین جس کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا ہو اور ہر وہ ملک جو بزور بازو و شوکت اسلام فتح کیا گیا ہو اور اس کی زمین غازیوں کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو وہ سب عشری ہیں کیونکہ عرب کے قبائل جو مسلمان ہو جاتے تھے ان کی زمینیں انہی کی ملک رہتی تھیں اور مفتوحہ زمینیں جو غازیوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھیں وہ غازیوں کی ملک ہوتی ہیں۔ ان سب زمینوں پر کسی قسم کا کوئی خراج نہ تھا البتہ ان کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر تھا۔

قولہ فاقر اھلھا الخ ہر وہ زمین جو قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کی گئی ہو اور اس کے باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو۔ وہ سب زمینیں خراجی

ہیں۔ بعض حضرات نے اس سے مکہ مکرمہ کو مستثنی کیا ہے مکہ جنگ ہی کے ذریعہ سے فتح ہوا تھا اور اس کے باشندوں کو وہیں آباد رکھا گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کی زمینوں پر خراج مقرر نہیں کیا لہذا یہ آپ کے فعل کی وجہ سے مخصوص ہو کر عشری رہا۔ (مجمع الانہر)

قولہ من کل جریب الخ جس زمین میں پانی پہنچتا ہو اور اس میں کاشت ہو سکتی ہو اس کے ایک جریب کا خراج ایک درہم اور قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع غلہ ہے جو سب سے کم خراج ہے اور جو زمین اس سے بہتر ہو جس کو ارض رطبہ کہتے ہیں جس میں ترکاریاں ہوتی ہیں اس کے ایک جریب کا خراج پانچ درہم ہیں جو اوسط درجہ کا خراج ہے اور جو زمین اس سے بھی اعلی ہو جس میں انگور یا کھجور کے گھنے درخت ہوں اس کے ایک جریب کا خراج دس درہم ہیں حضرت عمرؓ نے اہل سواد پر یہی مقرر کیا تھا۔

قولہ فان لم تطق الخ جو زمین خراج کی مقررہ مقدار کی متحمل نہ ہو تو اس میں کمی کی جا سکتی ہے لیکن حضرت عمرؓ کی جو مقرر کردہ مقدار اوپر مذکور ہوئی اس میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا اگرچہ زمین اس کی متحمل ہو۔

قولہ وان غلب الخ اگر کسی زمین پر پانی غالب آ جائے یا آبپاشی منقطع ہو جانے کی وجہ سے زمین پیداوار کے لائق نہ رہے یا کھیتی پر کوئی ناگہانی آفت پڑ جائے تو خراج معاف ہو جائے گا لیکن اگر کاشتکار کی کاہلی کی وجہ سے قابل زراعت زمین معطل ہو جائے یا کوئی مسلمان خراجی زمین خرید لے تو خراج ادا کرنا پڑے گا۔

قولہ ولا عشر فی الخارج الخ خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں یعنی عشر اور خراج دونوں جمع نہیں ہوتے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ دو مختلف سببوں کی وجہ سے دو محلوں میں واجب ہوتے ہیں اس لئے ان کے جمع ہونے میں کوئی منافات نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو غلبۃً فتح کی گئی ہو اور عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے ہوں اور یہ دونوں وصف ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالجِزْيَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَّرَاضِیْ وَالصُّلحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسْبِ مَايَقَعُ عَلَيْهِ الْاِتِّفَاقُ وَ

جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جزیہ جو مقرر کیا جائے رضا مندی اور صلح سے پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے اور

جِزْيَةٌ يَّبْتَدِئُ الْاِمَامُ بِوَضْعِهَا اِذَا غَلَبَ الاِمَامُ عَلَی الْكُفَّارِ وَاَقَرَّهُمْ عَلٰى اَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَی الْغَنِیِّ

ایک وہ جزیہ جو ابتداءً مقرر کرے امام جب وہ غالب آئے کفار پر اور برقرار رکھے ان کے مالوں کو ان کی ملکیتوں پر پس مقرر کرے

الظَّاهِرِ الْغِنَاءِ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا يَاْ خُذُ مِنْهُ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وَ عَلَی الْمُتَوَسِّطِ

کھلی مالداری والے پر ہر سال اڑتالیس درہم اور وصول کرے اس سے ہر ماہ چار درہم اور اوسط درجہ

الْحَالِ اَرْبَعَةً وَّ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا فِیْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ وَ عَلَی الْفَقِيْرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَیْ عَشَرَدِرْهَمًا فِیْ كُلِّ

کے آدمی پر چوبیس درہم ہر ماہ دو درہم اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم

شَهْرٍ دِرْهَمًا وَّ تُوْضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوْسِ وَعَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَلَا تُوْضَعُ

ہر ماہ ایک درہم اور مقرر کیا جائے گا جزیہ اہل کتاب پر، مجوسیوں پر، عجمی بت پرستوں پر اور مقرر نہ کیا

عَلٰى عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا عَلَی الْمُرْتَدِّيْنَ وَلَاجِزْيَةَ عَلَی امْرَاَةٍ وَّلَا صَبِیٍّ وَّلَا زَمِنٍ

جائے عرب کے بت پرستوں پر نہ مرتد لوگوں پر اور نہیں ہے جزیہ عورت پر نہ بچے پر نہ اپاہج پر

وَّلَا عَلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَّلَا عَلَی الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لَا يُخَالِطُوْنَ النَّاسَ وَمَنْ اَسْلَمَ وَ عَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ

نہ ایسے فقیر پر جو بیکار ہو نہ ان راہبوں پر جو نہ ملتے جلتے ہوں لوگوں سے جو شخص اسلام لے آیا اور اس کے ذمہ جزیہ تھا تو اس

عَنْهُ وَاِنِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَتَانِ وَلَايَجُوْزُ اِحْدَاثُ بِيْعَةٍ وَّلَا كَنِيْسَةٍ فِي دَارِ

کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا' اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا' جائز نہیں یہود و نصاریٰ کا جدید عبادت خانہ بنانا

الْاِسْلَامِ وَاِذَا انْهَدَمَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيْمَةُ اَعَادُوْهَا وَيُؤْخَذُ اَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنِ

دارالاسلام میں اگر منہدم ہو جائیں پرانے گرجا تو دوبارہ بنا سکتے ہیں عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا

الْمُسْلِمِيْنَ فِي زِيِّهِمْ وَ مَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوْجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ وَلَا يَرْكَبُوْنَ الْخَيْلَ وَلَا يَحْمِلُوْنَ السِّلَاحَ وَ

مسلمانوں سے پوشاک' سواریوں' زینوں' اور ٹوپیوں میں اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ اٹھائیں گے ہتھیار

مَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ اَوْقَتَلَ مُسْلِمًا اَوْسَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْزَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهُ

جو باز رہے جزیہ دینے سے یا قتل کر دے مسلمان کو یا برا کہے نبی علیہ السلام کو یا زنا کرے مسلمان عورت سے تو نہ ٹوٹے گا اس کا عہد

وَلَايَنْتَقِضُ الْعَهْدُ اِلَّا بِاَنْ يَّلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ اَوْيَغْلِبُوْا عَلٰى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُوْنَنَا

اور نہیں ٹوٹتا عہد مگر یہ کہ چلا جائے دارالحرب میں یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں۔

جزیہ کے احکام

توضیح اللغۃ جزیہ۔ٹیکس' املاک جمع ملک' معتمل۔اپنے لئے کام کرنے والا' عبدۃ۔جمع عابد' اوثان جمع وثن' بت' زمن۔لنجا' رہبان۔جمع راہب' گرجاؤں کا گوشہ نشین' حولان تثنیہ حول' سال' بیعہ۔یہودیوں کا عبادت خانہ' جمع بیع' کنیسہ۔گرجا جمع کنائس' زی۔ہیئت' سروج جمع سرج' زین' قلانس جمع قلنسوۃ' ٹوپی' سب۔گالی دینا۔

تشریح الفقہ قولہ والجزیۃ الخ جزیہ لغۃ بمعنی جزاء ہے بایں معنی کہ یہ قتل کا بدلہ ہے یعنی اگر کافر جزیہ نہ دیتا تو قتل کیا جاتا اس کی دو قسمیں ہیں۔ جزیہ صلحی' جزیہ قہری اگر جزیہ کی کوئی مقدار بطور صلح و رضا معین ہو جائے تو اس سے عدول جائز نہیں کیونکہ یہ عہد شکنی ہے اور اگر کافروں کے مغلوب ہونے اور ان کو املاک پر قائم رکھنے کے بعد مقرر ہوا ہو تو اس کے تین درجے ہیں۔ا اگر کافر مالدار ہو تو اڑتالیس درہم لئے جائیں گے یعنی چار درہم ماہانہ۔۲۔اگر اوسط درجہ کا آدمی ہو تو چوبیس درہم لئے جائیں گے یعنی ماہانہ دو درہم ۳ اگر فقیر ہو لیکن کھاتا کماتا ہو تو ماہانہ ایک درہم لیا جائیگا۔امام شافعی کے ہاں ہر ایک سے ایک دینار لیا جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا کہ ہر بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرو[1] مصنف عبدالرزاق میں عورت سے بھی ایک دینار لینے کا حکم ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ سے وہی مقدار منقول ہے جو اوپر مذکور ہوئی[2] اور حدیث معاذؓ بطور صلح لینے پر محمول ہے۔

قولہ وتوضع الجزیۃ الخ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور آتش پرست سے جزیہ لیا جائے گا۔لقولہ تعالی" من الذین اوتو الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ' نیز اہل نجران وایلہ (جو نصرانی تھے) اور دومۃ الجندل و یمن کے یہود اور ہجر کے مجوس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزیہ لینا ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ' مالک' احمد کے ہاں بت پرستوں سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔امام شافعی کے ہاں ان سے نہیں لیا جائے گا کیونکہ کتاب اللہ میں اہل کتاب کی قید ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل کتاب سے لیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آتش پرست اور بت پرست میں کوئی فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مجوسی بت پرست سے بھی بدتر ہے کیونکہ مجوسی خالق خیر و شر جدا جدا مانتے ہیں۔محرمات ابدیہ یعنی اپنی بیٹی اور

[1] ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن حبان' حاکم عن معاذ ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ' ابن سعد عن عمر ۱۲۔

بہن سے نکاح درست کہتے ہیں' بت پرست ان لغویات سے دور ہیں اس کے باوجود مجوسی سے جزیہ لے کر اس کو اس کے دین پر رہنے کی اجازت ہے تو بت پرست کو بھی یہ حق دیا جائے گا اور بت پرستوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیہ نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ جب جزیہ کا حکم نازل ہوا تو اس سے پہلے تقریباً تمام بت پرست قبائل میں اسلام پھیل چکا تھا اور اس کے بعد ان سے جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ہاں اہل کتاب سے مقاتلہ ہوا اور انہی پر جزیہ مقرر ہوا۔

قولہ من العرب الخ عرب کے بت پرستوں سے احناف و موالک کے ہاں بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں پیدا ہوئے ان ہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا وہ اس کے معانی اور فصاحت و بلاغت سے زیادہ واقف ہیں پس ان کا کفر شدید تر ہے تو حکم بھی سخت ہوگا یعنی اسلام قبول کریں یا مقتول ہوں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ "جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے[1]" اس لئے جزیہ لے کر وہاں بت پرستی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

قولہ و ان اجتمع الخ اگر کسی سے چند سالوں کا جزیہ نہ لیا گیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک سالہائے گذشتہ کا جزیہ ساقط ہو جائے گا اور صرف سال رواں کا جزیہ لیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگا۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ ہر سال کا جزیہ مستقل طور پر واجب ہے لہذا تاخیر سے ساقط نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جزیہ بطور عقوبت واجب ہوتا ہے اور جب عقوبات مجتمع ہو جائیں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے لہذا جزیہ ایک ہی سال کا واجب ہوگا۔

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ وَيُحْبَسُ ثَلٰثَةَ
جب پھر جائے مسلمان اسلام سے تو پیش کیا جائے اس پر اسلام اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو اس کو رفع کیا جائے اور قید رکھا جائے

اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَلَا شَيْءَ
تین دن اگر اسلام لے آئے تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا' اگر قتل کر دیا اس کو کسی نے اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے اور کچھ واجب

عَلَى الْقَاتِلِ وَاَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهٖ
نہیں قاتل پر' رہی پھر جانے والی عورت سو قتل نہ کی جائے بلکہ قید رکھی جائے یہاں تک کہ اسلام لائے' زائل ہو جاتی ہے مرتد کی ملکیت اس کے مال

بِرِدَّتِهٖ زَوَالًا مُرَاعًا فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰى حَالِهَا وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ
سے بہ زوال موقوف پس اگر اسلام لے آئے تو لوٹ آئے گی اپنی حالت پر' اگر مر جائے یا قتل کر دیا جائے ردت ہی پر تو منتقل ہو جائے گی

فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَيْءٌ فَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا
اس کی حالت اسلام کی کمائی اس کے مسلم ورثاء کی طرف اور اس کی ردت کے زمانہ کی کمائی غنیمت ہو گی' اگر چلا گیا دارالحرب میں مرتد ہو کر

وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَاُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَحَلَّتِ الدُّيُوْنُ الَّتِيْ عَلَيْهِ وَانْتَقَلَ مَا
اور حکم کر دیا حاکم نے اس کے چلے جانے کا تو آزاد ہو جائیں گے اس کے مدبر اور ام ولد اور فوری ہو جائیں گے وہ قرض جو اس کے ذمہ تھے میعادی' اور منتقل

اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتُقْضَى الدُّيُوْنُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ
ہو جائے گی اس کی دور اسلام کی کمائی اس کے مسلم ورثاء کی طرف اور چکائے جائیں گے اس کے وہ دیون جو اس کو لازم ہوئے ہوں دور اسلام میں

مِمَّا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ وَمَا لَزِمَهٗ مِنَ الدُّيُوْنِ فِيْ رِدَّتِهٖ يُقْضٰى مِمَّا فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ وَمَا بَاعَهٗ
اس کی دور اسلام کی کمائی سے اور جو دیون لازم ہوئے ہوں اس کی ردت کی حالت میں تو وہ چکائے جائیں گے ردت کے زمانہ کی کمائی سے اور

---

[1] ابن راہویہ' عبدالرزاق عن ابی ہریرہ ۱۲۔

اَوِاشْتَرَاهُ اَوْتَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهٖ فِي حَالِ رِدَّتِهٖ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهٗ وَ

جواس نے بیچا یا خریدا ہو یا تصرف کیا ہو اپنے مال میں بحالت ردت تو یہ سب موقوف ہو گئے اگر اسلام لے آئے تو اس کے یہ عقد صحیح ہو جائیں گے اور

اِنْ مَاتَ اَوْقُتِلَ اَوْلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ وَاِذَا عَادَالْمُرْتَدُّ اِلٰى دَارِالْاِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا

اگر مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دارالحرب چلا گیا تو باطل ہو جائیں گے، جب لوٹ آئے مرتد دارالاسلام کی طرف مسلمان ہو کر تو جو

وَجَدَهٗ فِي يَدِ وَرَثَتِهٖ مِنْ مَالِهٖ بِعَيْنِهٖ اَخَذَهٗ وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِي مَالِهَا فِي حَالِ رِدَّتِهَا

پائے اپنے ورثاء کے قبضہ میں اپنا مال بعینہ تو لے لے اس کو مرتدہ عورت جب تصرف کرے اپنے مال میں اپنی ردت کے زمانہ میں

جَازَ تَصَرُّفُهَا وَ نَصَارٰى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ

تو جائز ہو گا اس کا تصرف، بنی تغلب کے نصاریٰ سے لیا جائے گا اس کا دوگنا جو لی جاتی ہے مسلمانوں سے

الزَّكٰوةِ وَيُؤْخَذُ مِنْ نِّسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ وَمَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ

زکوۃ اور لیا جائے گا ان کی عورتوں سے بھی، اور نہیں لیا جائے گا ان کے بچوں سے، جو کچھ جمع کیا ہو امام نے خراج اور

اَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَى الْاِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ

بنی تغلب کا مال اور جو کچھ ہدیۃً دیا ہو اہل حرب نے امام کو اور جزیہ کا مال صرف کیا جائے گا مسلمانوں کی بہتری

فَيُسَدُّ مِنْهُ الثُّغُوْرُ وَ تُبْنَى الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَيُعْطٰى مِنْهُ قُضَاةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُمَّالُهُمْ وَ عُلَمَائُهُمْ

میں پس بند کی جائیں گی اس سے سرحدیں اور بنائے جائیں گے اس سے پل اور دیا جائے گا اس سے مسلمانوں کے قاضیوں، عاملوں اور عالموں کو

مَا يَكْفِيْهِمْ وَيُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيْهِمْ

اتنا جوان کے لئے کافی ہو اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ

مرتدین کے احکام

توضیح اللغۃ مرلغا ای موقوفا بغی غنیمت، دیون۔ جمع دین، بنی تغلب۔ تغلب بن وائل بن ربیعہ کی طرف منسوب ہے، یہ عرب کی ایک قوم تھی جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئی تھی، ضعف۔ دوگنا، جباہ۔ (ن) جبا و جبوا۔ جمع کرنا، مصالح جمع مصلحۃ، یسد (ن) سدا۔ بند کرنا، ثغور جمع ثغر۔ سرحد، قناطر جمع قنطرۃ۔ پل، جسور جمع جسر پل، قضاۃ جمع قاضی، عمال جمع عامل، وہ شخص جو کسی کے امور مالی وغیرہ کا متولی ہو، ارزاق، جمع رزق وظیفہ ذراری جمع ذریۃ نسل اور اولاد۔

تشریح الفقہ قولہ ویزول الخ مرتد کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے مگر بزوال موقوف یعنی اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملک لوٹ آئے گی صاحبین کے نزدیک اس کی ملک زائل نہ ہوگی کیونکہ وہ بھی مکلف ہے اور مال کے بغیر کوئی معاملہ نہیں کرسکتا لہذا جب تک وہ قتل نہ ہو ملک باقی رہے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ حربی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مقہور ہے اور مقہوریت علامت مملوکیت ہے جو موجب زوال ملک ہے مگر چونکہ اس پر اسلام قبول کرنا ضروری ہے اور قبول کرنے کی امید بھی ہے اس لئے زوال ملک کو موقوف رکھا جائے گا۔

قولہ وان مات او قتل الخ اگر مرتد بحالت ارتداد مر جائے یا مقتول ہو جائے تو اس کے مسلم ورثہ دور اسلام کی کمائی کے وارث ہوں گے اور اسی کمائی سے اس کا وہ قرض ادا کیا جائے گا جو اس کے ذمہ اسلام کے زمانہ کا ہو اور زمانہ ارتداد کی کمائی غنیمت ہوگی اور اسی کمائی سے اس کا وہ قرض

ادا کیا جائے گا جو اس کے ذمہ اسلام کے زمانہ کا ہو اور زمانہ ارتداد کی کمائی غنیمت ہوگی اور جو قرضہ زمانہ ارتداد کا ہو وہ اسی کمائی سے چکایا جائے گا صاحبین کے نزدیک دونوں زمانوں کی کمائی ورثہ کے لئے ہوگی اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غنیمت ہوگی کیونکہ مرتد کافر کا وارث نہیں ہوتا اور یہ مال چونکہ حربی کا ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ردت کے بعد مرتد کی ملکیت اس کی دونوں کمائیوں میں باقی ہے (کمامر) پس اس کے مرنے کے بعد یہ ملک اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گی اور ردت کے تھوڑے قبل کے زمانہ کی طرف مسند ہوگی فیکون توریث المسلم من المسلم لامن الکافر' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دور اسلام کی کمائی تو مسند ہوسکتی ہے کہ وہ ردت سے قبل موجود ہے لیکن دور ردت کی کمائی میں یہ بات نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ ردت سے قبل موجود ہی نہیں۔

قولہ موقوف الخ جو امور کمال ولایت پر موقوف نہیں جیسے استیلاء طلاق قبول ہبہ تسلیم شفعہ ان میں مرتد کا تصرف بالاتفاق نافذ ہے اور جن کی صحت اعتقاد ملت پر منحصر ہے۔ جیسے نکاح' ذبیحہ' شکار کرنا' گواہی دینا' وراثت ان میں بالاتفاق باطل ہے اور جو دینی مساوات پر منحصر ہیں جیسے شرکت مفاوضہ یا ولایت متعدیہ پر منحصر ہیں جیسے اپنے چھوٹے بچے پر تصرف' ان میں بالاتفاق موقوف ہے اور جن میں مبادلہ مال بالمال ہو جیسے خرید' فروخت' عقد صرف' عقد سلم' عتق' تدبیر' کتابت' ہبہ' رہن' اجارہ' صلح عن الاقرار' قبض دین' وصیت' ان میں امام صاحب کے ہاں موقوف ہے اور صاحبین کے ہاں نافذ ہے۔

قولہ بنی تغلب الخ بنو تغلب سے جزیہ دو چند لیا جائے گا کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے جزیہ طلب کیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ جس طرح تم مسلمانوں سے مال کا صدقہ لیتے ہو اسی طرح ہم سے لے لو۔ حضرت عمرؓ گو اس کے لئے تیار نہ تھے لیکن نعمان بن زرعہ کے مشورہ سے یہی بات طے پائی کہ ان سے جزیہ میں دوگنی زکوۃ لی جائے اور صدقہ کے ہی نام سے لی جائے چنانچہ اس پر معاہدہ ہوگیا' اور چونکہ زکوۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے بھی دوگنی زکوۃ مقرر ہوئی۔ محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

وَاِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍ وَخَرَجُوْا مِنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ دَعَاهُمْ اِلَى الْعَوْدِ اِلَى

جب مسلط ہو جائے مسلمانوں کی قوم کسی شہر پر اور باہر ہو جائے امام کی اطاعت سے تو دعوت دے ان کو جماعت میں شامل

الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ وَلَايَبْدَاُهُمْ بِالْقِتَالِ حَتّٰى يَبْدَؤُوْهُ فَاِنْ بَدَؤُوْنَا قَاتَلْنَاهُمْ

ہونے کی اور رفع کرے ان کے شبہ کو اور ابتداء نہ کرے ان سے لڑنے میں یہاں تک کہ وہی ابتدا کریں جب وہ ابتدا کریں تو ہم ان

حَتّٰى تَفَرَّقَ جَمْعُهُمْ وَاِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ اَجْهَزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاتَّبَعَ مُوَلِّيْهِمْ وَاِنْ يَّكُنْ

سے لڑیں گے یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے اگر ان کی اور جماعت بھی ہو تو نہ گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور تعاقب کرے بھاگنے والوں کا اگر کوئی

لَّهُمْ فِئَةٌ لَّمْ يُجْهِزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يَتَّبِعْ مُوَلِّيْهِمْ وَلَا تُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَّلَا يُقْسَمُ لَهُمْ

اور جماعت نہ ہو تو گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور نہ تعاقب کرے بھاگنے والوں کا' نہ قید کرے ان کی ذریت کو نہ تقسیم کرے ان کا

مَّالٌ وَّلَا بَاْسَ بِاَنْ يُّقَاتِلُوْا بِسِلَاحِهِمْ اِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَيْهِ وَيَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَلَا

مال کوئی حرج نہیں قتال کرنے میں انہی کے ہتھیاروں سے اگر ضرورت ہو اس کی مسلمانوں کو' اور روک لے امام ان کا مال اور

يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبُغٰى مِنَ الْبِلَادِ الَّتِىْ

نہ دے ان کو اور نہ تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کریں پس دے دے ان کو ان کا مال' جو وصول کر لیا ہو باغیوں نے ان شہروں سے جن پر وہ

غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِلَمْ يَاْخُذْهُ الْاِمَامُ ثَانِيًا فَاِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِىْ حَقِّهٖ اَجْزَاَ مَنْ اُخِذَ

غالب آ گئے تھے خراج یا عشر تو نہ لے امام ان سے دوبارہ پس اگر صرف کیا ہو انہوں نے صحیح موقعہ پر تو کافی ہو گا اس

مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِیْ حَقِّهٖ فَعَلٰی اَهْلِهِمْ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ يُعِيْدُوْا ذٰلِکَ

کی طرف سے جس سے لیا گیا ہے اور اگر اس کے موقعہ پر صرف نہ کیا ہو تو ان لوگوں پر واجب ہے دیانۃ یہ کہ دوبارہ ادا کریں

باغیوں کے احکام

توضیح اللغۃ تغلب۔زبردستی تسلط جمالے' فئۃ۔گروہ'اجہز۔مارڈالے'جریح بمعنی مجروح'زخمی'مولی۔پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔

تشریح الفقہ قولہ و اذا تغلب الخ جب مسلمانوں کی کوئی جماعت امام حق کی طاعت سے باہر ہوکر کسی شہر پر غالب آ جائے تو امام ان کو اپنی طاعت کی طرف بلائے اور اس سلسلہ میں ان کے جو شبہات ہوں ان کو دور کرے اگر وہ کسی جگہ جمع ہوں تو ان سے ابتداءً بھی قتال کرنا حلال ہے (ذکرہ الامام خواہرزادہ) صاحب کتاب نے اس کو اختیار کیا ہے کہ ابتداءً قتال نہیں کرنا چاہیے تاکہ ان کی جمعیت پریشان ہوکر ٹوٹ جائے کیونکہ ان کا اس طرح جمع ہونا ظاہراً قتال کی دلیل ہے اور شئے کا حکم اس کی دلیل پر دائر ہوتا ہے اور اگر ان کی کوئی ایسی جماعت ہو کہ یہ لوگ ان سے مل کر مضبوط ہو جائیں تو ان کے زخمیوں کو امام قتل کر ڈالے اور جو فرار ہو جائیں ان کا پیچھا کرے لیکن ان کی ذریت کو قید نہ کرے اگر ضرورت ہو تو انہی کے ہتھیار استعمال کرے'ان کے مالوں کو اپنے قبضہ میں لے لے اور جب تک وہ تائب نہ ہوں'مال ان کو نہ دے۔

كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْاِبَاحَةِ

جائز اور ناجائز امور کے بیان میں

لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيْرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ وَلَابَاسَ بِتَوَسُّدِهٖ عِنْدَ

حلال نہیں مردوں کے لئے ریشمی کپڑا پہننا اور حلال ہے عورتوں کے لئے اور کوئی مضائقہ نہیں اس کا تکیہ

اَبِیْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُكْرَهُ تَوَسُّدُهٗ وَلَابَاسَ بِلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ فِی الْحَرْبِ عِنْدَ هُمَا

لگانے میں امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا تکیہ لگانا مکروہ ہے کوئی حرج نہیں ریشم اور دیبا پہننے میں لڑائی کے وقت صاحبین کے

وَيُكْرَهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَلَابَاسَ بِلُبْسِ الْمُلْحَمِ اذا كَانَ سَدَاهُ اَبْرِيْسَمًا وَّلُحْمَتُهٗ قُطْنًا اَوْخَزًّا

نزدیک' اور مکروہ ہے امام صاحب کے نزدیک' کوئی حرج نہیں ملحم کے پہننے میں جبکہ ہو اس کا تانا ریشم کا اور بانا روئی یا اون وغیرہ کا

توضیح اللغۃ خطر۔منع کرنا'لبس۔پہننا'حریر۔ریشم'توسد۔تکیہ رکھنا'دیباج۔ریشمی کپڑا'حرب۔لڑائی'ملحم۔جس کا تانا ریشمی اور بانا غیر ریشمی ہو'سدی۔تانا'لحمۃ۔بانا'قطن۔روئی'خز۔مراد اون۔

تشریح الفقہ قولہ کتاب الحظر الخ حظر کے لغوی معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں قال اللہ تعالی "وما کان عطاء ربک محظوراً" شرعاً ضد مباح کو کہتے ہیں اور مباح اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے نہ کرنے میں مکلّف کو استحقاق ثواب وعقاب کے بغیر اختیار ہو۔

قولہ لایحل الخ ریشمی کپڑے کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے۔بدن سے متصل ہو یا منفصل کیونکہ حدیث میں ہے کہ "دنیا میں حریر وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں[1]" ہاں عورتوں کے لئے حلال ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "حریر اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے[2]"

[1] صحیحین'نسائی عن عمر ۱۲۔ [2] ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقم'طبرانی عن واثلہ ۱۲۔

قولہ بتوسدہ الخ ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا اور اس کا فرش بچھانا حلال ہے۔ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حرام ہے۔مواہب میں ہے کہ یہی صحیح ہے لیکن شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ تصحیح متون معتبرہ مشہورہ اور شروح کے خلاف ہے۔فقیہ ابواللیث نے امام ابو یوسف کو امام کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی ان کے نزدیک بھی حلال ہے۔چنانچہ جامع صغیر میں حرمت کا قول صرف امام محمد کا مذکور ہے قائلین حرمت کا استدلال روایات کے عموم سے ہے۔امام صاحب کی دلیل راشد کی روایت ہے کہ ''میں نے حضرت ابن عباسؓ کے فرش پر مرفقہ حریر دیکھا ہے[1]''

قولہ فی الحرب الخ حریر اور دیباج کا استعمال صاحبین' امام مالک وشافعی کے نزدیک جنگ کے موقع پر حلال ہے کیونکہ اس سے دشمن پر ہیبت طاری ہوتی ہے اور اس میں تلوار کاٹ نہیں کرتی۔امام صاحب کے نزدیک جنگ کے موقع پر بھی حرام ہے کیونکہ نصوص حرمت میں جنگ وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں اور ملحم میں یعنی وہ کپڑا جس کا تانا ریشمی ہو اور بانا روئی یا اون وغیرہ کا ہو تو اس کا پہننا حلال ہے کیونکہ کپڑا بناوٹ سے ہوتا ہے اور بناوٹ بانے سے ہوتی ہے تو کپڑے کی حقیقت میں بانا ہی معتبر ہوگا۔نیز خز کا استعمال متعدد صحابہؓ سے ثابت ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ التَّحَلِّىْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَابَأْسَ بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ
جائز نہیں مرد کے لئے زیور پہننا سونے چاندی کا' اور کوئی حرج نہیں انگوٹھی' پٹکے اور تلوار کے زیور میں

مِنَ الْفِضَّةِ وَيَجُوْزُ لِلنِّسَاءِ التَّحَلِّىْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَيُكْرَهُ اَنْ يُّلْبَسَ الصَّبِىُّ الذَّهَبَ وَالْحَرِيْرَ
جو ہو چاندی کا' جائز ہے عورتوں کے لئے زیور پہننا سونے چاندی کا اور مکروہ ہے یہ کہ پہنایا جائے بچہ کو سونا اور ریشم

وَلَا يَجُوْزُ الْاَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالْاِدِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِىْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
اور جائز نہیں کھانا پینا' تیل لگانا اور خوشبو استعمال کرنا سونے چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے

وَلَابَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ اٰنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرُّصَاصِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِيْقِ وَيَجُوْزُ الشُّرْبُ فِى الْاِنَاءِ
کوئی حرج نہیں کانچ' رانگ' بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں' جائز ہے پینا چاندی چڑھے

الْمُفَضَّضِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالرُّكُوْبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوْسُ عَلَى السَّرِيْرِ
برتن میں امام صاحب کے نزدیک اور سوار ہونا چاندی چڑھی زین پر اور بیٹھنا چاندی چڑھے

الْمُفَضَّضِ وَيُكْرَهُ التَّعْشِيْرُ فِى الْمُصْحَفِ وَالنُّقَطُ وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ وَنَقْشِ الْمَسْجِدِ
تخت پر مکروہ ہے' ہر دس آیت پر نشان لگانا قرآن میں اور نقطے لگانا' اور کوئی حرج نہیں قرآن کو آراستہ کرنا اور مسجد کو منقش

وَزَخْرَفَتِهٖ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ وَلَابَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءِ
اور مزین کرنے میں سونے کے پانی سے' مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا کوئی حرج نہیں چوپاؤں کو خصی کرنے اور گدھے

الْحَمِيْرِ عَلَى الْخَيْلِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُّقْبَلَ فِى الْهَدِيَّةِ وَالْاِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالصَّبِىِّ وَيُقْبَلُ فِى
کو گھوڑی پر ڈالنے میں جائز ہے یہ کہ قبول کیا جائے ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچہ کا قول اور قبول کیا جائے

الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَلَايُقْبَلُ فِىْ اَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ اِلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ
معاملات میں فاسق کا قول اور نہ قبول کیا جائے دیانات میں مگر عادل شخص کا قول

[1] بخاری عن عمران (فی المفرد) ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بیہقی' (فی شعب الایمان) عن انس' ابن ابی شیبہ' طبرانی عن حسین بن علی' حاکم عن ابن عمر' عبدالرزاق' بیہقی عن سعد بن ابی وقاص وجابر وابی ہریرہ ۱۲۔)

توضیح اللغت تحلی ۔آراستہ ہونا' خاتم ۔انگوٹھی' منطقہ۔ پٹکا جو کمر پر باندھا جائے' حلیۃ ۔ زیور' سیف ۔تلوار' ادہان ۔تیل لگانا' تطیب ۔خوشبو لگانا' آنیۃ ۔ برتن' زجاج ۔کانچ ۔رصاص ۔رانگ ۔ بلور' ایک قسم کا شیشہ اور سفید وشفاف جوہر ۔عقیق ۔سرخ مہرے' مفضض ۔جس پر چاندی چڑھی ہو' سرج ۔زین' سریر ۔تخت' تعشیر ۔قرآن میں ہر دس آیت پر نشان لگانا' نقط (ن) حرف پر نقطے لگانا' زخرفہ ۔خوبصورت بنانا' خصیان ۔جمع خصی' آختہ خصاء (ض) خصی کرنا' بہائم ۔جمع بہیمۃ چوپائے' انزاء ۔نر کو مادہ پر کدانا' حمیر جمع حمار' گدھا' خیل ۔گھوڑا' عدل ۔عادل۔

تشریح الفقہ قولہ للرجل الخ مرد کے لئے سونے چاندی سے زینت حاصل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں البتہ چاندی کی انگوٹھی' پٹکا اور تلوار کا زیور جو چاندی کا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بقصد تکبر نہ ہو کیونکہ روایت میں ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ جس کا نگینہ حبشی تھا اور اس میں "محمد رسول اللہ"[1] کندہ تھا۔ نیز حدیث میں ہے کہ "آپ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا"[2] چاندی کے علاوہ سونے' پیتل' لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا حرام ہے امام سرخسی نے یشب اور عقیق کے جواز کی تصحیح کی ہے۔

قولہ ولایجوز الاکل الخ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا' ان سے تیل اور خوشبو لگانا مرد اور عورت دونوں کے حق میں ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ "جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے"[3] جب ان میں کھانا پینا منع ہے تو ان سے تیل اور خوشبو لگانا بھی ممنوع ہوگا لانہ فی معناہ۔

قولہ فی الاناء المفضض الخ منح الغفار میں مفضض کی تفسیر مزوق ہے اور شمنی میں مرصع اور قہستانی میں مزین پس جو برتن چاندی سے مزین ومنقش اور مرصع ہو جس کو فارسی میں سیم کوب اور ہندی میں بدر اور جڑاؤ کہتے ہیں اس میں پینا حلال ہے۔ اسی طرح اس طرح کی زین اور کرسی پر بیٹھنا بھی حلال ہے بشرطیکہ منہ اور موضع جلوس چاندی کی جگہ سے علیحدہ رہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ امام محمد سے دونوں روایتیں ہیں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ برتن کے کسی ایک جزء کو استعمال کرنے والا گویا کل کو استعمال کرنے والا ہے تو جیسے کل کا استعمال جائز نہیں' ایسے ہی جزء کا بھی استعمال جائز نہ ہوگا امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جو چاندی اس پر چڑھی ہے وہ تابع ہے اور توابع کا اعتبار نہیں ہوتا۔

قولہ ویکرہ التعشیر الخ صاحب برہان نے ذکر کیا ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ تعشیر یعنی قرآن کی پاک کی ہر دس آیتوں پر علامت لگانا اور نقط یعنی اس کے نقطے (اور اعراب) کو کتابت میں ظاہر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن کو مجرد رکھو اور اس میں وہ چیز شامل نہ کرو جو قرآن میں داخل نہیں"[4] لیکن متاخرین نے بغرض تسہیل اظہار اعراب کو مستحسن جانا ہے کیونکہ عجم کے حق میں یہ چیز ضروری ہے۔

قولہ بتحلیۃ المصحف الخ قرآن کو سونے چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے قرآن کریم کی تکریم وتعظیم مقصود ہوتی ہے۔ سونے کے پانی سے مسجد میں نقش ونگار کرنا جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر ہے خجندی نے لکھا ہے کہ اگر یہ خرچ مسجد کی آمدنی میں سے نہ ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ متولی ضامن ہوگا۔

قولہ فی المعاملات الخ معاملات میں ایک شخص کا قول بالاجماع مقبول ہے۔ متقی ہو یا فاسق' آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ صدق خبر کا گمان غالب ہو لیکن دیانات میں مخبر کا عادل ہونا ضروری ہے معاملات سے مراد وہ امور ہیں جو فیما بین الناس جاری ہوتے ہیں جیسے بیع وشراء وکالت ومضاربت' اذن وتجارت وغیرہ اور دیانات سے مراد وہ امور ہیں جو بین اللہ وبین العباد جاری ہوتے ہیں جیسے عبادات' حلف وحرمت وغیرہ پس اگر کوئی کافر یہ کہے کہ میں نے یہ گوشت یہودی یا نصرانی سے خریدا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر یہ کہے کہ مجوسی سے خریدا ہے تو اس

[1] ائمہ ستہ عن انس بن مالک ۱۲۔ [2] ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن انس ۱۲۔ [3] صحیحین عن ام سلمہ ۱۲۔ [4] ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' طبرانی' بیہقی عن ابن مسعود ۱۲۔

کا کھانا حرام ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّنْظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الْاَجْنَبِيَّةِ اِلَّا اِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَاِنْ كَانَ لَايَاْمَنُ مِنَ الشَّهْوَةِ
جائز نہیں دیکھنا مرد کو اجنبی عورت کا بدن سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے' پس اگر مامون نہ ہو شہوت سے

لَمْ يَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِهَا اِلَّا لِحَاجَةٍ وَّيَجُوْزُ لِلْقَاضِيْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ اِذَا اَرَادَ
تو نہ دیکھے اس کا چہرہ مگر ضرورت سے' جائز ہے قاضی کے لئے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے اور گواہ کے لئے جب وہ

اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْهَا النَّظْرُ اِلٰى وَجْهِهَا وَاِنْ خَافَ اَنْ يَّشْتَهِيَ وَيَجُوْزُ لِلطَّبِيْبِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَوْضِعِ
عورت پر گواہی دینا چاہے دیکھنا اس کے چہرہ کو گو اندیشہ ہو شہوت ہونے کا' جائز ہے طبیب کے لئے یہ کہ دیکھے عورت کے مرض کی

الْمَرَضِ مِنْهَا وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى جَمِيْعِ بَدَنِهٖ اِلَّا مَابَيْنَ سُرَّتِهٖ اِلٰى رُكْبَتِهٖ وَيَجُوْزُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ
جگہ کو دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا سارا بدن سوائے ناف سے گھٹنے کے درمیان تک جائز ہے' عورت کے لئے یہ

تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰى مَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ وَتَنْظُرُ الْمَرْاَةُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلٰى مَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ
کہ دیکھے مرد کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد اور دیکھ سکتی ہے عورت دوسری عورت کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد

يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ اَمَتِهِ الَّتِيْ تَحِلُّ لَهٗ وَزَوْجَتِهٖ اِلٰى فَرْجِهَا وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ
دوسرے مرد کا' دیکھ سکتا ہے آدمی اپنی حلال باندی اور بیوی کی شرمگاہ کی طرف' دیکھ سکتا ہے آدمی

مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ اِلَى الْوَجْهِ وَالرَّاْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ وَلَايَنْظُرُ اِلٰى ظَهْرِهَا
اپنی ذو رحم محرم عورتوں کے چہرہ' سر' سینہ' پنڈلیوں اور بازوؤں کو اور نہ دیکھے اس کی پیٹھ

وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا وَلَابَاْسَ بِاَنْ يَّمَسَّ مَاجَازَلَهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْهَا وَيَنْظُرُالرَّجُلُ مِنْ مَّمْلُوْكَةِ
اور پیٹ اور ران کو' کوئی حرج نہیں اس میں کہ چھوئے اس عضو کو جس کا دیکھنا جائز ہے' دیکھ سکتا ہے آدمی دوسرے کی باندی

غَيْرِهٖ اِلٰى مَايَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ وَلَابَاْسَ بِاَنْ يَمَسَّ ذٰلِكَ اِذَا اَرَادَالشِّرٰى
کا اتنا بدن جتنا دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا اور اس کو چھونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب اسے خریدنا چاہے

وَاِنْ خَافَ اَنْ يَّشْتَهِيَ وَالْخَصِيُّ فِي النَّظْرِ اِلَى الْاَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ وَلَايَجُوْزُ لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَّنْظُرَ
گو شہوت کا اندیشہ ہو' خصی آدمی اجنبی عورت کو دیکھنے میں مرد کی طرح ہے جائز نہیں غلام کے لئے دیکھنا

مِنْ سَيِّدَتِهٖ اِلَّا اِلٰى مَايَجُوْزُ لِلْاَجْنَبِيِّ النَّظْرُ اِلَيْهِ مِنْهَا وَيَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهٖ بِغَيْرِ اِذْنِهَا وَلَايَعْزِلُ
اپنی مالکہ کے جسم کو سوائے اتنے حصے کے جس کو دیکھنا جائز ہے اجنبی مرد کے لئے اس عورت کا' عزل کر سکتا ہے اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر

عَنْ زَوْجَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهَا
اور عزل نہ کرے اپنی بیوی سے مگر اس کی اجازت سے

مرد وعورت کو دیکھنے اور چھونے کے احکام

توضیح اللغۃ کفیہا۔ کف کا تثنیہ ہے (نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا) بمعنی ہتھیلی' طبیب۔ حکیم' سرۃ۔ ناف' رکبۃ۔ گھٹنا' فرج۔ شرمگاہ'

صدر۔ سینہ۔ ساقین۔ تثنیہ ساق پنڈلی عضد۔ بازو ظہر پیٹھ بطن۔ پیٹ فخذ۔ ران مس (ن۔س) مسا۔ چھونا شری۔ خریداری خصی۔ خصیے نکالا ہوا مخنث۔ مرد عزل عزلاً۔ شرمگاہ سے باہر انزال کرنا۔

تشریح الفقہ قولہ الاالی وجھہا الخ غیر محرم عورت کا کل بدن ستر ہے بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے کہ بوقت ضرورت ان کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ آیت "ولا یبدین زینتھن الاماظھر منھا" کی تفسیر حضرت عائشہؓ سے "الوجہ و الکفان" مروی ہے[1] اور حضرت ابن عباسؓ سے "الکحل والخاتم" مروی ہے[2] جس سے مراد موضع کحل و موضع خاتم ہے اور وہ چہرہ اور ہتھیلی ہے پس اگر شہوت سے مطمئن ہو تو ان کو دیکھنا جائز ہے اور اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من نظر الی محاسن امراۃ اجنبیۃ صب فی عینیہ الآنک یوم القیامۃ" کہ جو شخص اجنبی عورت کے محاسن کو دیکھے گا قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں رانگ ڈالا جائے گا۔

قولہ الامابین سرتہ الخ ایک مرد دوسرے مرد کا سارا جسم دیکھ سکتا ہے سوائے ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کے کہ یہ ستر میں داخل ہے اس کو دیکھنا جائز نہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا تھا "لاتنظر الی فخذحی ولامیت۔"

قولہ الی الوجہ و الرأس الخ اپنی ذی محرم عورتوں کے منہ سر سینہ پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھنا جائز ہے اور پیٹھ پیٹ اور رانوں کو دیکھنا جائز نہیں یہی حکم دوسرے کی باندی کا ہے اور ذی رحم محرم ہر وہ عورت ہے جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت سے یا مصاہرت سے اور مصاہرت نکاح کے ذریعہ سے ہو یا زنا سے۔ ھو الاصح کذافی الھدایہ۔

قولہ و یعزل الخ عزل کے یہ معنی ہیں کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ صحبت کرے اور جب انزال کا وقت آئے تو عضو مخصوص کو اس کی شرمگاہ سے باہر نکال کر خارج شرمگاہ انزال کرے۔ امام احمد کے بعض اصحاب کے نزدیک عزل علی الاطلاق ممنوع ہے کیونکہ صحیح مسلم میں اس کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ذلک الواد الخفی" کہ عزل ایک قسم کا خفی زندہ درگور کرنا ہے۔ امام مالک شافعی بعض اصحاب احمد احناف کے نزدیک عزل علی الاطلاق جائز ہے کیونکہ اس کے متعلق حضرت علیؓ سعد بن ابی وقاص ابوایوب زید بن ثابت جابر ابن عباس حسن بن علی خباب بن الارت ابوسعید خدری ابن مسعود (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے رخصت مروی ہے۔ بعض حضرات نے عورت کے حرہ اور باندی ہونے کے لحاظ سے تفصیل کی ہے۔ چنانچہ حافظ کہتے ہیں کہ مذاہب ثلاثہ اس بارہ میں متفق ہیں کہ حرہ عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کرسکتا اور باندی سے بلا اجازت بھی کرسکتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یعزل عن الحرۃ الا باذنہا"[3] پھر اگر بیوی کسی کی باندی ہو تو مالکیہ کے نزدیک عزل کی اجازت کا اختیار باندی کے آقا کو ہوگا۔ امام صاحب سے ظاہر الروایۃ اور امام احمد کا راجح قول یہی ہے۔ صاحبین کے نزدیک اس کا اختیار باندی کو ہے کیونکہ وطی اسی کا حق ہے اور عزل میں اس کے حق کی تنقیص ہے تو اسی کی رضا شرط ہوگی ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ بچہ آقا کا حق ہے اور عزل مخل بالمقصود ہے لہذا آقا کی رضا کا اعتبار ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيُكْرَهُ الْاِحْتِكَارُ فِيْ اَقْوَاتِ الْاٰدَمِيِّيْنَ وَالْبَهَائِمِ اِذَاكَانَ ذٰلِكَ فِيْ بَلَدٍ يَضُرُّ الْاِحْتِكَارُ بِاَهْلِهٖ
مکروہ ہے روک لینا آدمیوں اور چوپاؤں کی غذا کو ایسے شہر میں جہاں تکلیف دہ ہو روکنا اہل شہر کے لئے

وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهٖ اَوْمَا جَلَبَهٗ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ وَّلَا يَنْبَغِيْ لِلسُّلْطَانِ اَنْ يُّسَعِّرَ
جس نے روک لیا اپنی زمین کے غلہ کو یا اس کو جو لایا ہے دوسرے شہر سے تو وہ روکنے والا نہیں ہے زیبا نہیں بادشاہ کے لئے یہ کہ نرخ مقرر

عَلَى النَّاسِ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِيْ اَيَّامِ الْفِتْنَةِ وَلَابَاْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيْرِ مِمَّنْ يُّعْلَمُ اَنَّهٗ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا
کردے لوگوں پر مکروہ ہے ہتھیار بیچنا فتنہ فساد کے دنوں میں کوئی حرج نہیں شیرہ انگور اس شخص کے ہاتھ بیچنا جس کی بابت معلوم ہو کہ وہ شراب بنائے گا

[1] بیہقی عن عائشہ ۱۲۔ [2] بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔ [3] ابن راہویہ ابن ماجہ ابن حمید دارمی بیہقی عن عمر ۱۲۔

احتکار (غلہ بھرنے) کا بیان

توضیح اللغۃ احتکار۔ مہنگا بیچنے کے لے روکنا' اقوات جمع قوت' غذا' ضیعۃ ۔ زمین' جلب ۔ باہر سے لانا' یسعر ۔ بھاؤ مقرر کرنا' عصیر ۔ شیرہ انگور'

تشریح الفقہ قولہ ویکرہ الاحتکار الخ آدمیوں کی غذا گیہوں' جو' چاول وغیرہ اور چوپاؤں کی غذا بھوسہ اور خشک یا تر چارہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا اور نہ بیچنا امام صاحب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جب کہ اہل شہر کو اس سے نقصان ہوتا ہو اسی پر فتوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جالب (یعنی باہر سے غلہ خرید کر شہر میں فروخت کرنے کے لئے لانے والا) مرزوق ہے (یعنی اس کی روزی میں برکت ہے) اور محتکر (یعنی گرانی کے انتظار میں غذا روکنے والا) ملعون ہے[1]" پھر احتکار کا تحقق ۴۰ روز یا اس سے زیادہ تک روکنے سے ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "جس نے چالیس رات تک غذا کو روکا تو وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے[2]" ہاں اگر اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہو تو اس کا روکنا احتکار میں داخل نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسی جگہ سے غلہ لایا جہاں سے اہل شہر لاتے ہیں تو یہ مکروہ ہے اور اگر وہاں سے لایا جہاں سے اہل شہر نہیں لاتے تو مکروہ نہیں۔

قولہ وان یسعر الخ حاکم کے لئے نرخ مقرر کر دینا زیبا نہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ "لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نرخ گراں ہو گیا ہے سو ہمارے لئے نرخ مقرر کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بالتحقیق اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا قابض و باسط اور رزاق ہے[3]" یعنی اناج کی تنگی و کشائش اسی کی طرف سے ہے۔ ہاں اگر غلہ فروش قیمت میں حد سے زیادہ گرانی کرنے لگیں تو حاکم اہل رائے کے مشورے سے نرخ مقرر کر دے۔ امام مالک کے ہاں اس صورت میں نرخ مقرر کرنا واجب ہے۔

قولہ بیع السلاح الخ فتنہ کے ایام میں ایسے شخص کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے جیسے خوارج اور باغی وغیرہ کیونکہ یہ اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص شراب بنائے گا جیسے مجوسی یا ذمی وغیرہ تو اس کے ہاتھ شیرہ انگور فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ معصیت عین عصیر سے وابستہ نہیں بلکہ وہ اس کے تغیر کے بعد ہوگی۔

کِتَابُ الْوَصَایَا

وصیت کا بیان

اَلْوَصِیَّةُ غَیْرُ وَاجِبَةٍ وَّهِیَ مُسْتَحَبَّةٌ وَلَا تَجُوْزُ الْوَصِیَّةُ لِلْوَارِثِ اِلَّا اَنْ
وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جائز نہیں وصیت کرنا وارث کے واسطے مگر یہ کہ

یُجِیْزَهَا الْوَرَثَةُ وَلَا تَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ وَلَا تَجُوْزُ الْوَصِیَّةُ لِلْقَاتِلِ وَیَجُوْزُ اَنْ یُوصِیَ
جائز رکھیں اس کو سب ورثاء اور جائز نہیں تہائی سے زیادہ کی اور جائز نہیں وصیت قاتل کے واسطے جائز ہے یہ کہ وصیت

الْمُسْلِمُ لِلْکَافِرِ وَالْکَافِرُ لِلْمُسْلِمِ وَ قَبُوْلُ الْوَصِیَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنْ قَبِلَهَا الْمُوْصٰی لَهٗ فِیْ حَالِ الْحَیٰوةِ
کرے مسلمان کافر کے واسطے اور کافر مسلمان کے لئے' وصیت قبول کرنا مرنے کے بعد ہے پس اگر قبول کیا اس کو موصی لہ نے موصی کی زندگی میں

1۔ احمد' ابن ماجہ عن عمر' ابو داؤد عن ابی ہریرہ ۱۲۔ 2۔ احمد' ابن ابی شیبہ' بزار' حاکم' دار قطنی' طبرانی عن ابن عمر ۱۲۔ 3۔ ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ' دارمی' بزار' ابن حبان عن انس' طبرانی عن ابی جحیفہ (فی الکبیر)' ابن عباس (فی الصغیر)' الخدری (فی الاوسط) ۱۲۔

اَوْرَدَّهَا فَذٰلِکَ بَاطِلٌ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یُوْصِیَ الْاِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ وَاِذَا اَوْصٰی اِلٰی رَجُلٍ فَقَبِلَ

یا اس کو رد کیا تو یہ باطل ہے مستحب ہے یہ کہ وصیت کرے آدمی تہائی سے کم کی جب وصیت کی کسی نے کسی کو اور قبول کی

الْوَصِیَّةَ فِیْ وَجْهِ الْمُوْصِیْ وَرَدَّهَا فِیْ غَیْرِ وَجْهِهٖ فَلَیْسَ بِرَدٍّ وَّاِنْ رَّدَّهَا فِیْ وَجْهِهٖ فَهُوَرَدٌّ

اس نے وصیت موصی کے سامنے اور رد کر دی اس کے پس پشت تو یہ رد نہ ہو گی اور اگر رد کی اس کے سامنے تو رد ہو جائے گی

تشریح الفقہ قولہ کتاب الوصایا الخ وصایا وصیت کی جمع ہے جو اسم مصدر ہے اور موصٰی بہ یعنی اس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کی وصیت کی جائے۔ اصطلاح شرع میں وصیت وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف بطریق تبرع مضاف ہو خواہ تملیک عین ہو یا تملیک دین ہو یا تملیک منافع ہو۔ وصیت کنندہ کو موصی کہتے ہیں اور جس کو وصیت کی جائے اس کو وصی اور موصٰی الیہ اور جس کے لئے وصیت ہو اس کو موصٰی لہ اور جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو موصٰی بہ مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ باغ محمود کو دے دینا تو زید موصی ہے خالد وصی محمود موصٰی لہ باغ موصٰی بہ۔

قولہ للوارث الخ وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا "حق تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق دے دیا سو اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں[1]" ہاں اگر دیگر ورثہ اس کی اجازت دے دیں تو جائز ہے کیونکہ امتناع وصیت تو حق ورثہ ہی کی وجہ سے ہے اور جب وہ خود ہی راضی ہیں تو ممانعت ختم ہو جائے گی پھر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ان کے کئی بار کے اصرار کے بعد فرمایا تھا "کہ تہائی کی وصیت کرا اور تہائی بھی بہت ہے[2]" نیز ہمارے ہاں قاتل کے لئے بھی وصیت کرنا جائز نہیں امام شافعی کے ہاں جائز ہے کیونکہ وہ تو میت کے حق میں اجنبی محض ہے تو جیسے دیگر جانب کے لئے صحیح ہے اسی طرح قاتل کے لئے بھی صحیح ہو گی۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے "لیس لقاتل وصیة[3]"

وَالْمُوْصٰی بِهٖ یُمْلَکُ بِالْقُبُوْلِ اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّهِیَ اَنْ یَّمُوْتَ الْمُوْصِیْ ثُمَّ یَمُوْتَ

جس کی وصیت کی جائے وہ ملک میں آ جاتی ہے قبول کرنے سے مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ کہ مر جائے موصی پھر مر جائے

الْمُوْصٰی لَهٗ قَبْلَ الْقُبُوْلِ فَیَدْخُلُ الْمُوْصٰی بِهٖ فِیْ مِلْکِ وَرَثَتِهٖ وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی عَبْدٍ اَوْ

موصی لہ قبول کرنے سے پہلے تو داخل ہو جائے گی موصی بہ موصی لہ کے ورثا کی ملک میں جس نے وصیت کی غلام یا

کَافِرٍ اَوْ فَاسِقٍ اَخْرَجَهُمُ الْقَاضِیْ مِنَ الْوَصِیَّةِ وَنَصَبَ غَیْرَهُمْ وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی عَبْدِ نَفْسِهٖ

کافر یا فاسق کو تو خارج کر دے ان کو قاضی وصیت سے اور مقرر کر دے ان کے علاوہ کو جس نے وصیت کی اپنے غلام کو

وَفِی الْوَرَثَةِ کِبَارٌ لَّمْ تَصِحَّ الْوَصِیَّةُ وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی مَنْ یَّعْجِزُ عَنِ الْقِیَامِ بِالْوَصِیَّةِ ضَمَّ اِلَیْهِ

حالانکہ ورثاء میں عاقل بالغ موجود ہیں تو صحیح نہ ہو گی وصیت جس نے وصیت کی اس کو جو عاجز ہے وصیت انجام دینے سے تو اس کو شامل

الْقَاضِیْ غَیْرَهٗ وَمَنْ اَوْصٰی اِلَی اثْنَیْنِ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ یَّتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ

کر دے قاضی کسی اور کو جس نے وصیت کی دو کو تو جائز نہ ہو گا ان میں سے ایک کے لئے یہ کہ تصرف کرے طرفین کے نزدیک

[1] ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ احمد عن ابی امامہ ترمذی نسائی ابن ماجہ احمد بزار طبرانی عن عمرو بن خارجہ ابن ماجہ عن انس دارقطنی عن ابن عباس ابن عدی عن جابر و زید بن ارقم ۱۲ [2] صحاح ستہ ۱۲ [3] دارقطنی بیہقی عن علی ۱۲۔

رَحِمَهُمَا اللّٰهُ دُوْنَ صَاحِبِهٖ اِلَّا فِیْ شِرَاءِ کَفَنِ الْمَیِّتِ وَ تَجْهِیْزِهٖ وَطَعَامِ اَوْلَادِهٖ الصِّغَارِ وَ
دوسرے کے بغیر مگر کفن میت کی خریداری' اس کی تجہیز و تکفین' اس کے چھوٹے بچوں کے کھانے

کِسْوَتِهِمْ وَرَدِّ وَدِیْعَةٍ بِعَیْنِهَا وَتَنْفِیْذِ وَصِیَّةٍ بِعَیْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَیْنِهٖ وَقَضَاءِ الدُّیُوْنِ
پوشاک مخصوص امانت کی واپسی' خاص وصیت نافذ کرنے' معین غلام آزاد کرنے' قرض ادا کرنے

وَالْخُصُوْمَةِ فِیْ حُقُوْقِ الْمَیِّتِ وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ
اور میت کے حقوق میں نالش کرنے میں' کسی نے وصیت کی ایک کے لئے تہائی کی اور دوسرے کے لئے بھی تہائی مال کی اور ورثاء

الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلِلْاٰخَرِ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ
نے اس کو منظور نہیں کیا تو تہائی ان دونوں میں نصفا نصف ہو گا' اگر ایک کے لئے تہائی کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے چھٹے کی تو تہائی

بَیْنَهُمَا اَثْلَاثًا وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِیْعِ مَالِهٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَالثُّلُثُ
ان دونوں میں تین تہائی ہو گا' اور اگر ایک کے لئے کل مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے تہائی کی تو تہائی

بَیْنَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الثُّلُثُ بَیْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا یُضْرَبُ
ان دونوں میں چار حصوں پر ہو گا صاحبین کے نزدیک' امام صاحب فرماتے ہیں کہ تہائی ان میں نصفا نصف ہو گا اور نہیں دلاتے

اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِلْمُوْصٰی لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَایَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ
امام صاحب موصی لہ کو تہائی سے زیادہ مگر محابات' سعایت اور دراہم مرسلہ میں

تشریح الفقہ **قولہ یملک بالقبول الخ** موصی بہ موصی لہ کی ملک میں اس کے قبول کرنے سے آتی ہے مگر ایک مسئلہ میں بلا قبول بھی آ جاتی ہے اور وہ یہ کہ موصی وصیت کر کے مرجائے پھر موصی بہ قبول کرنے سے پہلے مرجائے تو اس صورت میں موصی بہ اس کے ورثہ کی ملک میں آ جاتی ہے مگر استحسانا قیاس کی رو سے وصیت باطل ہو جانی چاہیئے کیونکہ ملک کا ثبوت قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے تو یہ ایسے ہو گیا جیسے مشتری عقد کے بعد قبول مبیع سے پہلے مرجائے وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی طرف سے اس کے مرجانے کے باعث وصیت پوری ہو چکی جو اس کی طرف سے کسی طرح فسخ نہیں ہو سکتی اور اس میں توقف صرف موصی لہ کے حق کی وجہ سے تھا۔ جب وہ مر گیا تو اس کی ملک میں آ گئی جیسے اس بیع میں ہوتا ہے جس میں مشتری کے لئے خیار شرط ہو اور وہ بیع کو جائز رکھنے سے پہلے مرجائے (ہدایہ)۔

قولہ ومن اوصی لرجل الخ کسی نے زید کے لئے بھی تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے بھی تہائی کی وصیت کی اور ورثہ نے اس کو منظور نہیں کیا تو تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہو گا کیونکہ تہائی مال ان کے حقوق سے کم ہے اور سبب استحقاق میں دونوں مساوی ہیں اور محل قابل شرکت بھی ہے لہٰذا دونوں میں برابر تقسیم ہو جائے گا اور اگر عمرو کے لئے چھٹے حصے کی وصیت کر دی تو تہائی مال دونوں میں تین تہائی ہو کر زید کو دو سہم ملے گا اور عمرو کو ایک سہم۔

قولہ بجمیع مالہ الخ اگر زید کے لئے کل مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے تہائی کی اور ورثہ نے منظور نہیں کیا۔ تو امام صاحب کے ہاں تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہو گا کیونکہ جب تہائی سے زیادہ کی ورثہ نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ٹھہری پس یہاں یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے ہر ایک کے لئے تہائی مال کی وصیت کی ہے۔ صاحبین کے ہاں تہائی مال کے چار سہم ہو کر تین کل والے کے ہوں گے اور ایک ثلث والے کا ہو گا۔ یہ اختلاف ایک مختلف فیہ اصل پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ امام صاحب کے ہاں موصی لہ کو ترکہ کی تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ٹھہرایا جاتا' مگر تین صورتوں

میں ۔ا۔محابات جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دوغلام ہیں جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ ۔اب اس نے وصیت کی' پہلا غلام زید کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کیا جائے اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ بیس میں اور ان دوغلاموں کے علاوہ اس کا اور مال نہیں ہے تو زید کے حق میں بیس درہم کی وصیت ہوئی اور عمرو کے حق میں چالیس کی اس لئے کہ پہلا غلام تیس درہم کا ہے اور اس نے دس میں فروخت کرنے کی وصیت کی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ اس کو بیس درہم دلانا چاہتا ہے تو ثلث مال دونوں موصی لہ کے درمیان تین تہاؤ ہوگا اور پہلا غلام زید کے ہاتھ بیس درہم میں فروخت کیا جائے گا اور دس درہم اس کے لئے وصیت ٹھہرے گی اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ چالیس درہم میں فروخت ہوگا اور بیس درہم اس کے لئے وصیت ٹھہرے گی تو زید اور عمرو نے تہائی سے بقدر وصیت لیا اگر چہ ثلث وصیت سے زیادہ ہوگیا۔۲۔ سعایت جس کی صورت یہ ہے کہ موصی نے دوغلام آزاد کئے جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ اور ان کے علاوہ کوئی مال نہیں' تو اول کے لئے ثلث مال کی وصیت ہوئی اور دوسرے کے لئے دوثلث کی تو وصیت کے سہام تین تہاؤ ہوں گے ۔ایک سہم اول کا اور دو سہم ثانی کے' تو ان میں ثلث مال بھی اسی طرح مقسوم ہوگا پس اول غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو دس درہم ہے۔اب وہ بیس درہم میں سعایت کرے گا اور ثانی غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو بیس درہم ہے اب وہ چالیس میں سعایت کرے گا۔تو ہر ایک موصی لہ نے بقدر وصیت ضرب کی اگر چہ ثلث پر زائد ہے اور دراہم مرسلہ جن میں ثلث یا نصف وغیرہ کی قید نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی اور عمرو کے لئے ساٹھ کی اور کل مال نوے درہم ہے تو یہ وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی اور زید عمرو کو اس کی وصیت کے موافق ترکہ کی تہائی میں سے دیا جائے گا۔

وَمَنْ اَوْصٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيْطُ بِمَالِهٖ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ اِلَّا اَنْ يُبْرِاَ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّيْنِ وَمَنْ

کسی نے وصیت کی اور اس کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو جائز نہ ہوگی وصیت مگر یہ کہ بری کر دیں قرض خواہ قرض سے جس نے

اَوْصٰى بِنَصِيْبِ ابْنِهٖ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ وَاِنْ اَوْصٰى بِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ جَازَتْ فَاِنْ كَانَ لَهٗ ابْنَانِ

وصیت کی اپنے بیٹے کے حصہ کی تو وصیت باطل ہے اگر وصیت کی بیٹے کے حصہ کے مثل کی تو جائز ہو گی اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں

فَلِلْمُوْصٰى لَهُ الثُّلُثُ وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ فِىْ مَرَضِهٖ اَوْبَاعَ اَوْحَابٰى اَوْوَهَبَ فَذٰلِكَ كُلُّهٗ جَائِزٌ

تو موصی لہ کے لئے تہائی ہو گا' جس نے آزاد کیا اپنا غلام اپنی بیماری میں یا بیچ دیا یا محابات کی یا ہبہ کر دیا تو یہ سب جائز ہے

وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيُضْرَبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَايَا فَاِنْ حَابٰى ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلٰى

جو تہائی سے معتبر ہے اور شریک کیا جائے گا اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ اگر پہلے محابات کی پھر آزاد کیا تو محابات اولیٰ ہو گی

عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا اَلْعِتْقُ اَوْلٰى فِى الْمَسْئَلَتَيْنِ وَ

امام صاحب کے نزدیک' اگر پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو یہ دونوں برابر ہیں صاحبین فرماتے ہیں کہ آزادی اولیٰ ہے دونوں مسئلوں میں

مَنْ اَوْصٰى بِسَهْمٍ مِّنْ مَّالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ يَّنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمُّ لَهٗ

وصیت کی اپنے مال سے ایک حصہ کی تو اس کے لئے سہام ورثا کا کمتر حصہ ہو گا الا یہ کہ کم ہو چھٹے سے تو پورا کر دیا جائے گا اس کے

السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰى بِجُزْءٍ مِّنْ مَّالِهٖ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ وَمَنْ اَوْصٰى بِوَصَايَا مِنْ

لئے چھٹا حصہ اور وصیت کی اپنے مال کے ایک جزء کی تو کہا جائے گا ورثاء سے کہ دے دو جو چاہو جس نے چند وصیتیں کیں

حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰى غَيْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِىْ اَوْاَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَ

حقوق اللہ کی تو مقدم کیا جائے گا فرائض کو ان میں سے اور وصیتوں پر مقدم کیا ہو ان کو موصی نے یا مؤخر جیسے حج

الزَّكٰوةِ وَالْكَفَّارَاتِ وما لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ وَمَنْ اَوْصٰى بِحَجَّةِ
زکوۃ' کفارات اور جو واجب نہیں تو ان میں مقدم کیا جائے گا اس کو جس کو مقدم کیا ہے موصی نے جس نے وصیت کی حج کرنے کی

الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا فَاِنْ لَمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ
تو حج کو روانہ کریں ایک کو اس کے شہر سے جو حج کے لئے جائے سوار ہو کر اگر نہ پہنچے وصیت نفقہ کو تو حج کرائیں

مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَاَوْصٰى اَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ
جہاں سے ہو سکے' جو شخص نکلا اپنے شہر سے حج کے لئے پھر مر گیا راہ میں اوروصیت کر گیا حج کرانے کی تو حج کرایا جائے

مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْحَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ وَلَا تَصِحُّ
اس کے شہر سے امام صاحب کے نزدیک صاحبین فرماتے ہیں کہ حج کرایا جائے وہاں سے جہاں وہ مرا ہے' صحیح نہیں

وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِي الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ وَاِذَا صَرَّحَ
بچہ اور مکاتب کی وصیت اگرچہ وہ چھوڑ جائے اتنا مال جو کافی ہو' جائز ہے موصی کے لئے رجوع کرنا وصیت سے جب صراحۃً

بِالرُّجُوْعِ كَانَ رَجُوْعًا وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رَجُوْعًا
رجوع کرے تو یہ رجوع ہو جائے گا اور جو انکار کرے وصیت کا تو یہ رجوع نہ ہو گا

تشریح الفقہ قولہ بنصیب ابنی الخ کسی نے زید کے لئے وصیت کی اور یوں کہا''اوصیت لہ بنصیب ابنی''میں نے اس کے لئے اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کی تو یہ مال غیر کی وصیت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو مرنے کے بعد ملے گا۔ہاں اگر وہ یوں کہے''اوصیت لہ بمثل نصیب ابنی''تو یہ صحیح ہے کیونکہ مثل شی مغائر شی ہوتا ہے اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا بایں معنی کہ موصی نے گویا موصی لہ کو تیسرا فرزند قرار دیا ہے۔

قولہ ومن اعتق الخ اگر کوئی شخص مرض الموت میں غلام آزاد کرے یا محابات کرے یا کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ عقود حقیقت میں وصیت نہیں ہیں کیونکہ وصیت تو ایجاب بعد الموت کو کہتے ہیں اور یہ عقود فی الحال منجز ہوتے ہیں مگر مرض لموت میں واقع ہونے کی وجہ سے ان کا حکم وصیت کا سا ہے کہ ان کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا اور عتق کی صورت میں اگر ورثہ کی طرف سے اجازت ہو جائے تو غلام اپنے استخلاص میں سعایت نہ کرے گا کیونکہ منع عتق حق ورثہ کی وجہ سے تھا جو اجازت کے بعد ساقط ہو گیا۔

قولہ فان حابی الخ مریض نے پہلے محابات کی یعنی دوسو کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا پھر ایک سو کے غلام کو آزاد کر دیا اور تہائی مال میں دونوں تصرفوں کی گنجائش نہیں۔تو ثلث مال محابات میں صرف ہوگا اور اگر اس کا عکس ہو تو ثلث مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا پس آزاد کردہ غلام کا نصف بلا شئے آزاد ہوگا اور نصف قیمت میں سعایت کرے گا اور صاحب محابات دوسرا غلام پچاس درہم دے کر خرید لے گا صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں عتق مقدم ہوگا۔

قولہ من بلدہ حاجًا الخ زید حج کے لئے نکلا اور راہ میں یہ وصیت کر کے مر گیا کہ میری طرف سے حج کرایا جائے۔تو امام صاحب وزفر کے نزدیک اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔صاحبین' امام شافعی واحمد کے نزدیک وہاں سے حج کرایا جائے گا جہاں تک وہ پہنچ چکا تھا کیونکہ بنیت حج اس کا سفر قربت واقع ہو چکا اور اتنی مقدار قطع مسافت اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکی۔قال اللہ تعالی''ومن یخرج من بیتہ مہاجرًا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ''امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس کا عمل موت کی وجہ سے باطل ہو گیا۔رہی

آیت سووہ احکام اخروی یعنی اجروثواب کے متعلق ہے۔

قولہ وان ترک وفاء الخ وصیت مکاتب کی تین صورتیں ہیں۔ایک بالاجماع باطل ایک بالاجماع جائز اور ایک مختلف فیہ اگر مکاتب اپنے مال سے کسی عین شئی کی وصیت کرے تو یہ باطل ہے کیونکہ وہ حقیقۃ اس کا مالک نہیں ہے اور اگر وہ وصیت کو آزادی کی طرف مضاف کر کے یوں کہے''واذااعتقت فثلث مالي لفلان''تو یہ جائز ہے کیونکہ عدم جواز حق آقا کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب آقا کا حق باقی نہ رہا اور اگر وہ یوں کہے''اوصیت بثلث مالي لفلان''تو یہ جائز ہے کیونکہ عدم جواز حق آقا کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب آقا کا حق باقی نہ رہا اور اگر وہ یوں کہے''اوصیت بثلث مالي لفلان''پھر وہ آزاد ہو جائے تو یہ امام صاحب کے ہاں باطل ہے صاحبین کے ہاں جائز۔

قولہ واذا صرح الخ اگر موصی نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں اپنی وصیت سے رجوع کرتا ہوں تو یہ رجوع ہو جائے گا اور اگر وصیت کا انکار کرے تو امام محمد کے نزدیک رجوع نہ ہوگا۔وجہ یہ ہے کہ کسی چیز سے رجوع کرنا پہلے اس چیز کے ہونے کو مقتضی ہے اور اس کا انکار نہ ہونے کو مقتضی ہے پس اگر انکار کو رجوع مانا جائے تو وصیت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو مقتضی ہوگا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ بروایت مبسوط امام ابو یوسف کا اور بروایت عیون ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انکار بھی رجوع ہے لیکن فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔(مجمع الانہر)

وَمَنْ اَوْصٰی لِجِیْرَانِہٖ فَھُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْھَارِہٖ

جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کے لئے تو ملے ہوئے پڑوسی مراد ہوں گے امام صاحب کے نزدیک، جس نے وصیت کی سسرال والوں کے لئے

فَالْوَصِیَّۃُ لِکُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مُّحْرَمٍ مِنِ امْرَاَتِہٖ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَخْتَانِہٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ کُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ

تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی، جس نے وصیت کی اپنے دامادوں کے لئے تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر

مَّحْرَمٍ مِّنْہُ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَقَارِبِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مُّحْرَمٍ مِنْہُ

ہو گا، جس نے وصیت کی قرابت داروں کے لئے تو وصیت اقرب فالاقرب کے لئے ہو گی اس کے ہر ذی رحم محرم سے

وَلَا یَدْخُلُ فِیْھِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَیَکُوْنُ لِلْاِثْنَیْنِ فَصَاعِدًا وَاِذَا اَوْصٰی بِذٰلِکَ وَلَہٗ عَمَّانِ وَ

جن میں داخل نہ ہوں گے والدین اور اولاد اور ہو گی دو اور دو سے زیادہ کے لئے، جب کسی نے وصیت کی یہی اور اس کے دو چچا اور

خَالَانِ فَالْوَصِیَّۃُ لِعَمَّیْہِ عِنْدَ اَبِیْحَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ اِنْ کَانَ لَہٗ عَمٌّ وَ خَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَیْنِ النِّصْفُ

دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے دو چچاؤں کے لئے ہوگی امام صاحب کے نزدیک اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے نصف ہوگا اور دو ماموں کے لئے نصف ہوگا

وَقَالَا رَحِمَھُمَا اللّٰہُ الْوَصِیَّۃُ لِکُلِّ مَنْ یُّنْسَبُ اِلٰی اَقْصٰی اَبٍ لَہٗ فِی الْاِسْلَامِ وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ

صاحبین فرماتے ہیں کہ وصیت ہر اس کے لئے ہو گی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف، جس نے وصیت کی کسی کے لئے

بِثُلُثِ دَرَاھِمِہٖ اَوْبِثُلُثِ غَنَمِہٖ فَھَلَکَ ثُلُثَا ذٰلِکَ وَبَقِیَ ثُلُثُہٗ وَھُوَیَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِیَ مِن مَالِہٖ

اپنے تہائی درہم یا تہائی بکریوں کی اور اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے ایک ثلث باقی رہا جو اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے۔

فَلَہٗ جَمِیْعُ مَابَقِیَ وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ ثِیَابِہٖ فَھَلَکَ ثُلُثَاھَا وَبَقِیَ ثُلُثُھَا وَھُوَ یَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِیَ

تو موصی لہ کے لئے باقی ماندہ ساری بکریاں ہوں گی جس نے وصیت کی ایک تہائی کپڑوں کی اور دو ثلث ہلاک ہو گئے ایک ثلث باقی رہا جو باقی مال کے ثلث سے نکل

مِنْ مَالِہٖ لَمْ یَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِیَ مِنَ الثِّیَابِ وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ وَّلَہٗ مَالٌ عَیْنٌ وَّ

سکتا ہے تو موصی لہ مستحق نہ ہو گا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا کسی نے وصیت کی ایک ہزار درہم کی اور اس کا کچھ مال نقد ہے

دَيْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَتْ اِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ وَاِنْ لَمْ يَخْرُجْ دُفِعَ اِلَيْهِ ثُلُثُ

کچھ قرض پس اگر ایک ہزار نکل آئے نقد کی تہائی سے تو دے دیئے جائیں گے موصی لہ کو اور اگر نہ نکلے تو دے دی جائے گی نقد کی

الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ اَخَذَ ثُلُثَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاَلْفَ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ

تہائی اور جو وصول ہوتا رہے قرض لیتا رہے گا اس کا تہائی یہاں تک کہ لے لے پورے ایک ہزار جائز ہے وصیت حمل کے لئے

وَبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ الْوَصِيَّةِ

اور حمل کی جبکہ وضع حمل ہو چھ ماہ سے کم میں وصیت کے دن سے

توضیح اللغۃ جیران۔ پڑوسی' ملاصقون۔ جمع ملاصق' متصل' ملا ہوا' اصہار جمع صہر' داماد' بہنوئی' اختان جمع ختن عورت کی طرف سے رشتے جیسے سسر سالہ' داماد' اقارب۔ رشتہ دار' عم۔ چچا' خال۔ ماموں' غنم۔ بکری' یستوفی' استیفاء۔ پورا حق وصول کرنا۔

تشریح الفقہ **قولہ لجیرانہ الخ** موصی نے اپنے پڑوسیوں کے لئے وصیت کی تو امام صاحب و زفر کے نزدیک اس وصیت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے گھر سے متصل ہوں۔ صاحبین کے نزدیک وہ سب لوگ داخل ہوں گے جو اس کے محلے میں رہتے اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں۔ امام صاحب کا قول مبنی بر قیاس ہے اور صاحبین کا قول مبنی بر استحسان' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جار مجاورۃ سے ہے اور مجاورۃ کے حقیقی معنی ملاصقت کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا استحقاق اسی جوار سے ہوتا ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عرف میں ان سب کو جیران ہی کہا جاتا ہے۔ حدیث ''لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد'' سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام شافعی کے ہاں پڑوس چالیس گھر تک ہے ہر طرف سے۔

قولہ لا صھارہ الخ جو شخص اپنے اصہار کے لئے وصیت کرے' تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کی بیوی کے قرابت دار ہیں جیسے بیوی کے باپ دادے' چچا' ماموں' بہنیں وغیرہ۔ صہر کی یہ تفسیر امام محمد کی ہے۔ برہان وغیرہ میں اسی پر یقین ظاہر ہے اور شرنبلالیہ میں اسی کو ثابت رکھا ہے۔ علامہ انزاری فرماتے ہیں کہ لغت کے سلسلہ میں امام محمد کا قول حجت ہے چنانچہ ابوعبیدہ نے غریب الحدیث میں آپ کے قول سے جابجا استشہاد کیا ہے۔

قولہ لہ قاربہ الخ اگر موصی نے اپنے اقارب کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت ان قرابت داروں کے لئے ہوگی جو موصی کے ذی رحم محرم میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور موصی کے والدین اور اس کے بچے اس میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ اقارب کا لفظ انہیں پر بولا جاتا ہے جو کسی اور کے ذریعہ سے قریب ہوئے ہوں اور ماں باپ اصل قرابت ہیں۔ اسی طرح اولاد بھی خود ہی قریب ہوتی ہے کوئی اور واسطہ ان میں نہیں ہوتا۔ نیز حق تعالیٰ نے ''مماترک الوالدان والاقربون'' میں اقربون کا عطف والدان پر کیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے۔

قولہ ولم یستحق الخ مگر یہ حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے مختلف قسم کے ہوں اگر سارے ایک ہی قسم کے ہوں تو پھر کپڑے روپیوں کے حکم میں ہوں گے۔

قولہ لرجل بالف الخ ایک شخص نے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا مال کچھ تو لوگوں پر دین ہے اور کچھ نقد ہے تو اگر ہزار درہم نقد مال کی تہائی سے نکلتے ہوں تو موصی لہ کو وہی دے دیئے جائیں گے یعنی اگر موصی کا متروکہ مال تین ہزار نقد ہے تو اسی نقد میں سے ایک ہزار درہم موصی لہ کو دے دیئے جائیں گے اور اگر نقد متروکہ میں سے ہزار درہم نہ نکلیں تو نقد کی تہائی دے دی جائے گی مثلاً نقد متروکہ تین سو درہم ہیں تو ایک سو درہم موصی لہ کو دے دیئے جائیں گے اور جتنا دین وصول ہوتا جائے گا اس کی تہائی اسی کو ملتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اس کا ایک ہزار کا حق پورا ہو جائے۔

قولہ للحمل الخ حمل کے لئے وصیت کرنا درست ہے مثلاً مالک یوں کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کے لئے اتنے درہموں کی

وصیت کرتا ہوں۔ وجہ جواز یہ ہے کہ وصیت میں من وجہ استخلاف ہوتا ہے کہ موصی اپنے بعض مال میں موصی لہ کو اپنا خلیفہ بناتا ہے اور جنین ارث میں خلیفہ ہوسکتا ہے تو وصیت میں بھی ہو جائے گا نیز حمل کی وصیت کرنا بھی درست ہے مثلاً مالک کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کی فلاں شخص کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ وجہ صحت یہ ہے کہ حمل میں وراثت جاری ہوتی ہے تو وصیت بھی جاری ہوگی لانہا اختہ۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِذَا اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ

جب وصیت کی کسی کے لئے باندی کی اور اس کے حمل کا استثناء کر لیا تو صحیح ہے وصیت اور استثناء جس نے وصیت کی کسی کے لئے

بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِیْ قَبْلَ اَنْ يَّقْبَلَ الْمُوْصٰی لَهٗ وَلَدًا ثُمَّ قَبِلَ الْمُوْصٰی

باندی کی پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پھر وصیت قبول کی موصی

لَهٗ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰی لَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ وَ

لہٗ نے اور وہ دونوں نکلتے ہیں تہائی سے تو وہ موصی لہ کے لئے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہ نکلتے ہوں تو شامل کر لئے جائیں گے تہائی میں

اَخَذَ بِالْحِصَّةِ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

اور لے گا موصی لہٗ حصہ ان سب سے صاحبین کے قول میں امام صاحب فرماتے ہیں

يَأْخُذُ ذٰلِکَ مِنَ الْاُمِّ فَاِنْ فَضَلَ شَیْءٌ اَخَذَ مِنَ الْوَلَدِ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَ

کہ لے گا موصی لہٗ اپنا حصہ ماں سے پس اگر کچھ باقی رہ جائے تو لے گا بچہ سے جائز ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت اور

سُکْنٰی دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَّتَجُوْزُ ذٰلِکَ اَبَدًا فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ

مکان کی رہائش کی معین سالوں تک اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے بھی پس اگر نکل سکے غلام تہائی مال سے تو موصی لہ کے حوالہ کر دیا جائے گا

لِلْخِدْمَةِ وَاِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرُهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَلِلْمُوْصٰی لَهٗ يَوْمًا فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰی

خدمت کے لئے اور اگر نہ ہو مال غلام کے علاوہ تو خدمت کرے گا ورثاء کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن پس اگر مرجائے موصی

لَهٗ عَادَ اِلَی الْوَرَثَةِ وَاِنْ مَّاتَ الْمُوْصٰی لَهٗ فِیْ حَيٰوةِ الْمُوْصِیْ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَاِذَا اَوْصٰی لِوَلَدِ

لہٗ تو لوٹ آئے گا غلام ورثاء کی طرف اور اگر مر جائے موصی لہٗ موصی کی زندگی میں تو باطل ہو جائے گی وصیت اگر وصیت کی فلاں کی اولاد

فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ وَالْاُنْثٰی سَوَاءٌ وَاِنْ اَوْصٰی لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ

کے لئے تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی کے لئے برابر ہوگی اگر وصیت کی فلاں کے ورثاء کے لئے تو وصیت ان میں مرد کے لئے

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَمَنْ اَوْصٰی لِزَيْدٍ وَّ عَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهٗ

مثل دو عورتوں کے حصہ کے ہوگی وصیت کی زید اور عمرو کے لئے تہائی مال کی اور عمرو اس وقت مرچکا تھا تو ساری تہائی

لِزَيْدٍ وَّاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَيْنَ زَيْدٍ وَّ عَمْرٍو وَ زَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ وَمَنْ

زید کے لئے ہوگی اگر کہا کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو میں تقسیم ہے اور زید مرچکا تو عمرو کے لئے تہائی کا نصف ہو گا

اَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَا مَالَ لَهٗ ثُمَّ اكْتَسَبَ مَالًا اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰی لَهٗ ثُلُثَ مَا يَمْلِكُهٗ عِنْدَالْمَوْتِ

وصیت کی تہائی مال کی اور مال ہے نہیں اس کے بعد کچھ مال کمایا تو مستحق ہو گا موصی لہٗ اس کی تہائی کا جس کا مالک ہو موصی موت کے وقت

تشریح الفقہ قولہ الاحملھا الخ زید نے کسی کے لئے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کرلیا تو وصیت اور استثناء دونوں درست ہیں پس باندی موصی لہ کی ہوگی اور اس کا حمل موصی کے وارثوں کا ہوگا اور اگر کسی نے باندی کی وصیت کی اور موصی لہ نے ابھی وصیت کو قبول نہیں کیا تھا کہ موصی کے مرنے کے بعد باندی کے بچہ پیدا ہوگیا اس کے بعد موصی لہ نے وصیت کو قبول کیا اور باندی اور اس کا بچہ دونوں موصی کے تہائی مال سے نکل سکتے ہیں تو یہ دونوں موصی لہ کے ہوں گے اور اگر تہائی مال سے نہ نکل سکتے ہوں تو صاحبین کے نزدیک بچہ اور باندی دونوں کی قیمت لگائی جائے گی اور قیمت لگا کر باقی مال میں شامل کریں گے پھر دونوں کی قیمت سے برابر لے کر موصی لہ کو دے دیں گے۔ امام صاحب کے ہاں پہلے تہائی مال باندی سے پورا کریں گے اگر اس سے پورا نہ ہوسکے تو بچہ سے وصول کریں گے۔ صاحبین اور امام صاحب کا اختلاف عام متون اور ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح منقول ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ جوہرہ نیرہ میں اس کا عکس ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ بخدمة عبدہ الخ خدمت عبد اور مکان میں رہائش وغیرہ کی وصیت کرنا درست ہے اس واسطے کہ تملیک منافع بحالت حیات صحیح ہے بالعوض ہو یا بلا عوض تو بعد الممات بھی صحیح ہوگی جیسے تملیک اعیان صحیح ہے۔ اب اگر غلام اور مکان موصی کا ثلث مال ہو تو موصی لہ کو وہی دے دیا جائیگا اور اگر وہ ثلث مال نہ ہو تو مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیا جائے گا اور دو تہائیاں ورثہ کی ہوں گی کیونکہ موصی لہ کا حق ثلث میں ہے اور ورثہ کا حق دو ثلث میں ہے اور غلام کی تقسیم چونکہ ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کردی جائے گی پس غلام ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو دن ورثہ کی۔ پھر اگر موصی لہ موصی کی حیات میں مرجائے تو وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ اس کا مستحق ہی ختم ہوگیا۔ اور چونکہ وصیت منافع میں ملک موصی زائل نہیں ہوتی اس لئے موصی لہ کی موت کے بعد غلام اور مکان کے مالک موصی کے وارث ہوں گے۔

قولہ فاذا عمرو میت الخ کسی نے زید و عمرو کے لئے تہائی کی وصیت کی حالانکہ عمرو اس وقت مرچکا تھا تو کل تہائی مال زید کو ملے گا کیونکہ جو مرچکا ہے وہ موصی لہ نہیں ہوسکتا لہذا وہ اس زندہ کا مزاحم نہیں ہوگا جو موصی لہ ہوسکتا ہے۔ جیسے کوئی ایک آدمی اور دیوار کے لئے وصیت کرے تو پوری وصیت آدمی ہی کے لئے ہوتی ہے کیونکہ دیوار میں اس کی قابلیت ہی نہیں۔ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر موصی کو عمرو کا مرنا معلوم نہ ہو تو زید کو تہائی مال کا نصف ملے گا کیونکہ موصی کے عندیہ میں عمرو کے لئے وصیت درست تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ زید کو تہائی کا نصف ہی دینے پر راضی ہوا ہے بخلاف اس صورت کے جب اسے عمرو کا مرنا معلوم ہو کہ مردہ کے لئے وصیت کرنا لغو ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہی کو تہائی مال دینے پر راضی ہے۔ کذا فی الہدایہ

قولہ ولا مال لہ الخ ایک شخص نے کسی کے لئے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس بوقت وصیت مال بالکل نہ تھا۔ وصیت کے بعد اس نے کچھ مال کمایا تو موصی لہ کو اس مال کا ثلث ملے گا جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو۔ وجہ یہ ہے کہ وصیت عقد استخلاف ہے جو موت کے بعد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا حکم بھی موت کے بعد ہی ثابت ہوا ہے تو موت ہی کے وقت مال کا موجود ہونا شرط ہوگا نہ کہ موت سے پہلے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

فرائض کا بیان

اَلْمَجْمَعُ عَلٰى تَوْرِيْثِهِمْ مِنَ الذُّكُوْرِ عَشَرَةٌ اَلْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ
جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے مردوں سے وہ دس ہیں بیٹا، پوتا، گو نیچے کا ہو

وَالْاَبُ وَالْجَدُّ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَالزَّوْجُ وَمَوْلَى النِّعْمَةِ وَمَنْ
اور باپ دادا گو اوپر کا ہو بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا، شوہر، آزاد کرنے والا اور

الْاُنَاثِ سَبْعٌ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ وَلَا
عورتوں میں سے سات ہیں، لڑکی، پوتی، ماں، دادی، بہن، بیوی، آزاد کرنے والی اور

يَرِثُ اَرْبَعَةٌ اَلْمَمْلُوْكُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْمُرْتَدُّ وَاَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ وَالْفُرُوْضُ الْمَحْدُوْدَةُ
چار آدمی وارث نہیں ہوتے، غلام، قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا، مرتد، مختلف دین والے اور وہ حصے جو مقرر ہیں

فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی سِتَّةٌ اَلنِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ فَالنِّصْفُ فَرْضُ
کتاب اللہ میں چھ ہیں آدھا، چوتھائی، آٹھواں، دو ثلث، ایک ثلث، چھٹا پس نصف پانچ

خَمْسَةٍ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ اِذَا لَمْ تَكُنْ بِنْتُ الصُّلْبِ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ اِذَا
آدمیوں کا حصہ ہے بیٹی، پوتی جب صلبی بیٹی نہ ہو حقیقی بہن باپ شریک بہن جب

لَمْ تَكُنْ اُخْتٌ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَالزَّوْجُ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَّلَا وَلَدُ ابْنٍ وَاِنْ سَفُلَ وَالرُّبُعُ لِلزَّوْجِ
نہ ہو حقیقی بہن اورشوہر جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا گو نیچے کا ہو اور ربع شوہر کے

مَعَ الْوَلَدِ اَوْوَلَدِ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفُلَ وَلِلْمَرْاَةِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَّلَا وَلَدُ ابْنٍ وَالثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ
لئے ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ گو نیچے کا ہو، اور بیوی کے لئے ہے جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا اور ثمن بیویوں کیلئے

مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِّمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ اِلَّا الزَّوْجَ وَالثُّلُثُ
ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ اور ثلثان ہر دو یا اس سے زائد کے لئے ان لوگوں میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے اور ثلث

لِلْاُمِّ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَلَا اثْنَانِ مِنَ الْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا وَ
ماں کے لئے ہے جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا اور نہ دو بھائی اور بہنیں یا اس سے زائد

يُفْرَضُ لَهَا فِیْ مَسْئَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَابَقِیَ وَهُمَا زَوْجٌ وَّ اَبَوَانِ اَوْزَوْجَةٌ وَّاَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ
اور مقرر کیا جاتاہے ماں کے لئے دو مسئلوں میں باقی کا تہائی اور وہ یہ ہیں کہ ہو شوہر اور والدین یا بیوی اور والدین پس ماں کے لئے

مَابَقِیَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ اَوِالزَّوْجَةِ وَهُوَلِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِّنْ وُّلْدِالْاُمِّ ذُكُوْرُهُمْ
ثلث ہے اس کا جو باقی رہے شوہر یا بیوی کے حصہ کے بعد اور ثلث ہر دو یا زیادہ کے لئے ہے اخیافی بہن بہنوں جس میں مرد

وَاُنَاثُهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ وَالسُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِالْاِبْنِ
اور عورتیں برابر ہیں اور سدس سات لوگوں کا حصہ ہے والدین میں سے ہر ایک کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ

وَهُوَ لِلْاُمِّ مَعَ الْاِخْوَةِ وَلِلْجَدَّاتِ وَالْجَدِّ مَعَ الْوَلَدِ اَوْوَلَدِ الْاِبْنِ وَلِبَنَاتِ الْاِبْنِ مَعَ الْبِنْتِ
اور ماں کے لئے بھائیوں کے ساتھ اور جدات اور دادا کے لئے ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ اورپوتیوں کے لئے ہے بیٹی کے ساتھ

وَلِلْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ مَعَ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ وَلِلْوَاحِدِ مِنْ وُّلْدِالْاُمِّ
اورعلاتی بہنوں کے لئے ہے ایک حقیقی بہن کے ساتھ اور ایک اخیافی بہن کے لئے

تشریح الفقہ قولہ کتاب الفرائض الخ فرائض فریضۃ کی جمع ہے جوفرض سے مشتق ہے۔ لفظ فرض مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے مثلاً وجوب، حصہ مقدار، قطع کرنا مقرر کرنا وغیرہ۔ اصطلاح میں فرائض، علم فقہ اور حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ

ترکہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

قولہ ولا یرث اربعة الخ چار آدمی وارث نہیں ہوتے۔ ا۔ غلام کیونکہ میراث ایک قسم کی تملیک ہے اور غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ۲۔ قاتل اس کا وارث نہیں ہو سکتا جس کو اس نے قتل کیا ہے (جس کی وجہ کتاب الجنایات میں گزر چکی) ۳۔ مرتد یہ نہ کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے نہ ذمی کا نہ کافر کا کیونکہ یہ تو واجب القتل ہوتا ہے۔ ۴۔ دو مختلف دین والے یعنی کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے "لایتوارث اهل ملتین۔"

قولہ فالنصف الخ نصف پانچ اصناف کا فرض ہے حقیقی بیٹی، پوتی جب کہ حقیقی بیٹی نہ ہو، حقیقی بہن، سوتیلی بہن جب کہ حقیقی بہن نہ ہو، شوہر جب کہ بیوی کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نہ ہو۔ ربع دو اصناف کا حصہ ہے۔ شوہر جبکہ ولد یا ولد الابن ہو، بیوی جب کہ ولد یا ولد الابن نہ ہو۔ ثمن ایک صنف کا حصہ ہے یعنی بیوی کا جبکہ ولد یا ولد الابن ہو۔ ثلثان چار اصناف کا حصہ ہے دو یا دو سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کا، دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کا جب کہ حقیقی بیٹی نہ ہو، دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کا، دو یا دو سے زیادہ سوتیلی بہنوں کا جب کہ حقیقی بہن نہ ہو، ثلث دو صنف کا حصہ ہے، ماں جب کہ ولد، ولد الابن، دو بھائی، دو بہنیں نہ ہوں، مادری اولاد دو ہو یا دو سے زیادہ مرد ہوں یا عورتیں، سدس سات اصناف کا حصہ ہے۔ باپ جب کہ ولد یا ولد الابن ہو، جد صحیح جب کہ میت کا باپ نہ ہو، ماں جب کہ میت کا ولد یا ولد الابن ہو یا دو بھائی یا دو بہنیں ہوں، جدہ صحیحہ، پوتی کا حقیقی بیٹی کے ساتھ، سوتیلی بہن کا حقیقی بہن کے ساتھ، مادری اولاد کا جب کہ ایک ہو۔

قولہ فی مسئلتین الخ دو مسئلوں میں ماں کو باقی ماندہ کا ثلث ملتا ہے۔ ا۔ عورت اور شوہر ماں باپ چھوڑ کر مرگئی تو ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہو گا۔ نصف یعنی تین سہام شوہر کے ہوں گے اور باقی ماں کی تہائی یعنی ایک سہم ماں کا اور دو سہم باپ کے ہوں گے۔ ۲۔ ایک شخص ماں باپ اور بیوی چھوڑ کر مر گیا تو ترکہ بارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ چوتھائی یعنی تین سہم بیوی کے اور باقی تہائی یعنی تین سہم ماں کے اور چھ سہم باپ کے ہوں گے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَتَسقُطُ الْجَدَّاتُ[1] بِالْاُمِّ وَالْجَدُّ وَالْاِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ بِالْاَبِ وَيَسقُطُ وَلَدُ الْاُمِّ بِاَرْبَعَةٍ
ساقط ہو جاتی ہیں جدات ماں سے اور دادا، بھائی، بہنیں باپ سے اور ساقط ہو جاتے ہیں اخیافی بھائی بہن چار وارثوں

بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَالْاَبِ وَالْجَدِّ وَاِذَا اسْتَكْمَلَتِ الْبَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الْاِبْنِ
سے یعنی بیٹے، پوتے، باپ اور دادا سے جب لے لیں بیٹیاں پورا دو تہائی تو ساقط ہو جاتی ہیں پوتیاں

اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ بِاِزَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ ابْنُ ابْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ وَاِذَا اسْتَكْمَلَ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ
الا یہ کہ ہو ان کے بالمقابل یا ان سے نیچے پوتا کہ وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے، جب لیلیں حقیقی بہنیں پورا

وَّاُمٍّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتِ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ
دو تہائی تو ساقط ہو جائیں گی علاتی بہنیں الا یہ کہ ہو ان کے ساتھ ان کا بھائی کہ وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے

تشریح الفقہ قولہ وتسقط الجدات الخ جدات پدری ہوں یا مادری یعنی دادیاں ہوں یا نانیاں، یہ سب ماں کی موجودگی میں ساقط ہو جاتی ہیں یعنی میت کی ماں کے ہوتے ہوئے ان کو وراثت نہیں پہنچتی۔

قولہ والجد والاخوة الخ جب میت کا باپ موجود ہو تو باپ کے ہوتے دادا کو کچھ نہیں ملتا، بالکل محروم ہوتا ہے۔ نیز باپ کی موجودگی

[1] الجدات ست ثنتان لک و ثنتان لابیک و ثنتان لامک و کلهن وارثات غیر ام اب الام فانه لاشیٔ لها ۱۲ . جوهر)

میں بھائی بھی محروم ہوتے ہیں۔اسی طرح اگر میت کا باپ' دادا' بیٹا' پوتا موجود ہوتو امام صاحب کے ہاں بہنیں محروم ہوں گے۔صاحبین کے ہاں دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔

قولہ ویسقط ولدالام الخ ولدالام یعنی ماں شریک بہن بھائی جن کو اخیافی کہتے ہیں۔یہ چار وارثوں کے ہوتے ہوئے ساقط ہو جاتے ہیں اور وہ چار یہ ہیں۔میت کا بیٹا' اس کا پوتا' میت کا باپ اور اس کا دادا۔

قولہ واذا استکملت البنات الخ جب بیٹیوں کو پورا دو تہائی مل جائے یعنی دو یا اس سے زیادہ ہوں کہ اس صورت میں ان کا حصہ دو تہائی ہوتا ہے تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں لیکن اگر پوتیوں کے ساتھ ان سے نیچے کوئی لڑکا ہو یعنی ان کا بھائی بھتیجا ہو تو وہ اپنے ساتھ والیوں اور اوپر والیوں کو ذوی الفروض بیٹیوں کے علاوہ عصبہ کر دیتا ہے اور جو اس سے نیچے ہوں ان کو کچھ نہیں ملتا۔

قولہ واذا استکمل الاخوات الخ جب حقیقی بہنیں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور وہ اپنا دو تہائی حصہ لے لیں تو پھر باپ شریک بہنیں جن کو علاتی کہتے ہیں ساقط ہو جاتی ہیں لیکن اگر ان کے ساتھ ان کا بھائی بھی ہو تو ان کو عصبہ کر دیتا ہے اور عصبہ کے ساتھ ان کو مرد کے حصہ سے آدھا ملتا ہے۔محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الْعُصَبَاتِ

عصبات کا بیان

وَاَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ الْبَنُوْنَ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ بَنُوالْاَبِ
عصبوں میں سب سے قریب بیٹے ہیں پھر پوتے پھر باپ پھر دادا پھر باپ کے بیٹے

وَهُمُ الْاِخْوَةُ ثُمَّ بَنُو الْجَدِّ وَهُمُ الْاَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوْاَبِ الْجَدِّ وَاِذَا اسْتَوٰی بِنُوْاَبٍ فِیْ دَرَجَةٍ
یعنی بھائی پھر دادا کے بیٹے یعنی چچے پھر دادا کے باپ کے بیٹے جب باپ کے بیٹے برابر ہوں درجہ میں

فَاَوْلٰهُمْ مَنْ کَانَ مِنْ اَبٍ وَّاُمٍّ وَّالْاِبْنُ وَابْنُ الْاَبْنِ وَالْاِخْوَةُ یُقَاسِمُوْنَ اَخَوَاتِهُمْ لِلذَّکَرِ
تو زیادہ مستحق وہ ہے جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہو بیٹا اور پوتا اور بھائی مقاسمہ کر لیتے ہیں اپنی بہنوں سے مرد کے لیے

مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ وَمَنْ عداهُمْ مِّنَ الْعَصَبَاتِ یَنْفَرِدُ بِالْمِیْرَاثِ ذُکُوْرُهُمْ دُوْنَ اُنَاثِهِمْ وَاِذَا لَمْ
دو حصوں کے برابر اور ان کے علاوہ دیگر عصبے تنہا ہوتے ہیں میراث پانے میں ان کے مرد نہ کہ ان کی عورتیں جب نہ

یَکُنْ لِلْمَیِّتِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَالْمَوْلَی الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلٰی
ہو میت کا نسبی عصبہ تو آزاد کرنے والا مولیٰ عصبہ ہوتا ہے پھر مولیٰ کے عصبات میں جو سب سے زیادہ قریب ہو

تشریح الفقہ **قولہ باب العصبات** الخ عصبات عصبۃ کی جمع ہے۔عربی زبان میں پٹھے کو کہتے ہیں شریعت میں عصبہ وہ شخص ہے جو گوشت پوست میں شریک ہو۔جس کے عیب دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے۔عصبات میں سب سے زیادہ قریب بیٹے ہوتے ہیں' پھر پوتے' پھر باپ' پھر دادا پھر باپ کے بیٹے یعنی میت کے بھائی' پھر دادا کے بیٹے یعنی میت کے چچے' تائے' پھر باپ کے دادا کے بیٹے یعنی میت کے باپ کے چچے تائے اور جب باپ کے بیٹے یعنی بھائی درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے میت کا بھائی ہو۔مطلب یہ ہے کہ حقیقی بھائی علاتی بھائی پر مقدم ہوگا۔

قولہ ثم الجد الخ حقیقی بھائیوں پر دادا کا مقدم ہونا امام صاحب کے نزدیک ہے۔صاحبین' امام مالک' امام شافعی کے نزدیک حقیقی بھائی

دادا پر مقدم ہے فتویٰ کے لئے امام صاحب کا قول مختار ہے۔ بعض حضرات نے صاحبین کے قول پر فتویٰ ذکر کیا ہے مگر علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ امام صاحب ہی کا قول معتمد ہے۔

قولہ یقاسمون الخ جب میت کا بیٹا اور پوتا اور بھائی اپنی اپنی بہنوں کے ساتھ ہوں تو ان میں مال کی تقسیم آیت "للذکر مثل حظ الانثیین" کے مطابق ہوگی یعنی مرد کو عورت سے دونا حصہ ملے گا۔

قولہ ھو المولی الخ سب سے آخری عصبہ معتق یعنی آزاد کنندہ ہے جو جمہور کے نزدیک ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا بھی یہی قول ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک معتق ذوی الارحام سے مؤخر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ الْحَجَبِ

وَيَحْجُبُ الْاُمُّ مِنَ الثُّلُثِ اِلَى السُّدُسِ بِالْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ اَوْ اَخَوَيْنِ وَ
محجوب ہو جاتی ہے ماں تہائی سے چھٹے کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے

الْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْبَنَاتِ لِبَنِى الْاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْاُنْثَيَيْنِ وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ
سے اور جو باقی رہے بیٹیوں کے حصے سے وہ پوتوں اوران کی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر اور جو باقی رہے حقیقی بہنوں

الْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ لِلْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ مِنَ الْاَبِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَاِذَا تَرَكَ بِنْتًا وَّ
کے حصے سے وہ علاتی بھائی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر، جب چھوڑی ایک بیٹی

بَنَاتِ ابْنٍ وَّبَنِىْ ابْنٍ فَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَالْبَاقِىْ لِبَنِى الْاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَ
چند پوتیاں اور چند پوتے تو بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی پوتوں اوران کی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر

كَذٰلِكَ الْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ لِبَنِى الْاَبِ وَبَنَاتِ الْاَبِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ
اسی طرح جو باقی رہے حقیقی بہن کے حصے سے وہ علاتی بھائی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر

وَمَنْ تَرَكَ ابْنَىْ عَمٍّ اَحَدُهُمَا اَخٌ لِاُمٍّ فَلِلْاَخِ السُّدُسُ وَالْبَاقِىْ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالْمُشْتَرَكَةُ اَنْ
جس نے چھوڑے چچا زاد بھائی جن میں سے ایک اخیافی بھائی ہے تو اخیافی بھائی کے لئے چھٹا ہے اور باقی ان میں نصفا نصف ہو گا اگر

تَتْرُكَ الْمَرْاَةُ زَوْجًا وَّاُمًّا اَوْجَدَّةً وَّاِخْوَةً مِّنْ اُمٍّ وَّاِخْوَةً مِّنْ اَبٍ وَّاُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ
چھوڑا عورت نے شوہر، ماں، جدہ، چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی تو شوہر کے لئے نصف ہے

وَلِلْاُمِّ السُّدُسُ وَلِاَوْلَادِ الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلَاشَىْءَ لِلْاِخْوَةِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ
اور ماں کے لئے چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کے لئے تہائی۔ اور کچھ نہیں ہے حقیقی بھائیوں کے لئے

تشریح الفقہ **قولہ باب الحجب** الخ لغت میں حجب کے معنی روکنے کے ہیں اور اہل فرائض کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جائے اگر کل میراث سے محروم ہو تو اس کو حجب حرمان کہتے ہیں اور اگر میراث کے کسی حصے سے محروم ہو مثلاً تہائی ملنے کی جگہ چھٹا حصہ ملنے لگے تو اس کو حجب نقصان کہتے ہیں۔

قولہ ان تترک المراۃ الخ کسی عورت نے شوہر، ماں یا ایک نانی اور چند بھائی اخیافی اور ایک حقیقی بھائی چھوڑا تو شوہر کو نصف، ماں یا نانی

کو چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کو تہائی مال ملے گا اور حقیقی بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ امام شافعی کے ہاں اخیافی اور حقیقی بھائی برابر ہیں لہذا ان کو نصفا نصف ملے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حق تعالی نے شوہر کا نصف' ماں کا چھٹا اور اخیافی بھائیوں کا تہائی حصہ ذو الفروض ہونے کی حیثیت سے مقرر کر دیا ہے اور کل مال انہی حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے باقی کچھ نہیں رہتا جو عصبوں تک پہنچے۔ جوہرہ۔

بَابُ الرَّدِّ

رد کے بیان میں

وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ مَّرْدُوْدٌ عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ

بچا ہوا مال ذوی الفروض کے حصے سے جبکہ نہ ہو عصبہ دے دیا جائے گا ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے موافق

اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ وَلَايَرِثُ الْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْكُفْرُ كُلُّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُ بِهٖ اَهْلُهٗ وَلَايَرِثُ الْمُسْلِمُ

سوائے زوجین کے اور وارث نہیں ہوتا قاتل مقتول کا اور ہر قسم کا کفر ایک ہی مذہب ہے اس سبب سے کافر وارث ہوگا دوسرے کا' اور وارث نہیں

الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ وَمَالُ الْمُرْتَدِّ لِوَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَا اكْتَسَبَهٗ فِیْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَیْءٌ وَاِذَا غَرِقَ

ہوتا مسلمان کافر کا اور نہ کافر مسلمان کا' مرتد کا مال اس کے مسلم ورثاء کا ہے اور جو مال کمایا ہو اس نے ردت کی حالت میں وہ غنیمت ہے جب کچھ

جَمَاعَةٌ اَوْسَقَطَ عَلَيْهِمْ حَائِطٌ فَلَمْ يُعْلَمْ مَّنْ مَّاتَ مِنْهُمْ اَوَّلًا فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ لِلْاَحْيَاءِ مِنْ وَّرَثَتِهٖ

آدمی ڈوب جائیں یا ان پر دیوار گر جائے اور معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثاء کے لئے ہے

تشریح الفقہ قولہ باب الرد الخ رد عول کی ضد ہے کیونکہ عول میں سہام مخرج سے زیادہ ہوتے ہیں اور رد میں مخرج سہام سے زیادہ ہوتا ہے۔ اہل فرائض کی اصطلاح میں رد اس کو کہتے ہیں کہ تقسیم اول کے بعد نسبی ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کو انہی پر ان کے حصوں کے مطابق صرف کر دیا جائے اس میں نسبیہ کی قید احترازی ہے پس جو ذوی الفروض نسبی نہ ہوں ان پر رد نہ ہوگا۔ اسی لئے زوجین پر رد نہیں ہوتا کیونکہ ان سے نسبی رشتہ نہیں ہے۔ اکثر صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ اسی کو احناف نے لیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کے نزدیک ذوی الفروض پر کسی حال میں رد نہیں ہو سکتا بلکہ فاضل مال بیت المال کا ہے۔ امام مالک و شافعی اور زہری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

قولہ الا علی الزوجین الخ متقدمین احناف کا تو قول وہی ہے جو جمہور صحابہ کا ہے کہ زوجین پر رد نہیں ہوتا لیکن متاخرین احناف اور بعض شوافع فرماتے ہیں کہ جب بیت المال غیر منتظم ہو تو زوجین پر بھی بقدر حقوق رد ہوگا بشرطیکہ دوسرے مستحقین نہ ہوں۔ رد المحتار میں مستصفی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتوی جواز رد پر ہے۔ اشباہ میں بھی یہی ہے۔

قولہ واذا غرق الخ جو لوگ ڈوب کر مر جائیں یا ان پر کوئی دیوار گر جائے اور وہ آپس میں رشتہ دار ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے تو ان کا مال ان کے زندہ ورثہ کے درمیان بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائے گا۔ احناف' امام مالک' امام شافعی اور عام صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ فرائض شریفی میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اہل یمامہ کے مقتولین میں یہی حکم کیا تھا یعنی مردوں کی میراث زندوں کو دلائی تھی۔ اسی طرح جب عمواس میں لوگ وباء سے مرے تو حضرت عمر فاروقؓ نے یہی حکم فرمایا تھا۔ نیز حضرت علیؓ نے بھی صفین اور جمل کے مقتولین میں یہی کیا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

وَاِذَا اجْتَمَعَ لِلْمَجُوْسِیِّ قَرَابَتَانِ لَوْتَفَرَّقَتَا فِیْ شَخْصَیْنِ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَعَ الْاٰخَرِوَرِثَ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ

جب جمع ہوں مجوسی کی ایسی دو قرابتیں کہ اگر وہ متفرق ہوں دو شخصوں میں تو ایک دوسرے کا وارث ہوں تو وارث ہوگا مجوسی ان میں سے

مِّنْهُمَا وَلَايَرِثُ الْمَجُوْسِيُّ بِالْاَنْكِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِيْ يَسْتَحِلُّوْنَهَا فِيْ دِيْنِهِمْ وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا

ہر ایک کے ذریعہ سے اور وارث نہ ہوں گے مجوسی ان فاسد نکاحوں سے جن کو وہ حلال سمجھتے ہیں اپنے دین میں، ولد زنا کا عصبہ

وَوَلَدِ الْمُلَاعِنَةِ مَوْلٰى اُمِّهِمَا وَمَنْ مَّاتَ وَ تَرَكَ حَمْلًا وُّقِفَ مَالُهٗ حَتّٰى تَضَعَ امْرَاَتُهٗ حَمْلَهَا فِيْ

اور ولد ملاعنہ کا عصبہ ان کی ماں کا مولیٰ ہے، جو شخص مر گیا حمل چھوڑ کر تو موقوف رہے گا اس کا مال یہاں تک کہ جنے اس کی عورت اپنا حمل

قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْجَدُّ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ

امام صاحب کے قول میں اور دادا زیادہ حقدار ہے میراث کا بھائیوں کے مقابلہ میں امام صاحب کے نزدیک

اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ تَنْقُصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ

صاحبین فرماتے ہیں کہ وہ بھائیوں کے برابر پائے گا، الا یہ کہ کم پہنچے اس کو برابر تقسیم کرنے میں تہائی سے، جب جمع ہو جائیں جدات

فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ وَيَحْجُبُ الْجَدُّ اُمَّهٗ وَلَا تَرِثُ اُمُّ اَبِ الْاُمِّ وَكُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ اُمَّهَا

تو چھٹا حصہ اس کو ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہو، مجوب کردیتا ہے دادا اپنی ماں کو، وارث نہیں ہوتی نانی کی ماں، ہر جدہ مجوب کر دیتی ہے اپنی ماں کو

تشریح الفقہ قولہ واذا اجتمع الخ جب ایک مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوتیں تو ایک، دوسرے کا وارث ہوتا تو ان دونوں کے ذریعہ سے مجوسی بھی وارث ہو جائے گا مثلاً کسی مجوسی نے اپنی ماں سے شادی کی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی پھر مجوسی اپنی ماں کو (جو اس کی بیوی بھی ہے) اور لڑکی کو (جو اس کی ماں شریک بہن بھی ہے) چھوڑ کر مر گیا تو نہ ماں زوجیت کی وجہ سے وارث ہوگی نہ لڑکی بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی کیونکہ لڑکی کے ہوتے ہوئے ماں شریک بہن وارث نہیں ہوتی بلکہ ماں کو ماں ہونے کے ناتے سے سدس ملے گا اور لڑکی کو نصف ملے گا اور باقی عصبہ کو دیا جائے گا اور مجوسیوں کو ان فاسد نکاحوں کے سبب سے میراث نہیں ملے گی۔ جن کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں کیونکہ فاسد نکاح مسلمانوں کے حق میں مثبت توارث نہیں تو مجوسیوں کے حق میں بھی نہ ہوگا۔

قولہ وترک حملا الخ اگر کسی میت کی عورت حاملہ ہو تو اس کا مال تقسیم نہ ہوگا بلکہ وضع حمل تک موقوف رکھا جائے گا مگر یہ اس وقت ہے جب حمل کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ ہو اگر ہو تو مذکر کو پانچواں اور مؤنث کو نواں حصہ دے دیا جائے گا، باقی حصے موقوف رہیں گے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے ہاں لڑکے کو نصف مال دیا جائے گا اور امام محمد کے ہاں ثلث مال دیا جائے گا کیونکہ عورت عادۃً بطن واحد میں دو سے زیادہ نہیں جنتی تو موجودہ لڑکا ثلث کا مستحق ہے امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ بطن واحد سے عادۃً ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ چار ہو سکتے ہیں پس یہ امکان ہے کہ حمل میں چار لڑکے ہوں پس لڑکا پانچویں حصہ کا مستحق ہوگا اور لڑکی نویں حصہ کی مستحق ہوگی لیکن فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ جوہرہ۔

بَابُ ذَوِي الْاَرْحَامِ

ذوی الارحام کا بیان

وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَّلَاذُوْسَهْمٍ وَرِثَهٗ ذَوُوالْاَرْحَامِ وَهُمْ

جب نہ ہو میت کا عصبہ اور نہ ذوی الفروض تو وارث ہوں گے اس کے ذوی الارحام، اور وہ

عَشَرَةٌ وَلَدُ الْبِنْتِ وَوَلَدُ الْاُخْتِ وَبِنْتُ الْاَخِ وَبِنْتُ الْعَمِّ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ وَاَبُوالْاُمِّ وَالْعَمُّ

دس ہیں، بیٹی کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائی کی بیٹی، چچا کی بیٹی، ماموں، خالہ، نانا، اخیافی

لِلْاُمِّ وَالْعَمَّةُ وَوَلَدُ الْاَخِ مِنَ الْاُمِّ وَمَنْ اَدْلٰی بِهِمْ فَاَوْلٰهُمْ مَّنْ كَانَ مِنْ وُلْدِ الْمَيِّتِ ثُمَّ وُلْدِ

چچا، پھوپھی، اخیافی بھائی کی اولاد ان میں سب سے اولیٰ وہ ہے جو میت کی اولاد ہو، پھر وہ جو

الْاَبَوَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَهُمْ بَنَاتُ الْاِخْوَةِ وَاَوْلَادُ الْاَخَوَاتِ ثُمَّ وُلْدُ اَبَوَى اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا

ماں باپ کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہو، اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر والدین کے والدین کی یا ان میں سے ایک

وَهُمُ الْاَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْعَمَّاتُ وَاِذَا اسْتَوٰى وَارِثَانِ فِیْ دَرَجَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ

کی اولاد ہو، اور وہ ماموں خالائیں، اور پھوپھیاں ہیں، جب برابر ہوں دو وارث درجہ میں تو ان میں وہ اولیٰ ہے

اَدْلٰی بِوَارِثٍ وَاَقْرَبُهُمْ اَوْلٰی مِنْ اَبْعَدِهِمْ وَاَبُوالْاُمِّ اَوْلٰی مِنْ وُلْدِ الْاَخِ وَالْاُخْتِ وَالْمُعْتِقُ اَحَقُّ

جو میت کے زیادہ قریب ہو کسی وارث کے ذریعہ سے، اور قریب والا اولیٰ ہوگا بعیدی رشتہ والے سے، اور نانا اولیٰ ہے بھائی بہن کی اولاد سے، آزاد کنندہ زیادہ

بِالْفَاضِلِ مِنْ سَهْمِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ وَ مَوْلَى الْمُوَالَاتِ يَرِثُ وَاِذَا تَرَكَ

حقدار ہے بچے ہوئے مال کا ذوی الفروض سے جب کہ نہ ہو کوئی عصبہ اس کے سوا، اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے جب چھوڑا

الْمُعْتَقُ اَبَ مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَالُهُ لِلْاِبْنِ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِلْاَبِ السُّدُسُ

آزاد شدہ نے آزاد کنندہ کا باپ اور اس کا بیٹا تو اس کا مال بیٹے کا ہے طرفین کے نزدیک، امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ باپ کے لئے سدس ہے

وَالْبَاقِی لِلْاِبْنِ فَاِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَاَخَامَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

اور باقی بیٹے کا ہے اگر آزاد شدہ نے آزاد کنندہ کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑا تو مال دادا کا ہوگا امام صاحب کے نزدیک

وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَبَيْنَهُمَا وَلَايُبَاعُ الْوَلَاءُ وَلَا يُوْهَبُ

صاحبین فرماتے ہیں کہ مال دونوں کا ہو گا اور نہ بیچا جائے ولاء کو نہ ہبہ کیا جائے

تشریح الفقہ قولہ باب ذوی الارحام الخ اس باب میں ذوی الارحام کی وراثت کا بیان ہے۔ اکثر صحابہ کرامؓ حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابوعبیدہؓ، معاذؓ ابوالدرداؓ اور حضرت ابن عباسؓ (بروایت مشہورہ) توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں۔ ائمہ احناف اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابن عباسؓ (بروایت شاذہ) ان کی توریت کے قائل نہیں۔ وارث نہ ہونے کی صورت میں بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام مالک اسی کے قائل ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت مواریث میں صرف ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ بیان کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آیت ''واولوالارحام بعضھم اولی ببعض'' کی تفسیر اولیٰ بمیراث بعض عن غیرہ'' کی گئی ہے۔

قولہ واذا لم یکن الخ ذورحم کسی صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتا بجز شوہر اور بیوی کے کہ اگر ان کے ساتھ ہو تو باوجودیکہ یہ دونوں صاحب فرض ہیں مگر ان کے ساتھ وارث ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کو باقی ماندہ مال دوبارہ نہیں دیا جاتا بخلاف اور فرض والوں کے کہ اگر ان کے حصوں سے کچھ مال بچتا ہے تو وہ انہیں حسب حصص دوبارہ دے دیا جاتا ہے پس جب زوجین کے علاوہ میت کا کوئی عصبہ اور ذوی الفروض نہ ہو تو ذوی الارحام اس کے وارث ہوں گے۔

قولہ ورثہ ذوی الارحام الخ مغرب میں ہے کہ رحم دراصل عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں بچہ رہتا ہے پھر ان لوگوں کو ذوی الارحام کہنے لگے جو رحم سے پیدا ہوں اور ان سے رشتہ داری ہو۔ علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام مطلقاً رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں خواہ ان سے کسی قسم کی رشتہ داری ہو۔ اصطلاح میں ذورحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ ذوی الفروض ہو نہ عصبہ ہو اور وہ دس قسم کے اشخاص ہیں۔ ۱۔ بیٹی کی اولاد ۲۔ بہن

کی اولاد ۳۔ بھائی کی بیٹی ۴۔ چچا کی بیٹی ۵۔ ماموں ۶۔ خالہ ۷۔ نانا ۸۔ اخیافی چچا ۹۔ پھوپھی ۱۰۔ اخیافی بھائیوں کی اولاد۔

قولہ فاولھم من کان الخ ذوی الارحام کی ترتیب ترتیب عصبات کے مثل ہے کہ سب سے مقدم وہ ہوگا جو میت سے قریب تر ہو لیکن اقرب کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ امام صاحب سے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اقرب الی المیت نانا ہے' پھر بیٹی کی اولاد' پھر بہنوں کی اولاد' پھر بھائیوں کی اولاد' پھر پھوپھیاں' پھر خالائیں' پھر ان کی اولاد۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اقرب الی المیت بیٹی کی اولاد ہے پھر نانا' صاحبین کے ہاں اقرب الی المیت بیٹی کی اولاد ہے پھر بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی اولاد پھر نانا پھر پھوپھی پھر خالہ پھر ان کی اولاد (کذا فی الجندی) صاحب کتاب کی روایات میں سب سے مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد سے ہو جیسے نواسی' پھر جو میت کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہو یعنی بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد' پھر میت کے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد یعنی ماموں' خالہ اور پھوپھی اور جب دو وارث درجہ میں برابر ہوں تو ان میں وہ شخص مقدم ہوگا جو کسی وارث کے ذریعہ سے میت کا زیادہ قریب ہو مثلاً کسی نے چچا کی لڑکی اور پھوپھی کا لڑکا چھوڑا تو کل مال چچا کی لڑکی کو ملے گا۔

قولہ فان ترک جدمولاہ الخ اگر آزاد شدہ نے معتق کا دادا اور اس کا ایک بھائی چھوڑا تو امام صاحب کے ہاں مال دادا کو ملے گا اور صاحبین کے ہاں دونوں کو برابر ملے گا۔ وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے ہاں دادا کیساتھ بھائی وارث نہیں ہوتے اور صاحبین کے ہاں وہ دادا کے ساتھ میراث میں شریک ہوتے ہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ حِسَابِ الْفَرَائِضِ

حصہ نکالنے کا بیان

اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ نِصْفٌ وَّنِصْفٌ اَوْنِصْفٌ وَّ مَابقي فَاصْلُها من اثْنَيْن

جب مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور مابقی ہو تو اصل مسئلہ دو سے ہوگا

وَاِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَّمَا بَقِيَ اَوْثُلُثَانِ وَمَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَلٰثَةٍ وَّاِذَا كَانَ فِيهَا رُبُعٌ وَّمَا بقيَ اَوْرُبُعٌ

اور جب ہو اس میں ثلث اور مابقی یا ثلثان اور مابقی تو اصل تین سے ہوگا اور جب ہو اس میں ربع اور باقی یا ربع

وَّنِصْفٌ فَاَصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَاِنْ كَانَ فِيهَا ثُمُنٌ وَّمَا بَقِيَ اَوْثُمُنٌ وَّنِصْفٌ وَّمَا بقي فاصْلُهَا

اور نصف تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا اور اگر ہو اس میں ثمن اور مابقی یا ثمن اور نصف اور مابقی تو اصل مسئلہ

مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَّاِنْ كَانَ فِيهَا نِصْفٌ وَّ ثُلُثٌ اَوْنِصْفٌ وَّسُدُسٌ فاصْلُها مِنْ سِتَّةٍ وتعُوْلُ

آٹھ سے ہوگا اور اگر ہو اس میں نصف اور ثلث یا نصف اور سدس تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا جو عول کرے گا

اِلٰى سَبْعَةٍ وَّثَمَانِيَةٍ وَّتِسْعَةٍ وَّعَشَرَةٍ

سات آٹھ نو دس کی طرف

تشریح الفقہ **قولہ باب الخ** اس باب میں مخارج فروض کا بیان ہے جس کے لئے اجمالی طور پر یہ قاعدہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ قرآن پاک میں جو فرض حصے مذکور ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ تین ایک قسم کے یعنی نصف' ربع' ثمن اور تین دوسری قسم کے یعنی ثلثان' ثلث' سدس' ان کے مخارج کی تشریح یہ ہے کہ نصف کے لئے مخرج دو کا عدد ہے اور ربع کے لئے چار کا' اور ثمن کے لئے آٹھ کا اور ثلثان وثلث کے لئے تین کا اور سدس کے لئے چھ کا' تو جب مسئلہ میں دو نصف ہوں مثلاً میت ایک شوہر اور ایک حقیقی یا علاتی بہن چھوڑے یا ایک نصف اور باقی ہو مثلاً شوہر اور چچا چھوڑے تو اس کا

اصل مسئلہ دو سے ہوگا اور اگر اس میں ثلث اور باقی ہو مثلاً ماں اور چچا وارث ہوں یا ثلثان اور باقی ہو مثلاً بیٹیاں اور چچا وارث ہوں تو اصل مسئلہ تین سے ہوگا اور اگر اس میں ربع اور باقی ہوں مثلاً ایک بیوی اور عصبہ ہو یا ربع اور نصف ہو مثلاً شوہر اور ایک بیٹی وارث ہو تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا اور اگر اس میں ثمن اور باقی ہو مثلاً بیوی اور ایک بیٹا وارث ہو یا ثمن اور نصف ہو مثلاً بیوی اور ایک بیٹی وارث ہو تو اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا اور اگر اس میں نصف اور ثلث ہو مثلاً وارث اور ماں ایک حقیقی بھائی ہو یا نصف اور سدس ہو مثلاً وارث ماں اور ایک بیٹی ہو تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔

قولہ و تعول الخ عول کا مطلب یہ ہے کہ جب حصوں کے مخرج کا عدد کم ہو اور سہام زیادہ ہو جائیں تو مخرج میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے تا کہ سب حصہ والوں کو ان کے سہام پہنچ جائیں پس چھ کا عول دس تک ہوتا ہے طاق بھی یعنی سات اور نو کی طرف اور جفت بھی یعنی آٹھ اور دس کی طرف۔ مثالیں یہ ہیں:۔

مسئلہ ۶ عـ۷

زوج	اختان لاب
۳	۴

مسئلہ ۶ عـ۸

زوج	اختان لاب	ام
۳	۴	۱

مسئلہ ۶ عـ۹

زوج	اختان لاب	اختان لام
۳	۴	۲

مسئلہ ۶ عـ۱۰

زوج	اختان لاب	اختان لام	ام
۳	۴	۲	۱

وَاِنْ كَانَ مَعَ الرُّبُعِ ثُلُثٌ اَوْسُدُسٌ فَاَصْلُهَا مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ وَتَعُوْلُ اِلٰى ثَلٰثَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ
اگر ہو ربع کے ساتھ ثلث یا سدس تو اصل مسئلہ بارہ سے ہو گا جو عول کرے گا تیرہ پندرہ
وَسَبْعَةَ عَشَرَ وَاِذَا كَانَ مَعَ الثُّمُنِ سُدُسَانِ اَوْثُلُثَانِ فَاَصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ وَ
اور سترہ کی طرف، جب ہو ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور
تَعُوْلُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ وَاِذَا انْقَسَمَتِ الْمَسْئَلَةُ عَلَى الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَاِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ
عول کرے گا ستائیس کی طرف جب برابر تقسیم ہو جائے مسئلہ ورثاء پر تو وہ صحیح ہو گیا اور اگر تقسیم نہ ہوں
سِهَامُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَعَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً فَمَا
ان میں سے کسی ایک فریق کے حصے تو ضرب دے اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں اور اس کے عول میں اگر عول والا ہو پس جو
خَرَجَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ كَامْرَاَةٍ وَّاَخَوَيْنِ لِلْمَرْاَةِ الرُّبُعُ سَهْمٌ وَّلِلْاَخَوَيْنِ مَابَقِيَ ثَلٰثَةُ
حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ صحیح ہو گا جیسے بیوی اور دو بھائی کہ بیوی کا ربع ہے ایک سہم اور دو بھائیوں کے باقی تین
اَسْهُمٍ وَّلَا تَنْقَسِمُ عَلَيْهِمَا فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَّمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ
سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے پس ضرب دے دو کو اصل مسئلہ میں تو یہ آٹھ ہو جائیں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہو گا

تشریح الفقہ قولہ مع الربع ثلث الخ اگر مسئلہ میں ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا اور یہ تیرہ پندرہ سترہ کی طرف عول کر سکتا ہے:

مسئلہ ۱۲ عـ۱۳

زوجہ	اختان عینیہ	ام
۳	۸	۲

مسئلہ ۱۲ عـ۱۵

زوجہ	اختان عینیہ	اختان لام
۳	۸	۴

مسئلہ ۱۲ عـ۱۷

زوجہ	اختان عینیہ	اختان لام	ام
۳	۸	۴	۲

اور اگر ثمن کے ساتھ سدسان یا ثلثان ہوں تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا جو صرف ستائیس کی طرف عول کرتا ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں

ہے۔مثال یہ ہے:۔

مسئلہ ۲۴/۲۷

زوجہ	بنتان	اب	ام
۳	۱۶	۴	۴

قولہ واذا انقسمت الخ اگر ورثہ کے ہر فریق کا حصہ ان پر بلا کسر منقسم ہو جائے۔تب تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر برابر تقسیم نہ ہو تو ضرب کی ضرورت ہوگی۔اب دیکھیں گے کہ کسر کسی ایک فریق پر ہے یا زائد پر اگر ایک ہی فریق پر ہو تو اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور اگر مسئلہ میں عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے اور جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی مثلاً کسی نے ایک زوجہ اور دو بھائی وارث چھوڑے تو چوتھائی مال زوجہ کا ہے اور باقی دو بھائیوں کا لیکن باقی تین حصے ہیں جو ان دونوں پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے لہذا دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے گی اور اصل مسئلہ چار سے ہے کیونکہ مسئلہ میں ربع اور ما بقی ہے تو دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ ہو گئے پس آٹھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی یعنی زوجہ کو دو سہام اور ہر بھائی کو تین تین سہام ملیں گے۔

قولہ ان کانت عاملۃ الخ اگر مسئلہ میں عول ہو تو عدد رؤس کو عول میں ضرب دیں گے اور جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

عول کی مثال یہ ہے:۔

مسئلہ ۱۲/۱۵ تصح ۴۵ وفق ۳

زوج	اب	ام	بنات ۶
۳/۹	۲/۶	۲/۶	۸/۲۴

فَاِنْ وَّافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدَهُمْ فَاضْرِبْ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَامْرَأَةٍ وَّسِتَّةِ

پس اگر توافق ہو سہام اور عدد رؤس میں ضرب دے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں جیسے ایک بیوی اور چھ

اِخْوَةٍ لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعُ وَلِلْاِخْوَةِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ لَا تَنْقَسِمُ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ ثُلُثَ عَدَدِهِمْ فِیْ

بھائی بیوی کے لئے ربع ہے اور بھائیوں کے لئے تین سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے تو ان کے ثلث عدد یعنی دو کو

اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَمِنْهَا تَصِحُّ فَاِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقَيْنِ اَوْاَكْثَرَ فَاضْرِبْ اَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ

اصل مسئلہ میں ضرب دے اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا' اگر تقسیم نہ ہوں دو فریق یا اس سے زیادہ کے سہام تو ضرب دے ایک فریق کے عدد کو

فِی الْاٰخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِی الْفَرِيْقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ

دوسرے میں پھر حاصل ضرب کو ضرب دے تیسرے فریق کے عدد میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں

تشریح الفقہ **قولہ فان وافق** الخ ان مسائل کے لئے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ دو عددوں میں چار نسبتوں میں سے کوئی ایک ہوا کرتی ہے تماثل' تداخل' توافق' تباین' تماثل دو عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہیں جیسے چار چار یا دس دس۔تداخل اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے پر پورا تقسیم ہو جائے' کسر واقع نہ ہو یا یہ کہ اگر اس میں سے چھوٹے عدد کو نکالتے چلے جائیں تو دو بار یا اس سے زیادہ میں بڑا عدد فنا ہو جائے مثلاً ۲۵' اور ۵ میں تداخل ہے کہ پچیس پانچ پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور پانچ پانچ کم کرنے سے پچیس کا عدد ۵ مرتبہ میں فنا ہو جاتا ہے۔توافق اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں کو کوئی تیسرا عدد ایک سے زیادہ فنا کرے۔جیسے ۸ اور ۲۰ کہ ان کو ۴ کا عدد فنا کرتا ہے اس تیسرے عدد ۴ کو وفق کہتے ہیں اور ان دونوں

میں توافق بالربع کہلاتا ہے۔ تبائن اس کو کہتے ہیں کہ ایک کے عدد کے علاوہ کوئی تیسرا عدد بھی ان دونوں کو فنا نہ کرے جیسے ۹ اور ۱۰ ہے۔ ان نسبتوں کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر تقسیم کریں اگر پہلی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو تداخل ہے اور باقی رہے تو باقی پر پھر چھوٹے کو تقسیم کریں اسی طرح کرتے جائیں اگر کسی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں گے کہ اس کا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہو تو دونوں عددوں میں توافق بالنصف ہوگا اور تین ہو تو توافق بالثلث وعلی ہذا القیاس اور اگر پہلی یا کسی اور تقسیم میں ایک کا عدد بچ رہے تو ان دونوں میں تبائن ہوگا۔ اب دیکھو کہ اگر سہام ورثہ اور ان کے اعداد میں توافق ہو تو ان کے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مثلاً ایک بیوی اور چھ بھائی وارث ہیں تو چوتھائی بیوی کا ہے اور باقی تین سہام بھائیوں کے ہیں جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور تین اور چھ میں توافق ہے تو چھ کے وفق یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

قولہ سہام فریقین الخ اگر دو یا زیادہ فریق کے سہام پورے منقسم نہ ہوں تو ایک فریق کے عدد کو دوسرے فریق کے عدد میں پھر حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد میں، پھر آخری حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مثلاً دو بیویاں، پانچ دادیاں، تین اخیافی بہنیں، ایک چچا وارث ہیں اور اصل مسئلہ بارہ سے ہو کر چوتھائی یعنی تین سہام بیویوں کے اور سدس یعنی دو سہام دادیوں کے اور ثلث یعنی چار سہم بہنوں کے اور باقی تین سہام چچا کے ہیں پس بیویوں کے عدد کو دادیوں کے عدد پانچ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب دس کو بہنوں کے عدد تین میں ضرب دیں گے اور اس کے حاصل ضرب تیس کو اصل مسئلہ یعنی بارہ میں ضرب دیں گے پس تین سو ساٹھ سہام سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

فَاِنْ تَسَاوَتِ الْاَعْدَادُ اَجْزَأَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْاٰخَرِ كَامْرَأَتَيْنِ وَاَخَوَيْنِ فَاضْرِبْ اِثْنَيْنِ فِیْ اَصْلِ
اگر مساوی ہوں اعداد تو کافی ہو گا ان میں سے ایک دوسرے سے جیسے دو بیویاں اور دو بھائی پس ضرب دے دو کو اصل

الْمَسْئَلَةِ وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جُزْءً مِّنَ الْاٰخَرِ اَغْنٰى الْاَكْثَرُ عَنِ الْاَقَلِّ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ
مسئلہ میں اور اگر ایک فریق کا عدد جزء ہو دوسرے فریق کے عدد کا تو کفایت کرے گا اکثر اقل سے جیسے چار بیویاں

وَّاَخَوَيْنِ اِذَا ضَرَبْتَ الْاَرْبَعَةَ اَجْزَأَكَ عَنِ الْاٰخَرِ فَاِنْ وَّافَقَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ الْاٰخَرَ ضَرَبْتَ
اور دو بھائی کہ جب تو نے ضرب دی چار کو تو کفایت کرے گا دوسرے سے، اگر توافق ہو دونوں فریق کے عدد میں تو ضرب دے

وَفْقَ اَحَدِهِمَا فِیْ جَمِيْعِ الْاٰخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِیْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَّاُخْتٍ وَّسِتَّةِ اَعْمَامٍ
ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں جیسے چار بیویاں ایک بہن اور چھ چچا

فَالسِّتَّةُ تُوَافِقُ الْاَرْبَعَةَ بِالنِّصْفِ فَاضْرِبْ نِصْفَ اَحَدِهِمَا فِیْ جَمِيْعِ الْاٰخَرِ ثُمَّ فِیْ اَصْلِ
کہ چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے پھر اصل مسئلہ

الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ فَاِذَا صَحَّتِ الْمَسْئَلَةُ فَاضْرِبْ سِهَامَ
میں ضرب دے تو یہ اڑتالیس ہوں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا، جب صحیح ہو جائے مسئلہ تو ضرب دے ہر وارث

كُلِّ وَارِثٍ فِی التَّرِكَةِ ثُمَّ اقْسِمْ مَا اجْتَمَعَ عَلٰى مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةُ يَخْرُجُ حَقُّ الْوَارِثِ
کے سہام کو ترکہ میں پھر تقسیم کر حاصل ضرب کو اس پر جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو ہر وارث کا حق نکل آئے گا۔

تشریح الفقہ قولہ فان وافق الخ اگر اعداد فریقین میں توافق ہو تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مثلاً چار بیویاں ایک بہن اور چھ چچا وارث ہیں اور چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے تو ان دونوں یعنی چھ اور چار میں سے ایک

کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس ہوتے ہیں۔ اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

قولہ فان صحت الخ اگر میت کا ترکہ ورثہ میں تقسیم کرنا ہو تو تصحیح میں سے جتنا ایک وارث کو ملے اس کو کل ترکہ میں ضرب دیں گے اور حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کریں گے پس جو خارج قسمت ہو وہ ترکہ میں سے وارث مذکور کا حصہ ہوگا مثلاً ماں باپ اور دو لڑکیاں وارث ہیں اور کل ترکہ سات دینار ہے تو ماں کا حصہ جو ایک ہے اس کو کل ترکہ یعنی سات میں ضرب دیں گے تو حاصل ضرب سات ہی ہوگا پھر سات کو اصل مسئلہ یعنی چھ سے تقسیم کریں گے تو حاصل قسمت ۱/۶ کل ترکہ سے ماں کا حصہ ہوگا۔

وَاِذَا لَمْ تُقْسَمِ التَّرِكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُالْوَرَثَةِ فَاِنْ كَانَ مَانَصِيْبُهٗ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ
ابھی تقسیم نہ ہوا تھا ترکہ کہ کوئی وارث مر گیا پس اگر ہو وہ جو پہنچتا ہے اس کو پہلی میت سے تقسیم ہو جاتا

عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهٖ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّاصَحَّتِ الْاُوْلٰى وَاِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ صَحَّتْ فَرِيْضَةُ
ہے اس کے وارثوں کے عدد پر تو صحیح ہو جائیں گے دونوں مسئلے اسی سے جس سے صحیح ہوا ہے پہلا مسئلہ اور اگر تقسیم نہ ہو تو صحیح ہوگا

الْمَيِّتِ الثَّانِيْ بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضَرَبْتَ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِي الْاُخْرٰى اِنْ لَّمْ يَكُنْ
میت ثانی کا فریضہ اس طریقہ سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے پھر ضرب دے گا تو ایک مسئلہ کو دوسرے میں اگر نہ ہو

بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَمَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَةٌ مُّوَافَقَةٌ فَاِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُّوَافَقَةً فَاضْرِبْ
میت ثانی کے سہام میں اور اس میں جس سے صحیح ہوا ہے فریضہ موافقت اور اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو ضرب دے

وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْاُوْلٰى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَتَانِ وَكُلُّ مَنْ لَّهٗ شَيْءٌ مِّنَ
دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں پس جو حاصل ضرب ہو اس سے صحیح ہوں گے دونوں مسئلے اور جس کو کچھ ملا ہے

الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَمَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِّنَ
پہلے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا اس سے جس سے صحیح ہوا ہے دوسرا مسئلہ اور جس کو کچھ ملا ہے

الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ مَضْرُوْبٌ فِيْ وِفْقِ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَاِذَا صَحَّتْ مَسْئَلَةُ الْمُنَاسَخَةِ
دوسرے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا میت ثانی کے ترکہ کے وفق میں جب صحیح ہو جائے مناسخہ کا مسئلہ

وَاَرَدْتَّ مَعْرِفَةَ مَايُصِيْبُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْ حِسَابِ الدَّرَاهِمِ قَسَمْتَ مَاصَحَّتْ مِنْهُ
اور چاہے تو اس حصہ کو معلوم کرنا جو پہنچتا ہے ہر ایک کو دراہم کے حساب سے تو تقسیم کر دے اس عدد کو جس سے صحیح ہوا

الْمَسْئَلَةُ عَلٰى ثَمَانِيَةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَمَا خَرَجَ اَخَذْتَ لَهٗ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ وَاجِبَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ
ہے مسئلہ اڑتالیس پر پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لے لے واللہ اعلم بالصواب

تشریح الفقہ قولہ حتٰی مات الخ یہاں سے مناسخہ کے احکام کا بیان ہے کہ اگر ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کوئی وارث مرجائے اور اس کے حصہ کا مال پچھلوں کی طرف منتقل ہو جائے تو ایسی صورت میں پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور ہر وارث کے سہام دے دیئے جائیں گے پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی اور دونوں تصحیحوں کے مافی الید میں غور کریں گے کہ ان میں استقامت ہے یا توافق یا تباین اگر تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر مستقیم ہو یعنی اس کے وارثوں پر بلا کسر مقسوم ہو جائے تب تو ضرب وغیرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور اگر مستقیم نہ ہو اور میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلہ میں توافق نہ ہو تباین ہو تو جمیع تصحیح ثانی کو جمیع تصحیح اول میں ضرب دیں گے اور جو حاصل ضرب ہو وہ دونوں مسئلوں کا مخرج

ہوگا اور اگر ان کے سہام میں تو توافق ہو تو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دیں گے اور جو حاصل ضرب ہو اس سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی مثلاً ایک عورت کے دو بھائی اور شوہر وارث تھے اور مسئلہ چار سے صحیح ہوتا تھا پھر شوہر مر گیا اور اس نے چار بیٹے چھوڑے یہ مسئلہ بھی چار سے ہوتا ہے اور ان دونوں میں توافق بالنصف ہے تو ان کے نصف عدد یعنی دو کو دوسرے کے کل میں ضرب دیں گے جس کا حاصل ضرب آٹھ ہے پس آٹھ سے دونوں مسئلے صحیح ہوں گے پس چار سہام دونوں بھائیوں کے ہوں گے اور چار سہام شوہر کے بیٹوں کے ہوں گے۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین

والحمدللّٰہ رب العلمین

قداستراح القلم من شرح المجلدالثانی وبہ تم الکتاب والحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ علی من لانبی بعدہ

محمد حنیف غفرلہ گنگوھی (فاضل دیوبند) ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ

* * * * * * *